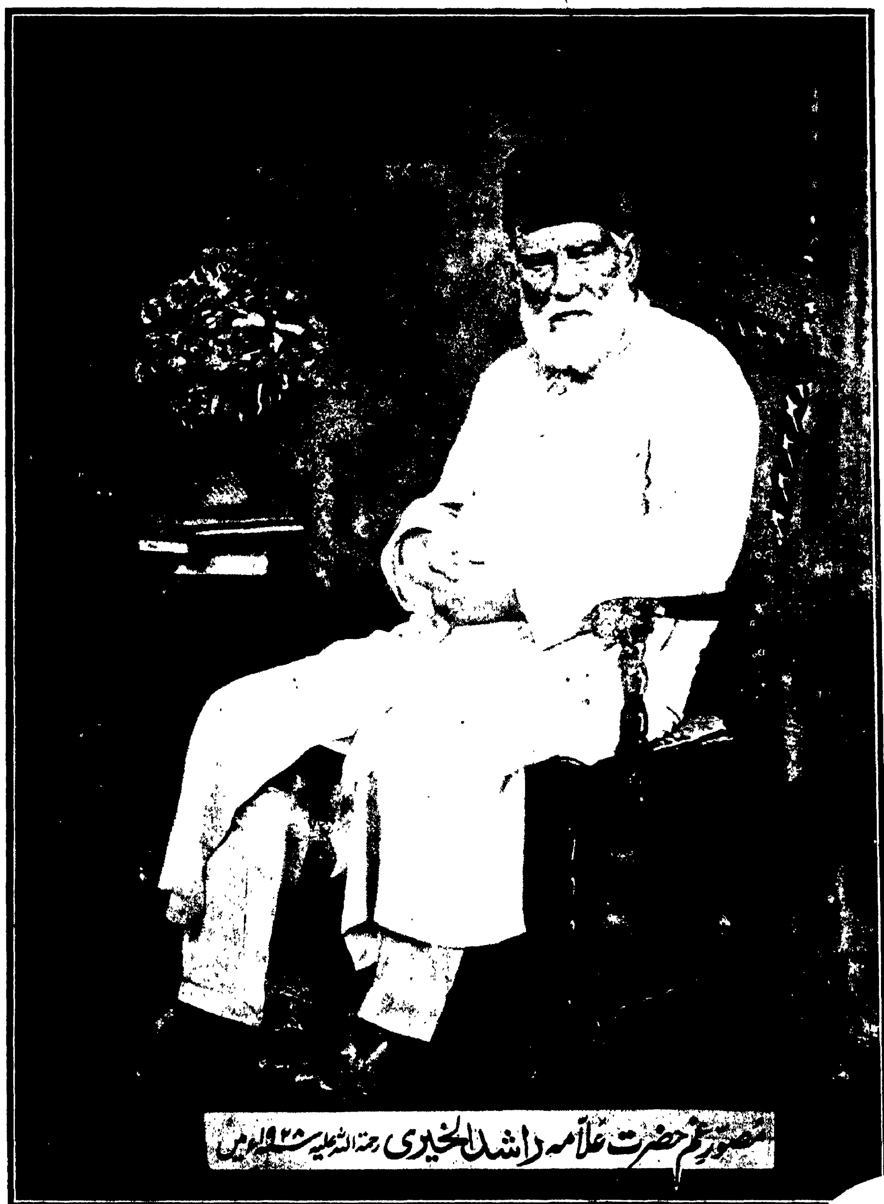
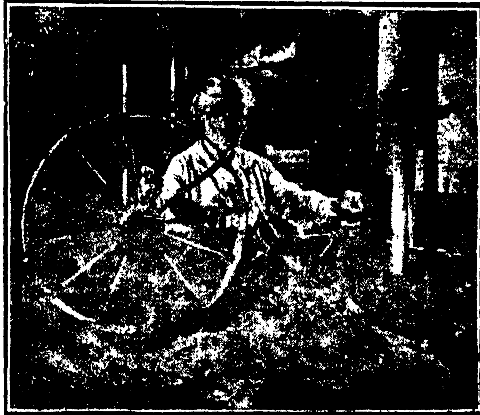


مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ

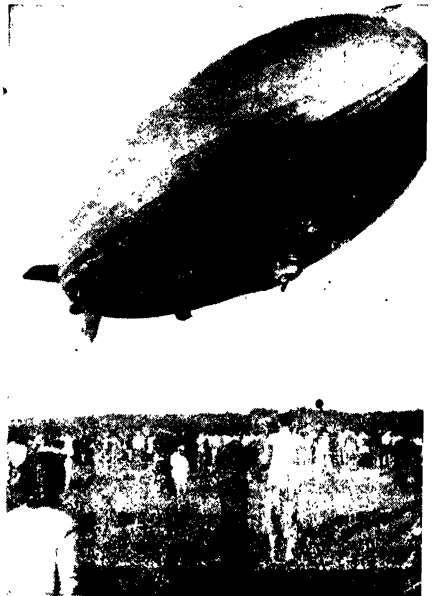
جنکی ۳ فروری سنہ ۱۹۳۹ء کو تیسری برسی ہے



فیشن کی ترقی کے درجے



ایک یورپین خاتون چرخہ کات رہی ہے



ی قسم کا جرمن ہوائی جہاز "گریپ زیپلن
میں ۷۴ مسافر بیٹھہ سکتے ہیں

# حضرت علامہ راشد الخیری مرحوم کا مکتوب

جب میں نے حضرت علامہ راشد الخیری مرحوم کو خط لکھا تو حضرت علیل تھے مگر واہ رے خلوص و ہمدردی نسواں کہ اُنہوں نے خود اپنے ہاتھ سے لکھ کر جواب دیا۔ خط میں نے ڈرتے ڈرتے بھیجا تھا کہ علامہ اتنے بڑے آدمی ہیں وہاں سے جواب نہیں آئے گا مگر جس وقت جواب موصول ہوا ہے تو مجھ پر ان کے اخلاق کا بے حد اثر ہوا کہ واقعی اس کو کہتے ہیں خدمت خلق۔ میرے تو یہ سان گمان میں بھی نہیں آسکتا کہ کوئی اتنا بڑا آدمی اپنی علالت اور کمزوری کے باوجود کسی نا دیدہ لڑکی کے خط کا اپنے ہاتھ سے جواب دے گا۔ میں حضرت کے اس گرامی نامے پر جس قدر فخر کروں کم ہے۔ خدا ہمارے بزرگ رہبر کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آپ کا والا نامہ اشاعت کے لئے ارسال ہے۔ بہنیں اپنے محسن اعظم کے ملی احساس کا اندازہ لگائیں۔

دیوان زادی نادر جہاں بیگم طاہرہ (سیونی)

محترمہ۔ سلام علیکم۔

آپ کے خط کے جواب میں اس لئے دیر ہوئی کہ میں خود لکھنا چاہتا تھا مگر ہاتھ کام نہیں دیتے، رعشہ ہو گیا ہے۔

آپ کی ہمدردی اور محبت کے جذبات جو دخترانہ اور سعادت مندانہ ہیں شکریہ کے مستحق ہیں۔ میں نے جو کوششیں لڑکیوں کے واسطے کیں ہیں بہت سی میرے سامنے کامیاب ہو گئیں۔ باقی کے بیج بو چلا ہوں یہ بھی ان شاء اللہ بار آور ہوں گی۔

میں مفتی نہیں ہوں، انفرادی رائے میری یہ ہے کہ اگر میرے اختیار میں ہو تو ہر شہر میں لڑکوں کے مدرسے توڑ کر لڑکیوں کے بنا دوں۔ اسلام کی خدمت اس وقت اس سے بہتر کوئی نہیں ہے کہ لڑکیاں ارتداد سے محفوظ رہیں۔ اور افلاس ان کو آغوش اسلام سے جدا نہ کرے۔ ان کی تعلیم پر ہر روپیہ جائز اور بہترین مصرف ہو۔

افسوس میں اب صحت کے اعتبار سے کسی قابل نہیں ہوں، تصنیف و تالیف کے قابل ہوتا تو ایک ہائی اسکول کی بنیاد ڈال دیتا۔ تاہم جو کچھ ممکن ہے کر رہا ہوں۔ دعا کیجئے کہ معبود حقیقی اسلام پر خاتمہ کرے اور رسول نامدار کا کلمہ زبان پر ہو۔ یہ بچیاں جو اس وقت مکتب بنات میں میری مغفرت کا سبب ہوں اور میری خدمت قبول ہو جائے۔

دعا ہے کہ آپ خوش و خرم رہیں۔

دعا گو

راشد الخیری

جمعہ ۱۸۔ اکتوبر ۳۵ء

# اپنے محسن اعظم کی یاد

(۱)

اپنی پستی کی طرف آنکھ جو اُٹھ جاتی ہے
صنفِ کمزور جب اس فکر میں گھبراتی ہے
رہبری کو کوئی رہبر جو نہیں پاتی ہے
راشد الخیریؒ مرحوم کی یاد آتی ہے

(۲)

بند ہوتی ہے اُبھرنے کی جو ہر ہمت سے راہ
جب حقیر اس کو سمجھتی ہو زمانہ کی نگاہ
کوئی بھرتا نہیں جب اُس کی تکالیف پہ آہ
راشد الخیریؒ مرحوم کی یاد آتی ہے

(۳)

منہ دکھاتی نہیں جب صُبحِ مسرت اُس کو
جب ڈراتا ہے خیالِ غمِ غربت اُس کو
جب نہیں ملتی وہ پہلی سی حمایت اُس کو
راشد الخیریؒ مرحوم کی یاد آتی ہے

(۴)

جورِ بیجا پہ بھی پاتی نہیں جب تابِ سخن
جب نظر آتا ہے پامالِ خزاں اپنا چمن
دل میں ہوتی ہے جب اس سوزشِ پیہم سے جلن
راشد الخیریؒ مرحوم کی یاد آتی ہے

(۵)

جب ستاتا ہے بہت کاوشِ پنہاں کا اثر
نالہ آجاتا ہے جب شدّتِ غم میں لب پر
ترجمان جب کوئی اپنا نہیں آتا ہے نظر
راشد الخیریؒ مرحوم کی یاد آتی ہے

(۶)

جب وہ پاتی ہے "گلستانِ وفا" کو تاراج
جب نظر آتا ہے بدلا ہوا "دنیا کا مزاج"
جب دباتا ہے بہت اس کو "زمانے کا رواج"
راشد الخیریؒ مرحوم کی یاد آتی ہے

(۷)

جب سراپا غم و حسرت کوئی تصویر ملے
جب کسی لفظ میں پوشیدہ کوئی تیر ملے
جب کوئی درد میں ڈوبی ہوئی تحریر ملے
راشد الخیریؒ مرحوم کی یاد آتی ہے

(۸)

جب نگہ دیکھتی ہے رفتہ و موجود و مآل
جب پرکھتی ہے نظر ماضی و مستقبل و حال
رہنما کون ہے؟ جب ذہن یہ کرتا ہے سوال
راشد الخیریؒ مرحوم کی یاد آتی ہے

اُمِ زہرا ہاشمی (بدایونی)

# مولانا راشد الخیری کی انشاء

مولانا راشد الخیری مرحوم کی اس وقت سات کتابیں میرے سامنے ہیں اور اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ ان میں سے کس کتاب کو سب سے بہتر سمجھتا ہوں تو میں اس کا کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ مولانا مرحوم کا وہ درد وسوز جو عورت کی دنیا کے لئے وقف تھا، اُن کی ہر تصنیف میں یکساں طور پر پایا جاتا ہے اور اس طبقہ کی اصلاح کے لئے خون کے جن آنسوؤں سے وہ روئے ہیں اُن سے اُن کی کوئی کتاب خالی نہیں۔

مولانا مشرقی تہذیب کے عاشق تھے اور وہ اس نئے دور میں بھی اس کے لئے تڑپا کرتے تھے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ ہندوستان کی عورت نے اپنے سفر کا رخ بدل دیا ہے اور بیتاب تھے کہ کیونکر اُس کا دامن پکڑ کر اس راہ سے اُسے ہٹا دیں جس میں خطرہ ہی خطرہ ہے۔ چنانچہ مرحوم نے اپنی زندگی اسی کوشش میں تمام کر دی اور یہ کہنا حقیقت کے خلاف نہ ہوگا کہ وہ اپنے مشن میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے۔ رسالہ عصمت کی برادری جس میں ہندوستان کی ہزاروں شریف خواتین شامل ہیں، اس کی بہترین شاہد ہے اور مولانا کی تصانیف کی مقبولیت اس کی کھلی ہوئی دلیل۔

مولانا نے عورتوں کی اصلاح کے لئے کیا کچھ نہ کیا۔ مضامین شائع کئے، کتابیں لکھیں، درسگاہ قائم کیا، سفر کئے، تقریریں کیں۔ ہر طرح کی تکلیفیں اُٹھائیں، دنیا کے طعن سہے، دشمنوں کی نکتہ چینیاں سنیں، لیکن جو کچھ اُن کو کرنا تھا نہایت خاموشی سے کرتے رہے اور جس منزل کو متعین کر لیا تھا اُس سے سرِ مو انحراف نہ کیا۔ اس میں شک نہیں کہ اُن کا دل موم کا تھا لیکن عزم و ارادہ پتھر کا سا۔

مولانا کی انشاء کا سوز و گداز جس سے اُن کی کوئی تصنیف خالی نہیں ایک ایسا نشتر ہے جو براہِ راست دل میں جا کر پیوست ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ چونکہ محاکات بھی اُن کے یہاں مکمل ہوتی ہے اس لئے وہ اپنے الفاظ سے ایک ایسی سیمیائی فضا پیدا کر دیتے ہیں جس میں پڑھنے والا گم ہو جاتا ہے۔ بزمِ رفتگاں پڑھئے اور دیکھئے کہ انھوں کس درد کے ساتھ اپنے بعض بچھڑے ہوئے احباب کا ذکر کیا ہے۔ عروسِ مشرق کا مطالعہ کیجئے اور پچھلی صحبتوں کا ذکر جس الفاظ میں کیا گیا ہے، اُن کو پڑھ کر آنسو بہائیے۔ مولانا کے سات افسانوں کا آخری مجموعہ جو خدائی راج کے نام سے شائع ہوا ہے وہ ہر چند ان کی فسانہ نگاری کے ارتقاء کے لحاظ سے کوئی آخری کڑی نہیں ہے۔ کیونکہ مولانا کی تحریر کی جس خصوصیت نے اُنہیں مشہور کیا وہ اُن کے تمام افسانوں میں یکساں پائی جاتی ہے۔ لیکن اِس حیثیت سے کہ آخر آخر مولانا کے اس رنگ نے کتنی پختگی اختیار کر لی تھی۔ دیکھنے کے قابل ہے۔

عورت کی حمایت کے لئے اِنھوں نے جو جو پہلو اختیار کئے اُن کی تفصیل بیان کرنا مشکل ہے۔ انھوں نے صرف فسانے ہی نہیں لکھے بلکہ مختلف عنوانوں سے سیکڑوں اصلاحی مقالے بھی لکھے (جن میں سے بعض نالۂ زار، گدڑی میں لعل اور مسلمان عورتوں کے حقوق کے نام سے شائع ہوئے ہیں) اور بعض ایسی کتابیں بھی لکھیں جو براہِ راست مذہبی و اخلاقی احکام سے متعلق تھیں، چنانچہ عصمت بک ایجنسی سے ایک کتاب احکام نسواں کے نام سے شائع بھی ہو چکی ہے۔ الغرض مولانا کی خدمات اصلاح نسواں کے باب میں اتنی متنوع، اس قدر ہمہ گیر اور اس درجہ وسیع ہیں کہ ان پر نقد و تبصرہ تو خیر بڑی چیز ہے معمولی اعتراف کے لئے بھی مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔

نیاز

بن کی تربیت۔

# اُجڑے دیار کی آخری صدا

"جہان آباد اُجڑا اس کے بسنے والے اُجڑے۔ وہ جلسے فنا اور صحبتیں برہم ہو چکیں اور اس چمن کے پکھیرو اپنی اپنی بولیاں بول کر اُڑ گئے۔ یہ جدّت کا وقت ہے۔ وہ گلشن نذرِ خزاں ہوا۔ اب نئے نئے راگ اور مختلف نغمے ہیں۔ اس محفل میں جہاں بجلی کے قمقمے روشن ہیں مٹّی کے دیوؤں کو کون آنکھ اُٹھاکر دیکھے گا، گاڑھے گزی والی ڈاڑھیاں ختم ہوئیں۔ اب دیبا و حریر کی ساڑھیاں اپنی بہار دکھا رہی ہیں۔" (بکھری ہوئی پتیاں)

علامہ راشد الخیری مرحوم کی آٹھ کتابوں کا تیسرا سٹ برادرم رازق الخیری کی مہربانی سے مجھے دیکھنے کا موقع ملا۔ یہ سٹ دامانِ باغبان کی طرح رنگا رنگ پھولوں سے بھرا ہوا ہے جن کی خوشبو سے چمنستانِ ادب ہمیشہ مہکتا رہے گا۔ ہر کتاب کفِ گل فروش کی طرح معطّر ہے جس کی شامّہ عطر بیز سے رُوح تازہ ہوتی ہے۔ ان آٹھ کتابوں میں سے ایک کا نام ہے "بکھری ہوئی پتیاں" اسی میں سے ایک مضمون کی چند سطریں زیبِ عنوان ہیں۔ انھیں ماضی و حال کا آئینہ دار سمجھئے۔ کہ ان میں زمانے کی دھوپ چھاؤں کا عکس پوری طرح نمایاں ہے۔ بوڑھے ماضی کی آنکھوں میں سے موت جھانکتی نظر آتی ہے۔ اور جوان حال کے شوخ و شنگ خد و خال مسکراتے دکھائی دیتے ہیں۔ زمانے کی یہی ریت ہے کہ ماضی کی نعش پر حال کا پرچم لہراتا ہے۔ علامہ راشد الخیری مرحوم مشرقی تہذیب کے علَم بردار تھے۔ اُنھوں نے لال قلعہ کی چہل پہل کا زمانہ نہیں دیکھا تھا۔ لیکن خاندانِ مغلیہ کی آخری جھلملاتی شمع کے گُل ہو جانے کے بعد جو اُداسی چھا گئی تھی اس کا گہرا اثر ان کی طبیعت پر تھا۔ لال قلعہ کی بہار لُٹ چکی تھی۔ دِلّی والے خانماں برباد ہو چکے تھے جو بچے شہر بدر ہوئے جس کے جہاں سینگ سمائے نکل کھڑا ہوا۔ اس طرح دِلّی کا سہاگ اُجڑا۔ اور دِلّی والے دربدر خاک بسر ہوئے۔

حکومت کے ساتھ تہذیب بھی مِٹی جب نفسا نفسی کا دور ختم ہوا اور امی جمی کا زمانہ شروع ہوا تو بچے کھچے دِلّی والے سمٹ سمٹا کر یکجا ہوئے۔ مگر اب دِلّی وہ دِلّی نہیں تھی۔ جو "جہان آباد" اور "شاہجہان آباد" سے عبارت تھی۔ اب مغربی حکومت اپنی تہذیب میں اسے رنگ رہی تھی۔ گویا قدیم و جدید تہذیبوں کی آویزش سے کچھ اور ہی چیز بن رہی تھی۔ تہذیبِ جدید اپنا تسلّط جمانے کے لئے تہذیبِ قدیم کا گلا گھونٹ رہی تھی۔ یہی وہ زمانہ تھا جب علّامہ مرحوم نے ہوش سنبھالا اور اس خوفناک کشمکش کو بچشم خود دیکھا۔ مظلوم کی حمایت ہر صاحبِ انصاف کا فرض ہے۔ علامہ مرحوم نے نہ صرف تہذیبِ قدیم کی حمایت کی۔ بلکہ اس کے سب سے بڑے ایڈوکیٹ بھی تھے۔

ہر چیز کے دو پہلو ہوتے ہیں اچھا اور بُرا۔ چنانچہ ہماری قدیم تہذیب بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ علّامہ مرحوم نے اپنی ساری عمر تہذیبِ قدیم کی خوبیاں پیش کرنے میں صرف کی۔ اس میں جو بُرائیاں تھیں اُنھیں بھی علّامہ مرحوم نے نظر انداز نہیں کیا۔ ان کی تصانیف میں ہندوستانی تہذیب و معاشرت کا کوئی پہلو چھوٹنے نہیں پایا ہے۔ اُنھوں نے جو کچھ کہا ہے بے لاگ کہا ہے۔ اکثر و بیشتر وہ کسی مسئلہ کے دونوں پہلو پیش کرتے ہیں تاکہ پڑھنے والے خود فیصلہ کر لیں کہ اچھا کونسا ہے اور بُرا کونسا۔ مثلاً ذیل کے اقتباس میں ملاحظہ فرمایئے:۔

"دیکھتے ہی دیکھتے کچھ ایسی ہوا پلٹی اور زمانہ بدلا کہ بیٹے تو بیٹے بیٹیاں بھی وہ نہ رہیں۔ سو پچاس برس نہیں ہماری آنکھوں دیکھے کی بات ہے کہ جوان بیاہی تیاہی بچّوں والی بیٹی کی بے خطا بے قصور، ماں نے سینکڑوں فضیحتیاں کر ڈالیں اور جواب تو درکنار اتنی مجال نہ ہوئی کہ اُف تو کر لیتی۔ ایک پچاس برس کے اُلٹ پھیر میں وہ باتیں کہانیاں وہ صورتیں خواب و خیال ہو گئیں۔ اور آج یاد کرنے کو اُن کے افسانے آنسو بہانے کو اُن کے گُن باقی رہ گئے۔ وہ بھی ایک وقت تھا کہ برابر کی بیٹیاں آنکھ مِلا کر بات کرنا گناہ سمجھتی تھیں اور یہ بھی ایک وقت ہے کہ "مانگ برابر لڑکیوں سے ایک کہہ کر سو سُن لو"۔ (بکھری ہوئی پتیاں)

اب آپ خود فیصلہ کیجیے کہ آپ کس طبیعت کی بیٹی پسند کریں گے ۔

علامہ راشد الخیری مرحوم کا یہ احسان ہندوستانی مسلمان کبھی نہیں بھول سکتے ۔ کہ انھوں نے ایک دو سال نہیں پورے پچاس سال مسلم خواتین کی ذہنی تربیت اس طرح کی کہ آج ترقی کی دوڑ میں وہ کسی اور مذہب کی عورتوں سے پیچھے نظر نہیں آتیں ۔ یہ علامہ مرحوم ہی کا فیض ہے کہ مسلمان بیبیاں جابر مردوں کی غلامی سے آزاد نظر آتی ہیں ۔ علامہ مرحوم نے مردوں سے لڑ کر عورتوں کو ان کے حقوق دلوائے ہیں ۔ وہ حقوق جو مذہب نے انھیں دیئے مگر مردوں نے غصب کر لئے تھے ۔ مولانا کا مذہبی مطالعہ بہت وسیع تھا ۔ وہ دہلی کے ممتاز ترین مولویوں کے خاندان کے چشم و چراغ تھے ۔ بچپن میں ان کی تعلیم کا آغاز بھی قدیم دستور کے مطابق مذہب ہی سے ہوا ۔ تربیت بھی اسی ماحول میں ہوئی ۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا کی تحریروں میں کثرت سے قرآن پاک ، حدیث شریف اور تاریخ اسلام کے حوالے ملتے ہیں ۔ مولانا غایت درجہ پابند شرع تھے ۔ اسلام کے فدائی اور رسول کریمؐ کے عاشق تھے ۔ اس کا ثبوت ان کے مضامین سے ملتا ہے ۔ مولانا زندگی کے ہر شعبہ میں مذہب کے احکام کی پوری پوری پابندی دیکھنا چاہتے ہیں ۔ اسلام دین فطرت ہے اور اس نے ہمارے لئے ایک مکمل نظام زندگی پیش کیا ہے ۔ افسوس ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں نے اپنی ہمسایہ قوموں کے رسم و رواج سے متاثر ہو کر اس نظام کی صورت مسخ کر دی ہے ۔ اور افسوس زیادہ اس بات کا ہے کہ ہمارے مذہبی پیشواؤں نے بھی اس مسخ شدہ شکل پر صاد کر دیا ہے ۔ مذہبی احکام کی روح کچھ اور ہے جسے بدنما قالبوں میں ڈھال دیا گیا ہے ۔ مثلاً ہمارا مذہب عورت کو خلع کا حق دیتا ہے ۔ لیکن ہمارے مذہبی پیشواؤں نے عورت کو اس سے محروم کر دیا ۔ اس کا لازمی نتیجہ ارتداد کی صورت میں نکلا کہ صرف یہی ایک صورت مظلوم عورت کے لئے رہائی کی رہ گئی ۔ علامہ مرحوم فرماتے ہیں :-

"خلع عورت کا شرعی حق تھا اور قرون اولیٰ میں عورت کا اس سے علی الاعلان متمتع ہونے کا واقعہ سرور کائنات سے اس کا مکالمہ ، عورت کی آزادی اور حق خلع کا زندہ ثبوت ہے ۔ لیکن آج اہل قرآن ، اہلحدیث ، حنفی ، مالکی ۔ شافعی ، سُنی ۔ شیعہ وغیرہ وغیرہ مسلمانوں کا کونسا گروہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اس نے ہندوستان میں عورت کو اس جائز حق سے محروم نہیں کیا ۔ ایک نہایت لغو اور موٹا سا جواب بس یہ ہے کہ خلع کے واسطے قاضی کی ضرورت ہے ۔ اور قضاۃ موجود نہیں ۔ یہ جواب نہایت ہی مضحکہ انگیز ہے ۔ مسلمان ذرا سی مذہبی بدعنوانیوں سے ایک طومار باندھ دیں ۔ خلافت ۔ کانگریس ۔ عدم تعاون ۔ اذان ۔ محرم ۔ دسہرہ ۔ غرض ہر جائز ناجائز معاملے میں آسمان سر پر اٹھالیں ۔ مگر عورت کا اتنا بڑا حق غصب ہو ۔ اور اُف نہ کریں ۔ اس کا کھلا ہوا نتیجہ یہ سننے میں آیا کہ شوہر کے مظالم سے تنگ ہو کر جب بیوی کو شرعی پناہ یعنی خلع میسر نہ ہوا تو اس نے فسخ نکاح کی طرف رجوع کیا ۔ اور شوہر کے پنجہ سے رہائی پانے کے واسطے ارتداد کے سوا کوئی اور صورت نظر نہ آئی ۔" (مسلمان عورت کے حقوق )

مولانا نے اس نا منصفی بلکہ اس ظلم کی ساری ذمہ داری علمائے کرام پر عائد کی ہے ۔ جو بقول مولانا " وقت اور موقع کو بغیر دیکھے بھالے اور بلا جانے پہچانے صرف گردن کی رگیں پھلا کر قال اللہ و قال الرسول فرما کر لٹھ مارنے جانتے ہیں اور اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ ان کا ارشاد کس حد تک مذہب مقدس کی اہانت کا سبب ہوگا ۔ ان کے اس تخاطب و ارشاد کے نتائج کس قدر مضحکہ خیز اور درد انگیز ہوں گے اور محض بات کی پچ ، نفس پروری یا جہل یا نادانی کی وجہ سے وہ خدا اور اس کے رسول پر کیا ظلم فرما رہے ہیں :"

ظلم کی بھی ایک حد ہوتی ہے ۔ جب ظلم حد سے گذر جاتا ہے تو مظلوم مجبور ہو کر بغاوت پر آمادہ ہو جاتا ہے ۔ تاریخ عالم کے بڑے بڑے انقلابوں کی تہ میں آپ یہی اصول کار فرما دیکھیں گے ۔ مسلم خواتین کی مظلومیت بھی اسی نازک حد تک پہنچ گئی ہے ۔ جس طرح شکاری کے چنگل میں پھنسے ہوئے اور وہ مفر کی کوئی راہ نہیں دیکھتا تو وہ اپنی جان بچانے کے لئے نڈر ہو کر پلٹ پڑتا ہے اسی طرح مسلمان خواتین بھی

جنّتی کی تربیت ۔

مقابلہ پر آمادہ ہوگئی ہیں۔ اس نکتہ کو علامہ مرحوم نے خوب سمجھایا ہے:۔

"مرد کو کیا حق ہے کہ شرع اسلام جو کچھ اس کو (عورت کو) دے چکی وہ اس سے واپس لے۔ ان مظالم اور اس خود غرضی اور نفس پروری کا نتیجہ مرد دیکھ چکا ہے اور دیکھ رہا ہے۔ کہ مسلمان عورت آستین چڑھا کر اس کے مقابلہ پر آگئی۔ کیا کوئی معقول آدمی عورت کو اس حالت میں دیکھ کر کہہ سکتا ہے کہ یہ عورت کی زیادتی ہے۔ یہاں عورت کا وجود ہی نہیں ہے۔ عورت جب بپھری ہوئی شیرنی کی طرح ہو۔ اس وقت جب اس کے منھ سے کف جاری ہوں۔ چہرہ غصہ سے سرخ اور آنکھوں سے شعلے نکل رہے ہوں اپنی شرم وحیا اور مرد کا احترام کھو کے اپنا حق مانگ رہی ہے اس وقت اس کے وجود میں۔ اس کی رگ رگ میں مرد کے مظالم خون کی طرح دوڑ رہے ہیں مرد کی جھوٹی طاقت نے عورت کا یہ ہڈرانو کر دیا۔ اب نہ معلوم وہ اس کو کس رنگ میں دیکھنا چاہتا ہے۔" (مسلمان عورت کے حقوق)

انہی غصب شدہ حقوق میں سے ایک حق عورت کی آزادی کا بھی ہے جس کے لئے مولانا ساری عمر برسرپیکار رہے۔ مولانا اپنے ایک مضمون میں فرماتے ہیں:۔

"بعد نکاح جو حقوق اسلام نے بیوی کو دیئے تھے وہ اس سے چھین لئے گئے۔ اور جس کو خطبۂ نکاح نے گھر کی ملکہ بنایا تھا وہ مرد کی کنیز ہوگئی۔ امر حق یہ ہے کہ اس کی ذمہ داری عام مسلمانوں پر کم اور ان علمائے عظام پر بہت زیادہ ہوگی جنہوں نے عورت یعنی اس شے کو جو ارشاد نبوی کے موافق دنیا کی بہترین اشیاء میں تھی ذلیل کرتے کرتے جانور سے بدتر بنا دیا۔ اور اس کی زنجیر حراست اتنی سنگین کر دی کہ دنیا کا ہر جائز لطف اس کے واسطے حرام ہوگیا۔" (شادی کا انتخاب)

اسی طرح ایک نہایت اہم سوال مسلمانوں کے لئے پردہ کا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ پردہ ترقی میں حائل ہوتا ہے اس لئے اسے یکسر اڑا دینا چاہئے کوئی اس کی حمایت اس شدت سے کرتا ہے کہ آواز تک کا پردہ عورتوں کے لئے ضروری قرار دیتا ہے۔ اکبر الہ آبادی مرحوم نے چند بے پردہ بیبیاں دیکھیں تو غیرت قومی سے زمین میں گڑ گئے تھے اور دریافت کرنے پر انھیں معلوم ہوا تھا کہ ان بیبیوں کا پردہ مردوں کی عقل پر پڑ گیا تھا۔ غرض یہ ایک ایسا پیچیدہ مسئلہ بن گیا ہے کہ اس کی مخالفت اور موافقت دونوں میں بہت کچھ کہا اور لکھا گیا ہے۔ ہمیں اس بحث میں جانے کی ضرورت نہیں ہے کہ پردہ ہونا چاہئے یا نہیں۔ ہمارے مذہب نے جہاں اور سب معاشری دشواریوں کا حل پیش کیا ہے وہاں پردہ کی حدود بھی متعین کر دی ہیں۔ رسم ورواج نے ان حدود کو تنگ کرتے کرتے قیود بنا دیا ہے۔ انہی بے جا قیود کو توڑنے کے لئے علامہ مرحوم نے جا بجا مذہبی احکام اور تاریخ اسلام سے استشہاد کیا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

"نفس پروری اور بے دردی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوگا کہ خدا فرمائے سیروا فی الارض (زمین کی سیر کرو) اور مسلمان فرمائیں کہ اپنی آواز تک غیر مرد کو نہ سنائے۔ اور پردے میں گھٹ گھٹ کر مرجائے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ عام مستورات کی عفت عصمت ان کی نگہداشت اور ان کا احترام رسول زادیوں سے کس طرح زیادہ ہوگیا؟ جناب سیدہ نے قضیہ فدک میں اپنا مطالبہ حضرات شیخین سے کس طرح کیا؟ ...... ام المومنین عائشہ صدیقہ نے مسلمانوں سے کس طرح خطاب فرمایا؟ بہرحال یہ ایسے واقعات ہیں جن کی موجودگی میں مسلمانوں کا یہ ارشاد خواہ وہ جاہلوں کی طرف سے ہو یا عالموں کی عورت پر ظلم۔ خدا پر بہتان رسول پر الزام اور اسلام کے ساتھ کھلی ہوئی دشمنی ہے۔" (شادی کا انتخاب)

پردہ کا مقصد کیا ہے اور اس کا حکم کیوں دیا گیا؟ اس کا جواب مولانا کی زبانی سنئے:۔

"...... اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ جو سخت اور شدید پردہ ہندوستانی مسلمانوں کے بعض طبقوں میں رائج ہے وہ مذہب اسلام کے احکام پر مبنی نہیں بلکہ ملک کے مخصوص حالات کا نتیجہ ہے۔ حقیقت میں پردہ کا حکم عورتوں اور مردوں کے بے تکلفانہ اختلاط اور بے حجابانہ خلاملا کی روک تھام کے لئے دیا گیا تھا۔ اور اس کا اصل مقصد یہ تھا کہ عورتیں اپنی زیب وزینت کا اظہار عام طور پر نہ کریں۔ اگر ضرورت زمانہ کے لحاظ

سے محض مذہبی احکام کی پابندی اور مقامی ماحول کو ملحوظ رکھ کر پردہ کی موجودہ حالت میں اصلاح کر دی جائے تو یقین ہے کہ اس کی وجہ سے جو نقصان تعلیم میں ہو رہا ہے وہ رفع ہو جائے گا۔ (عالم نسواں)

رسمی پردہ اور اس کے قبیح نتائج کے متعلق مولانا ایک جگہ یوں ارشاد فرماتے ہیں :-

"سنہ ۱۹۰۱ء میں.... مسلمانوں کے ہاں پردہ کی رسم سختی سے جاری تھی اُس وقت کی عورت کا نمونہ اب بھی بعض گھروں میں جہاں تعلیم جدید کی روشنی نہیں پہنچی نظر آ رہا ہے۔ اس زمانہ کے نکاح کے معنی عام طور پر اور آج کے کہیں کہیں خاصی اچھی آزاد لڑکی کو عورت کی سند دے کر شادی کے لال سبز کپڑوں کے لالچ اور گوٹے ٹھپے کی چمک میں ماں باپ کی طرف سے شوہر کی خدمت میں ایک کنیز پیش کرنے یا بیڑی کی محکومیت پر مہر تصدیق لگا دینے کے سمجھنے چاہئیں۔ (خدائی راج اور دیگر افسانے)

مولانا عورتوں کی آزادی اور ترقی کے ایڈووکیٹ تھے لیکن صرف اتنی ہی آزادی اور ترقی کے جتنی کہ اسلام نے اجازت دی ہے۔ مغربی تہذیب کا اثر ہماری زندگی کے ہر شعبے پر پڑا ہے۔ چنانچہ ہماری خواتین بھی اسی سے متاثر ہوئی ہیں۔ یہ تہذیب اپنے ساتھ کچھ بھلائیاں بھی لائی اور کچھ برائیاں بھی۔ شارع اسلام نے ہمیں سکھایا ہے کہ جو اچھی باتیں ہیں انھیں اختیار کر لو اور جو بُری ہیں انھیں چھوڑ دو۔ مولانائے مرحوم نے بھی قدیم و جدید تہذیب میں اسی معیار کو پیش نظر رکھ کر ایک خط امتیاز کھینچا ہے۔ ان کے بے شمار مضامین موجود ہیں جن میں انھوں نے دونوں تہذیبوں کا منصفانہ موازنہ کیا ہے۔ مثلاً ہماری مروجہ رسوم میں اکثر ایسی ہیں جو اسراف میں داخل ہیں۔ بلکہ بعض ایسی بھی ہیں جو مذہب کے خلاف کہی جا سکتی ہیں۔ مولانا کی کتاب "فریب ہستی" ایسے ہی اصلاحی مضامین کا مجموعہ ہے۔ شادی بیاہ کی فضول رسموں کے علاوہ مسلمانوں میں کسی کے مرجانے پر بھی ایک طویل سلسلہ رسموں کا رائج ہے اور یہ رسمیں ایسی ہیں کہ ان سے پسماندگان کو روحانی اذیت اور مالی نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔ عذاب ثواب تو خیر خدا جانے۔ لیکن اتنا ضرور سمجھ سکتے ہیں کہ ان رسوم سے مذہب اسلام کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ مثلاً پھولوں کی رسم کی اب تک پابندی کی جاتی ہے اور جس مبالغہ سے کی جاتی ہے وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ پھولوں سے میرا مطلب تیجہ یا سویم سے ہے جو کسی کے مرنے کے تیسرے دن ہوتا ہے۔ اسی طرح چالیسواں بھی ایک رسم قبیح ہے۔ مولانا نے ان رسوم پر بار بار لکھا ہے۔ یہاں صرف ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے :-

"..... جو قوم ایسے شخص سے جس پر ظالم موت نے ہاتھ ڈال کر عمر بھر کے لئے تباہ کر دیا ہو خراج وصول کرے۔ جو قوم رانڈ بیوی۔ یتیم بچوں مصیبت زدہ شوہر اور دکھیاری ماں سے موت کے بعد بریانی اور متنجن کی توقع کرے اور حصے بخروں پر جھگڑے ڈالے کیا وہ خدا کے رحم کی مستحق ہے؟

مسلمانو! کس دل سے تمھارے حلق سے وہ قورمہ اور شیرمال اترے ہوں گے جو تم ایک ایسی ماں سے پکواتے ہو جس کی عمر بھر کی کمائی لٹ گئی اُن بچوں سے لیتے ہو۔ جن سے ان کی ماں ہمیشہ کو چھٹ گئی!۔

اسلام کا اصلی منشا یہ تھا کہ جب کسی مسلمان پر ایسا صدمہ گذرے تو تمام عزیز و اقارب اپنا اپنا کھانا لے کر اس کے ہاں جائیں اس کے دسترخوان پر اپنا کھانا کھائیں اور اس کو بھی زبردستی کھلائیں۔ کیونکہ اس کو اس حالت میں بھوک پیاس کچھ نہ ہوگی۔ آج تم نے اصلی غرض کو تو کھو دیا اور ایسے قصائی ہو گئے کہ اس بدنصیب سے کھانا پکواؤ اور مزے لے لے کر اڑاؤ۔ کیا مسلمان کے دل کی یہی تعریف ہے؟ خدا رحم کرے اُن لوگوں پر جو میت کا کھانا ہضم کر سکیں" (فریب ہستی)

مغربی تہذیب میں بعض خوبیاں بھی ہیں اور مولانا نے اپنے مضامین میں انھیں قبول کر لینے پر زور دیا ہے۔ لیکن وہی مذہب کی حدود میں رہ کر۔ مثلاً بعض اونچے طبقے کے گھرانوں میں کورٹ شپ کا رواج ہو چلا ہے۔ اسلام نے بھی اس کی اجازت دی ہے۔ مگر فطرت انسانی کی کمزوریوں کو پیش نظر رکھ کر ایک حد قائم کر دی ہے۔ بقول علامہ مرحوم :-

"شارع علیہ السلام نے صاف طور پر طے کر دیا ہے کہ دولھا اور دُلھن نکاح سے قبل ایک دوسرے کو دیکھ لیں صورت کی پسندیدگی کا فیصلہ تو موجود ہے۔ اب رہا عادات و خصائل وغیرہ وغیرہ کا معلوم کرنا.... جس طرح کسی قوم کی حالت اس کے اخلاق سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اسی طرح خاندان کی عورتوں کے چال چلن کا پتہ مردوں کی عادات و خصائل سے لگ سکتا ہے جن کی صحبت جن کی تربیت -

جن کی نگرانی میں وہ پل بڑھ کر جوان ہوئی۔ اس لئے یہ دولھا یا دولھا والوں کا کام ہے کہ وہ لڑکی کے حالات کا ان ذرائع سے اندازہ کریں۔" (شادی کا انتخاب)

کورٹ شپ کے مولانا بس اس حد تک حامی ہیں۔ اس سے زیادہ کی نہ مذہب اجازت دیتا اور نہ مولانا حد سے بڑھے ہوئے خلا ملا کی حمایت کرتے ہیں۔ بلکہ مخالف نظر آتے ہیں۔

"ایک جوان لڑکے اور لڑکی کا قبل از نکاح یکجا بیٹھنا شاید فرشتہ اور حور کے واسطے جائز ثابت ہو تو ہو۔ ورنہ انسانی ہستی نے کورٹ شپ کے اس ٹکڑے کو جہاں تک تاریخ اور واقعات رہبری کرتے ہیں۔ قابل اطمینان نہیں بتایا۔ اسی لئے اسلام نے حقیقی بہن بھائی کی تنہائی کو بھی وقعت سے نہیں دیکھا۔ ایسی حالت میں کورٹ شپ کا یہ حصہ بطور خود ہی اپنی بربادی کا ثبوت ہے اور ثابت ہو چکا ہے کہ کسی طرح بھی قابل تقلید نہیں ہو سکتا۔ بالخصوص اس مذہب کے واسطے جو دین فطرت ہے۔" (شادی کا انتخاب)

ہمارے ہاں جس طرح شادی بیاہ میں چند نہایت فضول رسمیں داخل ہو گئی ہیں وہاں چند ایسی رسمیں بھی موجود ہیں جن کا قائم رہنا مستحسن ہے۔ انہی میں سے ایک رسم کھیر چٹائی کی ہے جس کے متعلق مولانا ارشاد فرماتے ہیں:-

"اسلام شروع سے آخر تک عورت کے حقوق سے لبریز ہے۔ آج سے پچاس سال قبل مسلمانوں میں یہ دستور تھا کہ وداع کے بعد دلہن کی کھیر چٹائی ہوتی تھی یعنی جب دُلہن کو بیاہ کر کے گھر لاتے تھے دولھا دُلہن کے سامنے کھیر رکھی جاتی تھی۔ اور دولھا اپنے ہاتھ سے دُلہن کو کھیر کھلاتا تھا۔ اسی طرح شادی کے ابتدائی ایام میں صرف دولھا دُلہن کا کھانا ایک جگہ بھیج دیا جاتا تھا۔ کہ دونوں مل کر کھائیں۔ اگر دُلہن شرم کی وجہ سے نہ کھائے تو دولھا اپنے ہاتھ سے دُلہن کو نوالے کھلائے۔

یہ رسم اس وقت ترک ہو گئی اور اس کی ہنسی اُڑتی ہے۔ مگر بیوی کے احترام کی کیفیت اس طرح معلوم ہو گی کہ اس کا ماخذ اُس انسان کامل کے الفاظ ہیں جس سے بڑھ کر عورت کے حقوق کا حامی اور کیتی پیدا نہ کر سکی۔ بخاری و مسلم ابن مسعود و سعد ابن وقاص کے حوالے سے آقائے دوجہان کے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں۔

"مرد مستحق ثواب ہے کھانے کے اس لقمے میں جو اُٹھا کر اپنی بیوی کے منہ میں دے۔"

کیا محبت کی اس سے بہتر مثال دنیا پیش کر سکتی ہے؟" (شادی کا انتخاب)

یہ قدیم مشرقی تہذیب کی ایک ایسی رسم ہے جس کی حمایت مولانا نے کی ہے۔ اور حق یہ ہے کہ دولھا دلہن میں محبت و یگانگت پیدا کرنے کی اچھی تدبیر ہے۔

شادی کے انتخاب میں مولانا نے بے جوڑ شادیوں پر بھی بہت کارآمد مضامین لکھے ہیں۔ ان میں ایک افسانہ بطور خاص پڑھنے کے لائق ہے۔ جس کا عنوان ہے "ایسی بیاہی سے کنواری بھلی" یہ ایک دردناک کہانی ہے جس میں ایک نوجوان لڑکی کی شادی ایک بوڑھے تحصیلدار صاحب سے کر دی گئی ہے۔ اور اس کے غمناک نتائج کی تصویر کھینچی گئی ہے۔ یہ قصہ لڑکی ہی کی زبانی کہلوایا گیا ہے۔ اس کی ابتدائی سطور اس درجہ موثر ہیں کہ دل کانپ جاتا ہے۔

"میکہ کی سیجوں پر شادی کا جو خواب امّاں جان نے دکھایا۔ اس کی تعبیر پوری ہوئی۔ اور تیرہ برس چھ مہینے کے بعد تحصیلدار صاحب رخصت ہوئے۔ اب باقی عمر کس طرح گذرے گی۔ اور یہ زندگی جس میں تین لڑکیوں کو پال پوس کر جوان کرنا اور بیاہ دینا ہے کس طرح بسر ہو گی؟ کون بتا سکتا ہے؟"

اس افسانے کا ایک اور سین دیکھئے۔ اس میں مولانا نے ایسا سچا نقشہ کھینچا ہے کہ بہت کم کہیں اور دیکھنے میں آیا ہے:-

"شادی کو مشکل سے بیس پچیس روز ہوئے ہوں گے کہ اُنھوں نے مجھ سے فرمائش کی "بیگم یہ دو چار سفید بال چن دو"۔ طوعاً و

کرہا اُٹھی اور حکم کی تعمیل کی۔ شادی کو تیسرا سال تھا کہ تحصیلدار صاحب نے خضاب لگانا شروع کیا۔ گھر میں دو دو مامائیں تھیں باہر تین چار نوکر تھے۔ تیسرے چوتھے دن نائی بھی آتا تھا۔ مگر فنِ خضاب کی ماہر بیگم ہی تھی۔ ہر اتوار کو پلنگ سے اُٹھتے ہی گوشت ترکاری کے ساتھ ارنڈ کے پتّے منگوانے فرض تھے۔" (شادی کا انتخاب)

ایک اور اہم مسئلہ جس پر علامہ مرحوم نے اکثر خامہ فرسائی کی ہے "عقد بیوگان" ہے۔ بیوہ کی زبون حالی ہر قوم میں ضرب المثل ہے ہندوؤں میں بالعموم بیوہ کو ذلت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اور مسلمانوں میں بھی کچھ زیادہ وقعت نہیں کی جاتی۔ مرد عورتوں کے سر دھرے ہیں جب کسی کے سر کی بادشاہی ہی لُٹ جائے تو اُسے کون پوچھے۔ اسی لئے دین فطرت نے بیواؤں کے نکاح ثانی کی گنجایش اپنے میں رکھی ہے۔ رسم و رواج کا بُرا ہو کہ مسلمانوں میں بھی بیوہ کا عقد بُرا سمجھا جانے لگا۔ اور اس حد تک کہ ناجائز طے ہو گیا۔ یہ اثر تھا ہندوؤں کی معاشرت کا جسے ہندوستانی مسلمانوں نے قبول کر لیا۔ مگر مولانا جیسے چند نیک نفس بزرگوں نے اس رسمِ قبیح کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور خدا کا شکر ہے کہ ان کی آواز بے اثر ثابت نہیں ہوئی۔ ایک مضمون کا تھوڑا سا اقتباس ملاحظہ ہو:-

"شمسہ بہن اگر میں تمھاری مرضی کے مطابق بدنصیب نجمہ کا دوسرا نکاح کر دوں تو تمام کنبہ برادری شہر اور ہر متنفس اس نکاح کے برخلاف ہوگا یہ رواج سات پشتوں سے ہمارے خاندان ہی میں نہیں۔ تمام برادری میں چلا آتا ہے۔ للّٰہ شمسہ تم ہم پر رحم کرو۔ اس حالہ میں دخل نہ دو۔"

شمسہ:- آپ مسلمان ہیں۔ آپ کا دعویٰ ہے کہ کلام اللہ آپ کا ایمان ہے کلام پاک میں صاف ارشاد ہے فانکحوا الایامیٰ منکم تم اپنی بیوہ عورتوں کے نکاح کر دیا کرو۔ آپ کلام اللہ کی مخالفت کر رہے ہیں۔ کیا وہ گھر جس میں ایک جوان لڑکی رنڈاپے کی زندگی بسر کر رہی ہے اور اس کو دوسرے نکاح کی اجازت نہیں ملتی مسلمانوں کا کہا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ آپ قرآن شریف سے دور حدیث سے ناآشنا۔ مذہب سے غافل اور صرف نام کے مسلمان ہیں!" (مسلمان عورت کے حقوق)

لیکن اس تصویر کا دوسرا پہلو بھی ہے یعنی یہ کہ ہر بیوہ کو نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی بعض حالتیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ بیوہ کا عقد ثانی نہ کرنا ہی اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔ اس پہلو پر بھی مولانا کے خیالات دیکھنے کے لائق ہیں۔ اور میں ذرا تفصیل سے انھیں درج کرونگا۔

"اسلام کا وہ دور بھی کچھ کم قیامت خیز نہ تھا جب مسلمانوں نے نفسانیت کا شکار مذہب کی آڑ میں کھیلا۔ اور علمائے اسلام نے چند نقرئی سکّوں کے لالچ میں قرآن و حدیث کو ضرورت کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ یہ بدبختی اگر مرنے والوں کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی تو پھر غنیمت تھا۔ مگر وہ بیج آج گھن وار درختوں کی صورت میں چھائے ہوئے ہیں۔ اور ان کے جراثیم اندر ہی اندر شجرِ اسلام کو کھوکھلا کر رہے ہیں۔ انہی مسائل میں سے جنھوں نے علمائے اسلام کی بدولت قوم کو زیر و زبر اور اسلامیت کو تہ و بالا کر ڈالا ایک عقد بیوگان بھی ہے۔ قرآن سے اس کی اجازت ثابت ضرور ہے لیکن اس کا فرض ہونا نہ قرآن پاک سے ثابت ہے نہ حدیث سے۔ کچھ مسلمانوں ہی کے نہیں ساری دنیا کے معاملات حالات کے اعتبار سے طے ہوتے ہیں۔ ایک عورت جس پر دو تین بچوں کی پرورش فرض ہے اگر بیوہ ہو گئی تو ہرگز ہرگز اپنی خواہش و مرضی کے خلاف مسلمانوں کے خدا اور رسولؐ کے حکم سے عقد ثانی کے واسطے مجبور نہیں ہو سکتی۔ لیکن مولوی صاحب جو خود خواہشمند ہیں یا اُس شخص کی ترغیب سے جو محض اس عقد کے لئے پانچ روپیہ دے کر مولوی صاحب سے وعظ کہلوا رہا ہے جھوم جھوم کر غلط آیتوں کی جھوٹی سے جھوٹی تاویلیں فرما رہے ہیں۔ کبھی موتیوں کے محل پیش کرتے ہیں کبھی دوزخ کے بھڑکتے ہوئے شعلے دکھاتے ہیں۔ اور غریب کا پیچھا اُس وقت تک نہیں چھوڑتے جب تک وہ ہاں نہ کرے۔ کیا ہمارے محترم واعظ مسئلہ کے اس پہلو پر بھی غور فرمائیں گے کہ یہ عورت جو دو تین بچوں کی ماں بھی ہے اور ان کی پرورش شرعاً اور اخلاقاً اس کا فرض ہے یہ بھی اور اس کے بچے بھی تباہ و برباد ہو جائیں گے اگر وہ نکاح کی خواہشمند ہے تو مسلمانوں کا اور ان کے علماء کا کام یہ ہے کہ اس کی راہ میں جو رکاوٹیں ہوں دُور کر دیں۔ قرآن کی آیت اور حدیث کے الفاظ اس کے آگے کچھ نہیں کہتے۔ اسلام دینِ الٰہی ہے۔ اس نے فطرت انسانی کو اپنے ہر فیصلہ میں ہر مذہب سے زیادہ ملحوظ رکھا ہے۔ مگر افسوس

ان لوگوں پر ہے جو محض اپنے نفس یا مصلحت کے تحت میں مذہب اور اس کے تسلیم کرنے والوں کو اُلٹی چھری سے ذبح کردیں۔
(خدائی راج اور دوسرے افسانے)

افسانہ کے "خاتمہ بالخیر" میں ایک موقع پر فرماتے ہیں :-

"سوتیلے باپ کی سختیاں سوتیلی ماں سے بھی کچھ بڑھی ہوئی ہوتی ہیں۔ اس لئے بیوہ عورت کا عقد قطعاً رنڈوے مرد کے عقد سے کم وزن نہیں رکھتا۔ بیوہ عورت کو ثواب کا راگ دے کر نکاح پر آمادہ کرنا ایسی حالت میں کہ اس کے پاس پرورش کے لئے بچے موجود ہیں یقیناً ایسا ظلم ہے جس کی تلافی نہیں ہوسکتی۔" (خدائی راج اور دوسرے افسانے)

ساجن موہنی اسی آٹھ کتابوں کے سٹ میں سے ایک ہے۔ یہ ایک بہت اچھی چھوٹی سی کتاب ہے۔ جس کا مطالعہ مسلمان بیویوں کے لئے نہایت ضروری اور از بس مفید ثابت ہوگا۔ جیساکہ اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے۔ اس میں وہ سب باتیں بتائی گئی ہیں جن پر عمل کرنے سے بیویاں اپنے شوہروں کے دل مسخر کرسکتی ہیں۔ جادو۔ تعویذ۔ ٹونے ٹوٹکے یہ سب جاہل عورتوں کے ٹھگنے کے ڈھکوسلے ہیں۔ افسوس کی بات ہے کہ ہماری بعض پڑھی لکھی بہنیں بھی ان فضول باتوں پر اعتقاد رکھتی ہیں۔ عقل سلیم کے ہوتے ہوئے ان لغویات کی اثر انگیزی کون تسلیم کرسکتا ہے۔ اصل چیز کچھ اور ہی ہے جس سے شوہر کا دل فتح کیا جاسکتا ہے اور گھر کو جنّت کا نمونہ بنایا جاسکتا ہے۔ وہ کیا ہے؟ مولانا کی زبانی سنئے :-

"پہلا کام یہ ہے کہ وہ اپنے آرام و آسایش کو بالکل ترک کردے وہ اس قدر بے حس ہوجائے کہ اس کو شوہر کی کوئی بات ناگوار ہی نہ گذرے وہ ان باتوں کا پتہ لگائے کہ میرے شوہر کو کن باتوں سے رغبت ہے اور کن چیزوں سے نفرت اور اس کے موافق عمل کرے..... اس کی لائی ہوئی ہر چیز کو خواہ وہ پسند ہو یا ناپسند بے حد پسند کرے..... اس بات کی کوشش کرے کہ اس کی نگاہ میں نہایت حسین اور خوبصورت معلوم ہو..... اس کو یقین دلاوے کہ تم سے زیادہ مجھے دُنیا میں کوئی چیز عزیز نہیں ہے اور نہ ہوگی۔ عورت کی کامیابی کا تمام راز شوہر کی محبّت میں چھپا ہوا ہے۔ مختصر یہ کہ اگر آج عورت شوہر کی اتنی عزو پرداخت کرے گی جتنی ایک ماں اپنے بچّے کی کرتی ہے تو کل وہ یقیناً اُس شخص کی ملکہ ہوگی اور اس کا شوہر اس کے آگے اُسی طرح ہاتھ باندھے کھڑا ہوگا جس طرح فرمانبردار بچے اپنی ماں کے آگے۔ اور یہی اصل زندگی ہے۔" (ساجن موہنی)

اسی کتاب میں سے ایک مضمون کا کچھ حصّہ اور نقل کرنا چاہتا ہوں۔ اس میں مولانا نے بتایا ہے کہ "بیوی کو کیا کرنا چاہئے" :-

"بیوی کو ضرورت ہے خوش مزاجی اور بشاش طبیعت کی اُسے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اُس کا شوہر کس بات سے خوش ہوتا ہے بیوی کو چاہئے کہ زندگی کو جہاں تک ہوسکے خوش گوار اور آسان بنائے۔ اور چھوٹے موٹے جھگڑوں میں پڑ کر گھر بھر کو پریشان نہ رکھے۔ میاں کا جیسا مذاق ہو ویسا ہی اس کا ہونا چاہئے۔ اور جن باتوں کا ذکر میاں کو پسند آئے اس قسم کی باتوں سے وہ واقف ہو۔ بیوی کی طبیعت میں ہمدردی بہت ہونی چاہئے۔ اگر میاں پر کوئی مصیبت آپڑے تو وہ اپنے میاں کا غم دُور کرکے اُس کو تسکین دے۔ اور اُس کے دُکھ درد میں شریک ہو۔ اور آسودگی کے دنوں میں میاں کے لئے زیادہ اطمینان اور خوشی کا باعث ہو تیمارداری کے اصولوں سے بیوی کو ضرور واقف ہونا چاہئے۔ بیماری کے دنوں میں جو بیوی تیمارداری مناسب طور سے نہ کرسکے تو اس کا ہونا نہ ہونا یکساں ہے۔ بیوی کو صبر و استقلال اور سلیقے کی بہت ضرورت ہے اور اُسے یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ خاموش رہنے کے کون سے موقعے ہیں۔ کس بات میں دخل دینے کی کب ضرورت ہوتی ہے۔ اور جب میاں کا مزاج برہم ہو تو اسے کس طرح ٹھنڈا کرنا چاہئے جس گھر کی بیوی میں یہ خوبیاں ہیں تو دُنیا کی کوئی مصیبت اُس گھر کو پریشان نہیں کرسکتی۔" (ساجن موہنی)

اس چھوٹی سی کتاب میں بڑے کام کی باتیں مولانا نے تحریر فرمائی ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ اس میں سے اور اقتباسات پیش کروں لیکن حیران ہوں کہ کونسا حصہ نقل کروں؟ ساری کتاب نصیحتوں سے لبریز ہے۔ اس لحاظ سے ساری کتاب ہی نقل کرنی پڑیگی۔ لہٰذا اپنی مجبوری کا اعتراف کرتے ہوئے معذرت خواہ ہوں۔

"زیور اسلام" اس سٹ کی ایک اور کتاب ہے۔ یہ کتاب بھی اسم بامسمیٰ ہے۔ اس میں عورتوں کے لئے مولانا نے مذہبی معلومات کا تحفہ

پیش کیا ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ یہ وہ زیور ہے جس سے تمام مسلمان بیبیوں کو آراستہ ہونا چاہیئے۔ یہ کتاب اُن مضامین کا مجموعہ ہے، جو مولانا نے وقتاً فوقتاً زنانہ رسالوں میں اس غرض سے لکھے کہ عورتوں میں مذہبیت پیدا کریں۔ مولانا تعلیم کا اہم ترین جزو مذہب کو قرار دیتے تھے بالخصوص اس لئے کہ اسلام نے ایک مکمل نظامِ زندگی پیش کیا ہے جس کی پابندی ہر مسلمان پر فرض ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:۔

"کوئی شخص دنیا میں مذہب سے الگ ہوکر مشکل سے ترقی کر سکتا ہے۔ اور صرف مذہب ہی ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو بُرے کاموں سے روک سکتا ہے۔۔۔۔۔ مذہب کی لاپروائی بڑھتے بڑھتے ان کو (عورتوں کو) اس قابل کر دیتی ہے کہ وہ اپنے حقوق کے ادا کرنے میں غفلت سے کام لیتی ہیں۔ غرض کوئی لڑکی اُس وقت تک اپنی زندگی اچھی طرح نہیں گذار سکتی جب تک کہ وہ مذہب کے احکام کی پابند نہ ہو۔" (زیور اسلام)

اس کتاب کی زبان نسبتاً سہل اور دلنشین ہے۔ مولانا نے اکثر مضامین فرضی ناموں سے بھی لکھے ہیں۔ تاکہ انھیں دیکھ کر عورتوں میں بھی مضمون نگاری کا شوق پیدا ہو۔ اس کتاب میں بھی اکثر ایسے مضامین شامل ہیں۔ چھوٹے چھوٹے دلچسپ مضامین جن میں مذہب کے احکام اور اصول آسان پیرایہ میں بیان کیے ہیں مثلاً علم اور عمل کو یوں سمجھاتے ہیں:۔

"علم کے معنی ہیں جاننا۔ اگر کوئی لڑکی روٹی پکا لینے کی تمام تدبیروں سے اچھی طرح واقف ہے۔ وہ اس کی تمام باریکیاں اچھی طرح جانتی ہے۔ اس کو معلوم ہے کہ اگر آٹا گوندھنے میں یہ احتیاط نہ ہوئی تو یہ نتیجہ ہوگا۔ اور یہ غفلت ہوئی تو یہ انجام۔ تو وہ روٹی پکانے کے علم سے اچھی طرح آشنا ہے۔ اور اگر اس واقفیت سے کام لیتی ہے تو اس علم پر عمل کرتی ہے۔ اگر جانتی ہے اور کرتی نہیں تو ظاہر ہے کہ اس علم پر عمل نہیں کرتی۔"

اسی طرح اس کتاب میں چالیس مختصر مضامین ہیں جن میں سے چند کے عنوانات یہ ہیں:۔ عمل۔ ہمارے کام۔ سچا زیور۔ نماز۔ عبادت اصول اسلام۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ خیرات۔ رمضان۔ خیرات کی بربادی۔ شرک۔ منتیں مرادیں۔ تعویذ گنڈے۔ بہتان۔ دھوکہ۔ نیک کام۔ مذہب اسلام۔ تقدیر۔ خواب کی تعبیر۔ جھوٹے عقیدے۔ ضمیر۔ عشرۂ محرم۔ اسلامی جواہر ریزے وغیرہ۔

تقدیر و تدبیر کے مسئلہ کو ان چند الفاظ میں علامہ نے حل کیا ہے:۔

"کوشش میں کمی نہ ہو۔ اور کوشش و تدبیر کا نتیجہ تقدیر یا قسمت سے تعبیر کیا جائے۔"

تعویذ گنڈے کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

"کیسے رنج کی جگہ ہے کہ ہم مسلمان ہوکر ایک معمولی آدمی کے کاغذ کے لکھے پرزے کو خدا کا فرمان سمجھیں اور خدا اور اس کے حکم کو بھول جائیں"

منتوں کے متعلق علامہ کا ارشاد ہے کہ:۔

"جس پیر فقیر کو آج ہم پہنچا ہوا سمجھ رہے ہیں۔ جس قدر اس کی منت خوشامد کرتے ہیں منتیں مرادیں مانتے ہیں۔ اگر بجائے اس کے اس کو اتنا ہی رضامند کرلیں جو اس کا اور ہمارا دونوں کا مالک ہے۔ تو کتنا اچھا ہو۔"

اخیر میں شرک کے متعلق مولانا کی رائے اور سُن لیجئے کیونکہ یہی ساری بد اعتقادی کی جڑ ہے:۔

"اسلام نے سوائے خدا کے کسی کو معبود ہی قرار نہیں دیا۔ مسلمان ہیں کہ ہر قبر ان کا معبود اور ہر پیر اُن کا خدا۔۔۔۔۔ مسلمانوں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ بالخصوص عورتوں اور لڑکیوں کو کہ خدا کے سوا کوئی کام آنے والا نہیں۔ سب اس کے محتاج ہیں۔ کوئی کسی کی کیا حاجت رفع کر سکتا ہے۔"

یہ ساری کتاب ایسے ہی بیش قیمت جواہر پاروں سے بھری ہوئی ہے۔ یہ گویا دین اور دنیا دونوں کا اصلی زیور ہے۔

اس سٹ کی آخر کتاب کا نام ہے "خدائی راج اور دیگر افسانے"، یہ مولانا کے آخری سات افسانوں کا مجموعہ ہے۔ اور ان میں مولانا کی افسانہ نگاری کا کمال نظر آتا ہے۔ اردو میں افسانہ نگاری کا آغاز علامہ مرحوم ہی کے بابرکت ہاتھوں ہوا۔ مختصر افسانہ ایک جداگانہ فنی حیثیت رکھتا ہے

قصے کہانیوں کا رواج تو غالباً ابتدائے آفرینش ہی سے چلا آتا ہے۔ داستان گوئی، داستاں سرائی کا رواج بھی قدیم ہے۔ لیکن مختصر افسانہ کو اسی صدی کی ایجاد کہنا چاہیئے۔ اُردو کے پہلے افسانہ نگار علامہ راشد الخیری مرحوم ہیں۔ ان کے افسانوں کے بے شمار مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ اس وقت جو مجموعہ پیش نظر ہے وہ اور سب مجموعوں سے ممتاز ہے۔ اور سب پر فوقیت رکھتا ہے۔ کیونکہ جس قدر آرٹ کی پختگی ان افسانوں میں نظر آتی ہے ان سے پہلے کے افسانوں میں نظر نہیں آتی۔ مولانا اپنے افسانوں کے پلاٹ ہندوستانی گھرانوں کے واقعات ہی سے مرتب کرتے تھے۔ وہی واقعات ہیں جو ہم سب کی نظروں کے سامنے رونما ہوتے ہیں اور ہم کبھی گمان بھی نہیں کر سکتے کہ یہ واقعات کسی عمدہ افسانے کا موضوع بن سکتے ہیں لیکن مولانا انھیں روز مرہ کے واقعات کو اس طرح افسانے کے قالب میں ڈھالتے ہیں کہ ایک بالکل نئی چیز بن جاتے ہیں۔ لکھنے کا انداز اس درجہ دلنشین اور موثر ہوتا ہے کہ پڑھنے والا افسانہ نگار سے کہیں اختلاف نہیں کرتا۔ بلکہ اس کے قلم کی روانی کے ساتھ پڑھنے والے کے خیالات بھی بہہ جاتے ہیں۔ اسٹائل یعنی اسلوب بیان کے معاملے میں مولانا منفرد ہیں اور رنگینی بیان کے اعتبار سے اُردو کا اور کوئی مصنف ان سے ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ پلاٹ خواہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو مولانا اپنے طرز بیان سے اتنی دلکشی پیدا کر دیتے ہیں کہ پڑھنے والا افسانہ شروع کرنے کے بعد اسے ختم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

مولانا ایک اعلیٰ درجہ کے انشاپرداز تھے اور انسانی نفسیات کا مطالعہ اور مشاہدہ ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانوں کے دوران مطالعہ میں طبیعت کہیں نہیں اُکھڑتی۔ افسانہ کا آغاز ایک نہایت اہم اور دشوار فن ہے "فن" میں اس لئے کہتا ہوں کہ اسی پر افسانے کی کامیابی کا دار و مدار ہے۔ اگر چند ابتدائی سطور ہی میں افسانے نگار نے پڑھنے والے کو متوجہ نہیں کیا تو باقی افسانہ خواہ کتنا ہی عمدہ کیوں نہ لکھا ہوا ہو بیکار ہے۔ کیونکہ اس کے پڑھنے کی نوبت ہی نہ آئیگی۔ مثلاً خدا فراموش کا یوں آغاز ہوتا ہے:۔

"دو چار یا دس روز کا معاملہ نہ تھا۔ پورے دو سال بات اٹکی رہی۔ اور ایک دو نہیں بیسیوں اُلجھے ہوئے معاملات سُلجھ گئے۔ مگر خدا معلوم دہلی والوں کی وضع داری یا مزاجی کی طبیعت کہ صبح آٹھ بجے کی آئی برات کو تین بج گئے۔ اور الجھیڑے طے نہ ہوئے۔ کبھی مہر کا جھکندن۔ کبھی اقرار نامہ کا۔ کبھی پاندان کی تکرار تھی۔ کبھی نان نفقے کی۔ مرزا کی بڑھیا ماں سو برس کے پیٹے میں تھیں۔ منھ لقوے میں گرفتار اور ہاتھ فالج کا شکار۔ جب بیٹے کسی طرح نہ جھکے اور بارات کی خبر گرم ہوئی تو بڑی بی دروازے پر آئیں اور بیٹے کو بُلا کر کہا: "بھائی یہ تو میں جانتی ہوں کہ دُنیا ترقی کر رہی ہے۔ نئے نئے رنگ اور انوکھے ڈھنگ پیدا ہو رہے ہیں۔ مگر خدا کی مار تمھاری ترقی کو۔ ذرا غیرت سے کام لو۔ برات کا اُٹھنا تو شریفوں کے واسطے مرجانے کی جگہ ہے۔ منھ پر ہاتھ پھیر کر دیکھو۔ ناک رہی یا کٹی؟ سمجھو تو سب کچھ نہ سمجھو تو خاک نہیں۔ اُتار لی منھ کی لوئی، تو کیا کرے گا کوئی۔ بیٹا بیٹی زبان ہی سے پرائے ہوتے ہیں جب ایک دفعہ ہاں کر لی تو بیٹی اُن کی ہوگئی۔ اب یہ لڑائی جھگڑے بے سود۔ بے کار۔ بچاری بے زبان بچی پر کیوں گالی چڑھاتے ہو۔ نوج کسی کی دوسری برائیں آئیں۔ اگر ترقی کے یہی معنی ہیں تو برات اُٹھنے سے پہلے بی کا گلا گھونٹو اور مجھے زہر دو۔"

ان سطور کے پڑھنے کے بعد کون ہے جو کتاب بند کر کے کسی اور کام میں لگ جائے؟ یا "باسٹھ برس کے تین دن" کی یہ چند سطریں پڑھنے کے بعد کون ہے جو باقی افسانہ پڑھنے کے لئے بے قرار نہ ہو جائے:۔

"بچپن کی شاداب کیاریوں کی بہار دیکھنے کے بعد جہاں کو سوں تک خزاں کا نام و نشان نہ تھا نوشتۂ عمر عروس شباب کی مجالس میں داخل ہوا احباب کی صحبتیں دیکھتے ہی دیکھتے فنا ہوئیں۔ پھولوں بھری سیجیں طلوع آفتاب سے پہلے مرجھا گئیں۔ آب زلال کے چشمے زہر ہلاہل نکلے۔ اور چودھویں رات کا چاند گھڑیوں کا مہمان ثابت ہوا۔

عروسِ شب کی زلفِ سیاہ کا مخرج کوہ انحطاط کی یہ سرِ فلک چوٹیاں تھیں جہاں آج میں اپنی عمر کا باسٹھواں سال پورا کر رہی ہوں صبح مر مر کر شام ہوتی ہے اور رات پٹ پٹ کر فجر۔"

مولانا کا یہ سلیقہ بھی انھیں اور انشاپردازوں سے ممتاز کرتا ہے کہ جیسا موضوع ہوتا ہے اس کے لئے ویسے ہی الفاظ مہیا کرتے ہیں۔ موضوع

اور عبارت ہم آہنگ ہو کر ایک عجیب فضا پیدا کرتے ہیں صحیح موقع پر صحیح لفظ کا استعمال ایسا ہی خوشنما ہوتا ہے جیسے انگوٹھی میں نگینہ جڑ دیا جائے اس فن کے مولانا استاد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریروں میں اثر آفرینی کی قوت زیادہ ہے۔ ویرانی کا نقشہ کھینچتے ہیں تو لفظ لفظ سے ویرانی ٹپکنے لگتی ہے۔ افلاس زدہ متمول کی تصویر دیکھئے:۔

"جس طرح چنبیلی اور موتیا کے پھول مرجھا کر ہوا کو معطر نہیں تو لباس کو بسا سکتے ہیں اور ان کی فنا ہونے والی خوشبو الوداع کہتی ہوئی صحبتِ شب کی داستان سناتی ہے۔ بار استہ کا غبار اور شوخیٔ نقشِ پا اپنے رہرو کا نشان بتاتی ہے۔ اسی طرح احمد کی وسیع گر میلی کچیلی کوٹھی کا بہت سا لیکن ٹوٹا پھوٹا اسباب اس کی اگلی شان کا نشان دے رہا تھا۔ اور بتاتا تھا کہ یہاں سب کچھ ہو چکا ہے۔ یہ خستہ و برباد گملے کبھی پھولوں کو آغوش میں لئے ہوئے تھے۔ اور اجڑی ہوئی کیاریاں کسی وقت لہلہاتے پودوں سے پٹی پڑی تھیں۔ اب یہاں کتنے ٹوٹ رہے تھے۔ بنگلہ کا کوئی کونہ اور دیواروں کا کوئی چپّہ ایسا نہ تھا جو کوڑے کرکٹ اور خاک دھول سے نہ اٹ رہا ہو" (اس مسکراہٹ کی قیمت)

افسانہ نگاری میں نفسیاتی تحلیل کا جزو خاص اہمیت رکھتا ہے۔ علامہ مرحوم صرف مصور غم ہی نہیں تھے۔ بلکہ جملہ جذبات اور احساسات کی تصویریں ان کے افسانوں میں نظر آتی ہیں۔ پیشِ نظر مجموعہ میں مولانا کی ژرف نگاہی کی اکثر مثالیں ملتی ہیں۔ ان میں سے صرف دو یہاں پیش کرتا ہوں۔ تصویرِ غم میں پیش نہیں کرونگا۔ کیونکہ مولانا اس کے مسلم استاد ہیں۔ مایوسی اور اس کے ساتھ جو احساسات وابستہ ہوتے ہیں ان کی تفصیل مولانا سے سنئے:۔

"کلثوم بی اس وقت زندگی کے اس مرحلے سے گذر رہی تھی جہاں دنیوی امیدیں ختم ہو کر فطرت اس نامعلوم طاقت کی طرف لے جاتی ہے جو خدا کے نام سے تعبیر ہو رہی ہے۔ امید کی شعاعیں اس نقطہ پر پیدا ہوتی ہیں اور دل کو ایک قسم کی تقویت دے کر مایوسی میں کامیابی کی جھلک دکھاتی ہیں۔ مذہب اسی مقام سے شروع ہوتا ہے اور مختلف قسم کی خیال آرائیاں شروع ہوتی ہیں۔ عقل اگر سلیم ہے تو اس کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ تمام نظام گڑیوں کا کھیل نہیں ہے۔ اس صنعت کا صانع ایک ازلی و ابدی طاقت ہے۔ جس کی ناخوشی تاراج و برباد اور جس کی رضامندی بیڑا پار کر سکتی ہے۔ یہاں قوت پرواز شل اور تلاش کے راستے بند ہو جاتے ہیں اور اس کے سوا چارہ نہیں ہوتا کہ دل ان مقدس نفوس کی طرف رجوع کرے۔ جو اس دربار کے آس پاس گھوم رہے ہیں۔ منزل مقصود انسانی دسترس سے بہت دور ہوتی ہے۔ اس لئے قلب انسانی جو تلاشِ حقیقت میں سرگرم ہوتا ہے چاروں طرف بھٹک بھٹکا کر ہر اس شئے کی عظمت تسلیم کر لیتا ہے جس کی ہستی کا کوئی ذرہ مافوق الفطرت حیثیت میں نظر آ جائے۔ افضلیت و برتری جو آسانی فیصلہ سمجھا جاتا ہے امتیاز و خصوصیت کا رنگ لے کر سامنے نظر آتا ہے۔ پیغمبر اور نبی اسی بزم کے محبوب ہیں۔ عالم اور پیر بھی اسی چمن کے خوشہ چین۔ یہاں عقل دھوکہ کھاتی ہے۔ قیاس چکرا کر خاموش ہو جاتا ہے۔ تلاشِ حق ہر منزل کو کوسے دوست۔ زندوں اور ان کے اعمال کو مجلس محبوب۔ مُردوں اور ان کی آرامگاہ کو مسکنِ جاناں سمجھتی ہے۔ یہ واہمہ کا ایک فریب ہے۔ جس میں خفیف سی آمیزش نفسانیت کی شامل ہے۔ ضرورت یہ ہے کہ جانور اور آدمی میں جو چیز مابہ الامتیاز یعنی عقل ہے اس سے مدد لے کر چشمِ بینا آگے بڑھے۔ اور نظر غائر سے دیکھے" (خدائی راج اور دیگر افسانے)

دوسرا اقتباس علامہ مرحوم کی مزاح نگاری کا دلچسپ نمونہ ہے۔ ملاحظہ فرمائیے کہ آنسوؤں کے بادشاہ نے ظرافت کے کیسے پھول کھلائے ہیں:۔

"لڈیا چاری جو کسی وقت کلثوم بی کے پاس پنکھا جھلنے پر رہ چکی تھی عیسائی ہوئی۔ اور مس ٹامسن کی سفارش پر پھر اسی کے ہاں نوکر ہوئی یہ ساٹھ سے اوپر ہو گی۔ کمر جھک گئی تھی عینک ضرور تاً بھی اور شوقیہ بھی لگائے رہتی تھی۔ چاری لباس اتر چکا تھا۔ لہنگے کی جگہ ایک پھٹا ہوا گوُن اور ٹوکرے کے بدلے پادری صاحب کے بچپن کا اونی گلوبند۔ گرمی ہو یا برسات گلے میں پڑا رہتا تھا۔ زبان میں بھی کچھ اینٹھن پیدا ہو گئی تھی اور ہاتھ میں بھی چھتری کے بدلے سرکنڈا رہتا تھا۔"

تو یہ لڈیا چاری مشنری کی معرفت میم صاحب بن گئیں اور ان کے دماغ میں خناس سما گیا۔

**کلثوم بی:**۔ تو ذرا آئینہ میں صورت تو دیکھ۔ سر میں ایک بال کالا نہیں۔ منہ میں کوئی دانت نہیں۔ کھال لٹک کر کہیں سے کہیں پہنچی۔ صورت دیکھ کر گھن آتی ہے۔ یہ تجھے خبط کیا سمایا؟

**لڈیا:** اے بیگم واہ! میری عمر ہی کیا ہے۔ ابھی تو چار بیسی میں بھی کمی ہے۔ بدھو سو برس کا جوان مرا۔ میری ماں صاحبو میں نے اُسے دیکھا نہیں چھ دل کی بھی جو وہ مری۔ سنتی ہوں ڈیڑھ سو برس کی تھی۔ بیگم میرا گڈا ابھی کیا ہے؟......

**کلثوم بی:** اچھا بڑی بی کے پاس جا۔ رات کی کوئی روٹی بچی کھچی ہو تو لے لے۔

**لڈیا:** کیا کہا بیگم! میں نے ابھی ٹی کہاں پی؟ نہ انڈا کھایا۔

**کلثوم بی:** تو چھری کانٹے بھی منگاؤں؟

لڈیا نے کوٹ کی جیب میں سے کھینچ کے دو ٹکڑے نکال کر دکھائے اور کہا "میں ایک چمچہ اور چھری ساتھ رکھتی ہوں۔ بڑی بی میری چائے لاؤ"

مندرجہ بالا اقتباس سے مولانا کی مکالمہ نویسی کی نوٹ بھی ظاہر ہوتی ہے۔ مکالمہ سے افسانہ کی اثر آفرینی بہت بڑھ جاتی ہے اور مولانا اپنے افسانوں میں مکالمہ کا پیرایہ اکثر اختیار کرتے ہیں۔ ہاں تو لڈیا کی کیفیت اور سنئے۔ یہ بھی ہندوستانی سوسائٹی کے ایک جزو کی تصویر ہے:۔

"لڈیا اب تبلیغ کے واسطے چھوڑی گئی۔ فی عورت ایک روپیہ اور فی بچہ ۸ ر ان کے مقرر ہیں۔ علی الصباح چمرواڑہ میں جاکر وعظ فرماتی ہیں اور پیسے بھی تقسیم کرتی ہیں۔ ایک روز وہ اندھیرے منھ اپنے کنبہ میں پہنچیں تو لوگ پریشان تو پہلے ہی سے تھے اور فکر میں تھے ان کے قدم رکھتے ہی ایک بڈھے چمار نے کہا "صبح ہی صبح نیستی تو نے اپنی صورت دکھائی۔ کمبخت تجھے نہ رزق نہ موت۔ ابھی بچھونے پر لیٹے ہیں کہ تو فجر ہی فجر آ مری۔ نکل یہاں سے منحوس

**لڈیا:** تم میم صاحب سے کس طرح بات کرتا ہے۔ ہم عیسیٰ مسیح کا ذکر سناتا ہے۔

**چمار:** تو ادھر آ جا۔ پہلے مجھے ہی سنا۔ عیسیٰ کون تھا؟ تیرا آبا تھا؟

**لڈیا:** ادب سے بات کرو۔ ادب سے۔ عیسیٰ رام کا آبا ہے۔

**چمار:** رام کا آبا۔ تشت۔ اری یوں کہو رام کا بیٹیا۔

**لڈیا:** اور مریم؟

**چمار:** رام کی اماں۔

**لڈیا:** ہشت۔ رام، مریم، عیسیٰ ایک ہیں۔ عیسیٰ کی بیٹی مریم۔ مریم کا بیٹا رام۔ رام کا بیٹا عیسیٰ" اور اس طرح لڈیا تبلیغ کرتی رہی لڑکے اُس کا مذاق اڑاتے اور بعض شریر اُس پر ہاتھ بھی چھوڑ دیتے۔ اس کی چار رگ نے سب کچھ کہا اور یہ کالی میم صاحب ہی بنی رہی۔

افسانہ اس طرح ختم ہوتا ہے کہ کلثوم بی نے ایک روز چند مرد اور عورتوں کو رات کے کھانے پر جمع کیا اور کھانے کے بعد جب "اولیس کی تقریر ختم ہوئی تو ایک بُڑھی عورت موٹا سگار منھ میں دبائے آئی اور کہا:۔

"تم لوگ کیا کرتا ہے۔ عیسائی ہو جاؤ۔ عیسیٰ کا بیٹا رام۔ رام کی بیٹی مریم۔ اور مریم کا بیٹا ہم۔ سب عیسائی ہو جاؤ۔ ہم کو بہت سا روپیہ لیگا (خدائی راج)

مزاح لطیف اور طنز ملیح ایک نہایت دشوار صنف ادب ہے اگر اہل قلم ذرا بہک جائے تو ہزل اور فحش کی حدیں داخل ہو جائے مولانا اس معاملہ میں ساری عمر محتاط رہے اور حیرت کی بات ہے کہ ان کے اس قدر وسیع سرمایہ ادب میں ایک فقرہ بھی ایسا نہیں ملتا جو شائستگی پر بار گذرے۔ مولانا نے نصف صدی تک ادب کے انقلابات دیکھے مگر جو روش انہوں نے روز اول اختیار کی تھی اس میں دم آخر تک فرق نہ آنے دیا۔ آجکل کے ادب لطیف کو بھلا وہ کیا گردانتے

---

علامہ مرحوم کی ان آٹھ جدید مطبوعات کے متعلق اتنا لکھنے کے بعد میں دیکھتا ہوں کہ بہت کچھ ابھی لکھنے سے رہ گیا۔ مولانا کا لٹریچر ایک ناپیدا کنار سمندر کی طرح لہریں لے رہا ہے۔ میں نے اس میں سے صرف چند موتی نکال کر پیش کئے ہیں اس کے علاوہ رازق الخیری صاحب کی جگر کاوی کی داد کون دے سکتا ہے کہ انھوں نے خدا جانے کس طرح اس تمام لٹریچر کو جمع کیا جو گزشتہ چالیس سال میں مولانا کے قلم سے مختلف رسائل کے صفحات پر پھیلتا رہا میں تو سمجھتا ہوں کہ امداد غیبی ان کے شامل حال تھی یا انکی بے مثل سعادتمندی اور محبت تھی کہ یہ گہر ہائے منتشر تین سلکوں کی صورت میں یکجا ہو گئے یا یوں سمجھیے کہ آبدار موتیوں کی تین خوبصورت لڑیوں کا اضافہ ہمارے خزینۂ ادب میں رازق الخیری صاحب کے ہاتھوں ہوا۔ پہلا سٹ ۱۹۳۶ء میں دوسرا ۱۹۳۸ء میں اور تیسرا سٹ ۱۹۴۰ء میں شائع ہوا اور اس تیسرے سٹ پر آج میں نے مجملاً خامہ فرسائی کی جرأت کی ہے لیکن عجز تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

شاہد احمد

# علامہ راشد الخیری

(از مہاماہو پادھیاپنڈت لچھمی دھر شاستری ام اے ام او ایل دہلی یونیورسٹی)

علامہ راشد الخیری مرحوم کی تعریف کس زبان سے کروں۔ اگر علم کی دیوی سرسوتی ہزار زبان سے تعریف کرنے میں کامیاب ہو تو ہو۔ میرا لکھنا تو ایسا ہے جیسے سورج کو چراغ دکھانا۔ علامہ راشد الخیری کی شخصیت کوئی معمولی شخصیت نہ تھی کہیں مدتوں میں جاکر قوم کی خوش قسمتی سے ایسی شخصیت پیدا ہوتی ہے۔ جو ملک کی سچی رہبری کر سکے۔ علامہ راشد الخیری کے اثرات جو ہماری زبان اور ہمارے خیالات پر پڑے ہیں۔ ایسے نہیں کہ جلد مٹ سکیں۔ وہ دیرپا ہیں یہی اس شخصیت کی عظمت کا ثبوت ہے۔ بڑا آدمی وہ نہیں جس کے ہاتھ ملانے سے چھوٹے آدمی کا ہاتھ کچل جائے۔ بڑا وہ ہے جس کی موجودگی میں چھوٹے کو بھی بڑے ہونے کا احساس پیدا ہو۔ مجھے کبھی اُن سے ذاتی نیاز تو حاصل نہ تھا لیکن اُن کی تصانیف کے ذریعہ میں اپنے آپ کو اُن کے بہت قریب پاتا ہوں۔ جب میں اُن کے مضامین پڑھتا ہوں۔ تو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے ہی گھر کا کوئی بڑا بوڑھا مجھے نصیحت کر رہا ہے۔ مغایرت کا نام و نشان تک باقی نہیں رہتا۔ یہ ہمہ گیری اعلیٰ شخصیت کا نمونہ ہے جو ہر کس و ناکس میں نہیں پائی جاتی۔ علامہ راشد الخیری ایک سچے انسان تھے۔ انسان نہیں دیوتا جو ہر انسان کے دل کو اپنی طرف کھینچ لیتے تھے۔ اُن کا دل اپنا دل نہ تھا وہ وہ انسانی دل تھا جس کی ہر حرکت میں وہ تڑپ تھی جو مصیبت زدہ دل کی خبر دیتی تھی۔ علامہ راشد الخیری مصورِ غم تھے۔ اِس لئے وہ سچے شاعر تھے کیونکہ شاعری کا آغاز غم ہی سے ہے۔ رامائن کے مشہور مصنف بالمیکی نے بیان کیا ہے کہ مجھ سے شعر اُس وقت تک موزوں نہیں ہوتا جس وقت تک کہ مجھ پہ غم کی حالت پوری طرح طاری نہ ہو جائے۔ شاعری کے لئے نظم و نثر کی قید نہیں نہ صنعت، الفاظ کی ضرورت ہے۔ شاعری انسانی جذبات کی تصویر ہے جس میں رہنمائی کا پہلو شریک ہے۔ شاعری کے اس تنقیدی اصول کے مطابق علامہ راشد الخیری کی تصانیف پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ عہد حاضر کے سچے شاعر تھے۔ شاعری کو مدتوں کی اپدیش سے پاک و صاف کر کے علامہ مرحوم نے جو قوم کی سچی رہنمائی کی ہے وہ کبھی فراموش نہیں کی جا سکتی۔ قوم قدر کرے گی، پر کرے گی۔ وہ زمانہ دور نہیں کہ ہندوستان کا بچہ بچہ نہ صرف اردو میں بلکہ ہندوستان کی اور زبانوں میں بھی علامہ راشد الخیری کے کلام کو پڑھ کر اُن کے نام کا شیدائی ہوگا۔ ضرورت ہے کہ علامہ مرحوم کی تصنیفات کو ہندوستانی مختلف زبانوں میں ترجمہ کر کے شائع کیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں لوگ انہیں پڑھ کر فائدہ اُٹھا سکیں۔ ہندوستانی قومیت کے تعمیر کرنے والوں کے نام جب آئندہ مورخ تحریر کرے گا تو اُن ناموں میں علامہ راشد الخیری کا نام صف اول میں درج کیا جائے گا۔ وہ اب بھی زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

# یادِ حضرت علامہ راشد الخیریؒ

کیوں نہ ہم سب بہ دل بجا لائیں | شکرِ احسانِ | راشد الخیری
سارا اصلاحِ ملک و ملت تھا | کارِ ذی شانِ | راشد الخیری
لعلِ علم و عقیقِ حکمت تھا | حاصلِ کانِ | راشد الخیری
ادب [illegible] و فن زبان و بیان | تھے غلامانِ | راشد الخیری
سوئے خدماتِ صنفِ نازک تھا | خاص رجحانِ | راشد الخیری
جانبِ نظمِ کارِ ملت تھا | عام میلانِ | راشد الخیری
تھے تمام اہلِ علم و اہلِ کمال | دل سے قربانِ | راشد الخیری
کون ہے جو نہیں ہے دنیا میں | واقفِ شانِ | راشد الخیری
کون ہے جو نہیں ہے عالم میں | منزلت دانِ | راشد الخیری
مدتوں دور دور تک چمکا | مہرِ تابانِ | راشد الخیری
ہر طرف دور دور تک برسا | ابرِ بارانِ | راشد الخیری
ہوئیں کیا کیا ترقیاتِ عظیم | تا بہ دورانِ | راشد الخیری
دعوت عام دے گی محشر تک | وسعتِ خوانِ | راشد الخیری
رازق و صادق اب جو باقی ہیں | نونہالانِ | راشد الخیری
ہے یہ زیبا جو ہم انھیں سمجھیں | جوہرِ کانِ | راشد الخیری
اے بڑے باپ کے بڑے بیٹو! | اے دل و جانِ | راشد الخیری
تم نے پائی ہے پرورش برسوں | زیرِ دامانِ | راشد الخیری
تم بھی احسان ملک و دیں پر کرو | مثلِ احسانِ | راشد الخیری
تم بھی سارے جہان پر برسو | شکلِ نیسانِ | راشد الخیری
صنفِ نازک کو اوج پر پہنچاؤ | حسبِ ارمانِ | راشد الخیری
لاؤ دنیا میں جلد واپس لاؤ | عہدِ تابانِ | راشد الخیری

اٹھ کے دنیا کو پُر ضیا کر دو
بڑھ کے عالم کو نور سے بھر دو

حکیم آزاد انصاری

سعادت مند
صاحب کے ہاتھوں ہوا

# اوراقِ پارینہ

(جناب محمد احسن صاحب وکیل حضرت علامہ مغفور کے لڑکپن کے ساتھیوں میں سے ہیں۔ انہوں نے حضرت علامہ کی وفات کی خبر سن کر اپنے دیرینہ دوست کی ابتدائی زندگی اور ابتدائی تصانیف کے مختصر حالات بھیجے تھے مگر مسودہ کاغذات میں مل جانے کی وجہ سے یہ مضمون ۱۹۳۶ء میں شائع نہ ہوسکا۔ اب شائع کیا جاتا ہے۔ ایڈیٹر)

مولائے محترم ۱۹۰۱ء و ۱۹۰۲ء میں علی گڈہ کے محکمہ بند وبست میں ملازم تھے۔ دو سال تک میں ان کے ساتھ ایک ہی مکان میں رہا۔ میں تنہا تھا اور وہ بھی۔ مولانا اس زمانہ میں بھی صوم وصلوٰۃ اور تلاوت قرآن پاک کے سختی سے پابند تھے۔ روزانہ بعد نماز صبح صرف دو رکوع دو ڈھائی گھنٹہ میں پڑھتے تھے۔ اِس قدر وقت اس وجہ سے صرف ہوتا تھا کہ معہ ترجمہ وتفسیر پڑھتے تھے۔ ہر لفظ کے معنی ونکات پر غور فرماتے تھے۔ شان نزول اور اُس کے دیگر متعلقات پر توجہ فرماتے تھے۔ اکثر اوقات پڑھنے کی حالت میں روتے تھے اور وجدانی کیفیات پیدا ہوجاتی تھیں۔ کچہری سے واپس آکر بعد نماز عصر ایک سپارہ رواں پڑھتے تھے۔ آفس کے اوقات کے علاوہ تصنیف وتالیف میں وقت صرف فرماتے تھے۔ نہ اُن کا کوئی دوست تھا نہ کہیں جاتے تھے نہ اُن سے ملنے کوئی آتا تھا۔

اُس زمانہ کی سب سے پہلی تصنیف ایک عشقیہ ناول "احسن میمونہ" تھا جو روہیلکھنڈ گزٹ" بریلی میں ہفتہ وار شائع ہوتا تھا۔ جب ایک حصہ پورا ہوگیا تو اپنے پھوپھا شمس العلما ڈپٹی نذیر احمد کو اس امید میں دکھایا کہ داد ملے گی۔ مگر بجائے داد ملنے کے اُلٹی ڈانٹ پڑی اور اُنہوں نے بہت بُرا بھلا کہا، کہ تم کو اگر تصنیف کا شوق ہے تو میرا اتبع کرو۔ میرا بھتیجہ اور ایسی مخرب اخلاق کتاب کا مصنف! مولانا نے دہلی سے واپس آکر اس کتاب کے تمام مسودات اور دوسرا حصہ جو اخبار مذکور کو بھیجنے کے واسطے لکھا تھا حوالہ آتش کردیا۔ اب اخبار سے تقاضے آنے شروع ہوئے مگر مولینا نے جواب دیدیا۔ اُس اخبار کی بکری جو اس دلچسپ ناول کی وجہ سے بہت بڑھ گئی تھی کم ہوگئی۔ اڈیٹر صاحب نے بڑی خوشامدانہ خط لکھے مگر کوئی اثر نہ ہوا۔ بڑے بڑے لالچ دئے۔ مگر راضی نہ ہوئے۔ جب زیادہ مجبور کیا تو ڈپٹی صاحب کی نصیحت کا حال لکھا تو وہ خاموش ہوئے۔

مولانا نے پھر ایک کتاب ڈپٹی صاحب کے رنگ میں منازل السایرہ لکھی۔ جو علی گڈھ میں میرے مصارف سے طبع ہوئی اور میرے ہی ذریعہ فروخت ہوئی مولوی ممتاز علی صاحب مہتمم تہذیب نسواں نے عجیب وغریب ریویو لکھا جس کا یہ فقرہ یاد ہے۔ "یہ کتاب بنات النعش۔ رویائے صادقہ۔ مرآۃ العروس۔ توبۃ النصوح کا لب لباب ہے" دیگر اخبارات میں بھی دھوم مچ گئی۔ مولانا حسرت موہانی۔ مولوی بہادر علی صاحب ام اے وکیل علی گڈھ جو تعلیم نسواں کے اُس زمانہ میں بہت بڑے حامی تھے۔ سید کرامت حسین صاحب جج ہائیکورٹ الہ آباد شیخ عبدالقادر صاحب وشیخ محمد اکرام صاحب اڈیٹر مخزن نے بڑی تعریف کے خطوط بھیجے۔ مولانا نے اپنے

کسی عزیز کے ذریعہ سے منازل السائرہ کو ڈپٹی صاحب کی خدمت میں بھیجا۔ ڈپٹی صاحب بہت خوش ہوئے، اور فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ میرا بھتیجہ میرا نام میرے بعد قائم رکھے گا۔ اس کتاب کا دو تین ہی مہینہ میں پہلا اڈیشن ختم ہو گیا۔

پھر میرے ہی مکان کے قیام میں مولانا نے صلوٰت لکھی۔ جو افضل المطابع دہلی میں طبع ہوئی۔ اس کتاب کے طبع ہونے کے دوران میں مالک مطبع نے مولانا مرحوم سے کہا کہ تمہاری کتاب نے ناک میں دم کر دیا ہے کہ کاتب صحیح کنندہ مقابلہ کنندہ سب روتے ہیں۔ ... بعض اوقات ایک ایک ورق کو لکھنے میں دن دن بھر گذر جاتا ہے۔ جب جی بھر کے رو لیتے ہیں جب آگے لکھنا شروع کرتے ہیں۔ اس وجہ سے اشاعت میں دیر ہوئی جا رہی ہے۔"

صالحات نے منازل السائرہ کو بھلا دیا اور اس کی اُس سے بھی زیادہ دھوم مچی۔ مولانائے مرحوم کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے مگر مستقل طور پر شعر گوئی اختیار نہیں کی بلکہ طبع موزوں ہونے کی وجہ سے کچھ فرما دیا کرتے تھے۔

مثنوی میر حسن۔ تصانیف مولوی محمد حسین آزاد و ڈپٹی نذیر احمد اور مولوی ذکاء اللہ صاحب و رقعات غالب کے بڑے دلدادہ تھے

اُسی زمانہ میں جبکہ ڈپٹی صاحب کا رنگ مولانا پر خوب چڑھ گیا تو مولانا شرر کی تصانیف اور زبان پر نہایت سخت تنقید لکھی اور میرے نام سے ایک مضمون وکیل امرت سر میں شائع کرا دیا جس کا ایک فقرہ یاد ہے کہ مولانا شرر نے اردو زبان کا ستیاناس کرنے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی، اور قلعۂ معلیٰ کی سیدھی سادھی پاک اور شستہ زبان پر انگریزی کا رنگ چڑھا دیا۔ اس مضمون سے بڑی لے دے مچی۔ مگر بعض لوگوں نے تائید بھی کی۔ نتیجہ یہ ضرور نکلا کہ مولانا شرر نے اُس کے بعد سے تصانیف کا رنگ بدل دیا۔ فردوس بریں اُس بدلے ہوئے رنگ کی پہلی تصنیف ہے۔ جو پہلے کی تصانیف سے بالکل مختلف ہے۔ یاد آیا، حکیم محمد علی طبیب کی زبان کے خلاف بھی ایک مضمون شائع کروایا تھا۔ یہ لوگ اس زمانے کے مسلم الثبوت ادیب تھے مگر مولانا نے ان کی غلطیوں کو ٹوکنے میں نہایت جرأت سے کام لیا اور بہت سے اخباروں نے ان کی تائید کی، وہ نہایت خوش مزاج واقع ہوئے تھے اور نہایت ستھرا مذاق فرمایا کرتے تھے

ایک بات اُس زمانے میں یہ بھی دیکھی تھی کہ اکثر گھنٹوں خاموش رہ کر کچھ سوچا کرتے تھے۔ اور اگر میں مخل ہوا تو فرمایا کرتے تھے کہ ایسے وقت میں بات نہ کیا کرو۔ خیالات تبدیل ہو جاتے ہیں۔

مولانا آخر میں آسمان ادب کے نیر اعظم بن کر چمکے اور چونکہ میرے ہی مکان سے یہ آفتاب طلوع ہوا تھا اس واسطے مجھے مولانا کی دوستی پر ناز تھا۔ افسوس موت نے اس طویل رفاقت کا یک لخت خاتمہ کر دیا۔

محمد احسن وکیل بھوپال

# بھائی راشد الخیری کی خدمات

اللہ بخشے بھائی راشد الخیری نے ہمارے مسلمان بھائیوں کی بچیوں اور اُن کے تمدن خانگی کی جو گراں بہا خدمات کیں اور اُس کے ساتھ ہی اردو زبان کے جو شاہکار آنے والی نسلوں کے لئے چھوڑ گئے ان کی کافی توصیف اور شکر گزاری امکان کی حد سے باہر ہے۔ آج اُن کی تیسری برسی ہے۔ اور میں یہ چند سطریں محض اس محب کی اور اس کے برگزیدہ کام کی پیاری یاد میں سپرد قلم کر رہا ہوں۔

جو کام مرحوم نے اپنے ذمہ لیا تھا اس کے سرانجام کرنے میں ان کو علاوہ اور مشکلات کے دو خاص دقتوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ یہ دقتیں تھیں غلط قدامت پرستی اور مغرب زدگی۔ قدامت پرستی کے ساتھ غلط جو صفت یہاں لائی گئی وہ خاص معنی رکھتی ہے۔ قدامت پرست وہ بھی تھے اور خود میں بھی ہوں۔ لیکن ہماری قدامت کل کی نہیں دُور کی خبر لاتی ہے۔ انتزاع سلطنت کے بعد سے جو بدعنوانیاں اور بے راہ روی ہمارے تمدن اور ہماری انفرادی زندگیوں میں داخل ہوگئی ہیں اُن کو ہم قدامت کا تمغہ نہیں دیتے۔ اب مرحوم کی ان دقتوں کا حال سنیئے۔

ظاہر ہے کہ جب ایک قوم کی سیاسی حالت رو بہ زوال ہو تو اس کی سماجی زندگی اور معاشرتی حیثیت بھی وجاہت سے محروم ہو جاتی ہے۔ اور جو محبّ قوم ان خرابیوں کے دُور کرنے کا بیڑا اُٹھائے اُسے ایک بڑی سخت مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ داخلی ہوا کرتی ہے۔ یعنی جن کی اصلاح مدنظر ہو ان میں سے اصلاحی پروپیگنڈا کے مخالف اور مزاحم پیدا ہو جاتے ہیں۔ دیکھئے خود مرحوم اس بارے میں کیا فرماتے ہیں:۔

"مگر وہاں کے وہ مولوی صاحب جن کا تمام شہر معتقد ہے اس تجویز سے ناخوش ہوئے اور فرمایا کہ:" لڑکیوں کو پڑھانا حرام ہے اور اخبار پڑھنا گناہ" (سیاحت ہند ص۱۴۱)

پنجاب کے ایک مقام کا تجربہ اس طرح لکھتے ہیں:۔

"صبح کو ہماری منشی فاضل بچی نے جلسہ کا انتظام کیا۔ کیسے افسوس کی بات ہے۔ کہ اگر مسلمانوں میں کوئی لڑکی کام کرنے کے واسطے تیار ہوتی ہے تو مسلمان ہر طرف سے اس پر لعن طعن کرتے ہیں" (سیاحت ہند ص۲۴)

اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ مرحوم کو اس اہم سماجی کام میں جو انھوں نے اپنے ذمہ لیا تھا کس قدر جان کھپانی پڑی دوسری دِقت جس کا انھیں مقابلہ کرنا پڑا اس کی اجمالی کیفیت بھی سُن لیجئے۔ ایک ملاقات کا حال اس طرح لکھا ہے۔

"کل ایک صاحب جو عصمت کے قدیمی خریدار ہیں معہ اپنی بیوی کے تشریف لائے۔ میاں معزز عہدیدار۔ بیوی تعلیم یافتہ۔ تمدن جدید رگ رگ میں بھرا ہوا تھا..... اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ قدامت سے متنفر۔ جدت کے

شیدا تعلیم نسواں کے حامی۔ پردہ پر معترض" (عروس مشرق ۳۴)

اس قسم کی خاص وقتیں تھیں جن کو سر کرنا مرحوم جیسے مستقیم ارادہ اور توفیق عمل والے شخص ہی کا کام تھا۔ ع

این سعادت بہ زور بازو نیست

مرحوم کے کمال فنیت اور افسانہ نگاری کے مابہ الامتیاز کے بارے میں اگلے موقعہ پر (عصمت کے راشد الخیری نمبر میں) مفصل لکھا جا چکا ہے جس کا اعادہ محض طوالت ہے۔ مرحوم نے دو جیتی اور دو جاگتی یادگاریں ایسی چھوڑی ہیں جو دعا ہے کہ رہتی دنیا تک سرسبز رہیں اور ہمیشہ ہمیشہ اس مخلص دوست کے کام کو جاری رکھیں جسے اس نے بے حد ایثار اور لہو پسینا ایک کرکے پروان چڑھایا تھا۔ وہ یادگاریں ہیں۔ رازق الخیری اور صادق الخیری اور عصمت اور بنات۔

مجھے وہ دن نہیں بھولتا۔ پانچ برس سے کچھ اوپر ہوئے میں دہلی ہی میں تھا۔ ایک نوجوان ایم۔اے۔ جو الہ آباد یونیورسٹی میں میر مغفور کے متعلق پوسٹ گریجویٹ تحقیق کر رہے تھے مجھ سے ملنے آئے۔ اور اپنی تحقیقات میں امداد چاہی۔ میں اس امر میں ان کی کوئی مدد نہ کر سکا۔ تحقیق کرنا یہ تھا کہ میر تقی دہلی میں رہتے کہاں تھے؟ میں ان کو بھائی راشد الخیری کے پاس لے گیا۔ سکونت میر کے مسئلہ کو رہنے دیجئے ملاقات کے بعد جب ہم باہر نکلے تو باہر کے کمرے میں ان کے صاحبزادے رازق الخیری بیٹھے ہوئے لکھنے پڑھنے کے کام میں مصروف تھے ان کا تعارف کرتے ہوئے مرحوم نے کہا "یہ تمھارے بھتیجے ہیں میں نے ابھی ان کو اپنے کاموں میں تربیت کر دیا ہے کہ میرے بعد یہ کام بند نہ ہو"! اللہ اللہ عزم کی یہ جلیل القدر استقامت اور خدمت کا یہ خلوص! اگر وہ دو چار ایسے دل دماغ والے ہمارے ملک کی ہر جماعت میں ہو تو سب عقدے ایک دم میں حل ہو جائیں۔

فن کے کمال کا آگے ذکر آچکا ہے۔ لیکن میں پھر کہوں گا کہ مرحوم کی طبع وقار ایسی ہمہ گیر واقع ہوئی تھی کہ جس رنگ میں قلم اٹھاتے اعجاز رقم کی داد دیتے عام پر انہیں مصور غم کہا جاتا ہے۔ لیکن وہ مصور بہجت بھی تھے۔ جب ہنسنے ہنسانے پر آتے تو ان کا مزاح بے پناہ تھا۔ نانی عشو کے بعد دادا لال بجھکڑ اس دعوے کا مکمل اور قطعی ثبوت ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ مرحوم کے متفرق مضامین وغیرہ جو عصمت اور بنات اور بعض دیگر رسائل میں وقتاً فوقتاً ہنگامی صورت میں نکلے تھے اب کئی جلدوں میں یکجا ہو کر زمانہ کی دستبرد سے محفوظ ہو گئے۔ امید ہے کہ ادب اور اصلاح کے دلدادہ ان نئی کتابوں کے مطالعہ سے محظوظ اور مستفید ہوں گے۔

برجموہن دتاتریہ کیفی

# مولانا راشد الخیری کے مضامین کے چند نئے مجموعے

مولانا راشد الخیری کے مضامین کے مختلف مجموعے ان کے فرزند رشید جناب رازق الخیری صاحب نے مولانا کی وفات کے بعد جمع وترتیب دے کر دفتر عصمت سے شائع کئے ہیں۔ ان مضامین کا کتابی صورت میں آجانا اخلاق وادب کے بے بہا موتیوں کا خوبصورت لڑیوں میں پرو دیا جانا ہے۔

یہ مضامین جن رسائل میں شائع ہوئے تھے ان کے پڑھنے والوں اور پڑھنے والیوں کی اولاد آج ماشاء اللہ پڑھنے کے قابل ہے۔ اور چونکہ مولانا کے انشاء وادب کی بنا بالعموم معاشرت اور رہن سہن کے نفسیاتی نکتوں پر ہوتی ہے، اس لئے ایک دوامی حقیقت ہوتی ہے۔ ہماری سو برس پہلے کی معاشرت آج باقی نہیں۔ ممکن ہے سو سال بعد وہ بھی نہ ہو جو آج ہے۔ لیکن میاں بیوی کے تعلقات اور ان سے پیدا ہونے والے اثرات کی نوعیت وہی رہے گی۔ اور جو خوبی اور خرابی رونما ہوتی رہی ہے، کسی نہ کسی صورت میں ظاہر ہوتی رہے گی۔ چنانچہ مولانا کے ادب وانشاء کی سچی قدر باقی رہے گی اور ناکتخدا بچیوں سے لے کر تاہل اور اُمیت کے عہد تک عورت کی زندگی کا سچا دستور العمل ثابت ہوگی۔

مولانا کے کثیر ذخیرۂ ادب کا تبصرہ تو مشکل ہے، میں ان کے ایک مجموعے "بیفکری کا آخری دن" میں سے "ایام گذشتہ" کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ جو ایک خوبصورت ادب پارہ ہونے کے ساتھ اس نفسیاتی حقیقت کا حامل ہے۔ کہ اضطرار کی حالت میں ہم ایسی حرکت کر بیٹھتے ہیں جس پر غصہ رفع ہوجانے کے بعد اکثر ومبیشتر ندامت وافسوس کا احساس ہوتا ہے۔ ہمیں موقعہ حاصل ہوتا ہے کہ اُس کی تلافی کرلیں، اور جن طبیعتوں میں صلاحیت ہوتی ہے وہ تلافی کر بھی لیتے ہیں۔ لیکن بعض صورتوں میں موقعہ ہاتھ سے نکل چکتا ہے۔ اور اس غلطی کی یاد آکر ہمیں تڑپاتی رہتی ہے۔ اس کیفیت کو لفظوں میں لکھنا دشوار ہے۔ مولانا نے اس نکتے کو حسن ماحول کے ساتھ پیش کیا ہے، حق یہ ہے کہ اُنہیں کا حق تھا۔

نالۂ زار ایک دوسرا مجموعہ ہے جس میں ایک مختصر مضمون "ساسوں کی فریاد" شامل ہے۔ ہندوستان کی خانگی زندگی میں ساس بہو کا قضیہ ایک اٹل چیز ہے۔ اور اکثر صورتوں میں گھر بھر کی زندگیاں تلخ کردینے کا موجب ہوتا ہے۔ اس پامال موضوع کو مولانا نے اس دلدوز صورت میں پیش کیا ہے کہ اس کا بے اثر رہنا ناممکن ہے۔ حجت وتکرار میں فریقین اپنے آپ کو برسرِ حق اور دوسرے کو خطاوار سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ صورت کہ ہر فریق دوسرے کا نقطۂ نظر اور مافی الضمیر سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا۔ سخت سے سخت نتائج پیدا کردیتی ہے۔ اگر ایک انسان دوسرے انسان کے لئے اس کی انسانی خطاکاری ونسیان کی رعایت روا رکھے تو ننانوے فیصدی لڑائیاں ختم ہوجائیں یا پیدا ہی نہ ہوں۔ یعنے ایک فریق خود کو فریق مخالف کی حیثیت میں رکھ کر معاملہ کو سمجھے۔ اور جس مضمون کا میں نے حوالہ دیا ہے اس میں اسی صورت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ مجھے

یقین ہے کہ جس بہو نے یہ مضمون پڑھا ہوگا، اپنی ساس کے ساتھ اس کے رویہ میں تبدیلی آگئی ہوگی۔

مولانا کے ان مجموعوں کو مختلف عنوانات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:۔

بزم رفتگان، سیاحت ہند، اور یادگار تمدن، کی قدر صحافتی اور وقتی تھی، لیکن یہ چیزیں تاریخ ادب کے لئے بڑے کام کی ہیں۔ ان مضامین میں اُس وقت کے قدردانان و مربیان اور پرستاران و خدام ادب جن سے مولانا کو تعلق تھا اُن کے حالات پر روشنی پڑتی ہے، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ تعلق کتنا اور کیسا تھا۔ یہ چیزیں خود مولانا کی مفصل سوانح عمری لکھنے والے کے لئے بڑے سرمایہ کی حامل ہیں۔

گدڑی میں لعل، بیفکری کا آخری دن، عروس مشرق، اور نالۂ زار، ایسے مضامین کے مجموعے ہیں جن کے اندر عورت کی زندگی کے ہر دور کی تصویریں ملتی ہیں، اور موضوع کلام وہ حالات ہیں جن کے بننے بگڑنے سے زندگیاں بنتی ہیں۔ ان چھوٹے چھوٹے مضامین کے اندر، مولانا نے اپنے مخصوص دلنشین انداز بیان میں جو باتیں اور جتنی باتیں کہی ہیں وہ ایسی اور اتنی ہیں کہ ان مجموعوں کو عورت کی زندگی کی ایک انسائیکلو پیڈیا کہنا نامناسب نہ ہوگا۔

قرآنی قصے بچوں اور بچیوں کی مذہبی معلومات کے لئے بہترین استاد ہیں۔ دادالال بجھکڑ کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ شریفانہ مزاح اور سنجیدہ شوخی کیا چیز ہوتی ہے، اور مولانا کی طبیعت میں اس کا کتنا ملکہ تھا۔ گرداب حیات مولانا کے نہایت دلگداز افسانوں کا مجموعہ ہے جو مولانا کی خصوصیت افتخار تھی۔

آل۔ احمد

# میر کارواں

قلب میں اک ٹیس ہے، آنکھ اشک سے لبریز ہے
آج کا دن ہمنشیں، کتنا الم انگیز ہے

یاد ہو شاید تجھے "اردو ادب" کا وہ مآل
جس کے غم میں نوحہ گر ہے آج تک یہ دن یہ سال

آہ! وہ ساعت کہ تھا غمگین ہر اہل زباں
چل بسا تھا دہر سے اُردو کا میر کارواں

آہ، وہ تاج ادب اردو کو جس پر ناز تھا
جو زباں دانی میں اہل ملک پر ممتاز تھا

جس کو حاصل تھا قلم کی سحر کاری میں کمال
ہو نہیں سکتا کبھی جس کے صحیفوں کو زوال

جس نے بیواؤں، یتیموں پر مٹا دی زندگی
تا بہ آخر صنف نازک کی حمایت جس نے کی

بیکسوں کی غمگساری میں جو اپنا فرد تھا
بے بسوں کے درد، دُکھ میں جو سراپا درد تھا

موت جس کی مرگِ اہل علم کا پیغام تھی
جس سے دنیائے صحافت لرزہ براندام تھی

آج بھی جس کے الم میں اس قدر کہرام ہے
یاد رکھنا! "راشد الخیری" اسی کا نام ہے

حرماں خیرآبادی

# موت میں زندگی

"موت ایک دفعہ آتی اور جان ایک روز جاتی ہے، لیکن خوش نصیب ہے وہ عورت جو شوہر کی آنکھوں کے سامنے زندگی کو رخصت اور دنیا کو وداع کرے۔ میرا اصرار ماں کی محبت اور میری شفقت کا اظہار تھا ورنہ میں جانتا ہوں مجھے علم ہے میرا عقیدہ ہے کہ سسرال کے پتھر میکے کے پھولوں سے، شوہر کی نفرت باپ کے پیار سے اور اپنے گھر کے چنے ماں کے گھر کے قورمے سے ہزار درجہ افضل، اعلیٰ اور بہتر ہیں" (نوحۂ زندگی صفحہ ۱۰۴)

خط باپ کا ہے بیاہی ہوئی بیٹی کے نام۔ شوہر صاحب دوسرا نکاح کرچکے ہیں، اور یہ بیٹی، دل و دماغ کے سخت عذاب اور جسم کے شدید آزار میں مبتلا ہے۔ باپ کو بیٹی کی قسمت پھوٹ جانے کی اطلاع پہنچتی ہے۔ اور لختِ جگر کے ساتھ اپنے دل کے ٹکڑوں کو خط کے خوان میں یوں لگا کر پیش کرتا ہے:۔

"ہم تو آج کیا اُس دن سے تم کو رو چکے جب تم ہمارے گھر سے رخصت ہو کر سسرال پہنچیں، تقدیر اچھی ہوتی، خوش خوش رہتیں، آباد رہتیں، مقدّر درست نہ تھا۔ پھولوں بھری سیج کانٹوں سے اور موتی بھرا تھال کنکروں سے پٹ گیا جو ہونا تھا وہ ہوگیا، سوچنا یہ کہ اب کیا کرنی۔ زندگی بھلی یا بُری جیسی گزرنی تھی، گزر گئی، اب موت ایک اور زندگی شروع کرے گی۔ ضرورت ہے کہ وہ زندگی خوشگوار ہو، اور وہ شوہر جس کی دلھن بننے والی ہو، اور جس کی سیج جنگل بیابان کی قبر ہوگی تم سے خوش رہے۔ سسرال کے لوگ فرشتے اور حوریں، تمھاری ہستی سر آنکھوں پر رکھیں اور تم آئندہ نسلوں کے واسطے ایسا سبق چھوڑ جاؤ کہ دنیا تمھارے نام پر فخر کرے اور بیویاں تمھارے قدموں کی خاک کا سرمہ بنائیں۔..... آزمایش کا موقع اور امتحان کا وقت یہی ہے۔ سینہ پر آرے، کلیجہ پر چھریاں اور زخموں پر تبر چلیں مگر زہر کا ہر گھونٹ شہد اور تلخی کا ہر قطرہ شربت ہو۔" (صفحہ ۱۰۴)

لوگ کہتے ہیں، اور سچ کہتے ہیں، کہ اردو افسانوں میں بجز بے حیائی کے رکیک جذبات کے اور رکھا کیا ہے، لیکن کہنے والے دیکھیں کہ کلیہ میں استثنا بھی کس پایہ کا ہے! جی یہ کہنے کو چاہتا ہے کہ اردو میں افسانہ اگر اسی کا نام ہے، تو کاش ہمارا سارا سرمایۂ ادب فسانہ ہی ہوتا!

خط ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔ آخری سطریں بھی پڑھ لیجئے:۔

"بیٹی یاد رکھنا، عورت کی مصیبت اس کی شرافت کی کسوٹی ہے۔ کوشش کرنا کہ باپ دادا کی آبرو میں فرق نہ آنے پائے۔ اس دنیا کو خیرباد کہو، اور اب اُدھر کی لو لگاؤ جہاں ہمیشہ رہنا اور سدا سہنا ہے۔ ساجدہ! منزل کڑی اور راستہ ٹیڑھا ہے۔ خدا کا نام لو، بسم اللہ کرو اور اب اس منزل میں قدم رکھو۔" (صفحہ ۱۰۸)

بحث یہاں افسانہ کی زبان سے، پلاٹ سے، کردار نگاری سے، کسی فنی حیثیت سے نہیں، ان سارے پہلوؤں کو چھوڑئیے۔ سوال یہاں صرف اس قدر ہے کہ اگر آپ صاحبِ اولاد ہیں، اور اتفاق سے کسی لڑکی کے باپ بھی، تو خود بتائیے، کہ دل پر کیا گزر رہی ہے؟ "زندگی" میں "موت" کا سماں کس نے اس طرح دکھایا ہے؟ افسانہ اور رومان کے اسٹیج پر کھڑے ہو کر کس نے آخرت سے اس اس طرح ڈرایا ہے؟

شادی ایک مسلمان گھرانے میں ایک لڑکی کی ہورہی ہے۔ والدین ماشاراللہ عبادتوں کے لحاظ سے اچھے خاصے دیندار۔ لیکن رسم ورواج کی زنجیروں میں گرفتار۔ ساچق کے دن سگی بیوہ پھوپھی شامت کی ماری وہاں آنکلیں، جہاں سات سہاگنیں دلہن کو چڑیا دا چڑھا رہی تھیں، عین شگون کے وقت ایسی بدشگونی! بیوہ ہوکر سہاگنوں میں آملی، اور پہنچی وہاں جہاں رسم ورواج کی شریعت اُس کے سایہ کے بھی پہنچنے کی روادار نہ تھی۔ بس کچھ نہ پوچھئے۔ کیسا غضب برپا ہوکر رہا۔ بھرے مجمع میں، برادری کے جمگھٹے میں، بھاوج اور بھائی اور تنہا یہی دونوں کیوں، یہ کہئے کہ ساری محفل مل کر اُس گنہگارنی پر بپھر پڑی۔

"منجھلی آپا! غضب خدا کا یہ کیا ستم ڈھایا۔ ایسی بھائی بھاوج سے دشمنی، اور بھتیجی سے عداوت تھی، تو زہر دیدیا ہوتا۔ ہٹو یہاں سے، خبردار جو زیور کو ہاتھ لگایا یا کپڑوں کو چھوا!" جہاں آرا کو اُس وقت اپنی بیوگی کا احساس ہوا جس قدر مہمان جمع تھے، ان میں ایک ایسا نہ تھا، کہ اُس کی بے گناہی کو تسلیم کرلیتا، ہر عورت فیروزہ کی ہاں میں ہاں ملارہی تھی، اور کہتی تھی ایسی ڈاین پھوپھی اور ناگن بہن آج تک دیکھی نہ سُنی اول تو یہ غضب کہ شگون کے وقت اپنا چہرہ دکھایا، اس پر یہ ستم کہ سہاگنوں میں آملیں۔ دونوں پر طرہ یہ کہ دیکھ بھال کر اور سمجھ بوجھ کر زیور کو ہاتھ لگایا کہ توبہ توبہ لڑکی رانڈ ہوجائے...... یہ وہ وقت تھا کہ آدھی رات کو ایک بیوہ عورت حقیقی بھتیجی کی شادی میں ایسی سنگین خطاؤں کی ملزم تھی، تمام مہمان اور بھائی بھاوج اس کے خلاف تھے، اور چاروں طرف سے بوچھاڑ اور لعن طعن پڑرہی تھی، جہاں آرا کی زبان خاموش تھی، مگر اُس کی آنکھیں اپنی بے گناہی کا عذر کررہی تھیں، وہ ایک ایک کی طرف دیکھتی تھی۔ مگر کوئی اتنا نہ تھا کہ اُس کی حمایت میں ایک لفظ بھی کہدیتا، یہاں تک کہ اُس کا ہاتھ پکڑکر دالان کے باہر نکال دیا گیا" (ص ۱۵)

اسی شب میں یہ رواج کی بندی، ریت رسموں کی پوجا کرنے والی، فیروزہ، خواب میں کیا دیکھتی ہے کہ مرحومہ ساس آئی ہیں۔ اور اپنی قسمت کی ہیٹی، بیوہ بیٹی کو سینہ سے لگا، بہو سے کہتی ہیں:-

"بیوہ کی آہ میں، اس آہ کی آگ میں، اس آگ کے دھوئیں میں جو دونوں میاں بیوی نے ہنس ہنس کر اور کھل کھل کر سلگائی اور بھڑکائی، خدا کا غضب اور قہر پوشیدہ ہے۔ ہوا اس دھوئیں کو برباد نہیں کررہی ہے۔ فرشتے اس کو گود میں اور حوریں اس کو سینے لگا رہی ہیں۔ زبان نے الفاظ کو چھری بناکر رانڈ بہن کا دل زخمی کیا۔ زخم کی اذیت آہ میں تبدیل ہوئی۔ آہ کا دھواں اس مالک کے حضور میں حاضر ہوا جو ظالم اور مظلوم دونوں کا مالک ہے۔ یہ وہاں پہنچ کر فنا ہونے اور مٹ جانے والا نہیں۔ ایک دوسری صورت اختیار کرے گا اور خدا کا قہر بن کر اس طرح نازل ہوگا کہ کلیجہ مسوس کر رہ جائے گی فیروزہ! بیوہ کی آہ بھڑک چکی۔ اب اپنی آگ ٹھنڈی کر اور یقین کر یہ دھواں خالی جانے والا نہیں رنگ لانے والا اور مصیبت ڈہانے والا ہے"۔ ص ۱۹

یہ آپ افسانہ پڑھ رہے ہیں، کہ کسی شیخ کامل کے حلقہ میں بیٹھے، خشیت الٰہی کا درس لے رہے ہیں؟ اور خدا شناسی نہ سہی، خود شناسی کی منزلیں تو بہرحال طے کرتے جارہے ہیں!

شعر وشاعری کو اسلام نے سخت ناپسند کیا ہے۔ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ، اور اَلشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ وغیرہ نصوص قرآنی کی تصریحات موجود ہیں۔ لیکن قرآن ہی میں آخر یہ استثنار بھی تو موجود ہے، اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا۔ اور خود رسول اللہ صلعم نے اسلام کے ہجوگویوں کے جواب میں حسّان رضہ سے نظمیں کہلائی ہیں۔ اس سے معلوم یہ ہوا کہ شاعری بھی، بعض حالات میں، جائز ہونا کیسا، عین عبادت بن جاتی ہے۔ اور جب یہ اصل مسلّم ہوچکی، تو کون کہہ سکتا ہے کہ اُردو میں

راشد الخیری کی افسانہ نویسی بھی اپنی جگہ پر ایک عبادت وموعظمت نہیں؟

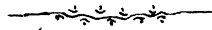
ہاں تو وہ قصہ رہا جاتا ہے - بیوہ کی آہ کا دھواں بالا بالا نہ گیا - سید عالم بالا کو پہنچا - مرزا قدیر کا جوان پالا پوسا لڑکا ظہیر بیمار پڑا، اور ایسا کہ چارپائی سے لگ گیا - ماں کے مارے ہوئے، ماں باپ نے دوائیں، تدبیریں، آخر سب ہی تو کر ڈالا، لیکن نہ ٹلنے والا وقت آ کر رہا۔

سکرات شروع اور اس کے ساتھ ہی ماں باپ کھڑے اور پڑے پیٹنے لگے۔ ظہیر سامنے لیٹا دم توڑ رہا تھا اور قدیر الگ کھڑا سر پھوڑ رہا تھا۔ کبھی اندر جاتا، کبھی باہر آتا۔ آدھی رات کے وقت اپنے کمرہ میں آ خاموش بیٹھ گیا۔ آنکھیں کچھ بند تھیں، کچھ کھلی۔ خدا معلوم عالم خواب تھا یا بیداری اور واقعہ تھا یا تخیل ایسا معلوم ہوا۔ جہاں آرا اپنے دونوں معصوم بچوں کے ساتھ ہے اور اُن کی انگلیاں پکڑے سامنے کھڑی ہے"! ص ۶۲

یہ وہی چند سال پیشتر والا منظر ہے۔ سگی بیوہ بہن اپنے دو یتیم بچوں سمیت، محض ایک جاہلانہ ومشرکانہ رسم کے توڑنے کے جرم میں، ذلت وخواری کے ساتھ، دھکے دے کر نکالی جا رہی ہے، اور چلتے چلتے کہتی جا رہی ہے۔

بھیا کوئی گھر ہمیشہ شادی کا نہیں رہتا۔ جہاں آج شادی کے جلسے ہیں۔ وہاں کل موت کا بین ہے۔ جہاں ابھی خوشی کے نقارے ہیں، وہاں تھوڑی دیر بعد ماتم کے تاشے۔ جس دالان میں سمدھنیں اور براتی ہیں اس میں تعزیت اور عیادت والے بھی شریک ہونے والے ہیں۔ بیرن! یہ گھر حشمت کی شادی سے بھرا پُرا نہ رہے گا۔ یہاں ظہیر کا ماتم بھی ہوگا۔ آج میری اور میرے بچوں کی موت سے تیری تیوری پر بل نہ آئے اور تینوں موتیں تو ہنس کر ٹال دے۔ مگر اس دروازے سے ان تین کے بعد ایک ایسی لاش نکلے گی جو تیرے ہوش حواس باختہ کر دے گی"!

عالم غیب کی یہ پیشنگوئی عالم شہادت میں حرف بحرف پوری ہو کر رہی۔ اور جہاں تک اصل قصہ کا تعلق ہے، نوحۂ زندگی کا تعلق ہے، نوحۂ زندگی کا خاتمہ، نوحۂ موت پر ہو کر رہا ......... آخرت کی فتح دنیا پر، "کل" کی روحانیت کی فتح "آج" کی مادیت پر!



خیال نہ گزرے، کہ کتاب کا موضوع ہی غم کی مصوری ہے" نوحۂ زندگی" نام ہی نوحہ وشیون کا ہے۔ اس لئے اگر اس میں موت کا ذکر بار بار آ گیا، اور آخرت کے خوف سے متعدد بار ڈرایا گیا، تو بات کچھ ایسی داد وفخر کی نہیں۔ مصنف کا کمال یہ ہے کہ اُس نے زندگی کے جس شعبہ کو بھی ہاتھ لگایا ہے، اُسے رنگ فنا ومکافات عمل سے رنگ دیا ہے۔ نسوانی زندگی کی ایک کامل سرگزشت اور مکمل روئداد چار جلدوں میں" صبح زندگی"، "شام زندگی" اور "شب زندگی" (دو حصے) کے نام سے لکھ ڈالی ہے، اس میں بچپن سے لے کر بڑھاپے تک کے سارے دَور، عورت کی زندگی کے آ گئے ہیں۔ بخصوصاً "صبح زندگی" کے تو ہر ہر صفحہ سے زندگی ہی کی کرنیں طلوع ہو رہی ہیں، اور اور بڑے سے لے کر چھوٹا، کوئی مرحلہ نسوانی زندگی کا چھوٹنے نہیں پایا ہے، کہیں بچی کو گود میں لئے کھلا رہے ہیں، اور کہیں انگلی پکڑے اُسے ٹہلا رہے ہیں، کہیں برسات میں جھولا جھلا رہے ہیں۔ کہیں اُسی کی توتلی زبان میں اُس سے کہانی کہہ رہے ہیں، اُسی مکتب میں اُسے حساب کے پہاڑے یاد کرا رہے ہیں، اور ابھی جا نماز پر بیٹھے اُسے مناجات سکھلا رہے ہیں۔ کہیں انگنائی اور دالان میں جھاڑو دلا رہے اور صفائی کے طریقے بتا رہے ہیں، اور کہیں باورچی خانہ میں سالن بگھارنے، اور حلوہ پکانے کی ترکیبیں دکھا رہے ہیں۔ ابھی بنیوں سے مول تول، بازار کے سودا سلف کی گفتگو ہو رہی تھی، ابھی انگشتی پیچک لئے ہوئے، سلائی، کترائی، کٹائی، بخیہ کے بقچہ کے بقچہ کھولے بیٹھے ہیں۔ غرض ہر طرف زندگی ہی زندگی کی بہار ہے۔ لیکن بہار کی اس گرما گرمی میں بھی زندگی کی خزاں کی یاد دیدۂ دل کے سامنے

سے ہٹنے اور نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے پاتی۔
نگاترا ایک خوش حال خاتون ہے، دنیا پر مٹی ہوئی آخرت کو بھولی ہوئی۔ بدمزاجی کے باعث محلہ بھر ساتھ چھوڑ چکا ہے یتیم خانہ کی لڑکی معصومن قبضہ میں ہے، سارا غصہ اُسی کی جان ناتوان پر ٹوٹتا ہے۔
"دوپہر کے وقت ایک روز لڑکی کو بخار چڑھا۔ جاڑوں کے دن تھے۔ دھوپ میں بیٹھی کپ کپا رہی تھی۔ نگاترنے پٹاری منگوائی زبردست کے بسوے ہیں، اُٹھی اور آئی۔ چھ سات برس کی جان، بخار میں جلتی، پکا پالسیر تانبا ہاتھ میں، پاؤں پھسلا اور دھڑام سے گری۔ بیمار کا گرنا تھا کہ نگاترجھلاکر اُٹھی۔ پٹاری کو تو وہیں چھوڑا اور معصومن کا ہاتھ پکڑکر بیدردی سے گھسیٹتی ہوئی لائی۔ بخار زدہ معصومن کی حسرت آمیز نظریں نگاترجلاد سے رحم کی ملتجی تھیں اور بیگناہی کا اظہار کر رہی تھیں۔ مار پڑنی شروع ہوئی۔ جب طاقت ضبط نہ رہی تو رو کر کہنے لگی، بیگم صاحب اب معاف کر دیجئے۔ پھر کبھی نہیں گراؤں گی" بے بس لڑکی کی منت وزاری کا نگاترپر کیا اثر ہوتا۔ مارا جتنا مار سکتی تھی۔ مار چکی تو ایسا دھکا دیا کہ اوندھے منہ جاکر تخت پر گری۔ کنپٹی میں کیل چبھی۔ خون کی تلتلی بندھی، سارا چہرہ لہولہان ہوگیا" (صبح زندگی ص۱۴۹)
مظلوم کی آہ کی رسائی کے لئے عرش الٰہی تک کے راستے بے روک ٹوک کھلے ہوئے ہیں۔ مبتدا کی خبر جلد ہی نکل آئی:۔
قبولیت کی گھڑی عام آدمیوں کے واسطے کوئی خاص ہو تو ہو، مظلوم کے واسطے تو حاکم حقیقی کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ معصومن کی التجا دُکھے ہوئے دل کی آہ تھی۔ کلیجہ سے نکلی۔ زبان پر آئی۔ زبان سے نکلنے کی دیر تھی، آسمان اور زمین دونوں کانپ گئے۔ حاکموں کا حاکم بادشاہوں کا بادشاہ، مظلوموں کا والی، معصومن کا وارث جس کے حضور میں اتنی دیر گڑگڑائی، اُس فریاد کو سن رہا تھا۔ (صبح زندگی ص۱۵۱)
نگاترا اسی شام کو پڑی۔ گردن میں پھوڑا نکلا:۔
"آدھی رات تک تو کچھ سوئی اور کچھ جاگی مگر آدھی رات کے بعد تو پلک سے پلک جھپکانی حرام تھی۔ منہ اور گردن دونوں سوج کر کُپا ہو گئے۔ بڑی مشکلوں اور مصیبتوں سے چیخ پیٹ رات کاٹی۔ نماز دم خالہ نانی کو بلوایا چچی پھوپھی کو ڈولی بھیجی غرض جس نے دیکھا دم بخود رہ گیا۔ ڈاکٹر، جراح، حکیم، طبیب سب ہی آئے اور گئے مگر تسکین کی صورت نہ نکلی ایک چیخ آسمان اور ایک زمین میں تھی جس شخص نے پیسہ تو پیسہ سوکھی روٹی تک کسی کو نہ دی ہو، بھر بھر مٹھیاں روپے دے رہی تھی۔ دنیا بھر کے جتن کر ڈالے مگر آرام اور افاقہ کیا ہیں سے انیس بھی نہ ہوا کس قیامت کی کھولن اور غضب کی جلن تھی کہ کسی کروٹ بھی چین نہ پڑتا تھا مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی۔
دوسری رات پہلے سے بھی بدتر گزری۔ ایک زخم تھا جس پر کوئی کچوکے دے رہا تھا صبح جراح نے آکر چیرا دیا، دوپہر کو بخار چڑھا غفلت شروع ہوئی۔ گھڑی دو گھڑی بعد ہوش آجاتا تھا تو ایسی بلبلاتی تھی کہ سننے والوں تک کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے، شام کو بخار ذرا ہلکا ہوا مگر پھوڑے کی تکلیف بدستور تھی۔ پلنگ باہر کھچوا انگنائی میں آکر لیٹی۔ یہ عمر بھر میں پہلا ہی دن ہوگا کہ نگاترا رحم الراحمین کے رحم کی ملتجی تھی اور اُس کو یاد کر رہی تھی۔ عشا کا وقت تھا کہ ایک فقیر نے دروازے پر آکر صدا لگائی:۔

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا

بیماری کی حالت، رات کا وقت، مضمون درد انگیز، فقیر خوش الحان، دفعتہً نگاترکو عاقبت کا خیال بندھا۔ سوچنے لگی کہ بس زندگی

کے دن پورے ہوگئے اور ایک آدھ روز یا دوچار گھڑی دنیا کی ہوا کھا رہی ہوں، لے لیا جو لینا تھا۔ اور کر چکی جو کرنا تھا۔ ص۱۵۱
اتنے میں ایک آواز کان میں آئی جو کہہ رہی تھی۔

"مجھ سے زیادہ ناعاقبت اندیش کون ہوگا۔ مسافر بن گئی۔ گھر والی بن کر بیٹھی۔ پردیس کو وطن سمجھا۔ سرائے میں ڈیرے ڈالے اور اس بات کا کبھی خیال بھی نہ آیا کہ جو کچھ کر رہی ہوں حرف بحرف لکھا جا رہا ہے اور یہ دفتر ایک دن کھلنا ہے۔ کیوں نکاترا؟ کال کے دن مٹھی بھر دانوں کے لالے اور تیرے ہی جیسے مظلوم و معصوم بندے دور سے آس لگا کر تیرے پاس آئیں اور تو منہ پھیرے۔ دکھیاریاں، مصیبت ماریاں بھوکی پیاسی تیرے در پر آکر پڑیں اور تو اُن کا زیور نا کے تیس تیس چالیس چالیس روپے کی رقمیں محنت کی بنائی مصیبت کی جوڑی دس دس پندرہ پندرہ روپے ہتھیائیں اور کبھی رحم نہ آیا۔ یتیموں کے مال مارے۔ وقت پڑوں کے زیور چھینے۔ رانڈوں کے دل توڑے۔ بچوں پر ظلم کیا۔ کسی کا مکان دبایا۔ کسی کی دکان اڑائی۔ مگر او بے وقوف! وہ سب وہیں تک کا تھا اور وہاں کا وہیں رہا۔ آج تیرے ساتھ ان میں سے تو کچھ نہیں مگر ہاں مظلوموں کی آہیں اور دکھے ہوئے دلوں کی بد دعائیں تیرے ساتھ ضرور ہیں: نکاترا! وہ ظلم و ستم اور غرور و تمکنت سانس ہی تک کا تھا۔ اب ختم ہوا۔ اب تو ہے، اور ان کرتوتوں کا پھل۔ جو کیا وہ بھر۔ جو بویا وہ کاٹ۔ یاد ہے یا بھول گئی؟ آدھی رات کا وقت، پانی کا طوفان۔ اور وہ بن باپ کی بچیاں رات کی رات تیرے گھر پر رہنا چاہیں منتیں کریں۔ خوشامدیں کریں۔ اور تو اس کان سُن اُس کان اُڑا دے! ان کا کچھ نہیں گیا۔ تو نے اپنی آخرت برباد کر لی۔ وہ دن اور رات کچھ بھی نہ رہا۔ مگر تیرا عمل باقی رہ گیا۔ جس مکان پر اتنا گھمنڈ کیا وہ سدا رہنے والا نہ تھا: نکاترا آج اُس گھر میں اُلّو بول رہے ہیں اور کوئی اتنا نہیں کہ چراغ جلا کر بیٹھ جائے۔ کس برتے پر تتا پانی۔ کس بات پر بھولی، اور کیا سمجھ کر پھولی، جو کچھ کرتی اور جو دیتی وہ سب تیرا امانت ہوتا اور آج ہم تجھ کو تیری امانت دوگنی اور چگنی واپس کرتے۔ دیتے اور اتنا دیتے کہ تو خوش ہو جاتی مگر تو تو ہمارے نام سے ایسی بیزار ہوئی کہ مر گئی اور ہم کو جھوٹوں یاد نہ کیا۔

کچھ معصومہ کے برتاؤ کا دھیان ہے؟ آج ہم وہی برتاؤ تیرے ساتھ کریں گے۔ تو نے اس کو بیٹی کی طرح رکھنے کا وعدہ کیا تھا اور اُس کا ننھا سا دل باغ باغ تھا مگر اے سنگدل تو نے اُس کی بڑی مٹی پلید کی اور ذرا سے کلیجے پر بڑے بڑے داغ دیئے۔

اس ایک معمولی سی پھنسی میں تو نے محلہ کا محلہ سر پر اُٹھا لیا اور وہ بخار میں ہل ہلاتی آفت زدہ بچی جو تیرے حکم پر پانسیر کا بوجھ اُٹھا کر لائی۔ صرف پاؤں پھسل جانے پر اس سزا کے قابل تھی کہ سر لہولہان ہو جائے۔ وہ بھی تو تیری طرح جان رکھتی تھی۔ صرف اتنا فرق تھا کہ تو زبردست تھی وہ کمزور۔ تو اختیار والی تھی، وہ مجبور۔ مگر اس وقت۔ تو ایسی عدالت میں موجود ہے جہاں کا حاکم تجھ سے زیادہ زبردست اور جس کا فیصلہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوگا۔ معصومہ کا دل مجروح اس بارہ میں تجھ سے زیادہ پیارا ہے اور یہ اسی سات برس کی لاوارث بچی اور تیری دست نگر لونڈی کی خاطر ہے کہ تو اس سخت عذاب میں پڑتی ہے۔ اُٹھ اور جو کیا اُس کو بھگت" (صبح زندگی ص۱۵۵ - ۱۵۶)

نصوح کا خواب توبۃ النصوح میں جو لوگ پڑھ چکے ہیں اُمید ہے کہ اُسے بھولے نہ ہوں گے .....اتنے مؤثر خواب کو کوئی بھلا دینا چاہے بھی، تو بھلانا آسان نہیں ہے...... کون جانتا تھا کہ خواب آخرت کے اُس نقش اول کا نقش ثانی ۳۰، ۳۵ سال کے عرصہ میں نذیر احمد ہی کے خاندان کے ایک رکن کے قلم سے نکل آئے گا؟ تقابل و موازنہ یہاں منظور نہیں، بتانا صرف یہ، اور جتانا صرف اس قدر ہے،

کہ مشرق کے افسانہ نویس کی "صبح زندگی" بھی میدان حشر کے کیسے کیسے موثر مناظر اپنے دامنوں کی تہ میں رکھتی ہے! شعر و ادب و افسانہ و محاضرات، اور جہاں کہیں بھی افیون کی گولیوں کا کام دیتے ہوں؟ خیری "گھرانے کے ایک "مرد راشد" کے ہاتھ میں آکر تو وہی زہر عین تریاق بن جاتا ہے اور جس پر دھوکا بربط غفلت کا تھا، وہی صور بیداری نکلا!

---

جس رود اد حیات کی "صبح" کے مناظر یہ ہوں، اس کی شام کے مناظر کیا کچھ نہ ہوں گے؟ نصیرہ ایک خوش حال گھرانے کی بیگم، ایک ڈپٹی صاحب کی بیوی ہے۔ لڑکے کا ختنہ کیا۔ عین دھوم دھامی تقریب کے دن، سوتیلے لڑکے کو ڈپٹی صاحب کے ہاتھوں، بالکل بلا وجہ و بے قصور، بے انتہا مار کھلا چکی، اور جنگل میں پھنکوا چکی ہے۔ لڑکا بھی کون؟ سگی بہن کا لڑکا، اپنا سگا بھانجا جس کی ماں ڈپٹی صاحب کی پہلی بیوی تھیں۔ اور لڑکے کا سن کیا؟ یہی کوئی چھ برس کا۔ رات اندھیری جنگل میں بارش زور شور کی ہو رہی ہے، آدھی رات کے سناٹے میں ایک سانپ آکر معصوم بچہ کی زندگی کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ اب اس کے آگے کا قصہ، قصہ نویس کی زبان سے سنئے:۔

"یہ وہ وقت تھا، جب نصیرہ بیگم کا گھر مہمانوں سے کھچا کھچ بھر رہا تھا۔ میراثنیں لہک لہک کر گا رہی تھیں۔ نصیرہ دن بھر کی تھکی ہاری، دو دن کی جاگی اس خیال سے کہ ذرا کمر سیدھی کروں اپنے پلنگ پر جا لیٹی، لیٹتے ہی سامنے کی دیوار پر روشنی میں ایک انسانی صورت دیکھی، گھبرا کر اٹھی، ڈری اور پوچھا کون؟"

**روشنی**:۔ میں تیری حقیقی بہن ذاکرہ بدنصیب کی روح ہوں، اور مظلوم و معصوم ساجد کی ماں۔ تجھ کو یہ عیش کی گھڑیاں مبارک۔ تیرے لال کے کھیڑے بسیں، تیرا سہاگ ہمیشہ ہمیشہ قائم رہے، تو دودوں نہائے، پوتوں پھلے، مگر نصیرہ میری محبت اور خدمت اس کی مستحق نہ تھی جو تونے میرے لال کے ساتھ کیا۔ تو بیگم ہے اس گھر کی مالک ہے، مجھے تجھ سے کچھ کہنے کا حق نہیں۔ میں اپنی زندگی پوری، اور اپنی دنیا طے کر چکی۔ میرا نمونہ تیرے سامنے ہے۔ میں ہمیشہ مظلوموں سے ڈری معصوموں سے جھکی، یتیموں سے ملی، رانڈوں سے گھلی۔ غرض میری زندگی کا مقصد صرف بندگان خدا کی خدمت اور حاجتمندوں کی اعانت رہا۔ پھر بھی میں سدا خوف سے کانپی، اور موت سے لرزی۔ میرے پاس مغفرت کا کوئی سامان نہ تھا۔ دوزخ کے شرارے اور آگ کی لپٹیں۔ مجھے بھلنے کو تیار تھے، قبر اپنا ہولناک منہ کھولے مجھے نگلنے کو موجود تھی، تم سب عزیزوں نے مجھے نہلا دھلا کر رخصت کیا، اور میری تمام محبت ختم کر دی۔ مردوں نے مجھے سپرد زمین کیا، اور اپنا منہ موڑا۔ بڑا نازک وقت تھا، میں تھی اور عمر گذشتہ کے ہر فعل کی جوابدہی، ہر عمل کی بازپرس، ہر کام کی ذمہ داری، ہر قول کی جانچ پڑتال۔ نمازیں دکھاوے کی تھیں، اکارت گئیں، روزے زبردستی کے تھے بیکار نکلے۔ ہاں اس آڑے وقت میں جب کوئی یار و مددگار نہ تھا، کچھ یتیم لڑکے، کچھ معصوم بچے، تھوڑی سی رانڈیں، چند مظلوم، بعض محتاج، جن کو آج دنیا حقارت سے دیکھتی، اور نفرت سے رکھتی ہے۔ میری مدد کو دوڑے۔ یہ پاک روحیں عالم بالا میں راج کر رہی تھیں۔ ملک عدم میں ان کا سکہ چل رہا تھا، اور اس جہان کی بادشاہی ان کے قبضہ میں تھی۔ یہاں یہ میرے دست نگر تھے، وہاں میں ان کی محتاج۔ قادر ذوالجلال کی پاک ذات ان میں شامل تھی، انہوں نے میرے سلوک کا معاوضہ اور میرے رحم کا بدلہ دیا، دوزخ ان کے اثر سے خاک اور شعلے ان کے اشارے سے ٹھنڈے ہوئے، قبر میرے واسطے گلزار بنی اور میری گنہگار روح جنت الفردوس میں جا پہنچی۔ آج مجھے حکم ہوا تھا کہ میں اس نابکار دنیا کی کیفیت دیکھوں، اور اپنے پیارے ساجد کی روح کے استقبال کو آؤں۔ میں نے جو کیفیت دیکھی بیان نہیں کر سکتی، آج تیرے بچہ کی شادی ہے۔ اور تو بیگم بنی بیٹھی ہے، نوکر تیری ہو

پرحاضر ماماٸیں تیرے اشارے پر موجود۔ اور شوہر تیرے اشارے پر تیار ہے۔ لیکن بے وقوف بیگم! خدا کی ایک مخلوق، ایک بھولا بھالا بچہ، بن ماں کا لال، بے وارث معصوم، اور تجھ جیسی بااختیار عورت کا مظلوم، تیرے چلتر سے باپ کے ہاتھوں جنگل بیابان میں دم توڑ چکا، کیوں بیگم؟ حقیقی باپ اور سگی خالہ یوں عیش کرے اور ساجد آدھی رات کے وقت سنسان جنگل میں، اس قیامت خیز بارش میں اکیلا پڑا ہوا دنیا کو الوداع کہے، تیرا بچہ اکیلا دالان سے باہر نہ نکلے، اور میرا بچہ تیرے ہاتھوں زندگی کی آخری رات اس طرح بسر کرے، تیرے دولھا کے واسطے یہ سینکڑوں آدمی موجود ہوں، اور ساجد کے مُردے پر کوئی دو آنسو گرانے والا بھی نہ ہو۔ دیکھ یہ میرے ہاتھ تیرا اعمالنامہ ہے، جہاں مظالم کے سوا ایک بھی نیکی نہیں، ادہر دیکھ یہ موت تیرے واسطے منہ چیرے کھڑی ہے۔ نصیرہ بیگم! جو ہونا تھا ہو گیا، ساجد کی روح جنت میں جا پہنچی۔ اب تیرا اس کا فیصلہ حاکم حقیقی کے سپرد ہے۔ اور وہ وقت دور نہیں، جب دنیا تجھ جیسی ناشاد، نامراد ظالم و مکار عورت کو اپنے سے جدا کردے اور تو اس کا نتیجہ بھگتے۔ (شام زندگی، صفحہ ۵۹-۵۷)

اقتباس یقیناً طویل ہو گیا۔ لیکن دل ہے کہ برابر بھرا چلا آرہا ہے، اور کون دل والا ہے، جو اُکتا کر ایسی طوالت کو ختم کرنا چاہے گا؟ — اللہ کی بے شمار رحمتیں نازل ہوں۔ اس انشا پرداز کے قلم پر، جس نے یوں گدگدا گدگدا کر رُلایا، اور رُلا رُلا کر گدگدایا، کتنے بگڑے ہوئے گھرا نہیں تحریروں سے سُدھرے ہوں گے، اور ظلمت کدوں میں انسانیت اور خدا ترسی کی شعاعیں اُنہیں روزنوں سے پہنچی ہوں گی اور افسانہ نویس کے اجر بے حساب کا حساب، اور مزد بے اندازہ کا اندازہ کون کرسکتا ہے؟

---

اُردو میں لکھنے والے، افسانہ لکھنے والے بھی، ایک سے بڑھ کر ایک اب تک ہوچکے ہیں کسی نے کردار نگاری کا حق ادا کیا، کسی نے لطف زبان کا سماں باندھ دیا، کسی نے ہنسایا، کسی نے ڈرایا۔ لیکن اگر دائرہ انتخاب کو محدود کر کے سوال یہ کیا جائے، کہ زندگی کی منظر نگاری میں موت کی مصوری اور آخرت کی عکاسی کس نے سب سے زیادہ کی؟ تو جواب کئی نہیں ہوں گے، صرف ایک ہوگا۔ زبانوں پر نام متعدد نہیں، صرف ایک ص ۔ ا شد الخیری کا آئے گا...... موت کے کیسے کیسے نقشے اس عبرت نگار قلم نے زندگی، میں دکھا دئے؟ نہیں، یہ وصف بھی غلط بیان ہوا کہنا یہ چاہیئے، کہ موت میں کس کس طرح زندگی پیدا کر دکھائی، اور جو موضوع تمام تر خشک و بے مزہ سمجھا جاتا تھا اُس میں کس درجہ لذت درد و چاشنیٔ غم کوٹ کوٹ کر بھر دی! روتے روتے سسکیاں بندھ جائیں، اور پھر نہ کتاب چھوڑنے کو جی چاہے، اور نہ ورق اُلٹے اُلٹا جائے اسے اگر بندہ کا اعجاز، اور مولیٰ کا افضال نہیں تو اور کیا کہئے؟

لکھنے والے نے ہزارہا صفحے لکھ ڈالے، اور کوئی درد و عبرت کے منظروں کا استقصا کرنے بیٹھے تو صدہا صفحات اس کے لئے بھی کافی نہ ہوں گے، اور یہ یہاں مقصود نہیں۔ اس وقت تو مقصود مصور غم کی مصوری پر ایک سرسری تبصرہ اور اس کا اجمالی تعارف تھا۔ موتیں آپ نے بہت سی دیکھی ہوں گی، صحبت برخاست ہونے سے قبل، آئیے ایک موت، مصور غم کی معیت و رہبری میں بھی دیکھتے چلیں۔

تسیمہ ایک نیک دل بیوی ہیں۔ خالق کی فرمانبردار اور مخلوق کی خدمت گزار صبح زندگی، شام زندگی، شب زندگی، سب انہیں خاتون کی زندگی کی "صبح" و "شام" و "شب" کی ایک مسلسل روداد ہیں۔ ۵۵ برس کے سن میں ان کا وقت آخر ہو رہا ہے۔ دیکھئے مسلمان کی موت بھی کیسی حیات بخش ہوتی ہے۔ البتہ تجہیز و تکفین میں ذرا دیر لگے گی۔ طبیعت اس انتظار میں ملول نہ ہو۔

مرنے والی نیک دل بیوی کو موت کا یقین ہو چکا ہے۔ سب عزیزوں، قریبوں کو پاس بلا کر بٹھاتی ہے، اور زبان، کہنا چاہیئے کہ آخری بار، یوں گویا ہوتی ہے:-

آج یہ ہاتھ پاؤں جن پر گھمنڈ تھا بیکار ہیں، اور عمر جس پر ناز تھا ختم ہو گئی ہے۔ مگر اُس کی یادگار آج ندامت و پشیمانی

میرے پاس ہیں، اور اب رونے کے سوا کوئی چارہ نہیں، اماں جان کی فضیحتیاں میں نے سنیں ابا جان کے حکم بارہا میں نے ٹالے
بہن بھائیوں پر شفقت مجھ سے نہ ہوئی۔ بڑوں کی طاعت میں نے نہ کی، آہ اے عمر گذشتہ! اس کٹھن رستے میں جہاں ایک
ایک قدم اُٹھنا مصیبت ہے تو نے عذاب کا ایسا انبار سر پر رکھ دیا۔ کہ کسی طرح ہلکا نہیں ہوتا، مامائیں مجھ سے ناخوش، لونڈیاں
مجھ سے نالاں، نوکر مجھ سے پریشان، الٰہ العالمین! الامان الاماں!" اس وقت نسیمہ کی ہچکی بندھی ہوئی تھی اور بیویوں میں سے
کوئی بھی ایسی نہ تھی جو نہ رو رہی ہو۔ کچھ ضبط کیا، اور پھر سلسلہ شروع کیا "کل کی بات ہے کہ پھوپھی جان نے مجھ کو پالکی میں
سوار کرایا۔ اس وقت بیسیوں عورتیں، سفید بالوں والی مجھے رخصت کرنے میں شریک تھیں۔ آج وہ سب قبروں میں جا سوئیں
اور میرا سر سارا سفید ہو گیا۔ یہ انقلاب قدم قدم پر مجھے موت کا سبق دے رہے تھے، لیکن غفلت کی انتہا بے خبری کی حد،
کہ کبھی بھولے سے بھی موت کا خیال نہ آیا، پندرہ برس کی بیاہی آئی، چالیس برس اس محلہ میں رہ چلی، مگر ایک کو بھی پوری
طرح خوش نہ کر سکی، اما جان اللہ غریق رحمت کرے کون کہہ سکتا ہے کہ مجھ سے خوش گئیں یا رنجیدہ۔ رابعہ، ہاجرہ دونوں نندیں
میرے سپرد تھیں۔ مگر اُن کا حق خدمت کچھ بھی ادا نہ ہوا۔ بے موقع گھرکا، بلا وجہ ڈانٹا، بے سبب خفا ہوئی، خواہ مخواہ بگڑی۔
اب دیکھتی ہوں تو اس غصہ میں اصلاح کا خیال کم اور نفسانیت زیادہ تھی، مگر مجھے ان بچیوں کی سعادت مندی سے امید
ہے کہ یہ مردہ بھاوج پر عذاب نہ ہونے دیں گی۔ اور عند اللہ میری غلطیوں کو معاف کر دیں گی۔"

نندیں یہ سنتے ہی چیخیں مار کر بھاوج کے قدموں پر گر پڑیں اور کہا "خدارا بھابی جان! یہ نہ فرمایئے آپ نے ہماری ماں
کو ہمارے دل سے بھلا دیا۔ آپ نے ہم کو انسان بنایا، اور ہم آپ ہی کی بدولت دنیا میں رہنے کے قابل ہوئے۔

دونوں نندوں کو نسیمہ نے گلے لگایا۔ اور پھر کہنا شروع کیا "کنبہ کی ایک دو بہنیں بیبیوں اللہ کی بندیاں
میرے رحم کی مستحق تھیں۔ محلہ کی بہت سی مخلوق بھوکی سوئی، اور میں نے پیٹ بھرے، مسافر میرے در سے خالی گئے،
یتیم میری چوکھٹ سے ناکام پھرے۔ رانڈوں نے اس بند ہونے والی زبان سے جھڑکیاں سنیں، بڑی بوڑھیوں نے
میرے طعنے سہے، نوکروں نے میرے غصے اُٹھائے۔ ہائے اللہ گناہوں کی گٹھڑی اتنی بڑی!! رحم آقا رحم!!

ایک متفقہ آواز نکلی۔

"اے بیگم، تیرے روئیں روئیں میں خدا جان دے، ہم کو بے کس نہ چھوڑ، یتیموں کا باپ تو، رانڈوں کی وارث تو، اپاہجوں
کا سہارا، مفلسوں کا گزارہ، تو اے بیگم تو!"

نسیمہ اس کے بعد کچھ اور کہنا چاہتی تھی مگر تکان زیادہ ہوئی، بخار شدت سے چڑھا، اور بولنے کی ہمت نہ رہی، بیویوں
نے اُس کی بلائیں لیں۔ بچوں نے اُس کو دعائیں دیں، شام قریب تھی، بیویاں روتی دھوتی اپنے گھروں کو سوار ہوئیں
دوسرے دن رات کے نو بجے بخار کچھ ہلکا ہوا تو نسیمہ نے قسیم کو اپنے پاس بلایا اور کہا:۔

خوش نصیب ہوں میں بیوی کہ تمہارے ہاتھوں پیوند زمین ہوتی ہوں، جس چہرے سے گھونگھٹ اُٹھایا تھا۔ اُس کو
اپنے ہاتھ سے خاک میں چھپا دینا۔ سیاہ بال تمہارے گھر میں سفید ہوئے، اور جوانی تمہارے سامنے بڑھاپے سے بدل
گئی، تم آقا تھے میں کنیز تھی، تمہارا رتبہ زیادہ اور حق بڑا تھا۔ مگر ہزاروں مرتبہ بگڑی ہوں اور بُرا بھلا کہا ہے۔ آج اپنے
بچوں کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کہتی ہوں۔ اپنی عنایت سے اس کو معاف کر دینا، تاکہ خدا کے حضور میں تمہاری گنہگار نہ ہوں"
قسیم بیوی کی زبان سے اتنا سنتے ہی بیتاب ہوا، روتا ہوا اُٹھا، اُس کے ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگائے اور کہا۔ تم جیسی

بیوی دنیا چراغ لے کر ڈھونڈھے تو نہ ملے گی، تم نے وہ کیا کہ میرا دل تم کو دعائیں دے رہا ہے۔ تم نے مجھ کو پچاس روپیہ کی نوکری سے صدر الصدور بنایا۔ اور جس گھر میں کتے لوٹتے تھے، تمھارے دم سے آج گلزار بنا ہوا ہے، میرا منہ نہیں کہ تمہارا شکریہ ادا کرسکوں، ہاں میں تم سے نادم ہوں، اور اس خیال سے جو پلوں میں میں نے کیا، میری روح کانپ رہی ہے، نسیمہ بیگم! اپنے بچوں کا صدقہ! مرے ہوئے وسیم کا صدقہ اب مجھے معاف کردو" نسیمہ نے شوہر کا ہاتھ اپنے سر پر رکھا، اپنے ہاتھوں سے اُس کے آنسو پونچھے، اور کہا "خدائے برحق تم کو معاف کرے، میں پہلے ہی معاف کرچکی ہوں۔ اب پھر کہتی ہوں میں نے معاف کیا، اب میں تم سے اس قدر اور کہتی ہوں، اگر میرے بعد ضرورت تم کو دوسرے نکاح پر مجبور کرے۔ تو بے شک کرلینا میں منع نہیں کرتی۔ لیکن دو معصوم بچیاں تمھاری محتاج چھوڑتی ہوں، لڑکے سیانے ہیں اور کماتا دھن۔ مگر یہ بھولی چڑیاں سوتیلی ماں کے قبضہ میں نہ جائیں تسنیم ان کی پرورش کرے گی، ماں کا پلّھا چھوٹنے کے بعد تسنیم سے بہتر رفیق ان کا کون ہوگا۔ وہ دشمنی میں ان کی دوست اور بدخواہی میں ان کی بہترین خیر خواہ ہوگی تمھاری تنخواہ میں سے جو کچھ بچ کر آج تک جمع ہوا ہے وہ یہ دس ہزار کے نوٹ ہیں، جو ان دونوں کی شادی کے واسطے محفوظ تھے اور اب تمھارے سپرد کرتی ہوں، بچے ہوشیار ہیں۔ مگر میرے بعد دیوار سے سر پھوڑیں گے۔ ان کو کلیجہ سے لگا کر رکھنا۔ اگر میدان محشر میں ملاقات ہوتی ہے، تو اپنے بچوں کے دُکھ کا مواخذہ تم سے ضرور کروں گی۔" (شام زندگی۔ صفحہ ۱۳۹ تا ۱۴۲)

نسیمہ کے جسم و روح پر جو کچھ گزری، اُس کا اصل حال تو اللہ جانے یا اُس کے فرشتے۔ باقی شاعر کی طرح افسانہ نگار کو بھی کبھی کبھی الہام ربانی ہوتا رہتا ہے۔ اور عجب نہیں، کہ ایک مومنہ کی وفات کی منظر نگاری کے وقت مومن راشد پر بھی الہامی لمحوں کی بارش ہورہی ہو:-

"نسیمہ پر جس وقت مرض الموت کی بے ہوشی طاری ہوئی اور دماغ نے یاد وسیم کے سوا تمام تعلقات کو خیرباد کہا اور خیال کی تمام قوت اُسی لال کی طرف دوڑ گئی جس کی تصویر کھاتے پیتے سوتے جاگتے آٹھوں پہر دن اور رات آنکھ کے سامنے رہتی تھی تو کانوں نے شوہر کے آخری الفاظ سنے اور زبان نے یہ جواب دے کر کہ "میرے لال کی روح میرے استقبال کو آئی" بیس اکیس سال کے واسطے کو جو بالآخر فنا ہونے والا تھا ختم کردیا۔ اب ان بیجوں کے پھل جو دنیا میں بوئے۔ ان معاملات کے نتیجے جو تعلقات میں برتے۔ ان کاموں کے انجام جو زندگی میں کئے، آنکھ کے روبرو تھے۔ روح جس کی بدولت جسد خاکی اچھل کود رہا تھا۔ رگ رگ سے وداع ہورہی تھی پنڈلی سے پنڈلی لپٹ رہی تھی۔ ہاتھ سے ہاتھ چمٹ رہا تھا اور موت جس کو زندگی بھول کر یاد نہیں کرتی اس بہیمانہ کیڑے کی طرح جو خاردار جھاڑی پر ڈال کر گھسیٹا جائے نازک جسم سے جان نکال رہی تھی۔ کتنا نازک وقت تھا کہ بچے جو ماں کے نام کے عاشق تھے معذور کھڑے اُس کا دم واپسیں اور شوہر جو بیوی کی صورت کا پروانہ تھا مجبور بیٹھا اُس کی مفارقت ابدی دیکھ رہا تھا۔ گھر کا کونہ کونہ اور زندگی کا ذرّہ ذرّہ باواز بلند صدا دے رہا تھا کہ کنوارپنے کی آزمائش اور سسرال کے امتحان کا نتیجہ آج برآمد ہوتا ہے۔ زندگی فنا ہوتے ہی کانٹوں سے پٹا میدان یا پھولوں بھری سیجیں پیش کردے گی اور یہ راحت ابدی یا مستقل عذاب دوسروں کے واسطے عبرت یا سبق بن کر چند لمحہ میں ختم ہوگا۔ پیشانی پر بل آئے، اذیت کی آوازیں نکلیں مگر یہ عارضی تکلیف قطع تعلق کا اثر تھا۔ روح پرواز کرتے ہی دیکھتی کیا ہے کہ دونوں کلیجے کے ٹکڑے نسیم اور وسیم جن کے مکھڑوں کو آنکھیں ترس گئی تھیں اور جو سفید کفن میں لپٹے لپٹائے ماں کی آنکھوں سے رخصت ہوئے جھلاجھل کے کپڑے پہنے ہشاش بشاش گردن جھکائے کھڑے ہیں

آنکھیں جن صورتوں کو تلاش کرتی تھیں، دل جن پیاروں کو ہر جگہ ڈھونڈتا پھرتا تھا۔ جو آنکھوں کے سامنے جاندار سے بے جان ہوکر گہری گوروں میں سو چکے تھے، جن کی ہڈیاں تک گل کر خاک ہو چکی تھیں، جن کی قبریں تک دھنسنی شروع ہوگئی تھیں ان کا اس وقت نظر آنا موت کی پہلی کامیابی تھی ٹھٹکی اور گم سم کھڑی ہوگئی کہ ملک الموت نے کہا۔

"خالق کے احکام کو سچے دل سے بجالانے والی مخلوق! تیرے لال موجود ہیں" بیتاب ہوکر آگے بڑھی، نسیم دوڑ کر ماں کے قدموں میں لپٹا اور وسیم نے اپنی گردن ماں کے سینے سے لگا دی، دونوں کو کلیجہ سے لگا لیا اور سجدہ میں گر پڑی۔

اب فرشتۂ موت آسمان کی طرف اُڑا، نسیمہ قدم قدم پر خدا کی رضامندی کے آثار پا رہی تھی۔ وہی در و دیوار جو قبل از رحلت اس کی موت پر آٹھ آٹھ آنسو رو رہے تھے اس وقت مبارکبادیں سرگرم تھے۔ ہوا مرحبا کے نعرے لگا رہی تھی اور درخت کامیابی کی صدائیں دے رہے تھے۔ پھولوں نے اُس کی زندگی سراہی۔ پتوں نے اُس کے اعمال نامے سنائے۔ بلبل نے اس کے کام پر وجد کیے اور طوطی نے اُس کے نام کا کلمہ پڑھا، چشم زدن میں یہ منظر ختم ہوا، اور اب وہ وقت آیا کہ نسیمہ بیگم کی پاک روح خالق الموجودات کے حضور میں حاضر ہو، لطیف روح غسل کی محتاج نہ تھی۔ ایک حور سامنے آئی اُس کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور رضائے الٰہی کا ایک بے بہا جھومر اُس کے ماتھے پر لگا اُلٹے قدموں پلٹ گئی، اب فرشتہ موت جگمگاتی روح کو لئے ہوئے دوسرے مقام پر پہنچا۔ یہاں حوروں کی صفیں قطار در قطار استقبال کو موجود تھیں، سب نے بالاتفاق خوش آمدید کا نعرہ لگایا، ایک ممتاز حور سامنے آئی اور سر سے پاؤں تک ہیرے اور جواہرات کے زیور پہنانے شروع کئے۔ وہ پہناتے وقت بآواز بلند کہتی تھی کہ یہ جڑاؤ گلوبند شوہر کی رضامندی کا صلہ ہے، اور ہیرے کے کنگن اس لئے ان ہاتھوں میں پہنائے جاتے ہیں کہ یہ اپنے جسم سے زیادہ مخلوق کے کام آئے، والدین کی فرمانبرداری اور بزرگوں کی تعظیم کا انعام یہ موتیوں کی مالا ہے"۔ شب زندگی حصہ اول ۳۲-۱۴۳)

نسیمہ کے پیکر خیالی پر جو کچھ نوازشیں ہوئیں، اُنہیں تو مصور غم کی نگاہ کشفی نے دیکھ لیا۔ لیکن خود اُس مبصر الم کی جو کچھ سرافرازیاں اس دربار میں ہو رہی ہوں گی جہاں نہ کسی کی مخالفانہ تنقید کا اثر پہنچ سکتا ہے اور نہ کسی کی معاندانہ تنقیص کا، ان کا احاطہ کس بندۂ خاکی کا تصور، کس بشر کا تخیل کر سکتا ہے؟

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ۙ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ۗ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ۝ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ۝

جو شخص بھی دنیا میں بن دیکھے خدائے رحمٰن کی خشیت رکھتا ہوگا اور قلب منیب رجوع ہونے والے دل کے ساتھ حاضر ہوگا اس کو حکم ہوگا کہ داخل ہو جاؤ اس جنت میں امن و راحت کے ساتھ اور یہ یوم عیش لازوال ہے جس کے ختم ہوجانے کا اندیشہ نہیں۔ ایسوں کے لئے سب کچھ ہے جو کچھ وہ چاہیں گے، اور ہمارے پاس تو ان چیزوں سے بھی بڑھ کر نعمتیں ہیں!

دُنیا والے تو اس کو منتہائے فکر سمجھتے ہیں کہ جو مانگو وہ مل جائے۔ یہاں اشارہ ہو رہا ہے کہ اس منتہائے فکر سے بھی آگے کچھ مل کر رہے گا جہاں تک ذہن رسا کی بھی رسائی نہیں ہوتی کیا وہ سب کچھ مرحمت کرے گا! اللہ اللہ! یہ کن کو ہاں اُن کو جو قلب منیب رکھتے ہوں جن کے دل میں خشیت الٰہی ہو۔ اور پھر اس کا انعام و اکرام جس کی خشیت لازمی سے بڑھ کر متعدی ہو یعنی صرف اپنے ہی قلب میں نہ ہو بلکہ دوسروں کے قلب میں پیدا کر دے! اور جس کا قلم "موت میں" "زندگی" پیدا کر دے!

عبدالماجد

# فراقِ راشد الخیری میں ہم آنسو بہاتے ہیں

افق پر جب کبھی تاریک بادل گھر کے آتے ہیں    فضاؤں میں، غم و اندوہ کے سائے لٹاتے ہیں
فراقِ راشد الخیری میں ہم آنسو بہاتے ہیں!

ابد تک کارگاہِ دہر میں زندہ ہے نام اُس کا    بتاتا ہے نئی نسلوں کو رہ رہ کر یہ کام اُس کا
کہ جو کچھ کام کرتے ہیں وہی کچھ نام پاتے ہیں!

سکھایا عالمِ نسواں کو اس نے باہنر ہونا    ترقی، تربیت، علم اور فن سے بہرہ ور ہونا
دلوں کو مرنے والے کے یہ احسان یاد آتے ہیں!

وہ سحر آگین زباں اُس کی جسے سحرِ رواں کہئے    حسین الفاظ کو پھولوں کا رنگین کارواں کہئے
قلم اُس کا کہ اِنشا و ادب بھی سر جھکاتے ہیں!

ادب میں آج بھی یکتا ہے رنگِ لاجواب اُس کا    نہ ہوگا محفلِ اُردو میں پھر پیدا جواب اُس کا
زبانیں لڑکھڑاتی ہیں، قلم سجدے لٹاتے ہیں!

ہے زندہ ’سا اتراق و صادق‘ میں روحِ کامگار اُس کی    مگر عصمت ہے اِس دنیا میں اصلی یادگار اُس کی!
ہم اک اک لفظ میں جس کے اُسے تابندہ پاتے ہیں!

نہ ہو کیونکر زیارت گاہِ اہلِ دل، مزار اُس کا    کہ سایہ بن رہی ہے رحمتِ پروردگار اُس کا
فرشتے عظمتوں کے، فاتحہ پڑھنے کو آتے ہیں!

اختر شیرانی

# مصوّرِ غم کی یادیں

آہ اے علامہ مغفور اے یکتائے عصر    آہ اے راشدؒ و اے شاہنشہِ اقلیمِ نثر
ہے کہاں پھر شوخیٔ طرزِ بیاں دکھلا ہمیں    کھینچ کر تحریر سے تصویرِ غم رُلوا ہمیں
فرق ناممکن تیری تحریر اور تصویر میں    آہ اندازِ بیانِ راشد الخیری کہاں؟
کردیا مسحورِ عالم کو فقط تحریر سے
تو نہیں ہے نام تیرا زندہ جاوید ہے

محمد امان الرحمٰن ضیا

# نذرِ عقیدت

راشد الخیری اُردو کے اُن انشا پردازوں میں ہیں جن کی قدر زمانہ کے ساتھ ساتھ بڑھتی جائے گی۔ جتنا زیادہ ان کی تصنیفات کا مطالعہ کیا جائے گا اُن کے جوہر کھلتے جائیں گے۔ ان کے اسلوب میں بعض خصوصیتیں موجود ہیں جو زمانہ کے ہر دستبرد سے اس کو محفوظ رکھیں گی۔ اُردو ادب کے رجحانات بدلتے رہے ہیں۔ اور عہد حاضر میں تیزی سے بدلتے جارہے ہیں۔ لیکن جو بڑا انشاء پرداز ہوتا ہے اس کی تحریریں جاودانی اہمیت رکھتی ہیں۔ اس لئے نہیں کہ وہ اپنے زمانہ سے آگے ہوتا ہے بلکہ اس لئے کہ اس کی تحریریں زندگی کی قوت ہوتی ہے۔ اور زندگی کی یہ قوت اُسی انشاء پرداز میں زیادہ ہوتی ہے جو اپنے زمانہ کی زندگی کا گہرا مطالعہ کرتا ہے۔ یا جس کی تحریروں میں اس کے ماحول کے عکس نمایاں ہوتے ہیں۔ شاعروں اور ادیبوں کے ذہن غیر ارادی طور پر عکس پذیری میں مصروف رہتے ہیں اور یہ عکس جتنا زیادہ ان کی تحریروں میں جھلکیگا ان کی تحریریں اتنی ہی جاندار ہوں گی۔ اور میرے نزدیک راشد الخیری کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ اُن کی تحریریں ان کے زمانے اور ماحول کا آئینہ ہوتی ہیں۔ وہ تخیلی کردار پیش نہیں کرتے بلکہ ان کے کردار وہی ہوتے ہیں جو اکثر ہندوستانی گھروں میں اپنی زندگیاں بُری یا بھلی جس طرح بھی بن پڑے گزارتے رہتے ہیں۔ راشد الخیری اپنے ہیرو یا اپنی ہیروئن کی تلاش میں محلوں اور حرم سراؤں کے خواب نہیں دیکھتے وہ اپنے اطراف واکناف کی گلیوں اور بازاروں میں سے ہیرو یا ہیروئن تلاش کر لیتے ہیں۔ اور یہ اُن کا بہت بڑا کمال ہے۔

اُردو ادب کی تاریخ لکھنے والے اس امر کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوں گے کہ راشد الخیری پہلے اُردو ادیب ہیں جو ترقی پسند مصنفوں کے نظرئیے پر خود بخود عمل کرتے رہے۔ وہ بڑے فطرت شناس اور حقیقت پسند ادیب تھے۔ ان کا نام اُردو کے ترقی پسند ادیبوں کے سر فہرست لکھا جائے گا۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ انہوں نے کسی خاص جدید نظریہ کی خاطر زندگی کی تلخیوں اور حقیقت کے کریہہ منظر کو بے نقاب نہیں کیا۔ یہ زیادہ تر نقالوں کا کام ہے۔ وہ تو باکمال ادیب تھے۔ انہوں نے ادب کو زندگی کا ترجمان بنایا اور زندگی بھی بالعموم ایسے طبقے کی پیش کی جس کی طرف ان سے پہلے کے بہت کم ادیبوں نے توجہ کی تھی۔ عورتوں کے حالات وخیالات کی جیسی نمائندگی اُنہوں کی ہے کسی اور اُردو شاعر یا ادیب نے نہیں کی۔ انہوں نے اپنی ساری زندگی ان ہی کی اصلاح وتربیت میں گزاری۔ اُن کی جملہ کتابیں ان ہی سے متعلق ہیں۔ اور چونکہ ہندستانی عورتیں زیادہ تر رنج والم اور پریشانی میں رہتی ہیں۔ اس لئے راشد الخیری کو بھی بالعموم ایسے ہی موضوع پر قلم اُٹھانا پڑا۔ اور قوم کی طرف سے مصورِ غم کا خطاب حاصل کیا۔ وہ غم کا نقشہ اس خوبی سے کھینچتے ہیں کہ پڑھنے والے بجائے زندگی سے بیزار ہونے کے اچھی زندگی کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ ان کی تصویرِ غم، زندگی سے نفرت نہیں پیدا کرتی۔ یہ ایک فن کار کا سب سے بڑا کمال ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ حقائق کی تلخیوں کو شدت کے ساتھ نمایاں کرنے کے باوجود اُن کو اپنے قلم پر ایسا قابو حاصل تھا کہ وہ انگارہ یا شرارہ نہیں بن جاتا۔

شریف عورتیں اُن کی کتابوں کا شوق اور عقیدت سے مطالعہ کرتی ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ ہزاروں زندگیاں محض راشد الخیری کے ادب کے مطالعہ سے بن گئیں۔ ان کی زندگی ہی میں اُن کی کتابوں کو ایسی مقبولیت حاصل ہوگئی تھی کہ اُردو کی تاریخ میں اس کی نظیر کم ملے گی۔ اور یہ بھی اُردو ادب کی خوش قسمتی ہے۔ کہ وہ اپنے بعد بھی اپنے کام کو چلانے والے چھوڑ گئے جو پوری توجہ اور خلوص کے ساتھ اُن کے ادب کی اشاعت میں مصروف ہیں۔ ان کے فرزند رازق الخیری اور صادق الخیری دونوں قابل مبارک باد ہیں۔ کہ اُنہوں نے نہ صرف اپنے والد کی سلگائی ہوئی شمع کو بجھنے سے باز رکھا بلکہ اُس کی روشنی کو دور دور تک پھیلانے کی کوشش میں سرگرم ہیں۔

سید محی الدین قادری زور

# یادِ راشد

بخش پڑھ کر فاتحہ راشد کی روح پاک کو　　دل سے تھا اے فرقۂ نسواں وہ تیرا غمگسار

خوابِ غفلت سے تجھے بیدار کرنے کے لئے　　کوششیں کیا کیا نہ وہ کرتا رہا لیل و نہار

تیری بہبودی کی خاطر وقف کردی زندگی　　اور تری اصلاح پر لکھی کتابیں بے شمار

لے گیا طرزِ ادا اپنی مگر وہ ساتھ ہی　　اُس سا لکھ سکتا نہیں کوشش کرے کوئی ہزار

آہ یہ بیٹھے بٹھائے یاد کس کی آ گئی!　　اشک آنکھوں سے رواں ہونے لگے بے اختیار

ماجرا اندوہِ فرقت کا رقم ہو کس طرح　　دل پریشاں۔ ہاتھ لرزاں ہیں قلم سینہ فگار

گلشنِ علم و ادب میں اُڑ رہی ہے خاک سی　　جب سے رخصت ہوگیا ہے اس سے وہ جانِ بہار

یہ وہی تھا فیض سے جس کے دیارِ ہند میں　　صنفِ نازک اب نہیں پہلی جہالت کا شکار

خانہ داری کے اصولوں سے کیا واقف انہیں　　جا کے تا سسرال میں ہونے نہ پائیں شرمسار

شرع میں مردوں کے ذمہ اُن کے ہیں جتنے حقوق　　اُن کے منوانے میں آتی ہیں نظر اب ہوشیار

ایک نہ اک اصلاح رہتی تھی اسے مدِ نظر　　اُس کی ہر تصنیف ہے اس بات کی آئینہ دار

قومِ مردہ میں نئی اک روح اُس نے پھونک دی　　کیوں دعا نکلے نہ دل سے اُس کے حق میں بار بار

غیر ممکن ہے جواب راشد الخیری آزل
حشر تک دنیا رہے گی اُس کے غم میں سوگوار

ابوالاعجاز آزل (لاہور)

# حضرت علامہ راشد الخیری

باغ عالم میں کھلا تو بن کے پھول جس کی بو سے ہے معطر ہر دماغ
نور سے گھر گھر ہیں تیرے فیض سے علم کا روشن کیا تو نے چراغ

نونہالانِ وطن پھولے پھلے تیرے دم سے آئی گلشن میں بہار
زندگانی وقف کر دی قوم پر نقش ہے ہر دل پہ تیری یادگار

تیری عظمت میں نہیں مطلق گماں غیر بھی کرتے ہیں تیرا احترام
تو نے پائی ہے حیاتِ جاوداں تا ابد روشن رہے گا تیرا نام

اندرجیت شرما

# آہ! علامہ راشد الخیریؒ

چھا گئی رنگین فضا پر ظلمتِ رنج و ملال
سنتے ہی میرے دل محزون پہ ٹوٹا اک پہاڑ
اب مداوا دردِ دل کا ہوگیا دشوار تر
تیرے غم میں آج ہر رطب اللسانِ ملک و قوم
ہستیٔ مسعود تیری! جانِ درجاتِ ذکور
پا لیا تجھ سے بنات باسلیقہ نے نبات
دونوں تصویریں گداز و سوز کی ہیں لاکلام
گلستانِ علم کو سینچے گا خونِ دل سے کون؟

چھپ گیا کالی گھٹاؤں میں مہِ روشن جمال
راشد الخیری؟ ترا بزم ادب سے انتقال
سخت مشکل ہوگیا زخمِ جگر کا اندمال
لب بدنداں ہو رہا ہے مبتلائے شیریں مقال!
طبقۂ نسواں کی تو روح تھا اے خوش خصال!
جوہرِ نسواں نے جوہر۔ اور عصمت نے کمال
ایک روداد قفس۔ اور ستیدہ کا ایک لال
تو ہی کہہ؟ تجھ سے ملے گا اب کہاں پختہ خیال

بزمِ رنگینِ ادب پر اف! اداسی اے ضیا!
باغِ اردو علم، میں دورِ خزاں ای ذوالجلال!

ضیاء احمد ضیا دہلانی

# کردستان اور ٹرانسجورڈانیا کی خواتین

**کُردستان** مجموعی حیثیت سے ایران کا ایک صوبہ ہے۔ جو کوہستانی علاقہ میں واقع ہے۔ شمالی میں آذربائیجان دکھن میں کرمان شاہ، مغرب میں عراق کی سرحد تک پھیلا ہوا اور مشرق میں صوبہ جرس Gerrus اور ہمدان سے ملحق ہے۔ یہ سرزمین تین حصوں یعنی ایران۔ عراق۔ اور ٹرکی کی عملداری میں ہے۔ کُردوں کی کل آبادی ۱۵ لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔ کہتے ہیں کہ کُرد بھی آریائی نسل سے ہیں صلاح الدین اعظم جس کا نام اور کارنامے تاریخ کے صفحوں پر روشن ہیں۔ اور جس پر مسلمان ابدالاباد تک فخر کرتے رہیں گے۔ کُرد تھا۔ اُس نے آربل Arbela کو اپنا پایہ تخت قرار دیا تھا۔ اس قوم کی بہادری و شجاعت مشہور اور اس کی مسافر نوازی دوست پروری اور اپنے آقا سے وفاداری ضرب المثل ہے۔ یہ جس کا نمک کھاتے ہیں۔ اس کے لئے اپنا خون تک بہا دیتے ہیں۔ کُرد خصوصیت سے اپنی عورتوں کی بیحد عزت کرتے ہیں۔ اس مسئلہ میں وہ تمام مشرقی قوموں سے زیادہ قابل تعریف ہیں۔ دراصل وہ تمام عزت افزائی کی بنیاد ان ہی عورتوں کی خاطر رکھتے ہیں کُرد عورت بڑی خوش نصیب ہوتی ہے۔ تمام حقوق اور فضیلتوں کے ساتھ اُنہیں آزادی بھی حاصل ہے اور انہیں مردوں کی طرح ہر حالتوں میں خودمختاری ملی ہے۔ آمد و رفت میں کسی قسم کی رکاوٹ یا پردے کی قید نہیں ہے۔ وہ غیروں سے بھی بلا جھجک معاملہ اور تبادلہ خیالات کرسکتی ہیں۔ شارع عام پر وہ سیاہ یا سفید ڈھیلے لباس میں نکلتی ہیں۔ سر پر عمامہ رہتا ہے۔

گھر کی مالکہ صرف اس کی سیاہ و سفید کی مالک ہی نہیں بلکہ شوہروں پر بھی وسیع اختیارات رکھتی ہے۔ اور ہمیشہ اُس کو بُری صحبتوں یا لغزشوں سے بچاتی رہتی ہے۔ شوہر اپنی بیویوں کا نام نہیں لیتے۔ وہ بھی مخاطب کرتے وقت ہندوستانیوں کی طرح فلاں کی اماں کہہ کر بلاتے ہیں۔ بالخصوص بڑے بیٹے کے نام سے وہ پکاری جاتی ہیں۔ عورتیں کھانا پکاتی، کپڑے دھوتی۔ کنوئیں سے پانی نکالتی اور خانہ داری کے تمام امور سرانجام دیتی ہیں۔ شوہر اگر امیر ہے تو "مہمان خانے" میں بیٹھا حقے یا سگرٹ کا دم لگاتا رہتا ہے۔ غریب ہوا تو کھیت پر محنت مزدوری میں مصروف رہا۔

مہمان خانہ دراصل ایک قسم کا دیہاتی کلب گھر ہوتا ہے۔ اس کی عمارت مزدور مفت بناتے ہیں۔ دیہات کے بڑے بوڑھے اسی جگہ جمع ہوکر۔ موسم فصل۔ اور وقتی ضرورتوں کی تدابیر سوچتے اور تجویز کرتے ہیں۔ اور مُلکی لوگوں کی طلب پر غور کرتے ہیں۔

کُرد بچے سات سال کی عمر تک اپنی ماں کے پاس رہتے ہیں۔ یا اُس وقت تک جبکہ وہ آنے والے مہمانوں اور عمائدین شہر کی خاطر و تواضع میں کافی وچار پیش کرنے اور ان کے ہاتھوں کو بڑی تعظیم سے بوسہ دینے کے قابل ہوجاتے ہیں لیکن بدقسمتی سے اب تک اُن کا کوئی اسکول نہیں ہے۔ جس میں وہ اچھی تعلیم و تربیت حاصل کرسکیں۔ تعلیم کا واحد ذریعہ دیہات کے ملاؤں کا درس ہے۔ جہاں صرف قرآن مجید اور گلستاں و بوستان سعدی پڑھائی جاتی ہے۔ ان کی اپنی علیحدہ زبان ہے۔ نہ تو ترکی و مصری زبان سے واسطہ ہے اور نہ فارسی سے جتنے مختلف قبائل ہیں اتنی ہی زبانیں و محاورات۔ چونکہ اُن کی زبان لکھی ہوئی نہیں ہے۔ ان کا کوئی لٹریچر نہیں ہے۔

ایک کُرد خاتون کو مُلکی قوانین اور قومی رواج کے لحاظ سے یہ حقوق حاصل نہیں ہیں۔ کہ وہ دیہات میں سرداری کرے۔ یا قبیلہ کی سردار قرار دی جائے۔ عورتوں کی حُرمت کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ اگر کسی عورت سے کوئی لغزش ہوگئی۔ یا خواہ مخواہ اس کے چال چلن پر کسی کو شبہ ہوگیا تو وہ مار ڈالی جاتی ہے۔

**ٹرانسجورڈانیا**۔ مغرب میں فلسطین۔ شمال میں شام، مشرق میں نجد و عراق، اور جنوب میں حجاز سے محدود ہے۔ اگرچہ جدید تہذیب اور تمدن کی روشنیاں اس سرزمین پر بھی پڑنے لگی ہیں۔ اور یہاں کی خواتین پر بھی اس کا اثر ہو رہا ہے۔ مگر اب تک یہاں قدیم

جہالتوں کے انسداد یا رسم ورواج کی قید وبندشوں کو توڑنے کا زیادہ احساس پیدا نہیں ہوا ہے۔ یہاں کے امیر ہز ہائنس امیر عبد اللہ ابن حسین پرانے مدبّر ہیں۔ آپ نے کئی حکومتوں کے عروج وزوال دیکھے ہیں۔

امیر فیصلہ کرنے میں عجلت کے قائل نہیں۔ اور کسی امر میں پیشقدمی کرتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ تاوقتیکہ اراکین سلطنت اور عوام اس مسئلہ کو پسند نہ کریں۔ اس لئے وہ بتدریج ہی ملک میں اصلاح کرنے اور رفتہ رفتہ ان میں ترقی کی روح پھونکنے میں بہتری خیال کرتے ہیں۔ دور اندیش امیر نے اب تک لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے کئی اسکول عمان میں قائم کئے ہیں۔ گورنمنٹ کی طرف سے دیہات کے مختلف حصوں میں ۳۵ اسکول علیحدہ ہیں۔ نیز عمان میں گورنمنٹ کی طرف سے صنعت وحرفت کا سکول بھی کھلا ہے۔ جہاں طلبا کو نجاری اور دیگر مصنوعات کی تیاریاں سکھائی جاتی ہیں۔

عورتوں کی تعلیم کا نظریہ صرف یہی نہیں ہے کہ اُنہیں اُستانیاں بنایا جائے۔ یا اُنہیں یہ سکھایا جائے کہ روپیہ خرچ کرنا ہی امارت کی دلیل ہے بلکہ ان کو پڑھنے لکھنے کے ساتھ اپنے ملک کی تواریخ۔ عام معلومات۔ انتظام خانہ داری۔ گھریلو صنعتیں اور بچوں کی تعلیم تربیت کرنا بھی سکھاتے ہیں کیونکہ عورتوں کی تعلیم بیحد ضروری ہے۔ تاکہ وہ نسل آئندہ کے غور وپرداخت کی صحیح معنوں میں ماہر ہو جائیں۔ اور ان کے پرورش کے بعد بچے نسل اور قوم کے لئے باعث صد فخر ومباہات مشہور ہوں۔

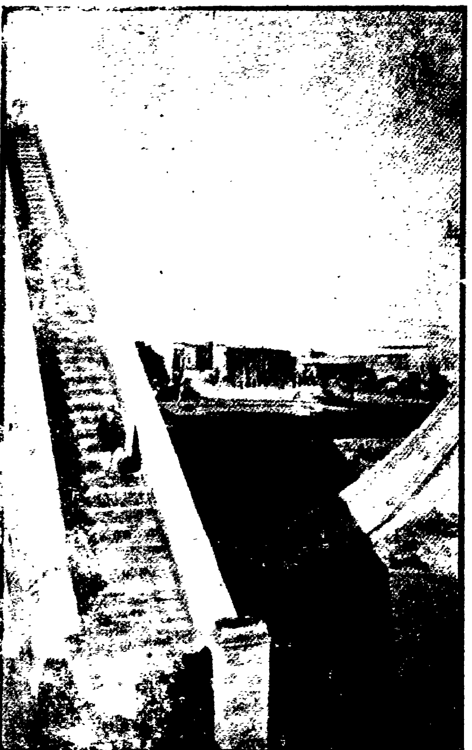
امیر کے خیالات اپنے خاندان کی نسبت محدود ہیں۔ اور اُنہیں بے نقاب نکلنے نہیں دیتے۔ اگرچہ وہ یہ مان رہے ہیں۔ کہ اس میں مردوں کی دلی خوشی مقصود ہے۔ کہ وہ عورتوں کو قید سے آزاد نہ کریں۔ مگر وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اس میں پریشانیاں بھی مضمر ہیں۔ تاہم وہ پرانے قواعد پر سختی سے پابند ہیں۔ ان کی دو بیویاں اور تین بیٹیاں اپنے "فردوس" میں آرام وآسائش اور آزادی کی زندگی گزارتی ہیں۔ اگرچہ حُسن وخوبصورتی میں محل کی اندرونی کیفیتوں کا نظارہ واقعی دلکش اور قابل دید ہے۔

لیکن ان کی آزادی فقط احاطہ کی چہار دیواری تک محدود ہے۔ البتہ کبھی کبھار گورنمنٹ نرسری۔ اور نخلستاں میں بغرض تفریح چلی جاتی ہیں جو شہر سے چند میل کے فاصلے پر ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ امیر نے اپنی لڑکیوں کو بیت المقدس جاکر بال ترشوانے کی بھی اجازت دیدی تھی۔ اس سے یہ خیال کیا جارہا ہے کہ یہ رعایت آئندہ آزادی اور ترقی کی راہ میں پیش قدمی ثابت ہوگی۔ اور رفتہ رفتہ انہیں اعلیٰ تعلیم دلانے اور جدید تمدن سے بہرہ ور کرانے کا امیر کو شوق ہوگا۔ اور یہ بھی گمان غالب ہے کہ ٹرانسجورڈانیا کی خواتین اپنی ہمسایہ بہنوں کی طرح جو بیت المقدس۔ شام۔ حجاز۔ اور میسوپوٹیمیا میں ترقی کی کوششوں میں سرگرم نظر آرہی ہیں۔ عمل پیرا ہوں گی اور وہ دن دور نہیں جب کہ ان میں تعلیم یافتہ، روشن خیال، مصلح قوم، آزادی نسواں کی حامی خواتین کی کثیر تعداد ہوگی۔

جمیلہ بیگم (کلکتہ)



پیاسی لڑکی کمیٹی کے نل سے پانی پی رہی ہے



علم جیوتش کا کرشمہ- دھلی کا مشہور جنتر منتر



متمول بنگالی گھر کی سادہ لوح مالکہ



ایک دیہاتی عورت اپنے رشتہ داروں کے
لئے کھیت میں کھانا لیجارہی ہے

# مسلمان عورت

اللہ تعالیٰ اپنی پاک کتاب میں اسلام کے متعلق ارشاد فرماتا ہے کہ اب ہم تمہارے دین کو کامل کر چکے اور ہم نے تم پر اپنا احسان پورا کر دیا اور ہم نے تمہارے لئے اپنے دین اسلام کو پسند فرمایا (پ ۶ مائدہ ع ۱) اور یہ بھی ارشاد ہے کہ کسی مسلمان مرد اور کسی مسلمان عورت کو شایاں نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول ان کے بارے میں کوئی بات طے کر دے تو پھر اس میں وہ اپنی رائے کو دخل دے اور اپنی مرضی سے کام لے (پ ۲۲ س احزاب ع ۱)۔ برخلاف اس کے زمانہ موجودہ کے بعض مسلمان مرد اور عورتیں ایسے بہت سے مسئلوں پر بحث کرتی ہیں جن کو خدا اور رسول مکمل کر چکے۔ موجودہ حالات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اسلام نے عورت کو کیا درجہ دیا تھا اور ہندوستانی معاشرت نے اس کا کیا حال کر دیا اور اب مغربی تمدن کیا کرنے والا ہے بعض حضرات مسلمان ہندوستانی عورت کے حال زار پر اظہارِ افسوس کر کے یورپین عورت کی تعریف کرتے ہیں اور شدت سے اس بات کے آرزومند ہیں کہ کسی طرح مسلم عورت بھی وہی درجہ حاصل کرے جو آج یورپین عورت کو حاصل ہے۔ لیکن جہاں ملک کے بعض افراد اس بات کے لئے کوشاں ہیں وہاں ملک کے بعض افراد اس کوشش میں بھی ہیں کہ ہندوستان میں مسلم عورت جس گڑھے میں پڑی ہوئی ہے اس کو وہیں پڑا رہنے دیا جائے اور جو فیصلہ اُس کے آبا و اجداد نے اُس کے حق میں کیا تھا وہی اس کے حق میں مفید سمجھتے ہیں اور اُن کا خیال ہے کہ مسلم عورت کے لئے یورپین عورت کی تقلید اسلام کے خلاف ہے۔ یہ لوگ عورت کی مغرب پرستی پر تو نکتہ چینی کرتے ہیں مگر اس کی حالتِ زار پر کبھی متاسف نہیں ہوتے۔ گویا انہیں اس بات کا بالکل احساس نہیں ہے کہ اسلام میں عورت کی کیا حیثیت تھی اور اب اس کی کیا حالت ہے۔ وہ حقوق نسواں کے متعلق وہی آیات قرآنی پیش کرتے ہیں جو ان کی اپنی مرضی کے موافق ہیں ان کے نزدیک اسلام میں مرد ہر طرح کی قید و بند سے آزاد ہے اور عورت پر وہ خود بھی اگر چاہیں تو کثیر قیود عائد کر سکتے ہیں ان کے خیال میں اسلام کی فلاح اسی میں پوشیدہ ہے۔

حالانکہ اسلام کا ایک بہت بڑا کارنامہ حقوق نسواں کی پوری پوری حمایت ہے۔ اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے عورت کو کامل آزادی بخشی اور اس کی حدود میں رہ کر ایک عورت اصل معنوں میں عورت کہلائی جا سکتی ہے ورنہ اسلام سے پہلے عرب۔ شام۔ مصر۔ روم۔ اور ایران میں عورتیں مال و متاع کی طرح سمجھی جاتی تھیں۔ عورتوں کی اس ذلت اور مصیبت کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ عرب میں لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینے کی رسم تھی۔ اسلام نے تمام بیہودہ رسوم کو بند کر کے عورت کو آزادی دی لیکن اب وہ آزادی پھر سلب ہو گئی ہے۔

جہاں عرب کے دورِ جاہلیت کی عورت سے پوچھا جائے گا کہ تجھے کس گناہ کی پاداش میں قتل کیا گیا؟ وہاں ہندوستان کی مسلم عورت بھی سوال ہوگا کہ تیری روح کو کس جرم میں ہلاک کیا گیا۔ وہی مسلم عورت جو قوم کو بنانے والی تھی اب غلاموں سے بدتر زندگی گذارنے پر مجبور کر دی گئی ہے۔ ہر طرح سے اس کی روح کو کچلا جا رہا ہے اور اُس کے حقوق کی پامالی کی جا رہی ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ ان کے صبر و سکون کی داد دی جاتی ہے۔ لیکن مسلم عورت کی شان یہ تھی کہ حفاظت اسلام کے لئے اپنی جان و مال اور اولاد تک کو قربان کر دیتی

تھی لیکن ذرہ برابر بھی اپنے حقوق کی کمی برداشت نہ کرسکتی تھی کیونکہ اس کا احساس مردہ نہ تھا وہ اپنے حقوق کی حفاظت اس طرح کرتی تھی کہ جب حضرت عمرؓ نے ایک دن خطبہ پڑھتے ہوئے مہر کے زیادہ باندھنے کی ممانعت کی تو ایک بڑھیا اٹھ کھڑی ہوئی اور آیت "قنطاراً" مقنطرۃ پڑھ کر کہا کہ خدا جس چیز کو جائز اور مباح کرے اور اس میں جو حق دے تم اس کے منع کرنے والے کون ہوتے ہو۔ اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان عورت اپنے ان حقوق میں جو خدا کے دئے ہوئے ہیں کسی قسم کی کمی برداشت نہ کرسکتی تھی۔ اور جو باتیں آج معمولی سمجھ کر نظر انداز کردی جاتی ہیں - وہ ہی اسلام کی تقویت کا باعث بن جاتی تھیں۔ اسلام میں عورت کی حالت ایسی پست اور ذلیل ہرگز نہیں ہے جیسی کہ ہندوستان کی مسلمان عورتوں کی ہوگئی ہے جس ملک کی عورتوں کی زندگی غلامانہ ہے وہ ملک غلام ہے تو تعجب کی کیا بات ہے۔ اسلام نے عورت پر کوئی ایسی پابندی عائد نہیں کی جس کی وجہ سے اس کے لئے دنیا تنگ ہوجائے۔ اس نے تو ہمت واستقلال اور استقامت کے ساتھ خدا کی راہ میں ہر قسم کی مشکلات کو برداشت کرکے اسلام کی صداقت کا عملی ثبوت دیا ہے۔ اپنی جانوں تک کی پرواہ نہیں کی۔ اجنادین کی جنگ میں مسلمان عورتوں نے جو داد شجاعت دی ہے وہ ایسی بے نظیر اور قابل قدر ہے کہ ایڈورڈ گبن نے اس واقعہ کی نقل کرکے مسلمان عورتوں کی عفت وعصمت اور دلیری کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ وہ عورتیں ہیں کہ جو شمشیر زنی نیزہ بازی اور تیراندازی میں نہایت ماہر تھیں جس کی وجہ سے وہ نازک سے نازک موقعے پر بھی اپنے عزت وحرمت کو محفوظ رکھنے میں کامیاب ہوتی تھیں ان میں عورت کے متعلق یہ حکم لگایا جا رہا ہے کہ وہ صرف گھر گرستی کے لئے یا صرف رو رو کر زندگی کاٹنے کے لئے پیدا کی گئی ہے جس کے اپنے مذہب یا قوم کی کوئی ادنیٰ خدمت بھی کرنے کا موقع نہیں دیا جاتا۔ جو کسی صورت میں بھی گھر سے باہر قدم نہیں نکال سکتی وہی مسلم عورت ہر میدان میں پوری شجاعت اور دلیری وجانبازی کے ساتھ حفاظت اسلام کا کام کرتی تھی۔ احد کی جنگ میں جب رسول خدا کے ساتھ صرف چند جان نثار رہ گئے تو ام عمارہ آنحضرتؐ کے پاس پہنچ گئیں۔ اور کفار کی جماعت کو تیر اور تلوار سے روکتی گئیں۔ رسول خدا کے تحفظ کے لئے انہوں نے اپنی جان کی ذرا بھی پرواہ پرواہ نہیں کی کندھے پر ایک کاری زخم آیا مگر اف تک نہ کی۔ ایک دوسری لڑائی میں آخران کا ایک ہاتھ ٹوٹ گیا۔ قادسیہ کی جنگ میں عرب کی مشہور شاعرہ خنسا اپنے چاروں بیٹے لے کر شریک ہوئی اور اسلامی لشکر کو جوش ہی نہ دلاتی تھی بلکہ اپنے بیٹوں کو ہمت دلا کر جنگ کے لئے تیار کر رہی تھی جب وہ داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوگئے۔ خنسا ان بہادروں کی شہادت میں رنج وغم کے اظہار کے بجائے فخر کرتی تھی کہ مذہب اسلام میں وہ شہید ہوگئے۔ کیا اس شاعرہ کا دل محبت مادری سے معمور نہ تھا آہ ایسی ہی ماؤں کے دم سے اسلام زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔ صرف گھروں میں بیٹھ کر اولاد کو کلیجہ سے جائے رکھنے والی ماؤں کے لئے یہ سبق ہے کہ ماں کی ذمہ داری صرف زمانہ طفولیت تک محدود نہیں رہتی بلکہ یہ ایسا فرض ہے کہ اس کی بجا آوری میں تھوڑی سی غفلت بھی تباہ کر ڈالتی ہے۔ محاصرہ دمشق کے وقت جب رومیوں نے ضرار کو گرفتار کرلیا تو اسی وقت ایک سوار زرہ پوش اسلامی لشکر میں سے گھوڑا سرپٹ دوڑاتے ہوئے دشمن کی صف میں جا گھسا اور دونو ہاتھوں سے تلواریں اس شدت اور سرعت سے چلائیں کہ بیسیوں کو گرا دیا۔ تمام ناظرین عش عش کرتے رہ گئے۔ آخر رومی لشکر کی صفیں ٹوٹ گئیں اور وہ تتر بتر ہوکر اپنے قیامگاہ کو واپس ہوگئے۔ حضرت خالدؓ نے رافع بن عمیر کو ایک

سواروں کے ساتھ دوڑا دیا کہ ضرار کو چھڑا لائے یہ سُن کر وہ نامعلوم سوار جو ضرار کی بہن خولہ تھی جو اپنے بھائی کو چھڑانے کے واسطے زرہ پہن ہو کر دشمنوں پر جا پڑی تھی وہ بھی حاضر ہوئی اور خاوند سے اجازت لے کران میں شریک ہو گئی اور سب سے آگے خولہ نکل گئی چند میل کی مسافت کے بعد ان شتر سواروں کو جن کی حفاظت میں ضرار کو ہرقل کے پاس کے پاس روانہ کیا جا رہا تھا خولہ نے جا لیا اور مار مار کر بھگا دیا ضرار کو دیکھ کر خولہ باغ باغ ہو گئی اور فوراً اس کی مشکیں کھولیں۔ دوسرے روز بطرس ایک دستہ کے ساتھ عورتوں پر جا پڑا اور ان میں سے ایک جماعت کو گرفتار کر کے لے چلا۔ ان میں خولہ بھی تھیں رات کو خولہ نے کہا کہ ہمارے پاس تلوار اور نیزے تو موجود نہیں یہ بیدین دشمن ہم کو لونڈیاں بنائیں گے اس لئے بہتر ہے کہ خیموں کی چوبیں نکال کر ان سے لڑیں بے عزتی کی زندگی سے مرنا اور مارنا بہتر ہے۔ ہماری ہندوستانی بہنیں اس سے سبق لیں۔ صبح ہوتے ہی سب عورتیں چوبیں ہاتھوں میں لے کر مرنے اور مارنے کو تیار ہو گئیں بطرس نے ان سے مخاطب ہو کر کہا کہ ہم تم کو نہایت عزت اور آرام سے رکھیں گے تم کیوں لڑتی ہو ناحق سواروں کے نیزوں اور تلواروں سے تمہارا خون ہو جائے گا عورتوں نے جواب دیا ہم تمہاری عزت اور آرام پر لعنت بھیجتے ہیں ہم مسلمان خدا کی پرستار ہیں یہ کہہ کر سب عورتوں نے چوبوں کے ساتھ سواروں پر حملہ کر دیا۔ بہتوں کے سر پھوڑ دئے۔ کسی نے تلوار کو اپنے تک نہ پہنچنے دیا۔ یہ تمام عورتیں قوم حمیر اور عمالقہ سے تھیں۔ یرموک کی جنگ میں اسما بنت یزید ایک انصاری لڑکی نے خیمہ کی چوب سے نو آدمیوں کو قتل کر دیا تھا اسی طرح غزوہ خندق میں جب رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ یہودیوں سے لڑ رہے تھے کہ بنو قریظہ لڑتے لڑتے اس مقام کے قریب پہنچ گئے جہاں مسلمان عورتیں اور بچے تھے مسلمان عورتوں اور بنی قریظہ کے درمیان کوئی ایسی فوج نہ تھی جو ان کی حفاظت کر سکے اسی اثنا میں ایک یہودی اس طرف آنکلا خوف یہ تھا کہ اگر یہ یہودی بنوں قریظہ کو خبر کر دے کہ یہاں میدان خالی ہے تو وہ حملہ کر کے عورتوں اور بچوں کو قتل کر دیں اسی وقت حضرت صفیہ نے بہادری سے اس یہودی کو قتل کر دیا۔

ان واقعات کو تفصیل سے اس لئے لکھا گیا ہے کہ مسلمان عورت جس کے آگے صرف یورپین عورت کی تعریف کی جاتی وہ خود اپنی قوم کی عورتوں کی دلیری اور جانبازی سے آگاہ ہو کر بزدلی اور کم ہمتی کو رفع کر دے کیونکہ عورت ہی دنیا کو بنانے اور بگاڑنے والی ہے جس میں یورپین عورت کی سی آزادی درکار نہیں ہے۔ نہ ہمارے لئے ان کی سی بے باکی اور بے حیائی زیبا ہے۔ ہاں ہمارے دلوں میں اسلامی جوش اور ہمارے ارادوں میں بلندی چاہئے مسلم عورت کے کارناموں سے تاریخ اسلام معمور ہے اور ان ہی زندگیوں میں اسلام کی تعمیر کا راز پوشیدہ ہے۔ اگر یہ قابل خواتین نہ ہوتیں تو ان کی پاک گودوں میں پرورش پانے والے بچے بھی قابل نہ ہوتے۔ کیا یہ عورتیں پردہ نہیں کرتی تھیں۔ کیا پردہ میں بیٹھے رہنے سے موجودہ زمانہ کی مسلم عورتوں کے دلوں میں اسلام سے اس قدر ہمدردی ہے؟ کیا ہند کا پردہ ان کو اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ وہ قوم یا ملک کی نہ سہی صرف اپنی ہی مدد کریں؟ وہی مسلم عورت جو دنیا میں عزت اور توقیر حاصل کرنا چاہتی تھی جو مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرتی تھی وہ سالہا سال نکمی کاہل اور غافل رہ کر کچھ اور ہی چیز ہو گئی ہے اب بھی وقت ہے کہ مناسب موقعوں سے فائدہ

اُٹھائیں ورنہ پردہ بردہ کہہ کر تو قدرت کو ہم سے کوئی ہمدردی نہیں خواہ مرد ہو یا عورت مذہب سے دور ہو کر کبھی راہ راست نہیں پا سکتا خصوصاً اسلام وہ مذہب ہے جو ہمیں ہر طرح کی آسانیاں مہیا کر کے سیدھا راستہ بتاتا ہے اگر ہم اسلام کی پیروی کریں جو بالکل سادہ اور آسان مذہب ہے تب اس افراط اور تفریط سے بچ کر رہیں گے۔ شکر ہے کچھ تو کانگرس کی روش اور کچھ مسلم لیگ کی توجہ سے ہندوستان میں مسلمانوں کی آنکھیں کھل رہی ہیں اور مردہ دلوں میں احساس خودداری پیدا ہو رہی ہے اب تک جو ہوا ہو گیا۔ اب وقت نہیں ہے جو کچھ اور ہونے دیں۔ سب سے پہلے مسلم عورت کا فرض ہے کہ وہ بیدار رہو۔ خواب کی دنیا زندگی کو گھن لگا دیتی ہے گو دنیا کا کاروبار مرد کے ہاتھ میں ہے اور بظاہر سلطنتوں کے بانی مبانی وہی دکھائی دیتے ہیں لیکن ان سارے کاروبار کا متحمل بنانے کے لئے ابتدا سے ایک عورت ہی مرد کو سنوارتی ہے۔ قبل از اسلام عرب میں جو حالت عورت کی تھی اور اس کی وجہ سے جو بے راہ روی اس قوم کی تھی اور اسلام نے جو درجہ عورت کو دیا اور اس کی وجہ سے مسلمانوں نے اس پر عمل کر کے جو درجہ دنیا میں حاصل کیا اور اس مقدس تعلیم کو فراموش کر کے جس نوبت کو مسلمان پہنچ گئے ہیں وہ اظہر من الشمس ہے اب شدید ضرورت ہے کہ مسلمان عورت کسی طرح اپنی توجہ مبذول کر کے قوم کو بیدار کرے۔ اب وقت نہیں رہا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ایک خوبصورت کھلونا سمجھے کیونکہ گذشتہ زمانہ کی ہندوستانی عورت ایک حد تک زمانہ سے ناواقف تھی اس کی معلومات کا دائرہ اس کے اپنے گھر یا خاندان تک محدود تھا اور وہ کسی غلطی کی از خود ذمہ دار نہیں تھیں اس کی غلطیوں کا انبار مرد کے سر تھوپ دیا جاتا تھا اور اس وجہ سے جاہل رکھ کر یہ آفت مول لینا تھا خدا کا شکر ہے اب کسی قدر جہالت کم ہو گئی ہے اب مسلم عورت کا فرض ہے کہ بلا کھٹکے وہ ہی راہ اختیار کرے جو خدا اور رسول اس کے حق میں فیصلہ کر چکے ہیں صرف اسی میں اس کی فلاح ہے۔ یہ وہ راہ ہے جس میں جس وقت تک مسلم عورت اپنی شان آپ نہ بڑھائے گی اپنے لئے وہی راستہ جو سیدھا اور صاف ہے تلاش نہ کرے گی سر فرازی اور بلندی حاصل نہ ہو گی۔

سعیدہ ضمیر الدین حیدر آباد دکن

## صفحہ ۱۲۸ کا بقیہ

باقی کام خود کرتی ہیں۔ گھروں میں ملازموں سے پردہ نہیں کیا جاتا۔ جب سے ماماؤں کی کمی ہوئی ہے۔ مرد ملازم رکھنے کا رواج ہو گیا ہے۔ شاپنگ کا دستور روز بروز عام ہو رہا ہے۔ پردہ سرعت کے ساتھ رخصت ہو رہا ہے۔ تاہم بعض گھرانے اب بھی سختی کے ساتھ پردہ کے پابند ہیں۔ سینما۔ تھیٹرز وغیرہ کا شوق پورا کیا جاتا ہے۔ عید کے دوسرے روز مردوں کے لئے ٹر کا میلا لگتا ہے۔ اب چند برسوں سے عید کے تیسرے روز عورتوں کی ٹر کا میلہ بھی ہونے لگا ہے۔

**متفرق باتیں** یہاں کی خواتین خوش خلق ملنسار اور مہمان نواز ہیں۔ ملاقاتیوں کو ناشتہ کے بغیر رخصت نہیں کرتیں۔ کم از کم شربت۔ لیمونیڈ۔ پھل وغیرہ سے ضرور تواضع کی جاتی ہے۔ ملنے جلنے والوں کو برابر حصہ اور بلاوا بھیجا جاتا ہے۔ علاج انگریزی اور یونانی دونوں ہوتے ہیں۔ انجکشن اور اپریشن سے خوف کھاتے ہیں۔ خاندانی جھگڑے عام ہیں بعض خواتین لڑائی میں بہت مشہور ہیں۔ ہاتھ ہلا کر۔ گلا پھاڑ پھاڑ کر اس قدر تو تو میں میں کرتی ہیں کہ توبہ بھلی۔ فقیر۔ فقیرنیاں اکثر دروازوں پر صدا لگاتی رہتی ہیں۔ زکوٰۃ

# خواتین امرتسر کی عمرانی حالت

امرت سر پنجاب میں دوسرے درجہ کا شہر ہے۔ پنجاب کا پایہ تخت لاہور جو عرصہ تک اسلامی تہذیب و تمدن کا مرکز رہ چکا ہے۔ اس شہر سے بالکل نزدیک ہے۔ مگر باوجود اس کے یہاں کے مسلمانوں میں ہندو رسم و رواج ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اس شہر کی بنیاد سکھوں نے رکھی تھی اور یہ شہر سکھوں کا تیرتھ ہے۔ مسلمانوں میں اب بیداری کے آثار پیدا ہو رہے ہیں۔ تجارتی مرکز ہونے کی وجہ سے کشمیری۔ ایرانی اور ترکستانی مسلمان تاجر کافی تعداد میں موجود ہیں۔

**زبان** یوں تو تمام صوبہ میں پنجابی بولی جاتی ہے لیکن قریباً ہر شہر کی بولی میں اختلاف ہے جس سے پنجابی زبان کی کئی قسمیں بن گئی ہیں۔ امرت سر میں جو زبان بولی جاتی ہے وہ ملتان ہوشیارپور اور راولپنڈی وغیرہ کی زبان کی نسبت زیادہ آسانی سے یوپی والوں کی سمجھ میں آسکتی ہے۔

**غذا** عموماً صبح کے وقت چپاتی اور رات کے وقت چاول یعنی خشکہ استعمال ہوتا ہے۔ گرمیوں میں خشکے کے ساتھ کرم کا ساگ اور سردیوں میں شلجم کی شب دیگ یہاں کا مشہور کھانا ہے۔ بکری کا گوشت بکثرت استعمال کیا جاتا ہے۔ گائے کا گوشت شوق سے کھایا جاتا ہے۔ مرغی اور مچھلی دعوت میں ہونی ضروری ہیں۔ کھانے کے بعد پڈنگ یا کسی قسم کے حلوے کی صورت میں مٹھاس بھی استعمال کی جاتی ہے کھانے کے ساتھ دہی سادہ یا رائتہ کسی نہ کسی صورت میں موجود ہوتا ہے۔ دال نہایت شوق سے کھائی جاتی ہے۔ چنانچہ یہاں کی دالیں پاپڑ اور بڑیاں بہت مشہور ہیں۔ سویاں بھی بہت کھائی جاتی ہیں۔ بازار سے کھانا منگوانے کا کافی رواج ہے۔ مگر اسے پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ ناشتہ اکثر بازار سے ہی آتا ہے۔ چنانچہ "دہی کلچہ" کی اور "چائے کلچہ" کی دکانیں جا بجا موجود ہیں۔ چائے کا استعمال دونوں وقت ہوتا ہے۔ کشمیری گھرانوں میں اکثر نمکین چائے استعمال ہوتی ہے اور پنجابی گھرانوں میں میٹھی۔ متوسط طبقے میں ناشتہ با قرباکلچہ سے ہوتا ہے اور خوش حال لوگوں میں انڈے۔ ٹوسٹ اور مٹھائیوں سے۔ دن کا کھانا بعض گھروں میں نو دس بجے کھا لیا جاتا ہے اور بعض گھروں میں بارہ ایک بجے اور شام کا کھانا سات آٹھ بجے ہو جاتا ہے۔ پان اکثر کھایا جاتا ہے۔ مگر زردہ بہت کم استعمال ہوتا ہے۔ سگرٹ پینا معیوب ہے۔ ہاں بعض خواتین حقہ پیتی ہیں۔ ملاقاتی بیبیوں کی تواضع چائے۔ شربت۔ پھل۔ مٹھائی وغیرہ سے کی جاتی ہے۔

**لباس** قمیص۔ شلوار پہنی جاتی ہے۔ شلوار کے پائنچے بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ اور قمیصوں کے فیشن آئے دن بدلتے رہتے ہیں۔ ساڑھی کا رواج بھی عام ہے۔ لڑکیاں عموماً قمیص سلوار پہنتی ہیں۔ بعض گھروں میں غرارے کا بھی رواج ہے۔ چوڑی دار پاجامہ فیشن میں داخل ہو رہا ہے۔ بڑی عمر کی خواتین تنگ پائنچوں کی شلوار اور بعد رواں نہ وضع کی قمیص اور موٹی

ململ کا ڈوپٹہ اوڑھتی ہیں۔ نوجوان خواتین ریشمی دوپٹے یا ململ یا نینوں کے چُنے ہوئے ڈوپٹے استعمال کرتی ہیں۔ گھروں میں سلیپر چپل یا مخملی جوتی پہنتی ہیں۔ اور باہر جانے کے لئے سینڈل یا کورٹ شو بعض اوقات چپل یا مخملی جوتی سے ہی دونو کام نکال لئے جاتے ہیں۔ بڑی عمر کی عورتیں سلیپر یا دیسی جوتی پہنتی ہیں۔ پہلے باہر جاتے وقت ہمیشہ موزے استعمال کئے جاتے تھے اب موسم گرما میں ننگے پاؤں رہنے کو ترجیح دی جاتی ہے اور سردیوں میں لمبے موزوں کا استعمال ہوتا ہے۔

**سنگھار** زیورات کا رواج اور شوق کافی ہے۔ خاص کر ہاتھ گلے اور کانوں کا زیور ضرور ہونا چاہئے۔ نئی دلھنوں کے لئے ہر قسم کا زیور ضروری ہے۔ البتہ پاؤں کے زیور اور نتھ کا رواج بہت کم ہو گیا ہے۔ آج کل سونے کے زیور پر موتیوں کے زیور کو ترجیح دی جاتی ہے۔ کانچ یا بلور کی چوڑیاں فیشن میں داخل ہو چکی ہیں۔ سونے کی چوڑیوں کے ساتھ چاندی اور کانچ کی چوڑیاں ملا کر پہنی جاتی ہیں۔ چاندی کے بُندے بہت شوق سے پہنے جاتے ہیں۔ مصنوعی زیورات کا بھی رواج ہے۔ پاؤڈر۔ غازہ اور سُرخی کا شوق خوب ترقی کر رہا ہے۔ ٹیڑھی مانگ کی جگہ اب پھر سیدھی مانگ نے لے لی ہے۔ اب پھر سادے بننے شروع ہو گئے ہیں۔ بعض خواتین کانوں پر بال ڈال لیتی ہیں بعض کانوں سے اوپر رکھتی ہیں۔ لڑکیاں چوٹی گوندھتی ہیں۔

**تعلیم** تعلیمی حالت امید افزا ہے۔ اگرچہ ہندو لڑکیوں کی نسبت مسلمان تعلیم یافتہ لڑکیاں کم ہیں۔ اور انہیں ڈگری حاصل کرنے کے لئے لاہور جانا پڑتا ہے۔ تاہم ترقی کی رفتار اطمینان بخش ہے۔ میٹرک پاس کرنے والی لڑکیوں کی تعداد دن بدن بڑھتی جا رہی ہے جب سے یہاں زنانہ کالج بنا ہے۔ ایف۔ اے اور گریجویٹ لڑکیوں کی تعداد بھی بڑھنی شروع ہو گئی ہے۔ اس سال یہ کالج ڈگری کالج بن گیا ہے۔

یہاں لڑکوں کے میڈیکل سکول میں گذشتہ چند سالوں سے مسلمان لڑکیاں بھی داخل ہونے لگی ہیں۔ مسلمان لڑکیوں کا کالج تو کجا کوئی ہائی اسکول بھی نہیں۔ صرف اسلامیہ مڈل سکول ہے جسے اب ہائی سکول بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

چند برس ہوئے اس شہر سے دو زنانہ رسالے "سہیلی" اور "نور جہاں" جاری ہوئے تھے۔ جن کی بدولت یہاں کی خواتین کو مضمون نگاری کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ اب یہ رسالے بند ہو چکے ہیں۔ خواتین کے آپس میں میل جول کے بہت سے ذرائع ہیں۔ پردہ کلب کئی برس سے بنی ہوئی ہے۔ گرل اسکولوں میں اکثر جلسے ہوتے رہتے ہیں۔ انجمن اسلامیہ کی طرف سے عید میلاد کا جلسہ ہوتا ہے۔ یہاں عورتوں کی دو انجمنیں ہیں "انجمن دار الخواتین" اور "انجمن اتحاد الخواتین" "انجمن دار الخواتین" کے ماتحت ایک سلائی کا سکول ہے جہاں غریب عورتوں کو دستکاری مفت سکھائی جاتی ہے۔ اور انجمن اتحاد الخواتین کے ماتحت ایک نائٹ سکول اور یتیم خانہ ہے۔ غرضکہ دونوں انجمنیں مفید کام کر رہی ہیں۔

**مذہب اور تہوار** مذہب کا خیال مردوں کی نسبت عورتوں میں زیادہ ہے۔ نماز میں لاپرواہی ہو جاتی ہے مگر روزے چھوٹنے ناممکن۔ جنہوں نے سال بھر نماز نہ پڑھی ہو وہ بھی رمضان شریف میں پنج وقتہ نماز اور

تراویح ادا کرتی ہیں۔ عیدین کی نماز مرد عیدگاہ میں پڑھتے ہیں۔ اور عورتیں مسجد خیرو دین میں ادا کرتی ہیں۔ جمعہ کی نماز کے لئے بھی اکثر مسجد جاتی ہیں ان کی جگہ مردوں سے علیحدہ ہوتی ہے۔ رمضان شریف کے علاوہ رجب۔ شعبان۔ شوال اور محرم میں نوافل پڑھے جاتے ہیں۔ شب قدر میں شب بیداری ہوتی ہے۔ خیرات کافی فیاضی سے دی جاتی ہے۔ زکوٰۃ کا بہت خیال رکھا جاتا ہے۔ رمضان شریف میں ہر روز یا ہر جمعرات کو مسجد میں افطاری بھیجی جاتی ہے۔ مذہبی تہوار نہایت اہتمام سے منائے جاتے ہیں۔ میلاد شریف کی محفلیں بکثرت ہوتی ہیں۔ عورتوں کی محفلوں میں عورتیں مولود خوانی کرتی ہیں۔ گیارہویں شریف کی نیاز دی جاتی ہے۔ شب برات کے دن حلوا اور رچپاں تقسیم کی جاتی ہیں۔ محرم میں کھیر یا حلیم پکاکر بانٹی جاتی ہے۔ محرم میں شیعوں کے گھروں پر ہر روز مجلس ہوتی ہے۔ بعض سنّی بھی مرثیے پڑھتے ہیں۔ تعزئے دیکھنے کا بہت شوق ہے۔ جا بجا شربت اور لسّی کی سبیلیں لگوائی جاتی ہیں۔ قبر پرستی۔ پیروں۔ فقیروں کا ماننا۔ چڑھاوے چڑہانا اور منتیں ماننا عام ہے۔ تعویذ۔ گنڈے۔ نذر۔ جادو۔ ٹونے۔ ٹوٹکے۔ آسیب۔ بھوت۔ پریت کی بھی قائل ہیں۔ قبروں پر جانے کا رواج اب مکروہ صورت اختیار کرتا جاتا ہے۔ محلے کی بہت سی عورتیں مل کر صبح آٹھ دس بجے گھر سے نکل جاتی ہیں۔ کھانے پینے کی اشیا ساتھ لے جاتی ہیں۔ دن بھر وہاں کھانے اور خوش گپیوں میں مصروف رہتی ہیں۔ گویا قبرستان میں جاکر پکنک مناتی ہیں۔ داتا صاحب (لاہور) سرہند شریف۔ اجمیر شریف۔ اور کلیر شریف جانے کو سعادت سمجھا جاتا ہے۔

**پیشہ** متوسط طبقہ کی عورتیں اسکولوں میں پڑہاتی ہیں۔ بعض گھروں میں اردو اور قرآن شریف پڑھاتی ہیں۔ بعض سلائی پر بسر اوقات کرتی ہیں۔ کمر بند بننے کا بہت رواج ہے۔ گوٹہ بننا۔ کشیدہ کاڑھنا۔ گھروں پر چھوٹے چھوٹے غالیچے بننا۔ چادروں میں پٹہ نکالنا۔ مقیش اور سلمے ستارے کا کام۔ کاغذ کے پھول و کھلونے بنانا۔ غرضکہ ہر طرف ہاتھ پاؤں مارتی ہیں۔ لیکن باوجود اس کے بیچاریوں کی حالت زبوں ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ اُجرت کافی نہیں ملتی۔ ادنیٰ طبقے کی عورتیں خانگی ملازمت اور کارخانوں میں مزدوری کرتی ہیں۔ ماماؤں کی اب دن بدن قلت ہوتی جاتی ہے جس کا باعث یہ ہے کہ کارخانوں کی طرف میلان زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ عورتیں خانگی ملازمت پر مزدوری کو ترجیح دیتی ہیں۔

**شادی بیاہ اور دیگر رسوم** بچے کی پیدائش پر کانوں میں اذان و تکبیر کہی جاتی ہے۔ عقیقہ عموماً ساتویں روز ہوتا ہے۔ اکثر دعوت بھی ہوتی ہے۔ لڑکے کی پیدائش پر بھانڈوں اور میراثیوں کو انعام دیا جاتا ہے۔ ختنہ اور بسم اللہ کی تقریبوں پر بھی دعوتیں ہوتی ہیں اور لین دین بھی ہوتا ہے شادی کی بات مشاطہ عورتوں کے ذریعہ طے پاتی ہے۔ یا لڑکے والے خود پیغام لے کر جاتے ہیں۔ رشتہ منظور ہونے کی صورت میں دودھ پلائی کی رسم ادا ہوتی ہے۔ بعض اوقات منگنی کے ساتھ ہی نکاح ہو جاتا ہے اور رخصتی چند روز یا چند ماہ یا چند برس بعد ہوتی ہے۔ بعض اوقات منگنی پہلے ہو جاتی ہے اور نکاح و رخصتی بعد میں۔ شادی میں لین دین کا رواج عام ہے۔ تیل مہندی وغیرہ کی رسمیں کم ہوتی جارہی ہیں۔ گانا بجانا اکثر ہوتا ہے۔ برات کے ہمراہ باجہ ہوتا ہے۔ اور برات زیادہ تعداد میں لے جانے کا دستور ہے۔ نکاح لڑکی

گھر پر ہوتا ہے۔ نکاح کے بعد چھوہارے اور الائچی دانے بٹتے ہیں۔ برات کو اکثر ایک وقت کا کھانا کھلا کر رخصت کیا جاتا ہے۔ بعض وقت چائے یا دو تین وقت کا کھانا بھی ہو جاتا ہے۔ پہلے برات رات کے وقت ہوا کرتی تھی۔ اب سہولت کے لئے اکثر دن کو ہوتی ہے۔ کھانے کے بعد دلہن کو لے کر گھر آجاتے ہیں۔ شادی کا لباس قمیص، شلوار اور ڈوپٹہ ہے۔ کہیں کہیں ساڑھی کا بھی دستور ہو گیا ہے۔ جہیز میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اور اکثر جگہ جہیز حیثیت سے بڑھ کر دیا جاتا ہے۔ کپڑے اور زیورات کے علاوہ لڑکے والے۔ نقدی یا جائداد کے وصول کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔

دلہن کو کپڑوں اور زیوروں سے خوب سجایا جاتا ہے۔ بالوں اور چہرے پر افشاں چھڑکی جاتی ہے۔ نکاح کے بعد دولھا کو سلامی کے لئے اندر بلایا جاتا ہے اور اس سے دلھن کی مُٹھی کھلوائی جاتی ہے۔ دولھا کھولنے کی کوشش کرتا ہے مگر دلہن کی سہیلیاں اور بہنیں جو پاس بیٹھی ہوتی ہیں۔ بار بار اسے مٹھی بھینچنے کی تاکید کرتی ہیں۔ اس کشمکش میں بچاری دلھن کے ہاتھ دکھنے لگتے ہیں۔ مگر سہیلیوں اور بہنوں کے آگے اس کی کوئی پیش نہیں چلتی۔ دوسری رسم گانا کھولنا ہے۔ شادی سے ایک روز پیشتر سہیلیاں دلھن کی کلائی پر رنگین دھاگا باندھ دیتی ہیں۔ گانٹھوں کو گوند لگا لگا کر خوب مضبوط کر دیا جاتا ہے اور اوپر نیچے کئی گانٹھیں باندھ دی جاتی ہیں۔ اب دولھا سے ان گانٹھوں کو کھولنے کے لئے کہا جاتا ہے۔ وہ غریب نہایت مشکل سے ایک ایک گانٹھ کھولتا ہے۔ ذرا بھی دیر لگی تو لڑکیوں نے فقرے کسنے شروع کئے۔ خدا کا شکر ہے کہ اب یہ فضول رسمیں دن بدن کم ہوتی جاتی ہیں۔ دلہن کو پالکی یا موٹر میں بٹھایا جاتا ہے اور اس کے اوپر سے لڑکے کا باپ حسب حیثیت روپے، آنے یا پیسے نچھاور کرتا ہے۔ جسے غریب لوگ اٹھا لیتے ہیں۔ سسرال پہنچتے ہی دُلھن کو سلامی دی جاتی ہے۔ ولیمہ عموماً شادی کے دوسرے دن ہوتا ہے۔ تعزیت کو جانا ضروری ہے۔ غمی والے گھر کم از کم تین وقت کا کھانا عزیز بھیجتے ہیں۔ سوئم کے روز الائچی دانے بٹتے ہیں۔ چالیس روز تک متوفی کا کھانا مسجد میں بھیجا جاتا ہے۔ چالیسویں کے دن بڑے اہتمام سے پُرتکلف کھانا پکتا ہے اور محتاجوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ صفِ ماتم چالیس روز تک بچھی رہتی ہے۔ عورتیں ہر منگل اور ہفتے کو پُرسے کو جاتی ہیں۔

کشمیری گھرانوں میں پرسے آنے والی بیبیوں کو چائے کلچہ یا کھانا کھلانا ضروری ہے اگر ایسا نہ کیا جائے تو ناک کٹ جاتی ہے۔ مگر پنجابی خواتین اس رسم کو معیوب سمجھتی ہیں۔ اور کھانے یا چائے کے وقت گھروں کو واپس چلی جاتی ہیں۔ بیوہ کا نکاح معیوب سمجھا جاتا ہے۔

## عورتوں کی آزادی وحقوق

عورتوں کی آزادی اور حقوق کا انحصار مردوں کی طبیعت پر ہے۔ لڑکیوں کو آبائی جائداد سے حصہ شاذونادر ہی ملتا ہے۔ مہر پہلے عموماً فاطمیؓ یعنی بتیس روپیہ ہوتا تھا تھا۔ اب متوسط طبقے میں پانچ سات ہزار تک اور امرا میں پندرہ بیس ہزار تک باندھا جاتا ہے۔ شوہر کی زندگی یا تعلقات خوش ہونے کی صورت میں مہر وصول کرنا سخت معیوب ہے۔ متوسط گھروں میں اوپر کام کرنے کے لئے ملازمہ یا لڑکا ہوتا ہے۔

# گمشدہ رانی

میں اس قدر تھک کر چُور ہوگیا تھا کہ اپنے گھر کے دروازہ میں قدم رکھا تو لڑکھڑا رہا تھا۔ اس وقت رات کے نو بجے تھے۔ اور میں صبح ۵ بجے سے اس وقت تک برابر ڈیوٹی پر تھا۔ تماشائیوں کے ہجوم کو روکنا، ملاحوں اور غوطہ خوروں کی نگرانی کرنا، کوئی آسان کام نہ تھا۔ گاؤں کے ہیڈ کانسٹبل کی ڈیوٹی کچھ کھیل نہیں ہے۔ لیکن صبح سے شام ہوگئی، ساری نہر کو چھان مارا۔ اور گمشدہ "رانی" کی لاش نہ ملنی تھی نہ ملی۔

بیوی میری پخستہ حالت دیکھ کر چیخ اٹھی، تخت پر بیٹھی تھی، فراک سی رہی تھی۔ کپڑا پھینک جلدی سے اٹھی، میرا صافہ اتارا، پیٹی کھولی۔ اور بولی۔

"تم تو بالکل بیدم ہو رہے ہو۔ کھانا تیار ہے۔ معلوم ہوتا ہے کچھ پتہ نہیں چلا، ورنہ تم کہتے ہیں"۔

میں "کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ اور اب ایک لمبا سر اس تلاش میں شریک ہے، وہ کہتا ہے کہ رانی ہرگز نہ ملے گی۔ کم سے کم وہاں نہ ملے گی جہاں ہم تلاش کر رہے ہیں"۔

بیوی جلدی سے باورچی خانے میں گئی اور گرم دودھ کا بھرا ہوا پیالہ لاکر میرے ہاتھ میں دیا۔ اور بولی "بوٹ اتارنے سے پہلے اسے پی لو، پھر کھانا کھانا"۔ اتنے میں میں نے دودھ پیا، بوٹ اتارے، سلیپر پہنے، بیوی نے گرم گرم کھانا لاکر رکھدیا۔ گاؤں کے پولیس مین کو بھی جنت کی سی راحت نصیب ہوسکتی ہے اگر میری سی بیوی میسر ہو۔ یہ عورت صرف اچھی بیوی ہی نہ تھی۔ میں نے کبھی کسی سے ذکر نہیں کیا۔ اور سب سے زیادہ خود اس پر ظاہر نہ ہونے دیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ میرے دست و بازو کی کمی کو وہ اپنے دماغ سے پورا کر دیتی تھی۔ کتنی تفتیشوں میں اس نے میری مدد کی ہے۔ میں نے کسی شخص کو ملزم گردانا، اس کے خلاف کافی شہادت موجود تھی، لیکن بیوی نے میری تحقیقات کو باطل کر دیا۔ اور اصلی مجرم گرفتار کرنے کے وسائل بتا دئیے۔

لیکن یہ معاملہ جس میں کل سے میں مبتلا رہا معمولی گاؤں کی چوریوں سے جداگانہ تھا۔ کل لکھ پتی سیٹھ دولت رام کی اکلوتی لڑکی پھولوتی جس کی دولت، خوبصورتی، اور نیک دلی کے سبب اُسے سارا گاؤں "رانی" کہتا تھا، یکایک غائب ہوگئی۔ اور کہیں پتہ نہ چلا۔ شام کو نہر میں اس کی خوبصورت ٹوکری بہتی ہوئی ملی، جس کو وہ گھر سے لے کر نکلی تھی۔ یہ بات سارے گاؤں میں مشہور تھی کہ نوجوان ڈاکٹر ہمّت سنگھ اور رانی میں محبت ہے۔ اور سیٹھ جی اس سے بہت ناراض ہیں۔ اس حالت میں ننّو میں سے ننانوے کانسٹبل اسی نتیجہ پر پہنچے جس پر میں پہنچا۔ کہ رانی نے اس محبت کے سبب سے نہر میں گر کر جان دیدی۔

جب میں کھانے سے فارغ ہوگیا تو بیوی نے کہا: "اور وہ لمبا سر کس کا ہے جس کو تمہاری غلطی کا ایسا یقین ہے؟ سپرنٹنڈنٹ صاحب ہوں گے؟"

میں۔ صاحب کی تو یہی رائے ہے جو میری ہے، نہیں وہ صاحب سے بھی بڑا آدمی ہے۔ شہرت یار خاں نام ہے۔ دہلی سے آیا ہے سیٹھ نے آج صبح تار دے کر بلایا ہے۔ میں نے پہلے کبھی اس کا نام نہ سنا۔ لوگ کہتے ہیں کہ بڑے بڑے راز سربستہ کھول کر رکھدیتا ہے"۔

بیوی۔ پرائیویٹ سراغرساں معلوم ہوتا ہے، نالائق ہوگا۔ یہ سب کے سب احمق ہوتے ہیں"۔

سیٹھ کے نوکروں نے شہرت یار خاں کی ایسی لمبی چوڑی تعریفیں کی تھیں۔ اور خود خاں صاحب نے ایسی ڈون کی لی تھی کہ میں ان کی حمایت

کرنے لگا۔

میں "وہ اپنے آپ کو پرائیویٹ ڈیٹکٹو نہیں کہتا، بلکہ ماہر جرائم کہتا ہے"۔

بیوی "وہ ایک ہی بات ہے۔ خیر اس کو جانے دو کہ اس کا نام کیا ہے۔ یہ بتاؤ اس نے کام کیا کیا؟"

میں "اس کی تحقیقات یہ ہے کہ ڈاکٹر ہمت سنگھ کل تمام دن گاؤں سے غائب رہا۔ آگرہ گیا ہوا ہے۔ رانی ہلاک نہیں ہوئی، بلکہ خود اپنی خوشی سے آگرہ گئی ہے۔ کہ ڈاکٹر سے جا ملے، اور خفیہ طور پر شادی کرے، ٹوکری دھوکا دینے کے لئے نہر میں ڈال گئی ہے"۔

بیوی نے اس عرصہ میں پھر فراک سینا شروع کر دیا تھا۔ یہ بات سن کر ٹھیر گئی۔ اور میری طرف دیکھنے لگی۔ لیکن مجھے نہیں دیکھ رہی تھی۔ کچھ سوچ رہی تھی۔ کچھ سکنڈ تک اس کی یہ حالت رہی۔ پھر یکایک فراک اور سوئی ہاتھ سے رکھ کر سنبھل بیٹھی اور بولی "میں یہ تمام واقعہ سننا چاہتی ہوں بالکل شروع سے بیان کرو۔ خاص کر یہ بات معلوم کرنی ہے کہ شہرت یار خان نے کس طرح کام شروع کیا، اور کیونکر یہ رائے قائم کی"۔

مجھے اس واردات کا حال دُہرانا پڑا۔ اس لئے کہ شروع کا واقعہ تو بیوی کو معلوم ہی تھا۔ صورت حال یہ تھی کہ رانی کل صبح کو دس بجے کے قریب گھر سے روانہ ہوئی سیٹھ جی سے کہدیا کہ لالو نمبردار کی بیوی رکمنی بہت بیمار ہے، نمونیا ہو گیا ہے، اس کو دیکھنے اور کچھ چیزیں دینے جاتی ہوں، یہ کہہ کر ٹوکری لے کر اچھی خاصی خوش خوش گھر سے چلی۔ غریبوں کی خاطر مدارات، بیماروں کی دیکھ بھال، گاؤں والوں کے بچوں سے پیار محبت۔ رانی کا دن رات کا شغل تھا۔ کوئی نئی بات نہ تھی، باپ کو یہ شبہ کیا ہوسکتا تھا۔ لیکن ایک دو بجے تک لوٹ کر نہ آئی تو سیٹھ نے لالو کے گھر آدمی بھیجا، معلوم ہوا وہاں گئی ہی نہیں۔ اب سیٹھ کو تشویش ہوئی۔ تمام نوکروں کو پہرہ داروں کو سارے گاؤں میں اور دور دور بھیجا۔ شام کو ۶ بجے مغرب کے بعد آدمی ٹوکری لے کر آیا اور کہا کہ نمبردار کے گھر سے تین سو گز کے فاصلے پر یہ ٹوکری نہر میں کنارے کے پودوں میں اُلجھی ہوئی پڑی تھی۔ اس کے بعد سیٹھ نے مجھے بلایا، لیکن اندھیرا ہو جانے کے سبب سے کچھ کام نہ ہوسکا۔ میں نے خود نمبردار کے گھر جا کر دریافت کیا، اس کی بیوی سخت بیمار تھی اور کل تمام دن رانی کا انتظار کرتی رہی۔ رانی پہلے تو اکثر اس کے پاس جاتی تھی۔ لیکن کل بیماری کی خبر بھیجی اور بلایا تو بالکل آئی ہی نہیں۔ اس کے بعد میں نے ملاحوں، غوطہ خوروں اور مزدوروں کا انتظام کیا کہ دن نکلتے ہی نہر میں تلاش کیا جائے۔ اس لئے کہ رانی کو اپنے گھر سے نمبردار کے گھر جانے میں تھوڑی دور نہر کے کنارے کنارے چلنا ضرور پڑتا تھا۔ رانی پھولوں کی عاشق تھی، ممکن ہے نہر کے کنارے پھول توڑنے کو جھکی ہو اور گر پڑی ہو۔ میں نے خودکشی والا خیال بیوی کے سامنے بیان نہ کیا اس لئے کہ اس کا کوئی ثبوت نہ تھا۔

یہ سب حالات تو بیوی کو معلوم ہی تھے، آج کی کارروائی یہ تھی کہ میں نے صبح نماز کے وقت سے نہر کی تلاشی شروع کرادی۔ سیٹھ جی اول وقت سے موجود رہے۔ صاحب سپرنٹنڈنٹ کو میں نے رات ہی میں آدمی بھیج کر اطلاع کر دی تھی۔ وہ خود مع انسپکٹر اور سب انسپکٹر وغیرہ کے دن نکلے آ گئے تھے۔ لیکن دس بجے تک کوئی نتیجہ نہ نکلا تو سیٹھ نے دہلی تار دے کر شہرت یار خاں کو بلایا۔ تیسرے پہر کو خاں صاحب آ گئے۔ اس عرصہ میں میں نے نہر کے اندر اور باہر، گاؤں کے اندر اور باہر تحقیقات برابر جاری رکھی، نہر کے کنارے پر کہیں ایسا نشان نہ پایا گیا جس سے رانی کے کنارے پر آنے کا شبہہ ہوتا۔ گاؤں کے سب مقامات پر، ریلوے اسٹیشن پر، ہر جگہ تحقیق کیا لیکن کہیں تھہ نہ نہ چلا۔ شہرت یار خاں نے یہ تحقیقات سُن کر مجھے بہت شاباش دی کہ تم نے بڑا کام کر لیا اور بڑی محنت بچادی۔ خانصاحب آتے ہی سیٹھ جی سے ملے ہوں گے، اور سیٹھ جی نے سب حال بتا کر یہ بھی ضرور کہدیا ہو گا کہ رانی اور ڈاکٹر میں محبت تھی اور سیٹھ جی کو یہ بات پسند نہ تھی۔ چنانچہ خاں صاحب نے شروع ہی سے یہ رائے بیان کی کہ رانی نہر میں ہرگز نہیں گری، نہ دھوکے سے نہ ارادے سے۔ بلکہ دیدہ و دانستہ

روپوش ہے۔

---

نوجوان ڈاکٹر ہمت سنگھ نے سال بھر ہوا گاؤں میں ڈاکٹری شروع کی تھی، اور اس عرصہ میں صرف رانی ہی کو مسحور نہیں کیا تھا، بلکہ پرانے بوڑھے ڈاکٹر حکم سنگھ کے بہت سے مریض بھی چھین لئے تھے۔ گاؤں میں برسوں سے اکیلے ڈاکٹر، حکم سنگھ ہی تھے۔ سارے گاؤں والے انہیں کے پاس جاتے تھے۔ ڈاکٹر ہمت سنگھ جو آئے تو حکم سنگھ سے محنتی اور مستعد زیادہ، دوسرے بڑے خلیق، ہمدرد خوش مزاج، آدھی رات کو سوتے سے اُٹھ کر ایک چمار کے گھر جانے میں عذر نہیں نتیجہ یہ ہوا کہ آدھے سے زیادہ گاؤں حکم سنگھ سے ٹوٹ کر ہمت سنگھ کی طرف آگیا، اس پر طرہ یہ ہوا کہ سیٹھ دولت رام نے بھی اپنا فیملی ڈاکٹر حکم سنگھ کو چھوڑ کر ہمت سنگھ کو مقرر کرلیا لیکن سیٹھ جی ڈاکٹر کے علاج اور اخلاق سے کیسے ہی خوش سہی، اس قسم کے آدمی نہ تھے کہ ڈاکٹر سے اپنی اکلوتی بیٹی کا رشتہ کردیں۔ سیٹھ جی لکھ پتی تھے، امیر کبیر تھے۔ اونچی اُپج کے آدمی تھے، رانی ایک ہی اولاد تھی، ساری دولت اور جاگیر جائداد اسی کے لئے تھی، سیٹھ چاہتے تھے کہ کسی راجہ مہاراجہ سے نہیں تو اپنے ہی برابر کسی سیٹھ ساہوکار یا کلکٹر مجسٹریٹ یا رائے بہادر سے بیاہ کریں۔ بلکہ کوئی موٹی اسامی تاک بھی رکھی تھی۔ لیکن لڑکی بھی ارادے کی پکی تھی، ڈاکٹر سے ملتی رہتی تھی اور باپ سے بھی زبان سر سے یا زبانِ حال سے اپنا عندیہ بیان کردیا تھا۔

سیٹھ نے شہرت یار خاں سے یہ حالات جس قدر بھی بیان کئے ہوں ان کو سن کر خاں صاحب اپنے ساتھی کو لے کر نہر سے چلے گئے سنا ہے یہ موٹا بھدا رفیق ہمیشہ ان کے ساتھ رہتا ہے اور ان کے کارنامے لکھ کر چھوڑتا ہے۔ دیر کے بعد جب یہ دونوں پھر واپس نہر پر آئے اور سیٹھ سے باتیں کیں تو سیٹھ نے مجھے بلایا۔

سیٹھ (مجھ سے مخاطب ہوکر) دیوان بہادر علی خاں اب نہر کی کھنگال بند کراؤ۔ بیکار وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ۔ لڑکی اس بدمعاش جالباز ڈاکٹر کے ساتھ چلی گئی۔ خاں صاحب نے دریافت کرلیا کہ ڈاکٹر کل صبح پونے نو بجے کے پسینجر سے آگرہ گیا ہے اور اب تک واپس نہیں آیا پھول دئی اسٹیشن تک پیدل گئی ہوگی، اور دوپہر کی گاڑی سے روانہ ہوگئی ہوگی اور ڈاکٹر سے جا ملی ہوگی۔

**میں۔** کیا ڈاکٹر ہمت سنگھ کے ملازم مزید حالات نہیں بتا سکتے؟

**سیٹھ۔** (تیز لہجہ سے) نہیں بتا سکتے یا نہیں بتاتے۔ کہتے ہیں کہ ہم کو کچھ خبر نہیں ڈاکٹر کیوں گئے ہیں اور کب آئیں گے۔ بہرحال اب خاں صاحب خود تحقیقات کے لئے آگرہ گئے ہیں۔

اُس کے بعد سیٹھ نے اپنے آدمیوں کو دوڑایا کہ جلدی سے خاں صاحب کے اسٹیشن جانے کے لئے گاڑی تیار کرو اور خود بھی مع مہمانوں کے چلے گئے۔ لیکن میں نے نہر کی تلاش مغرب کے بعد تک جاری رکھی۔

میرا بیان ختم ہوا تو بیوی دیر تک ساکت رہی، گھٹنوں پر کہنیاں، اور ہاتھوں پر سر رکھے بیٹھی رہی۔ پھر یکایک سر اُٹھایا، اور اپنی عادت کے مطابق میری طرف ہاتھ جھٹک کر بولی، خانصاحب، تمہارے سر میں گوُدا کم ہے، اور وہ تمہارا شہرت خاں تو بالکل احمق ہے۔ عقل کے بُتے وقت سر کھجا رہے تھے، بہرحال ہو تم دونوں غلطی پر۔ اچھا مجھے اور سوچنے دو" یہ کہہ کر پھر اسی طرح بیٹھ گئی۔ پھر تھوڑی دیر میں سر اُٹھایا۔

**بیوی۔** اچھا یہ شہرت یار خاں کس قسم کا آدمی ہے؟

**میں۔** بہت شاندار، بھاری بھرکم قیمتی بوٹ، ریشمی صافہ، "ہمچو ما دیگرے نیست"!

**بیوی۔** ٹھیک میرا خیال تھا۔ یقیناً وہ شخص احمق ہے جو ہماری رانی کو کہاری اور ساورجن کے برابر سمجھتا ہے۔ بھاگ جانا رذیل لوگوں کا کام ہے۔ رانی کے متعلق اس کا شبہہ بھی نہیں ہوسکتا۔ اور تم نے بھی، خاں صاحب بہادر، کچھ عقل مندی کا ثبوت نہیں دیا۔ یہ فرض کرکے کہ رانی نے

کرنے لگا۔

میں " وہ اپنے آپ کو پرائیوٹ ڈیٹکٹو نہیں کہتا، بلکہ ماہر جرائم کہتا ہے"

بیوی " وہ ایک ہی بات ہے۔ خیر اس کو جانے دو کہ اس کا نام کیا ہے۔ یہ بتاؤ اس نے کام کیا کیا؟"

میں " اس کی تحقیقات یہ ہے کہ ڈاکٹر ہمت سنگھ کل تمام دن گاؤں سے غائب رہا۔ آگرہ گیا ہوا ہے۔ رانی ہلاک نہیں ہوئی، بلکہ خود اپنی خوشی سے آگرہ گئی ہے۔ کہ ڈاکٹر سے جا ملے، اور خفیہ طور پر شادی کرے، ٹوکری دھوکا دینے کے لئے نہر میں ڈال گئی ہے"۔

بیوی نے اس عرصہ میں پھر فراک سینا شروع کر دیا تھا۔ یہ بات سن کر ٹھیر گئی۔ اور میری طرف دیکھنے لگی۔ لیکن مجھے نہیں دیکھ رہی تھی کچھ سوچ رہی تھی۔ کچھ سکنڈ تک اس کی یہ حالت رہی۔ پھر یکایک فراک اور سوئی ہاتھ سے رکھ کر سنبھل بیٹھی اور بولی " میں یہ تمام واقعہ سننا چاہتی ہوں بالکل شروع سے بیان کرو۔ خاص کر یہ بات معلوم کرنی ہے کہ شہرت یار خان نے کس طرح کام شروع کیا، اور کیونکر یہ رائے قائم کی"؛

مجھے اس واردات کا حال دُہرانا پڑا۔ اس لئے کہ شروع کا واقعہ تو بیوی کو معلوم ہی تھا۔ صورت حال یہ تھی کہ رانی کل صبح کو دس بجے کے قریب گھر سے روانہ ہوئی۔ سیٹھ جی سے کہدیا کہ لالو نمبردار کی بیوی رکمنی بہت بیمار ہے، نمونیا ہو گیا ہے، اس کو دیکھنے اور کچھ چیزیں دینے جاتی ہوں، یہ کہہ کر ٹوکری لے کر اچھی خاصی خوش خوش گھر سے چلی۔ غریبوں کی خاطر مدارات، بیماروں کی دیکھ بھال، گاؤں والوں کے بچوں سے پیار محبت۔ رانی کا دن رات کا شغل تھا۔ کوئی نئی بات نہ تھی، باپ کو کیا شبہ ہو سکتا تھا۔ لیکن ایک دو بجے تک لوٹ کر نہ آئی تو سیٹھ نے لالو کے گھر آدمی بھیجا، معلوم ہوا وہاں گئی ہی نہیں۔ اب سیٹھ کو تشویش ہوئی۔ تمام نوکروں کو پہرہ داروں کو سارے گاؤں میں اور دور دور بھیجا۔ شام کو ۶ بجے مغرب کے بعد آدمی ٹوکری لے کر آیا اور کہا کہ نمبردار کے گھر سے تین سو گز کے فاصلے پر یہ ٹوکری نہر میں کنارے کے پودوں میں اُلجھی ہوئی پڑی تھی۔ اس کے بعد سیٹھ نے مجھے بلایا۔ لیکن اندھیرا ہو جانے کے سبب سے کچھ کام نہ ہو سکا۔ میں نے خود نمبردار کے گھر جا کر دریافت کیا، اس کی بیوی سخت بیمار تھی اور کل تمام دن رانی کا انتظار کرتی رہی۔ رانی پہلے تو اکثر اس کے پاس جاتی تھی۔ لیکن کل بیماری کی خبر بھیجی اور بلایا تو بالکل آئی ہی نہیں۔ اس کے بعد میں نے ملّاحوں، غوطہ خوروں اور مزدوروں کا انتظام کیا کہ دن نکلتے ہی نہر میں تلاش کیا جائے۔ اس لئے کہ رانی کو اپنے گھر سے نمبردار کے گھر جانے میں تھوڑی دور نہر کے کنارے کنارے چلنا ضرور پڑتا تھا۔ رانی پھولوں کی عاشق تھی، ممکن ہے نہر کے کنارے پھول توڑنے کو جھکی ہو اور گر پڑی ہو۔ میں نے خودکشی والا خیال بیوی کے سامنے بیان نہ کیا اس لئے کہ اس کا کوئی ثبوت نہ تھا۔

یہ سب حالات تو بیوی کو معلوم ہی تھے آج کی کارروائی یہ تھی کہ میں نے صبح نماز کے وقت سے نہر کی تلاشی شروع کرادی۔ سیٹھ جی اول وقت سے موجود رہے۔ صاحب سپرنٹنڈنٹ کو میں نے رات ہی میں آدمی بھیج کر اطلاع کر دی تھی۔ وہ خود مع انسپکٹر اور سب انسپکٹر وغیرہ کے دن نکلے آگئے تھے۔ لیکن دس بجے تک کوئی نتیجہ نہ نکلا تو سیٹھ نے دہلی تار دے کر شہرت یار خاں کو بلایا۔ تیسرے پہر کو خاں صاحب آگئے۔ اس عرصہ میں میں نے نہر کے اندر اور باہر، گاؤں کے اندر اور باہر تحقیقات برابر جاری رکھی۔ نہر کے کنارے پر کہیں ایسا نشان نہ پایا گیا جس سے رانی کے کنارے پر آنے کا شبہ ہوتا۔ گاؤں کے سب مقامات پر، ریلوے اسٹیشن پر، ہر جگہ تحقیق کیا لیکن کہیں پتہ نہ چلا۔ شہرت یار خاں نے یہ تحقیقات سُن کر مجھے بہت شاباش دی کہ تم نے بڑا کام کیا اور بڑی محنت بجا دی۔ خانصاحب آتے ہی سیٹھ جی سے ملے ہوں گے، اور سیٹھ جی نے سب حال بتا کر یہ بھی ضرور کہدیا ہو گا کہ رانی اور ڈاکٹر میں محبت تھی اور سیٹھ جی کو یہ بات پسند نہ تھی۔ چنانچہ خاں صاحب نے شروع ہی سے یہ رائے بیان کی کہ رانی نہر میں ہرگز نہیں گری، نہ دھوکے سے نہ ارادے سے۔ بلکہ دیدہ و دانستہ

روپوش ہے۔

---

نوجوان ڈاکٹر ہمت سنگھ نے سال بھر ہوا گاؤں میں ڈاکٹری شروع کی تھی، اور اس عرصہ میں صرف رانی ہی کو مسحور نہیں کیا تھا، بلکہ پرانے بوڑھے ڈاکٹر حکم سنگھ کے بہت سے مریض بھی چھین لئے تھے۔ گاؤں میں برسوں سے اکیلے ڈاکٹر، حکم سنگھ ہی تھے۔ سارے گاؤں والے انہیں کے پاس جاتے تھے۔ ڈاکٹر ہمت سنگھ جو آئے تو حکم سنگھ سے محنتی اور مستعد زیادہ، دوسرے بڑے خلیق، ہمدرد خوش مزاج، آدھی رات کو سوتے سے اُٹھ کر ایک چار کے گھر جانے میں عذر نہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آدھے سے زیادہ گاؤں حکم سنگھ سے ٹوٹ کر ہمت سنگھ کی طرف آگیا، اس پر طرہ یہ ہوا کہ سیٹھ دولت رام نے بھی اپنا فیملی ڈاکٹر حکم سنگھ کو چھوڑ کر ہمت سنگھ کو مقرر کرلیا لیکن سیٹھ جی ڈاکٹر کے علاج اور اخلاق سے کیسے ہی خوش سہی، اس قسم کے آدمی نہ تھے کہ ڈاکٹر سے اپنی اکلوتی بیٹی کا رشتہ کردیں۔ سیٹھ جی لکھ پتی تھے، امیر کبیر تھے۔ اونچی اُونچ کے آدمی تھے، رانی ایک ہی اولاد تھی، ساری دولت اور جاگیر جائداد اسی کے لئے تھی، سیٹھ چاہتے تھے کہ کسی راجہ مہاراجہ سے نہیں تو اپنے ہی برابر کسی سیٹھ ساہوکار یا کلکٹر مجسٹریٹ یا رائے بہادر سے بیاہ کریں۔ بلکہ کوئی موٹی اسامی تاک بھی رکھی تھی۔ لیکن لڑکی بھی ارادے کی پکی تھی، ڈاکٹر سے ملتی رہتی تھی اور باپ سے بھی زبان سر سے یا زبانِ حال سے اپنا عندیہ بیان کردیا تھا۔

سیٹھ نے شہرت یار خاں سے یہ حالات جس قدر بھی بیان کئے ہوں ان کو سن کر خاں صاحب اپنے ساتھی کو لے کر نہر سے چلے گئے سنا ہے یہ موٹا بھدا رفیق ہمیشہ ان کے ساتھ رہتا ہے اور ان کے کارنامے لکھ کر چھوڑتا ہے۔ دیر کے بعد جب یہ دونوں پھر واپس نہر پہ آئے اور سیٹھ سے باتیں کیں تو سیٹھ نے مجھے بلایا۔

سیٹھ (مجھ سے مخاطب ہوکر) دیوان بہادر علی خاں اب نہر کی کھنگال بند کراؤ۔ بیکار وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ۔ لڑکی اس بدمعاش چالباز ڈاکٹر کے ساتھ چلی گئی۔ خاں صاحب نے دریافت کرلیا کہ ڈاکٹر کل صبح پونے نو بجے کے پسنجر سے آگرہ گیا ہے اور اب تک واپس نہیں آیا پہلے دتی اسٹیشن تک پیدل گئی ہوگی۔ اور دوپہر کی گاڑی سے روانہ ہوگئی ہوگی اور ڈاکٹر سے جا ملی ہوگی۔

میں۔ کیا ڈاکٹر ہمت سنگھ کے ملازم مزید حالات نہیں بتا سکتے؟

سیٹھ۔ (تیز لہجہ سے) نہیں بتا سکتے یا نہیں بتاتے۔ کہتے ہیں کہ ہم کو کچھ خبر نہیں ڈاکٹر کیوں گئے ہیں اور کب آئیں گے۔ بہرحال اب خاں صاحب خود تحقیقات کے لئے آگرہ گئے ہیں۔

اُس کے بعد سیٹھ نے اپنے آدمیوں کو دوڑایا کہ جلدی سے خاں صاحب کے اسٹیشن جانے کے لئے گاڑی تیار کرو اور خود بھی مع مہمانوں کے چلے گئے۔ لیکن میں نے نہر کی تلاش مغرب کے بعد تک جاری رکھی۔

میرا بیان ختم ہوا تو بیوی دیر تک ساکت رہی، گھٹنوں پر کہنیاں، اور ہاتھوں پر سر رکھے بیٹھی رہی۔ پھر یکایک سر اُٹھایا، اور اپنی عادت کے مطابق میری طرف ہاتھ جھٹک کر بولی، خانصاحب، تمہارے سر میں گوُدا کم ہے، اور وہ تمہارا شہرت خاں تو بالکل احمق ہے۔ عقل کے بٹتے وقت سر کھجا رہے تھے، بہرحال ہو تم دونوں غلطی پر۔ اچھا مجھے اور سوچنے دو" یہ کہہ کر پھر اسی طرح بیٹھ گئی۔ پھر تھوڑی دیر میں سر اُٹھایا۔

بیوی۔ اچھا، یہ شہرت یار خاں کس قسم کا آدمی ہے؟

میں۔ بہت شاندار، بھاری بھرکم، قیمتی بوٹ، ریشمی صافہ، ہیچمدان دیگرے نیست"۔

بیوی۔ ٹھیک میرا خیال تھا۔ یقیناً وہ شخص احمق ہے جو ہماری رانی کو کہاری اور مہاوتن کے برابر سمجھتا ہے۔ بھاگ جانا رذیل لوگوں کا کام ہے۔ رانی کے متعلق اس کا شبہہ بھی نہیں ہوسکتا۔ اور تم نے بھی، خاں صاحب بہادر، کچھ عقل مندی کا ثبوت نہیں دیا۔ یہ فرض کرکے کہ رانی نے

خدانخواستہ خودکشی کرلی۔ یقین جانو اس کام میں ڈاکٹر حکم سنگھ کا ہاتھ ہے۔ جھوٹ نکلے تو میرا نام بدل کر رکھ دینا۔ اچھا اب تم صافہ باندھ لو، اور وردی ڈاٹ لو، میں اتنے بچوں کو دیکھ لوں، اچھی طرح سو رہے ہیں۔ پھر تم ذرا میرے ساتھ چلو۔

میں بیوی کے انداز سے واقف، اور "حرکتوں" کا عادی تھا، سمجھ گیا کہ یہ ابھی کچھ نہ بتائے گی۔ جب چلنے لگے گی تو کہے گی۔ یہاں گاؤں میں پردہ کا رواج نہ تھا۔ اور ہم دونوں بھی ذرا آزاد خیال ہو گئے تھے۔ لیکن ریاست رامپور کے رہنے والے تھے، بیوی بے ضرورت باہر نہ نکلتی تھی، اور ضرورت پڑ جاتی تھی تو برقع پہن کر۔ لیکن موقع محل پر مردوں سے بات چیت کرنے میں ہم دونوں کچھ مضائقہ نہ سمجھتے تھے۔ میں اپنی طبیعت سے جیسا سنجیدہ تھا، بیوی ویسی ہی ظریف واقع ہوئی تھی۔ لیکن ہمیں ایک دوسرے پر ایسا اعتماد تھا کہ بدگمانی کے لئے کوئی راہ ہی نہ تھی۔ بیوی کی سراغرسانی اور تفتیش کی قابلیت معلوم ہوئی، اور اس نے خود شوق ظاہر کیا تو پہلے تو مجھے نئی سی بات معلوم ہوئی اور دل نے گوارا نہ کیا کہ پردہ نشین شریف زادی سپاہیوں کی طرح دوڑ دھوپ کرے۔ لیکن ایک دن باہم گفت وشنید ہو کر یہ معاملہ طے ہو گیا۔

بیوی برقع پہن نکلی اور جلدی، یہ ساتھ ہو لیا۔ میں منتظر کہ کچھ بتا کہاں جا رہی ہے اور وہ ہے کہ چلی جا رہی ہے۔ چلتے چلتے ڈاکٹر ہمت سنگھ کے مکان پر ٹھیری۔ ڈاکٹر صاحب ہم سے قریب ہی رہتے تھے۔ بیوی نے دروازے پر ہاتھ مارا اور مجھ سے بولی "تم کچھ نہ بولنا میں کہہ سن لوں گی" ڈاکٹر کے آدمی نے دروازہ کھولا اور میری وردی کو دیکھ کر جھجکا۔ لیکن کوئی مزاحمت نہ کی۔ ہم اندر داخل ہوئے۔ نوکر نے کہا ڈاکٹر صاحب موجود ہیں۔ ابھی گھنٹہ بھر ہوا آگرہ سے آئے ہیں۔ آپ مطب میں چل کر بیٹھئے۔ لیکن ہماری آواز سن کر ڈاکٹر اپنے کمرے سے نکل آئے۔ ڈاکٹر کے چہرے سے رنج وغم ٹپک رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی یقین ہو گیا کہ ڈاکٹر جس کام کے لئے آگرہ گیا ہو، شادی کرنے کے ہرگز نہیں گیا تھا۔ ایک دن کا بیاہا ایسی مُردہ دلی کی تصویر نہیں ہو سکتا۔

ڈاکٹر۔ آئیے، میرے کمرے میں آجائیے، آپ علاج کی غرض سے نہیں آئے، معلوم ہوتا ہے اس نئے حادثہ کے سلسلے میں آئے ہیں۔ کچھ پتہ چلا؟

**بیوی۔** (ڈاکٹر کو غور سے دیکھ کر، اور مجھ سے مخاطب ہو کر) دیکھو میں نے کیا کہا تھا کہ شہرت یار خاں بڑا احمق ہے۔ (پھر ڈاکٹر سے) رانی کا کچھ پتہ نہیں چلا۔ لیکن ہم رانی کو ڈھونڈ نکالنے کی غرض سے آئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب آپ کو رانی کے غائب ہونے کی خبر کب معلوم ہوئی؟

مجھے امید تھی کہ ڈاکٹر اس سوال پر سٹ پٹا جائے گا۔ لیکن اس نے فوراً جواب دیا۔

**ڈاکٹر۔** ابھی جب میں گھر پہنچا۔

**بیوی۔** ڈاکٹر صاحب، ہم سے کچھ چھپائیے نہیں، ہم آپ کے اور رانی کے خیر خواہ ہیں۔ آپ کو اپنے ملازموں سے معلوم ہوا ہوگا کہ سیٹھ جی کے فوق البھڑک ماہر جرائم نے کیا سکھا پڑھا دیا ہے۔ دیوانجی (میری طرف اشارہ) کو اس سے اتفاق نہیں ہے، اور یہ سمجھتے ہیں کہ رانی نہر میں ڈوب گئی۔ لیکن مجھے دونوں سے اختلاف ہے۔

ڈاکٹر (کرسی پر بیٹھ کر اور دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر) دیوانجی کا خیال صحیح ہے۔ میری رانی کہیں نہر کی تہ میں پڑی ہوگی۔ اور میں .... لیکن نہیں، اس کی خاطر میں نہ بتاؤں گا کہ مجھے اس کے ڈوب جانے کا کیوں یقین ہے۔

میں حیران رہ گیا یہ دیکھ کر کہ بیوی یہ سن کر جلدی سے اٹھی اور ڈاکٹر کا شانہ ہلا کر بولی۔

**بیوی۔** ڈاکٹر یہ ایک طرح کا اقبال جرم ہے۔ اگر آپ پوری بات صاف صاف نہ بتائیں گے تو میں دیوانجی سے کہوں گی کہ آپ کو حراست میں لے لیں۔

**ڈاکٹر**۔ (بیوی کی طرف دیکھ کر) اگر تم یہ حکم دوگی تو میں اُس کے نتائج کو برداشت کرنے کی کوشش کروں گا۔

**بیوی**۔ بے وقوف ہیں آپ! (پھر فوراً لہجہ بدل کر) ڈاکٹر صاحب، خدا کے لئے ہم کو اپنا ہمدرد سمجھئے۔ دیوانجی اس وقت کچھ بہت اپنی ڈیوٹی پر نہیں ہیں۔ اور میں ذمہ لیتی ہوں کہ وہ رانی کے یا آپ کے خلاف ایک لفظ زبان سے نہ نکالیں گے (پھر ڈاکٹر کے قریب جُھک کر) مجھے یقین ہے کہ یہ کارستانی ڈاکٹر حکم سنگھ کی ہے۔ انتقام کی غرض سے۔

ڈاکٹر (چونک کر، اور ہم دونوں کی طرف دیکھ کر) یہ بات ہے تو رانی کہاں ہے۔

**بیوی**۔ اگر رانی زندہ ہے تو یقیناً خطرے میں ہے۔ کہاں ہے، یہی تو دریافت کرنا ہے۔ لیکن بغیر آپ کی مدد کے کچھ نہیں ہوسکتا۔

**ڈاکٹر**۔ (اس نے خوف سے کانپ رہا تھا) بیشک مجھے بتانا ہی پڑے گا۔ اب آپ لوگ جو چاہیں نتیجہ نکالیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ تمھارے شوہر اور شہرت یار خاں دونوں کی رائے صحیح ہے۔ رانی مجھ سے آگرہ میں ملنے کے لئے چلی تھی۔ اور اسٹیشن جانے میں نہر میں گر پڑی ہوگی۔ لو دیکھو۔

یہ کہہ کر ڈاکٹر نے ایک خط جیب سے نکال کر بیوی کو دیا جس کو میں نے بھی جُھک کر پڑھا۔ یہ مضمون تھا:۔

”سیٹھ جی کی سختی اب ناقابل برداشت ہوگئی ہے۔ کل پونے نو بجے کی گاڑی سے آگرہ روانہ ہوجاؤ۔ میں دوپہر کی گاڑی سے چلوں گی کہ کسی کو شبہہ نہ ہو۔ مجھے راجہ منڈی کے اسٹیشن پر ملنا۔ وہیں کسی اچھے ہوٹل میں ٹھیرنے کا بندوبست کرلینا۔ امید ہے کہ شادی کا انتظام شام تک ہوجائے گا۔ آگرہ میں تمھارے تعلقات کافی ہیں۔ اس کے بعد تم رات ہی میں گاؤں واپس چلے آنا۔ اور پھر دو ایک دن بعد میرے پاس آجانا۔

تمہاری رانی

اس کے بعد ڈاکٹر نے جو حالات بیان کئے اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ ڈاکٹر کو رانی کا یہ خط ملا تو اُس کو بڑا تعجب ہوا، اور یہ بات بالکل خلاف امید نظر آئی۔ دو ایک دن پہلے ڈاکٹر کی رانی سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس وقت ایسے ارادے کا کوئی ذکر نہ تھا۔ اور یہ بات بھی رانی کی طبیعت سے بعید تھی کہ وہ کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے جس سے باپ سے ہمیشہ کے لئے جدائی ہوجائے۔ بلکہ دونوں کو امید تھی کہ رفتہ رفتہ سیٹھ جی نرم ہوجائیں گے اور اس رشتہ کو منظور کریں گے۔ لیکن بقول ڈاکٹر کے اس خط کے بعد بجز اس کی تعمیل کے کوئی چارہ کار نہ تھا۔ چنانچہ ڈاکٹر نے حرف بحرف اس پر عمل کیا۔ آگرہ میں اس ٹرین کو دیکھا، رانی نہ آئی۔ اس کے بعد کی سب گاڑیاں دیکھیں۔ پھر دوسرے دن صبح کو شروع کی گاڑیوں پر اسٹیشن پہونچا۔ پھر رانی نہ آئی۔ تو باقی دن دوسرے اسٹیشنوں اور ہوٹلوں کی دیکھ بھال میں صرف کیا۔ یہ خیال کیا ممکن ہے رانی دوسرے راستہ سے ٹونڈلہ کی طرف سے آجائے۔ آخر اس جستجو میں سارا دن گزر گیا اور رات کو واپس پہنچا۔ اسٹیشن پر یہ واقعہ سنا۔ پھر گھر آکر نوکروں سے مفصل معلوم ہوا۔ جب سراغرساں کی یہ رائے سنی کہ رانی ڈاکٹر کے پیچھے فرار ہوئی ہے تو ڈاکٹر کو بڑا صدمہ ہوا، اور اُس نے ارادہ کرلیا کہ خط کا ذکر کسی سے نہ کرے گا۔ لیکن ڈاکٹر نے نوکری کا حال سُنکر یہ تسلیم کرلیا کہ بے شک رانی نہر میں گر گئی ہوگی تاہم خط کے ظاہر کرنے سے رانی کی بھی بدنامی ہوئی اور اُس کے باپ کو بھی صدمہ ہوتا اس لئے ڈاکٹر نے سارا الزام اپنے سر لینے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

اس عرصے میں وہ خط بیوی کے ہاتھ میں رہا۔ جب ڈاکٹر کا بیان ہوا تو بیوی نے خط ڈاکٹر کو دیا اور کہا،

**بیوی**۔ کیا آپ کو یقین ہے کہ یہ تحریر رانی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے؟

**ڈاکٹر**۔ میں نے خط کو اس نظر سے نہیں دیکھا۔ ہمارے درمیان خط کتابت کی کچھ بہت ضرورت نہ ہوتی تھی۔ یہ کاغذ تو وہی ہے جس پر رانی لکھا کرتی تھی ...... لیکن .......

**بیوی**۔ (جلدی سے) تحریر رانی کی نہیں ہے۔ یہی بات ہے نا۔ مجھے بھی اندیشہ ہوا تھا۔ اب میرا دعویٰ ہے کہ یہ خط ڈاکٹر حکم سنگھ نے لکھا ہے اور رانی اس وقت اسی کے قبضے میں ہے۔ اُس "برادرشغال" نے پہلے سے اندازہ کرلیا تھا کہ یہی قیاس قائم کیا جائے گا۔ جو سراغرساں نے سیٹھ کو سمجھایا۔ آپ اس خط کو پیش کریں یا نہ کریں۔ کتنا ہی کہیں کہ آپ نے رانی کو نہیں دیکھا اور کچھ خبر نہیں۔ لیکن سیٹھ یہی سمجھیں گے کہ آپ نے اس کو آگرہ میں کہیں چھپا دیا ہے۔ نتیجہ ہر حال میں یہی ہو گا کہ آپ کی ڈاکٹری کو داغ لگ جائے گا۔ پریکٹس تباہ ہو جائے گی یہی بڈھے ڈاکٹر کا مقصد ہے۔

**ڈاکٹر**۔ لیکن اس کے یہ معنی ہیں کہ حکم سنگھ رانی کو ہمیشہ چھپائے رکھے گا۔ کیا ایسا تو نہیں ہو سکتا..... کہ ہلاک کر دے؟

**میں**۔ اور ٹوکری کے متعلق کیا خیال ہے؟ کیا حکم سنگھ نے ٹوکری نہر میں ڈال دی کہ لوگ رانی کو بیوقوفی بھی سمجھ لیں؟

**بیوی**۔ (میری طرف غصے سے دیکھ کر) نہیں، میرا یہ خیال نہیں ہے۔ میری رائے میں خود رانی نے ٹوکری نہر میں پھینکی ہے۔ اور ایک وجہ سے پھینکی ہے۔ جو ابھی تھوڑی دیر میں تم کو معلوم ہوتی جاتی ہے۔ اب آپ دونوں مہربانی کرکے میرے ساتھ آئے۔ ہم نمبردار کے گھر اس کی بیوی کی خیر سلا لینے چلتے ہیں۔

اب بیوی کا مطلب میری سمجھ میں آگیا۔ لیکن ڈاکٹر ایسا بدحواس اور پریشان تھا کہ کچھ نہ سمجھ سکا۔ اس نے کہا کہ مریض کے پاس بے بلائے جانا پیشہ کے خلاف بات ہے۔ ممکن ہے ڈاکٹر حکم سنگھ اس کا معالج ہو۔ لیکن بیوی نے جلدی سے ڈاکٹر کی ٹوپی اُٹھا کر اس کو دی اور چلنے کا اشارہ کیا۔ اور بولی کہ "تین دن پہلے تک نمبردار کی بیوی اپنی ساری عمر میں ایک گھنٹہ کے لئے بھی بیمار نہیں ہوئی ہے۔ خوب ہٹی کٹی۔ ہٹنی کی ہٹنی ہے۔ دیوانجی نمبردار کے پہلے کارناموں سے خوب واقف ہیں۔ لیکن جب تک وہ اپنا چال چلن درست رکھے ان کو کچھ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔ اور واقعہ بھی یہی تھا، نمبردار پولیس کی نظر میں مشتبہ نہ تھا۔

یہ کہتے ہوئے ہم سب ڈاکٹر کے گھر سے نکلے ہی تھے کہ یکایک شہرت یار خاں اور ان کے دوست کا سامنا ہوگیا۔ خاں صاحب ڈاکٹر ہی کے پاس آرہے تھے۔ اور کامیابی پر خوش نظر آرہے تھے لیکن میری وردی کو دیکھ کر ٹھٹک گئے۔

**شہرت یار خاں**۔ (میری طرف غصے سے دیکھ کر) کیا تم نے ڈاکٹر ہمت سنگھ کو گرفتار کر لیا ہے؟

**میں**۔ نہیں جناب، ڈاکٹر صاحب کے خلاف کوئی بات نہیں ہے۔

**شہرت یار خاں**۔ اچھا تو میں ڈاکٹر سے چند سوال کروں گا (ڈاکٹر سے) جناب میں آج تمام دن آپ کے سراغ میں رہا ہوں، آگرہ کے سب اسٹیشنوں پر پتہ لیتا ہوا آپ کے پیچھے پیچھے دوسری ٹرین سے آیا ہوں۔ کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ اب آپ صاف صاف اقرار کرلیں؟

**بیوی**۔ (جلدی سے آگے بڑھ کر) جناب شہرت یار خاں صاحب۔ آپ اپنے آپ کو ماہر جرائم کہتے ہیں، لیکن اس وقت آپ ایک بڑے سنگین جُرم کی اعانت کے مرتکب ہوں گے اگر یہاں کھڑے باتیں بناتے رہیں گے۔ دیوانجی خدا کے واسطے آگے بڑھئے اور نمبردار کے گھر چلئے۔

شہرت یار خاں (بلند آواز سے) میں کسی پاگل خانے کے چھوٹے ہوئے دیوانے کی باتوں میں آکر اپنے فرض کی انجام دہی سے باز نہیں رہ سکتا۔

میرے جی میں تو آیا کہ خاں صاحب کے ایک ہاتھ رسید کروں، لیکن ضبط کر گیا، ڈاکٹر کا ہاتھ پکڑ کر بڑھے اور خاں صاحب کہا "ہم اُسی گمشدہ لڑکی کے معاملہ میں ایک جگہ جا رہے ہیں، اگر آپ چاہیں تو ہمارے ساتھ آسکتے ہیں۔ لیکن میں آپ کو خبردار کئے دیتا ہوں کہ میری بیوی کی باتوں میں دخل نہ دیجئے گا"

پولیس کی وردی میں بھی ایک تاثیر ہوتی ہے جس سے بڑے سے بڑا ماہر جرائم بھی مرعوب ہو سکتا ہے۔ خاں صاحب بڑبڑاتے رہے تو

اوران کے وقائع نگار رفیق کو تو گویا دورہ سا پڑا جاتا تھا۔ لیکن دونوں کے دونوں ہمارے پیچھے پیچھے ہو لئے۔

نمبردار کا گھر آبادی کے ختم پر نہر کے کنارے واقع تھا۔ نہر اس کی ایک دیوار کے نیچے بہتی تھی اور پھر آگے خم کھا گئی تھی۔ ہم قریب پہونچ رہے تھے کہ یکایک بیوی نے ایک ہاتھ میرے کندھے پر رکھا اور دوسرے سے ساتھیوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا، اور آہستہ سے بولی، حکم سنگھ اس وقت نمبردار کے گھر موجود ہے!

اب ہم سب نے دیکھ لیا کہ مکان سے ذرا فاصلے پر ڈاکٹر حکم سنگھ کی گھوڑا گاڑی کھڑی ہے۔ ہم آہستہ سے دروازے تک آئے، بند تھا۔ گھوم کر دوسری طرف گئے، پشت کا دروازہ بھی بند تھا۔ لیکن اس کے پاس کی کھڑکی ذرا سی کھلی ہوئی تھی۔ بیوی نے کہا اس کے ذریعہ اندر جا سکتے ہیں۔ میں نے کہا، ہم پانچوں کا جانا ٹھیک نہیں، اس وقت بیوی نے ذہن کی رسائی کا کمال ثبوت دیا۔ خاں صاحب کے پاس جا کر نہایت تہذیب سے کہا، "خانصاحب میں اور دیوانجی گھر کے اندر جاتے ہیں۔ آپ اور آپ کے دوست یہاں ٹھیرے رہیں۔ اور اس اس شخص کو اپنی نگرانی میں رکھیں جس کی آپ نے سارے دن بڑی قابلیت اور محنت کے ساتھ سراغ رسانی کی ہے۔ ایسا نہ ہو یہ فرار ہو جائے یا کچھ گڑبڑ کرے، ہم باہر آ کر آپ کو رپوٹ دیں گے اور معاملے کو آپ کے سپرد کر دیں گے۔" یہ کہہ کر بیوی نے ہٹ کر ڈاکٹر سے آہستہ سے کہا، "اچھے ڈاکٹر صاحب، میری بات رکھ لینا۔"

ڈاکٹر آخر سمجھدار آدمی تھا، بات کو پہونچ گیا، اور خانصاحب تو اس خوشامد سے پھول گئے۔ ان کو مایوسی اسی سے تھی کہ معاملہ اس کے ہاتھ سے نکلا جاتا تھا۔ اب ان کو امید ہوئی کہ پھر باگ ان کے ہاتھ میں آجائے گی تو راضی ہو گئے اور دونوں نے ڈاکٹر کو اپنے بیچ میں لے لیا۔ ڈاکٹر بھی خاموش کھڑا رہا۔

بیوی (میرے پاس آکر) ان تینوں سے تو نجات ملی۔ اب تم کو اپنے بوٹ اُتارنے پڑیں گے۔

میں۔ میں بوٹ پہنے ہی نہیں ہوں۔ گھر سے چلنے کے لئے جب تم نے کہا تھا تو صافہ اور وردی کا حکم دیا تھا۔ بوٹ کا حکم نہیں دیا تھا، اور میں سلیپر پہنے ہوئے تھا۔

بیوی نے محبت بھری نظر مجھ پر ڈالی اور پھر آگے بڑھ کر ہاتھ بڑھا کر ہلکے سے کھڑکی کھولی۔ اندر اندھیرا تھا۔ بیوی پنجوں کے بل کھڑے ہو کر اوپر کو اُچکی میں نے جلدی سے اُٹھا کر اونچا کر دیا اور کھڑکی پر چڑھ کر اندر اُتر گئی۔ میں بھی اسی راستے سے اندر جانے کو تھا کہ بیوی نے آہستہ سے دروازہ کھول دیا اور میں بھی داخل ہو گیا۔ ہم دونوں ٹٹولتے ہوئے بڑھے۔ کمرے کا اندر کا دروازہ کھلا ہوا ملا۔ اس سے باہر نکلے اکدرہ سا تھا، اس میں سے ہو کر ایک بڑے کمرے میں آئے۔ یہاں باتیں کرنے کی آواز آرہی تھی۔ اندر کا چھوٹا کمرہ بند تھا۔ لیکن کواڑوں میں دراڑیں تھیں ان میں سے جھانک کر دیکھا۔ اندر روشنی تھی۔ ڈاکٹر حکم سنگھ چھوٹی سی چوکی پر بیٹھا تھا، نمبردار اس کے پاس کھڑا تھا اور اندر سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سر پر تعینات ہے۔ نمبردار کی بیوی زمین پر دری کے اوپر بیٹھی تھی، اور تندرستی کا مجسمہ معلوم ہوتی تھی، ڈاکٹر کے سامنے ایک تھالی رکھی تھی جس میں پوریاں۔ ترکاری اور دودھ کا پیالہ تھا۔

ڈاکٹر حکم سنگھ۔ نمبردار سمجھ گئے؟ میں اس دودھ میں نیند کی دوا ملاتا ہوں۔ یہ لڑکی کو پلا دو۔ وہ تھوڑی دیر میں سو جائے گی۔ آہستہ سے اٹھا کر گاڑی میں لٹا دو اور تمھاری بیوی اور وہ دوسری عورت اس کو لے کر کلکتہ چلی جائے۔ وہاں میں نے لڑکی پوشیدہ رکھنے کا بندوبست کر دیا ہے تمھاری بیوی کو پھر سمجھا دوں گا۔

نمبردار۔ اس کام میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے دو سو روپیہ اور لیں گے۔

ڈاکٹر۔ تم نے جو اپنے منہ سے مانگا تھا وہ میں نے پہلے ہی دیدیا ہے۔ اب یہ کیا کہتے ہو؟

نمبردار۔ ڈاکٹر جی اب آپ ہمارے ہاتھ میں ہو۔ ہم جو اور مانگیں گے دینا پڑے گا۔ نہیں بھانڈا پھوٹ جائے گا۔

ڈاکٹر۔ (غصے سے پیچ وتاب کھا کر) نمبردار، یہ سختی اچھی نہیں۔

نمبردار۔ نہیں تو جانے دو۔

ڈاکٹر۔ (مجبور ہو کر) اچھا، تمہارا ہی کہنا سہی۔ (جیب سے بٹوا نکال کر) لو جو مانگتے ہو اور لے لو۔

ڈاکٹر نے نوٹ گن کر نمبردار کے ہاتھ میں دیئے۔ اور جیب میں سے ایک شیشی نکال کر دودھ کے پیالے میں اُلٹ دی۔ نمبردار کی بیوی تھالی اُٹھا کر باہر آنے لگی۔ ہم دونوں جلدی سے آڑ میں ہو گئے۔ وہ فوراً باہر نکل گئی۔ ہم بھی ایک لمحہ بعد نکلے تو زینہ پر چڑھنے کی آواز آئی ہم ذرا دیر ٹھہر کر زینہ پر چڑھے۔ چھت پر ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ اسی میں باہر سے قفل لگا ہو گا۔ نمبردارنی قفل کھول کر اندر گئی ہی تھی کہ ہم چھت پر پہونچے، اور کمرے کے پاس آ کر کان لگائے۔ رانی کی آواز آئی۔

رانی۔ کمبخت عورت تونے بھوکا ماردیا۔

نمبردارنی۔ دیر ہے اندھیر نہیں۔ لو اب کھالو۔ دودھ ہے، پوری ترکاری ہے۔

میں یہ سنتے ہی دروازہ کھول کر گھس گیا۔ دیکھا کہ رانی لکڑی کے صندوق پر بیٹھی ہے، روتے روتے آنکھیں سوج گئی ہیں۔ اس نے جلدی سے دودھ کے پیالہ کی طرف ہاتھ بڑھایا کہ میں نے کہا "رانی اس کو نہ چھونا، اس میں زہر ہے"۔ اب دونوں نے گھبرا کر میری طرف دیکھا اور میری وردی پر نظر پڑی۔ دونوں کے چہروں کا مقابلہ لفظوں میں ادا کرنا مشکل ہے۔ ایک خوشی سے سرخ، دوسرا خوف سے سفید۔ لیکن نمبردارنی نے حواس قائم رکھے۔ میں ہاتھ بڑھانے نہ پایا تھا کہ اس نے پھرتی سے دودھ کا پیالہ اُٹھا کر کھڑکی میں سے نیچے پھینک دیا۔ اسی دیوار کے نیچے نہر بہ رہی تھی۔ پیالہ نہر میں جا پڑا۔ پھر ایک زور کا وحشتناک قہقہہ مارا اور روشنی کی بتی میں پھونک مار کر زینہ کی طرف بھاگی۔ میری بیوی دروازے میں کھڑی تھی اس نے کمرے کے اندر آ کر جلدی سے نیم بیہوش لڑکی کو سنبھال لیا۔ اب ہم دونوں لڑکی کو سنبھالے ہوئے اندھیرے میں نیچے اُترے اور اُسی کمرے میں پہونچے، وہاں بالکل خاموشی اور تاریکی تھی اور اتفاق سے میری ساتھ دیاسلائی یا ٹارچ کچھ نہ تھی۔ لیکن چاند کی کچھ روشنی تھی۔ میں نے باہر کا دروازہ کھولا اور ساتھیوں کو آواز دی، تینوں دوڑتے ہوئے آئے۔ ہم تینوں دروازے سے باہر نکل آئے تھے۔ میری بیوی نے شہرت یار خاں کو دیکھ کر کہا "لیجئے خانصاحب معاملہ ختم ہو گیا، اب آپ سنبھال لیجئے، ایسے شکستہ خاطر نہ ہوجئے، اس ناکامی میں غالباً آپ کا کچھ زیادہ قصور نہ تھا، ہم جیسا اپنی رانی کو سمجھے ہوئے تھے آپ نہیں سمجھ سکتے تھے۔ اور معلوم ہوتا ہے ڈاکٹر بھی خوب سمجھتے ہیں"۔

ہم سب کی نظریں دوسری طرف اُٹھیں تو دیکھا کہ رانی ڈاکٹر کے کندھے پر سر رکھے رو رہی ہے۔ اب ہم خاں صاحب کی ٹارچ لے کر پھر مکان کے اندر داخل ہوئے۔ ڈاکٹر کی جیب میں دیاسلائی تھی۔ اس سے کمرے کی لال ٹین روشن کی اور روشنی لے کر سارا گھر دیکھ ڈالا کسی انسان کا پتہ نہ ملا۔ نہ ڈاکٹر حکم سنگھ، نہ نمبردار، نہ اس کی بیوی، معلوم ہوتا ہے وہ تینوں ہر قسم کی افتاد کے لئے تیار تھے، بھگانے کے ساتھ بھاگنے کا بھی بندوبست کر رکھا تھا۔

---

اس واقعہ کے متعلق میری میری بیوی کے تمام اندازے اور قیاسات حرف بحرف درست نکلے۔ جب سیٹھ کو معلوم ہوا کہ رانی نے دھوکا نہ دیا تھا اور فرار نہ ہوئی تھی، تو وہ اس قدر خوش ہوا کہ ڈاکٹر سے رشتہ منظور کر لیا۔ ٹوکری کا بھید خود رانی نے کھولا۔ جب نمبردار اور اُس کی بیوی نے رانی کو دھوکے سے بلا کر کوٹھری میں بند کر دیا تو اس نے اپنی ٹوکری اسی کھڑکی سے نہر میں ڈال دی جس سے نمبردارنی نے دودھ کا پیالہ پھینکا تھا۔ رانی کا یہ مقصد تھا کہ ٹوکری پہچان لی جائے گی اور یہ ہو سکے گا کہ وہ بھی یہیں کہیں ہے۔

آخری بات یہ بھی کہہ دوں کہ مجھے اس تفتیش کے صلے میں سب انسپکٹر بنا دیا۔

حامد حسن قادری

# پردیسی باپ

بھیانک رات ہے، پردیس ہے، غربت ہے، وادی ہے
کسی کی یاد ہے، فرقت ہے، غم ہے، نامرادی ہے

اکیلا ہوں، پریشان حال ہوں، غمگین ہوں، مضطر ہوں
قفس میں ہوں چمن سے دور ہوں بے بال و بے پر ہوں

وطن کو اُڑ چلوں پرواز مل جائے اگر مجھکو
خدا جانے نہ جانے کب ملیں گے بال و پر مجھکو

پہاڑوں کے نظر فرسا مناظر ہیں جدھر دیکھوں
کہاں جاؤں الٰہی۔ کیا کروں یارب۔ کدھر دیکھوں

مرے معصوم بچے آہ کوسوں دُور ہیں مجھ سے
جدائی شاق تھی جن کی وہی مہجور ہیں مجھ سے

نہیں معلوم کس دن شادماں ہم اے خدا ہوں گے
الٰہی ہم اسیرانِ جدائی کب۔ رہا ہوں گے

وہ سب کا ساتھ وہ جاڑوں کی راتیں یاد آتی ہیں
انگیٹھی اور گرما گرم باتیں یاد آتی ہیں

وضو کا شوق، آبِ گرم کی وہ دھوم بچوں میں
نمازوں کے لئے تیاریاں معصوم بچوں میں

دعاؤں کا شغف اور بھولی بھالی وہ مناجاتیں
تصور میں خدا کے بیٹھی بیٹھی دلربا باتیں

متانت سے سوالِ بے سروپا پوچھتے جانا
کسی کا مامتا سے مُسکرانا اور سمجھانا

تہجد کی لگن میں بچیوں کی وہ سحر خیزی
وہ شیر صبح میں قرآن خوانی کی شکر ریزی

کسی کا، وہ کسی پر نازسے تیر افگنی کرنا
نماز صبح کی تاخیر پر طعنہ زنی کرنا

خدا کے نام کا چرچا رسول پاک کی باتیں
الٰہی کیا ہوئے وہ دن۔ کہاں ہیں آہ وہ راتیں

تصور میں مرے وہ ہو بہو تصویر پھرتی ہے
خبر کیا تھی کہ یوں دوروز میں تقدیر پھرتی ہے

وہی میں ہوں نہیں وہ لُطف لیکن زندگانی کا
مری غربت سبب ہے میرے غمہائے نہانی کا

مری حالت نہ جانے کیا خدایا تونے کردی ہے
نہیں معلوم کیا کیا آرزو اس دل میں بھردی ہے

خدایا مجھ کو اُن کے ہجر کا کیوں اس قدر غم ہے
یہ فطرت ہے بشر کی۔ ہاں۔ بشر بھی ابن آدم ہے

مجھے رکھا ہے زندہ بچۂ وزن سے جدا کرکے
لگا رکھی ہے۔ صوفی! جان سر تن سے فدا کرکے

سید عبدالرب صوفی

# بچوں کے لئے پیشہ کا انتخاب

## صنعت و حرفت

عہد حاضرہ میں کاغذ اور طباعت کو جس قدر اہمیت حاصل ہے شاید ہی کسی اور چیز کو حاصل ہو۔ موجودہ تہذیب کے ارتقا میں ہر دو لوازم نے ایک نمایاں حصّہ لیا ہے۔

**کاغذ** کاغذسازی اگرچہ ہنوز ایک دستکاری کی حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ اس کو ہر شخص یہ سیکھ کر انفرادی طور پر قلیل سرمایہ سے شروع کرسکتا ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کی یہ خواہش ہو کہ اسے کسی مل میں کوئی اعلیٰ جگہ مل جائے تو پہلے اسے انجینیرنگ اور ابتدائی کیمسٹری میں قابلیت پیدا کرنی چاہیئے۔

کاغذسازی کے کاروبار میں داخل ہونے کے لئے لڑکے کو قدرتاً ایسے اُمور کی طرف رغبت ہو تو بہتر ہے۔ اگر لڑکے کے مستقبل کے لئے صرف کاغذ کی تجارت ہی منتخب کی جائے تو کسی کاغذ بنانے والے کارخانہ میں بطور امیدوار کام سیکھنے کے لئے درخواست دینی چاہئے تاکہ طالب علم اپرینٹس کی حیثیت سے مل میں رہ کر کاغذ بنانے کے ابتدائی اُصولوں سے عملی واقفیت حاصل کرے۔ اس میں تقریباً دو سال لگیں گے۔ اس کے بعد امیدوار یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ آیا وہ اپنے سرمایہ سے اپنی ذمہ داری پر کاغذ بیچنے کا کام شروع کرے یا فرم مذکور کی ایجنسی لے کر اس کی طرف سے کاغذ کا کاروبار کیا جائے۔ کاغذ کی کسی بڑی مل سے ایجنسی ملنا امیدوار کی مالی حالت اور ذاتی اعتبار پر منحصر ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ جس مل میں کام سیکھا جائے اس کی ایجنسی لازمی طور پر لینی پڑے بلکہ ہر قسم کے کاغذ کا کاروبار آزادی سے اپنی ذمہ داری پر شروع کیا جاسکتا ہے اور مل متعلقہ سے بھی کاروباری تعلقات جاری کرلئے جائیں تو بہتر ہے۔ کاغذ کی ایجنسیاں بیرون ممالک کے کارخانوں سے بآسانی مل سکتی ہیں۔ غالباً اس موقع پر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ کاغذ کی صرف تجارت کے لئے کاغذسازی کے ابتدائی اُصولوں کو عملی طریقہ سے دو سال میں سمجھنا کیا ضرور ہے؟ لیکن ہمارا خیال ہے کہ اگر اس قسم کے کام میں خاطر خواہ کامیابی کی خواہش ہے تو اس کی ابتدائی عملی تعلیم ضرور حاصل کی جائے۔ اس خیال کی موافقت میں یہاں بحث کرنا فضول ہے۔ لیکن صرف ایک مثال ہماری رائے کی تائید کردے گی۔ فرض کیجئے بازار میں ایک نئے قسم کا کاغذ آیا ہے اور بہت مقبول ہو رہا ہے۔ اس کاغذ کی سول ایجنسی ملنا تو مشکل اور بعض حالات میں ناممکن ہوگی۔ اب اگر میاں مظفر کاغذسازی کے ضروری فن سے واقف ہیں تو یہ سوچیں گے کہ "آیا یہ کاغذ ہماری مل میں جس سے ہمارے کاروباری تعلقات ہیں بن سکتا ہے یا نہیں"؟ اگر اُن کی رائے میں بآسانی تیار ہو سکتا ہے۔ تو وہ فوراً اپنی مل کو فرمائش بھیجدیں گے کہ اس نمونہ کا کاغذ جلد سے جلد تیار کرکے بھیجدیا جائے کیونکہ اس قسم کا کاغذ ہمارے بازار میں بہت تیزی سے بک رہا ہے چنانچہ مل فوراً ان کی فرمائش کے مطابق کاغذ بنا کر بھیجدے گی۔ اس طرح میاں مظفر کو بھی اپنے حریف کے ساتھ ساتھ ہزاروں روپے کا فائدہ ہوگا مگر دوسرے کاغذ کے تاجر اس گُر سے چونکہ ناواقف ہوں گے اس لئے وہ اس موقع سے فائدہ نہ اُٹھائیں گے۔

اگر لڑکے یا والدین کا یہ فیصلہ ہو کہ اسے صرف کاغذسازی کے کاروبار میں ہی رہنا ہے تو لڑکے میں منیجری کے لئے قابلیت پیدا کرنی چاہیئے۔ اس مقصد کے لئے یہ بہتر ہے کہ یونیورسٹی میں کیمسٹری یا کیمیکل انجینیرنگ کی ٹریننگ حاصل کی جائے اور نصاب دکورس) وہ موزوں ہوگا جس میں کسی مل میں کافی وقت کاغذسازی کی عملی تعلیم کے لئے صرف کرایا جاتا ہے۔ انگلینڈ اور جرمنی کی

یونیورسٹیوں میں ایک طریقہ کا انتظام ہے جسے انگریزی میں Split apprenticeship system کہتے ہیں۔اس طریقہ میں طالب علم چھ ماہ کالج میں صرف ہوتے ہیں اور باقی چھ ماہ انجنیئرنگ شاپ میں جہاں وہ عملی تعلیم حاصل کرتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ یہاں ہندوستان کی کسی یونیورسٹی میں ایسا قاعدہ نہیں ہے جہاں کاغذسازی کی انجنیئرنگ عملی طور پر سکھائی جاتی ہو البتہ کلکتہ میں ایک یا دو ایسے پرائیوٹ ادارے ضرور ہیں جو مقررہ فیس لے کر امیدوار کو یہ صنعت عملی طور پر سکھاتے ہیں۔ان کے متعلق ہم فی الحال کوئی رائے نہیں دے سکتے۔ ہندوستان میں کاغذ کے کاروبار کا بہت وسیع میدان ہے اور یہاں کاغذسازی کی صنعت میں آثار حیات پیدا ہورہے ہیں اس لئے اگر اس صنعت کو سائینٹفک طریقہ سے یورپ میں بھی سکھایا جائے تو کسی پہلو سے فائدہ سے خالی نہیں۔ یہاں کاغذسازی کی ملوں میں یونیورسٹی کے مخصوص گریجویٹ کو معقول تنخواہ پر ملازمت مل جاتی ہے یا ذاتی مل قائم کی جاسکتی ہے۔

## مل میں عملی کام

اگرچہ انجنیئرنگ اور ابتدائی کیمسٹری کی ٹریننگ میں تعلیم بھی لازمی ہے۔ مگر یہ بھی ضروری ہے کہ عملی کام بھی سیکھے اور خود کرے۔ ولایت میں کاغذسازی کے مل کے مختلف شعبوں میں کام کرنے اور اُن کا عملی تجربہ حاصل کرنے کے لئے کم سے کم پانچ یا چھ سال درکار ہوں گے۔اس کے کچھ عرصہ بعد بطور مددگار مثلاً اسسٹنٹ جنرل ورکس فورمین" یا" فورمین انچارج مینوفیکچرنگ ڈیپارٹمینٹ" کا کام کرنا پڑے گا۔

جب طالب علم کاغذسازی کے جملہ اُصولوں سے بخوبی عملی طور سے واقف ہوجائے گا اور انجنیئرنگ وکیمسٹری کے اصولوں کی کتابی معلومات بھی حاصل کرے گا تو وہ مل کی مینیجری کی جگہ کے قابل ہوجائے اور اُسے باقاعدہ ڈپلوما مل جائے گا۔

جیسا کہ ابھی بتایا جاچکا ہے کہ کاغذسازی کی صنعت اور تجارت بہت پائدار اور وسیع ہے جن بچوں کی فطری رغبت انجنیئرنگ کی جانب ہے ان کے لئے بہت سے حالات میں اس میدان میں صرف انجنیئرنگ یا تجارت سے زیادہ دلکش مواقع ہیں۔کام بھی کافی دلچسپ ہے یا با دیگر الفاظ یوں کہنا چاہیئے کہ کام دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ مالی اطمینان بھی میسر ہے۔ملوں کے عملہ میں جو معمولی کارکن کام کرتے ہیں ان کو بھی قابلیت وکارکردگی کے لحاظ سے معقول اُجرتیں ملتی ہیں۔تجربہ کار اور اچھے کاریگروں کو عموماً ہاتھ سے جانے نہیں دیا جاتا۔مل کے مینیجر کی تنخواہ کا کوئی صحیح معیار نہیں بتایا جاسکتا۔کیونکہ فی الحال اس کا تعین یہاں موقع ومحل سے ہوتا ہے جیسا موقع ہوتا ہے ویسے ہی اُن کی ابتدائی تنخواہ ٹھہرتی ہے۔

ہندوستانی ملوں میں بہت سے مینیجر باقاعدہ سند یافتہ نہیں ہوتے بلکہ یہ قابلیت اور تجربہ کے لحاظ سے درجہ بدرجہ ترقی پاتے ہوئے اس جگہ پر پہنچ جاتے ہیں۔اکثر دیکھا گیا ہے کہ یہاں کاغذ اور کپڑے کی ملوں میں جو لڑکے بطور امیدوار یا مزدور ۴ یا ۵ روپیہ پر کام کرتے ہیں وہ اپنی کارکردگی کی قابلیت دکھا کر تیس چالیس سال کی عمر میں مستری (فورمین) اور مینیجر ہوجاتے ہیں جنہیں چار چار سو اور پانچ پانچ سو روپیہ تنخواہ ملتی ہے۔

## اسٹیشنری بنانا

جب کاغذ بنانے والا کاغذ تیار کر دیتا ہے تو اسٹیشنر کی باری آتی ہے۔اسٹیشنر کے لئے کاغذ کچا سامان کی حیثیت رکھتا ہے اس کا مل میں ہی یا بعض حالات میں اس سے علیحدہ ایک شعبہ ہوتا ہے۔مل کاغذ تیار کرکے اسٹیشنروں کو بھیجدیتا ہے اسٹیشنر اِن کو قسم وار ترتیب سے اپنے صیغہ میں رکھتے ہیں اور اُن کی نکاسی کی تدبیریں کرتے ہیں یعنی ڈسٹری بیوٹروں ایجنٹوں اور امپورٹروں کو روانہ کرتے ہیں۔اسٹیشنر کاغذ کے استعمال کی نئی تدبیریں سوچتا ہے جس طرح کاغذسازی کی صنعت میں پیپر مِلس انجنیئر کی حیثیت وقیع ہوتی ہے۔اسی طرح اسٹیشنری اس میں ایک نمایاں اور وقیع حیثیت کا مالک ہے۔اگر ابتدائی کیمسٹری میں کچھ معلومات ہے۔کم سے کم

کاغذ کی مل میں ایک سال گذارا ہے۔ تو اس قابلیت کے لئے نوجوانوں کے لئے اسٹیشنری کی جگہ بہت مفید ہے۔

بہرحال مینوفیکچرنگ اسٹیشنری کا کام بھی دوسرے کاروبار کی طرح بہت سے شعبوں میں تقسیم ہوگیا ہے جیسے (ا) ساخت (ب) انیشیئن Initiation (ج) بکری اور (د) حساب کتاب۔

(ا) ساخت کا شعبہ۔ اس شعبہ کے نوجوانوں کو اچھی طرح تعلیم یافتہ ہونا چاہیئے۔ میکانک معلومات اور تنظیم کی قابلیت بھی ضروری ہے پہلے اس جگہ کے امیدوار کو بحیثیت جونیر فورمین کام کرنا چاہیئے پھر پروڈکشن منیجر کی جگہ پر ترقی مل سکتی ہے جو اس شعبہ میں ذمہ داری کا عہدہ ہے۔

(ب) انیشیئن کا شعبہ۔ اسٹیشنری کو مقبول عام کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اُسے دیدہ زیب اور مختلف کاموں کے قابل بنایا جائے چنانچہ جب کاغذ تیار ہو جاتا ہے تو اسے مختلف طریقوں سے خوش شکل اور مختلف کاموں کے لئے قابل استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ کام ایسے شخص کے لئے موزوں ہے جو طبعاً بینڈ۔ لیبل بکس۔ خوبصورت الماریاں اور شو کارڈوں کے ڈیزائن بنانے میں لطیفی رغبت رکھتا ہو اور وہ کاغذ کی ضروریات روزمرہ مثلاً مٹھائی کپڑے کے پیکنگ میں استعمال ہونے کے لئے نئے نئے خیالات پیدا کرنے اور فینسی کاغذ کے دیگر استعمالات سوچنے کی اہلیت رکھتا ہو۔ اس شعبہ کا انچارج ہونے کے لئے امیدوار کو مصوری وغیرہ میں کافی درک ہونا چاہیئے اور بازار کی حالت سے بھی خبردار رہنا چاہیئے۔ اس میں کافی ترقی کی گنجائش ہے۔

**بکری کا شعبہ** اس شعبہ کا تعلق براہ راست خریداروں سے ہوتا ہے۔ اس میں داخل ہونے کے لئے لڑکی یا لڑکے (کیونکہ آج کل بکری کے کاموں میں لڑکیاں بہت مفید سمجھی جاتی ہیں بغیر پردہ نشین لڑکیوں کو اس سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے) کی تعلیم اچھی ہونی چاہیئے۔ اور عام معلومات بھی بڑھی ہونی چاہیئے۔ مادری زبان اور فی الحال انگریزی (لکھنے پڑھنے) میں بھی خاص طور پر معقول قابلیت ضروری ہے۔

**حساب کا شعبہ** اس شعبہ کے لئے حساب میں معقول مہارت ہونی ضروری ہے چونکہ صنعت و حرفت کے تمام قسم کے شعبوں میں مقابلہ سخت ہوتا ہے۔ اس لئے ان میں سائنٹیفک حساب کتاب رکھنے سے ہی اس طوفان کا مقابلہ ہوسکتا ہے۔ لڑکیاں آپریٹنگ اور کلکیولیٹنگ مشینوں پر کام کرنے کے لئے جگہ پاسکتی ہیں۔ اس شعبہ میں معمولی اور میکانکل دو قسم کے طریقے بک کیپنگ (حساب کتاب) کے عمل میں لائے جاتے ہیں جس میں صفائی صحت اور تیزی بہت ضروری ہیں یا بالفاظ دیگر یوں کہنا چاہیئے اس شعبہ کے لئے زیادہ تر ذہین لوگ موزوں ہیں۔

جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ ہندوستان کی کاغذ کی صنعت میں فی الحال کسی شعبہ کے کارکن کی تنخواہ کا تعین نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں قابل اور سند یافتہ ماہر بہت کم ملتے ہیں اس وجہ سے ان کی ترقی دیر میں ہوتی ہے۔ مگر جو کچھ بھی تنخواہ ملتی ہے وہ قابلیت اور تجربہ کے لحاظ سے معقول ہوتی ہے۔

ہندوستان میں گو کافی کاغذ کی ملیں نہیں ہیں۔ مگر جو کچھ بھی ہیں وہ تجربہ حاصل کرنے کے لئے کم نہیں ہیں اور چونکہ یہاں کاغذ کی صنعت کا مستقبل امید افزا ہے لہذا اگر نوجوان ابھی سے اس لائن میں داخل ہوجائیں تو آئندہ ان کو معقول ملازمت ملنے یا ذاتی کاروبار جاری کرنے میں آسانی ہوگی۔

**طباعت** ہماری تہذیب میں طباعت سب سے قدیم اور ایک بیحد ضروری فن ہے۔ فی الحقیقت اگر اس کو تہذیب کی "خودساختہ لونڈی" کہا جائے تو بیجا نہیں۔ اس فن سے ہر نوعیت کے شخص کو خواہ وہ مصور ہو یا میکانک یا سائنسداں، دلچسپی ہے۔

**طباعت** کے بہت سے طریقے ہیں۔ مغربی زبانوں کے کثیر الاشاعت اخبارات ایک دیوہیکل جیسے "روٹیری" Rotary پریس سے چھاپے جاتے ہیں جس میں کاغذ بڑی بڑی چرخیوں پر لپٹا ہوا ہوتا ہے اور جوں جوں کاغذ چھپتا جاتا ہے ساتھ ساتھ بقدر مکمل صفحات یا نقول کٹتا جاتا ہے۔ بعض مشینوں میں یہ بھی انتظام ہوتا ہے کہ صفحات اکھٹے ہو کر خود بخود سلتے بھی جاتے ہیں۔ بڑی بڑی کتابوں اور رسالوں کے لئے ہموار بیڈ Flate Bed مشینیں کام میں لائی جاتی ہیں۔ رنگین چھپائی جس میں پوسٹر بھی شامل ہیں انہیں مشینوں پر ہوتی ہے۔ روٹیری فوٹو گریور Rotary Photogravure اور آفسیٹ offset عہد حاضرہ کی طباعت کے فن کے ارتقائی اعمال ہیں۔ اس کے بعد "جابنگ" Jobbing کا میدان ہے۔ جاب پریسوں میں عموماً ہلکے کام مثلاً خطوط کے کاغذ۔ پروگرام پمفلٹ اطلاع نامے اور چھوٹے چھوٹے اشتہار اور ٹکٹ وغیرہ چھاپے جاتے ہیں۔ یہ پریس سستے ہوتے ہیں۔ اس لئے قلیل سرمایہ دار بھی یہ مشینیں منگوا کر چھوٹا سا چھاپہ خانہ کھڑا کر لیتے ہیں۔

تعلیم یافتہ مگر ذہین نوجوانوں کو طباعت کی صنعت سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ چھپائی اور اس سے تعلق رکھنے والی تجارتوں میں کثیر مواقع پوشیدہ ہیں۔ چھوٹے بڑے چھاپے خانوں میں قابل اور ہوشیار کاریگروں اور کارکنوں کی ہمیشہ مانگ رہتی ہے اور بڑے بڑے پریسوں میں تو اُن کو باوجود کم تعلیم یافتہ ہونے یا بالکل نہ ہونے کے معقول تنخواہیں دی جاتی ہیں حقیقت یہ ہے بہ نسبت دیگر صنعتوں کے کاریگروں کے پرنٹنگ پریسوں کے کاریگر زیادہ مشاہرے پا رہے ہیں اور ان کا مستقبل اس صنعت میں محفوظ ہے۔

طباعت کی صنعت میں مختلف کاموں کے بائیس ۲۲ صیغے ہیں لیکن یہاں ہم آپ کو خاص خاص شعبوں کے کاموں سے واقف کراتے ہیں۔

**کمپوزنگ** جب ٹائپوگرافی (ٹائپ کا کام) کے مطبع میں کام آتا ہے۔ تو پہلے اسے کمپوزنگ روم میں بھیجا جاتا ہے۔ یہاں ایک شخص ہوتا ہے۔ جسے "کمپوزیٹر" کہتے ہیں۔ اس کے پاس کچھ سامان ہوتا ہے جس میں دہات کے حروف جنہیں ٹائپ کہتے ہیں، قابل ذکر ہیں۔ یہ ٹائپ ایک بڑے کیس میں ہوتے ہیں جس میں مختلف بکس ہوتے ہیں۔ ہر بکس میں بہت سے حرف تہجی اور نشانات وہندسے وغیرہ ترتیب وار لگے ہوتے ہیں۔ کمپوزیٹر ان بکسوں سے حروف لے لے کر کاپی کے مطابق جو اسے دی جاتی ہے۔ ایک کشتی میں جماتا جاتا ہے جسے "کمپوز" یا "سیٹ اَپ" کرنا کہتے ہیں۔ جب کُل کاپی پوری ہو جاتی ہے تو یہ پڑھی اور درست کی جاتی ہے۔ یہ کاپی خواہ اخبار ہو یا کتاب یا چھوٹا سا کتابچہ ہو یا بڑی فہرست۔ اسی طرح اُس کے صفحہ کے صفحہ کمپوز کر کے اسی کی شکل وصورت میں بنا لی جاتی ہے۔ ٹائپ کا کمپوزنگ یا سیٹنگ بذریعہ مشین بھی کیا جاتا ہے جیسے مونوٹائپ لینوٹائپ۔ کیونکہ یہ بہت باریک ٹائپ ہوتے ہیں اور ہاتھ سے چننے (سیٹ کرنے) میں بہت دیر لگتی ہے۔ لیکن اصولاً کمپوزیٹر کی تعلیم ہاتھ کے کام سے شروع ہونی چاہیئے۔ جو لڑکے اس شعبہ میں داخل ہونا چاہیں۔ ان کی زبان متعلقہ مثلاً انگریزی اُردو یا ہندی یا کسی اور زبان میں جو ان کی مادری ہو کافی مہارت ہونی چاہیئے۔ نیز بول چال اور پنکچیوئیشن Punctuation (عبارت میں وقف وغیرہ کے نشانات لگانے کا عمل) بھی درست ہونا چاہیئے۔ یہ تمام باتیں زبان متعلقہ کے صرفی اور نحوی قواعد کا بغور مطالعہ کرنے سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ اس کام کے لئے زیادہ تر وہ لڑکے موزوں اور مناسب ہیں جنہیں زبان متعلقہ کے ادب سے تھوڑی بہت دلچسپی اور شوق ہو۔ کمپوزیٹر سے علاوہ کتابی اور اخباری کام کے اور بھی کئی ایسے کام متعلق ہوتے ہیں جن کے لئے زیادہ مہارت اور قدرے لطیفی قابلیت کی بھی ضرورت ہوتی ہے مثلاً اشتہارات سیٹ کرنا جسے "ڈسپلے ورک" بھی کہتے ہیں۔

**پروف ریڈری** جب کمپوزیٹر اپنا کام ختم کر دیتا ہے تو اس کام کو ایک دوسرے شخص کے پاس بھیجا جاتا ہے جسے "پروف ریڈر"

کہتے ہیں۔ پروف ریڈر کمپوزیٹر کی سیٹ کی ہوئی کاپی کی غلطیاں نکالتا اور ان کو درست کرتا ہے۔ یہ کام بہت قابلیت کا ہے۔ پروف ریڈر زیادہ تر کمپوزیٹر کے عہدہ سے ترقی پاتا ہے اور اس کو اچھی تنخواہ قابلیت کے لحاظ سے ملتی ہے۔ اس کام میں بھی ادب کا شوق اور متعلقہ زبانوں کی انشا پردازی کے قواعد سے کماحقہ واقف ہونا چاہیئے۔ یہ ضروری نہیں کہ صرف ٹائپ کے کام میں ہی پروف ریڈری کی ضرورت ہو۔ بلکہ پروف ریڈر کی ذات کل چھپائی کی صنعت میں ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ پروف ریڈری سے ملتا ہوا سنگ سازی کا کام بھی ہے۔ یہ لیتھوگرافی میں ہوتا ہے جس کا ذکر آگے کیا جائے گا۔ سنگ ساز پتھر یا دہات کی تختی پر جمی ہوئی کاپی یعنی عبارت کی غلطیاں درست کرتا ہے۔ اس میں اُلٹے حروف پڑھنے اور بنانے کی مشق کرنی پڑتی ہے۔

**مشین ورک** ۔ دوسرا مرحلہ سیاہی لگی ہوئی ٹائپ کی سطح پر کاغذ کو دبانا ہے جسے عام طور پر "چھاپنا" کہتے ہیں۔ یہ کام "مشین ورک" بھی کہلاتا ہے۔ اور اس کام کے کرنے والے کو "مشین مین" یا "پریس مین" کہتے ہیں۔ اس کام کے لئے بہت زیادہ ہوشیاری اور ہنر مندی درکار ہے۔ کیونکہ ذرا سی غفلت سے ناقابل تلافی نقصان ہوجاتا ہے۔ اس کام میں دو مرحلے خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ اول مشین کو فٹ کرنا اور اسے درست کرنا۔ دوسرے ٹھیک چھپائی کرنا۔ چھپائی کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے نقوش کی سطح سیدھی ہو اور نقوش دیکھنے میں ٹھوس صاف اور ہموار ہوں۔ جو لڑکے اس شعبہ میں داخل ہونا چاہیں، ان کی کلوں کی طرف رغبت ہونی چاہیئے اور اگر فوٹوگرافی ان کے ہنر میں شامل ہو تو اور بھی اچھا ہے۔

**فوٹو انگریونگ** ۔ لیٹر پریس پرنٹنگ میں ایک ضمنی شاخ تصویروں کے بلاک بنانے کی ہوتی ہے جسے "فوٹو انگریونگ" یا "فوٹو پراسس ورک" کہتے ہیں۔ یہاں بلاک بنانے کا کام مختلف مراحل سے گذرتا ہے۔ یہ مراحل مثلاً تصویر کے نگیٹو کو دہات کی تختی پر چھاپنا۔ کھودنا۔ بحال کرنا اور پروف لینا وغیرہ مختلف شعبوں میں رے لئے جاتے ہیں۔ اس شاخ میں دلچسپی لینے والے لڑکے لطیفی ذوق رکھنے والے ہونے چاہئیں۔ اور اس کام کے اعلیٰ مراحل طے کرنے والے کارکنوں خصوصاً بلاک کے لئے رنگین تختیاں (پلیٹیں) تیار کرنے والوں کو رنگ کا احساس اور اس کے متعلق پوری معلومات ہونی چاہیئے۔

**لیتھوگرافی** ۔ طباعت کی صنعت کی ایک دوسری اعلیٰ مگر نہایت کارآمد شاخ لیتھوگرافی ہے۔ اس میں چھپائی ایک ہموار اور سپاٹ چکنی سطح سے (خواہ پتھر کی ہو یا دھات کی) کی جاتی ہے۔ یہ کام بہت وسیع ہے اور مختلف شعبوں میں تقسیم ہوگیا ہے۔ مگر دو خاص کاموں کے شعبے ایسے ہیں جو لیتھوگرافی کے لئے بہت ضروری ہیں۔ پہلا لیتھوگرافک آرٹسٹ کا۔ یہ شخص کوئی خاکہ یا تصویر براہ راست چکنی اور ہموار سطح مثلاً پتھر یا دہات کی پلیٹ پر کھینچتا اور اس میں رنگ آمیزی کرتا ہے جس سے بالعموم رنگین یا مونوکروم چھپائی حاصل کی جاتی ہے۔ اس کام کے لئے مصوّر (آرٹسٹ) اپنے فن میں غیر معمولی تعلیم یافتہ۔ تجربہ کار اور قدرتی لطیفی ذوق رکھنے والا ہونا چاہیئے۔ اور رنگوں کی معلومات میں بھی دلچسپی رکھتا ہو۔ پہلے لیتھوگرافی کا آرٹ کا کام بہت کچھ ہاتھ سے کیا جاتا تھا لیکن اب زیادہ تر عکاسی (فوٹوگرافی) سے انجام دیا جاتا ہے۔ اس عمل میں فوٹوگرافر اس کام کا جسے چھاپنا مقصود ہے۔ پہلے لیتا ہے پھر اس عکس یا نقل کو سنگِ طباعت یا لیتھو پلیٹ پر بذریعہ عکاسی اُتار دیتا ہے اور پریس مین اس کو حسب معمول چھاپ دیتا ہے۔

**دوسرے لیتھوگرافک پرنٹر کا** ۔ اس کاریگر کے شعبہ میں معمولی ٹائپوگرافی کے طریقہ سے جس کا اوپر بیان ہوچکا ہے پتھر یا دہات کی پلیٹ پر سے کاغذ پر چھپائی کی جاتی ہے۔ یہ لیتھوگرافی کا سادہ طریقہ کہلاتا ہے اور سستا ہونے کی وجہ سے قریب قریب ہر معمولی سرمایہ کا شخص ایک لیتھو پریس قائم کرسکتا ہے۔ چند سال سے طباعت کی اس شاخ میں کافی ترقی ہوگئی ہے اور ایک

بڑی مقدار میں کام عمل آفسٹ Offset Process سے انجام دیا جاتا ہے جو لیتھوگرافی کی ایک آسان سستی اور ارتقائی صورت ہے۔ اس جدید طریقہ میں سیاہی لگے ہوئے نقوش یا عبارت ربڑ کی چادر پر جو ایک بیلن پر لپٹی ہوئی ہوتی ہے منتقل کی جاتی ہے۔ جب کاغذ نیچے رکھ کر بیلن کو چلایا جاتا ہے تو بیلن کا غذ پر وہ عبارت اُتارتا چلا جاتا ہے۔ اس کام کے امیدوار یا طالب علموں کو کلوں اور کیمسٹری کی طرف رغبت ہونی چاہیئے کسی زمانہ میں لیتھوگرافی بھی کیمیکل پرنٹنگ کہلاتی تھی کیونکہ اس میں دواؤں سے بہت کام لینا پڑتا تھا۔ مگر اب یہ کوشش کی جارہی ہے کہ آسان اور کم خرچ طریقے عمل میں لائے جائیں اور کیمیاوی طریقوں کو حتی الامکان چھوڑا جائے جن میں وقت اور روپیہ بہت صرف ہوتا ہے۔

**جلد بندی**۔ جلد بندی چھپائی کی صنعت میں ایک دوسرا صیغہ ہے جس میں چند سال سے میکانکی ترقی بہت زیادہ ہوگئی ہے۔ ایک زمانہ میں جب جلد بندی کا کل کام ہاتھ سے کیا جاتا تھا۔ اب وہی سب سوائے چند خاص کاموں کے کلوں سے انجام دیئے جاتے ہیں۔ کلوں سے جلد بندی کے لئے بہ نسبت دستی جلد بندی کے مختلف وضع کے کاریگروں کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ ہاتھ کے اور کلوں کے کام میں بہت فرق ہے۔ ایک پرانا دستکار جو دستی طریقہ سے کام کرسکتا ہے وہ کلوں سے نہیں کرسکتا اس لئے اس کو خاص اس مقصد کے لئے تیار (ٹرینڈ) کرنے کی ضرورت ہوگی۔

جلد بندی کی صنعت میں بھی کئی شُعبے ہیں۔ بہر حال جو لڑکے اس دستکاری یا کام کو سیکھنا چاہیں تو اس صنعت کے ہر شعبہ کے کام کو سیکھیں اور ایک یا دو درجہ کے کام تک محدود نہ رکھیں صنعتی درسگاہوں میں بالعموم اس صنعت کے دستی و کلی دونوں طریقوں سے واقف کرایا جاتا ہے۔ اس صنعت میں بھی جیسے کہ ظاہر ہے لڑکا فطری طور پر دستکاری خصوصاً کلوں سے رغبت رکھتا ہو تاکہ بوقت ضرورت کسی طریقہ کا محتاج نہ رہے۔

**محرری**۔ مطبع کے دفتر میں محرروں کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور جس قدر مطبع کا کام وسیع ہوتا ہے اتنی ہی اس میں دفتری نوشت خواند کی بھی ضرور ہوتی ہے۔ چنانچہ بڑے بڑے چھاپے خانوں کے دفتروں میں کم سے کم میٹرک پاس خصوصاً تجارتی مضمون میں ایف۔ اے پاس لڑکوں کے لئے گنجائش ہوتی ہے۔ اگرچہ براہ راست ہی محرر اور محاسب دفتر کے لئے منتخب کرلئے جاتے ہیں۔ مگر کسی دفتر میں کوئی آسامی حاصل کرنے کا ایک سہل طریقہ یہ ہے کہ وہاں کچھ عرصہ بطور امیدوار کام کیا جائے۔ امیدواری کے لئے جگہ خواہ کیسی ہی ادنی ملے۔ قبول کرنے اور اُس میں کام کرنے میں پس وپیش نہ کیا جائے۔ پھر درجہ بدرجہ کام کرتے ہوئے موجودہ قابلیت کے مطابق جگہ لے لی جائے۔ چھاپہ خانہ کے دفتر میں پہلے بطور اسسٹنٹ (مددگار) کام کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد حسب موقع آرڈر کلرک۔ کوسٹنگ کلرک۔ اسٹیمیٹنگ کلرک یا سیلزمین تک پہنچا جاسکتا ہے اس کے بعد ذمہ داری کے عہدے ہیں۔ مثلاً فورمین۔ اور سپرنٹنڈنٹ وغیرہ۔ جس آسامی کے لئے بھی امید ہو اس میں پہلے پوری قابلیت پیدا کرلینی چاہیئے جو وہاں آسانی سے پیدا ہوسکتی ہے پھر جگہ نہ ملنے کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔

**تعلیم کیسے حاصل کی جائے**۔ کسی صنعت کی تعلیم حاصل کرنے کا سستا طریقہ ایک یہ ہے کہ اس کے کارخانہ میں بطور امیدوار کام کیا جائے۔ امیدواری (اپرنٹس شپ) میں نہ تو اُمیدوار کو کچھ دینا پڑتا ہے اور نہ کارخانہ متعلقہ ہی کچھ لیتا ہے وہ اپنا کام امیدوار کو سکھانے کا معاوضہ بس اتنا ہی تصور کرسکتا ہے کہ اُمیدوار اس کی زیر ہدایت کام کرے جس سے اُس کو (کارخانہ کو) فائدہ ہو۔ بعض کارخانوں میں یہ قاعدہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے یہاں اُمیدواروں کو مکمل تعلیم نہیں دے سکتے۔ اس لئے وہ یہ سہولتیں رکھتے ہیں کہ ورک شاپ کا عملی تجربہ ضمنی طور پر میکانکل اسکول کی مخصوص جماعت میں حاصل کرایا جائے۔ چنانچہ امیدواروں کو ہفتہ کے خاص خاص اوقات میں ٹیکنکل درسگاہ

میں بھی بھیجا جاتا ہے۔ مگر یہ انتظام تو ابھی خال خال ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں ہے۔ عموماً ہر شہر کے بڑے بڑے چھاپے خانوں میں ہوشیار اور ذہین امیدواروں کو معمولی کام سیکھنے کے موقعے حاصل ہو جاتے ہیں۔

دوسرا طریقہ صنعتی درسگاہ میں باقاعدہ داخل ہو کر کام سیکھنے کا ہے۔ یہاں تمام کام اُصول سے شروع کرایا اور سائنٹفک طریقہ پر ختم کرایا جاتا ہے۔ اس میں تمام اخراجات طالب علم کے ذمہ ہوتے ہیں۔ چھپائی بلاک بنانے اور جلد بندی کی تعلیم کے لئے ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں نجی اور سرکاری درسگاہیں کھلی ہوئی ہیں جن میں زیر بحث صنعتوں کی مکمل تعلیم دی جاتی ہے۔ جن میں سے ہم صرف اپنے صوبہ کے گورنمنٹ آرٹ کرافٹ اسکول لکھنؤ کا ذکر کافی سمجھتے ہیں۔ اس اسکول میں ہر سہ صنعتوں کی تعلیم الگ الگ دی جاتی ہے یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص چھپائی بلاک سازی اور جلد سازی تینوں صنعتیں ایک نصاب (کورس) یا فیس میں سیکھ لے۔ ہر ایک صنعت کی خواندگی اور مدت تعلیم الگ الگ ہے اور اُن کو پورا کرنا لازمی ہے بغیر اس کے ڈپلوما نہیں مل سکتا۔ ہندی کا ہر ایک مذکورہ صنعت کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے میٹرک پاس ہونا ضروری ہے۔ مدت تعلیم ہر ایک خواندگی (کورس) کی دو سے چار سال تک اور فیس قیام طعام کا کُل خرچ پچیس روپیہ ماہوار ہے۔

**طباعت** ترقی کی ماں کہلاتی ہے۔ بلاشبہ دوسری صنعتوں کا فروغ بھی اسی صنعت پر ہے کیونکہ طباعت ہی مصنوعات کو خریداروں تک پہنچاتی ہے۔

ہندوستان میں بدقسمتی سے ایک یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ کوئی صنعت سیکھنے کے لئے علمی تعلیم کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ اس ملک میں صنعتوں کی ترقی نہ ہونے کی دیگر وجوہات میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ ہمارے کارخانوں اور صنعت گاہوں کے کام کرنے والے عموماً جاہل محض ہوتے ہیں۔ اور اُنہیں اپنے کام سے صرف اتنا ہی کام رہتا ہے کہ شکم پُری اور تن پوشی کے لئے کچھ پیسے مل جائیں۔ آگے ترقی کرنے کی ان میں کوئی خواہش یا جذبہ نہیں پایا جاتا۔ اور علم و معلومات کی فرومائیگی سے نہ ان کو ترقی کے قدرتی موقع ہی میسر ہوتے ہیں۔ ان حالات کے ماتحت ہماری جو جو صنعتیں پستی میں پڑی ہوئی ہیں۔ ان میں ایک طباعت کی صنعت بھی ہے۔ جرمنی انگلینڈ اور جاپان نے اس صنعت میں جو حیرت انگیز ترقیاں کی ہیں اور جو آئے دن نئے نئے طریقے وہاں ایجاد و اختراع ہو رہے ہیں وہ کسی ثبوت کے محتاج نہیں ہیں۔ ایک ہم ہندوستانی ہیں کہ کوئی نیا طریقہ یا نظریہ ایجاد کرنا تو درکنار ہم موجودہ رائج الوقت طریقوں اور عملوں میں بھی اچھی طرح ماہر اور اکمل نہیں ہوتے۔ چنانچہ یہ خیال نہ کیا جائے کہ طباعت کی صنعت میں داخل ہونے کے لئے صرف معمولی تعلیم کی ہی ضرورت ہے۔ ہرگز نہیں۔ واضح رہے کہ معمولی تعلیم سے میری مراد صرف مادری زبان یعنی ہندوستانی (اردو) نوشت و خواند ہے جو اس مقصد کے لئے کافی نہیں ہے میری رائے میں اس صنعت کے طالب علموں کا کم از کم علمی معیار میٹرک تک تو ضرور ہونا چاہئے۔ اور ان کی عام معلومات بڑھی ہوئی ہونی چاہئے۔ جس پر کامیابی کا انحصار ہے۔

**بیرون ممالک میں تعلیم** یہ ایک کُھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ہندوستان میں ابھی تک طباعت کی صنعت نے کوئی قابل ذکر ترقی نہیں کی ہے۔ یہاں کا بہت سا چھپائی کا کام جرمنی اور انگلینڈ اور جاپان جاتا ہے۔ اس طرح ہزاروں روپیہ صرف اسی مد میں باہر چلا جاتا ہے۔ اگر یہاں بمبئی و کلکتہ میں کچھ اچھے مطابع ہیں تو ان میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ تمام فرمائشوں کی وقت پر تعمیل کر سکیں چنانچہ انہیں مجبوراً بہت سا کام واپس کرنا پڑتا ہے یا دام اس قدر بڑھا کر کہتے ہیں جو بیرون ممالک کے پریسوں سے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ ان حالات میں یہ کہنا بیجا نہیں کہ ہندوستان میں طباعت کے کام کی بہت زیادہ گنجائش ہے اور اس کی اعلیٰ تعلیم کے لئے اگر یورپ یا جاپان جانے کی استطاعت ہو تو مطلق پس و پیش نہ کیا جائے۔ یہاں کے بڑے بڑے پریسوں میں ولایت کے سند یافتہ پرنٹر اور لیتھو گرافر کو ڈھائی تین سو سے کم نہیں ملتے

اگر خود اپنے سرمایہ سے کوئی بڑا مکمل پرنٹنگ ورکس جاری کیا جائے جس میں بہترین رنگین کام کا بھی انتظام ہو تو منافع کا تعین کسی صورت میں چار یا پانچ سو ماہوار سے کم نہیں ہوسکتا۔

**ولایت میں طباعت کی صنعت کی درسگاہیں**۔ یہ بتادینا ضروری ہے کہ بہ نسبت دیگر ممالک کے انگلینڈ کی تعلیم ہندوستانیوں کے لئے ارزاں پڑتی ہے اور وہاں ان کو بہت سی سہولتیں ملتی ہیں۔ برعکس اس کے جرمنی میں بیرون ممالک کے باشندوں سے چار گنی سے دس گنی تک فیس لی جاتی ہے۔ انگلینڈ میں طباعت کی صنعت مکمل طور سے سکھانے والے بہت بہت سے مدرسے اور ادارے ہیں جن میں سے چند کے پتے یہاں لکھے جاتے ہیں۔ ہماری رائے میں ایسی درسگاہ انتخاب کرنی چاہیئے جہاں طباعت کی جملہ شاخوں یعنی لیتھو گرافی آفسیٹ اور بلاک سازی وغیرہ کی مکمل تعلیم دی جاتی ہو۔ یا زیادہ سے زیادہ دو درسگاہیں منتخب کی جائیں۔ تاکہ ایک کی مکمل خواندگی ختم کرکے دوسری میں داخلہ کرایا جاسکے۔

1. School of Photo Engraving & Lithography, (L.C.C.) Bolt Court, London E.C.4
2. School of Printing (L.C.C.) 61, Stamford Street, London, S.E.1
3. British Federation of Master Printers, 7, Old Bailey London W.C.1
4. Institute of Production Engineers, 40 Great James St. London W.C.1

ان سب اداروں سے پراسپکٹس (قواعد وغیرہ) منگواکر مفصل حالات معلوم کئے جاسکتے ہیں۔ مزید مشوروں کے لئے ہائی کمشنر فار انڈیا لندن High Commissioner, Aldwych London W.C.2 سے خط و کتابت کی جاسکتی ہے۔ اگر آپ اسے لکھیں گے تو وہ آپ کی دلچسپی اور ضرورت کے لحاظ سے موزوں درسگاہ منتخب کرے گا۔ اور ولایت میں آپ کے لئے ہر قسم کی سہولتیں مہیا کرے گا۔

اگر جرمنی میں تعلیم حاصل کرنی مقصود ہو تو وہاں کی بہترین درسگاہوں کے پتے بھیجے جاسکتے ہیں۔ یہاں تمام پتے لکھنے کی گنجائش نہیں ہے۔ نیز وہاں کے ہائی کمشنر فار انڈیا مقیم برلن سے مفصل حالات منگوائے جاسکتے ہیں۔

سید رضا احمد جعفری

# دنیا کیا ہے؟

دوست! دنیا کیا ہے؟ اعمال کی کھیتی! جہاں تخم مصیبت بویا جاتا ہے جس کی آبیاری انسانی کشت و خون، ظلم و ستم اور ضمیر فروشی سے کی جاتی ہے۔ دوست! یہاں ایسے گندم نما جو فروش بستے ہیں۔ جو چاندی کے چند ٹکڑوں کی خاطر ضمیر کو فروخت کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے جن کے دل زر پرستی کی لعنت سے ایسے سیاہ ہوتے ہیں جیسے شب دیجور۔ یا یوں کہو کہ یہ خود غرضی کا بحر ذخار ہے جو نہنگوں سے پر ہے اور جس کی خوفناک موجیں سادہ لوح انسانوں کو آن واحد میں فنا کے گھاٹ اتارنے کے لئے ہر دم مچلتی رہتی ہیں۔ دوست! یہ گناہوں کا مسکن اور ظالموں کا گھر ہے۔ جہاں ایسے بیدرد اور سفاک صیاد رہتے ہیں جو بے زبان طیور کے پر نوچ کر ان کے تڑپنے کا تماشہ دیکھا کرتے ہیں۔ اور ان کے دل ان کی اس سفاکی پہ ذرہ برابر نہیں پسیجتے۔ دوست! یہ بے بسوں پاکباز اور سادہ لوح انسانوں کے لئے جائے امن نہیں۔ آہ دوست! یہ ماحول کس قدر خوفناک اور المناک ہے۔ آہ اس کی فضا کس قدر مایوس کن ہے! یہاں بجز تفکرات اور عالم یاس کے کچھ نہیں۔ یہ حقیقی مسرت اور دائمی راحت سے یکسر خالی ہے۔

آنسہ ابراہیم (مدراس)

# عید قرباں

مُنعمو تم کو مبارک عیدِ قرباں کی خوشی
ہو اجازت تو کروں کچھ عرض میں بھی اس گھڑی

یہ بجا ہے تم کو مالک نے دیا ہے مال و زر
تم کو سامانِ مسرت ہے بہم آٹھوں پہر

ہر گھڑی لطف و مسرت رات دن عیش و نشاط
ارد گرد اپنے بچھا رکھی ہے عشرت کی بساط

شاہدِ مقصود کا ہر دم تمہیں دیدار ہے
بات اگر انصاف کی پوچھو تو سب بیکار ہے

تم مناؤ عید کی خوشیاں خوشی سے کام ہو
دوسرا بھائی تمھارا موردِ آلام ہو

سیکڑوں ایسے ہیں تن پر جن کے کپڑا تک نہیں
گھر میں فاقے ہو رہے ہیں پاس پیسہ بھی نہیں

یہ مقدر ہے جو وہ مجبور ہیں حیران ہیں
جیسے تم انسان ہو ویسے ہی وہ انسان ہیں

کوئی محوِ عیش کوئی موردِ آلام ہے
مُنعمو کیا حقِ ہمجنسی اسی کا نام ہے

عید کی خوشیاں منانے کا ہے تم کو حق جب ہی
اپنے بیکس بھائیوں کی دور کر دو مفلسی

حسبِ مقدور ان کی امداد و اعانت چاہیئے
اپنی عزت کے موافق ان کی عزت چاہیئے

خوش رہو تم بھی غریبوں کو بھی منواؤ خوشی
خوب دل جوئی کرو مٹھی میں رکھو اُن کا جی

دل بدست آور کہ حجِ اکبر است اے اہلِ زر
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است اے اہلِ زر

پاس ہمدردی خدا کا حکم ہے تاکید ہے
عید جو ایسی مناتے ہیں بس اُن کی عید ہے

دعا ڈبائیوی

(بقیہ صفحہ ۱۴۷)

درختوں سے خارج شدہ گیس کے علاوہ کبھی خود انسان یا حیوانات وغیرہ کی خارج کی ہوئی گیس باعث ہلاکت ہو جاتی ہے۔ بہت سے آدمیوں کو بند کمرے میں یا کسی تنگ و تاریک جگہ میں سونے سے منع کرنے میں بھی یہی حکمت ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی اخبار میں یہ خبر آئی تھی کہ ایک مسجد کے حجرے سے صبح کے وقت بجائے زندہ طلباء کے ان کی لاشیں برآمد ہوئیں۔ وجہ یہ ہوئی کہ طلباء نے ناواقفیت کی بنا پر رات کو حجرے کا دروازہ بند کر لیا اور سردی سے محفوظ رہنے کے خیال سے اندر کوئلہ زیادہ مقدار میں روشن کر کے سو گئے تھے۔ یاد رکھئے کہ سوتے وقت اگر کمرے میں چراغ یا لیمپ جل رہا ہو تو اُس کو یا تو گل کر دیجئے یا اُس کی بتی اس قدر کم کر دیجئے کہ گل ہونے کے قریب ہو جائے نیز کسی جانور مثلاً بلی کتے وغیرہ کو اپنے کمرے میں نہ سلائیے۔ آپ نے یہ بھی سنا ہوگا کہ بعض مسجدوں کے صحن کے حوض میں مچھلیاں پالی جاتی ہیں لیکن کسی دن مسجد کا خادم یا کوئی اور سادہ لوح نمازی آکر دیکھتا ہے تو چند یا سب مچھلیوں کو مردہ پاتا ہے اور اپنی ناواقفیت کے باعث یہ سمجھتا ہے کہ کسی نے زہر ڈال دیا حالانکہ واقعہ وہی ہوتا ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ اسی لئے جو لوگ واقف ہیں وہ اگر اپنے مکان کے صحن کے حوض میں بعض قسم کی خوبصورت مچھلیاں پالتے ہیں تو یا تو پانی بدلواتے رہتے ہیں یا اس میں چند سبز پودے بھی رکھتے ہیں تاکہ مچھلیوں کی خارج کردہ گیس وہ پودے جذب کر لیں اور ان کی خارج کردہ آکسیجن سے مچھلیاں زندہ رہیں۔

یہ تو وہ حکمت تھی جو نظام حیات سے متعلق ہے اس کے علاوہ اور بھی بے شمار فائدے ہیں۔ روئے زمین کی خوش رنگی سرسبزی شادابی اسی کی بدولت ہے۔ باغ و چمن کی بہار اسی کے دم سے ہے گھروں کی رونق اسی کے گملوں گلدستوں اور پھولوں پر زیادہ تر موقوف ہے۔ لکڑی عمارتی کاموں اور فرنیچر کے لئے کس قدر کارآمد شے ہے؟ بطور ایندھن کے بھی بے حساب کام آتی ہے۔ ہماری خوراک میں زیادہ تر نباتی اجزا داخل ہیں۔ غلے دالیں پھل میوہ بیج ساگ پات سب نباتی اجزا ہیں۔ لباس میں بھی ہم اکثر ونیشتر اسی کے محتاج ہیں نباتاتی پوست اور روئی کے باریک ریشوں سے کپڑا بنا جاتا ہے۔ دوا دارو کی طرف نظر کی جائے تو لاکھوں کروڑوں جاندار اسی میں اپنے دکھ کا علاج تلاش کرتے ہیں۔ جڑ پوست برگ بار پھول سب کے سب بیسیوں ترکیبوں سے دواؤں میں داخل ہیں۔ غرضکہ مفصل طور سے بیان کیا جائے تو دفتر کے دفتر بھی ناکافی ہوں اور پھر معلوم نہیں آئندہ سائنس کی ساتھ ساتھ اس کے کیسے کیسے خواص و فوائد ظاہر ہوتے جائیں۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے ؎ برگ درختان سبز در نظر ہوشیار + ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار۔

**بیگم حکیم محمد عزیز خاں** (جاورہ)

# پیدایش نباتات کی حکمت

نباتات کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس کی پیدایش میں قدرت کے بڑے بڑے راز مضمر ہیں۔ میں اس کے متعلق چند موٹی موٹی باتیں بیان کرتی ہوں جن سے ہماری زندگی کے بہت سے امور کم وبیش وابستہ ہیں۔

سب سے بڑا فائدہ جس کے بغیر ہماری اور تمام حیوانات کی زندگی محال ہوجاتی یہ ہے کہ نباتات سے ہوا کی صفائی کا توازن قائم رہتا ہے۔ اگر ہوا کا توازن قائم نہ رہے تو دنیا سے حیات بھی رخصت ہوجائے۔ حیات انسانی ہو یا حیوانی اس کے لئے ہوا کے جزو لطیف کی جس کو نسیم یا آکسیجن کہتے ہیں۔ سخت ضرورت ہے۔ ہوا میں معمولی طور پر تو کئی اجزا پائے جاتے ہیں لیکن اس کے اصلی اجزاء دو ہی ہیں ایک نائٹروجن دوسرا آکسیجن۔ آکسیجن نظام جسمانی میں عمل کرتا ہے جس کے نتیجہ میں ایک زہریلی گیس پیدا ہوتی ہے جس کو کاربن ڈائی اکسائڈ گیس کہتے ہیں۔ یہ دخانی چیز ہر وقت ہر جاندار کے جسم میں پیدا ہورہی ہے اور تنفس کے ذریعہ خارج ہورہی ہے اب خیال کیجئے کہ صفحہ ہستی پر کتنی جاندار مخلوق موجود ہے اور پھر اندازہ کیجئے کہ مجموعی طور پر کس قدر کثیر مقدار میں یہ زہریلی گیس ہر وقت ہوا میں مل رہی ہے۔ یہی نہیں بلکہ جانداروں کے علاوہ اور بہت سے ذریعے ہیں جن سے یہی گیس پیدا ہوتی ہے مثلاً آگ کی بھٹیاں۔ ریل۔ موٹر اور کارخانوں کے انجن وغیرہ۔ اگر اس گیس کی مقدار اسی طرح بڑھتی جائے تو ضرور ہے کہ ایک روز یہ گیس ہوا کی جگہ لے لیگی۔ اور پھر حیات کا دائرہ تنگ نہیں بلکہ مفقود کردے گی اور حیات سے قدرت کا جو کچھ منشا متعلق ہے وہ معدوم ہوجائے گا۔

اسی حکمت سے قدرت نے نباتات کو پیدا کیا ہے اور اس کے سپرد یہ کام کیا ہے کہ ہوا کی صفائی کا توازن قائم رکھے اور یہ کام اس طرح انجام پاتا ہے کہ نباتات اس زہریلی گیس کو جذب اور آکسیجن کو خارج کرتی رہتی ہے لیکن چونکہ نباتات میں بھی حیات موجود ہے جو نمود بالیدگی سے ثابت ہے اس لئے اعمال حیات کے نتیجہ میں کچھ مقدار اسی زہریلی گیس کی خود نباتات سے بھی اوقات مقررہ پر خارج ہوتی ہے اس کے خارج ہونے کا وقت مخصوص طور پر غروب آفتاب سے صبح صادق تک ہے اور وہ بھی ہوا کے سکون کی حالت میں۔ ورنہ اگر رات کے وقت ہوا تیز چل رہی ہو تو یہ عمل اخراج ملتوی ہوجاتا ہے۔ غالباً قدرت کا یہ قانون اس لئے نافذ ہے کہ ہوا کی تیزی سے یہ زہریلی گیس منتشر ہوکر حیوانات کو نقصان نہ پہونچائے۔ نیز یہ گیس نباتات سے خارج ہوکر سیدھی نیچے کی جانب رخ کرتی ہے اور درختوں کے نیچے ہی قیام کرتی ہے اسی وجہ سے رات کو درختوں کے نیچے رہنے سے منع کیا گیا ہے اور شام کے وقت درختوں کے پاس بچوں کو لے جانے سے منع کرنے میں بھی یہی حکمت ہے۔ درختوں کے نیچے اس کا اثر اس طرح بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک درخت کے نیچے دوسرا درخت بخوبی نشو ونما نہیں پاتا نیز درخت کے نیچے نیچے کی گھاس کو وہ چوپائے جو گھاس پر بسر کرتے ہیں نہیں کھاتے۔ غالباً ان کی قوت شامہ اس کے زہر کو محسوس کرلیتی ہے۔ اگر اس گھاس کو دوسری اچھی گھاس میں ملا کر دیا جائے تب بھی جانور اچھی اچھی گھاس چھانٹ کر کھالے گا اور اور باقی چھوڑ دے گا۔

(بقیہ بر صفحہ ۱۴۶)

# زینبؑ خاتون

حضرت زینبؓ جنابِ فاطمہؓ بنتِ رسولؐ خدا، اور حضرت علیؑ مرتضیٰ کی صاحبزادی تھیں۔ یہ اپنے بھائی بہنوں میں امام حسنؑ و امام حسینؓ سے چھوٹی اور حضرت کلثومؓ (جناب فاطمہؓ کی چھوٹی بیٹی) سے بڑی تھیں۔ آپ سوچ سکتی ہیں کہ جس بچی کی پرورش فاطمہؓ جیسی ماں کی آغوش میں، اور تربیت علیؑ مرتضےٰ جیسے باپ کے سائے میں ہوئی جس کے ساتھی حسنؓ و حسینؓ تھے اس میں کیا کچھ خوبیاں نہ ہوں گی۔

ایک مستند روایت ہے کہ حضرت زینبؓ کی پیدائش کے وقت جناب رسولِ خدا محمد مصطفےٰؐ بہت روئے۔ فاطمہؓ نے پوچھا "بابا آپ کے رنج و غم کی کیا وجہ ہے؟" حضور سرورِ عالمؐ نے فرمایا "بیٹی میں اپنی غم نصیب نواسی کی قسمت پر اشکبار ہوں۔ اس کی قسمت میں اول سے آخر تک صدمہ ہی صدمہ لکھے ہیں۔ کم عمری میں یہ نانا اور ماں کا صدمہ اُٹھائے گی۔ جوانی میں باپ اور بڑے بھائی کا غم سہے گی اور بڑھاپے میں تو تمام مصائب کا خاتمہ ہوگا۔ حسینؑ جیسے پیارے بھائی، بھتیجوں اور سارے خاندان کو اپنے سامنے قتل ہوتا دیکھے گی اور اپنے دو بیٹے بھائی پر قربان کرے گی" رسولِ خداؐ واقفِ اسرار تھے۔ آپ نے جو فرمایا تھا لفظ بلفظ صحیح ثابت ہوا۔ ننھی سی عمر میں بی بی زینبؓ کے سر سے شفیق نانا کا سایہ اُٹھ گیا۔ ابھی اس صدمہ نے سنبھلنے نہ دیا تھا کہ ماں کی محبت بھری آغوش سے محروم ہوگئیں۔ انتقال سے پہلے فاطمہؓ زہرا نے دونوں بیٹوں اور دونوں بیٹیوں کو اپنے پاس بلایا پیار کیا، گلے لگایا اور سب کو علیؑ مرتضےٰ کے سپرد کیا آخر میں حسینؑ کا ہاتھ پکڑ کر زینبؓ کے ہاتھ میں دیا اور کہا "زینبؓ میرا حسینؑ تیرے حوالے ہے" زینبؓ یہ سن کر تڑپ گئیں اور ماں کے گلے میں باہیں ڈال کر کہا "اماں یہ کیا کہا؟ آپ بدنصیب زینبؓ کا ہاتھ بھائیوں کے ہاتھ میں دیتیں نہ کہ بھائی کو بہن کے سپرد کرتی ہیں" جناب فاطمہؓ بیٹی کی یہ بات سن کر بے قرار ہوگئیں۔ اور بیٹی کو کلیجے لگا کر فرمایا "زینبؓ تو عمر میں چھوٹی مگر سمجھ اور مرتبہ میں بہت بڑی ہے۔ پیاری اب تو میری جگہ حسینؑ کی ماں ہے، میری جان حسینؑ سے کوئی چیز عزیز نہ کرنا"

زینبؓ نے ماں کے انتقال کے بعد فاقے کئے، ہر قسم کی تکلیف سہی مگر بھائیوں پر ہمیشہ پروانہ وار نثار رہیں۔ ان کی شادی حضرت جعفر (ابن عم رسولؐ اللہ) کے بیٹے حضرت عبداللہؓ سے ہوئی تھی مگر شادی کے بعد بھی بی بی زینبؓ کا یہ حال تھا کہ بھائیوں کی دم بھر کی جدائی گوارا نہ تھی۔ باپ کے شہید ہونے کے بعد زینبؓ کا حال ناقابل بیان تھا مگر بھائیوں کی وجہ سے اپنے صدمہ کو چھپاتی تھیں، ضبط کرتی تھیں اور ان کی دلجوئی میں لگی رہتی تھیں۔ جب بڑے بھائی امام حسنؑ کو ظالموں نے زہر دے کر شہید کر دیا تو چھوٹے بھائی کی محبت دس گنی بڑھ گئی۔ ہر وقت زینبؓ تھیں۔ اور امام حسینؑ کی خدمت اور اُن کے بچوں کی پرورش۔ امام حسینؑ کے منجھلے بیٹے حضرت علی اکبرؓ کو خود پالا تھا اور بھتیجے سے ایسی محبت تھی کہ اُس کے سامنے اپنے بچوں کی پرواہ نہ کرتی تھیں۔ رات کو علی اکبرؓ پھوپی کے سینے پر سوتے تھے اور عون و محمد (زینبؓ کے بچے) پہلوؤں میں۔

۶۰ھ میں جب امام حسینؑ نے یزید کے مظالم سے تنگ آکر اور کوفے والوں کے خطوط سے مجبور ہو کر کوفہ کی طرف روانہ ہونے کا ارادہ کیا تو زینبؓ سخت کش مکش میں گرفتار تھیں۔ اُدھر اُن کے شوہر عبداللہ بیمار تھے اور اِدھر حسینؑ سفر کرنے کو تیار۔ زینبؓ کو معلوم تھا کہ حسینؑ کی جان اس سفر میں سخت خطرے میں ہے۔ دل گوارا نہ کرتا تھا کہ بھائی کے ساتھ نہ جائیں ماں کی وصیت کا پاس، اپنی محبت سے مجبور۔ مگر شوہر کی اطاعت اور خدمت کا ورثہ فاطمہؓ زہرا سے ملا تھا یہ بھی نہ کر سکتی تھیں کہ بغیر ان کے حکم کے چلی جائیں۔ حضرت عبداللہؓ کو خود امام حسینؑ سے بہت محبت تھی اور اس کا سخت افسوس تھا کہ مصیبت میں حسینؑ کا ساتھ دینے سے مجبور ہیں۔ یہ بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ زینبؓ کی جان

حسینؑ ہیں بستی ہے۔ انہوں نے خود بیوی سے اصرار کیا "مجھے بیماری نے مجبور کر دیا ہے۔ اس لئے میں حسینؑ کے ساتھ نہیں جا سکتا مگر تم میرے بدلے میرے بچوں کو ساتھ لے کر امامؑ کے ساتھ جاؤ اور اگر میرے بھائی حسین پر کوئی بُرا وقت آکر پڑے تو سب سے پہلے میرے بیٹے حسین کے کام آئیں"۔

زینب بچوں کو ساتھ لے کر بھائی کے ساتھ روانہ ہوئیں۔ حسینؑ پہلے مکّہ شریف گئے ارادہ تھا کہ حج کر کے کوفے جائیں گے مگر یزیدی فوج وہیں جمع ہونے لگی۔ امام حسینؑ کو کعبے کی حرمت کا پاس تھا۔ مجبوراً آپ حج سے پہلے ہی کوفے کو روانہ ہو گئے۔ صحرا کا سفر گرمی اور وہ بھی عرب کی قیامت خیز گرمی، پانی کی قلت کس قدر مصیبت کا سفر تھا۔ زینبؑ کبھی بھائی کی لاڈلی بچی سکینہ کو کلیجے سے لگاتیں کبھی حسینؑ کے شیر خوار بچے علی اصغر کو آنچل سے ہوا دیتیں۔ کبھی بھاوجوں بھتیجوں کی دلدہی کرتیں اور کبھی علی اکبر و حسین و عباس کے دھوپ اور سفر کی تکلیفوں سے کملائے ہوئے چہروں کو دیکھ کر آنسو بہاتی تھیں۔

۶۱ھ محرم کی تین تاریخ کو حسینؑ کربلا کے بلا خیز میدان میں پہونچے۔ کیونکہ یزید کی فوج نے آپ کے ہمراہیوں کو گھیر لیا تھا کہ ہم کوفہ نہیں جانے دیتے۔ یا تو یزید کی بیعت کرو یا مرنے جینے کو تیار ہو جاؤ۔ کربلا پہنچ کر امام حسینؑ نے چاہا کہ نہر فرات کے کنارے خیمے لگائیں مگر یزیدیوں نے یہ بھی نہ مانا، اس وقت امام حسینؑ کے چھوٹے بھائی حضرت عباس کو جو بڑے بہادر جوان تھے غصہ آگیا اور قریب تھا کہ وہ شیر فوج اشقیا سے جنگ آزما ہو جائے مگر حسینؑ اور زینبؑ نے بمشکل اپنے بہادر بھائی کا غصہ دھیما کیا۔ اور صحرا میں خیمے نصب کئے۔ محرم کی سات تاریخ سے حسینؑ مظلوم پر پانی بند کر دیا گیا تمام نہر پر یزید کی دس بارہ ہزار فوج کا قبضہ تھا۔ کھانے کا ذخیرہ بھی ختم ہو چکا تھا۔ اسی طرح شب عاشورہ آن پہنچی۔ حسینؑ نے یزیدی فوج سے ایک شب کی مہلت مانگی تاکہ زندگی کی یہ آخری شب شب اور معبود حقیقی کی طاعت میں بسر کر لیں۔ تمام رات حسینؑ اور ان کے بہتر رفقا نے جن میں بوڑھے، جوان، لڑکے اور بچے سب شامل تھے، خدا کی عبادت میں گزاری۔ یوں تو زینب کا ہر منٹ حسینؑ کی خیر منانے میں گزرتا تھا۔ مگر یہ رات تو ایسی تھی کہ زینب کو سوائے حسینؑ کی سلامتی کے دعا کے اور کسی چیز کا ہوش نہ تھا۔ نماز فجر سے فارغ ہو کر حسینؑ خیمے میں تشریف لائے۔ بھاوجیں، بہنیں، بیٹیاں، بیویاں سب گرد جمع ہو گئیں۔ عاشق زار بہن بے قرار ہو کر بھائی سے لپٹ گئیں حسینؑ نے سب کو تسلی دی نصیحتیں کیں۔ اور باہر تشریف لائے۔ فوج اشقیا نے خیموں کی طرف تیر برسانے شروع کر دیئے۔ حسینؑ کے تمام رفقا ایک ایک کر کے امامؑ سے اجازت لیتے اور گھوڑے پر سوار ہو کر یزید کی فوج سے بہادری سے لڑتے اور بالآخر شہید ہو جاتے۔ یہاں تک کہ دوستوں کے بعد عزیزوں کی باری آئی۔ مسلم کے بیٹوں نے جان دی، عباس کے چھوٹے بھائیوں نے اپنے امام بھائی پر اپنے سر نثار کئے۔ میدان سے لاشوں پر لاشے آرہے تھے اور خیمے میں زینب مثل ماہی بے آب تڑپ رہی تھیں کہ سب عزیز رفقا حسین پر قربان ہو رہے ہیں اور میرے بچے چین سے بیٹھے ہیں۔ باہر عونؑ محمد جن کی عمریں گیارہ بارہ سال کی تھیں بار بار ماموں سے اجازت مانگتے تھے مگر حسین کو ان بچوں سے بہت محبت تھی ان کا دل گوارا نہ کرتا تھا کہ بیکس بہن کے بچوں کو دشمنوں میں بھیج دیں۔ عون و محمد خیمے میں آئے اور کہا "اماں ماموں جان لڑائی میں جانے کی اجازت نہیں دیتے آپ ہماری مدد کیجئے"۔ زینب نے دونوں بچوں کو لباس پہنایا اپنے ہاتھ سے ہتھیار سجائے اور کلیجے سے لگا کر کہا "میرے لاڈلو آج کا مرنا ہزار برس کے جینے سے بہتر ہے۔ اپنے ننھے ننھے ہاتھوں کا زور یزیدی فوج کو دکھا دو تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ حسینی فوج کے بچے بھی شیروں کے شیر ہیں"۔ یہ کہہ کر دونوں کو لئے بھائی کے پاس آئیں اور ان کے لئے رن کی اجازت مانگی حسینؑ نے کہا "ان کو کس دل سے میدان میں بھیج دوں"۔ زینب بھائی کے قدموں پر گر کر بولیں "بھیا زینب نادار ہے محتاج ہے ان دو بچوں کے سوا اور کچھ نہیں رکھتی حسین اور اُس کے بچوں پر یہ دو لال صدقے کرتی ہوں کہ ماں جائے کی بلا رد ہو"۔ حسین نے پیاری بہن کو گلے سے

لگایا اور کہا "زینب ان کا بیمار باپ جب ان کی موت کی خبر سنے گا تو اس کا کیا حال ہوگا"؟ زینب نے کہا "بھیا ان کے باپ نے خود ہی کہا تھا کہ میرے بچے حسین پر سب سے پہلے نثار ہوں"۔ حسین بہن کے اصرار سے مجبور ہو گئے اور بھانجوں کو گلے سے لگا کر رونے لگے۔ عون و محمد گھوڑوں پر سوار ہو کر میدانِ کارزار میں پہنچے اور ایسی شجاعت دکھائی کہ آج تک ان کا نام مشہور ہے۔ یہ سوچ کر حیران نہ ہوجیئے کہ دس گیارہ سال کے بچے بھلا کیا ہزاروں کی فوج سے لڑے ہوں گے۔ یہ ہندوستان کے بزدل بچے نہ تھے جو اس عمر تک اماں کی گود ہی میں رہتے ہیں۔ یہ عرب کے بچے تھے اور پھر اس خاندان کے بچے جس کی شجاعت کا سکہ تمام عرب میں چھایا ہوا تھا علیؑ جیسے بہادر کے نواسے تھے۔ جعفرؓ جیسے شجاع کے پوتے تھے۔ زینبؑ سی ماں کی گود کے پالے تھے۔ غرض کہ دونوں دل کھول کر لڑے اور خود بھی زخموں سے چور ہو کر شہید ہو گئے۔ حسین کی جان نثار بہن نے بیٹوں کی شہادت پر صبر و شکر سے کام لیا۔ اپنے کلیجہ پر صبر و شکر کی سل رکھی اور اس خیال سے کہ بھائی کو صدمہ نہ ہو ذرا بھی کمزوری نہ دکھائی۔ دل تڑپ رہا تھا مگر نہ آنکھوں میں آنسو تھے نہ لب پر آہ۔

عون و محمد کی شہادت کے بعد علی اکبر بھی شہید ہو گئے علی اکبر میں زینب کی جان اٹکی تھی اپنے بچوں سے زیادہ انہیں چاہتی تھیں۔ خیال کرنے کا مقام ہے کہ ایسی عاشق بہن جس نے اپنے لختِ جگر تک بھائی سے عزیز نہ کئے، جب اس کے لاڈلے، اکلوتے بھائی، نانا، باپ، ماں کی یادگار بھائی، گھر کے سردار بھائی کو اس کی آنکھوں کے سامنے ظلم و جفا سے قتل کیا گیا ہوگا تو اُن کا کیا حال ہوا ہوگا۔ شہادت سے پہلے امام حسین نے اپنے بچوں اور سب اہل حرم کو زینب کے سپرد فرمایا اور وصیت کی کوئی موقع ایسا نہ آئے جو صبر و شکر کو ہاتھ سے جانے دو۔ امام حسین کی شہادت کے بعد اہل بیت کے سر سے چادریں چھینی گئیں، خیموں کو لوٹا اور جلایا گیا ان سب کو ننگے اونٹوں پر سوار کر کے شانوں میں رسی باندھ کر کربلا سے دمشق تک لے جایا گیا۔ اس وقت زینبؑ اس لوٹے ہوئے قافلے کی سردار اور محافظ تھیں حسینؑ کے بڑے بیٹے حضرت عابد جو اس وقت سخت بیمار تھے اور شہید نہیں ہوئے تھے رانڈوں کے لٹے قافلے کے سارباں بنائے گئے تھے۔ بچوں کی خبر گیری، بھاوجوں اور سب بیویوں کی دلدہی، بیمار بھتیجے کی ہمت بندھانا زینبؑ ہی کا کام تھا۔ کربلا سے دمشق تک ہر ہر جگہ اور ہر ہر منزل پر زینب لوگوں کو حق کا پیغام سناتی تھیں اور ضبط و صبر دیکھ کر اور اُن کی فصاحت اور بلاغت سن کر سب لوگ حیران رہ جاتے تھے۔ سال بھر تک یزید نے حسینؑ کے اہل حرم کو قید رکھا۔ قید خانے میں ہی تڑپ تڑپ کر حسینؑ کی کمسن بچی سکینہ کا انتقال ہو گیا سال بھر بعد یہ لٹا ہوا قافلہ مدینہ واپس آیا۔

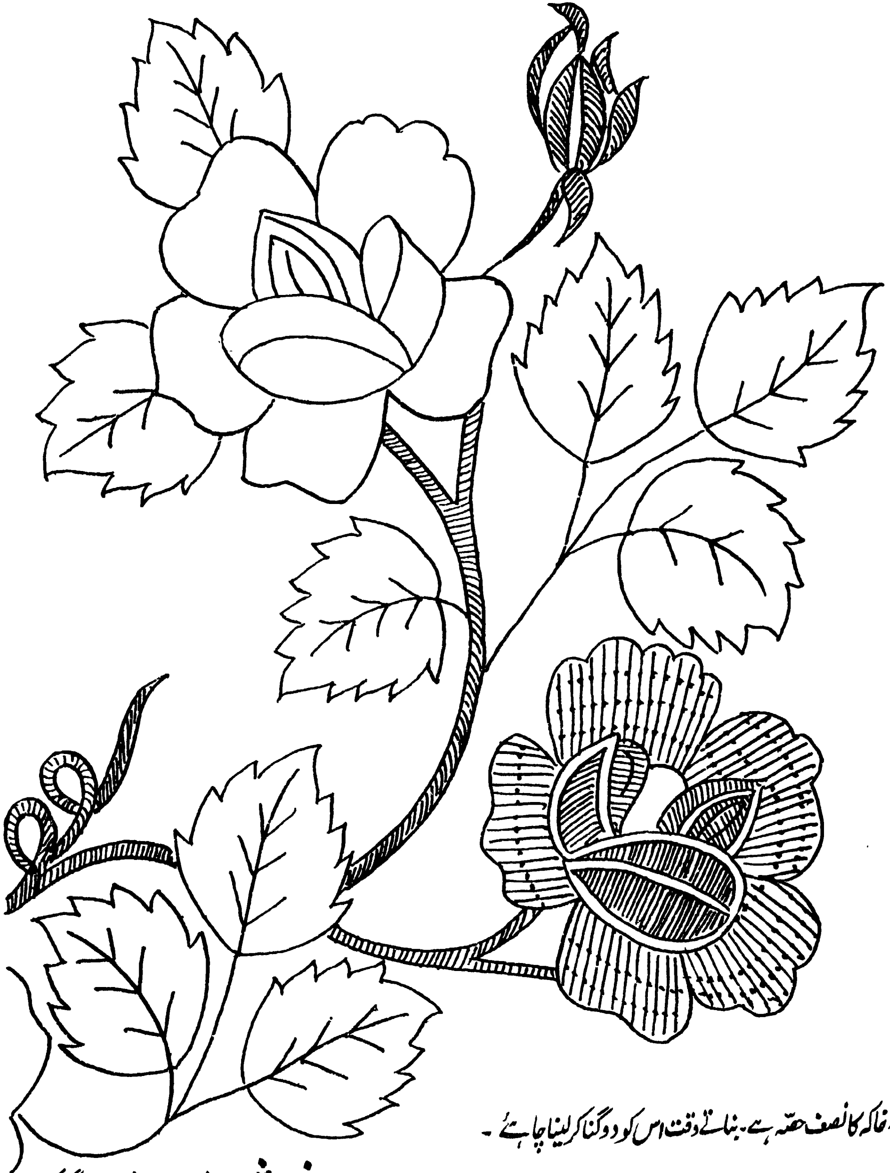
امام حسین کی شہادت کے دو تین سال بعد دوبارہ حضرت زین العابدین کو قید کر کے شام لے جایا گیا تو زینب بھتیجے کی اُلفت کی وجہ سے اور بھائی کی قبر کی زیارت کے اشتیاق میں ان کے ساتھ گئیں۔ شام کے قریب پہنچ کر زینب نے ایک باغ دیکھا جس میں ظالموں نے حسینؑ کا سر ایک درخت میں لٹکایا تھا۔ حضرت زینب اس باغ میں گئیں اور اُس درخت کے نیچے بیٹھ کر اپنے مظلوم بھائی کی مصیبتوں پر رونے لگیں۔ اُس باغ کا رکھوالا یزید کا آدمی اور خاندانِ رسالت کا دشمن تھا۔ اُس نے جو حسین کا نام سنا اور زینب کو پہچانا تو ایک بیلچہ لے کر وہاں آیا اور حضرت زینب کے سر پر ایک ایسی ضرب لگائی کہ آپ کا سر شق ہو گیا اور اسی وقت انتقال کر گئیں اور بھائی کی طرح درجہ شہادت حاصل کیا۔

آج ہم لوگ دنیا کی معمولی عورتوں کی قربانیوں کو سراہتے ہیں، جون آف آرک اور گریس ڈارلنگ وغیرہ کے کارناموں پر حیرت کرتے ہیں۔ لیکن اپنی ان بے مثال ہستیوں کے حالات سے بے خبر رہتے ہیں جن کی مثال نہ صرف عورتوں کے لئے نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ تمام دنیا کے لئے نمونہ ہے۔ خدا ہمیں توفیق دے کہ ہم ان کی مثال اپنے سامنے رکھیں اور ان کی زندگی اپنے لئے نمونہ سمجھیں۔

صالحہ عابد حسین


خوشنما منظر
یہ منظر تیار ہو کر دلفریب معلوم ہوگا
ہدہد کے رنگ سے بنائیے۔
صفیہ مس ایم اے رضوی

# گلاب کا مرکز



یہ خاکہ کا نصف حصّہ ہے۔ بناتے وقت اس کو دوگنا کر لینا چاہیے۔

خورشید بنت ایم۔اے انصاری۔ گورکھپور

# خانہ داری

جس میں سنگھار و آرائش بھی شامل ہے

**زکام میں سنگھار** زکام میں ایسے ہی جی خوش نہیں ہوتا۔ پھر بار بار چھینکیں آنے اور رومال سے ناک پونچھنے سے آنکھوں میں آنسو اور ناک کی نوک لال رہتی ہے۔ جس سے سنگھار بھی لاچار ہے۔ رومال سے پوڈر وغیرہ پونچھ جاتا ہے۔ سب کی نظر لال ناک پر پڑتی ہے۔ جو بُری سی معلوم ہوا کرتی ہے۔ ایک ماہر فن نے کہا ہے کہ کوئی عورت زکام کی حالت میں دلکش نہیں رہ سکتی۔

مگر سنگھار ی احتیاط کچھ دلکشی ضرور قائم رکھ سکتی ہے۔ اگر چہرہ اور بال درست رکھے جائیں تو طبیعت کیسی ہی بدمزہ ہو چہرہ ایسا درست رہ سکتا ہے کہ دیکھنے والوں پر اچھا اثر پڑے۔ بار بار رومال کی رگڑ سے ناک لال ہو جائے تو صبح کو مناسب سنگھار ضروری ہے۔ اس میں سنگھاری بنیاد کا خاص خیال رکھنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اس سے دن بھر میں بار بار سنگھاری درستی کی ضرورت نہیں رہتی۔ ناک کے لال حصہ پر ہاتھ کو تسکین دینے والا لوشن آہستہ آہستہ ملیں اس سے جلد میں ٹھنڈک پڑیگی اور یہ لوشن سنگھار کی مضبوط بنیاد کا کام دے جائے گا۔

زکام کی سوزش سے ناک زیادہ لال ہو رہی ہو تو باقی چہرے کے پوڈر کے مقابلہ میں گہرے رنگ کا پوڈر ناک پر لگائیں۔ اس سے سرخی چھپ جائیگی اور اس فرق کا اثر یہ ہوگا کہ نظر ناک کی بجائے زیادہ چہرہ پر جائیگی۔ روزمرہ کے مقابلہ میں ہونٹوں کی سرخی بھی گہری رکھنے سے ہونٹ ناک کی بجائے اپنی طرف متوجہ کریں گے۔

چھینکنے سے چونکہ آنکھوں میں پانی آجاتا ہے۔ اس لئے پلکوں کے سنگھار میں یہ احتیاط رکھیں کہ وہ چیز استعمال کی جائے جو آنکھوں میں جلن پیدا نہ کرے۔ کیونکہ پانی پلکوں میں لگ کر آنکھوں میں جا لگتا ہے۔ اس طرح پلکوں کی لگی ہوئی چیز آنکھوں میں سوزش پیدا کر سکتی ہے۔ پونچھنے کے لئے کپڑے کی بجائے کاغذ کا رومال استعمال کیا جائے۔ یہ صحت کے لئے بھی مفید ہے۔ اس کے نرم ہونے کی وجہ سے ناک پر زیادہ رگڑ نہیں ہوتی۔ رومال طرح طرح کے رنگوں کے ہوتے ہیں۔ لباس کے مطابق رنگین رومال استعمال کرنے سے رونق بڑھتی ہے سفید رومالوں کے مقابلہ میں ان کی طرف نظر کم جاتی ہے۔ ورنہ فوراً نظر ناک پر جا ٹھیرے۔

**جوتیوں کی احتیاط** بوٹ لیا جائے یا جوتی۔ دوکاندار کے اثر میں نہ آنا چاہیئے۔ وہ ہزار کہے کہ جوتہ ٹھیک ہے۔ اپنا آرام دیکھنا مقدم ہے۔ پہلے زمانہ میں جوتہ کی دوکانداری فن تھی۔ اب ہر شخص نے جوتیوں کی دوکان کھول لی ہے اور اُس کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جلد سے جلد جوتہ بک جائے۔ پہلے لوگ گاہک کو ناراض نہیں کرتے تھے۔ کام سے ایسے واقف ہوتے تھے کہ پاؤں کے عین مطابق جوتی دیدیتے تھے۔ خود ہی بتا دیتے تھے کہ یہ جوتی بعد میں تکلیف دے گی۔ اب تو دوکاندار کے کہے میں آؤ تو تکلیف اُٹھائی جائے گی۔ اگر اس کی رائے کے خلاف اس سے بحث کی جائے تو مفت کی لڑائی ہے!

درست جوتہ پاؤں کے ہر حصہ کو چھوئیگا۔ کسی جگہ ذرا سا بھی دباؤ نہ معلوم ہوگا۔ نادرست جوتہ پاؤں کے کسی نہ کسی حصہ سے الگ رہے گا۔ کسی جگہ دباؤ ڈالتا ہوگا۔ ایسے جوتے پاؤں کو طرح طرح کی تکلیفوں میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ جب کوئی آرام دہ جوتہ مل جائے تو بڑا آرام ملیگا۔

نوکر کے یہ کام سپرد نہ ہو خود جوتہ پر پالش کرنا چاہیئے۔ اس سے جوتہ خوش نما معلوم ہونے کے علاوہ زیادہ عرصہ چلے گا۔ عمدہ پالش خرید کے استعمال کیا جائے۔ بارش میں کوئی ربڑ کا جوتہ استعمال کیا جائے۔ تاکہ چمڑے کے جوتہ کی آب نہ جائے۔

بارش میں جوتہ پہننے کا اتفاق ہو اور کیچڑ لگ جائے تو انھیں یونہیں سوکھنے نہ رکھیں۔ کیچڑ دھو کر کسی کپڑے سے پونچھ

ڈالیں اور کلبوت پر چڑھا دیں۔ بشرطیکہ کلبوت میں ہوا آنے جانے کے سوراخ ہوں۔ ورنہ ردی اخبار ٹھونس دیں اور ہوا میں سوکھنے کے لئے رکھدیں آگ کے پاس ہرگز نہ رکھیں۔ سوکھ جانے کے بعد کوئی چکنی کریم لگائیں اور رنگ دار پالش کریں۔

بے کمائے چمڑے یا اوھوڑی کے جوتوں پر تاروں کا برش گول صورت میں کرنا چاہیئے۔ تاکہ گرد و غبار اور داغ دُور ہو جائیں پھر چمڑہ ایک سرے سے دوسرے تک انگلیوں یا کپڑے سے ہموار اور صاف کر دیا جائے۔

جوتہ کے تلے کے کنارے پالش لگا کے چمکا دیں۔ داغ دھبے ریگ مال یا کاغذ سے صاف کر دیں۔

## مہمان کی تمیز

پہلے زمانہ میں والدین اولاد کو دوسروں کے گھر جاتے ہوئے تمیز و سلیقہ سے رہنے کی بار بار تاکید کرتے تھے اور اُن کو وہاں بھی ہر وقت نظر میں رکھتے تھے۔ مگر اب مغرب کے اطوار نے ہماری ہر ایشیائی خوبی فضول قرار دے کر طاقِ غفلت و اغماض پر رکھ دی ہے۔

مغربی سنگھار نے میزبان کے لئے مشکلات کی صورتیں پیدا کر دی ہیں پہلے تو یہی تھا کہ یہ دِقّت ہوا کرتی تھی کہ مہمان بی بی نے پان کھایا۔ ہاتھ دھوئے یا نہ دھوئے انگلیاں تولیہ سے پونچھ دیں۔ بعض دفعہ یہ دھبے دھوبی سے بھی نہیں جاتے۔ کیسا ہی عمدہ تولیہ ہو انھیں خیال نہیں میزبان بچاری کے پاس مہمان کی اس بے تمیزی کی مستقل یادگار رہ جاتی ہے۔

آج کل یہ ہے کہ ہونٹوں پر لاکھے کی قلمیں پھیری جاتی ہیں۔ گالوں پر پوڈر ہے۔ تولیہ سے یونہی سا پونچھ دینا غضب ہے۔ کیونکہ ان میں ایسے اجزا ہوتے ہیں کہ ماہر سے ماہر دھوبی اُن کے داغ کپڑے سے دُور نہیں کر سکتا۔ ایسی شوقین مہمانوں کو چاہیئے کہ اپنے ساتھ کریپ ٹشو پیپر crepe tissue paper رکھیں۔ یہ کاغذی رومال کپڑے سے زیادہ آرام دہ ہوتے ہیں۔ میزبان بیبیاں اب ایسے کاغذ اپنے کمرے میں مہمانوں کے لئے رکھنے لگی ہیں۔ مگر مہمان بیبیوں کو اس اُمید پر کہ وہاں کاغذ کے رومال ہوں گے اپنے ساتھ کاغذی رومال نہ لانے کی ہرگز غلطی نہ کرنی چاہیئے۔

علاوہ ازیں میزبان کی سنگھاری میز پر آئینہ دیکھتے ہوئے ناخنوں کی چینی یا چینی دُور کرنے والا روغن یا دوسرے لوشن وغیرہ اندھا دھند بکھیر دیئے جاتے ہیں جن سے میز کا پالش خراب ہو جاتا ہے۔ اگر بکھر بھی جائے تو فوراً میز پونچھ دینا چاہیئے۔

ایک بیہودگی یہ عموماً دکھائی جاتی ہے کہ ہاتھ دھوتے وقت صابن اس طرح پانی میں ڈبو یا چھوڑ دیا جاتا ہے کہ غریب میزبان کا نقصان ہوتا ہے۔ اور وہ صابن یونہی پانی میں گھلا کرتا ہے۔ صابن لگانے کا یہ طریقہ نہیں کہ لگے پانی صابن پر ڈالنے۔ دھوئی تو جا رہی ہیں انگلیاں اور پانی ڈالا جا رہا ہے صابن پر۔ سبحان اللہ! کیا مزیداری ہے۔ حالانکہ ہاتھ پر پانی ڈال کے صابن مٹھی میں ایک دو دفعہ پھرانا کافی ہے۔ پھر صابن رکھ کے انگلیاں باہم ملئے۔ میل اور چکنائی دُور ہے۔ صابن کا خون بھی نہیں ہوتا۔

## پھولوں کی تازگی

بعض موسموں میں پھولوں کی افراط نہیں ہوتی۔ اس لئے پھول مشکل سے دستیاب ہوتے ہیں۔ اس کا بہترین علاج یہ ہے کہ جو پھول میسّر آئیں انھیں اس طرح رکھا جائے کہ دیر تک رہیں اور نئے پھولوں کی جلد جلد ضرورت نہ ہو۔ پھول علی الصباح تیز چاقو سے ترچھے کاٹے جائیں۔ اُس وقت پھول ٹھنڈے اور نمی سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ قینچی سے نہ کاٹیں کاٹتے ہی انھیں ایک گہرے پانی سے بھرے ہوئے برتن میں ڈال کے ٹھنڈی جگہ میں رکھ دیں۔ اگر کسی پھول والی سے انھیں جُھٹیوں میں میں لیا ہے۔ تو انھیں کھول کر اُن کی ڈنڈیاں سرے سے آدھ آدھ انچ اوپر ترچھی کاٹیں۔ ترچھے کاٹنے سے یہ فائدہ ہے کہ ڈنڈی کا زیادہ حصہ پانی کے سامنے کھلا رہتا ہے۔ ہر ایک پھول پھر پانی میں اس طرح ڈال دیا جائے کہ پانی اُن کے اوپر تک آ جائے۔ اور اسی طرح انھیں چند گھنٹے پڑے رہنے دیا جائے۔ پھولوں میں جان آ جائے گی۔ اور ڈنڈیاں سیدھی اور سخت ہو جائیں گی۔

گلاب کے پھولوں کے کانٹے دور کردیں اور نیچے ڈنڈی کے ایک انچ یا زیادہ حصہ کی چھال اُتار دیں اور بیچ میں چیر دیں۔ جب پھولوں کا گلدستہ بنانے لگیں تو وہ سب پتے جو پانی میں ڈوبے رہتے نظر آئیں دُور کردیں۔ اگر اُنھیں رہنے دیا گیا تو وہ گل کے پانی کا رنگ خراب کردیں گے۔ اور پانی میں مرجھائے ہوئے پتوں کے ذرّے بھر کے اسے گاڑھا کردیں گے۔ پھول گرمی کو پسند نہیں کرتے اس لئے ٹھنڈی سے ٹھنڈی جگہ میں رکھے جائیں۔ کیونکہ وہ اس سے مرجھا جاتے ہیں۔

## خانگی ٹوٹکے

فلالین کا کپڑا رات بھر ٹھنڈے پانی میں بھگوئیں۔ اس سے وہ سکڑے گا نہیں۔ پھر اسے گرم پانی میں دھوئیں اور ذرا سا سہاگہ پانی میں ملائیں۔ اس کے بعد ٹھنڈے پانی میں سے نکال کے ہوا میں سکھالیں۔ خفیف سی نمی رہ جانے پر اُلٹی طرف استری کردیں۔

اَنیمل (تمام چینی) کے صاف کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کسی پرچ میں ذرا سا تارپین ڈالیں اور چھوٹے سے کپڑے کے ٹکڑے سے سارے برتن پر تارپین لگائیں۔ اس کے بعد صابن اور گرم پانی سے رگڑ رگڑ کر دھو دیں۔ برتن کیسا ہی میلا کچیلا ہو نہایت صاف ہو جائے گا۔

اوکسالک ایسڈ (یہ زہر ہے) oxalic acid لگانے سے کپڑے سے لوہے کے زنگ کے داغ دُور ہو جاتے ہیں البتہ اس ایسڈ میں امونیہ کے پانی کا ہلکا محلول ملادیں۔ ورنہ ایسڈ کپڑے میں سوراخ کردے گا۔

گرم پانی سے نہانے سے پہلے چہرہ پر کریم لگالیں۔ گرم پانی کی بھپک سے مسام کھل جانے کی وجہ سے کریم جذب ہو جائے گی۔ بعد میں چکنائی دُور کرکے ٹھنڈے پانی کے چھینٹے دیں تاکہ تحریک پیدا ہو۔ چہرہ پر ہمیشہ نرم تولیہ استعمال کریں

میلا کچیلا سپنج پر کے اُٹھا اور ٹھنڈے پانی میں چند گھنٹے پڑا رہنے دیں۔ ٹھنڈے پانی کے بھرے ہوئے برتن میں دو چمچے پراکسائڈ Peroxide ڈالیں۔ پھر دو چار پانیوں سے سپنج دھو ڈالیں۔

ٹوٹا ہوا کنگھا یا کنگھی خواہ چند دندانے ہی رہ جائیں پھینک نہ دیں۔ برش دھونے کے بعد اس سے اس کے بال صاف کریں اس طرح جیسے سر کے بال صاف کئے جاتے ہیں

جوتہ بولتا ہو تو نمک اور پانی میں تلے ڈبوئیں اور السی کے تیل میں اس طرح ڈبوئے رکھیں کہ تلے بھیگیں۔ اوپر کا چمڑہ نہ بھیگے ورنہ پالش کرنا مشکل ہو جائے گا۔

بہت اچھے پالش کے اسباب پر چھٹے ہوئے باریک نشان پڑ جایا کرتے ہیں۔ یہ آخری جلا کے ناقص رہ جانے کی علامت ہے۔ کچھ اُبلا ہوا السی کا تیل linseed oil اس سے نصف لیموں کے عرق میں ملائیں اور کسی ملائم چیتھڑے سے رگڑیں۔

جی تھکا تھکا ہو تو گرم پانی کے گلاس میں ایک چمچہ کھانے کے نمک کا ڈال کے آہستہ آہستہ پئیں تازگی آجائے گی۔

ریشمی جرابیں آگ کے سامنے خشک نہ کریں۔ خراب ہو جائیں گی۔ ہوا میں سُکھائیں۔

لوہے پر عموماً زنگ آجایا کرتا ہے۔ شہد کی مکھی کا موم ململ کے ٹکڑے میں باندھیں۔ لوہا گرم کرکے اس گانٹھ سے رگڑیں اور پھر ایسے کپڑے سے رگڑیں جس پر نمک چھڑک لیا ہو۔ جب تک زنگ دُور نہ ہو یہ عمل جاری رکھیں۔

ترکاری اُبال کے چھلنی میں رکھ دیں۔ پانی گھل جائے گا۔ پھر تھوڑی دیر بعد ڈبل روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اس کے قریب ڈال دیں پانی سارے کا سارا جذب کرلیں گے اور ترکاری کے بھیگنے کی ضرورت نہ رہے گی۔

محمد ظفر

# مفید باتیں

ایک ضعیفہ لیڈی کے چہرے کی جلد بہت نرم و نازک تھی۔ اُن کی سہیلی نے حسن و نرمیٔ جلد کا راز دریافت کیا تو لیڈی صاحبہ نے حسب ذیل کیفیت بیان کی:- میں چھ بچوں کی ماں ہوں اور اس وقت میری عمر اٹھاون سال کی ہے ہمارے گھر کی آمدنی معمولی ہے۔ میں نے زندگی بھر میں کبھی چہرے کو خوبصورت بنانے والے روغن اور مسالے نہیں استعمال کئے۔ ایک بہت آسان اور معمولی تدبیر کو کام میں لاتی ہوں۔ آپ بھی سُن لیں۔ گھر میں روزانہ دودھ لیا جاتا ہے۔ پکانے سے جو ملائی دودھ پر آجاتی ہے۔ اُس میں سے صرف ایک چائے کا چمچہ بھر ملائی رکھ چھوڑتی ہوں۔ گھر کا کام کاج ختم کرکے سونے سے پہلے رات کو روزانہ گرم پانی سے منھ دھوکر یہ رکھی ہوئی ملائی میں آہستہ آہستہ چہرے پر مَل لیتی ہوں۔ اور اسی طرح سو جاتی ہوں۔ صبح کو اُٹھ کر منھ دھو ڈالتی ہوں۔ میری نرمی جلد کا بس یہی راز ہے۔

حال میں ایک رسالہ میں "لیموں کے فوائد" کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا ہے اُس میں یہ بھی مذکور ہے:

"ہسٹریا کے دورے خاص کر نوجوان عورتوں کے لئے جس قدر تکلیف دہ ہوتے ہیں۔ اُس کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ اس منحوس مرض کی وجہ سے ہندوستان کی لاتعداد عورتیں زندہ درگور ہورہی ہیں۔ جن لوگوں کو خدا نے مقدرت دی ہے وہ علاج میں روپیہ پانی کی طرح بہاتے ہیں۔ لیکن اُنھیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ قدرت کا سہل الحصول عطیہ لیموں ہسٹریا کے لئے بہت مفید چیز ہے۔ اس کا طریقہ استعمال یہ ہے کہ ایک رتی ہینگ بھون کر اس میں چھ ماشہ لیموں کا عرق ملالیں اور رات کو سوتے وقت استعمال کریں۔ اگر ایک ماہ تک برابر اسے جاری رکھا جائے تو ہسٹریا کی شکایت قائم نہیں رہ سکتی۔"

لیموں کے متعلق ہم ایک ذاتی تجربہ بیان کرتے ہیں جو اسی سال ہوا ہے۔ ہر سال برسات کے زمانے میں ہم کو فصلی بخار کی شکایت ہوجایا کرتی تھی۔ اس کی وجہ سے بعض اوقات کئی کئی ہفتے ورنہ متعدد روز تو اکثر پریشانی رہتی تھی۔ پچھلی برسات میں ہم نے لیموں اور پیاز کا استعمال حسب ذیل طریقہ پر کیا اور ہر سال کی تکلیف سے اب کی بار بالکل محفوظ رہے۔ ایک چھوٹی پیاز چھیل کر اور باریک باریک کتر کر اُس میں کاغذی لیموں کا عرق اپنی پسند کے بموجب تھوڑا سا ملا کر شام کے کھانے کے وقت کسی ہفتے میں روزانہ اور کسی ہفتے میں ایک ایک دو دو دن چھوڑ کر استعمال کرتے رہے۔ ہمارا خیال ہے کہ لیموں اور پیاز کو اس طرح باہم ملا کر استعمال کرنے سے گھر کے چھوٹے بڑے سب کو فائدہ پہنچ سکتا ہے

سفید ریشمی کپڑا بار بار دھونے سے بعض اوقات پیلا رنگ لے آتا ہے۔ اس زردی کو دور کرنے کی آسان حکمت یہ ہے کہ دھونے کے پانی میں تھوڑا سا دودھ شامل کرکے کچھ دیر کپڑا اُس میں پڑا رہنے دیجئے۔ پھر نکال کر دھو ڈالئے۔ کپڑا صاف ہوجائے گا۔

بعض ہندوستانی گھروں میں اُس طور کے کانٹے چھریاں وغیرہ ہوتی ہیں جو بالعموم انگریزی طریق پر کھانا کھانے میں استعمال ہوتی ہیں۔ یہ چیزیں ضرورت کے وقت کبھی کبھی نکالی جاتی ہیں۔ اور کم استعمال ہونے کی وجہ سے اکثر زنگ آلود ہوجاتی ہیں۔ اس خرابی کو دور کرنے کے لئے بعض لوگ یہ تدبیر کرتے ہیں کہ اُن پر ویسلین لگا کر رکھ دیتے ہیں۔ ایک اور حکمت یہ ہے کہ ہفتہ میں کم از کم ایک مرتبہ ایسی چیزوں پر پیاز خام اچھی طرح رگڑ دیئے اور کپڑے سے صاف کر ڈالئے۔ کبھی زنگ نہ آئے گا اور آب قائم رہے گی۔

ع۔ م۔ (بی۔ اے)

# سیر بین

## جوان بننے کا عمل

ڈاکٹر ورناف آدمی کے جسم میں سے پُرانے غدود نکال کے نئے لگا دیتا ہے اور آدمی کو پھر جوان بنا دیتا ہے۔ چنانچہ وہ خود ۷۱ سال کا ہونے کے باوجود ایک ۲۴ سالہ خوبصورت ویانا کی نازنین کا شوہر ہے۔ جس سے اُس نے ۴ سال ہوئے شادی کی تھی۔ اُس کے قول کے مطابق ۶۵ سال کی عمر میں غدودی پیوند لگنا مناسب ہے۔ دس سال تک آدمی اپنے آپ کو ۵۴ سال کا محسوس کرتا ہے۔ پہلے پیوند کا اثر زائل ہونے پر دوسرا لگایا جا سکتا ہے۔ ایک عالمِ طبعیات نے ۸۳ سال کی عمر میں غدود لگوایا اسے ۱۶ سال ہوئے اب وہ ۹۹ سال کا ہے اور وہ دو کتابیں لکھ چکا ہے۔

بندر آدمی سے دماغ اور خون میں بہت مشابہ ہے۔ اس لئے اس کے جسم کے اجزا انسانی جسم میں بخوبی چڑھائے جا سکتے ہیں۔ چار غدود بدلے جاتے ہیں جن میں دو نفسانی اور ایک دماغی اور ایک دلی قوتوں کو زندہ کرتا ہے ایک مجنون سے لڑکے پر ۱۹۱۵ء میں ڈاکٹر ورنوف نے عمل کیا۔ چونکہ بندر نہ ملا اس لئے گلے کا غدود اس کی ماں سے لیا گیا دو سال میں اس کا دماغ درست ہو گیا اور قد میں بھی چند انچ اضافہ ہو گیا۔ ڈھائی سال بعد ایک چمپانزی بندر کا گلے کا پورا غدود اس لڑکے کے چڑھایا گیا وہ لڑکا نو انچ اور بڑھا۔ اور اب بالکل تندرست اور صحیح الدماغ ہے۔ اس وقت اس کی عمر ۲۴ سال ہے پیانو کا اُسے خاص شوق ہے وہ خوب سوچ بچار کرتا اور بولتا ہے۔ اور ایک کارخانہ میں ملازم ہے۔ کل کا مجنون اس وقت ۵ فٹ ۸ ½ انچ کا مرد ہے۔

ڈاکٹر نے پہلے جانوروں پر اپنے عمل کئے ہیں ایک ۱۷ سال کا فرانسیسی سانڈ تھا جو نئے سانڈوں کے مقابلہ میں کمزور پڑ گیا تھا۔ اس کے بال بے رونق آنکھیں دھندلی سر جھکا ہوا تھا۔ وہ گلّے سے الگ رہتا اس کی جگہ جوان سانڈوں نے لے لی تھی۔ ۱۹۲۴ء میں اس پر عمل کیا گیا بارہ عربوں نے اسے دبایا تو اُن کی گرفت سے نکل نکل جاتا تھا۔ عمل کے تین ماہ بعد الجیریا کے مشہور مویشی گھر میں اپنے کام پر بالکل تندرست واپس آ گیا۔ اس کی آنکھیں اور بال چمک اٹھے ہیں اور خوب طاقتور ہے۔ تین سال بعد ۱۹۲۷ء میں اس کا غدود پھر بدلا گیا اور اس کی طاقت کا وہی عالم ہے۔

غدودی عمل کے لئے ضروری ہے کہ غدود بالکل مردہ نہ ہو گئے ہوں اگر محض کمزور ہو گئے ہیں تو بدلے جا سکتے ہیں ورنہ نہیں۔

## زہریلی ہوائیں

اب ہندوستان میں بھی زہریلی ہواؤں کے مقابلہ کی مشق کرائی جانے لگی ہے۔ جنگ کا ہر وقت خطرہ ہے تیاریاں ہر وقت ہو رہی ہیں زہریلی ہواؤں سے بچنے کے لئے برطانیہ کے مقابلے میں ہندوستان کا لباس مختلف ہے اور ہلکا ہے۔ اس پر بھی یہاں کی گرمی کی وجہ سے یہ لباس جسم کا ست نکال لیتا ہے۔ تمام جسم پانی پانی ہو جاتا ہے۔ یہ نقاب اُتارے گئے تو اُن میں سے پانی ٹپکا کپڑے پسینہ سے شرابور تھے۔ یہ لباس ۴۰ منٹ سے زیادہ نہیں پہنا جا سکتا۔ کیونکہ غیر محفوظ ہو جاتا ہے۔ اسے پھر صاف کیا جاتا ہے تاکہ استعمال کیا جا سکے۔ یہاں کی آب و ہوا میں آدھ گھنٹے سے زیادہ آدمی اس لباس میں کام نہیں کر سکتا۔ اسے دس منٹ بالکل آرام دینا چاہئے۔ ورنہ گرمی کا اثر ہو جانے سے مر جانے کا ڈر ہے۔ آدمیوں کو بہت محنت سے بچانا ضروری ہے تاکہ طاقت بنی رہے۔

زہریلی گیسیں چار قسم کی ہیں ایک سے چھالے پڑ جاتے ہیں دوسری سے خون میں زہر پھیل جاتا ہے وہ دھواں ہوتا ہے۔ تیسری سے آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں۔ چوتھی کا اثر پھیپھڑوں پر ہوتا ہے۔ اور آدمی کا دم گھٹ جاتا ہے لیکن ہندوستان میں استعمال نہیں ہو سکتی کیونکہ گرمی سے بہت جلد منتشر ہو جاتی ہے۔ رائی کی گیس خراب سے خراب حالت میں بھی قائم رہتی ہے۔ اور اسی کے مقابلہ کی مشق کی جا رہی ہے۔

ہندوستان کی گرمی کی وجہ سے مسام کھلے رہتے ہیں۔ زہریلی ہوا کا اثر فوراً ہوتا ہے اس لئے پانچ منٹ کے اندر بچاؤ کی تیاری ہونی چاہئے کوشش یہ ہونی چاہئے کہ اثر جلد کے نیچے نہ پہنچے اور چھالے نہ پڑیں۔ چھالا ہرگز نہ پھوڑیں ورنہ زہر باد ہو جائے گا۔ زہریلی ہوا کے سانس سے اندر چھالے

پڑجاتے ہیں جو خوراک پہنچنے سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ پھر مریض کو زہریلے مونیہ سے مرجانے کا کھٹکا ہوتا ہے۔ ایک دفعہ کے اثر ہوجانے سے جہاں دوسری دفعہ ایسی ہوا کی زد میں آدمی آیا تو اُسے زیادہ جان کا ڈر ہوتا ہے۔ مریض کے جسم سے رائی روئی سے ہٹا دینی چاہیئے۔ یہ روئی رائی کو گھول دینے والے مائع جیسے مٹی کا تیل، پٹرول، اسپرٹ میں ڈبونی چاہیئے۔ رائی ٹھنڈے پانی میں نہیں گھل سکتی۔ کسی پھائے استعمال کئے جائیں پھایا استعمال کرکے بالٹی میں ڈال دینا چاہیئے جس میں بلیچ پیسٹ موجود ہوگا۔ اگر یہ دوا موجود نہ ہو تو پتھر یا ملنے کے برش سے رائی کے مقام کو رگڑ دیں۔ ناک کان۔ گلے۔ سینہ اور مسوڑوں میں درد اور دل ڈوبنا اس گیس کے اثر میں آجانے کے علامات ہیں۔ روئی سوڈا بائیکاربونیٹ کے محلول میں ڈبو کر اس کے ذریعہ ناک میں پانی چڑھائیں۔ یا پیالہ میں سے سوڈے کا محلول ناک میں سانس سے چڑھائیں۔ اسی سے غرغرہ کریں۔

دم گھونٹنے والی گیس کا اثر بعد از وقت معلوم ہوا کرتا ہے۔ ذرا سی حرکت سے بھی موت واقع ہو سکتی ہے۔ سانس رُک جانے پر مصنوعی تنفس جاری کرنا چاہیئے۔ ڈاکٹر آکسیجن پہنچا سکتا ہے۔ مصنوعی تنفس میں پاؤں نیچے کرنے سے ہوا پھیپھڑوں میں چلی جائے گی۔ اور سر کے نیچا کرنے سے آنتوں کے دباؤ سے ہوا خارج ہوجائے گی۔

آنسوؤں کی گیس کا اثر آنکھوں سے دور کرنے کے لئے نمک کا محلول استعمال کریں ذرا سی بد احتیاطی موت کا باعث ہو سکتی ہے۔

دفاعی دستے راستوں کو صاف کرتے پھرتے ہیں۔ ایک نیزہ میں زرد کاغذ لگا ہوتا ہے وہ لال ہوجائے تو معلوم ہوجاتا ہے کہ اس مقام پر زہریلا بمب گرا ہے۔ دوائیں پھیلا کر بمب کا گڑھا بند کیا جاتا ہے۔ دوا چھڑکی جاتی ہے اور راستہ روک دیا جاتا ہے۔

## چودھرا قوم میں شادی

ضلع مانگرول (بڑودہ) کے آس پاس ایک قوم آباد ہے۔ جو چودھرا کہلاتی ہے یہ ایک سیدھی سادی جنگلی قوم ہے زمین کھودتے ہیں اور جنگلی جانوروں کا شکار کرتے ہیں۔ شادی ایک دوسرے کی پسند سے کی جاتی ہے شادی کے لئے بو تری وغیرہ بجائی جاتی ہیں۔ ان کے لئے ہفتوں پہلے سے مشق کی جاتی ہے۔ کیونکہ ان میں بڑے سانس کی ضرورت ہوتی ہے، لڑکا اپنی پسند کی خبر والدین کو کردیتا ہے۔ باپ گاؤں کے چند بڑے بوڑھوں کے ساتھ لڑکی کے گھر جاتا ہے اور اس کے باپ کو کچی بورا شراب کی دو بوتلیں پیش کرتا ہے۔ لڑکی کا باپ لڑکی سے پوچھتا ہے۔ اس کی رضامندی پاکر لڑکے کے باپ کے ساتھ بورا پھانک لیتا ہے۔ اور اوپر سے شراب پی لیتا ہے۔ جس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ پیام قبول کرلیا گیا۔ نسبت کا اعلان کرکے شادی کا دن مقرر کردیا جاتا ہے۔ ان لوگوں میں ہفتہ، اتوار، منگل کے سوا باقی دن مبارک سمجھے جاتے ہیں۔ اب تُرتیاں اور نفیریاں بجنی شروع ہوتی ہیں۔ شادی کی ساری رات بجائی جاتی ہیں۔ شادی کے روز لڑکا لڑکی کو اپنے اپنے گھر تیل اور اُبٹنے سے نہلایا جاتا ہے۔ اور دونوں اپنے اپنے اجداد کی مورتیوں کی پوجا کرتے ہیں۔ رات کو لڑکی والے لڑکی کے گاؤں میں لے آتے ہیں۔ ان لوگوں میں شادیاں ہمیشہ رات کو ہی ہوتی ہیں۔ پیتل کے بھاری زیورات لڑکیوں کے بدنوں پر ہوتے ہیں۔ کوئی کوئی چاندی کی زنجیر بھی ہوتی ہے۔ جس میں سکّے لگے ہوتے ہیں۔ لڑکی والے فوراً ہی کھانے پر بٹھا دیئے جاتے ہیں۔ لڑکی گھر میں کہیں چھپ جاتی ہے۔ لڑکے والے اُسے ڈھونڈھ نکالتے ہیں۔ اور اُسے لکڑی کی ایک چھوٹی سی تپائی پر بٹھا دیتے ہیں کچھ لوگ باہر ڈھول کی تھاپ پر ناچتے رہتے ہیں۔ اور فحش گیت گاتے بجاتے ہیں۔ لڑکی کے بال بڑی خوبی سے گندھے ہوتے ہیں اور آنکھوں میں نظر بد سے بچنے کے لئے کاجل لگا ہوتا ہے۔ لڑکے کی سہاگن بہن ایک کالے منکوں کی مالا اُس کے گلے میں ڈالتی ہے۔ اور چادر بھی اُڑھاتی ہے۔ پھر لڑکی کو کوٹھڑی سے باہر نکال کے وہی بہن اس کا پلّو لڑکے کے پلّو سے باندھ دیتی ہے۔ اس کے بعد ڈھول کی آواز پر ناچ ہوتا ہے۔ پھر لڑکی اُسی بہن کے اور لڑکا کسی مرد کے کندھے پر لے جائے جاتے ہیں اور شراب بانٹی جاتی ہے۔ اب عورتیں مردوں میں آشامل ہوتی ہیں اور فحش گانا زور شور سے ہوتا ہے۔ ڈھول اور ترتیوں کی آواز اس وقت گیتوں کے ساتھ بڑی ولولہ انگیز ہوتی ہے۔ اس وقت چاول کی سفید شراب پی جاتی ہے۔ اس وقت لڑکی والے گاؤں کے لڑکے سے ایک چٹائی منگواتے ہیں۔ لڑکا چٹائی لاکے معذرت کرتا ہے۔ کہ افسوس اس سے بہتر اسے نہ مل سکی۔ جو اُن کے لائق ہوتی۔ لڑکی والے

لڑکے والوں کو طعنہ دیتے اور بُرا بھلا کہتے ہیں کہ چٹائی ٹوٹی پھوٹی اور سڑی ہوئی ہے۔ کیا یہی وہ بستر ہے جس پر یہ غریب لڑکی لیٹا کرے گی۔ پھر وہ تمباکو مانگتے ہیں۔ کیونکہ ان لوگوں میں چھ برس کا بچہ تک حُقّہ پیتا ہے۔ اس میں بھی نقص نکالا جاتا ہے۔ اسی طرح نوک جھونک چلی جاتی ہے۔ پھر ناچ ہوتا ہے جس میں دولھا دُلہن بھی شریک ہوتے ہیں۔ یہ ناچ صبح تک ہوتا رہتا ہے۔ آخر سب تھک کے گر پڑتے ہیں۔ اگلے دن لڑکی اپنے گاؤں واپس چلی جاتی ہے۔ راستہ میں اُس کے گاؤں کا ہر آدمی اُسے سینہ سے لگا کے روپیہ پیسہ یا انگوٹھی پیش کرتا ہے۔ اس موقع پر لڑکی کو برابر روتے رہنا پڑتا ہے۔ دس پندرہ دن بعد دولھا آکے اپنی دُلہن کو لے جاتا ہے۔ طلاق آسان ہے۔ گاؤں کی پنچایت کو پانچ روپیہ دے کر تعلقات ختم کر دیئے جاتے ہیں۔ بال بچے باپ کو مِل جاتے ہیں۔

## سنتھال عورتیں

سنتھال ہندوستان کی قوم ہے۔ اس کی عورتیں زندہ دل اور آبنوسی ہوتی ہیں۔ ناک گُلگلاسی اوپر کو اُٹھی ہوئی۔ ہاتھ پاؤں چھوٹے چھوٹے۔ بال سیاہ اور گھونگریالے جن میں وہ پھول ٹانک لیتی ہیں۔ بہار اور اُڑیسہ میں رہتے ہیں مردوں سے عورتوں کی تعداد کچھ زیادہ ہے۔ اُن کی صحت اچھی اور جسم گٹھیلا ہوتا ہے۔ اس لئے اپنے مردوں کے ساتھ کھیتوں میں خوب ہاتھ بٹاتی ہیں۔ ان کی ساڑھیاں ذرا چھوٹی اور سُرخ کنارے دار ہوتی ہیں۔ اُسی کو کمر پر ڈال لیتی ہیں۔ باہیں اور کمر کا کچھ حصہ کُھلا رہتا ہے۔ باہنوں اور گردن میں بھاری پیتل کے زیورات پہنتی ہیں۔ ایک عورت کا زیورتوں کے دیکھا گیا تو ۷ اسیر نکلا۔ سنتھال مرد عورتوں کو متلوّن اور غیر ذمّہ دار سمجھتے ہیں۔ اس کی ہستی کچھ شادی کے بعد ہی قائم ہوتی ہے۔ لڑکے لڑکیاں ساتھ کھیلتے ہیں۔ کام کرتے ہیں۔ گاتے ناچتے ہیں۔ اُنھیں اپنی لڑکیوں پر اس قدر بھروسہ ہے کہ اگر وہ رات کے بارہ بجے بھی گھر آئیں تو اُنھیں ذرا شبہ نہیں ہوتا۔ عورتوں کو گانے کا بہت شوق ہے۔ وہ گلیوں میں ایک دوسرے کی باہوں میں باہیں ڈالے گاتی پھرا کرتی ہیں۔

شادی ایک دوسرے کی پسند سے کی جاتی ہے۔ برادری کے بڑے بوڑھے جمع ہوتے ہیں۔ لڑکا لڑکی مع اپنے والدین کے موجود ہوتے ہیں۔ اُن سب کے سامنے وہ اپنی پسند کا اظہار کرتے ہیں۔ لڑکا دُلہن کے باپ کو پانچ روپیہ دیتا ہے۔ اس کے بعد ایک تاریخ مقرر کر دی جاتی ہے اور جتنے دن ہوتے ہیں اُتنی ہی تاگے میں گرہیں ڈال دی جاتی ہیں۔ جنہیں دولھا روزانہ ایک ایک کر کے کھولتا رہتا ہے۔ شادی کے دن دولھا والے دُلہن کے گھر پہنچتے ہیں۔ اُن کے قائم مقام اُن کا استقبال کرتے ہیں۔ اور عورتیں ان سب براتیوں کے پاؤں دھوتی ہیں پھر طرفین دعوت میں شریک ہوتے اور گاتے بجاتے اور ناچتے ہیں۔ پچھلی رات کو دولھا کے دوست اُسے کسی چیز پر بٹھا کے دُلہن کے کمرے میں لاتے ہیں۔ دُلہن والے دُلہن کو ٹوکرے میں اُٹھاتے ہیں۔ دولھا دُلہن کے ماتھے پر سیندور لگاتا ہے۔ پھر دونوں دن بھر کے فاقہ کے بعد اُس وقت ساتھ کھاتے ہیں۔ یہ بڑی ضروری چیز ہے۔ اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ لڑکی میکے سے سسرال میں منتقل ہو گئی۔ کسی پروہت کی شادی میں ضرورت نہیں ہوتی۔ برات رخصت ہونے سے پہلے ایک بڑا بوڑھا دونوں کو مناسب نصیحتیں کرتا ہے کہ کھیل کود کا زمانہ گیا اب ذمہ داری کی زندگی شروع ہو گئی ہے دونوں دکھ درد میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں۔ اور کوئی رشتہ دار آنکلے اُس کی خوب تواضع کریں۔ ان لوگوں میں بچوں کی شادی نہیں ہوتی۔ طلاق بھی آسان ہے۔ عورت خطاوار ہو تو شوہر کو قیمت واپس دیدی جاتی ہے۔ عورت نے بدچلنی کی ہو تو دوگنی قیمت واپس کی جاتی ہے میاں کی خطا ہو تو یہ روپیہ ضبط کر لیا جاتا ہے۔ اس کے بعد ایک پتّہ پھاڑا جاتا ہے۔ گویا شادی ٹوٹ گئی۔ بچپن میں وہ والدین کی شادی کے بعد شوہر کی ملکیت ہوتی ہے۔ بیوہ ہونے پر وہ پھر میکے والوں کے قبضہ میں آجاتی ہے۔ میکے والے نہ ہوں تو وہ بے وارث دمردگاریوں ہی پھرا کرتی ہے اور اس کی کچھ عزت نہیں ہوتی۔ ورثہ میں کچھ نہیں ملتا البتہ باپ جو کچھ دیدے وہ اس کا ہو جاتا ہے۔ لاولد باپ ایسے آدمی کو تلاش کرتا ہے، جو پانچ سال اُس کے ہی گھر رہے۔ اُسے بیوی کے دام نہیں دینے پڑتے۔ مگر اس کی کمائی اُن کا ہی حق ہوتی ہے۔ اس میعاد کے بعد وہ جا سکتا ہے۔ خُسر کے مرنے پر ورثہ اس کی بیوی کو ملتا ہے۔ البتہ بیوی کے بعد بچے مالک ہوتے ہیں وہ صرف ایک طرح کا مزارعہ لیکن بیوی کا مالک ہوتا ہے۔ بیوائیں اپنی جائداد

منتقل کر سکتی ہیں لاولد بیوائیں بھی اپنے میکے میں واپس آجانے کے باوجود وارث ہوتی ہیں۔

**پھلجھڑیاں**

فرانس کی ایک ایکٹرس نے اپنی ٹانگوں کا تقریباً پونے تین لاکھ روپیہ (۲۰ ہزار پونڈ) کا بیمہ کرا رکھا ہے۔ اُسے اپنی خوبصورتی پر ناز ہے۔ اس بیمہ کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس کی ٹانگیں دنیا میں بیش قیمت ترین ہیں۔

سنہ ۳۶ء میں برطانوی ہند میں ۴۶ لاکھ موتیں ہوئیں جن میں ایک لاکھ ۶۰ ہزار ہیضہ سے۔ ایک لاکھ پانچ ہزار چیچک سے اور ۱۳ ہزار طاعون سے تھیں جنگ عظیم میں دس لاکھ جانیں تلف ہوئیں۔ ہندوستان میں ہر سال دس لاکھ آدمی دق سے مرجاتے ہیں سنہ ۱۹۱۰ء سے اس وقت تک ڈھائی تین کروڑ ہندوستانی اس مرض سے فوت ہوچکے ہیں۔

ایک انگریز سر والٹر کلینڈ نے جو ابھی مرا ہے۔ سات لاکھ روپیہ اپنے کل ترکہ کا پانچواں حصہ لنکا کے کالجوں میں بدھ مذہب کی تعلیم کے لئے وقف کیا ہے وہ خود بدھ مذہب کا پابند نہ تھا۔ مگر اس کا مداح ضرور تھا۔ ساری عمر دنیا کی سیر کرتا رہا۔

انگلستان کے سب سے کم عمر وزیر مسٹر میکڈونلڈ (۳۴ سال) ہیں۔ سب سے زیادہ عمر لارڈ موگھم (۷۲) ہیں۔ مسٹر چمبرلین کی عمر ۶۹۔ لارڈ رنسی مین ۶۷۔ سرجان سائمن ۶۵۔ لارڈ زٹلینڈ اور سر ٹامس انسکپ کی ۶۲ سال ہے۔ نو افراد ۵۰ اور ۶۰ سال کے درمیان ہیں۔ چار ۴۰ اور ۵۰ کے درمیان

اولمپیہ میں ایک نئی طرز کی نمائش ہو رہی ہے۔ جس میں عورت کی زندگی کی ہر دلچسپی اور اثر کا نمونہ دکھایا گیا ہے۔

لنکا میں ایک مچھلی پائی جاتی ہے۔ جو تالاب کے خشک ہونے کے وقت اس میں سے نکل کے دوسرے تالابوں میں زمین پر چل کے چلی جاتی ہیں۔ یہ سفر وہ رات کو اور کبھی کبھی علی الصبح جبکہ گھاس پر شبنم ہوتی ہے کرتی ہیں۔ لوگ اس وقت انھیں بخوبی پکڑ سکتے ہیں۔

# بچّوں سے گفتگو

بعض لوگ جب بچوں سے گفتگو کرتے ہیں تو خود بھی بچے بن جاتے ہیں۔ یہ طریقہ اچھا نہیں کیونکہ اس سے بچّوں کی تعلیم کو نقصان پہنچتا ہے مثلاً بچّے سے حرف "ل" "ر" "ق" وغیرہ صحیح طور پر ادا نہیں ہوتے۔ مثلاً وہ "ریل" کو "لیل" کہتا ہے۔ اب آپ اس سے گفتگو کرتے ہیں تو آپ بھی "لیل" کہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ حروف کا صحیح مخرج نہیں سیکھتا۔ بلکہ غلط تلفظ اس کے ذہن نشین ہوجاتا ہے۔ جب تک بچوں کو چھوٹے بڑے سے گفتگو کا امتیاز نہ ہوجائے اُس وقت تک انھیں آپ کہکر مخاطب کرنا چاہیئے۔ مثلاً آپ کو بچہ سے کہنا ہے کہ "تو کہاں جاتا ہے؟" یا "تم کہاں جاتے ہو؟" اس کی جگہ کہیے کہ "آپ کہاں تشریف لئے جاتے ہیں؟" چند سال کے عرصہ میں بچوں کی عادت راسخ ہوجائے گی۔ اور وہ سب کو آپ اور جناب کہنے لگیں گے اس کے بعد ان سے تم کہہ کر مخاطب ہونے میں مضائقہ نہیں۔

میں نے بعض گھرانوں میں دیکھا ہے کہ بڑی عمر والے آدمی بھی اپنے بزرگوں کو تم کہہ کر مخاطب کرتے ہیں اور اس کا سبب صرف یہی ہے کہ بچپن میں ان کی اچھی تربیت نہیں ہوتی۔ بچوں کے سامنے کوئی غیر مہذب بات نہ کہیئے فحش الفاظ استعمال نہ کیجیئے۔ ایسی گفتگو سے پرہیز فرمائیے جس سے انھیں جھوٹ اور غیبت کی عادت ہو۔ غصہ ہوکر انھیں غصہ کرنا نہ سکھائیے۔ ان کے سامنے سخت اور ناگوار لہجہ استعمال کر کے انھیں بد مزاج بننے کی تعلیم نہ دیجیئے۔

بچّوں کی ضد کا جواب ضد نہیں ہے۔ بلکہ چشم پوشی ہے۔ بچے نازک پھولوں کی طرح نرمی کے مستحق ہیں۔ ان کے ساتھ ہمیشہ شفقت اور محبّت کا برتاؤ کرنا چاہیئے۔ یتیم بچوں کے ساتھ جب آپ گفتگو کریں تو اپنے لب و لہجہ کو شیریں بنائیں۔ خفا ہو کر بلند آواز سے کچھ کہنے سے ان کا دل دکھیگا

ماجرہ بیگم (کانپور)

# بزمِ عصمت

بزمِ عصمت میں صرف وہی خطوط درج کئے جاتے ہیں (۱) جن میں نمبر خریداری کا حوالہ ہو (۲) خط بہت مختصر ہو (۳) وہی استفسار نہو جس کے جوابات عصمت میں بیسیوں مرتبہ شائع ہو چکے ہیں (۴) جس میں رسالہ کے انتظامی امور یا مضامین کے بارے میں کوئی بات نہ ہو (۵) علیحدہ کاغذ پر روشن سیاہی سے بنا بنا کر لکھا ہوا ہو ۔ ایڈیٹر

میں نہایت مسرت کے ساتھ لکھتی ہوں کہ میری دلہن ممانی صاحبہ اور عصمت کی مشہور مضمون نگار محترمہ شائستہ اختر بانو سہروردی بی ۔ اے مسز محمد اکرام اللہ صاحب ڈپٹی کمشنر لندن کو خدا تعالیٰ نے ۳۰ ۔ نومبر کو چاند سی دختر نیک اختر عطا کی دعا ہے کہ خداوند کریم بچی کو والدین کے زیر سایہ پروان چڑھائے ۔ آمین ۔ خدا وہ دن جلد لائے کہ ماموں صاحب و دلہن ممانی صاحبہ مع بچوں کے ہندوستان تشریف لائیں ۔ آمین

اس خوشی میں اپنے عزیز رسالہ کو ایک خریدار دیتی ہوں

محمودہ مہر بانو دختر محمد امین اللہ صاحب جبل پور

---

میری عزیز واقف کار محترم عصمتی بہنیں نہایت خوشی کے ساتھ یہ خبر سنیں گی کہ میرے خالہ زاد برادر عزیز شیخ سجاد احمد جان پلیڈر ایبٹ آباد کی شادی خانہ آبادی دختر زادی جناب خانبہادر ڈپٹی رحیم بخش صاحب محترمہ زاہدہ بیگم بنت شیخ محمد شریف صاحب پلیڈر جالندھر کے ساتھ مورخہ ۲۶ دسمبر کو نہایت تزک و احتشام سے کپورتھلہ ریاست میں سرانجام پائی ۔ دلہن نہایت فہیم و میٹرک پاس ہیں بہنیں دعا فرمائیں کہ دولہا دلہن کی اس نئی زندگی کا دور ہر طرح سے کامیاب و بامراد ثابت ہو اور یہ صحیح معنوں میں رفیق حیات کہلانے کے اہل ہوں ۔ آمین!

اس خوشی میں انھیں میں پرچہ عصمت کا خریدار بنا رہی ہوں ۔

گ ۔ ن ۔ بنت ڈاکٹر شیخ ابوالفضل کپورتھلہ

---

رسالہ عصمت نومبر سنہ ۱۹۳۶ء کے صفحہ ۲۴۲ میں چہرے کا ڈوال دور کرنے کا جو نسخہ شائع ہوا ہے ۔ اس کی دواؤں کو رامپور و مرادآباد دونوں جگہوں میں تلاش کیا گیا تو دوا فروشوں نے کہا کہ ہم ہیڈ رائن رومیکائنڈ کو نہیں جانتے کہ نہ معلوم یہ عرق ہے یا سفوف اور اس نام کی دوا ہمارے پاس موجود نہیں ہے اور ایمونیہ کی نسبت کہتے ہیں کہ اس کی چند قسمیں ہیں ۔ کیا بھائی محمد ظفر صاحب کسی دوا فروش کے پتہ سے مطلع کریں گے ۔

مس طاہرہ خورشید

---

ہمیں یہ معلوم کر کے بہت افسوس ہوا کہ عصمت و جوہر نسواں کی مضمون نگار بیگم قاضی حامد علی صاحب علی گڈھ کا ۔ اور دیوان زادی نادر جہان بیگم صاحبہ طاہرہ سیونی کی بھاوج محترمہ سراج دلہن بیگم نواب صاحب سیونی کے فرزند کا ۔ ( باقی ملاحظہ ہو صفحہ ۱۶۲ پر )

# دوربین

**دولھا کی موت** چین میں ایک چینی سپہ سالار کو محض اس وجہ سے گولی کا نشانہ بنادیا گیا کہ جنگ کے ایام میں اُس نے شادی کرلی اُس کا نام جنرل ونگ کاؤ نان تھا۔ وہ ننگ پو میں اسلحہ خانہ کا کمانیر تھا۔ یہ مقام شنگھائی سے تقریبًا سو میل دور ہے۔ پہلے تو شادی کے تیسرے دن اُسے برخاست کردیا گیا اور گرفتار کرلیا گیا۔ اُس پر یہ جرم قائم کیا گیا۔ کہ اُس نے جنگی قانون کی خلاف ورزی کی۔ جس کی رُو سے جنگ کے دوران میں شادی کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ اس پر فوجی عدالت بیٹھی۔ یہ بھی اس کے خلاف کہا گیا کہ چیانگ کے جنگی ہیڈ کوارٹر میں شادی کرنے کے بعد اُس نے ایک جہاز میں اپنی بیوی کو ننگ پو میں بھیجنے کا انتظام کیا تھا۔ اُسے فورًا ہی بعد میں کھڑا کرکے سپاہیوں کے ایک دستے نے گولیاں مار کے ہلاک کردیا۔

**محسودیوں کا اعلان** وزیرستان میں انگریزوں سے جو سرحدی جھڑپ ہورہی ہے وہاں کے ملکوں نے اعلان کیا ہے کہ اگر فلسطین کے معاملہ کا حل وہاں کے عربوں کے اطمینان کے مطابق نہ ہوا تو وزیرستان کی بے چینی زیادہ بڑھ جائے گی۔ وزیرستان کی جنگ خود برطانیہ کی حرکات کی وجہ سے ہے۔ جرگے والے ہرگز اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ انگریز ان کے ملک میں پیش قدمی کریں۔ اُن کا مسئلہ محض اقتصادی ہے۔ اور حملوں اور اغوا کے شکار وہی لوگ ہوتے ہیں جو مختلف طریقوں سے انگریزوں کی مدد کرتے ہیں۔ اس میں ہندو مسلمان کی مطلق تمیز نہیں کی جاتی۔ جو لوگ انگریزوں کی پیشقدمی کے حامی ہیں ہم ان کے بے حد مخالف ہیں۔

**اٹلی کی ٹیونس پر نظر** یورپ کی فضا صاف نہیں ہے۔ مسٹر چیمبرلین یورپ میں امن قائم رکھنے کے لئے تگ ودو میں مصروف ہیں۔ مگر اس کو کیا کریں کہ قدرتی طاقتیں یورپ کو متصادم دیکھنا چاہتی ہیں۔ دیر یا جلد ایسا ہونا ہے اطالیہ کے وزیر خارجہ کاونٹ سیانو نے اپنے ملک کی قدرتی آرزوئیں بیان کیں۔ جس پر جوش وخروش کا ہنگامہ برپا ہوگیا۔ اسی میں اُس نے کہا کہ ہمیں ٹیونس چاہیئے۔ اس پر فرانس میں دہشت طاری ہوگئی۔ ساتھ ہی ساتھ اٹلی نے اپنے حبش کے قبضہ کی بنا پر جبوتی پر جو فرانسیسی سومالی لینڈ میں واقع ہے۔ دانت تیز کرنے شروع کردیئے ہیں۔ گویا اٹلی فرانس کے دو مقبوضات کو ایک دم ڈکار جانا چاہتا ہے۔

ٹیونس کا معاملہ پُرانا ہے۔ ٹیونس ترکی ملکیت تھا۔ ترکوں کی طرف سے ایک حاکم رہتا تھا۔ ۱۸۶۲ء میں اٹلی نے وہاں ترقیات پر بڑی رقمیں صرف کرنی شروع کردیں۔ ۱۸۶۹ء میں ملک کا دیوالہ نکل گیا۔ اس طرح وہاں برطانوی فرانسیسی اور اطالوی افسروں نے ملکی اقتصادی انتظام کی نگرانی شروع کردی۔ اٹلی نے وہاں سڑکیں بنائیں۔ ریل خرید کے اسے بڑھایا۔ اندرون ملک میں تجارتی چوکیاں قائم کیں۔ اُس کے دماغ میں رومی سلطنت کے قیام کا خواب تھا۔ اُس وقت جرمنی پر بسمارک کا دور دورہ تھا۔ جرمنی فرانس سے السیس اور لورین ہتھیا چکا تھا۔ فرانس اس شکست کا غم محسوس کررہا تھا۔ بسمارک نے فرانس کا خیال جرمنی کی طرف سے ہٹانے کے لئے اُسے اُکسایا کہ ترکی محو خواب ہے اور پاش پاش ہوکے رہے گی۔ جرمنی کو نوآبادیوں کی ضرورت نہیں۔ فرانس کو بے وقت ہے ٹیونس دبالے۔ چنانچہ ۱۸۸۱ء میں اٹلی نے اچانک دیکھا کہ ٹیونس پر فرانس کا قبضہ ہے۔ اور جو اطالوی وہاں رہتے ہیں سب کے سب اطالوی رعایا بن گئے۔ ٹیونس معدنیات سے بھرا پڑا ہے۔ جست۔ سیسہ۔ لوہا وغیرہ وہاں بکثرت ہیں۔ علاوہ ازیں

ٹیونس جبل الطارق اور نہر سویز کے بیچ میں واقع ہے۔ سقلیہ (سسلی) کے ساتھ ٹیونس مل کر مشرقی اور مغربی بحیرہ روم میں سدِ سکندری قائم کردیتا ہے۔ اس کے علاوہ نو سو میل کا ساحل ٹیونس کو خاص اقتصادی اور سیاسی اہمیت دیتا ہے۔ اس طرح وہاں ایک عجیب صورت پیدا ہو گئی ہے۔ آج ۹۰ ہزار اطالوی ۹۰ ہزار فرانسیسیوں کے مقابلہ میں ڈٹے ہوئے ہیں۔ سنہ ۱۹۳۱ء میں ٹیونس کی دونوں قوموں کی آبادی اسی قدر ہے۔ عرب فرانسیسی حکومت سے کبھی خوش نہیں ہوئے۔ اٹلی کو وہ خوب آلۂ کار میسر آگئے۔ وہ انھیں بھڑکاتا ہے۔ فرانس وہاں بڑے ضبط سے کام لے رہا ہے۔ اطالویوں کے پروپاگنڈا کے باوجود جو سراسر فرانس کے خلاف ہے وہ اُن پر کوئی سختی نہیں کر رہا۔

## سیام کی ملکۂ حسن

سنہ ۱۹۳۸ء میں ایک ۱۸ سالہ لڑکی ملکۂ حسن قرار دی گئی ہے۔ اس کا نام ننگ ساؤ بسامائی ہے۔ اس مقابلۂ حسن میں ملک بھر کی لڑکیاں شریک ہوتی ہیں۔ اس سال ۸۰ میں سے ایک کمیٹی نے صرف ۱۶ رکھیں۔ ان میں سے آخری جانچ میں یہ لڑکی چنی گئی۔ ان لڑکیوں کو خاص سیام کا لباس پہننا پڑتا ہے۔ اور پوڈر اور روژ وغیرہ کے استعمال کی سخت ممانعت ہے۔ حسن کا مقابلہ قدرتی شکل و صورت میں کیا جاتا ہے۔ ایک لڑکی صرف ایک دفعہ ہی منتخب ہوتی ہے۔ اُسے ایک عظیم الشان مرصع و مکمل تاج ایک بڑا نقرئی پیالہ تقریباً ۱۸ سو روپیہ نقد اور بے شمار دوسرے انعامات جن میں بہت سے غیر سرکاری ہوتے ہیں دیئے جاتے ہیں۔ بہت سے جلسوں اور دعوتوں میں اُسے معزز مہمان کے طور پر مدعو کیا جاتا ہے۔ اور عام طور سے ایک اجاری کمپنی کے خرچ پر جاپان کی سیر کو بھیجی جاتی ہے۔ شادی کے مواقع اس کے لئے بہت شاندار ہو جاتے ہیں۔ صرف اُسی کو وہ بیاہی جاتی ہے جو سب سے زیادہ زیورات وغیرہ دے سکے۔

## سیاسی فضا

برطانیہ اٹلی اور جرمنی سے خوفزدہ ہے۔ وہ اپنے تدبر سے انھیں دنیا کے امن میں خلل انداز ہونے سے روک رہا ہے۔ مسٹر چیمبرلین روما گئے اور مسولینی سے ملے۔ خوش خوش واپس آئے اور اعلان ہوا کہ وہ اُن سے بہت اچھی طرح ملا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں ملکوں کے دل مل گئے۔ مگر مزا یہ ہے کہ جھگڑے والی کوئی بات درمیان میں نہ آئی۔ مثلاً ٹیونس۔ جبوتی نہر سویز کے مطالبات۔

ہٹلر کی طرف سے ڈر لگا ہوا ہے کہ اب وہ اچانک کسی ملک پر کودنے والا ہے۔ رومانیہ۔ یوکرین۔ پولینڈ۔ میمل ڈینزگ۔ ہالینڈ اور بلجیم گھبرا گھبرا کے اس کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ جیسے کوئی بے بس جانور شکرے کے جھپٹے کے خوف سے سہما ہوا دبک کر بیٹھ جاتا ہے۔

ہسپانیہ میں فرنیکو بڑھا چلا جا رہا ہے۔ حکومت کی فوجیں برابر پسپا ہو رہی ہیں۔ اب دریائے ایبرو کے دہانہ سے لامیٹ لانک کا سارا ساحل قوم پرستوں کے ہاتھوں میں ہے حکومت کی فوجوں نے میڈرڈ کو چھڑانے کے لئے تین زبردست حملے کئے مگر سخت نقصان سے پسپا ہوئے ٹورٹوسہ فرنیکو کے قبضہ میں آگیا ہے۔ اس کے ایک لاکھ سپاہی تین طرف سے حکومت کے علاقہ پر چھائے چلے جا رہے ہیں۔

فلسطین میں برابر عرب حکومت کی زد میں ہیں۔ برطانیہ گول میز کانفرنس کرنا چاہتے ہیں مگر مفتی اعظم کو شریک مجلس نہیں کرنا چاہتے۔ عرب انھیں اپنا صحیح قائم مقام بنا کر ان کی شرکت ورنہ ان سے مشورہ لابد بتاتے ہیں۔ عرب انگریزی مظالم کی وحشت خیز داستانیں سُناتے ہیں مگر انگریز ان کی تردید کرتے ہیں۔

جاپان و چین کی جنگ بدستور جاری ہے جاپان کا قبضہ بڑھتا جا رہا ہے چین کہتا ہے کہ لڑائی تو گویا ابھی شروع ہوئی ہے چین نے بہت سے شہر واپس لینے کا اعلان کیا ہے۔

## تاروں کا جھرمٹ

شہزادی نیلوفر فرحت بیگم اپنے شوہر معظم شہزادہ معظم جاہ کے ہمراہ یورپ گئی ہیں۔

دہرہ دون میں ایک انگریز مرد و عورت نے اسلام قبول کیا۔ دونوں کی اُسی وقت شادی کر دی گئی۔

مسز دھرماس ایم ایس سی کو الہ آباد یونیورسٹی کی جوبلی پر تمغہ ملا تھا۔ اب اُن کو زنگ کے علم الکیمیا کے وہیں مطالعہ کرنے کے لئے وظیفہ ملا۔

**باندرہ** کی میونسپل کمیٹی میں تین عورتیں ممبر منتخب ہوئی ہیں جن میں دو شادی شدہ ہیں - اور ایک ۲۵ سال کی عمر کی کنواری ہے شادی شدہ میں سے ایک عیسائی ہے

**مسولینی** نے طرابلس کو نو آبادی کے درجہ سے اٹھا کے اور وطن اٹلی کا جزو بنا دیا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ اٹلی سے نقل مکان کرنے والے دل میں اطمینان رکھیں کہ کہیں باہر نہیں جا رہے ہیں بلکہ گھر میں ہی پھر رہے ہیں - فی الحال ۵ ہزار اطالوی طرابلس میں آباد ہونے کے لئے باجے کے شور میں ساحل اطالیہ سے جہازوں میں بھیجے گئے چند سال میں وہاں پانچ لاکھ اطالیوں کو آباد کر دینے کا مسولینی نے ارادہ کر لیا ہے صحرا لیبیا ان لوگوں کے لئے سامان اور گھر تیار ملے گا چند سال تک انھیں تنخواہ بھی ملتی رہیگی

**ضلع لاہور** کے ایک گاؤں میں ایک موچی بال بچوں سمیت کواڑ بند کر کے گھر میں سویا ہوا تھا کہ مسلح تین چور نقب لگا کر گھر میں آئے لحاف سے منہ نکالا تو سرہانے ایک چور دیکھ کے وہ لحاف میں دبک گیا مگر عورت چوروں سے گتھ گئی چور اُسے زخمی کر کے اور مال لے کر فرار ہو گئے -

**پٹنہ** میں مولوی ابوالکلام آزاد نے چند ہندو لیڈروں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے بتایا کہ ہندوستان کی زبان شمالی ہندوستان کی بنیاد پر ایک ہو سکتی ہے مگر فی الحال ابھی رسم الخط کا جھگڑا اُٹھانا نامناسب نہیں ہے - وقت خود ایک خط جاری کر دیگا - فی الحال اردو اور ہندی رسم الخط کے علاوہ انگریزی یعنی رومن بھی تسلیم کر لینا چاہئے اس سے بین الاقوامی تجارت و گفت و شنید میں مدد ملے گی -

**ہندو مہا سبھا** کے سالانہ اجلاس منعقدہ ناگپور میں قرار پایا کہ ہندوستان کی قومی زبان صرف ہندی ہے جو سنسکرت سے بنی ہے اور ایک زبردست تحریک پیدا کی جائے جس سے سودا صرف ہندو دوکانداروں سے خریدا جائے -

**انجمن حمایت اسلام** کی گولڈن جوبلی پر حضور نظام نے ۳۰ ہزار روپیہ اور بیگم شاہنواز نے ۴۰ ہزار کی زمین عطا کی ہے - اس موقع پر انجمن کے فنڈ میں ایک لاکھ ۴۴ ہزار ۱۱۲ روپیہ چھ آنے آٹھ پائی نقد جمع ہوا - اور ۱۴۶۵۴ روپیہ کے وعدے ہوئے -

**کلکتہ** میں مشرقی ہیپلینڈ کی طرف ایک کاروباری فرم ایک ۴ منزلہ مکان بنوانے والی ہے جو تجارت اور رہنے سہنے والوں کے کام آئے گا - اور زمین سے ۲۲۰ فٹ بلند ہوگا - ہندوستان میں پہلی نہایت بلند عمارت ہوگی - **حضور نظام** نے بنارس ہندو یونیورسٹی کو ایک لاکھ روپیہ دیا -

**غازی عصمت پاشا** عنقریب سب ترکوں کو جو انور پاشا کے ساتھی تھے اور جنہوں نے جنگ عظیم میں ترکوں کی بڑی خدمات انجام دی تھیں مگر کمال پاشا کی مخالفت کی وجہ سے جلاوطن تھے ترکی میں واپس بلانے کا ارادہ کر لیا ہے ان کو ان کے سابقہ عہدوں پر بحال کر دیا جائے گا - اور اُن کے نقصانات کی بھی تلافی کر دی جائے گی - چنانچہ خالدہ ادیب خانم پھر وزیر تعلیم ہوں گی -

**ڈاکٹر مس کملا** اے ایم بی بی ایس (پنجاب) ایل ایم (راوٹنڈہ) ایل - آر - سی - ایس ڈی جی او کے امتحان میں اول آئیں -

**ایسٹ انڈین ریلوے** کی دہرہ دون اکسپرس ۱۲ - جنوری کو صبح کے ۳ بج کے ۲۵ منٹ پر ہزاری باغ کے پاس پٹری سے اُتر گئی - سات ہلاک اور ۹۴ زخمی ہوئے - ۱۴ کی حالت نازک ہے - پانچ لمبی گاڑیاں اُلٹ کے جل گئیں - انجن اُس کے ساتھ کی لمبی گاڑی اور آخری بوگی پٹری پر رہی -

**ریاستہائے متحدہ** میں لاس انجلس کی ایک عدالت میں منتخبہ فلم کی ایک خوبصورت ملکہ کو ایک گواہی کے سلسلہ میں حاضر ہونا پڑا - وہ ملائی کے رنگ کے پاجامہ اور نیلے گرم بنیان میں گئی - عدالت نے اُسے مناسب لباس میں آنے کا حکم دیا - دوسری دفعہ وہ سبز پاجامہ اور نارنجی بنیان پہن گئی - عدالت نے خفا ہو کے پھر مقدمہ ملتوی کر دیا - تیسری دفعہ وہ نیلے پاجامہ بنیان میں آئی پس کی شہادت تو لے لی گئی مگر توہین عدالت میں اُسے پانچ دن قید کی سزا ملی اپیل کرنے پر وہ بری ہو گئی کہ پاجامہ معقول لباس تھا - امریکہ کی لڑکیاں اس کی تعریف میں رطب اللسان ہیں -

**زنانہ مسلم کانفرنس** ۱۹۱۳ء میں بیگم صاحبہ مرحومہ بھوپال کی سرپرستی میں جاری ہوئی چند سال بعد یہ مردہ ہو گئی - دہلی میں مقتدر بیویوں کی ایک بھری مجلس میں اسے دوبارہ منظم کرنے کا تہیہ کیا گیا تاکہ مذہبی اخلاقی اور تمدنی امور میں مسلمان عورتوں کی مدد کی جائے - اس کی جوبلی اس سال ایسٹر میں منائے جانے کا فیصلہ کیا گیا ہے موجودہ بیگم صاحبہ بھوپال کی سرپرستی حاصل کرنے کے لئے ایک وفد ان کی خدمت میں حاضر ہوگا -

**بیگم ایف ایس مومنزادہ** ایم بی - ایل کلکتہ کارپوریشن کی کونسلر ہیں کلکتہ میں وکالت کرتی ہیں اور پہلی مسلمان ایڈوکیٹ ہیں -

**مس عذرا خاتون حیدر** ٹونک کے وزیر مال سید نصیر الدین حیدر کی بیٹی ہیں وہ بی اے میں علیگڈھ یونیورسٹی میں اول آئی ہیں وہ ایف اے میں بھی اول تھیں یونیورسٹی نے انھیں طلائی تمغہ دیا

**مسز جو پکّہ** زوجہ ڈاکٹر نگایہ ایلور ڈسٹرکٹ بورڈ کی ممبر منتخب ہوئی ہیں -

# اپنے کھانے پکانے کے برتنوں کو وِم سے صاف اور تندرستی بخش رکھئے




کھانے پکانے کے برتنوں کو اچھی طرح صاف رکھنا تندرستی کے لئے نہایت ضروری ہے راکھ یا ریت یہ فرض بخوبی انجام نہیں دے سکتے۔ یہ ہمیشہ غذا کے کچھ ذرات برتنوں سے چپٹے رہنے دیتے ہیں جو سڑ کر دوسرے کھانوں کو زہریلا کر دیتے ہیں۔ ہمیشہ وِم استعمال کریں۔ وِم غذا کے ہر ذرہ کو صاف کرتا ہے اور کھانا پکانے کے برتنوں کو مانند نئے کے رکھتا ہے فقط یہی نہیں بلکہ وِم اس قدر ہمواری سے صاف کرتا ہے کہ ہر روغنی سامان۔ منہ ہاتھ دھونے کے برتن۔ لکڑی کے سامان۔ غسلخانہ اور ٹائیلز وغیرہ کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔ اس سے صفائی وغیرہ میں آسانی ہوتی ہے۔

## وِم

کھانا پکانے کے برتنوں کو صاف اور تندرستی بخش رکھتا ہے۔

V-V 368-50

LEVER BROTHERS (INDIA) LIMITED
URDU

# یومِ علامہ راشد الخیری

معلوم ہوا ہے کہ ۳۔ فروری کو جو ادیب اعظم و مصلح نسواں حضرت علامہ راشد الخیری مرحوم کی تاریخ وفات ہے۔ آل انڈیا ریڈیو (دہلی) موصوف کی یاد میں "علامہ راشد الخیری ڈے" منارہا ہے۔ یہ پروگرام شام کو آٹھ بجے شروع ہوگا۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے:-

**نذرِ عقیدت** ۔ از جناب بہزاد لکھنوی مع ریڈیو ارکسٹرا

**حضرت علامہ کے مختصر حالات زندگی** ۔ مسٹر صادق الخیری ایم۔ اے سنائیں گے۔

**علامہ راشد الخیری مرحوم** ۔ نظم از جناب جوش ملیح آبادی

**علامہ مغفور کی مختلف ادبی حیثیتیں** ۔ اس موضوع پر مولانا رازق الخیری ایڈیٹر عصمت ایک مقالہ پڑھیں گے۔

**ڈرامہ ـــــ نانی عشّو** ۔ جسے علامہ کی ایک تصنیف سے اخذ کیا گیا ہے

**ایک مظلومہ کا خط اپنے شوہر کے نام** ۔ حضرت مصور غم کی ایک دردناک نظم سنائی جائے گی۔

**علامہ مرحوم نے ہمارے لئے کیا کیا** ۔ تقریر غدیرہ فاطمہ صاحبہ

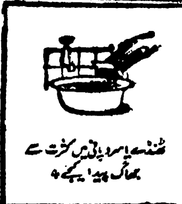
(ادارہ)

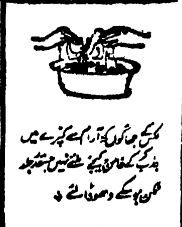
---

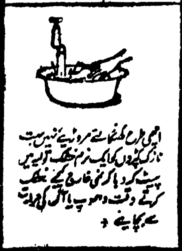
(صفحہ ۱۶۱ کا بقیہ) اور بیگم مہتاب علی صاحب تحصیلدار خریدار نمبر ۲۴۲ کی پیاری بچی رفیعہ کا اور بنت محمد حامد صاحب پیشکار رچرپا کوٹی کے خالو صاحب محمد ابو مال صاحب کا اور جناب شریف نور الدین صاحب ڈسٹرکٹ بورڈ ایجوکیشنل افسر کشنا کی اہلیہ محترمہ رحیم النساء بیگم صاحبہ کا اور بیگم صاحبہ میاں حافظ محمد نذیر صاحب کانپور کے خسر اور یو۔ پی کے مشہور مجتہد تاجر خانبہادر حافظ محمد حلیم صاحب کا اور میسور ریلوے کے سابق ایجنٹ خانبہادر عبدالعزیز خانصاحب کا انتقال ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور متعلقین کو صبر جمیل دے۔

مینیجر






# "امی جان! میرے کپڑوں کیلئے لکس لانا نہ بھولنا"

کوئی بچہ خوش نہیں ہوتا اگر سخت کپڑے اُس کے نازک جسم کو تکلیف پہنچاتے رہیں۔ لیکن لکس سے دھلے ہُوئے کپڑے ملائم اور آرام دہ رہتے ہیں۔ آپ کے نازک کپڑوں کے لئے بھی یکساں مفید ہے۔ ان کو لکس کے نرم جھاگوں کے حوالہ کیجئے۔ اسکا جلدی صفائی کرنے کا عمل نازک کپڑوں کو بھی نقصان نہیں پہنچاتا ۔

**لکس** خوب صورت کپڑوں کی خوب صورتی قائم رکھتا ہے ۔




## لکس

**زود اثر - آسان محفوظ**

ہندوستان میں صرف خالص نباتاتی تیلوں سے تیار کیا جاتا ہے ۔

# مصوّرِ غم حضرت علّامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ کی تصنیفات

حضرت مصورِ غم علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ مشرق کے اُن چند بے مثل مصنفوں میں تھے جن پر مادرِ ہند ہمیشہ فخر کرے گی۔ آپ جب کبھی قلم اُٹھاتے تھے تو سدا بہار پھولوں کا مینھ برسا دیتے تھے۔ وہ پھول جن کی عطر ریزی مشامِ جان کو معطر کرتی ہے۔ یوں تو لٹریچر کی ہر صنف میں علامہ مرحوم کی تحریریں سلکِ مروارید اور جواہر پارے کہلانے کی مستحق ہیں جن کی آب و تاب ہمیشہ اسے منور رکھے گی لیکن مولانا کا امتیاز خصوصی ٹریجڈی تو تھی اور جیسی داستانِ غم مولانا لکھتے تھے ہماری زبان میں تو کیا۔ ہندوستان کی بلکہ ایشیا کی کسی زبان میں اس کی نظیر نہیں نکل سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ ٹریجڈی کے علامہ راشد الخیری بادشاہ ہی نہیں شہنشاہ تھے جو آج بھی لاکھوں قلوبِ انسانی پر حکمرانی کر رہے ہیں۔ آپ کی تحریر کا ایک ایک لفظ درد و اثر سوز و گداز میں ڈوبا ہوا ہے۔ ناممکن ہے کہ سنگ دل سے سنگ دل انسان پڑھے اور متاثر نہ ہو چھوٹے چھوٹے فقرے فیضی و خوش گوار بند شیں غمگین و پُر درد اور تڑپ لئے ہوتے ہیں۔ جو دل میں تیر و نشتر کی طرح اُتر جاتی ہیں اور یہ وہ خصوصیات ہیں جو ہندوستان کے کسی اور مصنف کی تحریر میں نہیں۔

ذیل میں علامہ مغفور کی تمام کتابوں کا اشتہار دیا جاتا ہے۔ لیکن اشتہار میں مبالغہ سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ کیونکہ حضرت علامہ راشد الخیریؒ کی بیش بہا تصنیفات ہماری تعریف سے بالا تر ہیں۔ حسنِ ظاہری کے لحاظ سے بھی یہ کتابیں شریف بیگمات اور معزز حضرات کے کتب خانوں کی زینت ہیں کاغذ عمدہ قسم کا سفید خوب دبیز اور چکنا ہے لکھائی چھپائی عمدہ سرورق خوبصورت رنگین سائز سب کتابوں کا ۲۲×۱۸ محصولڈاک بذمہ خریدار

## مردوں اور عورتوں کے لئے اصلاحی و معاشرتی کتابیں

### حیاتِ صالحہ یا صالحات

علامہ مغفور کی سب سے پہلی تصنیف جس نے جادو نگار مصنف کے کمال افسانہ نگاری کا ہندوستان بھر میں ڈنکا بجا دیا تھا اس میں ایک لڑکی کی زندگی کے وہ تمام واقعات نہایت ہی موثر پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں جو اکثر ہندوستانی گھروں میں پیش آتے ہیں۔ صالحات سے معلوم ہوگا کہ وہ باپ جو اولاد کا عاشق زار ہے کس طرح بچوں کی جان کا دشمن اور خون کا پیاسا ہو جاتا ہے۔ صالحات بتائے گی کہ جاہل سوتیلی ماں کس طرح سوکن کے بچوں کی مٹی پلید کرتی ہے۔ صالحات سے معلوم ہوگا کہ نیک کوکھ کی لڑکیاں مصائب کا کیسے کیسے ایثار اور قربانیوں سے مقابلہ کر کے دنیا کو حیرت میں ڈال دیتی ہیں قصے کے ضمن میں آج سے چالیس سال پہلے کے گھرانوں کی معاشرت رسم و رواج وغیرہ نہایت دلچسپ طریقے سے بیان کئے گئے ہیں زبان قلعۂ معلیٰ کی بیگماتی کوثر سے دُھلی ہوئی واقعات اس قدر موثر کہ کلیجے کے پار ہو جاتے ہیں پونے دو سو صفحات قیمت عمر

### صبح زندگی، شامِ زندگی، شبِ زندگی

اُردو زبان میں کوئی ان کتابوں سے زیادہ گذشتہ [illegible] سال میں مقبول نہیں ہوئی۔ اب تک ایک لاکھ کے قریب فروخت ہو چکی ہیں اور آج بھی مانگ کا وہی حال ہے جو شروع میں تھا یہی وہ کتابیں ہیں جنہوں نے ہزاروں خاندانوں کو تباہی و بربادی سے بچا لیا۔ ان ہزاروں بگڑے ہوئے گھرانے سنوار دیئے

**صبح زندگی** لڑکیوں کی تربیت پر اس قدر موثر پیرایہ میں اس سے بہتر کتاب اس سے زیادہ موثر دلچسپ اصلاحی ناول آج تک شائع نہیں ہوا۔ اس میں نسیمہ کی پیدائش سے شادی تک کے تمام واقعات ہیں کئی مرتبہ چھپ چکی ہے۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ (عہ)

**شامِ زندگی** نسیمہ بیگم کی شادی سے موت تک کے تمام واقعات بیوی اور شوہر دونوں کے لئے بے مثل چیز ہے۔ یہی وہ کتاب ہے جس نے مصنف کو مصورِ غم کا خطاب دلوایا تھا۔ اٹھارہ دفعہ چھپ چکی ہے۔ قیمت ایک روپیہ

**شبِ زندگی** یہ علامہ موصوف کا ماسٹر پیس یعنی سب سے بہتر کتاب کہی جاتی ہے اور اس میں حالتِ نسیمہ کے بعد کا بیان ہے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ نسیمہ نے دنیا میں وہ کون سے کام کئے تھے کہ حوریں اس کا استقبال [illegible] اور [illegible] کی سیر اس قدر دلچسپ ہے کہ [illegible] وسیم دلہن جیسی پھوہڑ نکلی کہ الامان و الحفیظ [illegible] سلیقہ شعاری اور خانہ داری [illegible] آپ کی بہو بیٹی حاصل کرے گی نہایت دلچسپ اور بہت موثر ناول ہے۔ اس کا چودھواں ایڈیشن چھپا ہے۔

**شبِ زندگی حصہ دوم** (مقبول) وسیم دلہن کس طرح ملک [illegible] بتائے گی کہ دنیا کی بدترین [illegible] ہے اور اس کے بچھڑے نعل کس طرح [illegible] فاطمہ ساس اور شوہر کے تمام مظالم سہتی اور ایسی ایسی قربانیاں کرتی ہے کہ آپ دنگ رہ جائیں گے گیارہ دفعہ چھپی ہے قیمت عہ [illegible]

**نوحۂ زندگی** وہ سنگدل باپ جس نے لڑکی کو اس گناہ پر کہ نکاح ثانی کیا عدالت تک گھسیٹ کر جیل خانہ پہنچا دیا باغ باغ ہے وہ پتھر ماں جس نے نو مہینے پیٹ میں رکھا اور

پندرہ برس تک پرورش کی بے گناہ بچی کو یہ دیکھ کر نکاح ثانی کے جرم میں قید کی مصیبتیں جھیل رہی ہے نہال نہال ہے۔ نوجوان زندگی میں آپ کو ایک ایسا قبرستان ملے گا جس میں ایک عصمت کی لاج رکھنے والی بیوی اور غیرت پر قربان ہونے والی ماں اپنے دو معصوم بچوں کو دائیں بائیں لئے گہری نیند سو رہی ہے بیوہ کے نکاح ثانی پر بہت مشہور و مقبول کتاب ہے نواں ایڈیشن قیمت ۱۲؍

## طوفانِ حیات

اس کتاب کی ہیروئن مشرکہ کی زندگی اس قدر دلچسپ ہے کہ پڑھنے کے بعد گھر میں لغو رسموں کا نشان تک باقی نہیں رہتا۔ شرک جو نیلے نسواں پر دام اور پھندا بنا ہے طوفان حیات کے مطالعہ سے کوسوں دور بھاگ جاتا ہے اور رسوم مروجہ خوفناک اژدہے کی صورت میں نظر آنے لگتی ہیں۔ اور انسان خدائے واحد کی عظمت کے آگے سر جھکا دیتا ہے۔ قصہ کی دلچسپی زبان کی سلاست کے متعلق کچھ کہنا فضول ہے واقعات اس قدر دردانگیز کہ ہچکی بندھ جاتی ہے قیمت صرف عہ؍

## جوہرِ قدامت

دو بہنوں کی پرلطف کہانی دو لڑکیوں کی مفصل زندگی۔ دو عورتوں کی جگرخراش داستان جن میں ایک دور قدیم کی درخشندہ تصویر اور دوسری طرز جدید کی دلدادہ ہے۔ عالم نسواں آج سے پچاس سال پہلے کیا جوہر رکھتا تھا مسلمان گھرانوں میں اُس وقت کیسے کیسے لعل گودڑیوں میں چمکتے تھے اور مغربی ہوا انھیں کس سمت لے جا رہی ہے جوہر قدامت کے مطالعہ سے معلوم ہوگا۔ قیمت عہ

## منازل السائرہ

صالحات کی طرح اس میں بھی ایک لڑکی کی پیدائش سے موت تک کے تمام واقعات اس قدر دلچسپ پیرایہ میں لکھے گئے ہیں کہ بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے یہ وہی کتاب ہے جو یونیورسٹیوں کی بڑی جماعتوں کے کورس میں داخل ہے۔ قیمت ایک روپیہ حصہ دوم عہ چھ دفعہ شائع ہو چکی ہے۔

# اصلاحی و معاشرتی افسانے

## تمغۂ شیطانی

حد درجہ دلآویز سبق آموز افسانہ جس میں تمغۂ شیطانی کے آٹھ کیرکٹر دکھائے گئے ہیں۔ ان لوگوں کے جو نیک انسان سمجھے جاتے تھے مگر اپنے صرف ایک فعل سے جو بظاہر بہت معمولی بات تھی حلقۂ شیطانی میں داخل ہوئے۔ جہاں تاکنے والی بری پھلاجی۔ خاں صاحب کے حالات پڑھ کر ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں وہاں شمس بیرجی شیرازی کے واقعات اس قدر دردانگیز ہیں کہ آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے ہیں۔ قیمت ۱۲؍

## سات روحوں کے اعمالنامے

دنیا کی سات عجیب غریب روحیں ایک شیطان کی مغفرت کے لئے پیش کی جاتی ہیں۔ جن کے مطالعہ سے تمہیں

ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑیں کہیں آنسو نکل آئیں۔ آخری کالج کے کارنامے اس قدر دردانگیز کہ ہچکی بندھ جائے۔ قیمت ۸؍

## غدر کی ماری شہزادیاں

پانچویں مرتبہ چھپی ہے ۶۵ء کے غدر کی لٹی ہوئی دلی کی شہزادیوں اور بیگموں کی دل ہلا دینے والی کہانیاں کہ بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں کئی کئی رنگ کی بلاک کی تصویریں بھی ہیں قیمت ۱۲؍

## ستونتی

نہایت دلچسپ سبق آموز قصہ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ مرد کے لئے بیوی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہو سکتی اور شریف عورت شوہر کے لئے سب کچھ قربان کر کے محبت ایثار کے جوہر دکھا کر دنیا کو محو حیرت کر دیتی ہے چھ مرتبہ چھپ چکی ہے قیمت ۶؍

## موءودہ

لڑکیوں کے ترکہ پدری کے متعلق علامہ مغفور کا نہایت مؤثر درد و غم بھرا افسانہ جس میں اس قدر سوز و گداز ہے کہ پتھر سے پتھر دل بھی اس کو پڑھ کر پسیجتے ہی نہیں بلکہ موم ہو جاتے ہیں حال میں پانچویں مرتبہ شائع ہوئی ہے۔ قیمت ۸؍

## تفسیرِ عصمت

جوبلی نمبر عصمت کا مقبول دلآویز افسانہ عبدل کا کیرکٹر اس قدر پرلطف ہے کہ ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں اور واقعات اس قدر دردانگیز ہیں کہ بے ساختہ آنسو نکل پڑتے ہیں خلع اور ارتداد پر اس سے بڑھ کر مؤثر افسانہ آج تک اردو زبان میں شائع نہیں ہوا قیمت ۹؍

## انگوٹھی کا راز

جدید ایڈیشن حضرت مصنف نے نظرثانی اور بہت کچھ اضافہ کرا کے شائع کیا گیا تھا یہ تین مختلف الخیال لڑکیوں کا سبق آموز افسانہ ہے رابعہ کا عبرت انگیز انجام اسلامی کی جگرخراش داستان اور صفیہ کی مشکلات انگوٹھی کا راز نہایت ہی خوبی سے حل کرتا ہے۔ یہ کتاب پانچ دفعہ چھپ چکی ہے ۶؍

## ولائتی نخمی

انی عشو کے جوڑ کا نہایت پرلطف بانصویر افسانہ جس کے ہر ہر صفحے پر ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں بی نخمی نے بڑھاپے میں وہ وہ سوانگ بھرے ہیں کہ بس پڑھنے ہی سے تعلق رکھتے ہیں قیمت ۱۲؍ باتصویر ہے۔

## منازل ترقی

اس عبرت انگیز افسانے میں دکھایا گیا ہے کہ انسان ترقی کی دھن لیڈری کے شوق اور دولت کے نشہ میں اخلاق انسانیت اور مذہب کو تج کر غریب رشتہ داروں پر کیسے کیسے ظلم ڈھاتا ہے دلی اور بشیرن دونوں میاں بیوی کے کیرکٹر نہایت دلچسپ ہیں۔ قیمت ۴؍

## بچہ کا گرتہ

ایک عاشق زار بدنصیب ماں اپنے جوان بچہ کی بدولت وہ وہ مصیبتیں اٹھاتی ہے کہ کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ دنیا اُس کی محبت و ایثار کا وہ عبرت انگیز جواب دیتی ہے کہ آنکھ سے آنسو نکل پڑتے ہیں بہت مؤثر افسانہ ہے اور کئی بار چھپ چکا ہے۔ قیمت ۴؍

## ویڈیا کی سرگذشت

گمشدہ وہ موتی وہاں بھی نہ تھا! فیشن وجدت کی دلدادہ ایک انگریز عورت کی کہانی اسی کی زبانی مغربی معاشرت کا ایک نہایت کامیاب مرقع میاں بیوی کے تعلقات کا ہو بہو فوٹو بار سوم قیمت ۴؍

## چار عالم

ایک درد انگیز افسانے میں تین چار سبق آموز افسانے۔ حیات انسانی پر نمبروں کی بحث ہندوستانی معاشرت کا یہ افسانہ گویا مرقع ہے۔ چند نسوانی کمزوریوں کو درد ناک پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ قصہ کا پلاٹ بے حد دلچسپ ہے پہلے یہ افسانہ گلدستۂ عید کے ساتھ شائع ہوا تھا اب علیحدہ شائع کیا گیا ہے اور رنگین قلمی تصویریں بھی دی گئی ہیں قیمت صرف ۴؍

## بنت الوقت

ہماری مستورات کی تعلیم و تربیت کا بے مثل مرقع، وقت کا اندھا دھند ساتھ دینے والی ایک ناعاقبت اندیش لڑکی کا عبرت انگیز انجام چھ دفعہ چھپ چکی ہے ۸؍

## سراب مغرب

غیر مسلم مدارس میں لڑکیوں کا تعلیم پانا کہاں تک جائز ہے اس بحث پر مشہور کتاب تقلید مغربی کے دردناک نتائج پارٹیز کا حشر ماں باپ کی ناعاقبت اندیشی اور لڑکی کی تباہی آٹھ مرتبہ چھپی ہے قیمت ۸؍ کنواری لڑکیاں نہ منگائیں۔

## فسانۂ سعید

بیوہ کا نکاح ثانی اسلام کا حکم ہے۔ مگر جس قابلیت سے حضرت مصنف نے سعید کا نکاح بے سود ثابت کیا ہے وہ حق رکھتا ہے کہ ہر مسلمان اس کتاب کو پڑھے سعید کی جگر خراش داستان دل ہلا دے گی سوتیلے رشتوں پر موثر کتاب ہے قیمت آٹھ آنہ

# مختصر افسانوں کے مجموعے

علامہ مغفور کے مختصر افسانوں کا پینتیس سال سے ہندوستان بھر میں ڈنکا بج رہا ہے۔ علامہ راشد الخیری ہی وہ پہلے بزرگ تھے جنہوں نے اردو زبان میں مختصر افسانہ نویسی کو معراج کمال تک پہنچایا ہے جذبات نسوانی کے درد و اثر میں ڈوبی ہوئی صحیح ترجمانی، جس جادو نگاری سے مغفور مصنف نے کی ہے زبان اردو ہمیشہ اس پر ناز کرے گی۔ ناممکن ہے کہ سنگدل سے سنگدل انسان بھی ان افسانوں کو پڑھ کر آنسو بہائے بغیر رہ سکے شہنشاہ ٹریجڈی کے وہ معرکۃ الآرا افسانے جو لٹریچر میں غیر فانی درجہ رکھتے ہیں اور جن پر بڑے ضخیم ناول قربان ہیں مختلف مجموعوں کی صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔

## جوہر عصمت

۱۳ سبق آموز افسانے (۱) مظلوم بیوی کا پالا جلد بمعرفان ایک شریف اور معزز خاندان کا شخص بری صحبتوں کی وجہ سے لاکھوں کا گھر خاک کر کے جیلخانہ پہنچنے والا ہوتا ہے کہ مظلوم بیوی کی کوششوں سے اس طرح رہائی حاصل کرتا ہے کہ پڑھنے والے دنگ رہ جاتے ہیں (۲) بگنو کی دلھن بلوچی قوم کے مرد و عورت کے عمیق کیرکٹر ازدواج ثانی پر نہایت موثر بحث محبت کا جواب اور انتقام بے انتہا دلآویز افسانہ (۳) آگلی محبتیں ہزاروں برس پہلے کے تمدن کا ایک دلچسپ مرقع۔ شجاعت و جاں نثاری دوستی وفاداری اور سچی محبت کے حیرت انگیز مناظر (۴) فسانہ تنویر ملکہ تنویر کی درد بھری کہانی (۵) بیگناہ کا قتل۔ مغیرہ کی شرارت اور انتقام ابرک بدگمانی اور سنگدلی۔ اور محبت کی چوکھٹ پر کسان لڑکی کی قربانی (۶) بھاوج کا کینہ دولت و عصمت کا مقابلہ (۷) مامون رشید کا دربار اور ایک سچی عورت (۸) عدل جہانگیری شہنشاہ جہانگیر کے انصاف کا دل ہلا دینے والا واقعہ (۹) بلبل کی شہادت (۱۰) ملکہ شہر زاد ملکہ طرالمس اور بادشاہ کا افتراق ملکہ کا عصمت کی کسوٹی پر پورا اترنا۔ (۱۱) برقعہ کی مسجد خدا کی لاٹھی بے آواز ہے۔ (۱۲) غلط فہمی نہایت موثر قصہ (۱۳) خاتمہ بالخیر ان تیرہ افسانوں کا مجموعہ جوہر عصمت ہر شریف مرد اور ہر شریف عورت کی نظر سے گذرنا چاہئے۔ بہت مشہور و مقبول ہے اب چھٹی مرتبہ شائع ہوا ہے۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ (۱۸؍)

## سیلاب اشک باتصویر

سات درد انگیز افسانے (۱) پرستار محبت عورت کا دل وفا محبت کے خزانوں سے مالا مال ہے سبق آموز افسانہ جو کٹر سے کٹر انسان کی آنکھیں نمناک کر دیگا اس کا ثبوت ہے۔ اور بے انتہا مقبول ہوا ہے (۲) ملوجن کے تین رنگ ایک خوددار لڑکی وفاداری اور انتقام اور احسان کے جوہر دکھا کر محو حیرت کر دیتی ہے۔ (۳) طلاق کا سفید بال۔ میاں بیوی کے تعلقات کیا چیز ہیں خود داری اور ایثار کسے کہتے ہیں۔ ضمیر اور ایمان کیا کام کرتا ہے۔ اس درد انگیز افسانے سے معلوم ہوگا جس نے کتنے ہی گھر تباہی سے بچا لئے (۴) حج اکبر جس سے معلوم ہوگا کہ ماں کا دل کیسی محبت سے لبریز ہوتا ہے اور سچی خوشی کسے کہتے ہیں (۵) عدل گلبدن، شہنشاہ بابر کی لخت جگر شہزادی گلبدن کی شجاعت علم کرم احسان و عفو کے حیرت انگیز کارنامے (۶) بے قصور بچے بے انتہا موثر افسانہ (۷) ثریا کا تخیل ہر افسانے کے ساتھ زر کثیر صرف کر کے فوٹو بلاک کی تصاویر لگائی گئی ہیں۔ چوتھی دفعہ چھپی ہے۔ قیمت ایک روپیہ

## طوفان اشک

یعنی رواج کی چوکھٹ پر مظلوم عورتوں کی قربانیاں وہ موثر اور سبق آموز کتاب جس میں یہ ۱۲ دل ہلا دینے والے افسانے ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| رواج کی بھینٹ | محروم وراثت | اس ہاتھ دے | میں نے کیا دیکھا |
| کلنک کا ٹیکہ | سوتیلی ماں کا آخر وقت | اس ہاتھ لے | شہید معاشرت |
| بیوی کی بھنک | توصیف کا خواب | تفسیر عبادت | طوفان اشک |

بار سوم قیمت ایک روپیہ

## نسوانی زندگی

یوں تو حضرت علامہ راشد الخیری مرحوم نے ہر تصنیف میں عورت کی مختلف حیثیتیں دکھائی ہیں مگر اس کتاب میں خصوصیت کے ساتھ ماں، بیوی، بیٹی، بہن کی ہر حیثیت علیحدہ علیحدہ کہانی

اور ثابت کیا ہے کہ شریف عورت ہر حیثیت میں ایسا ایسا ایثار اور قربانیاں کر دکھاتی ہے کہ مرد حیرت میں رہ جاتا ہے قیمت صرف ۸ر

## شہیدِ مغرب

طرابلس اور مراکش میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے مقابلے اور اسلام نصرانیت کے معرکے مسلمان عورتوں کی ناموس اسلام پر قربانیاں مسلمانوں کی تنزلی کا راز اور تنزل کے اسباب شہید مغرب اور تبلیغ کا فرض مندرجہ ذیل درد انگیز افسانے ہیں:۔

| | | |
|---|---|---|
| درد آسمانی مسافر | شہید مغرب | طرابلس سے صدا |
| عرب سیدانی | سیاہ داغ | افراط و تفریط |
| صدائے دلگداز | کلونتیاں | سیمونہ |

ان کے مطالعہ سے حب وطنی جوش ایمانی بہادری شجاعت خودداری۔ غیرت و حمیت کے شریفانہ جذبات پیدا ہوتے ہیں قیمت ایک روپیہ

## نانی عشو

آپ کتنے ہی سنجیدہ کیوں نہ ہوں ناممکن ہے "نانی عشو" پڑھتے یا سنتے وقت آپ کے پیٹ میں مارے ہنسی کے بل نہ پڑ جائیں۔ علامہ مغفور نے ہنسی کے مضامین بھی لکھے تو اس کمال کے کہ تمام ہندوستان میں ان کا ڈنکا بج گیا۔ نانی عشو کے ساتھ ایسے ہی ظرافت آمیز گدگدانے والے افسانے عرب اور گلشن افغانی اسجدۂ ندامت پڑھ کر بھی ایک موقع پر آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑینگے تو دوسرے موقع پر ہنسی ضبط نہ ہو سکیگی۔ چھٹی بار حال میں شائع ہوئی ہے قیمت ۱۰ر اس کے ساتھ ہی ولائتی شفی اور داداالال بھی ضرور منگا لیجئے۔

## رودادِ قفس

حضرت علامہ مغفور کی درد و اثر میں ڈوبی ہوئی نظموں کا مجموعہ مظلوم حسینہ روضۂ اقدس پر مسلم کا خط شوہر کے نام، ماں کا پیام۔ سرخاب کا دم واپسیں۔ التجائے تیمر، بیٹیوں کی فریاد بچپن کی یاد عید کا کرتہ سہیلی کا خط وغیرہ وغیرہ معمولی نظمیں نہیں بیکس و مظلوم عورتوں کے جگر خراش نالے ! اور مسلمان گھرانوں کے حیرت انگیز معاشرتی مرقعے ہیں علامہ مرحوم کو جذبات نگاری میں جو کمال حاصل تھا وہ پورے طور پر ان نظموں میں نمایاں ہے یہی وہ نظمیں ہیں جنہیں پڑھ کر دل درد مند تڑپ اٹھتے ہیں چھٹی مرتبہ چھپی ہے۔ قیمت ۱۰ر

## گرفتارِ قفس

روداد قفس کا دوسرا حصہ۔ یہ نظمیں اس قدر درد اثر میں ڈوبی ہوئی ہیں کہ سنگدل سے سنگدل انسان کی آنکھ سے بھی آنسو نکل پڑیں قیمت ۴ر

## گلدستۂ عید

عید کی دعا۔ عید کی خوشی۔ ام جعفر کی عید۔ ترکن ماما کی عید۔ ایسے ایسے سبق آموز افسانے اور مضامین عید کے متعلق ہیں۔ سچی خوشی کس طرح میسر ہوتی ہے۔ رمضان شریف میں کیا کرنا چاہئے اس کا جواب گلدستہ عید سے ملے گا جو ایک طرف عملی عید ہے تو دوسری طرف بر وقت پڑھنے اور روزمانہ زندگی میں بہت سے مفید نتائج اخذ کرنے کی چیز ہے قیمت ۸ر

# تاریخ و سیر۔ ادب و انشاء

## آمنہ کالال

معتقدین کا سب سے بہتر مولود شریف پڑھی لکھی عورتوں کی مجلس میلاد میں یہی کتاب پڑھی جاتی ہے اور وہ اپنی غیر مسلم سہیلیوں کو بڑے فخر کے ساتھ بانٹتی ہیں اور اعلیٰ تعلیم یافتہ مرد بڑے ذوق شوق سے آمنہ کے لال کا مطالعہ کرتے ہیں۔ کیونکہ اس میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہے جو خلاف عقل کہا جا سکے۔ نثر کے ساتھ ساتھ جہاں جہاں نظم ہے وہ بھی اس قدر مؤثر ہے کہ اہل دل تڑپ اٹھیں۔ کیونکہ تمام اشعار خود علامہ مغفور ہی کے ہیں آمنہ کے لال میں علامہ راشد الخیری مرحوم کا بہترین لٹریچر پوسلت درجہ شائع ہو چکی ہے قیمت عہ

## سیدہ کالال

شہادت کی مفصل و مکمل تاریخ یعنی مکمل تاریخ شہادت ہے ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور جناب سیدہ کے فضائل سرور کائنات صلعم کی رحلت حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی خلافت۔ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ رضی اللہ عنہم کی شہادتیں دردناک مرثیے۔ جنگ جمل جنگ صفین کا مکمل بیان شیعہ و سنی اختلاف کی ترقیاں۔ بنی امیہ کی کوششیں امیر معاویہ کی سیاست۔ امام حسن کی شہادت یزید کی حکومت کی پوری کیفیت جس سے واقعہ کربلا کے صحیح اسباب ذہن نشین ہو جاتے ہیں دوسرا حصہ طرف کربلا ہے۔ حضرت مسلم اُن کے بچوں اور حضرت حر کی شہادت بی بی زینبؓ کا میدان کربلا میں بے مثل ایثار شہادت حضرت عباسؓ حضرت قاسمؓ حضرت علی اکبرؓ۔ کربلا کا ننھا شہید۔ بیمار صغرا کا قاصد سیدہ کے لال کی شہادت خانماں برباد سیدانیاں ابن زیاد اور یزید کے دربار شیعہ سنی اختلاف پر تبصرہ۔ قاتلانِ حسینؓ کا انجام اور خدائی فیصلہ۔ یوں تو تمام کتاب اس قدر درد انگیز ہے کہ بغیر آنسو بہائے نہیں پڑھی جا سکتی مگر نثر میں جو مرثیے علامہ مغفور لکھ گئے ہیں ان کی ایک ایک سطر کلیجہ کے پار ہو جاتی ہے اور ساتھ کے علاوہ جو کتاب کی جان ہے شہادت کا اس قدر مفصل اور مکمل درد انگیز اور مؤثر بیان کسی کتاب میں نہیں تعلیم یافتہ عورتیں اور مرد شیعہ ہوں یا سنی شہادت کی یہی کتاب پڑھتے ہیں پڑھتے ہیں یا مجلسوں میں پڑھواتے اور سنتے ہیں ضخامت ڈھائی سو صفحے چھ دفعہ چھپی ہے۔ قیمت ۱۲ر

## الزہرا

اردو زبان میں جگر گوشۂ رسول سیدۃ النساء حضرت بی بی فاطمہؓ کی بہترین سوانح عمری جو بتاتی ہے کہ میاں بیوی کو کس طرح رہنا چاہئے دنیا کے ساتھ رہ کر کس طرح بسر کرنا چاہئے۔ واقعات اس قدر درد انگیز کہ ہچکی بندھ جائے۔ آخر میں واقعہ کربلا کا خلاصہ اور مصور غم کا قلم آٹھ دفعہ چھپ چکی ہے۔ قیمت عہ

## نوبتِ پنج روزہ

شاہجہان آباد اجڑ چکا مگر اس کے کھنڈر اب تک مٹنے والوں کے کارنامے سنا رہے ہیں اور شہر کے در و دیوار اس وقت بھی اپنے بسانے والوں کا مرثیہ پڑھ رہے ہیں آج سے ستر سال پہلے دلّی کیا تھی بادشاہ کا جلوس قلعہ معلیٰ کی بہاریں شاہی جھمگٹے میلے تماشوں کے رنگ دربار کی کیفیت۔ قطب صاحب کے مقبرے۔ سیر غیب۔ شاہ بڑے اور گوشہ کے جشن شہری آبادی کی چہل پہل ہندوستانیوں کی معاشرت رمضان عید سلونو سالگرہ کے تزک و احتشام۔ شادی بیاہ کی دھوم غرض دور گذشتہ کی بہار دیکھنی ہو تو نوبت پنج روزہ یعنی وداع ظفر ملاحظہ فرمائیے جس آخر

تاجدار مغلیہ کی پانچ نوبتیں اور اس قدر درد انگیز پیرایہ میں لکھی گئی ہیں کہ خون کے آنسو رُلادیتی ہیں۔ پانچویں نوبت وہ ہے جب دلی نے بادشاہ کو وداع کیا۔ غدر ۵۷ء کے واقعات۔ مخبروں کا ظلم۔ مظلوموں کی حالت زار۔ مردوں کی بربادی۔ عورتوں کی تباہی اور بادشاہ کے پیہم مصائب۔ ناممکن ہے کہ آپ آنسو بہائے بغیر پڑھ سکیں۔ بادشاہ کی تصویر اور تین عکسی تصویریں بھی دی گئی ہیں قیمت عہ۔ پانچواں ایڈیشن بھی ختم کے قریب ہے۔

## قلبِ حزیں

چھوٹے چھوٹے نہایت لطیف ادبی مضامین کا دلآویز مجموعہ جذبات نسوانی کی درد انگیز ترجمانی ان مضامین میں علامہ مغفور نے خلوص کا بحر اعظم نانثر کی یہ کتاب بہترین نمونہ ہے طرز تحریر اتنا پیارا کہ بار بار پڑھئے پھر بھی جی نہ بھرے۔ ایک ایک فقرہ حفظ کرنے کو جی چاہتا ہے قیمت ۸ر

## وداعِ خاتون

جنت مکانی خاتون اکرم اگر ایک طرف ہندوستان کی مایہ ناز انشا پرداز تھیں جن کی ادبی قابلیت پر بڑے بڑے مرد رشک کرتے تھے تو دوسری طرف بحیثیت عورت کے اس قدر اعلیٰ کیرکٹر کی بی بی تھیں کہ ان کے اعزہ آج بھی ان کی یاد میں خون کے آنسو گرا رہے ہیں۔ یہ وہ مضامین ہیں جو مشہور ادیبہ محترمہ خاتون اکرم کی جوانمرگی پر لکھے گئے تھے جو بتائیں گے کہ بہو کیسے کہتے ہیں اور لڑکی شادی کے بعد کس طرح سسرال والوں کے دل کو فتح کر سکتی ہے ناممکن ہے کہ اسے پڑھ کر آنسوؤں کی جھڑیاں نہ شروع ہو جائیں سو کتابوں کے پڑھنے کا وہ اثر دل پر نہیں ہو سکتا جو صرف اس کتاب کے پڑھنے کا کیونکہ یہ آپ بیتی ہے۔ قیمت ۵ر

## امین کا دمِ واپسیں

شہنشاہ ہارون الرشید اور ملکہ زبیدہ خاتون کے لخت جگر شہزادہ امین الرشید کا دردناک قتل اسلامی تاریخ کا یوں ہی ایک درد انگیز واقعہ ہے اس پر مصور غم نے حد سے دلکش پیرایہ میں حیرت انگیز واقعات اپنے خاص رنگ میں لکھے ہیں۔ قیمت ۴ر

# اسلامی تاریخ افسانہ کے طرز پر

اب تک حضرت علامہ راشد الخیری مرحوم کی ان تصانیف کا اشتہار تھا جو عورتوں اور مردوں کے لئے یکساں مفید ہے کیونکہ اصلاحی کتابیں ہیں ان میں ہندوستانی گھروں کی معاشرت دکھائی گئی ہے اور عورت کی پیدائش سے موت تک جو جو واقعات پیش آتے ہیں ان سب کو بیان کیا اور ان پر بحث کی گئی ہے اور یہ سب کتابیں عورتوں کی ترقی اور اصلاح کی غرض سے لکھی گئی تھیں لیکن اب تاریخی ناولوں کی فہرست ہے۔ جنہیں بڑی عمر کی شادی شدہ عورتیں پڑھ سکتی ہیں لیکن کنواری لڑکیاں نہ منگائیں۔

## عروسِ کربلا

علامہ مغفور کے تمام تاریخی ناولوں میں یہ بلحاظ درد و اثر کے ممتاز ہے کربلا کے تاریخی واقعات پہلے ہی کچھ کم درد انگیز نہیں اس پر مولانا کے قلم گوہر رقم نے قیامت ڈھائی ہے۔ کئی جگہ ہچکی بندھ جاتی ہے۔ اس پر لطف یہ ہے کہ محبت کا دلآویز افسانہ ہے۔ بہت مشہور کتاب ہے ہزاروں کی تعداد میں شائع ہو چکی ہے۔ اور آج بھی اسی طرح دھڑادھڑ نکل رہی ہے۔ عروس کربلا کے طرز پر کئی مصنفوں نے ناول لکھے مگر عروس کربلا عروس کربلا ہی ہے۔ حال ہی میں چھٹی دفعہ شائع ہوئی ہے۔ قیمت عہ

## محبوبۂ خداوند

قرون اولیٰ کے پُر جوش و پاکباز مسلمانوں کی ولولہ خیز جانبازیاں پڑھنے والوں کو مبہوت بنا دیتی ہیں طرابلس کا مقدس خداوند کا رقیب سے شمالی افریقہ کی حسینہ سفیریہ کو قابو میں کرنے کے لئے اپنے فرضی دعوے میں کیا کیا کرتب دکھاتا ہے۔ اور محبوبۂ خداوند کس طرح اپنی عزت بچا کر اسلام قبول کرتی ہے یہ ایک راز ہے جو صرف کتاب محبوبۂ خداوند کے مطالعہ سے حل ہوگا حضرت عثمانؓ خلیفہ ثالث کے زمانہ میں اسلام اور عیسائیت کی ہولناک لڑائیوں کے حالات جن کا ہر باب کلیجہ کے پار ہوتا ہے۔ چار دفعہ چھپ چکی ہے قیمت ۱ر

## شہنشاہ کا فیصلہ

عہد عباسیہ کے بغداد کا دلچسپ افسانہ ایک شخص اپنی بیوی کی شادی کن اسباب کے تحت میں ایک دوسرے شخص سے کرتا ہے۔ ایک مصیبت زدہ ماں کا بیگناہ بچہ کس وجہ سے واجب القتل ٹھیرایا جاتا ہے اور ماں کی کیا کیفیت ہوتی ہے ملکہ اپنے حصول مقصد کے لئے کیا کیا کوششیں کرتی ہے۔ اور آخر میں کس خوبی سے شہنشاہ کا فیصلہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کر دیتا ہے۔ یہ ایسے ہی باب ہیں کہ صرف پڑھنے ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ جدید ایڈیشن حال ہی میں شائع ہوا ہے قیمت ۴ر

## منظرِ طرابلس

تسخیر طرابلس کے لئے مسلمانوں کا جوش ایمانی حضرت زبیر بن عوام کی بے مثل بہادری ایثار و تسخیر محبت کے آتش کدہ میں بیگناہ لڑکی کی قربانی حقیقی بہن کے ہاتھوں بھائی کا قتل۔ مذہبی پیشوا کی سیاہ کاریاں خلیفہ اور شہزادی لیبو کی کہانی اور فتح طرابلس کا آخری منظر قیمت ۵ر

## درِ شہوار

ایران ازندان، سیستان، کی ہولناک لڑائیوں کا فتح بہرام کے شجاعانہ کارنامے اور ملکہ پر احسانات شہزادی مسعودہ کی نزاکت اور بہادری اور وزیر کی مکاری اور فریب قیمت ۸ر

## سودائے نقد

جس سے معلوم ہوگا کہ مرد کا نکاح ثانی اور اسلام میں عورت کی حیثیت کیا ہے یہ افسانہ بتائیگا کہ جوان بیٹی کی شادی نہ کرنا سوسائٹی کا کیسا زبردست گناہ ہے۔ دو سگی بہنوں کی کوششیں حقیقی ماں کے ہاتھوں جوان بیٹے کا قتل محبت کا جواب غرض نہایت دلچسپ پلاٹ ہے قیمت ۸ر

## یاسمینِ شام

امیر المومنین فاروق اعظم حضرت عمرؓ کے زمانہ کی اسلامی لڑائیاں ہلال و صلیب اسلام و عیسائیت کے معرکے تسخیر اردن بیسان حمص بعلبک ارمنا حلب انطاکیہ بیت المقدس۔ اور یرموک کے لئے مجاہدین اسلام کی سرفروشانہ قربانیاں جنگ یرموک وہ اسلامی جنگ تھی جس میں ۴۲ ہزار مسلمانوں نے عیسائیوں

کی متفقہ طاقت یعنی ۳ لاکھ کے لشکر عظیم پر فتح پائی جس میں مسلمان تعداد میں اس طرح شب کر دشمنوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ حضرت ابو عبیدہ، خالد بن ولید اور شرجیل کی تقریریں مسلمانوں کے جوش ایمانی۔ جرأت۔ جاں بازی اور ایثار کے ولولہ دینے والے واقعات کا یاسمین شاہ میں مطالعہ کرو جو سفاک وسنگدل باپ غدار بیٹا ماں اور مظلوم بچی کی دلخراش داستان بھی ہے۔ حال میں جدید ایڈیشن خاص اہتمام سے شائع ہوا ہے۔ قیمت صرف عہ

## تیغِ کمال

اگر آپ کو غازی اعظم مصطفےٰ کمال کے مفصل حالات یونان کے برخلاف مسلمانوں کی کوشش اور فتح کے مناظر دیکھنے ہیں تو اس کتاب میں دیکھیئے جس میں یورپ کی سازشوں کے راز افشا کئے گئے ہیں شہزادی کون کونسٹ کا فسانہ محبت مصطفےٰ کمال کا دانت کھٹے کرنا اور جدید ترکی کی بنا ڈالنا واقعات درد انگیز ہیں علامہ راشد الخیری کا قلم قیمت ایک روپیہ

# مضامین کے جدید مجموعے

## قرآنی قصّے

ان نبیوں اور رسولوں کے مقدس حالات جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے حضرت علامہ راشد الخیری نے یہ قصے مسلمان لڑکیوں کے لئے ان کی سمجھ کے مطابق انھیں کی زبان میں مگر اپنے خاص رنگ میں لکھے تھے عورتوں کے لئے نبیوں کے حالات میں بہترین کتاب ہے جس کا درجہ باعتبار ادب بھی نہایت بلند ہے قیمت عہ

## عروسِ مشرق

یورپ کی اندھا دھند نقالی اور مغربی تہذیب کے زہریلے اثر سے محفوظ رکھنے کے لئے گزشتہ چوتھائی صدی میں حضرت مصور غم نے اپنے مخصوص طرز میں جو مضامین تحریر فرمائے تھے ان کا مجموعہ ان مضامین میں ان مشرقی خوبیوں کو جو روز بروز مٹ رہی ہیں اور جن پر ہندوستان کے بسنے والے ناز کرتے تھے موثر پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ قیمت ۱۰؍

## محسنِ حقیقی

مسلمانوں کے آقا و مولا سردار دوجہان سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کے چند متفرق واقعات مصنف آمنہ کے لال کے قلم سے اور اس قدر موثر پیرایہ میں کہ آنکھ سے آنسو نکل پڑیں مجالس میلاد کے متعلق چند اصلاحی مضامین بھی اس کتاب میں ہیں قیمت ۶؍

## بزمِ رفتگاں

اردو ادب کی غیر فانی نثر کے موتی جو ملک کی بایلز خواتین اور باکمال شعرا و ادبا کی یاد میں لکھے گئے تھے جو معدن ادب کے بیش بہا جواہر ریزے ہیں۔ حضرت علامہ مغفور کا یوں تو ہر مضمون تاثیر سے لبریز ہوتا ہے مگر بزم رفتگان ایک ایک فقرہ اور ایک ایک جملہ درد و اثر میں ڈوبا ہوا ہے۔ قیمت ۱۰؍

## گدڑی میں لعل

لڑکیوں اور عورتوں کو سگھڑ اور ہنرمند کفایت شعار بننے اور کامیاب زندگی بسر کرنے کے لئے خانہ داری کے متعلق نہایت مفید مشورے دلنشین پیرایہ میں یہ کتاب زنانہ لٹریچر میں بیش بہا اضافہ ہے۔ یہی وہ مضامین ہیں جنھوں نے دس بیس سو پچاس نہیں ہزاروں عورتوں کی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا اور وہ کامیاب گھر والی بن کر خوش گوار زندگی گذارنے لگیں قیمت عصہ

## سیاحتِ ہند

ہندوستان کے مختلف شہروں اور قصبوں کا علامہ مغفور نے دورہ فرمایا تھا اور دورہ کے حالات عصمت اور بنات میں شائع فرمائے فرمائے تھے وہ سب اس کتاب میں جمع کئے گئے ہیں جو ہندوستان کے مختلف مقامات کی تعلیم یافتہ دردمند خواتین و حضرات کا تذکرہ ہے جس سے مختلف صوبوں کی معاشرت تمدن سے واقفیت ہوتی ہے۔ اور علامہ مرحوم کی طبیعت عادات وخصائل کا بھی پتہ چلتا ہے۔ قیمت عہ

## بیفکری کا آخری دن

اور دوسرے مضامین کنواری بچیوں کے لئے جن کا مقصد یہ ہے کہ ان میں اچھی عادات خصائل پیدا ہوں وہ اپنے فرائض کو اچھی طرح سمجھنے لگیں خوشگوار زندگی کے گذارنے کی تیاری کر سکیں اپنے والدین کو نعمت جانیں اور کنوارپنے کی قدر کریں قیمت ۱۲؍

## احکامِ النسواں

عورتوں کے متعلق احکام قرآن مجید اور ان کی تفسیر خواتین ہند کے محسن اعظم حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ نے کئی سال تک رسالہ بنات میں یہ تفسیر لکھی تھی اور پہلے ہی پرچہ میں یہ تحریر فرمایا تھا کہ یہ تفسیر ان تمام تفسیروں سے جو اس وقت ہمارے پاس موجود ہیں بالکل علیحدہ عام فہم اور صاف ستھری زبان میں واضح طور پر ہوگی تاکہ مسلمان عورتوں کے واسطے ان کی اپنی علیحدہ تفسیر ہو جائے۔ اور ان کو مسائل کے دریافت کرنے میں جو دقت محسوس ہو رہی ہے وہ رفع ہو افسوس موت نے مہلت نہ دی کہ علامہ مغفور تفسیر کو مکمل فرما دیتے تاہم تمام احکام جمع کر دیئے گئے ہیں کتاب زنانہ لٹریچر میں نہایت اہمیت رکھتی ہے۔ اور ہر مسلمان خاتون کے پاس رہنی چاہیئے اس کی پوری قدر وقیمت مطالعہ کے بعد ہی معلوم ہو سکتی ہے۔ قیمت عہ

## دُعائیں

حضرت علامہ مغفور کی سب سے آخری تصنیف ہم اپنے مقاصد کی کامیابی کے لئے دعائیں تو مانگتے ہیں مگر نہ دعا مانگنی جانتے ہیں نہ دعا کو سمجھتے ہیں۔ مصور غم نے اپنے مخصوص رنگ میں اردو زبان میں نظم و نثر کی یہ دعائیں لکھی تھیں۔ جو سوز و گداز اور درد و اثر میں ڈوبی ہوئی ہیں اور ایک ایک جملہ اور ایک ایک مصرعہ کلیجہ کے پار ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید کی دعائیں پیغمبروں کی دعائیں سرور کائنات اور پیغمبروں کی دعائیں بھی ہیں باعتبار ادب دعاؤں کی کوئی کتاب اس قدر بلند درجہ نہیں رکھتی قیمت ۸؍

## چمنستانِ مغرب

خانہ داری۔ تاریخ۔ معاشرت، ادب، غرض ہر موضوع پر خواتین کے لئے مفید و دلکش

انگریزی زبان کے چند بہترین مضامین کے عام فہم ترجمے جن کی خصوصیت یہ ہے کہ حضرت علامہ مغفور کا رنگ بھی ان میں جھلک رہا ہے۔ جنھیں پڑھ کر ترجمے کا گمان نہیں بلکہ طبع زاد کا دھوکا ہوتا ہے۔ مشرق کے بے مثل ادیب نے مغربی لٹریچر کو اُردو زبان میں منتقل کیا تو اس سلیقہ کے ساتھ کہ مشرقی بیبیاں ادبی دلچسپیوں کا لطف اُٹھانے کے علاوہ کام کی باتوں سے بھی فائدہ اُٹھا سکیں قیمت عہ

## دلی کی آخری بہار

۶۰ برس پہلے دلی کیا تھی مرد عورتیں بوڑھے بچے کس طرح بے فکری اور سادگی کے ساتھ زندگی کا لطف اٹھاتے تھے میلے ٹھیلے کس طرح منائے جاتے اور سیر و تفریح کس طرح کی جاتی تھی۔ اس کتاب میں ملے گا۔ جو نصف صدی پہلے کی معاشرت محبت۔ تعلقات۔ وضعداری کی درد انگیز کہانیاں اور دلی کی بربادی کے جگر خراش افسانے ہیں جن میں علامہ مغفور نے انشا پردازی ہی کا کمال نہیں دکھایا قلعہ معلی کی کوثر کی دُھلی ہوئی بیگماتی زبان ہی نہیں لکھی بلکہ افسانہ شب کا سماں کر کے درد مند دلوں کو تڑپا دیا ہے۔ قیمت ایک روپیہ

## مسلی ہوئی پتیاں

دلی کی بیگماتی زبان میں زنانہ خطوط انشا کی معمولی کتاب نہیں حیات انسانی کے وہ راز ہیں جن کو پڑھ کر بے ساختہ جی چاہتا ہے کہ الفاظ نا قدرم چوم کر آنکھوں پر رکھ لیجیے ایک دریا ہے لطافت ہے جو بہ رہا ہے۔ ایک عالم بے نظیر ہے کہ خواتین ہی کو نہیں مردوں کو بھی درس دے رہی ہے۔ ایک نشتر ہے کہ کلیجہ میں گھس رہا ہے لکھنے کے ڈھنگ پڑھنے کے رنگ رہنے سہنے کا طرز سب ہی کچھ اس میں موجود ہے۔ حضرت مصور غم کا سب سے پہلا مضمون جو ۱۸۹۷ء کے مخزن میں شائع ہوا تھا وہ بھی اس مجموعہ میں شامل ہے۔ قیمت عہ

## داستان پارینہ

مصور غم مرحوم جامع حیثیات مصنف تھے ان کی مورخانہ حیثیت کے آگے بڑے بڑے نقادوں کو گردن جھکانی پڑی اسلامی تاریخ کے ضخیم ناول دیکھ چکے۔ اب تاریخی مضمونوں کے مجموعہ میں دیکھیے کہ تاریخ میں افسانہ سے بڑھ کر لطف پیدا کر دینا علامہ راشد الخیری جیسے بے مثل انشا پرداز مورخ کا کام تھا۔ واقعات سب تاریخی ہیں مگر پیرایہ بیان کی نادری بار بار ان کے مطالعہ پر مجبور کرتی ہے۔ مسلم بیگمات اور حکمرانوں پر غیر مسلم متعصب مورخوں نے ناروا حملے کیے ان کے اس قدر مدلل اور دندان شکن جوابات دیے ہیں کہ بے اختیار مصور غم کی مورخانہ قابلیت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ قیمت ۲ عہ

## نالۂ زار

خواتین ہند کے محسن اعظم کے درد انگیز مضامین ہیں جن میں عورت کی مختلف حیثیتوں پر بحث کی گئی ہے۔ یہ وہ معرکۃ الآرا مضامین ہیں جو زنانہ لٹریچر میں غیر فانی درجہ رکھتے ہیں نالۂ زار میں عورتوں کی مظلومیت کا مرقع اور ان کے مصائب و آلام کی دردناک داستانیں ہیں جن کو پڑھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے اور سنگدل سے سنگدل انسان کی آنکھیں نمناک ہو جاتی ہیں۔ قیمت عار

## بلبلِ بہار

لڑکیوں کی تعلیم و تربیت اور پردہ کے مختلف پہلوؤں پر طبقہ نسواں کے سب سے بڑے نباض نے نہائی صدی تک غور و فکر کے بعد جو بیش بہا مضامین تحریر فرمائے تھے ان کا یہ انتخاب ہے۔ خشک سے خشک موضوع کو نہایت دلآویز پیرایہ میں بیان فرمایا ہے کہ مصور غم خداداد قابلیت رکھتے تھے کسی مضمون کی چند سطریں پڑھنے کے بعد بہت ہی مشکل ہے کہ مضمون کو ختم نہ کیا جائے پیچیدہ مسائل کو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ حل فرمایا ہے قیمت ۱ر

## یادگارِ تمدّن

تمدن حقوق نسواں کی حمایت میں پہلا اور آخری زنانہ رسالہ تھا اس کے ایڈیٹر کی حیثیت سے علامہ مغفور نے جو مضامین تحریر فرمائے تھے ان کا مجموعہ ہے طرز بیان اس قدر دلآویز اور موثر ہے کہ ایک ایک سطر کو بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے اور یہ علامہ مغفور کی بے مثل انشا پردازی کا معمولی کرشمہ ہے قیمت [illegible]

## گردابِ حیات

حضرت مصور غم نے عورتوں کی اصلاح و حمایت میں چھوٹے چھوٹے نتیجہ خیز اور موثر افسانے عام فہم پیرایہ میں عصمت میں لکھے تھے ان میں سے کچھ افسانوں کا یہ مجموعہ مرتب کیا گیا ہے۔ ان افسانوں نے بیسیوں عورتوں کو افسانہ نگار بنا دیا ہے اور ہزاروں عورتوں کی زندگی سنوار دی۔ قیمت ایک روپیہ

## بساطِ حیات

چار مختصر افسانوں کا مجموعہ حیات انسانی کے متعلق جانوروں کا مشاہدہ اور مطالعہ تمام افسانے دلآویز اور نتیجہ خیز ہیں یہ جانوروں کی زبان میں معمولی انسانی کہانیاں نہیں بلکہ پیرایہ میں درس اخلاق اور اصلاح معاشرت کے اسباق بیش بہا ہیں قیمت ۴ر

## حور اور انسان

اب سے پچیس سال قبل تمدن میں علامہ مغفور نے حقوق نسواں کی حمایت میں چند موثر اور درد انگیز افسانے تحریر فرمائے تھے جنھوں نے تعلیم یافتہ مردوں میں تہلکہ مچا دیا تھا۔ اس مجموعہ میں چار۔ پانچ افسانے تمدن کے اور تین چار عصمت کے ندرت و دلداری کے ان افسانوں کے عنوانات یہ ہیں:- حور اور انسان۔ پریوں کی محفل۔ ضمیرہ۔ شریع کا خون۔ انصاف کمیٹی۔ ایک روح کی سرگذشت۔ سوکن کی نصیحت۔ ہر افسانہ سبق آموز اور موثر ہے قیمت صرف بارہ آنہ (۱۲ر)

## نشیب و فراز

آٹھ عورتوں نے اپنی اپنی زندگی کے اہم واقعہ کا مشاہدہ بیان کیا ہے ہر افسانہ نہ صرف دلچسپ ہے بلکہ نسوانی زندگی کے کسی پہلو پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔ قیمت ۸ر

## دادی لال بجھکڑ

پانچ نہایت ہی پُر لطف مزاحیہ قصے جنھیں پڑھ کر ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں۔ ڈاکٹر کی نہیں اور نانی عشو کے سلسلہ کی تفریحی لیکن نتیجہ خیز کتاب جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصور غم علیہ الرحمۃ ظرافت نگاری میں بھی کس درجہ کمال رکھتے تھے قیمت آٹھ آنے (۸ر)

ملنے کا پتہ دفتر عصمت دہلی

محصول ڈاک بذمہ خریدار

## مسلمان عورت کے حقوق

اس مجموعے میں حقوق نسواں کی حمایت میں وہ متفرق مضامین ہیں جو گذشتہ تیس سال کے عرصہ میں عصمت اور دوسرے پرچوں میں سنگدل مگر شریف ہزارہا انسانوں سے آنسوؤں کا خراج حاصل کر چکے ہیں جو مرد خانگی زندگی خوشگوار بنانے کے آرزومند ہیں جو عورتیں معلوم کرنا چاہتی ہیں کہ اسلام میں ان کی کیا وقعت اور کیا درجہ ہے وہ اس مجموعہ کا مطالعہ کریں جس دل میں مسلمانوں کی ترقی اور بہتری کا درد ہے یہ ممکن نہیں کہ وہ ان مضامین کو پڑھے اور نہ تڑپ اٹھے ۱۲ر

## ساجن موہنی

بہت سی بیبیاں باوجود کوشش کے شوہر کو خوش نہیں رکھ سکتیں کیونکہ انھیں تسخیر شوہر کے گر ہی نہیں معلوم۔ میاں بیوی میں آئے دن جھگڑے ہوتے رہتے اور زندگی میں بے لطفی۔ پھیکا پن ہی نہیں ناخوشگواری بلکہ تلخی محسوس ہوتی ہے اس مجموعہ کا مطالعہ نہ صرف شادی شدہ خواتین ہی کے لئے بے انتہا مفید ہے۔ بلکہ ان لڑکیوں کے لئے بے انتہا مفید ہے بلکہ ان لڑکیوں کے لئے جن کی عنقریب شادی ہونے والی ہے ۱۲ر

## خدائی راج اور دوسرے افسانے

اردو کے سب سے پہلے مختصر افسانہ نگار کے آخری افسانوں کا بے مثل مجموعہ جس میں حیات انسانی کی پیچیدہ سے پیچیدہ گتھیوں کو سلجھایا گیا ہے اور جذبات انسانی کی وہ دلآویز ترجمانی کی گئی ہے۔ پلاٹ۔ مکالمہ۔ کردار نگاری مناظر اور جذبات نگاری ہر اعتبار سے یہ افسانے مشرق کے بہترین افسانوں میں سے ہیں جن پر ہمارا ادب ہمیشہ فخر کرے گا۔ عہ ر

## زیورِ اسلام

مسلمان لڑکیوں اور عورتوں کے لئے نہایت موثر مذہبی مضامین جن کے مطالعہ سے انھیں معلوم ہوگا کہ ان کی ہستی کیا معنی رکھتی ہے اور آئندہ زندگی کو خطرات سے بچا کر ایک مسلمان کی حیثیت سے پرلطف و باطمینان زندگی کس طرح بسر کی جاتی ہے۔ خدا اور اس کے بندوں کے ان پر کیا حقوق ہیں اور انھیں دینی و دنیاوی فرائض کو خوش اسلوبی کے ساتھ کس طرح انجام دینا چاہئے۔ علامہ راشد الخیری رح کی ہر تحریر کی دو خصوصیتیں ہوتی ہیں ادبیت اور مذہبیت۔ خشک سے خشک موضوع کو اس قدر لطیف اور دلآویز پیرایہ میں بیان فرمایا ہے کہ مجال ہے کہ طبیعت ذرا اکتا جائے معمولی پڑھی لکھی عورتوں ہی کے لئے نہیں تہذیب جدیدہ کی دلدادہ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین کے لئے بھی اس مجموعہ میں گراں بہا اسلامی معلومات ہیں جو زندگی کو کامیابی کے ساتھ بسر کرنے میں مدد دیں گی۔ قیمت عہ ر

## شادی کا انتخاب

اس وقت لڑکا لڑکی کی شادی کا انتخاب مسلمانوں کے لئے نہایت اہم مسئلہ ہے کوئی خاندان ایسا نہ ہوگا جہاں والدین پریشان نہ ہوں کہ جوان لڑکیاں بیٹھی ہیں اور مناسب بر نہیں جڑتا۔ لڑکیاں اس معاملہ میں دم بخود ہیں اور والدین بھی حالات کے تحت میں کرنے پر مجبور۔ لڑکیاں شادی کے وقت کیا کریں مذہب اسلام نے ان کو کیا حق دیا ہے۔ لڑکی لڑکے کی شادی کے وقت کن باتوں کو دیکھنا چاہئے خواتین ہند کے محسن اعظم نے بیمار پڑنے سے قبل ایک مستقل کتاب اس موضوع پر شروع فرمائی تھی لیکن موت نے کتاب کی تکمیل کی مہلت نہ دی جس قدر صفحے لکھے جا چکے تھے ان کے ساتھ عصمت کے تیس سال کے فائل سے تلاش کرکے اس موضوع پر علامہ مغفور کے زیادہ سے زیادہ مضامین جمع کئے گئے ہیں ۸ر

## عالم نسواں

ان ملکی اور غیر ملکی واقعات پر جو خواتین بالخصوص مسلمان عورتوں سے متعلق تھے۔ حضرت علامہ مغفور کا اپنے مخصوص پیرایہ میں تبصرہ تحریک نسواں۔ بیداریٔ نسواں۔ آزادیٔ نسواں۔ حریت نسواں سے جنھیں ذرا بھی دلچسپی ہے وہ علامہ مغفور کے جنھوں نے نصف صدی عورتوں کی ترقی اور بہتری کی کوششوں میں ختم کردی۔ ان گراں بہا خیالات کی قدر کریں گے۔ ۸ر

## فریبِ ہستی

وہ بیش بہا مضامین جو اصلاح معاشرت اور اصلاح خیالات کے متعلق ہیں اور جن کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ مسلمان گھرانے اندر ہی اندر گھن کی طرح کھوکھلے ہو رہے ہیں اور ان کی حالت درست ہونے کی کیا تدابیر ہیں۔ ۸ر

## بکھری ہوئی پتیاں

مختلف موضوعات کے متفرق مضامین اس مجموعہ میں وہ مضامین بھی شامل ہیں جو بعض گذشتہ مجموعوں مثلاً گدڑی میں لال بزم رفتگان۔ بے فکری کا آخری دن۔ عروس مشرق۔ گرداب حیات وغیرہ میں شامل ہونے سے رہ گئے تھے۔ انشائے لطیف اور کئی درد انگیز نظمیں بھی ہیں۔ گویا اس مجموعہ میں لٹریچر میں حضرت علامہ مغفور کی کئی مختلف حیثیتیں آ گئی ہیں۔ قیمت ایک روپیہ چھ آنہ

## عصمت کا راشد الخیری نمبر

یہ تاریخی پرچہ ہے جس میں ہندوستان اور بیرون ہند کے مسلم اور غیر مسلم مشہور لکھنے والوں اور اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین نے ہندوستان کے مصلح اعظم کی یاد میں موثر مضامین لکھے اور ان کی تصانیف پر تنقیدیں کیں اور حضرت علامہ مغفور کی بے بہا خدمات اور ادبی کمالات کا اعتراف کیا ہے اور کئی مضمون حضرت مصور غم علیہ الرحمۃ کے ذاتی حالات اور خانگی زندگی کے متعلق ہیں جو علاوہ دلچسپ ہونے کے سبق آموز اور نتیجہ خیز ہیں حضرت علامہ مرحوم کی مختلف عمروں کی تصاویر بھی دی گئی ہیں مضامین کے صفحے پونے تین سو ہیں مگر نصف سے زیادہ باریک لکھا کر تصانیف مصور غم کے سائز کے ۶۰۰ صفحوں کے مضامین شائع کئے گئے ہیں۔ کاغذ ولائتی چکنا لکھائی بہترین۔ ہندوستان کے کسی سیاسی رہنما کسی ادیب کسی شاعر کی یاد میں اس قدر کامیاب ضخیم خاص نمبر کسی پرچہ کا شائع نہیں ہوا قیمت عہ ر

| [illegible] کھانے | [illegible] کھانے | ہندوستانی کھانے | [illegible] کھانے | [illegible] کھانے |
| --- | --- | --- | --- | --- |
| [illegible] کھانے | نفیس نفیس کھانے | لذیذ کھانے | عمدہ عمدہ کھانے | [illegible] کھانے |
| [illegible] کھانے | | | | چٹخارے دار چٹنی کھانے |

سینکڑوں قسم کے کھانے تیار کرنے کی اردو زبان میں بے نظیر کتاب

# عصمتی دسترخوان حصہ اول

عصمتی

اس کی ایک نمایاں خصوصیت جو اس موضوع کی اور کسی کتاب میں نہ ملے گی یہ ہے کہ تمام ترکیبیں تجربہ کرنے کے بعد لکھی گئی ہیں اس لئے ترکیبیں بالکل صحیح ہیں اور وزن بالکل درست! ہندوستان بھر کے ہر حصہ کی تمیز دار عصمتی بہنوں نے اس کتاب کی تیاری میں حصہ لیا ہے اور ایڈیٹر صاحب عصمت کی اہلیہ محترمہ آمنہ نازلی صاحبہ نے بڑی محنت سے کتاب مرتب فرمائی ہے۔ باورچی خانہ کے انتظام اور کھانوں کے متعلق نہایت قیمتی ہدایات و مضامین درج کئے گئے ہیں۔ ایک ایک چیز کی کئی قسم کی تیار کرنے کے لئے بھی عصمتی دسترخوان سے بہتر کتاب ملنی ناممکن ہے مثال کے طور پر صرف دو کھانوں کی فہرست ملاحظہ فرمایئے۔

| پڈنگ کی ترکیبیں | | کبابوں کی ترکیبیں | | |
| --- | --- | --- | --- | --- |
| [illegible] پڈنگ | انجیر پڈنگ | ران کے کباب | کباب بیضہ مرغ | تاشکش کباب |
| کھوئے کی پڈنگ | انڈے پڈنگ | آلو کے کباب | کچے قیمے کی ٹکیاں | شامی کباب |
| نارنگی بھری پڈنگ | [illegible] پڈنگ | کچے آلو کے کباب | گوشت کے میٹھے کباب | آنتوں کے کباب |
| جنجر پڈنگ | جلیبیوں کی پڈنگ | ناریل کے کباب | کباب مرغ مسلم | انگریزی کباب |
| روز پڈنگ | میوہ دار پڈنگ | مچھلی کے سیخی کباب | سیخ کے چپٹے کباب | اروی کے کباب |
| انناس پڈنگ | کشمش پڈنگ | سیخ کے کباب | مچھلی کے شامی کباب | اور کئی کئی قسم کے |
| کمزور بیماروں کیلئے | بالائی پڈنگ | پسندے کے کباب | دہی کے کباب | کباب |

## یہ صرف دو چیزوں کی فہرست ہے

اسی سے کتاب کا اندازہ کر لیجئے۔ چاول سلونے اور میٹھے۔ سویاں کھیر فیرنی۔ سادے اور ترکاری کے سالن مچھلی مرغ جیلی۔ بسکٹ کیک۔ دالیں۔ مٹھائیاں۔ حلوے۔ چٹنیاں۔ مربے۔ اچار۔ سموسے۔ بڑے بڑی۔ کچوریاں۔ پراٹھے۔ روٹی۔ غرض ہر قسم کے شرقی و مغربی کھانوں کی بڑی بڑی اچھی ترکیبیں ہیں اور ہر چیز کی کئی کئی درجن صحیح ترکیبیں! اس کتاب کا ہر گھرانے میں ہونا ضروریات میں سے ہے ہندوستان بھر میں اس کی دھوم مچ گئی ہے۔ بہت سی عورتیں اس کتاب کی بدولت عمدہ عمدہ ذائقہ دار کھانے پکانے لگی ہیں۔ لڑکیوں کو یہ کتاب اشد ضروری سمجھ کر جہیز میں دی جاتی ہے۔ سینکڑوں خواتین نے اس کی تعریف میں خطوط بھیجے ہیں اور کتنے ہی مردوں نے اس کتاب کی اشاعت پر مؤلفہ و پبلشر کا شکریہ ادا کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کھانے پکانے کی اس قدر صحیح اور ایسی کارآمد کتاب ہندوستان کی کسی زبان میں آج تک نہیں چھپی۔ اس کی تیاری پانی کی طرح روپیہ بہایا گیا ہے۔ پہلے ہی سال میں ہاتھوں ہاتھ تین ایڈیشن نکل گئے اس کتاب پر اس قدر محنت کی گئی ہے کہ اگر پانچ روپے قیمت بھی ہوتی تو کم تھی لیکن اس لئے کہ ہر شخص اس سے فائدہ اٹھا سکے صرف دو روپیہ قیمت رکھی ہے۔ مجلد کی قیمت صرف دو روپیہ چار آنہ ہے۔ اور زیادہ تر مجلد ہی منگائی جاتی ہے۔

پتہ: منیجر رسالہ عصمت کوچہ چیلان دہلی

# عصمتی دسترخوان کے ضمیمے: عصمتی کن ہی اصول پر

## یہ کتابیں بھی شائع کی گئی ہیں!

اسی لئے ہاتھوں ہاتھ نکل رہی ہیں

**عصمتی ہنڈکلیا** یہ کتاب بچیوں کے لئے ہے تاکر وہ شادی سے قبل کھانے پکانے کے فن میں ماہر ہو جائیں اور ایک کنواری بچی کو جو جو کچھ جاننا چاہئے عملی طور پر اس سے واقف ہو جائے۔ سوا سو کھانوں کی نہایت صحیح ترکیبیں بچیوں ہی کے مطلب کی درج کی گئی ہیں پھر خوبی یہ کہ کھانے پکانے کے متعلق نہایت مفید مضامین اور کارآمد ہدایتیں درج کی گئی ہیں جو ہر لڑکی کو ضرور جاننی چاہئیں۔ باتصویر ٹائیٹل قیمت صرف ۸ر

**ناشتہ** دوپہر اور رات کے کھانے سے قبل صبح اور تیسرے پہر کیا کیا ناشتہ کیا جاتا ہے۔ اس موضوع پر سب سے پہلی قابل قدر کتاب جس میں چا، کوکو، شربت لسی، فالودہ، آئس کریم، بسکٹ، کیک، توسٹ، کڑھائی وغیرہ وغیرہ نیز ہندوستان کے ہر صوبے اور ہر حصے کے مختلف قسم کے ناشتوں کی کئی کئی ترکیبیں ہیں گویا اس کتاب کی موجودگی میں جس حصہ ملک کا مہمان ہمارے ہاں آئے اسی کے مطلب کی چیز ہم ناشتے میں پیش کرکے محو حیرت کر سکتے ہیں۔ قیمت ۱۰ر

**بچوں کے کھانے** ننھے بچوں کے لئے اصول صحت سے کس قسم کی غذا دینی چاہیئے، کون سے کھانے مفید ہیں اور وہ کس طرح تیار ہوتے ہیں اس موضوع پر بے نظیر کتاب جس میں بچوں کے صحت بخش اور مفید کھانوں کی کئی درجن تجربہ کی ہوئی صحیح ترکیبوں کے علاوہ کئی نہایت کارآمد مضامین بھی ملک کے قابل قابل ڈاکٹروں اور تجربہ کاروں کے لکھے ہوئے ہیں۔ باتصویر قیمت صرف ۸ر

**بیماروں کے کھانے** بیماروں کے لئے جو کھانے بہت مفید ہیں اس میں صرف انہی کی ترکیبیں ہیں۔ اور کئی قابل تجربہ کار ڈاکٹروں نے اس کی تیاری میں حصہ لیا ہے۔ تمام ترکیبیں تجربہ کی ہوئی ہیں اور بیحد کارآمد ہیں۔ مضامین بھی بے انتہا مفید و قابل قدر ہیں۔ ہر گھر میں اس کتاب کا ہونا ضروری ہے باتصویر قیمت دس آنہ (۱۰ر)

**مذاقیہ کھانے** دولہا بھائی سے، سمدھی سے، سہیلیوں سے بدلہ مذاق کرنے کے لئے نہایت دلچسپ کتاب جس کا ہر نسخہ صحیح ہے۔ بیہودہ تکلیف دہ عامیانہ مذاق کی جگہ اس کتاب کو شائستہ مذاق کو ہدایت بتانے ہنسانے والی کتاب ہے زندہ دلی کا ثبوت دو، [illegible] قیمت [illegible] لڑکیاں یہ کتاب نہایت شوق سے منگاتی ہیں

**شرقی مغربی کھانے** [illegible]

# زنانہ دستکاری کی مفید کتابیں

## جو اپنے موضوع پر بہترین تسلیم کی جا چکی ہیں

## (۱) عصمتی کروشیا

کروشیا کی شوقین بہنوں کے لئے بہترین تحفہ

یہ کتاب فن کروشیا کی مشہور ماہر محترمہ فاطمہ انور علی بیگم صاحبہ نے ترکیب اور ہدایات لکھ کر مرتب کی ہے۔ عصمت کی مشہور مضمون نگار محترمہ و۔ا۔ ساحرہ کی رائے ہے "یہ خوبصورت اور کامیاب کتاب بہت محنت سے مرتب کی گئی ہے"۔ محترمہ لطیف بیگم صاحبہ جن کے سلائیوں کے کام کے مضامین عرصہ سے عصمت میں خوب مقبول ہو چکے ہیں لکھتی ہیں "عصمتی کروشیا کے نقشے اس قدر صاف واضح اور آسان ہیں کہ سمجھنے میں بالکل دقت نہیں ہوتی"۔ محترمہ نفیس بیگم صاحبہ موٹو کروشیا کی رائے ہے جو ہدایات دی گئی ہیں ان سے نمونے بنانے میں بہت سہولت ہو جاتی ہے۔ دوسرا ایڈیشن نہایت آب و تاب کیساتھ بڑے سائز پر شائع ہوا ہے کاغذ نفیس۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ

| مختصر فہرست عصمتی کروشیا | | |
|---|---|---|
| بگلہ نما گاڑی | فارم ہاؤس | گوز ناٹ |
| ڈاک بنگلہ | مسی کا ... | امام حسین |
| نوٹی ست شد | مرغ | شیر ببر |
| کلمہ طیبہ | تاج محل آگرہ | جامع مسجد |
| ۵ نفیس نسرشن | ۱۱ دلآویز جھالریں | ۶ خوبصورت کونے |
| خوش آمدید | عید مبارک | درخت نما ڈالی |
| چڑیا ڈالی پر | طرہ دان | پردار گھوڑے |
| گاڈ بلیس | راج ہنس | بچہ مع تیر و کمان |
| ایکخاتون مع پنکھا | ای کوزی، تیلے | گلدستے وگلدان |

## (۲) عصماتی کشیدہ

اس کتاب میں کشیدہ کاری کے نہایت اچھے اچھے نمونے دیئے گئے ہیں ضروری اور کار آمد ہدایتیں اس قدر آسان پیرایہ میں لکھی گئی ہیں کہ چھوٹی چھوٹی بچیاں بھی سمجھ سکیں ہر نمونہ کی ضروری تشریح کی گئی ہے یعنی نمونہ کس کس چیز کے لئے موزوں ہو سکتا ہے اور کس کس رنگ میں ہونا چاہیئے۔ اور کیا کیا احتیاط ضروری ہے۔ پھر نمونے شروع ہوتے ہیں، میز پوش پلنگ پوش، رومال، کرسیوں کے گدوں تکیوں کے غلاف پلنگ کی چادروں۔ پردوں وغیرہ وغیرہ کے وسط اور کونوں کے لئے مختلف قسم کے پھولوں، بوٹوں، گلدستوں وغیرہ کے کئی درجن خوبصورت نمونے ہیں۔ ان کے بعد کئی وضع کی دلاویز بیلیں پھر مختلف قسم کی کڑھت کے عمدہ عمدہ نمونے ایک درجن سے زیادہ اس کے بعد پرندوں اور چند مشہور عمارات کے خاکے غرض بچیوں کیلئے یہ کتاب بہت کار آمد ہے اور انہیں ہنرمند بنا دیگی پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا اب دوبارہ چھپی ہے قیمت عہ

## (۳) گلدستہ کشیدہ

عصمتی کشیدہ کا دوسرا حصہ

کشیدہ کاری کی اس قدر خوبصورت اور اتنی کار آمد کتاب آجتک نہیں چھپی

اس کتاب کی تیاری میں ... دستکار بہنوں نے حصہ لیا ہے اور کشیدہ کاری کی مشہور ماہر محترمہ عذرا فاطمہ بیگم صاحبہ آرہ نے نہایت محنت و قابلیت سے کتاب کو مرتب فرمایا ہے۔

کتاب کے ۱۱ باب ہیں جن کی تفصیل یہ ہے

| باب | مضمون | نمونے |
|---|---|---|
| باب ۱ | خوبصورت فریم مثلاً محمد تاج محل عید کا تحفہ وغیرہ | ۹ نمونے |
| باب ۲ | مختلف قسم کے پھولوں کونوں والیوں کے | ۶۲ |
| باب ۳ | مختلف وضع کے بنے پھول | ۴۴ |
| باب ۴ | میز پوش چادروں وغیرہ کے کونے | ۱۹ |
| باب ۵ | غلاف تکیہ وغیرہ کے خوشنما مرکز | ۱۹ |
| باب ۶ | مختلف وضع کے گول پھول | ۱۱ |
| باب ۷ | بیل کلابتہ۔ پلنگ کی چادریں ساری وغیرہ کی بیلیں | ۱۷ |
| باب ۸ | انسرشن کی بوٹیاں وغیرہ | ۹ |
| باب ۹ | قمیص کے کف | ۳ |
| باب ۱۰ | قمیص کرتہ بلاؤز کے گریبان | ۴ |
| باب ۱۱ | متفرق، مثلاً ٹی کوزی بچوں کے بب جوتہ۔ باؤذن کا غلاف بائیسکل کی گدی پٹوہ وغیرہ | ۱۵ |

موتیوں کے کام کی طرح گلدستہ کشیدہ میں بھی پہلے نہایت کار آمد ہدایتیں ہیں پھر نمونوں کے مطابق کاڑھنے کی مفصل ترکیبیں اس میں ہر چیز کا رنگ روپ لکھ دیا ہے پھر نمونے دیئے گئے ہیں اور تمام نمونے نہایت صاف ہیں اکثر نمونے ایسے خوبصورت ہیں کہ آجتک کشیدہ کاری کی کسی کتاب میں دیکھنے میں نہ آئے ہونگے اور ترکیبیں تو اس قدر آسان ہیں کہ چھوٹی بچیاں بھی سمجھ سکتی ہیں۔ گلدستہ کشیدہ میں سب نئے نئے ہیں یعنی جو عصمتی کشیدہ میں آچکے ہیں وہ اس کتاب میں نہیں ہیں کاغذ خوب موٹا دبیز اعلیٰ درجہ کی چھپائی ٹائٹل رنگین ضخامت ۱۴۰ صفحے قیمت عہ

## (۵) موتیوں کا کام

موتیوں کے کام کا شوق لڑکیوں میں روز بروز ترقی کر رہا ہے مگر یہ کام ایسا ہے کہ جب تک بتانیوالا نہ ہو سمجھ میں نہیں آتا اور جب اشارہ مل جائے تو با آسانی کیا جا سکتا ہے یہ کام ہے بھی نہایت دلچسپ اور مفید۔ غریبوں کے لئے روزی کا ذریعہ ہو سکتا ہے تو امیروں کے لئے دل بہلانے کا۔ ان ہی باتوں کو پیش نظر رکھکر یہ مفید کتاب دستکاری کی ماہر ۲۷ عصمتی بہنوں سے تیار کی ہے اور دعوی کیا جا سکتا ہے کہ موتیوں کے کام کی ایسی مفید کتاب ہندوستان بھر میں نہیں چھپی۔ اس میں مندرجہ ذیل ۲۰۶ نمونے ہیں۔

| | | |
|---|---|---|
| ۴۴ وضع کے پھول گلدستے | ۲۷ قسم کی لیس | ۳۶ جھالریں |
| ۱۳ عمدہ عمدہ فریم | ۱۱ انسرشن توری وغیرہ | ۴ جالیاں |
| ۲۹ وضع وضع کی بیلیں | ۸ ... | ۸ خوان پوش |
| ۹ حاشیہ کنارے | ۲ پنکھے | ۲ منی بیگ |
| ۷ سینڈ بیگ کے نمونے | ۶ ... | گلاس پوش چھلے |
| متفرق چیزیں ٹی کوزی | ... | لیمپ کے جھاڑ وغیرہ ۱۰ عدد |

مثال کے طور پر صرف دو چیزوں کی فہرست پیش کیجاتی ہے

| بیلیں | | لیسیں | |
|---|---|---|---|
| ... کی بیلیں | گلاب کی بیل | جگنو نما لیس | برگ نما ٹرٹی |
| آسان بیل | مینک نما بیل | ... کی لیس | ... نما لیس |
| سادی بیل | لٹ دار ؍ | کنگورے دار لیس | ہال نما لیس |
| ... کی بیل ؍ | چوکڑی ؍ | الگڑی دار لیس | بلاوز کی لیس ؍ |
| ... لی ؍ | ... کی تین کی | ... دار لیس | دوپٹہ کی لیس |
| ... کی ... | ... کی بیل | ... | لوز نما لیس |
| ... ؍ | حاشیہ کی | بورڈر | سادہ لیس |
| قیصر کا ... | نفیس بیل | لاکٹ لڑیاں | ... کا پانچہ |
| | | ... کی ... | دلکش ... |
| | | ... لڑی ؍ | چوڑی ... |

پہلے موتیوں کے کام کی ماہر بہنوں کے نہایت کار آمد مضامین و ہدایات درج ہیں پھر مفصل ترکیب اور ضروری ہدایات ہر نمونہ کی اس قدر آسان لکھی گئی ہیں کہ نو مشق بھی پورا فائدہ اٹھا سکتی ہیں چنانچہ بعض ترکیبیں ۲-۳-۴ سطروں میں ہیں جو کہ با آسانی سمجھ میں آجاتی ہیں تمام نمونے نہایت صاف اور خوبصورت ہیں کسی نمونے کے سمجھنے میں دقت نہیں ہوتی موتیوں کے کام کا شوق رکھنے اور یہ کام سیکھنے والی لڑکیوں اور عورتوں کے لئے اس سے بہتر ساتھی نہیں ملے گی، کاغذ خوب دبیز لکھائی چھپائی نہایت اعلیٰ ٹائٹل دو رنگ کا با تصویر خوبصورت۔ قیمت دو روپے

(۶) عصمتی دستکاری
(۷) سلمہ ستارہ کا کام
(۸) نٹنگ یا بننے کی کتاب

ان کتابوں کا اشتہار کسی دوسری جگہ ملاحظہ فرمائیے۔

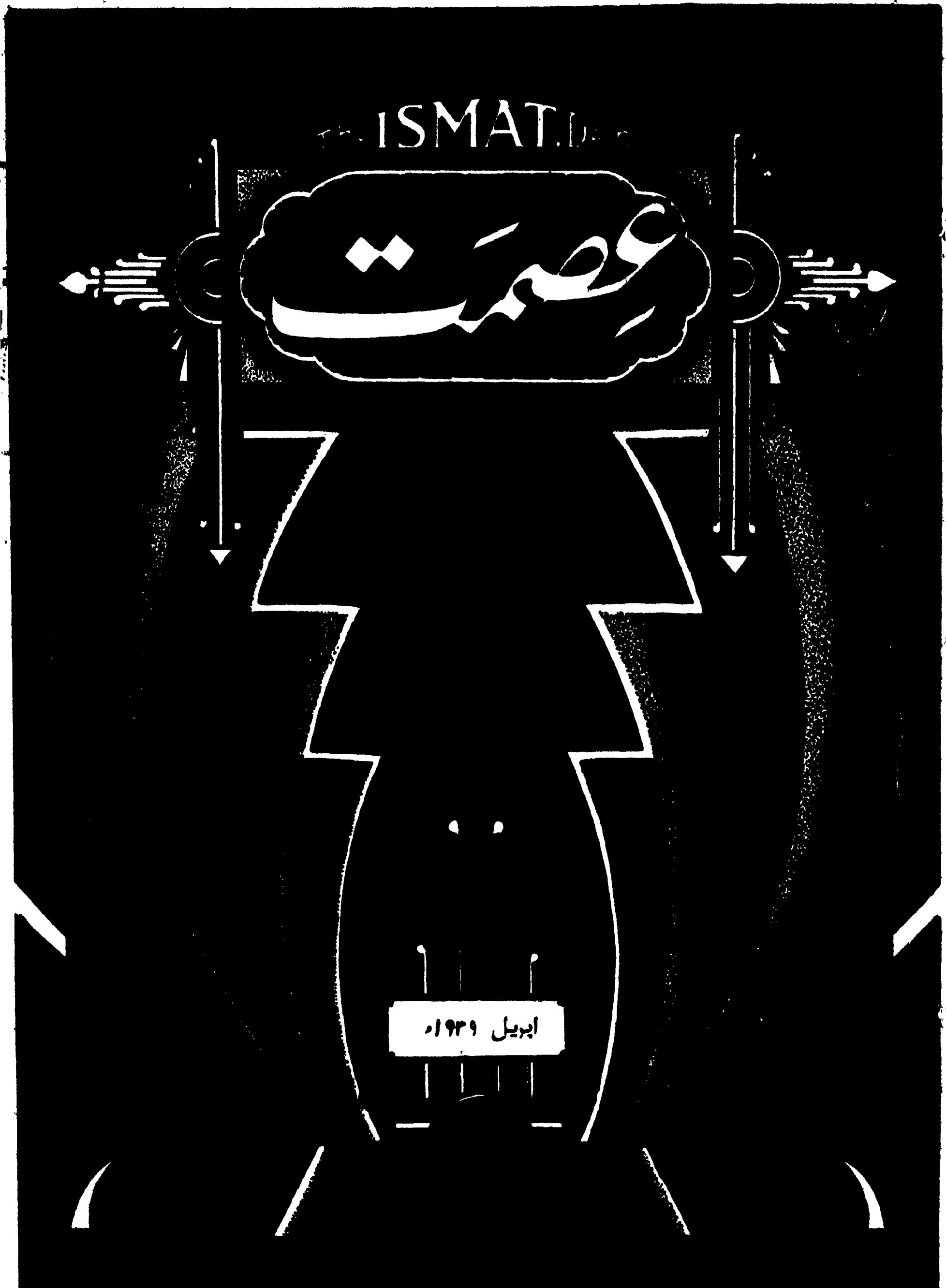
## (۴) خواتین کی دستکاریاں

جو عورتیں مالی دقتوں سے پریشان ہیں جنہیں آمدنی کی کمی اور اخراجات کی زیادتی نے پریشان کر رکھا ہے وہ اگر ایک جلد منگالیں تو گھر پر خود داری اور عزت کیساتھ زندگی گذار سکتی ہیں کیونکہ اس کتاب میں نادار اور غریب عورتوں کو نہایت کار آمد پیش بہا مشورے دیئے گئے ہیں اور بہت سے کاموں کی اس قدر تفصیل بیان کر دی ہے کہ پڑھی لکھی عورتیں بغیر کسی کا احسان اٹھائے صرف اس کتاب کی بدولت مالی پریشانیوں کو با آسانی دور کر سکتی ہیں۔ خواتین کی دستکاریاں جہاں غریب عورتوں کو بہترین مشورہ دیگی وہاں امیر عورتوں کو بھی ہنرمند اور سلیقہ شعار بنا دے گی۔ قیمت آٹھ آنہ۔

ملنے کا پتہ۔ منیجر عصمت دہلی

Only Cover Printed at the Calcutta Art Press, Katra Buryan Delhi

Regd. No. L. 1872 April 1939 Established 1908




قسم خاص

# تصانیف فخرِ نسوانِ ہند محترمہ خاتون اکرم جنت مکانی

محترمہ خاتون اکرم صاحبہ تعلیم یافتہ ہندوستانی خواتین کی محبوب ترین انشاپرداز تھیں جن کی مضمون نگاری کا ہندوستان بھر میں ڈنکا بج چکا ہے جن کے فلسفیانہ خیالات نے جن کے وہ دو اثر میں ڈوبے ہوئے طرزِ تحریر نے بڑے بڑے قابل مردوں سے خراجِ تحسین وصول کیا تھا۔ مشہور انگریزی روزنامہ بمبئی کرانیکل کی رائے ہے مرحومہ خاتون اکرم نہایت اعلیٰ درجہ کا ادبی مذاق رکھتی تھیں اور اپنے خیالات و جذبات کو نہایت سادہ مگر پُرزور انداز و مختصر الفاظ میں ادا کرنے کی قدرت رکھتی تھیں **علی گڈھ میگزین** لکھتا ہے ان کا طرزِ بیان پُراثر اور دل نشین ہوتا ہے۔ رسالہ **نور جہاں** نے لکھا تھا "مرحومہ چھوٹی سی عمر میں نہایت دانشمندانہ اور وسیع تجربہ رکھنے والی خاتون تھیں اپنی پرزور تحریر میں انسانی جذبات کی تصویر نہایت خوش اسلوبی سے کھینچتی تھیں

## گلستانِ خاتون (۱)

محترمہ خاتون اکرم ملک کے بہترین افسانہ نگار مردوں میں بھی نہایت ممتاز درجہ رکھتی تھیں گلستانِ خاتون متفقہ طور پر اردو کے بہترین افسانوں کا مجموعہ تسلیم کی گئی ہے۔ شہیدِ ظلم۔ آرزوئے دل۔ قربانی۔ انقلابِ زمانہ۔ تربیتِ اولاد۔ طرزِ زندگی۔ سچ کی فتح۔ دوسری شادی وغیرہ۔ وہ سبق آموز موثر اور دلچسپ افسانے ہیں جو زمانہ لٹریچر میں غیر فانی درجہ رکھتے ہیں اس سے پہلے کسی ہندوستانی خاتون کے ایسے بلند پایہ افسانوں کا مجموعہ نہیں چھپا۔ **پیسہ اخبار** لکھتا ہے "یہ وہ دلچسپ افسانے ہیں جن میں کوئی افسانہ خلافِ قیاس نہیں بلکہ عین مشاہدہ اور فطرت کے موافق ہے ان کی دلچسپی خاتمہ کتاب پر خود بخود داد دلاتی ہے" اخبار **ریاست** کی رائے ہے خواتین بلکہ مردوں کو بھی ان سبق آموز اخلاقی افسانوں کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔ **رہنما** لکھتا ہے ہر افسانہ اس قدر دلکش ہے کہ بغیر پورا کئے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ یہ افسانے ہماری موجودہ تمدن و معاشرت کی خرابیوں کی اصلاح کرنے والے ہیں۔ **ذوالقرنین** لکھتا ہے ان افسانوں میں ایک خاص خوبی یہ ہے کہ جس کا ذکر بیان کیا ہے اس میں موقع و حیثیت کے لحاظ سے زبان و لہجہ استعمال کیا گیا ہے۔ ملک کے تمام مشہور اخبارات و رسائل نے نہایت شاندار ریویو کئے ہیں کتاب کا دیباچہ مولوی راشد الخیری ایڈیٹر عصمت نے لکھا ہے۔ ٹائٹل کاغذ نفیس چھپائی اردو میں ایسی خوبصورت کتابیں بہت ہی کم نکلیں گی۔ ٹائٹل خوبصورت عمدہ لکھائی چھپائی قیمت ایک روپیہ چار آنہ۔ مجلد ۱۲/

## پیکرِ وفا (۲)

ایک دلاویز نتیجہ خیز افسانہ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ وفا عورت کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور شریف بیوی اپنے شوہر کیلئے کیسی کیسی قربانیاں کرتی ہے کہ دنیا حیرت میں رہ جائے۔ رسالہ **ہمایوں** کی رائے ہے یہ ایک کامیاب و مفید افسانہ ہے جس میں عورتوں کے حقوق واضح کیا گیا ہے جو اصلی تعلیم اسلام نے دیئے ہیں۔ طرزِ بیان رنگین عبارت سادہ و شگفتہ۔ اخبار **کشمیری** کی رائے ہے پیرایہ بیان دلگداز ہے۔ اخبار **صداقت** کی رائے پلاٹ اور کیرکٹروں کے لحاظ سے اچھا افسانہ ہے۔ بار سوم۔ قیمت آٹھ آنے

## بچھڑی بیٹی (۳)

ایک دلچسپ سبق آموز افسانہ جو کئی زنانہ رسالوں میں شائع ہو کر بے انتہا پسند کیا جا چکا ہے۔ ایک لڑکی ماں باپ سے بچھڑ جاتی ہے اس جدائی میں ماں باپ کی جو کیفیت ہوتی ہے وہ صرف کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے برسوں کے بعد وہی لڑکی اس طرح ملتی ہے جنت مکانی کی بے مثل افسانہ نگاری کی داد دینی پڑتی ہے۔ عجیب دلچسپ قصہ ہے۔ یہ بھی آرٹ کاغذ پر چھپا ہے قیمت ۶/

## جمالِ ہمنشیں (۴)

جنت مکانی کے بے مثل ادبی مضامین کا نہایت حسین شاندار مجموعہ ہے، عالمِ نزع، پھول، رمضان، وعدہ وفائی، خدائی سلطنت، تعزیت نامہ، فنا، زندگی، تغیرات زندگی، نیرنگیِ زمانہ، عبرت گاہ دنیا، موسم بہار، غم، ساون، عید، زندوں کی زندہ دستی، کسی کی یاد، حسی مذاق، خوشی کا دن وغیرہ وغیرہ۔ یہ وہ دلاویز مضامین ہیں جنکی عصمت، تہذیب، استانی، شباب، اردو وغیرہ میں شائع ہو کر دھوم مچ چکی ہے جمالِ ہمنشیں کے متعلق اخبار **ہمدم** لکھتا ہے ان مضامین میں فلسفیانہ بحث کی گئی ہے **انڈین ڈیلی میل** کی رائے ہے ان مضامین کی اردو ساخت زبان ہے… رسالہ **حرم** کی رائے ہے یہ مضامین بلحاظ زبان و خیال نہایت بلند ہیں اور ان کی اشاعت اردو زبان پر بڑا احسان ہے" رسالہ **اردو** لکھتا ہے ان مضامین کی عبارت بہت فصیح و شستہ ہے" اخبار **وکیل** جمالِ ہمنشیں بلا شبہ نسوانی دنیا کیلئے سبق آموز کتاب ہے اخبار **مدینہ** کی رائے ہے مضامین بہت بلند پایہ ہیں، روزنامہ انگریزی **بمبئی کرانیکل** لکھتا ہے ان مضامین کی زبان نہایت آسان اور سادہ ہے۔ یہ بھی آرٹ کاغذ پر تیسری بار چھپی ہے قیمت ایک روپیہ

# تصانیف محترمہ صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ

ایم۔ آر۔ اے۔ ایس۔ لندن

## مشیرِ نسواں یا زہرہ (۱)

ایک دلچسپ اخلاقی ناول جس میں لڑکیوں کو بہت سی مفید اخلاقی باتیں بتائی گئی ہیں قصہ دلچسپ و نتیجہ خیز ہے۔ طرزِ بیان بہت اچھا اکابرینِ قوم نے جسے پڑھ کر حسب ذیل ریویو کئے تھے

علامہ شبلی نے اسے پڑھ کر فرمایا تھا یہ کتاب محاسن سے مملو، معائب سے بالکل پاک ہے۔ اخبار **مشیرِ دکن** کے ریویو کا خلاصہ مضامین کیا بلحاظ زبان بڑی دلچسپ اور دلاویز کتاب ہے ریویو عورتوں کیلئے نہایت دلچسپ اخلاقی ناول ہے … کا ریویو بے نظیر ناول ہے جس میں عورتوں کی بہبود … نصائح اور معلومات کے نئے دلچسپ طریقے سے … اخبار **تہذیبِ نسواں** کا ریویو … قصہ کو … طریقہ کو بیان کیا ہے مصنفہ کو اس تصنیف پر … طلا…

## سرگذشتِ ہاجرہ (۲)

دلچسپ اور … بیش بہا ذخیرہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ … پیدا ہو جانے سے عورت … ہیں …آپ بیتی … اور عبرت … کے بہترین … ہیں علامہ محمد اقبال کو سرگذشت ہاجرہ … نہایت … موثر اور دلکش … سید صاحب … یہ عبرت … بڑی خوبی سے … اصلاح کی …

## موہنی (۳)

ایک اخلاقی معاشرتی … انتقال پر … انگلستان … سے یہاں … ایران پہنچتی ہے اور وہاں … سے شوہر ملاقات ہوتی ہے۔ ایران کی معاشرت، معاملات، … رسم و رواج پر ایسی مفید معلومات اس کتاب میں ملیں

## تحریرُ النسا (۴)

لڑکیوں اور عورتوں کے لئے جدید کتابت کی بہترین کتاب اخلاقی … مذہبی سبقوں کا لاجواب مجموعہ جس میں کو کارآمد اور مفید بہت سی باتیں بتائی گئی ہیں یہ کتاب انشائی … اور نتیجہ خیز سبق آموز مضامین کا مجموعہ بھی ہے پڑھنے کے بعد نہ صرف … ہر موضوع پر اچھے اچھے خطوط ہی لکھ سکتی ہیں بلکہ ان کی معلومات میں بھی اضافہ ہوتا ہو …

---

محصول ڈاک بذمہ خریدار

## معزز خواتین کی لکھی ہوئی نہایت دلچسپ اور مفید کتابیں

| | | | |
|---|---|---|---|
| نوری بیگم ۔ یہ | عقل کی باتیں ۔ ۸/ | خانہ داری کے تجربے ۔ ۱۲/ | تندرستی ہزار نعمت ۔ ۴/ |
| عبرت کی پتلی ۔ ۶ | ہنسی کی باتیں ۔ ۸/ | شمعِ خاموش (نظمیں) ۔ ۶/ | پردہ و تعلیم ۔ ۲ |
| چار زرع ۔ ۴ | تاریخی لطیفے ۔ ۸/ | آئینۂ جمال (نظمیں) ۔ ۱۲/ | بچوں کی تربیت ۔ ۲ |
| مدلت پر قربانیاں ۔ ۸/ | خواتینِ اندلس ۔ ۸/ | شہیدِ وفا (افسانہ) ۔ ۸/ | بچوں کی دنیا ۔ ۲ |
| | | نغماتِ موت (مضامین) ۔ ۴/ | مختصر دنیا ۔ ۲ |
| | | | آئینہ سوز ۔ ۲ |

**دفتر عصمت کوچہ چیلان دہلی**

سے یہ سب کتابیں شائع ہوئی ہیں۔

# رسالہ عصمت دہلی

| تیئسواں ۳۳ سال | بابت ماہ اپریل ۱۹۳۹ عیسوی | جلد ۶۲ نمبر ۴ |
|---|---|---|


## فہرست مضامین

### تصاویر ۹




چندہ سالانہ پیشگی مع محصول ڈاک چار روپیہ للعہ ممالک غیر سے دس شلنگ

قسم خاص (آرٹ کاغذ کا ایڈیشن) دس روپے۔ رؤسا سے پچیس روپے، والیان ریاست سے سو روپے۔ ممالک غیر سے ایک پونڈ۔ فی پرچہ ایک روپیہ۔

رسالہ عصمت۔ ہندوستان کے بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں پر میسرز اے ایچ وہیلر کے بک سٹال پر بھی ۵ ر میں ملتا ہے۔

باہتمام ابو امین مولوی محمد امان الرحمٰن پرنٹر و پبلشر محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں چھپا

# ایسی بیاہی سے کنواری بھلی

از حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ

میکہ کی سیجوں پر شادی کا جو خواب اماں جان نے دکھایا اس کی تعبیر پوری ہوئی اور تیرہ برس چھ مہینے کے بعد تحصیلدار صاحب رخصت ہوئے اب باقی عمر کس طرح گزرے گی۔ اور یہ زندگی جس میں تین لڑکیوں کو پال پوس کر جوان کرنا اور بیاہ دینا ہے کس طرح بسر ہوگی کون بتا سکتا ہے۔ کاش اماں جان تھوڑے روز اور زندہ رہ جاتیں تو دیکھ لیتیں کہ وہ مجھ بدبخت لڑکی کا نکاح کیا کر رہی ہیں دنیا کی تمام مصیبتوں کا انبار میرے سر پر رکھ رہی ہیں۔ وہ عورت تھیں افسوس اور صدمہ اس کا ہے کہ ماموں جان نے مرد ہو کر ذرہ بھر غور نہ کیا اور ان مصیبتوں کا مطلق خیال نہ کیا جو میرے نکاح میں چھپی ہوئی تھیں میں صرف اس لئے کہ میری زندگی دوسری ماؤں کے واسطے سبق ہو اپنے واقعات پر ایک نظر ڈالنی مناسب سمجھتی ہوں۔

میں جب چودہ پندرہ سال کی تھی یعنی اس دنیا میں عمر کا وہ حصہ طے کر رہی تھی جس میں لڑکیاں میکے سے رخصت ہو کر سسرال پہنچ جاتی ہیں تو اماں جان نہیں ابا جان بھی میری شادی کے متعلق اکثر فکر مند رہتے تھے اور اگر زیادہ نہیں تو دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں ایک مرتبہ ان دونوں کی گفتگو میری شادی کے متعلق ہو جاتی تھی۔ دونوں کو اس کا صدمہ تھا کہ پیام کہیں سے نہیں آتا یہ حالت مجھ اکیلی ہی کی نہ تھی کنبہ میں اور بھی پانچ چھ لڑکیاں اسی عمر کی بیٹھی تھیں مگر پیام کہیں سے نہ آتا تھا اس وقت تو مجھے کبھی اس کے اسباب تلاش کرنے کی ضرورت نہ ہوئی مگر آج میں یہ کہنے کا حق رکھتی ہوں۔ جو مسلمان اس بات کے شاکی ہیں کہ بیٹیاں جوان ہو رہی ہیں اور بر نصیب نہیں۔ وہ براہ کرم غور فرمائیں۔ کہ پیام کس طرح آئے پردہ کی وجہ سے لڑکیاں باہر نہیں نکل سکتیں بلکہ میں تو اس خاندان کی تھی جہاں کنواری لڑکیاں شادی بیاہ یا کسی محفل مجلس میں بھی نہیں جا سکتیں اگر کبھی کسی عورت کے آنے کا ہمارے ہاں اتفاق ہوتا تھا تو مجھکو حکم تھا کہ آنے والی عورت کی آہٹ سنتے ہی فوراً آنکھ سے اوجھل ہو جاؤں مجھے خوب یاد ہے کہ مہینوں مجھے کسی غیر عورت کے دیکھنے کا اتفاق نہ ہوتا تھا میں پردے کی مخالف نہیں ہوں مگر یہ معلوم کرنا ضرور چاہتی ہوں کہ ان حالات میں جبکہ لڑکی کی صورت شکل سات پردے میں چھپائی جائے۔ نکاح کا پیام کون دے اور کیونکر آئے اس پر بھی پیام کا آنا اندھے کی بٹیر سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتا اس مسئلہ پر غور تو بڑے ہی آدمی کریں گے لیکن مجھے تعجب ہے کہ باوجود اسلام کے صریح احکام کے جن میں مرد کو اجازت دی گئی ہے کہ وہ عورت کو دیکھ لے نکاح کا یہ طریقہ کہ صرف اتنا معلوم کر کے بلکہ سن کر کہ فلاں گھر میں ایک لڑکی قابل نکاح ہے لڑکی والوں کا پیام کی توقع رکھنا اور تاخیر پر شاکی ہونا کہاں تک جائز ہے۔

قصہ کوتاہ چھ برس اسی طرح گزرے اور پیام نکاح تو درکنار کسی نے یہ بھی نہ پوچھا کہ تمھارے منہ میں کے دانت ہیں۔ ابا جان یہ ارمان اپنے دل میں لے گئے۔ دادی جان جو ہر وقت دعائیں دیتی تھیں کہ ٹھنڈی رہو وہ بھی چلدیں خدا خدا کر کے بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا اور ان تحصیلدار صاحب کا پیام آیا وہ بھی خدا بھلا کرے ابا جان کے ایک دوست تھانیدار صاحب کا جن کے کان میں یہ بھنک پڑی ہوئی تھی کہ میر صاحب مرحوم کی ایک جوان لڑکی بیاہنے کو بیٹھی ہے۔ پیام کے آتے ہی سوکھے دھانوں پانی پڑ گیا اماں جان کی ہر وقت باچھیں کھلی جاتی تھیں ابھی بات چیت طے نہ ہوئی تھی۔ صورت اور مزاج دیکھا نہ تھا عادت و خصلت سے واقف نہ تھیں مگر ہر شخص سے تحصیلدار صاحب کی تعریف تھی۔ آوازیں میرے کان میں بھی آ رہی تھیں کہ تحصیلدار صاحب پچاس برس کے بڈھے ہیں بیٹے ہیں۔ پوتے ہیں۔ نواسے ہیں نواسیاں ہیں مگر مجال نہ تھی کہ زبان سے اُف کر سکتی دو ہزار روپیہ مہر پر نکاح ہوا اور میں تحصیلدار صاحب کے پلّے باندھ دی گئی مجھے ان کے خلق و محبت کا اعتراف ہے انہوں نے میری خاطر و مدارات میں کمی نہ کی مگر بعض باتیں یقیناً میری مرضی کے خلاف تھیں اور سمجھتی ہیں۔

مثلاً شادی کو مشکل سے بیس پچیس روز ہوئے ہوں گے کہ اُنہوں نے مجھ سے فرمائش کی بیگم یہ دو چار سفید بال چن دو۔ طوعاً وکرہاً اٹھی اور حکم کی تعمیل کی۔ شادی کو تیسرا سال تھا کہ تحصیلدار صاحب نے خضاب لگانا شروع کیا گھر میں دو دو مامائیں تھیں باہر تین چار نوکر تھے تیسرے چوتھے دن نائی بھی آتا تھا مگر فن خضاب کی ماہر بیگم ہی تھی کہ ہر اتوار کو پلنگ سے اُٹھتے ہی گوشت ترکاری کے ساتھ ارنڈ کے پتے منگوانے فرض تھے دوپہر کے ایک دو بجے تک جب تک ان کا سر اور داڑھی نہ دھلوالوں کھانا نہ کھاسکتی تھی نہ کسی کو دے سکتی تھی خیر اس کا بھی مضائقہ نہیں۔ ایک دن رات کو دس بجے جو ڈاڑھ میں درد شروع ہوا ہے ساری رات آنکھوں میں کٹ گئی۔ پھٹکری کی کلیاں ہوئیں عاقرقرحا دیا گیا دو بجے رات کے بادام کے چھلکوں کا منجن بنا۔

مختصر یہ کہ ڈاڑھ کم بخت جب تک نکل نہ گئی نہ تحصیلدار صاحب کو خود چین پڑا نہ دوسروں کو تین مہینے بعد درد سر کا دورہ ہوا اور وہ بھی ایک مختصر روگ پیچھے لگا اس سے فارغ نہ ہوئی تھی کہ دوسری ڈاڑھ چلی آٹھ دن اس پریشانی میں گزرے۔

غرض شادی کے دو تین سال خیر خاصے گزر گئے مگر اس کے بعد شاید ہی کوئی ایسا مبارک دن ہوتا ہوگا کہ میرے شوہر یعنی تحصیلدار صاحب تندرست رہتے ہوں ورنہ آئے دن ایک نہ ایک شکایت موجود تھی۔ اماجان شادی سے پانچ برس بعد دنیا سے رخصت ہوگئیں اور اپنی دانست میں میری شادی کا فرض نہایت اچھی طرح سے ادا کر دیا مجھے اعتراف ہے کہ تحصیلدار صاحب نے محبت یا دلداری میں کمی نہ کی روپیہ بھی میرے پاس ہمیشہ موجود رہا زیور اور کپڑا بھی اچھا اور بہت اچھا اور اماں جان بھی جب تک زندہ رہیں اسی کو دیکھ دیکھ کر نہال ہوتی رہیں مگر میں کچھ آج ہی نہیں اس وقت بھی زندگی سے اکتا سی گئی تھی اور ہمیشہ اسی نتیجہ پر پہنچی تھی کہ شادی کے جو معنی ہیں وہ میری شادی سے پورے نہیں ہوئے اس میں شک نہیں کہ بیوی مرد کی سب سے زیادہ رفیق ہونی چاہیئے اور بڑھاپے میں بیوی سے زیادہ شوہر کا مددگار اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ مگر رفیق اور شفیق وہی بیوی ہوسکتی ہے جو جوانی میں شوہر کے ساتھ رہ کر تمام خوبیاں دیکھ چکی ہو خود بھی اگر بڑھیا نہ ہو تو بڑھاپے کے قریب آگئی ہو یہ فطرت انسانی ہے اور خلاف فطرت توقع قطعاً ناجائز ہے ایک جوان لڑکی سے یہ امید رکھنی کہ وہ بڈھے پھونس شوہر کے جنازے پر رات بھر آنسو گرالے یا اس کے مرض الموت میں مہینوں رات رات بھر جاگتی رہے اور تیوری پر بل نہ لائے درست نہیں۔

میری عقل کام نہیں کرتی کہ اس کھلے ہوئے ثبوت پر بھی کہ ہندوستان میں ہزاروں لاکھوں بیوہ عورتوں نے سسرال میں یا ماباپ کے گھر پر اور بہن بھائیوں کے سامنے رنڈاپا کاٹ دیا لڑکی کا نکاح اس حد تک کیوں فرض سمجھ لیا گیا ہے کہ بڈھا پھونس ہی کیوں نہ ہو مگر نکاح کر دیا جائے آخر رانڈیں اپنی عمر کیونکر بسر کر دیتی ہیں۔ حالانکہ شادی کے نتائج سے باخبر ہو جاتی ہیں پھر کنواری لڑکی جو شادی سے قطعاً ناآشنا ہے کس واسطے کنویں میں دھکیلی جاتی ہے۔

تحصیلدار صاحب تشریف لے گئے میرے پاس زیادہ سے زیادہ دو ڈھائی ہزار کا زیور ہے اور ان کی پہلی بیوی کے بچے اس کا بھی مطالبہ فرما رہے ہیں تین لڑکیاں ساتھ ہیں ان کا انجام کیا ہوگا کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ میں اپنی دردناک زندگی کا ایک مختصر سا پہلو دکھا کر ان ماؤں سے جو اپنی جوان بچیوں کو بڈھے شوہروں کے حوالہ کر دیتی ہیں التجا کرتی ہوں کہ وہ ایسے سنگین جرم کا ارتکاب نہ کریں اور مجھ جیسی رانڈ سے کنواری کو ہزار درجہ بہتر و غنیمت سمجھیں۔ (س۔ع۔۲۵)

# قانونِ خلع

نکاح اسلام میں عمر بھر کی قید اور زندگی بھر کی مصیبت نہیں، میاں بیوی کے درمیان ایک مقدس معاہدہ ہے ایک دوسرے کے پاکیزہ جذبات کا احترام کرنے، ایک دوسرے کے دُکھ سُکھ عزت ذلت کو اپنا دکھ سکھ عزت ذلت سمجھنے ایک دوسرے کو رضامند رکھنے اور زندگی کو پُرمسرت اور کامیاب بنانے کی انتہائی کوشش کا ایک معاہدہ ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ شرافت اور انسانیت کے برتاؤ کرنے اور خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے اپنے فرائض کی ادائیگی کا۔ ان میں سے ایک یا دونوں اپنے اپنے معاہدہ پر قائم نہ رہیں اور باوجود ہر ممکن کوشش کے تعلقات خوشگوار نہ ہوں اور زندگی جیسی نعمت مصیبت ہو جائے تو اسلام نے انہیں علیحدگی کا اختیار دیا ہے۔ مرد کو طلاق کا حق حاصل ہے تو عورت کو خلع کا۔

لیکن ہندوستان کے مسلمانوں نے جس طرح عورت کے اور بہت سے شرعی حقوق ہٹ دھرمی اور بے دردی سے غصب کر لئے اسی طرح اس کا حق خلع بھی چھین لیا۔ عورت کا شرعی حق خلع غصب ہونے کے نتائج یعنی عورت کی بے بسی اور مظلومیت کی داستان نہایت ہی جگر خراش ہے سنگدل شوہروں کے مظالم نے لاکھوں بیبیوں کو جیتے جی مُردوں سے بدتر اور گھر کی بیگموں کو لونڈیوں سے ابتر بنا دیا۔ اُنہیں جینا اجیرن۔ زندگی وبال اور دنیا دوزخ ہو گئی دھیرے دھیرے ڈبل سوکھ سوکھ کر کانٹا اور میدہ شہاب رنگ جل جل کر سیاہ پڑ گئے۔ تڑپ تڑپ کر اور جل جل کر جانیں دے دیں۔ مگر اُن جفا کار پتھر دل شوہروں پر فاک بھی اثر نہ ہوا۔ جو شریفانہ برتاؤ اور محبت و خلوص کے سلوک کا گاڑھا اور پکا قول دے چکے تھے جسے اللہ تعالیٰ میثاقاً غلیظا فرما رہا ہے۔ حق خلع سے فائدہ نہ اٹھا سکنے کی وجہ سے بے درد شوہر کی زیادتیوں اور دُکھ بھری زندگی سے چھٹکارا پانے کی صرف یہ ایک صورت تھی کہ عورت مذہب تبدیل کرے اور اس اسلام کو خیرباد کہے جس نے دنیا کے ہر مذہب سے زیادہ اس کو حقوق دیئے اور اس کی علیحدہ شخصیت تسلیم کی مگر جسے ہندوستانی مسلمانوں نے نظرانداز کر کے اسے مرتد ہونے کا موقع دیا۔ مسلمان عورتوں کے ارتداد کے واقعات اگرچہ زیادہ نہیں تاہم جب کبھی کوئی اس قسم کا واقعہ ہوا تو اسلامی اخبارات اور علمائے عظام نے یوں تو بہت کچھ غصہ کا اظہار فرمایا مگر اس کے مرتد ہونے کے اصلی سبب یعنی اس کا شرعی حق خلع غصب ہونے پر ان کی آنکھ سے کبھی آنسو نہ گرا۔ جن نصیبوں پیٹی مظلوم بیویوں کو جفا کار ستم شعار شوہروں سے پالا پڑا ان کی دردناک زندگی کا پڑھی لکھی حساس لڑکیوں کے خیالات پر گہرا اثر پڑنا لازمی اور ضروری تھا۔ اسے خواہ فطرت انسانی سے بغاوت کہا جائے یا اصول اسلام سے انحراف بہرحال تعلیم یافتہ لڑکیوں کی ایک جماعت ایسی پیدا ہو گئی، جو اگر یہ سمجھ رہی ہے تو مشاہدہ کی بنا پر کچھ غلط نہیں سمجھ رہی۔ کہ نکاح کے معنی ہیں اپنی آزادی سلب کرا کے عمر بھر کی قید قبول کرنا۔ جان بوجھ کر مصیبت مول لینا اور زندگی کو اپنے ہاتھوں تباہ و برباد کر لینا۔ وہ جو شادی کے نام سے کانوں پر ہاتھ دھرتی ہیں تو اس کی وجہ سوائے اس کے کوئی اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی ہی جیسی بلکہ اپنے سے بھی بہتر لڑکیوں کی شادی کے ہولناک دردانگیز نتائج دیکھ چکی ہیں کہ بے وفا شوہروں کے مظالم نے انہیں زندگی ہی میں موت کا مزہ چکھا دیا اور وہ مسلمان رہ کر ان کی زیادتیوں سے کسی طرح چھٹکارا نہ پا سکیں۔

مسلمان عورت کی اس بے کسی بے بسی مجبوری اور لاچاری پر خواتین ہند کے محسن اعظم حضرت علامہ راشد الخیری (اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے) قریباً نصف صدی تک خون کے آنسو بہاتے رہے۔ اس کے شرعی حق خلع کے لئے تحریر سے تقریر سے چل پھر کر دور دراز مقامات کے سفر کر کے ان سے زیادہ کسی نے کوشش نہیں کی۔ عصمت۔ تمدن۔ بنات کے مضامین اور مستقل تصانیف کے علاوہ تقریروں میں بھی انہوں نے بارہا مسلمانوں کو اس طرف متوجہ فرمایا تھا۔ وہ کبھی مسلمانوں کو یہ مشورہ دیتے کہ

لڑکیوں کی شادی کے وقت ان کے شوہروں سے یہ تحریری معاہدہ کرالیں کہ ناموافقت کی صورت میں لڑکیوں کو خلع حاصل کرنے کا حق ہوگا۔ کبھی کونسل اور اسمبلی کے ممبروں سے ملتے کہ وہ بدنصیب مظلوم عورتوں کو ان کا حق یعنی خلع ملنے کا قانون بنوانے کی کوشش کریں مرض الموت تک میں اس درد نے انہیں بے چین کر رکھا تھا اور انھوں نے فرمایا تھا" کاش میرے سامنے عورتوں کو خلع کا حق حاصل ہوجاتا" انتقال سے کچھ پہلے ایک مضمون کے دوران میں تحریر فرمایا تھا کہ" جو بیج میں بو چلا ہوں انشاء اللہ جلد بار آور ہوں گے:" ان کی روح یقیناً بے انتہا خوش ہوئی ہوگی جب اب سے قریباً ڈھائی سال قبل جناب قاضی محمد احمد صاحب کاظمی نے مرکزی اسمبلی میں خلع بل پیش کیا تھا۔ نہایت خوشی کی بات ہے کہ یہ بل بہت کچھ بحث مباحثہ اور ترمیم کے بعد ماہ گذشتہ میں مرکزی اسمبلی سے پاس ہوگیا۔ اور کونسل آف سٹیٹ نے بھی اسی صورت میں پاس ہونے کے بعد اب قانون بن گیا ہے۔

یہ قانون دو حصوں میں منقسم ہے۔

(۱) مسلمان عورتوں کو اپنے شوہروں سے خلع حاصل کرنے کا حق ہوگا۔

(۲) اگر کوئی مسلمان عورت مرتد ہوجائے تو اس کا نکاح فسخ نہ ہوگا۔

جج کی عدالت میں درخواست دے کر ہر وہ عورت جس کا نکاح اسلامی قانون کے مطابق ہوا ہے۔ مندرجہ ذیل وجوہ میں سے کسی وجہ کی بنا پر اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے۔

(۱) چار سال گذر گئے اور شوہر مفقود الخبر ہے۔

(۲) دو سال گذر گئے اور شوہر نے اسے نان نفقہ نہیں دیا۔

(۳) شوہر کو سات برس یا اس سے زیادہ مدت کی قید ہوگئی ہو۔

(۴) تین سال گذر گئے اور شوہر نے حقوق زوجیت ادا نہ کئے۔

(۵) نکاح کے وقت زوجیت کے قابل نہ تھا اور اب بھی نہیں ہے۔

(۶) دو سال سے شوہر پاگل ہے یا کسی شرمناک مرض میں مبتلاء

(۷) پندرہ سال سے کم عمر کی لڑکی کی باپ یا دوسرے ولی کی اجازت سے شادی کی گئی ہو تو وہ ۱۸ سال کی عمر میں نکاح فسخ کرا سکتی ہے

(۸) شوہر بیوی پر ظلم کرتا ہے یعنی (ا) اس پر ہاتھ اُٹھاتا ہے اور جسمانی تکلیف پہنچاتا ہے اور اگر مارتا پیٹتا نہیں تو سخت پریشان کرتا ہے (ب) اوباش آوارہ ہے اور اسی قسم کی عورتوں سے ملتا جلتا ہے (ج) بیوی کو خلاف اخلاق افعال کے لئے مجبور کرتا ہے۔ (د) بیوی کی جائداد رہن رکھتا یا فروخت کرتا ہے۔ یا اس کے قانونی حقوق سے خود فائدہ اُٹھانا چاہتا ہے۔ (ر) بیوی کو اس کے مذہبی عقائد سے روکتا ہے (س) اگر ایک سے زیادہ بیویاں ہیں تو وہ عدل حقیقی کی شرط کو محفوظ نہیں رکھتا اور برابر کا سلوک نہیں کرتا۔

(۹) ان وجوہ کے علاوہ کوئی اور شرعی وجہ ہو جس کی بنا پر عورت نکاح فسخ کرا سکتی ہو۔

مسلمان عورت کو خلع کا حق ساڑھے تیرہ سو سال پہلے مل چکا ہے لیکن ہندوستانی مسلمانوں نے اپنی نفس پروری سے اسے غصب کر رکھا تھا کاظمی صاحب نے حکومت ہند سے اس قانون کو پاس کرا کے ہندوستان کی مسلم خواتین کی گراں بہا خدمت انجام دی ہے جس کا اجر صرف خدائے بہتر اور برتر ہی ان کو دے سکتا ہے۔

یہ بل خدا کا شکر ہے کہ قانون بن چکا لیکن خدا رحم کرے انصاف سے محروم اور عقل سے کورے ان حضرات کی ذہنیت پر جواب بھی اس میں مین میخ اس لئے نکال رہے ہیں کہ ان کی گھٹی میں حکومت پڑی ہوئی ہے اور اس قانون سے ان کی

آزادی ان کی نفس پروری اور ان کے تعیش میں فرق آتا ہے۔ اور کچھ نہیں تو چلتی گاڑی میں یہی اعتراض کرکے روڑے اٹکانے کی ناکام کوشش کی گئی کہ چونکہ قاضیوں یعنی مسلمان ججوں کی تخصیص نہیں کی گئی اس لئے یہ قانون ناقص ہے۔ ان حضرات نے یہ غور نہ فرمایا کہ ہر صوبہ میں مسلمان ججوں کی کتنی تعداد ہے اور قصبوں دیہاتوں میں مسلمان جج بھی ہیں یا نہیں اور قانونی کارروائیوں میں یوں ہی بہت کافی روپیہ صرف ہو جاتا ہے۔ پھر ایک قصبہ کی رہنے والی مظلوم غریب عورت اس ضلع یا صوبہ کے مسلمان جج کے ہاں مقدمہ لے جانے کی کہاں تک استطاعت رکھتی ہے؟ بجائے اس کے کہ وہ اس قانون سے فائدہ اٹھا سکے اور اس کی راہ میں مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور حکومت سے یہ توقع رکھنی یقیناً غلط ہے کہ وہ ہر گاؤں اور ہر قصبہ میں مسلمان جج خاص طور پر مقرر کرے پھر جس حالت میں کہ معاشرتی معاملات ہوں یا مذہبی امور ہر قسم کے مقدمے غیر مسلم عدالتوں میں بھی پیش ہوتے ہیں۔ صرف خلع کے مقدمہ کے لئے مسلمان جج کی شرط آخر کیوں ضروری ہے؟ مسلمانوں میں اگر خودداری ہوتی تو وہ اپنے جھگڑے خود آپس میں طے کرتے رہتے لیکن ان کی تنظیم اور ان کی غیرت کی یہ کیفیت ہے کہ معمولی معمولی باتوں اور ذرا ذرا سے معاملہ کے لئے غیر مسلم عدالتوں کے دروازے کھٹکھٹاتے ہیں مگر عورت کے اتنے بڑے حق کے لئے ان کی رگ حمیت پھڑ پھڑا اٹھتی ہے اور صرف اس معاملہ میں مسلم جج کی شرط ضروری سمجھی جاتی ہے۔ کیا انصاف اور رواداری اسی کا نام ہے؟ ہماری کس قدر بدنصیبی ہے کہ ہمارے مذہبی رہنما جو ہمیں بھٹکے ہوئے راستوں سے ہٹا کر اس راستہ پر لاتے جو اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا ہے۔ خدا کے قانون کی طرف سے ہماری غفلت برتنے پر ہشاش بشاش اور شاداں و فرحاں تھے اور اب جو ہم خود ایک مدت کی غفلت کے بعد عورت کو اس کا غصب شدہ حق واپس کرتے اور اپنے تنے ہوئے سینے اور اکڑی ہوئی گردنیں عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے جھکاتے ہیں تو ہمارے یہی رہنما مخالفت فرماتے ہیں! بہر حال خلع بل قانون بن چکا اور وہ لاکھوں بے زبان ستم رسیدہ عورتیں جو نہایت دردناک زندگی بسر کر رہی ہیں ان کے شوہروں کی اب آنکھیں کھل جائیں گی اور اگر اب بھی وہ راہ راست پر نہ آئے تو مظلوم بیویاں مسلمان رہ کر اس قانون سے فائدہ اٹھا سکیں اور شیطان صفت شوہروں سے چھٹکارہ پا سکیں گی ہزار ہا درود و سلام اس رسول برحق پر جس نے ہمارے لئے قرآن مجید جیسی مقدس کتاب چھوڑی جس نے دنیا کے ہر مذہب سے زیادہ مسلمان عورت کو جائز آزادی اور حقوق دیئے!

رازق الخیری

# وار دھا اسکیم پر ایک سرسری نظر

زمانہ حال وسلف کے ماہرین تعلیم کی متفقہ رائے ہے کہ تعلیم کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ اس کے حصول سے انسان روزی کما سکے نہیں بلکہ تعلیم کا مقصد یہ مانا گیا ہے کہ انسان تعلیم حاصل کر چکنے کے بعد سوسائٹی کا قابل فخر ممبر بن سکے۔ انگلستان کا مشہور ماہر تعلیم جیمس لکھتا ہے کہ "تعلیم نام ہے ان تمام انسانی کاوشوں کی تنظیم کا اور ان کے درس تدریس کا جس کے ذریعہ سے انسان طبعی اور معاشرتی دنیا میں کامیاب زندگی بسر کر سکے"۔ اسی طرح امریکہ کے نامور ماہر تعلیم تھارن ڈائک تعلیم کی صفت اس طرح بیان کرتا ہے۔ "تعلیم نام ہے اس ذریعہ کا جس سے ہم سالہا سال کے انسانی تجربات سے بچوں کو روشناس کرتے ہیں تاکہ وہ یہ سیکھ جائیں کہ وہ دنیا کے کامیاب مہذب باشندے کس طرح بن سکتے ہیں"۔ تعلیم کے ایک اور زبردست ماہر مسٹر تھامسن کی رائے تعلیم کی بابت یہ ہے کہ "تعلیم ایک ذریعہ ہے جس میں ماحول بچوں پر اثر ڈالتا ہے تاکہ ان کے خیالات۔ عادات واطوار تجربات اور عام حرکات وسکنات میں تبدیلیاں پیدا ہو سکیں"۔ غرض یہ کہ تعلیم کے مشہور محققین کی رائے یہ ہے کہ تعلیم کی غرض یہ ہونی چاہیئے کہ ایک طالب علم فارغ التحصیل ہو کر دنیا کی سوسائٹی میں کامیاب زندگی بسر کر سکے۔

واردہا اسکیم تعلیم کے اس مقصد کے بالکل خلاف نظر آتی ہے۔ اسکیم شروع سے آخیر تک دستکاری پر زیادہ توجہ دیتی ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ تعلیم حاصل کر لینے کے بعد انسان اپنی روزی خود کما سکے گویا تعلیم علم کے لئے نہیں روزی کے لئے ہوئی یہی خیال مقصد تعلیم کے خلاف ہے۔

اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ نصاب تعلیم میں دوسرے مضامین بھی شامل ہیں۔ لیکن زمانہ تعلیم میں خاص اہمیت دستکاری ہی کو دی گئی ہے جس کی وجہ سے اس بات کا اندیشہ ہے کہ دوسرے علوم کی طرف توجہ کم ہو جائے گی۔ کیونکہ ٹائم ٹیبل میں روزانہ اسکول کے ۵ گھنٹے کی تعلیم کے دوران میں دستکاری کو تقریباً ۳½ گھنٹے دئے گئے ہیں۔ طالب علم جب یہ سمجھ لے گا کہ اس دستکاری میں مہارت حاصل کر لینے پر ہی اس کی روزی کا دار و مدار ہے تو یقینی طور پر دوسرے مضامین کی نسبت دستکاری پر زیادہ توجہ دے گا۔ اور مقصد تعلیم فوت ہو جائے گا۔

تعلیم کی سب سے بڑی خوبی یہ ہونی چاہیئے کہ وہ ہمہ گیر ہو یعنی سب بچے اس میں دلچسپی لے سکیں۔ اور اسکول سے نکلنے کے بعد انسان دنیا کا کوئی کام کرے۔ تعلیم اس میں اس کی مدد کرے۔ واردہا اسکیم میں یہ تعلیمی پہلو بھی مفقود نظر آتا ہے۔ ایک اسکول کے سب بچے ایک ہی دستکاری میں یا اس کے سلسلے میں دوسرے مضامین میں معلومات حاصل کریں گے۔ چاہے کوئی بچہ فطرتاً اس کام میں دلچسپی لے یا نہ لے۔ ظاہر ہے کہ بڑھئی کے بچے کو زراعت میں دلچسپی کم ہوگی۔ یا کسان کے بچے کو کپڑا بننے سے کم رغبت ہوگی۔ اور تھوڑی دیر کے لئے یہ مان بھی لیا جائے کہ کام کاج کرنے سے بچہ دلچسپی کو ہاتھ سے نہ دے گا تو کیا یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ ایک اسکول جو صرف ایک ہی دستکاری میں استعداد بہم پہونچاتا ہے۔ آس پاس کے سب بچوں کو، جن میں ہر پیشے اور ہر طبقے کے بچے شامل ہیں، موجودہ تعلیم کی طرح مگر ذرا مختلف طریقے سے، ایک ہی لاٹھی سے ہانکنے میں اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائے گا؟ کیا اسکول کا یہی فرض ہے کہ سب بچوں کو کسی ایک کام میں مکمل دستکاری بہم پہونچا دے۔ اور ان سب کو یا تو اچھے کاشتکار بنا دے یا اچھے بڑھئی یا اچھے پارچہ باف یا کچھ اور؟ اگر واردہا اسکیم کے مصنفوں کا جواب اثبات میں ہے تو یقیناً وہ غلطی پر ہیں۔

یہ تو واردہا اسکیم کے بنیادی اصول کے متعلق جو میری ناچیز رائے میں ٹھیک نہیں ہے بلکہ فلسفہ تعلیم کے بالکل خلاف ہے۔ اب دوسرے مضامین کی طرف توجہ فرمائیے۔ نصاب تعلیم میں کم وبیش آٹھ یا نو مضامین ہیں۔ یعنی موجودہ تعلیم کی طرح انگریزی زبان کو چھوڑ کر باقی سب مضامین

موجود ہیں۔ بلکہ دو ایک مضامین شاید زیادہ ہی ہیں۔ مروجہ تعلیم کی ایک سب سے بڑی خرابی یہ بھی ہے کہ مضامین کی تعداد بہت زیادہ ہے یعنی ایک وقت میں بچے کو اتنے مضامین پڑھنے پڑتے ہیں کہ وہ ان کے بار کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ واردھا اسکیم میں یہ کہا گیا ہے کہ سب مضامین ایک دوسرے کے رشتے میں پڑھائے جائیں گے تعلیم کے اصولوں کے مطابق۔ لیکن مرکزی تعلیم کے سلسلے میں سب مضامین کو پڑھانا بھی آسان کام نہیں ہے۔ اگر ہر مضمون میں مکمل تعلیم دی جائے گی تو وقت ناکافی ہوگا اور اگر وقت کا لحاظ رکھا جائے گا تو تعلیم ادھوری رہ جانے کا احتمال ہے۔

نصاب تعلیم کے سب مضامین میں موسیقی کا مضمون خاص طور پر مسلمانوں کے لئے قابل غور ہے۔ اسلام موسیقی کے بالکل خلاف نہ سہی لیکن کیا راگ، اور تال، اور سُر، شرعاً ممنوع نہیں ہیں؟

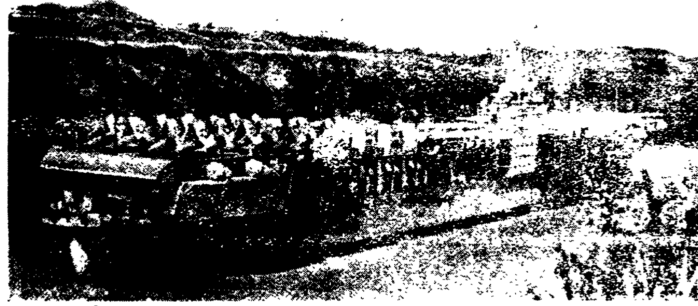
ان سب باتوں کے علاوہ اسکیم کی ایک اور بڑی خامی اقتصادی نقطہ نظر سے پیش کرتی ہوں۔ ملک میں جب سینکڑوں اور ہزاروں نئے اسکول قائم ہوں گے۔ تو ہر اسکول کا بنا ہوا سامان۔ طرح طرح کے کپڑے۔ لکڑی کا سامان۔ زراعت۔ اور باغبانی کی پیداوار۔ وغیرہ وغیرہ فروخت ہونے کے لئے بازار میں آئیں گی جنہیں اس اسکیم کے مطابق حکومت خود خرید کر ان کے بکنے کا بندوبست کرے گی۔ لیکن ملک میں لاکھوں آدمی ایسے ہیں جو خود دستکار ہیں۔ مثلاً جولاہے۔ بڑھئی۔ باغبان وغیرہ۔ یہ غریب بھی اپنی بنائی ہوئی چیزیں بازار میں لائیں گے۔ تو گویا چیزیں ہوں گی دوگنی تگنی۔ مگر خریدار اتنے ہی ہوں گے جتنے اب ہیں۔ بلکہ اس وقت تو سرکار پرائیویٹ لوگوں کی بنائی ہوئی چیزیں خرید بھی لیتی ہے اُس وقت وہ صرف اسکولوں کی چیزیں ہی خریدے گی۔ اس صورت میں کیا غریبوں کو نقصان عظیم نہیں پہونچے گا جن کی روزی کا دارومدار صرف اس بات پر منحصر ہے کہ وہ دن بھر میں کوئی چیز بنائیں اور شام کو اسے فروخت کریں اور اس طرح اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالیں؟ میرا خیال ہے کہ نئی اسکیم کے چالو ہوتے ہی بے روزگاری کا سوال بڑھ جائے گا۔

مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس اسکیم کے پردے میں کانگریس پرانی ہندو تہذیب کا پرچار کرنا چاہتی ہے۔ اور سی۔ پی کی وِدیا مندر اسکیم اس ذہنیت کا پتہ بھی دیتی ہے۔ ہندوستانی زبان کے پردے میں ہندی زبان اور ہندی رسم الخط کو فروغ دینا مقصود ہے۔ اُستادوں کی تنخواہیں بہت ہی کم کر دی گئی ہیں: تاکہ خاص طور پر مسلمان اساتذہ جن کا معیار زندگی عام ہندوؤں کے مقابلے میں بلند ہے پیشہ معلمی کی طرف توجہ ہی نہ کریں۔ اور سب سے زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کو اس اسکیم کا ذمہ دار بنایا گیا ہے تاکہ مسلمان اس کو شبہ کی نظروں سے نہ دیکھیں۔ لیکن خدا کا شکر ہے مسلمانوں کی آنکھیں کھل رہی ہیں اور وہ کورانہ تقلید کو خیرباد کہہ رہے ہیں۔ اس صورت میں یقین ہے کہ واردھا اسکیم پر عمل کرنے سے پہلے قوم اس کے ہر پہلو پر خوب غور و خوض کرے گی۔

معتصمہ خاتون (بارہ بنکی)



اسپین کی پریشان عورتیں اپنے بچوں کے
ساتھ وطن چھوڑ رہی ہیں



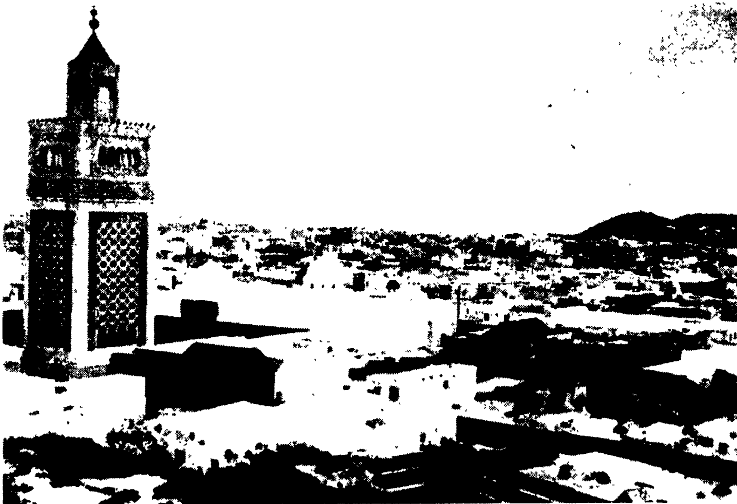
امریکہ کا تازہ ترین جنگی جہاز جس پر پچاس ہوائی جہاز
رکھے جاتے ہیں



دو ہندوستانی توپچی جو ہانگ کانگ میں
جاپانی سپاہیوں کا داخلہ روکنے کے
لیے کھڑے ہیں



ٹیونس کے اونٹ سوار سپاھی وزیر اعظم فرانس کو
سلامی دے رہے ھیں



شہر ٹیونس کا ایک منظر-اس کو اٹلی فرانس سے طلب کر رھا ہے۔

# قرآن مجید اور مسلمان

قرآن مجید ہماری ہدایت کے لئے نازل ہوا اور ہمیں عمل کرنے کے لئے دیا گیا۔ مگر واقعات شاہد ہیں کہ آج کل ہم اس پر کہاں تک عمل کرتے ہیں؟ عمل کیسے کریں جبکہ اس کے سمجھنے سے ہی قاصر ہیں۔ یہ ہی وجہ تھی کہ ترکی میں کمال اتاترک رہ نے اس نقص کو محسوس کرکے اس کی اہمیت کو برقرار رکھتے ہوئے اس کا ترجمہ عربی سے ترکی زبان میں کرا کر عام وخاص کو اس کے پڑھنے پر مجبور کیا تاکہ بغیر سمجھے سوچے پڑھنے کے باعث مسلمان احکام الہٰی سے ناواقف نہ رہ جائیں۔ اس پر وہاں کے علمائے دین نے اس کی افادیت کو نظرانداز کرکے کمال پاشا پر کفر کا فتویٰ دیا اور اس فدائے ملت کو کافر قرار دیا۔ مگر اس نے کسی کی پروانہ کی اور وہی کیا جو اپنی قوم اور اسلام کی بہتری کے لئے مناسب سمجھا۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام کا منشا ساری دنیا کے مسلمانوں کو منسلک کرنا تھا جس کی وجہ سے قرآن مجید کو اس کے نزول کی جگہ کی مناسبت سے عربی زبان میں نازل کیا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس زبان سے ناواقف ہونے کی صورت میں اس کو مادری زبان میں منتقل کرنے سے اسلام ہی چلا جائے؟ چنانچہ اس شیدائے اسلام نے اس نکتہ کو بخوبی سمجھا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج ترکی کا ہر شخص احکام الہٰی سے بخوبی واقف ہے اور آج ترکی میں اس پر بخوبی عمل ہوتا ہے۔ ورنہ ترک بھی آج اس سے اسی قدر نابلد ہوتے جس قدر ہندوستان کے مسلمان ہیں۔ ہماری ناواقفیت کی جو حالت ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ اور یہ احکام الہٰی کا مجموعہ جو ہمیں عمل کرنے کے لئے دیا گیا ہے۔ اس کا مصرف بقول اکبر الہ آبادی آج صرف یہ ہی رہ گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے قرآن مجید آیا تھا دنیا میں ۔۔۔ عمل کرنے کی نیت سے فقط پڑھنے پڑھانے کو
مگر رکھتے ہیں دنیا دار اب اس کو حفاظت سے ۔۔۔ اٹھانے کو ہوا دینے کو اور یٰسین سنانے کو

گو آج بھی قرآن کا احترام کیا جاتا ہے اور عام گھرانوں میں باقاعدہ اس کی تلاوت بھی کی جاتی ہے۔ مگر عموماً بے سمجھے رٹ لیا جاتا ہے۔ سمجھ کر اور اس پر عمل کرنے کی نیت سے نہیں پڑھا جاتا۔ اور نہ اس کے معنی و مطالب سے مطلب۔ افسوس آج اسلام پر وہی وقت آگیا ہے جو بنی اسرائیل پر آیا تھا جس کی مذمت خداوند کریم نے اپنے کلام پاک میں اس طرح فرمائی ہے۔ مِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتٰبَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ (اور بعض ان میں ان پڑھ ہیں جو منہ سے لفظوں کے بڑبڑانے کے سوا کتاب الہٰی کے مطلب کو کچھ بھی نہیں سمجھتے اور وہ فقط خیالی باتیں کرتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ آج کے مسلمانوں پر یہ آیات کریمہ پوری معلوم ہوتی ہیں اگلے زمانے کے لوگ ایسے تھے کہ وہ حدیثوں کی تاویل کلام مجید سے کرتے تھے یا آج ایسی الٹی گنگا بہی ہے کہ کلام مجید کی تاویل حدیثوں سے کی جانے لگی ہے۔ اس طرح سے ان سیدھے سادھے احکامی اصولوں کو پیچیدہ گتھیوں میں الجھا کر لوگوں نے قرآن کریم کو ایک کھیل بنا لیا ہے۔ خدا ہمیں اس پر عمل کرنے کی ہدایت اور ان احکام کے تکریم کی توفیق عطا فرمائے۔

ب۔ن۔ انسہ ابراہیم مدراس

# بچوں کے کپڑے اور سامان کی تیاری

کچھ عرصہ ہوا محترمہ فاطمہ انور علی بیگم نے بچوں کی پرورش کے متعلق اپنے تجربات لکھے تھے اور یہ تحریک کی تھی کہ دوسری کم عمر مائیں بھی اپنے تجربات لکھیں تاکہ دوسروں کو اُن سے فائدہ پہنچے۔ میرے خیال میں یہ تجربات بہت مفید ثابت ہوں گے کیونکہ آج کل شوہروں کی ملازمت کے سلسلہ میں لڑکیوں کو عموماً وطن سے بہت دور رہنا پڑتا ہے۔ جہاں ان کو صلاح دینے کے لئے کوئی بڑی بوڑھی پاس نہیں ہوتی۔ دوسرے بچوں کی تربیت کے متعلق اصول خیالات کچھ اس قدر بدل گئے ہیں کہ بےچاری بڑی بوڑھیوں کے بتلائے ہوئے طریقے پر عمل کرنے میں بھی جھجک ہوتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہت سی تکلیفیں اور مشکلات اُٹھانی پڑتی ہیں۔ شروع شروع میں کون سی تکلیفیں پیش آئیں کون سی غلطیاں ہوئیں اور پھر تجربہ سے کس طرح ان کا تدارک کیا اگر اپنا اپنا تجربہ چند بہنیں لکھیں تو یقیناً دوسری بہنوں کو جو نئے اصولوں کے ماتحت اپنے بچوں کی پرورش کرنا چاہتی ہیں پر ان سے واقف نہیں ہیں فائدہ ہوگا۔

جس طرح بچوں کی غذا، تربیت، تعلیم وغیرہ کے متعلق اصول ہیں ویسے ہی لباس کے متعلق بھی ہیں۔ ان اصولوں سے ناواقفیت سے بعض اوقات بچے کو تکلیف یا نقصان پہنچتا ہے۔ لیکن زیادہ تر اس ناواقفیت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ضرورت سے زیادہ اور بیکار کپڑے بنا لئے جاتے ہیں جو خواہ مخواہ کی فضول خرچی ہے۔ میں نے اپنے پہلے بچے کے لئے اتنے زیادہ کپڑے بنائے تھے کہ تین بچوں کو کافی ہوتے اور مزہ یہ کہ اس پر بھی موسم کی تبدیلی اور بچے کی عمر کے لحاظ سے برابر کپڑے بناتی رہی۔ کیونکہ میں نے فضول اور ہر وقت کام نہ آنے والی چیزیں تو بہت بنائی تھیں لیکن جن چیزوں کی ہر وقت ضرورت ہوتی ہے ان کو کافی تعداد میں نہیں بنایا تھا۔ بعض چیزیں تو ایسی خریدی تھیں جو کئی سال تک کے لئے اس کے کام نہ آسکتی تھیں۔ اور کچھ کپڑے بھی تھے جو صرف ناتجربہ کار ماؤں کے بھروسہ پر ہی دکاندار رکھتے ہوں گے۔ کیونکہ شیر خوار بچے کے لئے قطعی ناموزوں تھے۔ مثلاً میں نے بڑے شوق سے ایک سوٹ لیا تھا جس کو Pach - Suits کہتے ہیں۔ اس میں کوٹ اور پائجامہ ساتھ ہی بنا ہوا ہوتا ہے۔ بیچنے والی نے مجھ سے کہا کہ اس میں بچہ خوب گرم رہے گا۔ کمر میں ہوا لگنے کا ڈر نہ ہوگا کیونکہ کوٹ پائجامے سے الگ نہیں ہے۔ یہ ٹھیک سہی۔ پر اس عمر کے بچے کو کتنی ہی دفعہ نیپکن بدلنے کی ضرورت ہوتی ہے ہر وقت بالکل سوٹ اتار کر بدلنے میں وقت الگ اور سردی لگنے کا ڈر الگ تھا۔ اسی طرح بیحد نازک ریشمی فراکس بھی کچھ کام کے نہیں جو دُھل نہ سکیں۔ لہٰذا بہیدہ بچے کا لباس ان اصولوں کا لحاظ رکھ کر بنانا چاہیئے۔ سب سے پہلے اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ بچہ کا لباس ایسے کپڑے کا ہو جو دُھل سکے۔ اور بار بار دھل سکے۔ سوتی کپڑے تو سب ہی اچھے دُھلتے ہیں۔ گرم اور ریشمی کپڑے میں اس کا خیال رکھنا ہوگا کیونکہ صرف چند قسم کے گرم کپڑے واقعی اچھی طرح سے دھل سکتے ہیں۔ جیسے وائیلا۔ اور کلائی ڈی لا۔ یہ مہنگے بیشک ہوتے ہیں

لیکن معمولی فلالین سے وو گنے بلکہ سہ گنے چلتے ہیں اور نہ سکڑتے ہیں نہ سخت ہوتے ہیں۔ یہ میں اپنے ذاتی تجربہ کے بعد لکھ رہی ہوں اشتہاری تعریف کی بنا پر نہیں۔ یہی حال Chenelhunge بنیانوں اور نکروں کا ہے۔ چاہے کتنی ہی دفعہ دھوئے یہ سکڑتا نہیں لیکن ان کی قیمت معمولی اونی بنیان کی قیمت سے بہت زیادہ ہے جن کو واقعی کفایت سے لباس تیار کرنا ہو ان کو کسی اور فرم کے بنائے ہوئے بنیان لینے چاہئیں اور اگر خود ہی عمدہ اون سے بُن لیں تو سب سے بہتر ہوگا۔ بچہ اتنے جلد بڑھ جاتا ہے کہ اس کے کپڑوں کے پہلے سٹ کے کچھ زیادہ دیرپا ہونے کی چنداں ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ پورے طور سے استعمال نہیں ہونے پاتے۔ رہا ان کا دوسرے بچے کے لئے کام آنا تو اس میں چند قباحتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ کتنے ہی اچھے حالت میں ہوں بے چارے نمبر دو نے کیا قصور کیا ہے کہ اس کو سادے کپڑے تک بھی پرانے ملیں۔ جبکہ پلنگ۔ ٹب وغیرہ دنیا میں ذرا دیر آنے کی سزا میں پرانے ملتے ہیں۔ دوسرے ننھے ننھے جوڑوں کی تیاری اتنا دل خوش کن مشغلہ ہے کہ ہر بچہ کی آمد سے پہلے بہت کم مائیں ہر دفعہ اپنے کو یہ مسرت نہ دینا چاہیں گی۔ پھر آے دن کے تبادلہ میں ضرورت کی چیزیں لیتے پھرنا مشکل ہوجاتا ہے۔ کہاں تک ان چیزوں کو لئے پھرا جائے جن کی فی الحال ضرورت نہیں بلکہ اگر بہت زیادہ کپڑے بنائے گئے ہیں تو پورے طور سے مستعمل نہیں ہوتے ہونگے ان کو پھینکنے کو بھی دل نہیں چاہے گا اور سنبھال کر رکھنا پڑے گا تا وقتیکہ پھر اس کی ضرورت ہو۔ تو خواہ مخواہ یہ بکھیڑا کیوں کریں۔ اگر مناسب تعداد میں کپڑے بنائے جائیں تو بچہ انہیں اچھی طرح پہن لیتا ہے اور ان کو دے دینے سے دل نہیں کڑھتا میں نے اپنی دوسری بچی کے کپڑے اتنے کم بنائے تھے کہ سال بھر کے بعد اس کی ہر ایک چیز پورے طور سے استعمال ہوچکی تھی اس کے برخلاف میرے پہلے بچہ کے ایک بکس بھرے کپڑے تقریباً نئے کے نئے بچ رہے تھے تو دوسرا اصول یہ ہے کہ نوزائیدہ بچوں کے کپڑوں کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہونی چاہئے۔

تیسرے اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ لباس پر ایسا کام نہ ہو جو بچے کے چُبھے جیسے گوٹا ٹھپا زردوزی کا کام۔ گردن کے نیچے لیس یا فرل سے بھی بچے کو تکلیف ہوتی ہے۔ بچے کے کپڑے بہت وزنی اور ملبے بھی نہیں ہونے چاہئیں۔ ان سے اس کے ہاتھ پاؤں ہلانے میں دقت ہوتی ہے۔ اور ان کی نشوونما میں خلل پڑتا ہے۔ ہندوستانی بچوں کے کرتے اس لحاظ سے بہت اچھے ہوتے ہیں۔ اور بہتر ہے کہ جو بچے گرمی میں پیدا ہوں ان کے لئے تو یہی سیدھے سادھے کرتے بنائے جائیں۔ انگریز نوزائیدہ بچے بہت لمبا فراک جسکو کہ روب (Robe) کہتے ہیں اس لئے پہنتے ہیں کہ ان کا ملک سرد ہوتا ہے اور اس لئے بچے کو پاؤں تک ڈھکا ہوا رکھنا ضروری ہے۔ پہلے ان کے ہاں فیشن تھا کہ فراک بچے کے پاؤں سے دس دس بارہ بارہ انچ نیچا ہوتا تھا۔ یہ خوبصورتی سمجھی جاتی تھی۔ لیکن اب پیر سے ایک آدھ انچ ہی زیادہ پہنایا جاتا ہے تاکہ پاؤں مار سکے پر دکانوں میں اب بھی پرانے فیشن کے روب ملتے ہیں۔ ان کو نہیں خریدنا چاہیئے کیونکہ یہ نقصان وہ بھی ہیں اور ان کو دھونے اور استری کرنے میں بھی بہت وقت لگتا ہے۔ اگر بچہ جاڑوں کے دنوں میں پیدا ہو تو پاؤں سے ذرا ہی زیادہ فراک

موزوں ہوں گے۔ کیونکہ اس سے بچہ اچھی طرح گرم رہے گا۔

چوتھا اصول یہ ہے اور یاد رکھنا چاہیئے کہ بچے کا تمام جسم یکساں طور سے گرم رہے یعنی یہ نہیں کہ سینہ اور پیٹ تو بنیان اور کوٹ پہنا کر گرم رکھا۔ لیکن جانگیہ اور ٹانگیں صرف نیپکن سے لپٹی ہوئی۔ بالکل چھوٹے بچے کے گرم فراک یا کرتے کا دامن پاؤں تک ہونا چاہیئے۔ کسی قدر بڑے بچے کو نیپکن کے اوپر سے اونی جانگیہ پہنا سکتے ہیں۔ پر کمر اور ٹانگوں کا گرم رکھنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا سینے کا مگر اکثر مائیں بچوں کا لباس بنانے میں اس کا خیال نہیں رکھتیں اور کمر کی سردی بہت خطرناک ہو جاتی ہے۔

ان اصولوں کے ماتحت ایک نوزائیدہ بچے کے کپڑے اس طرح بنائے جائیں۔ اگر بچہ کڑاکے کے جاڑوں میں ہونے والا ہے تو اس کو مندرجہ ذیل چیزوں کی ضرورت ہوگی۔ چار اونی اور ریشمی تاگوں سے بنی ہوئی بنیان (ریشمی اور اونی تاگہ ملی ہوئی اس لئے کہ خالص اون بچے کے نرم جسم کو تکلیف دے گا اور سوتی پہنا کر اونی پہنانے سے بچے کے جسم پر بہت بوجھ ہوگا۔ نوزائیدہ بچہ بہت نازک ہوتا ہے۔) چار فلالین کے پیٹی کوٹ یا صدری (پیٹی کوٹ بہتر ہوں گے اس لئے کہ بچہ پیروں تک گرم رہے گا۔ صدری سے صرف سینے کی حفاظت ہوتی ہے پیٹی کوٹ بالکل آسان ہے کسی قسم کی چنٹ یا گھیر کی ضرورت نہیں بے آستینوں والا ڈھیلا ڈھالا کُرتا سمجھ لیں)۔

چار وایل یا کلائی ڈیل کے فراک۔ (اگر بہت زیادہ کفایت کرنی ضروری ہے تو پھر فلالین کے ہی سہی۔ اگر بچہ ماشاء اللہ اچھا تندرست ہے تو سوتی فراک کا کچھ مضائقہ نہیں۔ باہر لے جاتے وقت اونی کوٹ اوپر پہنا دیا جائے۔ چار اونی کوٹ (ماں کو چار ہی کوٹ بنانے کافی ہونے چاہئیں۔ یہ اکثر تحفے میں ملا کرتے ہیں لیکن اگر ایسی جگہ مقیم ہوں جہاں ملنے ملانے والے نہیں ہیں جو تحفے دیں تو پھر ۶ بنانے چاہئیں۔ لیکن چھؤں ایک ناپ کے نہیں مختلف ناپ کے ہوں۔ چھ جوڑ موزے (تحفہ ملنے کی امید نہ ہو تو ۶ بلکہ ایک درجن تک بنا سکتی ہیں کیونکہ یہ بہت جلد تنگ ہو جاتے ہیں اور پیروں میں موزے ہمیشہ ہونے چاہئیں۔

ا یا ۲ ٹوپیاں - ۲ چھوٹے اور ایک بڑا اونی شال۔ ۲ درجن ململ کے اور ایک درجن تولئے کے۔

گرمی میں پیدا ہونے والے بچہ کے لئے فلالین کے پیٹی کوٹ کی ضرورت نہیں اور نہ گرم فراک کی۔ اونی ریشمی بنیان اس لئے بھی کم سے کم پہلے مہینے تو پہنانا ہوگا کیونکہ بچہ کو اس زمانے میں خوب گرم رکھنا چاہیئے۔ لیکن اگر بچہ سخت گرمیوں میں پیدا ہو تو اس کے لئے صرف سوتی بنیان ہی کافی ہیں۔ لیکن پہلے ہفتے تو میرے خیال میں ریشمی بنیان ہی بہت ہی ہلکا بنا ہوا بہتر ہوگا۔ تاہم میں تجربے سے نہیں کہہ سکتی کہ مئی جون میں جو بچہ پیدا ہو اُس کو بھی کچھ روز کے لئے گرم بنیان کی ضرورت ہوگی یا نہیں۔ گرمی کے موسم میں جو بچہ پیدا ہو اس کے لیئے دو ایک کوٹ بنا رکھنے کافی ہیں جو ہوا خوری کے لئے باہر بھیجتے وقت پہنا دینا اچھا ہو۔ تیسرے بڑے شال کی بھی ضرورت نہیں۔ صرف دو چھوٹے کافی ہوں گے۔ ایک باہر لے جاتے وقت لپیٹ کر لے جانے کو اور ایک رات کو اُڑھا کر سلانے کو۔ دن کو گرمیوں میں گھر کے اندر شال کی ضرورت نہیں ہونی چاہیئے۔ اگر بچہ اس وقت پیدا ہو جبکہ نہ زیادہ گرمی ہے نہ سردی تو ان دنوں میں سے بیچ کے قسم کا کپڑا اُس کے لئے موزوں ہو گا - ستمبر۔ اکتوبر کے زمانے کے لئے گرم بنیان اور گرم فراک چاہیئے۔ لیکن گرم فلالین اور گھر کے اندر

کوٹ پہنانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ ہاں بہت جلد ہی دسمبر جنوری میں ان کی بھی ضرورت ہوگی اس لئے بہتر ہے کہ جاڑوں کے پورے کپڑے شروع ہی سے بنوا لئے جائیں اور موسم کے لحاظ سے ان کو پہنایا جائے۔

یہ کپڑے کی فہرست بہت ہی مختصر لیکن کافی ہے جن کے لئے کفایت لازمی ہے وہ سوائے اتنے کپڑوں کے اگر کچھ نہ بنائیں تو بھی نو مہینے تک اس کے سوا اور کچھ نہ خریدنا پڑے گا۔ پر کم تعداد کے لباس بناتے وقت خاص طور پر دو باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے ایک تو یہ کپڑے اور اون عمدہ قسم کے ہوں سستا اون یا کپڑا بہت جلد خراب ہو جائے گا اور دوبارہ بنوانا پڑے گا۔ دوسرے اونی کپڑوں کو دھونے میں خاصی احتیاط چاہیئے۔ اچھی طرح سے دھلے تو اون کے بنے ہوئے کپڑے عرصہ تک سکڑتے نہیں لیکن بے پروائی سے دھونے سے یہ بہت جلد خراب ہو جاتے ہیں۔

جن خواتین کے لئے کفایت ضروری نہیں ہے۔ وہ اگر چاہیں تو ۶ کے بجائے ۶۰ جوڑے ہر چیز کے بنا لیں۔ اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں۔ اُون زیادہ اعلیٰ قسم کی لیں۔ فراک نہایت نفیس تراش اور ایمبرائڈری کئے ہوئے خریدیں۔ کوٹ بھی اچھے اچھے نئی وضع کے لیں۔ لیکن آٹھ آٹھ دس دس کوٹ اور دو دو تین تین درجن فراکوں کی ہرگز ضرورت نہیں۔ یہ صریح فضول خرچی ہے۔ اتنے کپڑے بچہ کبھی پہن نہیں سکتا۔ خواہ مخواہ دن میں تین تین چار چار دفعہ اس کے کپڑے بدلنے پڑیں گے۔ ایسا کرنا بچے کی نیند اور آرام میں خلل ڈالے گا۔

اگر بچے کے لئے بہت اعلیٰ سامان کر سکتی ہیں تو بہت سی چیزیں ہیں جو کم از کم استعمال ہو سکتی ہیں اگرچہ کچھ بہت ضروری نہیں۔ جیسے کہ بچے کے کپڑے کے لئے رنگین و تصویر دار چھوٹی سی الماری۔ اس کے لئے ایک الگ کمرہ ہلکے رنگوں کے پردے اور فرنیچر سے مزین۔ ان کے علاوہ اس کے کھانے کے مخصوص پھولدار برتن نہ کہ صرف کپڑوں کے ننھے لباس کے علاوہ اور بھی دو چار چیزیں اس ماں کو خریدنی ہوں گی جس کے لئے کفایت ضروری ہے پہلی ضروری چیز بچے کے سونے کے لئے الگ پلنگ ہے۔ ہندوستان میں عموماً نوزائیدہ بچے ماں کے ساتھ سلائے جاتے ہیں۔ ڈاکٹری لحاظ سے یہ مضر صحت ہے۔ اور یہ بھی خدشہ ہو سکتا ہے کہ ماں کے کروٹ لینے سے بچہ دب جائے۔ اس لئے اس کے لئے الگ سونے کا انتظام کرنا چاہیئے۔ چھوٹی سی ٹوکری اس وضع کی جس کا عموماً جھولا بنایا جاتا ہے۔ بہت موزوں اور کم قیمت ہے۔ انگریزی دکانوں سے ایک سے ایک خوبصورت مل سکتے ہیں جن کی قیمت زیادہ تو ہوتی ہے لیکن بہت خوبصورت ہوتے ہیں معمولی جھولے کی ٹوکری بھی چند روپوں میں بہت خوبصورت بنائی جا سکتی ہے اس کو اندر سے لائن سے منڈھ دیں اور باہر سے ارگنڈی یا جالی یا لیس کو چنٹ دے کر سی دیں تو بہت خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ ساٹن کے فیتوں اور پھولوں سے اس کی خوبصورتی بڑھا سکتے ہیں۔ ٹوکری میں الگ سونے کی حالت میں ان کو بازو کے تکیوں کی ضرورت نہیں ہوگی۔ صرف سر کے نیچے کے لئے ایک پتلا سا تکیہ بنانا کافی ہوگا۔ جاڑوں میں شالوں کے علاوہ یا ایک بڑے کمبل کو ڈبل کر کے اڑھایا جا سکتا ہے یا دو چھوٹے چھوٹے کمبل خرید لئے جائیں۔ ململ کے نیپکن کے اوپر تولئے جیسی روئیں دار نیپکن اور باندھنے کا یہ فائدہ ہے کہ بستر کبھی خراب نہیں ہونے پاتا۔ اس لئے بستر کے اوپر نہالچے کی ضرورت نہیں اگرچہ احتیاطاً ایک بچھا رکھنا بہتر ہے۔ پر درجن دو درجن بنانے کی ضرورت نہیں۔ چار کافی ہوں گے۔ اکثر گھروں میں پرانے کپڑوں کی تہہ کو بچھا کر سی کر اس کا نہالچہ بنایا جاتا ہے لیکن اس کا دھونا اور

سکھانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ ڈول یا کسی موٹے کپڑے کو دو طرف سے سی کر اس کے چار تہہ کرکے بچھانے سے کافی حفاظت ہو جاتی ہے۔ اور دھونے سکھانے میں آسانی ہوتی ہے۔

ممکن ہو تو بچے کو نہلانے کے لئے ایک الگ چھوٹا سا ٹب یا لگن ہونا چاہئے۔ بچہ کے استعمال کی چیز جہاں تک ہوسکے الگ ہونی چاہئے۔ بچہ بہت نازک ہوتا ہے اور اگر بڑوں کی استعمال شدہ چیزیں اس کے لئے استعمال کی جائیں گی تو ان کی بیماریوں کے لگ جانے کا خطرہ ہے۔

ہم لوگ چھوٹے بچے کو تازہ ہوا سے فائدہ اُٹھانے کا موقع نہیں دیتے۔ ہمیشہ اس کو گھر ہی میں بند رکھتے ہیں جن کے یہاں اپنا باغ ہے وہ بھی اور جن کے یہاں نہیں ہے وہ بھی۔ جن کے یہاں اپنا باغ نہیں ہے ان کو محلہ کے پارک میں کسی نہ کسی وقت بچے کو ہوا خوری کے لئے ضرور بھیج دینا چاہئے۔ ولایت میں مرد ہمیشہ بچوں کا پریم پارک میں لئے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لیکن ہمارے ہندوستانی بھائی تو اس میں اپنی کسر شان خیال کریں گے۔ اس لئے یہ لکھنے کی جرأت نہیں کر سکتی کہ اگر نوکر نہ ہو تو خود بچہ کے ابا جان کسی وقت اپنے صاحبزادے کو تازہ ہوا کھلا لائیں۔ اگر پارک میں نہ بھیج سکیں تو گھر کے صحن میں چاہے وہ کتنا ہی چھوٹا ہو، بچہ کی پریم ٹوکری کچھ عرصہ تک رکھ دیں۔ اگر گھر میں بالکل ہی صحن نہ ہو تو کمرے کی کھڑکی کھول کر اس کا منہ اس کے سامنے رکھیں۔ اگر شروع سے بچے کو تازہ ہوا کا عادی بنایا جائے گا تو اس کو ہرگز سردی نہ لگے گی۔ میری بچی انگلستان میں پیدا ہوئی اور اس نے اپنی عمر کا پہلا سال صبح دس بجے شام کے ۶ بجے تک باغ میں پریم میں سوتے ہوئے گذارا سرد سے سرد دن بھی باہر ہی رہی سوائے بارش یا کہر کی حالت میں خدا کے فضل سے اس کو کبھی زکام نہیں ہوا۔ اس کے برخلاف بڑے بچے کو ابتدا سے ایسی عادت نہیں ہے ذرا موسم سرد ہونے سے زکام ہو جاتا ہے۔

بچوں کی پرورش ایک بہت مشکل کام ہے۔ اور آج کل بیشتر لڑکیاں اس سے قطعی ناواقف ہوتی ہیں۔ ناواقفیت نہ صرف تکلیف بلکہ بہت سخت پریشانیوں کا باعث ہوتی ہے۔ اور ممکن ہے کہ بعض صورتوں میں یہ ناتجربہ کاری سخت نقصان پہنچائے اس لئے ہر ماں بننے والی لڑکی کو چاہئے کہ بہت کوشش سے بچوں کی کے متعلق واقفیت حاصل کرے۔ انگریزی میں متعدد اور اردو میں بھی کئی اچھی کتابیں بچوں کی پرورش پر ہیں، اس کے علاوہ ان بہنوں کی صلاح لی جائے جن کو بچوں کے پالنے کا تجربہ ہو اگرچہ بہت کچھ اصول بدل گئے ہیں تاہم ان کے تجربہ سے پھر بھی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے لیکن ہر کس و ناکس سے صلاح لینا بھی ٹھیک نہیں۔ بہتر ہے کہ کسی ایک تجربہ کار بہن کو مشیر بنا لیا جائے۔

شائستہ اختر سہروردی۔ بی لے (از لندن)

# سب سے بڑی نیکی

اپنے مال دوسروں کے فائدے کے لئے خرچ کرنا دنیا میں بہت بڑی نیکی خیال کی جاتی ہے۔ اور یہ دستور دنیا کی ہر قوم و ہر مذہب میں مختلف طریقوں سے رائج ہے کسی اپاہج کو کھانا کھلا دینا کسی ننگے کا تن ڈہانک دینا کسی مفلس کی حاجت پوری کر دینا کسی غریب پڑوسی کی امداد کرنا۔ کنواں بنوانا۔ مسجد بنوانا۔ مریضوں کے لئے شفاخانے کھولنے فلاح ملت انجمنوں میں دل کھول کر چندہ دینا یتیم خانوں کی امداد کرنا۔ بیواؤں کے روزینے مقرر کرنا۔ یہ تمام اسی شجر کی شاخیں ہیں۔ کہیں اس کو دان سے تعبیر کیا جاتا ہے کہیں اس کو خیرات نام دیا جاتا ہے۔ لیکن یہ تمام کام امرا کے کرنے کے ہیں۔ جو صاحب زر ہوں۔ لیکن جو خود ہی مفلس ہیں۔ جن کے پاس اپنے اور اپنے بچوں کے لئے تن ڈھانکنے کو کپڑا۔ اور پیٹ بھرنے کو روٹی تک میسر نہیں۔ وہ کیونکر اس بڑی نیکی میں حصے لے سکتے ہیں لیکن اسلام ایک ایسا مذہب ہے اور قرآن کریم ایک ایسی جامع کتاب ہے کہ اس کی کوئی بات حق و حکمت سے خالی نہیں۔ چنانچہ قرآن شریف میں اس بارہ میں لکھا ہے انفقوا اموالکم فی سبیل اللہ یعنی تم اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ اگر انفقوا مالکم ہوتا۔ تو اس سے مراد صرف سونا چاندی اور روپیہ پیسہ کا مال ہی ہوتا۔ اور یہ نیکی صرف امیروں تک ہی محدود ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور غربا کا طبقہ اس ثواب سے ہمیشہ کے لئے محروم رہ جاتا۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے مالوں کا حکم دے کر سب کے لئے اُس ثواب میں حصہ لینے کی راہ کھُلی رکھی پس ہمیں سوچنا چاہیئے کہ سوائے زر و مال کے اور دنیا میں کونسے مال ہیں جس کو کہ انسان خدا کی راہ میں خرچ کر سکتا ہے چنانچہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علم بھی ایک مال ہے۔ زر تو ایک ایسا مال ہے جس کو چور چرا سکتا ہے۔ اور جتنا اس کو خرچ کیا جائے گا وہ کم ہوتا چلا جائے گا لیکن علم ایک ایسا مال ہے کہ جتنا خرچ کیا جائے اسی قدر وہ بڑھے گا۔ اور اس کو نہ کوئی چرا سکے اور نہ چھین سکے پس ثابت ہوا کہ علم کا مال زر کے مال سے بہتر اور قیمتی چیز ہے۔ اپنے علم کو دوسرے کے لئے خرچ کرنا بھی بہت بڑی خیرات ہے اور اس میں ایک مفلس عالم بھی حصہ لے کر مستحق ثواب ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ آپ بہت بڑی علم والی ہی ہوں بلکہ جسکو کہ نماز پڑھنی آتی ہے وہ اس شخص کو جس کو کہ نماز پڑھنی نہیں آتی نماز یاد کروا دے یا جس کو نماز تو آتی ہے لیکن اس کا ترجمہ نہیں آتا ترجمہ حفظ کروا دے تو وہ بھی اسی طرح ثواب کا مستحق ہو گا جیسے کہ ایک مسجد بنانے والا۔ تو گویا علم کی خیرات مال کی خیرات سے بھی بہتر چیز ہے۔ ابھی میں آپ کی توجہ ایک تیسرے مال کی طرف منعطف کروانا چاہتی ہوں۔ جو کہ ان دونوں مالوں سے بھی زیادہ قیمتی ہے اور وہ وقت کا مال ہے۔ کیونکہ زر و مال کے ضائع ہو جانے کا کئی طرح سے اندیشہ لگا رہتا ہے لیکن ضائع ہونے کے بعد بھی اس پر انسان کچھ نہ کچھ اختیار حاصل ہوتا ہے۔ کہ محنت سے پھر مالدار ہو جائے۔ اسی طرح علم کو بھی بسا اوقات انسان پڑھ کر بھول جاتا ہے۔ لیکن بھول جانے کے بعد محنت کر کے اس کو دوبارہ یاد بھی کر سکتا ہے۔ لیکن وقت ایک ایسا مال ہے کہ اگر وہ گذر جائے تو پھر واپس نہیں مل سکتا۔ کیا ایک مالدار سے مالدار شاہنشاہ کو یہ اختیار ہے کہ اپنے تمام خزانے خرچ کر ڈالے اور گذرا ہوا ایک دن یا ایک گھنٹہ یا ایک منٹ پھر واپس

لے آئے، ہرگز نہیں ہوسکتا۔ گویا وقت ایک ایسی چیز ہے کہ جس کی کوئی قیمت ہی نہیں۔ اور یہ مانی ہوئی بات ہے کہ دنیا میں وہ چیز سب سے زیادہ قیمتی ہوتی ہے جو سب سے زیادہ گراں اور نادر و نایاب ہے۔ پس یہ ہماری عمرِ عزیز ہے۔ اور ایسی نایاب چیز ہے۔ کہ جس کے ادنیٰ سے ادنیٰ حصّے کو ہم روئے زمین کے خزانے دے کر بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ لہٰذا یہ دنیا کا سب سے بڑا مال ہے۔ لیکن افسوس کہ اس قیمتی و نایاب مال کی ذرا بھی پرواہ نہیں کی جاتی۔ جب فرصت کے اوقات میں ہم عورتیں مل کر بیٹھتی ہیں۔ تو ایک کی چغلی دوسری کی بدی۔ تیسری کی عیب جوئی میں گھنٹے گذار دیتی ہیں۔ اور بھول کر بھی خیال نہیں آتا۔ کہ ہمارا کوئی نقصان ہو رہا ہے۔ یوں ہی صبح سے دوپہر اور دوپہر سے شام ہو جاتی ہے۔ ہمیں اپنی عمرِ عزیز کی قدر کرنی چاہیئے۔ کہ یہ دوبارہ حاصل ہونے کی چیز نہیں۔ وہی فرصت کا وقت جس کو ہم لغویات میں کھڑے بیٹھے ضائع کر دیتے ہیں نیکی کے کام میں خرچ کرنے کا عہد کر لیں۔ اور روزانہ دو گھنٹے مقرر کریں جس کو بیٹھ کر خدا کی راہ میں خرچ کریں۔ کسی اخبار میں مضمون لکھیں کسی کتاب کی تصنیف کا کام کریں۔ کسی بچے کو سبق پڑھائیں۔ جو بہنیں دستکاری جانتی ہیں اُس کی آمدنی یتیم خانوں میں اور مفلس لوگوں کی امداد میں خرچ کریں۔ اور اسی طرح ہمیشہ اپنی عمرِ عزیز کا ایک حصّہ روزانہ خدا کی راہ میں خرچ کر کے مالداروں سے زیادہ ثواب کی مستحق بنیں۔ اور یہ ایسی خیرات ہے کہ جس میں اندھے لنگڑے لولے اور اپاہج بھی برابر حصہ لے کر انفقوا اموالکم فی سبیل اللہ کے پُر حکمت حُکم پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں۔

افضل النسا بیگم (از سندھ)

# دورِ جدید کی عورتیں

گاندھی جی نے آج کل کی عورتوں کے متعلق حال ہی میں جو خیالات کا اظہار کیا ہے وہ کسی طرح بھی قابل پذیرائی نہیں ہوسکتا اگرچہ وہ صرف ان کے لباس کے فیشن واختراع پر نکتہ چینی کرتے ہوئے ناپسند قرار دیتے ہیں۔ تو خیر یہ بات ان کی ناپسندیدگی پر محمول کردی جاتی۔ لیکن انہوں نے تو حرکات وسکنات پر ناقدانہ اعتراض کیا ہے۔ یہ امر ہرگز قابل قبول نہیں ہوسکتا۔

وہ کہتے ہیں۔ کہ اس زمانے میں عورتیں صرف ستر پوشی کے خیال سے کپڑے نہیں پہنتیں۔ بلکہ ان کا مقصد خاص یہ ہوتا ہے کہ وہ جاذب نظر محسوس ہوں۔ ان کے لباس کی موزونیت اور اس کے اختراع کی زیبائش ان جولیٹ کی پیروؤں کے لئے بے شمار رومیو میدان حسن میں لاکر کھڑے کردیں۔

اگلے وقتوں میں خواتین حسین اور مکلّف لباس زیب تن نہیں کرتی تھیں یہ بالکل مہمل خیال ہے۔ زمانہ سلف سے صنفِ نازک کی ہمیشہ یہی تمنا رہی ہے۔ کہ وہ حسین و دلکش اور لطیف ترین نظر آئیں۔ اور اسی ذہنیت کے زیر اثر وہ زمانہ کے رسم ورواج کے مطابق ہمیشہ سنگھار کرتی آئی ہیں۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ وہ اپنی آرائش اور حسن ولباس بیرونی دنیا پر نہ ظاہر کرتی ہوں۔ مگر اندرون خانہ ان کی تصنع اور سامان دلکشی کی تمام فسوں سازیوں کے سامان سے معمور رہتا تھا۔ سوائے غیروں کے تمام رشتہ داروں۔ ملنے جلنے والوں۔ اور خدمت گزاروں پر ان کے حسن وزیبائش کی دلفریبیاں ظاہر ہوتی تھیں۔ لہذا نمائش اور داد وتحسین کی طلب میں موجودہ اور گزشتہ خواتین میں چنداں فرق نظر نہیں آتا۔

یہ انسانی طبائع کا خاصہ ہے کہ وہ تعریف وتحسین کا متمنی رہتا ہے۔ اگرچہ وسیع النظر افراد اس سے متاثر ہوئے بغیر صرف اپنے ضمیر کی خوشنودی کی صدا پر مطمئن اور سعی حاصل کا مزہ پاتے ہیں۔ مگر عام ذہنیت اس سے مستثنیٰ ہے اوروں سے حصول تحسین میں جو لطف آتا ہے وہ اپنی خیال آرائیوں میں کب پا سکتی ہیں۔ البتہ اس دُھن کا جو اخلاق سے تجاوز کر جائے اسی خیال کے پیچھے مفتوں ہوکر ہر دم اپنے جسمانی بناؤ سنگھار میں لگے رہنا چھچھورپن ضرور ہے۔ لیکن زیادہ تر عورتیں جو اپنے گھروں کی آسائش پسند زندگی بسر کرتی ہیں۔ اس امر پر قادر ہیں۔ ورنہ فکر معاش میں منہمک خواتین کمتر ہی آرائش وحسن ولباس پر توجہ دے سکتی ہیں۔ مسٹر گاندھی نہایت اطمینان سے لنگوٹی باندھے۔ بر سر عام نظر آسکتے ہیں۔ لیکن عورتیں اگر ان کی سی سادگی پر اتر آئیں تو پھر خود ہی وہ انہیں مطعون کرنے پر آمادہ ہوجائیں گے۔ وہ کہتے ہیں عورتیں اس لئے بناؤ سنگھار کرتی ہیں کہ وہ تمام تر توجہ کی مرکز بنی رہیں مگر ہمارا بھی تو یہی جواب موجود ہے کہ مرد کیوں ہر موقع پر فیشن کا لحاظ رکھتے ہوئے نفاست اور آرائش میں ڈوبے ہوئے نظر آتے ہیں۔ حالانکہ عورتوں کی نگاہ میں مردوں کی وقعت ان کی اعلیٰ تعلیم۔ بہادری اور حُبِ قومی سے تعبیر کی جاتی ہے البتہ کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ عورتیں کمزور اور نازک خیالات کے مردوں پر زیادہ ترس کھاتی ہیں۔ اور ان کی خدمت

میں اپنا آرام و آسائش بناؤ سنگھار سب قربان کر ڈالتی ہیں۔ البتہ مردوں میں یہ سطح نظری ضرور غالب ہے۔ وہ عورتوں کی ظاہری خوبصورتی کو باطنی خوبیوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ بہ ایں ہمہ فیشن پرست تیتریوں کے مقابلے میں خانہ ساز بیویوں کی وقعت ضرور ان کی بھی نظروں میں زیادہ ہوتی ہے مگر زمانہ کی ہم آہنگی کے خیال سے والدین لڑکیوں کو جدت پسند شوہروں کے مذاق کے مطابق مجبوراً فیشن ایبل بننے کی تعلیم دیتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ اگلے وقتوں میں خوشنمائی اور دلفریبیوں کی بجائے عورتوں میں گھر ستی کی خوبیاں تلاش کی جاتی تھیں ان میں کھانے پکانے اور بچوں کی پرورش کے سوائے اور کوئی خصوصیت پیدا کرنے کی ضرورت نہ تھی صغر سنی میں شادیوں رچادی جاتی تھیں۔ مگر اس وقت کہ عورتیں پردہ کی قید سے آزاد ہو رہی ہیں چونکہ اب مردوں کی معاشرتی اور اقتصادی حالتیں اس قدر قابل اعتماد نہیں کہ وہ کثیر اخراجات کے کفیل ہو سکیں۔ اس لئے نضا میں عورتیں قدیمی تعصبانہ خوف بے پردگی سے نڈر ہو کر مردوں کے دوش بدوش ایک کارکن کی حیثیت سے نظر آ رہی ہیں لہذا ہماری یہ آزادی صحیح معنوں میں ذمہ دار اور ان بیڑیوں سے پاک آزادی ہونی چاہئے۔ یہ نہیں کہ عورتوں سے اقتصادی ضرورتوں کو حل کرنے میں مدد لی جائے مگر اس غریب کے ہر قول و فعل پر بدستور پابندیاں موجود رہیں۔ عورتوں پر بے پناہ مظالم کے نتائج جو ہمارے آبا نے روا رکھے تھے آخر رنگ لا کے رہے۔ چنانچہ اب وہ عورتوں کی حقوق تلفی کی پاداش میں اپنی تمام ملکی، قومی اور سیاسی حقوق و آزادی سے محروم ہو گئے ہیں۔ آج ہندوستانیوں کا کوئی ضامن نہیں۔ خواہ وہ سیاسی حیثیت سے ہو یا اقتصادی اور معاشرتی۔ اگرچہ اس وقت اس کی باریابی کے حصول میں بیحد جدوجہد کی جا رہی ہے۔ مگر اعزاز رفتہ کی بازیافت حصول تمنا کی پذیرائی سے زیادہ دشوار ہے۔ ماسوا اس کے ان کی ذہنیت اس قدر بدل چکی ہے۔ کہ وہ عورتوں میں کسی قسم کی اصلاح و ترقیوں کے جس میں ان کی اپنی غرض وابستہ نہیں ہرگز حامی نہیں۔ عورتیں ان کی ہمنوائی میں جیل کی ہوا کھائیں۔ تو یہ اچھی تقلید ہے مگر اپنے جسمانی آرام و راحت یا آسائش کی طرف اگر متوجہ ہوئیں تو بڑا جرم ثابت کیا۔

عہد موجودہ کی باہمت لڑکیوں پر ہزاروں طرح کے الزام لگائے جا رہے ہیں۔ اور افسوس تو یہ ہے۔ کہ اس میں ایسے لوگ بھی شامل ہیں جو خود کو قوم کی ترقی و حریت کا علمبردار ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے ہیں۔ کیا اس وقت ان کو یہ خیال نہیں آتا ہے۔ کہ ان کے لباس و وضع پر دل شکن حملے کر کے انھیں پست ہمت بنانا اور مزید غیر ملکی تقلید پر مائل کرنا ہے۔ ان کمزور ہستیوں کی حالت وہی ہے۔ جو سیلاب میں تنکوں کی جدھر کو پانی کا رُخ ہو گا وہ بہتی چلی جائیں گی اس وقت اگر صحیح راستہ پر ہمدردی کے پند و نصائح سے انہیں لگایا جائے گا تو وہ ضرور منزل مقصود میں پہنچ کر دم لیں گی۔ اگر اس وقت طوفان کے جھکڑوں سے نئی پود کا یہ ذرہ اگر بکھر گیا تو پھر اُن کا بھی طعن تشنوں کی آن پر وہی حشر ہو گا جو غیر ملکیوں کا ہو رہا ہے ورنہ عجب نہیں۔ کہ انہیں سے قومی اصلاح کی ایسی تخم ریزی ہو گی جو دور مستقبل میں شاندار درخت ہو گا اور بار آور!

عورتیں ہزار بدترین جذبات کی حامل ہوں مگر ان کو اپنے ضمیر کی حفاظت کا خیال ہے۔ ان کے دلوں میں درد کا احساس ہے۔ اور ذی روح ہونے کی حیثیت سے اپنی زندگی کو کارآمد بنانے کا ذوق!

ممکن ہے کہ اس وقت جیسے تغیرات رونما ہوئے ہیں۔ اور ہر ملک اور قوم میں ملکی۔ سیاسی۔ اور اقتصادی اضمحلال پھیل رہا ہے اگر عورتیں ترقیوں سے کنارہ کشی اختیار کریں۔ تو پھر مستقبل قریب میں انسانیت کو پھر عہد ماضی کی طرف پسپا ہونا پڑے گا۔ اور صدیوں کے جد وجہد کے انکشافات معدوم ہوجائیں گے۔ قوم کی ترقی کے لئے مرد اور عورت دونوں کا ترقی پذیر ہونا کامیابی کی کلید ہے۔ اگر ہم بھولتے بھٹکتے بھی اپنی ترقی کے حامل ہوجائیں۔ تو پھر چند گم کردہ راہوں کو سدھارنا کوئی اہم مسئلہ نہیں۔

مفکّروں کا قول ہے۔ کہ قوم کے انحطاط کی ذمہ دار عورت ہے اللہ میاں نے بھی بہشت سے آدم کو نکلوانے کا ملزم عورت ہی کو قرار دیا ہے۔ مگر انہیں ٹھنڈے دل سے یہ سوچنا چاہیئے کہ کبھی ایک ہاتھ سے تالی نہیں بجتی۔ ہر امر میں مرد کا بھی مساوی قصور اور حصہ رہا ہے۔ چونکہ صنف نازک ہمیشہ سے بے زبان اور زبردستی کی مدات میں گرفتار رہی ہے۔ اس لئے یہ الزام اُن پر کھپ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ مرد کی آرائش تک دوسروں کے دکھانے کو نہیں ہوتیں جس کا ہر دم سیکڑوں افراد سے واسطہ رہتا ہے۔ مگر عورت کے سنگھار پر فوراً یہ فرد جرم لگائی جاتی ہے کہ وہ بےشمار رومیو Romeo کی قدرشناس نگاہوں کا مرکز بننے کی غرض سے فیشن نکالتی ہیں۔ ہمیں تو ڈر اس بات کا سب سے زیادہ ہو رہا ہے۔ کہ کہیں حوا کی بیٹیاں چڑکر جناب گاندھی کی تقلید پر آمادہ نہ ہوجائیں۔

جمیلہ بیگم (کلکتہ)

# مرغابیاں

یہی مرغ آبیاں جب بولتی تھیں اپنے بچپن میں
کیا کرتے تھے غوغا ل کے ہم یوں اپنے آنگن میں

پہاڑوں سے قطاریں باندھ کر شہروں میں آئی ہیں
وہاں سے تُند جاڑوں کی ہوائیں ساتھ لائی ہیں

گرا کرتی تھیں جب آ آکے یہ شاداب جھیلوں پر
کیا کرتے تھے ان کے بولنے کی نقل ٹیلوں پر

انھیں کی طرح ہم جنگلوں میں چہچہاتے تھے
اُنہیں کے ساتھ ہم بھی نہر پر دُھومیں مچاتے تھے

فضا پر کھول کر بازو انہیں کی طرح اُڑتے تھے
انہیں کی طرح بازو توڑ کر راہوں پہ مُڑتے تھے

گلابی سردیاں یوں اپنے سینوں سے گذرتی تھیں
ہوا کی خنکیوں سے صورتیں پیہم بدلتی تھیں

انہیں مرغ آبیوں کی طرح تھیں رعنائیاں اک دن
انہیں مرغ آبیوں کی ہم بھی تھے پرچھائیاں اک دن

مگر اب بولتی ہیں جو فضا میں شب کو یہ اکثر
صدائیں سن کے ان کی چوٹ سی لگتی ہے اک دل پر

اب ان کے غول ہیں رنگیں فضاؤں سے گذرتے ہیں
تو ہم رو رو کے اپنا عہد طفلی یاد کرتے ہیں

جب ان کے ساتھ کے گذرے زمانے یاد آتے ہیں
ہم اپنے دوستوں کی یاد میں آنسو بہاتے ہیں

جلال (ملیح آبادی)

# حیاتِ ملیہ

موتِ کیا ہے؟ جسم خاکی سے رہائی روح کی — زندگی کیا ہے؟ جسد سے آشنائی روح کی

زندگی کا فلسفہ ہے اتحادِ جسم و جاں — ایک ان میں سے مکیں ہے ایک ان میں سے مکاں

گر مکینِ بے مکاں ہے خانماں برباد ہے — گر مکانِ بے مکیں ہے قصر غیر آباد ہے

روشنی گمنام تھی جب آشنائے تن ہوئی — آسماں پر چاند سورج بن کے نور افگن ہوئی

جس قدر جسمانیت کی خلعتیں حاصل ہوئیں — تابشیں یہ اور وجہِ رونقِ محفل ہوئیں

شعلہ کیا ہے؟ اک لباسِ تابشِ بیرنگ ہے — پردۂ فانوس شعلہ کا لباسِ تنگ ہے

ایک مشتِ خاک تھی جب صورتِ آدم ہوئی — کعبۂ جن و ملائک قبلۂ عالم ہوئی

رکھدیا سر قدسیوں نے اے زہے صورت گری — جسم پاکر روحِ آدم کو ملی یہ سروری

پتھروں کے ڈھیر کو دی شکل ابراہیمؑ نے — مرکزِ سجدہ بنایا جانِ ہفت اقلیم نے

روحِ کعبہ کو شرف صورت سے یہ حاصل ہوا — پیرہن سے حُسنِ صورت اور بھی کامل ہوا

اوڑھ کر کالی ردا کعبہ بھی لیلیٰ بن گیا — جُھک گئیں پیشانیاں آنچل مصلّی بن گیا

بن گیا صحنِ منا خود غیرتِ صحرائے نجد — یہ صفیں آوارہ مجنونوں کی یہ مستی یہ وجد

قافلہ یہ گامزن ہے اپنی منزل کی طرف — یا چلا جاتا ہے دوڑا قیس محمل کی طرف

یہ پریشاں بال یہ جیب و گریباں یہ لباس — خشک لب بھیگے ہوئے رخسار یہ چہرے اداس

نعرۂ لبیک بھرائی ہوئی آواز میں — نغمۂ مستانہ ہے گویا شکستہ ساز میں

جوشِ رقت ہے پکارے جا رہے ہیں بار بار — سسکیاں لے لے کے روئے جا رہے ہیں زار زار

مسلمِ مجنوں اِدھر ہے آہِ رقت خیز ہے — اُس طرف لیلائے کعبہ ہے تبسم ریز ہے

مسکراتا ہے کوئی یا جلوۂ امید ہے — ڈبڈبائی آنکھ ہے یا لطفِ سیر دید ہے

امتیازِ حسنِ کعبہ روح کا احساس ہے — عشق کی شورش حیاتِ ملیہ کا پاس ہے

روح تیری زندگی کی اے مسلماں کعبہ ہے — کیونکہ تیری مرکزیت کا نگہباں کعبہ ہے

گرد کعبہ حلقۂ عالمِ اسلام ہے — کعبہ کیا ہے؟ مرکزِ اسلامیاں کا نام ہے

دامنِ لیلائے کعبہ روح کا گہوارہ ہے — قیس بن کر جسمِ مسلم کو بگو آوارہ ہے

وسعتِ عالم بھی ہے اس قیس کو صحرائے نجد — خاک پر تصویرِ لیلیٰ کھینچ کر کرتا ہے وجد
ایک ہے لیلائے کعبہ جا بجا تصویر ہے — ہر طرف مسجد محاذِ کعبہ میں تعمیر ہے
جانبِ مسجد اگر خود کھنچ نہ جائے تیری جاں — گر نہ ہوں بیتاب پیشانی میں تیری بجلیاں
سُن کے آوازِ اذاں گر بیخودی طاری نہ ہو — نغمہ یہ تیری زباں پر بھی اگر جاری نہ ہو
کر گیا پرواز گویا زندگی کا مرغِ جاں — جسمِ مردہ کے لئے بے سود ہے شورِ اذاں
بجلیاں سجدوں کی جب تک قلب میں بیتاب ہیں — تیری یہ پیشانیاں خورشیدِ عالمتاب ہیں
یہ اذانیں یہ نمازیں یہ طریقِ بندگی — یہ جماعت یہ دعائیں ہیں ثبوتِ زندگی
یہ صفیں نظارۂ تصویرِ لیلیٰ کے لئے — یہ جبیں سائی مسلماں کی تسلی کے لئے
یہ تسلی جانِ مسلم کو غذائے روح ہے — نعرۂ اللہ اکبر اک صدائے روح ہے
زندگی کی روح کیا ہے؟ مرکزیت کی تلاش — زندگی کا جسم کیا ہے؟ صورت و طرزِ معاش
روح جزوِ زندگانی ہے مگر روپوش ہے — زندگی کی شکل جسمِ روح در آغوش ہے
روح تیری زندگی کی ہو یہی ذوقِ تلاش — جسم تیری زندگی کا صورت و طرزِ معاش
روح آوارہ ہے جب تک ہو نہ مرکز آشنا — جسم ناکارہ ہے جب تک لے نہ اک صورت بنا
روح کا احساس جڑ ہے اور یہ سب برگ و بار — شکل و صورت یا معیشت پوشش و وضع و شعار
بے رضائے روح کوئی وضع بھی ممکن نہیں — کیا اُگے آخر اگر دانہ نہ ہو زیرِ زمیں
چھوڑ کر اپنا تمدن قوم ہوتی ہے فنا — بلکہ مٹنا بہتر ہے پھر تمدن چھوڑنا

راز یہ سمجھا ہے صوفی ٹھوکریں کھانے کے بعد
زندگی کا فلسفہ سوجھا ہے مٹ جانے کے بعد

سید محمد عبدالرب صوفی

# تعمیرِ قوم

آج کل ہندوستان میں یہ مسئلہ قابل لحاظ بنا ہوا ہے کہ قوم مذہب سے بنتی ہے یا ملک سے چنانچہ کانگریسی مولوی صاحبان اعلان کر رہے ہیں کہ قوم ملک سے بنتی ہے لہذا ہندوستان کے رہنے والے ہندو مسلمان۔ عیسائی۔ سکھ۔ آریہ۔ سناتنی۔ پارسی وغیرہ سب ہندی ہیں لہذا کانگریس میں شامل ہو کر اپنے شیرازہ کو مجتمع کر لینا چاہیئے۔ ادھر باقی ماندہ سب مسلمان کہتے ہیں کہ ہماری قومیت کی بنیاد ملک نہیں ہے بلکہ مذہب ہے۔ اس لئے ہمارا تعلق ملک سے اتنا ہے جتنا کہ ایک مکاندار کو اپنے مکان سے ہے کہ وہ اپنے آرام۔ حفاظت اور موسمی حوادث کے بچنے کی خاطر مکان کی مرمت اور دیکھ بھال کرتا رہتا ہے تاکہ وہ قائم اور محفوظ رہے۔

آج دنیا میں جہاں دیکھو قوم کی بنیاد ملک ہی پر رکھی جا رہی ہے۔ جرمنی جرمنوں کے لئے۔ انگلستان انگریزوں کے لئے مصر مصریوں کے اور ٹرکی ترکوں کے لئے۔ اس تعمیر کے لئے ایک ایسی چیز کی ضرورت ہے جو مختلف الخیال لوگوں کو ایک جگہ جمع کر سکے۔ اور یہ چیز "وطن پرستی" کہلاتی ہے۔ کانگریس اس جذبے کو پیدا کرنے کی ہر کوشش کر رہی ہے۔ اور مسلمان کثرت سے اپنے طریق پر اس کی مخالفت کر رہے ہیں۔ اور بحیثیت قوم اپنی ہستی کو قائم کر کے منوانا چاہتے ہیں۔ مگر کانگرس مسلمانوں کی علیحدہ قومی ہستی کو تسلیم نہیں کرتی۔ گذشتہ مہینوں میں مسٹر جینا صدر آل انڈیا مسلم لیگ اور مسٹر گاندھی۔ پنڈت جواہر لال نہرو اور بابو سوبھاش چندر صدر آل انڈیا کانگریس کی گفتگوے مصالحت کی ناکامی کا باعث یہی مسئلہ ہوا۔ چونکہ کانگریسی مولوی صاحبان بھی اس مسئلہ میں ہوا کے رخ اور کانگریس کے ہمنوا ہیں۔ اس وجہ سے یہ خیال ہونا لازمی ہے کہ اسلام بھی اسی ملکی قومیت کا حامی ہوگا اور مسلمانوں کی اکثریت غلطی پر ہے۔ لہذا آئیے دیکھیں اسلام اس مسئلہ کا کوئی حل کوئی فیصلہ پیش کرتا ہے۔ یا خاموش ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ایمان والے سب مثل ایک آدمی کے ہیں"۔ یعنی ایک کا نفع۔ نقصان۔ تکلیف۔ پستی۔ بربادی سب ہی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اور یہی قومیت ہے۔

اب ہم تاریخ اسلامی پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو اسلامی قوم کی تعمیر کے سامان میں حسب ذیل نظر آتے ہیں۔ حضرت صدیق رضؓ و فاروق اعظم رضؓ عرب کے۔ سلمان رضؓ فارس کے۔ بلال رضؓ حبش کے۔ عداس رضؓ نینوا کے۔ صہیب رضؓ روم کے۔ ضماد رضؓ ازدی۔ سراقہ رضؓ مدلجی وغیرہم یہ وہ بزرگ ہیں جو ملکی قومیت کے لحاظ سے بالکل الگ الگ قومیت رکھتے ہیں۔ مگر اسلام نے اس ملکی قومیت کے بت کو توڑ کر مسلم کا لقب دیا اور سب کو ایک قوم بنا دیا۔ کیوں؟ اس کا جواب ڈاکٹر سر اقبال مرحوم کی زبان سے سنئے:۔

اقوام میں مخلوق خدا بٹتی ہے اس سے　　قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے

آپ نے کیا نہیں دیکھا کہ اسی ملکی قومیت نے مسلمان کو مسلمان کا گلا کاٹنے پر اس کو تباہ اور برباد ہوتا ہوا دیکھنے پر کس طرح آمادہ کیا۔ جنگ عظیم میں ترکوں سے البانی اور عربوں کی علیحدگی۔ شریف حسین کی غداری۔ اسپین کی تباہی پر ترکوں کی خاموشی۔ اسلامی قومیت کی فنا کا ڈنکا پیٹ رہے ہیں۔ اسلام نے آپ کے سامنے ملک کو پیش نہیں کیا۔ وطن پرستی کی تلقین نہیں کی بلکہ مرکز اجتماع قومی اس ذات کو پیش کیا۔

جس سے من حیث القوم دنیا کی کسی قوم کو انکار نہیں۔ ملک، وطن اور رنگ ایسی چیزیں نہیں کہ جس پر دنیا کا اجماع ہوسکے مگر ذات باری تعالیٰ عزاسمہٗ پر سب متفق اور متحد ہوسکتے ہیں اور اسلام نے کرکے دکھا دیا۔

اگر حقیقت کی نظر سے دیکھو تو دنیا میں ایک ہی قوم ہے وہی حضرت آدم وحوا علیہما السلام کی اولاد۔ اگرچہ موسموں اور آب وہوا کے اختلاف نے رنگوں اور نقشوں میں فرق کردیا۔ اپنے اپنے خیالات کے اختلاف کی وجہ سے سینکڑوں فرقے اور فرقے در فرقے اور ملکی قومیتوں نے ایک کو دوسرے سے جدا کردیا تاہم اس سے کس کو انکار ہے اور نہ ہوسکتا ہے کہ ہیں سب ایک۔ لیکن جب تک دنیا میں یہ فرقے بندیاں قائم ہیں خواہ مذہبی ہوں یا ملکی تلوار چلتی رہے گی اور امن ناممکن۔

اسلام امن اور سلامی کا پیغام لے کر آیا اور بتایا کہ "ملکی حیثیت ہو یا قبائلی۔ یہ قابل لحاظ چیز نہیں ہاں اتنا ہے کہ تم کہہ لو یہ ہمارے ملک یا قبیلے کا ہے اور بس۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ تم سب کے سب ایک آدمؑ سے پیدا ہوئے ہو۔ اور آدمؑ مٹی سے"! مٹی کی خاصیت ہے کہ اس کے ذرّے آپس میں مل کر مضبوط و مستحکم ہوجاتے ہیں اور بکھر کر خاک دھول بن جاتے ہیں۔ آدمی ایک خیال ہو کر آپس میں متحد ہوجاتے اور بڑے بڑے کام کرنے کے اہل ہوجاتے ہیں اور مختلف الخیال ہو کر منتشر اور زمین پر بار ہوجاتے ہیں۔ آپس میں لڑتے جھگڑتے اور ایک دوسرے کو گرانے اور ذلیل کرنے کی فکر میں راہ ترقی گم کردیتے ہیں۔ اسلام نے عقائد، عبادات اور اعمال پیش کرکے ہم خیالی کی بنیاد ڈالی اور ان امور کو اس طرح مکمل کیا کہ دنیا کے کسی شخص کے لئے ناقابل برداشت اور گراں نہ ہو تاکہ دنیا میں ایک قوم بن کر اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ زمین کے خزانوں سے مستفید ہوسکے "هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا"۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "رحمۃ للعالمین" فرمایا۔ سچ فرمایا ڈاکٹر اقبال مرحوم نے کہ۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر　　خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
اُن کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار　　قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

قرآن مسلمانوں کو علی الاعلان کہہ رہا ہے کہ "كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ.... الآیۃ" (تم کو سب سے بہتر قوم بناکر لوگوں کی ہدایت کے لئے رہنمائی کے لئے بھیجا گیا) یہاں لفظ للناس ہے جس میں کسی خاص شہر یا ضلع یا صوبہ یا ملک یا براعظم کے لوگوں کی قید نہیں۔ بلکہ مسلم کا فرض منصبی یہ قرار دیا گیا کہ دنیا کے ہر گروہ سے اللہ تعالیٰ کی حکومت کو تسلیم کرائیے۔ کیونکہ دنیا میں جب تک ایک حکومت نہ ہو امن وسلامتی ناممکن ہے اور جب امن اور سلامتی نہیں تو ترقی ہلاکت آفریں اشیاء ہی میں ہوگی۔ اور ایک حکومت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہوسکتی ہے جس کی پرستش سب ہی کرتے ہیں۔ صرف خیالات کو عملی جامہ پہنا کر اتحاد عمل پیدا کرنا ہے۔ اسلام نے انسان کو منصب خلافت عطا فرمایا۔ صحابۂ کرامؓ کے زمانہ تک یہ منصب مرکز سے وابستہ رہا اور یہ بزرگ جہاں گئے ایک ہی قوم بناتے رہے۔ شام، فلسطین، عراق، مصر، الجزائر، ٹیونس، مراقش، وغیرہ کے دیہات میں اب بھی جاکر دیکھو تو وہی عربی لباس اور عربی زبان پاؤ گے۔ عربی تہذیب و تمدن بآواز بلند کہہ رہا ہے کہ: "ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے"!

مگر افسوس کہ خلفائے راشدین کے بعد اموی، عباسی اور فاطمی مسئلہ اپنا ظہور کرنے لگا۔ اور اللہ کی حکومت کی جگہ اپنی اپنی حکومت

کی فکر نے لازمی طور پر رائے عامہ کو اپنی اپنی طرف کرنے کے پروپاگنڈے کئے مسلمانوں کی وحدت قومی پر ضربیں لگانی شروع کر دیں اور جس جاہلیت کو اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر کہ "یہ قبائل اور کنبے تو صرف پہچان نسبی کی چیز ہے جس پر کسی قومی فخر یا دعویٰ کا انحصار نہیں۔ ہاں جو شخص سچا اور پکا نا بعدار متقی ہو وہی قابل عزت ہے" روکا تھا۔ اور جس بت کو رسول اللہ صلعم نے یہ اعلان کر کے کہ "اسلام کے بعد جس نے بھی دعویٰ جاہلیت کیا اس کا ٹھکانا دوزخ ہے" ڈہا دیا تھا۔ پھر زندہ کر دیا۔ ملکی نسلی یا نسبی امتیازات کو اسلام قطعی تسلیم نہیں کرتا۔ وطن کی محبت کو صرف اتنا درجہ ہے کہ ایمان کی شاخوں میں سے یہ بھی ایک شاخ ہے جس طرح راستہ سے پتھر یا کانٹا یا انگارا ہٹانا ایک شاخ ہے۔ اس کو اسلام کے مقابلے میں پلئے ثبات حاصل نہیں۔ ہجرت کے واقعہ میں ایک سبق ہمارے لئے یہ بھی ہے۔ اسلام ایمان والوں کو بھائی بھائی اور ایک قوم قرار دیتا ہے "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ ....." (ایمان والو! تم سب سے بہتر قوم ہو......)۔ انما المومنون اخوۃ ایمان والے بھائی بھائی ہیں۔ اسلام پر غور و فکر کرو تو معلوم ہوگا کہ اس کا مقصد ہی یہ ہے کہ ہر قسم کی مذہبی سیاسی، ملکی، نسلی اور نسبی فرقہ بندیوں کو توڑ کر ایک قوم بنائے جو وحدت قومی کے لئے ایک ایسے قانون کی پابند ہو جو انسانی خاطی دماغ کی پیداوار نہ ہو کیونکہ کوئی بشریت سے خالی نہیں۔ کوئی ایسا نہیں کہ جو بالکل بے غرض ہو۔ دیکھ لو کانگریسی حکومتیں جو رعائتیں کانگریسیوں کو دے رہی ہیں۔ وہ دوسروں کو نہیں۔ اور جو ہنود کو دی جا رہی ہیں۔ وہ مسلمانوں کو نہیں۔ بہار میں گائے کی قربانی کی ممانعت اور دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ سی۔ پی میں مسلمان وزیر کی درگت اور ہنود کے خلاف مقدمہ کی واپسی۔ یوپی کے میلے میں مسلمانوں پر حملہ۔ گایوں کو چھین لینا اور حکومت کی خاموشی وغیرہ۔ انسانی دماغ کے تدبر اور غرض کو ثابت کر رہے ہیں۔ اسلام ایمان والوں کو اللہ کی رحمتوں، مغفرت اور انعام کی خوش خبری دیتا ہے۔ خلافت کا وعدہ کرتا ہے۔ لیکن قانون کی گرفت سے کسی حالت میں معافی نہیں دیتا۔ وہ اعلان کرتا ہے کہ جو جیسا کرے گا اس کو اس کا ویسا ہی بدلہ ملے گا۔ چوری کرے گا تو سزا پائے گا۔ فساد پھیلائے گا۔ امن عامہ میں خلل انداز ہوگا یا قانون کو بلا عذر قانونی اپنے ہاتھ میں لے گا یا اس کی خلاف ورزی کرے گا تو مسلم ہو یا غیر مسلم۔ قانون اپنا یکساں کام کرے گا چونکہ حکومت اللہ تعالےٰ کی ہے لہذا قانون سے خلیفہ اور غیر خلیفہ کوئی مستثنیٰ نہیں۔ یہ بالاختصار ہم نے اسلامی قومیت کا خاکہ پیش کر دیا۔ وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

محمد عبد الغفار الخیری

# مسئلہ اجتہاد

مسئلہ اجتہاد دیگر اسلامی مسائل کی طرح مسلمانوں نے قریب قریب بھلا دیا ہے اور پرانی لکیر کے فقیر ہو بیٹھے ہیں۔ قدماء تفاسیر و احادیث فقہ و دینیات کو جہاں چھوڑ گئے ہیں بس وہیں تک ہماری آخری منزل قرار پا گئی۔ اور ہمارے ذہنوں پر یہ بات مسلط ہو گئی ہے کہ اگر ہم نے متقدمین کی منقولہ تحقیقات پر اپنی طرف سے ایک حرف بھی ایزاد کر دیا تو ہم گمراہ ہو جائیں گے۔ بزرگان سلف و ائمہ سابقہ جس جس دینی مسئلہ پر جو رائے اپنے زمانہ کا لحاظ رکھتے ہوئے ظاہر کر گئے ہیں وہ بجنسہ آج بھی ہمارے تبدیل شدہ زمانہ میں حرف بحرف صحیح اور درست ہے اور ہمیں کوئی مجاز نہیں ہے کہ ہم اُن کی طرح خود اجتہاد کر کے دین میں ایک رخنہ ڈالیں۔ علوم نقلی میں عقل کو دخل کرنا بدعت ہے۔ مسلمانوں کے یہ خیالات جسے قدامت پرستی کہنا زیادہ موزوں ہے درحقیقت اسلام کی سچی اسپرٹ کے منافی ہیں۔ اسلام نے بقول کسے اجتہاد کا دروازہ کبھی بند نہیں کیا۔ یہ دروازہ قیامت تک کھلا رہے گا۔ اور جیسی مشکلات زمانہ کے اقتضا سے پیش آئیں گی اور جیسے جیسے مسائل مسلمانوں کے سامنے آئیں گے اُن سب کا حل اسی اجتہاد سے کیا جائے گا۔ ظہور اسلام سے قبل جو مذاہب تھے اُن کی شریعتیں بہت سخت تھیں اور اُن میں امتداد زمانہ کے انقلاب کے لئے کسی قسم کی لچک موجود نہیں تھی۔ اسلام نے علی الاعلان کہا کہ ہم نے دین تم پر آسان کیا۔ اور پرانی سختیاں جاتی رہیں دراصل دین فطرت ہے بھی وہی جس سے انسان فائدہ اٹھا سکے وہ نہیں جس کی پابندی کرتے کرتے اُس کو تکلیف پہونچنے لگے۔ دین اور شریعت سے جو جو دنیاوی سہولتیں اور نظم جہاں پیدا ہوتا ہے ان کی تفصیل بیان کرنے کا یہاں موقعہ نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ لا تکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔ اسلام آسانی پیدا کرنے کے لئے آیا ہے۔ متعدد جگہ مذکور ہے کہ اے مسلمانوں بنی اسرائیل کی طرح مذہب کے بارے میں غلو نہ کیا کرنا اور خدا یہ نہیں چاہتا کہ تم پر کسی قسم کی تنگی روا رکھے بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تم پر اپنی نعمتیں پوری کرے۔" (سورہ مائدہ)

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ اگر تم مومن و مسلم رہو گے تو ہم تمہیں دنیا میں آمر و غالب رکھیں گے اور تمہیں کسی قوم کا محکوم نہیں بنائیں گے۔ لیکن آج آپ اور ہم سب دیکھتے ہیں کہ مسلمان محکوم اور مغلوب ہیں جس سے ظاہر ہے کہ ہم نے اسلام کو چھوڑ دیا ہے۔ لیکن انصاف کی رُو سے دیکھا جائے تو ہمارا ایمان اُسی آسمانی کتاب قرآن مجید پر اب بھی ویسا ہی ہے۔ جیسا کہ سلف صالحین کا تھا۔ لیکن اس ایمان میں اور اُس ایمان میں فرق ہے اور فرق یہ ہے کہ ہم نے اُصول چھوڑ کر فروعات کو داخل مذہب کر لیا ہے اور وہ لوگ صرف اُصولوں پر سختی سے پابند تھے اور فروعات پر چنداں سخت گیر نہ تھے۔ ان کے ہاں ہر بات عقل کی کسوٹی پر پرکھ کر رائج ہوتی تھی اور ہمارے ہاں ہر شے نوشتہ قدرت اور تحریر الٰہی ہے۔ وہ جو الم دواہنی دنیا آپ اپنے قوت بازو سے بناتے تھے اور ہم نے اپنی ساری ترقیاں بلکہ تباہیاں بھی مذہب کے سہارے پر قائم کر رکھی ہیں اور قسمت پر تکیہ کئے یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ جو کچھ بھی دنیا جدید کے مسائل ہیں اُن سب کا حل ہمارے پاس پہلے ہی موجود ہے اور مجتہدین کو ہماری آج کی ضروریات کا علم تھا اور

وہ ان سب کی راہیں نکال گئے ہیں۔ درحقیقت یہ ایک قسم کی بزدلی ہے جو اس تعلیم کے بالکل خلاف ہے۔ اسلام نے تو بقول ہادی حق یہی کہا ہے" وانتم اعلم وبامورِ دنیاکم اور تم اپنی دنیاوی باتوں کو زیادہ اچھی طرح جانتے ہو۔

لیکن حال یہ ہے کہ خواہ دینی مسائل ہوں یا دنیاوی امور ہم ہر شے کا نسخہ اور مکمل نسخہ پرانی ہی کتابوں سے ڈھونڈ نکالنے کوشش کرتے ہیں بلکہ ہمیں اصرار ہے کہ ہماری کُل ضروریات حاضرہ کی مکمل دوا بغیر ہماری عقل لگائے ہوئے ہمارے پاس موجود ہے اور کسی مسئلہ میں اجتہاد کرنے کی ضرورت نہیں۔ سب کچھ وہ لوگ کر گئے ہیں۔ غور سے دیکھا جائے تو یہ ایک قسم کی کوتاہ نظری ہے جس کا اسلام نے آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے قلع قمع کر دیا تھا اور کہا تھا۔

چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی (حالی)

رہے اعتقادات تو اس کے بارے میں احکامات آخری آچکے اور ہمیشہ کے لئے آچکے۔ اس میں کسی تغیر و تبدل کی مطلق گنجائش نہیں یہ ابد الآباد تک کے لئے اٹل ہیں۔ اسی باریک نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ شبلی تحریر کرتے ہیں" واضح ہو کہ انبیاء پر جو شریعت نازل ہوتی ہے اس کے دو حصے ہوتے ہیں ایک وہ عقائد و مسائل جو مذہب کے "اصول کلیہ" ہوتے ہیں اس حصے میں تمام شریعتیں متحد ہوتی ہیں۔ مثلاً خدائے پاک کا وجود، توحید، عذاب، ثواب، بعثت بعد الموت، نکاح، وراثت و عبادات، وغیرہ۔ دوسرے وہ احکام و سنن جو خاص انبیاء کی ذات کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں اور جن کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ شریعت موسوی شریعت عیسوی سے مختلف ہے۔ شریعت کا یہ حصہ خاص خاص قوموں یا ملکوں کے نصائح اور فوائد پر مبنی ہوتا ہے۔ اور اس کی بنیاد زیادہ تر اُن خیالات، عقائد، عادات، معاملات رسوم طریق معاشرت اور اُصول تمدن پر ہوتی ہے جو پہلے سے قوم میں موجود تھے۔ کیونکہ جو پیغمبر تمام عالم کے لئے اور ہر زمانہ کے واسطے مبعوث ہوتا ہے وہ نہ تو تمام دنیا کی قوموں کے لئے اُن کی جداگانہ ضروریات کو ملحوظ رکھتے ہوئے الگ الگ شریعتیں بنا سکتا ہے اور نہ یہ ممکن ہے کہ تمام قوموں کی عادات اور خصوصیات باہم متفق ہو جائیں۔ جغرافیائی حالات اختلاف ضروریات کے ضامن ہیں۔ اس لئے پہلے وہ اپنے چھوٹی سی قوم کی تعلیم و تلقین شروع کرتا ہے اور اُسے محاسن اخلاق کا نمونہ بناتا ہے اور اسی نمونہ پر وہ اپنی تلقین کا دائرہ وسیع کرتا جاتا ہے۔ اس کی شریعت میں اگرچہ زیادہ تر وہ قواعد کلیہ اور اُصول عام ہوتے ہیں جو قریباً تمام دنیا کی قوموں میں مشترک ہوتے ہیں تاہم خاص اُس قوم کی عادات اور خصوصیات کا لحاظ زیادہ ہوتا ہے لیکن جو احکام ان عادات و حالات کی بنا پر قائم ہوتے ہیں۔ ان کی پابندی مقصود بالذات نہیں ہو[تی] اور نہ اُن پر چنداں زور دیا جاتا ہے" ہماری بدقسمتی یہی ہے کہ ہم نے قوم عرب کی ہزار ہا رسموں اور عادتوں کو اپنے لئے فرض سمجھ لیا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے پانچ ارکان کو چھوڑ کر باقی امور میں ہر قوم کو اجتہاد کرنے کی کھُلم کھُلا اجازت ہے اور اسی اصول کو شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ البالغہ صفحہ ۱۲۳ میں نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ہم اس کا اُردو اقتباس درج کر[تے ہیں]۔ نہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہر قوم کی عادات اور خصوصیات کا تجسس کیا جائے اور ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ شریعت بنائی جائے۔ اس بنا پر اس سے بہتر اور آسان کوئی اور طریقہ نہیں کہ عام تعزیرات اور انتظامات میں خاص خاص اُس قوم کی عادات کا لحاظ کیا جاوے جن میں یہ امام پیدا ہوا ہے اس کے ساتھ آنے والی نسلوں پر ان احکام کے متعلق

چنداں سخت گیری نہ کی جائے۔"

کون شخص یہ نہیں جانتا کہ قرآن مجید میں عورتوں کی تہذیب و شائستگی کے متعلق جس قدر تعلیم دی گئی ہے اُس کا ایک بہت معقول حصہ اہل عرب کے قدیم رواج پر قائم ہے اور اسی طرح اور بھی اُمور ایسے موجود ہیں جن کا تعلق زیادہ تر نسل عرب سے ہے تاہم اُن کی پابندی ہر مسلمان پر لازمی ہے لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہم اسے سمجھنے کی کوشش بھی نہ کریں۔ اُصول اپنی جگہ قائم ہے تاہم وقت کا لحاظ رکھتے ہوئے اُس کے عمل درآمد ہونے کی حیثیت بدل سکتی ہے۔ بعض احکام ایسے ہیں جن پر بعینہا وبخصوصہا پابند رہنا دیگر اقوام کے لئے فرض نہیں ہے اور نہ اُن پر عمل نہ کرنے کی صورت میں سختی کے ساتھ محاسبہ ہوگا اور باز پرس ہوگی۔ اسلام جو دینِ فطرت ہونے کا مدعی ہے۔ ہر لحہ بدل جانے والے انسان کو جامد اور ساکت ہو جانے پر مجبور نہیں کرتا۔ اسلام اور زندگی درحقیقت دونوں ایک ہی تحریک کے دو پہلو ہیں۔

دمادم رواں ہے یم زندگی ہر اک شے سے پیدا رم زندگی
فریب نظر ہے سکون و ثبات تڑپتا ہے ہر ذرۂ کائنات (اقبال)

اب رہا یہ سوال کہ اجتہاد کرنے کا حق کیا صرف چند مخصوص علما ہی کو ہے یا ہر شخص اس کا مجاز ہے۔ یہ ایک ایسا نازک مسئلہ ہے جس پر مجھ بے علم سے کہیں زیادہ قابل اور فاضل اصحاب کے لکھنے کی ضرورت ہے۔

سید ابن حسن شارق

# کھری باتیں

خرچ میں مدِ نظر ہم کو کفایت ہی رہی ناک سو بار بھی کٹنے پہ سلامت ہی رہی
جس نے دیکھا ہمیں ہر حال میں دیکھا خوشحال وجہ آسودگیٔ زیست قناعت ہی رہی
سرنگوں ہوتا نہ کیوں پرچم اقبال اپنا وہ تمدن ہی رہا جب نہ سیاست ہی رہی
مدعا زیست کا کیا ہے نہ کبھی یہ سوچا عمر بھر قلب پہ چھائی ہوئی غفلت ہی رہی
چشم باطن سے جو ہر چیز کا دیکھا انجام کوئی ارمان رہا دل میں نہ حسرت ہی رہی
دعویٔ حُبِ خدا شیخ نے گو لاکھ کیا دار فانی کی مگر دل میں محبت ہی رہی
اب نہ اگلا سا نظر آتا ہے وہ میل ملاپ اب نہ لوگوں میں وہ پہلی سی محبت ہی رہی
لاکھ کوشش سے بھی یہ صلح پہ مائل نہ ہوا
نفس سرکش کی آزل ہم سے عداوت ہی رہی

ابوالاعجاز آزل (لاہور)

# کیلا اور اس کے فائدے

ہندوستان کے پھلوں میں آم سب سے اچھا گنا جاتا ہے۔ اور آم کے بعد لوگ کیلے کو جگہ دیتے ہیں۔ کیلا عام طور پر سب جگہ پایا جاتا ہے۔ لیکن ضلع گوماٹک کرناٹک اور بستی میں بہت پیدا ہوتا ہے۔ اس کی تقریباً بیس قسمیں ہیں جنگل میں جو کیلے کے درخت خود اُگتے ہیں۔ ان کو جنگلی کیلا کہتے ہیں کچے اور پکے دونوں طرح کے کیلے کھائے جاتے ہیں۔ کچے کیلوں کی ترکاری بنتی ہے اور پکے ہوئے کیلے کھائے جاتے ہیں علاوہ ازیں پکے کیلوں کا رائتہ بھی بنایا جاتا ہے۔ کیلے کھانے میں لذیذ ہوتے ہیں۔ ان کے کھانے سے جسم مضبوط اور طاقتور ہوتا ہے اور بھوک بڑھتی ہے۔ جہاں کیلے بہت ہوتے ہیں وہاں لوگ خشک کر کے سکھا کر بہت سے کیلے جمع کر لیتے ہیں۔ اور ان کو اناج کی طرح ہر کام میں لاتے ہیں۔ سوکھے ہوئے کیلوں کو پیس کر آٹا بنا لیتے ہیں۔ اس کی روٹی اور دیگر چیزیں بناتے ہیں۔ اس طرح جو کیلے سکھائے جاتے ہیں وہ کچے ہی کاٹ کر سکھائے جاتے ہیں ان سے جسم طاقتور ہوتا ہے۔ اور وہ آلو کی طرح کام میں لائے جاتے ہیں۔

کیلوں کی مختلف قسمیں ہیں بازار میں جو کیلے پکے ہوئے دیکھے جاتے ہیں۔ ان میں چینا اور چیگام کے کیلے بہت ہوتے ہیں۔ چیگام کے کیلے بہت مشہور ہیں۔ دوسروں کی نسبت خوراک کا جزو ان میں زیادہ ہوتا ہے اس لئے لوگ ان ہی کو زیادہ پسند کرتے ہیں کیلے کے پھلوں میں ستر سے ے کر اسی فی صدی تک خوراک کا جزو رہتا ہے۔ کیلے جب سبز رنگ کے ہوتے ہیں اسی وقت لوگ انہیں کاٹ کر اور سکھا کر اپنے گھروں میں بھرنے لگتے ہیں۔ بہت کچا کیلا کاٹنا اور سوکھانا اچھا نہیں ہوتا کیونکہ زیادہ کچا ہونے کی وجہ سے سکھانے پر اسی پر اس میں خوشبو پیدا نہیں ہوتی۔

کیلے کے پھلوں میں کالے رنگ کا کچھ سخت حصہ ہوتا ہے جس کیلے میں وہ کالا حصہ بنا رہتا ہے اس کو دیکھ کر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ کیلا اچھی طرح پکا نہیں ہے یا بہت کچی حالت میں ہی کاٹ لیا گیا ہے۔ جو لوگ کیلے کو اناج کی طرح کام میں لاتے ہیں۔ وہ کچے کیلوں کا چھلکا اتار کر ان کے گول گول ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے ہیں۔ اس کے بعد انہیں پیس کر اور چھان کر آٹا تیار کر لیتے ہیں کچے کیلے کو لوگ کئی طرح سے کھاتے ہیں۔ اس کی ترکاری بڑی طاقت بخش اور معدہ کے لئے نہایت مفید ہوتی ہے کچے کیلے کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پہلے پانی سے صاف کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد اس کو آگ پر بھونتے ہیں پک جانے پر اس کا چھلکا نکال کر پھینک دیتے ہیں۔ اور اندر کا کھانے کے لائق حصہ میٹھا۔ دہی۔ شکر اور نمک وغیرہ اپنی مرضی کے مطابق مختلف چیزوں کے ساتھ کھاتے ہیں۔ اگر اس کے ساتھ زیرہ بھون کر ملا لیا جائے تو یہ اور بھی زیادہ مفید اور کارآمد ہو جاتا ہے۔

پکے ہوئے کیلے کھانے میں بڑے لذیذ اور میٹھے ہوتے ہیں۔ چھوٹے بڑے سب ہی لوگ بڑے شوق سے اُن کو کھاتے ہیں۔ کیلا تاثیر میں بھاری ہوتا ہے۔ اور اکثر مشکل سے ہضم ہوتا ہے۔ اس لئے جن کا ہاضمہ کچھ کمزور ہوتا ہے ان کے لئے استعمال کرنا

اکثر نقصان وہ ہوتا ہے جن کی صحت اچھی ہے اور ہاضمہ کمزور نہیں ہے۔ ان کے لئے یہ بہت مفید اور اچھی خوراک ہے پکّے ہوئے کیلوں سے کافی تیار کی جاتی ہے۔ اس کے لئے پہلے کیلے سکھائے جاتے ہیں پھر ان سے قافی تیار کی جاتی ہے۔ وہ پینے میں بڑی خوش ذائقہ ہوتی ہے۔ اور دوسری کافی کی طرح نقصان دہ نہیں ہوتی ہوتی۔ پکے کیلے میں کھانے سے پہلے لوگ لیموں کا رس ملا لیتے ہیں جس سے اس کا گودا زیادہ فائدہ مند ہوجاتا ہے۔ اس کو کمزور آدمی بھی آسانی سے ہضم کرسکتا ہے۔

کیلے کی نرم پھلی: اس کی تاثیر ٹھنڈی اور میٹھی ہوتی ہے۔ کھانے میں لذیذ اور پت کو دور اور خون کو صاف کرتی ہے

کیلے کی درمیانی حالت کا پھل: یہ پیاس کو دور کرتا ہے خرابی خون کے لئے اکسیر، امراض چشم میں فائدہ کرتا ہے۔ اور بواسیر و بخار کو دافع ہے۔ یہ ذائقہ میں کڑوا کسیلا اور روکھا ہوتا ہے۔

پکا کیلہ: کھانے میں لذیذ اور خوش ذائقہ ہوتا ہے۔ یہ نرم اور ٹھنڈا ہوتا ہے۔ دق، جلن، اور پتھری کی بیماری کو دور کرتا ہے۔ آنکھوں کی بینائی میں تقویت پہنچاتا ہے۔

استعمال پاگل کُتے کے کاٹنے پر: جنگل کے پکے کیلے کے بیج کھانے اور پیس کر لگانے سے بڑا فائدہ ہوتا ہے۔ کتے کے زہر کو دور کرنے کے لئے ان بیجوں میں بڑی تاثیر موجود ہے۔

کثرت پت میں: پکے ہوئے کیلے کو گھی کے ساتھ کھانے سے پت دور ہوجاتی ہے۔ گرمی طبیعت میں ہو تو پکے کیلوں کا گودا نکال کر اسے سایہ میں خشک کر لینا چاہیئے اور سوکھ جانے پر اسے پیس کر چورن بنا لینا چاہیئے اور اس کے بعد اس میں شکر ملا کر پانی کے ساتھ استعمال کرنا چاہیئے۔

کیلے کی ترکاری: پہلے کچے کیلے کا چھلکا اتار کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر ڈالنا چاہیئے پھر ایک برتن میں گھی ڈال کر اس میں قدرے میتھی بھون لیں۔ جب خوشبو آنے لگے تب ہلدی، دھنیا، مرچ سرخ، نمک پیس کر اس میں ڈالیں۔ اس کے بعد کیلے کے ٹکڑے اس میں ڈال دیں اور بھن جانے پر دہی اس میں پھینٹ کر ڈال دیں اور کفگیر چلا کر پک جانے پر نوش کریں لذیذ ترکاری ہوگی۔

پکے کیلے کا مربہ۔ اول کیلے کے گودے کے دو ٹکڑے کرکے رکھ لیں۔ پھر تھوڑا سا پانی اور ایک لیموں کا رس اور نصف چھٹانک کھانڈ ملا کر ان ٹکڑوں کو ابال لیں اس کے بعد ان ٹکڑوں کو نکال کر کپڑے میں خشک کرلیں۔ اور آخر میں کیلوں کے ہموزن کھانڈ کی چاشنی میں پکا کر اُتار لیں۔ کیلے کا مربہ بہت لذیذ اور خوش ذائقہ ہوتا ہے۔

(ماخوذ)　　　گ۔ ن بنت ڈاکٹر شیخ ابوالفضل

# بچوں کی نگہداشت

اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ بچہ کی ابتدائی زندگی میں ماں باپ اس قدر لاڈ پیار کرتے ہیں کہ بڑے ہونے پر اس میں کسی قسم کا احساس خودداری پیدا نہیں ہوتا ہے۔ وہ تمام خاندان کو ایک دوسرے نقطہ نظر سے دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ دنیا میں اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے اور تمام لوگ اس کی خدمت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں لیکن اس خیال کا نباہ زیادہ دنوں تک نہیں ہو سکتا اور خود ماں باپ کو بھی ناگوار معلوم ہونے لگتا ہے۔ وہ پھر سختی اور تشدد کے ذریعہ اس خیال کو بدلنا چاہتے ہیں لیکن بچہ کے لئے پہلے محبت اور پھر تشدد سے کوئی فائدہ نہیں نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ لڑکے کے خیالات میں ہیجان پیدا ہوتا ہے اور اس کا اثر بہت برا پڑتا ہے۔ بچے کی ابتدائی زندگی سے اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ اس کے ذہن میں ایسے خیالات و جذبات نہ پیدا ہونے پائیں جو اس کی آیندہ زندگی میں روڑے اٹکائیں۔ اگر شروع ہی سے اس بات کا خیال رکھا جائے کہ بچہ کی زندگی کو اپنی خوشی پر قربان نہ کیا جائے اور اسے بیجا لاڈ پیار میں نہ رکھا جائے تو اس کی زندگی کی بنیاد بہت استوار قائم ہو سکتی ہے۔ اگر کوئی ماں اپنے بچے کو نپولین بنانا چاہتی ہو تو ضروری ہے کہ وہ اس میں راسخ عزم اور بہادری کے جذبات کی نشو و نما ابتدا ہی سے کرے اور اس کی زندگی کے لئے ایسا نقشہ تیار کرے جو بچہ کو ان ہی راستوں پر چلائے۔ بر خلاف اس کے اگر اس کو مختلف فرضی ناموں سے ڈرایا جائے اور اس کے ذہن میں مختلف بھیانک تصویریں قائم کی جائیں تو بچہ نپولین بننے کی بجائے نہایت بزدل ہوگا۔

بچہ اگر روتا ہے تو اس کو چپ کرنے کی یہ ترکیب نہیں ہے کہ اسے کسی خوفناک تصور سے سکتہ میں لایا جائے بلکہ غور کرنا چاہیئے کہ بچہ کے رونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے اور اگر اس کی طرف توجہ کی جائے تو بچہ خود بخود چپ ہو جائے گا۔ یہ صحیح ہے کہ ہر ماں میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ ایسے مسائل کی طرف غور کیا کرے لیکن اگر تعلیم یافتہ عورتیں عام طور پر اس طرف توجہ کرنا شروع کریں تو پھر زمانہ کی آب و ہوا عام عورتوں میں بھی یہ صلاحیت پیدا کر دے گی۔ ایک زمانہ تھا کہ انگلستان میں بھی بچے "بونا پارٹ" کے نام سے ڈرائے جاتے تھے اور وہاں کی حالت بھی اس سے بہتر نہ تھی لیکن زمانہ ہمیشہ یکساں نہیں رہتا ہے اور واقعات کی رفتار اور قومی بیداری نے وہاں کے حالات کو اچھا کر دیا۔

بچوں کو ڈرانے کے وقت کبھی کسی ماں نے اس طرف غور نہیں کیا ہوگا کہ اس نے قدرت کی کس قدر توہین کی ہے۔ بچہ جو دنیا میں ایک آزاد دل و دماغ لے کر آیا تھا اس کو ڈرا دھمکا کر اس قدر ڈرپوک بنا دیا جاتا ہے کہ وہ چیونٹی اور مکھی سے بھی ڈرنے لگتا ہے۔ ڈر کی وجہ زیادہ تر جان کی محبت ہوتی ہے لیکن بچہ کسی اس خیال سے نہیں ڈرتا۔ وہ جان کے پیار سے بالکل بیخبر ہوتا ہے۔ یہ صرف اس کی دماغی کمزوری ہے جس کی وجہ سے وہ ایک ذہنی خوف میں مبتلا ہو جاتا ہے اور یہ خیال دن بدن مضبوط ہوتا جاتا ہے۔ بہتیرے جوان اور توانا اشخاص راتوں کو ڈرا کرتے ہیں اور تاریکی کے تصور سے خوف کھاتے ہیں۔ وہ خود اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ وہ کسی

خاص چیز سے نہیں ڈرتے ہیں لیکن ایک قسم کا وہم جو ان کے دماغ میں مستولی رہے وہ ان کی عقل کو اس خیالی خوف کے سامنے بیکار کر دیتا ہے۔ ان کو بچپن ہی سے ڈرایا گیا ہے اور اُسی وقت سے یہ مرض جڑ پکڑ گیا ہے۔

ڈرانے دھمکانے اور اس قسم کی بیہودہ ترکیبوں کے شکار زیادہ تر ہندوستانی بچے ہوتے ہیں۔ یورپ میں بچوں کی تربیت اور نگہداشت کے دوسرے طریقے ہیں اور ان کی تربیت اس طرح کی گئی ہے کہ ان تمام خرابیوں کا استیصال ہو سکے جن کے پیدا ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہندوستانی مائیں بھی انہیں طریقوں پر عمل کریں لیکن ہاں یہ ضرور ہے کہ بچوں کی نگہداشت میں ان تمام خرابیوں پر نظر رکھی جائے اور ہمیشہ اس بات کی کوشش کی جائے کہ کوئی اس قسم کی شکایت پیدا نہ ہو سکے اس بات کا شروع ہی سے خیال رکھنا چاہیئے کہ بچے کی دماغی آزادی کو کسی قسم کا صدمہ نہ پہونچایا جائے اور اس کی کوئی جائز خواہش رد نہ کی جائے اور بیجا اصرار اور ضد کو مناسب طور پر روک دیا جائے۔

دماغی کمزوری کا اثر بچہ کی نشو و نما اور اس کی صحت پر پڑتا ہے اور اس میں وہ صلاحیت پیدا نہیں ہوتی جس نے لارڈ ریڈنگ کو جہاز کے خلاصی سے انگلستان کا چیف جسٹس اور پھر ہندوستان کا وائسرائے بنا دیا اور مسٹر فورڈ کو مزدور سے دنیا کا امیر ترین شخص بنا دیا۔ ایسے بچوں میں جن کی تربیت صحیح اصولوں پر نہیں ہوئی ہے کبھی ترقی کے جذبات پیدا نہیں ہو سکتے۔ وہ نا امیدی کے بھنور میں پڑے رہتے ہیں۔ اپنی قابلیت اور طاقت کا احساس انہیں بالکل نہیں ہوتا۔ اسی لئے ان میں مزدور سے سردار بننے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی چہ جائیکہ وہ فورڈ اور راک فیلر مصطفےٰ کمال۔ مسولینی یا ہٹلر بن سکیں۔

ان ہی باتوں کے خیال سے لازم ہے کہ مائیں بچوں کی نگہداشت اپنے ہاتھ میں لیں اور انہیں دائیوں اور اناؤں کے بھروسہ پر نہ چھوڑ دیں جیسا کہ امیر گھرانوں میں ہوا کرتا ہے۔ دائیوں کو بچہ کی وہ محبت نہیں ہو سکتی۔ جو ماؤں کو ہوتی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ بعض بیویوں کو گھر کے انتظام کی وجہ سے فرصت کم ملتی ہے اور ایسی صورت میں دائیوں اور اناؤں سے مدد لینی ضروری ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں ہمیشہ اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے۔ کہ بچوں کی نگہبانی ایسی عورتوں سے متعلق کی جائے جن میں اس بات کی صلاحیت موجود ہے اور پھر خود بھی اس کی طرف برابر توجہ رکھنی چاہیئے۔

اکثر بچوں میں کلبلاہٹ کی عادت پائی جاتی ہے۔ وہ مختلف طریقوں سے اپنے جسم کو حرکت دیتے رہتے ہیں اور ان میں ایک قسم کی بےچینی کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو ان حرکتوں کی ابتدا کسی قسم کے عضوی حرج میں ملے گی۔ اگر حرکتیں ہمیشہ ایکساں ہوا کرتی ہیں تو ان کا تعلق دماغی کمزوری سے ہے۔ بڑے ہو کر یہ حرکتیں عموماً بچپن کی حرکات جسمانی کی یادگار ہوتی ہیں اور ان کا تعلق چند ایسے جذبات سے ہوتا ہے جن کو ظاہر کرنا چاہتا تھا لیکن کسی خوف سے یا ذہنی تصور کی وجہ سے ظاہر نہ کر سکا۔ زیادہ تر ان کا تعلق بچپن کے ان ہی تکلیف دہ جذبات سے ہوا کرتا ہے۔

ان باتوں کا شروع ہی سے خیال رکھنا چاہیئے کہ بچے کا دماغ ہمیشہ آزاد رہے اور اس کے کمزور ذہن پر کسی قسم کا بار نہ پڑنے پائے ظاہر میں ان باتوں کی کوئی اہمیت نہیں معلوم ہوتی لیکن ان باتوں کا اثر انسان کی زندگی پر پڑتا ہے۔ اکثر لوگوں کو اختلاج اور گھبراہٹ

کی شکایتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہ لوگ معمولی معمولی باتوں پر گھبرا جاتے ہیں۔ ان شکایتوں کی وجہ مذکورہ صورتیں ہیں۔ لڑکوں کو ہمیشہ گھومنے پھرنے کی آزادی دینی چاہیئے لیکن ساتھ ہی ساتھ اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ وہ آزادی کا بُرا استعمال نہ کریں۔ ہندوستان میں یہ شکایت عام طور پر ہوتی ہے کہ بچے کسی ایک شخص سے متعلق کر دیئے جاتے ہیں۔ اور وہ ان سے اس قدر ہل مل جاتے ہیں کہ اُس شخص کی عارضی جدائی بھی بچے کو ناگوار ہوتی ہے اور عموماً اس کا اثر بچہ کی صحت پر بہت بُرا پڑتا ہے۔ ہندوستانی بچے تو ایک منٹ بھی کسی ایسی جگہ نہیں رہ سکتے جہاں اس کی مخصوص دائی یا کوئی ایسا شخص موجود نہ ہو جس سے وہ مانوس ہوں۔ اسی وجہ سے ہندوستانی بچے چھ سات برس کے سن تک بالعموم تعلیم سے ناآشنا ہوتے ہیں۔ حالانکہ تعلیم کی ابتدا چار ہی برس کے سن سے کر دینی چاہیئے اور پانچ برس کے بعد بچہ کو مدرسے یا مکتب کا عادی کر دینا چاہیئے۔ اگر گھر سے بہتر کوئی جگہ ہو جہاں بچہ کی نگہداشت بہتر طور پر ہو سکے تو اس کی آئندہ زندگی کے خیال سے وہاں بھیج دینے میں تامل نہ کرنا چاہیئے۔ ایسے بچوں میں جس کی تربیت لاڈ پیار اور بری فضا میں ہوتی ہو خود اعتمادی کے جذبات بالکل پیدا نہیں ہوتے وہ اپنے ہر کام کے لئے دوسروں کے محتاج رہتے ہیں۔ ایسے لوگ گویا خاندان اور قوم کے لئے بار ہوتے ہیں اور ملک کے لئے ان کا کوئی مصرف نہیں ہے۔ ان تمام باتوں پر غور کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بچہ کی دماغی آزادی کی پرورش کرنا چاہیئے اور اُن کو ہمیشہ ایسی راہ پر لگانا چاہیئے جس سے ان میں اپنی ذات پر بھروسہ کرنے کا خیال پیدا ہو اور ان کی قوت فکر اور ذہن بُرے اثرات سے خالی رہے۔

اگر کسی بچہ کی پرورش غلط اصولوں پر ہوئی ہے تو اس کا اثر بہت دور تک پڑتا ہے۔ خاندان اور پڑوس کے بچے جن سے وہ بچہ ملتا ہے ان پر بھی اس کی صحبت کا بُرا اثر پڑتا ہے اور وہ بھی اس خرابیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں جن میں وہ گرفتار ہے۔

بعض لڑکوں میں جھوٹ بولنے کی عادت اکثر پائی جاتی ہے اور گو شروع میں اس بات کا خیال نہیں کیا جاتا لیکن کچھ دنوں کے بعد اس عادت کی وجہ سے لڑکے اور اکثر ماں باپ کو بھی مصائب میں مبتلا ہونا پڑتا ہے اور یہ وہ زمانہ ہوتا ہے جب اس مرض کا علاج مشکل ہو جاتا ہے۔ اس عادت کی پیدائش کے مختلف وجوہ ہو سکتے ہیں۔ سزا کے خوف یا تعریف اور محبت حاصل کرنے کے خیال کی وجہ سے بزرگوں کو جھوٹ بولتے اور جھوٹی شیخی کرتے دیکھ کر بچہ بھی اس مرض کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ شروع میں اس طرف توجہ نہیں کی جاتی یہ مرض جڑ پکڑ جاتا ہے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ماں باپ جان کر جھوٹ بولنے کی عادت پیدا کر دیتے ہیں اور بجائے منع کرنے کے وہ بچے کے جھوٹ بولنے پر خوش ہوتے ہیں۔ یہ باتیں گو چھوٹی چھوٹی ہیں لیکن ان کا اثر انسان کی انفرادی اور پھر قومی زندگی پر پڑتا ہے۔ لہذا ان باتوں کا خیال شروع ہی سے رکھنا چاہیئے۔

ایک اور عادت جو بچوں کی ابتدائی زندگی میں پیدا ہو جاتی ہے چوری کی ہے۔ لڑکے جب ماں باپ کی سختی کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے پیسہ یا چیزیں جن کے حاصل کرنے کی ان کو خواہش ہوتی ہے نہیں پاتے ہیں تو ان کے دماغ میں چوری کے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ ماں باپ کو شروع ہی سے خیال رکھنا چاہیئے کہ وہ بچہ پر سختی نہ کریں اور ہمیشہ ان سے محبت سے پیش آئیں کیونکہ بچہ کی زندگی سختی برداشت کرنے کے قابل نہیں ہوتی۔ لڑکے کی خواہشات کو پہلے معلوم کر لینا چاہیئے اور پھر ان کو پورا رکھنے کا خیال چاہیئے۔

لیکن اس کا خیال رکھنا چاہیئے کہ صرف اس کے جائز مطالبات پورے کئے جائیں۔ اگر وہ کسی نامناسب شے کا مطالبہ کرے تو مناسب ہے کہ اس کو اس وقت سمجھا کر روک دیا جائے۔ ایسا نہ کرنے سے اکثر لڑکے لالچی ہو جاتے ہیں لیکن پھر کسی دوسرے موقع پر اس کی خواہش پوری کر دینا چاہیئے کیونکہ ایسا نہ کرنے سے ان کے دماغ میں ایک تشنگی کی علامت باقی رہ جاتی ہے۔ اور اس کا اثر ان کے ذہن پر پڑتا ہے۔

قطع نظر ان باتوں کے اگر لڑکے کی حیثیت اور اس کے اور ماں باپ کے تعلقات پر غور کیا جائے تو اس مسئلے کی اہمیت اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ بچے کی حیثیت پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کی خود ایک مستقل معاشرتی حیثیت ہے اور قومی زندگی میں اس کی بھی وہی اہمیت ہے جو ایک نوجوان کی۔ اگر نوجوان زندگی کے عروج کی نشانی ہے تو بچہ اس کے ابتدا کی اور بغیر ابتدا کے دنیا میں کسی کام کا طے پانا محال ہے۔ بچہ گویا قومی زندگی کا سنگ اساس ہے۔ نفسیاتی تحقیقات سے یہ مقولہ پوری طرح ثابت ہو گیا ہے۔ کہ بچہ انسان کا باپ ہے child is the father of man بچہ کی ابتدائی زندگی میں جس قسم کے خیالات اس کے دماغ میں نشو و نما پاتے ہیں یا جس قسم کی فضا میں اس کی پرورش ہوتی ہے اس کے اثرات اس کی آیندہ زندگی تک قائم رہتے ہیں اور اس کی زندگی کی شاہراہ ان ہی اثرات کے ماتحت تیار ہوتی ہے۔ مغرب میں ان ہی خیالات کے ماتحت ایسے آداب قائم کئے گئے ہیں جہاں بچوں کی نفسیات کے متعلق تجربات ہوا کرتے ہیں اور سرکاری طور پر ملک کی عورتیں ان علمی تحقیقات سے باخبر کی جاتی ہیں اس کے ساتھ ہی ساتھ طبی تجربات اور تحقیقات بھی بچوں کی جسمانی حالت کو بہتر بنانے میں مدد دیتے رہتے ہیں۔ ہندوستان میں اس قسم کے طبی ادارے جن کو Maternity Home اور child welfare centre کہتے ہیں قائم ہوئے ہیں لیکن بچوں کی دماغی اور ذہنی پرورش اور بہتری کے لئے ابھی تک کوئی کوشش نہیں کی گئی ہے اور نہ ابھی کوئی فوری امید ہے۔ یونیورسٹیاں اور طبی کالج اگر اس طرف غور کریں تو ملک کی حالت اس حالت سے بھی بہتر ہو سکتی ہے۔ ان تمام باتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بچہ کی اہمیت بہت زیادہ ہے اور اس کی پرورش اور تربیت میں ہمیشہ اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیئے لیکن ہمارے ملک میں صورت حال مختلف ہے۔ یہاں ماں باپ اور بچے کے تعلقات کے متعلق ایک دوسرا خیال ہے۔

والدین بچہ کو ہمیشہ اس نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں کہ وہ ان کا محکوم ہے اور ان کا حق ہے کہ وہ اُس سے جس قسم کی خدمات چاہیں لیں۔ وہ اس بات کا بالکل خیال نہیں کرتے کہ ان پر بھی فرض ہے کہ وہ بچہ کے حقوق کو اچھی طرح پورا کریں۔ لڑکے کی اخلاقی حالت اس وقت تک قابل اطمینان نہیں سمجھی جاتی جب تک وہ ماں باپ کے اشاروں کی تعمیل بغیر چوں وچرا نہ کرے۔ ان کی نظر سے بچہ کی وہی حیثیت ہے جو غلام کی آقا کے سامنے۔ اس خیال کی وجہ زیادہ تر ہمارا تعلیمی اور معاشرتی انحطاط ہے اس میں شک نہیں کہ ماں باپ کے احکام کی تعمیل بچہ پر فرض ہے اور اس نقطہ پر تمام مدبرینِ اخلاق متفق ہیں۔ لیکن صورت حال کو اس قدر سخت نہیں ہونا چاہیئے۔ بچہ کی اخلاقی کمزوریاں اور برائیوں کی وجہ زیادہ تر ماں باپ ہی ہوتے ہیں۔ اگر بڑے ہونے پر لڑکا ان کے احکام سے انحراف کر رہا ہے تو یہ صرف ان کی وجہ سے ہے۔ اگر شروع ہی سے خیال کیا گیا ہوتا اور اولاد کی تربیت صحیح راستوں پر ہوئی ہوتی تو ہرگز اس قسم کی دقتوں کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ لیکن عموماً بچوں کی تربیت غلط اصولوں پر ہوا کرتی اور اکثر والدین اور اوقات کے تعلقات خراب ہو جایا کرتے ہیں۔ والدین

اپنے حقوق کی بجا آوری پر تو زور دیتے ہیں لیکن اولاد کے حقوق جو اُن پر ہیں اُن کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اس نظریہ نے اب اصولی حیثیت اختیار کرلی ہے اور والدین اس کی تردید گوارا نہیں کرسکتے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ اس کے چند برے نتائج پر غور کریں تو وہ یقیناً ہر معقول صورت اختیار کرنے پر تیار ہو جائیں گے۔ شادیوں کے موقع پر دولہا دُلہن کا انتخاب ماں باپ اپنا واحد حق سمجھتے ہیں اور اس میں اولاد کی آواز کی شنوائی نہیں ہوتی۔ ان کا فیصلہ اٹل ہوتا ہے۔ دو اجنبی ہستیوں کو بغیر ان کی مرضی کے متحد کر دیا جاتا ہے۔ اگر لڑکے کو لڑکی پسند نہ ہوئی تو وہ اس سے اچھی طرح پیش نہیں آتا یا اکثر چھوڑ دیتا ہے کیونکہ ان دونوں میں زیادہ کمزور لڑکی ہی ہوتی ہے اور اس لحاظ سے وہی نشانۂ مظالم ہوتی ہے۔ وہ بیچاری ماں باپ کے حقوق اور شوہر کے اختلاف طبع کا شکار ہو جاتی ہے۔ مادر ہند کی ہزاروں اور لاکھوں بیٹیاں اس قربان گاہ پر بھینٹ چڑھ چکی ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کو آزادی کے ساتھ اپنے خیالات کے اظہار کا موقع دینا چاہیئے اور پھر ان خیالات پر مناسب طور پر غور کرنے کے بعد کوئی رائے قائم کی جائے تاکہ بعد میں کوئی اختلاف کا موقع نہ پیش آئے۔

مجھ پر اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ یہ مغربی تقلید کے جذبہ سے متاثر ہے لیکن میں یہ بتا دینا چاہتی ہوں کہ میں مغربی تقلید کو ہندستان کے لئے مناسب نہیں سمجھتی کیونکہ مشرق و مغرب کے حالات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ لیکن ان تجربات سے جو ان ممالک میں بچوں کی دماغی اور جسمانی حالت کے متعلق کئے گئے ہیں فائدہ اُٹھانا مناسب ہے۔ اور اس میں کوئی نقصان نہیں۔

شہربانو (مظفر پور)

# اتفاقی حادثوں کا فوری علاج

چھوٹی موٹی چیز اُٹھا کر مُنہ میں ڈال لینا اکثر بچوں کا خاصہ ہوتا ہے اگر خدانخواستہ کوئی ایسی شئے مثلاً کوئی گولی یا کوڑی بٹن۔ کنکر دانہ وغیرہ یا کسی اشیاء خوردنی کا ٹکڑا بچہ کے حلق میں پھنس جائے تو عجب پریشانی کا سامنا ہوتا ہے۔ بعض اوقات تو بچہ کی آنکھیں باہر آجاتی ہیں اور آواز اور رونا بند ہو کر سانس تک لینا دشوار ہو جاتا ہے۔ اور بچہ کی جان خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔ ایسے وقت میں حواس چھوڑنے اور واویلا کرنے کے بجائے فوری تدبیر کی طرف غور کرنا چاہیئے۔ بچہ کا منہ نیچے جُھکا کر آہستہ آہستہ گردن اور پیٹھ پر تھپکیاں لگائیں۔ اور گردن سہلائیں اگر مدخولہ شئے اگل کر اب بھی باہر نہ نکلے تو فوراً انگلی ڈال کر باہر نکالنے کی کوشش کریں۔ اگر اتفاقیہ مدخولہ شئے درمیان حلق میں اٹک چکی ہے اور باہر نکلنا آسان معلوم نہیں ہوتا تو مدخولہ چیز کو حلق میں انگلی ڈال کر نیچے اُتار دیں۔ اور بچہ کو مدخولہ چیز کی وجہ سے سانس رُک جانے کے خطرے سے فوراً بچائیں اور بعد میں فوراً ہی نیم گرم نمکین پانی پلا کر مرغی کا نرم پر حلق میں ڈال پھرا کر قے کروادیں اگر کوئی جلد ہضم ہونے والی چیز مثلاً سوکھا ڈبل روٹی کا ٹکڑا یا گوشت کی بوٹی۔ یا ایسی ہی کوئی اور چیز ہو تو کھلا دیں ورنہ قے کروا دینا ضروری ہے۔ تاکہ اگر کوئی لوہے ٹین وغیرہ کی چیز ہو تو بذریعہ قے خارج ہو جائے اگر خدانخواستہ کسی زہریلی دوا کی گولی نگل گئی ہو یا کسی فوری تدبیر سے خارج نہ ہو سکی ہو تو فوراً ڈاکٹری مدد حاصل کرنا چاہیئے۔ مگر جب تک ڈاکٹری مدد میسر آسکے قے کروا دینے کا عمل فوراً تسکین کے لئے بہترین ہوگا۔

گ۔ ن۔ بنت ڈاکٹر شیخ ابو الفضل

# تربیت اولاد میں عورتوں کا فرض

(۱)

ایک بچہ مدرسے ایک دن روتا ہُوا — اپنی ماں کے پاس آیا مضطرب ہوتا ہُوا

مامتا سے ہو گئی بے چین جب دیکھا اُسے — گود میں لے کر کہا بے حال ہے یُوں کس لئے؟

یُوں کہا بچے نے۔ امّی! کچُھ نہ تھا میرا قصُور — ماسٹر جی پھر یہ کہتے تھے کہ ہے تیرا قصُور

بول کر اک جھوٹ دو چانٹوں کا ٹھیرا مستحق — میلے ہاتھوں نے بنایا جھڑکیوں کا مستحق

پیاری امّاں! تو نے مجھکو یہ نہ بتلایا کبھی — جھوٹ کو بھی جانتے ہیں لوگ دُنیا میں بدی

اور میلا جسم بھی ہوتا ہے انسان کا قصور — مجھکو پیٹا ہے تو اے امّاں یہ ہے تیرا قصُور

تو نے پہلے ہی اگر سمجھا دیا ہوتا مجھے — ماسٹر جی سے نہ یُوں پٹوا دیا ہوتا مجھے!

ماں نے حیرت سے کہا مجھ پر یہ کیا الزام ہے — کب سے بچوں کو پڑھانا عورتوں کا کام ہے؟!

چکّی۔ چُولھا۔ کپڑے دُھونا اور اُپلے تھاپنا

اس سے جب مل جائے کچُھ فرصت تو چرخہ کاتنا!

(۲)

ایک محرر نے کیا دفتر میں جعلی اندراج — لے کے رشوت میں کسی دہقان سے نقدی یا اناج

ہو گیا موقوف، آیا گھر میں کھاتا پیچ و تاب — فکر میں روزی کے دل جل کر ہوا اس کا کباب

دل میں وہ ناشاد کہتا تھا کہ اب ممکن نہیں — ایسا آسان کام کوشش سے بھی ہاتھ آئے کہیں

کیسا آسان کام تھا۔ اور کس قدر عزت کا کام — اپنے ہاتھوں آہ! کر دی زندگی اپنی حرام

ماں نے جب پوچھا تو یوں بولا کہ رک کر نوجواں — چھوڑ جھُوٹے پیار کو، رہنے دے یہ ہمدردیاں

ہو گیا برباد میں اور اس میں ہے تیرا قصُور — مجھ کو دینا تھا سبق کوئی "دیانت" کا ضُرور

ماں نے حیرت سے کہا مجھ پر یہ کیا الزام ہے — کب سے لڑکوں کو پڑھانا عورتوں کا کام ہے؟

چکّی۔ چُولھا۔ کپڑے دھونا اور اُپلے تھاپنا

اس سے جب مل جائے کچھ فرصت تو چرخہ کاتنا!

(۳)

کوٹھڑی پھانسی کی تھی تاریک اور اک نوجوان — سر جھکائے اس میں اپنی بیکسی پر نوحہ خواں!

زندگی کی آخری گھڑیوں کا کرتا تھا شمار — حسرتوں کا خون اس کے آنسوؤں سے آشکار

آخری دیدار کو زنداں میں آئی اس کی ماں — دل میں اس کے شعلۂ غم لب پہ تھی آہ و فغاں

نوجواں یوں اپنی ماں کو دیکھ کر کہنے لگا — آخری وقت آگیا۔ اب خاتمہ ہے زیست کا

قتل کا مجرم ہوں میں اور موت ہے سر پہ کھڑی — اپنے دل کی بات کہنا چاہتا ہوں اس گھڑی

اک ذرا سی بات پر جھگڑا ہوا مقتول سے — چند جملے اُس نے کہہ ڈالے جو نامعقول سے

اُن کو سن کر میں غضب میں آگیا۔ پھر کیا ہوا؟ — تھی کلہاڑی ہاتھ میں، تقدیر کا لکھا ہوا!

سوچتا ہوں دل میں اور افسوس کرتا ہوں ہزار — کیوں نہ میں غصے پہ غالب آگیا مردانہ وار

ہاں مگر اس میں مری اے ماں! ترا بھی ہو قصور — ضبط کا مجھ کو سبق کوئی سکھانا تھا ضرور

کن دکھوں سے مجھ کو پالا اور کیا تو نے جواں — میری خاطر سینکڑوں تو نے اُٹھائیں سختیاں!

کر دیے ہوتے اگر غصے کے نقصاں دلنشیں
یہ بُرا دن تا قیامت بھی نہ آتا بالیقیں!

ماں نے رو کر یوں کہا الزام مجھ پر ہی سہی — مانتی ہوں میں کہ ایسی ہی میری تقدیر تھی

مجھ سے جو کچھ ہو سکا تیرے لیے میں نے کیا — یہ پڑھانا اور سکھانا میری طاقت میں نہ تھا

بات یہ پہلے کسی نے مجھ کو بتلائی نہ تھی — خواب میں بھی یہ حقیقت ذہن میں آئی نہ تھی

"عورتوں کا کام بچوں کو پڑھا دینا بھی ہے — اور انہیں اچھا برا رستہ دکھا دینا بھی ہے"

چکی، چولھا، کپڑے دھونا اور اُپلے تھاپنا
اس سے جب مل جائے کچھ فرصت تو چرخہ کاتنا
میں سمجھتی تھی کہ بس اتنا ہی میرا کام ہے
اب نظر آیا میری غفلت کا یہ انجام ہے

نوجواں بولا کہ اب ہونا تھا جو کچھ ہو چکا — کچھ نظر آتا نہیں مجھ کو قصور اس میں ترا

فرض تیرا جب کسی نے تجھ کو بتلایا نہیں — اس سے تو غافل رہی تو جرم یہ تیرا نہیں

ہاں مگر اب میری بیوی کو بتا دے صاف صاف — ہو نہیں سکتا ہے ماں کا جرم بچے پہ معاف

بیوگی میں میرے بچوں کی کرے وہ تربیت — جس سے سدھرے ان کی دنیا اور سنورے عاقبت!

اُن کو سچ کہنا سکھائے اور سکھائے ضبطِ نفس — آدمی حیواں ہے نیکی سے نہیں گر ربطِ نفس!

جسم اور دل اور زباں کو صاف رکھنا بھی سکھائے — جسم کی، دل کی، زباں کی ہر بُرائی سے بچائے

عورتیں ہوں اس نصیحت پہ عمل پیرا اگر — فیض پائے ملک کے ویراں ہوں اور آباد گھر

اس نصیحت سے نہ چوکیں مادرانِ نیک ذات
قوم کی اس میں بھلائی، ملک کی اس میں نجات

تلوک چند محروم

# سوکن

صبح نو بجے شوہر کو دفتر گئے ہوئے پندرہ منٹ ہوئے ہیں۔ بیگم حمید الدین اپنی عادت کے موافق ابھی میز پر اخبار کا مطالعہ کر رہی ہیں کہ اتنے میں برابر کے کمرے سے ٹیلیفون کی گھنٹی کی آواز آئی۔ بیگم حمید گھبرا کر اٹھیں اور برآمدے کے کمرے میں جا کر ٹیلیفون ہاتھ میں لیا "آپ کہاں سے بول رہے ہیں"۔

"کیا بیگم حمید ہی ٹیلیفون پر ہیں"؟

"ہاں ہاں، میں ہی ہوں، کون ہے"؟

"کیا آپ اس وقت کمرے میں بالکل اکیلی ہیں۔ مجھے آپ سے کچھ ایسی ہی بات کہنی ہے"؟

"ارے کچھ کہو تو سہی، آخر بات کیا ہے"؟

"میں تم سے ایک بات کہوں جس کا احسان تم عمر بھر نہ بھولوگی۔ کچھ خبر بھی ہے۔ تمہارے میاں تمہیں صاف دھوکا دے رہے ہیں تم سے خبر نہیں کیا کیا باتیں ملاتے ہیں۔ آج کل ایک بازاری عورت کے ساتھ اپنا زیادہ وقت صرف کرتے ہیں۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے انہیں اسی عورت کے ساتھ اکثر موٹروں میں سیر کرتے دیکھا ہے"۔

"میرے میاں.......... پہلے یہ تو بتائیے کہ آپ ہیں کون"؟

"اس وقت تمہیں اس سے کیا کام۔ میں تو تمہارے بھلے ہی کی کہتا ہوں۔ کچھ بھی ہو۔ میں نے تمہیں خبردار کر دیا۔ آگے تم جانو اور تمہارا کام۔ مجھے تو تم پر ترس آتا ہے۔ کہ تم کتنی بھولی اور سیدھی ہو۔ مگر ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو"۔

"لیکن یہ تو ناممکن ہے۔ تمہیں کیسے معلوم ہوا.......... تم جھوٹ بولتے ہو۔ لیکن تم کون ہو۔ ہلو...... ہلو...... سنو تو سہی ہلو

بیگم حمید کا سارا بدن غصہ اور رنج سے تھرا گیا۔ ہاتھ پیروں میں سنسنی آگئی۔ رسیور ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ وہ نامعلوم آواز ابھی تک کانوں میں گونج رہی تھی۔ لیکن اس کا نام ونشان کچھ نہ معلوم ہوا۔ بیگم حمید پاس ہی کی آرام کرسی پر دراز ہو گئیں۔ ہوش وحواس ٹھکانے نہ تھے۔ رشک وحسد کا جنون سر پر سوار تھا۔ کچھ دیر بعد سوچنے لگیں آخر اس کا مطلب کیا ہے۔ تھی تو یہ کسی مرد کی آواز لیکن صاف یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بن کر بول رہا ہے۔ اس تلفظ اور طرز ادا سے کچھ کان بھی آشنا معلوم ہوتے ہیں۔ ضرور کوئی نہ کوئی جاننے والا ہی ہوگا"۔

ہردے ناتھ شہر کے ایک بہت پرانے اور نامی وکیل تھے۔ عمر پچپن سے تجاوز کر چکی تھی۔ شہرت کا یہ حال کہ دفتر میں مقدمہ بازوں کا ٹھٹ کا ٹھٹ لگا رہتا تھا۔ وہ طلاق اور بیاہ۔ شادی کے معاملات میں خاص دستگاہ رکھتے تھے۔ ان کی ٹکر کا کوئی دوسرا وکیل شہر میں نہ تھا۔ بچارے صبح سے شام تک، کیا دفتر اور کیا کچہری۔ نان، نفقہ، مہر، طلاق، ورثہ غرض ان ہی معاملات میں پھنسے رہتے تھے۔ ان کی

لڑکی بملا اور بیگم حمید دونوں آپس میں مدرسے کے زمانے کی سہیلیاں تھیں۔ ایسی پریشانی کی حالت میں بیگم حمید کو خیال آ گیا۔ اور وہ اُسی وقت تانگہ منگا بملا کے ہاں جا پہنچی۔ وکیل صاحب اتفاق سے کچہری جانے سے پہلے بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ بیگم حمید بملا کا ہاتھ بغیر کچھ سنے پکڑے کھانے کے کمرے میں لے گئیں۔ بیگم حمید کو وکیل صاحب کے اوقات کا حال پہلے سے معلوم تھا۔

"آؤ بیٹا۔ آؤ۔ آج تمہارا ادھر کیسے آنا ہو گیا۔ اری بملا تو نے اپنی بہن کی کیا کیا خاطر کی۔ دیکھو۔ بغیر کھانا کھلائے جانے نہ دیجیو۔ ان کے باپ میرے بڑے جگری دوست تھے۔ بیٹا تیسرے پہر کی چار سے پہلے ہرگز نہ جانا۔ میں بھی اس وقت تک کچہری سے واپس آ جاؤں گا"

"ہاں چچا جی۔ ایسا ہی ہو گا۔ لیکن یہ تو ابھی ڈھنگ سے تانگے سے اُتری بھی نہ تھیں کہ مجھے کھینچ کر سیدھی آپ کے پاس لے آئیں شاید انہیں آپ سے بھی کچھ کام ہو گا"

"ہاں بیٹا۔ تم کچھ گھبرائی ہوئی سی معلوم ہوتی ہو۔ بتاؤ تو سہی۔ آخر کیا کام ہے معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچی ہے"

بیگم حمید کے چپ رہنے سے وکیل صاحب کچھ تاڑ گئے۔ اور کہنے لگے "یہ بہت اچھا ہوا کہ تم ہمارے ہاں آ گئیں۔ میرا دل تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہے۔ ہاں یہ تو سناؤ کہ کیسی گذر رہی ہے۔ میاں بیوی راضی خوشی ہو۔ تمہارے میاں سے بہت دن ہو گئے ملاقات نہیں ہوئی۔ اور وہ بیچارا آئے کیا۔ مجھے تو یہ دن رات کے کام فرصت نہیں لینے دیتے۔ کوئی مجھ سے مل کر کیا کرے۔ بیٹا۔ میں خود بھی کہیں آنے جانے کے قابل نہیں رہا۔ خیر خدا تم دونوں کو خوش رکھے۔ ہماری تو بس یہی دعا ہے"

بیگم کے چہرے پر ایک کھسیانی مسکراہٹ ظاہر ہوئی۔ وکیل صاحب کے دلاسے اور پیار کی باتوں سے اس کے دل کو کچھ ڈھارس بندھی۔ لیکن رنگ ابھی ویسا ہی زرد تھا۔

"چاچا جی۔ میں ایک معاملہ میں آپ کی رائے لینے آئی ہوں۔ میری زندگی خطرے میں ہے۔ میرے میاں ایک اور عورت کے پھندے میں پھنس گئے ہیں۔ میں آپ سے قانونی مشورہ لینا چاہتی ہوں۔ تاکہ میرا اطمینان ہو جائے۔ بتائیے قانون میرا کہاں تک ساتھ دے گا۔ میں پانی سر سے گذر جانے سے پہلے اپنا انتظام کرنا چاہتی ہوں......"

بیگم حمید نے اپنا سارا قصہ کہہ سنایا۔ وکیل صاحب نہایت غور سے سنتے رہے۔ بیچ میں کچھ نہ بولے۔ جب وہ کہہ چکیں تو کہا "بیٹا میں سمجھ گیا۔ سیدھا سیدھا معاملہ کیوں نہیں رکھتیں۔ اپنے میاں سے پوچھ دیکھو۔ آخر معلوم تو ہو کہ وہ کیا کہتا ہے۔ کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں۔ ہم تو کہیں کہ یوں ہی دل کے سارے غبار دھل جائیں گے۔ بات کو مفت میں آگے کیوں بڑھاتی ہو"

"چاچا جی! میں بہت دن سے اپنے اوپر جبر کر رہی ہوں۔ آخر صبر کی کوئی حد بھی ہے۔ اول تو مجھے ان پر بھروسہ نہ کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ پر کیا کروں۔ فرض کیجئے کہ وہ قصوروار بھی ہیں۔ تو کیا وہ اس بات کا صاف صاف اعتراف کر لیں گے۔ ہرگز نہیں!!! مجھے تو وہ یوں ہی چرا دیں گے۔ اور میں اسی طرح بیم ورجا کی حالت میں سسکتی رہوں گی۔

"اور اگر تمہارا میاں بالکل بے قصور ہو۔ اور وہ خبر دینے والا جھوٹا نکلے.. تو......

"تو میں دل ہی دل میں اُن سے ہزار دفعہ معافی مانگ لوں گی۔ لیکن کسی طرح یہ معاملہ صاف تو ہو۔ میرے لئے یہ خیال اب ناقابل برداشت

ہے کہ ان کے دل میں میری بجائے کسی دوسرے کی جگہ ہے"۔

وکیل صاحب بیگم حمید کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈباتے دیکھ کر بیقرار ہو گئے۔ اور تھوڑی دیر بعد سوچ کر بولے ۔

"اچھا بھئی۔ میں اس معاملہ پر غور کروں گا۔ تم اپنی طرف سے کوئی قدم نہ اُٹھانا۔ جو کچھ میں کر سکتا ہوں۔ کروں گا۔ بیٹیا گھبراؤ نہیں۔ ایسی باتیں ہوا ہی کرتی ہیں"۔

جب بیگم حمید کمرے سے باہر چلی گئیں۔ تو وکیل صاحب نے یہ فیصلہ کیا کہ براہ راست حمید الدین سے مل کر اس بات کا پتہ نکالنا چاہئے۔ چنانچہ انہوں نے دفتر سے حمید الدین کے بلانے کے لئے ایک خط ڈلوادیا۔

لیکن حمید الدین نے وکیل صاحب کے ہاں آکر جھانکا تک بھی نہیں۔ یہ قرائنی ثبوت پاکر وکیل صاحب بھی کچھ متفکر ہوئے۔ دو دن بعد بیگم حمید وکیل صاحب کے ہاں پھر عین کھانے کے وقت پہنچ گئیں۔ اس مرتبہ ان کے مزاج کا پارہ نہایت درجہ کا چڑھا ہوا تھا۔

"چاچاجی۔ بھلا دیکھئے تو سہی۔ کل اس خبر دینے والے نے مجھے پھر ٹیلیفون کیا تھا۔ اور یہ کہا تھا۔ کہ آج یہ اسی حرافہ کے ساتھ ایلاسکا بائسکوپ میں دوسری شو میں پہنچیں گے۔ اگر میرے کہنے کا یقین نہ ہو تو وہاں خود جاکر نو بجے اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا۔ چاچاجی اب آپ کو میرے ساتھ ضرور چلنا ہوگا۔ ہم دونوں اس بھید کا سراغ لگائیں گے۔ یا اللہ میں کیا کروں۔ پچھلے دنوں سے کیسی میری خوشامد ہو رہی ہے۔ بات بات میں میرے مزاج کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اوپری اور دکھاوے کے چاؤ چوچلوں میں بچھے جاتے ہیں۔ میں تو اپنی طبیعت سے بہت صبر کر رہی ہوں۔ ورنہ دل تو یہی چاہتا ہے۔ کہ ان کے منہ پر سارے گُن اُلٹ کے رکھ دوں۔ اب تو مجھے ان کی بیوفائی کا پکا یقین ہو گیا۔ لیکن آج رات میں اس قطامہ سے اچھی طرح بھگت لوں گی۔ فرمائیے میں کس وقت آپ کا انتظار کروں"۔

ہردے ناتھ ذرا ہچکچائے۔ کیونکہ اس ڈرامے میں ان کو عجیب پارٹ ملا تھا۔ دل میں سوچنے لگے کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ اس طرح کھلے خزانے ایک شریف بہو بیٹی کا ایک بازاری عورت کے مقابلہ میں مقدمہ چکانا کوئی آسان کھیل نہیں۔ پرماتما آبرو سلامت رکھے ۔

بیگم حمید جذبۂ انتقام سے پاگل ہیں وہاں بپان سا آدمی۔ اگر کوئی دنگا فساد ہو گیا تو میری کون سنے گا۔ میں ایک رسیلے کا بھی نہیں۔ یہ مانا کہ بیگم حمید اور حمید الدین سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہوگی جو فساد کی بنا پڑے۔ لیکن وہ بازاری عورت آخر کو تو بازاری ہی ہے نا۔ اسے کون سمجھائے گا۔ اس کی ایک ہائے پر بڑی گڑبڑ ہو جائے گی۔ اور بنا بنایا فتنہ اُٹھ کھڑا ہوگا۔ اگر بیگم حمید کو سمجھاتا ہوں۔ یا انکار کرتا ہوں وہ خیال کرے گی کہ ایسے پرانے تعلقات کے ہوتے بھی وکیل صاحب نے بُرے وقت ساتھ نہ دیا۔ اور ذرا سی بات پر منہ موڑ لیا۔ بڑی مشکل ہے۔ فرض کرو کہ اگر میں نہ بھی گیا تب بھی یہ لڑکی ہے۔ شاید کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے کہ لینے کے دینے پڑ جائیں۔ یا اگر وہ سین دیکھ کر بیہوش ہو جائے تو اس کا سنبھالنے والا وہاں کون ہوگا۔

آخر کار وکیل صاحب نے بادل ناخواستہ بیگم سے بائسکوپ جانے کی ہاں کر لی۔

ایلاسکا بائسکوپ کا پہلا شو ختم ہو چکا تھا۔ خلقت کا ہجوم چھٹ چھٹا چکا تھا۔ کہ ہردے ناتھ کی موٹر بائسکوپ کے صدر دروازے پر

رُکی۔ اور ہمروے ناتھ وکیل اور بیگم حمید موٹر سے اتر کر بائسکوپ میں داخل ہو گئے۔ بکس پہلے سے ریزرو تھا۔ دونوں اوپر جا کر بیٹھ گئے
ابھی اکا دُکا پبلک آئی تھی۔ اندر سناٹا تھا۔ بائسکوپ کا دوسرا شو شروع ہونے میں تقریباً پونا گھنٹہ تھا۔ وکیل صاحب سارے راستے
سمجھاتے رہے۔ اور یہاں بھی موقعہ پا کر بیگم حمید کو سمجھانے لگے۔ اس کے انتقام کی آگ کو پدرانہ شفقت اور تسلی بخش الفاظ سے ٹھنڈا کرنے کی
کوشش کر رہے تھے۔ لیکن بیگم حمید کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ ایک رنگ آتا تھا تو ایک جاتا تھا۔ بدن رعشے سے لرزاں انتقام
کے دہوئیں دماغ سے اُڑ کر کانوں کے راستہ نکل رہے تھے۔ آنکھوں کی پتلیاں بائسکوپ کی عمارت کے گوشے گوشے میں تیر رہی تھیں۔
مجرم کی تلاش جب بے سود ثابت ہوئی تو اضطرابی و بیقراری کی کوئی انتہا نہ تھی۔ یہ حالت دیکھ کر وکیل صاحب اور بھی ڈر گئے۔ اور دل میں
کہنے لگے کہ میں ناحق اس کو اپنے ساتھ لایا۔ خدا خیر کرے۔ آثار کچھ اچھے نظر نہیں آتے۔ اب کی آخری امید صرف اس خیال سے وابستہ
تھی کہ حمید الدین نہیں آئے گا۔ اور یہ سب ڈھونگ ہے۔

بیگم حمید کے لئے وہ پندرہ منٹ گذارنے قیامت ہو گئے۔ چند منٹ بھی وہ نچلی نہ بیٹھ سکیں۔ آخر کار وکیل صاحب نے کہا
کہ آؤ بیٹا بائسکوپ شروع ہونے تک برآمدے ہی میں ٹہلیں۔ اُسی ٹہلنے کے دوران میں کیا دیکھتے ہیں کہ پاس والے بکس میں حمید الدین
نہایت اطمینان سے منہ میں سگار لگائے بیٹھے ہیں۔ اور تمام بکس دھوئیں سے بھرا ہوا ہے۔ بیگم حمید نے دل میں خیال کیا کہ کچھ جی جگہ تو
بڑے اطمینان کی تاکی ہے۔ میں نے بھی سارا مزہ کرکرا نہ کیا تو نام نہیں۔ اتنے میں حمید الدین نے بھی مڑ کر دیکھ لیا۔ اور بڑی بڑی آنکھوں سے
برابر دیکھتے رہے۔

بیگم حمید نے آخر کار پوچھا "آپ بھلا یہاں کیا کر رہے ہیں"؟
"میں!...... میرا ایک سے وعدہ ہے۔ ان کے انتظار میں ہوں"۔
"خوب..... ان صاحب سے شاید آپ کا کوئی کام اٹکا ہوا ہوگا۔ آپ جو بائسکوپ دکھا کر نکالنا چاہتے ہیں"؟
"اوہوں..... نہیں نہیں ایسا کوئی کام نہیں ہے۔ میرا اپنا کچھ پرائیوٹ معاملہ ہے۔ اچھا یہ تو بتاؤ۔ کہ بھلا وکیل صاحب کو
تم نے اس بڑھاپے میں کیوں تکلیف دی...... آداب عرض ہے وکیل صاحب......" یہ ہمت دیکھ کر بیگم حمید بے قابو ہو گئیں
اس وقت اگر وہ قطامہ یہاں ہوتی تو اس کی خیر نہیں تھی۔ ذرا سانس لے کر بولیں۔
"آخر یہاں آپ کو کس کا انتظار ہے"؟
"ایک خاتون کا"۔

بس اب حد ہو گئی۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ حمید بیگم پھٹ پڑیں گی۔ لیکن دل پر قابو پا لیا۔ اور لہجہ بدل کر بولیں۔
"اوہو...... تو آپ کی خاتون وقت کی پابند نہیں معلوم ہوتیں۔ جو آپ کو بے فائدہ انتظار میں رکھا ہے"؟
"نہیں۔ ابھی تو نو بجے ہیں۔ بائسکوپ کے شروع ہونے میں ابھی پورا آدھا گھنٹہ ہے"؟
"اچھا تو......"

حمید الدین نے اتنے میں اپنا ایک ہاتھ منہ کے آگے رکھ اور دو انگلیوں سے ناک کے نتھنے بند کرکے بدلی ہوئی آواز میں یہ الفاظ دُہرائے۔
"میں تم سے ایک بات کہوں جس کا احسان تم عمر بھر نہ بھولو گی۔ کچھ خبر بھی ہے۔ تمہارے میاں تمھیں صاف دھوکا دے رہے ہیں"۔
بیگم حمید یہ آواز سن کر دھم سے کرسی پر بیٹھ گئیں۔ اور ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ یہ آواز تو اسی ٹیلیفون والے کی سی تھی۔
"ہائے کمبختی۔ میں نے کتنا بڑا دھوکا کھایا"۔

"وکیل صاحب چونکہ آپ کو میری بیوی کے ساتھ یہاں تشریف لانے کی زحمت اُٹھانی پڑی۔ لہٰذا مرا فرض ہے کہ میں اس واقعہ کی تشریح بھی آپ سے بیان کروں۔ یہ چھوٹا سا سبق جو میں نے اپنی بیوی کو دیا ہے۔ وہ اس بات کی سزا تھی۔ کہ کچھ عرصے سے یہ میری طرف سے بے پروا ہی برتنے لگی تھیں۔ جو مجھ سے برداشت نہ ہو سکی۔ اس کا واحد علاج میرے ذہن میں یہی آیا۔ کہ رشک کی آگ بھڑکا کر انہیں پھر اپنا بنا لوں"۔

وکیل صاحب یہ سُن کر فرمانے لگے "بھائی یہ تو عجیب قصہ ہے۔ میری عقل بھی حیران رہ گئی۔ لیکن اِدھر معاملہ تو بالکل برعکس ہی نظر آتا ہے۔ یہ کہتی ہیں کہ تم ان کی طرف سے بے پروا ہی برتتے ہو۔ اور یہ کہ تم اب پہلے سے نہیں رہے۔ لیکن خیر ... ایسی ایسی غلط فہمیاں تو خوش قسمت میاں بیوی کے درمیان پیش آتی ہی رہتی ہیں۔ بہر حال یہاں میرے قانونی مشورے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی"۔
وکیل صاحب یہ کہہ کر چلنے کو تھے کہ حمید الدین نے ان کا بازو پکڑ لیا۔
"اجی جناب ابھی ہمارا ان کا فیصلہ تو ہوا ہی نہیں۔ کیوں بیگم صاحب۔ اب تو مان لیا کہ میں حق پر تھا"۔
"واہ واہ خوب رہے۔ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ یہی شکایت تو مجھے آپ سے تھی"۔
"وکیل صاحب آپ نے ملاحظہ کیا۔ یہی فیصلہ تو آپ کو کرنا ہے۔ مہربانی کرکے تشریف رکھئے اور یہ فیصلہ کرتے جائیے"۔
اتنے میں بائسکوپ شروع ہو گیا۔

معین الدین شمسی۔ ایم اے

# کتاب

دوست! دنیا کیا ہے؟ ایک ضخیم کتاب! جس کی ہر سطر جس کا ہر ورق اور ہر باب رومانس سے بھرا ہوا ہے جس کا مصنف اس کے کنندہ اداکاروں کی تخلیق کرنے والا خالق ہے۔ اس عظیم ترین مصنف کا یہ ایک مکمل افسانہ ہے۔ ایک یا عظیم الشان شاہکار! جس کی ہر سطر جس کا ہر ورق اور ہر باب ایک عجوبہ ہے۔ اس کا ہر ورق اُلٹا اور اس کا ہر باب دُہرایا جا رہا ہے۔ ہاں دوست! اس زبردست مصنف کے ہاتھوں اُلٹا جا رہا ہے اور دہرایا جا رہا ہے! ...... اس کا ہر ورق اُلٹا جائے گا اور ہر باب دُہرایا جائے گا۔ اس وقت تک جب تک کہ یہ دنیا قائم ہے۔ ہاں اس وقت تک جب تک کہ اس ضخیم کتاب کے اوراق باقی ہیں جس کا حجم کوئی نہیں جانتا۔

ب۔ ن۔ انسہ ابراہیم (مدراس)

# سویڈن ناروے اور فنلینڈ کے امورِ خانہ داری

ابتدائے عالم سے عورتوں کے لئے دو چیزیں جاذبِ توجہ رہی ہیں. اوّل. بچوں کی تربیت. دوم زیب و زینتِ خاد. اپنی ذاتی جائے رہائش حاصل کرنا اور اُسے زیادہ سے زیادہ خوبصورت. آرام دہ اور تسلی بخش بنانا گویا ہر خاتون کا راز دلی ہے. چنانچہ عورتیں ہمیشہ یہ معلوم کرنے میں دلچسپی لیتی ہیں. کہ ان کی دوسری بہنوں کی طرزِ رہائش کیا ہے. اور دوسرے ممالک کی عورتیں کس طرح امورِ خانہ داری سرانجام دیتی ہیں.

چین اور جاپان کی عورتیں قدرتی خوشنمائی کی دلدادہ ہیں. اُن کے گھر مصنوعی خوبصورتی سے مبرا. سبزہ زار و چمنستانِ رنگ و بو نظر آتے ہیں. امریکہ کی عورتیں اپنے گھروں کو زیادہ سے زیادہ خوبصورت بنانے کی بجائے زیادہ سے زیادہ آرام دہ بنانا چاہتی ہیں تاکہ اُن کے خاوند تمام دن کی محنت و مصروفیت کے بعد اپنے راحت کدہ میں زیادہ سے زیادہ آرام حاصل کرسکیں. سویڈن. ناروے اور فنلینڈ کی عورتوں کا مطمحِ نظر چین و جاپان اور امریکہ کی عورتوں سے ذرا مختلف ہے. انگریز عورتوں کی طرح وہ اپنے گھر کو زیادہ سے زیادہ صاف ستھرا اور طبی معیار پر پورا اترنے والا بنانا چاہتی ہیں. وہ اِسے بہت زیادہ خوبصورت یا پُر راحت نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ صحت افزا بناتی ہیں.

سویڈن. ناروے اور فنلینڈ کی عورتیں اپنے ممالک کی تجارت اور دیگر پیشوں میں بڑھتا ہوا حصہ لے رہی ہیں. لہذا ان کے لئے ضروری ہے کہ امورِ خانہ داری کا تسلی بخش نظام قائم کریں. اور پھر ضرورت کے مطابق بیرونِ خانہ امور میں بھی حصہ لیں. شادی سے پہلے وہ اپنے والدین کے گھر کا انتظام کرتی ہیں. اور شادی کے بعد اِسی طرز سے اپنا گھر قائم کرتی ہیں. ان میں امیر عورتوں کو تو نظامِ خانہ مرتب کرنے میں چنداں وقت پیش نہیں آتی. لیکن غریب عورتیں اپنی استطاعتِ مالی کے مطابق اس خوش اسلوبی سے اپنے نظامِ خانہ کی بنیاد رکھتی ہیں کہ ان کی خانگی زندگی کبھی ناخوشگوار نہیں ہوتی. یہ خواتین گویا متانت قناعت اطمینان اور سادگی کا پتلا ہوتی ہیں. ہر طبقہ کی عورتیں اپنی آمدنی کے تناسب سے اپنا خانگی بجٹ Budget مرتب کرتی ہیں. اپنے اخراجات کا مفصّل حساب رکھتی ہیں. ان کی آمدنی کے مصارف کے تناسب مندرجہ ذیل ہیں:-

(۱) خوراک ۳۳ فی صدی (۲) کرایہ مکان ۲۰ فی صدی

(۳) لباس مع جوتہ ۱۰ فی صدی (۴) ٹیکس ۷ فی صدی

(۵) متفرق اخراجات مثلاً. سواری. کتابیں. تفریحات. ڈاکٹر اور ذاتی صفائی وغیرہ ۳۰ فی صدی

مندرجہ بالا فہرست قابلِ توجہ ہے. اس سے ظاہر ہے کہ ان ممالک کے باشندے اپنی آمدنی کا تقریباً ایک تہائی حصول صحت و تفریح کے لئے خرچ کرتے ہیں. وہ خوراک پر نسبتاً کم خرچ کرتے ہیں. سادہ خوراک کے عادی ہیں. دودھ بکثرت استعمال

کرتے ہیں۔ وہاں مچھلی بہت سستی دستیاب ہو جاتی ہے۔ لہٰذا بہت مروج ہے۔ چھوٹی مچھلیاں ایک آنہ کی تقریباً ۱۲ مل جاتی ہیں۔ اور ۳ آنہ کی اتنی بڑی کاڈ مچھلی مل جاتی ہے جو تمام گھر کے لئے کافی ہوتی ہے۔

مکان پر بھی ان ممالک کے باشندے فراخ دلی سے خرچ کرتے ہیں۔ ہندوستان میں سرکاری ملازمین کے لئے سرکار ہند نے تنخواہ کا دس فی صدی کرایہ مکان کے لئے مقرر کیا ہے لیکن سویڈن، ناروے اور فنلینڈ میں لوگ بخوشی خود آمدنی کا ۲۰ فی صدی کرایہ مکان کے لئے وقف کر دیتے ہیں۔ لہٰذا وہ عمدہ مکانوں میں رہتے ہیں۔ ۷۰ فی صدی سے زیادہ لوگ ایسے مکانوں میں رہتے ہیں جن میں دو کمرے، باورچی خانہ اور دیگر ضروریات ہوتی ہیں۔ ۲۰ فی صدی افراد تین کمروں والے مکانات میں رہتے ہیں۔ ان میں سے ۶۰ فی صدی مکانات میں سردی سے محفوظ رکھنے کے لئے بذریعہ گیس گرم کرنے کا انتظام موجود ہے۔ مکانوں میں آرام دہ اور خوشنما الماریاں اور سرد خانے جا بجا بنے ہوئے ہیں۔ نہایت معمولی کرایہ کے مکانوں میں بھی لفٹ　[illegible]　اور ٹیلیفون لگے ہیں۔

ان لوگوں کو جو دیہاتی زندگی بسر کرنا چاہیں حکومت کی طرف سے ہر قسم کی سہولت بہم پہنچائی جاتی ہے۔ ہر خواہشمند خاندان کو قطعاتِ اراضی حکومت کی طرف سے عطیہ مل جاتے ہیں۔ جو لوگ بذات خود مکان تعمیر کرنے کے خرچ کے کفیل نہیں ہو سکتے انہیں میونسپلٹی کی طرف سے قرض حسنہ دیا جاتا ہے۔ جو اُن سے ۳۰ سال کے طویل عرصہ میں چھوٹی چھوٹی قسطوں میں وصول کیا جاتا ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ ۳۰ سال تک کچھ رقم ان سے بطور کرایہ وصول کی جاتی ہے جس کے بعد مکان ان کی ذاتی ملکیت ہو جاتا ہے۔ ایسے ہر مکان کے سامنے ایک چھوٹا سا باغیچہ ہونا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ ایک اوسط درجہ کے مکان اور باغیچہ پر تقریباً ۲۵۰ پاؤنڈ لاگت آتی ہے۔ خرچ اس لئے کم ہوتا ہے۔ کہ اول تو خاندان کے تمام افراد بذاتِ خود تعمیر کے کام میں حصہ لیتے ہیں۔ دوسرے بلڈنگ کا اکثر سامان مقررہ سائز کا مل جاتا ہے۔ جو کہ فیکٹری کا تیار شدہ ہوتا ہے۔ لہٰذا مختلف حصے بآسانی جوڑ سکتے ہیں۔ عموماً دیواریں اس انداز سے تیار کی جاتی ہیں۔ کہ بنے بنائے مقررہ سائز کے دروازے اور کھڑکیاں ان میں بلا تامل لگا دی جائیں۔ اس طرح ہر خواہشمند خاندان کو رہایش کے لئے ایک مکان اور تفریح کے لئے ایک باغیچہ بآسانی مل جاتا ہے۔ دیہات میں بھی بجلی اور پانی کا خاطر خواہ انتظام ہے۔ عورتیں گھر کا کام خود کرتی ہیں۔ بسا اوقات بیرونِ خانہ امور میں بھی مردوں کا ہاتھ بٹاتی ہیں۔ اور ازدواجی زندگی نہایت سکون و اطمینان سے بسر کرتی ہیں۔

بیگم محمد یامین قریشی۔ (دھلی)

# آتاترک کا آخری پیغام مسلمانانِ عالم کے نام

آئے تھے سوتی ہوئی قسمت جگانے کے لئے
جا رہے ہیں اب تمہیں ہم آزمانے کے لئے

اپنے خونِ جان و دل سے سینچ کر کشتِ وطن
اپنا نخلِ آرزو اپنی تمنا کا چمن

چھوڑتے ہیں اب تمہاری ہمتوں کے ہاتھ میں
دیکھنا یہ ہے ہیں کیا جوہر تمہاری ذات میں

کاش نخلِ آرزو دیکھو ہمارا باثمر
جس کی حسرت میں یہاں تڑپا کئے ہم عمر بھر

امتحان پائے استقلالِ مسلم ہے یہاں
آئیں میدانِ عمل میں اب ہمارے نوجواں

ابتدائے درد کی تحریکِ پنہاں دل میں ہو
انتہائے شوق یعنی جادۂ منزل میں ہو

اپنے دل کی پھانس کی اک ٹیس مل جائے تمہیں
مدتوں جس کی چبھن نے خون رلوایا ہمیں

ہاں پڑے اُس اشک کا پرتو تمہارے قلب پر
جس میں عکسِ دردِ ملت تم کو آ جائے نظر

اے جوانانِ وطن یہ خوابِ غفلت تا کجا
ملتِ بیضا کی کشتی ہے اسیرِ ابتلا

سونے والی قوم سن لے یہ پیامِ آخری
توڑتی ہے سانس اپنا آہ شمعِ زندگی

ڈوبتے سورج کی یہ اک آخری ناوک کرن
خانۂ تاریک کو کر دے گی شمعِ انجمن

پرتوِ نوری کو لے کر دل کے آئینہ میں تم
مشعلِ راہِ صداقت دیکھنا سینہ میں تم

یہ تڑپ یہ سوز یہ دردِ نہانی پیش ہے
غازیٔ اعظم کا ایک تحفہ تمہارے واسطے

آبگینہ میرے آنسو کا تمہاری نذر ہے
"جامِ جم" سے یہ سوا ہے مردِ مومن کے لئے

سطوتِ شانِ سلف اس قطرۂ روشن میں ہے
بوئے شاہِ مرسلاں اس گل کے پیراہن میں ہے

شمع جو غارِ حرا میں مدتوں روشن رہی
اُس کے اشکِ آرزو کا ساغرِ غم ہے یہی

نقشِ پائے صبر و استقلالِ شاہِ کربلا
ضو فگن ہے اس میں مثلِ مشعلِ راہِ وفا

سرخیٔ خونِ علی سے اس کی پیشانی کا داغ
تا ابد روشن رہے گا مثلِ لعلِ شب چراغ

جوہرِ فاروق اس تلوار کی جنبش میں ہے
علمِ عثمانی کی ضو اس ماہ کی تابش میں ہے

صدقِ صدیقِ مکرم کا منور آئینہ
جلوۂ حسنِ ازل ہے جس کی طلعت کی ضیا

جوہرِ تلوارِ خالد کی تجلی ہے یہی
خنجرِ ضرار کی بے تاب تجلی ہے یہی

بوذر و حمزہ کی چتون کا ہے یہ آئینہ دار
"عظمتِ رفتہ" ہے اس میں جلوہ زا با صد وقار

دیکھنے میں قطرۂ ناچیز و بے مایہ ہے یہ
چشمِ مسلم کے لئے قطرہ میں اک دریا ہے یہ

اے مسلمانانِ عالم ہے یہ عرضِ آخری
"قدرِ گوہر شاہ داند یا بداند جوہری"

بلقیس جمال (بریلوی)

# ایک زنانہ تہوار کے گیت

## گیت نمبر ۱۲

بس کر دلی اُجڑ گئے ہی گوریہ

(۱) سیّاں لے آویں موتیَن کا مالا
دھنیا پہن من موہیں سو گوریہ (دا گوریہ)
(۲) سیّاں لے آویں مانگ کا سیندورا
دھنیا دئی گھونگھٹا کاڑھیں سوگوریہ
(۳) سیّاں لے آویں ماتھے کی بیندیا
دھنیا لگائی درپن دیکھیں سوگوریہ
(۴) سیّاں لے آویں کُسمی چُندریا
دھنیا پہن سیج سوہیں سوگوریہ
(۵) سیّاں لے آویں متھرا کا پیڑوا
دھنیا کھائی چٹکا رہیں سو گوریہ
(۶) سیّاں لے آویں لالی پلنگیا
دھنیا چڑھی سُکھ سوویں سوگوریہ
(۷) سیّاں بچھاویں پھولوَن سیجیا
دھنیا مگن من بہیں سوگوریہ
(۸) سیّاں لے آویں باری سوتیا
دھنیا ٹھاڑھی آنسو ڈھاریں سوگوریہ

## مطلب

آباد ہو کر دلی اُجڑ گئی (یہ مصرعہ ہر ایک بند کے بعد دوبارہ دوہرایا جاتا ہے)
سیّاں (یعنی میاں) موتیوں کا مالا لائے۔
دھنیا یعنی بیوی اس کو پہن کر دل لُبھانے لگیں
سیّاں مانگ کے لئے سیندور لائے
دھنیا نے اُسے (مانگ میں) لگا کر گھونگھٹ نکال لیا
سیّاں ماتھے کی بیند لائے
دھنیا نے اُس کو پہن کر آئینہ دیکھا
سیّاں کُسُمی یعنی کسم رنگ (گُل معصفر کے عرق میں رنگی اور چھپی ہوئی چندری) لائے
دھنیا اس کو پہن کر سیج کی زینت بنیں۔
سیّاں متھرا کا پیڑا لائے
دھنیا نے کھا کر چٹخارے لئے
سیّاں لال پلنگ لائے
دھنیا اس پر آرام سے سوئیں
سیّاں نے پھولوں کی سیج بچھائی
دھنیا دل ہی دل میں خوش ہوئیں
سیّاں کسبن سوتُ لائے
دھنیا کھڑی آنسو بہا رہی ہیں

بس کر دلی اُجڑ گئے ہی گوریہ ۔ کیا یہ گیت بھلایا جا سکتا ہے کیا مرد بیویوں پر کرم فرماتے فرماتے آنکھیں پھیر لینا بھول جائیں گے بالفرض ایسا بھی ہو تو کیا زمانہ اپنی روش بدل دے گا یہ روش کہ انسان کو ہر طرح شاد کام و بامراد کرنے کے بعد مجبور کر یہ بھی کر دے خیر فی الحال پڑھئے مسکرائیے اور درد آشنا ہو جائیے۔

## گیت نمبر ۱۳

(۱) ہارِل سُگنا ہم نے پالا کنچن دوب کھلایا لوے
(طوطا) (گھاس کی ایک قسم ملفظ ہمں)

(۲) سگنا بھیا اڑ گئے پنجروا ہوئے گیں سون لوے

(۳) باری ڈھونڈھوں کیاری ڈھونڈھوں بابا کی پھلواری کو

(۴) لاگے ہیں نورنگی کا نٹا پھاٹے جُھنّا ساری لوے

(۵) ہمرے پچھواڑوا درجیوا بھیا میٹھ لوے

(۶) نانھے نانھے ڈوبوا سیتو جُھنّا ساری لوے

(۷) نانھے نانھے ڈوبوا کی کا ہو مجوری لوے

(۸) تورے ہاتھے چھلا مُندَریا تورے بہو گلے ہار لوے
(انگوٹھی)

(۹) ناہیں لیبے چھلا مُندَریا ناہیں بہو گلے ہار لوے

(۱۰) یک رین بسُوتوں گھر ہمرے سیبے نانھے ڈوب لوے

(۱۱) آگ لگے تورے نانھے ڈوب تُونہہ دَیُو کا کوپ لوے

(۱۲) رَین بَسیں توری مَیّا بھینیاں ہم گرہستن لوگ لوے

## مطلب

ہم نے ہارِل سُگا پالا اور اس کو اچھی سبز دُوب کھلائی
سُگا بھیا اُڑ گئے ان کا پنجرا سونا ہو گیا
باغ کیاری اور بابا کی پھلواری میں ڈھونڈھتی پھری
نارنگی کا کانٹا لگ گیا اور باریک ساری پھٹ گئی
ہمارے پچھواڑے درزی بھائی خوب ہیں
(بھائی) ننھے ننھے ڈوب سے باریک ساری سی دو یعنی باریک سلائی کردو
باریک سلائی کی مزدوری کیا ملے گی (درزی نے پوچھا)
تیرے ہاتھوں کو چھلا انگوٹھی تیرے بیوی کے گلے کا ہار دوں گی
نہ ہم چھلا انگوٹھی لیں گے نہ بیوی کے گلے کا ہار لیں گے
آج تم ہمارے ہاں ٹھیر جاؤ دوب سے باریک سلائی کر دیں گے۔
تیری باریک سلائی کو آگ لگے اور تجھ پر خدا کا قہر ٹوٹے
. . . . . . . . . . . . ارے ہم گھر گرہست لوگ ہیں

بنی فاطمہ نقویہ

# مقوی دوائیں

ڈاکٹر سید ممتاز حسین صاحب ۔ ایم بی بی ایس

صحت حاصل کرنا اور صحت کو قائم رکھنا بڑا آسان ہے۔ تندرست رہنے کے اصول بڑے مختصر اور سیدھے سادھے ہیں۔ یعنی صاف ہوا میں رہنا۔ مناسب غذا کو مقررہ اوقات پر اپنے ہاضمہ اور ضرورت کے مطابق کھانا۔ صاف پانی پینا۔ پوری نیند سونا۔ ورزش کرنا۔ دھوپ سے فائدہ حاصل کرنا۔ اور طبیعت کو خوش رکھنا۔

عام مرد اور عورتیں نہ ان اصول کو جانتے ہیں۔ نہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی بتا دے تو ان پر عمل نہیں کرتے۔ قدرت کے قانون اٹل ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ ان کی نافرمانی سے نقصان نہ پہنچے۔ البتہ بعض اوقات یہ نقصان بڑی سست رفتار سے واقع ہوتا ہے۔ لیکن آخر کار اس کے نتائج قطعی اور یقینی ہوتے ہیں۔ اس زمانے کی عام شہری عورتیں ضعف ہاضمہ، ضعف قلب، نیند کی کمی وغیرہ امراض میں مبتلا نظر آتی ہیں۔ ان کے جسم دبلے یا بہت موٹے اور ڈھیلے۔ رنگ زرد۔ آنکھیں پژمردہ۔ لب سوکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ نوجوانی ہی میں بال سفید ہونے شروع ہوتے ہیں اور جھریاں مٹانے والے لوشن شباب کو واپس نہیں لاسکتے۔ نہ صحت پیدا کرسکتے ہیں۔ اور نہ دوسروں کو فریب میں مبتلا کرسکتے ہیں۔

صحت جیسے متاع عزیز کو کھو کر یہ لوگ ڈاکٹر کے پاس یہ درخواست لے کر آتے ہیں کہ ہمیں کوئی ٹانک دیں۔ کوئی مقوی دوا کی پیٹنٹ شیشی لکھ دیں جس سے بھوک بڑھے۔ خون پیدا ہو۔ ہاضمہ درست ہو جائے۔ طاقت ہو جائے۔ چہرے کی جھریاں مٹ جائیں۔ بال سیاہ اگنے لگیں اور اعادہ شباب ہو۔

ہم اپنے پالتو جانوروں کے متعلق یہ جانتے ہیں کہ انہیں دھوپ۔ ہوا۔ ورزش۔ اور عمدہ غذا کی ضرورت ہے۔ اور یہ بھی جانتے ہیں کہ جب ہم انہیں ہوا خوری کے لئے نہیں بھیجتے۔ اچھی غذا نہیں دیتے۔ صاف پانی نہیں پلاتے تو وہ بیمار ہو جاتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس ہمیں اپنے باغ کے پودوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں ہوا، دھوپ، اور عمدہ کھاد کی ضرورت ہوتی ہے جب ان میں کوئی خرابی ہو ہمارا ذہن فوراً ان امور کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ لیکن جب ہم خود کمزور ہونے لگتے ہیں۔ پیش از وقت معمر معلوم ہوتے ہیں۔ ہمارے بچے تندرست نہیں رہتے یا ان کی نشو و نما درست نہیں ہوتی۔ تو ہم دواساز کی دکان پر پیٹنٹ بوتل خریدنے کو دوڑتے ہیں جس کے متعلق ہمارا یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ ہمارے تمام امراض و عوارض کو دور کرکے ہماری صحت کا بیمہ کردے گی دواساز ہماری اس کمزوری اور ناواقفیت سے پورا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ بڑے طویل و عریض اشتہار شائع کرتے ہیں۔ بڑی خوشنما بوتلیں خوبصورت بکس اور دلکش لیبل والی دوائیں تیار کرتے ہیں۔ اور بیچتے ہیں۔ کوئی ان دواؤں کے استعمال سے تمام امراض کو رفع کرنے کا مدعی ہے۔ کوئی قیام صحت کی گارنٹی کرتا ہے۔ کوئی تندرست توانا بنا دیتا ہے۔ کوئی دبلوں کو موٹا اور موٹوں کو دبلا کردیتا ہے

کوئی بچوں کے تمام امراض کو رفع کرنے کا دعویٰ کرتا ہے اور کوئی عورتوں کے شباب کو قائم رکھنے یا واپس لانے کا وعدہ کرتا ہے یہ لوگ پرلے درجے کے جھوٹے اور جعلساز ہوتے ہیں۔ اور ان کی دوائیں خرید کر روپیہ برباد کرنے والے نہایت سادہ لوح امراء و متمول لوگوں کے لئے روپے کا بیجا مصرف کوئی خاص تکلیف دہ نہیں ہوتا۔ لیکن متوسط الحال اور غربا کے لئے اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ کاٹ کر یہ ادویہ خریدنا قیامت ہے۔

اشتہار بازوں کی دواؤں سے قطع نظر وہ دوائیں جو مستند طبی کتابوں میں بھی مقوی بیان کی جاتی ہیں۔ فی الحقیقت مقوی نہیں ہوتیں محرک ہوتی ہیں۔ گویا تھکے ہوئے گھوڑے کو تازیانہ۔ چابک لگانے سے گھوڑا تیز دوڑنے لگتا ہے۔ اس لئے نہیں کہ چابک سے گھوڑے کے جسم میں طاقت پیدا ہوجاتی ہے۔ بلکہ اس لئے کہ وہ اپنی ہی طاقت کو زیادہ تیز رفتار کے ساتھ خرچ کرتا ہے۔ اسی طرح یہ ادویہ محرک ہوتی ہیں یعنی عارضی طور پر طبیعت کو چست وچالاک کر دیتی ہیں اور پھر دوا کے اثر زائل ہونے کے بعد پہلے سے بھی زیادہ کمزوری واقع ہوجاتی ہے۔ چنانچہ ہر وہ طاقت جو محرک دوا سے حاصل ہوتی ہے جسم کی اپنی ہی طاقت ہوتی ہے جو جلدی خرچ ہوجانے کے بعد جسم کو اور بھی زیادہ ضعیف کر دیتی ہے۔ چائے۔ پان۔ تمباکو بھی اسی قسم کے محرکات ہیں۔ اور انسانی جسم کو بدرجہ غایت نقصان دہ

مقویات قدرت کے کارخانہ سے حاصل ہوتی ہیں نہ کہ دواساز کے کارخانہ سے قدرت کی مقویات خالص۔ عمدہ۔ فی الحقیقت مقوی۔ اور ارزاں ہوتی ہیں۔ وہ قدرتی غذائیں ہیں جن کی تیاری میں کسی تکلف سے کام نہیں لیا جاتا۔ غلیظ ہاتھوں سے اور مشکوک برتنوں میں تیار نہیں ہوتیں۔ ان میں جراثیم۔ گرد وغبار اور ملاوٹ کو دخل نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ سربمہر ہیں پھل اور تازہ سبزیاں بہترین مقویات ہیں۔ ضروری نہیں کہ مہنگا پھل ہی کھایا جائے۔ ہر موسمی پھل مقوی ہے۔ مفید ہے۔ اور دافع مرض ہے۔ اس کے علاوہ تندرست حیوان کا دودھ اور اس کا دہی مکھن۔ اور بالائی۔ عمدہ اناج۔ دلیہ۔ تازہ سبزیاں جن کو نہایت بے تکلفی اور سادگی سے پکایا جائے نہایت اعلیٰ درجہ کے مقوی ہیں۔ ان سب چیزوں میں وٹامن ہیں۔ نمک ہیں۔ شکر ہے۔ اور غذا کے تمام اجزا نہایت صحیح تناسب سے رکھے گئے ہیں۔

غذا کے علاوہ صاف اور تازہ ہوا۔ دھوپ۔ نیند غسل۔ اور پاکیزہ عادات واطوار کی پابندی۔ یہ سب چیزیں تندرستی قائم رکھتی ہیں۔ بیماری کو دور کرتی ہیں۔ اور دواؤں کی ضرورت سے بے نیاز کر دیتی ہیں۔

# پوپ کا انتخاب

آج دیکم مارچ کو نئے پوپ کا انتخاب شروع ہوا ہے۔ اس زمانے میں بہت کم رسمیں ایسی باقی رہ گئی ہیں جو برسوں سے اُسی صورت اور اُسی طریقے سے ادا کی جاتی ہیں جس طرح اُس زمانے میں جب پہلے پہل ان کا رواج ہوا تھا۔ پوپ کے انتخاب کی رسم اُن گنتی کی چند رسموں میں سے ہی۔ اور اس لئے بہت بڑی تاریخی اہمیت اور دلچسپی رکھتی ہے۔

پوپ عیسائیوں کے رومن کیتھولک فرقے کا قائد اعظم ہے۔ یہ لوگ پوپ کو حضرت عیسیٰ کے حواری پطرس کا قائم مقام سمجھتے ہیں اور ان کا اعتقاد ہے کہ پطرس کو خود حضرت عیسیٰ ع اپنا قائم مقام بنا گئے تھے۔ اس لئے ہر پوپ کو یہ لوگ حضرت عیسیٰ کا جانشین سمجھتے اور اس کی بے حد تعظیم وتکریم کرتے ہیں۔

پوپ کو رومن کیتھولکس پر اختیار کلی حاصل ہوتا ہے۔ یعنی یہ ان کے زندگی کے ہر ایک پہلو پر حکم دینے کا اختیار رکھتا ہے۔ اور کسی ایک فرد یا پورے کے پورے فرقے کو جو حکم چاہے دے سکتا ہے۔ اس حکم سے سرتابی کرنا کسی کیتھولک کے لئے ممکن نہیں۔ ایسا ایسا کرنے والا فوراً excommunicate یعنی مذہب سے "عاق" کر دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ کسی عام طور سے مانے ہوئے مذہبی حکم کے خلاف اگر پوپ چاہے تو کسی کو معافی دے سکتا ہے۔ اور پوپ سے اجازت جس کو dispensation کہتے ہیں حاصل کر لینے کے بعد اس کا عام طور سے ممنوع فعل کا ارتکاب ان کے عقیدہ کے مطابق گناہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔ مثلاً کیتھولک کا غیر کیتھولک سے شادی ممنوع ہے لیکن اگر پوپ مناسب سمجھے تو کسی کو اس کی اجازت دے سکتا ہے۔

اگلے زمانے میں جب کہ سارا یورپ صرف کیتھولک مذہب کا پیرو تھا پوپوں کا بہت زیادہ دبدبہ تھا جتنی طاقت سولھویں صدی تک یورپ میں پوپ رکھتا تھا کسی بادشاہ کو نصیب نہ تھی۔ اس زمانے کے تمام بادشاہ پوپ سے خائف رہتے تھے اس کو مذہبی حیثیت سے یہ اختیار حاصل تھا کہ ان کو تخت سے معزول کر دے۔ کیونکہ وہ انہیں Excommunicate یعنی مذہب سے "عاق" کر سکتا تھا۔ اور مذہب سے عاق کئے ہوئے بادشاہ کی اطاعت رعایا پر فرض نہیں رہتی تھی اور وہ بغیر کسی خوف خطر کے بغاوت کر سکتے تھے۔ اس زمانے کے پوپوں نے اپنی اس طاقت سے خوب ناجائز فائدے اُٹھائے اور مختلف بادشاہوں کی اعانتیں دھمکی سے حاصل کرتے رہے۔ اور لوتھر ازم یا پروٹیزم کی کامیابی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہوئی کہ اکثر ملکوں کے بادشاہ پوپ کا جوا سر سے اُتارنے کے لئے ان کی اشاعت میں معاون ہوئے۔ بعض موقعوں پر پوپ کی ناراضگی کا خوف ایک واقعی ظالم بادشاہ کا اپنے ظالمانہ افعال سے کسی حد تک احتراز کرنے کا باعث بھی ہوا ہے۔

پوپوں کے پاس اس زمانے میں بہت بڑی سلطنت رہی ہے اور وہ باقاعدہ جنگوں میں حصہ بھی لیتے تھے۔ لیکن پروٹزم کی ترقی کے ساتھ ساتھ پوپوں کی دنیاوی طاقت اور اقتدار میں کمی ہوتی گئی یہاں تک کہ اب وہ صرف ایک مذہبی سردار کی حیثیت رکھتے

دنیاوی لحاظ سے صرف روم کے اتنے حصّہ کا بادشاہ ہے جس کو vatican کہتے ہیں۔ اتنے سے حصّہ میں اس کا اپنا سکہ۔ سٹامپ اور ریلوے ہے۔ کی خود مختارانہ حکومت بھی اس کو ۱۹۲۹ء میں حاصل ہوئی اس سے قبل تقریباً ستر سال تک وہ ایک طرح سے اپنے محل میں قیدی تھا۔ کیونکہ جب ۱۸۷۰ء میں اٹلی میں متحدہ حکومت ہوئی تو پوپ کی ساری جائداد ضبط کر لی گئی تھی بعد ۱۹۲۹ء میں سولینی نے یہ ضبط شدہ جائداد مع حق خود مختاری کے پوپ کو واپس کر دی۔

اگرچہ اب پوپ کو کوئی دنیاوی طاقت حاصل نہیں ہے تاہم اب بھی وہ دنیا کے کسی بادشاہ سے کم طاقت نہیں رکھتا۔ کیونکہ کروڑوں کیتھولک کے عقائد کے بموجب اس کا فرمان گویا فرمان پیغمبر کا درجہ رکھتا ہے جس کی تعمیل ان کا فرض ہے۔ اگر وہ آج یہ حکم دے دے کہ ہٹلر یا سولینی کی حکومت سے سرتابی ہر کیتھولک کا فرض ہے تو جرمنی اور اٹلی کے ہر کیتھولک پر اس کی تعمیل ضروری ہو جائے گی اور اگر وہ کھلم کھلا ایسا نہ کر سکے تو بھی پوپ کے اس اعلان کا اخلاقی اثر یعنی moral force اتنا بڑا ہو گا کہ ہٹلر اور سولینی کی طاقت کو زبردست دھکا لگے گا۔ اس آخری پوپ کا رویہ سولینی اور ہٹلر کی طرف سے اچھا نہ تھا کیونکہ ان ہر دو آمروں کا فلسفہ قومیت یا فسطائیت رومن کیتھولک مذہب کے نفس مطلب کے خلاف ہے اور ہٹلر تو کھلم کھلا مذہب کا مخالف ہے۔

ادھر ڈیموکریسیز یعنی جمہوریتوں کو پوپ کے اس رویہ سے بہت بڑی تقویت حاصل تھی اور اگرچہ تقریباً ہر ایک یورپین جمہوریت پروٹسٹنٹ ہے تاہم اس معاملے میں ان کے اور پوپ کے اتفاق نے انہیں پوپ کا اتنا معتقد بنا دیا تھا کہ سولھویں صدی سے آج تک نہ ہوا تھا اسی لئے اس نئے پوپ کا انتخاب بہت بڑی سیاسی اہمیت رکھتا تھا۔ کیتھولک اخباروں کی رائے ہے کہ عیسائیت کی تاریخ میں کسی پوپ کو اتنا مشکل کام درپیش نہ آیا تھا جتنا کہ اس ہونے والے پوپ کے سامنے ہے۔ کیونکہ مذہب کبھی اتنا خطرہ میں نہ تھا جتنا کہ آج کل ہے اور نہ مذہب کے خلاف کبھی اتنی زبردست طاقتیں تھیں جتنی کہ اب ہیں۔ اس کے علاوہ چاہے اس کو اس کی خواہش ہو یا نہ ہو سیاست میں اسے حصّہ لینا ہی پڑے گا اور اس کی موافقت یا مخالفت کا یورپ کی سیاسی ترازو کے توازن میں زبردست اثر پڑے گا۔

پوپ کا انتخاب بڑے اہتمام سے ہوتا ہے۔ اس کو منتخب کرنے کے لئے دنیا کے حصّہ سے کارڈنلز cardinals جمع ہوتے ہیں یہ کیتھولک چرچ میں پوپ کے بعد سب سے زیادہ درجہ رکھتے ہیں۔ ان میں سے پوپ کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ یہ ۶۲ کارڈنلز یکم مارچ سے ہر صبح کو sistine chapel میں داخل ہوں گے اور بعد دعا و استخارہ کے نئے پوپ کے انتخاب کے لئے اپنی اپنی ووٹ دیں گے۔ تاوقتیکہ کسی ایک کارڈنل کو تمام ووٹوں کا دو تہائی حصّہ نہ ملے وہ پوپ منتخب نہیں ہو سکتا اور بعض اوقات کسی ایک کو اتنے ووٹ ملنے میں دو دو ہفتے لگ جاتے ہیں آخری پوپ بالیس یازدہم، ۱۰ دفعہ ووٹ لینے کے بعد منتخب ہوا تھا۔ بعض دفعہ بہت جلد بھی اتنے ووٹ کسی ایک کارڈنل کو مل جاتے ہیں۔ اور وہ پوپ بن جاتا ہے۔ پوپ منتخب ہو گیا یا اب تک کامیابی نہیں ہوئی اس کی خبر باہر منتظر لوگوں کو فوراً اس طرح مل جاتی ہے کہ اگر انتخاب نہ ہو سکا تو گیلی گھاس چیل chapel کے اسٹوو میں جلائی جاتی ہے جس سے سیاہ دھواں چھت پر نکلتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ آج بھی پوپ کا انتخاب

نہ ہوسکا جب پوپ کا انتخاب ہوجاتا ہے تو سوکھی گھاس اسٹوو میں جلائی جاتی ہے جس سے سفید دھواں نکلتا ہے اور لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ پوپ منتخب ہوگیا۔ پوپ منتخب ہوتے ہی ماہی کی انگوٹھی (پطرس کے مچھیرے ہونے کی یادگار) اور تکونہ تاج (تثلیث کی نشانی) پہن لیتا ہے۔ اور باقی تمام کارڈنلز اپنی اپنی کرسیوں کے چتر نیچے کر دیتے ہیں کیونکہ جب وہ پوپ کا انتخاب کرنے کو جمع ہوئے تھے تو درجہ میں سب برابر تھے اور چونکہ یہ معلوم نہ تھا کہ کون پوپ منتخب ہوگا اس لئے سب کی کرسیوں پر شاہی چتر لگا ہوا تھا وہ اپنے اودے ماتمی لباس کو سُرخ لباس سے تبدیل کرلیتے ہیں، اور منتخب پوپ کو سفید لباس پہنا دیا جاتا ہے۔ وہ منبر کی سیڑھیوں پر بیٹھ جاتا ہے اور باقی تمام کارڈنلز جو چند منٹ پیشتر اس کے ہم درجہ تھے اس کے قدم چومتے ہیں۔ اس کے بعد وہ سینٹ پیٹرز کے جو ان کا سب سے بڑا گرجا ہے جھروکہ پر آکر ان لوگوں کو جو اس کے دیکھنے کو جمع ہوئے ہیں دعا دیتا ہے۔ اس کا دعا دینا ساری عیسائی دنیا کو دعا دینے کے برابر سمجھا جاتا ہے۔

۲۔ مارچ کو صرف تین دفعہ ووٹ لینے کے بعد ہی پوپ کے سکرٹری کارڈنل پیٹی کو منتخب کرلیا گیا جس نے پوپ پائیس بارہویں کا لقب اختیار کرلیا ہے۔ کارڈنل پیٹی گذشتہ پوپ کی پالیسی میں شریک بلکہ معاون تھا اس کا انتخاب اس کی دلیل ہے کہ اس پالیسی کو قائم رکھنا منظور ہے۔ اس انتخاب سے امریکہ۔ فرانس و انگلستان یعنی جمہوریتیں بہت خوشی کا اظہار کر رہی ہیں۔ آمر قومیں خاموش ہیں۔ مسولینی نے مبارک باد کا تار بھیج دیا ہے۔ پر جرمنی میں دبی زبان سے اعتراض شروع ہوگیا ہے کیونکہ جرمن کارڈنل پیٹی کو نازیزم کا دشمن خیال کرتے ہیں۔

شائستہ اختر سہروردیہ (از لندن)

# ناقابل اشاعت مضامین

افسوس ہے یہ مضامین عصمت میں شائع نہیں ہوسکتے ار کا ٹکٹ آنے پر ۱۵ اپریل تک واپس کئے جاسکتے ہیں۔ اس تاریخ کے بعد ضائع کر دئے جائیں گے
حقوق مسلم خواتین در باب ازدواج ولاہور، ہندوستانی لڑکی ۱۹۳۳ء میں حجاز شام بیت المقدس اور مصر کا سفر، نکات دانش۔ سلام۔ رازدار حقوا۔ شمع ہستی۔ فرشتہ خصلت بیوی۔ دیہات کی اصلاح (نظم) خاتون ہند بچے کا قہقہہ۔ امید۔ لوائے کا لنگر مسلم خواتین دیا پور کا اجتماع۔ میرچین (نظم) پُر درد خط۔ تری تلاش میں یہ روح چارسو نہ گئی۔ ایک یتیم لڑکی عید کا چاند دیکھ کر۔ آہ پیارا کمال (اتاترک نظم (از اورنگ آباد)۔ امید کی خوشی بشہید رسم۔ امید۔ خاتونِ مشرق سے۔ کمال اتاترک صدر جمہوریہ ترکی کے انتقال پر…۔ بیوفا سہیلی۔ ماہ رمضان کے الوداعی اشعار۔ مسافر کی عید۔ قطعہ تاریخ بر وفات مصطفےٰ (اتاترک مرحوم۔ مولانا شوکت علی مرحوم کی یاد میں۔ قسمت (نظم) وفادار نوکر (ڈرامہ)۔ یتیم بچوں کا بھیک مانگنا۔ ستم رسیدہ۔ گلاب کا پھول۔ کشتیٔ مسرت۔ بیٹی کا حصّہ۔ دنیا۔ بھیا رضوان کی محبت میں۔ بچوں میں کفایت شعاری کی عادت۔ جستجو اتفاق۔

ایڈیٹر

# چور

برسات کا موسم تھا بارش ہو کر ابھی ابھی تھمی تھی۔ میں رات کو دس بجے سے سونے کی کوشش میں مصروف تھی مگر خدا جانے میری نیند کو کیا ہو گیا تھا کسی طرح آنکھ جھپکتی نہ تھی۔ بہت دیر تک ٹہلتی رہی۔ یکا یک میں نے کھڑکی سے سر باہر نکال کر باغ پر نظر ڈالی تو رات بہت تاریک اور بھیگی ہوئی تھی۔ میں نے چراغ گُل کر دیا اور بستر پر لیٹ گئی۔ گھڑی نے ایک بجایا میں بستر پر کروٹیں لیتی رہی مگر آنکھوں میں نیند کا نام نہ تھا معبود جانے اس وقت میری نیند کو کیا ہو گیا تھا۔ آخر میں اُکتا کر اُٹھ بیٹھی۔ وقت کاٹنے کے لئے کتابوں کی الماری سے "بہرام کے کارنامے" اُٹھا لائی اور اپنی لکھنے کی میز پر جا بیٹھی۔ مشرقی جانب کے بیضوئی دریچے جو باغ میں کھلتے تھے میں نے ہوا کے لئے کھول رکھے تھے جس میں سے ٹھنڈی ٹھنڈی فرحت بخش ہوائیں آ رہی تھی۔ میں بہت دیر تک مطالعہ میں مصروف رہی یہاں تک کہ جب میں اس عبارت پر پہونچی کہ "مجرموں کے جُرم کی تکمیل کے لئے ایسی تاریک شب نعمتِ غیر مترقبہ ہوتی ہے" تو میں چونک پڑی۔ مجھے یاد آ گیا کہ ابھی پچھلے سال ہی کا تو ذکر ہے کہ ایسی ہی تاریک شب کو اسی ضلع میں ڈکیتی کی واردات ہوئی تھی اور چور اب تک لا پتہ ہے۔ میرا خیال یک لخت اس طرف متوجہ ہو گیا۔ میری نظریں آپ ہی آپ مشرقی جانب کھُلی ہوئی کھڑکی کی طرف اُٹھیں۔ رات تاریک سے تاریک تر ہوتی جا رہی تھی۔ میں کانپ اُٹھی۔ ڈرتے ڈرتے کھڑکی کی جانب دیکھا۔ اگر اس وقت یہاں کوئی چور نکل آئے تو کیا ہو؟ ہوا میں کچھ تیزی آ گئی تھی جس سے جسم میں کپکپی سی معلوم ہونے لگی مگر مجھے کھڑکی تک جانے کی ہمت نہ ہوئی اس خیال سے کہ کہیں وہاں کوئی چور نہ چُھپا بیٹھا ہو۔ اس خیال کے آتے ہی مجھے ایک ہلکی سی جھرجھری آئی اور میں نے کتاب بند کر کے میز پر ڈال دی اور چراغ گُل کر کے بستر پر آ لیٹی۔ میں نے اپنے کو لحاف میں اچھی طرح لپیٹ لیا۔ تھوڑی دیر میں شیشہ کے اندرونی پاٹ ہوا کے زور سے بند ہو گئے جس سے کچھ تسکین ہوئی۔ چور کے خوف سے آنکھیں بند کئے پڑی رہی۔ ذرا سی دیر میں آنکھ لگ گئی معلوم نہیں میں کتنی دیر سو سکی کہ دفعتاً ایک دھماکے اور چھناچھن کی آواز سے جیسی کسی شیشہ کے ٹوٹنے سے آتی ہے میری آنکھ کھُل گئی اور میں چونک پڑی۔ ہوا کا ایک تیز جھونکا بدن پر تیر کی مانند لگا۔ میں نے محسوس کیا کہ شیشے کی کھڑکیاں پہلو کی دیوار سے ٹکرا گئیں جس کی ضرب سے اس کے شیشے چکنا چور ہو کر فرش پر بکھر گئے ہیں۔ پھر کھڑکی کی طرف دیکھنا چاہا مگر چور کا خوف اس قدر غالب تھا کہ اٹھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ چند لمحوں بعد میری خواب گاہ میں کسی کے قدموں کی چاپ معلوم ہوئی۔ کیا کوئی چور گھس آیا؟ اب کیا کروں خوف سے میرا دل دھڑکنے لگا۔ آنکھوں میں آئی ہوئی نیند بھی غائب ہو گئی۔ ڈر سے آنکھیں بند کئے لحاف میں دبکی پڑی رہی۔ قدموں کی چاپ میری میز کے پاس پہونچ کر ختم ہو گئی۔ میز پر میرا چاندی کا قلمدان اور قیمتی فونٹن پن رکھا تھا۔ اس کی دراز میں میری سونے کی رسٹ واچ گلے کی سونے کی زنجیر ایک انگشتری اور بُندے رکھے ہوئے تھے جو میں ہمیشہ سوتے وقت اس میں رکھدیا کرتی تھی۔ جوں ہی میں نے میز کی دراز کھُلنے کی آواز سُنی میرا کلیجہ دھک سے رہ گیا

میں نے آہستہ سے لحاف میں سے جھانکا تو چور ہاتھ میں موم بتی روشن کئے میز پر بیٹھا ہوا نظر آیا۔ یقیناً وہ موم بتی لے کر میری چیزوں کی تلاشی لے رہا ہے۔ اب وہ ان سب چیزوں کو لے کر غائب ہو جائے گا۔ پھر اس کا سُراغ بھی نہ ملے گا۔" اس خیال سے میرے مونھ سے ایک چیخ نکل گئی۔ میری آہ کی آواز سن کر چور نے میری طرف اپنا سر پھیرا یہ دیکھ کر تو میری جان ہی نکل گئی۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں اور سانس روک لیا۔ پھر مجھے اس طرف دیکھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ مگر جب میز کی دراز بند ہونے کی آواز آئی تو نہ رہا گیا ہمت کر کے آنکھیں کھولیں اور یہ دیکھ کر میرا خون خشک ہو گیا کہ وہ میز پر بیٹھا ہوا کچھ لکھ رہا ہے" کیا وہ جانے سے پیشتر اپنی کوئی ایسی تحریر چھوڑ جانا چاہتا ہے جو جرائم کی دُنیا میں ایک تہلکہ ڈال دے؟" مجھ سے برداشت نہ ہو سکا اور میں نے سر لحاف سے ڈھانک لیا مبادا کہ پھر کوئی آواز اس کو اس طرف متوجہ کرے۔ اس کے بعد بہت دیر تک سکوت طاری رہا۔ اس اثناء میں جب بالکل خاموشی رہی تو مجھے یقین ہو گیا کہ وہ سب چیزیں لے کر چلا گیا ہے۔ میں نے آہستہ سے لحاف سرکایا مگر یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ دونوں ہاتھ میز پر پھیلائے ان پر اپنا سر رکھے اوندھے مُنہ پڑا ہے۔ اور سرہانے موم بتی جل رہی ہے۔ معبود! اسے کیا ہو گیا ہے ابھی تو یہ اچھا خاصہ تھا۔ اس کو اس حال میں دیکھ کر میں نے اطمینان کا سانس لیا اور جرات کر کے بستر سے اُٹھی کہ باہر کسی کو مدد کے لئے پکاروں۔ میں بستر سے اُٹھی اور نظر اس پر پڑتے ہی ایک ہلکی سی چیخ میرے منہ سے نکل گئی اور فرطِ حیرت سے میرا مونھ کھُلا کا کھُلا رہ گیا۔ یہ تو زرینہ ہے! بجلی جلا کر میں جلدی سے اس کے قریب پہونچی۔ میز پر ایک کاغذ رکھا ہوا تھا جس پر "چور" لکھا ہوا تھا۔ شاید یہ کسی مضمون کا عنوان تھا۔ میں زرینہ کی عادت سے واقف تھی جب کبھی اس پر مضمون نویسی کا بھوت سوار ہوتا تو وہ بلا امتیاز دن و رات اس شغل میں منہمک ہو جایا کرتی تھی۔ بارہا آدھی آدھی رات کو وہ نیند سے بیدار ہو کر اس شغل میں منہمک پائی گئی۔ مگر اس وقت یہ بات میرے دھیان سے نکل گئی تھی۔ اس وقت چور کا خوف اس قدر غالب تھا کہ میرا دماغ بالکل مختل ہو گیا تھا۔ میں نے اس کا شانہ پکڑ کر زور سے ہلاتے ہوئے کہا" زرینہ آخر یہ تمہیں کیا سوجھا۔ تم نے تو مجھے پریشان کر دیا! شاید پھر فسانہ نگاری کا جنون سر پر سوار ہوا ہے جو رات گئے اپنی اور دوسروں کی نیند خراب کرنے آبیٹھیں؟ آخر چراغ روشن کیوں نہ کر لیا موم بتی روشن کر کے اندھیرے میں کیا کر رہی تھیں؟" زرینہ چونک اُٹھی۔ اور مجھے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ واقعی آپ کو تکلیف ہوئی معاف کیجئے میں نے آپ کو سوتا ہوا سمجھا اس لئے چراغ بھی روشن نہ کیا کہ کہیں آپ کی نیند میں خلل نہ ہو اتفاق سے مجھے بھی نیند نہ آئی میں نے آپ کی خواب گاہ کا چراغ دیر سے گُل ہوتے دیکھا تھا۔"

خوب اسی وجہ سے اندھیرے میں چور بن کر میرے دماغ پر مُسلط ہو گئیں۔ کم سے کم چراغ روشن کر لیتیں تو میں اتنی پریشان نہ ہوتی۔"

"معاف کرنا۔ افسوس ہے کہ مجھے آپکے ہوشیار ہونے کا علم نہ تھا۔ دراصل میں نے جب آپ کی خواب گاہ کی کھڑکی کے شیشے ٹوٹنے کی آواز سنی تو میں دیکھنے آئی۔ شیشوں کو فرش پر بکھرے ہوئے دیکھ کر میری طبیعت اس معمولی سے واقعہ کو افسانہ بنانے پر مائل ہوئی۔ آپ کی نیند میں خلل اندازی کے خیال سے چراغ روشن نہ کیا موم بتی جلا کر لکھنے بیٹھی لہذا اسی مناسبت سے میں نے اس کا عنوان چور رکھا اور یہ سوچتی رہی کہ اس کی ابتدا کس طرح کروں۔ اسی حالت میں مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا اور میں سو گئی۔" "پھر اب لکھ دو نا" میں نے طنزاً کہا۔ "دماغ میں اب تو آئے ہوئے خیالات بھی منتشر ہو گئے ہیں۔ اچھی باجی! لکھ دیجئے ابھی ابھی جو آپ پر گزری ہے وہ آپ ہی عنوان پر لکھ دیجئے۔" میں اس عجیب لڑکی کی عادت سے واقف تھی اس کے اس طرح لجاجت

# جموگا

خدائے پاک کا شکر ہے کہ زمانے نے بہت کافی ترقی کرلی ہے شرک وجہالت کی گھٹائیں چھٹ چکی ہیں۔ تعلیم نے لوگوں کی آنکھیں کھول دی ہیں مگر پھر بھی بعض باتیں ایسی دیکھنے میں آتی ہیں کہ حیرت ہوتی ہے اس سے پتہ چلتا ہے اب بھی بہت سے لکیر کے فقیر موجود ہیں اپنے خیال کے آگے ہر بات کو ہیچ سمجھتے ہیں۔ ایک واقعہ لکھتی ہوں جو آنکھوں سے دیکھا ہے۔

میری کوٹھی۔ کے قریب ایک مکان ہے اس میں شریف لوگ رہتے ہیں مجھکو رہتے ہوئے یہاں چار سال ہوگئے قریب قریب ہر سال سنتی رہی کہ پڑوسن کے یہاں لڑکا ہوا اور مر گیا بڑا افسوس ہوتا آخر ایک روز میں نے ان کی ساس کو بلا کر پوچھا کہ بچوں کو کون سی بیماری ہوجاتی ہے جو وہ مرجاتے ہیں۔ اُن بیوی نے جواب دیا "تھو تھو (واقعی تھوک کر) لے بیٹی بچوں کو جموگا ہوجاتا ہے"۔ میں نے کہا کہ "پھر علاج کیجئے"۔ بولیں "بیٹی۔ بھلا جموگے کا کیا علاج۔ بیماری ہو تو علاج کیا جائے اپنے مقدور بھر جھاڑ پھونک کی دولہن کو کچھ لے گئی مگر بچہ نہ زندہ رہا یہ ملا کر پانچ بچے ضائع ہوچکے ہیں"۔ غرض ایسی ہی باتیں کرتی رہیں میں نے لاکھ سمجھایا کہ یہ بیماری بلا نہیں واقعی بیماری ہے لیکن انہوں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ "بیٹی تم ابھی بچہ ہو تم کو کیا معلوم" میں سمجھ گئی بڑی بی ہیں بات کی پکی ان کو سمجھانے کا اثر کچھ نہ ہوگا۔

میں نے پوچھا "اچھا یہ تو بتایئے کہ آپ کے یہاں آنول کس چیز سے کٹتی ہے۔ کہنے لگیں "بیٹا میرے بچے نہ جیتے تھے کئی بچہ ضائع ہوئے جب یہ لڑکا ہوا تو میری ساس نے شیشہ کے ٹکڑے سے نال کٹوائی یہ اللہ رکھے زندہ سلامت رہا۔ میرے یہاں یہ ہی رسم چلی آتی ہے"۔ میں حیرت سے ان کا منہ تک رہی تھی۔ میں نے اُن سے تو کچھ کہا نہیں۔ بہو کو بلا کر سمجھایا کہ تم کیا غضب کرتی ہو اتنے بچے ضائع ہوچکے پھر بھی اس رسم پر قائم ہو تمہارے یہاں جو شیشے سے نال کٹتی ہے اسی سے بچے ضائع ہوجاتے ہیں۔ اب کے تم نئی عمدہ قینچی منگا کر رکھو۔ وقت پر اس کو گرم پانی میں ڈالا جائے۔ پھر اس سے کام لیا جائے" غرض سب ہدایتیں کردیں۔ ساس ناراض بھی ہوگئیں۔ مگر بہو نے میرے کہنے کے مطابق کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کے فضل سے ماشاءاللہ لڑکی زندہ ہے۔ جیتی جاگتی ڈیڑھ سال کی گڑیا ہے۔ شہروں میں تو ایسے واقعات بہت کم ہوتے ہیں مگر نانپارہ جیسی جگھوں میں بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ یہاں نہ نرسیں ہیں نہ لیڈی ڈاکٹرز اور نہ سند یافتہ دائیاں۔ مگر پڑھی لکھی روشن خیال بہنیں جاہل لوگوں کو فائدہ پہونچا سکتی ہیں اس سے ان کو ثواب عظیم ہوگا۔

جموگا ہے کیا یہ ایک زہریلی بیماری ہے۔ یہ صرف چند دنوں کے بچوں کو ہوتی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ ناف پکنے کا یہ ہی زمانہ ہوتا ہے اگر آنول کاٹنے میں کچھ خرابی ہوجاتی ہے تو اس سے یہ مرض ہوتا ہے۔ شیشہ سے یا زنگ دار چاقو سے یا گرم پانی میں کافی دیر تک قینچی ڈالے بغیر آنول کاٹا جائے تو زہریلا اثر پیدا ہوجاتا ہے۔ اگر بچہ طاقتور ہے تو ناف پک پکا کر اچھی

ہوجاتی ہے اور بچہ برداشت کرلیتا ہے اگر بچہ کمزور ہوتا ہے
اور اُس کے جسم میں زہریلا مادہ موجود ہے تو یہ ہی زیادتی
پکڑ لیتا ہے اس سے بچہ ختم ہوجاتا ہے قینچی صاف ہونی چاہئے
کہ کسی قسم کے جراثیم اندر نہ داخل ہوسکیں ۔

اس بیماری میں بچہ کا رنگ بدلتا ہے یعنی کبھی بچہ بالکل
زرد ہوجاتا ہے کبھی سفید جیسے جسم میں ایک بوند خون کی نہیں
اور کبھی بالکل نیلا ہوجاتا ہے جس کو جاہل لوگ بلا سے تشبیہ
دیتے ہیں لیکن یہ وہ مادہ ہے جو ناف سے گذر کر تمام جسم کے
خون میں پھیل جاتا ہے یہ زہرباد کی صورت اختیار کرلیتا ہے
اس کی تکلیف خدا کی پناہ اس تکلیف کو بچہ برداشت نہیں
کرسکتا ہے وہ بسبب تکلیف رنگ بدلتا ہے جس کو لوگ بھوت
بلا سے تعبیر کرتے ہیں۔

اکثر لوگوں کے یہاں پہلے بچہ کی جو قینچی وغیرہ ہوتی ہ
اس کو بطور رسم استعمال کرتے ہیں۔ ایسا نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ
اس میں زنگ ہوجاتا ہے اس سے بھی جراثیم پیدا ہوجاتے ہیں
ناف کاٹنے کے بعد ذرا سا نوسادر اور پھٹکری ہموزن پیس
ناف پر لگائیں بہت خفیف سا ناف کے اندر پہونچا دیں تو تا
عمر بچہ چیچک سے محفوظ رہتا ہے۔

مسز حمید لکھنو



بقیہ صفحہ ۳۰۴)
ڈال دیتی ہیں۔ اس طرح قیمتی سے قیمتی کپڑا بیکار ہوجاتا
ہے۔ اگر معمولی لکس سوپ میں گرم پانی سے اچھے کپڑے خود
دھولیں تو کپڑا زیادہ دن چلے۔

ہر کپڑے کو خواہ وہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو۔ ٹھیک
سینا سیکھیں۔ اور جہاں تک ممکن ہوسکے کفایت شعاری
کو کام میں لاکر عقلمندی کا ثبوت دیں۔ ہم کو یہ سوچنا اور
سمجھنا چاہیئے کہ بیچارے ہندوستان میں رہ کر دولتمند
ہونا مشکل ہے یہی غنیمت ہے کہ مفلسی سے بچنے کی کوشش
کریں۔

شفیق بانو

# ہمارا لباس

شاید دنیا میں ہندوستان ہی ایسا ملک ہے جہاں مختلف قسم کا لباس استعمال کیا جاتا ہے ورنہ دوسرے تمام ملکوں میں کسی خاص قسم کا ایک ہی وضع قطع کا لباس مروج ہے۔ مثلاً یورپ کی ہر عورت فراک چین میں پتلون نما پاجامہ کوٹ استعمال ہوتا ہے۔ عرب میں بھی یکساں طریقہ سے لباس پہنتے ہیں۔ لیکن ہم ہندوستانی عورتیں اس معاملہ میں بہت پیچھے ہیں۔ اگر کسی محفل میں آپ اصلاحی نظر سے دیکھیں تو ایسا معلوم ہوگا گویا رنگ برنگ کی تتلیاں ہیں کچھ بہنیں جارجٹ کی ساڑھیاں باندھتی ہیں تو کچھ بہنیں ریشمی پاجامے کلی دار پہنتی ہیں۔ اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ سر سے پاؤں تک قیمتی کپڑوں میں ملبوس ہوں اور جنت کی حور بھی سامنے آجائے تو شرما کر منہ پھیرے لیکن ہماری بہنیں ذرا غور کریں کہ آج کل شاہی زمانہ کا ٹھاٹھ دار لباس کیونکر ساتھ دے سکتا ہے جبکہ مالی حالت بہت گر گئی اور ہر شخص اپنی اپنی جگہ پریشان ہے۔ بیکاری ملک بھر میں وبا کی طرح پھیلی ہوئی ہے اور بڑے بڑے گھرانوں کے تعلیم یافتہ مرد بیکار ہیں۔ اور صورت حال یہ ہے کہ روٹی دال چلنی بھی مشکل ہے۔ اس زمانہ سے تو وہ "جہالت کی تتلیاں" ہی غنیمت تھیں جو وقت و موقعہ کا خیال رکھتی اور اتنی دور اندیش تھیں کہ کھانے پینے وقت میں آمدنی کا بیشتر حصہ جمع کر کے زیور۔ برتن۔ زمین۔ مکان وغیرہ بنوا لیا کرتی تھیں معمولی لباس ہوتا تھا جیسا کہ آج کل کے زمانہ میں کھانے پکانے والی ماماؤں کا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہندوستانی بیبیاں سادے کپڑے پہننے اختیار کریں۔ اور جو کپڑے وہ بہنیں اپنے ہاتھ سے سی کر استعمال کریں یہ بڑا ظلم ہے کہ معمولی معمولی حیثیت کے گھرانوں میں اس شان سے کپڑے سلوائے جائیں کہ اگر کپڑا ایک روپیہ بارہ آنہ کا ہو تو بلاؤس یا قمیص کی سلائی دو روپے چار آنے دی جائے۔ میرا خیال ہے کہ اس زمانہ میں اس فیشن پرستی اور ناعاقبت اندیشی نے ہی گھروں میں نفاق کی بنیاد پختہ کر دی ہے۔ بھلا بیچارے ہندوستان میں اس قدر کہاں طاقت کہ وہ فیشن کا مقابلہ کرے۔ لباس کے متعلق یہ طے کرنا ضروری ہے کہ آیا کتنی بہنیں ساری پسند کرتی ہیں اور کتنی بہنیں پاجامہ کرتا؟ چونکہ محفلوں میں عام طور پر ساری استعمال کی جاتی ہے۔ تو پھر یہ ہونا چاہیئے کہ کچھ ساریاں ایسے کپڑے کی جو دھل سکے ہلکے رنگ کی بنا لی جائیں۔ میرے نزدیک دیسی سلک جو ڈبل عرض ایک روپیہ اور چودہ آنہ گز ملتا ہے وہ بہت موزوں ہے اور گھر میں پہننے کے لئے ڈیڑھ دو روپے کی سفید ساریاں جن کے بورڈر رنگین ہوتے ہیں۔ بلاؤز۔ بیٹی کوٹ اپنے ہاتھ سے تیار کریں۔ بچوں کا لباس بھی کھدر کریب کے ہلکے رنگوں کا بنائیں اور صفائی سے سیئیں۔ باہر جانے کے لئے جاپانی سلک یا فیوجی سلک کے کپڑے سی لیں۔ لیکن ذرا سلیقہ کی ضرورت ہے۔ کپڑا خواہ معمولی ہو۔ رات کا لباس الگ رکھیں نائٹ گون یا ڈھیلا پاجامہ قمیص سادہ کافی ہیں۔

اچھا کپڑا پہننا تو آسان ہے لیکن اس کی حفاظت مشکل ہے۔ اکثر بہنیں میلا ہونے پر غسل خانہ میں یا کسی کونہ میں

(بقیہ بر صفحہ ۳۰۳ پر)

# مفید مشورہ

متوسط الحال اور کم استطاعت بہنیں جہاں روزمرہ دوسرے کام کرتی ہیں وہاں اگر تھوڑا سا وقت (مرغی خانہ یعنی Poultry) پر بھی صرف کریں تو نہایت مفید ثابت ہوگا۔ صرف ان دو نسلوں (کالی مینارکہ Black minorca یا سفید لیگہارن White leghorn) میں سے ایک نسل کا جوڑا خرید کر جو بالعموم دس بارہ روپیہ میں مل سکتا ہے پالا جائے اور ان دو نسلوں کے انڈوں کی تعداد ایک سال میں (۲۵۵) ہے۔ یعنی ایک مرغی سال بھر میں اس قدر انڈے دیتی ہے۔ جن میں سے پچیس انڈے بٹھا کر بچے نکلوا لئے جائیں۔ اس طرح ہر بہن کے یہاں ایک جوڑے سے ۲۷ پرند ہو جائیں گے۔ اگر وہ فروخت کئے جاویں تو پانچ روپے فی پرند کے حساب سے ایک سو پچیس ۱۲۵ کے فروخت ہوں گے بقیہ (۲۳۰) انڈے فروخت کر دئے جائیں۔ اگر ایک آنہ انڈے کے حساب سے بھی فروخت کیا گیا تو چودہ روپے چھ آنے کے انڈے ہی انڈے فروخت ہو جائیں گے۔ گویا ہر بہن دس ۱۰ روپیہ کا ایک جوڑہ خرید کر سال بھر ایک سو چالیس ۱۴۰ حاصل کر سکتی ہیں۔ خرچ خوراک ہر بہن کے مکان کی۔ آٹے کی بچی ہوئی بھوسی۔ بچے کھچے روٹی کے ٹکڑے۔ اناج کی پھٹکن۔ ان کے واسطے کافی ہوگی۔ اسی طرح اگر دو تین مُرغیاں یا کم ازکم چار مرغیاں اور ایک مرغ پال کیا جائے تو نہیں حساب لگالیں کہ کس قدر نفع ہو سکتا ہے۔ اسی صورت سے ہر ولائتی نسل کا اندازہ لگا لیا جاوے۔ مرغیوں کی بہت سی ایسی نسلیں ہیں جن کا انڈا دو ۲ روپیہ فی عدد کے حساب سے فروخت ہوتا ہے۔ مگر میں بہنوں کو یہی مشورہ دوں گی کہ سب سے زیادہ نفع بخش یہی دو نسلیں ثابت ہوئی ہیں۔ دیگر نسلیں خوبصورتی اور نمائشی غرض کے واسطے ہیں۔ میں نے گذشتہ سال سے اس شوق کو شروع کیا ہے اور کافی نفع حاصل کیا۔

ہم کو روزانہ تازہ انڈا وزن میں ایک چھٹانک سے زیادہ اپنے اور بچوں کے واسطے کھانے کو مل جاتا ہے۔ کم ازکم ۲/ ۱۴ جو ہمارے بچے خرچ کر دیتے ہیں ان کی کفایت ہوتی ہے۔

اسی طرح اگر کافی غور کیا جائے تو نفع ہی نفع ہے۔ اگر زیادہ واقفیت حاصل کرنا چاہتی ہیں تو مس فاکس صاحب کی کتاب۔ سکریٹری صاحب۔ یو۔ پی۔ پی۔ اے ۱۱ سلطان پور روڈ۔ لکھنؤ۔ سے طلب کر سکتی ہیں۔ جو ہر زبان میں شائع ہوئی ہے بہنیں جہاں خانہ داری کے اور کام کاج کرتی ہیں وہاں اس شوق (کام) کو بھی شروع کر دیں۔ دوسرا طریقہ کفایت کا انڈے خرید کر بچے نکلوانے کا ہے۔ جو کہ ہر پولٹری فارم سے ۸/ فی انڈا کم سے کم قیمت پر دستیاب ہو سکتا ہے۔ اگر اس کو شروع کریں تو منیجر صاحب۔ علیگڈھ پولٹری فارم علیگڈھ سے معلومات حاصل کریں۔ یہاں عمدہ سے عمدہ پرندکی بہت عمدہ نسلیں ہیں اور قیمت بھی کم ہے۔

اختر بانو۔ اہلیہ عبدالرحیم صاحب۔ علی گڈھ

# منظوم ترجمہ قرآن مجید

(از حضرت آغا شاعر قزلباش دہلوی)

سورہ بقر پارہ پہلا رکوع ۱۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ

اور ملّتِ خلیلی سے کون پھر سکے گا ؟

لیکن وہی کہ جس نے آپ کو کچھ نہ سمجھا

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

البتہ ہم نے اُس کو دنیا میں چُن لیا ہے

اور آخرت میں بھی ہے بیشک وہ صالحین سے

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

فرمایا اُس کے رب نے جب یہ مطیع بن جا

اُس نے کہا میں بندہ ہوں رب العٰلمین کا

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ

اور کی خلیلؑ و یعقوبؑ نے اس طرح نصیحت

بیٹوں کو اپنے تھی اُن کی یہ وصیت

يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ

بیٹا (یہ یاد رکھنا رہنا نہ اس سے قاصر)

اس دین کو چنا ہے رب نے تمہاری خاطر

فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

پس تم نہ مرنا ہرگز۔ لیکن مطیع مرنا

مسلم ہو تم (یقیناً توحید پر گذرنا

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ

موجود تھے تم اُس دم یعقوبؑ جب مرے ہیں!

بیٹوں سے جب اُنھوں نے الفاظ یہ کہے ہیں

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ

تم میرے بعد آخر کس کی کرو گے طاعت ؟

(کس کی پرستشوں کو سمجھو گے تم عبادت؟)

قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ

وہ بولے ہم تمہارے معبود کے ہیں بندے

پوجیں گے ہم اُسی کو تم جس کو پوجتے تھے

وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ

اور وہ خدائے واحد اپنا بھی آسرا ہے

تم اور تمہارے باپ اور دادا کا جو خدا ہے

وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝

اور ہم ہیں اُس کے بندے ہیں تابعدار اُس کے

(مسلم ہیں ہم یقیناً طاعت گذار اُس کے)

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ

وہ بھی تھی ایک امت۔ گذری گیا زمانہ

(جو رہ گیا ہے باقی۔ اعمال کا فسانہ

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ

اُن کا کیا ہے اُن کا جو کر گئے وہ سارے)

اور تم نے جو کمایا ہے واسطے تمہارے

وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

(اپنی نبیڑو اپنی بکرنی کو پاؤ گے تم

اُن کے کئے کی بابت پوچھے نہ جاؤ گے تم

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا

اور کہتے ہیں وہ تم سے ہو جاؤ تم یہودی

بن جاؤ یا نصاری جب روشنی ملے گی

قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا

تم کہدو بلکہ سچی ملت خلیل کی ہے

(اپنا یہی طریقہ اخلاص ہے اسی سے)

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

پکے تھے وہ موحد وہ مشرکوں سے کب تھے؟

(یہ حق ہے دین اُن کا سچے ہیں سب طریقے)

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا

کہدو کہ اپنے رب پر ایمان ہے ہمارا

اور جو کہ ہم پہ اُترا (اُس پر یقین ہے سارا)

وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ

اور جو خلیل لائے یعقوب اور سماعیل

اسحاق اور اسباط سب پر ہوا جو نازل

وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ

موسیٰ کو جو ملا ہے عیسیٰ کو جو ہے بخشا

اور جو کہ اور نبیوں کو اُن کے رب سے پہنچا

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ

ہم کو نہیں جدائی اُن میں سے ایک میں بھی

(سب تھے نبی برحق سب کی پکار سچی)

وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝

اور ہم ہیں اُس کے بندے، ہیں تابعدار اُسکے

(مسلم ہیں ہم یقیناً طاعت گذار اُس کے)

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ

پس جو وہ لائیں ایماں (ایسا اسی طرح سے)

جس طرح سے کہ اُس پر ایمان تم ہو لائے

فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۝

تو بیشک اُن کو (بیشک) حاصل ہوئی ہدایت

پھر جائیں پھر اگر وہ تو پھر وہی بغاوت

فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

کافی ہے بس خدا ہی اُن سے بچانے والا

اور وہ ہے سننے والا گر جانتا ہے سب کا

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً

یہ رنگ ہے خدا کا (سب سے سوا رنگیلا)

اور کون اس سے بہتر ہے ہم کو رنگ سکتا

وَنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۝

ہم تو اُسی کے بندے اُس کو ہی پوجتے ہیں

(سب اُس کی مورتیں ہیں نقشے اُتر رہے ہیں)

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ

تم کہدو کیا ہے حجت رب کے لئے (عجب ہے)

وہی ہمارا رب ہے وہی تمہارا رب ہے

# بچوں کے لئے پیشہ کا انتخاب

(سلسلہ کے لئے عصمت بابت مارچ ۱۹۳۹ء ملاحظہ فرمائیے)

**موجودہ پارچہ بافی کی عام فضا:**— جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے، ہندوستان کی پارچہ کی صنعت کو حکومت سے بہت کچھ نقصان پہونچا۔ بلکہ قریب قریب یہ فنا ہوگئی۔ ہندوستان کی روئی جسے سفید اقوام "سفید اون" کے نام سے موسوم کرتی تھیں جب انگلستان کوڑیوں کے مول جانے لگی تو وہاں ہندوستان کا ساختہ کپڑا آنا ۱۷۰۰ء میں قانوناً بند کردیا گیا۔ اس طرح یورپ میں پارچہ بافی کی ترقی اور ہندوستان میں بربادی کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ ہندوستان میں گجرات بمبئی اور بنگال کے نواح میں بکثرت روئی کاتی جاتی تھی اور گھر گھر کپڑا بنا جاتا تھا اور انفرادی طور پر اس سے تمام کاریگر خوش تھے۔ مگر انگلینڈ کے سستے کپڑے کی درآمد نے ان کے کاروبار کو سخت ٹھوکر لگائی اور غریب اس کام کو چھوڑنے پر مجبور ہوگئے۔ انگلینڈ میں پہلی مرتبہ فیکٹری سسٹم قائم کیا گیا۔ جو بہت مفید ثابت ہوا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ارزاں کپڑا تیار کرکے باہر خصوصاً ہندوستان بھیجنے لگا تھا۔ ہندوستان میں حکومت نے اس کو روکنے میں پہلوتہی کی۔ یہاں تک کہ ہندوستان کی مقبول عام پارچہ کی صنعت نے دم توڑ دیا۔ انگلینڈ کی فیکٹری سسٹم کے نمونہ پر ۱۸۵۶ء میں بمبئی میں ایک کپڑے کی مل قائم کی گئی جس کی کوششیں ۱۸۳۸ء میں شروع کی گئی تھیں۔ پھر کچھ عرصہ بعد یکے بعد دیگرے ناگپور، شولاپور، بمبئی اور احمدآباد میں بہت سی ملیں قائم ہوگئیں۔ ان کی تعداد ۱۹۳۳ء تک ساڑھے تین سو کے قریب پہونچ گئی تھی۔ (اس کے بعد سے ابتک ان میں کافی اضافہ ہوا ہوگا) یہ سن کر آپ کو تعجب ہوگا کہ باوجود اس کے کہ اتنی ملیں اس وقت قائم ہیں اور انفرادی طور پر بھی گھریلو صنعت کے طریقہ پر بے شمار شہروں اور قصبوں میں کپڑا بنا جاتا ہے مگر ہندوستان کی ضرورت پوری نہیں ہوتی اور ہر سال پچاس ساٹھ کروڑ روپیہ کا کپڑا بیرون ممالک سے آتا ہے۔ یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ اگرچہ ہندوستان نے بہ نسبت انیسویں صدی کے اس وقت پارچہ بافی کی صنعت میں کافی ترقی کرلی ہے اور مضبوط سے مضبوط کپڑا بھی بنا جانے لگا ہے مگر محاسن کے لحاظ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ابھی ہندوستان اچھا اور فیشن ایبل کپڑا تیار کرنے میں دیگر ممالک سے بہت پیچھے ہے۔ انگلینڈ کے کپڑے کے متعلق خود اس ملک کا دعوےٰ ہے کہ اس کے یہاں دیگر ممالک سے بہترین کپڑا تیار کیا جاتا ہے جس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس کے یہاں صنعت پارچہ بہت پرانی ہے اور کتائی و بنائی Weaving کے کام اس ملک میں پشت در پشت چلے آتے ہیں۔ اس لئے یہ ہنر وہاں کے کاریگروں کے خون میں داخل ہوگیا ہے۔ اور کاریگر اپنے کام میں کافی تجربہ کار اور ماہر ہونے کی وجہ سے عمدہ کپڑا بنتے ہیں۔

یہی جملہ خصوصیات ہندوستان میں بھی بدرجہ اتم موجود ہیں۔ یہاں سینکڑوں خاندان ایسے ماہر موجود ہیں جن کے یہاں نسلاً در نسلاً یہ کام ہوتا چلا آیا ہے۔ سی پی میں برہان پور وغیرہ کی طرف اب بھی ہزاروں ایسے قابل جلاہے موجود ہیں مگر غریب بےکاری سے تنگ آکر دوسرے کاموں میں لگ گئے۔ اگر ہندوستان کے تعلیم یافتہ اور سرمایہ دار نوجوان باہر سے پارچہ بافی کی مکمل صنعت سائنٹفک طریقہ پر سیکھ کر آئیں اور اپنی ذاتی ملیں کھولیں اور یہاں کے پرانے جلاہوں کو چن چن کر کام پر لگائیں تو اس میں بھی شبہ نہیں کہ ہندوستان قابلِ رشک ترقی کرنے لگے۔ یہ صحیح ہے کہ برٹش حکومت کا روڑا صنعت پارچہ کی ترقی میں بُری طرح حائل ہے۔ مگر پھر بھی انتہائی کوشش اور ریسرچ سے بہت کچھ اس مظلوم صنعت کی حالت سدھر سکتی ہے۔

**پیشوں کے لئے موقعے:**— ہم بیان کرچکے ہیں کہ ایک صنعت کے شروع ہونے سے اس میں سے بیسیوں شاخیں دوسری صنعتوں کی نکل آتی ہیں۔ پارچہ بافی کی صنعت سے بھی کئی ایسے کام متعلق ہیں جن میں ہر ایک مستقل پیشہ کی حیثیت رکھتا ہے، ہر ایک پیشہ کے

لئے سائنٹفک مہارت اور قابلیت ضروری ہے۔ مثلاً انجنیرنگ اور ٹیرنگ کتائی بنائی weaving رنگائی چھپائی۔ سائزنگ۔ پلٹنگ۔ بلیچنگ اور مصوری وغیرہ۔ اور ان تمام کاموں کے ماہرین کی مشترکہ قوت سے ایک بڑی مل چلتی ہے جس کی روزانہ پیداوار ہزاروں روپیہ کی ہوتی ہو۔

**تعلیم :۔** پارچہ بافی کی صنعت کی تعلیم کا ہندوستان میں تو کہیں معقول انتظام نہیں ہے۔ صرف چھوٹے چھوٹے اسکول کئی جگہ قائم ہیں مثلاً آگرہ۔ بلندشہر۔ امرتسر۔ لدھیانہ۔ جہاں معمولی سادہ کپڑا (کھدر) بُننا سکھایا جاتا ہے۔ مگر اعلیٰ سائنٹفک تعلیم کا کہیں انتظام نہیں ہے۔ ایک دو اسکول احمدآباد میں اور بمبئی میں ہیں۔ جہاں پارچہ بافی کا کچھ اچھا کام سکھایا جاتا ہے۔ مگر دقت یہ ہے کہ یہاں کی تعلیم بھی پارچہ بافی کی صنعت کی تمام ضروریات پر حاوی نہیں ہوسکتی۔ علاوہ ان مخصوص درسگاہوں کے ہندوستان میں اس صنعت کی معمولی تعلیم حاصل کرنے کا دوسرا ذریعہ یہ ہے کہ بطور امیدوار (اپرنٹس) کسی مل میں کام کیا جائے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ پہلے اس صنعت کے ابتدائی اصولوں سے کسی پارچہ بافی کے مدرسہ میں داخل ہو کر پوری واقفیت حاصل کر لی جائے۔ ہوزیری کا تمام تر کام جو بہت آسان ہے گورنمنٹ ہوزیری اسکول لدھیانہ میں سیکھا جاسکتا ہے۔ مگر اس کی اعلیٰ تعلیم کا یہاں بھی انتظام نہیں ہے۔ ہر دو صنعتوں کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے فی الحال جرمنی یا جاپان جانا پڑے گا۔ وہاں کے سند یافتہ شخص کو یہاں کی ملوں میں معقول جگہ مل سکتی ہے یا ذاتی مل قائم کی جاسکتی ہے۔ انگلینڈ میں بھی اگرچہ اس صنعت کی باقاعدہ درسگاہیں نہیں ہیں۔ لیکن وہاں مانچسٹر اور لیڈس میں جو برطانیہ میں پارچہ کی صنعت کے بڑے مرکز ہیں چند ایسے فنی ٹیکنکل کالج ہیں جن میں فنون مذکورہ پر شام کی خواندگی اور عملی تعلیم کا انتظام ہے۔ لندن میں سٹی کالج آف لندن بھی اسی قسم کی جماعتیں مہیا کرتا ہے۔

**آمدنی :۔** پارچہ بافی کی صنعت میں صرف اعلیٰ تعلیم یا سند یافتہ کاریگروں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بلکہ متوسط قابلیت کے لاتعداد مرد عورتیں اور بچے بھی اس میں کھپ جاتے ہیں۔ اس وقت بمبئی احمدآباد۔ شولہ پور۔ سورت۔ کالی کٹ۔ ناگپور اور مدراس وغیرہ میں ہزارہا معمولی قابلیت کے لوگ ملوں میں لگے ہوئے ہیں۔ بمبئی احمدآباد اور شولہ پور کی ملوں میں مزدوری کی ماہوار اجرت سنہ ۱۹۲۶ء کی سرکاری رپورٹ کے مطابق مندرجہ ذیل ہے۔

| جنس وعمر | بمبئی | احمدآباد | شولاپور |
|---|---|---|---|
| | پائی - آنہ - روپیہ | پائی - آنہ - روپیہ | پائی - آنہ - روپیہ |
| مرد | ۴۴ - ۳ - ۶ | ۳۸ - ۸ - ۶ | ۲۶ - ۱۰ - ۲ |
| عورت | ۲۰ - ۴ - ۶ | ۲۰ - ۱۵ - ۳ | ۱۱ - ۶ - ۷ |
| بچے | ——— | ۹ - ۴ - ۶ | ۶ - ۱۳ - ۱۰ |
| ہمہ نوجوان | ۴۰ - ۴ - ۶ | ۳۵ - ۰ - ۳ | ۲۴ - ۶ - ۱ |

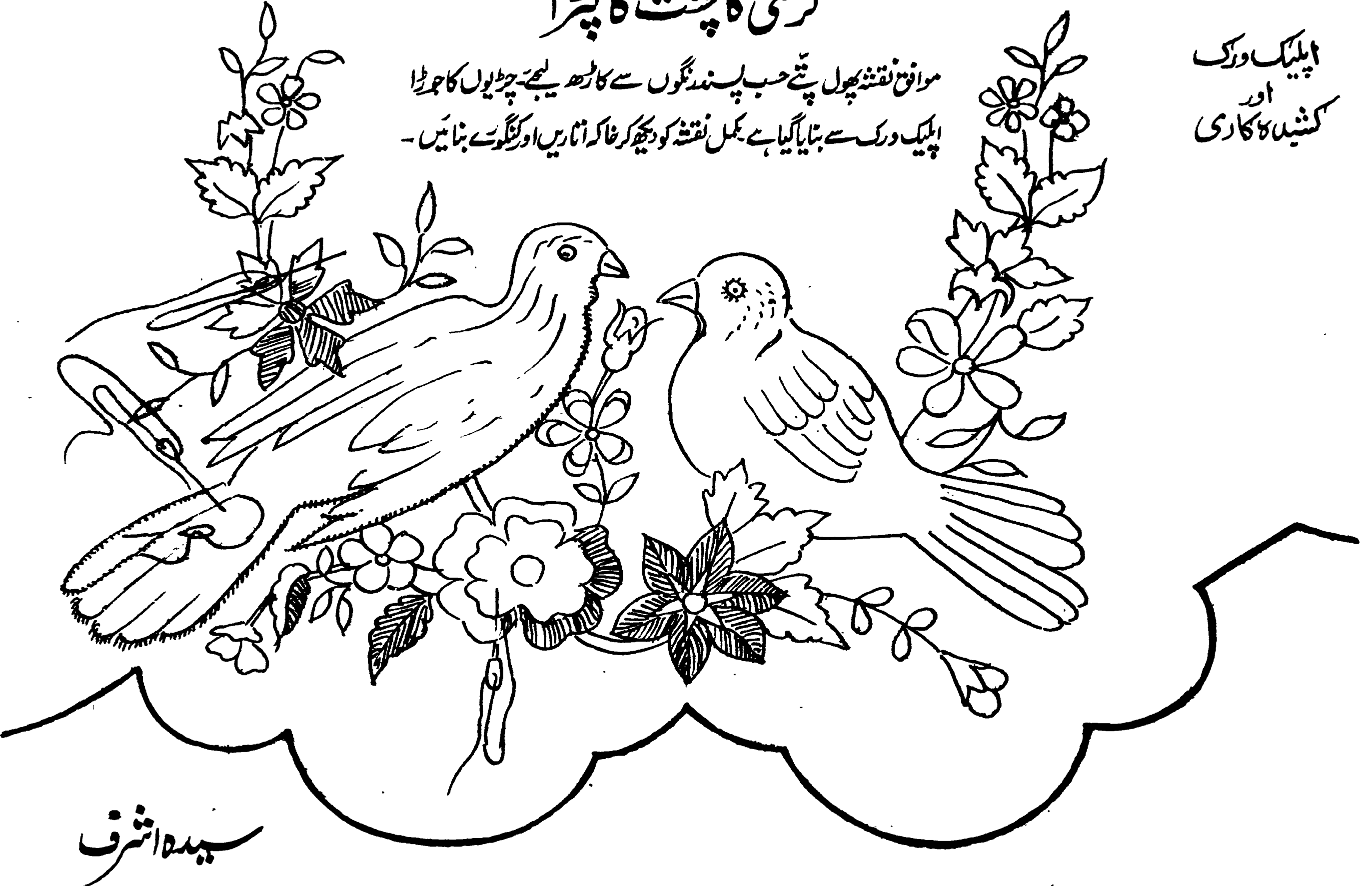
علاوہ اس کے ان ملوں میں مستریوں اور کاریگروں کو کام یا قابلیت کے لحاظ سے جو اجرت دی جاتی ہے اس کا معیار ایک روپیہ سے چار روپیہ فی کس یومیہ ہے۔ مثلاً ہیڈ جابر (بڑے مستری) کو بمبئی میں ۴ روپے ۴ آنے ۹ پائی۔ احمدآباد میں ۳ روپے ۱۱ آنے ۸ پائی۔ شولہ پور میں ۱ روپیہ ۱۱ آنے ۵ پائی دیے جاتے ہیں۔ انجن ڈرائیور کو بمبئی میں ۱ روپیہ ۱۴ آنے ۱۰ پائی اور احمدآباد میں ۱ روپیہ ۱۴ آنے ۱ پائی اور سولہ پور میں ۱ روپیہ ۱۱ آنے ۵ پائی یومیہ دیے جاتے ہیں۔ خرادی۔ نجار اور لوہار کو ۱ روپیہ ۴ آنے ۲ پائی۔ ۱ روپیہ ۶ آنے ۲ پائی اور ۱ روپیہ ۶ آنے ۲ پائی اور ۱ روپیہ ۱۰ آنے ۱ پائی یومیہ کے قریب قریب ادا کئے جاتے ہیں۔ دوسرے صوبوں کی ملوں کی اجرتیں مندرجہ بالا مقامات سے ۱۵ سے پچاس فیصدی تک کم ہوں گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گورنمنٹ ہر صوبہ یا ضلع کے عام معیشتی معیار اور اشیاء خوردونوش کے موجودہ نرخ کے لحاظ سے مزدوروں اور ملازمین کی تنخواہیں یا اجرتیں مقرر کرتی ہے۔ گورنمنٹ کے قائم کئے ہوئے معیار کی پابندی کارخانوں اور ملوں پر فرض ہے۔ علاوہ اس کے ہر دوسرے تیسرے سال ملوں کے کامگاروں کی اجرتوں میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ اگر کسی مل کے نصف سے زیادہ کامگار متفقہ طور سے اجرتیں بڑھانے کا مطالبہ کریں تو گورنمنٹ انکے مطالبہ کو حق بجانب قرار دیگی ٭

سید رضا احمد جعفری اکبرآبادی۔

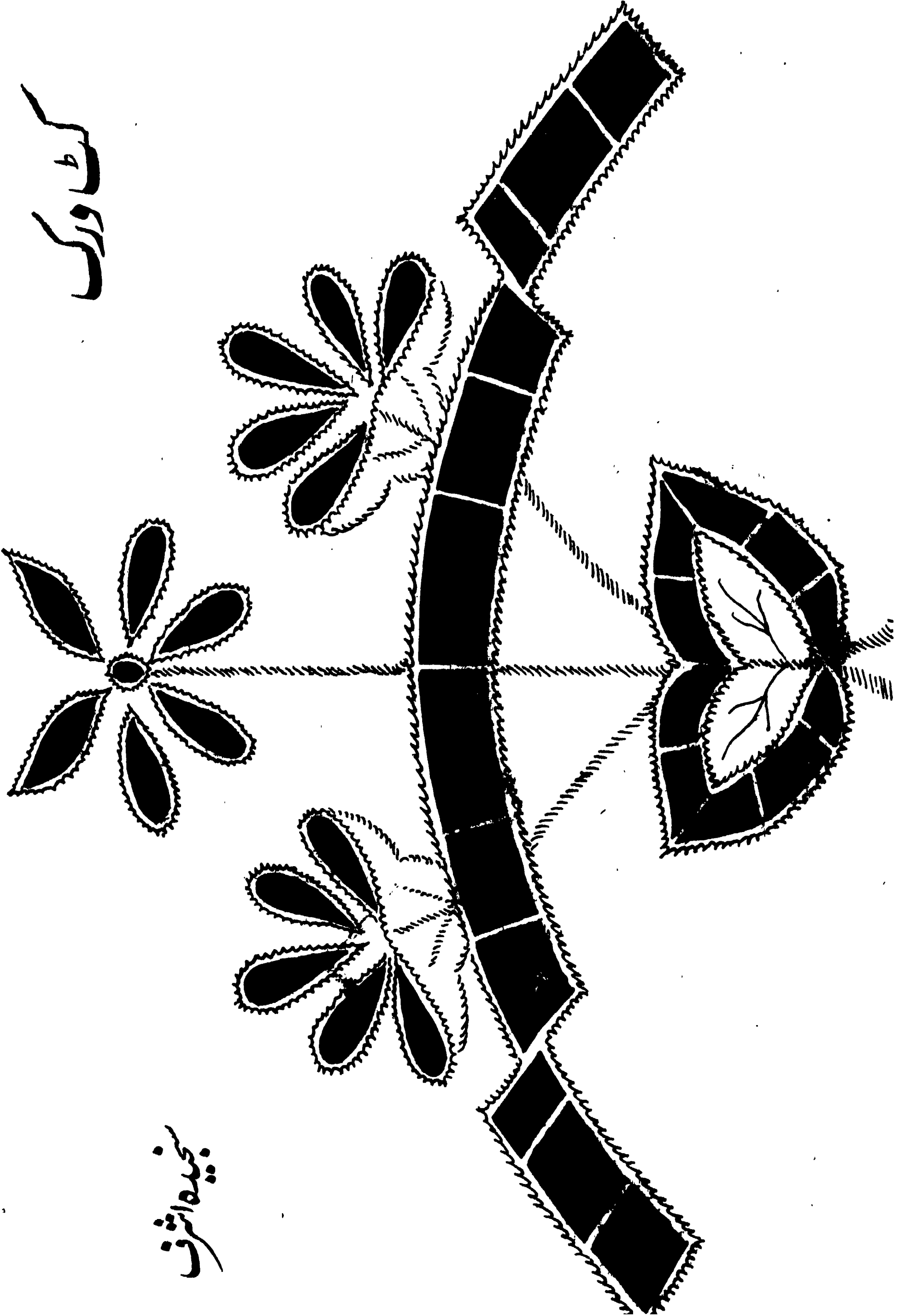
اپلیک ورک
اور
کشیدہ کاری

# کرسی کا پشت کا کپڑا

موافق نقشہ پھول پتے حسب پسند رنگوں سے کاڑھ لیجیے۔ چڑیوں کا جوڑا اپلیک ورک سے بنایا گیا ہے۔ مکمل نقشہ کو دیکھ کر خاکہ اتاریں اور کنگورے بنائیں۔

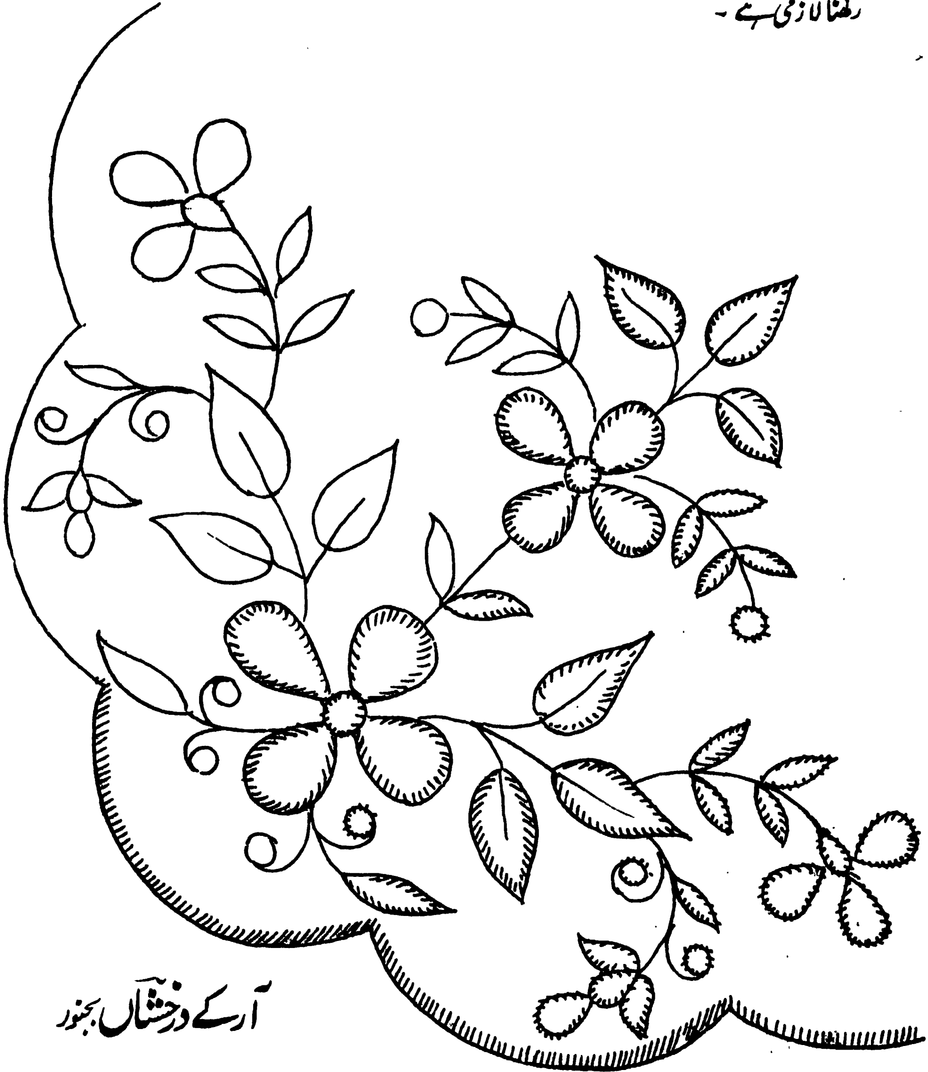


سیدہ اشرف


کٹ ورک
نجیبہ اشرف

# ہول ورک کا کونہ

یہ کونہ ٹیبل کور وغیرہ کے لئے موزوں ہے۔ ڈی ایم سی بال نمبر ۲۰ سے کاڑھئے۔ درمیانی کپڑا باریک تیز نوکدار مقراض سے تراش دیجئے۔ صفائی کا خیال مد نظر رکھنا لازمی ہے۔



آر کے درخشاں بجنور

# خانہ داری

## جس میں سنگھار و آرائش بھی شامل ہے

**چہرہ کی اصلاح** جب چہرہ کی جلد ڈھیلی پڑ جائے تو چہرہ کتنا ہی خوبصورت ہو بُرا معلوم ہونے لگتا ہے۔ عورتوں کو افکار وقت سے پہلے بڑھیا کر دیتے ہیں۔ آنکھوں پر دل پر بوجھ چہرہ پر اثر ڈالتا ہے۔ اور وہ تھکا ہوا معلوم ہوا کرتا ہے۔ سنگھار ان نقائص کو چھپاتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات دُور بھی کر دیتا ہے۔ باچھوں کا جھکاؤ گالوں کا ڈھیلا پن اور آنکھوں کے نیچے پھولا ہوا گوشت چھپایا جاسکتا ہے۔ بلکہ محنت سے دُور بھی کیا جاسکتا ہے۔ برف کپڑے پر لپیٹ کے چہرہ پر تھپکی دار حرکت کو اوپر کی جانب رکھ کے ملیں جلد کا ڈھیلا پن دور کرنے میں اس سے بڑی مدد ملتی ہے۔ اگر جلد ڈھیلی نہ ہوئی ہو تو ڈھیلی ہونے نہیں پاتی۔ اگر ڈھیلا پن نمودار ہو گیا ہے تو مسلسل مالش سے جلد اس قدر کھنچ جائے گی کہ ڈھیلا پن جاتا بھی رہتا ہے۔ ٹھنڈا تولیہ یا برف تولیہ میں لپیٹ کر ملنے سے بھی یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ جلد کے ڈھیلے پن کی جانچ باچھوں سے کریں۔ اگر وہ جھکنے لگی ہیں فوراً خبردار ہو جائیں۔ کیونکہ حسن و دلکشی کی یہ بدترین دشمن ہیں۔ باچھوں کے برابر ذرا ذرا گوشت کا اُبھار ہوتا ہے۔ اس سے جلد کا جھکاؤ بڑھ جاتا ہے۔ پوڈر لگاتے وقت عورتیں اس اُبھار کو بھول جاتی ہیں۔ جب ہونٹوں کا روژ (سرخی) ان پر لگانے سے اور بھی غضب ہو جاتا ہے۔

درست طریقہ یہ ہے کہ منہ اس طرح کھول لیں کہ باچھیں کھنچ جائیں۔ اب پوڈر صاف اور ہموار لگایا جاسکتا ہے۔ لاکھا (لپ سٹک) lip-stick نچلے ہونٹ پر لگاتے ہوئے اوپر کے ہونٹ سے خفیف سا باہر لے جائیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اوپر کا ہونٹ کچھ لٹک جانے سے نچلا ہونٹ دب جاتا ہے۔ اور اس سے اس جگہ گوشت کا جھکاؤ معلوم ہوا کرتا ہے۔ اس طرح بالائی ہونٹ کے چھوٹا دکھائی دینے سے یہ جھکاؤ نظر آنا بند ہو جاتا ہے۔ لیکن یاد رکھئے کہ لپ سٹک کو کسی حالت میں ان گوشت کی پوٹلیوں پر نہ جانے دیں سنگھار سے رخساروں کا جھکاؤ چھپایا جاسکتا ہے دُور نہیں کیا جاسکتا۔ بنیادی کریم پر پوڈر اور روژ rouge پٹھوں کے ڈھیلے پن کو خفیف کر دے گا۔ چونکہ روژ رنگ پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اسے خوبی سے لگانے سے رخسار کے سارے حصہ کا ڈھیلا پن دبایا جاسکتا ہے۔

جلد تازہ کرنے والی skin freshners جلد کسنے والی astringents دوائیں یا کولون colognes یا ٹھنڈا پانی یا برف بالائی تھپکی دار حرکت سے گالوں کا جھکاؤ اگر بالکل دُور نہیں تو بہت کچھ کم ضرور کیا جاسکتا ہے۔

آنکھوں کے نیچے ہلکے پپوٹے دیکھنے والوں کو صاف طور سے ڈھیلے نظر آنے لگتے ہیں اور نیچے سیاہ حلقے بھی پڑ جاتے ہیں۔ یہ تھکی ہوئی آنکھیں بھدی معلوم ہونے کے علاوہ بڑی عمر ظاہر کرنے لگتی ہیں انھیں صاف کرنے کے لئے محنت کی ضرورت ہے۔ آنکھوں کے گرد سے رنگ اور مسکرا mascara بالکل دُور کر کے کسی سکون دینے والے لوشن سے انھیں دھوئیں۔ اب جھریاں دور کرنے والی anti-wrinkle کریم یا تیل ہلکے ہلکے تھپکی سے لگائیں۔ اور چند روئی کے پھوئے گرم پانی میں ڈبو کے نچوڑیں اور آنکھوں پر رکھ دیں اور بیس منٹ یا کم و بیش آرام کریں۔ پھر ان پھوؤں کو دُور کر کے آنکھیں دھوئیں اور جلدی غذا skin tonic سے کریم یا تیل کو دور کر دیں۔

بالعموم نیند کم آنے سے آنکھیں بے رونق ہو جاتی ہیں۔ اس کا علاج اچھی نیند ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ سونے پر سہاگہ یہ کریں کہ آنکھوں پر کوئی جلدی کریم ملیں۔ آنکھوں کی پنسل سے نچلے پپوٹے پر لگاتے ہوئے لکیر ذرا باہر کو نکال کے اوپر کو خم دیدیں۔

## انداز کی درستی

درست انداز اختیار کرنے سے بہت سے نقص خود بخود دور رہتے ہیں۔ ٹھوڑی دوہری نہیں ہونے پاتی۔ نہ بھاری پڑتی ہے۔ ٹھوڑی سڈول رہتی ہے۔ پیٹ آگے کو نہیں نکلتا۔ کندھے جھکنے نہیں پاتے۔ جب چلیں کندھے پھیلا کے اور سر اونچا کر کے چلیں۔ اس سے ٹھوڑی کے نیچے کا حصہ بھدا نہیں ہونے پاتا۔ بیٹھتے وقت کمر کو سیدھی کریں اور ٹھوڑی ذرا اوپر کو رکھیں۔ نشست کا درست انداز یہ ہے کرسی میں بالکل پیچھے کو بیٹھیں۔ اس وقت کمر سیدھی کر لیں اور سر پیچھے کو اس قدر اونچا کریں کہ ٹھوڑی ذرا اوپر ہو جائے۔ اب کندھوں کو دیکھیں کہ بالکل ہموار اور پیچھے کو ہیں۔ اس سے اُس کا بالائی خم آگے جھکنے نہیں پائے گا۔ اس طرح آپ کے پیٹ کے پٹھے مضبوط اور کسے رہیں گے

کھڑے ہونے کا درست طریقہ یہ ہے کہ ایڑیاں تین چار انچ علیحدہ رکھیں۔ اور انگوٹھے بالکل آگے کی طرف کریں۔ پیٹ کے پٹھوں کو تان لیں اور دھڑ کو پھیلائیں۔ تاکہ سینہ اپنی پوری بلندی تک اُبھر آئے۔ اس وقت کمر سیدھی کریں۔ کندھے کھینچ کے ہموار کر لیں۔ سر اس قدر اُٹھائیں کہ ٹھوڑی ذرا اوپر کو ہو جائے۔

کھڑے یا بیٹھے پیٹ کے پٹھے کسے رہنے چاہئیں۔ اس سے جسم آگے کو نکلنے نہیں پائے گا۔ ٹھوڑی ذرا اونچی رکھا کریں۔ تاکہ ٹھوڑی اور کندھے سڈول رہیں۔

## خوبروئی کے لیپ

بازار میں نئے نئے لیپ ملتے ہیں۔ جن کے چہروں پر لگانے سے چہرہ مخمل سا نرم ہو جاتا ہے تھکن اور شکنیں دور ہو جاتی ہیں۔ لیپ وہی لگانا چاہیئے جو اپنی جلد کے موافق ہو۔ لیپ لگانے سے پہلے چہرہ ہمیشہ صاف کر لینا چاہیئے۔ صاف کرنے والا لوشن یا کریم پہلے خوب مل کے چہرہ صاف کر لیا جائے۔ آنکھوں کے گرد تھوڑی سی شکن کا تیل Wrinkle Oil لگالیں اور آنکھوں پر روئی کے گول پھائے ڈھکے رکھیں لیپ بالائی رُخ کی حرکت سے نرمی سے چہرہ پر پھیلائیں۔ اس کے بعد لیٹ جائیں۔ چہرے کے پٹھے ڈھیلے چھوڑدیں۔ اس وقت آرام کی ضرورت ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ نیند آئے۔ آرام سے لیٹنے کے دوران میں لیپ اپنا اثر کر جائے گا۔ اتنے عرصہ میں لیپ ٹھنڈا ہو کر مخمل سی جھلی بن جائے گا۔ جسے آپ چھلکے کی طرح آسانی سے اُتار کر پھینک سکیں گی۔

چہرہ صاف کرنے کے بعد کوئی خاص جلدی غذا چہرہ کی جلد میں ملنی چاہیئے۔ اس کے بعد لیپ کی ٹلکی کو گرم پانی میں ڈال کے گرم کریں اور پھر لگائیں۔ بیس منٹ کے بعد ملائم کاغذ سے پونچھ دیں۔ یا یونہی اُتار دیں۔ اس عرصہ میں جلد میں تمتماہٹ آجائے گی۔ اور تازہ اور دلکش معلوم ہو گی۔

جلد کا رنگ خراب ہو گیا ہو تو مگنیشیا کے لیپ magnesia Packs لگائیں۔ جو ایک دفعہ ہی میں رنگ کو قدرے نکھار دیتے ہیں۔ بعض ایسے سفید کرنے والے لیپ خشکی پیدا کرتے ہیں۔ وہ چکنی کھالوں کے لئے مفید ہیں۔ خشک کھالوں کے لئے نہیں۔ خشک جلد والی بیبیاں جو انھیں لگانا ہی چاہیں انھیں پہلے شکن کے تیل Wrinkle Oil یا جلدی غذا Skin food جلد میں مل لینی چاہیئے۔ بوٹیوں کے لیپ Herbal Packs گرم کر کے لگتے ہیں۔

بہت سی جلدوں کے لئے مفید پڑتے ہیں اور جلد میں توانائی اور تازگی آجاتی ہے۔ لیپ جلدی سے چہرہ پر لگا لینا چاہیئے۔ اسے ملنے کی ضرورت نہیں۔ ان میں بعض تو بہت جلد اثر کرتے ہیں۔ تھکی ماندی جلد کے لئے علیحدہ لیپ بازار میں بکتے ہیں۔

## کانوں کا سنگھار

چہرہ کی طرح کانوں کی دیکھ بھال کی بھی ضرورت ہے۔ اگر وہ خوبصورت نہوں چہرہ بھدا معلوم ہونے لگتا ہے بعضوں کے ضرورت سے زیادہ زرد ہوتے ہیں۔ لوویں مرجھائی ہوئی اور جھری پڑی معلوم ہوتی ہیں۔ زرا مالش سے یہ نقائص دور

ہو سکتے ہیں۔ انگلیوں کے پوروں سے کان نرمی سے لیکن مضبوطی سے دبائیں۔ پانچ منٹ دبانے کے بعد روئی کے پھوئے وِچ ہیزل witch hazel اور بورک لوشن boracic lotion مساوی مقدار کے محلول میں ڈبو کے کانوں پر تھپکیں۔ کانوں کا کوئی مقام رہ نہ جائے۔ یہ مرکب خوب لگ جانا چاہیئے۔ ہر رات یہ عمل کریں۔ صبح کو کان گرم پانی سے دھوئیں۔ اور دوبئیں حتی الامکان ٹھنڈے پانی سے دھوئیں۔ خشک کرنے کے بعد انھیں دبا دبا کے ہر طرف سے ملیں۔ اس سے خون اوپر کے لوؤں کو گلابی بنا دیگا۔ اگر وہ زیادہ جھری دار یا پھولی پھولی ہیں جیسے بوڑھیوں کی ہوا کرتی ہیں تو کسی شکن دور کرنے والی کریم anti-wrinkle cream سے اُن پر مالش کریں اگر وہ زیادہ زرد ہوں تو لیموں یا پراکسائیڈ کریم peroxide cream استعمال کریں۔ کانوں کو دلفریب بنانے کے لئے چہرہ کی طرح ان کا سنگھار کرنا چاہیئے۔ مندرجہ بالا عمل کے مطابق دھونے کے بعد کوئی جذب ہو جانے والی کریم vanishing cream اُن پر ملیں۔ اور بہت تھوڑا سا روژ rouge ہلکے ہلکے اُن پر چھڑک دیں۔ اگر روژ گہرا لگایا تو بناوٹ ٹپکنے لگے گی۔ ان پر احتیاط سے پوڈر لگائیں اور روشنی میں آئینہ دیکھیں زائد پوڈر وغیرہ روئی کے پھاہے سے دور کر دیں۔ لوؤں کی طرح کانوں کی پشت بھی درست کریں۔ ورنہ یہ صورت ایسی ہو گی۔ جیسے کوئی عورت چہرے کو سنوارے۔ لیکن گلے کو نظر انداز کر دے۔ حالانکہ دونوں جسے دیکھنے والوں کی نظروں میں رہتے ہیں۔ بعضوں کے کان باہر کو جھکے ہوئے ہوتے ہیں رات کو روزانہ پٹی باندھ کر سویا کریں۔ تاکہ کان سر کے پہلوؤں میں جا لگیں۔ ململ کی پٹی کی بجائے چوڑا ربڑ کا فیتہ یا کس کے آنے والا ٹوپ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ربڑ کے فیتہ سے کان پیچھے کو ہو جانے کے علاوہ ٹھوڑی بھی نہ لٹکنے پائے گی۔ بُندوں سے چہرہ پر اثر پڑتا ہے اگر چہرہ بہت پتلا ہے تو بڑے گول بُندے پہنیں۔ اس سے لمبوترہ چہرہ گول معلوم ہونے لگتا ہے۔ اگر چہرہ گول اور بھرا بھرا ہے تو لمبے سبک بُندے موزوں پڑتے ہیں۔ لیکن اس کا خیال رہے کہ ان کی وجہ سے رخساروں کے ڈھیلے پن اور دُہری ٹھوڑی کی طرف لوگوں کی زیادہ توجہ نہ ہونے پائے۔ بندوں کی وجہ سے آدمی کی توجہ فوراً چہرہ کی طرف جاتی ہے۔ اس لئے چہرہ ایسا صاف ہونا چاہیئے جو اس توجہ کے قابل ہو جلد صاف اور تازہ ہونی چاہیئے۔ اور سنگھار موزوں ہو۔ اچھے چہرہ اور تنی ہوئی کھال کے گلے والی بی بی اطمینان سے بندے استعمال کر سکتی ہے۔ اگر یہ بات نہ ہو اور ذرا بھی شبہ معلوم ہو تو بُندے ہرگز استعمال نہ کریں۔

## خانگی ٹوٹکے

ہونٹ پھٹنے لگیں تو سنگھار ہوتے ہوئے بھی ایسے ہونٹ سارے سنگھار کو خراب کر دیتے ہیں۔ ایسے ہونٹوں کے لئے لپ پومیڈ lip pomade مفید ہے اس سے ہونٹ صاف اور ملائم ہو جاتے ہیں بازار میں ہر رنگ کے مل سکتے ہیں جو رنگ پسند ہو لگائیں۔

پوستین آگ کے سامنے یا کسی مصنوعی حرارت کے قریب ہرگز نہ سکھائیں الگنی پر ڈال کر خود بخود سوکھنے دیں اور پھر کسی کنگھی سے جھاڑ دیں۔

ایک پیالہ میں پانی ڈال کر ایک بڑا چمچہ لیموں کے عرق کا ڈال دیں۔ ناخن اس میں ڈبوئیں۔ اس سے سب دھبے اور بدرنگی جاتی رہیگی۔

سینکنے کی ربڑ کی بوتلیں حفاظت سے رکھنے سے عرصہ تک خراب نہیں ہونے پاتیں پہلی مرتبہ پانی بھرتے وقت پانی میں ایک چمچہ گلیسرین کا ملائیں اس سے ربڑ ملائم ہونے کے علاوہ پائدار ہو جاتی ہے۔ پانی کھولتا ہوا کبھی نہ بھریں اور بھرنے کے بعد بلکے ذرا سا پانی نکال دیں تاکہ ہوا خارج ہو جائے پھر پیچ مضبوط لگائیں۔

شلغم کچھ تلخ معلوم ہوا کرتے ہیں ایک چمچہ بورا یا مصری سے بھر کے اس پانی میں ڈال دیں جس میں شلغم اُبالیں ان کا سٹھا پن جاتا رہے گا۔

اسباب پر کھرچنے کے نشان ہو جائیں تو شہد کی مکھی کا موم پگھلا کے تارپین میں ملائیں حتیٰ کہ وہ شربت جیسا ہو جائے۔ اونی ٹکڑے پر ذرا سا ڈال کر کھرونچ پر خوب ملیں پھر خشک فلالین سے جلدی سے جلا دیدیں نشان فوراً جاتے رہیں گے۔

شیشہ چُورا چُورا ہو کے زمین پر بکھر جائے اور ریزوں کا چُننا مشکل ہو تو اونی کپڑے کو نمدار کر کے اس جگہ لگائیں سب ذرّے کپڑے میں اُٹھ آئیں گے

سفید چیزوں پر سرخ داغ آ جائیں تو امونیہ اور پانی انھیں دور کر دیتے ہیں دودھ تیز بو والی چیز سے ہمیشہ فاصلہ پر رکھیں کیونکہ یہ بو جلد جذب کر لیتا ہے۔

مخمل کا رُواں دب گیا ہو تو صاف شیمو چمڑہ کو ٹھنڈے پانی میں ڈبو کے نچوڑیں اور مخمل پر ملیں اس سے غبار بھی جاتا رہیگا۔

محمد ظفر

# دُنیا میں چوٹی کی چیزیں

دنیا میں سب سے بڑا کتب خانہ فرانس کے صدر مقام پیرس میں ہے۔ اس کا نام ببلیوتھک نیشنل ہے۔

دنیا میں سب سے بڑا صحرا افریقہ میں "سہارا" ہے۔ جو ۲۰ لاکھ مربع میل ہے۔

دنیا میں سب سے لمبی عمارت ریاستہائے متحدہ امریکہ میں امپائر اسٹیٹ بلڈنگ ہے۔

دنیا میں سب سے بڑا محل اطالیہ میں پوپ کا مسکن ہے جس کا نام وے ٹی کن ہے۔

دنیا میں سب سے بڑا جہاز برطانیہ کا کوئن میری اور نارمنڈی ہے

دنیا میں سب سے بڑا شہر لندن ہے جس کی آبادی ۸۰ لاکھ ہے۔ نیویارک امریکہ کا شہر بھی اسی کے برابر ہے۔

دنیا میں سب سے اونچا مجسمہ امریکہ کے شہر نیویارک میں "مجسمۂ آزادی" کے نام سے ہے جو ۱۵۰ فٹ بلند ہے

دنیا میں سب سے لمبا گرجا جرمنی میں ہے جس کی اونچائی ۵۲۲ فٹ ہے۔

دنیا میں سب سے بڑا ہیرا "کلی نان" ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ بارش چراپونجی آسام میں ہوتی ہے

دنیا میں سب سے بڑا اور گہرا سمندر بحرالکاہل ہے۔

دنیا میں سب سے بڑا دالان جنوبی ہند کے رامیسورم مندر کا ہے جو چار ہزار فٹ لمبا چلا گیا ہے۔

دنیا میں سب سے بڑا گرجا رقبہ کے اعتبار سے روم میں سینٹ پیٹر کا گرجا ہے۔

دنیا میں ریلوے اسٹیشن کا سب سے لمبا پلیٹ فارم سون پور (بہار) میں ہے۔

دنیا میں سب سے لمبی ریلوے لائن ملک روس میں ریگا سے ویڈی واسٹک تک ہے جو چھ ہزار میل ہے۔

دنیا میں سب سے بڑی دوربین امریکہ میں ولسن رصدگاہ میں ہے

دنیا میں سب سے بڑا عجائب خانہ برٹش میوزیم لندن میں ہے

دنیا میں سب سے لمبا دریا امریکہ میں مسسی سی پی ہے۔

دنیا میں سب سے بڑا دریا چوڑائی اور گہرائی کے لحاظ سے امریکہ میں ایمے زون ہے۔

دنیا میں سب سے بڑا ریلوے اسٹیشن رقبہ کے اعتبار سے نیویارک میں ہے۔ جسے گرانڈ سنٹرل ٹرمی نل کہتے ہیں اور ۴۷ پلیٹ فارم ہیں

دنیا میں سب سے بڑا گنبد ہندوستان میں بیجاپور میں گول گنبد ہے

دنیا میں سب سے بڑی عمارت وسعت کے لحاظ سے مصر کے مینار مخروطی ہیں

دنیا میں سب سے بڑا شاہی محل ہسپانیہ کے دارالسلطنت میڈرڈ میں ہے

دنیا میں سب سے بڑا ایک ملک برازیل ہے جس کا رقبہ ۳۲۸۵۳۱۹ مربع میل ہے۔

دنیا میں سب سے بڑا کوہ آتش فشاں ہوائی جزیرہ میں مونالوآ ہے

دنیا میں سب سے بڑی دیوار چین میں ہے جو ولادت حضرت عیسیٰؑ سے ۲۱۴ سال پہلے ایک ہزار میل لمبی بنائی گئی تھی۔

دنیا میں سب سے بڑی نہر بالٹک نہر روس میں ہے۔

دنیا میں سب سے بڑی ریلوے ٹرانس سائبیریا ریلوے ملک روس میں ہے۔

دنیا میں سب سے بڑا ہوائی جہاز جرمن کا ہنڈن برگ ہے۔

دنیا میں سب سے بڑا سینما گھر "راکسی" نیویارک میں ہے جس میں ۶ ہزار کا مجمع ہو سکتا ہے۔

خلیل احمد خاں۔ تجے پور

# سیر بین

**مضبوط بڑھیا**۔ تسمانیہ میں ایک بڑھیا ہے۔ جس نے اپنی ۱۰۵ ویں سالگرہ منائی ہے۔ اُس نے چھ انگریزی بادشاہوں کا زمانہ دیکھا ہے سنہ ۱۹۳۶ء میں ۱۰۲ برس کی عمر تک اُس نے اپنے ہاتھ سے کھانا پکایا۔ کپڑے دھوئیے۔ اور گھر بار کے مختلف کام کیے۔ حتیٰ کہ بازار سے سودے لاتی رہی۔ ایک روز صبح کے وقت سخت کہر میں وہ پھسل کے گر پڑی اور اس کی کمر میں ضرب آگئی۔ اس وقت سے وہ پلنگ پر ہے۔ لیکن اس کے حواس وغیرہ بدستور خوب کام کرتے ہیں۔ اس کی بینائی بہت اچھی ہے۔ عینک نہیں لگاتی وہ روزمرہ کے معاملات میں خوب دلچسپی لیتی ہے اُسے دیکھ کے یہ یقین نہیں آیا کہ وہ جنگ کریمیا کے وقت بیس سال کی تھی۔ اور ملکہ وکٹوریہ کی تخت نشینی سے ۱۴ برس پہلے پیدا ہوئی تھی

**شادی کا شوق** پنسلوینیہ (ریاستہائے متحدہ امریکہ) کے ایک زنانہ کالج میں سوالات کیئے گئے۔ جوابات سے معلوم ہوا کہ ۹۶ فیصدی لڑکیاں تعلیم حاصل کرنے کے بعد شادی کرنے کے حق میں ہیں۔ ہر چار میں سے تین نے جواب دیا کہ تعلیم حاصل کر چکنے کے بعد خواہ وہ شادی کریں یا نہ کریں ضرورت کے وقت سہارے کے لئے اپنی روزی خود کمائیں گی اور اس کام کے لیئے پیشہ ورانہ کی تعلیم حاصل کریں گی۔ ان سوالات کا مقصد یہ تھا کہ تعلیم حاصل کرنے والی لڑکیوں کا پیشہ ورانہ کے کام اور شادی کے متعلق کیا خیالات ہیں۔ اس سے اس کی تردید ہو گئی کہ تعلیم یافتہ لڑکیاں شادی کے خلاف ہیں۔ اور اولاد ہونے کو ناپسند کرتی ہیں۔ کسی کسی نے ہی بے اولادے پن کو پسند کیا۔ ۴۶ فیصدی نے دو یا تین بچے ہونے پسند کیے۔ بہت سی لڑکیوں نے چھ بچے بہترین زندگی بتائے۔ انھوں نے وہی پیشے پسند کیے جو عورتیں عموماً اختیار کرتی ہیں مثلاً معلی سکرٹری کا کام۔ مجلسی کام۔ اخباری کاروبار۔ لیبوریٹری کا کام۔ ڈراما۔ تصنیف۔ کتب خانہ کا کام۔ علی الترتیب کام اچھے بتائے گئے۔

**عجیب وغریب گھنٹہ** نیویارک کے صنعت وحرفت کے عجائب خانہ میں ایک موجد نے ایک گھنٹہ نمایش کے طور پر رکھا ہے جس میں ۹۳ گھیرے ہیں۔ ان میں ایک گھیرہ کی سوئیاں ۲۶ ہزار برس میں گھوم سکیں گی۔ اور اس کے لیئے لٹکن کو ۶۰۰۰۰۰ ۸۲۲۵۳ مرتبہ ہلنا پڑے گا۔ ان ۹۳ گھیروں میں آسمان ستاروں وغیرہ کی کل کیفیات کا اظہار ہے۔ اکثر باتیں تو صرف سائنس وعلم نجوم کے مبصر ہی سمجھ سکتے ہیں۔ مگر معمولی آدمیوں کے لیئے اچھا خاصہ دلچسپ سامان تفریح ہے۔ اس میں چھوٹے چھوٹے کرتے رکھے گئے ہیں۔ ان پر چھوٹے چھوٹے نچنیئے کھڑے کیے گئے ہیں وہ ناچتے ہیں۔ یہ کرے سیاروں کی حرکات کا اظہار کرتے ہیں۔ اسی طرح چار خود چلنے والی کلیں ہیں جو آدمی کے بچپن، لڑکپن۔ جوانی۔ اور بڑھاپے کو ظاہر کرتی ہیں یہ وقت کا انضباط رکھتی ہیں اور اپنی اپنی باری پر پاؤ گھنٹہ بجاتی ہیں۔ دنیا کے دس مختلف اوقات جوار بھاٹوں کی مختلف بندرگاہوں میں گھٹنے اٹھنے کی رفتار۔ تاریخ دن کا شمار سورج چاند سیاروں۔ ستاروں دم دار تاروں کی نقل وحرکت علیحدہ علیحدہ گھیروں سے ظاہر ہوتی ہیں۔ ایک ہی مشین ان سب گھیروں کو چلاتی ہے۔ اور یہ رفتار خاص حساب کے مطابق رکھی گئی ہے۔

**شہد کی مکھی** کوشش کی جارہی ہے کہ بے ڈنک کی مکھی پیدا کی جائے۔ اور اس کی زبان بڑی ہو تاکہ وہ پھول کے زیادہ زور سے رس حاصل کر سکے۔ اس نئی نسل کی پیدایش کے لیئے مکھیوں کے پر کچھ کتر کے رکھے جاتے ہیں۔ تاکہ وہ چھتے سے اُڑ کے نہ چلی جائیں۔ جب ایک چھتہ سے مکھیاں لے کر نیا چھتہ لگایا جاتا ہے تو رانی اور مزدور مکھیاں تو اپنے نئے گھر میں آسانی سے آباد ہو جاتی ہیں لیکن نر مکھیاں برابر نکل بھاگنے کی کوشش میں رہتی ہیں۔ اس لیئے ان نروں کے پر کترنے پڑتے ہیں۔

اگر تم کسی گرمی کے دن چھتہ کی مکھیوں کے داخل ہونے کے حصہ پر نظر ڈالو تو ایک عجیب بات نظر آئے گی۔ کچھ مکھیاں اپنے سر دروازہ کی طرف کر کے سوراخ کے سامنے کھڑی ہونگی اور وہ زور زور سے پر ہلا رہی ہونگی۔ اس طرح وہ چھتہ میں ہوا پہنچا کر اس کا درجہ حرارت معتدل کر

دیتی ہیں کیونکہ اگر وہ زیادہ گرم ہوجائے تو مکھیوں کے بچے خانوں میں گھٹ جائیں۔ اور زیادہ سرد ہوجائے تو وہ مرجائیں۔ یہ بڑا سخت کام ہے۔ جب ایک دستہ تھک جاتا ہے تو دوسرا آجاتا ہے۔ گرمیوں میں رات کے وقت یہ ہوا دینے کا سلسلہ جاری رہتا ہے ان کی وہ ہوا اس قدر کافی ہوتی ہے کہ ایک شمع بجھ سکتی ہے۔

## عدن پر برطانوی قبضہ

ایک ہندی جہاز ۱۸۳۷ء میں عدن کے ساحل پر چڑھ گیا۔ اس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ بعض عرب شورہ پشتوں نے اسے لوٹ لیا۔ بمبئی سے چند انگریزی جہاز گئے اور وہاں کے حاکم سلطان احمد سے تاوان اور عدن کا قبضہ مانگا۔ ۱۸۳۸ء میں انگریزی جہاز عدن پر قبضہ حسب معاہدہ کرنے گئے۔ تو اس وقت سلطان احمد کا بیٹا محسن تخت نشین تھا۔ اس نے انگریزی جہازوں پر آتش افشانی کی۔ انگریز بھاگ کے بمبئی آئے اور کمک لے کر ۱۸۳۹ء میں گئے اور معمولی سی جھڑپ کے بعد عدن پر قابض ہوگئے۔ اس کے بعد دس میل اندر کا رقبہ انگریزوں نے خریدا۔ اب حضر موت تک انگریزوں نے اپنا علاقہ بڑھا لیا ہے۔ اس سب مقبوضہ کی آبادی ۳ ½ لاکھ ہے۔ وہ سب عرب ہیں۔ تھوڑے سے سوالی ہندو۔ پارسی۔ عیسائی اور یہودی ہیں۔ ۱۹۳۲ء تک اس پر بمبئی سے حکومت کی جاتی تھی۔ ۱۹۳۷ء سے اس پر گورنر رہنے لگا۔ اور بمبئی کے خزانہ سے ۲۰ لاکھ روپیہ کا بار ہلکا ہوگیا۔ البتہ عدالت عالیہ بمبئی بدستور وہاں کے احکام سزا اور دیگر دیوانی و فوجداری فیصلوں کی اپیل سنتی ہے۔

پہلے زمانہ سے عدن افریقہ عرب ایران اور ہندوستان کی تجارتوں کا راستہ تھا۔ عرب۔ رومی۔ حبشی۔ ایرانی، مصری ترک۔ اور پرتگالی باری باری اس راستہ سے فائدہ اٹھا چکے ہیں۔ اور اس پر قابض رہے ہیں۔ تازہ اطالوی واقعات نے اس کی اہمیت بڑھادی ہے۔ فرانسیسی بندرگاہ جبیوتی سامنے کے ساحل پر اور عدن ادھر کے ساحل پر اطالوی بندرگاہ جاوا کے استحکامات کا جواب ہیں۔ یمن کی طرف چند دروں کے سوا خشکی پر اس کے ہر طرف پہاڑ ہیں۔

## ڈاک خانہ کی ترقی

اب ہر ڈھائی تولہ پر ڈھائی آنے کے ٹکٹ انگلستان جانے والے خطوط پر لگتے ہیں۔ اور وہ خط ہوائی جہاز سے جاتے ہیں۔ ۱۹۳۷ء میں ۶۴۸ نئے ڈاک خانے دیہاتوں میں کھولے گئے۔ ۱۹۳۸ء میں ۳۴۲۱ کھولے گئے۔ ڈاک خانہ سے ریڈیو کے لائسنس ۴۵ ہزار دئے گئے۔ ۱۹۳۷ء میں ۴۱ ہزار اور ۱۹۳۶ء میں ۲۷ ہزار دئے گئے تھے۔ ڈاک خانے سے ۹۱ کروڑ اشیاء روانہ ہوئیں۔ ۸۱ کروڑ ۳۳ لاکھ کے بیمے گئے۔ ۷۶ کروڑ ۲۸ لاکھ روپیہ کے ۴ کروڑ منی آرڈر گئے۔ ۴ کروڑ ۳۱ لاکھ ۸۸ ہزار ۴ سو ۵۸ روپیہ آمدنی ہوئی۔ اور ۴۶۰۹۸۴۰ روپیہ خرچ ہوکر ۴۷۷۸۶۱۸ روپیہ بچت ہوئی۔ ۱۹۳۷ء میں بچت ۳۰۷۹۴۹۴ روپیہ ہوئی تھی۔ منی آرڈروں سے کمیشن ایک کروڑ ۴ لاکھ روپیہ تھا۔ (بمقابلہ ۱۹۳۷ء کے ایک کروڑ ۲ لاکھ کے) اندرون ملک کے منی آرڈر ۲ء۱ فیصدی گھٹ گئے۔ مگر مالیت میں ۳ء۱۳ بڑھ گئے۔ تاروں کے منی آرڈروں کی آمدنی (۱۹۳۷ء کی ۳ کروڑ ۸۰ لاکھ کے مقابلہ میں) ۳ کروڑ ۹۴ لاکھ ہوئی۔ پوسٹل آرڈر ۱۰ لاکھ ۴۲ ہزار روپیہ کے ۷ لاکھ ۷۴ ہزار بکے۔ (۱۹۳۷ء میں وہ ۱۳ لاکھ ۱۵ ہزار روپیہ کے ۵ لاکھ ۹۷ ہزار بکے تھے) سیونگ بنک میں ۷۷ کروڑ ۵۰ لاکھ روپیہ جمع تھا۔ گویا ۴ء۸۶ فیصدی کا اضافہ ہوا۔ کیش سرٹیفکٹ سود گھٹا دینے کی وجہ سے (۱۹۳۷ء کے ۱۴ کروڑ ۶۸ لاکھ روپیہ کے مقابلہ میں) ۱۴ کروڑ روپیہ کے نکلے۔

ہر روز اوسطاً ۱۰۲ چیزیں ہاتھ سے نکلیں۔ جن میں بنکوں کے چک نوٹ۔ ہنڈیاں سکے وغیرہ تھے۔ جن کی سال بھر کی مالیت سات لاکھ روپیہ تھی۔ ان میں بیشتر تحقیقات کے بعد مکتوب الیہم کے پاس پہنچادی گئیں۔ ۱۹۳۶ء کی ۲۵ لاکھ ۴۵ ہزار اشیاء

کے مقابلہ میں سنہ۳۸ء میں ۵۸ لاکھ ۳۰ ہزار اشیاء لاپتہ خطوں کے دفتر میں گئیں۔ جن میں سے ہر دس میں سے سات جستجو کے بعد بھی لا پتہ رہیں۔

مبارک باد کے تار (سنہ۳۷ء کے ۵۴۴۶۱۵ کے مقابلہ میں) ۱۵۵۲۰۰۷ دیئے گئے۔ تا چوشی کے تار ۱۴۱۰۹ گئے جن میں ۲۸ ہزار ۵ سو ۱۴ الفاظ تھے۔

**اُردو کی ہردلعزیزی** ہندوؤں نے ایک عجیب دھاندلی کر رکھی ہے۔ بولتے اردو ہیں مگر ہندی کی طرفداری کرتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہندی بول رہے ہیں۔ سر پھٹول کو روکنے کے لئے بعض مدبروں نے اردو کی جگہ ہندوستانی کا لفظ استعمال کرنا شروع کیا۔ فلموں اور ریڈیو کے ذریعہ اردو کی مقبولیت معلوم ہوسکتی ہے۔ پہلے بعض کمپنیاں سراسر سنسکرت و ہندی میں فلم بناتی تھیں۔ اب وہ بھی مجبور ہوکر اردو میں فلمیں تیار کرتی ہیں۔ انہی میں لوگ زیادہ آتے ہیں۔ ریڈیو اسٹیشن بمبئی کے سامعین میں سے ۷ ہزار کے نام چند سوالات بھیجے گئے ان میں ایک یہ سوال تھا کہ آپ کس زبان میں گانے وغیرہ سننا پسند کرتے ہیں۔ اور آپ کی مادری زبان کیا ہے۔ سات ہزار نے جوابات دیئے۔ بمبئی کے انگریز منتظم نے اس تحقیقات کی بنا پر تقریر کی کہ ان سات ہزار میں سے ۲½ ہزار ہندوستانی۔ تقریباً ۲½ ہزار انگریزی اور باقی نے مرہٹی۔ گجراتی۔ اور کوکنی پسند کی۔ مسٹر فیلڈن نے حیرت ظاہر کی کہ مرہٹی اور گجراتی مادری زبان والوں نے بھی زیادہ تر اردو میں ہی تقریریں اور گانے سننے پسند کئے۔ کلکتہ۔ مدراس اور دہلی کی نشرگاہوں کے گانوں وغیرہ کی زبان کے متعلق بھی پوچھا گیا۔ دہلی کے متعلق چار ہزار نے ہندوستانی۔ سترہ سو نے انگریزی کلکتہ کے متعلق ۳½ ہزار نے ہندوستانی۔ سترہ سو نے انگریزی۔ اور صرف ۹۱۳ نے بنگالی۔ مدراس کے متعلق ۳½ ہزار نے ہندوستانی سترہ سو نے انگریزی چار سو نے تامل اور صرف دو سو نے تلنگی پسند کی۔

مدراس۔ بمبئی اور کلکتہ اردو کے مرکز نہیں ہیں۔ پھر بھی اُردو کی مقبولیت کی یہ کیفیت ہے۔ اگر ہندی کے طرفدار سمجھ سے کام لیں تو تھوڑے ہی عرصہ میں ہندوستانی قومیت کا ایک زبردست ذریعہ ایک زبان ہوجائے۔

**موٹوں کی انجمن** بلغاریہ کے دارالسلطنت صوفیا میں موٹوں نے ایک انجمن بنا رکھی ہے۔ وہ کوشش کرتے ہیں کہ اُن کا موٹاپا قائم رہے۔ اور اُن کی خصوصیت کسی طرح کم نہ ہونے پائے۔ وہ دوسرے ملکوں کے موٹوں سے قطع نظر کرتے ہوئے دعوے کرتے ہیں کہ اُن کی کلب میں دنیا کے سب سے زیادہ وزن والے موٹے آدمی شامل ہیں۔ کوئی ایسا آدمی جس کا وزن پونے تین من سے کم ہو انجمن میں شامل نہیں کیا جاتا۔ پیٹ۔ سینہ کی پیمائش کی جاتی ہے۔ اُسے اطمینان دلانا پڑتا ہے کہ کھانے پینے میں وہ کسی سے پیچھے نہیں ہے۔ اس کے لئے اُسے دعوت میں امتحان دینا پڑتا ہے۔ چند آدمی منصف بن کر اس کے متعلق فیصلہ کرتے ہیں۔ کھانے کی مقدار اور کھانے کے طریقہ پر علیحدہ علیحدہ نمبر دیئے جاتے ہیں۔ چنانچہ امتحان دینے والوں کو زیادہ سے زیادہ کھانے کے علاوہ کھانے میں مزا اور شوق بھی دکھانے کا فکر رہتا ہے۔

**لُنجی بہترین بیوی** انگلستان میں ایک بے ٹانگوں کی عورت رہتی ہے۔ جس کی عمر اس وقت ۴۴ سال ہے۔ اس کی شادی کو ۱۶ سال ہوئے۔ اس کے ۱۲ سال کا بیٹا ہے۔ اس کا شوہر اور پڑوسی اسے ایک نمونہ کی بیوی سمجھتے ہیں وہ کہتی ہے کہ بچپن میں جب میں اپنے ہم عمروں کو کھیلتے دیکھتی تو مجھے ذرا رشک نہ ہوتا۔ میرے والدین نے مجھے یہ تعلیم دی کہ ہر حال میں صبر و شکر کرنا چاہیے۔ میں اپنی اس حالت پر شاکر رہا۔ میں نے ہر ایک کی امداد سے مستغنی رہنے کا طریقہ معلوم کرلیا۔ کیونکہ مجھ جیسا آدمی دوسروں کے سہارہ پر اچھی زندگی بسر نہیں کرسکتا۔ اس کے لئے ایک کرسی بنائی گئی ہے۔ وہ

اسے پندرہ سال سے برابر استعمال کر رہی ہے۔ اسی کی بدولت وہ گھر سے نکلتی شہر میں جاکر دوکانوں سے سودا لیتی دعوتوں اور دیگر جلسوں میں شریک ہوتی ہے۔

## پھلجھڑیاں

کیلی فورنیہ (امریکہ) میں ایک عورت نے ابھی ساتویں شادی کی ہے اس کا پہلا شوہر ہوائی جہاز راں تھا۔ جہاز ٹوٹ گیا اور وہ مرگیا۔ اس نے پھر ایک ناٹک لکھنے والے سے بیاہ رچایا۔ اس سے طلاق لے کے پھر ایک کھاتے پیتے آدمی سے شادی کی۔ لیکن یہ شادی بعد میں اس بنا پر منسوخ ہوگئی کہ اس شوہر کی بیوی کے خلاف طلاق کی ڈگری اُس وقت تک قطعی نہ ہوئی تھی۔ اس نے ایک اور سے شادی کر لی۔ لیکن اب جو دیکھا خود اس کی طلاق کی ڈگری مکمل نہ ہوئی تھی۔ اس کا انتظار کر کے پھر اسی سے شادی کی۔ اسے بھی طلاق دے کے پانچویں سے شادی کی۔

برطانیہ میں ایک لڑکی نے ستر ہویں سالگرہ منائی ہے۔ پچھلے سال شفاخانہ میں اُس کے بچہ ہوا۔ اس لڑکی کی ماں کی عمر ۴۳ سال ہے۔

گلاسگو میں جو نمائش ہوتی اس میں ایک برج بنایا گیا۔ جس میں برقی چھینکے اُترنے چڑھنے کے لیے لگے ہوئے تھے۔ چھ ماہ میں اُس میں ۱۸۱۲۴۰۰ لوگ چڑھے اور اُتار چڑھاؤ کی لمبائی چار اور ساڑھے چار ہزار میل کے درمیان ہے کل ۱۲۵۹۳۲۳۲ آدمی نمائش دیکھنے گئے۔

نیویارک کی فن لینڈ والوں کی آبادی میں حجاموں کی دوکانوں میں عورتیں ہی کام کرتی ہیں وہی بال کترتی ہیں۔ وہی داڑھی مونڈتی ہیں۔ ان دوکانوں کا انتظام سب کا سب عورتوں ہی کے ہاتھوں میں ہے۔

میسور میں بچوں کا ایک مدرسہ ہے جس میں تعلیم کے ساتھ اُن کی تربیت و پرورش بھی ہوتی ہے۔ اُنھیں ایسے کھیل مہیا کئے گئے ہیں جن سے وہ خوش ہوتے ہیں۔ اور نتیجے کے طور پر ان کے جسم و صحت اچھے ہو جاتے ہیں۔ مثلاً اوپر سے پھسلنے کا لکڑی کا تختہ ڈگمگ گھوڑا جس پر بچے سوار ہو کے جھولتے ہیں۔ بال خراب ہوں اُن کی کنگھی کی جاتی ہے۔ ہاتھ میلے ہو جائیں اُنھیں صاف کیا جاتا ہے ہوا میں بٹھا کے پڑھایا جاتا ہے۔ تصویروں کے ذریعہ معلومات بڑھائی جاتی ہیں۔ گھڑی کی مدد سے پابندی سکھائی جاتی ہے۔

منگلور میں دو بھائی رہتے ہیں بڑا قد میں بالکل چھوٹا ہے۔ اس کی عمر ۲۶ سال ہے دو فٹ ۵ انچ قد ہے اور دونوں کندھوں کے بیچ کی پیمائش صرف آٹھ انچ ہے وزن میں ۱۱ سیر سے کچھ کم ہے۔ نجوم اور ویدک اور حکمت کا کام کرتا ہے۔

سوئٹزرلینڈ میں ایک ۲۰ سالہ لڑکے کے ہاتھ نہیں۔ مگر وہ سب کام پاؤں سے کر لیتا ہے۔ کندھے سے ذرا سی ہاتھ نکلی ہوتی ہے اسی سے اپنی بائیسکل کے توازن قائم رکھنے والے موٹر چلانے کے پہیّہ جیسے گھیرے میں ڈال کے اسے چلا لیتا ہے۔ اس کے لئے خاص قسم کی بائیسکل بنائی گئی ہے وہ پاؤں سے پیالی پیالی میں چاء ڈال کر دوسرے سے پیالی اُٹھا کر پی لیتا ہے اسی طرح پانی پیتا ہے۔ تاش کھیلتا ہے داڑھی مونڈ لیتا ہے منہ کا باجہ بجاتا ہے۔ تصویریں کھینچتا ہے۔ دروازہ کھولتا ہے ٹیلیفون اُٹھاتا ہے اور کان اور منھ پر رکھتا ہے الماری میں سے کپڑے یا برتن نکالتا ہے۔ پائپ پیتا ہے۔ یہ سب تصویریں ۲۹ جنوری ۱۹۳۹ء کے مصور ٹائمز میں چھپی ہیں۔

ہاتھی گھاس پات کھاتا ہے اُسکی خوراک تقریباً ۴ من ہے جس میں غلہ گھاس درخت کی چھال ہوتی ہے۔ ہتھنی ۱۵ اور ۵۰ سال کی عمر کے بیچ میں ڈھائی یا ۴ سال کے وقفہ سے بچہ دیتی ہے۔ چھ دفعہ سے زیادہ بچہ نہیں دیتی۔ اگر نر ہو تو ۲۲ ماہ میں اگر مادہ ہو تو ۱۸ ماہ میں بچہ ہوتا ہے بچہ پیدائش کے وقت سو سیر ہوتا ہے۔ عمر ۱۲۰ سال سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ اوسط عمر ۸۰ سال ہے۔ شیر کا یک اسپر حملہ کرتے ہوئے ڈرتا ہے۔

محمد ظفر

# بزم عصمت

افسوس ہے میرے عزیز بہنوئی خانصاحب فضل کریم خاں (غلزئی اورسیر کوٹھی نہر لدھیوال ضلع منٹگمری کا ۶ فروری کی منحوس رات کو ۹ بجے حرکت قلب بند ہو جانے سے اچانک انتقال ہو گیا۔ آٹھ اور نو بجے کے درمیان اپنے سیکشن سے واپس آکر بیوی بچوں سے ملے۔ تبدیل لباس کیا۔ چائے تیار تھی۔ وضو کر کے اندر کمرے میں داخل ہوتے ہی تباہ حال بیوی کے ہاتھوں میں جاں بحق ہو گئے۔ عزیز اقارب سینکڑوں میلوں پر تھے۔ فون ہوتے ہی دو ڈاکٹر اور مرحوم کے افسران اعلیٰ بھی تشریف لائے۔ جن کے ساتھ وہ ایک گھنٹہ قبل خوش گپیاں کر کے واپس آئے تھے۔ مرحوم مجسم اخلاق اور بہت ہی با مذاق تھے۔ ان کے ضعیف والد اپنے جوان پیارے اور قابل بیٹے کی دائمی جدائی کے صدمہ سے جاں بر نہ ہو سکے اور ۲۴ فروری کو اپنے فرمانبردار بیٹے سے جا ملے۔ مرحوم کی نشانی تین بچے ہیں۔ خداوند کریم ان لاڈلے یتیم بچوں کو اپنی دکھیا ماں کے زیر سایہ پروان چڑھا کر علم و فضل و اقبال مندی کے بہترین درجات عطا فرما کر باقیات صالحات بنا دے اور مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے مبلغ چار روپیہ نادار فنڈ کے لئے ارسال ہیں۔

ی۔ ج۔ ہمشیرہ غلام سرور خاں۔ پشاور۔

میری حقیقی بھتیجی یعنی میرے برادر معظم (خاں صاحب) قاضی لطافت حسین صاحب ہاشمی کی بڑی دختر شادی کے بعد چھ برس تک طرح طرح کے مصائب میں مبتلا رہ کر ۹ جنوری کو ہم سب کو تڑپتا چھوڑ کر عین عالم جوانی میں بعارضہ سل و دق اس دنیا سے سدھار گئی۔ مرحومہ کا نام اُم ایمن اور عرف نور جہاں تھا خصوصیت کے ساتھ مجھ سے بیحد محبت تھی۔ بڑا قلق یہ ہے کہ مرحومہ نے کوئی یادگار نہیں چھوڑی۔ عصمتی بہنوں سے استدعا ہے کہ اس جوان مرگ مرحومہ کے واسطے دعائے خیر کریں۔

غمزدہ۔ اُم زبیرہ ہاشمی (بدایونی)

میرا دماغ بے حد کمزور ہے۔ کوئی بات یاد نہیں رہتی۔ اس وقت میری عمر ۲۰ سال کی ہے مگر دماغ کی کمزوری نے حد درجہ پریشان کر رکھا ہے۔ کوئی بہن یا بھائی میری اس شکایت کو دور کرنے کا کوئی آزمودہ نسخہ عنایت فرما کر عاجزہ کو تاعمر ممنون احسان ہونے کا موقع دیں۔

ایک ضرورت مند (کلکتہ)

میرے چہرے پر عرصہ سے تل بکثرت ہوتے جا رہے ہیں اور مسا بھی نکل آیا ہے۔ تلوں اور مسے کا رنگ سیاہ ہے جس کی وجہ سے چہرہ بہت برا معلوم ہوتا ہے۔ متعدد دواؤں کا استعمال کیا مگر آج تک کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ برائے مہربانی کوئی بہن یا بھائی مفید آزمودہ دوا لکھیں جس سے تل نکلنے بند ہو جائیں اور چہرہ بالکل صاف ہو جائے

طاہرہ بیگم خریداری نمبر ۴۱۴۱

بزم عصمت میں کسی بہن نے انگلش ٹیچر ملنے کا پتہ دریافت کیا ہے۔ ایک انگلش ٹیچر ہے جس سے انگریزی جاننے میں آسانی ہوگی۔ قیمت ایک روپیہ ہے۔ اور منگانے کا پتہ یہ ہے۔

منیجر کامیاب بکڈپو۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۴۴۔ دہلی

میں اپنے چھوٹے بھائی کے لئے پرچہ گلدستہ منگوانا چاہتی ہوں مگر مجھے اس کا پتہ نہیں معلوم کہ کہاں سے ملتا ہے۔ لہذا کوئی بہن صاحبہ پرچہ کی سالانہ قیمت اور اس کے ملنے کے پتہ سے مطلع فرمائیں۔

بُشرا بیگم بنت محمد علی صاحب دہلی

زردہ تمباکو خوردنی کی پتی خوشبودار تیار کرنے کی ترکیب کسی بہن کو معلوم ہو تو برائے مہربانی بذریعہ عصمت

تحریر فرمائیں ممنون ہوں گی۔

بزم آرا۔ خریداری نمبر ۱۱۳۵

براہ کرم کوئی بہن صاحبہ بذریعہ بزم عصمت آئس کریم بنانے کی مفصل ترکیب بتائیں۔ نیز دودھ برف نمک وغیرہ کا وزن بھی اور دیگر جو چیز اس میں پڑتی ہو تحریر فرما کر شکرگزار کریں۔

مسز غلام زبیدہ صاحب خریداری نمبر ۴۶۶۹

نہایت خوشی و مسرت کے ساتھ لکھتی ہوں کہ میرے خالہ زاد بھائی محمد رحمت اللہ بن حاجی ہارون اللہ رکھا سکندر آباد دکن کی شادی خانہ آبادی محترمہ عزیزی صفیہ بائی ہمشیرہ بابو سیٹھ حیدر آباد دکن کے ساتھ پانچ فروری کو باشان و شوکت انجام پائی بہنیں دعا کریں خدا پاک دولہا دولہن کو شاد و آباد رکھے۔ آمین

مس فاطمہ عبدالرحیم۔ (بلگام)

بجواب مس طاہرہ خورشید صاحبہ کاتب کی غلطی سے ہیڈروجن پرڈکسائڈ Hydrogen Peroxide کی بجائے ہیڈرانڈر و میکائڈ درج رسالہ ہوگیا۔ ہیڈروجن پرڈکسائڈ ہر شفاخانہ سے دستیاب ہوسکتی ہے۔ یہ سفوف نہیں ہے مائع ہے۔

ایمونیہ ہر جگہ مل سکتی ہے۔ نوشادر کی قسم سے ہے۔ دوسری چیزیں جو اسی نام سے ملتی ہیں وہ لائیکو ایمونیہ و سال ایمونیہ ہیں۔ موخرالذکر بالکل نوشادر ہے اور اول الذکر ایمونیہ کا پانی ہے۔ خالی ایمونیہ بھی ملتی ہے۔

(محمد ظفر)

محترمہ ہمشیرہ صاحبہ ۴۷۲۴۔ اکسیر داغ ابٹن خاص جو الیس بجے بیگم صاحبہ کھرڑ ضلع انبالہ سے منگا کر استعمال کریں۔ محترمہ صفدر یجہ اکرام احمد صاحب بھوپال بھی اکسیر داغ اور عنبری لوشن استعمال فرمائیں۔ رنگت صاف ہوجائے گی اور داغ وغیرہ جاتے رہیں گے۔

ایک ہمدرد عصمتی بہن

# دوربین

**جنگ ہسپانیہ:-** آخر فرانکو غالب آگیا اور حکومت ہسپانیہ اس کے مقابلہ کی تاب نہ لاسکی۔ جنگ دو سال جاری رہی۔ فرانکو کو جرمنی و اطالیہ نے مدد دی۔ جرمنی کے انجینیر وغیرہ فرانکو کے کام آئے اور اطالیہ کے سپاہی۔ مسٹر چیمبرلین وزیر اعظم برطانیہ نے جرمنی و اطالیہ کا ساتھ دیا کہ کسی طرح امن قائم رہ سکے۔ کیونکہ ہسپانیہ کے جرمنی و اٹلی کے زیر اثر آجانے سے بحیرۂ روم بالکل اٹلی کے قبضہ میں آجاتا ہے۔ اور انگریزوں کے جملہ مقبوضات خطرہ میں پڑ جاتے ہیں۔ مگر انگریز بڑی ہوشیار قوم ہے۔ منورکہ کے جزیرہ پر فرانکو کا انگریزوں نے قبضہ کرا دیا اور اسے بہت بڑی رقم قرض کے طور پر دینے کا وعدہ کیا۔ کیونکہ روپیہ کے بغیر وہ اب اپنی نئی حاصل کردہ سلطنت کا انتظام ہی نہیں کرسکتا۔ ادھر فرانس و برطانیہ نے فرانکو کی حکومت تسلیم کرلی۔ پہلے وہ حکومت ہسپانیہ کے طرفدار تھے جب ہسپانیہ کے صدر ازانا نے دیکھا کہ اس کے دوست اس کے دشمن کی حکومت کو باقاعدہ مان رہے ہیں تو اس نے یہ کہہ کے استعفےٰ دیدیا کہ ایسی صدارت سے کیا فائدہ جب فرانس جمہوری سلطنت ہوکے فرانکو باغی کو ہسپانیہ کا بادشاہ مان لے۔ اگر منورکہ جرمنی اور اٹلی کی مدد سے فرانکو کو ملتا تو دونوں وہاں ایسے قدم جماتے کہ پھر نہ نکلتے اور فرانس اپنے افریقی مقبوضات کی ہوا کو بھی ترستا۔ مگر اس چال میں برطانوی تدبر فوقیت لے گیا۔ اگر فرانکو پہ انگریزوں اور فرانسیسیوں کی چال کا کچھ اثر نہیں ہوا۔

**ترکی کے حالات:-** حکومت ترکی نے استنبول ٹریموے کمپنی کو ڈھائی لاکھ پونڈ میں مکرر خرید لیا ہے۔ گو ٹھیکہ ۱۹۵۰ء میں ختم ہوتا ٹھیکہ دار بلجیم کی ایک کمپنی تھی۔ ٹریم کے ساتھ ساتھ عمارات مستری خانے اور سارا سامان خرید لیا گیا ہے۔

غازی عصمت نے دوبارہ انتخابات کا حکم دیدیا ہے۔ پارلیمنٹ غالباً اُن کے خیالات دیکھ کے خود ہی منتشر ہوگئی۔ اس میں سب ممبر اتاترک کے ہم خیال اور انکے ہی آدمی تھے۔ اب ہر خیال کا ترک پارلیمنٹ میں آسکے گا۔ غازی موصوف نے پرانے ترکوں کو ملک میں آجانے کی اجازت دیدی ہے جن کو اتاترک نے ملک بدر کر رکھا تھا۔ جن اخباروں کو اظہار خیال کی اجازت نہ تھی انھیں آزادی دیدی گئی ہے۔ خیال ہے کہ لاطینی رسم الخط کی جگہ عربی عود کرآئے گا۔ اور نقاب کی بھی اجازت ہوجائے گی۔ غازی پرانے طریقوں کو اتاترک کی طرح خواہ مخواہ مزدود نہیں کرنا چاہتے۔ وہ نئے طریقوں کو اسی حدتک اختیار کرنا چاہتے ہیں جس قدر وہ ملک و قوم کے لئے مفید ہوں۔ ان کی حب الوطنی اس سے ظاہر ہے کہ اتاترک سے مذہبی اختلافات ہوتے ہوئے انھوں نے اپنے خیالات کو ملک و قوم کو فائدہ پہونچانے والی پالیسی کے ماتحت کردیا تھا۔ وہ غالباً اتاترک کی خارجی و داخلی پالیسی بالعموم رکھیں گے۔

**جاپان کے حوصلے:-** مشہور چینی انتزا کی لیڈر جرنیل اتان تونگ نے ایک غیر ملکی اخباری نمایندہ کو بیان دیا کہ اگر جاپان چین پر غالب آگیا تو وہ پھر اپنا رخ جاوا۔ آسٹریلیا اور ہندوستان کی طرف کردیگا۔ مگر چین کے ہاتھوں جاپان کے شکست کھانے کے امکانات موجود ہیں۔ چین سے اسے اپنی جنگی ضرورتوں کے لئے روپیہ حاصل نہ ہوسکا اور جنگ پر جاپان کا اپنا ذاتی سرمایہ صرف کرنا پڑا ہے اس لئے تھوڑے عرصہ میں ہی جاپان اس قدر کمزور ہوجائے گا کہ روس اس کی پشت پر ضرب لگائیگا اور امریکہ دوسری طرف سے ٹھوکر دیگا۔ فرانس اور برطانیہ بھی ایسے موقع پر اس کے منہ پر تھپڑ رسید کریں گے۔ اور جاپان اپنی مالی خرابی کی وجہ سے ان سب ضربات کا کچھ جواب نہ دے سکیگا اور تباہ ہوجائیگا۔ جاپان اگر روس اور جاپان کا سلسلۂ رسد منقطع کرنے میں کامیاب بھی ہوجائے تو اس کا اثر چین پر بُرا نہ پڑیگا۔ کیونکہ ہند چینی اور برما کے ذریعہ چین کو سامان ملتا رہے گا۔

**فلسطین کے مصائب:-** لندن میں فلسطین کے سیاسی حالات کو سلجھانے کے لئے کانفرنس ہو رہی ہے۔ وہاں کی گفتگو کے کسی پہلو سے یہ افواہ اڑ گئی ہے کہ برطانیہ نے فلسطین کو آزاد کر دینے کا فیصلہ کر دیا ہے۔ اس پر عرب بے حد خوش ہوئے لیکن یہودی سخت ناراض ہوئے۔ چنانچہ انھوں نے ہر جگہ عربوں پر حملے کرنے شروع کر دئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تیس کے قریب عرب شہید اور پچاس سے زیادہ زخمی ہوئے۔ ان واقعات سے معلوم ہوا کہ اگر برطانیہ نے بفرض محال عربوں کے مطالبات منظور کر لئے تو یہودی حملے کر کے فضا خراب کر دیں گے۔ یہودیہ شور و شر محض ۲۵ ہزار برطانوی سپاہیوں کے بل پر کر رہے ہیں کہ عرب ان کے ڈر سے کچھ نہ بولیں گے۔ مگر اندیشہ ہے کہ اگر لندن کی کانفرنس عربوں کو مطمئن نہ کر سکی تو اس فوج کے باوجود وہاں امن قائم نہ رہ سکے گا۔ لندن کی کانفرنس جیسا کہ خیال تھا کامیاب ثابت نہ ہو سکی۔ انگریزوں نے ملک کے تین حصے کرنے کی تجویز پیش کی۔ پہلے حصے میں آراضی فروخت کرنے کی اجازت ہوگی۔ دوسرے میں اس فروخت پر پابندیاں ہوں گی۔ تیسرے میں اس کی بالکل اجازت نہ ہوگی۔ پانچ سال تک ۱۵ ہزار یہودی سالانہ داخل ملک ہوتے رہیں گے۔ ملک کا انتظام ہائی کمشنر کے تحت ہوگا۔ یہودیوں نے یہ تجاویز مسترد کر دیں۔ عرب خاموش ہیں۔

**سیاسی چالیں:-** اٹلی اور جرمنی کی روزافزوں طاقت سے برطانیہ اپنی کمزوری محسوس کرنے لگا ہے۔ چنانچہ عرصہ سے ہندوستان و آسٹریلیا آنے کا پرانا راستہ جو افریقہ کے جنوب میں راس امید کے پاس سے ہوتا ہوا آتا تھا پھر اسے زیر استعمال لانے کی ادھیڑبن ہے تاکہ جب بحیرہ روم میں اٹلی اور جرمنی کی ریشہ دوانیوں سے جبل الطارق انگریزوں کو بند کرنا پڑے تو اس وقت عام انگریزی و فرانسیسی جہاز راس امید کے راستہ سے آمد و رفت رکھ سکیں۔ اس کے علاوہ ایک ترکیب اور سوچی گئی ہے کہ فرانس کے جنوب میں دریائے گیرون بورڈو کے پاس بحر اوقیانوس میں جا گرتا ہے۔ ۴۰ سال ہوئے اس دریا کو بحیرہ روم سے ایک چھوٹی سی نہر کھود کے ملا دیا گیا۔ مگر اس نہر سے چھوٹے چھوٹے جہاز ہی جا سکتے ہیں۔ اب اس کو نو کروڑ پونڈ کی لاگت سے چار سال میں اس قدر چوڑا کر دیا جائے گا کہ کئی کئی جہاز ایک وقت میں آجا سکیں۔ اس طرح ہندوستان سے انگلستان جانے والے جہازوں کو ۲½ دن بچ جایا کریں گے۔ جنگ کے ایام میں یہ نہر فرانس اور برطانیہ کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہوگی۔ فرانس کو اب دو بیڑے رکھنے پڑتے ہیں ایک بحر اوقیانوس میں دوسرا بحیرہ روم میں۔ اُس وقت وہ ایک بیڑے سے کام چلا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں اس کے ملک میں آب پاشی بخوبی ہو سکے گی۔ اس نہر کا طول ۲۵۰ میل ہوگا۔

ادھر بحر الکاہل میں امریکہ اپنا ہوائی اور بحری مستقر جزائر گوآم کو بنانا چاہتا ہے۔ اس وقت اس کا مستقر جزائر ہوائی ہیں۔ جو ساحل امریکہ ۲۰۹۸ میل ہیں۔ امدادی مستقر جزائر دیک میں رکھیگا جو ہوائی اور گوآم کے بیچ میں ہیں۔ گوآم ہوائی سے ۳۳ سو میل کے فاصلہ پر ہیں اور جاپان سے ان کا فاصلہ صرف ۱½ ہزار میل رہ جاتا ہے۔ اس چال سے جاپان کے حواس باختہ ہو رہے ہیں کیونکہ اس کی وجہ سے وہ جنوب میں نہیں بڑھ سکتا اور فلپائن امریکہ کے جزائر اور آسٹریلیا اور ہندوستان محفوظ ہو جاتے ہیں۔

**رہبر لڑکیاں:-** بمبئی میں گرل گائڈ تحریک زور پکڑ رہی ہے۔ ہر عمر قوم مذہب کی لڑکیاں اس کی ممبر ہیں۔ ان کے تین درجے ہیں۔ بلیو برڈس (نیلے پرند) گائڈز (رہبر) رینجرز (سیلانی)۔ ان سب کا کام مخلوق کی مدد کرنا ہے۔ مکانوں کی چھتیں تک انھوں نے درست کی ہیں۔ ان پڑھوں میں تعلیم کا شوق پھیلاتی ہیں۔ دستکاری کشیدہ کاری۔ طباخی وغیرہ کا کام سکھاتی پھرتی ہیں۔ ۲۴ مارچ کو مہاراجہ ایدر کی ایک بڑی عمارت میں ان کے کاموں کا مظاہرا ہوا ٹکٹ پانچ روپے لگایا گیا۔ ایک روپیہ مزید عطیہ دینے پر قرعہ اندازی سے انعامات دئے گئے۔

یہ تحریک گاؤں گاؤں پھیلتی چلی جا رہی ہے۔ لوگوں کے گھر صاف ستھرے ہوتے جا رہے ہیں۔ ان کی وجہ سے محکمۂ صحت کے

بیادگار محترمہ خاتون اکرم جنت مکانی

# جوہرِ نسواں دہلی

ہندوستان بھر میں زنانہ دستکاری کا واحد رسالہ جو ۱۹۳۴ء سے دفتر عصمت سے پابندی وقت کے ساتھ شائع ہو رہا ہے

جوہر نسواں میں مختلف قسم کی زنانہ دستکاریوں کے نئے نئے نمونے ہر ماہ شائع ہوتے ہیں۔ سال میں دو خاص نمبر دئے جاتے ہیں۔ چنانچہ مارچ ۱۹۳۹ء میں اس کا نواں خاص نمبر "گلستان خیاطی" ایک مستقل کتاب کی صورت میں شائع ہوا ہے جس میں فن خیاطی یعنی کپڑوں کی کٹائی سلائی کے بہت اچھے اچھے نمونے اور اس فن کے متعلق نہایت کارآمد مضامین ہیں۔

## جوہر نسواں کا نواں خاص نمبر گلستان خیاطی

کس قدر کامیاب ہے اس کا اندازہ مندرجہ ذیل خطوط سے بھی ہو سکتا ہے

(۱) رسالہ جوہر نسواں چار سال سے میرے نام نہایت پابندی سے آرہا ہے۔ نواں خاص نمبر گلستان خیاطی جس کا انتظار بہت بے چینی سے کر رہی تھی موصول ہوا جو خوشی حاصل ہوئی وہ احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔ جس قدر توقع تھی اس سے کہیں زیادہ دلچسپ اور شاندار پایا۔ ہر نمونہ اس قدر صاف و عمدہ ہے کہ بے ساختہ آفریں کہنی پڑتی ہے جوہر نسواں جو مفید خدمات عورتوں کی انجام دے رہا ہے وہ قابل تحسین ہیں اگر اس کا چندہ چار روپیہ بھی ہو جائے تو بھی کم ہے　　طاہرہ بنت مرزا عبدالحئی بیگ پرنسپل گورنمنٹ کالج اٹاوہ

(۲) رسالہ جوہر نسواں کا نواں خاص نمبر ملا۔ ماشاء اللہ قابل تعریف ہے۔ توقع سے زیادہ شاندار پایا۔ باجی فہمیدہ عباس کو بھی بہت پسند آیا سب نمونے بہت خوبصورت ہیں اور تراکیب اس قدر آسان کہ ایک بچی بھی لباس آسانی لباس تیار کر سکتی ہے۔ خیاطی سے دلچسپی رکھنے والی بہنیں اس کتاب سے بہت فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔　　خورشید عباس انصاری۔ اعظم گڈھ

(۳) مارچ کا جوہر نسواں گلستان خیاطی موصول ہوا دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ ہر ایک نمونہ و ڈیزاین دیکھنے کے قابل ہے آپکی کوشش سے ماشاء اللہ یہ رسالہ بہت کامیاب نکلا اور انشاء اللہ تعالیٰ یوں ہی کامیاب رہیگا۔ جوہر نسواں اس قدر کامیاب پرچہ ہے اگر چار یا پانچ روپیہ بھی اس کا چندہ ہو تو میرے خیال میں کچھ نہیں۔ آپ ہم ناچیز بہن کی جتنی خدمت کر رہے ہیں وہ بیان سے باہر ہے۔　　راشدہ بنت محمد حسین وکیل مرحوم استھانواں

(۴) جوہر نسواں کا خاص نمبر دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا آپکی کاوش کی داد نہیں دی جا سکتی یقیناً اسکی تیاری میں آپ کو بڑی محنت کا سامنا پڑا ہوگا زنانہ دستکاری کا رسالہ آج تک کوئی ایسا نہیں نکلا میرے نزدیک تمام رسالوں کی صف اول میں اس کا درجہ ہے یہ خاص نمبر اور دیگر ماہناموں کو دیکھتے ہوئے اس کا چندہ بھی کسی صورت میں زیادہ نہیں ہے۔ جوہر نسواں نے دستکاری میں ایک نئی روح پھونکدی ہے اور اس کے خاص نمبر اپنی مثال آپ ہیں آپ نے اس رسالہ کو جاری کرکے جو احسان عورتوں پر کیا ہے اسکی نظیر نہیں خدا آپکے ارادوں اور کوششوں میں کامیاب کرے۔ آمین　　الف الف ناز جعفری　سیتا پور

(۵) ماہ مارچ کا خاص نمبر بنام "گلستان خیاطی" وصول ہونے سے انتہائی مسرت ہوئی۔ اس خاص نمبر کا ہر نمونہ قابل تحسین ہے اور ہدایات بالکل عام فہم۔ اس رسالہ کے مطالعہ کے بعد کوئی لڑکی بھی فن خیاطی سے محروم نہ رہیگی آپ نے اس کی اشاعت میں نہایت فراخدلی سے جواہر ریزی کی ہے جن کی بدولت ہمیں جواہرات و معلومات کا خزانہ دستیاب ہوا۔　　ضیاء بیگم۔ کولار خریدار نمبر ۲۵۱۵

(۶) رسالہ جوہر نسواں کا خاص نمبر از ابتدا تا انتہا غور دیکھا۔ جیسا خیال تھا اس سے بدرجہا بہتر پایا ہر ڈیزاین خوبی و ہنرمندی کا نمونہ ہے

توصیف جہاں بیگم جاورہ خریدار نمبر ۳۰۱۲

(۷) عین انتظار میں گلستان خیاطی پہنچا دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا جس نے دیکھا بغیر تعریف کئے نہ رہ سکا۔ جوہر نسواں ماشاء اللہ بہت اچھا رسالہ ہے میں نے اس کی بدولت بہت کام سیکھے ہیں۔ بھائی رازق الخیری کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے۔　　آفتاب بیگم۔ شملہ

**گلستان خیاطی** یعنی جوہر نسواں کے اس خاص نمبر کی قیمت علاوہ محصول ۸؍ ہے مگر جوہر نسواں کے خریداروں کو صرف ۱۳؍ میں دیا جا رہا ہے یعنی جدید خریدار ۱۳؍ اس خاص نمبر کی رعایتی قیمت اور ۲؍ سالانہ چندہ کل تین روپیہ ایک آنہ کا منی آرڈر بھیجکر یہ خاص نمبر منگالیں اور سال بھر کے خریدار ہو جائیں۔ وی پی ۳؍ کا بھیجا جائیگا۔

**منیجر جوہر نسواں و عصمت دہلی**

ملازمین کو حفظان صحت کے فرائض ادا کرنے پر مجبور رہونا پڑتا ہے۔

**تاروں کا جھرمٹ**؛ راجکوٹ میں پولیس میں عورتیں نئی نئی بھرتی ہوئی ہیں۔ وہاں زنانہ پولس نے عورتوں کے ایک مجمع کو ہلکی ہلکی لاٹھی چلا کے منتشر کر دیا۔ زنانہ پولیس کو ایسا موقع پہلی مرتبہ پیش آیا ہے۔

**انگلستان** میں شادی شدہ عورتوں کی ایک انجمن ہے جس نے سارے انگلستان کو چھان مار کر کوئی ایسے دل گردہ کا مرد ملے جو بیاہی ہوئی عورتوں کے بھرے ہوئے کمرہ میں آ کے اس تجویز کی تردید کرے کہ شادی شدہ عورت خانہ داری کی ذمہ دار ہوتے ہوئے میاں بیوی کی مشترکہ آمدنی کے ایک حصہ کی بطور خود مستحق ہے۔ وہ پارلیمنٹ کے سامنے ایسا مسودہ قانون پیش کرنے والی ہیں۔ انھوں نے سیاست دانوں لارڈوں مشہور وکیلوں اور بحث کرنے والوں کو لکھا کہ کوئی آئے اور ۲۴ فروری کو ہونے والے انجمن کے جلسہ میں اس تجویز کی مخالفت میں تقریر کرے۔ مگر کسی نے چوں نہیں کی اور لکھا تو یہ کہ مخالف بحث کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔

بہار کی کانگریسی وزارت نے بنارس ہندو یونیورسٹی کو ایک لاکھ بیس ہزار روپیہ کی امداد منظور کی ہے لیکن علیگڈھ مسلم یونیورسٹی کو فدایا دنہ کیا۔ وہاں کے وزیر تعلیم علیگڈھ کے ایک اولڈ بوائے ڈاکٹر سید محمود ہیں۔ بنارس یونیورسٹی میں مسلمان طلبا کی تعداد غالباً فی ہزار ایک ہے اس کے برعکس علیگڈھ میں ہندو طلبا کا تناسب آٹھ فیصدی ہے۔

**سونی پت** کی کمیٹی نے مڈل سکول توڑ کے چار جماعت تک کر دیا ہے۔ اس میں مسلمان لڑکیاں پڑھا کرتی تھیں۔ اب وہ اس فائدہ سے محروم ہو جائیں گی۔ ہندوؤں پر اس کا اثر اس لئے نہ پڑے گا کہ ان کے دو ذاتی ہائی اسکول ہیں۔

لکھنؤ میں مدح صحابہ کی تحریک پھر زوروں پر شروع ہو گئی ہے اور سنی مسلمانوں نے مقاومت مجہول شروع کر دی ہے اور قریباً سو کے قریب سنی جیل میں جا چکے ہیں شیعوں کو اعتراض ہے کہ تینوں خلفا کی تعریف سے ان کے دل دکھتے ہیں اس لئے حکومت یوپی نے سنیوں کو بر سر عام مدح صحابہ پڑھنے کی ممانعت کر دی ہے۔

**انگلستان** کی ایک ۱۶ سالہ کنواری نے ٹینس کے ایک زبردست میچ میں بمقام وجبلی ایک بڑے مرد کھلاڑی کے مقابلہ میں بازی جیت لی۔

**مولوی** مظہر الدین ایڈیٹر و مالک اخبار الامان و وحدت دہلی کو اُن کے دفتر میں بیدردی سے قتل کر دیا گیا اس سلسلہ میں کئی شخص گرفتار ہوئے ہیں۔ مولوی صاحب اچھے مقرر و مصنف تھے اُن کی موت سے قوم کو بہت نقصان پہونچا ہے۔

**بمبئی** کا ایک سیٹھ سکنڈ کلاس میں اپنی بیوی سمیت سفر کر رہا تھا۔ چار برتھ ریزرو تھے۔ ایک سٹیشن پر سٹیشن ماسٹر نے اور گاڑیوں میں جگہ نہ ہونے کے باعث ایک مسلمان کو بٹھا دیا۔ سیٹھ منہ بنا کے بیٹھ گیا اور کہا جاتا ہے کہ سارے راستہ کھانا نہ کھایا۔ ریل پر پانچ روپیہ حرجانہ کا اس نے دعوےٰ کیا۔ ریل نے اس کے بھوکے رہنے پر افسوس کا اظہار کیا جس پر سیٹھ نے دعویٰ واپس لے لیا۔

**حیدر آباد سندھ** کے زنانہ ٹریننگ کالج کی پرنسپل کا خود نویس قلم گم ہو گیا اس نے ۳۰ زیر دست استانیوں کی تلاشی لی انھوں نے اسے ہتک قرار دے کر ہڑتال کر دی اور مطالبہ یہ ہے کہ وہ معافی مانگے۔ مگر وہ دھمکی دے رہی ہے کہ الٹا ان سب کے وظیفے بند کر دوں گی۔

**شہزادی** برار دُرِ شہوار کو اللہ تعالےٰ نے دوسرا فرزند ارجمند عطا فرمایا ہے

**نیویارک** سے ایک عورت محض اس بنا پر نکال دی گئی ہے کہ وہ چپلی اور جانگیہ پہن کے باہر نکلتی تھی ۱۹۳۶ء میں اسی عورت کو طلاق لیتے ہوئے عدالت نے نکل جانے اور مناسب لباس پہن کے آنے کا حکم دیا۔ اگلے دن بھی وہ دوسرے جانگیہ میں گئی بیچاری نکال دیا گیا۔

| [illegible] کھانے | [illegible] کھانے | [illegible] کھانے | [illegible] کھانے | [illegible] کھانے |
|---|---|---|---|---|
| [illegible] کھانے | نفیس نفیس کھانے | لذیذ کھانے | عمدہ عمدہ کھانے | [illegible] کھانے |
| [illegible] کھانے | | | | [illegible] کھانے |

## سینکڑوں قسم کے کھانے تیار کرنے کی اردو زبان میں بے نظیر کتاب

# عصمتی دسترخوان حصہ اول

جس کی ایک نمایاں خصوصیت جو اس موضوع کی اور کسی کتاب میں نہ ملے گی یہ ہے کہ تمام ترکیبیں تجربہ کرنے کے بعد لکھی گئی ہیں اس لئے ترکیبیں بالکل صحیح ہیں اور وزن بالکل درست! ہندوستان بھر کے ہر حصہ کی تجربہ کار عصمتی بہنوں نے اس کتاب کی تیاری میں حصہ لیا ہے اور ایڈیٹر صاحب عصمت کی اہلیہ محترمہ آمنہ نازلی صاحبہ نے بڑی محنت سے کتاب مرتب فرمائی ہے۔ باورچی خانہ کے انتظام اور کھانوں کے متعلق نہایت قیمتی ہدایات و مضامین درج کئے گئے ہیں۔ ایک ایک چیز کی کئی کئی قسم کی تیار کرنے کے لئے بھی عصمتی دسترخوان سے بہتر کتاب ملنی ناممکن ہے مثال کے طور پر صرف دو کھانوں کی فہرست ملاحظہ فرمائیے۔

| پڈنگ کی ترکیبیں | | کبابوں کی ترکیبیں | | |
|---|---|---|---|---|
| پام پڈنگ | انجیر پڈنگ | ران کے کباب | کباب بیضہ مرغ | تاشس کباب |
| کھوئے کی پڈنگ | اسنڈ پڈنگ | آلو کے کباب | کچے قیمہ کی ٹکیاں | شامی کباب |
| نانکی بھری پڈنگ | شبت پڈنگ | کچے آلو کے کباب | گوشت کے میٹھے کباب | آنتوں کے کباب |
| جنجر پڈنگ | جلیبیوں کی پڈنگ | ناریل کے کباب | کباب مرغ مسلم | انگریزی کباب |
| روز پڈنگ | میوہ دار پڈنگ | مچھلی کے بیسنی کباب | سیخ کے چٹ پٹ کباب | اروی کے کباب |
| اناس پڈنگ | کشمش پڈنگ | سیخ کے کباب | مچھلی کے شامی کباب | اور کئی کئی قسم کے |
| کمزور بیماروں کیلئے | بالائی پڈنگ | پسندے کے کباب | دہی کے کباب | کباب |

## یہ صرف دو چیزوں کی فہرست ہے

اسی سے کتاب کا اندازہ کریجئے۔ چاول سلونے اور میٹھے۔ سوئیاں کھیر فیرنی۔ سادے اور ترکاری کے سالن مچھلی، مرغ جیلی۔ بسکٹ کیک۔ دالیں۔ مٹھائیاں۔ حلوے۔ چٹنیاں۔ مربے۔ اچار۔ سموسے، بڑے پوری۔ کچوریاں۔ پراٹھے۔ روٹی۔ غرض ہر قسم کے شرقی و مغربی کھانوں کی بڑی بڑی اچھی ترکیبیں ہیں اور ہر چیز کی کئی کئی درجن صحیح ترکیبیں! **اس کتاب کا ہر گھرانے میں ہونا ضروریات میں سے ہے** ہندوستان بھر میں اس کی دھوم مچ گئی ہے۔ بہت سی عورتیں اس کتاب کی بدولت عمدہ عمدہ و ذائقہ دار کھانے پکانے لگی ہیں۔ لڑکیوں کو یہ کتاب اشد ضروری سمجھ کر جہیز میں دی جاتی ہے۔ سینکڑوں خواتین نے اس کی تعریف میں خطوط بھیجے ہیں اور کتنے ہی مردوں نے اس کتاب کی اشاعت پر مؤلفہ و پبلشر کا شکریہ ادا کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کھانے پکانے کی اس قدر صحیح اور ایسی کارآمد کتاب ہندوستان کی کسی زبان میں آج تک نہیں چھپی۔ اس کی تیاری پر پانی کی طرح روپیہ بہایا گیا ہے۔ پہلے ہی سال میں ہاتھوں ہاتھ تین ایڈیشن نکل گئے اس کتاب پر اس قدر محنت کی گئی ہے کہ اگر پانچ روپے قیمت بھی ہوتی تو کم تھی لیکن اس لئے کہ ہر شخص اس سے فائدہ اٹھا سکے صرف دو روپیہ قیمت رکھی ہے۔ مجلد کی قیمت صرف دو روپیہ چار آنہ ہے۔ اور زیادہ تر مجلد ہی منگائی جاتی ہے۔

**پتہ: منیجر رسالہ عصمت، کوچہ چیلان دہلی**

# عصمتی دسترخوان کے علاوہ عصمتی کُکن ہیں ہال

## یہ کتابیں بھی شائع کی گئی ہیں!

جو ہاتھوں ہاتھ نکل رہی ہیں

**عصمتی ہنڈکلیا** — یہ کتاب بچیوں کے لئے ہے تاکہ وہ شادی سے قبل کھانے پکانے کے فن میں ماہر ہو جائیں اور ایک کنواری بچی کو جو جو کچھ جاننا چاہئے عملی طور پر اس سے واقف ہو جائے۔ سوا سو کھانوں کی صحیح صحیح ترکیبیں بچیوں ہی کے مطلب کی درج کی گئی ہیں پھر خوبی یہ کہ کھانے پکانے کے متعلق نہایت مفید مضامین اور کارآمد ہدایتیں درج کی گئی ہیں جو ہر لڑکی کو ضرور جاننی چاہئیں۔ باتصویر ٹائٹل قیمت صرف ۸؍

**ناشتہ** — دوپہر اور رات کے کھانے سے قبل صبح اور تیسرے پہر کیا کیا ناشتہ کیا جاتا ہے۔ اس موضوع پر سب سے پہلی قابل قدر کتاب جس میں چاء۔ کوکو۔ شربت لسی، فالودہ، آئس کریم۔ بسکٹ۔ کیک۔ ٹوسٹ، کڑھائی وغیرہ وغیرہ نیز ہندوستان کے ہر صوبے اور ہر حصے کے مختلف قسم کے ناشتوں کی کئی کئی ترکیبیں ہیں گویا اس کتاب کی موجودگی میں جس حصہ ملک کا مہمان ہمارے ہاں آئے، اسی کے مطلب کی چیز ہم ناشتے میں پیش کر کے محو حیرت کر سکتے ہیں۔ قیمت ۱۰؍

**بچوں کے کھانے** — ننھے بچوں کے لئے اصول صحت سے کس قسم کی غذا دینی چاہئے، کون سے کھانے مفید ہیں اور وہ کس طرح تیار ہوتے ہیں اس موضوع پر بے نظیر کتاب جس میں بچوں کے صحت بخش اور مفید کھانوں کی کئی درجن تجربہ کی ہوئی صحیح ترکیبوں کے علاوہ کئی نہایت کارآمد مضامین بھی ملک کے قابل قابل ڈاکٹروں اور تجربہ کاروں کے لکھے ہوئے ہیں۔ باتصویر قیمت صرف ۸؍

**بیماروں کے کھانے** — بیماروں کے لئے جو کھانے بہت مفید ہیں اس میں صرف انہی کی ترکیبیں ہیں۔ اور کئی قابل تجربہ کار ڈاکٹروں نے اس کی تیاری میں حصہ لیا ہے۔ تمام ترکیبیں تجربہ کی ہوئی ہیں اور بے حد کارآمد ہیں۔ مضامین بھی بے انتہا مفید و قابل قدر ہیں۔ ہر گھر میں اس کتاب کا ہونا ضروری ہے باتصویر قیمت دس آنہ ۱۰؍

**مذاقیہ کھانے** — دولہا بھائی سے، نندوئی سے، سہیلیوں سے بدلہ مذاق کرنے کے لئے نہایت دلچسپ کتاب جس میں ہر ترکیب صحیح ہے۔ بیہودہ تکلیف دہ عامیانہ مذاق کی بجائے اس کتاب سے شائستہ تفریح کیجئے اور اس ہنسنے ہنسانے والی کتاب سے زندہ دلی کا ثبوت دو۔ لڑکیوں کی شادی کی رسومات و چہل کی تفریح کیلئے لڑکیاں یہ کتاب نہایت شوق سے منگاتی ہیں۔

**مشرقی مغربی کھانے** — [illegible]

# زنانہ دستکاری کی مفید کتابیں

## جو اپنے اپنے موضوع پر بہترین تسلیم کی جا چکی ہیں

## (۱) عصمتی کروشیا

کروشیا کی شوقین بہنوں کے لئے بہترین تحفہ

یہ کتاب فن کروشیا کی مشہور ماہر محترمہ فاطمہ انور علی بیگم صاحبہ نے ترکیبیں اور ہدایات لکھ کر مرتب کی ہے۔ مجلہ عصمت کی مشہور مضمون نگار محترمہ و۔ا۔ صاحبہ کی رائے ہے "یہ خوبصورت اور کامیاب کتاب بہت محنت سے مرتب کی گئی ہے"۔ محترمہ لطیف بیگم صاحبہ جن کے کروشیا کے کام کے مضامین رسالہ عصمت میں خوب مقبول ہو چکے ہیں لکھتی ہیں "عصمتی کروشیا کے نقشے اس قدر صاف واضح اور آسان ہیں کہ سمجھنے میں بالکل دقت نہیں ہوتی"۔ محترمہ نفیس بیگم صاحبہ موجد کروشیا کی رائے ہے "جو ہدایات دی گئی ہیں ان سے نمونے بنانے میں بہت سہولت ہو جاتی ہے"۔ دوسرا ایڈیشن نہایت آب و تاب کیساتھ بڑے سائز پر شائع ہوا ہے کاغذ نمبر ۱۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ

### مختصر فہرست عصمتی کروشیا

| | | |
|---|---|---|
| مجلہ نما گاڑی | قارم ہاؤس | گرونانٹ |
| ڈاک بنگلہ | مسجد کا دروازہ | امام حسین |
| ہوئی مع شکل | مرغ | شیر ببر |
| گلدستہ | تاج محل آگرہ | جامع مسجد |
| ۵ نفیس نشرتیں | ۱۱ دلاویز جھالریں | ۶ خوبصورت کونے |
| خوش آمدید | عید مبارک | درخت نما ڈالی |
| چڑیا ڈالی پر | طرہ دان | پردار گھوڑے |
| کاڈ بیس | راج ہنس | بچہ مع تیر و کمان |
| ایکسفادری مع پنکھا | کی کرسی، تسلے | گلدستے و گلدان |

## (۲) عصمتی کشیدہ

اس کتاب میں کشیدہ کاری کے نہایت اچھے اچھے نمونے دیے گئے ہیں

ضروری اور کارآمد ہدایتیں اس قدر آسان پیرایہ میں لکھی گئی ہیں کہ چھوٹی چھوٹی بچیاں بھی سمجھ سکیں ہر نمونہ کی ضروری تشریح کی گئی ہے یعنی نمونہ کس کس چیز کے لئے موزوں ہو سکتا ہے اور کس کس رنگ میں ہونا چاہیئے۔ اور کیا کیا احتیاط ضروری ہے پھر نمونے شروع ہوتے ہیں۔ میز پوش پلنگ پوش۔ رومال۔ کرسیوں کے گدوں تکیوں کے غلاف پلنگ کی چادروں۔

پردوں وغیرہ وغیرہ کے وسط اور کونوں کے لئے مختلف قسم کے پھولوں، بوٹوں، گلدستوں وغیرہ کے کئی درجن خوبصورت نمونے ہیں۔ ان کے بعد کئی وضع کی دلاویز بیلیں پھر مختلف قسم کی کڑھت کے عمدہ عمدہ نمونے ایک درجن سے زیادہ اس کے بعد پرندوں اور چند مشہور عمارات کے خاکے غرض بچیوں کیلئے یہ کتاب بہت کارآمد ہے اور انہیں ہنرمند بنا دیگی پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا اب دوبارہ چھپی ہے قیمت ۱۲

## (۳) گلدستۂ کشیدہ

عصمتی کشیدہ کا دوسرا حصہ

کشیدہ کاری کی اس قدر خوبصورت اور اتنی کارآمد کتاب آج تک نہیں چھپی

اس کتاب کی تیاری میں ۲۰ دستکار بہنوں نے حصہ لیا ہے۔ اور کشیدہ کاری کی مشہور ماہر محترمہ علیا فاطمہ بیگم صاحبہ آگرہ نے نہایت محنت و قابلیت سے کتاب کو مرتب فرمایا ہے۔

کتاب کے ۱۱ باب ہیں جن کی تفصیل یہ ہے

| باب | مضمون | نمونے |
|---|---|---|
| باب ۱ | خوبصورت فریم طغرا یا نمونہ تاج محل عید کا تحفہ فوٹو وغیرہ | ۹ نمونہ |
| باب ۲ | مختلف قسم کے پھولوں کرنوں ڈالیوں کے | ۶۲ ° |
| باب ۳ | مختلف وضع کے بنے پھول | ۴۴ ° |
| باب ۴ | میز پوش چادروں وغیرہ کے کونے | ۱۹ ° |
| باب ۵ | غلاف تکیہ وغیرہ کے خوشنما مرکز | ۱۸ ° |
| باب ۶ | مختلف وضع کے گول پھول | ۱۱ ° |
| باب ۷ | بیل کلابتہ۔ پلنگ کی چادریں ساری وغیرہ کی بیلیں۔ | ۱۶ ° |
| باب ۸ | دستر شن کی بوٹیاں وغیرہ | ۸ ° |
| باب ۹ | قیص کے کف | ۳ ° |
| باب ۱۰ | قیص کرتہ بلاؤز کے گریبان | ۴ ° |
| باب ۱۱ | متفرق۔ شالی کی لوزی بچوں کے بب۔ جوتہ۔ پاندان کا غلاف بائیسکل کی گدی بٹوہ وغیرہ۔ | ۱۵ ° |

موتیوں کے کام کی طرح گلدستۂ کشیدہ میں بھی پہلے نہایت کارآمد ہدایتیں ہیں پھر نمونوں کے مطابق کاڑھنے کی مفصل ترکیبیں ہیں جن میں ہر چیز کا سائز، رنگ، ٹانکہ یا دیگر خوبیاں دی گئی ہیں اور تمام نمونے نہایت صاف ہیں۔ اکثر نمونے ایسے خوبصورت ہیں کہ آج تک کشیدہ کاری کی کسی کتاب میں دیکھنے میں نہ آئے ہونگے اور ترکیبیں تو اس قدر آسان ہیں کہ چھوٹی بچیاں بھی سمجھ سکتی ہیں۔ گلدستہ کشیدہ میں سب نئے نئے نمونے ہیں یعنی جو عصمتی کشیدہ والے ہیں وہ اس کتاب میں نہیں ہیں کاغذ خوب موٹا دبیز اعلیٰ درجہ کی چھپائی۔ ٹائٹل رنگین ضخامت ۱۲۰ صفحے قیمت ۱۲

## (۵) موتیوں کا کام

موتیوں کے کام کا شوق لڑکیوں میں روز بروز ترقی کر رہا ہے مگر یہ کام ایسا ہے کہ جب تک بتانیوالا نہ ہو سمجھ میں نہیں آتا اور جب اشارہ مل جائے تو آسانی کیا جا سکتا ہے یہ کام جو کہ نہایت دلچسپ اور مفید۔ غریبوں کے لئے روزی کا ذریعہ ہو سکتا ہے تو امیروں کے لئے دل بہلانے کا۔ ان ہی باتوں کو پیش نظر رکھ کر یہ مفید کتاب دستکاری کی ماہر ۲۷ عصمتی بہنوں سے تیار کی ہے اور دعوی کیا جا سکتا ہے کہ موتیوں کے کام کی ایسی مفید کتاب ہندوستان بھر میں نہیں چھپی۔ اس میں مندرجہ ذیل ۲۰۶ نمونے ہیں۔

| | | |
|---|---|---|
| ۴۸ وضع کے پھول گلدستے | ۲۷ قسم کی لیس | ۳۱ جھالریں |
| ۱۴ عمدہ عمدہ فریم | ۱۱ نشرتیں تتریں وغیرہ | ۳ جالیاں |
| ۲۹ وضع کی بیلیں | ۸ ٹمکس ار | ۸ خوان پوش |
| ۹ حاشیہ کنارہ | ۲ پنکھے | ۳ منی بیگ |
| ۶ سینڈیک کے تختے | ۶ پرس | گلاس پوش چھتے |
| متفرق چیزیں پان کی گلوری | ہر اللہ۔ بیلیں | لیمپ کے جھاڑ وغیرہ ۱۰ عدد |

مثال کے طور پر صرف دو چیزوں کی فہرست پیش کی جاتی ہے

| بیلیں | | لیسیں | |
|---|---|---|---|
| بادام کی بیلیں ۲ | گلاب کی بیل | جگنو نما لیس | برگ تاک نما |
| آسان بیل | مینک نما بیل | کرن یکی لیس | ہاتھی نما لیس |
| سادی بیل | لٹ دار ° | گنگا جمنی لیس | جال نما لیس |
| مورپنکھ کی بیل ۲ | جو لائی ° | انگوری دار لیس | بادام کی لیس ۲ |
| نرگس کی ° | کی کا کنگن کی | موسیقی لیس | مورپنکھ کی لیس |
| ساکھی کی ° ۳ | دامن کی بیل | امرلتیاں | لوز نما لیس |
| اورہنی ° | حاشیہ کی | جودر | سادہ لیس |
| قیصر کا کمیر | نفیس بیل | ناکٹ لٹیاں | شلبر رکابی نما |
| | | بھر نیتی کی بیل | دلکش لیس نما |
| | | سے رخی ° | چڑیا کی لیس |

پہلے موتیوں کے کام کی ماہر بہنوں کے نہایت کارآمد مضامین ہدایات دیئے ہیں پھر مفصل ترکیب اور ضروری ہدایات ہر نمونہ کی اس قدر صاف لکھی گئی ہیں کہ نوشق بھی پورا فائدہ اٹھا سکتی ہیں چنانچہ بعض ترکیبیں ۲۔۳۔ اور ۴۔۴ صفحوں میں ہیں جو کہ باآسانی سمجھ میں آ جاتی ہیں تمام نمونے نہایت صاف اور خوبصورت ہیں کسی نمونہ کے سمجھنے میں دقت نہیں ہوتی موتیوں کے کام کا شوق رکھنے اور یہ کام سیکھنے والی لڑکیوں اور عورتوں کے لئے اس سے بہتر ساتھی نہیں ملے گی۔ کاغذ خوب دبیز لکھائی چھپائی نہایت اعلیٰ ٹائٹل دو رنگ کا باتصویر خوبصورت۔ قیمت دو روپے ۲

(۶) عصمتی دستکاری
(۷) سلمہ ستارے کا کام
(۸) نٹنگ یا بننے کی کتاب

ان کتابوں کا اشتہار کسی دوسری جگہ ملاحظہ فرمایئے۔

## (۴) خواتین کی دستکاریاں

جو عورتیں مالی دقتوں سے پریشان ہیں جنہیں آمدنی کی کمی اور اخراجات کی زیادتی نے پریشان کر رکھا ہے وہ اگر ایک جلد خواتین کی دستکاریاں منگا لیں تو گھر پر خود داری و عزت کیساتھ زندگی گزار سکتی ہیں کیونکہ اس کتاب میں ہندوستان اور مغرب کی عورتوں کو نہایت کارآمد پیشے بتائے گئے ہیں اور بہت سے کاموں کی اس قدر تفصیل بیان کر دی ہے کہ بغیر کسی کا احسان اٹھائے صرف اس کتاب کی بدولت مالی پریشانیوں کو باآسانی دور کر سکتی ہیں۔ خواتین کی دستکاریاں جہاں بے روزگار عورتوں کو بہترین مشورہ دیگی وہاں امیر عورتوں کو بھی ہنرمند اور سلیقہ شعار بنا دے گی۔ قیمت آٹھ آنہ۔

ملنے کا پتہ۔ منیجر عصمت دہلی

Regd. No. L. 1872 | May 1939 | Established 1908

قائم شدہ ۱۹۰۸ء

یادگار حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ



The ISMAT, Delhi.

# عصمت

شریف ہندوستانی بیبیوں کیلئے
پاکیزہ خیالات
علمی۔ ادبی مضامین
اور
مفید معلومات کا ماہوار ذخیرہ۔

مئی ۱۹۳۹ء

ایڈیٹر:- رازق الخیری

چندہ سالانہ قسم خاص (۱۰)
چندہ سالانہ چار روپے

# تصانیف فخرِ نسوانِ ہند محترمہ خاتون اکرم جنت مکانی

محترمہ خاتون اکرم صاحبہ تعلیم یافتہ ہندوستانی خواتین کی محبوب ترین انشاپرداز تھیں جن کی مضمون نگاری کا ہندوستان بھر میں ڈنکا بج چکا ہے جن کے فلسفیانہ خیالات نے جن کے دردِ دل میں ڈوبے ہوئے طرزِ تحریر نے بڑے بڑے قابل مردوں سے خراجِ تحسین وصول کیا تھا۔ مشہور انگریزی روزنامہ بمبئی کرانیکل کی رائے ہے "مرحومہ خاتون اکرم نہایت اعلیٰ درجہ کا ادبی مذاق رکھتی تھیں اور اپنے خیالات و جذبات کو نہایت سادہ مگر پُرزور انداز اور مختصر الفاظ میں ادا کرنے کی قدرت رکھتی تھیں" علی گڈھ میگزین لکھتا ہے "ان کا طرزِ بیان پُراثر اور دل نشین ہوتا ہے"۔ رسالہ نورجہاں نے لکھا تھا "مرحومہ چھوٹی سی عمر میں نہایت دانشمندانہ اور وسیع تجربہ رکھنے والی خاتون تھیں اپنی پرزور تحریر میں انسانی جذبات کی تصویر نہایت خوش اسلوبی سے کھینچتی تھیں"

## (۱) گلستانِ خاتون

محترمہ خاتون اکرم ملک کے بہترین افسانہ نگار مردوں میں بھی نہایت ممتاز درجہ رکھتی تھیں گلستانِ خاتون متفقہ طور پر اردو کے بہترین افسانوں کا مجموعہ تسلیم کی گئی ہے۔ شہیدِ ظلم۔ آرزوؤں پر قربانی۔ انقلابِ زمانہ۔ تربیتِ اولاد۔ طرزِ زندگی۔ پیچ کی فتح۔ دوسری شادی وغیرہ وہ سبق آموز موثر اور دردانگیز افسانے ہیں جو زنانہ لٹریچر میں غیرفانی درجہ رکھتے ہیں اس سے پہلے کسی ہندوستانی خاتون کے ایسے بلند پایہ افسانوں کا مجموعہ نہیں چھپا۔ پیسہ اخبار لکھتا ہے "یہ وہ دلچسپ افسانے ہیں جن میں کوئی افسانہ خلافِ قیاس نہیں بلکہ مشاہدہ اور فطرت کے موافق ہے انکی دلچسپی خاتمہ کتاب پر خود بخود مائل کرتی ہے" اخبار ریاست کی رائے ہے "نہ صرف خواتین بلکہ مردوں کو بھی ان سبق آموز اخلاقی افسانوں کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے" رہنما لکھتا ہے "ہر افسانہ اس قدر دلکش ہے کہ بغیر پورا کئے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ یہ افسانے ہمارے موجودہ تمدن و معاشرت کی خرابیوں کی اصلاح کرنے والے ہیں" ذوالقرنین لکھتا ہے "ان افسانوں میں ایک خاص خوبی یہ ہے کہ جس کا کیرکٹر بیان کیا ہے اس میں موقع و حیثیت کے لحاظ سے زبان و لہجہ استعمال کیا گیا ہے"۔ ملک کے تمام مشہور اخبارات و رسائل نے نہایت شاندار ریویو کئے ہیں کتاب کا دیباچہ مولوی راشد الخیری ایڈیٹر عصمت نے لکھا ہے تمام کتاب ست کاغذ پر رنگین چھپی ہے اردو میں ایسی خوبصورت کتابیں بہت ہی کم نکلیں گی ٹائٹل خوبصورت عمدہ لکھائی چھپائی قیمت ایک روپیہ چار آنہ ۱۴ مجلد ۱۴

## (۲) پیکرِ وفا

ایک دلاویز نتیجہ خیز افسانہ۔ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ وفا عورت کی خلقت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور شریف بیوی اپنے شوہر کیلئے کیسی قربانیاں کر دکھاتی ہے کہ دنیا حیرت میں رہ جائے۔ رسالہ ہمایوں کی رائے ہے "یہ ایک کامیاب اور مفید افسانہ ہے جس میں عورتوں کے اس احترام کو واضح کیا گیا ہے جو کہ تعلیمِ اسلام نے ہمیں دی ہے انداز بیان دلآویز عبارت سادہ و شگفتہ" اخبار کشمیری کی رائے ہے "بیان دلفریب ہے" اخبار صداقت کی رائے "پلاٹ اور برگزیدہ ہونے کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کا افسانہ ہے"۔ بار سوم۔ قیمت آٹھ آنے

## (۳) بچھڑی بیٹی

ایک دلچسپ سبق آموز افسانہ جو کئی زنانہ رسالوں میں شائع ہو کر بے انتہا پسند کیا جا چکا ہے۔ ایک لڑکی ماں باپ سے بچھڑ جاتی ہے اسکی جدائی میں ماں باپ کی جو کیفیت ہوتی ہے وہ صرف کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ برسوں کے بعد وہی لڑکی اس طرح ملتی ہے کہ جنت مکانی کی بے مثل افسانہ نگاری کی داد دینی پڑتی ہے بیحد دلچسپ قصہ ہے۔ یہ بھی آرٹ کاغذ پر چھپا ہے قیمت ۸/

## (۴) جمالِ ہمنشیں

جنت مکانی کے بے مثل ادبی مضامین کا نہایت حسین شاندار مجموعہ

اجل، عالمِ نزع، پھول، رمضان، وعدہ وفائی، خدا کی مصلحت، تعزیت نامہ، فانی زندگی، تغیرات زندگی، نیرنگیِ زمانہ، عبرت گاہِ دنیا، موسمِ بہار، غم، ساون، عید، زندوں کی زندہ دستی، کسی کی یاد، ہنسی مذاق، خوشی کا دن وغیرہ وغیرہ وہ دلاویز مضامین ہیں جنکی عصمت، تہذیب، استانی، شباب، وغیرہ میں شائع ہو کر دھوم مچ چکی ہے۔ جمالِ ہمنشیں کے متعلق اخبار ہمدرد لکھتا ہے "ان مضامین میں فلسفیانہ بحث کی گئی ہے" انڈین ڈیلی میل کی رائے "ان مضامین کی اردو صاف رواں ہے" زمانہ رسالہ حرم کی رائے "یہ مضامین بلحاظ زبان و خیال نہایت بلند ہیں ان کی اشاعت اردو زبان پر بڑا احسان ہے" رسالہ اردو لکھتا ہے "ان مضامین کی عبارت بہت فصیح و دلچسپ ہے" اخبار وکیل "جمالِ ہمنشیں بلاشبہ نسوانی دنیا کیلئے سبق آموز کتاب ہے" اخبار مدینہ "ان کے مضامین بہت بلند پایہ ہیں" روزنامہ انگریزی بمبئی کرانیکل لکھتا ہے "ان مضامین کی زبان نہایت آسان اور سادہ ہے" یہ بھی آرٹ کاغذ پر تیسری بار چھپی ہے قیمت ایک روپیہ

# تصانیف محترمہ صغریٰ ہمایوں مرزا صاحبہ

ایم۔ آر۔ اے۔ ایس۔ لندن

## (۱) مشیرِ نسواں یا زہرہ

ایک دلچسپ اخلاقی ناول جس میں لڑکیوں کو بہت سی بیش بہا اخلاقی باتیں بتائی گئی ہیں۔ قصہ دلچسپ و نتیجہ خیز ہے۔ طرزِ بیان نہایت آسان۔ کابرینِ قوم نے جسے پڑھ کر حسبِ ذیل ریویو کئے تھے

علامہ شبلی نے اسے پڑھ کر فرمایا تھا "یہ کتاب محاسن سے مملو اور معائب سے بالکل پاک ہے" اخبار مشیرِ دکن کے ریویو کا خلاصہ "کیا بلحاظ مضامین کیا بلحاظ زبان بڑی دلچسپ اور دلآویز کتاب ہے" مخبر دکن کا ریویو "عورتوں کیلئے نہایت دلچسپ اخلاقی ناول ہے" شوکتِ اسلام کا ریویو "بےنظیر ناول ہے جس میں عورتوں کی ہر حالت اور ہر عمر کے متعلق نصائح اور معلومات کے ذخیرے دلچسپ طریقہ سے بیان کئے گئے ہیں" اخبار تہذیبِ نسواں کا ریویو "اس قصہ کو مصنفہ نے نہایت دلچسپ اور پرلطف طریقہ سے بیان کیا ہے" مصنفہ کو اس تصنیف پر تمغۂ طلائی دیا گیا تھا بار سوم قیمت ۱۲

## (۲) سرگذشتِ ہاجرہ

دلچسپ اور سبق آموز قصوں کے پیرایہ میں اخلاقی و اصلاحی جواہرات کا بیش بہا ذخیرہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ازدواجی زندگی میں جو مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں عورت انہیں کس طرح دور کر سکتی ہے چار سہیلیاں ایک جگہ جمع ہو کر آپ بیتی سناتی ہیں ان میں ہاجرہ کی سرگذشت سب سے زیادہ دلچسپ اور مفید ہے اور بتاتی ہے کہ بیویاں بگڑے ہوئے گھر کس طرح سنوارتی اور ہاتھ سے نکلے ہوئے شوہروں کو کیونکر اپنا کر لیتی ہیں۔ علامہ محمد اقبال کی رائے ہے کہ سرگذشتِ ہاجرہ مستورات کیلئے نہایت مفید کتاب ہے طرزِ بیان بھی سادہ موثر اور دلکش ہے۔ بیگم صاحبہ سر عبداللہ صاحب بیرسٹرایٹ لاء "یہ نہایت اچھی اور دلچسپ کتاب ہے اس میں [illegible] کے نقائص کی بڑی خوبی سے قصہ کے پیرایہ میں اصلاح کی ہے"۔ بار دوم قیمت دس آنہ

## (۳) موہنی

ایک اخلاقی معاشرتی افسانہ ایک شہزادی شوہر کے انتقال پر گھر بار چھوڑ کر جنگلوں میں ماری ماری پھرتی ہے یہاں تک کہ ایران پہنچتی ہے اور وہاں عجیب طریقہ سے شوہر سے ملاقات ہوتی ہے۔ ایران کی معاشرت، جہانداری، زچہ خانہ، شادی بیاہ، رسم و رواج پر ایسی مفید معلومات کسی کتاب میں نہ ملیں گی قیمت

## (۴) تحریر النسا

لڑکیوں اور عورتوں کے لئے جدید طرز پر خط و کتابت کی بےنظیر کتاب۔ اخلاقی و معاشرتی مذہبی سبقوں کا لاجواب مجموعہ جس میں ہر لڑکی کو کارآمد اور مفید بہت سی باتیں بتائی گئی ہیں یہ کتاب انشائی اور نتیجہ خیز سبق آموز مضامین کا مجموعہ بھی ہے پڑھنے کے بعد نہ صرف ہر موضوع پر اچھے اچھے خطوط لکھ سکتی ہیں بلکہ انکی معلومات میں بھی اضافہ ہوتا ہے قیمت

## معزز خواتین کی لکھی ہوئی نہایت دلچسپ اور مفید کتابیں

محصول ڈاک بذمہ خریدار

| | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| نوری بیگم | ۱۲ | عقل کی باتیں | ۸/ | خانہ داری کے تجربے | ۱۲/ | تندرستی بڑی نعمت | ۴/ |
| غیرت کی پتلی | ۶ | ہنسی کی باتیں | ۸/ | | | | |
| چار رخ | ۴/ | تاریخی لطیفے | ۸/ | | | | |
| [illegible] | ۸/ | خواتین اندلس | ۶/ | | | | |

| | | | |
|---|---|---|---|
| شمعِ خاموش (نظمیں) | ۶/ | پردہ و تعلیم | ۶/ |
| آئینۂ جمال (نظمیں) | ۱۲/ | بچوں کی تربیت | ۳ |
| شہیدِ وفا (افسانے) | ۸/ | بچوں کی دنیا | ۶ |
| نغماتِ موت (مضامین) | ۶ | تحفۂ دنیا | ۵ |
| | | آئینۂ موثر | ۵ |

**دفتر عصمت کوچہ چیلان دہلی**

[illegible]

The Ismat, Delhi – MAY, 1939







# رسالہ عصمت دہلی

بتیسواں (۳۲) سال بابت ماہ مئی ۱۹۳۹ء عیسوی جلد ۶۲ نمبر ۵


## فہرست مضامین

تصاویر ۵




**چندہ سالانہ** مع محصول ڈاک چار روپیہ للعہ، ممالک غیر سے دس شلنگ

**قسم خاص** (آرٹ کاغذ کا ایڈیشن) دس روپے۔ رؤسا سے پچیس روپے، و اعیان ریاست سے سو روپے۔ ممالک غیر سے ایک پونڈ۔ فی پرچہ ایک روپیہ۔

رسالہ عصمت۔ ہندوستان کے بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں پر میسرز اے ایچ وھیلر کے بک اسٹال پر بھی ۵ ؍ میں ملتا ہے۔

# سرکارِ دوعالم

از حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ

دُنیا کے رُخ روشن پر مصائب و آلام کی سیاہ گھٹائیں اکثر چھائیں جس کی ابتدا جنت الفردوس میں حضرت آدم ؑ سے ہوئی۔ کارزارِ حیات میں زندگی نے موت کا بارہا سختی سے مقابلہ کیا جس کا تماشا حضرت ابراہیم ؑ کی چھری نے اسمٰعیل ؑ کی گردن پر دیکھا ہے۔ انسان فراق ابدی کے مناظر سے بارہا دو چار ہوا جس کا آغاز ہابیل قابیل کے فانی اجسام نے کیا۔ چشم انسانی نے اکثر آنسوؤں کے بدلے خون گرائے قلب حزیں نے بارہا قیامت خیز نالے بلند کئے۔ مگر آج ناپائیدار دنیا سے وہ انسان رخصت ہوتا ہے جس کی نظیر اس سے قبل اور اس کے بعد زمین دیکھ سکی نہ آسمان۔ ملائکہ اس کے گھر کے غلام تھے اور انسان اس کی خوبیوں کے گرویدہ اس کے رونے والے فاطمہ رضؓ اور علی رضؓ ابوبکر رضؓ اور عمر رضؓ ہی نہیں یتیم اور بیوہ ہیں لنگڑے اور اپاہج ہیں۔ ان کا دربار انسانی نہیں خدائی دربار تھا فریادیں اس کے حضور میں کامیاب ہوئیں اور آنسو اس کی سرکار میں قہقہوں سے متغیر ہوئے۔ قدرت نے اپنی ہر اذیت کا اس کی انسانیت پر تجربہ کیا اور مجسمہ آلام کا کوئی ذرہ ایسا نہ تھا جس کا واسطہ اس انسان کامل سے نہ رہا ہو مصائب کی خوفناک گھڑیاں آئیں اور گئیں افکار کے خطرناک آفتاب نکلے اور ڈھلے تکالیف کی کالی بھنور راتیں نمودار ہوئیں اور گزریں مگر حیات مقدس کی مبارک آنکھوں نے ہر کیفیت فانی اور ہر حالت عارضی سمجھی ناکامی کے خوفناک بھوت ہر گوشے سے برآمد ہوئے اور مایوسی کی سیاہ گھٹائیں جھوم جھوم کر آئیں۔ مگر زبان جو الفاظ ادا کر چکی تھی اس کی گونج لحہ بلحہ ترقی کرتی گئی تیرو تفنگ اس استقامت پر مہربان ہوئے اور تیغ و خنجر نے اس استقلال کو سجدہ کیا جس کی دشمنی پر پاؤں تلے کی چیونٹی بھی کمر بستہ تھی اس کی صداقت کا کلمہ شجر وحجر کی زبان سے ادا ہونے لگا آج وہ زندگی ختم ہوتی ہے جس کا ہر سانس اپنوں سے زیادہ اغیار کے واسطے مفید ثابت ہوا۔ موت آج مسلمانوں سے وہ دولت چھینتی ہے جس پر وہ ہمیشہ فخر کریں گے۔ مدینہ کا قبرستان آج اس جسم کو آغوش میں لیتا ہے جس کی روح پاک ملائکہ عالم بالا پر لے گئے۔ آسمان اس وقت اپنوں سے زیادہ غیروں کے نالے سنے گا اور زمین اس موقعہ پر دوستوں سے بڑھ کر دشمنوں کے آنسو گود میں لے گی۔ یہ وہ موت ہے جس کے جواب میں تاریخ کے صفحات کائنات کے اوراق اور انسان کی زبان ششدر اور حیران ہے۔ انتقال کے بعد آنسوؤں کی فوج انسانی آنکھوں سے امنڈ امنڈ کر برس رہی تھی۔ حارث بن نعم کا بیان ہے کہ میں نے ایک شخص کو مسجد نبوی کی دیواروں سے سر پھوڑتے دیکھا۔ زبان اس کے دل کی کیفیت کا آئینہ تھی جس سے یا محمدؐ یا محمدؐ کے نعرے لگا

رہا تھا۔ میں اُس کے قریب پہونچا اور صبر کی تلقین کی۔ میرے سمجھانے سے اس کی حالت اور زیادہ بگڑ گئی اور کہنے لگا۔

مدینہ کے مہمان کے کس کس احسان کو یاد کروں اور کون کون سی ادا کو روؤں۔ جس کی گود میں مدینہ نے اپنے جواہرات ڈالے جس کے سر پر سے مکّہ نے اپنا مال وزر قربان کیا۔ جس کی زبان پر حکومتوں کے فیصلے اور بادشاہوں کے تغیر تھے۔ اس نے کبھی دو وقت بھی پیٹ بھر کر روٹی نہ کھائی جس نے اپنا راحت و آرام اور ہماری دنیا کا عیش وعشرت حرام سمجھا۔ جس نے بن ماں کے بچوں کو کلیجہ سے لگایا ان کے رخساروں کو بوسے دیئے اور سر پر ہاتھ پھیر کر پیٹ بھرے جس نے دوسروں کے فاقے توڑے وہ خود دو دو تین تین وقت کے فاقے کرتا ہوا دنیا سے گیا اُس نے اندھوں کی مدارات کی اپاہجوں کی خدمت کی غریبوں کے کام آیا حاجت مندوں کو مدد دی۔ لڑائیوں کو ختم کیا۔ جھگڑوں کا تصفیہ کیا۔ شراب کو غارت کیا اور جوئے کو فنا کیا۔ اور ریگستان عرب کو چمن بنا کر رحلت کی۔ اس کے احسانات کا بدلہ اور اس کے کرم کا معاوضہ ہم نے یہ دیا کہ اس کا سر پھوڑا اس کے دانت توڑے اس کو زخمی اور لہو لہان کیا۔ اونٹوں کی اوجڑھیاں اُس کے گلے میں ڈالیں اور ببول کے کانٹے اس کے راستے میں بچھائے لڑائیاں لڑیں اور اس کے قتل کا کوئی دقیقہ نہ چھوڑا مگر اُس نے ہم کو اذیت نہ دی اور اپنے رحم وکرم سے عفو و درگذر سے ہمارے دل فتح کئے اور ہم کو انسان بنا گیا۔

وہ رسول تھا مگر انوکھا نہ تھا پیغمبر تھا لیکن نرالا نہیں اس سے پہلے بھی دنیا نے پیغمبر اور رسول دیکھے ہیں مگر نوح ؑ کی بددعا داؤد ؑ کی غلطی موسیٰ ؑ کا غصہ ہم کو یاد ہے وہ انسان تھا مگر کیسا؟ انسانیت کی مجسم تصویر اور بشریت کا مکمل نمونہ وہ نبی تھا لیکن کیسا؟ جس کی چوکھٹ کو فرشتے سجدہ کرتے تھے اور جبرئیلؑ جس کا ادنیٰ غلام تھا۔

عرب کا انسان مکہ کا مسلمان مدینہ کا مہمان دنیا کا ہادی، نبی، پیغمبر، رسول پھر کہتا ہوں کس دل سے روؤں اور کس منہ سے کہوں کہ کیا تھا۔ میرا باپ عبداللہ بن ابی پکا منافق اور پورا دشمن جس کی عمر کا بڑا حصّہ اس کے خلاف سازش میں بسر ہوا۔ وہ شخص تھا جس نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضؓ کے اتہام میں سب سے زیادہ حصہ لیا جس نے بار رہا مجھ کو میرے اسلام قبول کرنے پر مارا جب اُس کا وقت آخر ہوا اور موت سر پر آ پہونچی تو اُس نے مجھ سے جو اپنے رسول کا عاشق زار تھا خواہش کی کہ میری خدمات کے معاوضہ میں ہادی برحق اس کے جنازہ کی

نماز پڑھائیں اور پیراہن مبارک کا ایک ٹکڑا اس کے ساتھ قبر میں ہو تاکہ دوزخ کی آگ اس کو گزند نہ پہونچا سکے
میں جانور نہیں ہوں، جانتا تھا کہ میرا باپ ناموس اسلام کا دشمن ہے مگر پھر بھی میرا باپ تھا اور اس دربار
میں جا رہا تھا جہاں ایسے گنہ گار کا کوئی ٹھکانہ نہیں سفارش کرتا درخواست کرتا التجا کرتا تو کس منہ سے مگر یہ بھی
جانتا تھا کہ خدا کا سچا رسول انسانیت کے اس نقطہ سے جہاں کدورت و رنجش کی آویزش ہوتی ہے بہت آگے
ہے اور اس کا قلب ان تنازعات سے بالکل پاک ہے جب وہ وقت آیا کہ میں بنت وادب عرض کردوں تو فطرت
انسانی نے میری آنکھیں نیچی کردیں ندامت نے سر جھکا دیا تاہم جس طرح بھی ممکن ہوا میں نے
اپنے الفاظ ادا کر دیئے۔

ہائے کس طرح کہوں کس منہ سے بیان کروں صحابہ کا تمام گروہ حیرت سے میرا منہ تکنے لگا۔ عمر فاروقؓ
نے اسکے افعال پر لعن طعن کی اور ایک متفقہ قہقہہ نے میری درخواست کی ہنسی اڑائی مگر مدینہ کا مہمان انسانیت
اور ملکوتیت کے مدارج طے کرنے کے بعد اب اس مقام پر تھا جہاں خدائی کے ڈنکے بج رہے تھے۔ دہن
مبارک پر مسکراہٹ کھیلی اور میری التجا بارگاہ رسالت میں منظوری کے خلعت سے سرفراز ہوئی۔
آخر وہ وقت آگیا کہ میرا باپ دنیا سے رخصت ہو کر اپنے اعمال کی سزا بھگتے اس وقت میری عجیب
کیفیت تھی۔ باپ کی مفارقت ابدی نے میری جان پر بنا دی میں روتا پیٹتا سرور عالم کی خدمت
میں حاضر ہوا۔

اللہ اللہ میں نے کیا دیکھا کس طرح کہوں اس ذات پاک نے مجھ کو تسکین دی۔ اور قمیص کا ایک ٹکڑا
مجھ کو دے کر میرے ہمراہ ہو گئے۔

درود ہزار ہا اور لاکھ مرتبہ۔ قربان میں اور میرا خاندان۔

خدا کا محبوب اور میرا آقا میرے ساتھ اس کے جنازہ پر آیا اور نماز پڑھا کر اس کی دعائے مغفرت کی
دفن کے بعد جب صحابہ کو خبر ہوئی تو چشم آلودہ آنکھوں سے دوڑتے ہوئے آئے اور غصہ سے بھرے
شکایتیں کرنے لگے لیکن۔

قربان، میں میرا خاندان ایک بار نہیں ہزار بار
چہرہ مقدس پر ہنسی کھیل رہی تھی اور میرے منافق باپ کے اعمال کا کوئی ذرہ بار نہ تھا۔
درود ہزار بار لاکھ بار اس ذات پر جو بے مثل تھی۔

ہم نے اپنے آقا کی قدر نہ کی ہائے وہ مبارک چہرہ ہمارے ہاتھوں لہو لہان ہوا ہمارا مہمان بھوکا پیاسا اس دنیا سے اندھیرے گھپ میں رخصت ہوا اور ہم اس کے بعد پیٹ بھر کر کھانا کھائیں!
وہ جس نے دوسروں کے سر پر تاج شاہی رکھ دیئے ہماری دنیا میں اتنا آرام بھی نہ پا سکا کہ کمبل اس کے واسطے دہرا ہو جائے ہائے ہائے چٹائی کے نشان اس کے جسم پر پڑیں وہ ہمارے واسطے بھوکا رہے اور ہم اس کو گوشت میں زہر دیں۔

(از سیدہ کا لال)

# ناقابل اشاعت مضامین

افسوس ہے یہ مضامین عصمت میں شائع نہیں ہو سکتے۔ ۱ر کا ٹکٹ آنے پر ۱۵رمئی تک مضمون نگار اُن کو واپس کئے جا سکتے ہیں۔ ۱۵رمئی کے بعد ضائع کر دیئے جائیں گے۔

ایڈیٹر

آنسوؤں کی لڑیاں یا محبت اور مایوسی کا تصادم (ڈرامہ) انصاف کا خون (ڈرامہ) اُردو (نظم) موت کا فرشتہ۔ ملک چین کی تین دیویاں۔ نماز۔ آدھی رات مسلمان عورتوں کی خراب حالت۔ ایثار۔ تلاشِ محبوب۔ سکھی کی یاد۔ حضرت رابعہ بصری۔ بچپن کی نسبتیں تین لڑکیاں۔ محبت مادری کی ایک جھلک۔ انوکھی شرارت۔ مردسے خطاب۔ بچوں کی پرورش۔ پیکر عفت۔ دُنیا۔ اُردو رسم الخط۔ نکات۔ مسئلہ جمع القرآن۔ بچوں کی تعلیم اور ہماری ذمہ داری۔ لطائفِ علمیہ۔ صحت کی حفاظت۔ یورپ کی کہاوتیں۔ زندگی۔ فراست مومن۔ آہ سر اقبال۔ ہلالِ عید۔ (بلند شہر) دیہاتی گیت (ماچھرہ) چاندنی کے مرجھائے ہوئے پھول بھتیجے کی ولادت پر نظم جو اس شعر سے شروع ہوتی ہے "سویرا ہوا جو میں سو کر اُٹھی۔ فریضۂ حج سے بھی فارغ ہوئی" ہلالِ عید

ایڈیٹر

**عصمت کا سالگرہ نمبر ۱۹۳۹ء** ۳۰ر جون کو شائع ہوگا۔ اس کے لئے مضامین اور تصویریں جو خواتین اور حضرات بھیجنے چاہیں فوراً روانہ فرما دیں ۱۰رمئی کے بعد جو تصاویر اور مضامین موصول ہوں گے وہ سالگرہ نمبر میں درج نہ ہو سکیں گے۔

ایڈیٹر

# رحمۃ للعالمین کی بارگاہ میں

(۱)

جبکہ عرب میں ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں بدعتیں
صرف تھیں بُت پرستیاں اور توہمات تھے
جہل و غرور و طنطنہ۔ طرّہ امتیاز تھا
نیکی کی حاجتیں نہ کچھ زہد کی تھیں ضرورتیں
حال یہ تھا کہ یک بہ یک چھا گیا ایک نور سا
کفر کی ظلمتیں مٹیں، دہر کے کفر زار سے
بن گئی شام بُت کدہ کعبہ کی صبح کیف زا
بحر و بر اور آسماں حق کی نوا سے گونج اُٹھے

جب کہ عرب میں ہر طرف چھائی ہوئی تھیں ظلمتیں
قابلِ عظمت و سجود لات تھے اور منات تھے
تفرقے قومیت کے تھے نسل و نسب پہ ناز تھا
دین کا ذکر ہی نہ تھا اور نہ خدا کی طاعتیں
پتّوں میں تالیاں بجیں، نیند سے سبزہ چونک اُٹھا
نیّر نَو ہوا طلوع کوہِ حرا کے غار سے
ظلمتِ شرک مٹ گئی نورِ خدا چمک اُٹھا
دونوں جہان نغمۂ روح فزا سے گونج اُٹھے

آئے جہاں کے پیشوا فخرِ گروہ انبیا
عقدہ کشائے کائنات، رہبر اور رہنما

"اے کہ وجود آپ کا باعثِ فخرِ کائنات
حامیٔ بیکساں ہیں آپ، پاسبانِ بزمِ مرسلیں
قعرِ فنا ہے سامنے گرنے کو ہے بچائیے!
کفر کے اور جہل کے ہو چکے روح و دل شکار
محوِ تخیلات سے ہو چکا حُرّیت کا کام
چھن چکیں اس سے عظمتیں اب ہے زمانۂ زوال
منہ کو خدا سے موڑ کر بھول کر آپ کا پیام
مادیّت نے کر دیا دامنِ روح چاک چاک
آپ کی اُمت اور یوں۔ تیرہ گی گناہ میں؟
رہبر و ہادیٔ جہاں! حامیٔ خلّت و صفا

"آپ سے ہو گئی فزوں رونقِ محفلِ حیات"
منتظرِ کرم ہے پھر آپ کی اُمتِ حزیں
پھر ہیں محیط ظلمتیں، وقتِ مدد ہے آئیے
کھیل سمجھ کے معصیت کی ہے انہوں نے اختیار
روح غلام، دل غلام۔ ذہنیتیں بھی ہیں غلام
اب نہ وہ رفعت و کمال اب نہ وہ سطوت و جلال
مسلمِ خفتہ کام نے ہی لیا غفلتوں کا جام
عزم یہ ہے کہ گُل کریں صدق کی شمعِ تابناک
رہزنِ جہل اور فریب لوٹ لیں اس کو راہ میں؟
آئیے روک دیجئے! محشرِ ظلم ہے بپا!!

آئیے! ایک بار پھر پھونکئے روحِ زندگی
مسلم کم نصیب کی کیجئے دُور بے کسی

آنسہ خورشید اقبال حیا میرٹھی

# نغمۂ نعت

(۱)

کلیاں پھوٹیں غنچے چٹکے ڈالی ڈالی بلبل چہکے
باغِ جناں سے نکہت آئی مژدۂ یومِ ولادت لائی
مست بنایا رنگِ جہاں نے گونج گئے وحدت کے ترانے
آج عجب ہے حسنِ عالم ہے یہ ندائے عرشِ معظم

رنگ بہاری بن بن چھایا
رب کا پیارا دہر میں آیا

(۲)

بادِ صبا نے پھول کھلائے شبنم نے موتی برسائے
کثرتِ گل سے ہر ہر تختہ آج بنا ہے اک گلدستہ
رحمتِ باری دنیا پر ہے نور کی بارش دنیا پر ہے
عالم کی ہر شے ہے منور ذکرِ سرور آج ہے گھر گھر

رنگ بہاری بن بن چھایا
رب کا پیارا دہر میں آیا

(۳)

کوہ و صحرا باغ و خیاباں آج ہے سب پہ فضلِ یزداں
کوہساروں پہ سبزہ جھوما پتہ پتہ مست ہے بن کا
جوش میں ہے دریائے رحمت اللہ اللہ فیضِ قدرت
ابرِ کرم کونین پہ چھایا نور کا بادل گھر کر آیا

رنگ بہاری بن بن چھایا
رب کا پیارا دہر میں آیا

(۴)

سازِ طرب سے دنیا گونجی فضلِ حق سے قسمت چمکی
نرگس جاگی لی انگڑائی باغِ جہاں پر نکہت چھائی
بلبلِ رنگیں مست نوا نے چھیڑے حمدِ خدا کے ترانے
نغمۂ نعت الاپا سب نے قمری کویل اور شامانے

رنگ بہاری بن بن چھایا
رب کا پیارا دہر میں آیا

(۵)

ساغرِ اُلفت کے متوالے روئے محمدؐ کے پروانے
اشکِ محبت رُخ پہ ڈھلکتے رخساروں کو گلگوں کرتے
حسنِ نبی سے مست بنے ہیں جان لئے ہاتھوں پہ کھڑے ہیں
عید ہے عیدِ محمدؐ والو جامِ کوثر بڑھ کے اٹھا لو

رنگ بہاری بن بن چھایا
رب کا پیارا دہر میں آیا

انور جہاں اطہر علی (اورنگ آباد دکن)

# سلام

(رحمۃ للعالمین کی خدمت میں)

سلام اس شاہِ دیں پر جو بنائے چرخِ گیتی ہے ۔ سلام اس پر کہ جس سے کائناتِ حق دوامی ہے
سلام اس آفتابِ جلوہ فرمائے حقیقت پر ۔ سلام اس ماہتابِ آسمانِ سترِ وحدت پر
سلام اس پر کہ جس سے ہوگئے دونوں جہاں روشن ۔ سلام اس پر کہ جس سے کھل اُٹھے فردوس کے گلشن
سلام اس پر کہ جس کے خُلق نے اسلام پھیلایا ۔ سلام اس پر جو بن کر "رحمۃ للعالمین" آیا
سلام اُس پر کہ جس نے بیکسوں پر بھی نظر ڈالی ۔ سلام اس پر کہ جو تھا بے بسوں کا حامی و والی
سلام اُس پر کہ جس نے شرک و بدعت کو مٹا ڈالا ۔ سلام اس پر کہ جس نے پردۂ ظلمت اُٹھا ڈالا
سلام اُس پر کیا مسمار جس نے کفر کا ایواں ۔ سلام اس پر کہ جس کی شان سے تھرا اُٹھا شیطاں
سلام اُس پر کہ جو طوفانِ باطل سے نہ گھبرایا ۔ سلام اس پر کہ جو کھوئے ہوؤں کو راہ پر لایا
سلام اس پر کہ جس نے بخشدی روحوں کو آزادی ۔ سلام اس پر کہ جس نے توڑ دی زنجیرِ بیدادی
سلام اُس پر کہ جس نے زندگی کو راحتیں بخشیں ۔ سلام اس پر کہ جس نے مسلموں کو ہمتیں بخشیں
سلام اس پر کہ جس نے ظالموں سے مہر والفت کی ۔ سلام اس پر کہ جس نے "دشمنِ جاں" کی حفاظت کی
سلام اس پر کہ جو تلقینِ حق طائف میں فرمائے ۔ سلام اس پر کہ جس کا جسمِ اطہر زخم بھی کھائے
سلام اس پر جو کھائے زخم اور پھر بھی دعائیں دے ۔ سلام اس پر نہ جو اُن ظالموں کو کچھ سزائیں دے
سلام اُس پر کہ جس نے حقِ نسواں کی حمایت کی ۔ سلام اس پر کہ جس نے بے گناہوں کی حفاظت کی
سلام اس پر فضائیں گونج اُٹھیں جس کی عظمت سے ۔ سلام اس پر درخشاں ہوگئے دل جس کی طلعت سے
سلام اس پر کہ سب کچھ کر دیا حق پر فدا جس نے ۔ سلام اُس پر کہ سائے میں یتیموں کو لیا جس نے
سلام اس پر بتوں کی عظمتوں کو جس نے ٹھکرایا ۔ سلام اُس پر کہ جس نے معصیت کوشوں کو شرمایا
سلام اس پر کلامِ پاک وحق بین کا جو حامل تھا ۔ سلام اس پر کہ جو علم وعمل دونوں میں کامل تھا
سلام اس پر کہ جس نے دین کی تکمیل فرمائی ۔ سلام اس پر کہ جس نے زندگی جاوداں پائی

سلام اس پر کہ جو موجود ہے نظروں سے پنہاں ہو
سلام اس پر کہ جس کا نور دوعالم میں رخشاں ہو

گوہر اقبال نور زبیری

# اجتہاد اور اسلام

مسلمان بنوعباس کی حکومت کے زمانہ سے کچھ ایسے وارفتہ سے ہوگئے کہ اسلام کے مقصد کو بالکل بھول گئے اور دین کو دنیا سے بالکل علیحدہ چیز قرار دے دیا۔ دین کو محدود کیا ارکان اسلام میں، چنانچہ ماہ گذشتہ کے عصمت میں سید ابن حسن صاحب شارق نے بھی ارقام فرمایا کہ "ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے پانچ ارکان کو چھوڑ کر باقی امور میں ہر قوم کو اجتہاد کرنے کی کھلم کھلا اجازت ہے" گویا توحید۔ نماز۔ روزہ۔ حج اور زکوٰۃ میں تو اجازت نہیں باقی تمام امور میں ہر ملک کے رہنے والے اپنے ماحول اور موسم اور آب وہوا کے لحاظ سے اسلام کے دیگر جائز و ناجائز اور حلال و حرام کردہ امور میں اجتہاد کر کے ناجائز کو جائز اور حرام کو حلال کر سکتے ہیں اور اس کی تائید میں مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ سے ایک اقتباس درج کیا ہے۔ اصل کتاب ہمارے پاس نہیں تاہم یہ اقتباس تائید نہیں کرتا ملاحظہ ہو "نہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہر قوم کی عادات اور خصوصیات کا تجسس کیا جائے اور ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ شریعت بنائی جائے"۔ مطلب صاف ہے کہ کسی مصلح کے لئے یہ محال ہے کہ دنیا کے ہر ملک کے رہنے والوں کی عادات اور خصوصیات کا پتہ لگا کر ہر ایک کے لئے الگ الگ قانون (شریعت) بنائے۔ ہندوستان ہی کو دیکھ لو کہ ہندو مسلمان سکھ عیسائی پارسی۔ قادیانی۔ ہریجن سب کے لئے حکومت کا ایک ہی قانون ہے۔ خیر اس کے آگے کے الفاظ مطلب کو اور زیادہ واضح کرتے ہیں "اس بنا پر اس سے بہتر اور آسان کوئی اور طریقہ نہیں ہے کہ عام تعزیرات اور انتظامات میں خاص اس قوم کی عادات کا لحاظ کیا جاوے جن میں یہ امام پیدا ہوا ہے"۔ یعنی قانون اگرچہ عام ہوگا مگر اس کی بنا اسی قوم کی عادات پر ہوگی جس میں وہ مصلح پیدا ہوا ہے۔ اقتباس میں لفظ "لحاظ کیا جاوے" قابل غور ہیں۔ ہاں "اس کے ساتھ آنے والی نسلوں پر ان احکام کے متعلق چنداں سخت گیری نہ کی جاوے"۔ اینچ تان کر کچھ مفید ہو سکتے ہیں۔ مگر سیاق عبارت کو مدنظر رکھ کر ان آخری الفاظ کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ آنیوالی نسلوں کو ایک دم سختی سے نہ پکڑا جائے ان کو بتدریج ان احکام کا تابع اور پابند بنایا جائے۔ الفاظ "چنداں سخت گیری" پر غور کرنا لازم ہے یعنی سخت گیری تو ہو مگر زیادہ نہ ہو۔ اور اسلام کا اس میں آنے والی نسلوں کے ساتھ یہی اصول رہا۔ اسی معنی کو مولانا شبلی کی عبارت بیان کرتی ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اسلام اللہ تعالےٰ کا نازل کردہ ہے اور اللہ تعالےٰ ماضی۔ حال۔ مستقبل اور ہر ملک و قوم سے واقفیت کامل اور ان کا پورا پورا علم رکھتا ہے اور ہر قسم کی غلطی اور نقص سے پاک ہے۔ اس کے ساتھ ہی اسلام مکمل دین ہے۔ اور مکمل اسی کو کہا جا سکتا ہے جس میں کسی قسم کی کمی بیشی اور ترمیم و تنسیخ کی گنجائش نہ ہو۔ اس عقیدے کی موجودگی میں "ھُدًی لِّلنَّاسِ" (لوگوں کے لئے ہدایت) قابل توجہ اور تامل ہے۔ عربوں کے یا ایرانیوں کے یا ترکوں وغیرہ کے لئے نہیں

اور نہ صرف عیسائیوں۔ یہودیوں۔ پارسیوں اور مشرکوں وغیرہ کے لئے بلکہ دنیا کے ہر بسنے والے انسان کے لئے اسلام کو ہدایت بنایا۔ اگر یہ واقعی ہر ملک اور ہر قوم کے لئے ہدایت ہے تو اس میں ہر ایک کی عادات اور خصائل کا لحاظ ہونا ضروری ہے اور ہے۔ اور اگر واقعی اللہ تعالےٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے تو ہر زمانے کے لئے تاقیامت بلا تبدل و تغیر بھی اسلام موزوں صحیح اور درست ہے جو عہد رسالت میں ہی مکمل ہو چکا تھا۔ نیز اگر قرآن مجید جیسا کہ اس کا دعویٰ ہے کہ آسان ہے اور اس میں اعوجاج (اینچ پینچ) نہیں ہے۔ تو پھر یہ ہماری موٹی عقل سے باہر ہے اجتہاد کی ضرورت کو سمجھ سکے اور پھر جب کہ دنیا بالکل الگ چیز ہوئی جس سے دین کو واسطہ ہی نہیں تو پھر اجتہاد کس بات پر؟ دنیا کے معاملے میں جو جس کی سمجھ میں آئے وہ کرے اور اس طرح انتشار و افتراق کو مکمل کر دے۔

مضمون نگار صاحب لکھتے ہیں کہ "اسلام نے بقول کسے اجتہاد کا دروازہ کبھی بند نہیں کیا" اور میں کہتا ہوں کہ اسلام نے اجتہاد کا دروازہ کبھی کھولا ہی نہیں۔ اگر مسلمان اجتہادی رخنہ نہ ڈالتے تو آج شارق صاحب کو یہ فرمانے کا موقع نہ ملتا کہ وہ...... ہم نے اسلام کو چھوڑ دیا"۔ اسلام جیسا کہ اس کے نام ہی سے ثابت ہے ہم سے اطاعت اور تابعداری چاہتا ہے نہ یہ کہ ہر شخص اپنی مرضی کے موافق جو اور جس طرح جی میں آئے کرے

*Theirs not to make reply,*
*Theirs not to reason why,*
*Theirs but to do and die.*

"تکلیف انسان کو غیر آئینی حالت میں ہوتی ہے۔ آئینی حالت میں تکلیف نہیں۔ اگر اسلام کی پابندی میں تکلیف ہوتی تو قرآن "لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا" کا اعلان نہ کرتا جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی ہدایات۔ پابندیاں اور احکام انسان کی برداشت سے باہر نہیں ہیں۔ اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے جو حکم یا ہدایت یا پابندی کسی کے نفس پر گراں ہو یا کسی کے جذبات اور خواہشوں کے خلاف ہو وہ ان سے آزاد ہے۔ اس صورت میں آیت "واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً و لا تفرقوا" (سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور فرقہ بندی اور افتراق نہ پھیلاؤ) نعوذ باللہ بے معنی اور مہمل ہو جاتی ہے۔

شارق صاحب فرماتے ہیں کہ "...... ہمارا ایمان اسی آسمانی کتاب قرآن مجید پر اب بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ سلف صالحین کا تھا"۔ اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو میں عرض کروں گا کہ ہمارا ایمان قال کی حد تک محدود ہے کیونکہ جس چیز کو ہم سمجھ نہ سکیں نہ سمجھنے کی کوشش کریں اس پر ایمان کیا معنے۔ ہمارا ایمان اور وہ بھی سماعی اتنا ہے کہ قرآن مجید آسمانی کتاب ہے۔ نہایت عمدہ جزدان میں لپیٹ کر پاک در تعظیم کی جگہ رکھا جائے اور صرف اس کے الفاظ پڑھنا ہی باعث ثواب ہے۔ مگر سلف صالحین کا ایمان تھا کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے عام ہدایت ہے اس پر عمل کرنا فرض ہے اور یہ اسی لئے نازل کی گئی۔ اگر ہمارا ایمان بھی یہ ہوتا تو ہم اسلام سے دور اور سلف کے اجتہاد میں پابگل نہ ہوتے۔ صحابہ کرام جس طرح قرآن مجید پر عمل کو فرض سمجھتے اور اس کے ہر حکم کو اصل مانتے تھے

اسی طرح رسول اللہ صلعم کے فرمان اور اسوۂ حسنہ کو قابل اطاعت و اتباع مانتے تھے۔ ان کے ایمان میں فروعات کا ذکر ہی نہ تھا۔ سب اصول ہی تھے۔ فروعات تو اجتہادی کرشمہ ہے۔ قرآن ہم کو اللہ کی تابعداری کا جہاں حکم دے رہا ہے وہیں رسول اللہ صلعم کی اطاعت کے لئے بھی پابند کر رہا ہے اور ہمارے باہمی اختلافات اور تنازعوں میں اللہ و رسول کو حکم ماننے کو مجبور کر رہا ہے نہ کہ عقل یا اجتہاد کو۔ کیونکہ بے شک مجتہدین کو ہماری آج کی ضروریات کا علم نہ تھا مگر اللہ تعالیٰ علیم و خبیر کو ضرور تھا جس نے شریعت بنائی ہے۔ رسول اللہ صلعم کے وصال پر جب خلافت کے مسئلہ میں انصار و مہاجرین میں تنازعہ ہوا تو حدیث نبوی ہی نے اس کا فیصلہ کیا اور سب کی گردنیں جھک گئیں رہا حدیث نبوی کا مرقومہ ٹکڑا "و انتم اعلم بامور دنیاکم" تو اس میں "کُم" کی ضمیر اور حدیث کا شروع کا حصہ اس کا مطلب ظاہر کر رہا ہے کہ کھیتی باڑی اور تجارت ملازمت کو تو تم ہی سمجھو کہ کونسی کھاد دینی چاہیئے کب نلائی کرنی چاہیئے، کے مرتبہ ہل چلانا اور پانی دینا اور کب کاٹنا وغیرہ چاہیئے۔ کس مقام پر کس چیز کی تجارت کرنی چاہیئے وغیرہ۔ یہ تمہاری دنیا ہے مگر اسلام کی دنیا یہ نہیں ہے۔ اسلام کی دنیا حقوق اللہ اور حقوق العباد پر مشتمل ہے۔ ان ہی حقوق کی نگہداشت کے اصول اور تدابیر اسلام بناتا ہے اور حق تلفی سے روکتا اور اس کی سزا مقرر کرتا ہے اسی کا نام شریعت ہے۔ جرم کی سزا سے اس کا انسداد اعلیٰ ہے لہذا مرد اور عورت دونوں پر اسلام نے ایسی پابندیاں عائد کیں کہ بداخلاقیوں اور جرائم کا انسداد ہو کر امن عام قائم ہو جائے۔ یہ اسلام کی دنیا ہے جس کو سیاست کہتے ہیں ملک میں ہر شخص زراعت و تجارت وغیرہ میں آزاد ہے۔ مگر حقوق حکومت اور باہمی حقوق میں آزاد نہیں۔ قانون کی گرفت میں ہے۔ رعیت کے کسی فرد کو اجتہاد کا حق حاصل نہیں۔

اسلام نے کہیں یہ حکم نہیں دیا کہ "چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی" بلکہ رسول اللہ صلعم کا فرمان ہے کہ "جب تک تم اپنی خواہشات (جذبات) کو اس چیز کے تابع نہ کر دو جو میں لے کر آیا (شریعت اسلامی) ایماندار نہیں ہو سکتے" ہوا کے رُخ ہلکی پھلکی چیز جایا کرتی ہے۔ مستقل مزاج باہمت مقابلہ کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلعم اور صحابہ کرامؓ نے ہوا کا مقابلہ کیا ورنہ اسلام پھیل ہی نہ سکتا۔ قوت ارادی کا پکا کبھی زمانے کی بُرائی کا ساتھ نہیں دیتا بلکہ ہوا کا رخ پلٹ دیتا ہے۔ خود مولانا حالی نے فرمایا "اِدھر سے اُدھر پھر گیا رخ ہوا کا" اور لسان العصر اکبر الہ آبادی مرحوم فرما گئے :

ہے تمہیں ناز کہ بدلا ہے زمانے نے تمہیں ؎ مرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں

اسلام اس لئے نہیں آیا کہ موم کی ناک کی طرح ہم اپنی مرضی سے جدھر چاہیں پھیر لیں بلکہ وہ اس لئے آیا کہ ہم اس کی مرضی کے موافق اپنے آپ کو بنائیں اور اس کے سانچے میں ڈھل جائیں۔ اس کے احکام ہر جگہ ہر وقت اور ہر زمانے میں یکساں مفید اور نتیجہ بخش ہیں وہ اب اور آج بھی صحابہ کرامؓ کی طرح تم کو بھی معراج ترقی پر پہونچانے کی قوت رکھتا ہے بشرطیکہ اصلی اسلام پر عامل اور اجتہادی اسلام کو خیرباد کہو حقیقی اسلام قرآن کریم کی ہر ہدایت اور ہر حکم پر رسول اللہ صلعم ہی کے طریقے سے عمل کرنے کا نام ہے اور یہ طریق صحیح احادیث میں موجود ہے ؎

محمد عبدالغفار الخیری

# لینن کی تربت

جاڑوں کے ایام میں جبکہ ماسکو میں سردی غضب کی پڑتی ہے اور ریڈ اسکوائر Red Square میں کہر اور تاریکی ہر چہار سو چھائی ہوتی ہے اس وقت بھی قطار در قطار عقیدت مندوں کی تعداد لینن کی تربت کی زیارت کے لئے مقبرے کے گرد و پیش منڈلاتی رہتی ہے جس میں قریب کے گاؤں کے کسان، سرخ فوج کے سپاہی، اور دفتروں اور کارخانوں کے بیشمار باشندے نہایت صبر سے انتظار کرتے رہتے ہیں تاکہ پہلے جانے والے فارغ ہو کر لوٹ آئیں اور انکو اندر جانے کا موقع ملے۔ ان کے پاؤں شل ہونے لگتے ہیں کیونکہ موسم کی چیرہ دستیاں اس خطے میں خاص کر مشہور ہیں۔ لیکن وہ پھر بھی آندھی اور طوفان کی زد میں منتظر کھڑے رہتے ہیں۔ تاکہ اپنے ہر دلعزیز محسن کی تربت کو ایک نظر دیکھ لیں۔

روزانہ مرد، عورتیں اور بچے قطار در قطار اس فرض کو انجام دینے میں منہمک نظر آتے ہیں کیونکہ ان کا نجات دہندہ سوویٹ حکومت کا بانی تھا۔ پہلے اس کا حکم عوام کے لئے اس قدر موثر تھا کہ اس کے اشارے پر سخت سے سخت موسم کا مقابلہ کرتے ہوئے بھی یہ جوق در جوق مظاہرے کرنے کے لئے آموجود ہوتے تھے۔ مگر اب یہ روزانہ زیارت کی رسم اس کے حکم سے نہیں بلکہ جوش عقیدت سے ادا کی جا رہی ہے۔ لوگ اپنی خواہش سے جاتے اور خاموشی سے اس کی زیارت کر آتے ہیں۔

لینن ہمیشہ عوام میں مقبول رہا۔ اس کی وفات کو ۱۵ سال ہو گئے۔ ۱۹۲۴ء میں ۲۱ جنوری کو اس کا انتقال ہوا تھا۔ اس کے مرنے کی خبر شہر گورکی Gorky میں جو ماسکو سے قریب ہی ہے بجلی کی طرح پھیل گئی۔ اور لوگوں کے دلوں میں غم کی گھٹا چھا گئی۔ اگرچہ وہ بہت دنوں سے سخت بیمار تھا۔ مگر ابھی امید باقی تھی۔ اسوقت سوویٹ کانگریس کا اجلاس ہو رہا تھا۔ پریسیڈنٹ کلینن نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے ایستادہ مودب ہو جانے کا حکم دیا۔ اور یہ روح فرسا خبر سنانے کھڑا ہوا۔ قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتا اس کی زبان بند ہو گئی اور وہ چکر کر گرا۔ آخر جب اس کے دوستوں کو اس کی موت کی خبر ملی۔ وہ گریبان چاک کر کے رونے لگے۔ تمام اجلاس ماتم کدہ بن گیا۔ اور اس دن سے آج تک ۲۱ جنوری کو سوویٹ حکومت قومی غم کا دن قرار دے چکی ہے۔

اس کی لاش کو ماسکو لایا گیا۔ موسم بے حد تلخ تھا۔ ژالہ باری اور طوفان سے لوگ پریشان تھے۔ بہ ایں ہمہ لینن کے جگری دوستوں نے تابوت کو ریلوے اسٹیشن تک اپنے کاندھوں پر پہونچایا۔ پریسیڈنٹ کلینن غم واندوہ سے چور، کئی راتوں کے جاگے گرتے پڑتے وزنی تابوت اپنے کمزور کاندھوں پر اٹھائے ہوئے جا رہے تھے ان کے سامنے چار میل لانبا سفر تھا۔ یخ بستہ ہوائیں قطب شمالی سے تھپیڑے مار رہی تھیں۔

لینن کی بیوہ اس کے دکھ سکھ کی ساتھی جو جلاوطنی کے زمانے میں اس کے ساتھ کیا کیا مشقت نہ برداشت کر چکی تھی۔

اس کو آخری منزل پہونچانے جارہی تھی۔ اس کی حالت سب سے بدتر تھی۔ مگر وہ ہمت سے کام لے رہی تھی۔

ہفتوں اس کا ماتم رہا۔ اور ایسا غیر معمولی تغیر کبھی تاریخ میں کسی اور کے لئے نہیں ہوا تھا۔ ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں لوگ روزانہ زیارت کو آتے اور ہال آف کولمز میں اس کی نعش کی زیارت کرتے۔ بالخصوص جنازہ اٹھانے کے دن جبوقت درجہ حرارت ۳۵ یعنی صفر سے نیچے آگیا تھا۔ گرگیوری یوودڈ کیماف نے جنازہ کی تقریر پڑھی۔ اسٹالین۔ کلینن۔ کیمناف۔ زینو ویف۔ بخارین۔ اور الکوف نے منبر سے تابوت کو اٹھاکر تربت میں پہونچایا مستقبل کی کس کو خبر تھی۔ اس وقت سوائے دو کے باقی سب کو گولی کا نشانہ بنایا جاچکا ہے کیونکہ وہ غدار ثابت ہوئے۔

لینن اب وہاں ایک شیشے کے تابوت میں زمین دوز کمرے میں آرام کر رہا ہے جس پر سرخ اور سیاہ پتھروں کا گنبد بنایا گیا ہے اور تمام دن اور رات محراب کے دونوں دروں پر دو سرخ فوج کے سپاہی ہر دم تعینات رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ رات زیادہ آجاتی ہے جب مقبرے کی مرمت ہوتی ہے اس وقت مقبرہ بند کر دیا جاتا ہے۔

لینن کی آخری آرامگاہ اور اس کی ہمیشگی کی میٹھی نیند کا نظارہ بھی عجیب ہے۔ اور اس کی شان ہی کچھ نرالی ہے راقم الحروف کو جب پہلی مرتبہ اس کے مقبرے میں جانے کا اتفاق ہوا تو اسے طرح طرح کے دسوسوں نے گھیر رکھا تھا کہ نہ معلوم کیسا خوفناک نظارہ پیش نظر ہوگا۔ مگر جاتے ہی پتہ لگا۔ کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ آہ! وہی لینن جو ایک براعظم کو سر پر اٹھائے تھا جس نے ایک عالم میں تہلکہ ڈال رکھا تھا۔ نہایت چین سے ایک سرخ کوچ پر محو خواب ہے۔ اور اس شیریں نیند میں بھی اس کا چہرہ بیحد دلکش اور خوبصورت نظر آرہا ہے۔ متانت اور مہربانی کے آثار چہرے پر عیاں ہیں۔ کشادہ شفاف پیشانی۔ ابھری ہوئی رخسار کی ہڈیاں۔ اور متناسب دہن۔ مضبوط تھوڑی پر سرخ ہلکی سی ڈاڑھی۔ اور ماہر فن لطیف جیسے سڈول ہاتھ۔

وہاں ٹھہرنے یا ستانے کا موقع نہیں ہے بس جہاں مقبرے میں داخل ہوئے کہ گیلری سے گزرنا پڑا۔ اس کے درمیان شیشے کا تابوت رکھا ہوا ہے اس کے گرد ہوتے ہوئے فوراً دوسرے دروازے سے نکل جانا پڑتا ہے۔ اور ہر زائر اس مختصر سفر میں اس وقت تک لینن کے چہرے کی طرف دیکھتا جاتا ہے۔ جب تک کہ وہ دروازے سے باہر نہ ہوجائے یہاں مذہبی رنگ بھی کافی نظر آتا ہے۔ اس وقت خواہ مخواہ یہ یقین کرنے پر آمادہ ہونا پڑتا ہے۔ کہ بولشویکوں نے ایک نیا مذہب اختیار کیا۔ اور پرانے مذہب کو خیرباد کہنے میں بے اندازہ وحشتناکیاں کام میں لائے۔ اگر یہ کہئے کمیونزم یا اشتراکیت اس کا نیا سرکاری مذہب ہے تو گویا آپ ہر قاعدہ کو مستثنیٰ قرار دیں گی۔ انھوں نے عقائد کی بنا پر ایک مذہبی کتاب تیار کی ہے۔ ایک تو Friedrich Engels اور Old Testament کارل مارکس کا بنایا ہوا ہے اور اس کا معاون ہے۔ دوسرا New Testament لینن نے بنایا ہے۔ آپ قوم پسندوں کے جتھے کو خانقاہ کی برادری تصور کرسکتی ہیں جس سے وہ بہت کچھ مشابہ ہیں۔ البتہ ادھر تھوڑے دنوں سے ان لوگوں نے ابتدائی غربت اور ناداری کی پالیسی کو بدل دیا ہے۔ قوم پسند پارٹی اچھی طرح تحقیقات کرکے بڑے غور و خوض سے کارروائیاں کرتے اور سب سے آخری اور

اور انتہائی سزا کے لئے پنچایت سے خارج کرنا ہی گمراہ شدہ لوگوں کا علاج سمجھتے ہیں۔ اگرچہ یہ اپنی بنائی ہوئی آسمانی کتاب کو آخری نہیں قرار دیتے مگر اسے اصلاح اور ترقی کا موجب ضرور سمجھتے ہیں۔ یہاں کے لوگ روز بروز تعلیم کے حصول میں کوشاں ہیں۔ اور لینن نے مارکس کے اصول کو جس طرح لائحہ عمل قرار دیکر راستہ تیار کیا تھا اسی پر عمل پیرا ہیں۔ لینن میں عزت اور شہرت کے ساتھ ہر دلعزیزی قائم رکھنے کا خاص مادہ تھا۔ اس کے علاوہ وہ اور بہت سی باتوں میں مارکس پر فوقیت رکھتا تھا۔ اس کی تمام زندگی انقلاب کی تدبیروں میں صرف ہوئی اور زندگی کے تمام ترشعبوں میں انقلابی صورت کارفرما رہی۔ وہ درمیانی طبقہ کا فرد تھا۔ اس کا باپ ولگا کی اسکول پڑھایا کرتا تھا۔ وہ ۲۲ اپریل ۱۸۷۵ء میں پیدا ہوا۔ وہ بڑا محنتی تھا۔ اور اس کی عمر کے سترھویں سال اس کی زندگی میں بہت بڑا تغیر رونما ہوا۔ اس زمانے میں اس کے بڑے بھائی کو زار الگزنڈر سوم کے قتل کی سازش میں شریک ہونے کے الزام میں پھانسی دیگئی۔ اس نے اس کی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا۔ اس نے مارکس کا مطالعہ اور انگلز کی پڑھائی شروع کردی اور انہی ملکی اور سیاسی تحریکوں میں حصہ لینے کی وجہ سے قازان یونیورسٹی سے اس کو خارج کر دیا گیا۔ اس نے جابجا عام میں تقریریں کیں جس کے باعث وہ قید کر دیا اور بعدازاں سائیبریا بھیجدیا گیا۔

سائیبریا کے بعد وہ کئی سال تک باہر رہا۔ پڑھتا اور انقلابی مکاتیب شائع کرتا۔ ابھی وہ سوئٹزرلینڈ میں تھا کہ زار کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ اور متنزلزل حکومت قائم کی گئی۔ اس وقت اس کے دوستوں نے جرمنی کی حکومت سے گفت وشنید کرکے آخر کار جرمنی سے ہوتے ہوئے اسے روس آنے کی اجازت دلواہی دی۔ اور بروقت پہونچ کر اس نے بولشویک حکومت کا چارج لے لیا۔ وہ خفیہ طور سے پیٹروگراڈ میں رہتا تھا۔ اور اس وقت کا منتظر تھا جب کہ اس کی حکمت عملیوں نے چوبیس ۲۴ گھنٹوں کے اندر ملک کا نقشہ بدل ڈالا۔ اور وہ تاریخ میں ان نہایت اہم تبدیلیاں پیدا کرنے کا ذمہ وار ہوا جو تمام معاشرتی اور اقتصادی نظام سے وابستہ تھیں۔

۳۰ اگست ۱۹۲۱ء میں وہ ماسکو کے ایک کارخانے سے نکل رہا تھا جہاں کچھ دیر پیشتر وہ کارکنوں کی میٹنگ میں تقریر کرچکا تھا کہ فاینا کپتان نامی ایک لڑکی نے جو معاشرتی انقلابات کی ذمہ دار تھی اس پر مسلسل گولیوں سے وار کیا۔ ایک گولی ریڑھ میں جا گھسی۔ لیکن تین ہفتہ کے اندر وہ بظاہر بالکل تندرست اپنے کام پر واپس آگیا۔ لیکن یہی گولیوں کے زخم اس کی موت کا باعث ہوئے زخموں کی تکلیف اور بے انتہا کاموں کا بوجھ جو اس کی طاقت سے باہر تھا اس کو بہت جلد گھائل کرنے کا سبب ہوئے جب اسکی حالت بہت خراب ہوگئی تو وہ گورکی میں آرام کرنے چلا گیا۔ جہاں فالج کے حملوں نے اس کا کام تمام کر دیا۔ یہ لینن کی خوش قسمتی سمجھئے کہ وہ جس وقت جاں بحق ہوا وہ اس کے لئے اچھا موقع تھا۔ اس لئے کہ لوگوں کے دلوں میں حب وطنی اور ترقیوں کا جوش خروش پورے عروج پر تھا۔ وہ آج بھی اپنے ڈکٹیٹر کے ویسے ہی پرستار ہیں۔ جیسے کہ اس کی زندگی میں تھے وہ اسی نظام عمل کو قائم رکھنے میں اپنی خیریت سمجھتے ہیں اور اسی دستور العمل پر چلنے میں اپنی بہبودی خیال کرتے ہیں۔ کاش کہ ہر قوم کو اپنے محسنوں کے نقش قدم پر چلنے کی سعادت حاصل ہو اور بالخصوص مسلمان اپنے پیارے ہادی برحق کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے میں فلاح دنیاوی اور نجات اخروی تصور کرنے لگیں۔ آمین۔

جمیلہ بیگم کلکتہ

# منظوم ترجمہ قرآن مجید

(از حضرت آغا شاعر قزلباش دہلوی)

## سورہ بقر پارہ دوسرا پہلا رکوع

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

سَیَقُوۡلُ السُّفَہَآءُ مِنَ النَّاسِ

مَا وَلّٰىہُمۡ عَنۡ قِبۡلَتِہِمُ الَّتِیۡ کَانُوۡا عَلَیۡہَا ؕ

کس چیز نے ہے پھیرا قبلے سے ان کو ان کے

انسانوں میں سے نادان اب جلد یہ کہیں گے

(جس پر کہ تھے یہ پہلے جس قبلے کے تھے پیرو

پڑھتے تھے یہ نمازیں منہ کر کے جس طرف کو)

قُلۡ لِّلّٰہِ الۡمَشۡرِقُ وَ الۡمَغۡرِبُ ؕ

کہدو خدا کے ہیں سب مشرق بھی اور مغرب

(سمتیں اسی کی ہیں سب محکوم چار جانب)

یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ○

چاہے جسے وہ مالک لیجائے سیدھے رستے

(جس کو کرے ہدایت فضل و کرم ہیں اس کے)

وَکَذٰلِکَ جَعَلۡنٰکُمۡ اُمَّۃً وَّسَطًا

اور بس اسی طرح سے ہم نے تمہیں بنایا

اک بین بین امت اک بیچ کا سا فرقا

لِّتَکُوۡنُوۡا شُہَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَ یَکُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَیۡکُمۡ شَہِیۡدًا ؕ

اس واسطے کہ تم تو لوگوں پہ دو گواہی

اور ہوں تمہارے شاہد پیغمبر الٰہی

وَمَا جَعَلۡنَا الۡقِبۡلَۃَ الَّتِیۡ کُنۡتَ عَلَیۡہَاۤ

اور ہم نے کب کیا تھا قبلہ جدھر تھے پہلے ٭ لیکن یہ جاننا تھا، تھے امتحان اس کے

اِلَّا لِنَعۡلَمَ مَنۡ یَّتَّبِعُ الرَّسُوۡلَ مِمَّنۡ یَّنۡقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیۡہِ ؕ

حکم رسول پا کر کون اس کو مانتا ہے؟

کس نے ہے پیروی کی کون الٹا پھر گیا ہے؟

وَاِنۡ کَانَتۡ لَکَبِیۡرَۃً اِلَّا عَلَی الَّذِیۡنَ ہَدَی اللّٰہُ ؕ

(قبلے کا یہ بدلنا سب پر ہی شاق گذرا

لیکن سوائے ان کے ہادی تھا جن کا مولا

وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُضِیۡعَ اِیۡمَانَکُمۡ ؕ

وہ رب نہیں ہے ایسا اوہام ہیں یہ سارے

وہ اور ضائع کر دے ایمان کو تمہارے؟

اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ○

بیشک، بڑی محبت کرتا ہے حق تعالے

بندوں پہ مہربان ہے بیحد ہے رحم والا

قَدۡ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجۡہِکَ فِی السَّمَآءِ ۚ

ہم دیکھتے ہیں بیشک، نظروں میں ہے نظارا

یہ آسماں کی جانب منہ پھیرنا تمہارا

فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبۡلَۃً تَرۡضٰہَا ۪

بس پھیر دیں گے ہم خود اس سمت رخ تمہارا

جو دل پسند قبلہ ہے دل سے تم کو پیارا

فَوَلِّ وَجۡہَکَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ؕ

پھر۔ اور چاہیئے کیا؟ لو اپنا مدعا لو

مسجد جو محترم ہے رخ اس طرف پھرا لو

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ

اور اب جہاں کہیں بھی جس جا ہوا کرو تم

اس کی ہی سمت اپنا رُخ کرلیا کرو تم

وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ

جن کو کتاب دی ہے اُن پر ہو خوب روشن

(تحویل قبلہ) حق ہے از رب (دشت ایمن)

وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ۝

جو کچھ وہ کر رہے ہیں سب آئینہ ہو اُس پے

غافل نہیں خدا ہے ان کے کئے دھرے سے

وَلَئِنْ أَتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ

جن کو کتاب دی ہے اِس قسم کے ہیں وہ تو

ساری نشانیاں بھی تم ان کے آگے دھر دو

مَا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ

تو بھی۔ تمہارے قبلے کی پیروی نہ ہوگی

پھر بھی نہیں کریں گے وہ پیروی تمہاری

وَمَا أَنتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ

اور نے تمہیں یہ شایاں جو مُتّبع بنو تم

(یعنی کہ) اُن کے قبلے کی پیروی کرو تم

وَمَا بَعْضُهُم بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ

اور اُن میں کا بھی کوئی ہرگز نہیں ہے ایسا

جو دوسرے کے قبلے کی پیروی کرے گا

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم مِّن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ

اور ہاں جو تم نے مانی کچھ اُن کی خواہشوں کی

بعد اس کے جبکہ تم کو علم ہو چکا ہے کافی

إِنَّكَ إِذًا لَّمِنَ الظَّالِمِينَ ۝

(یہ شکل ہے، تو تم بھی خطرے میں ہو یقینی)

پھر تو تمہاری گنتی بھی ظالموں میں ہوگی

الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ

جن کو کتاب دی ہے واقف ہیں اُس سے ایسے

(یعنی رسولؐ)

بیٹوں کو اپنے پہچانتے ہیں جیسے

وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝

ہیں اُن میں ہی سے بیشک کچھ لوگ اس طرح کے

جو جان بوجھ کر بھی حق بات ہیں چھپاتے

الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝

حق تو تمہارے رب کی جانب ہی (یاد رکھئے)

تم تو نہ ہونا ہرگز شک لانیوالوں میں سے

وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا

اور ہر جتھے کی خاطر اک سمت ہے (مقرر)

جس کی طرف وہ اپنا منہ کرتا ہو (برابر)

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ

پس دوڑو۔ نیکیوں کو سبقت کرو یقینی

(اوروں سے تاکہ اپنا بڑھ جائے کارِ دینی)

أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا

پھر تم جہاں کہیں بھی ہو گے وہ ربِّ اعلیٰ

تم سب کو جمع کر کے لے آئے گا اکٹھا

إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

طاقت بڑی ہے اُس کی قوت سے ہے وہ ظاہر

بیشک۔ خدا۔ خدا ہے ہر چیز پر ہے قادر

# ہالینڈ کی سیر

(از محترمہ شائستہ اختر بانو سہروردیہ بی اے آنرس - مقیم لندن)

گذشتہ ہفتے میرے شوہر کو سرکاری کام سے ہالینڈ جانا پڑا۔ میں بھی ان کے ساتھ گئی تھی۔ ہالینڈ شمالی یورپ کا ایک چھوٹا سا ملک ہے۔ اور تقریباً دو سو سال سے اُس نے یورپ کی سیاست میں کوئی نمایاں حصہ نہیں لیا ہے! اگرچہ سولھویں صدی میں اسپین سے آزادی حاصل کرنے کے لئے اُس کی جدوجہد اُس وقت بہت بڑی سیاسی اہمیت رکھتی تھی۔ اس کے بعد اٹھارویں صدی کے آخر میں جبکہ نپولین کی فاتح فوج یورپ کے ہر ملک کی سرحد پر پہنچ چکی تھی۔ ہالینڈ بھی مفتوح ہو گیا تھا نپولین نے اُسے فتح کر کے اپنے بھائی لوئی بونا پارٹ کو اس کا بادشاہ مقرر کر دیا۔ لیکن واٹرلو کی شکست کے بعد ہالینڈ نے دوبارہ آزادی حاصل کر لی اور اس وقت سے آج تک یہ خود کو یورپ کے جھگڑوں سے الگ تھلگ رکھ کر اپنی اقتصادی اور معاشرتی اصلاح میں مصروف ہے۔

ہالینڈ کی تاریخ چونکہ ڈرامٹک اور اہم واقعات سے خالی ہے اس لئے اس نے کوئی ایسی شخصیت پیدا نہیں کی جو اپنی غیر معمولی کامیابی یا انتہائی بدقسمتی کی وجہ سے قابل توجہ ہو۔ ہالینڈ کا سب سے مشہور قومی ہیرو ولیم دی سائلینٹ William the silent تھا جس نے اسپین کے پنجہ سے ہالینڈ والوں کو رہائی دلوائی۔ پر اس کی شخصیت ایسی نہیں جس کو کہ "ڈرامٹک" یا "ٹریجک" کہہ سکیں۔

اگرچہ ہالینڈ کو تاریخی حیثیت سے کوئی اہمیت حاصل نہیں اور نہ ہی اس میں پیرس - وینا - مانتی کارلو - وینس وغیرہ جیسے حسین و پُر رونق شہر ہیں۔ پھر بھی یہاں چند ایک خصوصیات ایسی ضرور ہیں جن کی بنا پر اس کو ایک بہت دلچسپ اور قابل دید ملک کہہ سکتے ہیں۔

ہالینڈ نے تصویر کشی Painting میں بڑا کمال حاصل کیا ہے۔ یہاں کے کئی مصوروں ایمبرانڈ۔ فرانس ہال۔ پولٹر میڈیگ وغیرہ کا دنیا کے بہترین مصوروں میں شمار ہوتا ہے۔ خصوصاً ایمبرانڈ تو مائیکل انجیلو - وز ہیفل کے ہم پایہ سمجھا جاتا ہے۔ ڈچ (ہالینڈ کے لوگ ڈچ کہلاتے ہیں) مصوروں نے نہ صرف پرانے اصولوں کے مطابق اعلیٰ درجہ کی تصویریں بنائیں بلکہ انہیں نئے اصولوں کے موجد ہونے کا بھی فخر حاصل ہے۔ ڈچ مصوروں نے ہی پہلے پہل قدرتی Realistic پینٹنگ شروع کی۔ اور روزانہ کام کاج مثلاً خرید و فروخت، دعوت، مہمانی، شادی کی مجلس، یہاں تک کہ باورچی خانہ اور اصطبل تک کے منظروں کو بھی پینٹ کرنے کے قابل سمجھا۔ ورنہ اطالوی اور فرانسیسی مصور یا بائبل یا یونانی اور رومن تاریخ کے واقعات کو ہی کینوس پر لانے کے قابل سمجھتے تھے یا صرف کسی allegary یعنی نصیحت آمیز مضمون کو پینٹنگ کے ذریعے ادا کرتے تھے۔ پر ڈچ مصوروں نے اپنی توجہ زندگی کے ہر ایک پہلو کو دکھانے کی طرف کی اور اس طرح سے پینٹنگ

میں ایک نئے اصول کا اضافہ ہوا اور Dutch school of Painting وجود میں آیا۔ یہ "اسکول آف پینٹنگ" صرف مضمون کے لحاظ سے ہی اطالوی فرانسیسی اور ہسپانوی سکول سے مختلف نہیں ہے بلکہ Technically یعنی طریقہ پینٹنگ میں بھی مختلف ہے۔ ڈچ مصوروں نے اپنے مضمون کی ادائیگی میں جو کمال حاصل کیا ہے وہ عام لوگوں پر بھی عیاں ہے۔ ان کے شاہکاروں کو دیکھنے کا شوق ہر سال لاکھوں آدمیوں کو ہالینڈ لے جاتا ہے اور یہی شوق ہمیں بھی ہالینڈ لے گیا۔

ڈچ آرٹس نے واقعی کمال کر دیا ہے۔ انہوں نے کینوس پر برش و رنگوں سے اصل کی ایسی نقل اتاری ہے کہ یہ یقین نہیں آتا کہ تصویر ہے۔ فرانس ہال اور میڈیک نے عورتوں کی تصویریں بنائی ہیں جن میں ان کے ہاتھوں میں موتی کے دست بند کو اس کمال سے پینٹ کیا ہے کہ یہ ماننا مشکل ہوتا ہے کہ یہ سچے موتیوں کی لڑی نہیں بلکہ صرف تصویر ہے۔ ان کے لباس کا لیس بھی اس طرح سے پینٹ کیا ہے کہ اصلیت کا دھوکا ہوتا ہے۔ زردوزی کے کام کی بھی نقل اس طرح اتاری ہے کہ یہ شک ہوتا ہے کہ واقعی کڑھت ہے پینٹنگ نہیں۔ مردوں کی تصویروں میں زرہ بکتر کو پینٹ کرنے میں بھی یہی کمال دکھایا ہے۔ لوہے پر سورج کرنیں پڑتی ہیں تو جس طرح کی چمک پیدا ہوتی ہے وہی کیفیت ان رنگوں کے ذریعہ ظاہر کی ہے۔ قالین پینٹ کئے ہیں تو ان کی نرمی اور بناوٹ کو اس خوبی سے ظاہر کیا ہے کہ ہاتھ لگا کر دیکھنے کو دل چاہتا ہے۔ ایک تصویر دیکھی جس میں کہ بی بی مریم ایک پتھر سے ٹیک لگائے ہوئے کھڑی ہیں۔ اس پتھر کو پینٹ کرنے میں مصوّر نے واقعی کمال کر دکھایا ہے۔ پتھر کی سطح کے اندر جو دھاریاں پڑی ہوتی ہیں اور اوپر جو چکناہٹ ہوتی ہے وہ سب تصویر میں اسی طرح تھیں کہ سچ مچ پتھر کا ٹکڑا ہی معلوم ہوتا تھا۔ پھولوں پر شبنم کے قطرے اس طرح پینٹ کئے گئے تھے کہ بے اختیار دل چاہتا تھا کہ ان پر ہاتھ پھیریئے۔ بوڑھے لوگوں کے ہاتھوں اور پیشانی کی شکن میں بھی وہی اصلیت تھی۔ پوٹر ایک ڈچ آرٹسٹ ہے جو کہ جانوروں کو پینٹ کرنے میں کمال رکھتا تھا۔ اس کی ایک تصویر دیکھی جس میں اُس نے گائے کے ماتھے پر جو بال ہوتے ہیں ان کو اس طرح پینٹ کیا ہے کہ وہ ہوا میں ہلتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ ایک عورت کی تصویر دیکھی جس میں آنکھیں اس غضب کی بنائی تھیں کہ متحرک معلوم ہوتی تھیں۔

ہالینڈ کے سب سے بڑے مصوّر ریمبرانڈ کی مشہور تصویر night-watch ہے۔ یہ بہت بڑی تصویر ہے کوئی پندرہ فٹ کی ہوگی۔ اس میں ایک شکاری پارٹی کی واپسی دکھائی گئی ہے۔ جتنی شکلیں اس میں ہیں ان میں سے کوئی بھی خیالی نہیں بلکہ اصل لوگوں کی ہیں۔ ان کے چہروں سے نیند اور تھکاوٹ صاف ظاہر ہے۔ کپتان بالکل اس طرح سے باتیں کرتا ہوا چلا آرہا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ اب فریم سے نکل کر آپ کی طرف آجائے گا۔ وہ ایک ساتھ والے سے کچھ اشارہ کر رہا ہے اس کے اٹھے ہوئے ہاتھ کا سایہ اس کے ساتھی کی زرد وردی پر تھرکتا ہوا نظر آتا ہے۔ کہتے ہیں کہ کسی قوم کے پاس اتنا روپیہ نہیں کہ اس تصویر کو خرید سکے۔ امسٹرڈم کے رجسک میوزیم میں یہ تصویر ہے جس کمرے میں یہ تصویر رکھی گئی ہے وہ خاص طور سے Fire Proof بنایا گیا ہے یعنی دیوار اور دروازے لوہے کے ہیں تاکہ آگ نہ لگ سکے۔ تصویر اس طرح سے لگائی گئی ہے کہ ہمبب یا آتشزدگی یا کسی اور خطرے کی صورت میں ایک آدھ بٹن دبانے سے ایک دم زمین کے نیچے تہہ خانے میں

چلی جاتی ہے۔ یہ تصویر ڈچ قوم کا سب سے بڑا سرمایہ ہے جتنے لوگ اس ایک تصویر کو دیکھنے ہالینڈ آتے ہیں اور کسی چیز کو دیکھنے نہیں آتے۔

تصویروں کے علاوہ چند اور چیزیں بھی ہالینڈ کی دلچسپی کا باعث ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کا سب سے بڑا شہر امسٹرڈیم اور دوسرے تمام شہر بھی۔ گویا پُلوں پر بنے ہوئے ہیں۔ کیونکہ ہالینڈ میں نہروں کی بیحد کثرت ہے۔ وجہ یہ کہ ہالینڈ سمندر کی سطح سے نیچے ہے۔ بلکہ اس کا ایک بڑا حصّہ ایک زمانے میں سمندر کے نیچے دب چکا ہے۔ نہریں بنا بنا کر پانی کو ایک طرف بہنے پر مجبور کر کے ہی یہ لوگ زمین کو رہنے کے قابل بنا سکے ہیں۔ اس ملک کو جو قدرتی طور سے آبادی کے ناقابل اور صحت کے لئے خراب تھا یہاں والوں کی محنت اور حکمت نے اسے نہ صرف قابل رہائش بلکہ اقتصادی اور معاشرتی لحاظ سے یورپ کے خوش حال ترین ملکوں میں لا کھڑا کیا ہے اب بھی سمندر سے زمین حاصل کرنے کی جد وجہد جاری ہے۔ اور زائیڈرزی کے ساحل پر بہت بڑے پیمانے پر ڈیم بنائی جا رہی ہے جو اگر کامیاب ہو گئی تو ہالینڈ کے رقبے میں بہت بڑا اضافہ ہو جائے گا۔

یہ نہریں ہالینڈ کے شہروں کی خصوصیت ہیں۔ تقریباً ہر راستے کے دونوں طرف نہریں ہیں اور اُن کے کناروں پر مکان بنے ہوئے ہیں۔ امسٹرڈیم میں نہریں کثرت سے ہیں۔ اس کی آبادی کافی ہے اور ہالینڈ کے سب شہروں سے زیادہ گنجان آباد ہے۔ اگرچہ اس کے بھی بعض حصّے بہت فراخ اور کشادہ ہیں جن میں نہایت خوشنما اور صاف مکان نظر آتے ہیں۔ پھر ہیگ Hague جہاں کہ ان کی ملکہ رہتی ہے اور ہارلم جو کہ ان کا تیسرا بڑا شہر ہے۔ امسٹرڈیم سے زیادہ صاف اور خوبصورت ہیں۔ ہیگ امسٹرڈیم کی نسبت نیا شہر ہے اور خاص طور سے ایک Residential city یعنی رہائشی شہر ہے، کاروباری نہیں جیسے کہ نئی دہلی بہ مقابلہ کلکتہ۔ ہیگ کے راستے فراخ اور کشادہ۔ مکانات صاف اور خوشنما اور دوکانیں بہت فیشن ایبل اور شاندار ہیں۔ یہاں نہروں کی بھی زیادہ کثرت نہیں ہے۔ یہاں ان کی ملکہ کا محل ہے جو کہ مختصر سا خوشنما ہے۔ ان کی پارلیمنٹ یہاں ہی ہوتی ہے۔ اس شہر کا ٹاؤن ہال ڈی ویٹ کی تصویروں کی وجہ سے مشہور ہے۔ ان کی تصویروں کا کمال یہ ہے کہ ان پر سنگ تراشی کا دھوکا ہوتا ہے۔ ہیگ میں International court of Justice یعنی بین الاقوامی عدالت بھی ہے۔ یہ عدالت ۱۹۰۸ء میں بنی شروع ہوئی اور ۱۹۱۳ء میں بن کر ختم ہوئی۔ یہ بہت شاندار عمارت ہے۔ اس کی تعمیر کے اخراجات کا ذمہ دار ایک کروڑپتی کارنگی تھا۔ مگر اس کی تعمیر میں ہر قوم نے کچھ نہ کچھ حصّہ لیا ہے۔ اس کی شاندار سیڑھیاں خود ہالینڈ نے دی ہیں۔ اس کی انگلش شیشے والی کھڑکیاں برطانیہ نے دی ہیں۔ آزادی کا مجسمہ جو کہ ہال میں نصب ہے امریکہ کا تحفہ ہے اور خوشنما سنہری جھاڑ آسٹریا کا۔ عدالت کے وسیع کمرے کا قالین ترکی نے پیش کیا تھا اور اس کمرے کی ساری دیواریں جاپان کے دئے ہوئے پردوں سے مزیّن ہیں۔ چین کے عطا کردہ چار نہایت بڑے بڑے گلدان بھی اسی کمرے میں رکھے ہوئے ہیں۔ اور سیام کی طرف سے ہاتھی کی دو سونڈیں بھی سونے سے منڈھی ہوئی اسی کمرے میں ہیں۔ روس کے آخری زار نے ایک نہایت اعلیٰ درجہ کا گلدان دیا تھا۔ جرمنی کی طرف سے پھاٹک کے ایلینگس ہے۔ اور اٹلی نے کچھ مجسمے دئے ہیں۔ غرض ہر ایک قوم نے کچھ نہ کچھ حصّہ تعمیر و سجاوٹ میں لیا ہے۔ اس عدالت کے

پنیدرہ جج ہیں۔ جو مختلف قوموں میں سے منتخب ہوتے ہیں۔ یہ عدالت اس مقصد سے قائم کی گئی ہے کہ بین الاقوامی جھگڑے اس کے ذریعے طے ہوں لیکن قومیت کے غلط جذبوں اور باہمی تنازع وعداوت نے اب تک اس عدالت کو ان واقعی اہم بین الاقوامی جھگڑوں میں جو کہ اس کے قائم ہونے کے بعد پیدا ہوئے حصہ نہیں لینے دیا۔ صرف چھوٹی موٹی باتیں اس کے آگے پیش ہوتی رہتی ہیں۔ پر یہ عمارت اپنی زبان حال سے ان لوگوں کے خیالات کی ترجمانی کر رہی ہے جو یہ امید کرتے ہیں کہ وہ دن آئے گا جب کہ دنیا مان لے گی کہ جھگڑے چکانے کا ذریعہ جنگ وخونریزی نہیں بلکہ انصاف وعدل ہے۔

ہیگ سے بہت ہی قریب ڈلفٹ Delft ہے جو کہ ہالینڈ کا سب سے پرانا شہر ہے۔ یہاں ان کے قومی ہیرو ولیم دی سائی لنٹ کا محل اور اس کی قبر ہے۔ اس کا محل فن معماری کے لحاظ سے کوئی خاص وقعت نہیں رکھتا۔ پر اس کو صرف یہ تاریخی اہمیت حاصل ہے کہ ولیم یہاں رہتا تھا اور اُس محل کی سیڑھیوں سے اتر رہا تھا کہ فلپ آف سپین کے ایک جاسوس نے اس کو گولی ماری جو اُس کی موت کا باعث ہوئی۔ سیڑھیوں کی دیوار پر اب تک ان دو گولیوں کے نشان موجود ہیں۔ اور جس سیڑھی پر وہ زخمی ہو کر گرا اُس پر پھولوں کے چکر رکھے ہوئے تھے محل کے ہال میں اس کی مختلف چیزیں رکھی ہوئی ہیں۔ مثلاً اس کے پینے کا گلاس۔ اس کی کرسی۔ اس کے زرہ رکھنے کا بکس وغیرہ محل سے قریب ہی وہ گرجا ہے جس میں ولیم دی سائی لنٹ دفن ہے۔ اس کی قبر ان لوگوں کے خیال کے مطابق صنعتی طور پر بہت اچھی سمجھی جاتی ہے۔ پر مجھے تو بہترین یورپین عمارتیں ومقبرے بھی اپنے ہاں کی عمارتوں کے آگے بہت معمولی معلوم ہوتے ہیں۔ اس لئے اس مقبرے میں مجکو تو کوئی خاص خوبی نظر نہ آئی۔ ان کی عمارتوں میں وہ نفاست نہیں ہوتی جو کہ ہماری عمارتوں میں ہوتی ہے۔ ویسے سنگ تراشی کے لحاظ سے کافی اچھی ہوتی ہیں۔

ہارلم بالکل ہیگ کی طرح ہے۔ فراخ کشادہ راستے۔ خوشنما مکانات۔ بڑی بڑی دکانیں یہاں کافی ہیں۔ یورپین ملکوں کے بڑے بڑے شہر ایک دوسرے سے بہت کم مختلف ہوتے ہیں۔ ویسے ہی ہوٹل ومکانات ویسی ہی دکانیں اور دکانوں میں ویسی ہی چیزیں ہر شہر میں پائی جاتی ہیں۔

ان تین چار شہروں کے علاوہ ہم نے ہالینڈ کے دو گاؤں کی بھی سیر کی۔ ہر ملک کے گاؤں ہی میں اس ملک کا تمدن اصلی حالت میں نظر آتا ہے۔ اور ہالینڈ کے گاؤں میں تو اب تک ان کا اپنا لباس مخصوص ڈچ چیزیں کپڑے کی ٹوپیاں جو کارین دوبلٹری ٹوپیوں سے مشابہ ہیں اور لکڑی کے جوتے ہیں جن کو Sabol کہتے ہیں۔ یہ جوتے تو شہر والے بھی پہنتے ہیں۔ اگرچہ شہر میں سب کا لباس وہی ہے جو یورپ میں ہر جگہ نظر آتا ہے۔ گاؤں میں عورتیں اور لڑکیاں بال کھلے رکھتی ہیں۔ کم سن لڑکیاں متضاد وشوخ رنگ کا لباس پہنے سنہری بال ہوا میں اُڑتے ہوئے بہت خوبصورت معلوم ہوتی ہیں۔ بچے بھی نہایت تندرست نظر آتے تھے۔ گاؤں کے مکانات بہت صاف ستھرے چھوٹے چھوٹے بالکل گڑیوں کے گھر جیسے ہیں۔ کوئی نیلا کوئی سُرخ۔ کوئی سبز۔ ہم دو ایک مکانوں کے اندر بھی گئے۔ ان کا پورا مکان صرف ایک کمرے کا ہوتا ہے۔ اُس ایک کمرے میں سونے کے لئے دیوار گیر کمرے بنے ہوتے ہیں جیسے کہ ہندوستان میں دیوار الماریاں۔ جتنے لوگ گھر میں ہیں اتنے ہی دیوار گیر پلنگ ہوں گے۔ یہ پلنگ دیوار کے اندر طاق کے طور پر بنے ہوتے ہیں جن پر پردہ چھوڑ دو تو کمرے سے بالکل علیٰحدہ ہو جاتے ہیں۔ بچوں کے لئے اس طاق نما پلنگ کے اوپر ایک اور طاق بنایا جاتا ہے یا کبھی نیچے۔ یہ طاق نما پلنگ پُرانے زمانے کے ڈچ مکانوں کی خصوصیت ہیں۔ ایمبرانڈ کے مکان میں بھی ایسا ہی پلنگ تھا۔ پر اب ہالینڈ کے شہروں میں ایسے پلنگوں کا رواج نہیں رہا۔ ان گاؤں میں لباس ومکانات تو اب تک پُرانے زمانے کے ہیں پر بجلی کی روشنی اور ریڈیو وہاں بھی موجود ہے۔

ہالینڈ میں پھولوں کی کاشت بہت ہوتی ہے۔ افسوس ہے کہ ہم جاڑوں میں ہالینڈ گئے۔ موسم بہار میں جاتے تو رنگارنگ پھولوں سے بھرے ہوئے میدانوں کا منظر دیکھتے جو سنا ہے ساری عمر نہیں بھولتا۔ خیر ہم نے وہ تو نہیں دیکھا پر ہالینڈ کے مصوروں کے شاہکار ہم کبھی نہ بھولیں گے۔

# آرام طلبی

ہمارے دانتوں اور آنکھوں کا وقت سے پہلے خراب ہوجانا ہماری آرام طلبی اور کاہلی کی کھلی دلیل ہے۔ جب ہم غیر مہذب لوگوں کے سفید چمکدار دانت دیکھتے ہیں تو سوچ میں پڑ جاتے ہیں کہ انہیں دانت صاف کرنے کے موجودہ ڈاکٹری قواعد تو معلوم نہیں۔ پھر ان کے دانت اتنے صاف اور مضبوط کیسے رہتے ہیں؟ بات یہ ہے کہ نرم اور لذیذ غذائیں پکانے کے نئے طریقوں نے ہمارے دانتوں کی مضبوطی چھین کر انہیں طرح طرح کے مرضوں کا شکار بنا دیا ہے جن سے غیر مہذب لوگوں کو دوچار نہیں ہونا پڑتا۔

بجائے اس کے کہ ہم فرصت کا وقت کھلی ہوا میں یا کچھ ورزش کرنے میں گزاریں کوئی بیکار ناول یا رسالہ پڑھنے میں گزار دیتے ہیں۔ جس سے ہماری علمی قابلیت میں تو کچھ اضافہ نہیں ہوتا۔ ہاں چونکہ دن بھر کا دفتری یا دوسرے کام کرنے سے آنکھیں پہلے ہی سے تھکی ہوئی ہوتی ہیں اس لئے اس وقت بیجا بار پڑنے سے سر میں درد رہنے لگتا ہے اور رفتہ رفتہ بینائی میں فرق آجاتا ہے۔

آج کل کی نئی تصانیف بہت آسان ہوتی ہیں اس لئے پڑھنے والے کے دماغ پر کچھ بار نہیں پڑتا اور اگر اسکول یا کالج میں مشکل کتابیں پڑھنی بھی پڑتی ہیں تو استاد نوٹ دے دے کر اُن کو اتنا آسان بنا دیتے ہیں کہ طالب علم دماغ پر زور دئے بغیر بہ آسانی سب کچھ سمجھ لیتا ہے۔ اگر ہم نے اسی طرح دماغ پر زور دینا چھوڑ دیا تو ہم میں غور و فکر کا مادہ ختم ہوجائے گا کیونکہ قدرت کا یہ قاعدہ ہے کہ جس چیز سے کچھ کام نہ لیا جائے وہ اس کا بالکل خاتمہ کر دیتی ہے۔

ہم پرانے زمانے کی بڑی بڑی اور باریک لکھی ہوئی کتابیں دیکھ کر حیرت میں رہ جاتے ہیں کہ اس زمانے کے لوگوں میں اتنا تحمل کیسے تھا کہ وہ اتنی بڑی بڑی کتابیں لکھتے تھے حالانکہ ہم ایک چھوٹا سا مضمون یا افسانہ لکھ کر سمجھتے ہیں کہ بڑا کام کیا۔ ان کتابوں کی لکھائی اتنی باریک ہوتی ہے کہ بے حد روشن جگہ پڑھیں تب بھی ہماری آنکھیں تھک جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ اُن کی عبارت اتنی پیچیدہ ہوتی ہے کہ دو تین صفحوں سے زیادہ ایک دن میں نہیں پڑھ سکتے۔ مگر اُس زمانے میں لوگ علم اور قابلیت بڑھانے کے لئے پڑھا کرتے تھے، وقت گزارنے کے لئے نہیں۔ ان لوگوں کو ہم سے زیادہ اس بات کا احساس ہوتا تھا کہ وہ جو کچھ پڑھ رہے ہیں اس پر عمل کرنا لازمی ہے۔ وہ تھوڑا پڑھتے تھے مگر سمجھ کر پڑھتے تھے۔ ہماری طرح نہیں کہ جہاں فرصت کا وقت ملا کوئی ناول پڑھنے لگے۔ سفر میں جہاں جی گھبرایا کوئی رسالہ خرید کر پڑھنا شروع کر دیا جس کی اُلٹی سیدھی کہانیوں سے کوئی خاص فائدہ تو ہوتا نہیں ہاں دماغ تھوڑی دیر کے لئے ایک خاص قسم کی الجھن میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ کہانی کے افراد طرح طرح کی شکلوں میں آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتے ہیں۔ ان کے بولے ہوئے فقرے دماغ میں گونجتے رہتے ہیں مگر ایک دو گھنٹے کے بعد کچھ بھی نہیں رہتے۔

آج کل لوگوں میں اخبار بینی کا شوق بہت ترقی کر رہا ہے۔ مگر وہ صرف ہر کام کا انجام معلوم کرنے کے خواہاں ہوتے ہیں۔ انھیں اس بات کی بہت کم پروا ہوتی ہے کہ کام کرنے والے کو کامیابی حاصل کرنے میں کتنی مشکلیں اُٹھانی پڑیں اور وہ کس طرح اس نتیجے پر پہنچا۔

ہر سال ہم اپنی زندگی کو آرام دہ بنانے کے لئے نئی نئی مشینیں ایجاد کرتے ہیں۔ ایک زمانے میں خوش خطی ہندوستان کا ایک خاص فن تھا۔ مگر ٹائپ رائٹر آہستہ آہستہ اس کی جگہ لے رہا ہے۔ اور دکان والے اشتہار دیتے ہیں کہ "ہاتھ سے لکھنے سے بہت وقت صرف ہوتا ہے۔ اگر آپ کو اپنے وقت کی قدر ہے تو مہربانی کرکے ٹائپ رائٹر خرید لیجئے"۔ اگر کہیں کسی کو اسے اسکولوں میں بھی رائج کر دینے کا خیال آگیا تو خوش خطی کے نام سے بھی کوئی واقف نہ رہے گا۔

چلنا اور گھوڑے کی سواری ایک زمانے میں فیشن کی ضروریات میں سمجھا جاتا تھا۔ بارہ یا تیرہ میل روز چل لینا ہر تندرست آدمی کے لئے

ایک معمولی بات تھی۔ اس کے برخلاف آج کل کوئی شریف آدمی پیدل چلتا ہوا مشکل سے نظر آئے گا۔ حالانکہ چہل قدمی سے زیادہ اچھی تفریح اور کارآمد ورزش کوئی اور نہیں ہوسکتی۔ معدوں کے امراض کی عام شکایت بدن کا بھداپن وقت سے پہلے بوڑھا ہوجانا وغیرہ کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہم کوئی ڈھنگ کی ورزش نہیں کرتے۔

ایک زمانہ وہ تھا کہ مربے اور مٹھائیاں بنانا گھر والی کا خاص فن سمجھا جاتا تھا۔ اپنے ہاتھ کی بنی ہوئی چیزیں وہ بہت فخر سے مہمانوں کو کھلایا کرتی تھیں۔ مگر اب صرف بازار کی بنی ہوئی چیزوں کو خوبصورتی سے مہمانوں کے سامنے پیش کردینا ہی بہت بڑا فن اور سلیقہ شمار ہوتا ہے۔ ڈبوں میں بند اور بازاری چیزوں کے استعمال کے روز افزوں شوق سے ایک وہ دن بھی آئے گا کہ پکوان کا لطیف فن گھروں سے بالکل رخصت ہوجائے گا۔

پولیس کے موجودہ انتظامات نے ہمیں اور بھی کاہل بنا دیا ہے۔ ہمارے مکانات خوبصورت تو ضرور ہوتے ہیں۔ مگر بالکل غیر محفوظ کیونکہ ہمارا خیال اب یہ ہے کہ رات کو چور چکار سے حفاظت کرنا ہمارا کام نہیں۔ بلکہ پولیس کا فرض ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ ہمارے گھروں میں دو ایک نمائشی چھڑیوں کے سوا کوئی چیز ایسی نہیں ہوتی جس سے ہم وقت بے وقت اپنی حفاظت کرسکیں۔ اگر خدانخواستہ کوئی واقعہ پیش آجائے تو ہم صرف اس قابل رہ گئے ہیں کہ تھانے میں رپورٹ کردیں اور پھر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں۔

ریل کے سفر میں بھی ہم اکثر رات کو کھڑکیاں نہیں بند کرتے۔ کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ ہماری حفاظت کا پورا انتظام کیا گیا ہے۔ اگر کبھی ہماری ہی بے احتیاطی سے کوئی چیز کھو جائے تو ہم سب سرکاری ملازموں پر اس بات کا الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے ہماری چیزوں کی حفاظت کا ٹھیک انتظام نہیں کیا۔ اور اگر زیادہ نقصان ہوجائے تو ریلوے پر نالش بھی کردیتے ہیں۔

ایک دفعہ ایک صاحب بارش کے دنوں میں پیدل کہیں سے گھر آرہے تھے۔ راستے میں بارش اور ہوا کے طوفان سے ان کو مقابلہ کرنا پڑا۔ تھوڑی دیر تو وہ جلدی جلدی چلتے رہے مگر جب انہوں نے دیکھا کہ اتنے طوفان میں راستہ چلنا بہت دشوار ہے تو وہ ایک درخت کے نیچے کھڑے ہوگئے کہ کم از کم بھیگنے سے تو نجات مل جائے گی۔ اتفاق سے وہ درخت کچھ کمزور تھا۔ چنانچہ وہ ان پر گر گیا۔ اور ان کو بہت چوٹیں آئیں۔ ان کے رشتہ داروں کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے فوراً ہی شہر کی میونسپلٹی پر اس بات کا مقدمہ چلا دیا کہ اس نے سڑکوں پر اتنے کمزور درخت کیوں لگا رکھے ہیں جو معمولی آندھی سے گر پڑتے ہیں۔ اور لوگوں کو زخمی ہونا پڑتا ہے۔ اس قسم کی حرکتیں آج کل بہت سے لوگ کررہے ہیں اور خود ہم سے بھی آرام طلبی کی وجہ سے اس طرح کی بہت سی حماقتیں ہوجاتی ہیں۔

شاید بعض لوگ ان سب باتوں کو غلط سمجھیں۔ مگر جب ہم میں مشکل کے وقت دماغ پر زور دینے کی عادت نہ رہے گی۔ اور ہم کسی پیچیدہ مسئلے کو نہ سمجھ سکیں گے تو ہمیں اپنے دماغ کی کمزوری محسوس ہوگی۔ اور جب ہم مشینوں کی امداد کے بغیر ہاتھ پاؤں نہ ہلا سکیں گے تب ہم کو اپنے بے دست و پا ہونے کا احساس ہوگا۔

معتصمۃ الرحمن

# خواتینِ مصر

غلامی کی زنجیروں سے آزاد ہوئے مصر کو تقریباً تین سال گزر چکے ہیں۔ لیکن وہ ملک جو جنگِ آزادی میں کامیابی حاصل کر سکے جو آزادی کے لئے ہر قربانی خندہ پیشانی کے ساتھ کر سکے اپنے باشندوں پر فخر کر سکتا ہے کہ غلامی کے دور میں بھی اُن کی ذہنیت غلامی کے ناپاک اثر سے پاک رہی۔ اور جس قوم کی ذہنیت باوجود غلامی کے غلامانہ نہ ہو۔ اس ملک کی خواتین آزادمنش خواتین ہوتی ہیں۔ جو جذبۂ آزادی کو بچہ کے رگ و ریشہ میں پیوست کر دیتی ہیں، جو اُسے آزادی کے نغموں سے لوری دیتی ہیں اور مادرِ وطن پر قربان ہونے کی تلقین کرتی ہیں۔ آزادی کا جذبہ آغوشِ مادر سے حاصل کر کے بچہ جوان ہو کر جنگِ آزادی کا بہادر سپاہی بنتا ہے۔ وہ ماں جو اپنے لختِ جگر کو قوم و ملت پر مال و جان قربان کر دینے کی تعلیم دیتی ہے ایسی مبارک اور محترم عورت ہوتی ہے جس پر ہزار ہا غلامانہ ذہنیت والی عورتیں قربان کر دی جائیں اور پھر بھی اسی کا پاسہ بھاری رہے۔ اسی طرح کی آزادی پسند تھیں قرونِ اولیٰ کی وہ مسلمان عورتیں جو اپنے خاوند اور بچے دینِ حق پر بیدریغ نثار کر کے اپنی آنکھوں کے سامنے قتل کرا دیتیں اور بجائے نوحہ خوانی کے ان کی شہادت پر اظہارِ تفاخر و مسرت کرتیں ہاں تو مصر کی خواتین میں باوجود سالہا سال کی غلامی کے آزادی کا جذبہ مفقود نہ ہوا تھا۔ ان کے دل آزاد تھے اُن کی ذہنیت آزاد تھی جب مصر ٹرکی کی سلطنت کا ایک حصہ تھا۔ اور جب ۱۹۰۸ء میں ٹرکی میں ایک انقلابِ عظیم رونما ہوا۔ اُسی وقت سے مصر میں بھی بیداری ہونے لگی۔ اس بیداری نے ایک قومی تحریک آزادی کی صورت اختیار کر لی۔ اگرچہ اس تحریک کا سب سے بڑا مقصد ملک کے لئے حصولِ آزادی تھا۔ تاہم اس کا پیغام عورتوں اور مردوں کے حقوق کی مساوات برقرار رکھنا بھی تھا۔ اور وہ اس طرح کہ مردوں کے دوش بدوش عورتوں نے بھی قومی تحریک آزادی میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ جنگِ آزادی میں شرکت کرنا ہر محبِ وطن کا پیدائشی حق ہے۔ عورتوں کی اس دلیرانہ شرکت کے خلاف کون ایک لفظ بھی کہنے کی جرأت کر سکتا تھا؟ اس قربانی نے تمام مصر پر عورتوں کے ایثار کا سکہ بٹھا دیا اور ظاہر کر دیا کہ عورتیں مردوں کے دوش بدوش چلنے کی ہر طرح اہل ہیں۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ سوسائٹی میں عورتوں اور مردوں کو مساوی حقوق نہ دیئے جائیں۔ کسی نے سچ کہا ہے۔ کہ "حقوق دئے نہیں جاتے بلکہ لئے جاتے ہیں" مصر کی عورتوں نے مردوں سے حقوقِ آزادی و مساوات بھیک نہیں مانگے بلکہ اپنی قربانی و ایثار سے حاصل کئے ہیں ۱۹۱۹ء میں جبکہ مصر میں ایک سیاسی و ملی جماعت "وفد" کے نام سے قائم ہوئی۔ تو عورتوں نے بھی اپنی ایک جماعت "وفد النساء" کے نام سے قائم کی جس کا اولین مقصد خالصاً عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق دلانا تھا۔ "وفد النساء" کی بانی اور خواتینِ مصر کی لیڈر، بیگم صوفیہ زاغلول پاشا تھیں۔ ان کے شوہر "وفد" یعنی مردوں کی سیاسی جماعت کے بانی اور لیڈر تھے۔ اس خاتون کی ہمت اور متانت نے سب لوگوں کو اس کا گرویدہ بنا لیا۔ اُس نے مصر میں عورتوں کی ایک سوشل social بزم بنائی اس بزم کی اراکین تھوڑے ہی عرصہ میں کئی سو سے زیادہ ہو گئیں۔ بزم کا نصب العین ملک کی بہتری تھا۔ بزم کے مختلف شعبے تھے۔ مثلاً تعلیم (تجارتی۔ حرفتی۔ فنی) صحت۔ (شفاخانے۔ اصولِ صحت کے مظاہرے) کلب وغیرہ۔

اس تحریک کی ایک سرگرم ممبر میڈم فاہمی ویصلے صاحبہ تھیں جو مصر میں اوائل عمر میں آئی تھیں اور اُسی وقت سے ایک "آزاد مصر" کے خواب دیکھا کرتی تھیں۔ چنانچہ اسی نظریہ کو انہوں نے دنیا کے سامنے بذریعہ تحریر پیش کرنا شروع کر دیا۔ وہ قاہرہ کے بیرونی حصہ میں ایک کشادہ اور کھلے گھر میں رہتی تھیں۔ وہ عیسائی خاتون تھیں۔ اگرچہ ان کا مذہب پردہ کے مسئلہ پر خاموش تھا تاہم مصر کی سوسائٹی میں پردہ رائج

تھا۔ لیکن وہ سب سے پہلی مصری خاتون تھیں جنہوں نے بے نقاب ہوکر کھلے چہرے بازار میں پھرنا شروع کیا۔ اس زمانے میں ایسا کرنے کے لئے ہمت درکار تھی۔ لیکن ہمت تو اس خاتون کو فضلِ ایزدی سے خصوصاً ودیعت ہوئی تھی۔ چنانچہ ۱۹۱۹ء میں جنگِ عظیم کے اختتام پر میڈم فاہمی نے تین ہزار کے کثیر مسلمان مجمع کو مسجد کے اندر کھڑے ہوکر لیکچر دینا شروع کیا تو انجیل مقدس میں سے اقتباسات پڑھے۔ مسجد میں کھڑے ہوکر انجیل پڑھنی کسی معمولی عورت کا کام نہ تھا۔ ۱۹۳۶ء میں جب برطانیہ اور مصر کے درمیان عہدنامہ ہوا جس کی رُو سے مصر آزاد کر دیا گیا۔ تو ان عورتوں اور مردوں نے جنہوں نے جنگِ آزادی میں نمایاں حصّہ لیا تھا شکرِ خداوندی ادا کیا۔ خوشی کے شادیانے بجائے۔ اور راحت و اطمینان کی زندگی بسر کرنی شروع کر دی۔ فی الحقیقت قربانی کے بعد ہی انسان کو کامیابی پر سچی خوشی محسوس ہوتی ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جس شخص نے موسمِ گرما کی تپش میں ۳۰ دن ماہِ رمضان میں روزے رکھے ہیں۔ اسی کو عید کے دن کی سچی خوشی حاصل ہوتی ہے۔

محترمہ فہمی وعیسیٰ نے قاہرہ میں لڑکیوں کے لئے ایک کشیدہ کاری کا اسکول جاری کیا۔ جہاں لڑکیوں کو مختلف ہنر سکھائے جاتے تھے مصر کے آرٹ کا تحفظ بہت حد تک اسی مدرسے کا ممنونِ احسان ہے۔ اس پیش قدمی کے بعد مصر میں تعلیم نسواں کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ اب تعلیم نسواں ملک کی تعلیم کا لابد۔ اور مفید شعبہ ہے۔ تعلیمِ نسواں کے خلاف تمام دقیانوسی اعتراضات یکسر خارج کئے جاچکے ہیں بجا بجا لڑکیوں کے لئے پرائمری۔ مڈل۔ اور ہائی سکول جاری کر دئے گئے ہیں۔ ہائی سکول سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد لڑکیاں یونیورسٹی میں داخل ہوسکتی ہیں۔ کالجوں میں مخلوط تعلیم مروج ہے۔ عورتیں یونیورسٹی کے ہر شعبہ میں بلا امتیاز بآسانی داخل ہوسکتی ہیں۔ متوسط درجہ کی لڑکیاں وکالت۔ ڈاکٹری۔ آرٹ۔ نرسنگ nursing تدریس وغیرہ کے مفید اشغال میں بکثرت حصّہ لے رہی ہیں۔ ان میں سے چند نہایت کامیاب مصنّف بھی ہیں۔ باوجود اس قدر سوشل اور تعلیم کے کوئی لڑکی عام یورپین یا اینگلو انڈین لڑکیوں کی طرح دفتر میں ٹائپسٹ کلرک یا ٹیلیفون آپریٹر بننے کے لئے تیار نہیں ہوتی۔ یہ ان کے اخلاقی ارتقار کا بیّن ثبوت ہے۔ اسکولوں میں کھانا پکانے۔ سینے پرونے اور امورِ خانہ داری میں لڑکیوں کو خاص طور سے تعلیم دی جاتی ہے۔ صنعت وحرفت میں بھی لڑکیاں لڑکوں سے پیچھے نہیں۔ مصر کی مشہور و معروف سینما کمپنی میں اُمّ کلثوم نامی ایکٹرس نے وہ کارنامے دکھائے ہیں۔ کہ اس کے فلم تمام یورپ میں خراجِ تحسین حاصل کئے بغیر نہیں رہے۔ یہ لڑکی پندرہ ہزار پاؤنڈ سالانہ تنخواہ پاتی ہے۔

الغرض مصر کی عورتیں زندگی کے ہر شعبے میں مردوں کے دوش بدوش چل رہی ہیں۔ بایں ہمہ ان کا اخلاق بہت بلند ہے اور اسلامی آزادی نسواں کا صحیح فائدہ اُٹھا رہی ہیں۔

بیگم یامین قریشی۔ نئی دہلی

# بچوں کی نمائش پردہ باغ میں

خالہ سلامت۔ آج سے کوئی پچاس برس ہوئے ہوں گے میر دلاور علی کے ہاں ان کی لڑکی شمیمہ پر کھلائی بن کر آئی تھیں۔ وقت پڑا تھا سر چھپانے کا سہارا مل گیا۔ ایسی رہیں کہ مر کر ہی نکلیں۔ ایک تو میر صاحب کا گھرانہ شریف پھر ان کے مزاج میں ایسی صلاحیت تھی کہ تھوڑے ہی دنوں میں گھر کا گھر ان کا گرویدہ ہو گیا۔ مثل مشہور ہے کہ خدمت سے عظمت چھوٹے بڑے سب ان کی عزت کرتے۔ یہ بھی ایک ایک پر جان دیتیں کسی کی انگلی دکھتی ان کا دل دُکھتا۔ مجال تھی کہ کوئی ان کا نام لیتا بچے بوڑھے خالہ کہتے۔

جوانی تک تو ذرا بند بند رہیں۔ رنڈاپا گزارنا تھا خیال ہو گا کہ کوئی نام نہ رکھے اور شرافت کو بٹہ لگے۔ لیکن جوں جوں بڑھاپا آتا گیا طبیعت کی چُہل بڑھتی گئی۔ سارے دن گھر میں گہما گہمی رکھتیں۔ ہنسنے ہنسانے کے سوا دوسرا کام نہ تھا۔ پہلے تو کہاں آنا کہاں جانا۔ کہیں کنبے رشتہ کی کسی تقریب میں کوئی چلنے کو کہتا بھی تو کہہ دیتیں کہ میں جا کر کیا کروں گی آخر گھر میں بھی تو کسی کو رہنا چاہیئے۔ یا اب یہ کیفیت تھی کہ جہاں کسی کو کہیں جاتے سُنا اور تڑپ گئیں چاہے ان کے جانے کا موقع ہو یا نہ ہو۔

ایک دن گھر میں ساری لڑکیاں بالیاں پردہ باغ میں بچوں کی نمائش دیکھنے جانے کی تیاریاں کر رہی تھیں۔ خالہ سلامت نے جو دیکھا لپ چھپ کرتی اپنی کوٹھڑی سے نکل کر آئیں اور کہنے لگیں "کیوں بی یہ آج کہاں جانے کی صلاح ہے؟

**شمیمہ۔** پردہ باغ میں آج بچوں کی نمائش ہے وہاں جائیں گے۔

**خالہ۔** بیٹی! بچوں کی نمائش کیسی؟

**شمیمہ۔** خالہ! شہر میں سرکار نے بچوں کی دیکھ بھال اور زچاؤں کی حفاظت کے لئے جگہ جگہ ہسپتال کھول دیئے ہیں۔ بڑی بڑی ڈاکٹرنیوں اور مدرسوں کی پڑھی ہوئی دائیوں کو مقرر کیا ہے کہ بے غوری سے کوئی بچہ چھیجنے نہ پائے اور عورتوں کو جاپے کی تکلیف نہ ہو۔ یہ نمائش بھی ان ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔

**خالہ۔** تو بی اس نمائش میں ہو گا کیا؟

**شمیمہ۔** شہر بھر کی عورتیں اپنے اپنے بچوں کو لائیں گی جس کا بچہ زیادہ موٹا تازہ گل گوتھنا سا ہو گا اسے انعام دیا جائے گا۔

**خالہ۔** لو اور سنو نظر نہیں لگے گی؟

**شمیمہ۔** واہ خالہ۔ نظر کیسی؟ سب دیکھیں گے کہ فلاں کا بچہ ماشاء اللہ کیسا طاقتور ہے اور فلاں کا کیسا کمزور۔ انہیں بھی حرص آئے گی وہ بھی اپنے بچوں کو تندرست بنانے اور انعام لینے کی کوشش کریں گی۔

**خالہ۔** اور وہاں کیا ہو گا؟

**شمیمہ۔** زچہ خانوں کے نمونے دکھائے جائیں گے۔ شفاخانوں کی ڈاکٹرنیاں لکچر دیں گی کہ بچوں کو اس طرح پالنا چاہیئے۔ جاپے میں یہ بات بُری ہے یہ اچھی۔ پھوہڑ عورتوں کو سلیقہ بتائیں گی۔

**خالہ۔** سنا ہے بازار بھی تو وہاں لگتا ہے۔

**شمیمہ۔** ہاں خاصہ میلہ سا سمجھو۔ کھانے پینے کی دُکانیں ہوتی ہیں۔ کھلونے سلے سلائے کپڑے۔ کتابیں اور الابلا۔ سب ہی کچھ بکتا ہے۔

**خالہ۔** اوئی مردوئے بھی آتے ہیں۔

**شمیمہ۔** مردوے کیوں آنے لگے۔

**خالہ۔** پھر سودے والے کون ہوتے ہیں۔

**شمیمہ۔** عورتیں۔ ہر چیز عورتیں بیچتی ہیں۔

**خالہ۔** اے ہے یہ تو دیکھنے کی چیز ہے۔ بھئی میں بھی چلوں گی۔ ہزاروں میلے ٹھیلے گزر گئے جی ترستا رہا۔ کون لے جاتا۔ کون دکھاتا۔ اب آخری وقت میں یہ تماشہ دیکھ لوں۔

**سلیمہ۔** (شمیمہ کی لڑکی) اے بی تم تو ہماری سیر بھی غارت کر دو گی تمہیں کہاں کہاں کھینچتے پھریں گے۔ اپنے کو سمبھالیں گے یا تمہیں۔

**خالہ۔** تم مجھے بس وہاں لے جا کر چھوڑ دینا۔ میں تمہارا ہاتھ تھوڑا ہی پکڑ دوں گی۔

**شمیمہ۔** خالہ لڑکی کہتی تو ٹھیک ہے۔ ایسی بھیڑ بھڑکا میں تمہارا جانا ٹھیک نہیں

**نعیمہ۔** (چھوٹی لڑکی) لیجئے۔ اماں جان یہ بی بھی جائیں گی۔ کہیں کچلی گئیں

تو مزہ آجائے گا۔

**خالہ۔** ہیں خدا نہ کرے کیوں کچلی جانے لگی۔ دوسروں کو کچل کر نہ رکھ دوں تو کہنا۔ دیکھنا تم سب سے دو قدم آگے ہی رہوں گی۔

**نعیمہ۔** رہ چکیں۔ اپنی کوٹھڑی سے دالان تک آتے آتے تو سو ہچکولے کھاتی ہیں۔

**خالہ۔** خیر بی تم نہ لے جاؤ میری سلیمہ لے جائے گی۔

**سلیمہ۔** خالہ لے چلنے کو تو لے چلتی ہوں مگر میں جو کہوں وہ کرنا ہوگا۔

**خالہ۔** سر آنکھوں سے۔

**سلیمہ۔** اچھا تو اچھا سا جوڑا پہن کر تیار ہو جاؤ۔ تانگہ آنے والا ہے۔

خالہ نے اپنی کوٹھڑی میں پہنچ جلدی جلدی بقچی کھول لی۔ کپڑے ٹٹولنے شروع کئے۔ لڑکیاں بھی آکھڑی ہوئیں۔ کوئی سبز سوسی کا پاجامہ پہننے کو کہتی ہے کوئی اودی دریائی کا۔ کسی نے چکن کا دوپٹہ کھینچا کہ یہ اوڑھ کر چلنا کسی نے زرد اونی چادرہ کھینچا کہ خالہ کو یہ خوب پھبتا ہے۔ اتنے میں تانگہ والا غل مچانے لگا۔ سلیمہ نے اپنا ایک مشروع کا غرارہ دیا اور نعیمہ نے اپنی بوٹی دار مخمل کی صدری۔ ماں دالان میں بیٹھی ہاں ہاں کرتی رہیں۔ مگر لڑکیوں نے یہی جوڑا پہنا اور بڑھیا کو گڑیا بنا تانگے میں جا بٹھایا۔ رستہ بھر خالہ تانگے والے سے لڑتی گھوڑے کو کوستی لڑکیوں کو ہنساتی رہیں۔ شیخ منگلو کے چھنے سے پردہ باغ تھا ہی کتنی دور۔ دس منٹ میں تانگہ دروازہ پر جا کھڑا ہوا۔

**خالہ۔** تانگہ والے سے ارے جوانا مرگ یہ مردوں میں تانگہ کہاں کھڑا کرلیا۔ پردہ باغ کیوں نہیں چلتا۔

**نعیمہ۔** خالہ پردہ باغ یہی تو ہے۔

**خالہ۔** پھٹکی پڑے۔ شرک ہے کہ پردہ باغ۔ سینکڑوں تانگے کھڑے ہیں۔

**سلیمہ۔** اب اترو گی بھی؟

**خالہ۔** اوئی بوا مردوں میں؟

**نعیمہ۔** برقعہ کس لئے لائی ہو۔ سر پر ڈال لو۔ یہاں کا پردہ تو ایسا ہی ہے۔

**خالہ۔** بیٹی یہ تو اچھی بات نہیں۔ دیکھو لوگ کیسی ٹکٹکی باندھے گھور رہے ہیں۔

**سلیمہ۔** گھورنے دو ان ہی کی آنکھیں پھوٹیں گی۔

**خالہ۔** الٰہی دیکھنے والے تیرے دیدے ہی پٹم ہوں۔

**سلیمہ۔** آؤ ذرا سنبھل کر اترو۔ بسم اللہ کہیں دھماہ نہ ہو جائے۔

**خالہ۔** بھئی بولاؤ تو نہیں۔ مجھے اچھی طرح چاروں طرف سے بدن تو ڈھانک لینے دو۔

**نعیمہ۔** ارے بی۔ اب تمہارا کوئی کیا دیکھے گا۔ بڑھیا پھونس تو ہو۔

**خالہ۔** لو اور سنو لڑکی کی باتیں آج بڑھیا ہوگئی تو کیا ہوا کبھی تو جوان تھی۔

لڑکیوں نے قہقہہ لگایا تانگہ والا بھی ہنسنے لگا۔ محلہ ہی کا لڑکا تھا۔ کہنے لگا۔ خالہ ہم نے تو تمہیں بڑھیا ہی دیکھا۔

**خالہ۔** چل۔ تو تانگ برابر کا لونڈا۔ مجھے کیا دیکھتا۔ اچھا تو کیا میں ماں کے پیٹ سے بڑھیا پیدا ہوئی تھی۔

**نعیمہ۔** اے بی۔ یہ کون کہتا ہے۔ مگر اب تو تم حریرہ ہو۔

**تانگہ والا۔** چھوٹی بیگم خالہ کا دل تو بارہ برس کا ہے۔

**خالہ۔** اللہ تیرا بھلا کرے ...... نگوڑے ذرا میرا ہاتھ تو پکڑ۔ موا تانگہ ہے کہ قطب صاحب کی لاٹھ۔

تانگہ سے اتر کر چلے تو ٹکٹ کا مرحلہ پیش آیا۔ ایسے موقعوں پر مرد اپنا نظام قائم نہیں رکھ سکتے۔ یہ جانتے بوجھتے کہ ٹکٹ دینے والے برابر ٹکٹ دے رہے ہیں۔ اور آگے والے جب ٹکٹ لے چکیں گے تو پیچھے والوں کا وار آئے گا۔ دھکا پیلی سے باز نہیں آتے۔ ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ پہلے مجھے ٹکٹ ملے۔ اس سے چپقلش پیدا ہوتی ہے۔ یہاں عورتوں کا بھی یہی حال تھا۔ ایک پہ ایک گری پڑی تھی۔ پھر آپس میں تو تو میں میں۔ دو غل وہ اودھم کہ اللہ کی پناہ۔ وہ تو خالہ کو ایک والنٹیرس کے پاس کھڑا کر دیا تھا نہیں تو خدا جانے ان کا کیا لکھا پورا ہوتا۔ ٹکٹ کی مہم خدا خدا کرکے آسان ہوئی تو اب دروازہ میں سے گزرنا بھی کارے دارد۔ بھیڑ میں لوگ خوب اپنی طاقتیں آزماتے ہیں۔ ہاتھوں سے دھکے دینا۔ کہنیوں سے رستہ بنانا۔ پاؤں سے دوسروں کے پاؤں کچلنا بہادری کا کام سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ زندگی اس قسم کی زندہ دلی کے بغیر زندگی سمجھی ہی نہیں جاتی۔

اندر داخل ہونے کے لئے جو رستہ بنایا گیا تھا ایک تنگ گلی سی تھی۔ بھیڑ کو دیکھ کر تینوں لڑکیوں نے خالہ سلامت کو اپنے بیچ میں لے لیا مگر دھکے کے سے کیونکر بچتیں پیچھے سے ریلا آیا اور ایک دوسری پر گری۔

خالہ کی کبھی جوتی رہ گئی کبھی ہاتھ چھوٹ گیا۔ چادرے کا پلّہ لٹکا جاتا ہے۔ برقعہ کئی دفعہ سر سے اتر گیا۔ ہانپی جاتی ہیں۔ سانس پیٹ میں سماتا نہیں ٹانگیں کام نہیں دیتیں۔ زبان قابو سے باہر۔ ٹھوکا لگا اور چلّائیں۔ شفقل دیکھ کر نہیں چلتی۔ اچھال چھاکا کے آگے کی پھوٹ گئی ہیں۔ غیبانی کو دیکھا میرا پاؤں کچل دیا۔ ٹھیر تو تیرا سارا ٹشکنا نکالوں۔

ریل پیل کرتی ٹکٹ لینے والی کے پاس پہنچیں خالہ آگے تھیں۔ اور ان کا ٹکٹ سلیمہ کے پاس۔ اُس نے بڑی بی کو ہاتھ سے روک کر کہا کہ بڑھیا تیرا ٹکٹ ؟ خالہ کو اتنا سننے کی تاب کہاں تھی۔ بیچاری کے لتے لے ڈالے کہ بڑھیا ہو گی تیری میّا! اری ٹکٹ کیسا یہ بھی کوئی ریل گاڑی ہے۔ اپنا منہ تو دیکھ بندریا کا سا۔ مجھے بڑھیا کہتی ہیں۔ میں بڑھیا ہوں ؟ عورتوں نے قہقہہ لگایا ٹکٹ والی بھی بپھر گئی۔ وہ تو دونوں لڑکیاں جلدی سے پہنچ گئیں۔ معاملہ رفع دفع ہوا ورنہ خالہ نے تو سارا مزہ ہی کرکرا کرایا تھا۔

اب اندر داخل ہوئے۔ نمائش کی چہل پہل اور بہار دیکھ کر خالہ کے دیدے پھٹے جاتے تھے۔ منہ پھاڑے ہر طرف دیکھ رہی تھیں ایک ایک عورت کا بناؤ سنگھار ان کی چال ڈھال پر آنکھیں گڑی جاتی تھیں۔ لڑکیوں نے یہ کہہ سن کر ان کا برقعہ اتروایا کہ بی برقعہ اتار ڈالو یہاں کون سے مردوے ہیں جن سے چھپتی ہو۔ برقعہ اتارنا تھا کہ خالہ تماشہ بن گئیں جو ان کا حلیہ دیکھتا ہنستا۔ کوئی کہتی بوا بڑھیا کو دیکھنا کیا زور کا غرارہ پہنا ہے۔ دوسری اشارہ کرتی اور کمری بھی دیکھی کیسی بھڑک دار اڑائی ہے۔

**تیسری**۔ چادرہ تو ملاحظہ ہو۔

**چوتھی**۔ بہن یہ پُرانے زمانہ کی عورتیں اپنا دل نہیں مارتیں۔

**پانچویں**۔ مگر یہ سب باتیں عمر سے اچھی معلوم ہوتی ہیں۔

**چھٹی**۔ بوڑھے منہ مہاسے لوگ چلے تماشے۔

خالہ اتنی باتیں سنتیں اور چپ رہتیں۔ تڑق کر بولیں تو تمہاری آنکھوں میں خاک۔ تم کیوں جلی مرتی ہو۔ خدا دے تو کیوں نہ پہنیں اوڑھیں۔

**ایک ہندنی** (مسکرا کر) ہاں بڑی مائی۔ تم نمائش کی سیر دیکھو نہیں بکنے دو۔ (سلیمہ سے) کیوں بہن ان کے مالک زندہ ہوں گے۔

**خالہ**۔ اری مالک کون۔ میں جو زندہ ہوں۔

**دوسری ایک عیسائی عورت**۔ اری بڑھیا کو کیوں چھیڑتے ہو یہ تو سچی زندگی کا نمونہ ہے اس سے سبق لو۔

یہ نوک جھوک ہو رہی تھی کہ سامنے کے درخت پر سے گانے بجانے کی آواز آنے لگی۔ گراموفون بج رہا تھا اور درختوں پر لاؤڈ اسپیکر لگے ہوئے تھے۔ خالہ نے ہکا بکا ہو کر درخت کی طرف دیکھا اور جلدی سے برقعہ اوڑھ لیا۔

**نعیمہ**۔ ہائیں خالہ۔ خیر تو ہے منہ کیوں چھپایا۔

**خالہ**۔ واہ بی واہ۔ خوب تم نے خالہ نگوڑی کے سفید چونڈے پر کالک لگائی۔

**سلیمہ**۔ ہوا کیا کہو تو ؟

**خالہ**۔ کہوں کیا مردوں میں لے آئیں۔ میری شامت کہ تمہارے بہکائے میں آگئی۔

**نعیمہ** (ادہر اُدھر دیکھ کر) ارے بی یہاں مرد کہاں پانچ برس کے لڑکے کے آنے کا تو حکم ہے ہی نہیں۔ تمہارا تو کچھ دل چل گیا ہے۔

**خالہ**۔ لو اور سنو میرا دل چل گیا ہے یا تمہارے دیدوں کا پانی ڈھل گیا ہے۔ صریحاً تو مردوے درختوں پر چڑھے گا بجا رہے ہیں اللہ رے تمہارا بہاؤ۔

**سلیمہ**۔ (مسکرا کر) اور یہ جو اتنی عورتیں پھر رہی ہیں ؟

**خالہ**۔ جب تم سیدزادیاں ہو کر نہیں شرماتیں تو ان ننگ سریوں کا کیا ہے۔ باز آئی میں ایسی نمائش سے جہاں مردوے دیکھیں۔ میں تو ہوائی جہاز آتا ہے تو اپنی کوٹھڑی میں چلی جاتی ہوں۔ تمہیں دکھائی دے یا نہ دکھائی دے۔ یہ کیا موئے درخت پر کھٹولیاں باندھے بیٹھے گا بجا رہے ہیں۔

**سلیمہ**۔ پھر کیا ہے۔ وہ ہمیں کیا جانیں۔ دیکھتے ہیں تو دیکھنے دو۔

**خالہ**۔ لو اور سنو۔ اچھا بیٹی تمہیں نہ سہی مجھے تو ہے۔ تم شوق سے ان کے پاس درخت پر چڑھ جاؤ۔ ان کے سامنے ناچنے لگو میں کیا کروں۔ میرا ایسا دیدہ نہیں۔

**نعیمہ**۔ خالہ تم بھی تماشہ کی ہو۔ یہ بھی ایک رہی کہ مردوے درختوں پر گا

بجا رہے ہیں۔

**سلیمہ۔** (تنبین صورت بنا کر) اور کیا شیطان ہیں؟

**نعیمہ۔** آپا جان آپ کو بھی کہاں مذاق سوجھا ہے (خالہ سے) خالہ تم ان کی باتوں میں اپنی سیر کیوں مٹی کرتی ہو۔ یہاں مردوں کا کیا کام۔ برقعہ کی جالی میں سے ذرا اچھی طرح دیکھو۔

**خالہ۔** پھر یہ کون گا رہا ہے۔ صاف مردوں کی آوازیں ہیں۔

**نعیمہ۔** خالہ یہ تو گراموفون باجہ ہے۔

**خالہ۔** درخت پر؟

**نعیمہ۔** ہاں۔ اونچا منہ کرو۔ وہ باجے کا بڑا سا بھونپو درخت کی پھننگ پر بندھا ہوا نہیں معلوم ہوتا۔

**خالہ۔** ہے تو سہی۔ مگر وہاں باجہ بجانے والا بھی تو کوئی ہوگا؟

**سلیمہ۔** اب جواب دو۔ خالہ تمھاری سمجھ میں بھی کچھ آتا ہے۔ بغیر بجانے والے کے کہیں باجہ بجا کرتا ہے۔

**نعیمہ۔** آپا جان۔ خدا کے لئے زیادہ نہ ستاؤ۔

**خالہ۔** تو اب بتاتی کیوں نہیں۔

**نعیمہ۔** ایک بجلی کا تار اس بھونپو میں لگا ہوا ہے اور اس تار کا ایک سرا نیچے باجہ میں اٹکا دیا ہے۔ بس نیچے باجہ بجتا ہے اور تار کے ذریعہ سے آواز بھونپو میں ہو کر ہم سب کو سنائی دیتی ہے۔ چلو میں تم کو وہ جگہ دکھا لاؤں جہاں باجہ بج رہا ہے۔ نعیمہ بڑی منت خوشامد سے خالہ کو اس چھوٹے سے خیمہ میں لے گئی جہاں گراموفون بج رہا تھا اور دیر تک سمجھاتی رہی۔ جب کہیں خالہ کو صبر آیا۔ اور انہوں نے برقعہ اتارا۔

**خالہ۔** (خیمہ سے باہر آ کر) اوفوہ رے حکمت۔ یہ انگریز بھی بڑے جائیا ہیں۔ میرے تو ہوش جاتے رہے۔ میں نگوڑی یہ کرتب کیا جانوں۔ بال سفید ہو گئے کبھی ایسی باتیں دیکھی نہ سنیں۔

**نعیمہ۔** اچھا آؤ اب نمائش کی تو سیر کرو۔ خاطر جمع رکھو یہاں مرد وارد کوئی نہیں۔

**سلیمہ۔** خالہ! پھوہڑ اور سگھڑ گھر بھی دیکھئے۔

**خالہ۔** کہاں؟

**سلیمہ۔** تم جہاں کھڑی ہو۔ ذرا دیکھو۔

**خالہ۔** اوئی ننھے ننھے گھر ہیں۔ ایلو سچ مچ کسی پھوہڑ عورت کی کیا نقل اتاری ہے۔ انگنائی ہے جیسے ڈلاؤ۔ خدا کی سنوار جہاں تہاں کوڑا ہی کوڑا۔ کھانے کے برتنوں پر کیسی مکھیاں بھنک رہی ہیں۔ دیکھنا کیسے موٹے موٹے چوہے ہیں۔ کونے کونے میں کھنڈانے۔ پانی کے مٹکوں کا کیا مدڑا کیا ہے۔ پھپھوندی لگی ہوئی۔ ڈھانکنے کی بھی توفیق نہیں۔ ارے جھینگر۔ بھنگے۔ چیونٹیاں سب کا ٹھیمل اجاڑ ڈالا ہے۔ بھئی توبہ۔ بڑا ہی زغل گھر ہے۔

**نعیمہ۔** ہاں خالہ یہی تو دکھایا ہے کہ ایسی کاہل اور پھوہڑ عورتیں جن کے گھر کا یہ حال ہو وہ کس طرح اپنی اولاد کو سلیقہ سے پال سکتی ہیں۔

**خالہ۔** اے بھئی دیکھنے والوں کو گھن آتی ہے۔

**سلیمہ۔** دیکھنے والوں کو گھن آئے یا نہ آئے۔ ایسے گھروں میں بیماریاں جو رات دن مہمان رہتی ہیں۔ بیماریوں کو گندگی سے خاص محبت ہے چوہے طاعون کے دلال ہیں۔ مکھیاں ہیضہ کو اور مچھر بخاروں کو بلاتے ہیں۔ دیکھا نہیں غلاظت پھیلی ہوئی ہے۔ اور گھر والی سر باندھے میلے کچیلے کپڑے پہنے الگ کھٹیا پر پڑی ہے۔

**خالہ۔** مگر پاس والا گھر تو کسی سگھڑ کا ہے کیسی چندن سی انگنائی۔ ہر چیز اپنے ٹھکانے سے۔ اُجلے بچھونے۔ چارپائیاں کسی ہوئی۔ سب پر پلنگ پوش گھڑونچی پر مٹکے۔ مٹکوں پر صراحیاں۔ سب صاف ستھرے اجلی صافیاں بندھی ہوئی۔ جو دیکھے اس کا بیٹھنے کو جی چاہے۔

**نعیمہ۔** پھر دیکھ لو اس گھر کے بچے بھی کیسے چونچال ہیں۔ اور بیوی بھی بیگم بنی بیٹھی بخیہ کھولے کچھ سی رہی ہے۔

**سلیمہ۔** چلتی چلو۔ اتنی اتنی دیر ایک ایک جگہ لگا دو گی تو ساری نمائش دیکھ چکیں۔

**خالہ۔** اے یہاں کیا تماشہ ہے عورتیں پلی پڑتی ہیں؟

**سلیمہ۔** زچہ خانہ دکھایا ہے۔ بڑی ڈاکٹرنی زچہ بچہ کے متعلق لکچر دے رہی ہیں۔

**خالہ۔** لو یہاں بچے بھی ہونے لگے۔

**سلیمہ۔** ارے بی بچے کیوں ہونے لگے۔ زچہ کا کمرہ بنایا ہے۔

**خالہ۔** خالی کمرہ بنانے سے کیا فائدہ؟

**سلیمہ۔** مطلب یہ ہے کہ زچہ کے لئے ایسی جگہ ہونی چاہئے۔ آگے بڑھ کر

سُن لو نا میم صاحب سب باتیں بتا رہی ہیں۔

**میم صاحب۔** بہنو! زچہ کا کمرہ ہمیشہ نہایت صاف۔ ہوادار اور روشن ہونا چاہیئے۔ کوئی فضول سامان وہاں نہ رکھو۔ زچہ کے پاس زیادہ جمگھٹا نہ رہے۔ کپڑے بالکل صاف ستھرے ہوں۔ بچے کے پوتڑے نہایت خوب صابن سے دھوئے جائیں۔ گندگی سے زچہ اور بچہ دونوں کی جان کا خطرہ ہے۔ کمیٹی نے اپنی طرف سے لائق لائق دائیاں تمہارے لئے نوکر رکھی ہیں۔ ہر محلہ میں شفاخانہ کھلا ہوا ہے۔ جاہل دائیوں کے بدلہ ان سے مدد لو۔ خرچ بھی کم ہوگا اور تمہاری نگرانی بھی باقاعدہ کی جائے گی۔

**خالہ۔** (میم صاحبہ کی طرف آگے بڑھ کر) میم صاحب۔ یہ کمرہ تو تم نے خوب اچھا بنایا ہے۔ مگر سب کو ایسے مکان کہاں میسر۔ سرکار نے دائیاں تو مقرر کر دیں۔ جگہ کا بھی بندوبست کر دیا کرے۔

**میم صاحبہ۔** بوڑھی جس کے گھر میں جاپے کا بندوبست نہیں وہ سرکاری ہسپتال میں جائے۔ دوسرے صاف ستھرے رہنے یا مکان کو صاف ستھرا رکھنے میں تو کچھ خرچ نہیں ہوتا۔

**خالہ۔** سرکاری ہسپتالوں میں تو سنا ہے بڑا ظلم ہوتا ہے۔ پھر وہاں بھی ہوت کی جوت ہے۔

**دوسری ڈاکٹرنی۔** لیکن تم ہندوستانی جاہل غلیظ رہو اور مفلسی کا رونا روتے روتے مرجاؤ۔

**میم صاحبہ۔** بس شکنتلا۔ یہ پرانی قسم کی عورتیں ہیں ان سے نہ الجھو۔ ہم کو اپنے فرائض ادا کرنے چاہئیں۔ ان کی زندگی کا طور بدلتے ہی بدلے گا۔

**نعیمہ۔** (ہاتھ پکڑ کر) آؤ خالہ آگے چلیں۔

**خالہ۔** (ایک دوکان پر رک کر) کسی چوڑی والی کی دوکان ہے کیسی کیسی خوبصورت چوڑیاں ہیں۔ نہ پہننے والی کا بھی جی بھر بھرا جائے۔

**نعیمہ۔** معلوم ہوا تمہارا دل بھی بھر بھرا رہا ہے۔

**خالہ۔** (ٹھنڈا سانس لے کر) نہیں بیٹی۔ میں اب چوڑیاں کیا پہنوں گی۔

**سلیمہ۔** واہ۔ ابھی تو چوڑیاں پہننے کا زمانہ ہے۔ اے بی منہیاری ذرا وہ سرخ لچھا اٹھا کر دینا۔

**منہیاری۔** لو بیوی دیکھو۔ اس میل کی بس یہی رہ گئی ہیں۔

**خالہ۔** رنگت کیسی پیاری ہے۔ آنکھوں میں کھبی جاتی ہے۔

**سلیمہ۔** ہاں بھی منہیاری کیا دام ہیں۔

**منہیاری۔** بیگم داموں کا کیا ہے۔ پہن لو جو چاہے دے دینا۔

**سلیمہ۔** اچھا تو ہماری خالہ کو پہنا دو۔

**خالہ۔** بیٹی تم پہنو۔ بہنوں کو پہناؤ۔ خدا ایسی ایسی لاکھ تمہیں پہننی نصیب کرے۔ میں پہننی کیا اچھی معلوم ہوں گی۔

**نعیمہ۔** دیکھو بی۔ تم اقرار کرکے آئی تھیں کہ جو کہیں گے وہ مانوں گی۔

**خالہ۔** تو بیٹا یہ بھی کوئی بات ہے۔ اتنی عورتوں میں میری ہنسی اڑوانی ہو تو کہہ دو۔

**سلیمہ۔** ہنسی کون اڑائے گا کسی کا دینا آتا ہے۔

**منہیاری۔** (دوسروں سے فرصت پاکر) ہاں بیوی کسے پہناؤں۔

**سلیمہ۔** ارے بی تم بھی سٹھیا گئیں۔ ہماری خالہ کو پہناؤ اور کسے پہناؤ گی۔

**منہیاری۔** (خالہ کا منہ دیکھ کر) ان بڑی بی کو؟

**خالہ۔** بڑی بی ہوں گے تیرے رہتے سہتے۔ ہمارا ہاتھ تکنے والی بھی نہیں بڑی بی کہتی ہے۔ خدا کی شان ارے بڑی بی تو نے دیکھی بھی ہے۔ میں کوئی اندھی ہوں کبڑی ہوں۔ میرا سر ہلتا ہے۔ آخر تو نے مجھے کس بات سے بڑی بی جانا۔

منہیاری کو پہلے تو بُرا معلوم ہوا وہ بھی جواب دینے کو تھی کہ لڑکیوں نے اشارہ کر دیا۔ وہ بھی ہنسنے لگی اور بولی "اچھا آؤ جوان بی خفا کیوں ہوتی ہو۔ چمڑے کی زبان ہے پھسل گئی۔"

**سلیمہ۔** واہ بھی اچھی چمڑے کی زبان ہے۔ پہلے تو ہماری خالہ کو کوس لیا اب خوشامد کرتی ہو۔

**منہیاری۔** بیوی خطا ہوئی معاف کر دو۔ کیوں خالہ کے کے چوڑیاں پہنوگی۔

**سلیمہ۔** ان سے کیا پوچھتی ہو جتنی اچھی لگیں پہنا دو۔

**خالہ۔** بھئی۔ آج تم میرا پورا تماشہ ہی بنا کر چھوڑو گی۔ کرلو اپنی ضد پوری (اور ہاتھ بڑھا دیتی ہیں)

خالہ نے سفید بگلا سے بالوں پر ڈبیائے ہوئے ہاتھوں میں لال

لال چوڑیاں پہنیں تو دوکان پر جتنی عورتیں کھڑی تھیں کھل کھلا کر ہنس پڑیں۔

**خالہ۔** یہ آبخورے کہاں پھوٹنے لگے۔ کیا کوئی ننگا ناچ رہا ہے۔

اب ادھر تو لڑکیاں بالیاں پھبتیاں اڑا رہی ہیں۔ کوئی کہتی ہے۔ بوڑھی گھوڑی لال لگام سنتے چلے آئے تھے دیکھنے میں آج آئی ہے۔ کسی نے کہا "خاصی آپا دیوانی معلوم ہوتی ہیں" جو ذرا زیادہ شوخ تھی اُس نے آواز لگائی "لال مرغا چوٹی سفید مرغا ہڑپ" اور ادھر خالہ آئیں تو جائیں کہاں۔ وہ وہ نئے نئے کوسنے دیئے کہ نمائش میں ایک نئی نمائش ہو گئی۔

خدا خدا کرکے خالہ کو لے کر لڑکیاں آگے بڑھیں۔ تو کہیں جاکر یہ چیخ کم ہوئی۔ اب ایک کھلونوں کی دوکان آئی۔

**نعیمہ۔** خالہ۔ کھلونے دیکھئے کیسی کیسی نئی وضع کے ہیں۔

**خالہ۔** بیٹی دنیا ہی نئی وضع کی ہوگئی ہے۔ جیسے کھیلنے والے ویسے کھلونے۔ ہمارے وقتوں میں یہ چیزیں کب تھیں۔ لے دے کر کپڑے کی گڑیاں اور ٹین یا مٹی کے کھلونے۔ یہاں تو ایک ایک کھلونا ایسا ہے۔ کہ جی چاہتا ہے کلیجہ سے لگالوں۔ کیا گورے گورے پیارے پیارے بچے ہیں بس ایک جان کی کسر ہے۔

**سلیمہ۔** پھر کیا ارادہ ہے۔ ایک بچہ تم بھی لے لو۔

**خالہ۔** مجھ کو تم نے کوئی سٹرن سمجھا ہے۔

**سلیمہ۔** خالہ آخر اس میں سٹرن سمجھنے کی کیا بات ہے۔

**خالہ۔** اتنی ہنسی اڑوا کر ابھی صبر نہیں آیا۔

**سلیمہ۔** کوئی ہنسا تو اپنے منہ تمہارا کیا بگڑا۔

**خالہ۔** ہاں بھئی میرا کچھ نہیں بگڑا۔

**نعیمہ۔** تم نے بھی سب کو خوب سنائیں۔

**خالہ۔** میری زبان کیا کوکوے گئی تھی۔ وہ مجھے کہتیں اور میں چپ رہتی۔ واہ واہ۔

**سلیمہ۔** اچھا کھلونا نہیں لیتیں تو نہ لو۔ اب یہاں کیوں جم گئیں۔ آؤ سامنے دہی بڑے والی کی دوکان پر چاٹ کھائیں۔

**نعیمہ۔** کیوں خالہ کھاؤ گی نا۔

**سلیمہ۔** منہ میں تو پانی بھر آیا ہوگا؟

**خالہ۔** اچھا تو پھر کھاؤ۔ میں بھی چکھ لوں گی۔

**سلیمہ۔** پہلے خالہ کو دو۔

**خالہ۔** نعیمہ بیٹی تم لے لو۔

**نعیمہ۔** ہم اتنی مرچیں کب کھا سکتے ہیں۔ تم ہی کو ہوکا رہتا ہے کہ چٹ پٹا ہو۔ اس میں مسالہ ذرا زیادہ ڈلوایا ہے۔

**خالہ۔** (ایک پکوڑی منہ میں رکھ کر) ہے ہے۔ اری قطامہ تو بھی لڑکیوں کے بہکائے میں آگئی۔ اری مرچیں سی مرچیں جھونکی ہیں۔ آگ لگ گئی۔

**دہی بڑے والی۔** دیکھو جی اس بڑھیا کو سمجھا لو۔ ہمیں کاہے کو گالیاں دے رہی ہے۔

**خالہ۔** اور کسے گالیاں دوں تو نے میرے مارنے کا ارادہ کر لیا۔

**سلیمہ۔** خالہ کیا ہوا۔ کیا مرچیں زیادہ پڑ گئیں؟

**خالہ۔** بس بی رہنے دو۔

**نعیمہ۔** خالہ آج تمہیں ہو کیا گیا ہے۔ بھولے سے کوئی چٹکی زیادہ پڑ گئی ہوگی۔

**خالہ۔** بھولے سے کیسی۔ اس مال زادی نے جان کر ڈالی ہے۔

**سلیمہ۔** جان کر وہ بیچاری کیوں ڈالتی۔ کوئی اسے اپنے گاہک بگاڑنے ہیں؟ ادھر سے مرچوں کا حصہ نوچ کر پھینک دو۔ ذرا سا دہی اور ڈال دو۔

(دہی بڑے والی ڈالتی ہے۔ نعیمہ آنکھ بچا کر ایک چٹکا نمک کا بُرک دیتی ہے)

**خالہ۔** (دہی بڑا منہ میں رکھ کر) کیوں ری پھر شرارت کی ہے ہے شرط کہ دونا تیرے منہ پر ماروں۔

**مصرائن۔** خونچہ کے سارے دام دھروا لوں گی۔

**سلیمہ۔** اب کیا بات ہوئی؟

**خالہ۔** چکھ کر دیکھو۔ نمک زہر مار کر دیا۔ سارا منہ کٹ کر رہ گیا۔

**سلیمہ۔** تم بھی تو غریب کو گھبرائے دیتی ہو۔ اچھا پھینک دو۔ اور لے لو۔

**خالہ۔** اب کے کچھ اور کرم کرے گی۔ نہیں بھئی مجھے نہیں چاہیئے۔

یہ تو میری کبھی کی سوکن نکل آئی۔

**نعیمہ** خالہ کی تقدیر ہی میں وہی بڑے کھانے نہیں لکھے۔

**خالہ۔** ہاں بیٹی۔ خالہ کے نصیب ہی ایسے ہیں۔

**نعیمہ۔** آپا جلدی چلو بچے دیکھے جا رہے ہیں۔ بھیڑ زیادہ ہو جائے گی تو بچوں کا تماشہ رہ جائے گا۔

**خالہ۔** اے کیا خنگرا سے بچے ہیں۔ نگوڑوں کو نظر نہ ہو جائے۔

**سلیمہ۔** نظر کیوں ہونے لگی۔ دیکھو ان کی ماؤں کا دودھ کیسا اچھا ہے کیسے تندرست ہیں۔ جو ہے ہنسے دیتا ہے کیسی کلکاریاں مار رہے ہیں۔

**خالہ۔** ہاں بھی سچ تو ہے۔ اور اس دھینوری کو بھی دیکھا۔ رنگت کیسی چمکدار ہے۔ اوئی اتنی سی جان نے برابر والے کا کھلونا کیا جھپٹ کر چھینا ہے۔

**نعیمہ۔** یہی لڑکی تو اول نمبر رہی ہے۔

**خالہ۔** یہ کالی کلوٹی ہنگن لوٹی۔ اس کی کونسی آن اچھی معلوم ہوتی ہے۔

**نعیمہ۔** اس کی تندرستی۔ اس کی ماں کا رکھ رکھاؤ۔

**خالہ۔** کیا کوئی صورت شکل والا بچہ ایسا نہیں۔ میں انعام دینے والی ہوتی تو کبھی اسے انعام نہ دیتی۔

**سلیمہ۔** خالہ انعام تندرستی کا ہے خوبصورتی کا نہیں۔ خوبصورت بچے والیاں اپنے اپنی اور اپنے بچوں کی تندرستی کا کیوں نہیں خیال رکھتیں۔ وہ تدبیریں کیوں نہیں کرتیں جن سے آپ بھی اچھی رہیں اور بچے بھی۔

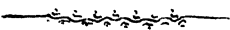
**ایک ڈاکٹرنی** (جو پاس کھڑی تھی) بولی۔ بچوں کی تندرستی ماؤں کی تندرستی پر منحصر ہے۔ تندرست ماں باپ کے بچے ہمیشہ تندرست ہوتے ہیں۔ حاملہ ہونے کے بعد عورت کو اپنی حفاظت کرنی چاہیئے چاہیے ہیں صفائی ستھرائی کا خیال رکھیں۔ بچہ ہونے کے بعد۔ دودھ کا باقاعدہ انتظام ہو۔ ضروری نگرانی کی جائے۔ ان احتیاطوں سے بچے تندرست رہتے ہیں۔ اور ماں باپ کو زندگی بھر ان سے سکھ ملتا ہے۔

**سلیمہ۔** سُنا خالہ؟

**خالہ۔** بیٹی یہ باتیں تو تمھارے سننے کی ہیں۔ میں نگوڑی ناٹھی سُن کر کیا کروں گی۔ میں تو جیسی ماں کے پیٹ سے نکلی تھی۔ ویسی ہی چلی جاؤں گی۔

لڑکیاں جھینپ جاتی ہیں۔ انعامات تقسیم ہوتے ہیں۔ تالیاں بجتی ہیں۔ نمائش کا وقت ختم ہونے کو ہے۔ بیویاں اپنے اپنے گھر جانی شروع ہو گئیں۔ میر صاحب کی لڑکیاں بھی خالہ کو لے بڑی مشکل سے باہر آئیں۔ تانگہ میں بیٹھیں۔ اور روانہ ہوئیں۔

**اشرف صبوحی دہلوی (منشی فاضل)**



**بقیہ صفحہ (۳۲۶)** در اصل ایسا نہیں۔ ایسی عورتیں بھی ہیں جو دیگر عادتوں کے لحاظ سے ممتاز معاملات میں محتاط مگر خاص اس معاملے میں احتیاط ہیں اور اسے چنداں اہمیت نہیں دیتیں اور یہ کہہ کر کہ سچی بات تھی کچھ جھوٹ نہیں کہا خود کو بُرا بنا لیتی ہیں اور اس سچی بات کے نامعقول دور اس نتائج کا ذمہ دار جن کی بات ہوتی ہے اُن کی مشتعل مزاجی اور زود رنجی کو ٹھیراتی ہیں جو سچ بھی ہوتا ہے تاہم اس قدر ضرور کہا جائے گا کہ ان کے زبان کی ایک فضول جنبش اوروں کی لغزش کا سبب ہوئی۔ باتوں کی شائق اور بعض کم سخن بیبیوں سے بھی کبھی کبھی نادانستگی میں یہ غلطی سرزد ہو کر انہیں ندامت سے دوچار کر دیتی ہے۔ کہنے سے قبل بات کی نوعیت موقع و محل جرح کہا تھا اور جس سے کہنا ہو دونوں کی پوزیشن پر غور کر لینا چاہیئے اور اگر طرفین کے خوشگوار تعلقات میں فرق آئے یا ناخوشگواری میں اضافہ کا امکان یا اندیشہ نظر آئے تو ہرگز نہ کہنا چاہیئے اور چند بار ایسا کرنے سے زبان پر قابو اور اس قدر ملکہ حاصل ہو سکتا ہے کہ انسان بغیر غور کے بھی سمجھ لے کہ کون سی بات کہنے کے قابل ہے کونسی نہیں۔

غیر مضرت رساں باتیں کہنے کا مضائقہ نہیں نہ یہ مطلب ہے کہ ضرورتاً بھی کسی بات کو دوسرے سے نہ کہی جائے۔

**بنی فاطمہ نقویہ**

# ایک بُری عادت

لگائی بجھائی یعنی ایک کی بات دوسرے سے کہہ دینی بہت ہی بُری عادت ہے۔ وہ بات جو طعن تشنیع شکوہ شکایت پر مبنی ہو۔ یا جس میں طنز و اعراض کا کوئی پہلو نکلتا ہو۔ سب ہی اس کو بُرا جانتے اور بُرا کہتے ہیں۔

یہ اختلاف کو مخالفت یگانگت کو مغائرت اور محبت کو نفرت سے بدلتی اور معمولی کدورت کو گہری عداوت کا رنگ دیدیتی ہے اس کی کاروائیاں عموماً در پردہ ہوتی ہیں اس وجہ سے تدارک بھی آسان نہیں یہ اخلاقاً نہایت مذموم اور مذہباً سخت گناہ ہے۔ لیکن بعض لوگوں کو ایسا چسکا پڑ جاتا ہے کہ وہ جب تک جس کی بات سنیں اُس سے کہہ نہ لیں چین نہیں آتا خواہ ان کا کوئی فائدہ نہ ہو اور طرفین کا کتنا ہی حرج اور نقصان ہو جائے اور کیسی ہی اذیت پہونچے۔ رشتہ داروں عزیزوں اور دوستوں کو باہم بطن اور مشتعل کرنا اتفاق و یکجہتی سے بسر کرنے والوں کو ایک دوسرے کے خلاف صف آرا کرکے دور کھڑے ہو کر تماشا دیکھنا ان کا عجب مشغلہ ہوتا ہے۔ خانگی تنازعات سولہ آنے میں بارہ آنے انہیں کی شیطانی کارستانی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ بیشک یہ بظاہر بے ضرر لوگ سوسائٹی اور معاشرتی امن کے خطرناک بغلی دشمن ہیں۔

مردوں میں اس خصلت کا ہونا خون خرابے تک نوبت پہونچا تا ہے معمولی شکر رنجیوں سے لے کر خوفناک فسادات اور خونریز بلوے اکثر اسی کی بدولت رونما ہوتے ہیں عورتوں میں بھی یہ کچھ کم خرابی کا موجب نہیں اور عورتیں مردوں سے زیادہ اس بلا میں مبتلا پائی جاتی ہیں جس کا سبب نسبتاً تعلیمی پستی اور بے کاری معلوم ہوتا ہے۔

جو عورتیں یا لڑکیاں دیدہ و دانستہ خیر خواہی اور ہمدردی کے پردے میں بگاڑ کرانے فساد ڈلوانے کی نیت سے اِدھر کی اُدھر اُدھر کی اِدھر لگاتی پھرتی ہیں اُن کو تو شرافت سے عاری اور انسانیت سے بیگانہ سمجھئے جو عادتاً یا تفریحاً ایسا کریں خصوصاً پیرایہ کی تبدیلی اور مبالغہ بھی شامل ہو وہ بھی سخت ظلم اور اپنی عزت کا خون کرتی ہیں۔

بارہا دیکھا گیا ہے کہ وہ گھر جو باہمی اخلاص و رفاقت کے طفیل جنت کا نمونہ تھے۔ بیرحم لگانے بجھانے والیوں کے ہاتھوں دوزخ کی تمثیل بن گئے۔ ایک بات خواہ معمولی یا سنگین جو بآسانی ختم ہو سکتی تھی بلکہ ہو چکی تھی ان کی عنایت سے بارہ سنگے کے سینگ بن گئے شرافت کا جوہر رکھنے والیوں میں تو یہ بُری عادت نہیں ہوتی۔ ہاں بعض صحبت کے اثر یا بچپن میں روک ٹوک نہ ہونے کی وجہ سے عادی ہو جاتی ہیں اُن کو چاہیئے کہ یک لخت اس عادت کو ترک کر دیں۔

افسوس اور شرم کی بات ہے کہ شریف زادیاں بیٹ کی ہلکی اور چھچھوری کہلائیں اور واقف الحال خاص و عام کی نظر میں اپنا وقار و اعتبار گنوائیں۔ وہ بھی کیوں؟ صرف ایک غلط خواہش اور زبان کے ناروا تقاضے کی خاطر اور اس کا پھل ذلت کے سوا کچھ نہ پائیں۔ ماؤں کا فرض ہے کہ وہ نگرانی رکھیں کہ ان کے بچے دوسروں کی دیکھا دیکھی یا بطور خود اس کا شکار نہ ہو جائیں جو ظاہر ہلکی اور بے حقیقت معلوم ہوتی ہے لیکن

(باقی دیکھئے صفحہ ۳۵۹ پر)

# خواتین پشاور کی عمرانی حالت

عصمت میں خواتین بمبئی و خواتین امرت سر کے حالات پڑھ کر مجھے بھی خیال آیا کہ خواتین پشاور کے کچھ نہ کچھ حالات لکھوں شاید بہنیں دلچسپی کے ساتھ مطالعہ کریں۔ پشاور ہندوستان کی آخری حد اور صوبہ سرحد کا دارالحکومت ہے۔ تاریخی لحاظ سے پشاور کافی پرانا اور مشہور شہر ہے۔ پرانے زمانے کے آثار و کھنڈرات پائے جاتے ہیں۔ ہندوستان و افغانستان کے مابین واقع ہونے سے تجارتی منڈی ہے۔ جس کی وجہ سے مختلف ملکوں کے لوگ مثلاً کابل ایران ترکستان۔ روس۔ قندہار۔ بلخ۔ بخارا کشمیر۔ چترال۔ ہندوستان کے موجود ہیں۔ چینی و جاپانی اور یہود بھی دیکھنے میں آتے ہیں۔ پنجابی ملازمت کے سلسلہ میں کافی تعداد میں موجود ہیں۔ بعض تو ملازمت ختم کرنے کے بعد بھی یہاں رہنے لگ گئے ہیں۔ یہاں کی آب و ہوا نہایت اچھی اور صحت بخش ہے۔ اس لئے یہاں کے لوگوں کی صحت عموماً اچھی رہتی ہے۔ ان لوگوں کی خصوصاً دیہاتیوں کی صحت تو قابل رشک ہے۔ بڑے بڑے قد۔ سڈول جسم سُرخ و سفید یا گندمی رنگ ہوتا ہے۔ کالا رنگ بہت کم ہے۔ جسم کے نہایت مضبوط اور توانا ہیں۔ پشاور میں ہندو مسلمان۔ سکھ آباد ہیں۔ مسلمانوں میں شیعہ سنی زیادہ باقی فرقے کم ہیں۔ ہندوؤں کے بڑے بڑے محلے بنے ہوئے ہیں۔ ہندو اور مسلمان پشاوری زبان جو ایک طرح کی پنجابی ہے بولتے ہیں پٹھان پشتو اور کابل اور ایران کے رہنے والے فارسی بولتے ہیں۔ اکثر پشاوری فارسی سمجھتے اور بولتے ہیں۔ کیونکہ تجارتی لین ان ہی لوگوں کے ساتھ رہتا ہے۔ باقی پشاور کے تمام علاقے میں خالص پشتو بولی جاتی ہے۔ ہندو اور مسلمانوں کے آپس میں تعلقات اچھے ہیں۔ کسی تہوار پر فساد نہیں ہونے پاتا۔ فرقہ وارانہ اختلاف کم ہے۔

**غذا۔** پشاور کے لوگ نہایت اچھی غذا کھاتے ہیں۔ صبح ناشتہ کے وقت چائے بالائی روغنی روٹی یا قرفانی سوجی حلوا اور قتلمے استعمال کرتے ہیں چائے سبز پیتے ہیں۔ کالی چائے کم پیتے ہیں۔ یا بالکل نہیں پیتے۔ بغیر ملائی کے چائے کم پیتے ہیں اور مہمان کے سامنے تو کبھی خالی چائے نہیں رکھتے۔ سردیوں میں دوپہر کا کھانا صبح نو دس بجے کھا کر چائے پیتے ہیں۔ سہ پہر بازار سے کچھ منگا کر چائے وغیرہ سے ناشتہ کرتے ہیں اور پھر شام کو کھانا کھاتے ہیں۔ گرمیوں میں صبح ناشتہ کے بعد بارہ ایک بجے کھانا کھاتے ہیں۔ چائے کا استعمال یہاں بہت زیادہ ہے اس لئے یہاں بڑے بڑے قہوہ خانے اور گلی گلی چائے کی دکانیں بنی ہوئی ہیں بڑے بڑے ہوٹل بھی ہیں ان ہوٹلوں اور قہوہ خانوں میں ہر وقت گراموفون اور ریڈیو کی وجہ سے خوب شور و غل رہتا ہے۔ قریب قریب ہر بازار و محلے میں کھانے پینے کی دُکانیں موجود ہیں۔ یہاں ہر وقت بافراط تیار کھانا ملتا ہے۔ اگر بے خبری میں مہمان آجائیں تو کچھ دقت نہیں ہوتی۔ پھل بھی عموماً سستے ہیں۔ سبزی اور ترکاریاں بھی ارزاں ہر گلی میں فروخت ہوتی ہیں۔ زیادہ تر دنبے کا گوشت کھاتے ہیں جو کہ نہایت عمدہ ہوتا ہے۔ مرغی اور مچھلی بھی کھاتے ہیں۔ گائے اور بکری کا گوشت بھی ہوتا ہے جس کے اعلیٰ لذیذ کباب بازاروں میں تیار ہوتے ہیں۔ چاول خشکہ اور کھچڑی بھی پکاتے ہیں مگر پلاؤ زیادہ مرغوب خاطر ہے۔ دال بہت کم کھاتے ہیں اور مہمان کے

آگے کبھی نہیں رکھتے۔ دعوت میں عموماً مرغ پلاؤ ہوتا ہے۔ پلاؤ پکانے میں یہ لوگ ماہر ہیں۔ مرغ سالم یا دو ٹکڑے کر کے پکاتے ہیں کھانے کے بعد فرنی کا استعمال عام ہے۔ مہمان کی تواضع چائے شربت میوہ خشک پھل وغیرہ سے کی جاتی ہے پہلے عورتوں کا سگرٹ پینا معیوب تھا مگر اب نہیں۔ ہاں حقہ اکثر پیتی ہیں۔ یہ کہنا بھول گئی کہ یہاں کی روٹی پنجاب وہندوستان کی نسبت بہت بڑی ہوتی ہے۔ صبح ناشتہ کے وقت جو روٹی استعمال ہوتی ہے، وہ بیضوی شکل کی آدھ گز لمبی اور پاؤ گز چوڑی ہوتی ہے۔ بعد میں جو روٹیاں بکتی ہیں ان کا فٹ بھر پھیلاؤ ہوتا ہے۔ آٹا نمک ڈال کر گوندھا جاتا ہے اور خمیر کر کے روٹی تنور میں پکاتے ہیں فتیر روٹی کوئی نہیں کھاتا۔ بازاری تازی روٹی خوبصورت اور مزیدار ہوتی ہے۔ بازاروں میں دیگر کھانوں کے علاوہ پائے اور سری بھی بکتی ہے۔ سری اکثر سالم یا دو ٹکڑے کر کے پکاتے ہیں۔ بوٹیاں کر کے نہیں پکاتے اور اسی طرح گھروں میں پکاتے ہیں۔ پائے اور سری بالوں وغیرہ سے صاف کر کے بکتی ہے۔ خریدنے والوں کو صاف کرنے کی زحمت نہیں اٹھانی پڑتی۔

**لباس** قمیص شلوار پہنی جاتی ہے۔ شلوار کے پائنچے بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ قمیصوں کے فیشن بدلتے رہتے ہیں ساڑھی کا رواج کم ہے۔ اکثر قمیص شلوار ایک رنگ اور دوپٹہ دوسرے رنگ کا یا تینوں ایک ہی رنگ کے پہنے جاتے ہیں۔ پہلے کپڑوں پر شرمہ لگانے کا رواج عام تھا۔ لیکن اب سلمے اور گوٹے کا کام کپڑوں پر کیا جاتا ہے۔ لڑکیاں اور جوان خواتین رنگے اور چُنے ہوئے دوپٹے استعمال کرتی ہیں۔ بڑی عمر کی خواتین بڑے گھیر اور تنگ پائنچوں کی شلوار تریزون والا کرتے اور سادہ ململ کا دوپٹہ اوڑھتی ہیں اکثر بڑی عمر کی خواتین شادی بیاہ کے موقع پر زری ٹوپی جو پندرہ بیس روپے کی ہوتی تھی پہنتی تھیں مگر اب اس کا رواج بالکل نہیں رہا۔ اسی طرح پہلے واسکٹ کا استعمال عام تھا۔ لیکن اب واسکٹ کی جگہ سویٹر نے لے لی ہے پہلے عورتیں جتے ایک قسم کی ایڑی دار سلیپر سمجھیے پہنتی تھیں۔ سادہ اور طلے دار ہر دو قسم کے ہوتے تھے۔ طلا کا کام عورتیں کرتی تھیں۔ لیکن اب وہ بالکل نابود ہو گئے۔ بڑی بوڑھیاں جوتی اور سلیپر استعمال کرتی ہیں۔ جوان بوٹ سینڈل طلا دار چپلی اور پشاوری جوتی پہنتی ہیں۔ بڑی بوڑھیاں باہر جاتے ہوئے جراب ضروری نہیں سمجھتیں لیکن جوانوں کا بغیر جراب باہر جانا معیوب ہے گھر میں سلیپر پہنے جاتے ہیں۔

**سنگھار** - یہاں بھی زیورات کا کافی رواج ہے۔ ہاتھ گلے کان وغیرہ میں ضرور زیور چاہیئے۔ پہلے ناک سر بازو اور پاؤں کا زیور بھی ہوا کرتا تھا۔ مگر اب کم ہو گیا ہے۔ نتھ بھی نہیں رہی۔ صرف کیل رہ گئی ہے۔ وہ بھی لڑکیاں ترک کر رہی ہیں۔ بہت پرانے فیشن کے لوگوں کی ایک آدھ لڑکی بلاق پہنے نظر آجاتی ہے ورنہ نہیں۔ یہاں خالص سونے کے زیور بنائے جاتے ہیں۔ کیونکہ تانبہ ملانے سے سونا ناقص ہو جاتا ہے۔ ہاتھ کے زیور کڑے چوڑیاں اور پہونچیاں ہوتی ہیں۔ گلے میں گلوبند اشرفی اور بخاری سونے کے سکے کے ہار ہوتے ہیں۔ اب نکلس اور رانی ہار بھی بننے لگے پازیب کا فیشن بھی جاتا رہا۔ چوڑی چوڑیاں توڑوا کر باریک بننی شروع ہو گئیں۔ کانچ کی چوڑیاں بھی پہنی جاتی ہیں۔ ہاتھ میں گھڑی کا رواج بھی ہو چلا ہے۔ سر پہ دَونی باندھنے کا فیشن بھی کم ہو رہا ہے۔ مصنوعی زیورات کا رواج بڑھ رہا ہے۔ مانگ خاص وعام کی ٹیڑھی ہے۔ پہلے کابلی سُرخی سفیدہ استعمال ہوتا تھا۔ اب

پاؤڈر کا شوق ہے۔ کلپ لگانے کا فیشن بھی نہیں رہا۔ ہاں عینک لگانے کا شوق بڑھ رہا ہے۔

**تعلیم**۔ تعلیمی حالت امید افزا ہے۔ اگرچہ ہندو تعلیم یافتہ لڑکیوں کی تعداد زیادہ ہے۔ مگر مسلمانوں میں بھی تعلیم سرگرمی سے پھیل رہی ہے۔ پرائمری سکولوں کے علاوہ دو زنانہ ہائی سکول ہیں۔ ایک مشن اور ایک گورنمنٹ ہائی سکول۔ میٹرک پاس لڑکیوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے۔ پچھلے سال سے کالج بھی بن گیا ہے۔ اور کئی لڑکیاں ایف اے میں ہیں کئی مسلمان لڑکیاں مزید اور میڈیکل تعلیم حاصل کرنے لاہور لدھیانہ اور دہلی گئی ہوئی ہیں۔ چند سال سے پردہ کلب بھی بنی ہوئی ہے۔ کلب کی جانب سے دو ایک ڈرامے بھی ہوئے۔ ایک ڈرامہ حال ہی میں تپ دق فنڈ میں چندہ کے لئے ہوا۔ آل انڈیا ویمنز کانفرنس کی برانچ بھی قائم ہوئی ہے۔ اور کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں یہاں سے ڈیلیگیٹ جاتی ہیں۔ چند سال ہوئے یہاں سے "خادم نسواں" اور "خاتون سرحد" نام رسالے جاری ہوئے تھے لیکن پھر شائد بند ہوگئے۔ میل ملاپ کے ذرائع محدود ہیں۔ نہ کوئی باقاعدہ انجمن ہے۔ نہ جلسے ہوتے ہیں۔ اور نہ کوئی باقاعدہ عورتوں کی تفریح گاہ ہے۔ صرف احمدی خواتین کی لجنہ قائم ہے۔ جن کے ماہوار جلسے ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس صوبہ میں تعلیم نسواں اتنی عام نہیں لیکن ترقی روز افزوں ہے۔

**مذہب اور تہوار**۔ مذہبی حالت مردوں عورتوں کی یکساں ہے۔ نماز کے پابند نہیں۔ البتہ روزے بڑی سختی سے رکھے جاتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کو روزے رکھواتے ہیں روزوں میں بھی نماز کی زیادہ پرواہ نہیں کی جاتی۔ جوان خواتیں تو بھول کر نماز نہیں پڑھتیں۔ عیدین کی نماز مرد تو عید گاہ جاکر پڑھتے ہیں۔ مگر عورتیں مسجد و پابندی نہ ہونے کی وجہ سے سبکدوش ہیں۔ منت کے طور پر بھی روزے رکھتی ہیں۔ توفیق ہونے پر فریضہ حج ادا کرنے جاتی ہیں۔ شیعہ محرم بڑی شان سے مناتے ہیں۔ ساتھ ہی بعض سنی بھی شریک ہوتے ہیں۔ دس دن تک بڑے زور شور سے ماتم ہوتا ہے۔ ماتم کرنے والوں کے ساتھ عورتیں ساری ساری رات پھرتی ہیں۔ تیزی، میلاد، گیارھویں، نوروز، شب برات بڑی دھوم سے مناتی ہیں۔ شب برات میں کافی آتش بازی جلائی جاتی ہے۔ محرم میں بعض جاہل عورتیں امام مظلوم کے نام پر بچوں کو فقیر بناکر در در بھیک منگواتی ہیں۔ پیروں فقیروں کی بے انتہا عقیدت مند قبر پرستی میں سب سے بڑھ کر ہیں۔ شاید اس خوش اعتقادی کی وجہ سے پشاور کے ہر محلے میں خصوصاً اور ہر گھر میں عموماً زیارت موجود ہے۔ جن پر جمعرات کو پھول چڑھاتی اور چراغ جلاتی ہیں۔ جمعرات کو مسجدوں میں کھانا بھیجتی ہیں۔ نذر۔ اور جادو کے ذریعہ علاج کیا جاتا ہے۔ پھر آسیب سمجھ کر بیٹھک ولاتے ہیں۔ بیٹھک ایک قسم کی سرود کی محفل گرم کرکے مریض کو بیچ میں بٹھا دیتے ہیں۔ نہ جانے مریض جان بوجھ کر یا تکلیف سے بے قرار ہوکر ہلنے اور جھومنے لگتا ہے۔ اتنے میں کوئی آگے بڑھ کر پوچھتا ہے "تم کون ہو؟ کہاں کے رہنے والے ہو؟" ہندو ہو یا مسلمان کے کے رہنے والے ہو۔ یا مدینے کے پری زاد ہو یا جن وغیرہ وغیرہ۔ اور جب مرض لاعلاج ہوجاتا ہے۔ تب ڈاکٹر کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ قبرستانوں پر جاکر بڑے خشوع والحاح سے دعا مانگی جاتی ہے۔ عید بقر عید کے علاوہ دوسرے تہواروں پر نئے کپڑے پہننے کا رواج نہیں۔ میلے یا عرس پر عورتیں نہیں جاتیں۔

**پیشہ**۔ پڑھی لکھی عورتیں سکولوں یا گھروں میں قرآن شریف اور اردو پڑھاتی ہیں۔ بعض سلائی پر گذارہ کرتی ہیں۔ بعض بزازی

مثلاً کپڑے و دیگر اشیا گھروں میں بیچتی ہیں۔ اَن پڑھ سکولوں اور ہسپتالوں میں دایہ گری کا کام کرتی ہیں۔ دستکاری مثلاً کشیدہ کاڑھنا برقعہ کی جالی رومال و ٹوپی بنانا گوٹہ مقیش جوتی اور کلاہ پر کلا بتونی کام نہایت صفائی سے کرتی ہیں۔ رضائیاں سینا پنکھے اور ٹوکریاں بنانا سب کام کرتی ہیں۔ خانگی ملازمت بھی کرتی ہیں۔ گھروں میں جاکر کپڑے بھی دھوتی ہیں۔

**شادی بیاہ و دیگر رسوم۔** لڑکے کی پیدایش پر زیادہ خوشی منائی جاتی ہے۔ پیدائش کے بعد اذان کہی جاتی ہے اس کے بعد گھٹی پلاتے ہیں عقیقہ چھٹے یا ساتویں دن ہوتا ہے۔ ختنہ اور بسم اللہ کے موقع پر خوب دعوتیں ہوتی ہیں۔ مگر اب ذرا کم ہو رہی ہیں۔ لڑکی کو دیکھنے پہلے لڑکے کی ماں یا بہن جاتی ہے۔ اگر لڑکی والے سمجھ جائیں کہ یہ رشتہ کے خیال سے آئی ہیں، تو بالکل خاطر تواضع نہیں کرتیں۔ یہاں تک کہ پانی بھی نہیں پلاتیں۔ منگنی میں دودھ پلایا جاتا ہے۔ اور پھر شیرنی بانٹی جاتی ہے۔ ایک وقت کا کھانا بھی لڑکی والے لڑکے والوں کو کھلاتے ہیں۔ شادی شروع ہونے سے پہلے بھاجی تقسیم ہوتی ہے۔ پھر لڑکے والیاں اور لڑکی والیاں علیحدہ علیحدہ ٹولیاں بنا کر جن کو صدہ کہتے ہیں رشتہ داروں برادری اور دوستوں کے ہاں جاکر شادی پر بلاتی ہیں۔ جن کے ہاں جاتی ہیں۔ گھر والے ضرور صدہ کو کچھ کھلاتے پلاتے ہیں ساتھ ہی پانچ دس روپے قمیص دوپٹہ ایک پچھی مٹھائی کلچے یا پھل پیش کیا جاتا ہے۔ صدہ کو پھول بھی پہناتے ہیں۔ یہ لینا دینا ادلے بدلے کا ہوتا ہے۔ پہلے زیادہ دنوں تک شادی رچایا کرتے تھے اب تین چار دن رہ گئے۔ ایک دن شام کو لڑکے والیاں جاکر لڑکی کو مایوں بٹھاتی ہیں۔ دودھ سے دلہن کا سر دھوتی ہیں۔ اور مہندی لگاتی ہیں۔ دوسرے دن شام کو دلہن کی عورتیں دولہا کے گھر جاتی ہیں اور دولہا کی انگلی پر مہندی لگاتی ہیں۔ ان موقعوں پر میراثنیں خوب زور زور سے گاتی ہیں۔ تیسرے دن رات کو برات باجوں طائفوں یا پرہیزگار لوگوں کے ساتھ روانہ ہو جاتی ہے۔ دولہا شادی کا جوڑا پہن لیتا ہے۔ اوپر سے بنارسی ڈال کر سہرہ باندھتے ہیں اور گھوڑے پر سوار کراتے ہیں۔ اکثر برات نصف شب کو دلہن کے گھر پہنچ جاتی ہے۔ اس کے بعد براتیوں اور مہمانوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ پھر نکاح کی رسم ادا ہوتی ہے۔ نکاح پر چھوہارے نہیں بٹتے نوقل جو الائچی دانوں سے بڑے ہوتے ہیں اور قند بٹتے ہیں۔ نکاح کے بعد بری اور شاید جہیز بھی دیکھا جاتا ہے۔ اتنے میں صبح قریب ہونے لگتی ہے۔ تب لڑکی کو خوب سجا کر دلہن بناتی ہیں۔ اور دولہا کو اندر بلا کر پہلے سلامی دیتی ہیں۔ پھر آرسی مصحف کراتی ہیں۔ اور سورج نکلنے سے پہلے پہلے لڑکی کو وداع کر دیتی ہیں۔ جہیز بجائے کم کرنے کے دن بدن بڑھ رہا ہے۔ شادی کے بعد ولیمہ نہیں ہوتا۔ بلکہ برات والے دن دعوت عام دیتے ہیں۔

تعزیت کو جاتی ہیں۔ مگر کئی کئی دن وہاں ٹھیرنا بھی ضروری سمجھتی ہیں۔ میت کو دم توڑنے کے بعد جھٹ نئے کپڑے پہناتی ہیں اور عورتیں جنازہ لے جانے تک کئی بار خوب سیاپہ کرتی ہیں۔ جنازہ کے ساتھ کئی خوانچے روٹی حلوے کے قبرستان لے جائے جاتے ہیں۔ جو غریبوں فقیروں میں تقسیم کرتے ہیں۔ امیر غریب سب کے ہاں تعزیت کی عورتیں مہمان بن کر بیٹھی رہتی ہیں۔ کھانے پینے کا سب انتظام میت والے کرتے ہیں۔ چاہے قرض لینا پڑے۔ یا کوئی چیز گروی یا فروخت کرنی پڑے۔ چہلم پر حیثیت سے بڑھ کر انواع و اقسام کے کھانے پکتے ہیں جو صرف دوستوں اور رشتہ داروں کو کھلاتے ہیں غریبوں کو چہلم کی روٹی میں سے بہت کم

حصّہ ملتا ہے۔ عیادت و تعزیت پر آنے والوں کو ضرور کچھ کھلانا پلانا پڑتا ہے۔ بیوہ کا نکاح عیب جانتے ہیں۔

**پردہ**۔ پہلے سخت پردہ تھا۔ اب کم ہو رہا ہے۔ پہلے عورتیں بغیر ڈولی کے کہیں آ جا نہ سکتی تھیں۔ ہسپتال یا ڈاکٹر کے پاس جانا سخت عیب تھا۔ اب ڈولی کا رواج بہت کم ہو گیا ہے۔ نئی دلہن چند مرتبہ ڈولی میں جاتی ہے۔ پھر پیدل یا موٹر تانگے میں جاتی ہیں۔ عموماً یہاں کے برقعے سفید لٹھے کے ہوتے ہیں۔ کابلی اور پشاوری برقعے میں ذرا فرق ہے۔ لڑکیاں نئے فیشن کے برقعے استعمال کرنے لگی ہیں۔ پہلے زمانے میں عورتیں سفید دولاق جو ایک قسم کی شلوار ہوتی تھی استعمال کرتی تھیں۔ لٹھے کی تہہ کو دوہری کرکے پائنچے کھلے چھوڑ کر اوپر جیسی شلوار ہوتی ہے ویسی سی لیتی تھیں۔ پھر پائنچوں کو چنٹ دے کر جراب سی بنا کر اس سے چنٹ کیا ہوا پائنچہ سی لیتی تھیں۔ شلوار کے اوپر باہر جاتے وقت پہن لیتی تھیں تاکہ پیر جراب اور ریشمی شلوار بالکل دکھائی نہ دے۔ پھر اوپر سے برقعہ پہن لیتی تھیں۔ لیکن اب صرف برقعہ رہ گیا ہے۔ اگرچہ پردے میں ذرا پہلے سے آسانی ہو گئی ہے۔ مگر بے پردا ہو کر کوئی نہیں نکلتی۔

**متفرق**۔ عورتوں کی آزادی مردوں کے ہاتھ میں ہے۔ لڑکیوں کو آبائی ترکہ میں سے حصّہ ملتا ہے۔ مہر بھی وصول کر سکتی ہیں۔ اگرچہ اب قانون بھی رائج ہو گیا ہے۔ مگر پشاوری خواتین ہمیشہ سے اپنے حق کی حقدار سمجھی جاتی ہیں اور شریعت کے مطابق برابر اپنے مال کی مالک رہی ہیں۔ مہر حسب حیثیت نہیں ہوتا۔ بلکہ بہت بڑھ چڑھ کر باندھتے ہیں۔ اکثر نکاح کے وقت مہر پر جھگڑا ہو جاتا ہے۔ اونچے گھرانوں کی عورتیں خود خرید و فروخت کے لئے جاتی ہیں۔ سینما و تھیٹر جانا اب معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ سردیوں میں اکثر لوگ حمام جا کر نہاتے ہیں۔ گھر کی نسبت حمام جانے میں زیادہ سہولت اور بچت ہوتی ہے۔ ایک آنہ دے کر چاہے کوئی کتنی دیر نہائے اور جتنا پانی خرچ کرے کر سکتا ہے۔ بچوں کے دو پیسے لئے جاتے ہیں۔ مردوں کے لئے جگہ جگہ سقاوے رہتے ہیں۔

کام کاج کے لئے متوسط گھروں میں ماما اور نوکر ہوتے ہیں۔ چھوکرے کم رکھے جاتے ہیں۔ علاج انگریزی و یونانی دونوں ہوتے ہیں۔ کپڑے اکثر گھر میں دھلتے ہیں۔ گھر والی خود یا کسی غریب عورت کو بلا کر کپڑے دھلواتی ہیں۔ یہاں کپڑے دھونے کا طریقہ اچھا اور آسان ہے۔ تھوڑی دیر میں بہت سے کپڑے دھل جاتے ہیں۔ اکثر زیادہ جہیز وغیرہ کے خیال سے لڑکی کی شادی جلدی نہیں کرتے۔ اسی وجہ سے اوقات شادی کی عمر گزر جاتی ہے اور لڑکی کنواری کی کنواری رہ جاتی ہے۔ ساس بہو نند بھاوج کا آپس میں سلوک چنداں برا نہیں۔ شریف خاندانوں میں خانگی جھگڑے کم ہوتے ہیں۔ عام طور پر عورتیں انتہا کی توہم پرست اور ڈرپوک ہیں۔ سیدوں کا حد سے زیادہ احترام کرتے ہیں۔ شیعہ عورتیں لاڈلے بچوں کی سر پر چوٹی رکھتی ہیں اور جب لڑکا آٹھ دس برس کا ہو جاتا ہے۔ تب نذر نیاز دے کر چوٹی مونڈواتی ہیں۔ یہاں بھی فقیر اور فقیرنیوں کا وہی حال ہے جو پنجاب ہندوستان میں ہے۔

سیدہ قانتہ بیگم

# ایک دیہاتی گیت

شاعری قدرت کا عطیہ ہے۔ قدرت جس کی فطرت شاعرانہ بنادے وہ شاعر ہے۔ شاعری کے لئے پڑھے لکھے ہونے کی ضرورت نہیں، اس کے ثبوت میں میں ان لوگوں کی شاعری بہنوں کی خدمت میں پیش کرتی ہوں جو نیم وحشی کہلاتے ہیں۔ پڑھنا تو درکنار شاید وہ لوگ کتاب کا نام بھی نہیں جانتے۔ وہی باتیں جو شاعر اپنی نظم میں کہتا ہے دیہاتی کس خوبی سے ادا کرتے ہیں یہ ایک دیہاتی گیت کا ترجمہ ہے۔ دیہاتی ہی نہیں بلکہ تہارو لوگوں کی مخصوص زبان ہے اگر الفاظ و ترجمہ لکھتی ہوں تو مضمون بہت طویل ہوا جاتا ہے اور خالی الفاظ بہت سخت ہیں لہذا مختصر ترجمہ پیش کرتی ہوں۔

بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی اور دوستوں سے پوچھا شکار چلوگے سب راضی ہوگئے۔

چھوٹا بھائی بیوی سے بولا میں شکار جا رہا ہوں روٹی پکا دو میں گھوڑا کس لوں۔

بیوی نے جواب دیا، میری داہنی آنکھ پھڑک رہی ہے تم شکار نہ جاؤ خدا معلوم کیا مصیبت درپیش ہو۔ اس نے کہا۔ گھبراؤ نہیں ہم تیسرے روز آجائیں گے"۔ جب شوہر رخصت ہو کر چلا گیا تو یہ کوٹھے پر چڑھ گئی جب تک شوہر کا گھوڑا آنکھ سے اوجھل نہ ہوا دیکھتی رہی۔

رات بڑی کرب و بےچینی سے گذاری۔ صبح ہوتے سو گئی جب اُٹھی تو ساس سے کہا میں نے خواب دیکھا کہ میرے ہاتھ کی چوڑیاں ٹوٹ گئی ہیں، ساس نے جواب دیا کہ "مریں تیرے بھائی بھتیجے تو ہمیشہ بُرا ہی سوچا کرتی ہے"۔ بہو رو کر چپ ہو رہی۔

دوسری رات کو اس سے زیادہ بے چین رہی۔ جب صبح کو اُٹھی تو ساس سے کہا "میں نے خواب میں دیکھا میں ماتھے پر سیندور کی بندی لگاتی ہوں وہ چھوٹ جاتی ہے" ساس نے جواب دیا کم بخت تو ہمیشہ بدشگونی منایا کرتی ہے دُور ہو نگاہ کے سامنے سے۔ بہو روتی ہوئی کوٹھے پر چڑھ گئی اس نے دیکھا کہ جنگل کی طرف چیلیں منڈلا رہی ہیں۔ تھوڑی دیر میں اُس نے دیکھا کہ سب پلٹ کر آرہے ہیں۔ شوہر کے خیر مقدم کے لئے دوڑ کر نیچے آئی مگر اس کی مایوسی کی کوئی انتہا نہ رہی جب جیٹھ آیا اور شوہر نہ آیا۔

ماں نے پوچھا بیٹا تمہارا چھوٹا بھائی کہاں ہے تو اس نے کہا کہ وہ کل آئے گا ادھر ہی سے سسرال چلا گیا۔ ماں کو یقین آگیا وہ چپ ہو رہی مگر بیوی بہت پریشان ہوئی اس کا دل رو رہا تھا رات کو یہ پڑی کروٹیں بدل رہی تھی کہ اس کو اپنی کوٹھری کا دروازہ کھُلتا معلوم ہوا۔ اس نے کہا "کون سیار تو نہیں۔ نہیں کُتا ہو گا یا بلّی"۔

جیٹھ نے جواب دیا کہ نہ کتا ہے نہ بلّی میں ہوں تمہارا بچارا۔

یہ سُن کر بھاوج گھونگٹ نکال کر کھڑی ہوگئی۔ بولی بھائی تم کو اپنے چھوٹے بھائی کی بھی لاج نہیں۔ تم یہاں سے چلے جاؤ وہ اب آتے ہوں گے"۔

جیٹھ ہنسا بولا وہ اب کبھی نہ آئیں گے۔ تم تو اب ہماری ہو۔ اس کا نام ہی نہ لینا۔ اس کو بھول جاؤ۔

جب اس نے دیکھا کہ معاملہ ٹیڑھا ہے۔ تو بولی "اچھا جب میرا شوہر ہمیشہ کے لئے چھوٹ گیا تو میں ہر حالت میں تمہاری ہوں

مگر یہ بتاؤ کہ تم نے اس کو کیا کیا۔ جیٹھ نے جواب دیا "اس کو مار کر میں نے جنگل میں ڈال دیا ہے جھاڑیوں کے اندر"۔ جب اس نے یہ سنا تو اپنے کو بہت سنبھالا اور بہانے سے اندر سے نکلی اور کہاروں کے پاس گئی اور کہا "جو کچھ تم مانگو گے میں دوں گی تم مجھ کو کجلی کے بن میں لے چلو جہاں چیلیں منڈلا رہی ہیں"۔ غرض یہ اسی جنگل میں پہنچی دیکھا تو شوہر کا جسم اور منہ ایسی بُری حالت میں پڑا تھا کہ پہچانا نہیں جاتا۔ یہ اس جسم سے لپٹ کر خوب روئی اور پھر جسم کو اُٹھا کر ڈولی میں رکھا۔ لے کر گھر واپس آئی۔ ساس کے سامنے لا کر ڈال دیا اور کہا "یہ تمہارے بڑے بیٹے کی کارگذاری ہے"۔

لاش جلانے کے لئے چتا تیار ہوئی۔ لاش رکھی گئی تو بہو نے ساس سے ہاتھ جوڑ کر اجازت لی کہ میں یہ آخری خدمت اپنے شوہر کی اور کرلوں یعنی چتا میں آگ اپنے ہاتھ سے لگاؤں۔ ساس نے روتے ہوئے اجازت دی۔ اس نے جا کر آگ لگا دی اور سورج کی جانب ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہوئی اور کہا اے سورج دیوتا اگر تم سچے ہو تو میری مراد پوری کرو کہ جیٹھ نے بچپن کے ساتھی میرے شوہر کو مارا ہے۔ یہ زندہ رہے مگر اندھا اور کوڑھی ہو کر اور اس کا کوئی نام تک لینے والا نہ ہو۔ یہ کہہ کر اس نے ایک چھلانگ چتا میں لگائی اور شوہر کا سر اپنی گود میں رکھ کر جل گئی۔

جیٹھ کی جب تلاش ہوئی تو بہاوج کی کوٹھری میں بند تھا جس کو جنگل چلتے وقت بہاوج نے بند کر دیا تھا جب وہ نکالا گیا تو اندھا اور کوڑھی تھا۔

یہ گیت دیہاتی عورتیں اور خاص طور پر تہوار و قوم کی ایک خاص لطف سے گاتی ہیں اور الفاظ بڑے بروگ سے ادا کرتی ہیں

مسز حمید

(بقیہ صفحہ ۳۶)

اپنے رب کی معصیت کرتے ہوئے — جس کے باعث سے ہے خلقت تنگ حال
اُٹھ کے اس مجمع سے خود جائے نکل — ورنہ ہم دیں گے زبردستی نکال

---

جب سُنی آواز یہ اُس شخص نے — مُنفعل ہو کر کیا دل میں خیال
میں جو اُٹھوں گا تو سب پہچان کر — انگلیاں مجھ پر اُٹھائیں گے رجال
سر جھکا کر دل سے کی توبہ جوں ہی — دیدنی تھا بادلوں سے انہلال

---

بولے موسےٰ اب بھلا کس کے طفیل — اے خدا پورا ہُوا مینہ کا سوال
حق نے فرمایا وہی عاصی ہے یہ — بولے موسےٰؑ میں ہوں مشتاق جمال
حق نے فرمایا یہ ہے مجھ سے بعید — آرزو اس بات کی دل سے نکال

معصیت میں جب نہ پردہ در ہُوا
اب کروں رسوا اُسے یہ ہے محال

ابوالاعجال (لاہور)

# شانِ ستاری

کہتے ہیں عہدِ کلیمؑ اللہ میں — آسماں سے مینہ نہ برسا ایک سال
رہ گئیں برباد ہو کر کھیتیاں — پڑ گیا چاروں طرف شہروں میں کال
چارہ چوپایوں میں تھا عنقا صفت — گوشت خوروں کو میسر تھی نہ دال
اس طرح کی قحط سالی سے ہُوا — موٹے موٹوں کا بہت پتلا جو حال
مل کے آئے لوگ سب نزدِ کلیم — اور کی یوں عرض با رنج و ملال
آ گئی ہے تنگ سب خلقِ خدا — حق سے کیجئے آپ بارش کا سوال
ورنہ یہ حالت اگر چندے رہی — موت سے بچنا ہمارا ہے محال

---

سُن کے یہ حضرتؑ دعا کے واسطے — آئے صحرا کی طرف آشفتہ حال
دیکھ کر سوئے فلک پھر عجز سے — یوں دُعا کی۔ اے خدائے ذوالجلال
بھیج دے بارانِ رحمت بھیج دے — یہ بلائے قحط ان کے سر سے ٹال
تیرے بندے ہیں تو اُن پر رحم کر — کچھ نہ کر اُن کے گناہوں کا خیال
یہ دعا جب آپ کی خالی گئی — رنج حضرتؑ کو ہوا اس سے کمال
بولے۔ یارب کیا تیری درگاہ میں — آ گیا کچھ میرے رتبے کو زوال
یا کوئی مجھ سے خطا سرزد ہوئی — یا ہے کوئی اور ہی وجہِ ملال
وحی کی حق نے کہ اے میرے کلیمؑ — آ رہا ہے کیا تیرے دل میں خیال
تیرا رتبہ بھی وہی تو بھی وہی — تجھ سے ہو سکتی ہے کیا وجہِ ملال
بات تو یہ ہے کہ اس انبوہ میں — اک بشر ایسا ہے جو چالیس سال
مجھ سے برگشتہ رہا ہے رات دن — ہے اسی کی یہ نحوست کا وبال

---

حق سے یہ معلوم کر کے آپ نے — پہلے تو خطبہ پڑھا اک حسب حال
پھر پکارے طیش کھا کر اس طرح — اے وہ گزرے جس کو ہیں چالیس سال

(باقی دیکھئے صفحہ ۳۶۷ پر)

# میرے خواب

## محبت کا چرچا

رات کے سناٹے میں ہوا کے تیز جھونکوں کے ساتھ زمین کے لاتعداد درختوں کی بیشمار ننھی ننھی پتیوں کی سرسراہٹ سے کیا آواز نکلتی ہے؟ صبح کے وقت مشرق کی طرف جب پو پھٹ رہی ہوتی ہے آسمان اور زمین سر جوڑ کر آہستہ آہستہ کیا سرگوشیاں کیا کرتے ہیں؟ اور جب سورج بادشاہ طلوع ہو کر بھدے سے بے نور چاند کو رخصت کرنے لگتا ہے وہ کس بات کا اشارہ کرتا ہے؟

جب چاندنی رات میں آسمان سے ہلکے ہلکے چاندی کے ورقوں کی مسلسل بارش ہوتی ہے اُس وقت ننھے تارے اشاروں میں آپس میں کیا باتیں کرتے ہیں؟ پھر ماہ گیتی تمام دن کے ہنگاموں سے فرصت پا کر رات کی تاریکی میں ایک نیا زخم کھائے ہوئے گہرے گہرے سانس لے کر کس بات کا اعادہ کرتی ہے؟ یہ سب تمہاری محبت کا چرچا ہے!

## نوجوان ملاح

رات کی تاریکی میں نوجوان ملاح اپنی چھوٹی سی کشتی میں بیٹھ کر کسی نامعلوم سرزمین کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ ہلکے ہلکے سروں میں ایک گیت گا رہا تھا۔ اور کشتی زندگی کے ارمانوں کی طرح ننھی ننھی لہروں کو مسلتی ہوئی دریا کے سینہ پر بہتی چلی جا رہی تھی۔ ملاح سر اٹھائے کسی نامعلوم سرزمین کی طرف چلا جا رہا تھا اور اجنبی تاریک لہریں یکے بعد دیگرے سر اٹھا اٹھا کر زندگی کے آنے والے واقعات یاد دلا کر اس کے دل میں ایک خوف پیدا کر رہی تھیں۔ پھر بھی وہ ہلکے ہلکے سروں کی اس دلفریب راگنی سے بہت دُور دریا کے کنارے کھیتوں اور درختوں کے اس پار محبت کی سرزمین میں ایک پیغام پہنچانا چاہتا تھا۔ رات کی تاریکی میں ملاح اپنی چھوٹی سی کشتی میں بیٹھا ہوا ایک گیت گاتا چلا جا رہا تھا۔

## کیوپڈ کے تیر

موسم برشگال کی خاموشی۔۔ پہر سیاہ بھونرا پھولوں کے گرد رقص کیا کرتا ہے۔ اور بہار میں رنگ برنگ پھولوں سے لال ہوئی جھاڑیوں پر بیٹھ کر بلبل اپنی ننھی سی چونچ اٹھا کر ایک دلدوز ترانہ سے شاعر کے دل کو چھیدنے لگتی ہے۔

رات کے وقت جب چاند اپنا دمکتا ہوا چہرہ ننھی پہاڑیوں کے پیچھے سے آہستہ آہستہ نکالتا ہوا سروں پر آجاتا کسی سیاہ جھاڑی کے نیچے سے چکور اوپر اڑنا شروع کرتا ہے اور بہت دور چاند کی سرزمین میں پہنچ کر اس کے گرد طواف کرنے لگتا ہے۔ اور انسانی محفل نشاط میں عطر سے لبریز ہواؤں کے درمیان چھلکتے ہوئے جاموں اور حسینوں کے پیروں کے گھنگروں کی آواز کے اوپر بلوریں فانوس کے اندر ایک شمع روشن ہے۔ چاروں طرف سے ننھے ننھے شیردل پروانے آکر اس کے گرد مجنونانہ رقص کرتے ہیں۔ پھر تھوڑی دیر میں خاکستر ہو کر زمین پر آ رہتے ہیں۔

یہ سب یونانی دیوتا کیوپڈ کے تیروں کے زخم خوردہ ہیں۔

آئی۔این

# قرآنی پردہ اور شرافت

(ذیل کا مضمون انگریزی رسالہ "مسلم ریویو" میں شائع ہوا تھا۔ اس کے مصنف عبدالعزیز صاحب ۱۹۲۶ء میں مشرف بہ اسلام ہوئے آپ کا سابق نام اڈلف ولیم تھا۔ آپ نے یہ مضمون مسٹر اعجاز احمد کے مضمون "پردہ" کے جواب میں تحریر فرمایا ہے۔ بہنوں کو اس مضمون سے پردہ کے متعلق ایک یورپین نومسلم کے خیالات کا اندازہ ہوگا۔) اور مستفید ہونے کا موقع ملے گا۔

بہت سے معتمد حضرات نے بارہا یہ فرمایا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے مذہب سے بہ نسبت اُن لوگوں کے جو اس سے بالکل اجنبی ہیں واقف ہونے کی زیادہ ضرورت ہے۔ بالفاظ دیگر مسلمان جانتے ہی نہیں کہ اسلام ہے کیا۔ اس قسم کے لوگوں کے دو گروہ ہیں اور ہر گروہ اپنی جگہ پر رجعت پسند ہے بہت کم لوگ ایسے ہیں جو درمیانی راہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔

اِن دو گروہوں میں سے ایک گروہ تو اُن مسلمانوں کا ہے جنہوں نے نہ تو کبھی دینی تعلیم حاصل کی اور نہ دنیاوی۔ یہ لوگ ایسے ہی جاہل لوگوں کے وعظ سنتے ہیں اور اُن باتوں پر اپنا عقیدہ قائم کر لیتے ہیں کہ درحقیقت جن کو اسلام سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہوتا۔ اسلام کی صحیح تعلیم حقیقت میں یا تو بھلادی گئی ہے یا پس پشت ڈال دی ہے دوسرے گروہ میں وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے صرف دنیاوی تعلیم غیر اسلامی ماحول میں حاصل کی ہے (اگرچہ ہم یہاں پر لفظ "تعلیم" استعمال کر سکتے ہیں) اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب یہ لوگ اپنی آخری سند حاصل کر لیتے ہیں تو شکسپیر، ملٹن، اڈیسن اور دوسروں کے مقولات کو خوب سمجھتے ہیں لیکن جو سب سے زیادہ ضروری چیز یعنی اپنے مذہب کے متعلق کوئی صحیح تخیل ذہن میں نہیں رکھتے۔ اس لئے ان کے علم کی بنیاد میں بالکل مبہم اور دوسروں کی سُنی سنائی باتوں پر ہوتی ہیں اور اس کی اصلی وجہ صرف یہ ہے کہ چونکہ زمانہ طالبعلمی میں اُن کو صحیح اسلامی تعلیم نہیں دی جاتی اور اس سے بھی زیادہ بدترین بات تو یہ ہے کہ یہی حضرات اسلامی تعلیم و تہذیب پر بغیر کسی وسیع مطالعہ کے اپنی رائے زنی شروع کر دیتے ہیں اور اپنے دلائل کی بنا ایسی باتوں پر رکھتے ہیں کہ جس کا یقین اُنہیں خود بھی نہیں ہوتا۔

اعجاز احمد خاں صاحب کا مضمون بعنوان "پردہ" جو کچھ عرصہ ہوا شائع ہو چکا ہے مجھے اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ میں بدقسمتی سے اُنہیں دوسرے گروہ میں شمار کروں حقیقت یہ ہے کہ مجھے اُن کا بیان پڑھ کر انتہائی صدمہ ہوا۔ اس لئے کہ اس کو صداقت سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ چونکہ تحریر کرنے والا خود مسلمان ہے اس لئے معاملہ اور بھی زیادہ نازک اور قابل افسوس ہے قبل اس کے کہ میں اُن کی غلطیوں کو ظاہر کروں اور ان کی تحریر پر غور و خوض کروں اُن کو واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہم "یورپین" اِک وسیع مطالعہ، شدید نکتہ چینی اور ہر طرح سے پرکھنے کے بعد مشرف بہ اسلام ہوتے ہیں۔ پس ان ہی وجوہ کی بنا پر ہم اسلام سے محبت اور اس کی تعریف کرتے ہیں اور بے چون وچرا ہم اس پر ایمان لے آتے ہیں اور اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ بنی نوع انسان کے لئے ہر زمانہ میں اسلام ہی اک صحیح راہ عمل ہے۔

آمدم برسر مطلب اعجاز احمد خاں صاحب نے سب سے پہلی چیز جو تحریر کی ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان میں پردہ کا رواج صرف

بیرونی حملوں کا نتیجہ ہے۔ یہ دلیل قطعاً لغو اور بے بنیاد ہے۔ اس دلیل کا سُراغ ہمیں کسی صحیح تاریخ سے نہیں ملتا۔ بلکہ پردہ کا آغاز ہی اسلام سے ہُوا ہے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ پردہ کو اسلام سے کوئی تعلق ہی نہیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ اسلام سے قطعاً بے بہرہ ہے۔ پردہ کا رواج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں شروع ہوا تاکہ ہمیشہ قائم رہے۔ اس سے مقصود صنفِ نازک کو تکلیف دینا نہیں ہے بلکہ اس کے فوائد ہی بیحد ہیں۔ نگاہ ایک مقناطیسی قوت رکھتی ہے جو جنس کو (صنفِ نازک) اپنی جانب مائل کر لیتی ہے اور جب کبھی موقعہ ہاتھ آتا ہے تو اکثر ناجائز اور غیر شرعی طریقوں خصوصاً نوجوان طبقہ میں نمودار ہو کر اپنا کرشمہ دکھاتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ پردہ جوہر شرافت قائم رکھنے میں مدد دیتا ہے۔ بہت سے لوگوں سے جب یہ واقعات بیان کئے جاتے ہیں تو وہ حضرات اس کے جواب میں فرمانے لگتے ہیں کہ اگر آدمی کے خیالات پاکیزہ ہوں تو اس قسم کا کوئی واقعہ پیش نہیں آسکتا۔ یہ بالکل صحیح ہے لیکن مجھے اُن حضرات کو تو بتلائیے کہ جن کے خیالات صحیح معنوں میں پاکیزہ ہوں؟

پردہ کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ یہ دونوں اجناس یعنی مرد و عورت میں حد فاصل قائم کرتا ہے۔ بہت سے ایسے حضرات بھی ہیں جو اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے دونوں اجناس یعنی مرد و عورت کو ایک جگہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ ایک دوسرے کو بہتر سمجھ سکیں جیسا کہ معترضین کا خیال ہے۔ اس قسم کے مشاہدات کا نتیجہ تباہ کُن ہوا ہے۔ اور خاص کر نوجوان طبقہ میں تو بہت ہی زیادہ تباہ کن ثابت ہوا ہے اس طرح سے آپ کو پردہ کے فوائد ظاہر ہو جائیں گے۔ فرض کر لیجئے کہ اگر مسلمانوں سے پردہ کا رواج اڑا دیا جائے (جیسا کہ خیال ہے) تو بہت سے لوگوں کے اطمینان دلانے کے باوجود یورپ کے جملہ عیوب مسلم قوم میں آج ہی پیدا ہو جائیں گے۔ جب پردہ اُڑا دیا جائے گا تو وہ جملہ عیوب خواہ جلد ہوں یا دیر سے یقیناً پیدا ہوں گے پردہ اُٹھ جانے سے جو عیوب پیدا ہوں گے تو وہ اس قدر ناگفتہ بہ ہوں گے کہ جس کا کوئی حد و حساب نہیں۔ میں اپنے دوست مسٹر اعجاز احمد خاں سے درخواست کروں گا کہ وہ ایک لمحہ کے لئے یورپ کی حالت پر غور فرمائیں کہ صنفِ نازک اس قسم کے کپڑے زیب تن کرتی ہیں جو بمشکل جسم کی ستر پوشی کر سکیں مزید دوسروں کی باہوں میں عورت کو رقص کرتے ہوئے دیکھ کر کیا اُن کے جذبۂ شرم و حیا کو ٹھیس نہیں لگتی؟ کیا آپ کو معلوم ہے کہ یورپ اور امریکہ کے ناجائز بچوں کی پیدائش کیا فی صدی ہے؟ فرانس انتہائی آزاد ملک خیال کیا جاتا ہے۔ باوجود اِن تمام باتوں کے پیرس کے قانونی کالج میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ لڑکے اور لڑکیوں کو الگ الگ تعلیم دی جائے اس لئے کہ پروفیسران اس بات کے شاکی ہیں کہ وہ لڑکے اور لڑکیوں میں باہم مبادلۂ مُسکراہٹ کی وجہ سے خلل واقع ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ لکچر نہیں دے سکتے۔

ہندوستان میں میں نے والدین اور دور اندیش اساتذہ کے مخلوط تعلیم کے خلاف اعتراضات پڑھے ہیں اگرچہ ہندوستان کی حالت اس قدر ناگفتہ بہ نہیں ہوئی جس قدر کہ یورپ اور امریکہ کی ہے لیکن اگر فوری توجہ مبذول نہ کی گئی تو یقیناً ہو جائے گی۔ مصر میں بھی مخلوط تعلیم کے خلاف شور و غل کچھ کم نہیں ہے۔ خاص کر شکستہ دل والدین تو آواز بلند کرنے میں سب سے زیادہ پیش پیش ہیں۔ میں مسٹر اعجاز احمد خاں سے درخواست کروں گا کہ آکسفورڈ کی زندگی کے متعلق حال ہی میں جو مضمون شائع ہوا ہے اس کو پڑھیں۔

بڑے بڑے مسلم علماء اور عقلمند ہی نہیں بلکہ ہندوستان کی دوسری قومیں بھی متذکرہ بالا رواج کے انتہائی خلاف ہیں۔ اس کے تباہ کن نتائج سے متاثر ہو کر پاپائے اعظم نے بھی اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ ایک مرتبہ مسیحی سوسائٹی کے لوگوں نے مجھ سے کہا کہ دو اجناس یعنی مرد و عورت کے آزادانہ میل جول سے جو تباہی و بربادی پیدا ہو گئی ہے وہ ہم ہی جانتے ہیں لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں؟

ان تمام ناپسندیدہ باتوں کا علاج صرف "پردہ" ہی ہے۔ لیکن یورپ میں اب پردہ کا رواج کون قائم کر سکتا ہے جب کہ عورت کو خود مرد ہی نے فریب و دغا بازی سے اس قدر جرأت دلا دی ہے کہ وہ صنفِ نازک کی خودداری کا خیال کئے بغیر اس قسم کا لباس زیب تن کرے جس کا مقصد اغیار کے دلوں کو لبھانا ہے۔

پس پردہ ان کے لئے جو اس کو قائم کئے ہوئے ہیں رحمتِ خداوندی ہے لہٰذا میں اپنے مسلمان بھائیوں سے انتہائی شد و مد کے ساتھ پُرزور اپیل کروں گا کہ وہ اس کو قائم رکھیں۔ اس زمانہ میں جبکہ شرافت اور تہذیب کی بنیادیں ہر جگہ کمزور ہو گئی ہیں پردہ کا اٹھا دینا گویا سوسائٹی کے تہذیب اور اخلاق کو فنا اور برباد کر دینا ہے۔ اور وہ تمام بُری باتیں پیدا ہو جائیں گی جس کے متعلق صاحب موصوف اور ان کے رفقاء کار اطمینان دلاتے ہیں پردہ مضرِ صحت نہیں ہے۔ یہ تندرستی پر قطعاً برا اثر نہیں کرتا یہ تو کم عقل لوگ پردہ کے خلاف اس قسم کا زہر اُگلتے رہتے ہیں۔ درحقیقت تندرستی پر جس چیز کا اثر ہوتا ہے وہ ملکی آب و ہوا ہے جو کہ پردہ والی عورتوں پر اثر انداز ہوتی ہے اور اس سے زیادہ دوسروں پر اثر نہیں کرتی۔ پردہ والی عورتوں کو جبکہ وہ سڑک وغیرہ پر چل رہی ہوں برقعہ کی ضرورت پیش آتی ہے اور وہ بھی بہت تھوڑی دیر کے لئے اس قلیل وقت میں سانس لینے میں آکسیجن میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی کہ جس کی وجہ سے کسی کی تندرستی پر خراب اثر پڑے۔ ۱۹۲۶ء میں جبکہ میں مشرف بہ اسلام ہوا تو میں نے عوام کی حالت کا مطالعہ کرنے کی غرض سے بہت سے اسلامی ممالک کا دورہ کیا۔ میں عرب کے ایسے مقامات سے بھی گذرا جہاں پر کہ پردہ سختی سے رائج ہے وہاں کی پردہ نشین مستورات بہت قوی اور طاقتور ہوتی ہیں۔ وہ دنیا کی پردہ نہ کرنے والی عورتوں سے جسمانی طاقت اور کام میں بخوبی مقابلہ کر سکتی ہیں۔

ہاں اس چیز کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ عورتوں کو بھی تفریح کا اتنا ہی حق ہے جتنا کہ مردوں کو بشرطیکہ تفریح گاہ صرف عورتوں ہی کے لئے مخصوص ہو۔ یہاں اس کا الزام بھی اُن ہی مردوں پر عائد ہوتا ہے جو اپنی عورتوں کے لئے تفریح گاہوں کا انتظام نہیں کرتے۔ اس کے علاوہ اس کا الزام بھی اُن ہی پر ہے کہ وہ اپنی لڑکیوں کے لئے اس قسم کے اسکول اور کالج نہیں بنواتے کہ وہ اپنی اسلامی تہذیب و تمدن و روایات کو قائم رکھ کر دینی تعلیم دے سکیں تاکہ اُنہیں دوسروں کی درسگاہوں کے غیر اسلامی ماحول میں اپنی لڑکیوں کو بھیجنے کا کوئی موقع نہ رہے جہاں پر کہ ایسے مفید رواج مثلاً پردہ وغیرہ پر کچھ غور نہیں کیا جاتا۔ اس مقصد کے لئے خوبصورت عمارتیں بہت جلد بہ آسانی بنائی جا سکتی ہیں جس میں کہ حفظانِ صحت اور دین کا لحاظ رکھا گیا ہو۔ جب کہ مسلمان اس منزل تک پہونچ جائیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ پردہ ترقی کی راہ میں قطعاً حائل نہ ہوگا۔ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ پردہ ایک شرمناک دستور ہے اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ یورپ میں اس کا رواج نہیں ہے اور دوسرے وہ اس کے فوائد سے لاعلم ہیں۔ بجز اس کے اور کوئی وجہ نہیں۔

یہ دیکھ کر انتہائی افسوس ہوتا ہے کہ مسلمانوں ہی میں جو مصلح کہلاتے ہیں وہ جانتے ہی نہیں کہ اصلاح ہے کس چڑیا کا نام؟ اپنی پستی پر تو کبھی خیال کرتے ہی نہیں بلکہ اندھا دھند یورپ کے تباہ کن رسم و رواج کی تقلید کرنا شروع کر دیتے ہیں اور ترقی کی صحیح راہ کو نہیں جانتے یا بہ الفاظ دیگر وہ اس کام میں اس قدر مدہوش ہوتے ہیں کہ اپنی شرافت اور اخلاق کو کمزور کر لیتے ہیں اور مغربی کاموں کو ترقی یافتہ اصلاح کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ مثلاً مسٹر اعجاز احمد خاں نے مسلم مستورات کو اس بات کی ترغیب دی ہے کہ وہ متحد ہو کر پردہ کے خلاف علمِ بغاوت بلند کریں لیکن یہاں پر اُن کو صنعتی ترقی کے لئے صحیح اسلامی اسپرٹ کے ماتحت دینی اور دنیاوی تعلیم کی ترغیب کو نظر انداز کر گئے ہیں۔

اسلام نے عورت کو اس قدر آزادی دی ہے کہ اگر اس کے علاوہ اور آزادی دی جائے تو وہ نقصان دہ نہیں تو غیر ضروری یقیناً ہوگی۔ آپ دیکھیں تو سہی کہ اس قسم کی آزادی نے امریکہ میں کیا غضب ڈھایا ہے۔ اکثر مقامات پر تو اسی آزادی نے عورت کو مثل فٹ بال کے بنا دیا ہے کہ ایک نے کِک ماری اور دوسرے کے پاس پہونچ گئی۔ اور خاص کر ایسے مقامات پر جہاں کہ عورت کو اقتدار حاصل ہے۔ گھر اور خاندان دونوں تباہ اور برباد ہیں کیونکہ گھر کی مالکہ تو کسی دوسری ہی جگہ تفریح میں مشغول رہتی ہیں۔

اگر اسلام عورت کو پردہ کا حکم دیتا ہے تو یہ اس کے اور سوسائٹی دونوں کے لئے فائدہ مند ہے۔ خواہ تھوڑا سا تکلیف دہ ہی سہی لیکن تھوڑی سی تکلیف کو ایک اہم اور معقول بات پر قربان بھی تو کیا جا سکتا ہے۔

مسز نجم الحسن (جھنجھانہ)

# سمجھوتا

موہن۔ ہاں تو تم سوراج میں کون کون سے حقوق لینا چاہتی ہو؟ ذرا میں بھی تو سنوں؟

للیتا۔ یہی کہ عورت اور مرد دونوں کے حقوق ہر ایک معاملے میں برابر ہوں۔ رتی بھر کا بھی فرق نہ ہو۔ باپ۔ شوہر اور خسر کی جائداد پر عورت کا بھی اتنا ہی حق ہو جتنا مرد کا ہوتا ہے۔ سرکاری ملازمتیں بھی عورتوں کو برابر ملیں۔ کونسل میں بھی ان کی نشست کا خیال رکھا جائے۔ رائے دینے کا بھی انہیں اختیار ہو۔ اولاد پر بھی عورت کا حق مرد کے برابر ہو اور اپنے مذہب اور جسم پر بھی اس کا اپنا اختیار ہو یعنی جیسے مرد کا اپنے مذہب اور جسم پر حق ہوتا ہے۔ عورتیں یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتی کہ جو مذہب مرد کا ہو وہی انہیں قبول کرنا پڑے۔ ماتا پتا اسے جسے چاہیں دان دیدیں۔

موہن۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم پر بھی مغرب کا جادو چل گیا اور تم بھی حق کے لئے لڑنے پر تیار ہو۔ عورت کی عظمت صرف اس میں ہے کہ وہ ماں ہے۔ اگر عورتیں اپنی خوبیاں چھوڑ کر مردوں کے برابر آنا چاہتی ہیں تو شوق سے آئیں لیکن انہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ ان حقوقوں کو لے کر انہوں نے بڑا مہنگا سودا کیا ہے۔

للیتا۔ جی نہیں عورتیں اب وہ عظمت نہیں چاہتیں۔ ان کا اس سے دل بھر گیا ہے۔ آپ لوگ تو میٹھی میٹھی باتیں کرتے ہیں لیکن حقیقت میں عورتوں کا گلا کاٹتے ہیں۔ آپ کو تو اپنی حکومت میں مزا آتا ہے۔

موہن۔ مرد کو حکومت کا خبط نہیں اور نہ مرد عورتوں پر حکومت کرتے ہیں۔ گرہستی عورت مرد کا کاروبار قرینے سے چلاتی ہے۔ عورت میں کاروبار چلانے کی لیاقت بہت زیادہ ہے اور وہ اسی کی بدولت گھر پر راج کرتی ہے۔ ہمارے یہاں ماں کا مرتبہ بہت بلند ہے لیکن اگر تمہیں یہ پسند نہیں تو چلو کل سے میرے ساتھ دفتر۔

للیتا۔ میں چلنے کو تیار ہوں اور میرا کام تم سے برا نہ ہوگا۔ عورتیں جس محنت سے کام کر سکتی ہیں مرد نہیں کر سکتے اور ہاں پھر تمام گھر کا کام کاج آپ کو ہی کرنا پڑے گا۔

موہن۔ (جھینپتے ہوئے) تم تو بے سر پیر کی باتیں کرتی ہو۔ حقوق اتنی آسانی سے نہیں ملتے۔

للیتا۔ عورتیں اپنے حقوق لے کر ہی چھوڑیں گی۔ دیکھ لینا مردوں کا کونسل میں بیٹھنا مشکل ہو جائے گا۔ بہت دنوں مرد نے عورت پر حکومت کی۔ اب عورت یہ ناانصافی برداشت نہیں کر سکتی۔

موہن۔ تم ہماری جائداد میں حصہ چاہتی ہو؟ ابھی جو حق لڑکے کو ملا ہے وہ چھیننا چاہتی ہو؟ یعنی جس کو تم نے جنم دیا اس کا حق چھیننا چاہتی ہو۔

للیتا۔ تم نے کبھی اس پر بھی غور کیا کہ کتنے لڑکے اپنے باپ کے بعد اپنی ماں کی عزت کرتے ہیں وہ بچاری ایک روٹی کے لئے بہو اور بیٹے کا منہ تکتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ دنیا میں ماں سے محبت کرنے والے ہی نہیں۔ یہ قانون ان کے لئے نہیں ہے۔ یہ ان کے لئے ہے جو اپنی ماں کے ساتھ برا

برتاؤ کرتے ہیں، پھر سب ہی کے لڑکے لیے نہیں ہوتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خاوند کے بھائی بھتیجے دولت کے مالک بن جاتے ہیں اور وہ عورت جس نے خاوند کے ساتھ شکھ دکھ جھیل کر کچھ پس انداز کیا تھا وہ محروم کر دی جاتی ہے۔

موہن۔ بھائی بھتیجے اس وقت جائداد کے مالک سمجھے جاتے ہیں جب حصّہ الگ نہ ہو۔ مشترکہ خاندان میں بیوہ کی گذر اوقات اسی طریقہ پر ہوتی ہے جس طرح اس کے شوہر کی زندگی میں ہوتی تھی۔ حصّے الگ الگ ہوں تو بھائی بھتیجے کو کوئی حق نہیں پہنچتا۔ ہاں عورت کے مرنے کے بعد بھائی بھتیجے مالک سمجھے جاتے ہیں۔

للیتا۔ لیکن عورت کا جو حق ہوتا ہے وہ ادھورا، وہ جائداد کو نہ تو بیچ سکتی ہے اور نہ رہن رکھ سکتی ہے مرد جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ آخر عورت پر یہ قید کس لئے رکھی گئی ہے؟

موہن۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جائداد مرد کی پیدا کی ہوئی ہے، اس لئے بیٹے یا عورت کے بعد بھائی بھتیجوں کا ہی حق ہونا چاہیئے۔ اگر یہ قید نہ ہوتی تو عورت اپنے میکے والوں کو جائداد دے دیتی۔ میرا خیال ہے عورت کے بھائی بھتیجوں کے مقابلے میں شوہر کے بھائی بھتیجے زیادہ حقدار ہیں۔

للیتا۔ میں یہ نہیں جانتی۔ جب عورت مرد دونوں نے جائداد کی حفاظت کی ہے تو دونوں کا برابر کا اختیار ہونا چاہئے۔ اگر عورت پہلے مر جائے اور بچہ نہ ہو تو پر خاوند کے بھائی بھتیجے جائداد لے لیتے ہیں تو خاوند کے مرجانے پر عورت کا حق ہونا چاہیئے۔ پھر وہ چاہے اس جائداد کو لٹا دے یا اپنے بھائی بھتیجوں کو دے دے۔

موہن۔ اگر عورتوں کو یہ اختیار ملا تو بڑا نقصان ہوگا۔ تنگ خیال لوگ اب بھی اپنی لڑکیوں یا بہنوں کے ذریعہ مزے اڑاتے ہیں۔ تب تو ایسے لوگوں کو اور بھی آسانیاں ہو جاویں گی۔ بڈھوں کو جال میں پھانس کر خود جائداد کے مالک بن بیٹھیں گے۔

للیتا۔ تو کیا بڈھوں کی شادی کوئی زبردستی کرا دیتا ہے؟

موہن۔ یہ ٹھیک ہے لیکن ماں کا حق اولاد سے افضل ہو۔ یہ ایک مشکل سوال ہے۔ یورپ میں طلاق کا قاعدہ ہے۔ وہاں ایسے بہت سے واقعات پیش آتے ہیں۔ ابھی ہمارے ہاں اس کا رواج نہیں۔ ہاں کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خاوند کے بعد عورت دوسرا بیاہ کر لیتی ہے اور اس کے دیور جیٹھ اس کے بچوں کو لے لیتے ہیں، تو ایسی عورت کے ساتھ ناانصافی ہو سکتی ہے۔

للیتا۔ مرد کو اولاد کی بہتری کے لئے شادی کرنے سے کوئی نہیں روکتا ہے تو عورتوں کے لئے یہ قید کیوں ہے؟

موہن۔ اس لئے کہ مرد اگر چاہے تو سوتیلی ماں کے ہاتھوں اپنے بچوں کی حفاظت کرا سکتا ہے۔

للیتا۔ خود غرضی تو مردوں کے حصے میں پڑی ہے جب دیکھا کہ عورتیں اپنا حق مانگتی ہیں تو یہ نیا سوانگ رچایا کہ جائداد کا انتظام ہی ہو جائے گا جب جائداد ہی نہ رہے گی تو عورتیں میٹھی رہیں گی۔ لیکن جب تک جائداد ہے وہ اپنا حق لیں گی۔

موہن۔ حق لینے میں مزا ہے تو اس کے ساتھ کچھ تلخی بھی ہے۔ ابھی آرام سے دن بھر چارپائی پر پڑی رہتی ہو۔ پھر یہ مزے کہاں؟ گلی گلی ٹھوکریں کھاتی ہوں گی جب کہیں پیسے ملیں گے۔

للیتا۔ مرد تو پانچ چھ گھنٹے کام کر کے چھٹی پا جاتے ہیں۔ عورت کو تو ایک منٹ کی بھی فرصت نہیں ملتی۔ بچوں کی پرورش اور گرہستی کے کام کیا

لیٹے لیٹے ہو جاتے ہیں؟

موہن۔ جن گھروں میں عورتوں کو سارے کام کرنے پڑتے ہیں وہاں مردوں کو دفتر سے دم بھر کی فرصت نہیں ملتی۔ پھر بازار کا سودا سلف بچوں کی دیکھ بھال، پڑھانے لکھانے، ان سب باتوں میں وہ عورت کا برابر کا شریک ہے۔

للیتا۔ جب ہم مساوی حقوق کی خواہاں ہیں تو ہم کو اُن کے دوش بدوش کام کرنے کا بھی خیال ہے۔

موہن۔ پھر تو بڑا لطف آئے گا۔ دیوی جی دفتر جائیں مگر دفتروں سے تو لوگ نکالے جا رہے ہیں جگہ کہاں ملیں گی؟

للیتا۔ کچھ بھی ہو۔ عورتوں کو نصف جگہیں ضرور ملیں گی۔

موہن۔ منظور! تم دفتر جانا۔ میں بچوں کو لے کر پارک کی سیر کروں گا۔ کانگریس کے جلسوں میں لیکچر دوں گا۔ وہاں سے لوٹ کر ڈنڈ مگدر پھیرا کروں گا اور بیٹھے بیٹھے عمدہ عمدہ ناول پڑھوں گا اور تم دن بھر گھرکیاں اور دھکے کھا کر رونی صورت بنائے گھر آنا۔ سینکڑوں عیسائی عورتیں دفتروں میں کام کرتی ہیں ان سے پوچھو کہ ان کی زندگی کیسے گذرتی ہے؟ اگر مرد ان سے شادی کر لیتے تو وہ کبھی نوکری نہ کرتیں۔

للیتا۔ نوکری کرنا آسان ہے یا مشکل؟ اس کے متعلق عورتیں آپ سے رائے لینا نہیں چاہتیں۔ وہ جانتی ہیں کہ بغیر مشکل کام کئے ان کی عزت نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اب وہ آسان کام چھوڑ کر مشکل کام کریں گی۔ جب مردوں کو آسان کام کرنے کا تجربہ ہو جائے گا تب انہیں عورتوں کی قدر معلوم ہو گی۔ اگر مرد مشکل کام کر سکتے ہیں تو عورتیں بھی کر سکتی ہیں۔

موہن۔ اگر عورتوں کا یہی خیال ہے تو کر کے دیکھیں۔ مغرب میں کتنے ہی کام عورتیں کرتی ہیں لیکن خدا نہ کرے کہ ہماری عورتوں کی وہ دُرگت بنے۔

للیتا۔ آپ اس کی فکر نہ کریں۔ ذرا سوراج تو ملنے دو پھر دیکھ لینا عورتیں کتنی ترقی کرتی ہیں۔

موہن۔ اچھا یہ تو ہو نہیں سکتا کہ مردوں کا زندہ رہنا مشکل ہو جائے۔ عورت اس خوف سے ضرور ڈرے گی کہ کہیں اس کا شوہر اس کے ہاتھ سے نہ نکل جائے۔

للیتا۔ واہ اس وقت تو مردوں کی عقل ٹھکانے آئے گی۔ مجھے امید ہے کہ اُن کا چال چلن درست ہو جائے گا۔ عورت مَری اور فوراً دوسری شادی کر لی اور معصوم بچوں کی زندگی خراب کر دی۔ عورت سے ذرا بھول ہوئی۔ یا ان کی مرضی کے موافق نہ ہوئی تو اُسے فوراً چھوڑ دیا۔ اور دوسری شادی کر لی۔

موہن۔ بس بس اب میں ہارا اور تم جیتیں۔ بے شک مردوں کو ناانصافیوں سے باز آنا پڑے گا۔ عورت گھر کی دیوی ہے اس کو خوش اور مطمئن رکھنے کے لئے جس بات کی ضرورت ہو گی اس میں کوئی سمجھدار آدمی رکاوٹ نہ ڈالے گا۔ بس میری اس بات سے خوش ہو جاؤ۔

آلسہ ظفر بانو

(ترجمہ)

# جاں نثار بیوی

بھاگا میدان پلاسی سے سراج الدولہ
دیکھ کر اپنے نمک خواروں کی عیاری کو

جال پھیلایا تھا سازش کا بد اندیشوں نے
خوب چمکایا تھا یوں اپنی سیہ کاری کو

گرچہ فوجیں تو ضرورت سے سوا تھیں لیکن
لڑنے کب آئی تھیں، وہ نکلی تھیں غدّاری کو

یہ بھی سنتے ہیں کہ توپوں میں بھری تھی سرسوں
نہ سنا تھا کبھی اس قسم کی مکّاری کو

ان وطن دشمنوں کو دیکھ کے سب کہتے تھے
کیا ہوا ہند ترے جذبۂ خودداری کو

بندۂ حرص بھی ہمدرد ہوا کرتے ہیں؟
آہ، کیا جانیں یہ کمبخت وفاداری کو

صرف لُطف النسا، وہ زوجہ ہمدرد اس کی
نکلی اس حال پریشاں میں بھی غم خواری کو

گود میں بچی تھی اور فاقہ پہ فاقہ تھا مگر
رہی ہر وقت کمربستہ وہ دلداری کو

پونچھتی تھی کہیں آنچل سے پسینہ اس کا
کبھی رومال ہلاتی تھی ہوا داری کو

پہنچا اس طرح سے بہرام سراج الدولہ
میر قاسم کی مگر دیکھئے مکّاری کو

لوٹ کر مال و جواہر کیا نادار اس کو
ایسا نادار۔ کہ شرم آتی تھی ناداری کو

میر جعفر کی طرف بھیجا انہیں کر کے اسیر
جس نے رسوا کیا آئین جہانداری کو

یعنی زنداں ہی میں نواب کو کروایا شہید
اور تسکین دی یوں جذبۂ خوں خواری کو

چھوڑتی ہی نہ تھی لُطف النسا شوہر کا مزار
گویا یہ گوشۂ فردوس تھا بیچاری کو

محمود۔ اسرائیلی

# بچوں کی تربیت

جن والدین کو اپنی اولاد سے سچی محبت ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ آیندہ قوم ایک مضبوط قوم ہو ان کے نزدیک سب سے زیادہ ضروری کام اپنی پیاری اولاد کی تربیت ہے۔

تربیت کے دو جز ہیں اول قوائے ذہنی کی تربیت ہے اور دوم اعضائے بیرونی کی۔ یہ دونوں ساتھ ساتھ اس طرح شروع ہوتی ہیں گویا کہ لازم وملزوم ہیں۔ تربیت نصیحت۔ وعظ اور لکچر سے نہیں ہوا کرتی۔ اس کے لئے عمل کرنے اور بچوں سے کرانے کی ضرورت ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ بچے میں جو صفات اور خصوصیات پیدا کرنی ہوں ان کا ماحول پیدا کیا جائے۔ اسی وجہ سے جو عورتیں ماں بننے والی ہوتی ہیں ان کے لئے خوش رہنا۔ اچھی چیزوں کو دیکھنا۔ اچھی باتیں سننا ضروری قرار دیا گیا ہے کیونکہ قبل پیدائش بھی ماں کی ہر حالت اور ہر کیفیت کا اثر بچے پر پڑتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ پیٹ میں بچے کے وجود کے ساتھ ہی ساتھ پاکیزہ اور بہترین ماحول کی ضرورت ہو جاتی ہے۔ گھر کے ہر فرد کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ غم و غصہ کذب و شرارت کا ماحول نہ پیدا ہونے دے۔ اور اسی ماحول کی ضرورت پیدایش کے بعد بھی ہے۔ کیونکہ دودھ کا اثر بھی ماحول سے متاثر ہوتا ہے۔ دودھ چھوٹنے کے بعد اتنی احتیاط پھر بھی ضروری ہے کہ کم از کم بچے کو کسی قسم کے مناقشے یا جھگڑے کا علم نہ ہونے پائے اور نہ اُس کے سامنے ایسی کیفیت کو برقرار رکھا جائے جس سے کوئی بُرا اثر پڑ سکے۔

بیشک یہ باتیں ہمارے موجودہ تمدن اور تہذیب کے زمانہ میں ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہیں۔ آزادی میں کسی قسم کی بندش گوارا نہیں ہو سکتی لیکن اسلام کی ہدایات اور احکام پر صحیح عمل کرنے والوں کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں جن کا ایمان ہے کہ ہم اپنے ہی قول و فعل کے ذمہ دار ہیں۔ دوسرے کے نہیں جن کا یقین ہے کہ غصہ کو دبا لینا اور قصوروں سے درگذر کرنا پرہیزگاروں اور نیک کام کرنے والوں کی علامت ہے۔ جو یہ سمجھتے ہیں کہ لڑائی جھگڑے اور مناقشات توازن دماغی کو برباد کر دیتے ہیں جن کا اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام اطاعت کے لئے اور اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتباع کے لئے ہے اور جنہوں نے تزکیہ نفس کرکے اپنے نفسانی جذبات پر قابو پا لیا ہو جو حق کے قبول کرنے اور باطل کو چھوڑ دینے کے لئے ہر وقت اور ہر حالت میں تیار اور کمربستہ رہتے ہیں۔ اسلام کا مقصد ہی اس ماحول امن کو پیدا کرنا تھا۔ مگر اب زمانہ حاضرہ میں یہ باتیں درخور اعتنا نہیں۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ بچوں کی تربیت کس طرح ہو۔ تو پیٹ کے بچے سے لے کر تین برس کے عمر کے بچے کی تربیت کا جواب ہمارے پاس اس زمانے میں تو ہے نہیں اور آیندہ تربیت کے یہ دو زمانے تو مادی دنیا کے افکار اور تفریحات کے نظر ہو ہی گئے۔ جس کے ذمہ دار والدین اور گھر والے ہی خالصاً قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ البتہ تیسرا زمانہ ایسا ہے کہ اس میں بیرونی دنیا بھی حصہ لے سکتی ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں قوائے ذہنی اور اعضاء بیرونی عمل کی قوت حاصل کر لیتے ہیں۔ اور بچہ ان سے کام کرنا چاہتا ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے جس میں بچے کے ماحول کو وسعت ہوتی ہے۔ محلے کے بچوں کو

وہ گلیوں میں کھیلتا ہوا دیکھتا ہے۔ گالی گلوچ اور بیہودہ گفتگو سنتا ہے۔ لڑائی کا تماشہ دیکھتا ہے۔ اس کے دل میں ایک غلط امنگ پیدا ہوتی ہے اور وہ ان کا شریک بننا چاہتا ہے۔

اہل یورپ نے اپنے نظریہ کے مطابق اس کی اصلاح کے لئے بچوں کے مدرسے کھولے کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ والدین کو افکار و تفریحات سے اتنی فرصت نہیں کہ تربیت اولاد پر توجہ کریں۔ قوم کے اس تنزل کا احساس سب سے پہلے فروبل کے دل میں پیدا ہوا۔ اور اس نے تربیت کے اصول وضع کرکے سب سے پہلا کنڈرگارٹن قائم کیا۔ موجودہ زمانے کی آزادی اور اہل یورپ کے طریقوں سے متاثر ہوکر ہمارے ملک میں سب سے پہلے ہندو نے ادھر توجہ کی چنانچہ دہلی میں دو مدرسے ' ماڈل اسکول ' اور ہیپی اسکول Happy School چل رہے ہیں۔ مگر ان میں اپنی اپنی قومیت کا نظریہ کار فرما ہے۔ مسلمانوں میں اگرچہ تربیت اولاد پر مضامین عرصہ سے نکل رہے ہیں۔ مگر ابھی تک فیصلہ نہ ہوسکا کہ اس کی کوئی تدبیر بھی ہوسکتی ہے یا نہیں۔ زیادہ زور اسی بات پر ڈالا جارہا ہے کہ یہ کام والدین ہی کو کرنا چاہئے۔ ہمارے ناقص خیال میں کوئی باپ ایسا نہ ہوگا نہ کوئی ماں ایسی ہوگی جو تدابیر اور اصول تربیت جان کر اپنی اولاد کو محروم رکھے۔ فلہذا یا تو آج کل کے والدین اصول تربیت ہی سے واقف نہیں یا ان کو عملی جامہ پہنانے کی کسی نہ کسی وجہ سے قوت نہیں رکھتے یا اولاد کی اندھی محبت مانع تربیت ہوتی ہے۔ بہرحال جو کچھ بھی وجوہ ہوں حقیقت یہ ہے کہ گھروں میں آج کل تربیت نہیں ہوتی۔ سوال یہ ہے کہ ماں خصوصاً اور باپ عموماً فن تربیت سے واقف نہیں یا جان بوجھ کر پہلوتہی کرتے ہیں؟

میرے ناقص خیال میں مسلمانوں کے دو گروہ ہیں ایک تو وہ جو اصول تربیت ہی سے واقف نہیں۔ دوسرے وہ ہیں جن کا علم تربیت کے متعلق کتابی ہے اور وہ اس کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتے۔ خواہ اس کی وجہ عملی جامہ پہنانا نہ آتا ہو یا اس کی فرصت نہ ملتی ہو اگر یہ خیال صحیح ہے تو ظاہری نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مسلمانوں کو بچوں کی طرف سے مایوس ہوجانا چاہئے۔

ہماری صاحب ثروت بہنیں تو شاید یہ جواب دے دیں گی کہ ہم اس فرض سے غافل نہیں ہیں ہم نے یورپین گورنس اور اتالیق رکھ چھوڑے ہیں لیکن کبھی انہوں نے اس پر غور بھی کیا ہے کہ یورپین گورنس کس نظریہ کے ماتحت تربیت دے گی۔ آپ کے نظریہ (اسلامی) سے تو وہ واقف ہی نہیں ہے۔ اور وہ اتالیق جس کی خود علمی قابلیت نہایت محدود ہے اور اصول و تدابیر اور ترکیب تربیت سے واقف نہیں آپ کے ' اتالیق ' کہہ دینے سے ' اتالیق ' نہیں بن سکتا۔

آپ کے لئے یہ مسئلہ آپ کی پیاری اولاد کی فلاح و بہبود کا ہے اور قوم کی محبت اور خدمت کا دعویٰ کرنے والوں کے لئے قوم کی ترقی اور استحکام کا ہے۔ مگر اس کے حقیقی حل تلاش کرنے کی کسی نے بھی کوشش کی؟

حل تلاش کرنے کے لئے سب سے پہلے اس امر پر غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے کہ بچے کو کس قوم کا فرد بنانا مقصود ہے اس قوم کی تہذیب۔ کلچر۔ تمدن۔ خصائص کیا کیا ہیں۔ تاکہ بچے کے قوائی ذہنی کا ارتقاان باتوں سے خالی نہ رہے اور وہ بڑا ہوکر قوم کا اچھا اور کارآمد فرد بھی بن سکے۔ لیکن جس قوم نے اپنی قومیت کو نظرانداز کردیا ہو۔ جو ہر قوم میں مدغم ہوجانے کو کمربستہ ہو۔ جو اپنی قومی روایات و خصائص کو ذلت اور حقارت کی نظر سے دیکھتی ہو۔ اس کے سامنے یہ سوال ہی فضول ہے تاہم یہ ضروری ہے کہ بچے کو ایسے

اتالیق یا گورنس یا مدرسے کے سپرد کیا جائے جو قوائے ذہنی کو بیدار کرے اور اعضائے بیرونی سے صحیح کام کرانے کے فن سے واقف ہو۔

ہاں ان لوگوں کے لئے جو اپنے بچوں کو اسلامی قومیت کی تربیت دینا چاہتے ہیں۔ ضروری ہے کہ وہ تین سال کی عمر سے لے کر سات سال کی عمر تک چار برس کا نصاب تربیت تیار کر کے جلد از جلد تربیت گاہ کا انتظام فرمائیں۔ کیونکہ یورپین گورنس یا غیر اقوام کی تربیت گاہیں ان کے بچوں کے لئے موزوں اور مناسب نہیں ہیں۔

یہ یاد رہے کہ تربیت گاہ عملی جگہ ہے۔ کتابی جگہ نہیں ہے۔ ہاں کتابیں استادوں کی مدد کے لئے ضروری ہیں۔ بچوں کی کتابیں تو کھلونے اور ماحول کے عملی نمونے اور استادوں کی دلچسپ قصہ گوئی اور مشاہدات قدرت ہیں۔ کھلونوں ہی کے ذریعہ حرف شناسی حرفوں کا ملانا۔ الفاظ بنانا اور ان کا پڑھنا۔ گنتی۔ جمع۔ تفریق۔ ضرب تقسیم۔ روپیہ آنا پائی۔ گز گرہ۔ فٹ انچ کی بھی تعلیم ہو سکتی ہے اور اصل مقصد (یعنی تربیت) فوت نہیں ہوتا۔ اردو۔ انگریزی۔ فارسی۔ عربی کی بھی اسی طرح تعلیم دی جا سکتی ہے۔ مگر کم از کم ایک سال تک اردو کے ساتھ صرف ایک اجنبی زبان کو لے کر چلنا چاہیئے۔ لیکن ابتدا میں صرف اردو ہی پر اکتفا کرنا چاہیئے۔ میرا تجربہ ہے کہ چھ ماہ کے بعد اگر اجنبی زبان شروع کر دی جائے تو بچہ چل سکتا۔ اصولاً وہی الفاظ جو اردو میں بچہ جانتا ہے کھلونوں کے ذریعہ سے اجنبی زبان میں بتائی جائیں۔ اس طرح کہ ان کا انگریزی یا عربی یا فارسی نام لیا جائے۔ بچہ پر زور نہ ڈالا جائے کہ وہ رٹے۔ سنتے سنتے وہ خود بولنے لگے گا۔

تربیت گاہ میں جو استاد ہوں وہ محنتی۔ جفاکش ہنس مکھ۔ خندہ پیشانی۔ با محبت ہوں۔ یہ صفات ان کی علمی قابلیت سے بھی زیادہ ضروری ہیں۔ بچوں میں بچہ بننا جانتے ہوں۔

روپیہ کی کافی ضرورت ہے۔ مدرسہ فراخ جگہ اور وسیع ہونا چاہیئے۔ سامان ہر قسم کا ضروری ہے۔ کمروں میں دری کا فرش اور کم از کم دو کمرے بلا کپڑے کے فرش کے ہوں جن میں یکسار سیمنٹ کا پلاسٹر ہو۔ اوستادوں کی تنخواہ بھی معقول ہو۔ لیکن اگر اس کو ضروری سمجھا جائے تو اس خرچ کا انتظام مشکل نہیں ہے۔ میرے خیال میں بیس بچوں کی تربیت پر مدرسے کی صورت میں کل خرچ چار سو روپیہ ماہوار ہو گا۔ بشرطیکہ کھانا مدرسہ کے ذمہ نہ ہو۔ اس طرح فی بچہ بیس روپیہ ماہوار فیس ہوتی ہے اور مقامی لحاظ سے تربیت کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ناممکن نہیں ہے۔ اگر اپنے اپنے شہر میں مسلمان متفق اور متحد ہو کر تربیت گاہ قائم کریں تو ملک میں ہزاروں بچے تربیت یافتہ ہو جائیں۔ اور بیسیوں تربیت گاہیں قائم ہو جائیں اور بچے والدین کی آنکھوں کے سامنے رہیں۔

کیا ہماری محترم بہنیں جن کو اپنی اولاد سے سچی محبت ہے اور دلوں میں اسلام کا درد ہے۔ اس پر غور کریں گی اور تربیت گاہوں کو وجود میں لانے کی مقامی طور پر کوشش فرمائیں گی۔ ہمت اور استقلال ہو تو کوئی بڑی بات نہیں ہے۔

محمد عبدالغفار الخیری (دہلی)

# ہندوستان کی اسلامی ریاستیں

اب جبکہ ہندوستان کی مرکزی حکومت بھی دستور وفاق (فیڈریشن) پرعمل پیرا ہونے والی ہے اور مسودہ آئین جدید کے مطابق غالباً دیسی ریاستیں بھی اس میں شریک ہونے والی ہیں. مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان ریاستوں کے متعلق ضروری حالات سے ناظرات کو باخبر کیا جائے تاکہ ان کو ریاستوں کی مرتبہ ومختاری کی حدود سے پوری واقفیت ہوجائے پہلے ہم اسلامی ریاستوں کے متعلق مجملاً لکھتے ہیں، اس مضمون کی دوسری قسط میں جملہ ریاستہائے ہند کے حالات مختصراً قلمبند کئے جاویں گے۔

یہ ریاستیں جن سے توپوں کی سلامی اور لقب "ہز ہائی نس" وابستہ اور منسلک ہے، بروے معاہدہ اندرونی انتظام ریاست کے لئے خودمختار ہیں، محض نازک موقعوں پر ریاست ہی کے مفاد کی خاطر نہایت اہم معاملات میں حکومت ہند والیان ریاست کو اپنے مفید مشورہ سے مستفیض کرتی ہے. پولیس، فوج اور عدالتیں ریاستوں کی بالکل علیٰحدہ ہوتی ہیں. اور سزائے موت کا حکم قانوناً نافذ کرنے میں والیان ملک قطعی مختار ہوتے ہیں. جائداد کے عنایت اور ضبط کرنے کا بھی اختیار رکھتے ہیں. جلاوطن کردینے کے بھی مجاز ہوتے ہوتے ہیں. غرض والیان ریاست اپنی اپنی حدود میں لامحدود اختیارات رکھتے ہیں اور اپنی ریاست کے سیاہ وسفید کے مالک ہوتے ہیں. البتہ بیرونی معاملات میں بغیر رضامندی اور منظوری حکومت ہند کسی غیر مملکت سے تجارتی یا سیاسی تعلقات نہیں رکھ سکتے. اور اس باب میں حکومت ہند کی رہنمائی اور وساطت لازمی ہے۔

دورحاضرہ میں جبکہ یورپ زدگی عام ہوگئی ہے، اور دُنیا معاشرت، سیاست، اور تجارت میں اُس کی تقلید کر رہی ہے. دیسی ریاستوں میں اب بھی ہندوستان کی پُرانی شان کی جھلک نظر آتی ہے، خصوصاً رُوسا نے دربار و تہوار اور جلوس وملبوس کے لحاظ سے نہ صرف ہندوستان بلکہ ایشیا کی روایات شوکت وحشمت کو قائم رکھا ہے. دنیا بدلتی رہتی ہے. زمانہ نئے رنگ دکھاتا ہے. کائنات کی ہر چیز انقلاب پذیر ہوتی ہے. بعض چیزیں جلد بدل جاتی ہیں. بعض دیرتک اپنا روپ رنگ اور وجود قائم رکھتی ہیں. تخلیق کے اِس اُصول سے کوئی مستثنٰی نہیں ہے. رفتار وقت ریاستوں کے نظم ونسق میں بھی اصلاح چاہتی ہے. ضرورت کے مطابق مناسب اصلاحات ہر ریاست میں پیش نظر اور زیر غور ہیں. اور دستور وفاق ہند میں شامل ہونے کی تیاریاں ہورہی ہیں جس کے بموجب مرکزی حکومت کی مشاورت کے اداروں میں ریاستوں کے فرستادہ نمائندے بھی شریک ہوکر عملی حصہ لیں گے. برطانوی ہند کی نسوانی دنیا کو بھی ان ریاستوں سے بخوبی واقف ہونا چاہیئے۔

(۱) **حیدرآباد دکن**. ریاست کیا سلطنت ہے. بیاسی ہزار مربع میل رقبہ ہے. برار صوبہ کو بھی شامل کیاجائے اور میرے خیال میں ضرور کرنا چاہیئے تو ایک لاکھ مربع میل سے زیادہ رقبہ ہے. آبادی ڈیڑھ کروڑ نفوس اور بشمول صوبہ برار دو کروڑ سے زیادہ ہے. آمدنی ریاست کی تقریباً نو کروڑ روپیہ سالانہ ہے. اس کے علاوہ اور اِس سے بالکل علیٰحدہ اعلیٰحضرت فرماں روائے مملکت نظام کی ذاتی جاگیر ہے جو

"صرف خاص مبارک" کہلاتی ہے اور ڈیڑھ کروڑ سالانہ اُس کی آمدنی ہے۔ امرا عظام کی جاگیروں کی آمدنی اس سے قطعی الگ ہے جس کا اندازہ کم وبیش تین کروڑ کیا جاتا ہے۔ اکیس توپیں مستقلاً سلامی ہیں۔ موجودہ فرماں روا کا لقب اور نام یہ ہے۔

لفٹنٹ جنرل ہزاگزالٹڈ ہائی نس مظفر الملک الممالک نظام الملک نظام الدولہ آصف جاہ سابع نواب سر میر عثمان علی خاں صاحب بہادر فتح جنگ جی سی ایس آئی۔ جی بی ای۔ یار وفادار سلطنت برطانیہ والئ حیدر آباد۔

(۲) **بہاولپور (پنجاب)** رقبہ ساڑھے سولہ ہزار مربع میل ہے۔ آبادی نولاکھ چوراسی ہزار چھ سو بارہ نفوس ہے۔ آمدنی سالانہ تقریباً ستر لاکھ ہے مستقل سلامی سترہ توپیں۔ فرماں روائے حال کا نام نامی یہ ہے:- کرنل ہز ہائی نس رکن الدولہ نصرت جنگ سیف الدولہ حافظ الملک مخلص الدولہ ومعین الدولہ نواب الحاج سر صادق محمد خاں صاحب بہادر عباسی۔ جی سی آئی ای کے سی ایس آئی۔ کے سی وی او۔ ایل ایل ڈی والئ ریاست بہاولپور۔

(۳) **بھوپال (مالوہ)** رقبہ چھ ہزار نو سو چوبیس مربع میل ہے۔ آبادی سات لاکھ اُنتیس ہزار نو سو پچپن نفوس ہے۔ آمدنی سالانہ اسی لاکھ روپیہ ہے مستقل سلامی اُنیس توپیں۔ رئیس حال کا نام معہ خطاب یہ ہے:" کرنل ہز ہائی نس افتخار الملک سکندر صولت نواب حاجی سر محمد حمید اللہ خاں صاحب بہادر جی سی ایس آئی۔ سی۔ وی۔ او۔ بی اے۔ والی ریاست بھوپال۔

(۴) **ٹونک (راجپوتانہ)** رقبہ دو ہزار پانچ سو تریپن مربع میل ہے۔ آبادی تقریباً چار لاکھ نفوس ہے۔ چھ متفرق اضلاع ہیں۔ ٹونک نیماہیڑہ۔ علیگڈھ عرف محمد آباد۔ تین پرگنہ راجپوتانہ ہیں، اور سرونج۔ چھبرہ گوگورا و پڑاوہ تین پرگنہ مالوہ میں ہیں۔ آمدنی سالانہ قریباً تیس لاکھ روپیہ ہے۔ پندرہ بارہ لاکھ روپیہ سالانہ کی آمدنی کی جاگیریں امرا کے لئے اس کے علاوہ ہیں۔ سترہ توپیں مستقل سلامی ہیں۔ حکمراں موجودہ کا اسم گرامی اور القاب یہ ہے:- ہز ہائی نس سعید الدولہ، وزیر الملک، امیر الامرا مولوی حافظ نواب سر محمد سعادت علی خاں صاحب بہادر صولت جنگ جی سی آئی ای والئی ریاست ٹونک۔

(۵) **رام پور (یو۔پی)** رقبہ نو سو مربع میل ہے۔ آبادی چار لاکھ اُنسٹھ ہزار نو سو انیس ہے۔ آمدنی سالانہ پچاس لاکھ روپیہ ہے۔ مستقل سلامی پندرہ توپیں ہیں۔ موجودہ حکمراں کا نام اور خطاب یہ ہیں۔ میجر ہز ہائنس عالیجاہ فرزند دلپذیر دولت انگلشیہ مخلص الدولہ ناصر الملک امیر الامرا نواب سید رضا علی خاں صاحب بہادر مستعد جنگ والئی ریاست رامپور۔

(۶) **خیر پور (سندھ)** رقبہ چھ ہزار پچاس مربع میل ہے۔ آبادی دو لاکھ ستائیس ہزار ایک سو تراسی نفوس ہیں۔ سالانہ آمدنی پچیس لاکھ روپیہ ہے مستقل سلامی پندرہ توپیں ہیں۔ رئیس حال کا لقب یہ ہے۔ ہز ہائی نس نواب میر فیض محمد خاں صاحب بہادر تالپور میر خیر پور۔

(۷) **جوناگڈھ (کاٹھیاواڑ)** رقبہ تین ہزار تین سو سینتیس مربع میل ہے۔ آبادی پانچ لاکھ پینتیس ہزار ایک سو باون نفوس ہے۔ سالانہ آمدنی نوے لاکھ روپیہ ہے۔ مستقل سلامی تیرہ توپیں ہیں۔ ذاتی پندرہ توپیں ہیں۔ رئیس حال کا لقب یہ ہے۔ ہز ہائی نس نواب سر مہابت خانجی رسول خانجی بہادر جی سی آئی ای۔ کے سی ایس آئی۔ والئی ریاست جوناگڈھ۔

(۸) رادھن پور (گجرات) رقبہ ایک ہزار ایک سو پچاس مربع میل ہے۔ آبادی ستر ہزار پانچ سو تیس نفوس ہیں۔ سالانہ آمدنی بارہ لاکھ روپیہ ہے۔ مستقل سلامی گیارہ اتواپ ہیں۔ رئیس حال کا لقب یہ ہے۔ ہز ہائی نس نواب بسم اللہ خاں جی فتح دین خاں جی بہادر بابی والئے ریاست رادھن پور۔

(۹) پالن پور (گجرات) رقبہ ایک ہزار سات سو اناسی مربع میل ہے۔ آبادی دو لاکھ چونسٹھ ہزار ایک سو اناسی نفوس ہے۔ سالانہ آمدنی اندازاً بارہ لاکھ روپیہ ہے۔ مستقل سلامی تیرہ توپیں۔ رئیس موجودہ کا لقب اور نام یہ ہو۔ کرنل ہز ہائی نس رکن الدولہ نواب سر طالع محمد خاں صاحب بہادر جی سی آئی ای۔ کے سی وی او۔ کے سی ایس آئی۔ اے ڈی سی ٹو ہز میجیٹی کنگ امپرر۔ والئی پالن پور۔

(۱۰) جاورہ (مالوہ) رقبہ چھ سو دو مربع میل ہے۔ آبادی ایک لاکھ ایک سو چھیاسٹھ نفوس ہے۔ سالانہ آمدنی چودہ لاکھ روپیہ۔ مستقل سلامی تیرہ توپیں ہیں۔ رئیس وقت کا نام ولقب یہ ہے لفٹننٹ کرنل ہز ہائی نس فخر الدولہ نواب سر محمد افتخار علی خاں صاحب بہادر صولت جنگ کے سی ایس ای۔ کے سی آئی ای۔ والئے جاورہ۔

(۱۱) مالیر کوٹلہ۔ (پنجاب) رقبہ ایک سو پینسٹھ مربع میل ہے۔ آبادی تراسی ہزار بہتر نفوس ہیں۔ سالانہ آمدنی دس لاکھ روپیہ مستقل سلامی گیارہ توپیں۔ لفٹننٹ کرنل ہز ہائی نس نواب سر احمد علی خاں صاحب بہادر کے سی ایس۔ آئی۔ کے سی آئی ای والئے مالیر کوٹلہ

(۱۲) باؤنی کدورا (بندیلکھنڈ) رقبہ ایک سو اکیس مربع میل ہے۔ آبادی انیس ہزار ایک سو تیس نفوس ہے۔ سالانہ آمدنی ڈیڑھ لاکھ روپیہ ہے۔ مستقل سلامی گیارہ توپیں ہیں۔ رئیس حال۔ ہز ہائی نس اعظم الامرا افتخار الدولہ عماد الملک صاحب جاہ ہہین سردار نواب محمد مشتاق حسن خاں صاحب بہادر صفدر جنگ والئی ریاست باؤنی کدورہ۔

(۱۳) ایمبے کھمبایت (گجرات) رقبہ تین سو بانوے مربع میل ہے۔ آبادی ستاسی ہزار سات سو اکسٹھ نفوس ہے۔ سالانہ آمدنی چودہ لاکھ روپیہ ہے۔ مستقل سلامی گیارہ توپیں ہیں۔ رئیس وقت ہز ہائی نس نواب مرزا حسین یاور خاں صاحب بہادر والئے کھمبایت۔

(۱۴) جنجیرہ (جزیرہ بحر ہند) رقبہ تین سو اناسی مربع میل ہے۔ آبادی ایک لاکھ دس ہزار تین سو اٹھاسی نفوس ہے۔ سالانہ آمدنی گیارہ لاکھ روپیہ ہے۔ مستقل سلامی گیارہ توپیں ہیں۔ رئیس حال ہز ہائی نس نواب سیدی محمد خاں سیدی احمد خاں صاحب بہادر والئے جنجیرہ۔

(۱۵) سچین (صوبہ بمبئی) رقبہ انچاس مربع میل ہے۔ آبادی بائیس ہزار ایک سو سات نفوس ہے۔ سالانہ آمدنی چار لاکھ روپیہ ہے۔ مستقل سلامی نو توپیں ہیں۔ رئیس حال۔ نواب سیدی محمد حیدر محمد یاقوت خاں صاحب بہادر مبارز الدولہ نصرت جنگ والئے ریاست سچین۔

(۱۶) لوہارو (پنجاب) رقبہ دو سو چھبیس مربع میل ہے۔ آبادی تیس ہزار تین سو اڑتیس ہے۔ سالانہ آمدنی دو لاکھ روپیہ ہے۔ مستقل سلامی نو توپیں ہیں۔ لفٹننٹ فخر الدولہ نواب مرزا امین الدین احمد خاں صاحب بہادر والئے لوہارو۔

(۱۷) بنگنا پلی (دکن) رقبہ دو سو چھتر مربع میل ہے۔ انتالیس ہزار دو سو انتالیس نفوس ہے۔ ریاست کی سالانہ آمدنی

تین لاکھ روپیہ ہے۔ مستقل سلامی نو توپیں ہیں۔ نواب فضل علی خاں صاحب بہادر والئے ریاست بنگناپلی (دکن)

(۱۸) **بالاسنور** (**گجرات**) رقبہ ایک سو نواسی مربع میل ہے۔ آبادی باون ہزار پانچ سو چھپن نفوس ہے۔ سالانہ آمدنی تین لاکھ روپیہ ہے۔ مستقل سلامی نو توپیں ہیں۔ رئیس حال نواب جمعیت خاں منور خاں صاحب بہادر والئے ریاست بالاسنور۔

(۱۹) **چترال** (**سرحد**) رقبہ چار ہزار مربع میل ہے۔ آبادی اسی ہزار نفوس ہیں۔ سالانہ آمدنی معلوم نہیں۔ مستقل سلامی گیارہ توپیں۔ ہز ہائی نس مہتر سر نصیر الملک بہادر کے سی ایس آئی مہتر چترال (سرحد)

(۲۰) **سوات** (**سرحد**) رقبہ ایک ہزار آٹھ مربع میل ہے۔ آبادی دو لاکھ سولہ ہزار نفوس ہے۔ آمدنی سولہ لاکھ روپیہ سالانہ ہے۔ میاں گل، گُل شاہزادہ سر عبدالودود صاحب بہادر کے بی ای والئے ملک سوات۔

(۲۱) **انب** (**سرحد**) رقبہ دو پچیس میل۔ آبادی چھتیس ہزار نفوس۔ آمدنی سالانہ چار لاکھ روپیہ۔ میجر نواب خان زماں خاں صاحب بہادر کے سی آئی ای نواب انب۔

(۲۲) **قلات** (**بلوچستان**) رقبہ تہتر ہزار دو سو مربع میل بشمول صوبہ خاراں۔ آبادی تین لاکھ بیالیس ہزار ایک سو ایک آمدنی سالانہ علاوہ صوبہ خاراں کے پندرہ لاکھ۔ مستقل سلامی اُنیس توپیں ہیں۔

رئیس حال کا اسم گرامی معہ خطاب۔ لفٹنٹ ہز ہائی نس بیگلر بیگی میر احمد یار خاں بہادر خان قلات۔

**ولی احمد خاں** (جے پور)

(بقیہ صفحہ ۳۸۴) اتفاق سے کسی اجڈ سے سابقہ پڑ جائے۔ تو ہمارا ناک میں دم آجاتا ہے۔ ایک دفعہ کسی شاعر کو کسی پاگل کی صحبت میں رہنا پڑا۔ ان دونوں کا مکالمہ یہاں لکھنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

**شاعر**۔ بھائی تم کون ہو؟

**پاگل**۔ تم کون ہو؟

**شاعر**۔ میں شاعر ہوں؟

**پاگل**۔ میں ماعر ہوں؟

**شاعر**۔ (تعجب سے) ماعر کون ہوتا ہے؟

**پاگل**۔ پہلے تم بتاؤ شاعر کون ہوتا ہے؟

**شاعر**۔ شاعر اس کو کہتے ہیں جو شعر کہے؟

**پاگل**۔ ماعر اس کو کہتے ہیں۔ جو معر کہے؟

**شاعر**۔ (حیرت سے) معر کیا ہوتا ہے؟ ذرا اس کی تعریف کرو۔

**پاگل**۔ تم شعر کی تعریف کرو تو میں معر کی تعریف کر دوں گا۔

**شاعر**۔ شعر ایسے ہوتے ہیں۔ مصرع

باغ میں پھرتے ہیں۔ کیا خوش خوش چکور

**ماعر**۔ اچھا اب معر سنو۔

ماغ میں مرکے ہیں کیا مُش مُش مکور

**شاعر**۔ (اور بھی تعجب سے) مکور اور ماغ کسے کہتے ہیں۔

**پاگل**۔ پہلے تم چکور اور باغ کا حال بتاؤ۔

**شاعر**۔ چکور ایک جانور ہے۔ جو خوشی سے باغوں ٹہلا کرتا ہے۔

**پاگل**۔ مکور ایک مانور ہے جو مشی سے ماغوں میں مہلا کرتا ہے۔

اب شاعر نے خاموشی اختیار کر لی۔ کہ ایسے شخص سے بات کرنا خوامخواہ درد سر مول لینا ہے۔ مگر پاگل اسے کب چھوڑنے لگا تھا۔ بولا کہ چپ کیوں ہو گئے ہو۔ کچھ اور سناؤ۔

**شاعر**۔ عجب احمق سے پالا پڑ گیا۔

**پاگل**۔ مجب محق سے مالا مڑ گیا۔

اب تو بیچارے شاعر نے سر پیٹ لیا۔ اور کہا کہ خدا کے لئے جاؤ میرا پیچھا چھوڑو۔

# ہمنشینی

میں ملاقات انسانی فطرت کا تقاضہ ۔ اور مل بیٹھنے کی خواہش انسانی طبیعت کا خاصہ ہے۔ انسان کسی حالت میں بیکار رہنا نہیں چاہتا، اور تنہائی سے اسے قدرتی نفرت ہے۔ اس لئے جب اور جہاں تک ہوسکتا ہے وہ دوسروں کی ہمنشینی ڈھونڈتا ہے۔ یہ ایک تسلیم شدہ امر ہے۔ کہ تنہائی اور بیکاری میں طرح طرح کے فاسد خیالات انسان کو گھیر لیتے ہیں جس سے اس کے دل میں وحشت پیدا ہونے لگتی ہے۔ لارڈ بیکن کا قول ہے "جو شخص اکیلا رہ سکتا ہے وہ خدا ہے یا وحشی"۔ چنانچہ اکیلا رہنے والا شخص عموماً کورا اور جاہل رہتا ہے۔ کیونکہ علم و ہنر صحبت یا ہمنشینی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے۔ انسان پر صحبت کا اثر نامعلوم اور غیر شعوری طور پر ہوتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں۔ جو جس کی صحبت میں بیٹھا وہ ویسا ہی ہو گیا۔ ہر چیز کہ در کانِ نمک رفت نمک شد۔ انسان ہو یا حیوان صحبت کا اثر سب پر پڑتا ہے جس طرح حیوان انسان کی صحبت میں بہت سی انسانی عادات سیکھ جاتا ہے۔ اسی طرح انسان نیک صحبت میں رہ کر اچھی اور بُری صحبت میں رہ کر بُری عادات سیکھ لیتا ہے۔ کسی بزرگ کا قول ہے۔ کہ "لوہار کی صحبت سے عطار کی صحبت بہتر ہے۔ کیونکہ لوہار کی دوکان پر بیٹھو گے تو لوہا کوٹتے وقت گرم لوہے کی چنگاریاں تمھارے کپڑوں پر گر کر انہیں جلا دیں گی۔ اور عطار کی دوکان پر بیٹھو گے۔ تو خوشبو سے تمھارا دماغ اور کپڑے معطر ہو جائیں گے"۔ اچھی صحبت سے اچھی سیرت پیدا ہوتی ہے۔ اور بُری صحبت سے دل میں بُرے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ حضرت سعدی رح فرماتے ہیں۔ کہ میں نے گلاب کے پودے نیچے سے ذرا سی مٹی لے کر سونگھی تو مجھے اس میں سے بھی گلاب کی خوشبو آئی۔ میں نے اس سے دریافت کیا کہ تجھ میں یہ خوشبو کیسے پیدا ہو گئی"۔ وہ بولی کہ "گلاب کی صحبت میں رہنے کے باعث"۔ مولانا روم رح فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کسی آدمی کی ریچھ سے دوستی ہو گئی ایک عقلمند نے اسے نصیحت کی کہ حیوان بے عقل ہے اس لئے وہ تیری دوستی کے لائق نہیں۔ کسی لائق انسان سے دوستی کر کہ تجھے کچھ فائدہ بھی پہنچے۔ مگر اس نے اُس نے اس نصیحت پر کان نہ دھرا اور ہنس کر ٹال دیا۔ ایک دفعہ وہ آدمی اور ریچھ دونوں سفر کر رہے تھے۔ آدمی کو نیند آ گئی۔ وہ ریچھ کو حفاظت کے لئے بٹھا کر سو رہا۔ ریچھ بیٹھا مکھیاں ہلا رہا تھا۔ ایک مکھی بار بار آدمی کے منہ پر بیٹھتی تھی۔ ریچھ نے غصے میں آ کر ایک بڑا پتھر اس پر دے مارا مکھی تو کیا مرتی۔ ہاں آدمی کا سر پھٹ گیا۔ اور اس نے حیوان سے دوستی کا مزا چکھ لیا۔ مندرجہ بالا حکایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحبت کی نوعیت کتنی ضروری چیز ہے۔ ہم نشینی ہمیشہ ان لوگوں کی اختیار کرنی چاہئے۔ جن سے عقل و تمیز حاصل ہو۔ شرافت، امارت پر موقوف نہیں۔ بلکہ نادار لوگوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ اور یہ صرف محلوں یا عالیشان عمارتوں کے اندر نہیں ملتی بلکہ جھونپڑوں میں بھی موجود ہے۔ کم ظرف، متکبر، اور بد زبان امیر دوستوں کی صحبت سے منکسر المزاج، متواضع اور غریب دوست، بدرجہا بہتر ہیں۔ ہمیں عام طور پر گھر پر یا سکول کالج یا سوسائٹی میں اپنے ہمنشینوں یا ہمخیال لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ اگر

(بقیہ دیکھئے صفحہ ۳۸۳ پر)

# ایک جواں مرگ مظلوم کی یاد میں

آہ، اے بربادِ غم، اے نامرادِ زندگی　　اے جوانا مرگ، مظلوم اُمّ امین ہاشمی
آہ، اے آماجگاہِ جبر و ظلمِ ناروا　　اے شہیدِ جورِ چرخ، اے کُشتۂ تیغِ جفا
ہے تری بیوقت کی رخصت پہ دِل غم سے دونیم　　آہ اے بے ماں کی بچّی اے عفیفہ، اے یتیم
کردیا دستِ خزاں نے تیرا گلشن پائمال　　آہ، پورے بھی نہ ہونے پائے تھے چھبّیس سال
ہائے وہ صدمہ کہ جس سے ہوگئی تو ٹوٹ پھوٹ　　آہ تیرے قلبِ نازک کی وہ نامحسوس چوٹ
سوزشِ پیہم سے راہ مرگ تجھ پر کھل گئی　　شمع سوزاں کی طرح تو بات کہتے گھل گئی
کیسی نامسعود ساعت میں تری شادی ہوئی　　خانہ آبادی ہی تجھ کو خانہ بربادی ہوئی
رنج و غم جھیلے مگر نکلی نہ تیرے لب سے آہ　　تو نے ثابت کردیا کس طرح کرتے ہیں نباہ
گو مظالم سے تری کشتِ وفا تاراج تھی　　تجھ کو لیکن خاندانی عظمتوں کی لاج تھی
تو سوائے کلمہ ہائے شکر کچھ بولی نہیں　　مر مٹی لیکن شکایت میں زباں کھولی نہیں
تھی زباں منہ میں، مگر چُپ صورت تصویر تھی　　زیست تیری، خود فراموشی کی اک تفسیر تھی
جان دیدی، کی مگر پروا نہ اپنی ذات کی　　شرم رکھ لی تو نے اے آمن میری تعلیمات کی
تادم آخر وفا کی روح، آب و گِل میں تھی　　جس نے تجھ پر ظلم ڈھائے یاد اُسی کی دل میں تھی
تادمِ مرگ آتشِ الفت سے تپتی ہی رہی　　نام اپنے بھولنے والے کا جپتی ہی رہی
موجبِ تسکیں، تری تصویر تھی میرے لئے　　تو بھتیجی تھی، مگر ہمشیر تھی میرے لئے
پیشتر بھی میری قسمت میں رہا ماتم بہت　　تھا برابر کی بہن سے چھوٹنے کا غم بہت
تجھ سے لیکن پھر کلی پژمردہ دل کی کھل گئی　　میں سمجھتی تھی کہ مجھ کو اُمِّ سلمیٰ مِل گئی
کیا خبر تھی آہ تو بھی دل کو دیجائیگی داغ　　یہ نہ تھا معلوم گُل ہوجائے گا یہ بھی چراغ
کیا خبر تھی کھینچ کے اپنی الفتوں کے جوش میں　　آہ تو مرنے کو آئی ہے مری آغوش میں
کون ہے جو اس سرائے دہر سے جاتا نہیں　　کونسا وہ پھول ہے آخر جو مرجھاتا نہیں
گو ہر اک غنچہ پہ گُل چینِ خزاں کا ہاتھ ہے　　ٹوٹنا، بے وقت یوں لیکن قلق کی بات ہے
انجمن کی انجمن، مسرور تیرے دم سے تھی　　روشنی اس بزم میں اے نورِ تیرے دم سے تھی

زندگانی سے ہے اب بیزار جی تیرے بغیر
تلخ کیسی، تلخ تر ہے زندگی تیرے بغیر

جا کہ اب تو زیست کی آلودگی سے پاک ہے
تیرا نازک پیکرِ خاکی سپردِ خاک ہے

اس جہانِ بے بقا سے گو چلی تو نامراد
تجھ کو محشر میں ملیگی تیری مظلومی کی داد

جا خدا کے پاس لیکر اپنی امیدوں کا خون
الوداع اے جانہار "اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ"

وہ حقیقی منتقم، وہ غمزدوں کا دادرس
بے زبان و بیکس و مظلوم کا فریادرس

ہاں وہی جس کا طریقِ انتقام اک راز ہے
جس کی لاٹھی بے خطا ہے اور بے آواز ہے

ظالموں کو ظلم کا بدلہ چکھائے گا ضرور
مثل تیرے خون کے آنسو رُلائے گا ضرور

پائیگی لطفِ حیاتِ جاودانی تو مگر
تجھ پہ اے مرحومہ کھولے جائینگے جنت کے در

رُوح تیری پائیگی ماضی سے بہتر حال کو
جب بڑھیگی نکہتِ فردوس استقبال کو

آئیں گی گلزارِ جنت کی بہاریں جوش میں
رحمتِ حق لیگی خوش ہو کر تجھے آغوش میں

تجھ کو بخشے جائیں گے جو پھول ہیں جانِ بہشت
تو بنے گی موجبِ صد نازِ حورانِ بہشت

اُمِ زہرا ہاشمی

# قرآن شریف

دنیا کی الہامی کتابوں نے قوموں کی ترقی اور تنزل میں جو حصہ لیا ہے وہ تاریخ داں اصحاب کی نظر سے پوشیدہ نہیں۔ آسمانی کتابوں کا تو ذکر کیا معمولی معمولی مصنفوں کی کتابیں بھی جو انسانی دماغ کا نتیجہ ہوتی ہیں انقلاب پیدا کر دیتی ہیں۔ کارل مارکس کی کتاب "سرمایہ" کی اشاعت نے کئی ملکوں کی کایا پلٹ دی۔ اور یہ بات سب جانتے ہیں کہ انقلاب فرانس کا ایک بہت بڑا سبب روسو کی تصنیفات تھیں۔ کتب سماوی میں جو مرتبہ قرآن شریف کو حاصل ہے۔ آج اُسے دشمنانِ اسلام بھی تسلیم کرنے لگے ہیں۔ چنانچہ امریکہ کے ایک اخبار نے اپنے لاکھوں ناظرین سے دریافت کیا کہ اُن کے نزدیک دنیا کی سب سے زیادہ مفید چار کتابیں کونسی ہیں۔ جواب میں سب سے پہلے تو لوگوں نے متفقہ طور پر بائیبل (انجیل) کو بتایا اس کے بعد قرآن شریف کو تیسری کتاب میں اختلاف رہا۔ بعض نے ایچ۔ جی ویلز کی کتاب لکھی اور بعض نے برنارڈ شا کی۔

بہرحال اس واقعہ سے دنیا کو یہ تو معلوم ہو گیا کہ قرآن شریف کے متعلق اب وہ تعصب باقی نہیں رہا جو آج سے چند سال قبل مغرب میں موجود تھا۔ لیکن نہایت افسوس کے ساتھ اس تلخ حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ خود اہلِ اسلام اس چشمۂ رشد و ہدایت سے سیراب نہیں ہوتے اور وہ سیاسی معاشی۔ مدنی۔ لسانی۔ نسلی۔ قومی۔ الغرض دنیا بھر کے پیچیدہ مسئلوں میں گرفتار ہیں لیکن نہیں التفات تو صرف اُس رہنمائی کی طرف جسے خدا کا آخری پیغام کہا گیا ہے۔ اور جس کی رسی مضبوطی سے پکڑے رہنے کی نصیحت کی گئی ہے۔ علامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا ہے۔ ؎

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جب تک مسلمان پھر قرآن شریف کی طرف رجوع نہیں کریں گے۔ کسی قسم کی ترقی نہیں کر سکتے۔ اس کتاب میں یہ وصف موجود ہے کہ مردہ قوموں میں نئے سرے سے جان ڈال کر انھیں پھر زندہ کر سکتی ہے۔ نصیحتوں اور ہدایتوں کے اس نورانی کتاب سے چشمے اُبل رہے ہیں۔ مگر افسوس ہم اس طرف توجہ نہیں کرتے۔ کیونکہ ہماری ساری توجہ طلب زر اور کسب معیشت نے اپنی طرف کھینچ لی ہے۔

سورۂ احزاب میں صاف حکم موجود ہے کہ "تمھارے گھروں میں خدا کی جو آئتیں اور حکمت کی جو باتیں پڑھ کر سنائی جا رہی ہیں اُن کو یاد کیا کرو"۔ چنانچہ خود آنحضرت نہایت غور و فکر اور خشوع و خضوع سے تلاوت فرماتے تھے اور اپنے اصحاب کو قرآنی سورتوں کا ورد رکھنے کی تلقین کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ کو جب تبلیغ اسلام سے وقت ملتا قرآن

پڑھا کرتے یہاں تک کہ اونٹ پر سواری کے وقت بھی تلاوت جاری رہتی۔ راتوں کو مسلسل گھنٹوں لمبی لمبی سورتیں پڑھا کرتے یہانتک کہ آپ کے پائے مبارک ورم کر آتے۔ اورسورہ مزمل نازل ہوئی جس میں زیادہ قرأت و تلاوت سے روکا گیا ہے۔ صحابہ کرام میں سے اکثر کو قرآن کا بیشتر حصہ زبانی یاد تھا اور آپ ان سے فرمائش کر کے سنا بھی کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ کی روایت سے صحیح بخاری میں ایک حدیث ہے۔ جس میں وہ کہتے ہیں کہ "ایک بار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا آپ نے مجھ سے کہا عبداللہ! مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ۔ میں نے عرض کیا آپ کے سامنے قرآن کیا پڑھوں قرآن تو خود آپ پر نازل ہوا ہے اور آپ خود مجسّم قرآن ہیں" اس پر آپ نے فرمایا مجھے دوسروں سے قرآن سننے سے لطف آتا ہے۔ اس پر میں نے سورۂ نساء کے چند رکوع پڑھے"۔

عقبہ بن عامر سے ایک اور حدیث مروی ہے کہ ہم لوگ صفّہ میں تھے کہ حضور مسجد میں تشریف لائے۔ اور فرمایا "تم میں سے کون دو خوبصورت اونٹنیاں لینا پسند کرے گا؟" ہم نے کہا یا رسول اللہ ہم سب پسند کریں گے۔ اس پر آپ نے جواب دیا "تم میں سے جو شخص علی الصبح مسجد میں آکر دو آیتیں کتاب اللہ کی تلاوت کرے اور دوسروں کو پڑھائے وہ اس سے بہتر ہے۔ تین آیتیں تین اونٹنیوں سے بہتر ہیں"۔

ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا "وہ شخص جو قرآن پڑھتا ہے سنترہ کے پیڑ کی طرح ہے جس کا ذائقہ لذیذ اور خوشبو فرحت پیدا کرنے والی ہوتی ہے اور قرآن نہ پڑھنے والے کی مثال کھجور کے اس خشک پیڑ کی سی ہے جس میں نہ خوشبو ہے نہ مزہ"۔

ابن عمر سے مروی ہے کہ سوائے دو آدمیوں کے کسی سے رشک نہ کرنا چاہئے اول وہ شخص جسے خدا نے قرآن دیا اور وہ اسے دن رات پڑھتا اور پڑھاتا اور اس پر عمل کرتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے دولت دی جسے وہ اس کی راہ میں شب و روز خرچ کرتا ہے"۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ فرماتے تھے کہ "قرآن پاک تلاوت کرنے والے کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ اور جو شخص اپنی پیدائشی مجبوری سے قرأت میں لکنت کرے تو اسے دگنا اجر ملے گا"۔

الغرض آپ نے قرآن شریف کی تلاوت پر بہت زیادہ زور دیا۔ سمجھ کر تلاوت کرنے اور آیات پر عمل کرنے کا تو صلہ ہے ہی لیکن صرف زبان سے پڑھ لینے کا بھی بہت بڑا ثواب ہے۔ اور اسی ایک کتاب کی بدولت عرب کے جاہل لوگوں نے صحرائے خارزار سے نکل کر ساری دنیا کو فتح کر لیا تھا۔ ان میں زندگی تھی۔ حرارت تھی۔ جوش عمل تھا اور جو کچھ اخلاقی خوبی تھی وہ سب اسی کتاب الٰہی کا کرشمہ تھی۔ آج یہ حالت ہے کہ ہماری کالج جانے والی لڑکیوں کو یہ تو معلوم ہے کہ ہنری ہشتم کے کتنے بچے تھے۔ لیکن یہ نہیں معلوم کہ حضور سرور عالم کی کتنی صاحبزادیاں تھیں۔ اور ان کے کیا نام تھے۔ میرا یہ مضمون پڑھنے والیاں خود ہی سوچیں کہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ ٹینی سن کی خالہ کہاں رہتی تھی لیکن یہ پتہ نہیں کہ فلاں سورت مدنی ہے یا مکی۔ ہمیں یورپ کے ناول نویس اور افسانہ نگاروں کے کمالات فن پر عبور حاصل ہے۔ اور ہم بے تکان ان پر تنقید کر سکتے ہیں لیکن ہمیں اس کتاب کے پڑھنے کی مہلت نہیں ملتی جسکا نام

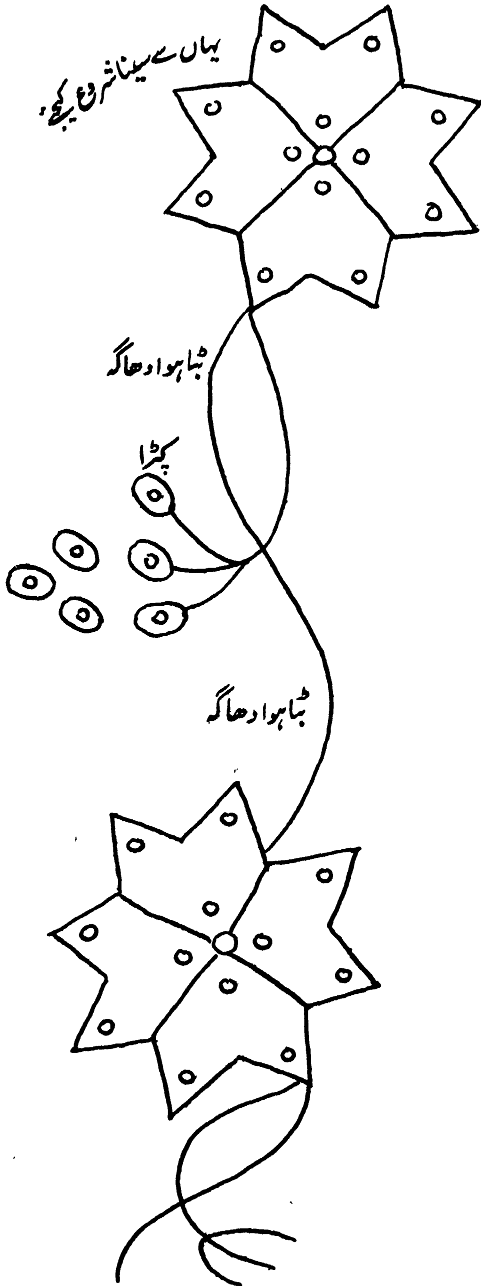
قرآن شریف ہے۔ ہمارے مدرسے کالج اور دیگر تعلیمی ادارے سب آیات آلہی کی گونج سے خالی ہیں۔ وہاں الجبرا۔ نیچر سٹڈی اور جیومیٹری پڑھائی جاتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی وہ کتاب جو ہمیں پھر زندہ کر سکتی ہے نہیں پڑھائی جاتی گھر والے پر والدین بچوں کو سی۔ اے۔ ٹی کیٹ۔ کیٹ معنی بلی تو بتلاتے ہیں۔ لیکن قرآن شریف پڑھانا تضیع وقت سمجھتے ہیں۔ جب یہ حالت ہو کہ قرآن شریف سے نعوذ باللہ ایک قسم کا بیر ہو گیا ہو تو اُس قوم کی ترقی کرنے کی کیا اُمید کی جا سکتی ہے۔ انگریزی تعلیم سے پہلے پھر حالت غنیمت تھی اور بچوں سے قرآن خوانی (حفظ یا ناظر خواں) ضرور کرائی جاتی تھی گھر بھر کے لوگ صبح سویرے بیدار ہو کر حوائج ضروری کے بعد سب سے پہلے قرآن شریف کی تلاوت کرتے تھے۔ سارا گھر اُن شیریں آیتوں سے گونجا کرتا تھا جنہیں حضرت جبرئیل آسمان سے لائے تھے۔ لیکن اب یہ حالت نہیں رہی۔ وہ لوگ جو قرآن شریف پڑھتے اور پڑھاتے ہیں اُنھیں غیر مہذب اور جاہل سمجھا جاتا ہے۔ اگر مذہب کی طرف سے بے التفاتی کا یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہا تو میں آپ سے دریافت کرتی ہوں کہ ہمارے پوتوں کے پوتے اسلام اور قرآن کے بارے میں کیا جانتے ہوں گے۔ شاید ان کا نام تو اسلامی باقی رہجائے باقی کوئی علامت ایسی نہ رہیگی جس سے وہ دیگر اقوام سے تمیز کئے جا سکیں۔ اگر مسلمانوں میں بیداری پیدا ہو رہی ہے تو اس بیداری کا مفہوم یہ ہونا چاہیئے کہ ہم اپنے لڑکے اور لڑکیوں کی تعلیم کا ایسا بندوبست کریں جس سے اُنھیں اپنے دینی شعائر کا بھی علم ہو۔ پروفیسر لیبان کہتے ہیں کہ "کوئی قوم اُس وقت تک اُبھر نہیں سکتی جب تک اُس کے افراد میں اخلاق اچھے پیدا نہ ہوں" اور اخلاق کی تعمیر بجز قرآن کے اور کسی طرح ممکن نہیں ہے۔

یہ جو بعض ترکی ٹوپیاں معزز کرسیوں پر جلوہ افروز ہیں۔ یا بعض سوداگروں کے اسلامی نام ہیں آپ ان سے دھوکہ میں نہ آئیں کہ اس طرح آپ کی قوم ترقی کر رہی ہے۔ یہ تو اور گھن لگ رہا ہے۔ غلامانہ اور دنیادارانہ ذہنیت بڑھ رہی ہے خود غرضی اور نفسا نفسی کا راج ہے۔ ایثار اور قربانی خدمت خلق اور اسی قسم کے دیگر برگزیدہ جذبات تو صرف قرآن سے پیدا ہوں گے۔ صرف یہی ایک کتاب ایسی ہے جس پر پابند ہو کر ہم دنیا اور دین دونوں میں سرخروئی حاصل کر سکتے ہیں۔

اس لئے بہنو! قرآن پڑھو اور پڑھاؤ ترقی کا یہی ایک ذریعہ ہے۔

زبیدہ زرّیں (قلعہ گوالیار)

# قمیص کے گھیر پر جالی میں پھول پتی کا کام




یہ کام بہت آسان ہے اور بن کر بیحد خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ امید ہے کہ جوہر بہنیں پسند فرمائیں گی۔ میں نے ایک قمیص پر یہ نمونہ بنایا ہے۔ جو کہ بے حد نفیس معلوم ہوتا ہے۔ بغیر کلف کا آدھ گز لٹھا لیجئے اور ایک لڑا ستارہ سچے۔ کیونکہ اگر جھوٹے ہوں گے تب دھوبی کے ہاں جاکر خراب ہو جائیں گے۔ اب نمونہ کے پھول کے مطابق کاٹ لیجئے۔ اور خوشۂ انگور کے واسطے گول پتیاں کاٹ لیجئے۔ یہ نمونہ کاغذ پر اتار کر قمیص کے گھیر پر ٹانک لیجئے۔ تاکہ بیل ٹیڑھی ترچھی نہ ہونے پائے۔ اب نمونہ کے پھول رکھ کر باریک تُرپائی کریئے۔ سیدھی طرف بہت چھوٹا ٹانکا رہنا چاہیئے۔ بڑا ٹانکا بدنما معلوم ہوگا پتی کو نیچے سے اوپر کی جانب سی کرتے جائیے۔ جب پتی تھوڑی باقی رہے اُس وقت ستارہ رکھئے گا۔

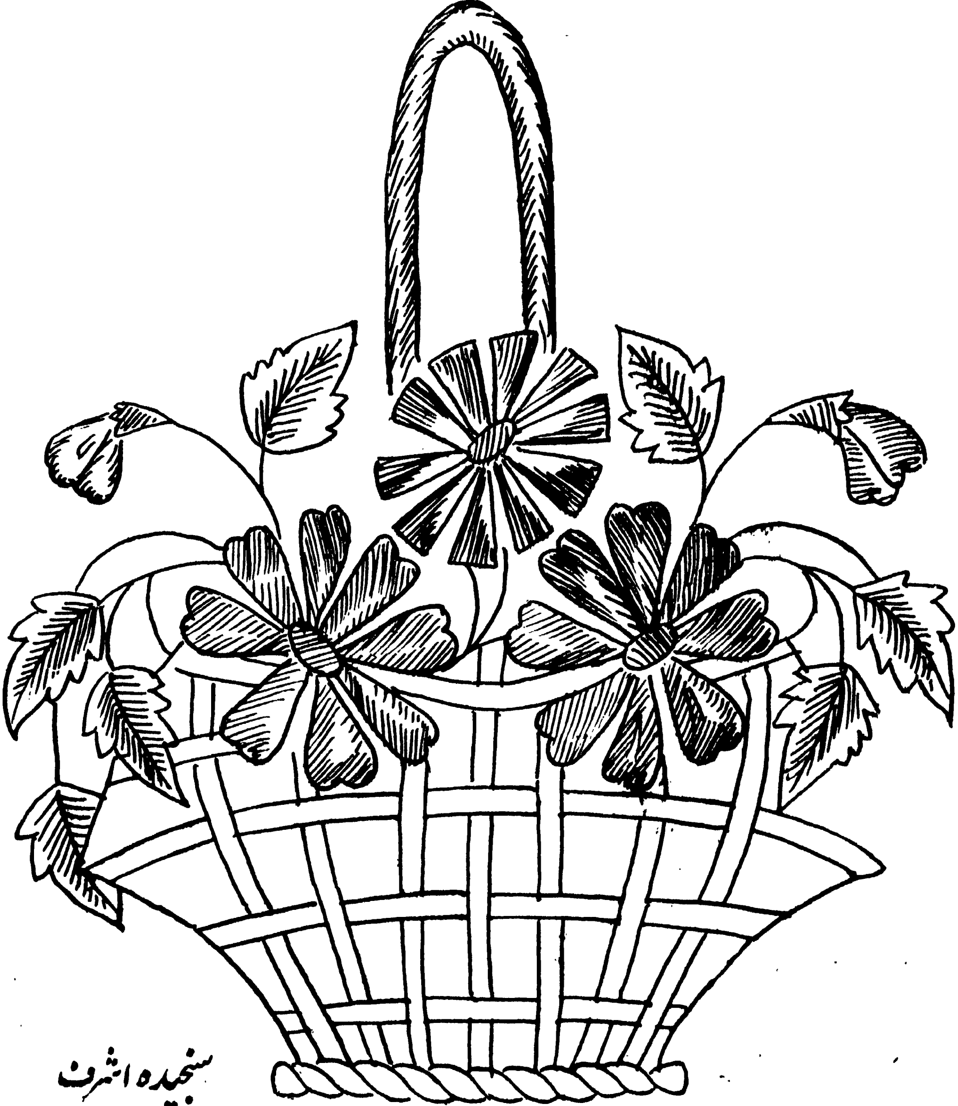
ایسے ہی تمام سیتی جائیے۔ جب پھول تیار ہو جائے تب ڈنڈیاں باریک دھاگہ بٹ کر اس کی لگائیے۔

ایسے ہی خوشۂ انگور بھی تیار کیجئے۔ لیجئے بیل تیار ہے آستین پر بھی بیل بنا لیجئے گلے پر اگر آپ کو پسند ہو تب کوئی خوبصورت نکلس بنائیے۔ ورنہ پھر کا لر لگا لیجئے گا۔

ہمشیرہ کنور عماد احمد خاں ارنواںپور

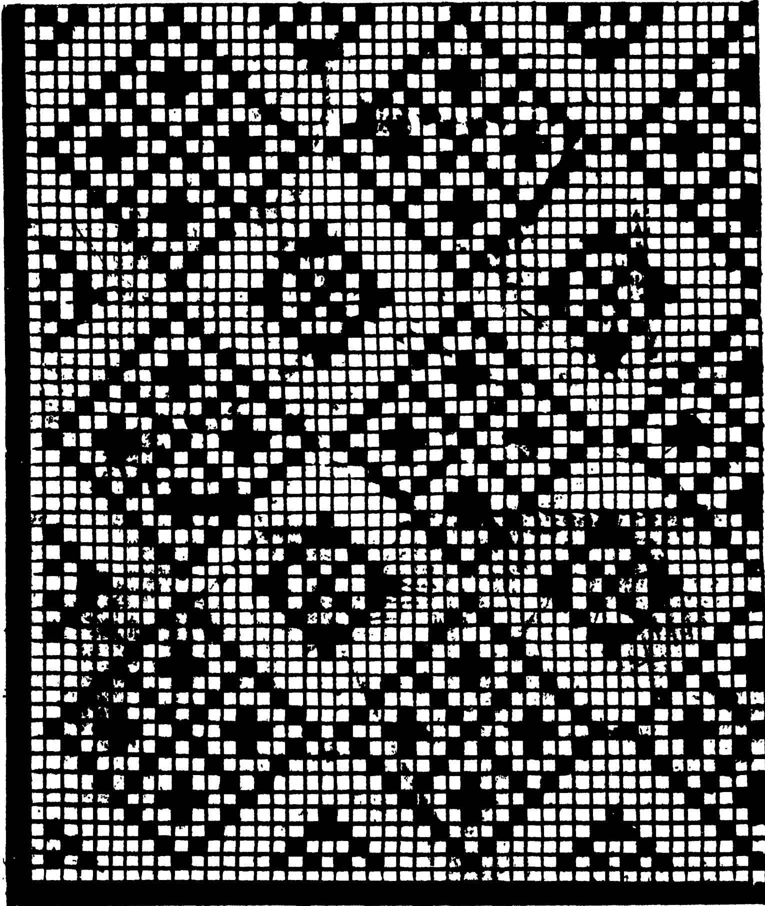
# پھولوں کی ٹوکری

حسب پسند مگر خوشنما رنگ کے دھاگوں سے کاڑھیئے۔ صفائی اور کڑھت کی نزاکت مقدم ہے



سنجیدہ اشرف

# کروشیا کا کام



دُردانہ

# خانہ داری

### جس میں سنگھار و آرائش بھی شامل ہے

**مالش کا طریقہ** جلد کو تازہ کرنے اسے مہکنے کے لئے کولون وغیرہ لگاتے وقت ہدایت کی جاتی ہے کہ اسے تھپکی سے لگایا جائے۔ تو اس سے مراد یہ نہیں ہوتی کہ رخسار پر چپت بازی کی مشق ہونے لگے۔ تھپکی سے مراد بہت ہلکے طریقہ سے پوروے کو رخسار پر رکھنا اُٹھانا پھر رکھنا ہے۔ اگر اس تھپکی میں زور کے ٹھوکے لگے جائیں تو ایک وقت آئیگا کہ رخسار سخت ہو جائیں گے۔ اور اُنگلیوں کی چوٹوں سے جھائیوں کے سے داغ پڑ جائیں گے۔ جلد کی دلفریبی جاتی رہے گی۔ مالش سے بھی یہ مراد نہیں ہے کہ برتن کی طرح کوئی دوا ملی جائے۔ صاف کرنے والی کریمیں جلد پر رکھتے ہی پگھل جاتی ہیں اور اُنھیں جلد میں جذب کرنے کے لئے کسی زور کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ خود ہی جلد میں جذب ہو جاتی ہے۔ زور سے مالش کرنے سے پٹھوں کو نقصان پہنچ جاتا ہے۔ سر کی مالش میں بھی اعتدال مدنظر رکھنا چاہئے۔

**سنگھاری ہدایات** بعض عورتوں کے چہروں پر رواں یا بال اُگ آتے ہیں۔ اُنھیں اطمینان رکھنا چاہئے کہ آج کل کی کریمیں اُنھیں اُگانے کا باعث نہیں۔ چہرہ ایسا نازک مقام ہے جہاں سے بال معمولی ادویہ سے دور کرنے بڑے ہی خطرناک ہیں۔ ابھی ہمارے ملک میں وہ طریقے رائج نہیں ہوئے جن کی مدد سے بال کسی قسم کا نقصان پہنچائے بغیر دور کر دیئے جاتے ہیں۔

آنکھیں چھوٹی معلوم ہوتی ہوں تو نظری دھوکہ سے کام لینا چاہئے۔ ابروؤں کی پنسل سے نیچے کی پلکوں کے عین نیچے لکیر کھینچ دیں۔ پوروں سے اس لکیر کو ملیں کہ وہ حباب سی معلوم ہونے لگے۔ آنکھیں اُبھری ہوئی اور بڑی معلوم دینے لگیں گی۔ اگر پلکوں کا بھی سنگھار کر لیا جائے تو اور بھی سونے پر سہاگہ ہو جاتا ہے۔

اگر ٹھوڑی لمبی اور تنگ ہو تو ذرا سا روژ ٹھوڑی کی نوک پر لگا کے اندر کی طرف ملیں۔ یہ حباب سی کیفیت ٹھوڑی کو کم نمایاں ہونے دے گی۔

پوڈر ہمیشہ رخسار کے نیچے سے اوپر کو لگانا چاہئے۔ ہلکے ہلکے تھپک کے پوڈر اوپر اور چہرہ کے بیچ میں ملتے ملتے لے جایا جائے پھر کے سے زور زور سے ملنا اچھا نہیں گو اس سے سنگھار خراب تو نہیں ہوتا مگر یہ طریقہ خوشنما نہیں۔ کپڑوں کو بھی خراب کرتا ہے اور چہرہ بھی اتنا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ جتنا ہلکے تھپکنے سے ہو جاتا ہے۔ ناک پر آخر میں پوڈر لگایا جائے۔ اس جگہ اس طریقہ سے کم پوڈر لگیگا۔ جس سے یہ فائدہ ہوگا کہ ناک زیادہ نمایاں نہ ہونے پائے گی۔

برتنوں کے اجھنے سے ہاتھ خراب ہو جایا کرتے ہیں۔ جب پانی میں ہاتھ ڈالنے کا اتفاق ہو ہر دفعہ اُس وقت ہاتھوں کا لوشن (Hand lotion) کے چند قطرے مل مل کر جلد میں غائب کر دیں ہاتھ ملائم اور دلکش ہو جائیں گے۔

**کانوں کی رعنائی** سنگھار کے وقت کانوں کا بھی دھیان ضروری ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ اُن پر بھی پوڈر بازی کی جائے بلکہ مقصد یہ ہے کہ اُن کی کیفیت کا بخوبی اندازہ کرکے ان کا سنگھار زدی پوشیدگی یا بالکل چھپاؤ سے کرنا چاہئے۔ اگر کانوں کی جلد بے طرح چمکتی ہو تو پوڈر نہایت حباب سا لگا کر اس چمک کو دبا دیں۔ بالوں کو بناتے وقت کانوں

کا مناسب انتظام کیا جا سکتا ہے۔ کان بڑے اور غیر دلکش ہوں تو بالوں کے بہت سے چھلّے بنا کر ان میں ان کو چھپا دیں۔ لمبے کانوں کے لئے بندے وغیرہ سراسر ظلم ہیں۔ کیونکہ بندوں کی وجہ سے دوسروں کی نظر میں خواہ مخواہ ان کی طرف اٹھتی ہیں کانوں کی لوؤں اور کانوں کی پشت پر ذرا سی خوشبو لگا دینے سے دلکشی میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔

**پانی سے صاف جلد** بہت سے چہرے بے رونق ہوتے ہیں اور رنگ ماند رہتا ہے۔ یہ لوگ پانی پینے میں بخل سے کام لیتے ہیں اگر وہ کافی پانی پئیں تو خوبصورتی پیدا کرنے کے علاوہ رنگ کو بھی نکھار دے گا۔ ٹھنڈا پانی جو کا پانی یا لیموں کا پانی سب مفید ہیں۔ دن بھر میں اگر چھ نہیں تو چار گلاس پانی ضرور پینا چاہیئے۔ اگر انھیں کھانوں کے درمیانی وقفوں میں پیا جائے تو بہت مناسب ہے۔ بعض آدمی صبح اٹھتے ہی اور سوتے وقت کافی پانی پیتے ہیں۔ اور دونوں کھانوں کے بیچ میں ایک گلاس پیتے ہیں ان کی چربی چھٹ جاتی ہے اور ان کا رنگ بھی نکھر جاتا ہے۔

تیز چائے اور قہوہ ترک کر دیں دودھ میں جلد کو نکھارنے کی خاص خوبی موجود ہے خاص کر خشک جلد والوں کے لئے یہ بہت مفید ہے۔ اگر آپ کو خوبصورتی مقصود ہے تو صبح اٹھتے ہی اور سوتے وقت ایک پانی کا گلاس ضرور پی لیا کریں بچوں کو بھی اسکی ترغیب دینی چاہیئے

**سنگھاری ٹوٹکے** خوشبو لگانے کے بیشمار طریقے ہیں بعض سر پر چھڑک لیتے ہیں بعض کپڑوں کے حاشیوں پر اسے لگاتے ہیں ایک عورت کپڑے دھونے کے بعد آخری پانی میں اپنی محبوب خوشبو ڈال کر کپڑے اس میں کھنگا لتی ہے جب وہ سوکھ جاتے ہیں تو اس خوشبو کی رمق باقی رہ جاتی ہے جو بہت اچھی معلوم ہوتی ہے

چہروں پر چھائیاں پڑ جایا کرتی ہیں۔ خون کی خرابی اس کی وجہ ہے۔ لیکن بعض اوقات سر کی خشکی سے بھی یہ نقص نمودار ہو جایا کرتا ہے۔ اندرونی صفائی کے علاوہ تازہ ہوا ورزش اور مناسب غذا اس کا علاج ہیں۔ اس کے باوجود بعض کے چہروں پر یہ چھائیاں نمودار ہو جاتی ہیں یہ مرض بالوں کی وجہ سے ہو جایا کرتا ہے۔ ہفتہ میں ایک دو دفعہ بال مناسب طریقہ سے دھو لیا کریں۔ اور بفا دور کرنے کی ہدایات پر عمل کریں جو پہلے بارہا دی جا چکی ہیں۔

پوڈر لگانے کی بھی ترکیب ہے پہلے کوئی اڑ جانے والی کریم (Vanishing Cream) ہلکے ہلکے پھیلا دیں پھر پھر کر پوڈر میں خوب ڈبو کر چہرہ پر پیشانی سے ٹھوڑی کے نیچے تک اس طرح جما جما کر لگائیں کہ پوڈر بیٹھتا چلا جائے۔ چھڑک دینا کافی نہیں اگر پھر کہ نہ ہو تو ملائم روئی یعنی کاٹن وول (Cotton Wool) سے کام لیں۔ پوڈر لگا چکنے کے بعد دوسرے پھر کہ یا روئی کے پھوئے سے زائد پوڈر چہرے پر سے جھاڑ دیں۔ اس طریقہ سے پوڈر گھنٹوں تک چہرہ پر بخوبی قائم رہ سکیگا۔

**چکنی جلد** اچھی جلد وہ ہے جو نہ بہت خشک ہو اور نہ بہت چکنی ہو۔ جلد کا اچھا برا ہونا اپنی اپنی حالت پر منحصر ہے۔ اس لئے عام قواعد اس کے لئے وضع نہیں کئے جا سکتے۔ آب وہوا خوراک، ورزشی اور نسلی امتیازات کو نظر میں رکھنا پڑتا ہے۔ ہمارے ملک میں صوبہ وار جلدوں میں فرق ہے۔ غذا میں تیل کا حصہ زیادہ ہوتے ہوئے گرم آب وہوا جلد کو زیادہ چکنی بنانے کا باعث ہوتی ہے بہت چکنی جلد میں آب وتاب اور دلکشی بہت کم ہوتی ہے۔ یہ چکنائی روکی جا سکتی ہے۔

رات کو سونے سے پہلے چہرہ گرد وغبار سے بالکل صاف کر لینا چاہیئے۔ جو بیبیاں پوڈر وغیرہ استعمال کرتی ہیں وہ اس سنگھار کو اس وقت بالکل صاف کر دیں۔ اس کے لئے صاف کرنے والی کریم (Cleansing Cream) استعمال کریں۔ یہ ہر رات کی صفائی ہر قسم کی جلد والی بیبیوں کو لازمی طور پر کرنی چاہیئے۔ چکنی جلد والوں کو کوئی جلد سکیڑنے والی Astringent بھی لگانی پڑے گی۔ یہ چکنائی کو عام طور سے روک دے گی۔ اور مساموں کو سکیڑ دے گی۔ کیونکہ چکنی جلد میں مسام بڑے بڑے بخوبی نمایاں ہوتے ہیں۔ صبح کو یہ دوا پھر لگانی چاہیئے۔ دوسری جلد والی بیبیاں اس کی بجائے جلد کو تازہ کرنے والی دوا

(Skin Freshner) لگائیں۔ رات بھر میں جو چکنائی جلد پر آ جائے گی اسے یہ دُور کر دے گی۔ علاوہ ازیں جلد صاف اور ہموار ہو جائے گی۔ سنگھار کرتے وقت معمولی بنیادی کریم نہ لگائیں بلکہ کوئی ہنی سکل کریم (Honey Suckle Cream) لگائیں۔ یہ پوڈر کی بنیاد کا کام دینے کے علاوہ جلد کو خوراک دینے کی بجائے کسی قدر سکیڑے گی۔

مندرجہ بالا ہدایات سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ خشک جلد والوں کے مقابلہ میں چکنی جلد والوں کو جلد تازہ کرنے والی ادویہ کے بجائے سکیڑنے والی دوا اور معمولی بنیادی کریم کے بجائے ہنی سکل کریم لگانی پڑتی ہے۔ گو یہ فرق بہت معمولی ہیں مگر نتائج زبردست ہونگے یعنی چکنائی بہت کم ہو جائے گی۔ جو دلکشی اور آب و تاب میں خلل ڈالتی ہے۔

## خانگی ٹوٹکے

ٹانگوں کو خوبصورت رکھنے کے لئے مالش کی ضرورت ہے۔ انھیں نرم اور خوبصورت بنانے کے لئے باقاعدگی سے اس طرح ان کی مالش کریں کہ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں میں تھوڑی سی کریم لے کر ان پر اس طرح ملیں کہ بائیں ہاتھ کی انگلیاں مضبوطی سے تلوے کو پکڑیں اور دائیں کی انگلیاں پاؤں کے اوپر ہوں پھر مضبوطی سے ان کو اوپر کی جانب کھینچتے ہوئے لائیں دونوں ہاتھ ٹخنوں ٹخنوں تک لا کر گھٹنوں تک اور پھر رانوں پر لے آئیں۔ ہر پاؤں پر ایسا چھ چھ دفعہ کریں اس کے بعد یو ڈی کولون (Eau de Cologne) لگائیں۔ جس سے ٹھنڈک پڑے گی۔

پوستین صاف کرنے کے لئے فلرس ارتھ (Fuller's Earth) لے کے خشک کریں اور اسے پوستین میں ملیں اور تین گھنٹے بعد برش کر دیں۔ چکنائی میل گرد و غبار جو کہ وغیرہ کی جگہ جمع ہو جایا کرتا ہے فوراً جھڑ جائے گا۔

قہوہ کے تازہ دھبے دُور کرنے کے لئے ایک انڈے کی زردی میں گلیسرین ملائیں اور ململ کے کپڑے کے ذریعہ پر اچھی طرح لگا دیں۔ پھر گرم صابن دار پانی میں دھو ڈالیں

چیونٹیاں ستائیں تو بورا بکھیر دیں وہ نکل نکل کر اس کے ذرے اپنے بلوں کی طرف لے جائیں گی اس طرح ان کے مقامات معلوم ہو جائیں گے اب ان سوراخوں میں پیرافین (Paraffin) یا کوئی تیز جراثیم کش دوا ڈلوا دیں۔

آبنوس یا ہر کالی لکڑی اس طرح بخوبی صاف کی جا سکتی ہے کہ صافی کو گرم کر کے اس پر روغن کے چند قطرے ڈال کے لگائیں گھنٹہ بھر بعد نرم خشک کپڑے سے جلا دیں۔

ایک چمچہ گلیسرین آدھے پیالے میتھی لیٹڈ سپرٹ میں ملائیں اور خوب ہلا کے بوتل میں بھر دیں۔ اس میں سے تھوڑی سی مقدار منہ پر ملیں۔ دھند اور کہر کا اثر نہ ہوگا۔ اس مرکب کو آگ کے قریب استعمال نہ کریں۔

ذیابیطس میں آدمی کو بھوک اور پیاس زیادہ لگتی ہے اور غذا کے باوجود بدن گھلتا چلا جاتا ہے۔ پیشاب میں ریت آنے لگتا ہے۔ اور جسم پر پھوڑے پھنسیاں اور چھاجن نکل آتے ہیں اور جلد بہت ہی خشک رہتی ہے۔ میٹھا اور نشاستہ دار چیزیں چھوڑ دینی چاہئیں

کیتلی میں کالے داغ پڑ جایا کرتے ہیں جن سے چاء کے مزے میں فرق آ جاتا ہے۔ کیتلی میں کھولتا پانی ڈالیں اور مٹھی بھر سوڈا اس میں ملائیں اور تمام رات پڑا رہنے دیں۔ صبح کو نئے گرم پانی اور سوڈے سے کپڑے کے ذریعہ مانجھ دیں۔ آخر میں صاف پانی سے خوب کھنگال دیں۔ اس کی احتیاط رکھیں کہ سوڈے کا پانی کیتلی کے باہر کی طرف نہ پڑنے پائے۔

چینی بیل وغیرہ روئی کے کپڑوں پر ٹانکنے سے پہلے دھو لیا کریں پہلے ٹھنڈے پانی میں بھگوئیں اور گرم صابن دار پانی میں دھونے کے بعد سکھائیں اور جب کچھ نمی رہ جائے استری کر دیں۔

پانی میں سرکہ ملانے سے کھڑکیاں آسانی سے صاف ہو کے جلدی خشک ہو جاتی ہیں۔

محمد ظفر

# سیر بین

**امریکہ کی فضول خرچی**

امریکہ کے مبصروں نے تحقیقات کر کے یہ نتائج قائم کئے ہیں کہ جب وہاں لڑکیاں بالغ ہو جاتی ہیں تو اُن کے والدین کو اور خود لڑکیوں کو کیا کرنا پڑتا ہے۔ لڑکیاں آٹھ آٹھ گھنٹوں کے سترہ دن ایک موسم میں صرف ناچ میں صرف کرتی ہیں۔ اگر اُن کے ناچ کے گھیروں کو ناپا جائے تو وہ ستر میل ناچتی ہیں۔ صبح ہونے والی ہوتی ہے اُس وقت جا کر پلنگ پر لیٹتی اور سوتی ہیں۔ اور تھکن دور کرنے کے لئے اُنھیں پورے دو ہفتوں کے آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔

والدین اپنی بالغ لڑکیوں کو اپنے مجلسی حلقہ میں روشناس کرانے اور اُن کے بلوغ کو منظر عام پر لانے کے لئے ان کے یہ پاپڑ بیلنے گوارا کرتے ہیں۔ ۱۹۳۹ء میں ایک ہزار کے قریب ۱۸ سال کی کنواریاں ہیں۔ ان کے کپڑوں سنگھار اور دیگر خانگی اخراجات پر والدین کو ۱۲ ہزار روپیہ صرف کرنا پڑے گا۔

**بیوی کا شکریہ**

مسٹر جے۔ ای مین شن نے ۲۰ سال کی سخت محنت کے بعد اپنی انگریزی فرانسیسی لغت مکمل کرتے ہوئے کہا کہ یہ زبردست کتاب میری بیوی کی خاموشی کی زیر بار احسان ہے۔ میں ہر شب کو ۷½ سال سے ۱۱½ بجے تک مصروف رہتا تھا۔ اور وہ اس عرصہ میں مجھ سے بالکل بات نہ کر سکتی تھی۔ اگر اُس نے کوئی بات کی ہو تو اُسے میں نے سُنا نہ ہوگا میں اس ۲۰ سال کے عرصہ میں چھ دفعہ سے زیادہ تھیئٹر میں نہیں گیا۔ اور بولتی تصویروں میں تو گیا ہی نہیں گو مجھے ان دونوں کا بہت شوق ہے۔ لیکن کام ختم کرنے کے بعد ان تین مہینوں میں وہ سب بندھن ٹوٹ گئے۔ میں اور میں ہر ہفتہ تین چار راتیں کبھی ناٹک میں۔ کبھی بولتی تصویروں میں صرف کرتا رہا ہوں۔

مسٹر موصوف کی عمر ۶۸ سال ہے۔ اس کی لغت کے ۱½ ہزار صفحے ہیں اور اس میں ۵۰ لاکھ الفاظ ہیں۔ اُن کا خیال تھا کہ یہ کام پانچ سال میں پورا ہو جائے گا۔ لیکن ۱۵ سال میں تو فرانسیسی سے انگریزی کا حصہ مکمل ہو سکا اور پانچ سال میں انگریزی سے فرانسیسی کا۔ اس پر آٹھ لاکھ روپیہ خرچ آیا۔ بعض اوقات فرانسیسی عالموں سے طویل خط و کتابت کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی۔ تین لاکھ کارڈ لکھنے پڑے جن میں سے ہر ایک میں ایک نہ ایک لفظ یا محاورہ کا ذکر ہوتا تھا۔ اس کام میں چھ سات آدمی شریک تھے۔ مسٹر موصوف کا بیان ہے کہ میرا کام ختم نہیں ہوگا۔ مجھے اسے وقت کے مطابق رکھنے کے لئے نئے الفاظ اور نئے معنوں کو شامل کرنے کا سلسلہ جاری رکھنا پڑے گا۔ لیکن اب آپ یقین کیجئے کہ میں اور میری بیوی اب سیر و تفریح کے لئے باہر جاتے ہیں

**سمرقند کی عورتیں**

سمرقند میں عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق حاصل ہیں۔ ہندوستان کی طرح اُن کے حقوق غصب کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ وہاں عورتوں کو ہر قسم کے فن سکھلائے جاتے ہیں۔ ریاضی کو اُن کے لئے غیر ضروری سمجھا جاتا ہے۔ وہاں کی عورتیں بہت خوبصورت ہیں۔ اور بچپن ہی سے اُنھیں محبت کرنا سکھایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں طلاق تقریبًا نایاب ہے۔ بیوی اپنے شوہر کو خوش رکھنا جانتی ہے۔ وہ گھر کا کام کاج نہیں کرتی۔ دن بھر کاڑھتی۔ بنتی اور مٹھائیاں بناتی ہیں۔ کھانا پکانا۔ کپڑے سینا اور دھونا دوسروں کے سپرد ہیں۔ کسانوں اور نیچے طبقہ کی عورتوں کی طرز معاشرت جداگانہ ہے بچپن میں اُنھیں محبت کرنا نہیں سکھایا جاتا ہے۔ اپنے کام دھندے ہی سے اُنھیں فرصت نہیں ملتی

**عجیب مچھلی**

ایک چپٹی مچھلی سول کہلاتی ہے جس کی بہت سی نسلیں ہیں۔ یہ مچھلی دن بھر سمندر کی ریتلی تہ میں منہ دبائے

پڑی رہتی ہے - رات ہوئی اور وہ خوراک کی تلاش میں نکلی - یہی وجہ ہے کہ اس کی بینائی اچھی نہیں وہ کیڑ ے پر گذر کرتی ہے اور انھیں بو سے اور حس سے پا لیتی ہے - اس کے سر کے ایک طرف چھوٹے چھوٹے بال ہیں - ان سے وہ محسوس کرتی ہے - کیڑا اُس سے چھوا اور اُسے پتہ چلا - جب بچہ سی ہوتی ہے تو ایک پہلو سے تیرتی ہے اور اپنے گلپھڑے جلد جلد ہلاتی ہے اُس کا منھ اس وقت بیچ میں ہوتا ہے - اور منھ کے دونوں طرف ایک ایک آنکھ ہوتی ہے - بڑی ہو کے وہ اپنی آنکھیں منھ کے دائیں جانب کر لیتی ہے - اس مچھلی کو یہ طاقت حاصل ہے کہ اپنی آنکھ سر پر جگہ بجگہ منتقل کر دے - یہ اس لئے کہ جب وہ سمندر کی تہ میں ریت میں دبی پڑی ہوں تو دونوں آنکھیں ایک طرف ہو کے خطرہ سے خبردار رہیں - اس کی جلد کی سیاہی اور دھبّے سمندر کی جھاڑ جھنکاڑ میں اسے پوشیدہ کر دیتے ہیں -

ایک مچھلی تیرانداز ہوتی ہے جہاں شکار دیکھا اس نے منھ سے پانی کی ایک پچکاری چلائی - اور شکار دب کے رہ گیا - اور وہ لپک کر اس پر آ رہی اور نگل گئی - ایک مچھلی پرچ کہلاتی ہے - وہ درخت پر چڑھ جاتی ہے - وہ خشک زمین پر بھی چل کر اپنا شکار حاصل کر لیتی ہے -

## مصری کی کرامات

ڈاکٹر طاہر بے ایک مصری نے یورپ والوں کو اپنے کمالوں سے حیران کر رکھا ہے - انھوں نے ایک شب لندن کے کوینز ہال میں خیالات معلوم کر لینے اور دوسرے عجیب و غریب معاملات دکھانے سے لوگوں کو ششدر کر دیا - انھوں نے کہا کہ تکلیف محض اعتقاد ہے - ثبوت میں دس انچ لمبی پن اپنی باہوں اور چھاتی کے لٹکتے ہوئے گوشت میں سے نکال کر دکھا دی اور ذرا سی کاری نہ لی - وہ پھر ایک نوکدار کیلوں کے تختہ پر لیٹ گئے کیلیں فاصلہ سے لگیں تھیں اور سب کی سب تیز تھیں لیٹ کر وہ اُٹھ گئے اور بدن پر خراش تک نہ تھی - لوگوں نے چبوترہ پر جا جا کر ان چھ انچی کیلوں کی تیزی کا خود امتحان کیا - پھر اُنھوں نے لوگوں کو اپنے پاس اکٹھا کر کے کہا کہ وہ سوچیں کہ میں کیا کروں ہر ایک کا ہاتھ پکڑ کر اُنھوں نے اُس کے خیال کے مطابق وہی کام کر دکھایا - ایک آدمی کا یہ خیال خود ہی معلوم کر کے کہ اُنھیں کمرہ میں فلاں جگہ جانا چاہئے وہ اُٹھ کر وہاں گئے اور اُس کے خیال کے مطابق ایک اور آدمی کی چھڑی اُٹھالی - اُنھوں نے ایک عورت کو بتایا کہ وہ مصنفہ ہے اور ایک کتاب چھاپنا چاہتی ہے جو اخلاقی طور سے کامیاب ہو گی - مگر مالی طور سے نہیں - دوسری کے خیال کا جواب دیا - ہاں تمھاری ماما کل آ جائے گی -

آخر میں طاہر بے نے اپنے اوپر بے خودی طاری کر دی - اُن کے منھ، ناک، کان روئی سے خوب بند کر دئے گئے اور ایک صندوق میں رکھ کر اوپر سے خوب ریت ڈال دیا گیا - اور صندوق بند کر کے اُسے بھی ریت سے ڈھک دیا گیا - دس منٹ کے بعد صندوق کھولا گیا ڈاکٹر اکڑا ہوا تھا - اُس میں پھر جان آئی اور وہ اُسی وقت کمرہ سے چلا گیا -

## پہلی عورت ہوا میں -

مسز لیلا کوڈی سرے (انگلستان) میں ۷۸ سال کی عمر میں مری ہے - وہ کرنیل کوڈی کی بیوہ تھی - وہ ان لوگوں میں سے تھا جنھوں نے پہلے پہل ہوائی جہاز سازی میں حصہ لیا - اس کی عمر ۴۹ سال کی تھی کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ آدمی کو اُٹھا لے جانے والے پتنگ کے زور سے ہوا میں اُڑی وہ پہلی عورت تھی جو ہوا میں اُڑی - وہ سنہ ۱۹۰۸ء میں ایک جہاز میں اُڑی جس کا چلانے والا خود اُس کا شوہر تھا - اُس کی عمر میں حادثے ہوتے رہے - وہ ایک مویشی پالنے والے کی بیٹی تھی - تین سال کی عمر سے وہ زین میں بیٹھی - نو برس کی عمر میں گھوڑوں کو سدھانے میں اپنے والد کا ہاتھ بٹانے لگی - اُس کا شوہر سب سے پہلے انگلستان کے گرد جہاز میں اُڑا - وہ سنہ ۱۹۱۳ء میں ہوائی جہاز کے ٹوٹ جانے کے حادثہ میں گیا - اُس کا بیٹا ہوائی فوج میں تھا وہ لڑائی

کے زمانہ میں ایسے ہی حادثہ میں مرا۔ جب وہ دس سال کی تھی، شاہ ایڈورڈ سے جب وہ ولیعہد تھے اُسے ملنے کا اتفاق ہوا

## بے جوڑ شادیاں

انگلستان میں بے جوڑ شادیاں عام طور پر ملک کی توجہ کھینچتی رہتی ہیں۔ ہمارے ملک پر تو اعتراض یہی ہے کہ کم عمر میں شادی کردی جاتی ہے مگر اس میں کچھ خرابی نہیں۔ لطف اس میں یہ ہے کہ ایک بوڑھی نونڈے سے شادی کرے۔ بکس انگلستان میں ایک ۷۱ سالہ بڑھیا کی شادی کا انتظام ایک ۲۸ سالہ نوجوان سے تقریباً مکمل ہوچکا تھا کہ اس کی بڑی لڑکی نے ماں سے درخواست کی کہ خاندان کی ناک کی خاطر شادی ملتوی کردی جائے۔ غنیمت ہے کہ ماں مان گئی۔ اس عورت کا شوہر ۲۵ سال ہوئے مرچکا تھا۔ اس کے آٹھ بچے ہیں۔ جس میں سب سے بڑے کی عمر ۵۲ سال ہے۔ اس کے پوتے پوتیاں بھی ہیں۔ اپنے ہونے والے دولھا سے اس کی واقفیت صرف ۵ ماہ سے ہوئی تھی۔ کنبہ والوں نے سرگوشیاں کرکے بڑی لڑکی سے کہلوا کر شادی رکوادی۔

آئرلینڈ کی ایک پندرہ سالہ لڑکی نے گلاسکو سکاٹ لینڈ میں ایک پانچ بچوں والے رنڈوے سے شادی رچائی اور ایک اور ۱۴ سالہ لڑکی نے ۴۰ سالہ رنڈوے سے شادی کی۔ سکاٹ لینڈ میں ہر سال دو سو سے زیادہ لڑکیاں ایسے اشخاص سے شادی کرلیتی ہیں جو اُن سے دُگنے تگنے چوگنے بڑے ہوتے ہیں۔

## حرم کی زندگی

مسز ہیٹی جونسٹن ایک امریکی اخبار نویس کی بیوہ ہے۔ اُس نے دنیا کا کونہ کونہ چھان مارا ہے۔ وہ کہتی ہے کہ سیاحت آدمی کو جوان بنائے رکھتی ہے۔ اور کھانے کے مقابلہ میں پھرتے رہنے کو پسند کرتی ہوں اُس نے افریقہ میں وہاں کے مسلمان سرداروں کے گھر دیکھے۔ چار چار بیویوں کے ہوتے ہوئے خانہ داری کی حالت بہت پُرمسرت پائی۔ بیویوں میں آپس میں ذرا ناچاقی حسد اور ذرا بھی بے لطفی نہ دیکھی گئی۔ بیویاں اپنی بڑی بیوی کا ادب کرتی ہیں آج کل کی بے چینی سے وہ ناواقف ہیں۔ اطمینان وسکون کی زندگی بسر کرتی ہیں۔ ان کے اردگرد بال بچے جمع رہتے ہیں۔ اچھا کھانا اچھا پہننا اور ورزش کا موقع نہ ملنا اُنھیں وقت سے پہلے بوڑھی کر دیتا ہے۔ ۱۸ سال کی لڑکی ۳۰ سالہ معلوم ہوتی ہے حرم کی زندگی میں کچھ تو ہے ہی جو عورتیں ہنسی خوشی گھروں میں بند رہتی ہیں اور سوکنوں کی بھی پروا نہیں کرتیں۔

## چینی بہادر عورت

مس وائی مِنگ ینگ بمبئی میں آئی۔ وہ امریکہ میں وہاں کی نوجوان عورتوں کی کانفرنس میں شرکت کی غرض سے گئی تھی۔ پھر وہ یورپ کی سیاحت میں مصروف ہوئی۔ چین کے لیئے اُس نے چندے جمع کیئے۔ یہاں سے اب وہ چین واپس چلی گئی۔ وہ دلکش خد وخال کی عورت ہے۔ اور جنگ میں اُس نے وہ بہادری دکھائی کہ لوگ اُسے چین کی جون آف آرک کہتے ہیں۔ جون فرانس کی ایک کنواری تھی جس نے اپنے ملک کو انگریزوں کی غلامی سے نجات دلائی تھی۔ ایک موقع پر انگریزوں نے اسے پکڑ کر جلا دیا۔ جاپانی حکومت نے اُس کے سر کے لیئے ۲ لاکھ ۵۰ ہزار روپیہ کا انعام مقرر کیا ہوا ہے۔ وہ ۱۴ سال کی عمر سے لڑ رہی ہے۔ منچوریا میں لڑنے کے بعد وہ جاپان میں جاسوس بن کر گئی۔ اور ایسی معلومات حاصل کیں جن کی وجہ سے ہزاروں چینیوں کی جانیں بچ گئیں۔ ایک مرتبہ کچھ چینی سپاہی جاپانیوں کے محاصرہ میں تھے۔ میدان جنگ میں گولے برس رہے تھے وہ اسی حالت میں دشمن کے لشکر میں گھس کر محصورین کے پاس پہنچ گئی۔ اس کی ٹوپی گولیوں سے چھد گئی۔ اب وہ ٹوپی فرانسیسیوں کے عجائب خانہ میں رکھی ہے۔

## مصری شادی

شہزادی فوزیہ الپس میں تھی۔ کہ ایران کے ولیعہد سے ملاقات ہوئی۔ اس کے ایران پہنچنے

پر شادی کی گفتگو چھڑ گئی۔ محرم میں یہ شادی قاہرہ میں بڑی دھوم دھام سے انجام پائی۔ شہزادی کی عمر ۱۷ سال ہے۔ اس کے بال سیاہ ہیں اور وہ بہت خوبصورت ہے۔ سوا سات لاکھ روپیہ کے جواہرات اُسے دیئے گئے۔ ان میں ایک مالا ہے۔ جس میں جواہرات کی چار لڑیاں ہیں۔ اور ایک تین لاکھ ۵۴ ہزار روپیہ کا تاج ہے پچھلے سال شہزادہ نے نسبت کے موقع پر اُسے ہیروں کی مالا۔ ایک نسخہ قرآن پاک ایک آئینہ ایک جواہرات سے مرصع انگوٹھی اور ایک اپنی تصویر بھیجی۔ شہزادے نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے۔ ولیعہد کو آٹھ لاکھ روپیہ سالانہ کی آمدنی ہوتی ہے۔ وہ لوزان سوئٹرز لینڈ پانچ سال رہا اور موجودہ طریقے وہاں اُس نے سیکھے۔

## پھلجھڑیاں

ترکی کے محکمہ تعلیم نے ترکی مدارس کے لئے نئے احکام صادر کئے ہیں کہ لڑکیاں بولتی تصویروں کی عورتوں کی تقلید نہ کریں۔ لاکھا پوڈر کریم وغیرہ استعمال نہ کریں۔ ریشمی جرابیں اور جواہرات نہ پہنیں۔ وزارت مدرسوں کا وقتاً فوقتاً محاسبہ کرکے خلاف ورزی کرنے والوں بالخصوص اُستانیوں کو سخت سزا دے گی۔

ہوائی جہاز رانی میں ایک سفید بالوں والی چھ فٹ لمبی مسز ہینڈرسن زنانہ عملہ کی نگرانی کے لئے یکم مارچ سے مقرر ہوئی ہے۔ وہ انگلستان بھر میں عورتوں کو فن پرواز سے واقف کرتی پھرتی ہے۔

آسٹریلیا میں عورتوں کو زمانۂ امن و جنگ دونوں کی ضروریات کے لئے تیار کیا جا رہا ہے۔

ہٹلر نے آبادی بڑھانے کے لئے کنوارے مردوں عورتوں پر ۱۲½ فیصدی ٹیکس بڑھا دیا ہے۔ اس طرح وہ اپنی آمدنی کا ۵۵ فیصدی حصہ ٹیکس دیں گے۔ جن کے ۵ سال شادی کے بعد تک بچہ نہ ہو ۱۲ سو روپیہ سالانہ کی آمدنی پر زیادہ ٹیکس دیں گے۔ اس سے زیادہ پر شاید ۵۴ فیصدی ٹیکس لگے۔ ۶۵ اور ۵۰ سال کی عمر تک پہنچ جانے کے بعد اُن سے مایوس ہو کر یہ ٹیکس ان سے لیا جانا بند کر دیا جائے گا۔

لندن کے شمال میں ایک عورت نے ایک شیرنی پال رکھی ہے۔ وہ آس پاس والوں کو بھی کچھ دُکھ نہیں دیتی۔ بلی کی طرح پھرتی سے اُس کے شوہر کے ساتھ وہ کھیل کے طور پر کشتی لڑتی ہے اور مکہ بازی کرتی ہے۔

جنگ کا ہر وقت خطرہ لگا رہنے سے آبادی بڑھانے کی انگلستان کو بھی سوجھی انگلستان کی حکومت کے سامنے ایک تجویز پیش ہونے والی ہے کہ ہر شادی شدہ نئے جوڑے کو ۶۷۵ روپیہ (۵۰ پونڈ) کا قرض دیا جائے اگر ان کے دو بچے ہوں تو وہ آدھا قرض واپس کریں اگر تین ہوں تو چوتھائی اور چار ہو جائیں تو قرضہ معاف ایسی ہی تجویز سے جرمنی میں شادی کی رفتار ۲ فیصدی اور شرح پیدائش ۲۴ فیصدی بڑھ گئی ہے۔

ورجینیہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے ایک محقق نے ایک لکچر میں بتایا کہ مردوں کے مقابلے میں عورتیں رنگ دیکھتیں۔ گانا بجانا سننی حسن و جمال عجیب و غریب اور فکر مندی کے اور پریشان خواب بہت زیادہ دیکھتی ہیں۔

لکڑی سے میٹھا نکالا جا رہا ہے جو سوروں کے لئے نہایت عمدہ غذا ہے جب لکڑی کے اجزا کو زیادہ خمیر دیا جائے تو اس میں سے سپرٹ دودھیا تیزاب گلیسرین وغیرہ حاصل ہوتے ہیں۔

سردیوں کے مقابلہ میں گرمیوں میں ہمارا وزن کچھ زیادہ ہو جاتا ہے۔ یہ زیادتی واقعی نہیں ہوتی محض موسمی اثر ہوتا ہے ہوا پھیل کر اپنا اثر ڈالتی ہے

پولینڈ میں ایک بیکار آوارہ رات بھر گھومنے کے بعد قبرستان میں بھٹک کر آ گیا۔ اور نیند کے غلبہ سے لاشوں کے بیچ میں سو گیا اُسے پتہ نہ ہوا۔ صبح کو جب محافظ لاشوں کو کفن کے لئے ناپنے لگا تو آوارہ اُٹھ بیٹھا۔ اور اُس سے پوچھنے لگا کہ کیا تم میری بھی پیمائش کروگے۔ محافظ خوفزدہ ہو کے بے ہوش ہو گیا۔

محمد ظفر

# نئی کتابیں

**ہٹلر اعظم** موجودہ دنیا نے چار آمر Dictators پیدا کئے۔ اوران میں سے ہر ایک کی زندگی ہم ہندوستانیوں کے لئے داستان عبرت ہے۔ جرمن کے چانسلر اور صدر ہر ہٹلر کو عام طور پر امن کا دشمن اور صد درجہ کا ظالم کہا جاتا ہے لیکن ہمیں یہ بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ اس کی ذات خود اس کے ملک اور قوم کے لئے کس قدر حیات بخش اور مفید ہے جنگ عظیم کے بعد جو جرمنی پورے پندرہ برس تک غلامی کی زنجیروں میں جکڑا رہا آج وہ دنیا کے سب سے زیادہ طاقتور ملکوں اور ترقی یافتہ قوموں میں پیش پیش ہے۔ اور اسے پستی کے اس گہرے غار سے نکال کر بام عروج پر پہنچانے والے کوئی نہیں بلکہ ایک شخص ہے۔ یعنی ہٹلر! پروفیسر چند رشیکھر شاستری شکریے اور مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اُردو میں ہٹلر کے حالات زندگی۔ اس کی سیاسی سرگرمیوں اور ملی کوششوں کو تفصیل کے ساتھ لکھ کر ہمارے سیاسی ادب میں ایک قابل قدر اضافہ کیا ہے۔ موصوف کو اس تصنیف کے سلسلہ میں یقیناً بے حد محنت اور مطالعہ کرنا پڑا ہوگا۔ کیونکہ جرمنی سے متعلق کوئی اہم پہلو ان کے قلم سے نہیں بچ رہا۔ انھوں نے جرمنی کی قدیم تاریخ اور قومی تصورات کا خلاصہ دیتے ہوئے اس کے جنگ عظیم میں شامل ہونے کے وجوہ پر روشنی ڈالی ہے۔ اور پھر اس کے بعد کی تمام تفصیلات ذمہ داری کے ساتھ بیان کر دی ہیں۔ آج کل آزادی کی جو تین تحریکیں پارلیمنٹری ازم کمیونزم اور فاسزم یا نازی ازم ہیں پروفیسر شاستری نے ساتھ ساتھ ان کی بھی وضاحت کی ہے۔ اوران کے بڑے نتائج سے ہندوستانی نوجوانوں کو آگاہ کیا ہے۔ المختصر یہ کتاب جرمنی سے متعلق ہر قسم کی معلومات کا ذخیرہ ہے۔ اور مصنف کے طرز بیان نے اس کو اور بھی دلچسپ بنا دیا ہے۔ یہ اگرچہ ہٹلر کی تعریف میں لکھی گئی ہے۔ مگر مصنف نے خواہ مخواہ اس کے عیوب کو چھپانے کی کہیں کوشش نہیں کی۔ متعدد تصاویر بھی شامل ہیں۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ خاصا ہے۔ صفحات ۸۶ مجلد سائز عصمت کا نصف قیمت تین روپیہ۔

ناشر:۔ سیاسی لٹریچر کمپنی مسجد کھجور اسٹریٹ۔ دہلی

**انوکھے افسانے (حصہ اول)** محمد بدر الاسلام صاحب فضلی بی۔ اے کے پانچ افسانوں کا مجموعہ حالی اکیڈیمی پانی پت نے شائع کیا ہے۔ ان افسانوں کا موضوع سراغ رسانی اور طرز بیان نہایت دلچسپ ہے۔ فنی لحاظ سے افسانے اس قدر بلند تو نہیں جتنے ہمیں انگریزی کے عام رسائل وکتب ہی میں نظر آجاتے ہیں۔ مگر چونکہ اس قسم کا لٹریچر اردو زبان میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس لئے یہ مجموعہ قابل قدر ہے۔ جو خواتین و حضرات سراغرسانی سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ اور جو عام افسانوں سے ہٹ کر تنوع چاہتے ہیں ان کے لئے یہ کتاب بہت اچھی رہیگی۔ صفحات ۲۰۴۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ قیمت ایک روپیہ۔ ناشر سے مل سکتی ہے۔

**لطائفِ غالب** غالب کی نظم ونثر سے واقف لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ باوجود ایک لاثانی فلسفی شاعر اور مبصّرِ حیات ہونے کے غالب کی طبیعت میں شوخی اور ظرافت تھی۔ مسز ایم۔ اے۔ شاہ نے یہ مختصر سی کتاب اسی مقصد سے مرتب کی ہے کہ غالب کی شوخی بیان خوش طبعی اور ظرافت کو جو عام نظروں سے پوشیدہ ہے روشنی میں لایا جائے چنانچہ موصوفہ نے اس کتاب میں مرزا صاحب کے مختلف دلچسپ لطیفوں کو قلمبند کیا۔ کتابت۔ طباعت۔ کاغذ اور سرورق خوبصورت ہے۔ صفحات ۳۳ سائز عصمت کا نصف قیمت ۳؍ ناشر مکتبہ پنجاب لاہور

**مضامینِ فراق** دلی کے ازلی پرستار مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری کے علاوہ جن دلی والوں کے حصے میں قلعۂ معلیٰ کی کوثر کی دھلی دھلائی زبان آئی اُن میں حکیم ناصر نذیر فراق مرحوم کا نام بھی قابلِ ذکر ہے۔ دلی والے اور دلی کی شیریں زبان حقیقت میں اب ختم ہو چکی ہے۔ اس لئے جب بھی دلی کی پاکیزہ زبان سامنے آجاتی ہے تو دل و دماغ پر ایک کیف سا طاری ہوجاتا ہے۔ حکیم فراق مرحوم شاہجہان آباد کے ایک جوہرِ قابل تھے۔ مگر افسوس ان کا لٹریچر اور ان کا نام کچھ زیادہ شہرت حاصل نہ کرسکا۔ چمن اُردو بک ڈپو اور کتب خانہ علم و ادب جامع مسجد دہلی شکریئے کے مستحق ہیں کہ اُنھوں نے فراق مرحوم کے اُن پُرانے مضامین کو جو اب ناپید ہوچکے تھے مناسب طریق سے شائع کرکے زمانے کی دستبرد سے محفوظ کردیا۔ اور اُردو زبان کی ایک اچھی خدمت انجام دی۔ مضامین فراق ۱۹ مضامین کا مجموعہ ہے۔ آخری مضمون میں اُنھوں نے جہاں آباد کے بسنے اور اجڑنے کا سماں اچھا دکھایا ہے اور ابتدائی مضمون میں دلی کی خاص زبان قلمبند کی ہے کاغذ، لکھائی چھپائی سر ورق خوبصورت سائز عصمت کا نصف قیمت عہ ناشرین سے مل سکتی ہے۔

**پھول والوں کی سیر** کتب خانہ علم و ادب دہلی نے اُردو کے مشہور مزاح نویس اور عصمت کے مخصوص نامہ نگار مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب کا ایک پُرانا مضمون "بہادر شاہ اور پھول والوں کی سیر" کتابی صورت میں شائع کیا ہے۔ مرزا صاحب دہلی کے رہنے والے اور اگلے وقتوں کے لوگوں میں سے ہیں۔ اس لئے پُرانی دلی کی باتیں بڑے پیارے انداز میں بیان کرسکتے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب میں اُنھوں نے پھول والوں کی سیر جو ایک وقت میں دلی کا خاص میلہ تھا اور جس کی سرپرستی خود بادشاہ سلامت بہادر شاہ کرتے تھے۔ خوب کرائی ہے انکا اسلوب بیان دلی والوں کا سا ہے مگر قاری کو بعض مقامات پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ آورد سے کام لے رہے ہیں۔ طرزِ تحریر دلآویز اور واقعات نہایت دلچسپ ہیں کتاب کی لکھائی چھپائی عمدہ ہے۔ ضخامت ۴۵ صفحے قیمت ۶؍

**ریڈیو ڈرامے** (حصہ اول) ریڈیو اور ادبی رسائل سے دلچسپی رکھنے والی خواتین و حضرات نے اُردو کے ہونہار ادیب فضل حق صاحب قریشی دہلوی کے ڈرامے اور افسانے اکثر سُنے اور پڑھے ہونگے عزیزیہ بکڈپو ترولیاغ دہلی نے موصوف کے آٹھ ایسے ڈراموں کا مجموعہ حال میں شائع کیا ہے جو دہلی وغیرہ سے نشر ہوکر مقبول ہوچکے ہیں۔ قریشی صاحب کا اسلوبِ نگارش نہایت شگفتہ اور دلکش ہے۔ اور ان کے سنجیدہ و مزاحیہ دونوں قسم کے ڈرامے اور افسانے بڑی حد تک کامیاب ہوتے ہیں۔ زیرِ نظر مجموعوں میں سنجیدہ ڈراموں میں "ممتا اور قرض" اور "یاد ایام" سننے کے علاوہ پڑھنے کے بھی لائق ہیں۔ طربیہ ڈراموں میں "ہفتہ وار اخبار" نہایت پُرلطف ہے۔ فنی لحاظ سے کوئی ڈرامہ کسی طرح ناکام نہیں۔ حالانکہ ریڈیو ڈرامے کا فن Technique اسٹیج ہونے والے ڈرامے سے مختلف ہوتا ہے۔ اور ہمارے ہاں اس نوع کے ڈرامے مفقود ہیں اس لحاظ سے یہ مجموعہ اُردو ڈرامہ کی صف میں ایک نئے باب کا اضافہ ہے۔ کتابت۔ طباعت اور کاغذ عمدہ ہے۔ سرورق رنگین و خوشنما۔ سائز عصمت کا نصف قیمت ایک روپیہ ناشر سے منگایئے

**من کی بتیا** یہ لطیف النساء بیگم صاحبہ بی۔ اے کے چند معاشرتی و اصلاحی مضامین کا مجموعہ ہے جسے ادارۂ ادبیات اُردو خیریت آباد حیدر آباد دکن نے مجلد شائع کیا ہے۔ مضامین کا موضوع اصلاحِ نسواں اور مقصود اپنی معاشرت کے نصب العین کو سدھارنا ہے۔ یہ دیکھ کر ہمیں بڑی خوشی ہوتی ہے کہ ہماری تعلیم یافتہ خواتین بھی اب مشرقی اوصاف کی قدر کرنے لگی ہیں اور وہ طبقہ نسواں کی بہبودی اسی میں تصور کرتی ہیں کہ عورتیں مغرب زدگی کی بجائے اپنے آپ کو مشرقی جواہرات سے مرصع کریں موضوعیات انسانی پر تنقیدی نظر رکھتی ہیں اور اُنھوں نے ان مضامین میں اپنی رائے کا اظہار آزادی سے کیا ہے۔ چند اچھے مضامین کے عنوانات یہ ہیں۔ گھر۔ ہمارے نوکر۔ بچوں کی تعلیم اور ان کی ضرورتیں خبار۔ کتابیں اور رسالے۔ سینما اور فیشن۔ کتاب میں خوبیوں کے ساتھ ساتھ چند خامیاں بھی رہ گئی ہیں جن کی طرف مصنفہ کو متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔ بعض انگریزی الفاظ کا تلفظ بہت بُرا ادا کیا گیا ہے مثلاً گملہ کو گملا [illegible]

کتابت اور تذکیر و تانیث کی غلطیوں کو نظر انداز کرکے بعض تراکیب بھی ناگوار معلوم ہوتی ہیں مثلاً "مرمت کراتے کراتے ناک میں دم ہو جاتا ہے" (ص ۱۹) " یا " گھر کی بی بی کو کھائی پکائی دیکھ دیکھ خاص طور پر کرنی چاہیئے۔ (ص ۲۶) " یا کسی پہاڑی کی چڑھائی چڑھ کر کسی ستھرے مقام پر جا بیٹھیں (ص ۶۱) " صرف "کسی پہاڑی پر چڑھ کر..... جا بیٹھیں" کافی ہے۔ ایک اور جگہ لکھا ہے "ہم عورتوں کو گھر دار بال بچوں کے فرائض..... سے فرصت نہیں ملتی" گھر دار "بال بچوں" کی صفت ہونے کی بجائے "عورتوں" کی صفت ہو تو مفہوم اور روانی کے لحاظ سے بہتر ہے۔ کہیں کہیں الفاظ کا غلط استعمال بھی موجود ہے۔ مضمون "سیر و تفریح" میں مذکور ہے " لاکھ تمکنت برتئے۔ ہزار کاروباری بنئے لیکن ایک نہ ایک دن دل بہلانے کے لئے بے اختیار جی چاہے گا" تمکنت یہاں بے محل ہے۔ کیونکہ ذہن میں " لاکھ عدیم الفرصت رہیئے" ہے مضامین کی نسبت سے کتاب کا نام بھی کچھ بھلا نہیں معلوم ہوتا۔ اگرچہ مصنفہ نے پیش لفظ میں نام کی "وجہ تسمیہ" بیان کردی ہے۔ لیکن ان کمزوریوں سے کتاب کی افادیت میں فرق نہیں آتا۔ خواتین کو یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیئے۔ کتابت طباعت کاغذ عمدہ ہے صفحات ۸۰، آٹھ آنے میں ناشر سے مل سکتی ہے۔

## انیس النسواں

حلقۂ عصمت کی وہ معمر خواتین جنہوں نے عصمت کا ابتدائی دور دیکھا ہے شیخ محمد اکرام صاحب بیرسٹرایٹ لا کے نام سے ناواقف نہ ہوں گی۔ موصوف عصمت کی ادارت میں حضرت علامہ راشد الخیری مغفور کے شریک تھے۔ اور اب بھی انھیں مسلمان عورتوں سے دلی ہمدردی ہے۔ شیخ صاحب طویل عرصے بعد میدان صحافت میں آئے۔ لیکن مسلمان خواتین کے لئے ایک اچھا مذہبی تحفہ "انیس النسواں" کی صورت میں لائے ہیں۔ ہر معقول اور سمجھ دار آدمی کی طرح شیخ صاحب بھی اپنی خواتین کی مغرب زدگی اور مذہب فراموشی سے مطمئن نہیں اور یہی چیز "انیس النسواں" کے اجراء کی محرک ہوئی ہے۔ چنانچہ وہ اپنے رسالے کا مقصد ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں " انیس النسواں... مسلم خواتین کو اپنے مذہب کی طرف متوجہ کرے گا۔ اور قرآن مجید کے مطالب کی تبلیغ کرکے شوق عمل کا جذبہ ان کے دل میں پیدا کرے گا" رسالہ کے اکثر مضامین و نظمیں عورتوں کے لئے مفید اور دلچسپ ہیں۔

بیشک "انیس النسواں" میں بعض مضامین چھپے ہوئے اور بعض معمولی معیار کے ہوتے ہیں۔ لیکن پنجاب کے ایک زنانہ معاصر نے یہ اعتراض جن الفاظ میں کیا ہے وہ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ جب کہ خود اس اخبار میں بھی مطبوعہ اور گھٹیا درجہ کے مضامین نظر آجاتے ہیں۔ اور پھر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ نئے رسالے کو وہ مضامین وغیرہ آسانی سے میسر نہیں آتے جو پرانے اور ساکھ والے رسائل کو حاصل ہوجاتے ہیں۔ بہرحال شیخ صاحب کی کوششیں یقیناً قابل قدر ہیں۔ اور ہم ان کی کامیابی کے متمنی ہیں۔ انیس النسواں ظاہری کے اعتبار سے بھی اچھا ہے۔ صفحات ۲۷، سائز عصمت سے چھوٹا چندہ سالانہ پانچ روپیہ۔ ایک گھٹیا ایڈیشن بھی چھپتا ہے اس کا چندہ تین روپیہ ہے۔ پتہ دفتر انیس النسواں دہلی

**صادق الخیری**

---

# بزمِ عصمت

بزم عصمت میں صرف وہی خطوط درج کئے جاتے ہیں جن میں نمبر خریداری کا حوالہ ہو۔ (۲) خط بہت مختصر ہو (۳) وہی استفسار نہ ہو جس کے جوابات عصمت میں پہلے بھی شائع ہو چکے ہیں (۴) جس میں رسالہ کے انتظامی امور یا مضامین کے بارے میں کوئی بات نہ ہو۔ (۵) علیحدہ کاغذ پر روشن سیاہی سے لکھا ہوا ہو۔

بزم عصمت میں کسی نے چینی گھاس کی بابت دریافت کیا ہے چینی گھاس کو اگ اَر آگ ار بھی کہتے ہیں جو سنگھالی زبان کا لفظ ہے۔ یہ گھاس سمندر کے اندر پانی میں اُگتی ہے۔ جاپان میں اسے مئی اور اکتوبر کے درمیان جمع کرتے ہیں اور پھر دھوپ میں سکھاتے ہیں پھر پانی میں بھگو کر صاف کرتے ہیں اور پھر دھوپ میں سکھاتے ہیں۔ اس طرح ایک دو بار کرنے کے بعد پانی میں اُبالتے ہیں اس کے عرق کو نتھار کر چھان لیتے ہیں اور پھر لکڑی کے تھالوں میں سکھاتے ہیں۔ انگریز اس کو "آئی سن گلاس" یا "جلاٹن" کہتے ہیں کیونکہ یہ جاپان سے آتی ہے اور "آئی سن گلاس" یا جلاٹن کی طرح جیلی بنانے کے کام آتی ہے "آئی سن گلاس" سریشم ماہی (غری السمک) کو کہتے ہیں جلاٹن کو ایک قسم کا سریشم کہنا چاہئے جیسے مویشیوں کی کھال کے اندرونی حصے سے حاصل کر بناتے ہیں

**فوائد** چینی گھاس ہضم ہونیوالی چیز نہیں اگر قبض بلت غذا کے سبب ہو تو تھوڑا سا سفوف کھلایا جا سکتا ہے۔ یہ سفوف فائدہ مند ثابت ہوگا۔

"جلاٹن" ہضم ہونے والی چیز ہے کچھ لوگ اسے مقوی بھی کہتے ہیں اور اس وجہ سے سری پائے کھاتے ہیں کیونکہ اس میں جلاٹن کا حصہ ہوتا ہے سریشم ماہی (آئی سن گلاس) کو یونانی اطبا دق کے مرض میں استعمال کرتے ہیں شاید مقوی بھی ہے اگ ار اگ ار عام طور سے ہندوستان میں جیلی بنانے کے کام آتا ہے۔

عزیز

کچھ عرصہ سے میرے منھ پر چھوٹے چھوٹے تل سیاہ ہو گئے ہیں کیا ازراہ مہربانی کوئی بہن یا بھائی اپنے آزمودہ نسخہ سے بذریعہ رسالہ عصمت مطلع فرماکر مشکور کریں گے۔

دختر راجہ عدالت خاں صاحب ضلع گجرات

عصمتی بہنوں کی خدمت میں عرض ہے کہ میرے لب خواہ گرمی ہو یا سردی ہر موسم میں پھٹے رہتے ہیں اور پپڑی بندھی رہتی ہے جس سے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ بعض دفعہ تو بات کرنی اور ہنسنا بھی مشکل ہو جاتا ہے برائے نوازش کوئی بہن یا بھائی نسخہ لکھیں جس سے یہ شکایت جاتی رہے اور پپڑی نہ بندھے مشکور ہونگی

رفیعہ سلطانہ

اپریل کے عصمت میں دماغ کی کمزوری کے متعلق استفسار میری نظر سے گذرا میری والدہ کو بھی یہ شکایت عرصہ سے تھی اور اسی وجہ سے بال بھی سفید ہو گئے تھے اور درد سر بھی رہتا تھا بہت علاج کئے مگر کوئی فائدہ نہ ہوا آخر ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی سے روغن بے نظیر منگا کر استعمال کیا جو بیحد مفید ثابت ہوا۔ چند ہی روز میں دماغی کمزوری بھی رفع ہو گئی درد سر بالوں کی سفیدی بھی جاتی رہی دوسری دوا یہ ہے بقدر حاجت شیرہ گندم و آب خیسانیدہ بادام پستہ پیس کر مصری میں ملالیں اور کچھ گھی میں پکا کر صبح کو پی لیا کریں انشاء اللہ خاطرخواہ فائدہ ہوگا یہ بھی میری والدہ صاحبہ کی آزمودہ ہے اور غذا کا بھی کافی خیال رکھنا چاہئے علی الصباح کھلی جگہ میں چہل قدمی کرنا دماغی کمزوری کے لئے بہت مفید ہے۔

طاہرہ بیگم بنت مرزا عبدالحی بیگ پرنسپل اٹاوہ

مسز غلام صاحبہ نمبر ۴۶۶۹ نے آئس کریم بنانیکی ترکیب معلوم کی ہو اطلاعاً لکھتی ہوں۔ **اشیاء** دودھ ایک سیر شکر پسی ہوئی نصف سیر برف ۳ سیر نمک پسا ہوا نصف سیر قلمی شورا ایک پاؤ

**ترکیب** دودھ شکر اور اگر رنگ دینا ہو تو زعفران کیوڑہ میں حل کیا ہوا مشین کے سانچے میں رکھکر منھ اچھی طرح بند کر دیجئے۔ اس کے چاروں طرف برف نمک

# دوربین

**باجی کی دلیری** ۶-اپریل کو پنجاب اسمبلی میں سوال و جواب ہو رہے تھے۔ کہ باجی رشیدہ لطیف صاحبہ نے سوال کیا کہ میں نے ایک مسودہ قانون شریعت کے متعلق پیش کرنے کا نوٹس دیا تھا۔ اس پر صدر نے پوچھا کہ کیا آپ کو میرے دفتر سے کوئی چٹھی ملی ہے۔ انھوں نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے کہا مگر میں پوچھنا چاہتی ہوں۔ ابھی وہ کچھ اور کہنے نہ پائی تھیں کہ صدر نے کہا کہ بس اس کے سوا اس معاملہ پر اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ باجی نے اصرار کیا تو صدر نے انھیں بولنے کی اجازت دینے سے انکار کیا۔ اس پر وہ کاغذ سنبھال ناراضگی کے طور پر وہاں سے چلی گئیں۔ اس پر صدر نے کہا کہ میں نے یہ مسودہ گورنر کی منظوری کے لئے بھیجا تھا جہاں سے ابھی اجازت نہیں ملی۔ اس پر بعض ممبروں نے کہا کہ ممکن ہے وہ کسی اور معاملہ پر بولنا چاہتی ہوں آپ انھیں واپس بلا لیں۔ وزیر اعظم نے بھی تائید کی۔ اس پر بیگم شاہنواز۔ میجر خضر حیات۔ میر مقبول محمود اور نواب ممدوٹ انھیں بلانے گئے اور ساتھ لے آئے۔ باجی نے کہا کہ میرا بل ایجنڈا میں شامل کرنے کے بعد پھر خارج کر دیا گیا۔ اور اگر یہ بل گورنر کے پاس منظوری کے لئے گیا ہے تو شرع کے متعلق مسودات کے لئے ایسی منظوری کی ضرورت نہیں ہے۔ دوسرے ممبروں نے باجی کی تائید کی اور صدر کو باجی کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ اور باجی سے چند ممبروں کے ہمراہ بحث کے لئے اپنے دفتر میں بلانے پر رضامند ہو گئے۔

**زبردستیاں** جرمنی نے زیکوسلاویکیہ کا خاتمہ کیا اور اب پولینڈ اور رومانیہ پر للچائی نظریں ڈال رہا ہے۔ امید ہے بہت جلد اُن کا بھی تیا پانچہ ہو جائے گا۔ اٹلی نے اب البانیہ پر فوجکشی کر کے قبضہ کر لیا۔ یہ ریاست مسلمان تھی۔ زوغو اور اس کی یورپی عیسائی ملکہ بھاگ کے یونان میں ہو رہے۔ کہا جاتا ہے کہ مسلمان رعایا زوغو سے تنگ تھی اور انھوں نے خود اٹلی کو ملک پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ مگر یہ سب عذر لنگ ہیں۔ اٹلی بحر ایڈریاٹک پر بلا شرکت غیرے قابض ہونا چاہتا ہے۔ چنانچہ البانیہ پر قبضہ ہو جانے سے اب یگوسلاویہ جسے مختصر حالت میں سرویا کہتے تھے اب اس قدر خوفزدہ ہو گیا ہے کہ اس کی آزادی بھی چند روزہ معلوم ہوتی ہے۔ اس پر بھی قبضہ ہو جانے کے بعد بحیرہ مذکور کا دو طرفہ ساحل اٹلی کے قبضہ میں آ جائے گا۔ اٹلی اور جرمنی بہت بڑھتے جا رہے ہیں اور فرانس و برطانیہ اپنی پگڑی کی خیر منانے میں ہچکچا رہے ہیں۔ وقت آ رہا ہے کہ دونوں جرمنی و اٹلی کے سامنے بالکل بے بس ہو کر مغلوب ہو جائیں گے۔ دونوں ملکوں کے نت نئے قبضوں کا رُخ روم کی طرف بڑھتا جا رہا ہے۔ کیا عجب ہے کہ مسلمانوں سے قرب قیامت کی لڑائیاں بہت نزدیک آ گئی ہوں۔

**ہندو عورتوں کے حقوق** مرکزی اسمبلی میں ڈاکٹر دیش مکھ نے ایک مسودہ قانون پیش کیا جس کے مقاصد یہ تھے کہ اگر ہندو مرد کسی خطرناک بیماری میں مبتلا ہو علاج نہ ہو سکتا ہو یا اپنا مذہب تبدیل کرے یا پہلی کی زندگی میں دوسری بیوی کرے یا تین سال تک بیوی سے روپوش رہے تو بیوی طلاق لے سکتی ہے۔ جب یہ مسودہ پیش ہوا تو سروجنی نائیڈو بڑے غور و دلچسپی سے اس کے متعلق بحث سنتی رہیں۔ بیشمار عورتیں گیلری میں جمع ہوئیں اور مباحثہ سنتی رہیں۔ اس مسودہ کی مخالفت ہوئی اور وہ منظور نہ ہو سکا۔ محرک نے کہا کہ مضائقہ نہیں کہ یہ قانون نہ بن سکا۔ مگر اس کے ذریعہ اگر احساس پیدا ہو جائے میں اس سے بھی خوش ہوں گا۔ اگلے روز انھوں نے ہندو عورت کو گذارہ ملنے کے حق پر بحث کی اور یہ حق ہندو عورت کو دیدیا گیا۔ ہندو عورتوں کے حالات کی پستی کا اندازہ کرنے کے لئے چھ آدمیوں کی ایک کمیٹی بنائی گئی۔ جس میں

ایک عورت بھی شامل ہے۔ یہ کمیٹی تحقیقات کے بعد رپورٹ کرے گی کہ ہندو عورت کی حالت کیسے سنواری جا سکتی ہے۔

## حیدرآباد میں مساوات

آجکل حضور نظام دکن کے خلاف ہندوؤں نے ہندوستان میں جگہ جگہ شورش برپا کر رکھی ہے جتھے بھیجے جاتے ہیں جو راستہ میں مسلمانوں کو دیکھ کر حضور نظام کے خلاف توہین آمیز نعرے لگاتے ہیں جن سے مسلمانوں کو اشتعال ہوتا ہے۔ جتھے وہاں پہنچ کر گرفتار ہو جاتے ہیں۔ حضور نظام کے خلاف بے بنیاد باتیں مشہور کی گئی ہیں۔ شمالی ہند سے ایک سوامی بھی وہاں جا کر قید ہوا۔ وہاں کے ہندوؤں کی مذہبی آزادی اور خوشحالی دیکھ کر وہ شرمایا۔ جیل سے اس نے رہا ہونا پسند نہ کیا۔ مبادا کہا جائے کہ وہ ڈر گیا اور خوشامد کر کے وہ بچ نکلا۔ اس نے وہیں سے ایک خط میں ان سب الزامات کی تردید کی ہے جو حضور نظام پر ہندوؤں نے لگائے ہیں۔ اس کے علاوہ سر کشن پرشاد نے ایک مضمون میں ہندوؤں کی مرفہ الحالی پر تبصرہ کیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ زراعت مال۔ تجارت۔ صنعت وحرفت کے محکموں میں ہندو ہی بھرے پڑے ہیں۔ مندروں میں آزادانہ پوجا ہوتی ہے۔ مسلمان ہندوؤں کے تہواروں میں شریک ہوتے۔ بلکہ جاتراؤں میں مورتی کی گاڑی کھینچنے میں ہاتھ بٹاتے ہیں۔

## تعلیم نسواں

بمبئی حکومت نے عورتوں میں تعلیم پھیلانے کی عملی تدابیر اختیار کرنے کے لئے یکم مئی تاریخ مقرر کی ہے ہر ممکن کوشش سے عورتیں لکھائی پڑھائی جائیں گی۔ ہندوستان میں ۹۷½ فیصدی عورتیں بے پڑھی ہیں۔ جس ملک کی عورتوں کی جہالت کی یہ کیفیت ہو اس کے بچے کیسے لائق ہو سکتے ہیں۔ بمبئی کی وزارت تعلیم نے ہدایت کی ہے کہ ہر گھر کا لکھا پڑھا گھر کے بے پڑھے لکھوں کو پڑھائے لکھائے۔

سندھ میں عورتوں کو جبریہ تعلیم دی جائیگی۔ رتناگری میں عورتوں کی کانفرنس ہوئی اس میں بھی عورتوں کی تعلیم پر بہت زور دیا گیا۔ اس کی صدر نے عورتوں کو اخبارات پڑھنے مباحثے کرنے وغیرہ کی نصائح کیں۔

## مدرسۃ البنات

جالندھر میں مسلمان لڑکیوں کے لئے سنہ ۱۹۲۶ء میں مولانا عبدالحق عباسی صاحب نے ایک مدرسہ قائم کیا جس میں اس وقت پانچسو لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں۔ ان میں کچھ لڑکیاں باہر کی ہیں۔ بورڈنگ میں درخواستوں کے مقابلے میں جگہ کم رہتی ہے۔ عمارت گو بہت اچھی ہے مگر ضروریات کے لئے ناکافی ہے۔ لڑکیاں چٹائی پر بیٹھ کر پڑھتی ہیں۔ بلکہ بعض جماعتوں میں محض زمین پر ہی بیٹھ کر تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ پردہ کا خاص انتظام ہے۔ حال میں سر سکندر حیات وزیر اعظم پنجاب اور میاں عبدالحی وزیر تعلیم مدرسہ کے معائنہ کو گئے۔ چھوٹی لڑکیوں نے عربی میں خیر مقدم کا گیت گایا۔ جوان لڑکیوں نے پردہ کے پیچھے سے سپاسنامہ پڑھا۔ وزیر اعظم اس مدرسہ کی کیفیت سے بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے مدرسہ کی نئی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس پر دو لاکھ روپیہ لاگت آئے گی۔ اس وقت حکومت کی جانب سے عمارت کے لئے دس ہزار روپیہ کے عطیہ کا اعلان کیا گیا۔ اس موقع پر نیز کے طور پر پچاس ہزار روپیہ چندہ ہوا۔ اس مدرسہ میں مذہبی تعلیم بھی دی جاتی ہے نصابی تعلیم بھی ایسی ہے کہ چھٹی جماعت کی لڑکی آٹھویں جماعت کے لڑکے کو پڑھا سکتی ہے۔ امور خانہ داری کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ مدرسہ کا نصاب یونیورسٹی کے نصاب سے جداگانہ ہے۔ مگر تعلیم کی نوعیت سے متاثر ہو کر حکومت نے اس مدرسہ کو منظور کر لیا ہے۔

## تاروں کا جھرمٹ

قانون خلع کی منظوری گورنر جنرل نے صادر کر دی ہے اب یہ قانون ۱۷۔ مارچ سے نافذ ہے۔

ترکی کے انتخاب میں ۴۲۴ ممبر کامیاب ہوئے۔ جن میں ۱۴ عورتیں ہیں۔ ناکام امیدواروں میں کمال پاشا

کے دو وزیر بھی ہیں۔

**عورتوں کی قومی مجلس** (نیشنل کونسل) نے ان امور پر بحث کی کہ دیہاتوں میں کن طریقوں سے عورتوں کی حالت بہتر بنائی جاسکتی ہے اور ریلوں سے مطالبہ کیا جائے کہ ایسی صورتوں میں کہ کسی مسافر عورت کے سفر میں بچہ ہو جائے اس کے لئے زچگی کے ضروری سامان مہیا رکھے۔

**جنگ** ہسپانیہ ختم ہوگئی۔ جنرل فرنکو کا سارے سپین پر قبضہ ہوگیا۔

دہلی میں جدید قانون خلع کے ماتحت ایک ۱۹ سالہ مسلمان عورت نے شوہر پر طلاق کا دعوی کر دیا ہے کہ وہ نان و نفقہ نہیں دیتا اور زدوکوب کرتا ہے۔ اس قانون کے نافذ ہونے کے بعد یہ پہلا مقدمہ ہے۔

امریکہ کے ایک شفاخانے میں ایک عورت آئی جو خوب کھاپی کر دس منٹ بعد پھر بھوکی ہو جاتی ہے۔ اور کھانا مانگتی ہے۔ اس نے بتایا کہ سال بھر سے اس کی یہ کیفیت ہے

بمبئی میں ایک شخص جہاز پر چڑھ رہا تھا کہ وہ پاؤں پھسل جانے کی وجہ سے سمندر میں گر پڑا۔ اسے بچا لیا گیا۔ مگر اس کی تھیلیا جس میں ڈیڑھ ہزار روپیہ تھے تلاش کے باوجود نہ مل سکی۔ اس علاقہ میں مگر مچھ بہت ہیں۔

**کراچی** میں ایک مسلمان معلم کو ۵۴ سال کی عمر میں ملازمت سے ہٹا کر نوسو روپیہ دیدیئے گئے۔ اس کی پنشن کے معاملہ پر ذرا غور نہ کیا گیا۔ اس نے وزیر اعظم کو چٹھی لکھی۔ جواب نہ ملنے پر اس نے اپنی بیوی اور تین بچوں کے ساتھ وزیر اعظم کے گھر کے سامنے بیٹھ کر فاقہ کشی شروع کی۔ اس کے دوست وزیر کے پاس گئے۔ اس نے غور کرنے کا وعدہ کیا۔ آخر تین دن بعد اس نے فاقہ ختم کیا۔

میرٹھ کی کمیٹی نے قانون بنا کے گداگری کی ممانعت کردی ہے۔ کوڑھی حدود کمیٹی کے باہر رکھے جائیں گے۔ کوئی شخص بغیر لائسنس لئے بھیک نہ مانگ سکیگا۔ لائسنس بھی انھیں کو دیا جائیگا جو فی الواقع روزی کمانے کے قابل نہ ہوں گے۔ اس کے باوجود وہ اپنے جسمانی نقص بازاروں میں نہ دکھا سکیں گے۔ کوئی بچہ بھیک مانگتا ہوا پایا گیا اسے پکڑ کر یتیم خانہ بھیجدیا جائیگا۔

بمبئی کونسل نے انعامی معموں پر ۱۲½ فیصدی ٹیکس لگا دیا ہے۔ آج کل معموں کا بڑا زور ہے لوگ انھیں حل کرکے سینکڑوں روپیہ صرف کررہے ہیں

جرمنی میں ہرہٹلر کی سالگرہ بڑی دھوم دھام سے منائی گئی۔ اس میں برطانیہ و فرانس کے نمایندے شریک نہیں ہوئے۔

مولانا عرفان دل کے عارضہ میں مبتلا ہوکر چند گھنٹوں میں جاں بحق تسلیم ہوئے۔ خلافت کے سلسلہ میں انھوں نے بڑی خدمات انجام دی تھیں

عراق کا جواں سال بادشاہ شاہ غازی موٹر کے بجلی کے کھمبے سے ٹکرانے کی وجہ سے فوت ہوگیا اس کی جگہ اس کا سہ سالہ بچہ تخت پر بٹھا دیا گیا ہے۔

بیشمار مسلمان جے پور سے وہاں کے ناموافق حالات کی وجہ سے ہجرت کرکے دہلی آگئے ہیں۔ انھیں وہاں کی حکومت سے شکایت ہے کہ ان سے انصاف نہیں کیا جاتا۔

ایک انگریز کنواری عورت مس جرٹ روڈ الزبتھ بی اے نے اسلام قبول کیا۔

حضور نظام نے پشاور کے اسلامیہ کالج کو ۱½ لاکھ روپیہ کا عطیہ دیا۔

بہار اسمبلی کی روئداد کی ہندی میں رپورٹ کرنے کے لئے کماری سرلا مقرر ہوئی ہے۔

**اس وقت روس میں** ۴۸۳۵۰۰ مشین کے ہل کھیتوں میں کام کرتے ہیں۔ روس نے ایک لاکھ عورتیں ایسے ہل چلانے کے لئے طلب کی ہیں انھیں کام سکھایا جائیگا۔ تاکہ ایام جنگ میں مردوں کی بجگہ کھیتی کا کام عورتیں کریں آیندہ فصل پر پانچ ہلوں میں سے ایک ہل عورت چلاتی ملیگی۔

| [illegible] | [illegible] | [illegible] | [illegible] | [illegible] |
|---|---|---|---|---|
| بنگالی وپنجابی کھانے | نفیس نفیس کھانے | ٹونکی کھانے | عمدہ عمدہ کھانے | ملائی عمدہ کھانے |
| [illegible] | | | | [illegible] |

## سینکڑوں قسم کے کھانے تیار کرنے کی اردو زبان میں بے نظیر کتاب

# عصمتی دسترخوان حصہ اول

جس کی ایک نمایاں خصوصیت جو اس موضوع کی اور کسی کتاب میں نہ ملے گی یہ ہے کہ تمام ترکیبیں تجربہ کرنے کے بعد لکھی گئی ہیں اس لئے ترکیبیں **بالکل صحیح ہیں اور وزن بالکل درست!** ہندوستان بھر کے ہر حصہ کی تمیز دار عصمتی بہنوں نے اس کتاب کی تیاری میں حصہ لیا ہے اور ایڈیٹر صاحب عصمت کی اہلیہ محترمہ آمنہ نازلی صاحبہ نے بڑی محنت سے کتاب مرتب فرمائی ہے۔ باورچیخانہ کے انتظام اور کھانوں کے متعلق نہایت قیمتی ہدایات و مضامین درج کئے گئے ہیں۔ ایک ایک چیز کئی کئی قسم کی تیار کرنے کے لئے بھی عصمتی دسترخوان سے بہتر کتاب ملنی ناممکن ہے مثال کے طور پر صرف دو کھانوں کی فہرست ملاحظہ فرمائیے۔

| پڈنگ کی ترکیبیں | | کبابوں کی ترکیبیں | | |
|---|---|---|---|---|
| بلم پڈنگ | انجیر پڈنگ | ران کے کباب | کباب بیضۂ مرغ | تاشش کباب |
| کھوئے کی پڈنگ | انڈے پڈنگ | آلو کے کباب | کچے قیمہ کی ٹکیاں | شامی کباب |
| نارنگی بھری پڈنگ | سیب پڈنگ | کچے آلو کے کباب | گوشت کے میٹھے کباب | آنتوں کے کباب |
| جنجر پڈنگ | جلیبیوں کی پڈنگ | ناریل کے کباب | کباب مرغ مسلم | انگریزی کباب |
| روز پڈنگ | میوہ دار پڈنگ | مچھلی کے بیسنی کباب | بیخ کے چٹ پٹے کباب | اروی کے کباب |
| اناس پڈنگ | کشمش پڈنگ | سیخ کے کباب | مچھلی کے شامی کباب | اور کئی کئی قسم کے |
| کمزور بیماروں کیلئے | بالائی پڈنگ | پسندے کے کباب | دہی کے کباب | کباب |

**یہ صرف دو چیزوں کی فہرست ہے** اسی سے کتاب کا اندازہ کریجئے۔ چاول سلونے اور میٹھے۔ سویاں کھیر فیرنی۔ سادے اور ترکاری کے سالن مچھلی، مرغ، جیلی۔ بسکٹ۔ کیک۔ دالیں۔ مٹھائیاں۔ حلوے۔ چٹنیاں۔ مربے۔ اچار۔ سموسے۔ پراٹھے۔ پوری۔ کچوریاں۔ پراٹھے۔ روٹی۔ غرض ہر قسم کے مشرقی و مغربی کھانوں کی بڑی بڑی اچھی ترکیبیں ہیں اور ہر چیز کی کئی کئی درجن صحیح ترکیبیں! **اس کتاب کا ہر گھرانے میں ہونا ضروریات میں سے ہے** ہندوستان بھر میں اس کی دھوم مچ گئی ہے۔ بہت سی عورتیں اس کتاب کی بدولت عمدہ عمدہ ذائقہ دار کھانے پکانے لگی ہیں۔ لڑکیوں کو یہ کتاب اشد ضروری سمجھ کر جہیز میں دیجاتی ہے۔ سینکڑوں خواتین نے اس کی تعریف میں خطوط بھیجے ہیں اور کتنے ہی مردوں نے اس کتاب کی اشاعت پر مؤلف و پبلشر کا شکریہ ادا کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کھانے پکانے کی اس قدر صحیح اور ایسی کارآمد کتاب ہندوستان کی کسی زبان میں آجتک نہیں چھپی۔ اس کی تیاری پر پانی کی طرح روپیہ بہایا گیا ہے۔ پہلے ہی سال میں ہاتھوں ہاتھ تین ایڈیشن نکل گئے اس کتاب پر اس قدر محنت کی گئی ہے کہ پانچ روپے قیمت بھی ہوتی تو کم تھی لیکن اس لئے کہ ہر شخص اس سے فائدہ اٹھا سکے صرف دو روپیہ قیمت رکھی ہے۔ مجلد کی قیمت صرف دو روپیہ چار آنہ ہے۔ اور زیادہ تر مجلد ہی منگائی جاتی ہے۔

**پتہ:- منیجر رسالہ عصمت، کوچہ چیلان دہلی**

# عصمتی دسترخوان حصہ دوم

# عصمتی کُن ہی تل

## یہ کتابیں بھی شائع کی گئی ہیں!

جو ہاتھوں ہاتھ نکل رہی ہیں

**عصمتی ہنڈکلیا** یہ کتاب بچیوں کے لئے ہے تاکہ وہ شادی سے قبل کھانے پکانے کے فن میں ماہر ہو جائیں اور ایک کنواری بچی کو جو جو کچھ جاننا چاہئے عملی طور پر اس سے واقف ہو جائے۔ سوا سو کھانوں کی صحیح صحیح ترکیبیں بچیوں ہی کے مطلب کی درج کی گئی ہیں پھر خوبی یہ کہ کھانے پکانے کے متعلق نہایت مفید مضامین اور کارآمد ہدایتیں درج کی گئی ہیں جو ہر لڑکی کو سمجھ جانی چاہئیں۔ باتصویر ٹائیٹل قیمت صرف ۸ر

**ناشتہ** دوپہر اور رات کے کھانے سے قبل صبح اور تیسرے پہر کیا کیا ناشتہ کیا جاتا ہے۔ اس موضوع پر سب سے پہلی قابل قدر کتاب جس میں چاء۔ کوکو۔ شربت۔ لسی، فالودہ، آئس کریم۔ بسکٹ۔ کیک، ٹوسٹ، کڑاہی وغیرہ وغیرہ نیز ہندوستان کے ہر صوبے اور ہر حصے کے مختلف قسم کے ناشتوں کی کئی کئی ترکیبیں ہیں گویا اس کتاب کی موجودگی میں جس حصہ ملک کا مہمان ہمارے ہاں آئے اسی کے مطلب کی چیز ہم ناشتہ میں پیش کر کے محو حیرت کر سکتے ہیں۔ قیمت ۱۰ر

**بچوں کے کھانے** ننھے بچوں کے لئے اصول صحت سے کس قسم کی غذا دینی چاہئے۔ کون سے کھانے مفید ہیں اور وہ کس طرح تیار ہوتے ہیں۔ اس موضوع پر بینظیر کتاب جس میں بچوں کے صحت بخش اور مفید کھانوں کی کئی درجن تجربہ کی ہوئی صحیح ترکیبوں کے علاوہ کئی نہایت مفید مضامین بھی ملک کے قابل قابل ڈاکٹروں اور تجربہ کار [illegible] کے لکھے ہوئے ہیں۔ باتصویر قیمت صرف ۸ر

**بیماروں کے کھانے** بیماروں کے لئے جو کھانے بیحد مفید ہیں اس میں صرف انہی کی ترکیبیں ہیں۔ اور کئی قابل تجربہ کار ڈاکٹروں نے اس کی تیاری میں حصہ لیا ہے۔ تمام ترکیبیں تجربہ کی ہوئی ہیں اور بیحد کارآمد ہیں۔ مضامین بھی بے انتہا مفید و قابل قدر ہیں۔ ہر گھر میں اس کتاب کا ہونا ضروری ہے باتصویر قیمت دس آنہ ۱۰ر

**مذاقیہ کھانے** دولہا بھائی سے، سمدھی سے، سہیلیوں سے مذاق کرنیکے لئے نہایت دلچسپ کتاب جس میں ہر طرح صحیح ہے۔ بیہودہ تکلیف دہ عامیانہ مذاق کی بجائے اس کتاب میں شائستہ مذاق کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ [illegible] کتاب سے زندہ دلی کا ثبوت دو۔ [illegible] عورت و مرد [illegible] کیلئے [illegible] کتاب نہایت [illegible]

**مشرقی و مغربی کھانے** [illegible]

# زنانہ دستکاری کی مفید کتابیں

## جو اپنے اپنے موضوع پر بہترین تسلیم کی جاچکی ہیں

## (۱) عصمتی کروشیا

کروشیا کی شوقین بہنوں کے لئے بہترین تحفہ

یہ کتاب فن کروشیا کی مشہور ماہر محترمہ فاطمہ انور علی بیگم صاحبہ نے ترکیبیں اور ہدایات لکھ کر مرتب کی ہے۔ عصمت کی مشہور مضمون نگار محترمہ و۔ا۔ صاحبہ کی رائے ہے "یہ خوبصورت اور کامیاب کتاب بہت محنت سے مرتب کی گئی ہے"۔ محترمہ لطیف بیگم صاحبہ جن کے سلائی کے کام کے مضامین رسالہ عصمت میں خوب مقبول ہوچکے ہیں لکھتی ہیں "عصمتی کروشیا کے نقشے اس قدر صاف واضح اور آسان ہیں کہ سمجھنے میں بالکل دقت نہیں ہوتی"۔ محترمہ ملقیس بیگم صاحبہ مولفہ کروشیا کی رائے ہے "جو ہدایات دی گئی ہیں ان سے نمونے بنانے میں بہت سہولت ہوجاتی ہے"۔ دوسرا ایڈیشن نہایت آب و تاب کیساتھ بڑے سائز پر شائع ہوا ہے کاغذ دبیز۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ

**مختصر فہرست عصمتی کروشیا**

| | | |
|---|---|---|
| بنگلہ نما گاڑی | فارم ہاؤس | گڈ نائٹ |
| ڈاک بنگلہ | مسجد کا دروازہ | امام حسین |
| آدمی مع مشک | مرغ | شیر ببر |
| کلمہ طیبہ | تاج محل آگرہ | جامع مسجد |
| ۵ نفیس انسرشن | ۱۱ دلاویز جھالریں | ۲ خوبصورت کونے |
| خوش آمدید | عید مبارک | درخت نما ڈالی |
| چڑیا ڈالی پر | طوطا ن | پرواز گھونسلہ |
| گاڈ بلیس | راج ہنس | بچہ مع تیر و کمان |
| ایک خاتون مع پنکھا | آنکوری۔ بستے | گلدستے و گلدان |

## (۲) عصمتی کشیدہ

اس کتاب میں کشیدہ کاری کے نہایت اچھے اچھے نمونے دئے گئے ہیں ضروری اور کارآمد ہدایتیں اس قدر آسان پیرایہ میں لکھی گئی ہیں کہ چھوٹی چھوٹی بچیاں بھی سمجھ سکیں ہر نمونہ کی ضروری تشریح کی گئی ہے یعنی نمونہ کس کس چیز کے لئے موزوں ہوسکتا ہے اور کس کس رنگ میں ہونا چاہیئے۔ اور کیا کیا احتیاط ضروری ہے پھر نمونے شروع ہوتے ہیں۔ میز پوش پلنگ پوش، رومال، کرسیوں کے گدوں تکیوں کے غلاف پلنگ کی چادروں۔ پردوں وغیرہ وغیرہ کے وسط اور کونوں کے لئے مختلف قسم کے پھولوں، بوٹوں، گلدستوں وغیرہ کے کئی درجن خوبصورت نمونے ہیں۔ ان کے بعد کئی وضع کی دلاویز بیلیں پھر مختلف قسم کی کڑھت کے عمدہ عمدہ نمونے ایک درجن سے زیادہ اس کے بعد پرندوں اور چند مشہور عمارات کے خاکے غرض بچیوں کیلئے یہ کتاب بہت کارآمد ہے اور انہیں ہنرمند بناوے گی پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا اب دوبارہ چھپی ہے قیمت

## (۳) گلدستہ کشیدہ

عصمتی کشیدہ کا دوسرا حصہ

کشیدہ کاری کی اس قدر خوبصورت اور اتنی کارآمد کتاب آجتک نہیں چھپی

اس کتاب کی تیاری میں ۲۰ دستکار بہنوں نے حصہ لیا ہے اور کشیدہ کاری کی مشہور ماہر محترمہ علایہ فاطمہ بیگم صاحبہ آگرہ نے نہایت محنت و قابلیت سے کتاب کو مرتب فرمایا ہے۔

کتاب کے ۱۱ باب ہیں جن کی تفصیل یہ ہے

| | | |
|---|---|---|
| باب ۱ | خوبصورت فریم مثلاً یا محمد تاج محل عید کا تحفہ وغیرہ | ۹ نمونے |
| باب ۲ | مختلف قسم کے پھولوں کونوں ڈالیوں کے | ۶۲ |
| باب ۳ | مختلف وضع کے بنے پھول | ۴۲ |
| باب ۴ | میز پوش چادروں وغیرہ کے کونے | ۱۹ |
| باب ۵ | غلاف تکیہ وغیرہ کے خوشنما کر | ۱۸ |
| باب ۶ | مختلف وضع کے گول پھول | ۱۱ |
| باب ۷ | بیل کلاتہ۔ پلنگ کی چادریں ساری وغیرہ کی بیلیں۔ | ۱۷ |
| باب ۸ | انسرشن کی بوٹیاں وغیرہ | ۸ |
| باب ۹ | قمیص کے کف | ۳ |
| باب ۱۰ | قمیص کرتہ بلاؤز کے گریبان | ۴ |
| باب ۱۱ | متفرق۔ مثلاً کوزی بچوں کے بب جوتہ۔ پاؤں کا غلاف بائیسکل کی گدی پوشہ وغیرہ۔ | ۱۵ |

موتیوں کے کام کی طرح گلدستہ کشیدہ میں بھی پہلے نہایت کارآمد ہدایتیں ہیں پھر نمونوں کے مطابق کاڑھنے کی مفصل ترکیبیں ہیں پھر ہر چیز کا رنگ اور ٹانکہ بھی بتایا گیا ہے۔ نمونے دئے گئے ہیں اور تمام نمونے نہایت صاف ہیں۔ اکثر نمونے ایسے خوبصورت ہیں کہ آجتک کشیدہ کاری کی کسی کتاب میں دیکھنے میں نہ آئے ہونگے اور ترکیبیں تو اس قدر آسان ہیں کہ چھوٹی بچیاں بھی سمجھ سکتی ہیں۔ گلدستہ کشیدہ میں سب نئے نئے نمونے ہیں یعنی جو عصمتی کشیدہ میں آچکے ہیں وہ اس کتاب میں نہیں ہیں کاغذ خوب موٹا دبیز اعلی درجہ کی چھپائی ٹائٹل رنگین ضخامت ۱۳۰ صفحے قیمت عہ

## (۵) موتیوں کا کام

موتیوں کے کام کا شوق لڑکیوں میں روز بروز ترقی کررہا ہے مگر یہ کام ایسا ہے کہ جب تک بتانیوالا نہ ہو سمجھ میں نہیں آتا اور جب اشارہ ملجائے تو باسانی کیا جاسکتا ہے۔ یہ کام بھی نہایت دلچسپ اور مفید ہے۔ غریبوں کے لئے روزی کا ذریعہ ہوسکتا ہے تو امیروں کے لئے دل بہلانے کا۔ ان ہی باتوں کو پیش نظر رکھکر یہ مفید کتاب دستکاری کی ماہر ۲۷ عصمتی بہنوں نے تیار کی ہے اور دعوی کیا جاسکتا ہے کہ موتیوں کے کام کی ایسی مفید کتاب ہندوستان بھر میں نہیں چھپی۔ اس میں مندرجہ ذیل ۲۰۶ نمونے ہیں۔

| | | |
|---|---|---|
| ۴۸ وضع کے پھول بوٹے | ۲۵ قسم کی لیس | ۳۶ کف زیب |
| ۱۳ عمدہ عمدہ فریم | ۱۱ انسرشن توری وغیرہ | ۳ جالیاں |
| ۲۵ وضع وضع کی بیلیں | ۸ ٹکس ار | ۸ کوٹن وسٹس |
| ۹ حاشیہ کنارہ | ۲ پنکھے | ۳ ٹی بیگ |
| ۷ ہینڈ بیگ کے نمونے | ۶ پردے | ٹکوس پوش چھلے |
| متفرق چیزیں ٹی کوزی | ہولڈر۔ سپیر | لیمپ کے جھاڑ وغیرہ |

مثال کے طور پر صرف دو چیزوں کی فہرست پیش کیجاتی ہے

| بیلیں | | لیسیں | |
|---|---|---|---|
| باوزکی بیلیں ۳ | گلاب کی بیل | جگنو نما لیس | برگ نما زری |
| آسان بیل | عینک نما بیل | کے کام کی لیس | دائی نما لیس |
| سادی بیل | لٹ دار | کنگورے دار لیس | جال نما لیس |
| دوپٹہ کی بیل ۲ | چوڑی | الگری دار لیس | بلاؤز کی لیس |
| فراک کی | کمے کی آستین کی | سوسو دار لیس | دوپٹے کی لیس |
| ساڑھی کی ۴ | دامن کی بیل | امپرلڑیاں | لوزنما لیس |
| اوڑھنی | حاشیہ کی | بوردار | سادہ لیس |
| قمیص کا گھیر | نفیس بیل | لاکٹ لڑیاں | شلوار کا پائنچہ |
| | | میز پوش کی پٹی | دلکش لیس پونا |
| | | سہ لڑی | چوڑی لیس اعلی لیس |

پہلے موتیوں کے کام کی ماہر ہم بہنوں کے نہایت کارآمد مضامین ہدایات درج ہیں پھر مفصل ترکیب اور ضروری ہدایات ہر نمونہ کی اس قدر آسان لکھی گئی ہیں کہ نوسکھ بھی پورا فائدہ اٹھا سکتی ہیں چنانچہ بعض ترکیبیں ۲۰۳ سطروں میں ہیں جو کہ باسانی سمجھ میں آجاتی ہیں تمام نمونے نہایت صاف اور خوبصورت ہیں کسی نمونہ کے سمجھنے میں دقت نہیں ہوتی موتیوں کے کام کا شوق رکھنے اور یہ کام سیکھنے والی لڑکیوں اور عورتوں کے لئے اس سے بہتر ساتھی نہیں ملے گی، کاغذ خوب دبیز لکھائی چھپائی نہایت اعلی ٹائیٹل دو رنگ کا باتصویر خوبصورت۔ قیمت دو روپے عہ

(۶) عصمتی دستکاری
(۷) سلمہ ستارے کا کام
(۸) نٹنگ یا بننے کی کتاب

ان کتابوں کا اشتہار کسی دوسری جگہ ملاحظہ فرمائیے۔

## (۴) خواتین کی دستکاریاں

جو عورتیں مالی دقتوں سے پریشان ہیں جنہیں آمدنی کی کمی اور اخراجات کی زیادتی نے پریشان کر رکھا ہے وہ اگر ایک جلد منگالیں تو گھر پر خودداری اور عزت کیساتھ زندگی گذار سکتی ہیں کیونکہ اس کتاب میں نادار اور غریب عورتوں کو نہایت کارآمد پیشے بتا دئے گئے ہیں اور بہت سے کاموں کی اس قدر تفصیل بیان کردی ہے کہ بہت سی عورتیں بغیر کسی کا احسان اٹھائے صرف اس کتاب کی بدولت مالی پریشانیوں کو باسانی دور کرسکتی ہیں۔ خواتین کی دستکاریاں جہاں غریب عورتوں کو بہترین مشورہ دیگی وہاں امیر عورتوں کو بھی ہنرمند اور سلیقہ شعار بناوے گی قیمت آٹھ آنہ۔

ملنے کا پتہ۔ منیجر عصمت دہلی

Only Cover Printed at the Calcutta Art Press, Katra Baryan, Delhi.

Regd. No. L. 1072 July 1939 Established 190



# تصانیف فخرِ نسوانِ ہند محترمہ خاتون اکرم جنت مکانی

محترمہ خاتون اکرم صاحبہ تعلیم یافتہ ہندوستانی خواتین کی محبوب ترین انشاپرداز تھیں جن کی مضمون نگاری کا ہندوستان بھر میں ڈنکا بج چکا ہے جن کے فلسفیانہ خیالات نے جن کے دردواثر میں ڈوبے ہوئے طرز تحریر نے بڑے بڑے قابل مردوں سے خراج تحسین وصول کیا تھا۔ مشہور انگریزی روزنامہ بمبئی کرانیکل کی رائے ہے "مرحومہ خاتون اکرم نہایت اعلیٰ درجہ کا ادبی مذاق رکھتی تھیں اور اپنے خیالات و جذبات کو نہایت سادہ مگر پُر زور انداز اور مختصر الفاظ میں ادا کرنے کی قدرت رکھتی تھیں" علی گڈھ میگزین لکھتا ہے "ان کا طرز بیان پُر اثر اور دل نشین ہوتا ہے"۔ رسالہ نور جہاں نے لکھا تھا "مرحومہ چھوٹی سی عمر میں نہایت دانشمند اور وسیع تجربہ رکھنے والی خاتون تھیں اپنی پُر زور تحریر میں انسانی جذبات کی تصویر نہایت خوش اسلوبی سے کھینچتی تھیں"

## گلستانِ خاتون (۱)

محترمہ خاتون اکرم ملک کے بہترین افسانہ نگار مردوں میں بھی نہایت ممتاز درجہ رکھتی تھیں گلستان خاتون متفقہ طور پر اردو کے بہترین افسانوں کا مجموعہ تسلیم کی گئی ہے۔ شہید ظلم۔ ارزوؤں پر قربانی۔ انقلاب زمانہ۔ تربیت اولاد۔ طرز زندگی پیچ کی فتح۔ دوسری شادی وغیرہ۔ وہ سبق آموز موثر اور دردانگیز افسانے ہیں جو زنانہ لٹریچر میں غیر فانی درجہ رکھتے ہیں اس سے پہلے کسی ہندوستانی خاتون کے ایسے بلند پایہ افسانوں کا مجموعہ نہیں چھپا۔ پیسہ اخبار لکھتا ہے "یہ وہ دلچسپ افسانے ہیں جن میں کوئی افسانہ خلاف قیاس نہیں بلکہ عین مشاہدہ اور فطرت کے موافق ہے انکی دلچسپی خاتمہ کتاب پر خود بخود مائل کرتی ہے" اخبار ریاست کی رائے "نہ صرف خواتین بلکہ مردوں کو بھی ان سبق آموز اخلاقی افسانوں کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے" رہنما لکھتا ہے "ہر افسانہ اس قدر دلکش ہے کہ بغیر پورا کئے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ یہ افسانے ہمارے موجودہ تمدن و معاشرت کی خرابیوں کی اصلاح کرنے والے ہیں" ذوالقرنین لکھتا ہے "ان افسانوں میں ایک خاص خوبی یہ ہے کہ جس کا کیرکٹر بیان کیا ہے اسمیں موقع و حیثیت کے لحاظ سے زبان و لہجہ استعمال کیا گیا ہے۔ ملک کے تمام مشہور اخبارات و رسائل نے نہایت شاندار ریویو کئے ہیں کتاب کا دیباچہ مولوی راشد الخیری ایڈیٹر عصمت نے لکھا ہے تمام کتاب آرٹ کاغذ پر نگین چھپی ہے اردو میں ایسی خوبصورت کتابیں بہت ہی کم نکلیں گی۔ ٹائیٹل خوبصورت عمدہ لکھائی چھپائی قیمت ایک روپیہ چار آنہ۔ مجلد

## پیکرِ وفا (۲)

ایک دلاویز نتیجہ خیز افسانہ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ وفا عورت کی خلقت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور شریف بیوی اپنے شوہر کیلئے ایسی ایسی قربانیاں کر دکھاتی ہے کہ دنیا حیرت میں آجائے۔ رسالہ ہمایوں کی رائے ہے "یہ ایک کامیاب و مفید افسانہ ہے جسمیں عورتوں کے احترام کو واضح کیا گیا ہے جسکی تعلیم اسلام نے دی ہے انداز بیان دردانگیز عبارت سادہ و شگفتہ" اخبار کشمیری کی رائے "پیرایہ بیان دلگداز ہے" اخبار صداقت کی رائے "پلاٹ اور کیرکٹروں کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کا افسانہ ہے" بارسوم قیمت آٹھ آنے

## بچھڑی بیٹی (۳)

ایک دلچسپ سبق آموز افسانہ جو کئی زنانہ رسالوں میں شائع ہو کر بے انتہا پسند کیا جا چکا ہے۔ ایک لڑکی ماں باپ سے بچھڑ جاتی ہے اسکی جدائی میں ماں باپ کی جو کیفیت ہوتی ہے صرف کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ برسوں کے بعد وہی لڑکی اس طرح ملتی ہے کہ جنت مکانی کی بے مثل افسانہ نگاری کی داد دینی پڑتی ہے بیحد دلچسپ قصہ ہے۔ یہ بھی آرٹ کاغذ پر چھپا ہے قیمت ۶

## جمالِ ہمنشیں (۴)

جنت مکانی کے بے مثل ادبی مضامین کا نہایت حسین شاندار مجموعہ

اجل۔ عالم نزع۔ پھول۔ رمضان وعدہ وفائی۔ خدا کی مصلحت۔ تعزیت نامہ۔ فانی زندگی۔ تغیرات زندگی۔ نیرنگی زمانہ۔ عبرت گاہ دنیا۔ موسم بہار۔ غم۔ ساون۔ عید۔ زندوں کی زندہ ہستی۔ کسی کی یاد۔ ہنسی مذاق۔ خوشی کا دن وغیرہ وغیرہ۔ یہ وہ دلاویز مضامین ہیں جو عصمت۔ تہذیب نسواں۔ شباب اردو وغیرہ میں شائع ہو کر دھوم مچا چکے ہیں۔ جمال ہمنشیں کے متعلق اخبار ہمدرد لکھتا ہے "ان مضامین میں فلسفیانہ بحث کی گئی ہے" انڈین ڈیلی میل کی رائے "ان مضامین کی اردو صاف رواں ہے" زمانہ رسالہ حرم کی رائے "یہ مضامین بلحاظ زبان و خیال نہایت بلند ہیں اور ان کی اشاعت اردو زبان پر بڑا احسان ہے" رسالہ اردو لکھتا ہے "ان مضامین کی عبارت بہت فصیح و پختہ ہے" اخبار وکیل "جمال ہمنشیں بلاشبہ نسوانی دنیا کیلئے سبق آموز کتاب ہے" اخبار مدینہ کی رائے "مضامین بہت بلند پایہ ہیں" روزنامہ انگریزی بمبئی کرانیکل لکھتا ہے "ان مضامین کی زبان نہایت آسان اور سادہ ہے" یہ بھی آرٹ کاغذ پر تیسری بار چھپی ہے قیمت ایک روپیہ

# تصانیف محترمہ صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ

ایم۔ آر۔ اے۔ ایس۔ لندن

## مشیرِ نسواں یا زُہرہ (۱)

ایک دلچسپ اخلاقی ناول جسمیں لڑکیوں کو بہت سی مفید اخلاقی باتیں بتائی گئی ہیں۔ قصہ دلچسپ و نتیجہ خیز ہے، طرز بیان بیحد اعلیٰ اکابرین قوم نے جسے پڑھ کر حسب ذیل ریویو کئے تھے

علامہ شبلی نے اسے پڑھ کر فرمایا تھا "یہ کتاب محاسن سے مملو اور معائب سے بالکل پاک ہے" اخبار مشیر دکن کے ریویو کا خلاصہ "کیا بلحاظ مضامین کیا بلحاظ زبان بڑی دلچسپ اور دلآویز کتاب ہے" مخبر دکن کا ریویو "عورتوں کیلئے نہایت دلچسپ اخلاقی ناول ہے" شوکت اسلام کا ریویو "بے نظیر ناول ہے جس میں عورتوں کی ہر حالت اور ہر عمر کے متعلق نصائح اور معلومات کے ذخیرے دلچسپ طریقہ سے بیان کئے گئے ہیں" اخبار تہذیب نسواں کا ریویو "اس قصہ کو مصنفہ نے نہایت دلچسپ اور پُر لطف طریقہ سے بیان کیا ہے" مصنفہ کو اس تصنیف پر تمغہ طلائی دیا گیا تھا بارسوم قیمت

## سرگذشتِ ہاجرہ (۲)

دلچسپ اور سبق آموز قصوں کے پیرایہ میں اخلاقی و اصلاحی جواہرات کا بیش بہا ذخیرہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ازدواجی زندگی میں جو بدمزگی پیدا ہو جاتی ہے عورت انہیں کس طرح دور کر سکتی ہے۔ چار سہیلیاں ایک جگہ جمع ہو کر آپ بیتی سناتی ہیں ان میں ہاجرہ کی سرگذشت سب سے زیادہ دلچسپ اور مفید ہے اور بتایا گیا ہے کہ بیویاں بگڑے ہوئے گھر کس طرح سنوارتی اور ہاتھ سے نکلے ہوئے شوہروں کو کیونکر اپنا کر لیتی ہیں۔ علامہ سر محمد اقبال کی رائے ہے کہ سرگذشت ہاجرہ مستورات کیلئے نہایت مفید کتاب ہے طرز بیان بھی سادہ موثر اور دلکش ہے" بیگم صاحبہ سر عبد القادر صاحب بیرسٹر ایٹ لا کی رائے ہے "یہ نہایت اچھی اور دلچسپ کتاب ہے اس میں ہر قسم کے نقائص کی بڑی خوبی سے قصہ کے پیرایہ میں اصلاح کی ہے۔ بار دوم قیمت دس آنہ

## موہنی (۳)

ایک اخلاقی معاشرتی افسانہ ایک شہزادی شوہر کے انتقال پر گھر بار چھوڑ کر جنگلوں میں ماری ماری پھرتی ہے۔ یہاں تک کہ ایران پہنچتی ہے اور وہاں عجیب طریقہ سے شوہر سے ملاقات ہوتی ہے۔ ایران کی معاشرت، مہمانداری، زچہ خانہ، شادی، بیاہ، رسم و رواج پر ایسی مفید معلومات کسی کتاب میں نہ ملیں گی قیمت

## تحریر النسا (۴)

لڑکیوں اور عورتوں کے لئے جدید طرز پر خط و کتابت کی بے نظیر کتاب، اخلاقی و معاشرتی مذہبی سبقوں کا لاجواب مجموعہ جس میں خط نویسی کو کارآمد اور مفید بہت سی باتیں بتائی گئی ہیں۔ یہ کتاب دلچسپ اور نتیجہ خیز سبق آموز مضامین کا مجموعہ بھی ہے پڑھنے کے بعد نہ صرف ہر موضوع پر اچھے اچھے خطوط ہی لکھ سکتی ہیں بلکہ انکی معلومات میں بھی اضافہ ہوتا ہے قیمت

معزز خواتین کی لکھی ہوئی نہایت دلچسپ اور مفید کتابیں

محصول ڈاک بذمہ خریدار

| | | | |
|---|---|---|---|
| انوری بیگم | ۱ | عقل کی باتیں | ۲ |
| غیرت کی پتلی | ۰ | ہنسی کی باتیں | ۲ |
| چار رخ | ۴ | تاریخی لطیفے | ۲ |
| مدلسہ پر قربانیاں | ۲ | خواتین اندلس | ۲ |

| | | | |
|---|---|---|---|
| خانہ داری کے تجربے | ۱۲ | تندرستی ہزار نعمت | ۴ |
| شمع خاموشی (نظمیں) | ۶ | پردہ و تعلیم | ۰ |
| آئینہ جمال (نظمیں) | ۱۲ | بچوں کی تربیت | - |
| شبیہ وفا (افسانے) | ۸ | بچوں کی دنیا | ۰ |
| نغمات موت (مضامین) | ۶ | مختصر دنیا | ۵ |
| | | آئینہ سوز | ۲ |

دفتر عصمت کوچہ چیلان دہلی

سے یہ سب کتابیں شائع ہوئی ہیں

# رسالہ عصمت دہلی


سالگرہ نمبر (جولائی) ۱۹۳۹ء

| نمبر ۱ | بتیسواں (۳۲) سال | جلد ۶۳ |
|---|---|---|


## فہرست مضامین



باہتمام ابوامین مولوی محمد امان الرحمٰن پرنٹر و پبلشر محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں چھپا

# تصاویر

(۱) قلعہ آگرہ کا وہ کمرہ جہاں شاہجہاں کو قید کیا گیا تھا اور جہاں سے وہ تاج محل دیکھتا تھا۔ (۲) پینرا کا ترچھا مینار۔ (۳) نیلا گرا ٹو (۴) اسیلاب۔ (۵) ریگستان کا ایک منظر۔ (۶) بلوچستان کے قبائلی بچے (۷) کوئٹہ کی مشہور تفریح گاہ زلزلہ سے پہلے (۸) کوئٹہ کی مشہور تفریح گاہ زلزلہ کے بعد۔ (۹) کوئٹہ کی ایک قبر جس میں زلزلہ کے بعد ۱۰۷ مردے دفن کئے گئے۔ (۱۰) گھسیارہ (۱۱) ہمارا غسل (۱۲) جنگل سے۔ (۱۳) شیر کے پالتو بچے۔ (۱۴) ننھا نمازی۔ (۱۵) شرارت۔ (۱۶) استاد کے سامنے (۱۷)۔ ناشتہ (۱۸) محویت۔ (۱۹) ننھا کپتان (۲۰) عید مبارک۔

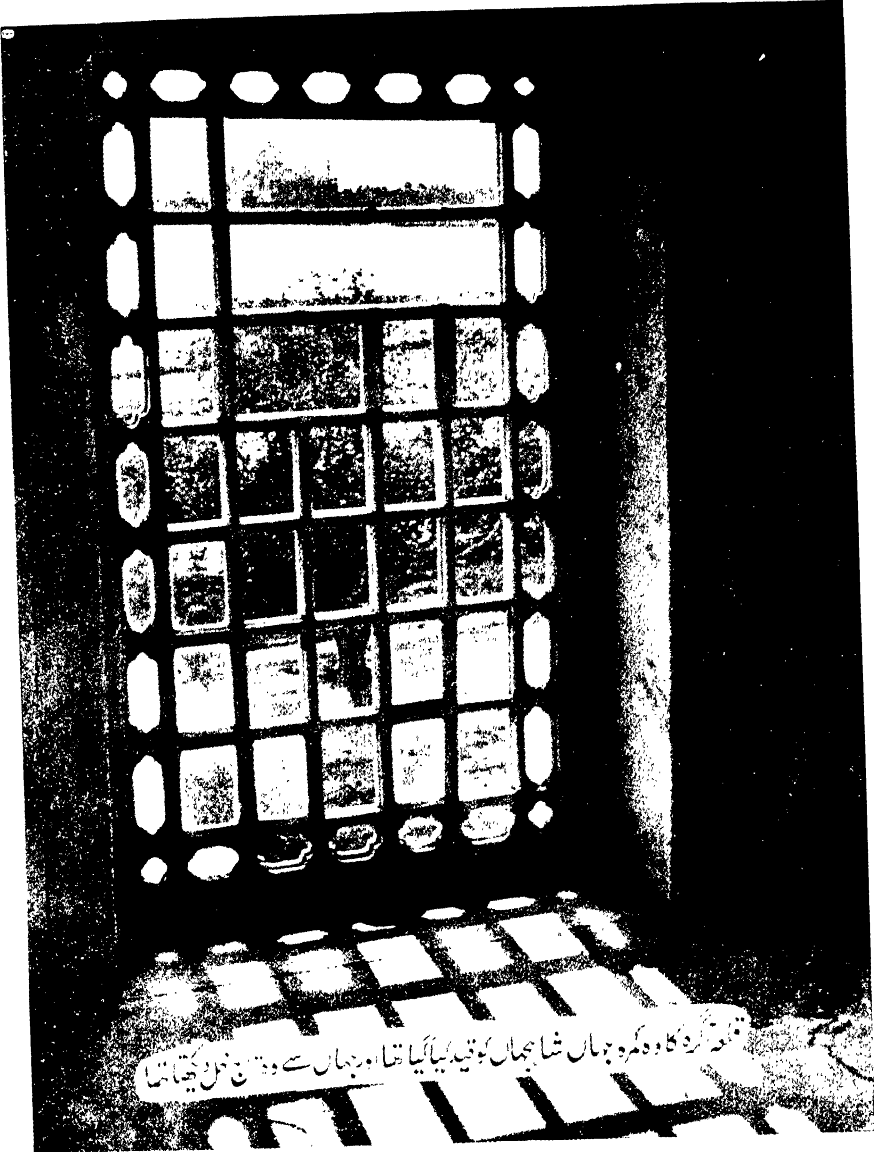
**بہن بھائی** (۲۱) رازقہ۔ سعد۔ طارق۔ حاذق۔ (۲۲) عصمت۔ عالم۔ (۲۳) مجھن۔ صفیہ۔ (۲۴) بیگم کپتان وصی عسکری کے بچے۔ (۲۵) والدہ احتشام علی کی پوتی اور پوتا۔

**تندرست بچے** (۲۶) زرینہ بی بی (۲۷) زاہدہ ابراہیم (۲۸) ساجدہ بیگم (۲۹) ذکیہ خاتون (۳۰) قاسم مشہدی۔ (۳۱) ضیاء اللہ متفرق (۳۲) البانیہ کے پہاڑی باشندے۔ (۳۳) عراق کا کمسن بادشاہ۔ (۳۴) تجویز فلسطین کے خلاف مظاہرہ۔ (۳۵) چینیوں کا آتش زدہ مکان۔


**چندہ سالانہ پیشگی** مع محصول ڈاک چار روپیہ ؏ **ممالک غیر سے** دس شلنگ قیمت سالگرہ نمبر دس آنے

**قسم خاص** (آرٹ کاغذ کا ایڈیشن) دس روپے۔ رؤسا سے پچیس روپے، والیان ریاست سے سو روپے۔

**ممالک غیر سے** ایک پونڈ۔



قلعۂ آگرہ کا وہ کمرہ جہاں شاہجہاں کو قید کیا گیا تھا اور جہاں سے وہ تاج محل دیکھتا تھا

## تندرست بچے



زرینہ بی بی دختر ایم والی قلعدار



زکیہ خاتون عمر ۲ سال
محترمہ والدہ احتشام علی کی نواسی



زاہدہ بنت محمد ابراہیم دار احمد آباد



ضیاء اللہ قیصر پسر سیدہ عطا بیگم میونسپل کمشنر ... عمر ۲ سال ۸ ماہ



قاسم مشہدی بحرین عمر ۱ ماہ



ساجدہ بنت بیگم محی الدین اورنگ آباد دکن

# چند باتیں

گذشتہ جون کے پرچہ کے ساتھ عصمت کے اکتیس۳۱ سال پورے ہو گئے۔ یہ پرچہ بتیسویں۳۲ سال کا پہلا پرچہ اور حسب دستور سالگرہ نمبر ہے اور غیر معمولی ضخامت کے ساتھ شائع ہو رہا ہے ۱۹۳۷ء تک سالگرہ نمبر دو ماہ کا یکجائی پرچہ ہوتا تھا اور اس میں مضامین کے صفحے سوا دوسو کے قریب دئے جاتے تھے۔ لیکن سال گذشتہ سے سالگرہ نمبر صرف ایک ماہ کا پرچہ ہوتا ہے۔ اس وجہ سے مضامین کے صفحے ۱۹۳۷ء تک کے سالگرہ نمبروں کے مقابلہ میں کم ہیں۔ کچھ تو اس وجہ سے اور کچھ اس لئے بھی کہ بعض مضامین بہت دیر میں موصول ہوئے۔ افسوس ہے کئی نہایت ضروری اور بہت اچھے اچھے مضمون اس پرچہ میں درج نہ ہو سکے لیکن اس کے باوجود یہ سالگرہ نمبر امید ہے عصمتی بہنیں پسندیدہ نظروں سے ملاحظہ فرمائیں گی۔ محض پرچہ کا ضخیم ہونا اس کی کامیابی کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ اصل چیز مضامین ہیں۔ اس سالگرہ نمبر کے اکثر و بیشتر مضامین کا معیار بلند ہے لیکن عام دلچسپی بھی نظر انداز نہیں کی گئی کئی مضمون نئے نئے موضوعوں پر ہیں۔ جو یقیناً نہایت دلچسپی کے ساتھ دیکھے جائیں گے۔ بعض مضمونوں کے عنوانات میں تو دلکشی نہیں لیکن اسلوب بیان دلاویز اور خیالات قابل قدر ہیں بعض مضامین بہت محنت اور تحقیق کے ساتھ لکھے گئے ہیں جن سے گراں بہا معلومات حاصل ہوتی ہیں تو بعض مضامین دلچسپی کے اعتبار سے بہترین کہے جا سکتے ہیں۔ موثر نظموں اور نتیجہ خیز افسانوں ڈراموں کے ساتھ ساتھ ایسے مضامین بھی ہیں جن سے خواتین عملی طور پر بہت کچھ فائدہ اُٹھا سکتی ہیں۔ غرض مضامین کے اعتبار سے یہ سالگرہ نمبر نہایت کامیاب ہے البتہ رنگین تصویروں کی کمی ہے لیکن سادہ تصاویر کی معقول تعداد کے علاوہ مضمونوں سے بھی یہ کمی پوری کردی گئی ہے۔ کہ ایک تہائی سے زیادہ مضامین باریک لکھوا کر قریباً دوسو صفحوں کا میٹر دیا جا رہا ہے ✤

# عصمت کی لاج

ان خواتین وحضرات کے نام دلی شکریہ کے شائع کئے جاتے ہیں جنہوں نے عصمت کی توسیع اشاعت میں حصہ لیا　　مینجر

بیگم زیڈ اتیح مشہدی صاحب بحرین نے ۴ خریدار دئے۔

جنہوں نے ایک ایک خریدار دیا:۔ مسز سید محسن صاحب رضوی لاتور۔ ڈاکٹر صادق علی صاحب کانپور۔ شہاب الدین صاحب ڈبھوئی۔ محمد موسیٰ صاحب رنگون۔ محمد بشیر صاحب کلکتہ۔ ہیڈ مسٹریس صاحب اردو اسکول کارڈ ستارہ۔ قاضی اظہار حسین سنبھال پرگنہ۔ ایم ایم اے کرمانی۔ مدراس محمد رافع صاحب کانپور۔ تہور حسین صاحب الہ آباد۔ سلامت اللہ صاحب کراچی علی حسین صاحب حیدرآباد دکن۔ ایچ اے ملک صاحب شملہ۔ عبدالکریم صاحب۔ مدراس۔ غلام معین الدین صاحب۔ نٹال۔ فضل الرحمٰن صاحب کراچی۔ محمد موسیٰ صاحب سہارنپور۔ ضیاء الدین احمد صاحب۔ حیدرآباد دکن رسول احمد صاحب۔ بارہ بنکی۔ محمد یامین صاحب۔ دہامپور بجنور۔ قمرالدین صاحب جموں کشمیر۔ محمد رفیع صاحب لکھنؤ۔ ایم جے عبید الرحمٰن صاحب ناگپور۔ محمد عبدالوکیل خاں صاحب علیگڈھ۔ شاہ مقبول احمد صاحب کلکتہ۔ منظر الحق صاحب بمبئی۔ ڈاکٹر این حق صاحب افریقہ۔ فیاض منظور صاحب جڑانوالا۔ منظور الحق صاحب سہارنپور۔ سید ابراہیم صاحب عثمان آباد دکن۔ عبدالسبحان صاحب کلکتہ۔ قاضی ظہور الدین صاحب جوں۔ سید نصیر الدین صاحب مومن آباد۔ مولوی احمد علی صاحب جاورہ۔ عبدالرؤف صاحب لاہور۔ پروفیسر عبدالعزیز صاحب حیدرآباد دکن۔ محمد اشرف صاحب نینی تال۔ قاضی عبدالرزاق صاحب بمبئی۔ زیڈ اتیح مشہدی صاحب بحرین۔ مقبول احمد صاحب کلکتہ۔ نذیرالدین صاحب کراچی۔ غلام اسداللہ صاحب یا با شریف دکن۔ سید رضا محمد صاحب پٹیالہ۔ صاحبزادہ خلیل احمد صاحب ٹونک راجپوتانہ۔ عزیز النساء صاحبہ آصف نگر دکن۔ منور جہاں بیگم صاحبہ بلاسپور۔ ہمشیرہ مبتشراللہ صاحب الہ آباد۔ مسز رحمت اللہ صاحبہ شملہ۔ بنت احمد کمال خاں صاحب فتح پور۔ سید سلیم حسین شاہ صاحب نواب شاہ سندھ۔ شبیہہ فاطمہ صاحبہ۔ امروہہ مرادآباد۔ اکبری بیگم صاحبہ آملا دبیتول۔ لاڈلی بیگم صاحب گونڈہ۔ مس پرکاش کور صاحبہ علی پور۔ مسز عبدالولی صدیق شاہ پور۔ حلیمہ یوسف صاحبہ کلکتہ۔ منظور الحق صاحب سہارنپور۔ بیگم قاضی غلام مرتضےٰ چنیوٹ جھنگ۔ دختر قاسم بن سالم عرب بیجاپور دکن۔ مسز مجیب الرحمٰن صاحب سجادپور۔ میر جعفر صاحب دیولالی۔ اہلیہ چودہری عزیز احمد صاحب۔ گوجرخاں۔ راولپنڈی۔

# سالگرہ نمبر کا انتظار

پھر فصلِ بہار آئی — گلشن پہ گھٹا چھائی
لی غنچوں نے انگڑائی — ہے چشم تماشائی
بے تاب ہیں شیدائی — آ۔ جلد بہ رعنائی
اے سالگرہ نمبر

ہنگامِ بہاراں ہے — ہر ذرہ درخشاں ہے
گل رنگ بداماں ہے — رنگین گلستاں ہے
وا دیدۂ حیراں ہے — آ۔ پھر وہی ساماں ہے
اے سالگرہ نمبر

محفل ہے سجی ساری — سب ہو چکی تیاری
ہے تیری طلبگاری — اک اک ہے گھڑی بھاری
پھر چاہیئے دل داری — دے پھر وہی سرشاری
اے سالگرہ نمبر

لمحاتِ طرب آئین — دیکھیں تجھے کھل جائیں
حاصل ہوں نئی راہیں — سب پھر ترے گن گائیں
تھا۔ کہ سکوں پائیں — بے تاب تمنائیں
اے سالگرہ نمبر

باشانِ دگر بنکر — عشرت کی خبر بنکر
تسکین نظر بنکر — تصویرِ اثر بنکر
بوئے گلِ تر بنکر — آ۔ نورِ سحر بنکر
اے سالگرہ نمبر

با ناز و ادا، آجا — ہاں شکل دکھا، آجا
بر دوشِ صبا، آجا — ہمراہ نوا آجا
اب کر نہ حیا، آجا — آ، بہرِ خدا، آجا
اے سالگرہ نمبر

ام زہرا ہاشمی (بدایونی)

# عصمت کی اکتیسویں (۳۱) سالگرہ

نازپروردۂ آغوشِ محبت "عصمت"
جس کی چھٹ پن سے رہی دل کو مرے خاص الفت
شوق ہر دم تھا یہی اس کے پرستاروں کو
لو لگی تھی یہی بس اس کے وفاداروں کو
دیکھ لیں آنکھوں سے ہم اس کا کبھی عہدِ شباب
ہے محبوبِ جہاں بن کے وہ دن آئے شتاب
نوجواں بن کے ہے یہ ادبی دنیا کا
خوبیوں میں یہ زمانے میں ہو اپنی یکتا
شائقِ علم کے ہر طرح ہو محبوبِ نظر
اور ہر اہلِ نظر کا ہو یہ مطلوبِ نظر
صنفِ نازک کے طبائع میں ہے بن کا اثر
ابھی ذرہ ہے یہ یہ ہو کے رہے رشکِ قمر
اس کے خدام تھے جتنے وہ دعاگو تھے یہی
فضلِ خالق سے مرادیں وہ ہوئیں اب پوری
الغرض خیر سے وہ عہدِ جوانی آیا
حسن میں اپنے یہ مقبولِ جہاں ہو نکلا
اس کے دم سے ہوا پھر عالمِ نسواں زندہ
جا کے ہر گھر میں یہ ایسا سبق آموز ہوا
بخشے اس راشدِ خیری کو خدائے متعال
کر گیا اپنی ریاضت سے جو پودے کو نہال
شائقو آؤ ادھر اپنی نگاہیں پھیرو
بچپنا دیکھ کے آج اس کی جوانی دیکھو
دیکھیں اس سمت ذرا رازقِ خیری ہیں کہاں
جن کی خدمت سے ہوا عصمتِ فرخندہ جواں
ہو مبارک کہ ہوا بدر تمھارا یہ ہلال
اس کی اکتیسویں (۳۱) ہے سال گرہ کا یہ سال

امداد عظیم آبادی

# اعتراف حقیقت

مبارک ہمسفیرو مژدۂ رنگِ بہار آیا
مئے گلرنگ سے لبریز جامِ خوشگوار آیا
خوشا کہ بن کے ساقی عصمتِ رنگیں نگار آیا
سرور و کیف کی دنیا لئے وہ جانثار آیا
بیا شیدانِ عصمت آج پھر محفل تمھاری ہے
صراحی ساغر و مینا تمھارا ہے تمھاری ہے

اسی ساقی کے لطف و فیض سے عزِ جہاں پایا
اسی شفقت کی چشم مہر سے لطفِ جہاں پایا
اسی کے دم سے ہم نے مرہمِ زخم نہاں پایا
تصدق میں اسی کے ہم نے علمِ بیکراں پایا
بتایا اس نے رازِ علم ذوقِ بندگی ہم کو
ملی جس کی بدولت آج اوجِ زندگی ہم کو

اسی نے رستہ ہم کو بتایا بامِ رفعت کا
سبق اس نے پڑھایا ہم کو اخلاق و محبت کا
اسی کی کوششوں نے وا کیا دَر علم و شہرت کا
یہی آیا زمانے میں فرشتہ بن کے رحمت کا
بنا رہبر ہمارا اور پتہ منزل کا بتلایا
بھٹکتے رہروانِ راہ کو منزل پہ پہنچایا

نہ تھی جب کوئی صورت بحرِ غم سے پار ہونے کی
ہوا کو آرزو تھی جب سفینے کو ڈبونے کی
نگاہوں کو اجازت جب نہ تھی موتی پرونے کی
کسی کے کان تک جاتی نہ تھی آواز رونے کی
سُنی اس وقت اس نے گوشِ دل سے داستاں اپنی
ہمارے واسطے پھر وقف کر دی اس نے جاں اپنی

بچایا ہم کو ظلم و جور سے سینہ سپر ہو کر
چبھا ظالم کے سینے میں یہی تیر و تبر ہو کر
اسی ہمدرد نے پھونکا عدو کا دل شرر ہو کر
گھٹائے جہل میں چمکا یہی مہر و قمر ہو کر
اسی ابرِ کرم نے علم کے موتی لُٹائے ہیں
اسی بحرِ ادب نے علم کے دریا بہائے ہیں

انور جہاں اطہر علی اورنگ آباد دکن

# صبحِ آرزو

کس قدر حیرت فزا ہے حسنِ صبحِ آرزو
ذوقِ فطرت کا ہے مظہر انتخابِ رنگ و بُو

لالہ و گل کی معطر گودیوں میں صبحِ ناز
مسکراتی ہے مثالِ طفلِ شوخ و دلنواز

چاند تاروں سے مزین ہے ردائے سبزہ زار
شبنمِ نہاں کی سیم افشانیاں ہیں دُر نثار

شیشۂ امواج میں حسنِ بہارِ جاں فزا
جیسے آئینہ میں ہو عکسِ عروسِ مہ لقا

گا رہی ہے نغمۂ تبریک ہر موجِ نسیم
بوئے فصلِ گل سے ہے عنبر فشاں جوئے شمیم

غنچہ و گُل مسکراتے ہیں سحر ہونے کو ہے
حُسنِ فطرت یعنی فردوسِ نظر ہونے کو ہے

وہ سحر جو غنچۂ اُمید سے دامن بھرے
ہے نشاطِ زیست کا پیغام ہونٹوں میں لئے

جس کے پردہ میں نہاں ہے آفتابِ صد اُمید
جس کے آئینہ میں ہے عکسِ ہلالِ ماہِ عید

جس کی جنت سے نسیمِ زندگی آنے کو ہے
جس کے غنچوں سے شمیمِ خرمی آنے کو ہے

"ماہِ منزل" بن کے ہے جس کا ستارا ضو فشاں
جاگنے کو ہے نصیبِ دخترِ ہندوستاں

دے رہی ہے صبحِ عشرت یہ پیامِ نو بہ نو
"جاگ اے تقدیرِ نسواں پھر ذرا بیدار ہو"

ہو مبارک تجھ کو اے دُختِ وطن صبحِ اُمید
یہ سحر ہو کاش تیرے حق میں رشکِ صبحِ عید

دور ہو جائے ترا کسل و جمود و بے حسی
عرصۂ ہستی پہ ہو تو بھی "پیامِ زندگی"

ہو مبارک روحِ "راشد" کو یہ صبح کامگار
ہو مبارک دستِ "رازق" کو یہ تنظیمِ بہار

چشمِ نسواں کو مبارک ماہِ عصمت کی ضیا
اور جمالہ کے لبوں کو ہو مبارک یہ دعا

"سالِ نو گلزارِ عصمت میں بہار آمیز ہو
ہر سحر گل خیز ہو ہر شام نکہت ریز ہو"

بلقیس جمال بریلوی

# قطعہ تاریخ سالنامۂ عصمت

بخیر سال اکتیسواں[۳۱] تمام ہوا
ادائے شکر کریں اہلِ خامۂ عصمت

زمانہ کیوں نہ معطر ہو اس کی خوشبو سے
بسا ہے علم کے پھولوں میں جامۂ عصمت

ہوئی یہ طبع کی تاریخِ سالِ ہجری میں
"کتابِ حسن ہے یہ سالنامۂ عصمت"

۱۳۵۸ ھ

ام زہرہ ہاشمی

# خیر مسلسل

وہ زندہ قوم جو فرمان دہِ اقوامِ عالم تھی ——— جب اُس کو اس کی قسمت نے سکھائی حکم برداری
غلامی سے دبی خاکسترِ ادبار و نکبت میں ——— ودیعت کی گئی تھی اُس کی فطرت کو جو چنگاری

خود آگاہی کو کھو کر فرض و واجب سے ہوئی غافل ——— ہوا کم رفتہ رفتہ احترامِ ذوقِ خودداری
بڑھیں "رسموں کی پابندی سے" بے تعداد زنجیریں ——— ہوئی حد سے فزوں، قیدِ علائق میں گرفتاری
دلوں میں ہو گئی کسبِ ہُنر کی آرزو مُردہ ——— تلاش و جستجوئے علم سے ہمت ہوئی عاری
ہوئی بیگانگی "تعلیمِ دین" کی اصل غایت سے ——— جُدا ہونے لگی "آئینِ مذہب" کی رواداری
نگاہوں سے رہِ حق دُور کی "تقلیدِ باطل" نے ——— مبدل کج روی سے ہو گئی وہ راست رفتاری
حیا آنے لگی دنیا میں سر اونچا اُٹھانے سے ——— ہوا رنگِ طبیعت مائلِ شرم و نگوں ساری
غرض یہ قوم غافل رُو بہ پستی، رو بہ پستی تھی ——— کہ حاصل ہو گئی تائیدِ فضل و رحمتِ باری
اُٹھا، اک مردِ حق جوشِ عمل کا ولولہ لے کر ——— کرے تا اس میں پیدا ذوق احساسِ غلط کاری
نظر آیا، مدارِ زندگیٔ قوم "ماؤں" پر ——— ہوئیں محسوس اُنہیں کے سر پہ ذمہ داریاں ساری
بنایا مرکزِ جذبِ ہدایت، صنفِ نازک کو ——— جگایا ان کو پیہم دے کے پیغاماتِ بیداری
بنا "غم کا مصوّر" عمر بھر کی اُس کے خامے نے ——— برابر غم رُبائی، غم گُساری، اور غم خواری
رہا سرگشتۂ جوشِ جنونِ شوق، مدت تک ——— کیا "عصمت" پھر اک، خیرِ مسلسل کی طرح جاری
یہی پیشِ نگاہِ شوق جس کا "سالنامہ" ہے ——— یہ گلشن آج اکتیس[۳۱] سال سے ہے صرفِ گُل باری
بالآخر رفتہ رفتہ قوم خفتہ کو ہوئی حاصل ——— وہی شانِ خود آگاہی و خود بینی و خودداری

خُدا بخشے تجھے "عصمت کے بانی" واہ کیا کہنا
جزاک اللہ، جزاک اللہ، جزاک اللہ کیا کہنا

محمد ظفریاب حسین جام نوائی

# اکتیسویں (۳۱) سال کے مضمون نگار

## شائستہ اختر بانو صاحبہ بی۔ اے آنرس مقیم لندن

عصمت کی ان مخصوص و ممتاز مضمون نگار خواتین میں سے ہیں جن کی قابلیت خواتین ہند کے لئے باعث فخر کہی جا سکتی ہے۔ ان کا مطالعہ غیر معمولی۔ ان کی معلومات وسیع۔ اور ان کے خیالات سلجھے ہوئے ہیں۔ ان کے مشاہدات دلچسپ ہوتے ہیں اور ان کے مشورے قابل غور۔ انہیں عصمت سے جس قدر محبت اور اپنی بہنوں کی ترقی اور بہتری کا جس قدر خیال ہے اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ انگلستان کی مصروفیات اور ننھے ننھے بچوں کی ذمہ داری کے باوجود اس سال بھی سب سے زیادہ مضامین انہیں کے شائع ہوئے ہیں جن میں سے اکثر و بیشتر سیاست و سیاحت کے ہیں۔ "لندن پر جنگ کے بادل" (نومبر) "جیکو سلواکیا اور جرمنی" (نومبر) "کمال اتاترک" (جنوری) "پوپ کا انتخاب" (اپریل) چاروں مضمون بہت غور اور فکر کے ساتھ نہایت محنت سے لکھے ہوئے ہیں محترمہ موصوفہ نے ان مضامین میں زیادہ سے زیادہ ضروری واقعات عام فہم پیرایہ میں بیان کئے ہیں۔ اور یقیناً ان خواتین و حضرات نے ان کا قدر و وقعت کی نظروں سے مطالعہ کیا ہوگا جنہیں سیاست سے تھوڑی سی دلچسپی بھی ہے۔ اگست ستمبر اور مئی کے پرچوں میں جو مضامین شائع ہوئے ہیں ان سے ہماری معلومات میں دلچسپ اضافہ ہوتا ہے۔ "بچوں کے کپڑے" (اپریل) "مکان کی آرائش" (سالگرہ نمبر) اور "فیشن کے مطابق جہیز کی تیاری" (جون) ان مضمونوں میں نہایت گراں قدر مشورے دئے گئے ہیں جن سے امید ہے ہماری بہت سی بہنوں نے فائدہ اٹھایا ہوگا۔

## جمیلہ بیگم صاحبہ مصنفہ فیروزہ

مسلسل سات سال سے عصمت کی گرانقدر قلمی اعانت کر رہی ہیں ان کے مضامین ہر سال نہایت معقول تعداد میں شائع ہوتے ہیں۔ اپنے خیالات کو ترتیب کے ساتھ عام فہم پیرایہ میں ادا کرنے کی انہیں خوب مشق ہو گئی ہے۔ مختلف موضوعوں پر ان کے مضامین نہایت کامیاب ہوتے ہیں۔ "دل کی بیماری" (ستمبر) "نیند اور صحت" (اکتوبر) دونوں مضمون بار بار مطالعہ کے مستحق ہیں۔ "قاتل کون" انگریزی کے ایک مشہور جاسوسی ناول کا قابل داد ترجمہ ہے۔ محترمہ موصوفہ نے اپنی زبان میں نہایت سلیقہ کے ساتھ اسے منتقل کیا ہے۔ "دور جدید کی عورتیں" (اپریل) گاندھی جی کے ایک بیان سے متاثر ہو کر خواتین کی حمایت میں نہایت مدلل لکھا گیا ہے۔ مختلف ملکوں کی عورتوں کے جو حالات گذشتہ ششماہی میں انہوں نے نہایت محنت کے ساتھ لکھے ہیں وہ ہماری ہندوستانی بہنوں کے لئے سبق آموز اور نتیجہ خیز ہیں۔ اور انہیں زندگی کو شاندار اور کامیاب بنانے کے لئے ان مضامین میں بہت سی کام کی باتیں ملیں گی

## شہر بانو صاحبہ مظفر پور

کے محققانہ اور مدلل مضامین آٹھ نو سال سے حلقۂ عصمت میں نہایت پسندیدہ نظروں سے دیکھے جاتے ہیں۔ خشک عنوانات پر بھی ان کے مضامین کافی دلچسپ ہوتے ہیں۔ عصمت کی مستقل اور مخصوص مضمون نگار خواتین میں شہر بانو صاحبہ ایک ممتاز درجہ رکھتی ہیں۔ افسوس ہے گذشتہ تین سال سے ان کی صحت اچھی نہیں رہی لیکن اس کے باوجود اس سال ان کے مضامین کا معقول تعداد میں شائع ہونا ثبوت ہے اس بات کا کہ وہ اپنی بہنوں کی خدمت سے کسی حال میں بھی غافل نہیں۔ "کیا مسلمانوں کے تنزل کا سبب اسلام ہے" (سالگرہ نمبر) اور "طلاق" (ستمبر) دونوں مضامین نتیجہ خیز ہیں۔ محترمہ موصوفہ افسانہ نگار بھی ہیں لیکن حلقۂ عصمت میں انہیں اپنے تحقیقی۔ تاریخی۔ معاشرتی مضامین ہی کی وجہ سے شہرت حاصل ہے۔ سال میں ان کے افسانے ایک دو ہی شائع ہوتے ہیں۔ "ناکام آرزو" (اگست) درد و سوز میں ڈوبا ہوا موثر افسانہ ہے۔ "مغل بادشاہوں کی چمن آرائیاں" (اکتوبر) اور "سراج الدولہ پر ایک نظر" (مارچ) بہت تحقیق و تلاش کے بعد بہت محنت اور کاوش سے لکھے گئے ہیں۔ "برما کی عورتیں" (نومبر) "تبت میں شادی کی رسمیں" (جون) ان عنوانات پر سال ہائے گذشتہ میں کئی مضامین شائع

ہو چکے ہیں۔ لیکن شہر بانو صاحبہ کے مضامین کی کچھ اور ہی شان ہے "بچوں کی نگہداشت" (اپریل) ماؤں کے لئے بے انتہا مفید ہے۔

**ب۔ن۔ آنسہ ابراہیم۔ مدراس** گذشتہ تین چار سال سے لکھ رہی ہیں۔ ان کی تحریر میں کوئی خاص بات نہیں، لیکن ترقی کی کوشش کر رہی ہیں "ماؤں کے لئے لمحہ فکر" (دسمبر) ان کا اس سال کا بہترین مضمون ہے۔ ان کے مضامین کی تعداد اس سال خاصی ہے اور اگر یہ لکھنے کی اسی طرح مشق کرتی رہیں تو امید ہے اور زیادہ ترقی کریں گی۔

**جہاں بانو بیگم صاحبہ ایم۔ اے (حیدر آباد دکن)**

جن کے مضامین دوسرے پرچوں میں ج۔ نقوی کے نام سے شائع ہوتے ہیں اپنے طرز تحریر کی شگفتگی اور دلاویزی کے اعتبار سے مضمون نگار خواتین میں ایک خاص امتیاز رکھتی ہیں۔ ان کے مضامین کے عنوانات عام طور پر دلچسپ اور شاعرانہ ہوتے ہیں۔ اور وہ اپنے خیالات ایسے لطیف پیرایہ میں ظاہر کرتی ہیں کہ موضوع اگر خشک ہے جب بھی مضمون کافی دلچسپ ہوتا ہے۔

**زبیدہ زرّین صاحبہ** کے مضامین گذشتہ سال کی لکھنے والیوں میں سب سے زیادہ شائع ہوئے ہیں۔ ان کی تحریر میں پختگی اور روانی ہے۔ سیاست سے انہیں خاص لگاؤ معلوم ہوتا ہے۔ "بادشاہت اور جمہوریت" (دسمبر) "ترکی جدید" (جنوری) "یورپ کے پیچیدہ مسائل" (مارچ) تینوں مضمون اچھے ہیں۔ اور بہت محنت سے لکھے گئے ہیں۔ ان کے مذہبی اور اخلاقی مضامین بھی خاصے اچھے ہوتے ہیں

**مسز برلاس (جاپان) اور مسز حمید (لکھنو)** عصمت کی مشہور و ممتاز مضمون نگار خواتین میں سے ہیں۔ ان دونوں محترم بہنوں کے مضامین بالعموم نہایت دلچسپ اور معلومات سے پُر ہوتے ہیں۔ سالہائے گذشتہ میں انہوں نے عصمت کی گراں قدر قلمی اعانت کی ہے۔ لیکن اس سال جیسی کہ ہمیں توقع تھی ان کے مضامین کی تعداد کچھ زیادہ نہیں۔

**خورشید اقبال صاحبہ حیا میرٹھ۔** عصمت کی ممتاز شاعرات میں سے ہیں۔ ان کی نظمیں نیچرل ہوتی ہیں۔ اور موسیقی و ترنم سے لبریز۔ اس سال بھی سب سے زیادہ نظمیں ان ہی کی شائع ہوئی ہیں۔

**سیدہ ضمیر الدین صاحبہ حیدر آباد دکن** مؤلفہ "سوزن کاری" کے کئی اچھے اچھے مضامین مختلف موضوعوں پر اس سال شائع ہوئے ہیں۔ "ملیریا" (اگست) میں دل سوزی اور دردمندی کے ساتھ خواتین کے لئے مفید معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ "بچے اور لباس" (دسمبر) ان خواتین کے لئے نہایت ہی کارآمد مضمون ہے۔ جو بچوں کی تربیت اور پرورش کی ذمہ دار ہیں۔ "کماؤ بچہ" (اکتوبر) چھوٹا سا افسانہ ہے مگر نہایت نہایت دلچسپ اور معنی خیز۔ "ابا صوفیہ" (نومبر) کامیاب تحقیقی مضمون ہے۔ "مسلمان عورت" (فروری) کا مطالعہ بھی خواتین کے لئے فائدے سے خالی نہیں۔

**گ۔ن صاحبہ کپور تھلہ اور بیگم حکیم عزیز خاں صاحب**

کے مضامین اس سال بھی معقول تعداد میں خانہ داری اور حفظان صحت کے متعلق شائع ہوئے ہیں۔ اور چونکہ یہ مضامین ذاتی تجربوں کی بنا پر لکھے گئے ہیں اس لئے بے حد قابل قدر ہیں اور خواتین ان سے بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔

**نوشابہ خاتون صاحبہ قریشی بی اے (حیدر آباد دکن)**

ملک کی مایہ ناز شاعرات میں سے ہیں۔ محترمہ موصوفہ خرابی صحت

کی وجہ سے اس سال نظمیں زیادہ نہ بھیج سکیں لیکن کھانے پکانے کی کئی اچھی اچھی ترکیبوں سے پرچہ کی زینت بڑھانے میں حصہ لیتی رہیں۔

**امۃ الحفیظ صاحبہ** (مؤلفہ صنعت وحرفت) اور **صالحہ عابد حسین صاحبہ** (دہلی) حلقۂ عصمت کی مشہور لکھنے والیاں ہیں۔ امۃ الحفیظ صاحبہ کے مضامین صنعت وحرفت سنگھار و آرائش خانہ داری وغیرہ پر اور صالحہ بیگم صاحبہ کے افسانے اور ڈرامے بہت اچھے ہوتے ہیں۔ لیکن اس سال دونوں کے مضامین کی تعداد خلاف توقع بہت کم ہے۔

**رضیہ سلطان** (ر۔س) صاحبہ امرت سر اور **بنی فاطمہ صاحبہ** (رائے بریلی) ان مضمون نگار خواتین میں سے ہیں جو عصمت نے گذشتہ چار پانچ سال میں پیدا کی ہیں۔ یہ خواتین اگر مشق کرتی رہیں تو مستقل قریب میں عصمت کی ممتاز لکھنے والیوں میں ان کا شمار ہوگا۔ رضیہ سلطان صاحبہ نے اس سال کئی مضمون قابل تعریف لکھے ہیں۔ بنی فاطمہ صاحبہ نے دیہاتی زنانہ گیتوں کا بہت اچھا ترجمہ کیا ہے۔

**سنجیدہ اشرف صاحبہ** ناگپور **سیدہ اشرف صاحبہ** ناگپور اور آرکے **درخشاں صاحبہ** ہندوستان کی مایہ ناز دستکار خواتین ہیں۔ مختلف قسم کی زنانہ دستکاریوں کے اچھے اچھے نمونے ان خواتین کے اس سال شائع ہوئے ہیں۔

**گوہر اقبال صاحبہ حور میرٹھی** کی نظمیں کئی سال سے اور **انور جہاں صاحبہ** اورنگ آباد کی نظمیں تین چار سال سے شائع ہو رہی ہیں۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں دونوں نے اچھی خاصی ترقی کر لی ہے۔ اور اگر اسی طرح لکھتی رہیں۔ تو آئندہ ان کا شمار عصمت کی نامور شاعرات میں ہوگا۔

**اُم زہرہ صاحبہ ہاشمی** بدایوں اور **صفیہ شمیم صاحبہ** ملیح آباد۔ سال گذشتہ کی نئی شاعرات میں سے ہیں۔ اور دونوں ہونہار رہیں۔ ام زہرہ صاحبہ کو مادہ تاریخ نکالنے کا ملکہ بھی حاصل ہے۔ صفیہ شمیم صاحبہ کسی زمانہ میں نیچرل نظموں کی وجہ سے غیر معمولی شہرت حاصل کریں گی۔

**بیگم یامین قریشی صاحبہ دہلی** گذشتہ سال سے لکھ رہی ہیں تحریر میں پختگی اور سنجیدگی ہے۔ لکھتی رہیں تو جلد بہت اچھا لکھنے لگیں گی۔

**عصمت کی مشہور شاعر** محترمات خورشید آرا بیگم بلقیس جمال۔ نواب قمر جہاں بیگم کی نظمیں افسوس ہے اس سال بھی بہت کم چھپیں! اسی طرح محترمات امۃ الوحی و۔ا۔ زہرہ بیگم فیضی۔ مسز وارمحمدی بیگم۔ ظفر جہاں بیگم۔ جیسی حلقہ عصمت کی نامور لکھنے والیوں کے مضامین کی تعداد بھی خلاف توقع بہت کم رہی۔ محترمات ایس بی طاہرہ۔ ایس کے صغرا مسز وارثہ آمنہ نازلی۔ سکینہ عبید بی اے۔ ازیب عثمانیہ۔ بیگم نذیر حسین معتصمہ الرحمن مسز آر کے فضلی۔ سلیمہ محمد احمد بی اے، کے مضامین اور نظمیں بھی شمار میں بہت کم ہیں۔

**نئی لکھنے والیوں میں** محترمات سیدہ قانتہ بیگم ایس۔ ایف ظفر بانو آئی این ڈبی اے۔ مسز ح مسلم معتصمہ فاروق اور شفیق بانو کو خصوصیت کے ساتھ ہمارا مشورہ ہے کہ وہ مضمون نگاری کی مشق جاری رکھیں۔

**مردوں میں** مولوی محمد ظفر صاحب ام اے کے علاوہ مولوی عبدالغفار صاحب الخیری۔ افسر الشعرا آغا شاعر صاحب دہلوی۔ پروفیسر حامد حسن صاحب قادری مولوی عبدالماجد صاحب دریا آبادی۔ مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب ڈاکٹر اعظم کریوی رضا احمد صاحب جعفری۔ ابو الاعجاز ازل صاحب۔ ل۔ احمد صاحب اکبرآبادی دعا صاحب ڈبائیوی۔ مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی۔ ڈاکٹر ممتاز حسین صاحب اور مولانا محمود اسرائیلی نے خصوصیت کے ساتھ گراں بہا قلمی اعانت فرمائی ہے جس کے لئے ہم ان حضرات کے بے حد ممنون ہیں۔

**رازق الخیری**

# خاتون اکرم عصمتی انعامات

اس پرچہ کے آخری صفوں پر اکتیسویں سال کے مضمون نگاروں اور ان کے مضامین کی جو فہرست شائع ہو رہی ہے اس پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ مضمون نگار خواتین کی تعداد سو کے قریب ہے عصمت کے مقاصد میں ایک مقصد یہ بھی ہے کہ ہماری بہنیں اپنے پاکیزہ خیالات خوش اسلوبی کے ساتھ بہترین الفاظ میں ادا کر سکیں اور اپنے اپنے مشاہدات و تجربات سلیقہ کے ساتھ قلمبند کر کے ہمیں بھیجتی رہیں تاکہ ان کی اشاعت سے ہزاروں ہندوستانی بیبیاں فائدہ اٹھائیں خواتین میں مضمون نگاری کا شوق پیدا کرنے کی اس کوشش میں اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ عصمت کو شاندار کامیابی حاصل ہوئی ہے اور آج ملک کا کوئی حصہ ایسا نہیں جہاں سے عصمت نے لکھنے والیاں پیدا نہ کی ہوں۔ ہندوستان کی ادیبہ جلیلہ محترمہ خاتون اکرم جنت مکانی کی یادگار میں سالگرہ کے موقعہ پر عصمت ہر سال مضمون نگار خواتین میں انعامات تقسیم کر کے ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ یہ انعامات مختلف موضوعوں کے بہترین مضامین پر دیئے جاتے ہیں۔ مگر صرف ان خواتین کو جن کے سال بھر میں کم سے کم چار مضمون رسالہ میں شائع ہوئے ہوں۔ اگر کسی موضوع پر بہترین مضمون کسی ایسی بہن کا شائع ہوا ہے جن کے تمام سال میں ۴ سے کم مضامین چھپے ہیں تو وہ مضمون باوجود تمام خوبیوں کے نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ دوسرے درجہ پر یعنی اس کے بعد اس موضوع پر بہترین مضمون اگر کسی مرد کا ہوتا ہے تو وہ بھی قابل انعام نہیں ہوتا کیونکہ یہ انعامات صرف خواتین کے لئے مخصوص ہیں۔ کم سے کم ۴ مضمون لکھنے والی خواتین میں جن بہن کا مضمون اس موضوع پر سب سے اچھا ہوتا ہے رہا ہے اس موضوع پر سال کے تمام مضمونوں میں تیسرے درجہ پر ہی کیوں نہ ہو! اس پر انعام دیا جاتا ہے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی موضوع پر دو تین مضمون قریب قریب برابر کے درجہ کے ہوتے ہیں۔ اب اگر انعام کی رقم ۱۰ روپیہ ہے اور قابل انعام تین مضمون برابر کے درجہ کے ہیں تو ۵ روپیہ بڑھا کر ۱۵ روپیہ برابر کے تین حصوں میں تقسیم کر دئے جاتے ہیں۔ خاتون اکرم عصمتی انعامات کے لئے چونکہ ۴ مضمونوں کی شرط ہے اس لئے عصمت کی مخصوص و مشہور قدیم لکھنے والیوں میں سے کئی بیبیوں کے نام انعامات حاصل کرنے والی خواتین کی فہرست میں نظر نہیں آتے لیکن ہمیں امید ہے سال آئندہ ان محترم خواتین کے مضامین معقول تعداد میں شائع ہوں گے۔

**خانہ داری** عورتوں کے لئے سب سے اہم اور سب سے ضروری موضوع ہے اسی وجہ سے خانہ داری کے متعلق زیادہ سے زیادہ مضامین شائع کئے جاتے ہیں۔ "مکان کی آرائش" رسالگرہ نمبر" اور "جہیز کی تیاری" (جون) شائستہ اختر صاحبہ سہروردی بی اے کے یہ دونوں مضمون قابل قدر ہیں اور ان میں خواتین کو نہایت کارآمد مشورے دئے گئے ہیں۔ محترمہ موصوفہ کو ان مضامین پر ۱۰ روپیہ کا انعام دیا جاتا ہے۔ خانہ داری کے سلسلہ میں گ۔ ن صاحبہ کے چھوٹے چھوٹے مضامین اور کھانے پکانے کے متعلق نوشابہ خاتون صاحبہ بی اے کی لکھی ہوئی ترکیبیں اور ہدایتیں بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتیں۔ "جاپانی باورچی خانہ" رسالگرہ نمبر)

از مسنہا بدکلاس اور "خرید وفروخت" (دسمبر) از جہاں بانو صاحبہ ایم اے ۔ یہ دونوں مضمون بھی ہندوستانی بیبیوں کے لئے بہت مفید ہے۔ ان چاروں بہنوں کی خدمت میں ان مضامین پر ۵-۵ روپیہ پیش کئے جاتے ہیں۔

**صحت و تندرستی** اس موضوع پر بھی اکتیسویں سال میں نہایت مفید مضامین زیادہ سے زیادہ تعداد میں شائع ہوئے ہیں۔ "ہیضہ" "بیماری" (اگست) اور "مریضوں کی عام غلطیاں" (از جنوری اور مارچ) بیگم حکیم عزیز خاں صاحبہ کے مضامین اور "دل کی بیماری" (دسمبر) اور "نیند اور صحت" (اکتوبر) جمیلہ بیگم صاحبہ کے مضامین اپنی اپنی جگہ نہایت کامیاب ہیں۔ "ملیریا" (اگست) از سعیدہ ضمیر صاحبہ اور "جمو گا" (اپریل) اور "بخار" (جون) از مسز حمید ان مضامین سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ ان چاروں بہنوں کو ایسے مفید اور کارآمد مضامین پر ۵-۵ بطور انعام دئے جاتے ہیں۔

**سنگھار و آرائش** کے متعلق مولوی محمد ظفر صاحب خانہ داری کے عنوان سے مفید مشورے ہر ماہ دیتے رہتے ہیں۔ مگر سنگھار و آرائش کے متعلق خواتین کے لکھے ہوئے مضامین کی تعداد اس سال کچھ زیادہ نہیں تاہم امۃ الحفیظ صاحبہ کا مضمون "شامپو" (مارچ) ۵ روپیہ کے انعام کا مستحق ہے۔

**بچوں کی پرورش اور تربیت** پر ہمیشہ معقول تعداد میں مفید مضامین شائع ہوتے ہیں اکتیسواں (۳۱) سال بھی اس اعتبار سے نہایت کامیاب ہے۔ "ماؤں کے لئے لمحہ فکر" (دسمبر) از بانو آنسہ ابراہیم "بچوں کے کپڑے" (اپریل) از شائستہ اختر صاحبہ سہروردی "بچوں کی نگہداشت" از شہہا بانو صاحبہ "جاپانی بچوں کی تربیت" (نومبر) از مسنہا برلاس ان سب مضامین میں ماؤں کو بہترین مشورے دئے گئے ہیں۔ ۵-۵ روپیہ کا انعام چاروں مضموں پر دیا جاتا ہے۔

**معاشرتی تمدنی** مضامین کے اعتبار سے اکتیسواں (۳۱) سال بھی اچھا رہا۔ مگر صرف تین مضمون ۵-۵ روپیہ کے انعام کے مستحق ہیں۔ "گھریلو زندگی" (نومبر) از مسز جمیلا لکھنوی۔ "دور جدید کی عورتیں" (اپریل) از جمیلہ بیگم صاحبہ۔ "دیہاتی زنانہ گیت" (جن میں دیہات کی معاشرت دکھائی گئی ہے) از بنی فاطمہ صاحبہ

**اخلاقی مضامین**۔ اس سال بھی بُرے نہیں رہے۔ ۵-۵ روپیہ کے دو انعام مندرجہ ذیل مضامین پر دئے جاتے ہیں۔ "ضبط" (سالگرہ نمبر) از جہاں بانو بیگم صاحبہ ام اے۔ "اعتماد نفس" (دسمبر) ذبیلہ زرین صاحبہ۔

**مذہبی مضامین**۔ اکتیسویں سال میں گذشتہ سال سے زیادہ شائع ہوئے لیکن صرف دو مضمون ۵-۵ روپیہ کے انعام کے مستحق ہیں۔ "مسلمان عورت" (فروری) از سعیدہ ضمیر صاحبہ۔ "قرآن شریف" (مئی) از نبیلہ زرین صاحبہ۔ "تاریخ و سیرۃ" کے لحاظ سے یہ سال بھی بہت کامیاب ہے۔ اکتیسویں سال کی دوسری ششماہی میں محترمہ جمیلہ بیگم صاحبہ کے کئی مضامین اس موضوع کے شائع ہوئے ہیں جن پر ۱۰ روپیہ کا انعام دیا جاتا ہے "مصطفیٰ کمال" (دسمبر) از رضیہ سلطان اور "سراج الدولہ پر ایک نظر" (مارچ) از شہہا بانو صاحبہ بہت محنت و کاوش سے لکھے ہوئے تحقیقی مضامین ہیں۔ ۵-۵ روپیہ کا انعام ان دونوں بہنوں کی خدمت میں بھی پیش کیا جاتا ہے۔

**سیاسی مضامین** کئی سال سے بہت اچھے اچھے شائع ہو رہے ہیں۔ اس سال شائستہ اختر صاحبہ سہروردی نے لندن سے کئی بلند معیار سیاسی مضامین روانہ فرمائے جن پر محترمہ موصوفہ کو ۱۰ روپیہ دئے جاتے ہیں۔ نبیلہ زرین صاحبہ نے بھی کئی مضمونوں میں

بتاتا ہے کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ ۵ روپیہ کے انعام کی وہ بھی مستحق ہیں۔

**سیر و سیاحت** کے مضامین اس سال بھی کافی ہیں۔ شائستہ اختر صاحبہ سہروردیہ کے کئی مضمون اس سال اس موضوع پر شائع ہوئے ہیں جن پر ۱۰ روپیہ بطور انعام دئے جاتے ہیں۔

**تفریحی مضامین** کی تعداد تو بڑی نہیں رہی مگر کم سے کم چار مضمون لکھنے والیوں میں سے کسی بہن کا قابل انعام تفریحی مضمون نہیں چھپا۔

**تعلیمی** مضامین ایکے بہت کم چھپے۔ اور انعام کے قابل ایک بھی شائع نہیں ہوا۔

**تنقیدی مضامین** کی تعداد بھی بہت کم ہے۔ اور قابل انعام کوئی مضمون نہیں۔

**صنعت و حرفت** کے مضامین اس دفعہ بھی زیادہ تر مردوں کے شائع ہوئے۔ زنانہ دستکاریوں کے نمونے سب سے زیادہ سنجیدہ اشرف صاحبہ کے چھپے جنہیں ۵ روپیہ بطور انعام دئے جاتے ہیں۔

**مختصر ادبی مضامین** جو انشائے لطیف کے بہترین نمونہ ہوں ان کی تعداد اس دفعہ معمولی رہی اور کم سے کم چار مضمون لکھنے والیوں کا کوئی ایسا مضمون اس موضوع کا نہیں چھپا جس پر انعام دیا جا سکے۔

**افسانوں** کے لحاظ سے یہ سال بھی کامیاب رہا مشرق و مغرب کے بہترین افسانوں کے ترجموں میں "قاتل کون" (نومبر۔ دسمبر) خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے۔ جمیلہ بیگم صاحبہ نے اس جاسوسی افسانہ کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ سلیس اردو کا جامہ پہنایا ہے انہیں ۱۰ روپیہ انعام دیا جاتا ہے۔ طبع زاد افسانے درجہ اول کے انعام کے مستحق کئی شائع ہوئے۔ مگر ان خواتین کے نہیں جن کے کم سے کم چار مضمون چھپے ہیں۔

ب۔ ن آنسہ ابراہیم کے افسانے "چور" (اپریل) "جنتی" (مئی)، سہر بانو صاحبہ کا افسانہ "ناکام آرزو" (اگست) اور جہاں بانو صاحبہ ایم اے کے افسانے "مرنے کا میرے وقت مقرر نہ ہوا تھا" اور "زندگی کا سکون" خاصے کامیاب افسانے ہیں۔ ان خواتین کو ۵۔۵ روپیہ انعام دیا جاتا ہے۔

**ڈرامے**۔ اس سال کچھ زیادہ تعداد میں تو شائع نہیں ہوئے۔ تاہم جو بھی شائع ہوئے وہ نہایت دلچسپ اور بلند پایہ ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ صالحہ عابد حسین صاحبہ کا ڈرامہ "آنکھ کا ڈاکٹر" (سالگرہ نمبر) قابل انعام ہے۔ مگر محترمہ موصوفہ کے مضامین کی تعداد اس سال کم ہے۔ لیکن ان کے مضمونوں کے صفحات چونکہ خاصے ہیں اس لئے اس ڈرامہ پر ۵ روپیہ کا انعام دیا جاتا ہے۔

**نظموں** کے لحاظ سے یہ سال بہت اچھا نہیں تو معمولی بھی نہیں رہا سب سے زیادہ نظمیں خورشید اقبال صاحبہ حیا کی شائع ہوئیں دوسری خصوصیت ان کی نظموں کی یہ ہے کہ موقع اور محل کی مناسبت سے شائع ہوئیں۔ ان کی خدمت میں ۱۰ روپیہ بطور انعام پیش کئے جاتے ہیں۔ امر زہرا صاحبہ ہاشمی اور انور جہاں اورنگ آبادی کی بعض نظموں کی بھی یہ خصوصیت ہی کہ موقع کی مناسبت سے شائع ہوئیں۔ صفیہ شمیم صاحبہ کی چھوٹی چھوٹی نیچرل نظمیں بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتیں۔ گوہر اقبال صاحبہ جوہر کی بھی کئی مؤثر نظمیں اس سال شائع ہوئیں ان چاروں بہنوں کو ۵۔۵ روپیہ انعام دیا جاتا ہے۔

**تقریر**۔ اس سال کوئی ایسی درج رسالہ نہیں ہوئی جس پر انعام دیا جا سکے۔

**تصاویر**۔ سے اس سال کسی بہن نے اپنے پرچہ کی زینت بڑھانے میں کوئی نمایاں حصہ نہیں لیا۔

**تعداد مضامین** سب سے زیادہ مضامین تعداد میں شائستہ اختر صاحبہ سہروردی کے شائع ہوئے ہیں یعنی ۱۱۔ ان سے کم ۱۰۔۱۰ مضامین جمیلہ بیگم صاحبہ اور ب ن آنسہ ابراہیم کے لیکن جمیلہ بیگم صاحبہ کے مضامین کے صفحات شائستہ اختر صاحبہ بھی زیادہ ہیں اس لئے ۱۰۔۱۰ روپیہ دو انعام شائستہ اختر صاحبہ اور جمیلہ بیگم صاحبہ کو دئے جاتے ہیں اور ۵ روپیہ ب ن آنسہ ابراہیم کو۔

**غیر مسلم** خواتین میں کسی کے چار مضمون نہیں چھپے۔ ہم ان محترم خواتین کے بے انتہا ممنون ہیں جنہوں نے اپنی مفید مصروفیتوں سے وقت نکال کر عصمت کو یاد رکھا اور اپنی صنف کی اصلاح و بہتری کے لئے مفید مضامین لکھے جن سے ان کی ہزاروں بہنوں نے فائدہ اٹھایا۔ یہ انعامات مالیت کے اعتبار سے کچھ شک

# اس سال کے خاتون اکرم، عصمتی انعامات کی مستحق یہ بیبیاں ہیں

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| ١ | شائستہ اختر صاحبہ سہروردی بی اے آنرس | لندن | ١٠، ۵، ١٠، ١٠، ١٠، ١٠ | ۴۵ | روپیہ |
| ٢ | جمیلہ بیگم صاحبہ مصنفہ "فیروزہ" | کلکتہ | ۵، ۵، ١٠، ١٠، ١٠ | ۴٠ | روپیہ |
| ٣ | شہر بانو صاحبہ | مظفرپور | ۵، ۵، ۵ | ١۵ | روپیہ |
| ۴ | ب۔ ن آنسہ ابراہیم صاحبہ | مدراس | ۵، ۵، ۵ | ١۵ | روپیہ |
| ۵ | جہاں بانو بیگم صاحبہ نقوی ام اے | حیدرآباد دکن | ۵، ۵، ۵ | ١۵ | روپیہ |
| ٦ | زبیدہ زرین صاحبہ | دہلی | ۵، ۵، ۵ | ١۵ | روپیہ |
| ٧ | مسز برلاس صاحبہ مصنفہ "فغان اشرف" | ڈیرہ جاپان | ۵، ۵ | ١٠ | روپیہ |
| ٨ | مسز حمید صاحبہ۔ | لکھنؤ | ۵، ۵ | ١٠ | روپیہ |
| ٩ | خورشید اقبال صاحبہ حیا۔ | میرٹھ | ١٠ | ١٠ | روپیہ |
| ١٠ | سعیدہ ضمیرالدین صاحبہ مؤلفہ "شمیم سوزن کاری" | حیدرآباد دکن | ۵، ۵ | ١٠ | روپیہ |
| ١١ | گ۔ ن بنت ڈاکٹر ابوالفضل صاحب۔ | کپورتھلہ | | ۵ | روپیہ |
| ١٢ | نوشابہ خاتون صاحبہ قریشی بی اے۔ | حیدرآباد دکن | | ۵ | روپیہ |
| ١٣ | امۃ الحفیظ صاحبہ مؤلفہ صنعت وحرفت۔ | جالندھر | | ۵ | روپیہ |
| ١۴ | بیگم حکیم عزیز خاں صاحب۔ | جاورہ | | ۵ | روپیہ |
| ١۵ | رضیہ سلطان (ر۔ س) صاحبہ۔ | امرتسر | | ۵ | روپیہ |
| ١٦ | سنجیدہ اشرف صاحبہ مؤلفہ "گلدستہ تارکشی" | ناگپور | | ۵ | روپیہ |
| ١٧ | صالحہ عابد حسین صاحبہ۔ | دہلی | | ۵ | روپیہ |
| ١٨ | بنی فاطمہ صاحبہ۔ | بارہ بنکی | | ۵ | روپیہ |
| ١٩ | گوہر اقبال صاحبہ حور۔ | میرٹھ | | ۵ | روپیہ |
| ٢٠ | انور جہاں صاحبہ۔ | اورنگ آباد دکن | | ۵ | روپیہ |
| ٢١ | ام زہرہ صاحبہ ہاشمی | بدایوں | | ۵ | روپیہ |
| ٢٢ | صفیہ شمیم صاحبہ۔ | ملیح آباد یوپی | | ۵ | روپیہ |

رازق الخیری

# میری دھوبن

از مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ

میں بڈھا ہوں۔ مگر میری دھوبن جوان ہے، جوان بھی نہیں لڑکی، اس لئے کہ وہ اس گھر کی بہو ہے، بڑھیا دھوبن جو میری اصلی دھوبن تھی اپنی جگہ اس کو دے کر چل ۔ ی اب بڈھے دھوبی اور بڑھیا دھوبن کے بدلے یہ جوان جوڑا کام کر رہا ہے۔

میری جوان دھوبن کا پروگرام یہ ہے۔ صبح چار بجے جب موذن بھی مزے سے گرم بچھونوں میں پڑا ہوتا ہے۔ یہ اُٹھ کر کلب پکاتی ہے۔ اِدھر آذان کی آواز آئی اُدھر اِس نے دھوبی کو جگایا بیل پر لادی رکھوائی کلب ساتھ کر دھوبی کو چلتا کیا۔ صبح ہو گئی اس کے دو بچے ہیں۔ اور دونوں لڑکیاں۔ ایک تین برس کی ایک دودھ پیتی۔ بڑی کی انگلی پکڑی اور چھوٹی کو گود میں لیا۔ اور ٹھکانوں میں پہنچی۔ چاروں طرف ڈونڈاتی پھری۔ کہیں گڑگڑائی۔ کہیں بگڑی۔ کسی سے التجا کی کسی کو آنکھیں دکھائیں۔ غرض دس گیارہ بجے تک ماری ماری پھری۔ تو پانچ چھ آنے پیسے نصیب ہوئے بیجھڑ کا آٹا لیا۔ موٹی موٹی روٹیاں جلدی جلدی ڈالیں۔ بارہ بجے کی توپ چل گئی سناٹا آگیا۔ اِدھر دھوبی کے غصہ کا ڈر۔ اُدھر بچوں کی چیخم دھاڑ۔ دو گھٹیاں پیاز کی رکھ روٹی باندھ سر پر رکھ اور بچوں کو ساتھ لے گھاٹ پر پہنچی۔ دھوبی خفا ہوا۔ بگڑا۔ دو چار باتیں سنائیں گالیاں دیتا رہا۔ اور روٹی کھاتا رہا۔

کِھلا چکی تو آپ بھی وہیں ٹکڑا کھانے بیٹھ گئی۔ دو بجے آفتاب ڈھلنا شروع ہوا۔ دریا پر گئی۔ پانی پیا۔ بچوں کو پلایا۔ اور بھاگم بھاگ گھر پہنچی۔ شام سر پر آ رہی تھی۔ دھوبی کے آنے کا وقت تھا۔ لپک کر کوئلے دہکائے۔ استری گرم کی۔ اتنے میں دھوبی بھی آ پہنچا۔ لادی اُتروائی حقہ بھرا۔ کپڑے چھانٹے اور چلی شام کے کھانے کی فکر میں۔

اوہو! آج تو بھوسہ بھی ہو چکا بیل صبح سے بھوکا ہے۔ جمعدار کے ہاں سے مہینہ آ چکا منشی جی بھی دھلائی دے چکے۔ خاں صاحب کا حساب بے باق ہو چکا۔ اب کہاں جاؤں۔ پانچ پیسے بھٹیارے پر ہیں لاؤ۔ پہلے اُسے ٹوک لوں مگر وہ موا کیا خاک دے گا۔ دو پیسوں پر تو پندرہ دن جھکولیا تھا۔ پانچ کیا نکلیں گے؟

"لائے بھائی پیسے دے"

**بھٹیارہ** "اری ابھی بونی نہیں بٹا نہیں۔ لا بھائی پیسے دے۔ جا شام کو آئیو"

**دھوبن** "ہمارے نو بچے بھوکے پھر رہے ہیں۔ تو جیتا رہے لا دیدے"

**بھٹیارہ** "کیا دِوانی عورت ہے۔ ے روٹیاں لیتی ہے تو پانچ پیسے کی لے جا"

دھوبن "پانچ دھیلیاں کس کی ناک میں دھونی دوں گی۔ خیر بھائی نہ دے۔"

"اے اللہ کہاں جاؤں۔ کس سے مانگوں۔ اچھی مصیبت میں ماباپ نے ڈالا کسی سے بھیک ہی مانگوں ہاں ہاں سرشتہ دارنی کا مہینہ ابھی نہیں آیا۔ وہاں سے روپیہ لے آؤں۔ خوب یاد آیا" جھٹ پٹ دوڑی۔ خوشی کے مارے باچھیں کھلی جاتی تھیں۔ گھر میں پہنچی تو سناٹا!

دھوبن "بیوی کہاں گئی ہیں؟"

ماما "شادی میں گئی ہیں کل آئیو۔"

دھوبن "ہمیں تو خرچ کی ضرورت تھی۔ بیل بھوکا کھڑا ہے۔ کہاں گئی ہیں۔"

ماما۔ وہاں شادی میں تقاضہ کو جائے گی؟"

دھوبن "ہاں لاؤ وہاں ہی ہو آؤں۔"

ماما "ہشت پاگل۔ جا جا کل آئیو۔"

سورج چھپ گیا۔ لوٹی تو بڑی بچی نے ٹھوکر کھائی پاؤں کی انگلی لہولہان ہو گئی۔ اٹھایا غصہ میں دو تھپڑ مارے اور چلی۔ اب بدنصیب عورت کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ رستہ میں بھٹیارے کو بھی ٹوکا مگر اس نے صرف دو پیسے دیئے۔ اور کہا "لے چلتی بن" گھر آئی تو دھوبی آگ بگولا بیٹھا تھا۔

دھوبی "جہاں جاتی ہے۔ وہیں مر جاتی ہے۔ بیل بھوکا مرے تو بلا سے۔ تجھے اپنے میل سپاٹوں سے فرصت نہیں۔ اب بھی خالی ہاتھ آئی۔ تیرے باوا کا نوکر بیٹھا ہوں جا کر سودا سلف لاؤں۔ تیل بھی نہ لائی۔ اندھیرا گھپ پڑا ہے۔ کیا لائی ہے؟"

دھوبن۔ دو پیسے بھٹیارے نے دئے ہیں۔

دھوبی۔ کہیں گئی ہوتی۔ تو ملتے۔ ادھر ادھر پھر آ گئی روز کے جھگڑے تو نے یہ ہی مچا رکھے ہیں۔ ٹھیر جا میں تیرے نخرے نکالتا ہوں۔

گھونسے، تھپڑ، لات، مکا۔ دوہتڑ۔ "ہائے مر گئی رے اللہ مر گئی"

دھوبی۔ مر گئی بلا کسی حمایتی کو بلا!

---

عالم نسواں کے کالموں میں بعض وقعہ نامہ نگار ان خطیب عورت کے حقوق وضعی احادیث کا حوالہ دے کر نہایت بیدردی سے پامال کرتے ہیں۔ قدرت کے انعام مرد اور عورت دونوں کے واسطے برابر ہیں۔ ہوا۔ بادشاہ، اور فقیر دونوں کو برابر مالا مال کر رہی ہے۔ اعضائے جسمانی جس طرح ایک مرد کے اسباب حیات میں مفید ہیں اسی طرح ایک عورت کے لیکن مردوں نے محض اپنی خود غرضی اور نفسانیت سے کام لے کر عورتوں کو اس درجہ پر پہنچا دیا۔ کہ وہ مرد کی کنیز بن گئیں۔ اگر وہ اس کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ تو یقیناً اس دھوبن کو یہ حق حاصل ہے۔ کہ میدان حشر میں وہ قدرت کا دامن پکڑ کر اپنی تکالیف و مصائب کا مواخذہ کرے۔ مگر نہیں اس کے ذمہ دار مسلمان اور صرف مسلمان۔ تمہاری کتاب پاک میں مرد اور عورت کو ان الفاظ سے یاد کیا ہے "وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس"۔ ایک لفظ لباس کا اطلاق مرد و عورت دونوں کی ذات پر ہے جس سے معلوم ہو گا کہ مساوات اسلام نے مرد و عورت میں کس حد تک جائز رکھی۔ اب رہا معاملہ احادیث۔ اول تو کلام اللہ کا فیصلہ ناطق ہمارے سامنے ہے۔ اس کے سامنے ہم اس چیز کو حکم نہ مانیں گے جس میں وضعی اور واقعی کا اختلاف موجود ہو۔ اور اگر مان لیں تو افسوس ہے ان مسلمانوں پر جو اپنی بات کی پچ اپنے آرام و آسائش کی خاطر پیغمبر اسلام کے اقوال کو متضاد ثابت کریں۔ ہم اس واقعہ سے واقف ہیں کہ ایک شخص نے آپ کی دعوت کی تو آپ نے فرمایا "میری یا عائشہ کی بھی" اس نے کہا صرف آپ کی آپ نے انکار فرما دیا۔ یہاں تک کہ دوبارہ آیا۔ اور یہ ہی واقعہ پیش آیا سہ بارہ اس نے آکر کہا "آپ کے ساتھ ام المومنین کی بھی"۔ تو آپ نے دعوت منظور فرمالی۔ ما اکرم النساء ولا اھانھن الا لئیم" ایک مشہور ارشاد ہے کہ عورتوں کی توہین وہی کرتے ہیں جو پاجی ہیں۔ اب اس کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ حضور اکرم پر بہتان اور اس کے ذمہ دار مسلمان ہیں۔

خطیب ۱۶ء

# دین کیا ہے

آج کل بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں بس نماز پڑھنے روزہ رکھنے زکوٰۃ دینے حج کرنے اور اللہ پر ایمان لانے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول ماننے کا نام دین ہے اور جو ان اعمال کا پابند ہوا اور منہ سے کلمہ توحید پڑھ لے وہ مسلمان ہو گیا بیشک یہ تمام باتیں دین کے ارکان (ستون) ہیں بغیر ان کے دین قائم نہیں ہو سکتا۔ مگر جس طرح فقط ستون، مکان نہیں ہیں اسی طرح فقط ارکان، دین نہیں ہیں۔ یہ تمام گڑبڑ انگریزی لفظ ریلیجن Religion کی وجہ سے پڑی ہے یورپ کی بیشتر زبانوں میں یہی لفظ استعمال ہوتا ہے اور اس کے معنی مختلف قسم کی عبادت کی شکلوں کے ہیں اور چونکہ اب ہم ہر چیز یورپ سے لے رہے ہیں لفظ ریلیجن بھی ہم نے یورپ سے لے لیا اور یہ سمجھے کہ ریلیجن اور دین ایک ہی چیز ہیں۔

لفظ دین کے اصلی معنی اطاعت کے ہیں اس کے بعد دوسرے مثلاً عرف، عادت، قانون وغیرہ بھی ہیں۔ الشیخ الکبیر حضرت راغب اصفہانی نے اپنی کتاب "المفردات فی غریب القرآن" میں دین کے معنی اطاعت ہی کے لکھے ہیں۔ قرآن شریف میں جہاں یہ لکھا ہے کہ "الدین عند اللہ الاسلام" یعنی دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے وہاں یہی معنی ہیں کہ اطاعت تو اللہ کے نزدیک یہی ہے کہ اپنے آپ کو آدمی پوری طرح تسلیم کر دے جس کو اردو میں کہتے ہیں کہ بے چون و چرا پوری پوری اطاعت۔

اطاعت سے مراد اللہ کی اطاعت ہے اور اللہ کی اطاعت آدمی فقط اس طرح کر سکتا ہے کہ رسول کی اطاعت کرے اور رسول اللہ کی اطاعت فقط اسی طرح سے ہو سکتی ہے کہ رسولؐ کے امیر کی اطاعت کرے۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ رسول کے امیر کی اطاعت اصل اسلام ہے۔ رسول اللہ کے بعد ان کی جگہ اُن کا خلیفہ ہوتا رہا ہے تو خلیفہ رسول اللہ کی اطاعت اسلام ہوا اور ان کی اطاعت جن کو خلیفہ نے حاکم مقرر کیا ہو۔ مگر افسوس کہ خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔ خلافت کا پھر کھڑا کرنا یعنی خلافت کو دوبارہ قائم کرنا مسلمانوں کا فرض ہے کیونکہ بغیر خلیفہ کی اطاعت کے دین نہیں رہتا۔ جو جماعت خلافت کے قائم کرنے کے لئے کھڑی ہو اُس کے پیشوا "امیر" یا لیڈر کی اطاعت اس زمانہ میں دین کہلایا جا سکتا ہے۔ جو اس کوشش میں مرے غالباً وہ مسلمان مرے گا جس طرح جو حج کے ارادے سے نکلے اور حج کرنے سے پہلے مر جائے اس کو حج کا ثواب مل جاتا ہے۔ کیونکہ تمام عمل نیت پر ہیں۔

صحیح ترمذی شریف میں باب الامثال میں ایک حدیث ہے جس کو ہمارے علماء نے بالکل نظر انداز کر رکھا ہے۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ حضرت یحییٰ ابن ذکریاؑ پر وحی نازل ہوئی کہ وہ لوگوں کو پانچ باتوں کا حکم دیں تاکہ لوگ اُن پر عمل کریں اور حضرت یحییٰ خود بھی اُن پر عمل کریں۔ حضرت یحییٰ سے ذرا دیر ہوئی تو حضرت عیسیٰ نے اُن کو کہلا کر بھیجا کہ اللہ تعالیٰ

نے اُن کو اس اس طرح کا حکم دیا تھا اور انھوں نے اب تک حکم کی تعمیل نہیں کی اگر وہ تعمیل نہیں کریں گے تو پھر وہ خود ہی یعنی حضرت عیسیٰ کریں گے اس پر حضرت یحییٰ ڈرے کہ کہیں اُن پر عذاب نہ نازل ہو اُنہوں نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس میں جمع کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو پانچ باتوں کے کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ میں بنی اسرائیل کو بھی اُنہیں پانچ باتوں کے کرنے کا حکم دوں۔ ایک توحید، دوسری نماز، تیسری روزہ، چوتھی زکوٰۃ اور پانچویں ذکراللہ۔ پھر رسول اللہ فرماتے ہیں مگر مجکو اللہ تعالیٰ نے ان پانچ باتوں کا حکم دیا ہے کہ میں تم کو حکم دوں کہ تم اُن پر عمل کرو۔ اول سننا، دویم اطاعت کرنا سوم جہاد۔ چہارم ہجرت۔ اور پنجم جماعت اور جو جماعت سے ایک بالشت بھی دُور ہو گیا اُس کی گردن سے اسلام کا طوق نکل گیا یہاں تک کہ وہ پھر واپس آوے اُس پر لوگوں نے رسول اللہ سے پوچھا کہ اگر وہ نماز پڑھتا ہو اور روزے رکھتا ہو آپ نے فرمایا کہ اگرچہ وہ نماز پڑھتا ہو اور روزے رکھتا ہو تب بھی وغیرہ وغیرہ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فقط نماز روزہ زکوٰۃ وغیرہ کا حکم تو یہودیوں اور عیسائیوں کو بھی ملا تھا وہ باتیں تو تمام نبوت کے ستون ہیں۔ مگر اسلام میں جو نمایاں بات ہے وہ اصل الاصل ہے یعنی وہ اصل چیز ہے جس کے نماز روزہ زکوٰۃ و حج فقط ستون ہیں۔ سننا اور حکم ماننا جہاد کرنا اور ہجرت کرنا اور جماعت میں شریک رہنا اصل دین ہے جس دین کے وہ پانچوں ستون ہیں، یہی حقیقی اسلام ہے۔ اب بتائیے کہ کتنے لوگ اصل مسلمان ہیں۔ جماعت کے معنی جماعت المسلمین کے ہیں جس کے بارہ میں بہت سی صحیح حدیثیں موجود ہیں۔ اور جماعت صرف جب ہی ہوتی ہے جب اُس کا کوئی امیر، پیشوا یا لیڈر ہو۔ جماعت المسلمین کا لیڈر یا امام خلیفہ یا اُس کا امیر ہوتا ہے۔ اسی جماعت کے نہ ہونے سے مسلمان تتر بتر اور افسردہ حال ہیں گو کہ مسلمان فقط ہندوستان ہی میں نو کروڑ ہیں۔ یورپ کے کسی بڑے سے بڑے ملک کی آبادی نو کروڑ نہیں ہے۔ انگلستان یا فرانس کی آبادی تو اس کی آدھی بھی نہیں ہے۔ اگر ہندوستان کے نو کروڑ نام نہاد مسلمان ایک جماعت بن کر سچے مسلمان ہی بن جائیں تو جو وعدے اللہ نے مسلمانوں سے کئے ہیں وہ پورے ہو جائیں مثلاً "انتم الاعلون ان کنتم مومنین" تمہیں اعلیٰ ہو اگر تم مومن ہو۔ مگر آج کل ہم مسلمان اعلیٰ کیا معنی ادنیٰ کے بھی ادنیٰ ہیں غلامی پسند کرنے لگے ہیں انگریزوں کی غلامی سے نکل کر اب انگریزوں کے غلاموں کے غلام بننا چاہتے ہیں تو پھر مسلمان کہاں سے رہے۔

مسلمان تو تمام عالم کی ہدایت کے لئے پیدا کئے گئے تھے سب کو اچھی باتوں کے کرنے کا حکم دینے کے لئے اور بُری باتوں سے روکنے کے لئے۔ مگر اب بری باتوں کے کرنے میں ہم ہی سب سے پیشقدمی کرتے ہیں۔ ہم میں اسلامی عزت کا نام و نشان بھی نہیں رہا۔ نفسانی خواہشات کے پورے کرنے کی جھوٹی امیدوں نے ہم کو دوسروں کا غلام بنائے رکھا ہے۔ دین ہم میں نام کو نہیں۔ ریلیجن Religion ہو تو ہو۔ اس وقت ہمارے سب سے بڑا فرض دین کو قائم کرنا ہے جو خلافت کے قائم کرنے سے ہو سکتا ہے اور خلافت کا قائم کرنا منحصر ہے جماعت المسلمین کے قائم کرنے پر اور یہ منحصر ہے امیر کی اطاعت پر۔ سب سے اول بات یہ ہے کہ غیر مسلمانوں کو دوست نہ بنائیں ان سے الگ رہیں اپنی جماعت جب ہی بن سکتی ہے۔

محمد عبدالستار خیری

# آزادی

اتوار کا دن تھا۔ مسٹر اختر سب ڈویژنل افسر پانچ دن کے دورے کے بعد تھکے ماندے صدر مقام لوٹے تھے۔ سہ پہر کی چائے کے بعد وہ حقہ پی رہے تھے۔ ایک مصور اخبار ان کے ہاتھ میں تھا۔ مسز اختر سامنے بیٹھی تھیں۔ مسٹر اختر نے سینما کا ایک منظر دکھا کر کہا۔

مسٹر اختر۔ اس تماشے کی بڑی تعریفیں ہو رہی ہیں۔ چلو دیکھ آئیں۔ آج فرصت بھی ہے۔

مسز اختر۔ "سینما یا کسی تماشے میں اب میرا دل نہیں لگتا"۔

مسٹر اختر۔ (تعجب سے) "پھر آج کی شام کس طرح صرف کرنے کا ارادہ ہے ؟"

مسز اختر۔ "آج کی شام پر کیا منحصر ہے میں تو اب کسی تماشے میں جانا نہیں چاہتی"۔

مسٹر اختر۔ "آخر کیوں ؟"

مسز اختر۔ "میں ان سے اکتا گئی ہوں"۔

مسٹر اختر۔ تو تمہاری دلچسپی کس چیز میں ہے ، مجھ میں بھی نہیں ؟" (ہنس کر) آپ بھی عجیب آدمی ہیں۔ یہ میں نے کب کہا ؟ ایک چاہنے والے شوہر کی طرح آپ مجھے تمام عمر صرف ایک گھر والی یا بیجان گڑیا بنائے رکھنا تو پسند نہ کریں گے۔ کیا آپ کو یہ منظور نہیں کہ میری فطری صلاحیتیں پورے حد تک نشو ونما پائیں ؟ میں صرف یہی چاہتی ہوں آپ کو اس سے اختلاف تو نہیں۔ ؟"

مسٹر اختر۔ "ہرگز نہیں"۔ اختر کے دماغ میں نطشے کا مقولہ پھر گیا "عورت آئینہ ہے جس پر ہر گذرنے والی شے منعکس ہو جاتی ہے"۔ پھر یہ سوچ کر وہ خاموش ہو گئے۔ کہ نئی بیاہی ہیں، دنیا میں نیا نیا قدم رکھا ہے۔ مختلف و متضاد تاثرات کام کر رہے ہیں۔ رفتہ رفتہ ان میں تعدیل اور تمیز و انتخاب کی سمجھ آ جائے گی۔

مسز اختر نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں گمنامی میں کھو کر نہ رہ جاؤں گی بلکہ خاص شخصیت حاصل کروں گی جو نمو پا کر نمایاں اور ممتاز ہو گی۔ یہ ارمان میں اپنی زندگی میں پورا کرنا چاہتی ہوں۔ کیا یہ میرے بساط سے بہت زیادہ ہے ؟ دل نے فوراً جواب دیا کیوں ؟ آخر اتنی عورتیں زندگی کے مختلف شعبوں، سیاسیات، ادبیات، فنون لطیفہ میں امتیاز حاصل کر رہی ہیں اور میں پیچھے کسی شعبہ میں ہیں ؟ میں بے نام و نشان کس مپرسی میں زندگی گذار دوں، اور کوئی آثار نہ چھوڑ جاؤں ؟ ..... سوچتے سوچتے اس کے دماغ میں چنگاری کی طرح ایک خیال گذر گیا۔ "مجھ میں کچھ ادبی جوہر ضرور ہے جو گوناگوں کثافتوں میں دبا ہوا ہے۔ اسے جلا دینے کے لئے صرف سطح پر لانا ہے۔ ذرا سی رگڑ سے یہ چمک اٹھے گا اور نگاہوں کو اپنے اندر جذب کرے گا۔ بس یہی ٹھیک ہے۔ ایک روشنی دماغ سے اٹھ کر آنکھوں سے نکل گئی۔ مجھے مصنفہ ہونا چاہیئے۔ میں تصنیف کے لئے پیدا ہوئی ہوں۔

مسز اختر کو زندگی میں اب نئی لذت کا احساس ہوا۔ وہ سمجھنے لگی اب تک میں تاریکی میں ٹھوکریں کھا رہی تھی، بے مقصد، بے ارادہ، بلکہ بے جان۔ زندگی یہ ہو گی۔ اخباروں اور رسالوں میں صفیہ اختر کے مضامین اور تصاویر کی دھوم ہو گی۔ خیالی لطف سے اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ لکھنے بیٹھ گئی۔ لکھے گئی۔ لکھے گئی۔ لکھے گئی۔ امیر گھر کی بیٹی تھی اور کھاتے پیتے شوہر کی چہیتی بیگم۔ گھر کے کام کاج سے بےفکر وہ اپنا تمام وقت اور توجہ اسی ایک شغل پر صرف کرتی رہی۔ اس نے مضامین اور مقالے لکھے، سوانح حیات لکھے، افسانے لکھے۔ کبھی کبھار تک بندی بھی کر لی اور اپنے نتائج افکار مختلف اخباروں اور رسالوں میں بھیجے مگر افسوس کہ سب اظہار افسوس کے ساتھ واپس

آتے رہے۔ اسے معلوم تھا کہ ادبی رسائل میں خواتین کو خاص اہمیت دی جاتی ہے۔ بلکہ وہ بعض مشہور اہل قلم مردوں کو جانتی تھی جن کی شہرت کی بنا اُن کے اُن مضامین سے پڑی ہے جو اول اول کسی فرضی خاتون کے نام سے شائع ہوئے تھے۔ یوں ان کو کوئی پوچھتا نہ تھا۔ پھر میرے مضامین کیوں رد ہوتے ہیں؟ کیا لغو و مہمل ہیں؟ ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں؟ وہ اکثر مایوس ہو جاتی۔

ان ایام کشمکش کی ایک شام کو وہ خلاف معمول شوہر کے پاس آ بیٹھی۔ کسی قدر ندامت کے لہجے میں کہنے لگی "پیارا آپ کا ساتھ اب بہت کم رہنے لگا ہے۔ مجھے افسوس ہے۔ آپ کو تو اس کا بہت خیال ہوگا؟" مسٹر اختر اس توجہ یا ذہنی تغیر کی علامت دیکھ کر بشاش ہو گئے "مجھے خوشی ہے کہ تمہیں اپنی دلچسپی کا سامان تو ہاتھ آ گیا۔ میں پس پشت رہ گیا تو کیا ہوا؟"

مسز اختر۔ مجھے زیادہ نادم نہ کیجئے۔ کیا میری جد و جہد کو میری حد استعداد تک پروان چڑھتے ہوئے دیکھ کر آپ کو خوشی نہ ہوگی؟ عورت کی جوانی کی طرح اس کی آرزوئیں قلیل العمر ہوتی ہیں۔ مردوں کے تناور پیڑ نہیں۔ موسمی پودے۔ دو دن کی بہار۔"

مسٹر اختر۔ کیوں نہیں؟ ضرور تم شہرت و ناموری کے آسمان پر چمکنے لگوگی تو تمہارا عکس مجھے بھی روشن کر دے گا۔ افتخار مجھے بھی بلند کر دیگا"

مسز اختر" اچھے اختر! للہ طنز نہ کرو۔ تم خفا ہو؟ میں تو تم سے ہمدردی اور اعانت کی امید رکھتی تھی۔ تمہاری مرضی نہیں تو میں باز آئی"

مسٹر اختر" اپنی صفیہ سے میں خفا؟ مجھے تو تمہیں چھیڑنے میں ہمیشہ مزا ملتا ہے۔ اعانت سے تو میں مجبور ہوں مگر تمہاری ہر دلچسپی میں میری ہمدردی تمہارے ساتھ ہے"

واقعہ یہ ہے کہ مسٹر اختر کو بیوی کے اس انہماک تحریر سے دلی تکلیف تھی۔ ساتھ ہی وہ اس کو اندھا دھند دوڑ میں یک بیک روک دینے کے خطرے سے واقف تھے۔ اپنے اپنی راہ پر چھوڑ دینا اور چپکے تماشا دیکھنا ہی مناسب سمجھے۔ اس موسمی پودے کے پھولنے کے منتظر رہے۔

مسز اختر کاغذ سیاہ کرتی رہی۔ مگر کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ آخر اسے ایک نیا موضوع سوجھ گیا۔ اس نے سماج میں عورت کے درجہ پر اور اس کی زندگی میں ایک کامل تغیر کی حمایت میں ایک انقلابی "سنسنی خیز" مقالہ لکھا۔ جو کسی رسالے میں "انقلاب کی پہلی علمبردار خاتون" کی تصویر کے ساتھ شائع ہوا۔ اور بائرن کی طرح ایک صبح کو آنکھ کھولی تو اپنے آپ کو نامور پایا۔ نزدیک اور دور سے مبارکباد کے خطوط کا ڈھیر لگ گیا۔ وہ سماجی افق میں نئے تارے کا طلوع! "اپنے زمانہ سے پچاس برس آگے" قرار دی گئی۔

---

معاملہ بہت آگے بڑھ گیا۔ مسٹر اختر کو تردد پیدا ہو گیا۔ بیگم کو شہرت کا نشہ رہنے لگا۔ یہ آنا اکس طرح جائے۔ فوری تدبیر ناممکن تھی۔ ایک شب کو اختر نے بیگم سے کہا "صفیہ تم رسم ازدواج کے اٹھانے کی حمایت کر رہی ہو پھر بھی میرے ساتھ ہو۔ تمہارے نظریئے کے مطابق ہمیں جدا ہو جانا چاہیئے" صفیہ نے ایک شرمیلی لڑکی کی طرح جواب دیئے بغیر شوہر کی طرف پشت کر کے چہرہ پر دونوں ہاتھ رکھ لئے

بات یہ تھی کہ وہ اپنے خیالات کی اشاعت سے اُس بلندی پر جا پہنچی تھی جس سے اترنا یا اُس پستی میں جا گری تھی جس سے نکلنا اب دشوار تھا۔ اب وہ ایک قوت بن گئی تھی یعنی ایسی انقلاب پسند طبقہ کی توجہات کا مرکز۔ اس کے گرد انقلاب خواہ جوانوں کا ہجوم رہنے لگا، وہ بڑھ بڑھ کے اس کی تعریفیں کرتے اور حوصلہ بڑھاتے۔ ہر نوجوان نشۂ انقلاب سے سرشار۔ قدیم رسم و رواج کے کوڑوں کو صاف کرنے کی جھاڑو بنا ہوا تھا یا تھی۔ ہر قدامت کے خس میں آگ لگانے کو تیار۔ رسم روایات، مذہب، اخلاق سب ایک انقلابی ڈنڈے سے ہانکے جاتے اور کسی کا احترام باقی نہ تھا۔ صفیہ کو بہت جلد محسوس ہونے لگا کہ انقلاب خواہ مردوں اور عورتوں کا گروہ بے لگامی کی حد تک آزادی لینے لگا ہے جو کسی طرح چشم پوشی کے لائق نہیں۔ مگر یہ اسی کے پروپیگنڈا کی وہ قدرتی منزل تھی جس سے نہ وہ خود پیچھے ہٹ سکتی تھی نہ اپنے ہم عقیدہ رفقا کو پیچھے دھکیل سکتی تھی۔ ایسا اقدام اس کی ہر دلعزیزی کے لئے سخت خطرہ تھا۔ وہ دل میں بے چین سی

رہنے لگی مگر کوئی چارہ کار نہ تھا۔ اب یہ محسوس کرکے اُسے ملال ہوتا کہ اس کی اگلی سادہ پرامن زندگی ان دوست نما ناخواندہ مہمانوں کی مسلسل بھیڑ سے کہیں بہتر تھی۔ اُس کے پاس کوئی خالی وقت نہیں رہ گیا تھا جس میں سکون میسر ہو۔ یہ سزا تھی ناموری کی۔ اب تو شوہر سے ملنے جلنے کی فرصت بھی باقی نہ رہی تھی۔ اختر دل ہی دل میں کُڑھتا اور مسوس کر رہ جاتا۔ وہ اس حسرت ناک صورت حال کا خاتمہ کرنے کی کوئی راہ نہ پاتا تھا۔

---

ایک روز دو جوان مسز اختر سے ملنے آئے۔ ان میں سے ایک دوسرے سے زیادہ کمسن معلوم ہوتا تھا۔ دونوں نے ظاہر کیا کہ وہ ابھی تکمیل تعلیم کے بعد یورپ سے واپس آئے ہیں۔ بیٹھتے ہی اُنہوں نے دلیرانہ جنگ آزادی نسواں پر مسز اختر کو پرجوش مبارکباد دی اور تعریفوں کے پُل باندھ دیئے۔ انھوں نے اس کے کارنامہ کا مقابلہ یورپ کی موجودہ سماجی مجاہدوں کی جد وجہد سے کیا۔ اور اپنے آپ کو ہندوستان کی سماجی آزادی کا علمبردار اور مسز اختر کا رفیق کار ظاہر کیا۔ چھوٹے صاحب کی گفتگو سماجی آزادی سے بڑھتے بڑھتے تنسیخ ازدواج تک اور تنسیخ ازدواج سے اظہار محبت تک پہنچ گئی۔ ساتھ ہی اُن کا جوش و خروش بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ اپنی کرسی سے اُٹھ کر مسز اختر کے صوفے پر جا بیٹھے۔ مسز اختر ایک لحظہ کو جھجک گئی۔ نوجوان ان کے اور قریب سرکا ہی تھا کہ وہ ایک دم اُٹھ کھڑی ہوئی اور چیخی "نکل جاؤ یہاں سے لچے بدمعاش!" اور ان کے نکلنے سے پہلے خود ہال سے نکلکر اپنے کمرے میں بند ہوگئی۔ وہ بستر پر دراز ہوگئی۔ اپنے آپ الجھتی رہی سوچتی رہی۔ رات کے کھانے سے انکار کر دیا۔ پچھلی شب تک ہجوم تخیلات میں کروٹیں بدلتی رہی پھر سوگئی۔

صبح بہت دیر تک انتظار کرنے کے بعد مسٹر اختر نے دروازہ کھٹکھٹایا مشکل سے اُٹھی تو چہرہ سفید آنکھیں سُرخ کچھ سوجی ہوئی۔ اختر نے پوچھا "دشمنوں کا مزاج کچھ ناساز ہے؟" اس نے مختصر جواب دیا "کچھ یوں ہی سا" "اچھا باہر آؤ۔ دن بہت چڑھ چکا ہے" "ابھی آئی" کہتی ہوئی وہ چلی گئی اور ضروریات میں مشغول ہوگئی۔ ضروری آرائش اور تبدیلی لباس کے بعد باہر آئی۔ اور سیدھی چائے کی میز کی طرف بڑھی۔

---

میز پر پہنچ کر وہ ٹھٹھک گئی۔ اس پر ایک جوان مرد اور عورت شاید میاں بیوی بیٹھے تھے اور مردوں میں سے ایک تھا جو گذشتہ شام کی بدمزگی کا باعث ہوئے تھے۔ مسٹر اختر نے ان میں تعارف کرایا "یہ میرے عزیز دوست بلکہ یوں کہوں کہ عزیز اور دوست مسٹر انور حسین ہیں اور یہ ان کی بیگم" صفیہ کی زبان سے کچھ نہ نکلا۔ وہ انہیں گھورتی ہی رہی۔ سب چپ تھے تھوڑی دیر کو صحبت کی فضا مکدر رہی۔ اس ناگوار سکوت کو یکایک ایک قہقہہ نے توڑا۔ صفیہ کچھ نہ سمجھ سکی کہ معاملہ کیا ہے۔

آخر مسز انور حسین نے مسز اختر کا ہاتھ پکڑ لیا اور پوچھا "بہن مجھے آپ پہچانتی نہیں؟ کہیں دیکھا نہیں؟" مسز اختر سوچنے لگی میں نے شکل ضرور دیکھی ہوگی کہاں اور کب؟ اپنے حافظہ پر زور دے کر وہ پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی کہ مسز انور بول اٹھی "کل شام کو میں ہی انور کے ساتھ آپ کی خدمت میں باریاب ہوئی تھی۔ کل میں مسٹر رضوی تھی آج کسی کرامت سے مسز انور حسین ہوگئی۔ کہئے میں نے اپنا پارٹ کیسا ادا کیا؟ پسند آیا؟" سب ہنس رہے تھے صفیہ بت بنی ہوئی کھڑکی سے باہر ایک نقطہ کو گھور رہی تھی۔ اب اسے معلوم ہوگیا کہ وہ اپنے شوہر کی ایک گہری عیارانہ سازش کا شکار ہوئی مسکرائی ہنسی، بولی "میں مسٹر انور اور مسز انور کو بلا شرط بری کرتی ہوں" پھر شوہر کی طرف دیکھ کر "مگر ان سرغنہ حضرت کو معاف نہیں کر سکتی ان کی خبر پھر لی جائے گی تیار رہنا" "حاضر ہوں" اختر نے کہا "اسی لئے تو میں نے یہ جرم کیا ہے کہ کسی طرح آپکے تخاطب کی عزت تو حاصل ہو۔ اور آپ میری خبر لیں!"

مسز انور اختر سے "آخر میرا احسان تو نہ مانوگے؟" اختر "بے شک۔ تم بھی عجیب قیب ہو کہ مجھ پر احسان رکھتی ہو اور میں مانتا ہوں" اس طرح ایک نہایت خطرناک کھیل، شوہر کی دانائی سے دلچسپ تماشے پر ختم ہو۔ یہ نتیجہ نہ کسی پند و نصیحت سے حاصل ہو سکتا تھا، نہ بحث و استدلال سے نہ تشدد اور ستیاگرہ سے۔

(مستفاد)

مسز ح مسلم - (از ہزاری باغ)

# دنیا میں کیا ہو رہا ہے

ایک زمانہ تھا کہ مغرب کی وارداتیں مشرق والوں کے کان تک نہیں پڑتی تھیں اور مشرق کی رام کہانیاں مغرب والوں کو نہ تو معلوم ہی ہوتی تھیں اور نہ سمجھ میں آتی تھیں، کبھی کسی سیاح نے کسی ملک کا حال لکھ دیا تو حیرت سے پڑھ لیا اور بس۔

آمد و رفت اور خبر رسانی کے ذرائع بڑھتے گئے اور آج یہ حالت ہے کہ ہٹلر نے جرمنی میں بات منہ سے نکالی اور ہم نے یہاں فوراً سن لی، مسولینی نے اُسے شاباش کہا اور ہمیں اُس ہی لمحہ گھر بیٹھے خبر مل گئی۔

کولمبس ہندوستان ڈھونڈنے چلا اور مہینوں چلنے کے بعد امریکہ جا پہنچا اور اُس کو ہندوستان سمجھنے لگا، آج کولمبس کے براعظم کے کسی حصے سے بھی ہندوستان تین سے پانچ دن کے اندر بغیر دھوکا کھائے آسانی سے پہنچ سکتے ہیں، سکندر اعظم کو یونان سے ہندوستان کے مغربی حصہ پر حملہ کرنے کے لئے مہینوں اور برسوں لگے لیکن آج جرمنی چاہے تو ہندوستان پر تین دن کے اندر بم برسا دے۔

پہلے جنگ میں ایک بہادر دوسرے سے یا ایک فوج دوسری فوج سے لڑتی تھی، رعایا غریب فاتح کے قبضہ میں بلا چون و چرا چلی جاتی تھی، آج سپاہی فوج سے کم رعایا سے زیادہ لڑتے ہیں، پہلے بادشاہ جو چاہتا تھا کرتا تھا۔ اب رعایا جو چاہتی ہے کرتی ہے بادشاہ ہوتا ہے تو چپ رہتا ہے اور یا ہوتا ہی نہیں رعایا خود اپنی جماعتیں بنا کر اپنے نمائندوں کے ذریعہ حکومت کرتی ہے اور اگر اُن میں کوئی زبردست نکل آیا تو وہ حکومت کرنے لگتا ہے لیکن صرف اُس ہی وقت تک کہ وہ کسی طرح بھی اپنی جماعت کو زور دار رکھ سکے۔

پہلے چین و جاپان میں لڑائی ہوتی تھی تو ایران و افغانستان سے کوئی واسطہ نہ ہوتا تھا، اب فرانس و جرمن میں جنگ ہو جائے۔ تو ہندوستان و ایران، امریکہ و جاپان کیا دنیا کا کوئی ملک بھی چین سے نہ بیٹھ سکے گا۔ تیز آمد و رفت کے ذرائع اور خبر رسانی کی آسانیوں نے دُور و دراز کے ملکوں کے تعلقات کو اس قدر وابستہ کر دیا ہے کہ "بنی آدم اعضائے یک دیگر ند" کا مقولہ اب صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اگر جرمنی فرانس کے سوئی چبھائے تو انگریزوں کو اُس کا درد محسوس ہوتا ہے اور انگریز جرمنی کے ایک آہنی طمانچہ مارنا چاہتا ہے تو جرمنی کے دوست جاپانی انگریزوں کے بھائی بند ہندوستانیوں سے بدلہ لینا چاہتے ہیں۔

آج کل "اعضائے یکدیگر" میں کشاکش، اور نفسی نفسی پڑی ہوئی ہے اور جہاں نفسی نفسی آپ سنیں سمجھ لیجئے کہ قیامت یا تو آگئی یا عنقریب آئے جاتی ہے۔

سیاست، سیاست، سیاست آج دنیا کا کوئی ملک، کوئی اخبار، کوئی انسان سوائے سیاست نہ اور کچھ کہتا ہے اور نہ سنتا ہے۔ ہندوستان کا آرام طلب غریب لگر کا بل مرد بھی سیاست پکارنے لگا ہے۔ مرد تو مرد اب عورت بھی سیاست ہی کا گیت گا رہی ہے اور اب تو مسلم عورت نے بھی پھر اجتماعی طور پر سیاست میں حصہ لینے کا وعدہ کر کے عملی قدم بڑھانے کا ارادہ کر لیا ہے۔

پندرہ بیس برس پہلے "جان بیٹا غلافت پر دے دو" کی گنگناہٹ باورچی خانوں کی سمت سے آیا کرتی تھی، پھر محمد علی اور گاندھی جی کی جے کی آوازیں گلیوں سے آنے لگیں، اب گھر میں قدم رکھتے ہی "اللہ اکبر" اور "بندے ماترم" سے کان گونج رہے ہیں، اب تک عورتیں حیرت میں تھیں کہ ان مردوں کو کیا ہو گیا ہے کہ آپس میں لڑ کر جانیں دے دیتے ہیں، لیکن مرد غریب عید تہوار، ہولی بقر عید ہی پر لڑتے تھے اب مردوں کے یہ کہنے کا زمانہ بھی قریب ہی نظر آ رہا ہے کہ ان عورتوں کو کیا ہو گیا ہے کہ دن و رات گھروں اور محلوں میں "یا علی" اور "بجرنگ بلی" کے نعرے لگاتی رہتی ہیں، خیر موجودہ صورت میں تو کچھ دن اچھے نظر نہیں آتے مگر کون جانتا ہے کہ آئندہ یہ بجروی

حقیقی بیداری میں تبدیل نہیں ہوجائے گی۔ ہندوستان کی سیاسی دنیا میں آج ایک عجیب کیفیت ہے، کوئی گاندھی جی کے مہاتما ہونے کا قائل ہوکر اُن کی پارٹی میں شریک ہے، کوئی ہندو راج کی دھن میں مہاسبھائی، کوئی ہندو راج سے ڈر کر اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے مسلم لیگی بنتا ہے تو کوئی جواہر لال صاحب کی نوابی کو ٹھوکر مار کر فقیرانہ زندگی سے مرعوب ہوکر خود بھی فقیر رہ جانے کو سوشیلزم سمجھ رہا ہے کوئی تاجر بلا تجارت، زمینداروں سے زمینداری اور مالداروں سے دولت چھین کر کسانوں کی حکومت چاہتا ہے تاکہ کھیت بھی ویران پڑے رہیں۔ اور اس کو کمیونیزم کہتا ہے اور کوئی خدا اور مذہب کے انکار اور شادی کی رسم کو مٹا کر حیوانوں کی طرح رہنے کو بالشویزم سمجھتا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ جہالت! جہالت! اور جہالت! وہ بندے ماترم اور اللہ اکبر کہنے والے ہوں یا سرکار کا بول بالا اور انقلاب زندہ باد کے نعرے لگانے والے اُن کی ایک بڑی تعداد اور ایک بہت ہی بڑی تعداد جن پارٹیوں یا حکومتوں کی نقالی کرتی ہے اُن کے ابتدائی اصولوں تک سے واقف نہیں ہوتی۔ ہم ہندوستانی اٹلی اور جرمنی کے لوگوں کی طرح شخصیت پسند ہیں، ممکن ہے اٹلی اور جرمنی کے لوگ شخصیت پسندی پر مجبور کر دیئے گئے ہوں لیکن ہماری طبیعت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ ہم کسی پارٹی کے اصولوں کے نہیں بلکہ اُس پارٹی کے لیڈر کی ذاتی اور شخصی اداؤں کے شکار رہتے ہیں، مرد تو "جے" اور "لبیک" کہنے کے عادی ہو ہی چکے ہیں، لیکن اب "تازہ واردان" خدا کے لئے سیاست میں حصہ لینے سے پہلے اپنا یہ فرض سمجھ لو کہ تم سیاسی پارٹیوں کی تاریخ اُن کے ابتدائی اصول و مقاصد وغیرہ کا خود ہی علم حاصل نہ کروگی بلکہ اپنے حتی المقدور ہر ہر اپنی ساتھی اور سہیلی کو بتاؤگی تاکہ ماترم اور بدرم جے اور لبیک کی بلاؤں سے نجات پاکر تم اپنے سیاسی حقوق کو اپنی ضرورت اور مرضی کے مطابق استعمال کرسکو اور شخصیت کے بھوت کے سایہ سے بچ کر قوم و ملک میں کسی باقاعدہ مہذب حکومت کے قیام میں مدد دے سکو۔ گاندھی جی ایک مقدس بزرگ، جواہر لال ایک دلیر و دلکش جوانمرد، جناح صاحب ایک شاطر و ذہین سیاست دان ہوں تو ہوتے رہیں اگر وہ آپ کی پارٹی کے اصولوں سے انحراف کریں تو آپ کو اُن سے کوئی غرض نہیں ہونا چاہیئے، لہذا یہ سمجھنے کے لئے کہ ہندوستان میں کیا ہو رہا ہے اور کیا ہوگا یہ معلوم کرلینا بے حد ضروری ہے کہ دنیا میں کیا ہوتا رہا ہے اور اب کیا ہو رہا ہے، اس علم سے آپ کو یہ طے کرنے میں بڑی مدد ملے گی کہ آپ کے خاص مقصد زندگی کے مطابق آپ کے ملک میں کیا ہونا چاہیئے، یہ طے ہونے کے بعد آپ جو پارٹی آپ کے ہم خیال و ہم مقصد ہو اُس کا ساتھ دیجئے خواہ وہ اکثریت میں ہو یا اقلیت میں، کامیاب ہو یا ناکام۔ ہاں آپ اپنا معیار و مقصدِ زندگی ہی بدل دیں تو یہ دوسری بات ہے آپ پارٹی بھی بدل سکتی ہیں۔

لایئے میں اپنی ابجد شروع کروں لیکن اس سے پہلے مجھے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ میری تحریر کا مدعا اُن لوگوں کی خدمت ہے جن کو ان معاملات کی چھان بین کا نہ موقع ہے اور نہ سہولت اور اُس طبقہ کے افراد کی بھی کہ جو خود اپنے مطالعہ سے نہیں بلکہ عام مقررین اور لیڈر صاحبان کی گفتگو اور مباحثوں سے اثر پذیر ہوکر مغالطہ میں پڑے ہوئے ہیں۔

**حکومتوں کی اقسام** حکومت کے لئے حاکم اور محکوم کا ہونا ضروری ہے۔ محکوم تو ہمیشہ محکوم ہی رہتا ہے لیکن حاکم کئی طرح کے ہوسکتے ہیں اس لئے حکومت بھی کئی قسم کی ہوسکتی ہے۔

**حکومت کی دو بڑی اقسام** بادشاہت اور جمہوریت یہ دو ایسے وسیع معنی رکھتی ہیں کہ دنیا کی ہر قسم کی حکومت ان دو ہی کے دائروں میں آجاتی ہے۔

**ڈکٹیٹرشپ** کبھی کسی ملک میں ایسی زبردست ہستی بھی پیدا ہوجاتی ہے جو ان دونوں قسم کی حکومتوں کو قائم تو رہنے دیتی ہے مگر نا کارہ کرکے بادشاہت ہو یا جمہوریت اُس سے اپنی مرضی کے مطابق کام لے لیتی ہے، ایسے شخص کو ڈکٹیٹر کہتے ہیں۔ مسولینی اور ہٹلر اس کی زندہ مثالیں ہیں۔ مسولینی نے اٹلی کی بادشاہت پر اپنا قبضہ جما رکھا ہے اور ہٹلر نے جرمنی کی جمہوریت پر۔

**بادشاہت** اس قسم کی حکومت کے حاکم کی فی زمانہ تین قسمیں ہیں۔ اصل بادشاہ، کام کا بادشاہ اور نام کا بادشاہ۔

**(۱) اصل بادشاہ۔** پہلے زمانہ میں ایک جنگی فاتح بادشاہ ہوتا تھا اور بادشاہت اُس کے ورثار کے قبضہ میں جب تک وہ قوی رہتے قائم رہتی تھی، ایسا بادشاہ اپنی مرضی سے اپنے وزراء اور دیگر عمائدین وحکام سلطنت مقرر کرلیتا تھا۔ لیکن اُن کی صلاح و مشورہ پر کام کرنا نہ کرنا اُس کی مرضی پر تھا۔ ایسے بادشاہوں کی مثالیں آج بھی عرب میں ابن سعود، ایران میں رضا شاہ اور افغانستان میں ظاہر شاہ موجود ہیں۔ گو زمانہ کی روش نے اُن کی مطلق العنانی پر بھی قیود عائد کردی ہیں لیکن ابنِ سعود جیسا بادشاہ اب بھی اپنی سلطنت میں جو چاہے کرسکتا ہے۔

**(۲) کام کا بادشاہ۔** اس کی بہترین مثال انگلستان کے بادشاہ صاحب ہیں۔ انگلستان کی حکومت کا شمار جمہوری حکومتوں میں ہے لیکن حقیقتاً شاہ انگلستان قانونی طور پر ایک با اختیار بادشاہ ہیں۔ وہ چاہیں تو پارلیمنٹ کے فیصلوں کو رد کردیں پارلیمنٹ کو معطل کردیں اور ممبروں کو نکالدیں لیکن انہوں نے ۱۷۰۷ء سے یعنے دوسوتیس برس کے عرصہ میں آج تک ایسا نہیں کیا۔ وہ اپنے وزراء کی رائے کے بغیر ایک انچ اِدھر اُدھر نہیں ہوسکتے۔ اُن کو بادشاہت ورثہ ملی ہے۔ لیکن وہاں رعایا نے اپنے نمائندوں کے ذریعہ ایسی پنچایت قائم کرلی ہے اور اس پارلیمنٹ کا اس قدر زور ہے کہ بادشاہ صاحب صرف رعایا کی محبت اور وفاداری کا مرکز بن کر رہ گئے ہیں اور یا دوسری اُن محکوم قوموں کے لئے جو شخصیت اور شہنشاہیت کی عادی اور اُس سے اثر پذیر ہوسکتی ہیں ایک سلطنت کو قائم رکھنے والی باوقار اور پُرعظمت ہستی ہونے کا کام دیتے ہیں۔ اُن کو قانوناً بہت اختیارات ہیں لیکن وہ اُن سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔

**(۳) نام کا بادشاہ۔** اس کی مثال میں اٹلی کے بادشاہ صاحب پیش کئے جاسکتے ہیں روم کی مشہور سلطنت کے بعد اٹلی کا ستراسی برس پہلے تک بُرا حال رہا۔ کبھی جرمنی کبھی آسٹریا اور کبھی فرانس قابض رہا۔ ۱۸۶۱ء میں اٹلی کو اپنا بادشاہ نصیب ہوا اور موجودہ بادشاہ صاحب کو ۱۹۰۰ء میں اٹلی کی بادشاہت ورثہ میں ملی، جنگ عظیم کے بعد اٹلی میں سیاسی ہوا خراب رہی، بادشاہت مٹ کر کمیونزم کا دور دورہ ہوجانے کا خطرہ تھا۔ ۱۹۲۲ء میں مسولینی نے جو خود کبھی ایک بڑا زبردست شوشلسٹ تھا اپنی قوت و فراست کے ذریعہ حکومت کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لی۔ بادشاہ صاحب نے موقع غنیمت سمجھا اور مسولینی کو جو وہ چاہے کرنے دینے میں ہی خیریت دیکھی اور اس طرح بادشاہت کو بچالیا۔ اب شاہ اٹلی نام کے بادشاہ اور مسولینی اصل حاکم ہے۔

**جمہوریت** یہ دراصل رعایا کی حکومت ہے۔ عام لوگ اپنی مرضی کے نمائندے انتخاب کرکے اُن کو اپنا حاکم بنالیتے ہیں۔ اب اگر تمام لوگ ہم خیال ہوں تو ایسی حکومت میں پارٹیاں نہیں ہوتیں اور قوم کسی ایک شخص کو جو اُن کی پنچایت کا پریسیڈنٹ (صدر) ہوتا ہے ڈکٹیٹر کی حیثیت دیدیتی ہے۔ اصل ڈکٹیٹر اور جمہوری لیڈر میں یہ فرق ہے کہ ڈکٹیٹر خود اپنی فراست اور قوت سے دوسری تمام پارٹیوں کو شکست دے کر صرف اپنی پارٹی کو زوردار رکھتا اور حکومت کرتا ہے اور جمہوری لیڈر قوم میں پارٹیاں نہ ہونے سے ڈکٹیٹر کی حیثیت اختیار کرلیتا ہے اور قوم اُس کے حکم کو خوشی سے مانتی ہے۔ ایسے لیڈر کی مثال ترکی میں عصمت انونو ہیں جمہوریت میں بھی جب کوئی ایک پارٹی بہت زوردار ہوجائے تو رعایا کو کامل آزادی نصیب نہیں ہوتی مثلاً روس میں رعایا کی حکومت کو مکمل سمجھا جاتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ روس کا ایک گنوار بھی اپنے حاکم انتخاب کرنے میں پورا حصّہ لیتا ہے لیکن ایک دفعہ جب یہ حاکم انتخاب ہوکر حکومت کرتے ہیں تو رعایا بے بس ہوجاتی ہے اور غلام سے بھی بدتر زندگی گذارتی ہے۔ وہاں آزادی خیال اور عمل مفقود ہے۔ جو شخص کمیونسٹ خیال کا نہ ہو وہاں زندہ نہیں رہ سکتا ہے۔ دوسری جمہوریت کی قسم وہ ہے جس میں تمام رعایا ہم خیال نہیں ہوتی اس لئے وہ اپنی اپنی مرضی کے نمائندے انتخاب کرتی ہے اور یہ علیٰحدہ علیٰحدہ پارٹیوں میں جمع ہوکر حکومت کو اپنے قبضہ میں لینا چاہتے ہیں۔ جو

پارٹی سب سے زیادہ زوردار ہو وہ حکومت کرنے لگتی ہے۔ اس قسم کی جمہوریت کا سب سے بڑا عیب یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی پارٹی کی اکثریت بہت ہی زیادہ ہو تو یہ پارٹی اقلیتوں کی رائے کی پرواہ نہیں کرتی ہے۔ اور یہ نام کی آزاد حکومت دراصل اُس بڑی پارٹی کی حکومت ہو جاتی ہے اور اُس ملک میں ایسی پارٹی کے ممبر ہی حکومت کرنے لگتے ہیں۔ اور اقلیت کے ساتھ ناانصافی کا بہت کچھ امکان ہو جاتا ہے۔ کانگریس گورنمنٹ سے مسلم لیگ کے متشکی ہونے کی وجہ بھی یہی تسلیم کی جاتی ہے اور انگلستان کی پارلیمنٹ کی موجودہ پالیسی پر بھی اس ہی بناء پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ اس لئے ہر ملک میں جہاں جمہوری حکومت قائم ہو رہی ہو اقلیت کے لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی حفاظت کے لئے خود ہی متحد اور قوی ہونے کے علاوہ دوسری اقلیتوں کو بھی قوی کرے اُن سے تعاون کرے، اور تمام اقلیتوں کے اتحاد کے ذریعہ اکثریت رکھنے والی پارٹی کو ڈکٹیٹر ہو جانے سے بچائے تاکہ اصل جمہوریت یعنے رعایا کی آزاد حکومت قائم رہ سکے۔

جن جمہوری حکومتوں میں پارٹیاں موجود ہیں وہ بھی کئی قسم کی ہیں، مثلاً انگلستان کی جمہوری حکومت پارلیمنٹ کے ذریعہ ہوتی ہے جو بادشاہ کے نام پر حکومت کرتی ہے۔ فرانس میں ریپبلک ہے جو اپنی پنچایت کا ایک پریسیڈنٹ بنا کر حکومت کرتی ہے۔ امریکہ میں فیڈریشن ہے جہاں بہت سی آزاد ریاستیں اپنے تحفظ کے لئے متحد ہو گئی ہیں اور اپنی مرکزی حکومت بنا کر ایک پریسیڈنٹ مقرر کر لیا ہے جس کو شہنشاہ کا درجہ حاصل ہے۔ کناڈا میں بھی فیڈریشن ہے لیکن انہوں نے شاہ انگلستان کو ابھی تک اپنا سردار اور بادشاہ تسلیم کر رکھا ہے۔

## جمہوری حکومت کے ضروری محکمے

جمہوری حکومت کسی قسم کی ہی ہو اس کے تین بڑے بڑے محکمے ضروری طور پر ہوتے ہیں

(۱) ایگزیکٹیو executive یہ اصل حکومت کرنے والا محکمہ ہوتا ہے۔ اس محکمے کے ممبر وزراء اور دیگر حکام ہوتے ہیں جو سول سروس کے ذریعہ حکومت کرتے ہیں۔ اس محکمہ کا لیڈر ملک کا اصل حاکم گویا بادشاہ کی جگہ ہوتا ہے یہ محکمہ ہمیشہ اکثریت والی پارٹی کے قبضہ میں ہوتا ہے۔

(۲) لیجسلیٹو Legislative اس محکمہ میں تمام پارٹیوں کے نمائندے ہوتے ہیں۔ اس محکمہ میں ملک کے لئے قوانین بنتے ہیں۔ وزراء اور احکام کی پیش کردہ تجویزوں پر بحث و مباحثہ ہوتا ہے۔ آزاد ملکوں میں حکام اور ایگزیکٹیو کے تمام ممبر اپنے ہر فعل کی اس محکمہ کے روبرو جواب دہی کرتے ہیں جن ملکوں میں رعایا کو اصل آزادی سے محروم رکھا جاتا ہے اور عام لوگوں پر اعتماد نہیں کیا جاتا وہاں ایگزیکٹیو آزاد محکمہ ہوتا ہے اور لیجسلیٹو کو اُس پر کوئی اختیار نہیں ہوتا۔

(۳) جوڈیشل Judicial یہ محکمہ عدل و انصاف کسی دوسرے محکمے کے تحت میں نہیں ہوتا ہے۔ ملک میں بُرے یا بھلے جیسے بھی قانون ہوں اُن کے مطابق عدل و انصاف کرتا ہے جس ملک میں یہ محکمہ مکمل آزاد ہو کر اپنا کام نہ کر سکے اُس ملک کی حکومت کو آزاد نہیں کہا جا سکتا ہے۔ جو حکومت کسی غرض سے بھی ہو اپنے ججوں اور منصفوں کے فیصلوں میں دخل اندازی کرتی ہے وہ حکومت کہلانے کی مستحق نہیں ہوتی ہے۔ مرکزی حکومت کے ان تین بڑے محکموں کے علاوہ جمہوری حکومت میں لوکل سیلف گورنمنٹ کے محکمے بھی ہوتے ہیں۔ جیسے ہندوستان کی میونسپلٹیاں اور ڈسٹرکٹ بورڈ وغیرہ۔

## سیاسی پارٹیاں

ہر ملک میں مختلف مقاصد اور خیالات رکھنے والے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک تہذیب یافتہ ملک کے لوگ اپنی اپنی ضرورتوں سے واقف ہوتے اور اپنے اپنے حقوق کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ زندگی کی کشمکش اور مقاصد کا اختلاف جُدا جُدا جماعتیں پیدا کر دیتا ہے۔ مثلاً زمیندار چاہتا ہے کہ جس قدر زیادہ سے زیادہ ہو سکے میں زمین کی پیداوار سے فائدہ اُٹھاؤں۔ لہٰذا وہ اپنے پیشہ اور ہم خیال لوگوں کی پارٹی بنا کر اپنی جماعت کے زیادہ سے زیادہ نمائندے حکومت کی پنچایت میں بھیجنا چاہتا ہے۔ اسی طرح مزدور اور کسان چاہتا ہے کہ میں محنت کرتا ہوں اور نفع زمیندار اُٹھاتا ہے۔ میں اپنی جماعت کے نمائندے

حکومت کی پنچایت میں زمیندار کے نمائندوں سے زیادہ بھیجوں تاکہ وہ ایسے قوانین بنوا سکیں کہ مجھے محنت بھی کم کرنا پڑے اور اس محنت کا نتیجہ بھی زیادہ ملے، ضروریات زندگی کے علاوہ سیاسی خیالات، تہذیب و تمدن اور زبان و مذہب کی تفریق بھی پارٹیاں پیدا کر دیتی ہے اس نکتہ کو سمجھ لینے کے بعد یہ معمہ حل ہو جاتا ہے کہ ہر ملک میں مختلف پارٹیاں کیوں ہوتی ہیں، اس ضمن میں یہ معلوم کر لینا بھی خالی از منفعت نہ ہوگا کہ دنیا کی تمام سیاسی پارٹیوں کا رجحان مندرجہ ذیل سیاست کے تین بڑے ستونوں میں سے کسی ایک کی طرف ضرور ہوگا۔

(۱) امپیریلیزم Imperialism یہ بادشاہت کی صورت میں ہو یا جمہوریت کی شکل میں امپیریلیزم میں عام لوگوں یا کسی محکوم قوم کی خواہشات، ضروریات اور آزادی کو مالدار، زوردار، بادشاہ یا حاکم قوم کی بھلائی کے لئے قربان کیا جانا ضرورت اور وفاداری کے تحت میں لاکر داب حکومت کے خلاف نہیں جاتا۔

(۲) سوشیلزم Socialism یہ چاہتا ہے کہ قوم اور ملک کے جتنے وسائل اور ذرائع دولت پیدا کرنے کے ہیں وہ ہر ہر فرد نہیں بلکہ حکومت کے قبضہ میں ہونے چاہئیں اور حکومت ملکی زر و دولت کی مالک اور پاسبان رہے۔ عام لوگوں کو تجارت کرنے اور نفع اٹھانے کی اجازت دی جائے لیکن گورنمنٹ اس تجارت کو اس طرح اپنے ہاتھ میں رکھے کہ مزدوروں کے حقوق بھی نہ مارے جائیں اور تاجروں کا نفع بھی قائم رہے تاکہ مالدار غریبوں پر جبر نہ کر سکیں اور ملک میں ہر فرد بشر کو پیٹ بھر کر روٹی اور ضروری آرام و آسائش نصیب ہو سکے۔

(۳) کمیونزم Communism یہ سوشیلزم سے بھی آگے بڑھ جاتا ہے، اس کے مطابق قوم میں بڑے چھوٹے اچھے بُرے، دماغی اور جسمانی کام کرنے والے، انجنیر اور مزدور، تاجر اور فلسفی، شاعر اور تیلی میں کوئی امتیاز نہیں ہونا چاہیئے۔ عام لوگ حکومت کریں۔ سب کی کمائی کو حکومت جمع کرے اور ہر شخص کو برابر برابر تقسیم کر دیا جائے۔ انسان کا کام کھانا پینا اور حکومت کے لئے کام کرنا ہو اور بس۔ اس سیاسی ابجد کی تمام تختیوں کو دُھرا کر آپ کو سنانے کا نہ میرے پاس وقت ہے اور نہ اس مضمون میں گنجائش اس لئے آئیے یہ دیکھیں کہ اس دور میں جبکہ ہندو راج، مسلم پاکستان، برٹش فیڈریشن، ہندو مسلم مناقشات، مسلم تہذیب و تمدن کے وجود تک سے انکار، زبانوں کے جھگڑے، مذہب کا حب الوطنی اور ترقی میں سدِّ راہ ہونے کا خیال اور "ہم کس طرح حکومت کر سکتے ہیں" کا ہر طرف شور مچا ہوا ہے کیا کوئی اُمید کی جھلک ایسی نظر آتی ہے کہ ہندوستان کی بڑی بڑی جماعتیں اپنی خصوصیات کو قائم رکھتے ہوئے کوئی ایسی قومی حکومت قائم کر سکتی ہیں کہ جو ہندوستان کو دنیا میں آزاد ہی نہیں ایک درجۂ اول کی قوم تسلیم کرا دے۔

## کیا ہندوستان کی مختلف قومیں اپنی قومی خصوصیات کو قائم رکھتے ہوئے کوئی قومی حکومت قائم کر سکتی ہیں؟

اس کا جواب ہندوستان کے سیاسی حلقوں میں مختلف دیا جاتا ہے لیکن جو بر خود غلط لوگ خود کو بہت ترقی یافتہ آزاد خیال، وطن پرست مذہب و ملت کی "قدیمانہ" ذہنیت اور تہذیب و تمدن کی "قیاسی" حفاظت سے بالاتر سمجھتے ہیں ان کا خیال ہے کہ ملکی سیاست اور قوم کی ترقی کے لئے مذہب کی بندشوں کو توڑ دینا۔ ہر جماعت کے خصوص تہذیب و تمدن اور اختلافِ زبان کو مٹانا اور ملک و قوم کے علاوہ ہر چیز کے خیال کو دل و دماغ سے نکال دینا ضروری و لابدی ہے۔ اس لئے جب تک عام ہندوستانی اپنے ہر شعبہ زندگی میں یکسانیت اور ہم خیالی نہ پیدا کریں آزادی نصیب نہیں ہو سکتی۔ اس خیال کے لوگوں کی تعداد بڑی سُرعت کے ساتھ بڑھ رہی ہے اور ان میں ہمارے نئے تعلیم یافتہ نوجوانوں کا بہت بڑا حصہ ہے لیکن اس مقصد کے حصول میں اگر کوئی ڈکٹیٹر پیدا نہ ہو گیا تو صدیاں لگ جائیں گی اس لئے آئیے یہ دیکھیں کہ کیا دنیا میں ایسے آزاد ملک ہیں جن کی سیاسی تاریخ، آزادی کے لئے کشمکش اور موجودہ طرز حکومت سے ہم سبق حاصل کر سکتے ہیں ہاں ہیں۔ اور میں دو ایسے ملکوں کا ذکر کروں گا کہ جہاں کی ابتدائی اور درمیانی سیاسی حالت ہندوستان کی موجودہ سیاست سے بہت کچھ مشابہ ہے

یہ دونوں ملک انگریزوں کے قبضہ میں تھے۔ ایک نے ابتدا ہی میں اپنے صوبوں کو متحد کر کے انگریزوں سے جنگ کی اور آزادی حاصل کر لی اور پھر آہستہ آہستہ دوسری قوموں اور مذہب والوں کے صوبوں کو بھی اپنے اپنے حلقوں میں مکمل آزادی کی گارنٹی دے کر اپنے ساتھ ملایا اور ایک زبردست فیڈریشن قائم کر لی جس کے مقابلہ کی بڑی بڑی یورپین قوموں کو بھی ہمت نہیں ہوتی۔ اور جس کے لوگ تجارت۔ مال و دولت اور آزادیٔ خیال میں بھی اصل یورپین قوموں سے کہیں آگے بڑھ گئے ہیں یہ ملک ریاستہائے متحدہ امریکہ ہے۔ دوسرے ملک کو انگریزوں نے خود آزادی دیتے دیتے اس درجہ پر پہنچا دیا ہے کہ آج وہ بالکل آزاد ہے اور گو اُس میں مختلف ممالک اور قوموں کے لوگ رہتے ہیں لیکن سب برائے نام ہی سہی، شاہِ انگلستان کی وفاداری کا حلف اٹھائے ہوئے ہیں اور اب تک انگریزوں سے اُن کا سیاسی و تجارتی رشتہ قائم ہے۔ یہ ملک کناڈا ہے۔ اس علم کے ہوتے ہوئے کہ امریکہ اور کناڈا کی مختلف قومیں اپنے مذہب، زبان، تہذیب و تمدن کو قائم رکھ کر حکومت کر رہی ہیں۔ حکومت نے ہر فرقے کی اصل زبان، طریقہ تعلیم اور مذہب کو قائم رکھا ہے۔ کناڈا کی انگریز حکومت اپنی فرنچ رعایا کے تہذیب و تمدن کی پوری حفاظت کرتی ہے۔ نومیدی کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی ضرورت صحیح سیاسی علم کو حاصل کرنے، جمہوری ذہنیت پیدا کرنے اقلیتوں کو متحد ہو کر اپنی تنظیم کرنے اور اکثریت کے بیجا نشۂ قوت کو مٹانے کی ہے خواہ وہ کانگریس کی کوششوں سے ہو یا پاکستان کی اسکیم سے، ڈاکٹر لطیف کے ہندو اور مسلم انڈیا کی تقسیم سے یا برٹش فیڈریشن کی تجویز سے۔ بہر حال عورتوں کو "پارٹی پولیٹکس" کی طرف قدم اٹھاتے وقت وہ دھوکا نہیں کھانا چاہیئے جو مردوں نے کھایا ہے اور جس کی گرفت سے وہ اب تک نہیں نکل سکے ہیں۔ آئیے امریکہ کی سیاسی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالیں۔

**ریاستہائے متحدہ امریکہ کی سیاسی تاریخ** نئی دنیا دو براعظموں پر مشتمل ہے۔ شمالی اور جنوبی امریکہ۔ شمالی امریکہ کے دو بڑے حصے ہیں۔ شمالی کو کناڈا اور جنوبی کو ریاستہائے متحدہ امریکہ کہتے ہیں۔ لیکن عام طور پر جب امریکہ کہا جاتا ہے تو اُس سے ریاستہائے متحدہ امریکہ مراد ہوتا ہے۔ میں بھی امریکہ اس ہی معنی میں استعمال کروں گا۔

**ابتدائی تاریخ** سب جانتے ہیں کہ ساڑھے چار سو برس پیشتر کولمبس نے امریکہ کا پتہ لگایا اور اُس کو ہندوستان سمجھ کر وہاں کے اصل باشندوں کو انڈین کہا۔ سو برس تک جنوب میں ہسپانوی اور شمال میں فرنچ لوگ اپنی نوآبادیات تجارت اور سیاسی اثر قائم کرنے میں مشغول رہے ۱۶۰۶ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرز کی ایک تجارتی اور نوآبادیاں قائم کرنے والی "لندن کمپنی" انگلستان میں قائم ہوئی اور اُس نے امریکہ کے مشرقی ساحل پر نوآبادیاں شروع کیں۔ اس کے حصہ دار بڑے بڑے انگریز تاجر، مالدار اور دل چلے لوگ تھے۔ جبکہ امریکہ کی دولت کی کہانیاں یورپ میں عام ہو رہی تھیں۔ انگلستان میں مذہبی تعصب زور پر تھا اگر انگریز بادشاہ پروٹسٹنٹ ہوتا تھا۔ تو وہ رومن کیتھولک عقیدہ والوں کو تکلیفیں دیتا اور ان پر ظلم کرتا تھا۔ اس مذہبی تعصب کے شکار کئی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اچھے خاندانوں کے انگریزوں نے ہجرت کر کے امریکہ میں جاگیریں خرید کر اُن کو آباد کیا۔ کچھ سیاسی اختلاف کے مارے ہوئے انگریز بھی امریکہ میں جا بسے اور اپنی علیحدہ علیحدہ جاگیریں یا اسٹیٹ قائم کر لیں اس طرح سوا سو برس کے عرصہ میں انگریزوں کی تیرہ خوش حال ریاستیں امریکہ کے مشرقی ساحل پر قائم ہو گئیں ان ریاستوں نے اپنے انتظامات کے لئے لوکل قانون بنائے اور ایک قسم کی لوکل سلف گورنمنٹ قائم کر لی۔ سترھویں صدی میں یورپ کی دوسری قوموں نے بھی اپنی ریاستیں قائم کیں۔ انگریز، اسکاچ، آئرش، ہسپانوی لوگوں کے علاوہ سویڈ، ڈچ، جرمن اور بعد میں اطالوی اور روسی بھی جا پہنچے اور ایک بڑی تعداد حبشیوں کی بھی ہو گئی۔

**انگریزوں اور فرانسیسیوں میں جنگ** ہندوستان کی طرح امریکہ میں بھی انگریزوں کو اپنی تجارت اور سیاسی اثر و رسوخ کو بڑھانے کے لئے فرنچ لوگوں سے جنگیں کرنا پڑیں۔ نتیجہ بھی ہندوستان ہی کی طرح ہوا کہ اٹھارویں صدی میں

۱۷۶۳ء تک تمام امریکہ پر انگریز حاوی ہوگئے فرنچ حکومت کی امید دل کا خاتمہ ہوگیا۔ امریکہ والوں کو ستر بہتر برس کی متواتر جنگ آزمائی سے آپس کی امداد اور اتحاد کی قدر اور اصولِ جنگ نبردی کا کافی تجربہ ہوگیا۔ برٹش حکومت نے چونکہ امریکہ کی انگریز نوآبادیات کی مدد کی تھی اس لئے ان نوآبادیات کو اپنی سلطنت میں ملا کر ان پر حکومت کرنا شروع کردی۔ جنگ کے خرچہ کو پورا کرنے کے لئے طرح طرح کے ٹیکس لگائے اور تجارت کو اپنے قبضہ میں کرنا چاہا۔

## امریکہ کی تحریک آزادی

امریکہ والوں نے اپنی آزادی کو قائم رکھنے اور اپنی تیرہ ریاستوں کو متحد کرنے کے لئے ۱۷۵۴ء میں ایک کانگریس کی جس میں امریکہ کے انڈین لوگوں سے دوستی کے تعلقات اور تمام ریاستوں کو متحد کر کے ایک مرکزی حکومت قائم کر لینے کی تجویزیں پیش کی گئی تھیں۔ اس اسکیم کو ریاستوں نے اس لئے تسلیم نہیں کیا کہ کہیں مرکزی حکومت ان کی مقامی آزادی میں دخل در اندازی نہ کرنے لگے اور انگلستان کی حکومت نے اس لئے رد کردیا کہ یہ ان کو امریکہ کی آزادی اور خودمختار حکومت کا پیش خیمہ معلوم ہوئی۔

## انگریزی حکومت کی امریکہ کی تحریک آزادی کو دبانے کی کوششیں اور انکا اثر

اب جس قدر شدت سے امریکن آزادی اور خودمختار حکومت کی خواہش کرتے اتنی ہی سختی سے انگریزی پارلیمنٹ اُن کی سیاسی۔ تجارتی۔ مالی اور دیگر حقوق پر قانونی بندشیں کرتی نوبت یہاں تک پہنچی کہ انگریزی حکومت نے اپنے مفاد کی حفاظت کے لئے امریکہ کے مختلف اہم مقامات پر اپنی فوجیں لا رکھیں اور اس فوجی خرچہ کو پورا کرنے کے لئے اور ٹیکس لگا دیئے۔ ان میں سے ایک ٹیکس اسٹامپ ٹیکس کی شکل میں نمودار ہوا۔ امریکہ میں اس کی بڑی مخالفت ہوئی تو یہ ٹیکس ہٹا لیا گیا لیکن ساتھ ہی برٹش پارلیمنٹ نے یہ اعلان بھی کردیا کہ حکومت کو نوآبادیات پر ٹیکس لگا دینے کا پورا حق حاصل ہے۔ اس اعلان نے امریکہ والوں کو بہت مشتعل کردیا۔ شہر بوسٹن اس تحریک آزادی کا بہت بڑا مرکز تھا جب وہاں برٹش فوجیں تعینات کی گئیں تو لوگوں نے ایک زبردست مظاہرہ کیا۔ اس مجمع کو منتشر کرنے کے لئے فوج کے ایک دستہ نے گولی چلائی جس سے تین شخص ہلاک اور سات زخمی ہوئے۔ اس واقعہ نے امریکہ کی جنگ آزادی کو قریب کردیا۔

## امریکنز کی قانون شکنی اور برٹش گورنمنٹ کے خلاف احتجاج

امریکن کہتے تھے کہ جب پارلیمنٹ میں ہمارے نمائندے نہیں ہیں اُن کو ہم پر ٹیکس لگانے کا حق نہیں ہے اس ہی قسم کا ایک ٹیکس چائے پر لگایا گیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ایک جہاز ہندوستان سے چائے کر بوسٹن پہنچا۔ بوسٹن والے بھیس بدل کر اس جہاز پر چڑھ گئے اور چائے کے سینکڑوں بنڈل نیچے پھینک دئیے۔ اور اس طرح چائے کے خلاف مظاہرہ کیا۔ اس واقعہ کو "بوسٹن ٹی پارٹی" کہتے ہیں۔ ان ہی مظاہروں کے تحت میں امریکہ والوں نے برٹش جنگی جہاز جو کسٹم کے قوانین توڑنے والوں کی سرزنش کے لئے مقرر کیا گیا تھا جلا ڈالا۔ اب امریکہ والوں نے تیرہ ریاستوں کو متحد کرنے اور باخبر رکھنے کے لئے ایک "کمیٹی آف کارس پونڈنیس" قائم کرلی اور اس طرح ایک ریاست کی سیاسی خبر دوسری میں فوراً پہنچنے لگی، برٹش گورنمنٹ نے اس تحریک آزادی اور قانون شکنی کے تدارک کے لئے چند قانون بنائے جن کی رو سے بوسٹن کے بندرگاہ کو تمام تجارت کے لئے بند کردیا۔ جن لوگوں نے قانون شکنی کی تھی اُن کے لیڈروں کو گرفتار کر کے ان پر مقدمہ چلایا اور ان قوانین کو زبردستی رائج کرنے کے لئے جنرل پیج کی قیادت میں ایک زبردست فوجی دستہ بھیج دیا۔ امریکن لوگوں نے ۱۷۷۴ء میں ایک کانگریس کی جس کو "فرسٹ کان ٹی نینٹل کانگریس" کہتے ہیں۔ اس میں برٹش پالیسی کے خلاف اور برٹش مال کے بائیکاٹ کے متعلق ریزولیشن پاس کئے اور پارلیمنٹ کو ایک عریضہ کے ذریعہ سخت پالیسی کو روک دینے کی طرف رجوع کیا جس کے جواب میں برٹش پارلیمنٹ نے اور سخت قانون بنا کر بھیج دیئے۔ اب مجبور ہو کر امریکنز نے اپنے والنٹیر اور جنگی سامان جمع کرنا شروع کیا۔ جنرل پیج

اس سامان رسد اور تحریک کے لیڈروں کی گرفتاری کے لئے فوج بھیجی۔ جنگ آزادی کا یہ پہلا موقع تھا کہ امریکنز نے اپنے ہتیار اُٹھائے اور انگریزوں سے مقابلہ کیا۔

## امریکہ کی جنگ آزادی

اب قومی لیڈروں نے تمام ملک کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لی اور تمام ریاستوں کو متحد کرکے چند قوانین بنائے اور انگریزوں سے مقابلہ شروع کردیا۔ کبھی امریکنز اور کبھی انگریزوں کو فتح ہوتی رہی۔ انگریزوں نے بہت سی فوجیں امریکہ روانہ کیں اور ہر طرف سے حملہ کردیا۔ وادی "وے مانگ" میں انگریزوں نے امریکن انڈین لوگوں کی مدد سے سخت حملہ کیا اور فتح کے بعد عورتوں اور بچوں کا عام قتل سرزد ہوا اس واقعہ نے امریکہ والوں کے اس خیال کو کہ وہ انگریزی حکومت کے سایہ میں خود مختاری چاہتے تھے بالکل ہٹا دیا اور انہوں نے مکمل آزادی کا اعلان کردیا۔ ایک کمیٹی دوسرے ملکوں کی حکومت سے سازوباز کرنے کے لئے مقرر کردی گئی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ انگریزوں کے دشمن فرانس نے اپنی فوجیں امریکن لوگوں کی مدد کے لئے بھیجیں۔ اس غیر ملکی فوجی کمک نے انگریزی فوجوں کو شکست پر شکست دی۔ مجبوراً انگریزوں نے صلح کرلی، پیرس میں صلحنامہ پر دستخط ہوئے امریکہ کی تیرہ ریاستوں کو مکمل آزادی مل گئی اور اُن کے ملک کی سرحد بھی قائم ہوگئی۔ اس جنگ آزادی میں کناڈا والوں نے حصہ نہیں لیا بلکہ جو لوگ انگریزوں کے وفادار رہے وہ بھی صلح کے بعد امریکہ سے کناڈا چلے گئے اور وہاں جا بسے۔

## امریکن فیڈریشن کا قیام

اب تمام ریاستوں نے متحد ہوکر ایک فیڈریشن قائم کی اور امریکہ کی دوسری ریاستوں کو بھی اس میں شریک ہونے کی دعوت دی۔ آہستہ آہستہ تمام ریاستیں اس میں شریک ہوگئیں اور آج اس فیڈریشن میں اڑتالیس ریاستیں اور ایک فیڈرل ڈسٹرکٹ شریک ہے۔ یہاں دنیا کے ہر ملک کے باشندے موجود ہیں یورپ کی تمام قوموں کے افراد کے علاوہ سوا کروڑ حبشی تین لاکھ تیس ہزار ہندوستانی۔ ایک لاکھ اڑتیس ہزار جاپانی اور پچھتر ہزار کے قریب چینی بھی وہاں رہتے ہیں۔

## ڈومی نین آف کناڈا

آپ نے امریکہ کا حال سنا کہ جو انگریزوں کے قبضہ میں تھا لیکن اب مکمل آزاد ہے اس کی سیاسی کہانی سے آپ ہندوستان کے مستقبل کے متعلق غلط فہمیوں سے بچ کر بہت کچھ امید افزا سبق حاصل کرسکتی ہیں۔ اب کناڈا کے متعلق بھی سُن لیجئے۔ کناڈا نے جنگ آزادی میں حصہ نہیں لیا اور انگریزوں سے تعاون جاری رکھا کناڈا تقریباً یوروپ کے برابر اور امریکہ سے کچھ بڑا ہے۔ کناڈا والے بھی آج بالکل آزاد ہیں لیکن امریکہ والوں سے ڈیڑھ سو برس بعد۔

## کناڈا کی سیاسی تاریخ

کناڈا میں بھی امریکہ کی طرح فرنچ اور انگریزوں نے نوآبادیات قائم کیں لیکن ابتدا میں کناڈا فرنچ کے زیر اثر تھا اور یہاں کی تمام تجارت فرانس کے ہاتھ میں تھی۔ کناڈا کو نیا فرانس کہتے تھے۔ فرانس کے بادشاہ نے وہاں فوجی مرکز قائم کئے اور وہاں کے مردوں کے لئے فرانس سے عورتیں بھیجیں تاکہ وہ گھر بار بنا کر رہ سکیں ۱۶۶۳ء میں ایک فرنچ گورنر بھی وہاں مقرر کیا گیا۔ یہاں بھی انگریزوں اور فرنچ لوگوں کے مفاد کا تصادم ہوا۔ فرنچ ہار گئے اور انگریزوں کا کناڈا پر تسلط ہوگیا۔ کناڈا میں فرنچ آبادی کی اکثریت تھی لیکن یہ سب صلح پسند اور تجارتی خیال کے تھے اس لئے انگریزوں کی حکومت ہی میں رہنے لگے ۱۷۶۰ء سے ۱۷۶۴ء تک کناڈا ملٹری گورنمنٹ کے ہاتھ میں رہا اُس کے بعد ایک گورنر جنرل معہ ایگزیکٹیو کمیٹی کے مقرر کردیا گیا ۱۷۷۴ء میں کیوبک ایکٹ کے ذریعہ تمام انگریزی اور فرنچ ریاستوں کو ملا کر ایک گورنمنٹ کے تحت میں کردیا گیا، اس کے بعد ہی امریکہ کی جنگ آزادی شروع ہوگئی۔ لیکن کناڈا کی انگریز اور فرنچ دونوں آبادیوں نے اس میں حصہ لینے سے انکار کردیا۔ کناڈا پر بھی حملہ ہوا لیکن جب انگریزوں نے شکست کھا کر صلح کی تو کو کناڈا کے کئی صوبے ریاستہائے متحدہ کو دینے پڑے لیکن کناڈا بچ گیا ۱۷۹۱ء میں انگریزوں اور فرنچ کی مختلف روایات کا خیال کرتے ہوئے کناڈا کو دو حصوں میں تقسیم کردیا گیا۔ اَپر اور لوئر کناڈا۔ اپر کناڈا کی آبادی بیس ہزار تھی اور

یہ تقریبًا سب انگریز تھے اور لُور کی سوا لاکھ تھی جو فرنچ تھے۔ فرنچ حصہ میں انگریزی قانون اور رواج جاری نہیں کئے گئے۔ یہ دونوں آبادیاں مطمئن نہیں ہوئیں اور ایک بغاوت کے بعد جو فرو کردی گئی ۱۸۳۷ء میں کناڈا کے دونوں حصوں کو پھر ملا دیا گیا اب حکومت میں یہ تبدیلیاں کی گئیں کہ حکومت برطانیہ ایک گورنر مقرر کرتی یہ گورنر ایک لیجیسلیٹیو کونسل نامزد کرتا اور ایک اسمبلی اپر اور لُور کناڈا کے برابر کے ممبروں کو ملاکر انتخاب کی جاتی اور اس اسمبلی اور کونسل کے ممبروں میں سے گورنر ایگزیکیٹیو کونسل کے ممبر نامزد کرتا تھا۔ ۱۸۶۷ء میں کناڈا کو ڈومی نین کا درجہ دے دیا گیا گویا حکومت کو آزادی مل گئی لیکن برطانیہ کا ہاتھ باقی رہا۔ ۱۹۲۶ء میں کناڈا کو مکمل آزادی دیدی گئی اور اب اُس کی حکومت بھی ایک فیڈریشن کی صورت میں ہے۔ ہر صوبہ میں مرکزی حکومت ایک لفٹننٹ گورنر مقرر کرتی ہے اور وہ عام ووٹ سے انتخاب کی ہوئی پارلیمنٹ کے ذریعہ حکومت کرتا ہے۔ یہ تمام صوبہ متحد ہوکر ڈومی نین گورنمنٹ کے تحت میں ہیں۔ اس مرکزی حکومت کا سر دھرا برائے نام شاہ انگلستان تسلیم کیا جاتا ہے جن کا قائم مقام گورنر جنرل ہوتا ہے۔ پارلیمنٹ کے دو حصے ہیں۔ سینٹ کے ممبر گورنر جنرل عمر بھر کے لئے مقرر کردیتا ہے اور ہاؤس آف کامنز کے ممبر رعایا پانچ سال کے لئے انتخاب کرتی ہے۔ ہر صوبہ کے ممبروں کی تعداد آبادی کے لحاظ سے مقرر کی جاتی ہے۔

**نتیجہ** کناڈا کی کل آبادی ایک کروڑ پونے چار لاکھ ہے اس میں یورپ اور دنیا کے ہر ملک اور ملت کے لوگ پائے جاتے ہیں لیکن انگریز اور فرنچ سب سے زیادہ ہیں۔ ہندوستان کے لئے جو سب سے زیادہ غور کرنے کی بات ہے وہ یہ کہ تمام کناڈا میں فرنچ پچیس فی صدی سے بھی زیادہ موجود ہیں۔ کیوبک کی آبادی جس صوبہ میں ان کی سب سے بڑی تعداد ہے اٹھائیس لاکھ ہے اور گو حکومت کی زبان انگریزی ہے لیکن کیوبک کے صوبہ میں گورنمنٹ کی زبان انگریزی کے ساتھ فرنچ بھی ہے۔ وہاں کے ہزارہا خاندان اپنی زبان معاشرت، مذہب اور تہذیب و تمدن کے لحاظ سے ابھی تک بالکل فرنچ ہیں۔ حکومت کناڈا نے ان کو ہر طرح کی سہولت دی ہے کیوبک کے اسکولوں میں فرنچ پڑھائی جاتی ہے۔ ان کی طرزِ تعلیم، مذہبی رجحانات کا ادب کیا جاتا ہے اُن کے تہذیب و تمدن کی حفاظت کی جاتی ہے۔ حکومت میں بھی وہ برابر کا حصہ لیتے ہیں۔ ایک فرنچ سر ولفرڈ لاری ۱۸۹۶ء سے ۱۹۱۱ء تک پورے پندرہ برس کناڈا کے ہر دلعزیز وزیر اعظم رہے۔ یہ دیکھتے ہوئے ہم کیسے تسلیم کرلیں کہ مسلمان اپنے مذہب، کلچر اور زبان کو قائم رکھتے ہوئے سیاسی ترقی نہیں کرسکتے یا ہندوؤں کے ساتھ مل کر حکومت نہیں کرسکیں گے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ ان کی روایات کو قائم رکھنے کے لئے شاید علیحدہ کلچرل زون قائم کرنے پڑیں جیسا کہ کیوبک میں فرنچ لوگوں کے لئے ہو رہا ہے۔

(کپتان ڈاکٹر نصیر الدین احمد)

# مسلمان خاتون سے

(۱)

ہے حُسنِ سنبل و ریحاں و یاسمن تاریک　　پڑے ہوئے ہیں چمن او بن کے بن تاریک
بہارِ لالہ و گُل سے ہیں باغ سب خالی　　مٹی ہوئی ہو کوئی جیسے انجمن تاریک
نہ تجھ کو فکرِ تباہی نہ ہے خزاں کا غم　　بلا سے تیری پڑا ہے اگر چمن تاریک
تو اپنی عظمت و رفعت کو بھول بیٹھی ہے　　پڑی ہے کب سے تری محفلِ وطن تاریک

کمالِ وسعیٔ و عمل کی وہ روحِ لافانی
جو تجھ میں تھی وہ ہوئی غرقِ موجِ طوفانی

(۲)

تجھی سے تیرے وطن کو ہے آسرا سُن لے　　زمانہ دیتا ہے جو درسِ ارتقا۔ سُن لے!!
تو اپنی کشتیٔ اُمید غرقِ یاس نہ کر　　چھُپی ہے بے حسی و کسل میں فنا، سُن لے
مٹا، تو اب تو یہ کیفِ سکونِ خواب مٹا!　　پکارتی ہے تجھے رفعت و بقا سُن لے
تو اپنی روح کو خود رفتگی سے چونکا دے　　جو تجھ سے قوم کو ہے آج وہ گلا سُن لے

وطن کے ذرّوں کو پھر کردے نور سے روشن
پھر اپنی بزم ہو شمعِ سرور سے روشن

(۳)

تجلّیاں وہ ہوں جس سے ہو گلستاں روشن　　زمین جس سے ہو روشن، ہو آسماں روشن
وطن کی آگ ہمارے دلوں میں روشن ہو　　ہمارے جوشِ وفا کی ہو داستاں روشن
سوادِ شامِ الم پر نہ ہو دھواں غم کا　　شعاعِ علم سے ہو راہِ کارواں روشن
سیاہ بختیٔ عالم کو آ! مٹا دیں پھر　　ہماری شمع سے ہو جائے کل جہاں روشن

ہماری ہستیٔ تاریک، یوں درخشاں ہو
"چراغِ محفلِ عالم ہمیں سے تاباں ہو"

آنسہ خورشید اقبال حیا میرٹھی

# تقسیم ترکہ و زکوٰۃ

آج دنیا میں جس طرف دیکھئے ایک کشمکش برپا ہے۔ رعایا حکومت کے ہاتھوں نالاں ہے تو مزدور سرمایہ دار کے ہاتھوں پریشان ہے اور کسان زمیندار کا فریادی۔ غرض جدھر نظر ڈالئے جنگ وجدل فتنہ اور فساد کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ غور کیجئے تو اس بے چینی کی وجہ صرف یہی سمجھ میں آتی ہے کہ دنیا میں دولت کی تقسیم صحیح طریقہ پر نہیں ہو رہی ہے بلکہ جس میں زیادہ طاقت ہے وہ دولت کو کھینچ لیتا ہے اور کمزور طبقہ منہ دیکھتا رہ جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ایک طبقہ اپنی دولت کی فراوانی سے عاجز ہے اور اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کو کس مصرف میں لائے اور کمزور طبقہ باوجود سخت سے سخت محنت کے ضروریات زندگی کے بھی پورا نہ ہونے سے پریشان اور سرمایہ دار طبقے کا جانی دشمن ہو رہا ہے۔ دنیا کے بہترین دماغ اس گتھی کو سلجھانے میں مصروف ہیں مگر اس وقت تک تو کوئی بہترین حل جس سے دونوں فریق مطمئن ہو سکیں تلاش نہیں کیا جا سکا۔ آئندہ کی خبر نہیں۔ آیئے اب ذرا ہم اپنے پاک اور مقدس دین اسلام کو ٹٹولیں کہ اس نے اس مصیبت کا کیا علاج تجویز کیا ہے کیونکہ ہمیں فخر ہے اور بجا طور پر فخر ہے کہ صرف اسلام ہی دنیا میں ایک ایسا مذہب ہے جس نے ہماری ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی ضروریات کا لحاظ رکھا ہے۔ اور معاشرت اور سیاست سب پر حاوی ہے اور اگر ہم اس کے صحیح اصولوں پر عمل پیرا رہیں تو آئین شریعت میں ذرا سا بھی رد و بدل کئے بغیر نہایت امن و سکون کے ساتھ ہر گتھی کو سلجھا سکتے اور ہر مصیبت سے نجات پا سکتے ہیں۔ دین اسلام کے عالم وجود میں آنے سے پیشتر عرب میں بھی یہی کشمکش آقا اور غلام کے درمیان جاری تھی جو آج مہذب اور متمدن دنیا میں سرمایہ دار اور مزدور کے درمیان نظر آ رہی ہے۔ خاندان کی دولت صرف اپنے ہی خاندان کی ملکیت سمجھی جاتی تھی اور اس خوف سے کہ اپنی دولت تقسیم نہ ہو جائے اور غیر خاندان میں نہ پہنچ جائے بیٹی بہن اور بیوی کو اس میں سے کوئی حصہ نہیں دیا جاتا تھا۔ جیسا کہ آج بھی ہندو اور عیسائی مذاہب میں ہو رہا ہے۔ بانئے اسلام صلعم نے سب سے پہلے اس اصول کو سامنے رکھا کہ بلحاظ انسانیت آقا اور غلام کا درجہ بالکل یکساں ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ غلام کو لہو کے بیل کی طرح رات دن مشقت کرے اور پھر بھی پیٹ بھر کھانے اور تن بھر کپڑا پہننے کا مستحق نہ سمجھا جائے اس زمانے میں چونکہ غلاموں کو کوئی معاوضہ نقدی کی صورت میں نہ ملتا تھا اس لئے آپ نے حکم صادر فرمایا کہ آقا اور غلام کی خوراک اور پوشاک اور محنت میں کوئی فرق نہ ہونا چاہئے۔ جو کھانا خود کھاؤ وہی غلام کو کھلاؤ اور جیسی پوشاک خود پہنو وہی غلام کو بھی پہناؤ اور جتنی محنت خود کرو اتنی ہی غلام سے کراؤ۔ اور اس زمانے میں ان احکامات پر جو عمل ہوا اس کی مثال یہ ہے کہ حضرت فاطمہ زہراؓ ایک دن خود چکی پیستی تھیں اور ایک دن ان کی کنیز فضہ پیستی تھیں۔ اسی طرح حضرت عمر فاروق رضہ نے سفر میں غلام کی مساوات اس طرح قائم رکھی کہ ایک دن آپ اونٹ پر سوار ہوتے اور غلام اونٹ کی نکیل تھام کر چلتا اور دوسرے


ایڈیٹر عصمت
سعد
رازقہ
طارق
ساذق


بھائی بہن


بھائی بہن


بھائی بہن
عصمت



شرارت



ننھا نمازی



اُستاد کے سامنے



ناشتہ



محویت



انیس فاطمہ دہ سال [illegible] سال
والدہ احتشام علی کی بچی [illegible]

روز غلام اونٹ پر سوار ہوتا اور آپ اس کی مہار تھام کر پیدل چلتے۔ یہاں تک کہ مفتوحہ ملک میں پہنچ کر بھی اپنے غلام کو اونٹ سے اترنے نہ دیا کیونکہ اس دن سواری کی باری اُس کی تھی۔ آج بھی اگر یہی مساوات اور تقسیم کار سرمایہ دار اور مزدور کے درمیان جاری ہوجائے کہ مزدور کو انسان سمجھتے ہوئے اس سے اتنا ہی کام لیا جائے جتنا کہ سرمایہ دار خود کر سکتا ہے اور اس کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے منافع کا کل روپیہ بجائے سرمایہ دار کی جیب میں جانے کے نصف نصف سرمایہ دار اور مزدوروں کے درمیان تقسیم ہوجائے تو نہ صرف یہ کہ اس جنگ کا خاتمہ ہوجائے بلکہ مزدور طبقہ کی کثیر آبادی جو اس وقت حیوانوں سے بھی بدتر زندگی بسر کر رہی ہے اپنے انسانی حقوق حاصل کر کے نسبتاً خوش حالی اور امن وسکون کی زندگی بسر کر سکے گی۔ اب رہا خاندانی دولت اور تقسیم ترکہ کا سوال یہ ضرور ہے کہ لڑکیوں بہنوں اور بیویوں کو ترکہ ملنے سے خاندان کی دولت تقسیم ہوجاتی ہے مگر ذرا غور کیجئے تو صاف سمجھ میں آتا ہے کہ دولت ہے ہی اس لئے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے فیضیاب ہوسکیں۔ آپ نے اس کو جمع کر کے رکھا اور جائز حقدار فاقوں مرتے رہے تو آخر اس کا کیا فائدہ ہوا۔ مثال کے طور پر ایک تعلقدار کی زندگی پر نظر ڈالئے جو کثیر دولت اور جائداد کا مالک ہے اُس کے لڑکے بھی ہیں اور لڑکیاں بھی۔ لڑکیاں غیر خاندان میں بیاہ دی جاتی ہیں اور ترکہ سے محروم رہتی ہیں اب اگر وہ خوش حال گھر میں گئی ہیں اور حالات زمانہ ان کے ساتھ موافقت کر رہے ہیں تب تو خیر ترکے سے محرومی ان کے لئے چنداں گراں نہیں گزرتی لیکن بارہا ایسا ہوتا ہے کہ لڑکیاں غریب گھر میں بیاہی گئیں یا شوہر کی نااہلیت یا کسی معذوری کے باعث نان شبینہ کو محتاج ہیں۔ اس وقت کس حسرت سے وہ دیکھتی ہیں کہ ان کے بھائیوں کے دروازے پر تو ہاتھی جھومتے ہیں اور وہ خود فاقے کرتی ہیں۔ ان کے بچوں کو پیٹ بھر روٹی میسر نہیں تعلیم وتربیت کا تو کیا ذکر حالانکہ وہ بھی اسی باپ کی بیٹیاں ہیں جو بیٹوں کے لئے کثیر دولت چھوڑ گیا ہے۔ حق اور انصاف کی رو سے بیٹا اور بیٹی دونوں ہی ماں باپ کے جگر گوشہ ہیں اور جس طرح بچپن سے ہم نوالہ و ہم پیالہ رہتے ہوا تے ہو کر بھی باپ کی دولت سے فائدہ اُٹھانے کا دونوں کو حق پہنچتا ہے۔ اسی حق اور انصاف کو مدنظر رکھتے ہوئے شارع اسلام نے بھائیوں سے نصف حصہ بہنوں کا ترکہ پدری میں مقرر فرمایا۔ اکثر غیر مذاہب کا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ جب اسلام نے بیٹے اور بیٹی کو برابر کا درجہ دیا ہے تو اس کی کیا وجہ کہ بیٹی کو بیٹے سے نصف حصہ دیا جاتا ہے۔ برابری کے معنے تو یہ تھے کہ دونوں کو برابر حصہ دیا جاتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام نے عورت کے حقوق صرف باپ ہی کے ذمہ نہیں رکھے بلکہ شوہر کے ذمہ بھی بیوی کے حقوق رکھے ہیں۔ اور دوسرے مذاہب کی طرح شوہر اور بچوں کی خدمت کے صلہ میں وہ صرف روٹی کپڑے ہی کی حقدار نہیں ہوتی بلکہ مہر اور وراثت بھی شوہر کے مال سے اسے پہنچتی ہے۔ اس طرح جو کمی بھائیوں سے آدھا حصہ پانے میں ادھر واقع ہوگئی تھی وہ ادھر پوری ہوجاتی ہے۔ اسی طرح بھائی جو بہن سے دوگنے حصے کے حقدار ہوتے ہیں وہ بھی اپنی بیویوں کو مہر دینے اور وراثت میں شریک کر کے اپنی دوگنی رقم کو صرف کرنے پر مجبور ہیں علاوہ اس کے والدین اور دوسرے متعلقین خاندان کی پرورش بھی اگر وہ ضرورتمند ہیں تو لڑکے کے ہی ذمہ ہوتی ہے۔ اس لئے

لڑکے کا حصہ لڑکی سے دوگنا رکھنا بالکل قرین حق وانصاف ہے کوئی فریق بھی اس تقسیم سے خسارہ میں نہیں رہتا۔ اور خاندان کی دولت تقسیم ہوکر تمام حقداروں کو فیضیاب کرتی ہے جو در اصل دولت کا مقصد ہے۔ اس سے آگے چل کر غریبوں کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے دولتمندوں پر ایک ٹیکس زکوٰۃ کا بھی بانئ اسلام صلعم نے عاید کردیا ہے۔ تاکہ ان کے پاس زیادہ دولت جمع نہ ہونے پائے اور بیکاروں معذوروں اپاہجوں کی دست گیری ہوتی رہے۔ یہ مقصد خیرات سے بھی پورا ہوسکتا ہے۔ مگر خیرات کسی پر فرض نہیں اور نہ اس کی کوئی تعداد مقرر ہے۔ ہر شخص اپنی مرضی سے جتنی چاہے کرے۔ اور نہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں لیکن زکوٰۃ کو عبادات کا درجہ دیا گیا ہے اور کوئی صاحب نصاب شخص اس سے مستثنٰی نہیں ہوسکتا۔ جس طرح نماز روزہ (اور حج بشرط استطاعت) فرض ہیں اسی طرح زکوٰۃ بھی فرض ہے۔ آج ہم اپنے مذہب کے زرین اصولوں سے بیگانہ ہوکر اس قدر دور جا پڑے ہیں کہ اس کی کوئی اہمیت نہیں سمجھتے لیکن غور کیجئے تو اس حکمت کی باریکی سمجھ میں آتی ہے۔ زکوٰۃ کیا ہے؟ ایک شرعی ٹیکس ہے جو ہر اس شخص پر عاید ہوتا ہے جو باون تولہ چاندی یا سات تولہ سونا یا سو روپیہ نقد رکھتا ہو۔ اگر ہمارے پاس سو روپیہ سال بھر تک جمع رہے تو ہمارا فرض ہوجائے گا کہ اس میں سے چالیسواں حصہ یعنی ۲½ زکوٰۃ کی مد میں داخل کردیں جو بیت المال میں جمع ہوکر ناداروں کی ضروریات پر صرف کیا جائے گا۔ آج اہل اسلام میں جو افتراق و انتشار ہے اس نے سرے سے زکوٰۃ کا مقصد ہی فوت کردیا ہے۔ نہ تو کوئی اس فرض کو فرض سمجھ کر ادا کرتا ہے اور اگر کوئی کرتا بھی ہے تو انفرادی طور پر خود ہی جس طرح مناسب سمجھتا ہے صرف کردیتا ہے۔ ورنہ در اصل اس کا مصرف یہ نہیں ہے۔ آنحضرت صلعم کے وقت میں اور ان کے بعد بھی جب تک مسلمانوں کی حکومت قائم رہی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے سرکاری عمال مقرر تھے اور وہ مقررہ اوقات پر زکوٰۃ وصول کرکے بیت المال میں جمع کرتے تھے پھر حکومت اس کثیر رقم کو ضرورت کے لحاظ سے غریبوں پر صرف کرتی تھی۔ انہیں سنہرے اصولوں پر عمل پیرا ہوکر اسلام نے زمانہ گزشتہ میں قلیل عرصہ میں ایسی حیرت انگیز ترقیاں کی ہیں کہ دنیا آج تک انگشت بدنداں ہے۔ وہ نادار اور ضرورت مند مسلمان جو چند سال پیشتر بیت المال کے وظیفہ خوار تھے دیکھتے دیکھتے خود صاحب نصاب ہوجاتے اور زکوٰۃ ادا کرنے لگتے تھے۔ مثال کے طور پر آپ یوں سمجھئے کہ اس وقت ہندوستان میں آٹھ نو کروڑ مسلمان آباد ہیں جن میں زیادہ تر مفلس قلاش ہیں لاکھوں نابالغ بچے ہیں لاکھوں خستہ حال مستورات ہیں جن پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ اس طرح سمجھ لیجئے کہ اس کثیر مسلم آبادی میں صرف ایک کروڑ صاحب صاحب نصاب ہیں کیونکہ اس گئے گزرے وقت میں بھی بہت سے تاجر سیٹھ رئیس تعلقدار اور سرکاری ملازمین لاکھوں روپے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن فرض کر لیجئے کہ یہ ایک کروڑ افراد صرف سو سو روپے کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان پر سال بھر میں صرف ۲½ زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اب حساب سے یہ سب روپیہ ڈھائی کروڑ ہوتا ہے۔ ذرا خیال تو فرمایئے۔ اس ڈھائی کروڑ روپے سالانہ کی گرانقدر رقم سے ہم اپنی نادار قوم کے بچوں کی تعلیم کے لئے کتنے اسکول کھول سکتے ہیں۔ کتنے محتاج خانے اور شفاخانے قائم کرسکتے ہیں صنعت و حرفت کی درسگاہیں اور کارخانے قائم کرکے کتنے بیکاروں کو روزی پیدا کرنے کے

قابل بنا سکتے ہیں۔ مگر یہ صرف اسی وقت ہو سکتا ہے جب ہم سب اپنے باہمی مناقشات اور فضول شکر رنجیوں کو دور کرکے زمانہ سلف کے سے پکے مسلمان بن جائیں اور ہر مسلمان کو اپنا بھائی سمجھ کر اس کے دکھ درد کو اپنے دکھ درد کی طرح محسوس کرتے ہوئے سب ایک جھنڈے تلے جمع ہوکر اتفاق کے ساتھ کام کریں ورنہ انفرادی طور پر تو کوئی اصلاح نہ اب تک ہوئی ہے نہ ہو سکتی ہے۔ دیکھئے گرمی کے موسم میں دھوپ سے تپتی ہوئی تانبا سی زمین پر بارش کا ایک چھینٹا پڑتے ہی غائب ہو جاتا ہے اور فوراً اسی دیر میں اس کا کوئی نشان بھی باقی نہیں رہتا لیکن جب وہی ابر کے منتشر ٹکڑے جمع ہو کر گھنگھور گھٹا کی صورت میں امنڈ کر آتے اور جم کر برستے ہیں تو جل تھل بھر دیتے ہیں اور دو تین ہی روز میں خاک اڑتے ہوئے چٹیل میدان سبزہ زار بن جاتے ہیں۔ بالکل یہی کیفیت انفرادی اور جماعتی نظام کی ہے آج اگر مسلمان ایک مرکز پر جمع ہو کر کام کریں تو چند ہی روز میں کامیابی اُن کے قدم چومے گی۔ اور جتنے وہ آج اقوام عالم میں ذلیل و خوار ہیں انشاء اللہ اتنے ہی سر بلند اور ممتاز ہوں گے۔

ظفر جہاں بیگم (بریلی)

# راج ہنس

دھوپ چمک رہی تھی، سرد ہوا جھیل کے پانی سے اٹھکیلیاں کر رہی تھی جنگلی ہنس انسان کی موجودگی سے بے خبر جھیل کے سرکنڈوں اور سبز جھاڑیوں سے ڈھکی ہوئی زمین پر آزادی اور بے فکری کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ گویا تمام علاقہ ان ہی کی ملکیت ہے اور وہاں کسی دوسری جنس کا آنا ممنوع ہے

اس آزاد فضا کے سکون کو گولی چلنے کی آواز نے توڑا۔ گولی کی آواز سنتے ہی ہنس اوپر کو اُڑے۔ جہاندیدہ و عمر رسیدہ راج ہنس جھٹ وہ جگہ تاڑ گیا۔ جہاں شکاری چھپا ہوا تھا۔ وہ یہ بھی جان گیا کہ گولی اس قدر فاصلہ سے چلائی گئی تھی کہ اگر وہ ان تک تا پہنچ بھی جاتی تو صرف ہلچل ہی پیدا کرتی۔ لیکن وہ یہ نہ سمجھ سکا کہ گولی ان کو نقصان دینے کی غرض سے چلائی ہی نہیں گئی تھی۔ ہنسوں کی قطار نے شمال کی طرف اڑنا شروع کیا۔ ابھی تین گز کا فاصلہ ہی طے کیا ہوگا کہ راج ہنس سیدھا اوپر کو اُٹھا اور صحیح راستہ سے دائیں طرف مڑا باقی پرندوں نے بھی ایسا ہی کرنے کی کوشش کی نتیجہ یہ ہوا کہ سب ہنس چاروں طرف بکھر گئے۔ جوں ہی ان کی قطار ٹوٹی دوسری گولی چلی پھر تیسری۔ راج ہنس پھر اپنے ساتھیوں میں واپس آ گیا۔ اور تسلی بخش قیں قیں کے ساتھ آگے بڑھتا گیا۔ شکاری نے پہلی گولی پرندوں کو بکھیرنے کے لئے چلائی تھی یہ مقصد تو پورا ہو گیا۔ لیکن باقی دو گولیوں نے ایک پرندہ بھی نیچے نہ گرایا۔

لیکن شکاری یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا کہ پرندوں نے اپنے سردار کے ساتھ نیچے اترنا شروع کیا غالباً وہ جھیل کے شمالی کنارے پر اترنا چاہتے تھے۔ لیکن اس کا یہ قیاس غلط نکلا اور سب پرندے پانی سے پچاس گز ادھر ہی نیچے اتر آئے۔ شکاری اس معمہ کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ لیکن جنگل کا رکھوالا سب کچھ جان گیا۔ اس نے کتے کو جنگلی ہنس اشارے سے دکھائے اور انہیں پکڑنے کا حکم دیا۔ کتا پرندوں کی طرف بھاگا۔ اور رکھوالے نے مالک کو بتایا کہ راج ہنس گرا ہے۔

کتا پرندوں کے بالکل نزدیک پہنچ گیا۔ تو ایک کے سوا سب پرندے اوپر کو اُٹھے۔ ایک دو چکر لگائے اور اُسی طرف دیکھتے رہے، جو محض اپنی عقل کی وجہ سے سردار بن گیا تھا۔ اور اب زمین پر تنہا رہنے کے سوا اپنے ساتھیوں کے لئے کچھ نہ کر سکتا تھا کیونکہ اب وہ اُڑ نہیں سکتا تھا۔ راج ہنس کا زخمی پر اکڑ چکا تھا۔ لیکن اس نے اپنی ساری طاقت کے ساتھ جھیل کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ وہ بمشکل اپنے آپ کو کتے سے بچا رہا تھا۔ جو تیزی سے اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ آخری بار ہمت کر کے وہ چار فٹ اوپر ہوا میں اُٹھا اور جھیل کے اوپر تیرنا شروع کیا۔ کتے نے بھی سردی کی پروا نہ کرتے ہوئے جھیل میں چھلانگ لگا دی راج ہنس کو کتے کے خوفناک جبڑوں کی آواز اپنے سینے کے نیچے سے آ رہی تھی۔

شکاری اور رکھوالے نے دوربین لگا کر دیکھا کہ راج ہنس نے اپنے پروں کو چپوؤں کی طرح استعمال کرنا شروع کیا

اور ایک خشکی کے ٹکڑے کی طرف جو کنارے سے پچاس گز کے فاصلے پر تھا رخ کیا۔ کتے کی تیزی بڑھ گئی۔ باقی ہنس اور بچے ہور ہے تھے اور اپنے زخمی سردار کی طرف حسرت سے دیکھ رہے تھے۔

"کیا آپ نے دو پرندے زخمی کئے ہیں" رکھوالے نے دریافت کیا۔

"نہیں۔ صرف ایک ہی۔ وہی جو سب سے آگے تھا"

رکھوالے نے سر کھجلاتے ہوئے کہا "لیکن میں نے ایک اور پرندے کو قطار میں سے نکل کر خشکی کے ٹکڑے کے پار والی جھاڑیوں میں گرتے دیکھا ہے"

جب شکاری اور رکھوالا جھیل کے کنارے پہنچے تو راج ہنس نظر بھی نہ آتا تھا۔ غالباً وہ جزیرہ کی جھاڑیوں سے بہت دور نکل چکا تھا۔ کتا اسے جزیرہ میں تلاش کر رہا تھا کہ ہنسنی کتے کے قریب والی جھاڑیوں میں سے نکلی اور پانی کی طرف اُڑی۔ اور کئی فٹ آگے جا کر پانی میں اتری کتے اور ہنسنی میں تیراکی کا ایک اور مقابلہ شروع ہوا۔ ہنسنی کی حرکتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بمشکل کتے سے آگے رہ سکتی ہے۔ لیکن وہ اسی کشمکش میں کتے کو جزیرہ سے قریباً سو گز آگے لے گئی۔ اور پھر مضبوط اور تندرست پروں پر ایک مذاقیہ قیں قیں کے ساتھ نیلے آسمان کی طرف اوپر کو اڑی۔

مالک حیران کھڑا تھا "یہ پرندہ تو غالباً زخمی بھی نہیں ہوا۔ معاملہ کیا ہے؟"

رکھوالا اپنے خیالات سے چونک کر بولا "اسے تو خراش تک نہیں آئی۔ میں نے خود ہنسنی کو ساتھیوں سے نکل کر ان جھاڑیوں میں اترتے دیکھا ہے جن کی طرف زخمی راج ہنس کتے سے بھاگ کر جا رہا تھا۔ میں نے اکثر ہنسیوں کو زخمی ہونے کا بہانہ کرتے ہوئے دیکھا ہے تاکہ وہ شکاری کو اپنے بچوں سے دور لے جا سکیں۔ لیکن زخمی ہنس کو بچانے کے لئے ہنسنی کو بہانہ کرتے کبھی نہیں دیکھا"

اس دفعہ شکاری ناکام واپس آیا۔ اور رکھوالے کو شکار کی بجائے تھکے ہوئے کتے کا بوجھ جسے وہ برف کی مانند سرد پانی سے نکال کر لایا تھا، اُٹھانا پڑا۔ رکھوالے کے گھر پہنچ کر مالک نے دریافت کیا "کیا ہنس اور ہنسنی کا ساتھ عمر بھر کا ہوتا ہے؟"

"جہاں تک مجھے علم ہے ایسا ہی ہوتا ہے" رکھوالے نے جواب دیا۔

---

اندھیرا ہو چکا تھا۔ دسمبر کی سیاہ اور سرد رات تھی۔ آسمان سے ہنسوں کی ہلکی ہلکی قیں قیں کے جواب میں جزیرہ سے تیز اور صاف آواز نے انہیں بتایا کہ کنارہ محفوظ ہے۔ سب پرندے اپنے زخمی سردار کے پاس آگئے۔ قطار کے آگے وہ ہنسنی تھی جس نے وفادار کتے کو دھوکا دے کر زخمی راج ہنس کو بچایا تھا۔ وہ بھی استقبال کے لئے آگے بڑھا اور ان سے دوبارہ ملنے کی خوشی میں پروں کو پھڑپھڑایا۔ پھر سب نے کنارے کنارے چگنا شروع کیا۔ گویا انسان کبھی ان کی بستی میں آیا ہی نہیں تھا۔

لیکن صبح کی روشنی نے پچھلے دن کے واقعہ کی یاد تازہ کر دی۔ زخمی سردار نے اپنی رعایا کو جمع کیا۔ اپنے بڑے بڑے پروں کو.... نہیں بڑے سے پر کو پھیلایا۔ گردن اٹھائی۔ لیکن وہ اُڑ نہ سکا۔ روشنی پانی پر پھیل رہی تھی۔ وقت جا رہا تھا۔ نائب سردار

یعنی ہنسنی نے پہل کی۔ اور سب اوپر کو اٹھے۔ ایک کے سوا۔ وہ اُسے بلاتے رہے۔ اور جنوب کی طرف جہاں پرندے برف کے دنوں میں چلے جاتے ہیں۔ اُڑنے لگے۔ لیکن ان کا سابق سردار اب صرف ان کی طرف نیچے سے ہی دیکھ سکتا تھا۔ اور جانتا تھا کہ جب پھر شام ہوگی تو وہ کئی میل دور ہوں گے اور میں یہاں تنہا۔

لیکن ہنسنی قطار سے علیحدہ ہو کر اپنے زخمی ساتھی کے پاس آگئی اور باقی پرندوں کی قیں قیں غیر محدود فضا میں گم ہوگئی۔

ایک دو دن بعد رکھوالے نے مالک کو بتایا کہ اب جزیرہ میں صرف دو ہنس ہیں۔ ایک زخمی اور دوسرا تندرست۔ شکاری مالک نے رکھوالے سے دونوں پرندوں کی حفاظت کرنے کو کہا اور یہ اس خیال سے کہ شاید وہ جوڑہ وہیں رہنے لگے اور بچے دے اور خود کاروبار کی دنیا میں واپس آگیا۔

رکھوالا مالک کو راج ہنسوں کے جوڑے کے متعلق اطلاع دیتا رہا۔ ایک دن اس نے مالک کو لکھا "آج برف بہت سخت ہے۔ ہنس اسے توڑ نہیں سکے۔ دونوں پرندے میرے پالتو ہنسوں کو دور ہی سے جواب دیتے ہیں۔ برف اس قدر پڑ رہی ہے کہ مجھے اس جوڑے کی خوراک کا انتظام کرنا ہوگا۔ میں حیران ہوں کہ ہنسنی زخمی ہنس کے ساتھ رہنے کی بجائے اڑ کیوں نہیں جاتی معلوم ہوتا ہے وہ برف والے جزیرہ میں رہتے رہتے اڑنا بھی بھول گئی ہے"۔

اس جوڑے کی وفاداری سے متاثر ہو کر رکھوالے نے اپنی چھوٹی لڑکی سے کہا کہ اپنے ہنسوں کو پانی کے کنارے لے جا کر دانہ ڈالا کرے تاکہ جنگلی جوڑہ بھی شریک ہوسکے۔ اسے معلوم تھا کہ پرندے چھوٹی لڑکی سے کم ڈریں گے۔ جب لڑکی اپنے ہنسوں کو واپس لے کر آگئی تو رکھوالے نے دیکھا کہ زخمی پرندہ ہنسنی کو بچا ہوا دانہ کھانے پر مجبور کر رہا تھا۔ لیکن بھوک کے باوجود اس نے انسان سے خوراک لینا منظور نہ کیا۔ اور ہنس کو اکیلا ہی جا کر کھانا پڑا۔ رکھوالے نے محسوس کیا کہ ایک کے پاس طاقت تھی اس لئے اس نے انسانی مدد قبول نہ کی۔ لیکن دوسرا اپنی پرواز کی پیدائشی طاقت کھو کر انسان سے دانہ لینے کو تیار تھا۔

اگلے دن رکھوالے نے ایک صدا انگیز نظارہ دیکھا۔ بہت سے چھوٹے پرندے جنوب کو جا چکے تھے۔ کئی برف کا شکار ہو چکے تھے۔ ہنسنی بھی ہوا میں اڑی اور ہنس کو بلاتی رہی۔ اس نے جواب میں اپنا ایک پر پھیلایا۔ لیکن دوسرا بدستور اکڑا ہوا اور سخت تھا۔ وہ پھر واپس آئی۔ اُسے ہمت دلائی۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس کی منتیں کر رہی ہے۔ وہ پھر اڑی اور ہنس کو اُڑنے کا اشارہ کیا لیکن وہ سوائے اسے دیکھنے کے اور کچھ نہ کر سکتا تھا۔ اس طرح وہ کئی بار اُڑی اور واپس آئی۔ شام کو وہ جنوب کی طرف اُڑتی گئی اور اسے بلاتی رہی۔ ہنس ہنسنی کو دیکھتا رہا اور آواز سنتا رہا۔

---

آزاد پرندے کے پاس جب تک تمام طاقتیں موجود ہوں انسان سے آزاد ہی رہنا چاہتا ہے۔ لیکن ہنس جیسا شرمیلا اور انسان سے خائف پرند بھی مصیبت میں انسانی دوستی کی امید رکھتا ہے۔ راج ہنس جو کبھی سب سے زیادہ ہوشیار اور اپنے ساتھیوں کو سب سے پہلے انسان کی موجودگی سے آگاہ کرنے والا تھا اب بہت کچھ تبدیل ہو چکا تھا۔ وہ اپنے آپ کو رکھوالے

پالتو ہنسوں سے اعلیٰ سمجھتا تھا۔ اور ان سے ملنا پسند نہ کرتا تھا۔ لیکن جب وہ لڑکی کے ساتھ دانہ کھانے آتے تو ان کی آوازوں کا جواب ضرور دیتا۔ جب لڑکی اور ہنس واپس چلے جاتے تو وہ بچا ہوا دانہ کھاتا۔ پھر اس نے لڑکی کی موجودگی میں کھانا شروع کیا۔ ایک دن اس کے پیچھے پیچھے رکھوالے کے گھر تک چلا گیا۔ اور برآمدے میں پوری کے پاس سوگیا۔ کیونکہ باہر برف بہت زیادہ پڑرہی تھی۔ آہستہ آہستہ اس کو انسان سے خوف کم ہوتا گیا۔ اور راج ہنس گھر سے خصوصاً لڑکی کے ساتھ بہت مانوس ہوگیا۔ جب لڑکی کے اسکول سے آنے کا وقت ہوتا تو وہ اس کے انتظار میں دروازہ میں بیٹھ جاتا۔ جب وہ آتی تو قیں قیں کرتا ہوا اس کے ساتھ ساتھ چلتا۔ پھر وہ اسکول تک اس کے ساتھ جانے لگا۔ جب تک وہ اسکول میں رہتی۔ راج ہنس جو کبھی ہوا کی طرح آزاد اور ساری فضا کا مالک تھا۔ گاؤں کی سڑک پر آدمی سے بے خوف ٹہلتا یا سکول کے جنگلے کے پاس لیٹ جاتا۔ کئی بچے اس کے دوست بن گئے۔ لوگ یقین ہی نہیں کرتے تھے کہ وہ کبھی جنگلی نہیں تھا۔

دن گزرتے گئے۔ بہار آگئی اور بہار کے ساتھ پرندے بھی سمندر سے خشکی کو آگئے۔ راج ہنس نے بھی بہار کو محسوس کیا کیونکہ وہ روز اپنا پر پھیلا تا قیں قیں کرکے آسمان کی طرف دیکھتا اور آسمان پر کسی کی تلاش کرتا۔ کبھی کبھی ہنس جواب میں بولتے اور آگے اڑجاتے۔ لیکن ایک دن رکھوالے نے جواباً قیں قیں سنی اور ہنسوں کی لمبی قطار کو شمال کی طرف آتے دیکھا ایک ہنس نے جو قطار کے آگے تھا نیچے اترنا شروع کیا اور جزیرے سے کچھ دور پانی پر اترا اور بوڑھا راج ہنس بھی اس تیزی کے ساتھ جس نے اسے کتے سے بچایا تھا وہاں پہنچا۔

اگلے دن رکھوالے نے مالک کو لکھا "آپ کا قیاس درست نکلا ہنسنی واپس آگئی ہے۔ دونوں جزیرہ میں گھونسلا بنانے والے ہیں۔ تعجب ہے وہ اتنے مہینوں بعد بھی واپس آگئی۔ یہ قطعی صحیح ہے کہ ان کا ساتھ عمر بھر کے لئے ہوتا ہے۔

(ترجمہ) سکینہ بیگم (بی اے)

# وہ کہ حاصل ہے جسے خلقِ خدا کا اعتبار

روزِ محشر اپنی ذمہ داریوں سے ہوشیار!
وہ کہ حاصل ہے جسے خلقِ خدا کا اعتبار

تجھ کو یہ اہلِ تصوّف نے غلط سمجھا دیا
ورنہ اکوئی چیز دنیا کی نہیں ناپائیدار

آدمی وہ، جو خدا کی ذات کا قائل نہیں
گر نہیں جاہل تو ہے لاریب وہ سرمایہ دار؟

اپنی ناکامی پہ واعظ کا تاسف بھی بجا
اس کا اب کیا ہو! کہ دنیا ہو چکی ہے ہوشیار

قوم وہ جو اپنے وعدوں پر نہ مستحکم رہی
رہ نہیں سکتی کبھی اُس کی سیاست برقرار

دولتِ دنیا نہیں حاصل! تو بے حاصل رہوں؟
یہ سبق ہر عہد میں بہتر نہیں اے دوستدار!

زیبؔ ایسی مجلسِ تحقیق میں شرکت نہ کر
جس کے میرِ جلسہ کا نقدِ خرد پر ہو مدار

زیبؔ عثمانیہ

# بامِ دنیا

ابھی زیادہ زمانہ نہیں گزرا کہ پڑھے لکھے لوگ دنیا کو چھت بغیر اور آسمان کو حدِ نگاہ کہہ کر اُن لوگوں کی جہالت پر ہنستے تھے جو آسمان کے وجود کے قائل تھے۔ مگر علمی دنیا کے خیالات نئے نئے تجربوں کی بنا پر ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔ حال میں جو تجربے ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں انھوں نے ثابت کر دیا ہے کہ ایک خاص لحاظ سے ہماری زمین کے کرۂ ہوائی پر ایک ایسی چھت چھائی ہوئی ہے جس کو انگریزی زبان میں سٹریٹوسفیئر ( Stratosphere) یا تہہ دار خول کا نام دیا گیا ہے۔

ہر نئی چیز کو دریافت کرنے کا شوق انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ بہادر سیاحوں نے سفر کی مصیبتیں جھیل کر سطحِ زمین کا چپہ چپہ کھونڈ ڈالا۔ اور کشتیوں یا بادبانی جہازوں میں سفر کر کے نئے بر اعظموں اور نئے جزیروں کو دریافت کر کے انسانی علم میں اضافہ کیا۔ انسان کی اولوالعزمیوں کے آگے نہ یخ بستہ قطبین کے اسرار پوشیدہ رہ سکے اور نہ پہاڑوں کی ناقابلِ گذر سر بفلک چوٹیاں بیسویں صدی کے شروع تک سیاحوں کے لئے کافی کام باقی تھا۔ مگر ہوائی جہازوں کی ایجاد اور کثرتِ استعمال نے سطحِ زمین پر کوئی مقام مخفی اور غیر دریافت شدہ باقی نہ چھوڑا اور اس کام میں کوئی دلچسپی بھی نہ رہی۔ بھلا انسان کی بے چین طبیعت خالی بیٹھنے والی کب تھی چنانچہ ہزاروں فٹ گہرے سمندروں کی تہ تک پہنچ کر وہاں کے عجائبات دریافت کئے گئے۔ اور کانوں کے ذریعہ مرکزِ زمین تک پہنچنے کی فکر لاحق ہوئی۔ مگر جلد ہی یہ معلوم ہوا کہ تین ہزار تین سو فٹ کی گہرائی پر اس قدر گرمی ہے کہ کوئی انسان کسی طرح زندہ نہیں رہ سکتا۔ غرض ادھر سے مایوس ہو کر انسان نے آسمان کی جانب رخ کیا۔ اور کرۂ ہوائی سے نکل بھاگنے اور فضائے آسمانی کے مشاہدہ کی دُھن دل میں سمائی۔

اگرچہ اٹھارویں صدی کے آخری حصّہ میں غباروں کے ذریعہ ہوائی بلندیوں تک پہنچنے اور وہاں کے حالات دریافت کرنے کی کوشش شروع ہو گئی تھی۔ لیکن اس زمانہ کی کوشش کچھ زیادہ کامیاب نہیں ہوئی تاہم اتنا ضرور معلوم ہو گیا کہ کرۂ ہوائی کی تسخیر آسان کام نہیں ہے۔ اوپر جانے والوں نے بتایا کہ جس قدر اوپر جاتے ہیں سانس لینا دشوار ہو جاتا ہے۔ سردی بڑھتی جاتی ہے۔ ہوا زیادہ لطیف ہو جاتی ہے۔ اور ان حالات میں انسان زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتا۔ ۱۸۶۲ء میں جیمس گلیشر نے غبارے کے ذریعہ سینتیس ہزار فٹ کی بلندی تک پہنچنے کا دعویٰ کیا مگر یہ دعویٰ پورا ثابت نہ ہو سکا کیونکہ انتیس ہزار فٹ کی بلندی پر پہنچ کر گلیشر بیہوش ہو گیا تھا۔ کوشش کرنے والے برابر کوشش کرتے رہے۔ مگر ۱۹۰۱ء تک گلیشر کا ریکارڈ نہ ٹوٹ سکا ۱۹۰۱ء میں ڈاکٹر برسن ساڑھے چونتیس ہزار فٹ کی بلندی تک پہنچا۔ اور آکسیجن ہمراہ لے جانے کے باوجود وہ بھی اس سے اوپر پہنچ کر بیہوش ہو گیا۔ ان تمام ہوابازوں کے تجربات اور بیانات کے مطابق یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ جوں جوں اوپر

چڑھتے ہیں ہوا کا درجہ حرارت گھٹتا جاتا ہے۔ لیکن ۱۹۰۲ء کے قریب ایک سائنس داں نے کچھ ایسے غبارے اڑائے جس میں آدمی کی ضرورت نہ تھی بلکہ جو آلات نصب تھے وہ خود مختلف بلندیوں پر مختلف درجہ حرارت محفوظ کرتے جاتے تھے۔ یہ غبارے بہت زیادہ بلندی تک اڑائے گئے اور ان سے یہ واضح ہوگیا کہ چھ سات میل کی بلندی پر پہنچ کر درجہ حرارت صفر درجے سے ۵۵ درجے نیچے پر قائم ہوجاتا ہے اور اور اس سے اوپر درجہ حرارت کم نہیں ہوتا۔ سائنس کی دنیا میں اس انکشاف کو بڑا اہم درجہ حاصل ہے کیونکہ سات میل کی بلندی سے اوپر کرۂ ہوائی کے چاروں طرف ۲۵ میل کی بلندی تک جو طبقہ پھیلا ہوا ہے اسی کا نام "سٹریٹو سفیر" رکھا گیا ہے اور اسی کو ہم نے "بام دنیا" سے تعبیر کیا ہے۔ اسی طبقہ کے اندر ہر بلندی پر درجہ حرارت یکساں ہے۔ اور اسی شیشے کی چھت میں سے ہمیں ہر رات کائنات کی بیشمار روشنیاں نظر آتی ہیں۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس چھت سے باہر کیا ہے۔ اب سے پہلے لوگوں کا خیال تھا کہ اس سے باہر محض کائنات کا خلا ہے جس میں کچھ نہیں۔ مگر اب یقین کیا جاتا ہے کہ کائنات میں کہیں خلا نہیں ہے اور اس چھت سے باہر جو کچھ ہے وہ ہماری دنیا سے بہت مختلف ہے۔ بام دنیا کی بلندی سطح زمین سے مختلف مقامات پر مختلف ہے صرف یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ خط استوا پر اس کی بلندی زیادہ ہے اور منطقۂ معتدلہ میں کم۔ اس سے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کے اندر ہر مقام پر یکساں درجہ حرارت ہے۔ یوں تو گرمی سردی مختلف مقامات پر قدرے کم و بیش ہے۔ مگر ایک ہی مقام پر خواہ کتنا ہی بلندی پر جائیں درجہ حرارت یکساں پائیں گے۔ اس طبقے کے متعلق ایک بات اور قابل تذکرہ یہ ہے کہ یہاں نہ بادل ہیں نہ دھند اور نہ بارش ہوتی ہے لیکن قیاس ہے کہ یہاں نہایت تند و تیز آندھیاں چلتی ہیں۔

اس طبقے کے عجیب ترین قدرتی مظاہر میں سے "وہ کائناتی برقی شعاعیں ہیں" جن کی ہمارے کرہ پر ہر وقت مسلسل بارش ہوتی رہتی ہے۔ شعاعیں اس قدر تیز ہیں کہ یہ نہ صرف سطح پر پڑتی ہیں بلکہ زمین کے اندر بہت دور تک چلی جاتی ہیں اور خود ہمارے جسم سے گزرتی جاتی ہیں۔ اگر ہوا کا یہ غلاف ہمارے گرد نہ ہوتا تو یہ شعاعیں یقیناً ہر قسم کی زندگی کو فنا کردیتی سائنسدانوں نے جب پہلی بار ان شعاعوں کے وجود کا پتہ چلایا تو غباروں میں اوپر چڑھنے والوں نے اپنے مشاہدات کی بنا پر بتایا کہ جوں جوں اوپر جاتے ہیں یہ شعاعیں زیادہ تیز ہوتی جاتی ہیں اور بالآخر ثابت کردیا کہ ان کا ماخذ زمین اور کرۂ ہوائی سے اوپر بلکہ بام دنیا سے بھی کہیں اوپر واقع ہے۔ اس اصول کے مطابق سائنس دانوں کو شوق پیدا ہوا کہ ان کے خواص کا پتہ چلانے کے لئے وہ اُن سے جس قدر قریب اور زمین سے جس قدر زیادہ بلندی پر پرواز کرسکیں اتنا ہی بہتر ہے۔ اب پھر ہم بلند پروازی کی داستان شروع کرتے ہیں۔ جنگ عظیم کے بعد ہوائی جہاز۔ غباروں کے حریف پیدا ہوچکے تھے۔ چنانچہ ۱۹۲۷ء میں ایک ہوا باز ہوائی جہاز میں اڑتیس ہزار فٹ کی بلندی تک پہنچا اور ۱۹۳۰ء میں ایک امریکی ہوا باز اسی ذریعہ سے تینتالیس ہزار فٹ کی بلندی پر پہنچا۔ مگر اب بھی بام دنیا سے پیچھے ہی رہا۔ ۱۹۳۱ء میں پکارڈ نامی سائنسداں نے "کائناتی شعاعوں" کی تحقیقات کے لئے پھر غبارے کے ذریعہ بام دنیا تک پہنچنے کی کوشش کی۔

پکارڈ کا غبارہ پہلے غباروں سے بہت مختلف تھا۔ اس کے نیچے ایک سات فٹ قطر کا الومینیم کا مدور ڈبا لٹکا ہوا تھا۔ جو مسافروں کے بیٹھنے کے بعد اچھی طرح ہر طرف سے بند کر دیا گیا تھا اس میں ایک بہت موٹے شیشے کی کھڑکی تھی جس سے مشاہدہ کیا جا سکے۔ اندر مسافروں کے سانس لینے کے لئے آکسیجن گیس کا کافی ذخیرہ بھی موجود تھا۔ اور اس بات کا بھی پورا انتظام تھا کہ اوپر پہنچ کر مسافر منجمد نہ ہو جائیں۔ مشاہدے کے لئے ہر قسم کے آلات بھی اس گاڑی کے اندر موجود تھے۔ غبارے کا قطر سو فٹ تھا۔ پکارڈ کا یہ غبارہ پونے دس میل (۵۱۰۰۰ فٹ) کی بلندی تک پہنچا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ انسان سٹریٹوسفیر میں داخل ہوا اور اس تجربے نے ثابت کر دیا کہ انسان سٹریٹوسفیر میں زندہ رہ سکتا ہے۔ پکارڈ بیان کرتا ہے کہ وہاں آسمان بہت شوخ نیلے رنگ کا تھا۔ اور دوپہر کے وقت بھی چاند روشن نظر آتا تھا۔ ۱۹۳۲ء میں ڈاکٹر پکارڈ نے پھر اس تجربے کو دہرایا اور اس دفعہ ساڑھے دس میل کی بلندی تک پہنچا اور بارہ گھنٹے وہاں رہ کر بہت سے ضروری تجربے اور مشاہدے کئے۔ ۱۹۳۳ء میں روسی سائنس داں ایک غبارے کے ذریعہ تقریباً ۱۲ میل کی بلندی تک (۶۲۳۲۰ فٹ) پہنچے اور تین ماہ بعد دو امریکی فوجی افسر ۱۱½ میل کی بلندی تک پہنچے مگر غبارے کی گاڑی گر کر ٹوٹ جانے کی وجہ سے ان ہوابازوں نے جان دیدی۔ تمام آلات ٹوٹ گئے مگر ہوابازوں کی ڈائری اور بلندی کی پیمائش کا آلہ محفوظ رہا اس غبارے کی خصوصیت یہ تھی کہ پہلی بار اس میں آلات ریڈیو بھی تھے جن کے ذریعہ سے ہواباز برابر اپنی حالت سے نیچے والوں کو خبردار کرتے جاتے تھے۔ ۱۱ نومبر ۱۹۳۵ء کو امریکن غبارے نے ۷۴۱۸۷ فٹ یا ۱۴ میل کی بلندی پر پہنچ کر تمام سابقہ ریکارڈ توڑ دئے۔ اس غبارے کی مدور گاڑی کا قطر نو فٹ اور وزن سات ٹن تھا۔ اس کے اندر بے شمار آلات مشاہدہ کے علاوہ کچھ مکھیوں کے انڈے بھی تھے جن پر یہ تجربہ کرنا منظور تھا کہ کائناتی شعاعوں کا ان پر کیا اثر ہوتا ہے۔ غباروں کے اس شاندار ریکارڈ کے سامنے ہوائی جہازوں کا ریکارڈ بہت تھوڑا ہے۔ ہوائی جہاز صرف چون ہزار فٹ کی بلندی تک پہنچ سکے ہیں۔

اب صرف یہ دیکھنا باقی ہے کہ ان تجربوں سے اس وقت تک روزمرہ کی زندگی میں عملی فائدہ کیا اُٹھایا گیا۔ اور آئندہ اب کیا اُمید ہیں۔ آپ نے روزانہ اخبارات میں موسمی حالات کی پیشین گوئیاں دیکھی ہوں گی، چونکہ موسمی حالات کا تغیر و تبدل جن اسباب پر موقوف ہے وہ بالائی مضامین سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس لئے محکمہ موسمیات نے یہ دستور العمل بنا لیا ہے کہ صرف سطح زمین کے مشاہدات ہی سے اپنے نتائج اخذ نہیں کرتے بلکہ ہر روز بیس ہزار سے تیس ہزار فٹ کی بلندی پر ہوائی جہاز بھیج کر وہاں کے مشاہدات کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں۔ اس طرح یہ موسمی پیشین گوئیاں جس قدر صحیح ہوتی ہیں اسی قدر لمبے ہوائی سفروں میں حفاظت کا بندوبست کیا جا سکتا ہے۔ نیز ہوائی سفر کی رفتار کو تیز کرنے اور موسمی تغیرات سے بے نیاز ہو جانے کی غرض سے بھی ہواباز "سٹریٹو سفیر" کی تسخیر کا بے حد مشتاق ہے۔ کوششیں جاری ہیں مگر نہیں کہا جا سکتا کہ جس طرح آج زیرین طبقات ہوائی میں سفر منظم و باقاعدہ ہو چکا ہے۔ کب تک انسان بامِ دنیا پر اس طرح سفر کرنے کے قابل بن سکے گا۔ ممکن ہے دو چار سال ہی میں یہ دشوار کام آسان ہو جائے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے لئے نصف صدی ابھی اور انتظار کرنا پڑے۔

مسز آر کے فضلی (پانی پت)

# نینی تال

اے! کہ ہیں تجھ "ایک" میں قُدرت کے دو منظر عیاں
"تال" تیرے دیدۂ روشن کا گویا نُور ہے
خاتمِ دل میں ترے مثلِ نگیں محفوظ ہے
دستِ قُدرت نے پہاڑوں کی چمن بندی جو کی
اُس کی ہی تکمیل کو تیرا وجودِ خوش نما
آہ! وہ منظر چراغوں کا فرازِ کوہ پر
روشنی کا منعکس ہونا وہ روئے آب پر
چپّہ چپّہ پر سماں ہر شب ہے بزمِ نور کا
صبح میں تیری تبسّم ریزیاں نیچر کی ختم
صبح تیری خندۂ گل سے زیادہ دلفریب
تیری ہر شب منظرِ کیفِ سکوتِ بیخودی!
حُسنِ فطرت کی نشاط انگیز کیفیت ہے تو
تیرا حُسنِ خوش نُما مشاطگی سے بے نیاز
جلوۂ فطرت سے ہے رنگیں تری ہر صبح و شام
ملک میں اپنے یہ شادابی ترے ہی دم سے ہے
جھیل جو ہے وسط میں آئینہ دارِ کوہسار
گہہ تلاطم میں ہے پانی، گہہ سکوت مستقل
دن کو عکس اس میں پہاڑوں کا ہے کیسا خوبتر!
جھیل کو وہ دیوِ پیکر کوہ ہیں حلقہ کئے
گنبدِ تاریک کے حلقے ہیں وہ محصور ہے
یا ہے اژدر کے تسلط میں خزینہ بے بہا
یا کشش میں جزرومد کی سطح سے ہو کر جُدا
یا ہے جلوہ برق کا کالی گھٹاؤں میں عیاں
یا صدف کے بطن میں ہے بند دُرِ شاہوار
بیستوں کو کاٹ کر یا ہے نکالی جوئے شیر

ایک تو کوہِ گراں، پھر لطفِ بحرِ بیکراں
جس کے اندر راز تیرے حُسن کا مستور ہے
جس کے نظّارے سے ہر خورد و کلاں محظوظ ہے
"حوض" کی باقی رہی جاتی تھی اُس میں اک کمی
اپنے "نقشِ پا" سے قُدرت نے مہیا کر دیا
جیسے ہو جُھرمٹ ستاروں کا فلک پر جلوہ گر
شش جہت سے ایک عالم نور کا پیشِ نظر
تیری ہر چوٹی پہ جلوہ ہے چراغِ طور کا
شام میں جلوہ گری ہے دیدۂ اختر کی ختم
شام تیری بزمِ انجم سے زیادہ دیدہ زیب
تیرا ہر دن قلبِ فطرت کے لئے اک گُدگُدی
قلبِ مضطر کے لئے گہوارۂ راحت ہے تو
نغمۂ رنگیں ہے تیری ہر صدائے دل نواز
ہے سرورِ دائمی سے پُر تری عشرت کا جام
ہند کے گلشن میں سبزی تیرے بادِ نم سے ہے
اُس پہ ہر دم اک نرالی شان، اک تازہ بہار
عکسِ قلبِ مضطرب، گہہ پرتوِ چشمِ خجل
شام کو منظر چراغوں کا ہے فردوسِ نظر
تا نہ اُن کی آنکھ سے دم بھر کو اوجھل ہو سکے
یا فضائے آسمانی میں حسیں اک حُور ہے
آہنی انگشتری میں یا نگیں الماس کا
آپڑا ہے ایک ٹکڑا قُلزُمِ پُرجوش کا
یا کرن نورِ سحر کی تیرہ شب کے درمیاں
یا ہے قلبِ کوہ میں مکتوم لعلِ تابدار
تیرگیِ ابر میں یا منعکس ماہِ منیر

یا حجابِ حرم میں شیریں نازک ادا
محملِ تیرہ میں ہے یا جلوۂ لیلیٰ چھپا

یا ہے تاریکیِ زنداں میں جمالِ یوسفی
کفر کی ظلمت میں ہے یا نورِ حق کی روشنی

ہے کنارِ آب تو وادیِ ایمن کا سماں
اور چنیا پیک پر ہے طورِ سینا کا گماں

چوٹیاں اس کی ستوں ہیں آسماں کے واسطے
سدِ اسکندر رہے یہ ہندوستاں کے واسطے

اِس کی رفعت نے دیا دُنیا کی پستی کو بھلا
عالمِ سفلی کو ہمدوشِ ثریا کردیا

---

اس سمے کو نصف شب میں دیکھئے آکر ذرا
چاندنی راتوں میں آتی ہے نظر شانِ خدا

بامِ گردوں پر جو ہیں روشن ستارے اور قمر
خامشی میں رات کی ہیں ٹکٹکی باندھے اِدہر

سب کے سب گویا کہ اس منظر سے لُطف اندوز ہیں
قدرداں فطرت کے، انساں کے سبق آموز ہیں!

کاش! ہوتا مجھ کو بھی حاصل انہیں کا سا سکوں!
اور نہ ہوتی اپنی حالت اس قدر زار و زبوں

اِن مناظر میں نہ ہوتا ہرجگہ انساں کا ہاتھ!
ہُو کا ہوتا ایک عالم اور "فطرت" ساتھ ساتھ!

کیفیاتِ قلب ہوتیں اور نیچر کے سماں
کاش ہوتا یکہ و تنہا میں اِن کے درمیاں!

یہ "سمجھتے" میں بھی ان کی طرح فطرت زادہ ہوں!
میں سمجھتا" ان کا تنہا میں ہی اک دلدادہ ہوں"!

محمد ابو الحسن صدیقی بصیر ام۔ اے ایل ایل بی

# جذباتِ مسرت

## تقی علی صاحب یاسمی کے عقدِ مسعود پر

خوشا لایا ہے خوشخبریِ عیشِ جاوداں سہرا
کِھلے ہیں پھول امیدوں کے یا ہے گلستاں سہرا

رُخِ نوشہ پہ سہرا ہے کہ پرچم فوجِ عشرت کا
جہازِ شادمانی کا ہے رنگیں بادباں سہرا

ادیبِ خوش تخیل یاسمی صاحب کے سر بندھ کر
بنا ہے عندلیبِ خوش نوا شیریں بیاں سہرا

لبوں پر ہر کلی کے آیتِ تطہیر شادی ہے
ہوا ہے رحمتِ کامل کا حق کے ترجماں سہرا

بنا کر دل میں مندر یاسمی تھے پوجتے جس کو
اُسی دیوی کے ملنے کا بنا مژدہ رساں سہرا

ہوئی ہیں ختم راتیں یاس کی صبحِ مسرت ہے
تمناؤں کا ہے لاریب مہرِ ضوفشاں سہرا

سنہرے خواب اب زریں حقیقت بن گئے صد شکر
اور اس دلکش تغیر کا فقط ہے رازداں سہرا

خورشید آرا بیگم (ادیب فاضل منشی فاضل)

# دُعا

طلب تو کرو دین و دُنیا کی دولت ہیں سب کچھ حبیبِ خدا دینے والے

کیا شانِ کرم ہے کیا عنایت ایزدی ہے کہ خود دل دیا دماغ دیا۔ ان میں جو خیالات وجذبات پیدا ہوئے ان کے ادا کرنے کو زبان دی۔ زبان کو وہ الفاظ عطا فرمائے جن میں تاثیر کے دریا موج زن تھے۔ دل میں جو آرزوئیں پیدا ہوئیں ان کے اظہار کے لئے کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ لیکن ناچیز انسان اپنی بے مائگی کو دیکھ کر چُپ چاپ تھا خاموش تھا کہ آہ میں سرتاپا گناہ کسی طرح اس دربار میں زبان کھولوں جہاں فرشتے سربسجدہ ہیں اور مارے ہیبت کے سراُٹھا نہیں سکتے۔ دفعتاً دریائے رحمت جوش میں آتا ہے اور حکم ہوتا ہے کہ "مجھے پکارو میں تمہاری بات سُنوں گا اور مجھ سے مانگو میں تمہاری التجا قبول کروں گا" گنہگار بندہ اس حکم کو سُن کر ایک بیخودی کے عالم میں عرض تمنا شروع کرتا ہے' التجائیں بڑھتی جاتی ہیں۔ دستِ سوال دراز ہوتا جاتا ہے۔ دل میں اس ارشادِ ربّانی نے جو ذوق پیدا کر دیا ہے وہ کسی طرح ان عاجزانہ دعاؤں کو ختم کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ مگر واہ رے شانِ سخا کہ سائل کے اضطرار اس کی آہ وزاری ذرا بھی تو ناگوار خاطر نہیں۔ بلکہ جتنی جتنی وہ زیادہ عاجزی کرتا ہے اتنا ہی اس کا تقرب بڑھتا جاتا' اور آخر کار وہ وقت آ پہونچتا ہے کہ اس کی دعا قبول ہو۔ یکایک اسے محسوس ہوتا ہے کہ بحرِ رحمت کی موجوں نے اسے اپنے آغوش میں لے لیا۔ دل کو تسکین حاصل ہوتی ہے وہ دنیا ومافیہا سے بے خبر ہو جاتا ہے بلکہ اپنے آپ کو بھی بھول جاتا ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ یہی لمحہ اس کا حاصل زندگی ہے اور اس وقت اسے وہ نعمت عطا ہو رہی ہے جس کے لئے وہ ایک مدت سے بیقرار تھا۔ سچ پوچھئے تو وہ اس وقت اس دنیا ہی میں نہیں ہے' اس کی بےچین رُوح اپنے خالق کے حضور میں شرف باریابی حاصل کر رہی ہے اور اس کی نظر میں زمین وزماں سب ہیچ ہیں۔ ایک ساعت اس عالم میں گزارنے کے بعد پھر اسے ہوش آتا ہے۔ یہ مادی جسم رُوح کو اعلیٰ سے اسفل کی طرف کھینچتا ہے اور دل ودماغ دیر تک اس سرور سے سرشار رہتے ہیں۔ اُمید کی کرنیں سامنے سے جگمگاتی نظر آتی ہیں اور اشارہ کرتی ہیں کہ آگے بڑھ! تیرے قدم اُٹھانے کی دیر ہے' منزلِ مقصود دور نہیں۔ وہ ان اشاروں کے مطابق جان ہتھیلی پر رکھ کر دیوانہ وار دوڑنا شروع کرتا ہے۔ راستے میں ٹیلے گھاٹیاں پہاڑ دریا حائل ہوتے ہیں لیکن وہ براہِ حصولِ تمنا میں جان لڑائے رہتا ہے اور آخر ایک دن ساری مصیبتیں ختم کر کے بامِ مُراد پر جا پہونچتا ہے اور سجدہ شکر بجا لاتا ہے۔ اب اسے دُنیا اپنے قدموں میں نظر آتی ہے۔ دولت اس کی لونڈی۔ نام ونمود زرخرید غلام ہیں آہ اے ظالم وجاہل تجھے خبر بھی ہے یہ ہے کیا؟ تیری کامیابی تجھے زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ ؎

میں بیقراری ہوں تری' میں آہ وزاری ہوں تری میں اشکباری ہوں تری' میں ہوں ترا سوزِ جگر

# تین بھاوجیں

## روزولا

اس سال چونکہ گرمی شدت کی پڑی ہے اس لئے بجائے مئی اور جون کے پہاڑوں پر آخر اپریل ہی سے غیر معمولی رونق اور چہل پہل ہو گئی اور متمول خاندان شروع سیزن سے اوپر چلے آئے ہیں۔ چنانچہ کانپور کے ایک مسلمان رئیس اعظم کے تینوں صاحبزادوں نے کیملس بیک روڈ موری پر قریب قریب تین کوٹھیاں لی ہیں جن میں دو تو کافی بڑی اور شاندار ہیں اور ایک ذرا چھوٹی ہے پہلی بڑی کوٹھی "روزولا" میں بڑے بھائی سلطان مرزا صاحب مع اپنے ملازمین ٹھاٹھ کے ساتھ فروکش ہیں۔ جن کے زنانخانے میں بہت سی اتائیں مامائیں وغیرہ چلتی پھرتی شور مچاتی پان چبا چبا کر برآمدوں اور باغیچے کی روشوں پر گلگاریاں کرتی نظر آتی ہیں۔ اسی طرح مردانے حصے میں بھی متعدد ملازم بھرے ہیں۔ سامنے کے برآمدے میں سلطان مرزا صاحب آرام کرسی پر متمکن ہیں اور نقرئی پیچوان لگا ہے۔ چاندی کے خاصدان میں گلوریاں رکھی ہیں جو ہر پانچ منٹ کے بعد اٹھا کر منہ میں رکھ لی جاتی ہیں۔ قریب ہی چوکیوں پر دو چار احباب ابھی صبح کی ہوا خوری سے واپس آ کر بیٹھ گئے ہیں۔ نواب سلطان مرزا صاحب کا حکم ہوا کہ ناشتہ یہیں لایا جائے۔ اسی برآمدے میں نواب صاحب کی مسہری بھی لگی ہے آٹھ بجنے والے ہوں گے۔ باوجود ہوشیار ملازمین کے ابھی تک نشست کے برآمدے میں سے پلنگ بستر نہیں اٹھایا گیا۔ نواب صاحب نے ابھی منہ بھی نہیں دھویا۔ اسی طرح "روزولا" کے اس حصے میں (جہاں تین طرف قناتیں لگا کر پردے دار صحن بنایا گیا ہے) ابھی ابھی صبح کے آثار بہت ہی کم پائے جاتے ہیں بیگم سلطان مرزا صاحبہ بھی غالباً محو خواب ہیں برابر کے کمرے میں چاروں بچے اٹھ گئے ہیں اور اپنے اپنے پلنگوں پر شور وغل کر رہے ہیں۔ کوئی انا کو بلا رہا ہے کوئی ناشتہ مانگ رہا ہے۔ ہر ایک بچے پر ایک ایک ملازمہ مقرر ہے لیکن یہ چاروں اسی لباس میں جو کل دن بھر پہنے تھے ہیں۔ پلنگوں ہی پر ان کو ناشتہ دے دیا گیا۔ بستروں پر دودھ پوریاں وغیرہ خوب گرا گرا کر بچوں نے ناشتہ کیا۔ نو بج چکے تو بیگم صاحبہ نے انگڑائی لے کر گلشن کو آواز دی جو فوراً لوٹا اور سیلا بچی لے کر آئی اور انہوں نے اٹھ کر منہ میں دبا ہوا پان تھوکا منہ دھویا۔ "اری کیا وقت ہو گا؟" "بیگم صاحب! نو کبے بج چکے۔ سرکار کو ناشتہ بھیجدیا گیا" گلشن نے جواب دیا۔ "آج ہم بہت دیر تک سوتے رہے کسی کمبخت نے اٹھا ہی دیا ہوتا۔" بیگم صاحبہ نے فرمایا۔ گلشن بولی "سرکار ڈر کے مارے ہم تو جگا نہیں سکے۔ بہت صبح چھ سے بھی پہلے منجھلے سرکار اپنی بیگم صاحب کے ساتھ ہوا خوری کرتے ہوئے آپ کو سلام کے لئے آئے تھے۔ آپ کو سوتا دیکھ کر چلے گئے"۔ قریب ہی تخت پر ناشتہ چنتی ہوئی دوسری ملازمہ نرگس نے کہا "اری کمبخت! تجھے خبر ہی نہیں؟ منجھلے سرکار ہی نہیں چھوٹے سرکار بھی تو آئے تھے دونوں گھوڑوں پر سوار تھے جب بیگم صاحب کو آرام میں دیکھا تو چپکے چپکے وہ بھی واپس چلے گئے۔ وہ شاید شکار کو جا رہے تھے ساتھ بندوقیں بھی تھیں" گلشن نے جھلا کر جواب دیا "آئیں بڑی بچاری صبح صبح دوسروں کو کمبخت کہنے والی! ہیں تو منہ ہی دھو رہی تھی جب گھوڑوں کی آواز آئی تھی"۔ "تم دونوں کمبختیں ہو! اور وہ مغلانی جو میرے کمرے میں سوتی ہے! اس کو بھی ہوش نہ ہوا۔

میرے دیر تک سونے کا پہلے ہی سسرال میں مذاق بنا رہتا ہے۔ آج میرے چاروں دیور دیورانیاں دن چڑھے تک سوتا دیکھ گئے مُردار! جلدی سے آکر مجھے جگا نہ دیا۔" اس چخ چخ کے بعد بیگم صاحبہ تخت پر تشریف لائیں۔ تبدیلیِ لباس کی تو ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ کل دن کا پہنا ہوا نفیس ریشمی جوڑے ہی میں رات آرام فرمایا تھا قیمتی سبز اطلس کا غرارہ اودی ریشمی قمیص اور زرد جارجٹ کا مدنی کا دوپٹہ پہنے تھیں۔ پونے دس بجے خدا خدا کر کے ناشتہ شروع کیا گیا۔ اس کے بعد مغلانیوں سے بات چیت کی۔ بیٹھے بیٹھے تھک گئیں تو وہیں تخت پر لیٹ گئیں۔ دو بجے کے قریب مغلانی نے باہر نواب صاحب کو کھانا بھجوا دیا اور بیگم صاحبہ کے سامنے اسی تخت پر خاصہ چُنا گیا اس کے بعد سرکار گھر میں تشریف لائے۔ کچھ دیر یہاں بیٹھے بچوں کو بلا کر دیکھا۔ بڑا چھ سالہ لڑکا کیچڑ میں لت پت ہاتھ میں آم لئے جس کے رس سے سارا چہرہ لپا پُتا روتا ہوا آیا اور ابّا جان سے شکایت کی کہ "ہمیں آپا نے دھکّا دے کر جھولے سے گرا دیا۔ آپ آپا ثُریا کو بلا کر ماریئے۔" اور نواب صاحب کے سفید برّاق کپڑوں پر چڑھ بیٹھا۔ اتنے میں صاحبزادی ثریا بھائی کو گالیاں دیتی آئیں جن کا ڈھیلے پائنچوں کا ریشمی پاجامہ کیچڑ میں بھرا ہوا تھا دوپٹا پیچھے سے گھسٹتی آ رہی تھی اور ایک پیر کی جوتی غائب تھی۔ ریشمی کپڑوں پر آم کا رس اور پان کی پیکیں پڑی ہوئی تھیں جو انہوں نے بتایا کہ بھیا نے ہم پر تھوکا ہے اور آم مل دئیے ہیں۔ نواب صاحب نے ان کو سمجھانے کے بعد چھوٹے بچوں کو بلوایا۔ چار سالہ لڑکی رقیہ صرف ایک کرتے میں دونوں ہاتھوں میں مٹھائی لئے پہنچی۔ اور سب سے چھوٹا دودھ پیتا بچہ اپنی انّا کی گود میں لایا گیا۔ نواب صاحب نے انّا سے اپنی گود میں لے لیا اور ذرا برہم ہو کر بولے "دیکھو انّا معلوم ہوتا ہے صبح سے ننّھے کا منہ نہیں دھویا گیا۔ اور کپڑے بھی کتنے گندے ہو گئے ہیں۔ کیا تم نے ان کو پرسوں سے نہیں بدلا" انّا نے جواب دیا "سرکار آج ذرا بدلی ہو رہی تھی۔ ٹھنڈ کے خیال سے نہیں دھویا۔ اور بچوں کے کپڑوں کا کیا ہے۔ ادھر بدلو اُدھر میلے!" نواب صاحب نے کہا "ننّھے میاں تو مٹّی میں نہیں کھیلتے ان کے کپڑے کیسے گندے ہو گئے؟ یہ کہو کہ تم سے کام نہیں کیا جاتا۔ آرام طلب ہو گئے ہو سب کے سب۔ دیکھو ان تینوں کی کیا گت بن رہی ہے۔ کہاں ہیں ان کی مامائیں۔ حاضر کرو۔ بیگم! تم ذرا اپنی اولاد کی طرف توجّہ نہیں کرتیں۔ دن ختم ہو گیا لیکن ان کا غسل ہوا اور نہ کپڑے بدلے گئے" "صبح سے تو سرد ہوا چل رہی ہے بادل گھرا ہے۔ ایسی سردی میں بھلا بیمار ڈالنا ہے؟ مامائیں کمبختیں تو سب کی سب ہی نمک حرام ہیں۔ منہ دُھلا کر کپڑے بدل دینا بھی انہیں دشوار ہے۔" بیگم صاحبہ نے جواب دیا۔ یہ سن کر نواب صاحب بولے "نوکروں سے کام لینا تو تمہارا کام ہے۔ بے پروائی میں تو سب ہی بگڑ جاتے ہیں۔ دیکھتی ہو احسان اور سلیمان کے بچّے کتنے صاف ستھرے رہتے ہیں۔ خواہ کیسی ہی بارش ہو ان کو روزانہ غسل کرایا جاتا ہے۔ ان کی آیائیں بھی کیسی کام کرنے والی ہیں۔ احسان کے گھر میں تو پانچ بچوں پر صرف دو آیا ہیں۔ یہاں ایک بچّے پر دو دو لگا رکھی ہیں۔ پھر بھی ان کا منہ تک نہیں دھویا جا سکتا۔ بیگم اپنی دونوں دیورانیوں سے سبق لو۔ وہ کتنا کام کرتی ہیں خصوصاً احسان کی بیوی تو صبح سے شام تک اپنے گھر کے کام میں مصروف رہتی ہیں۔ حالانکہ ان کی آمدنی ہم سے کم ہے۔ مگر ان کا گھر ہم سے زیادہ شاندار نظر آتا ہے۔ تم نو دس بجے پلنگ سے اٹھتی ہو۔ وہ اس وقت دنیا بھر کے کام سے فارغ ہو جاتی ہیں"

بیگم نے شوہر کی بات کاٹ کر غصے سے کہا "خدا نہ کرے کہ میں دیورانیوں سے سبق لوں اور ان کے نقش قدم پر چلوں کسی شریف گھر کی بہو بیٹی ان جیسی نہ ہو۔ جب تک یہ دونوں اپنی نوکریوں پر تھے اور ہم سنا کرتے تھے کہ ان کی بیویاں پردہ نہیں کرتی ہیں۔ تو ہم کو یقین نہ آتا تھا۔ اس سال پہاڑ پر آ کر آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لیا۔ میرا یوں بے پردہ پھرانا تو آپ کو ہرگز گوارا نہ ہوگا۔ جبکہ ہمارے گھر کی جوان باندی لونڈیاں بھی باہر نہیں نکلتیں" نواب صاحب نے بیوی کی تقریر سن کر جواب دیا "بیگم میں نے یہ کب کہا کہ ان دونوں کی بے پردگی مجھ کو پسند ہے۔ میں تو ان کی قابلیت کا انتظام خانہ داری پرورش وتربیت اولاد کا معترف ہوں" بیگم نے طنز سے کہا "بہت خوب! کیا انتظام خانہ داری ہے! سلیمان کی دلہن کو سوائے رات کے چند گھنٹوں کے گھر پر کوئی دیکھتا ہی نہیں۔ بچے نرس اور آیاؤں کے سپرد گھر نوکروں کے ہاتھ میں دعوتیں اور پارٹیاں ہوٹلوں میں ہوتی ہیں جن پر دگنا خرچ ہو میم صاحبہ تو کلب اور ناچ گھروں کی رونق ہیں۔ چھ سات سو تنخواہ ہے اور یہ ٹھاٹھ! دو کان دو کان کی قرضدار ہو رہے ہیں آتے ہی آتے۔ ابھی میم صاحبہ کو تین مہینے اور رہنا ہے سلیمان کی چھٹی ختم ہو رہی ہے۔ وہ تو چلے جائیں گے پھر تنہائی میں وہ بھی رنگ رلیاں منایا کریں گی۔ دوست تو بہت بن گئے ہیں" "سلیمان کی بیوی کی میں نے کب تعریف کی۔ وہ تو کم علم اور فیشن کی پتلی ہے۔ ذکر تو احسان کی دلہن کا تھا۔ جو مسز سلیمان سے کہیں زیادہ قابل گریجویٹ ہے۔ اس کے شوہر کی ماہوار آمدنی سلیمان سے دوگنی ہے لیکن وہ امور خانہ داری پر کس قدر اپنا وقت صرف کرتی ہے۔ سبحان اللہ اس کی آزادی و بے پردگی بھی ہمارے سر آنکھوں پر۔ یہ ہی اعلیٰ تعلیم کا اچھا نمونہ۔ سلیمان کی میم صاحبہ کوئی تعلیم یافتہ نہیں۔ انہوں نے انٹرنس بھی پاس نہیں کیا۔ کچھ عرصہ مشن اسکول میں رہ کر معمولی انگریزی بول چال سیکھ لی ہے۔ مگر خیر ایک طرف کی تو ہو گئی۔ وہ کلب گھروں کی رونق ہے۔ سوسائٹی کی جان ہے۔ اس نئی طرز کو اختیار کر لینے کی وجہ سے بڑے بڑے گھروں میں ڈنر پارٹیوں پر مدعو کی جاتی ہے۔ تم اپنی کہو اس دنیا میں ہو نہ اس دنیا میں۔ خانہ داری سے بالکل بے تعلق۔ بچوں سے بے پرواہ۔ چوبیس گھنٹوں میں سے سولہ گھنٹے نیند کی نذر باقی فضول باتوں اور چھالیہ کترنے اور پان کھانے میں صرف کر دیتی ہو۔ روزانہ گودام سے کس قدر جنس باورچی خانے میں جاتی ہے اس کا تمہیں علم نہیں۔ ملازمہ عورتیں گھر کو لوٹ رہی ہیں"

نواب صاحب یہ تقریر کر کے اخبار دیکھنے لگے۔ اور بیگم صاحبہ نے یہ سب سن لینے کے بعد برہم ہو کر یوں جواب دیا "ہم سے تو وہ جھنجھٹ سر نہیں لیا جا سکتا جو کبھی نہیں لیا۔ اس سال بھاوجوں کو دیکھ کر آپ کو بھی نئی نئی باتوں کا شوق پیدا ہوا۔ ہم سے نہ دونوں وقت آٹا دال تلوایا جائے۔ نہ آدھے درجن بچے نہلوائے جائیں۔ یہ شوق تھا تو آپ بھی کسی ایسی عورت سے شادی کر لیتے" اتنے میں ماما ناشتہ لے آئی بسر کارنے چاء پی اور خاموشی کے ساتھ باہر چلے گئے۔

نذر سجاد حیدر

(باقی آئندہ)

# اٹلی کی سیر

از محترمہ شائستہ اختر بانو صاحبہ سہروردی بی اے آنرس مقیم لندن

مجھ کو اٹلی دیکھنے کا شوق مدت سے تھا کیونکہ یورپ کی گذشتہ تاریخ میں جتنی اہمیت اٹلی کو حاصل ہے کسی اور ملک کو نہیں۔ قبل از عیسائیت دنیا کی سب سے بڑی سلطنت کا پایۂ تخت اور اس زمانے کی تہذیب کا منبع روم تھا۔ عیسائیت کی ابتدائی تاریخ میں روم کو خاص اہمیت حاصل تھی اور پھر جب عیسائیت اپنے پورے زور شور سے دنیا پر چھا گئی تو اُس زمانے میں بھی اس کا مرکز روم ہی رہا۔ رینیسانس کا آفتاب بھی اٹلی ہی میں طلوع ہوا۔ اور فلورنس کی خاک نے بہت سی مشہور ہستیاں پیدا کیں۔ مصوری اور بت سازی میں بھی اٹلی کے مصوروں اور بت سازوں کو دنیا نے استاد مانا ہے۔ غرضکہ آرٹ اور آرکٹیکچر ہر لحاظ سے اس ملک کو دنیا میں ایک خاص اہمیت رہی ہے۔ اگرچہ وقت کم تھا اور سفر کافی طویل اس لئے بعض دفعہ دل چاہتا تھا کہ نئی اور نزدیک جگہ کی سیر پر اکتفا کروں لیکن اٹلی کے آرٹ کے خزانوں کی کشش نے وہاں جانے پر مجبور کر دیا۔

ہم لوگ لندن سے پہلے جنوبی فرانس گئے۔ یہاں تین دن قیام رہا۔ جنوبی فرانس یا ریویرا تعطیل منانے کے لئے یورپ کی سب سے فیشن ایبل اور بہترین جگہ سمجھی جاتی ہے۔ جاڑوں میں خاص کر یہاں بڑی رونق ہوتی ہے کیونکہ موسم اس زمانے میں بہت خوشگوار رہتا ہے۔ سردی ہوتی ہے پر دھوپ کے ساتھ انگلستان کی اندھیری کہر آلودہ دم گھوٹنے والی سردی نہیں۔ اسی وجہ سے انگریز جوق جوق اس زمانے میں یہاں آتے ہیں۔ یہاں سیر و تفریح کے سب سامان ہیں ٹینس، گالف جوا کھیلنے کی جگہیں وغیرہ ناچ ہر ایک بڑے ہوٹل میں ہر شام کو ہوتا ہے۔ یہ تو انسان کی بنائی ہوئی تفریح کے سامان ہوئے لیکن فطرت نے خود اس خطہ کو دلچسپ اور حسین بنانے میں بڑی فراخ دلی سے کام لیا ہے۔ نیلگوں سمندر، چاندی جیسی مصفا دھوپ ساحل سمندر پر کھجوروں کے درختوں کے جھنڈ دل چاہتا تھا کہ ہفتوں بیٹھے ہوئے انہیں دیکھا کیجئے۔ جلکو نیس میں شام یاد رہے گی۔ اس وقت واقعی یہ شہر پرستان معلوم ہوتا ہے۔ سمندر کے کنارے ایک بہت ہی فراخ سفید سڑک بنی ہوئی ہے جسے Promenade des Anglais کہتے ہیں۔ دن کو یہاں ہزاروں کرسیاں پڑی رہتی اور خوشرنگ کپڑوں کی چھتریاں لگی رہتی ہیں جن کے سائے میں لوگ بیٹھے رہتے ہیں جگہ جگہ درخت و کیاریاں بھی بنی ہوئی ہیں۔ شام کے وقت ان کیاریوں کو بجلی سے روشن کیا جاتا ہے جس سے ایک عجیب سماں پیدا ہوتا ہے چھوٹے چھوٹے فوارے چلتے ہیں جو بجلی کی روشنی میں سونے چاندی کے فوارے معلوم ہوتے ہیں۔ اس پر موناکو کے مقابل ہی نیس کے سے بڑے بڑے ہوٹل ہیں یہ سب کے سب شام ہوتے ہی روشن ہو جاتے ہیں اور ان کے گنبد و مینا رنگین لیمپوں سے جگمگاتے ہوئے شہر کی خوبصورتی میں اور چار چاند لگاتے ہیں۔ پر موناکو کے اوپر بھی آئینہ کے اندر الکٹرک کے لیمپ جگمگاتے ہوتے ہیں۔ غرض ہر طرف روشنی ہی روشنی ہوتی ہے لیکن آنکھوں کو تکلیف دینے والی تیز روشنی نہیں۔ مدھم رومانی روشنی

اس وقت سمندر نقریباً سیاہ نظر آتا ہے اور اتنا خاموش جیسے آئینہ۔ سمندر میں ان بتیوں کا عکس ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ستارے جڑے ہوئے ہیں۔ ساحل تمام پہاڑی ہے جس پر مکانات بنے ہوئے ہیں۔ روشنی کا سمندر میں عکس عجیب لطف دیتا ہے۔

نیس کے آس پاس کے مناظر نہایت دلفریب ہیں۔ بہت اونچے پہاڑ تک موٹروں میں جا سکتے ہیں۔ پہاڑوں کے اوپر چھوٹے خوشنما ولاز بنے ہوئے ہیں ہمارے پاس تو اتنا کم وقت تھا کہ ہم دو ایک ہی جگہ جا سکے۔ نیس سے دس منٹ کے راستے پر مانتی کارلو کا شہر ہے جہاں پر دنیا کا سب سے مشہور جوا خانہ Monte Carlo کا کینو ہے۔ یہاں پر ہزاروں نے اپنا مال لگا دیا ہے۔ اور لاکھوں بادشاہ سے فقیر ہو گئے ہیں۔ کینو ایک بہت عالیشان اور خوبصورت عمارت ہے اس کی چھت و دیواریں اس طرح سے پینٹ کی گئی ہیں جیسے یورپ کے بڑے بڑے محل بڑے بڑے وسیع کمرے ہیں ہر ایک کمرے میں دو تین میزیں پڑی ہوتی ہیں جس کے چاروں طرف بیٹھے ہوئے لوگ جوا کھیلتے رہتے ہیں۔ یہاں دو قسم کا جوا ہوتا ہے ایک تو رولیٹ یعنی ایک چھوٹی گیند کو ایک پھرکی پر ڈال دیتے ہیں وہ گیند گھومتے گھومتے جس نمبر پر ٹھیر جائے اس نمبر پر جس کھیلنے والے کا نشان ہوگا وہ جیت جائے گا۔ یہاں پر کسی قسم کے بھی ہنر یا سمجھ کی گنجائش نہیں ہے صرف جوا ہے۔ دوسرا جوا تاش سے کھیلا جاتا ہے لیکن یہاں بھی صرف چانس پر کامیابی منحصر ہے یعنی ایک خاص پتہ کے نکلنے پر۔ تاش کے دوسرے کھیلوں کی طرح اس میں عقل خرچ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جو لوگ ان میزوں کے آگے بیٹھے ہوتے تھے ان کے چہروں سے ایک عجیب ہیجان پایا جاتا تھا اور وہ کھیل میں ایسے منہمک تھے کہ انہیں اور کسی بات کا ہوش نہ تھا۔ ایک ایک بازی پانچ فرانک سے لے کر بیس ہزار فرانک تک ہوتی ہے۔ ہر کمرے میں کئی میزیں ہوتی ہیں اور ہر میز کی بازی کی رقم مقرر ہوتی ہے۔ ایک ہی رقم کی دس دس بارہ بارہ میزیں ہیں ہم نے بھی تفریحاً دس دس فرانک کے نشان خریدے اور بازی لگائی اور دونوں دفعہ ہار گئے۔

گرچہ ریورا کی دلکش سبزی کو چھوڑ کر جانے کو دل نہیں چاہتا تھا پر ہم نے تیسرے روز بادل ناخواستہ الوداع کہا اور روم کو روانہ ہوئے۔ رات بھر ریل میں رہے۔ لوگ بہت زیادہ تھے اس لئے اگرچہ ہماری سیٹس ریزرو تھیں تب بھی جب تک ہم ریسٹورنٹ کار میں کھانا کھا رہے تھے دو عورتیں آ دھمکیں اب ہم واپس آئے تھے تو ہماری جگہ پر ان کا قبضہ تھا اب ہم کوشش کریں کہ انہیں سمجھائیں کہ یہ ہماری جگہ ہے تو کیسے سمجھائیں ان کو انگریزی نہ آتی تھی اور ہمیں اطالوی۔ کنڈکٹر کو بلا کر کہا تو اس نے بھی چنداں توجہ نہ کی ہم لوگ تین تھے۔ میرے صاحب اور میں اور میری دوست مسز شمیم۔ ہم اور صاحب تو ایک طرف خاموش بیٹھ رہے۔ لیٹنے کی کوشش فضول تھی کیونکہ اسی سیٹ کے دوسرے سرے پر ایک اور عورت بیٹھی تھی۔ پر مقابل کی سیٹ پر صرف مسز شمیم اور ایک اور اطالوی عورت تھی۔ یہ عورت بلا تکلف پوری سیٹ پر دراز ہو گئی۔ نہ صرف اپنے ہی حصے پر بلکہ مسز شمیم کے حصہ تک پیر پھیلا دئے۔ یہ دیکھ کر مسز شمیم کو تاؤ آ گیا اور انہوں نے بھی اپنے پیر اٹھا کر بے تکلفی سے اس کے پیروں پر دراز کر دئے۔ بلکہ نیم غنودگی کی آڑ میں ایک آدھ لات بھی لگا دی۔ کہاں تو اطالوی میم صاحب بہت زیادہ پھیل رہی تھیں کہاں اس سلوک کے بعد سکڑ سکڑا کر اپنے کونے میں ہو رہیں۔ یہ سماں دیکھ کر ہم دونوں کو بہت زور سے

ہنسی آرہی تھی اور میرے صاحب نے دبی زبان سے کہہ بھی دیا "شاباش مسٹر نسیم فرنٹیر والوں کی لاج رکھ لی" (مسٹر نسیم سر فضل حسین کی بہو سرحد کی ہیں)

صبح زبان نہ سمجھنے کا ایک لطیفہ پیش آیا۔ ہمارے سیٹ والی عورت کے پاس ایک کتا بھی تھا جس نے ساری رات ہمیں تنگ کیا تھا۔ لیکن میرے صاحب نے اس خیال سے کہ شاید اُس کو اس کی ندامت ہو۔ کہا کہ میرے پاس بھی ایک کتا تھا جس کا نام بھی بابی تھا (ہمیں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ اس کتے کا نام بابی ہے) اطالوی عورت سمجھی کہ وہ کہہ رہے ہیں کہ میرا اپنا نام بابی ہے۔ اب ہم ہزار سمجھائیں کہ نہیں بھئی۔ ہمارا نہیں ہمارے کتے کا نام بابی تھا پر وہ ہنس ہنس کر یہی کہتی رہی کہ "اچھا تمہارا نام بابی ہے"! ہم اس کی زبان سمجھ لیتے تھے کیونکہ اطالوی زبان فرانسیسی سے مشابہ ہے اور کسی قدر فرانسیسی ہم دونوں کو آتی ہے پر اُس کو اپنا مطلب سمجھانے سے قطعی قاصر رہے۔

خیر قریب، بجے صبح کو ہم روم پہنچے۔ روم، کو Eternal city کہتے ہیں یعنی ہمیشہ رہنے والا شہر۔ روم کا اسٹیشن کچھ شاندار نہیں پر موٹر میں ہوٹل جاتے ہوئے متعدد کھنڈر اور شکستہ گنبد و مینار نظر آئے۔ ہوٹل پہنچ کر غسل اور ناشتہ کے بعد ہی ہم سیر کو نکل گئے اور کھانے کے وقت تک سیر کرتے رہے۔ واپس آکر کھانا کھایا اور پھر شام تک سیر کی۔ چار سیر کے دوران میں ہی کسی رسٹورنٹ میں پی لیتے تھے۔ جب تک کہ ہمارا روم میں قیام رہا ہم نے ایسا ہی کیا اور جہاں تک سیر کر سکتے تھے کی۔ لیکن ساڑھے تین دن اس شہر کے دیکھنے کو ناکافی ہیں۔ اس کے دیکھنے کو تو مہینوں چاہئیں۔ ہم نے پہلے تو رومن عمارتوں کی سیر کی اس کے بعد عیسائیت کے متعلق عمارتوں کی۔ اس کے علاوہ متعدد آرٹ گیلریز Art galleries میں مشہور زمانہ تصاویر اور بتوں کو دیکھتے رہے۔

رومن عمارتوں میں فورم Forum کے کھنڈر سب سے زیادہ دلچسپ تھے۔ ان کا ایک ایک پتھر اپنے اندر تواریخ کا ایک دفتر رکھتا تھا۔ فورم کو روم کا سب سے بڑا چوک سمجھ لیجئے۔ یہ رومن سلطنت کا دل تھا۔ یہیں Senate کی مجلسیں قائم ہوئی تھیں اور اسی خطہ میں دنیا کے بعض سب سے اہم واقعات پیش آئے ہیں۔ مشہور Temple of Virgins یعنی کنواریوں کا مندر جو رومیوں کا سب سے پاک مندر سمجھا جاتا تھا یہیں تھا۔ اس کے کھنڈر بہت اچھی حالت میں اب بھی موجود ہیں۔ ببیٹر اور پالکس کا مندر جولیس سیزر کا مندر، ایمیٔلین اور فوسطینا کا مندر کے کھنڈر بھی اس حلقہ میں پائے جاتے ہیں۔ روم کے مختلف شہنشاہ اپنی فتوحات کی یادگار اسی جگہ میں بنوایا کرتے تھے جس میں ٹائٹس اور سپٹمس سرویس کی یادگاری محراب بہت اچھی حالت میں ہیں کئی ایک مینار کچھ ٹوٹے ہوئے کچھ اچھی حالت میں روم کے مختلف مشہور ہستیوں اور واقعات کی یادگار ان کھنڈروں میں کھڑے نیرنگی زمانہ کا سبق زبان حال سے دے رہے ہیں۔ روم کے سب سے مشہور اور سب سے کامیاب شہنشاہ آگسٹس کا محل یہیں تھا۔ اس کے بعد اس کے سوتیلے لڑکے ٹائبیریس نے بھی یہیں قیام کیا اور اس عمارت میں مزید اضافہ کیا۔ گالی گولا اور نیرو نے اور بھی اس کی شان و شوکت بڑھائی۔ نیرو کے سنہری محل کے بعض حصے کافی اچھی حالت میں موجود ہیں۔ ان محلوں کو دیکھ کر دل میں عجیب خیالات پیدا ہوتے تھے۔

اس حمام کو دیکھا جہاں نیرو کی بیوی دودھ سے نہاتی تھی۔ ایک عالیشان ہال کے کھنڈر دیکھے جس کے دیوار و در تمام آئینہ سے مرصع تھے۔ کیونکہ بادشاہ کو ہر وقت قتل کا خوف رہتا تھا اور قاتل کو دیکھ سکنے کے لئے اس نے یہ انتظام کیا تھا۔ ان کھنڈروں کے بعض حصوں میں فرسیکوز اور موزیک یعنی دیوار پر کی ہوئی پینٹنگ اور میناکاری تقریباً اپنی اصلی صورت میں پائی جاتی تھی۔

انتارا یعنی وہ منبر جس پر کھڑے ہو کر مارک انٹنی نے رومیوں کو جولیس سیزر کے قتل کے انتقام پر آمادہ کرنے کے لئے مشہور تقریر کی یہیں ہے۔ کئی عدالتیں اسی مقام پر تھیں جن میں کانسٹین ٹائن Constantine کی بنائی ہوئی عدالت آگے چل کر سینٹ پیٹر کے لئے نمونہ ہوئی۔

شاہی محل، مندر، و میناروں و محرابوں کے علاوہ رومی رئیسوں کے مکانات بھی آس پاس تھے۔ ان کے کھنڈر بھی کھود کھود کر نکالے جا رہے ہیں۔ گذشتہ چند سالوں میں ان پرانی یادگاروں کی حفاظت اور تلاش کا کام بہت توجہ سے ہو رہا ہے۔ اور امید ہے کہ Farem تاریخ سے لبریز خطہ میں اور بھی مشہور عمارتوں کے نشانات پائے جائیں۔ فورم کے بعد رومی عمارتوں میں سب سے زیادہ تاریخی اہمیت رکھنے والی عمارت Colisium ہے۔ یہ وہ عمارت تھی جہاں رومن شہنشاہ اور امیر مختلف قسم کے کھیل دیکھنے کو جمع ہوتے تھے۔ یہ کھیل نہایت ہی ظالمانہ قسم کے ہوتے تھے۔ کشتیاں جن میں ہر دو فریق ہر قسم کے ہتھیار کا استعمال کرتے تھے۔ جانوروں اور انسانوں کو لڑا کر تماشہ دیکھا جاتا اور دوسری اور تیسری صدی عیسوی میں عیسائیوں کو شیر کے منہ میں ڈال کر دیکھنا بھی ایک ذریعہ تفریح تھا۔ یہ عمارت شہنشاہ ویسپیاآن نے بنائی تھی اور اس کی افتتاح کا جشن ایک سو دن تک رہا جس کے دوران میں کہتے ہیں کہ پانچ سو ہزار جانور مارے گئے تھے۔ عیسائیت کے اقتدار پا جانے کے بعد Colisium عیسائی شہیدوں کے مصیبت کی یادگار ہوگیا۔ مارسلینز کا تھیٹر جولیس سیزر اور آگسٹس کی بنائی ہوئی نہایت ہی وسیع عمارت ہے۔ کہتے ہیں کہ بارہ ہزار آدمی اس میں ٹھہر سکتے تھے۔ Pantheon صرف ایک رومی عمارت ہے جو تقریباً اپنی اصلی حالت میں اب بھی پائی جاتی ہے۔ اس کو شروع سے مسیحی گرجا میں تبدیل کر لیا گیا تھا اس لئے یہ غفلت یا نفرت کے جذبوں کے ماتحت شکستہ اور مسمار ہونے سے بچ گیا۔ یہ ایک نہایت ہی وسیع عمارت ہے۔ اس کا پارٹیکو بہت شاندار ہے۔ سولہ عالیشان فیل پائے اس کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ گنبد نہایت وسیع اور بلند ہے۔ اس کی ساخت ہر طرف سے گول ہے زمین دیوار سب گول ہیں۔ یہ پہلے رومی بتوں کا مندر تھا اور اس کے بعد عرصہ تک کیتھولک گرجا رہا اور اب اٹلی کے بادشاہوں کے مقبرہ کے طور پر استعمال ہو رہا ہے۔ اٹلی کے دو بادشاہوں کے علاوہ چند مشہور آرٹسٹ بھی یہاں مدفون ہیں۔ مشہور و معروف آرٹسٹ رے فیل یہیں مدفون ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے مینار محرابیں اور مندر رومی طاقت کی یادگار اور اسی تمدن کے اعلیٰ معیار کا پتہ دے رہے تھے۔ ان میں کالی گولا Caligula کے حمام۔ مارکس اورابلیس اور ٹاربس کے یادگاری مینار کانسٹنٹائن کی محراب، میٹروی کا فونٹین۔ اور دریائے ٹائی بر پر کا قلعہ نوٹ اینجلو خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ خود دریا ٹائی بر ایک تاریخ ہے اس کی رومیوں کے دل میں وہی عظمت تھی جو گنگا کی ہندوؤں کے دل میں اور اسی پر وہ مشہور پل تھا۔

جس کو کہ ہوریشیو نے بچایا تو اور جس کا بچاؤ رومی تاریخ کے مشہور واقعوں میں سے ہے۔

روم کی قدیمی عمارتیں دیکھ چکنے کے بعد زمانہ عیسائیت کی بنی ہوئی عمارتوں اور تاریخ عیسائیت سے خاص تعلق رکھنے والے مقامات کی باری آئی۔ یہ بھی دنیا کی تاریخ کے ان حیرت انگیز واقعوں میں سے ہے کہ روم جو کہ ایک زبردست سلطنت کا پایہ تخت تھا اور جہاں پر اس سلطنت کے ماتحت عیسائیوں پر طرح طرح کے ظلم ہوئے تھے قدرت کے کھیل سے عیسائیوں کے اقتدار کا مرکز و منبع بن گئی۔

سینٹ پیٹرز دنیائے عیسائیت کا سب سے بڑا اور سب سے شاندار گرجا ہیں ہے۔ یہ وہ گرجا ہے جہاں پوپ کی تاجپوشی ہوتی ہے اور جہاں مذہب عیسوی کے ان اشخاص کی جنہوں نے زندگی نیکی و عبادت سے گذاری ہو انہیں ولی بنانے کی رسم ہیں ادا کی جاتی ہے۔ ہر سال ایسٹر کے موقعہ پر دنیا کے ہر حصے سے کیتھولک یہاں آتے ہیں اور گڈ فرائی ڈے اور ایسٹر سنڈے کے روز سینٹ پیٹر میں پوپ کی امامت میں نماز ادا کرنے کو ذریعہ نجات اور سعادت سمجھتے ہیں۔ سینٹ پیٹر کے گرجے کی بنیاد ۱۴۵۰ء میں پوپ نیکولس نے رکھی تھی اور یہ ۱۶۱۴ء میں بن کر ختم ہوئی۔ یعنی ۱۶۴ سال اس کے بنانے میں لگے۔ اس کی تعمیر میں ۴۰ پوپس نے بے دریغ روپیہ خرچ کیا اور اس کو حسین و شاندار بنانے میں اس دور کے (جو کہ مصوروں اور معماروں کا سنہرا دور تھا) تمام مشہور مصوروں اور معماروں نے حصہ لیا۔ ریفیل اور مائیکل اینجیلو وغیرہ کے بے مثل صفت کے نمونے اس میں پائے جاتے ہیں۔ اس کی وسعت کا اندازہ صرف دیکھنے سے ہو سکتا ہے۔ یہ ۱۲۶ گز لمبی اور چھپن گز اونچی عمارت ہے۔ اس کی بارہ دری کے ۸ فیل پائے انیس انیس فیٹ اونچے ہیں اور بارہ دری کے کنگورے پر حضرت عیسیٰ کے بارہ حواریوں کے قد آدم بت ہیں۔ گنبد مائیکل انجینو کا شاہکار ہے۔ ۱۳۹ فٹ اس کی گولائی ہے۔ اندر سے سولہ حصوں میں منقسم ہے ہر حصہ میں موزیک سے تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ اس گنبد کے نیچے کھڑے رہ کر جدہر دیکھئے ادہر قیمتی سے قیمتی پتھروں سے بنے ہوئے مجسمے مقبرے محرابیں ہیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ ترین موزیک سے چھت اور دیوار مزین ہیں۔ سینٹ پیٹر کے اندر چھت دیوار و محراب میں جتنی تصویریں ہیں تقریباً سب موزیک کی ہیں یعنی پتھر کے اندر کھدی اور قیمتی پتھروں سے جڑی ہوئی۔ یہ اس نفاست اور کمال سے پتھروں کو جڑا ہے کہ پینٹنگ کا دھوکا ہوتا ہے۔

سینٹ پیٹر میں ایک دو نہیں ۹۵ منبر ہیں جن پر دن رات چراغ روشن رہتے ہیں " ہالی آلٹر" یعنی منبر اعظم کے اوپر ایک عالیشان تانبے کا بنا ہوا شامیانہ ہے۔ جس پر سنہری نقش و نگار ہیں۔ یہ منبر اس جگہ پر ہے جہاں پر پطرس کی قبر تھی اس اس شامیانہ کی محراب کے اندر پطرس کی کرسی ہے۔ دیواروں میں جگہ جگہ طاق سے بنے ہوئے ہیں جن کے اندر پوپس کی قبریں ہیں۔ یہ قبریں نہایت قیمتی پتھروں کی بنی ہوئی ہیں اور ان پر کے بنے ہوئے مجسمے بھی بت تراشی کے بہترین نمونے خیال کئے جاتے ہیں۔ پوپ پال سوئم اور پال چہارم کی قبروں کے مجسمے خاص طور سے ممتاز ہیں۔ ڈیلا پورٹا Dell Porta اور کینوا Canava جیسے مشہور مصوروں کے شاہکار ہیں۔ قبروں پر مجسموں کے علاوہ بھی اور مجسمے ہیں جو کہ حضرت عیسیٰ یا

ان کے حواریوں کی زندگی کے واقعات سے تعلق رکھتے ہیں ان میں سب سے مشہور مجسمہ مائیکل اینجیلو کا Pietà ہے۔ مضمون یہ ہے کہ بی بی مریم حضرت عیسیٰ کی لاش گود میں لئے بیٹھی ہیں اس میں زندہ اور مردہ جسم کے فرق کو حیرت انگیز طرح سے ادا کیا گیا ہے۔

سینٹ پیٹر کے اندر ایک اور مجسمہ ہے جو کہ اپنی قدامت کے لحاظ سے مشہور ہے یہ پطرس کا ایک برانز کا مجسمہ ہے۔ اس مجسمہ کا دایاں پاؤں عقیدت مند کتھولک کے بوسوں سے گھس گیا ہے۔

جہاں اب سینٹ پیٹر کا عظیم الشان گرجا ہے وہاں پر رومن شہنشاہ نیرو کا سرکس تھا۔ جہاں ہزاروں بے گناہ عیسائی قتل کئے جاتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اس مینار کے نیچے جو آج بھی سینٹ پیٹر کے صحن میں کھڑا ہے خود پطرس کو مصلوب کیا گیا تھا اور پاس ہی کے قبرستان میں جہاں دوسرے مقتول عیسائی دفن کئے جاتے تھے دفن کئے گئے تھے۔ پہلی صدی کے آخر میں اس قبر پر ایک چھوٹی سی یادگار بنائی گئی اور پھر کانسٹنٹائن روم کے پہلے عیسائی شہنشاہ نے سرکس کو ڈھا کر سینٹ پیٹر کے نام سے معنون کیا ہوا پہلا گرجا بنایا یہ گرجا گیارہ سو سال تک قائم رہا لیکن وسط پندرہویں صدی میں جبکہ یہ بہت شکستہ ہو چکا تھا پوپ نیکولس پنجم نے اس کو ڈھا کر اس شاندار وسیع عمارت کی بنیاد رکھی جو کہ آج سینٹ پیٹرز کے نام سے مشہور ہے۔

سینٹ پیٹرز کے علاوہ روم میں متعدد اور گرجے ہیں جو اپنی خوبصورتی اور قدامت کے لحاظ سے قابل دید ہیں جیسے Church of St. Mary maggiore جس کی سنہری چھت اور سنگ مرمر کے فیل پائے خاص طور سے قابل ذکر ہیں چوتھی صدی میں اس کی بنیاد رکھی گئی تھی اس وقت سے کئی دفعہ بنائی گئی ہے۔ اور اپنے اندر مختلف دور کے مختلف مصوروں کے صنعت کا نمونہ رکھتی ہے۔ "چرچ آف سینٹ جان آف لیٹرن" کو کانسٹنٹائن نے اس محل کے اندر تعمیر کرایا تھا۔ جسے اس نے پوپ کو رہائش کے لئے پیش کیا تھا اور جو کہ کئی سو سال تک ان کی جائے رہائش رہی۔ اس وجہ سے اس گرجا کو روم کے تمام گرجوں پر فوقیت حاصل ہے۔ اور یہ ان چار گرجوں میں سے جس کا ایک دروازہ صرف خاص موقعوں پر کھلتا ہے اور اس موقع پر اس کے ذریعہ سے داخلہ کو کیتھولک ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔ پوپ کے محل سے متصل گرجا ہونے کی وجہ سے اس زمانے کی تمام اہم مذہبی مجالس اس میں قائم ہوئیں۔

روم میں تو چھوٹے بڑے ملا کر سو دو سو گرجے ہیں ان سب کو دیکھنا ناممکن ہے اور نہ ان میں ہر ایک صنعتی اور تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ پر گرجوں کے علاوہ اور کئی چیزیں ہیں جو مذہب عیسوی کی تاریخ سے گہرا تعلق رکھتی ہیں اور اس لئے ان کا دیکھنا خالی از دلچسپی نہیں مثلاً وہ ۲۰ سیڑھیاں جن کے متعلق ان لوگوں کا اعتقاد ہے کہ یہ پونٹیس پائلیٹ Pontius Pilate کے محل کی وہ سیڑھیاں ہیں جن پر چڑھ کر حضرت عیسیٰ اس کے دربار میں فیصلہ موت سننے کو گئے تھے اس کو شہنشاہ کانسٹنٹائن کی ماں ہیلنا روم لائی تھی اور یہ پہلے پوپوں کی قدیم جائے رہائش کا حصہ تھی پر اب ایک الگ گرجا میں رکھی ہوئی ہے۔ ان سیڑھیوں پر گھٹنے کے بل چڑھ کے جانے سے کیتھولک عقیدے کے مطابق ثواب عظیم حاصل ہوتا ہے اور اتنے لوگ اس پر چڑھتے رہا کرتے ہیں کہ وہ لکڑی کے تختے جن سے کہ پتھر کی سیڑھیاں ڈھکی ہوئی ہیں متعدد بار بدلنے پڑے۔ ابتدائی تاریخ عیسائیت سے سب سے

گہرا تعلق رکھنے والی چیز روم میں کیٹا کومبس catacombs ہیں۔

ہم اپنے قیام کے آخری روز ان کو دیکھنے گئے کیونکہ یہ شہر سے کچھ باہر روم کے اس قدیم راستہ appian way پر ہیں جو کہ بذات خود ایک تاریخی چیز ہے کیونکہ اس راستے پر سے بار بار روم کے فاتح سپاہی آتے رہے۔ اس راستے سے حواری پطرس و پال بھی آئے ہوں گے۔ اور کہا جاتا ہے کہ جب روم میں عیسائیوں پر بہت سخت مظالم ہونے لگے تو پطرس نے ارادہ کیا کہ روم سے بھاگ جائیں اس ارادے سے اس راستے پر آنکلے اور چلے جا رہے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ حضرت عیسیٰ نمودار ہوئے اور کہا کہ "کدھر جاتے ہو" ان الفاظ کو سن کر پطرس واپس روم کو گئے اور وہاں شہادت پائی جس جگہ حضرت عیسیٰ کا نمودار ہونا بتلایا جاتا ہے وہاں ایک چھوٹا سا گرجا بنا ہوا ہے اس گرجے کو "چرچ آف کوا وادس" یعنی کہاں جاتے ہو، گرجا کہتے ہیں۔ چرچ آف کوا وادس سے ذرا ہی آگے سینٹ سیاٹن کا کیٹا کومبس ہے جو کہ تمام کیٹا کومبس سے بڑا اور تاریخی حیثیت سے سب سے زیادہ دلچسپ ہے۔

کیٹا کومبس catacombs ان زمین دوز گلیوں کو کہتے ہیں جن میں اوائل صدیوں کے عیسائی اپنے مردے دفن کرتے تھے اور جہاں پر وہ وقتاً فوقتاً عبادت کو جمع ہوتے تھے اور جب کہ قتل و سزا کا بازار زیادہ گرم ہوتا تھا تو یہی جگہ ان کے چھپنے کے بھی کام آتی تھی۔ روم میں بیسیوں catacombs تھے جن میں کے ہزاروں ہی لوگوں کی لاشیں دفن تھیں۔ جب خود عیسائی مذہب کا دور حکومت آگیا تو ہزاروں من ہڈیاں ان catacombs سے نکال کر قبرستانوں اور گرجوں میں دفن کی گئیں۔ اور دوسرے ملکوں میں بطور تبرک کے بھیجی گئیں۔ اب ان catacombs میں ایک لاش کا پتہ نہیں۔ البتہ طاق کے طور پر بنی ہوئی قبریں اب بھی موجود ہیں جن پر کہیں کوئی دعا کہیں مُردے کا نام لکھا ہوا ہے۔ catacombs میں کہیں کہیں کچھ نہایت ابتدائی قسم کے پینٹنگ کے نمونے بھی ملتے ہیں lacomb of St. Sibertin ایک گرجے کے نیچے ہے جو کہ سینٹ سیبائین کے نام پر معنون ہے۔ یہ سینٹ پہلے اس کیٹا کومب میں مدفون تھا اور اب اس گرجے میں اس کی قبر ہے۔ وہی تیر جو کہ اس کو مارے گئے تھے ایک آئینہ کے الماری میں رکھے ہوئے تھے ہم نے اس گرجے کے محافظ پادری سے کیٹا کومبس کے دیکھنے کی درخواست کی۔ اس نے ایک ایک موم بتی ہمارے ہاتھ میں دی اور ہمیں ساتھ لے کر چلا۔ ہم بیس پچیس سیڑھیاں گرجے کے نیچے اترے جس کے بعد ایک دروازہ کھول کر وہ ہمیں اندر لے گیا۔ یہاں اب بالکل اندھیرا تھا ہم نے اپنی موم بتیاں جلائیں اور اس کے پیچھے ہولیے۔ بالکل تنگ و تاریک تھیں۔ جن کے دو طرف طاق بنے ہوئے تھے ان طاقوں میں ایک ایک دو دو بلکہ تین لاشیں ایک ساتھ دفن کر دیتے تھے اور باہر سے پتھر اور لگا دیتے تھے۔ ہم نے نام پڑھنے کی کوشش کی لیکن ان میں اکثر اتنے مٹے ہوئے تھے کہ پڑھ نہ سکے۔ پر ایک نام بالکل صاف لکھا ہوا تھا۔ Flora اس کو پڑھ کر مجھکو یاد آگیا کہ جب میں کانونٹ میں پڑھتی تھی تو میں نے ایک قصہ پڑھا تھا کہ فلورا نامی ایک رومن لڑکی عیسائی ہو گئی تھی اور اس نے عیسائیت کی خاطر بہت تکلیفیں اُٹھائیں اور بالآخر قتل کی گئی۔ میں نے سوچا کہ

شاید یہ اسی لڑکی کی قبر ہو۔ پادری نے اس لڑکی کے متعلق جو باتیں بتائیں ان میں اور اس قصّہ میں اتنی مشابہت تھی کہ مجھے اور بھی یقین ہوگیا کہ یہ وہی فلورا ہے جس کے متعلق میں نے عرصہ ہوا قصّہ پڑھا تھا

کیٹاکومبس کی گلیاں بعض جگہ فراخ تھیں۔ ایک چھوٹے کمرے کے برابر یہ وہ جگہ تھی جہاں پر وہ عبادت یا ملنے کے لئے جمع ہوتے تھے۔ جن رومنز نے عیسائی مذہب قبول کیا وہ غلام تھے۔ ہزارہا قصّے ان غلاموں کے متعلق جو کہ اپنے مالکوں سے چھپ چھپ کر ان کیٹاکومبس میں آیا کرتے تھے۔ لکھے گئے ہیں۔ چونکہ کیٹاکومبس کو مُردے دفنانے کے لئے بھی کام میں لایا جاتا تھا اور ملنے اور عبادت کے لئے بھی اس لئے رومنز میں عجیب و غریب خیالات ان کے متعلق پیدا ہوگئے تھے مثلاً یہ لوگ اپنے مُردے کو کھاتے ہیں وغیرہ۔ یہ افواہیں اور مزید مظالم عیسائیوں پر ٹوٹنے کا باعث تھیں۔ غرض کیٹاکومبس نے عیسائیوں کی زندگی کے ابتدائی دور میں بہت نمایاں حصّہ لیا ہے۔ اور بعد میں مصنفوں کی تخیل نے اس کو اکثر اپنے قصوں کا موضوع بنایا ہے۔

تقریباً پون گھنٹے تک ہم کیٹاکومبس میں گھومتے رہے باہر نکلے تو چند منٹوں تک کچھ دیکھا نہ تھا۔ سینٹ سبائن کے گرجا کو پہلے ہی دیکھ چکے تھے اس لئے واپس روانہ ہوئے۔ راستے میں جگہ جگہ کھنڈر نظر آتے تھے۔ کیونکہ یہ شہر تو دلی کی طرح ہے ع

چپہ چپہ ہیں ہیں یاں گوہر یکتا تہ خاک          دفن ہوگا کہیں اتنا نہ خزانہ ہرگز

پھر اسی دوپہر کو ہمیں نیپلس جانا تھا اس لئے اتنا وقت نہ تھا کہ ٹھہر کر ان کو بھی دیکھتے۔

۲ بجے کی گاڑی سے نیپلس روانہ ہوئے۔ اور چار بجے تک پہنچ گئے۔ نیپلس سمندر کے کنارے واقع ہونے کی وجہ سے جنوبی فرانس کے شہروں کی طرح مشہور "ہالیڈے ریزورٹ" یعنی تعطیلات منانے کی جگہ ہے۔ اس میں ایک بڑا میوزیم بھی ہے لیکن جو بات سیاح کو نیپلس لاتی ہے وہ یہ ہے کہ یہاں سے چند گھنٹوں کے راستے پر دیووس کا آتش فشاں پہاڑ اور پوم پیائی کا تباہ شدہ شہر ہے۔ ہم دوسرے روز صبح ہی دیووس دیکھنے کو روانہ ہوئے کچھ تھوڑی دور تک بس سے گئے اس کے بعد Funicula ریلوے سے وسویس پر چڑھائی شروع ہوئی۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک کی چڑھائی کے بعد ہم سب ویووس پہنچے پھر آتش فشاں چوٹی ہنوز کچھ دور تھی۔ یہاں سے دس منٹ تک چلنے کے بعد چوٹی صاف نظر آنے لگی۔ دھواں اور چنگاریاں برابر نکل رہی تھیں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد بہت سی آواز ہوتی اور دھواں اور بھی زیادہ سیاہ اور شعلے اور بھی زیادہ سرخ نکلنے لگتے۔ ہم آتش فشاں پہاڑ کے دہانہ سے تقریباً آدھ میل ہوں گے لیکن ہم اور بھی قریب سے اس حیرت انگیز قدرت کے کرشمہ کو دیکھنا چاہتے تھے۔ اس لئے ہم اور بھی آگے بڑھتے گئے یہاں تک کہ ہم بالکل اُس چوٹی کے نیچے تھے۔ یہاں پر گندھک کی بہت تیز بو آ رہی تھی اور جن پتھروں پر ہم کھڑے تھے ان کے نیچے سے بھی بھاپ نکل رہی تھی۔ دہانے سے پگلا ہوا سیسہ Lava نکل رہا تھا۔ بو اتنی سخت تھی کہ چند منٹ کے بعد ہم کو واپس جانا پڑا لیکن کنارے پر کھڑے دیر تک اس کرشمۂ الٰہی کو دیکھتے رہے ہر دفعہ جب بہت سے آواز ہوتی تو میرا کلیجہ دہل جاتا۔ میں سوچتی تھی کہ اس پہاڑ کے اندر تباہی اور بربادی کی کتنی زبردست طاقت پنہاں ہے۔ یہ کتنی دفعہ شہروں کو برباد و تاراج کر چکی ہے۔ اور اب بھی ایک آن کے آن میں سارا نیپلس بھسم ہو سکتا ہے۔

نیلے بادلوں سے خالی آسمان پر دھویں کا آتش فشاں دہانہ جس سے سرخ چنگاریاں اور سیاہ دھویں نکل رہے تھے ایک کبھی نہ بھولنے والا منظر ہے۔ میرا دل چاہتا تھا کہ اس کو گھنٹوں دیکھتی رہوں۔ پر تقریباً ایک بجے ہم Funicular کے ذریعہ واپس ہوئے۔ کھانا وسوئیس کے دامن میں ایک چھوٹے سے رسٹورنٹ میں کھایا اور پھر موٹر سے پومپی آئی کے دیکھنے کو روانہ ہوگئے۔

پومپیائی کا شہر اٹلی کے آباد اور مشہور ترین شہروں میں تھا۔ یہ رومن امرا کے "ہالی ڈے ریسورٹ" تھا اور یہاں پر ان کے خوبصورت "ولاز" small Villa یعنی چھوٹے چھوٹے مکانات (ڈاک بنگلہ سمجھ لیجئے) تھے۔ ایک رات کو وسوئیس کی آتش فشانی نے اس کو مسمار کر دیا۔ چند گھنٹوں کے عرصہ میں سارا شہر اور سارے لوگ جل کر خاکستر ہوگئے۔ وسوئیس کے دہانے سے لاکھوں من راکھ ابلی اور جس کے نیچے پومپیائی کا شہر دفن ہوکر دنیا کی نظروں سے نہاں ہوگیا۔ جو جس حالت میں جہاں پر تھا ویسے کا ویسا رہ گیا۔ دو ہزار سال اس واقعہ کو ہوئے ہوں گے۔ اور تب سے ایک مدت دراز تک پومپیائی کا شہر اسی حالت میں پڑا رہا جس حالت میں وسوئیس کی آتش فشانی نے اُسے چھوڑا تھا۔ انیسویں صدی میں اس کو کھود کر نکالنے کا کام شروع ہوا اور اب پورا شہر کھد کر نکل چکا ہے۔

اس تباہ شدہ شہر کے کھنڈروں میں پھرتے ہوئے دل پر عجیب اثر ہوتا ہے۔ چونکہ راکھ سے دب گئے تھے اس لئے انسانی جسم گلنے نہ پائے اور ویسے کے ویسے نکلے اور پھر زیادہ تر میوزیم میں بھیج دئے گئے ہیں۔ لیکن چند بطور نمونہ پمپائی ہی میں ہی ایک ہال میں رکھے ہوئے ہیں۔ ان کو دیکھ کر عبرت ہوتی ہے۔ ایک لاش دیکھی جس کا ہاتھ سر پر رکھا ہوا تھا۔ جیسے کہ کسی گرتی ہوئی چیز سے خود کو بچانے کی کوشش کر رہا ہو۔ روٹی کے ٹکڑے، سوکھے ہوئے پھل کھانے کے برتن جوں کے توں نکلے اور اس ہال میں رکھے ہوئے ہیں۔ سکے۔ زیورات۔ لکڑیوں کے صندوقچے سنگھار کے سامان بھی بہت کثرت سے پائے گئے اور پمپائی والوں کی تہذیب کے معیار کا پتہ دیتے ہیں۔ مکانات کی وضع اور بعض دیواروں کے موزیک mosaic کے کام سے بھی ان کے تمدن کا اندازہ ہوتا ہے۔ پوم پیائی کے کھنڈرات کی محرابیں دیواروں پر منقش کام سب اس شہر کے بسنے والوں کی دولت اور حسن مذاق کا پتہ دیتے ہیں پوم پیائی کا حمام بہت وسیع تھا اور کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ امیروں اور نوابوں کی بہت پسندیدہ جگہ تھی وہ یہاں نہ صرف نہانے اور جسم کی مالش کرانے آتے تھے بلکہ آپس میں ملنے اور باتیں کرنے کے لئے بھی لارڈ لٹن نے پوم پیائی کے آخری ایام میں تمام امرا، ورؤسا وعلما حمام میں آتے جاتے اور سیاست وفلسفے کی بحث کرتے ہوئے دکھائے ہیں۔ ہم نے وہ مکان بھی دیکھا جو قیاس بتاتا ہے کہ اس بوڑھے عالم کا تھا جس کا قصہ لارڈ لٹن نے لکھا ہے۔ مکانات کے سامنے ویسے ہی چھوٹے چھوٹے جھٹکے آنگن تھے جس میں کہ ملنے والے انتظار کرتے تھے تاوقتیکہ مالک مکان انہیں اندر بلائے جن کا ذکر بھی لٹن نے اپنے ناول میں کیا ہے۔

شام تک ہم نے پومپیائی کی سیر کی اور پانچ ساڑھے پانچ تک واپس نیپلس آئے۔

دوسری صبح کو ہم سٹیمر سے Capri کے جزیرے کی سیر کو گئے۔ یہ بہت ہی چھوٹا سا پہاڑی جزیرہ ہے۔ اس کی

آب وہوا بہت اچھی سمجھی جاتی ہے اور اکثر امراء کے یہاں ولاز اور مکانات ہیں capri کو جاتے ہوئے Blue grotto
بلو گرا اٹو" یعنی "نیلا کوہ" ملتا ہے۔ یہ بڑی قابل دید چیز ہے۔ اسٹیمر سے چھوٹی چھوٹی کشتی میں بیٹھ کر لوگ اس کے اندر جاتے ہیں۔
اور ایک وقت میں دو تین سے زیادہ کشتیاں اندر نہیں جاسکتیں اور جس وقت کہ کوہ کے اندر داخل ہوں اس وقت کشتی میں لیٹ جانا پڑتا
ہے کیونکہ بہت ہی نیچا کوہ ہے۔ اندر داخل ہوئے تو ایسا معلوم ہوا کہ پرستان میں ہیں انسانی دنیا میں نہیں۔ ہر چیز نیلی پہاڑ جیسے
نیلم کا ٹکڑا۔ پانی نیلا۔ روشنی جو چھن چھن کر آتی ہوتی ہے نیلے پانی پر نقرئی فرش معلوم ہوتی ہے۔ ایسا سماں میں نے
کہیں نہیں دیکھا۔ تصویر بھیجتی ہوں شاید اس سے کچھ اندازہ ہو۔ میں تو اس کی خوبصورتی کو بیان کرنے سے قاصر ہوں۔

دس منٹ ہم وہاں رہے پھر ریسٹورنٹ پہنچے۔ اس کے باغ میں سنترون کے درخت سنتروں سے لدے ہوئے
ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے زمردی پتوں میں سنہری گیندیں چھپی ہوئی ہوں۔ کھانا کھایا اور تمام دوپہر کیپری کی سیر کرتے
رہے۔ یہاں کے بازار ویسے ہی تھے جیسے اپنے ہندوستان میں دارجیلنگ شملہ کے لوگ بھی اسی وضع کے نقلی مصنوعی
پتھر کے زیور خریدنے پر مصر ہوتے تھے اور انکار کرنے پر قیمت آدھی بلکہ اس سے بھی کم کر دیتے تھے۔ اکثر ہندوستانیوں
کو میں نے کہتے سنا ہے کہ یورپین دکانوں کا کتنا اچھا قاعدہ ہے کہ ہر چیز کی قیمت مقرر ہے۔ مقرر قیمت ایک نئی بات ہے اور
صرف یورپ کے بڑے بڑے شہروں میں پائی جاتی ہے۔ لیکن گاؤں میں اب بھی وہی دام ٹھیرانے کا دستور ہے۔ ہم چونکہ
اپنے ملک کی ہر بات کو خراب سمجھنے کے عادی ہوگئے ہیں اس لئے چیزوں کے دام ٹھیرانے کا طریقہ بھی ہمیں برا معلوم ہوتا ہے۔
ہم موٹر لے کر کیپری کے پہاڑی حصے پر بھی گئے اس علاقے میں ان لوگوں کے ولاز تھے جو سیر یا صحت کے لئے کیپری میں
رہا کرتے ہیں ولاز بڑے خوبصورت گڑیوں کے گھر جیسے بڑے اچھے معلوم ہوتے تھے۔ پانچ بجے روانہ ہو کر ساڑھے سات
بجے شام تک نیپلس واپس آئے۔

دوسرے روز صبح کو ناشتہ کے بعد فلورنس کو روانہ ہوئے اور تین بجے دوپہر کو فلورنس پہنچے۔ روم کے بعد فلورنس
اٹلی کا سب سے دلچسپ شہر ہے۔ کیونکہ اس کو رینائسنس کا منبع سمجھا جاتا ہے اس کی خاک نے دنیا کے چند مشہور ہستیوں کو جنم
دیا ہے۔ ڈانٹے۔ پٹرارک۔ بوکیچو۔ گلیلو۔ سیونارولا سب یہیں پیدا ہوئے اور یہیں مدفون ہیں۔ یہ شہر تین سو سال تک علم و
فن کا مرکز اور منبع رہا اور آج بھی اس کے در و دیوار سے اس کے آثار نمایاں ہیں۔ مائیکل انجیلو کے مجسمے اور ریفیل کی
پینٹنگ جی لیرٹی کے صنعت کے نمونے ہر محل اور ہر گرجے اور ہر چوک میں موجود ہیں۔

فلورنس کا سب سے بڑا گرجا "سینٹ ماری ڈیل فیور" کی امتیازی خصوصیت ہے کہ باہر سے بھی اتنا منقوش ہے
جتنا اندر سے۔ اس کی دیوار پر وضع وضع کے گل بوٹے سے مرصع ہیں۔ اس کے ساتھ کے گرجا کا وہ حصہ جو کہ بچوں کے Baptise
یعنی عیسائیت میں داخل ہونے کی رسم کے لئے مخصوص تھا وہ اور مینار جس کے اوپر گرجا کی گھنٹیاں ہیں۔ یہ دو عمارت بھی خاص
طور سے قابل دید ہیں۔ دروازے bronze کے بنے ہوئے بہت ہی عالیشان اور منقش ہیں۔ یہ مشہور آرٹسٹ لورینزو

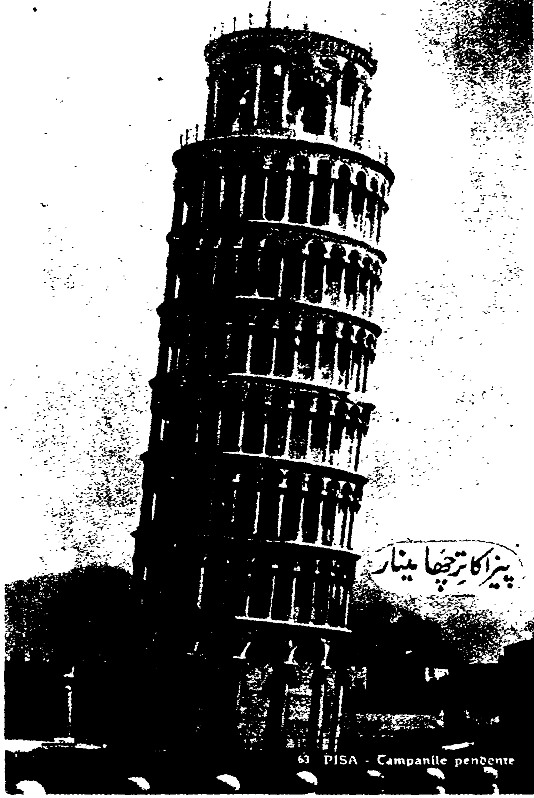

نیلا گراٹو (اٹلی)




شیر کے بچے


ننھا کپتان
مسلم لیگ کانفرنس


"گھسیارہ"


پیزا کا ترچھا مینار
63 PISA - Campanile pendente

کے بنائے ہوئے ہیں۔ ستائیس سال اس کے بنانے میں لگے۔ ان میں ایک دروازے پر ۱۰ ابھری ہوئی تصویریں بائیبل کے مختلف واقعات کی ہیں۔ اور دوسرے دروازے پر اٹھائیس تصویریں حضرت عیسیٰؑ اور ان کے حواریوں کے زندگی کے واقعات کی ہیں۔ ہر تصویر اس نفاست اور کمال سے بنائی گئی ہے کہ اس نے ہر دور میں مصوروں سے فراج تحسین حاصل کیا ہے۔

گرجے سے ملحق Campanile قابل دید اور اپنی خوبصورتی میں لاجواب ہے۔ یہ تقریباً پچاس برس میں بن کر تیار ہوا۔ اس کی اونچائی ۲۷۶ فٹ ہے اور یہ رنگا رنگ کے پتھروں اور تصویروں سے مرصع ہے۔ پیدائش سے لیکر چودھویں صدی عیسوی تک کی انسانی تاریخ کی تصویر اس میں کھدی ہوئی ہے۔ جو کہ مصور کے خیالات کی بلندی اور کمال کا پتہ دیتے ہیں۔ اس گرجے کے اندر بھی چند بہت مشہور مجسمے اور Mosaics یعنی دیوار پر مسلسل بنے ہوئے مجسمے ہیں۔ اس گرجا میں سیون رولا وعظ کہتا تھا اور کہتے ہیں اس کے وسیع صحن میں تل دھرنے کو جگہ نہ ہوتی تھی۔ لوگ آدھی آدھی رات سے آ آکر بیٹھ جاتے تھے۔ پر اس سے زیادہ دلچسپ سینٹا کراس کا گرجا ہے کیونکہ اس میں فلورنس کے مایہ ناز و مشہور زمانہ فرزندوں کی قبریں ہیں۔ گلیلو مائیکل انجیلو۔ ملکیاولی سب کی قبریں اسی میں ہیں۔ ان سب پر مشہور مصوروں اور بت گروں کے بنے ہوئے مجسمے ہیں جو بذات خود آرٹ کا اعلیٰ نمونہ سمجھے جاتے ہیں۔ مائیکل انجیلو کی قبر پر مصوری، معماری، اور بت سازی کے مجسمے اشکباری کرتے ہوئے بنائے گئے۔ ڈانٹے کی قبر یہاں نہیں ہے کیونکہ وہ جلاوطنی کے زمانے میں مرا اور فلورنس والوں نے بہت مانگی پر جس شہر میں اس کا انتقال ہوا تھا۔ اس شہر کے لوگوں نے اس کی لاش دینے سے انکار کیا۔ پر اس کی یادگار میں قبر یہاں بنی ہوئی ہے۔

اس گرجے کے فریکو اور تصویریں بھی قابل دید ہیں۔ اس گرجے کے قریب ہی ایک چھوٹی سی دکان ہے جہاں پر آج بھی فلورنس میں پچیکاری اور بت سازی کا کام ہوتا ہے ہم نے اس کی سیر کی اور لوگوں کو پھول پتیاں کاٹتے اور کاڑھتے دیکھا۔ ایک چھوٹا سا پھول بھی کتنی دیدہ ریزی اور محنت سے بنتا ہے۔ کیسے کمال کے ہوں گے وہ لوگ جنہوں نے اتنی بڑی بڑی عمارتیں منقوش کھڑی کردی تھیں۔ فلورنس کی فیکٹری میں اس قسم کی چیزیں بن رہی تھیں جیسے کہ آگرے میں۔ پتھر کی چیزوں کی دوکان کے علاوہ ہم نے ایک اور دکان بھی دیکھی جہاں کہ چمڑے پر نقاشی ہوتی ہے جس کے لئے بھی فلورنس خاص طور پر مشہور ہے۔

فلورنس سے روانہ ہونے کے دن ہم اس خانقاہ کو دیکھنے گئے جہاں پر لیون رولا رہا کرتا تھا۔ اس کا کمرہ دیکھا جہاں پر اس کی تسبیح اور کپڑے تک رکھے ہوئے ہیں۔ اس کی آخری تصویر اس کی بائبل اس کی عبادت کی میز۔ سب چیزیں اس چھوٹے سے کمرے میں تھیں جہاں کہ وہ رہا کرتا تھا۔

سیون رولا ایک منک یعنی گوشہ نشین پادری تھا اس کو پوپ اور چرچ کی بے عنوانیوں اور امیروں کی عیاشیوں کے خلاف تقریریں کرنے کے جرم میں پھانسی دی اور جلایا گیا۔

ہاں میں میڈیچی کے مقبرے کا ذکر کرنا تو بھول ہی گئی جہاں پر مائیکل انجیلو کا مشہور شاہ کار دن و رات اور صبح و شام ہیں

چے پل یعنی چھوٹا سا گرجا میڈیچی خاندان کے مقبروں کے لئے وقف تھا۔ اس میں ان کے تمام گرینڈ ڈیوک اور ان کے خاندان کے دوسرے افراد کی قبریں ہیں۔ وہ کمرے جس میں کہ ان کی قبریں ہیں ہشت پہل ہے اور نہایت عالیشان۔ اس کی دیواریں نہایت ہی قیمتی پتھروں سے مرصع ہیں۔ اور اس کی چھت پر پینٹنگس ہیں۔ چھ مقبرے اس کمرے ہیں۔ رنگا رنگ کے پتھروں سے جڑے ہوئے ان مقبروں کے اوپر مجسمے ہیں اور مجسمے کے نیچے قیمتی پتھر کے ٹکڑے پر ان کے نام کندہ ہیں جن کی کہ یہ قبریں ہیں۔

مائیکل انجیلو کے مجسمے اس کمرہ میں نہیں ایک اور میں ہیں جو کہ اس نے خود تعمیر کیا تھا۔ اپنے مجسموں کے لئے یہاں پر دو قبریں اس کی بنائی ہوئی موجود ہیں۔ میتری یعنی لورینز دمیڈیچی جس کی قبر کے لئے درحقیقت یہ ساری تیاریاں ہوئی تھیں اس کی قبر نہ بننے پائی۔ یہ دو قبریں میڈیچی خاندان کے دو اور ڈیوک کی ہیں۔ ہر دو قبر پر ان مردہ ڈیوک کے مجسمے ہیں جو کہ چہروں سے جذبات کے صحیح اظہار کے لحاظ سے بے نظیر سمجھے جاتے ہیں۔ ہر دو قبروں پر دو مجسمے ہیں جن میں ایک دن اور رات اور ایک صبح وشام کہلاتی ہیں یہ مجسمے مائیکل انجیلو کے آرٹ کی کمال تک پہنچ چکنے کے نمونے ہیں۔ ان میں انسانی جسم کی ساخت پتھر میں اس کمال سے کی گئی ہے کہ مائیکل انجیلو کے بعد پھر کوئی اس درجہ تک نہ پہنچ سکا۔ ان میں "صبح" اور "رات" عورت کی شکل میں ہیں اور انہیں مائیکل انجیلو ختم کر سکا۔ "شام" اور "دن" مرد کی شکل میں ہیں اور نا تمام ہیں۔ ان مجسموں کے معنی یہ سمجھے جاتے ہیں کہ رات سے مراد آرام اور خموشی اور دن سے کام اور محنت۔ پر ان سے ہزاروں ہی معنی لئے گئے ہیں اور اب بھی لئے جاتے ہیں۔ ہیں تو پتھر کے پر ان کے چہروں سے کچھ ایسے جذبات نے پر درد اور ان کی صورت سے کچھ ایسی ہیجان دلی کا اظہار ہوتا ہے کہ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ صبح کا چہرہ اتنا غمگین اس لئے ہے کہ اس کی غفلت کے ایام ختم ہوئے اور اس کو دنیا کی تلخیوں سے دو چار ہونے کا وقت آ گیا۔ اور رات کی پُرحسرت ادا سے یہ معنی نکالے جاتے ہیں کہ دن بھر کی کشمکش سے چور ہو کر سر زانو پر ڈالے نیند کی غفلت میں دنیا کے غموں سے پناہ لے رہی ہے۔

فلورنس کے سڑکوں میں بھی مائیکل انجیلو کے اور دوسرے مشہور آرٹسٹ کے مشہور مجسمے ہیں جیسے کہ مائیکل انجیلو کا "ڈیویڈ" ملینی کا "پرسیس" گیا مبلونا کا "ریپ آف دی سیبائینس" وغیرہ۔ اس کے مختلف مجسمے۔ گرجوں کے قبے و مینار۔ آرنو کا دریا اس کے بیچ میں بہتا ہوا۔ فلورنس واقعی یورپ کے شہروں میں خوبصورت ترین شہر کہلائے جانے کا مستحق ہے اس کے دریا پر کے پل عجیب ہوتے ہیں۔ ان کے اندر دکانیں اور مکانات ہوتے ہیں۔ ہم نے وہ مشہور پل بھی دیکھا جہاں پر ڈینٹے بیٹرس سے ملا کرتا تھا۔ ڈینٹے اور گلیلو کے مکانات بھی دیکھے اور تیسرے روز شام کو وہاں سے پیزا روانہ ہوئے۔ پیزا اپنے کج مینار یعنی Leaning Tower کی وجہ سے مشہور ہے۔ یہ مینار تعمیر کے دوران ہی میں ایک طرف کو جھکا ہوا نظر آنے لگا تھا معماروں نے اسی وقت یہ نقص دیکھ لیا لیکن بجائے اس کے کہ اس کو دور کرتے انہوں نے اس طرح سے اس کی ساخت کی کہ باوجود کج ہونے کے نہ گرے اور یہی اس کی امتیازی خصوصیت بن گئی۔ ورنہ یہ کچھ اتنا زیادہ اونچا نہیں ہے۔ اپنے قطب مینار سے بہت نیچا ہے۔ میں اب تک قطب کی چوٹی تک نہیں جا سکی پر پیزا Leaning Tower کے آخری منزل تک بہ آسانی چلی گئی۔ چونکہ یہ ایک طرف کو جھکا ہوا ہے

اس لئے اس حصّہ پر کھڑے ہونے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب زمین پر جا پڑیں گے۔ یہ مینار جس گرجے کا حصہ تھا وہ اب بھی موجود ہے۔ اور مجسمے اور پینٹنگ اس میں بھی کافی تعداد میں موجود ہیں۔ پر ہم اب اتنے زیادہ پینٹنگ اور مجسمے دیکھ چکے تھے کہ ان کی طرف زیادہ توجہ نہ کی بس Leaning Tower دیکھا اور وہ مکان جس میں Byron کچھ عرصہ تک رہا تھا۔ روم میں بھی شیلی اور کیسٹ اور براوننگ کے مکان کو دیکھا۔ اٹلی ہمیشہ سے انگریز شاعروں کو بہت محبوب رہا ہے۔

دوسرے روز ہم پیزا سے روانہ ہوئے اور نیلس ہوتے ہوئے لندن واپس آ گئے۔ اور اٹلی کی سیر ایک خوشگوار خواب ہو گئی۔

اٹلی کے عجائب خانے اس کی عمارتوں سے کم قابل دید نہیں ان کے متعلق بشرط فرصت آئندہ لکھوں گی۔

# کلی سے

(۱) دختر دوشیزۂ نخل مثمرہ کی سن ذرا!
کس قدر شاخِ شجر سے جلد گر جاتی ہے تو
یوں چلا جانا تھا تو پھر کس لئے آتی ہے تو
اِک ذرا رک کر چمن میں جلوۂ رنگیں دکھا
کچھ تبسّم زیرِ لب، کچھ خندۂ دنداں نما
یا کہ آنے ہی میں جانے کا ستم ڈھاتی ہے تو؟

(۲) تو اگر رکتی یہاں کچھ دیر تو اتنا تو تھا
اک گھڑی بھر کی مسرت، ایک ساعت کی مہک
باغ میں ہو جاتی تیرے دم سے ایک لحظہ چمک
حسرت اتنی ہے مگر قدرت نے تجکو کس لئے
باغ میں بھیجا گھڑی بھر کی جھلک کے واسطے
پھر ہمیشہ کے لئے غائب ہوئی وہ اک جھلک

(۳) ہے مگر ان بستہ ورقوں ہی میں تیرے کچھ لکھا
جس کے پڑھنے کے لئے درکار ہے چشمِ بصیر
ہے بہت سی حسینوں کا انجام یونہی ناگزیر
گو نہ ہوں وہ حسن و رعنائی میں کلیوں کی مثال
پھر بھی دنیا کو دکھا کر اِک ذرا اُن کا جمال
قبر کی ظلمت میں کر دی جاتی ہیں فوراً اسیر

(ترجمہ از انگریزی)　　محمد ابو الحسن صدیقی نصیر ایم اے ایل ایل بی (علیگ)

# کیا عورتیں ناقص العقل ہیں؟

اکثر کہا جاتا ہے کہ عورتیں ناقص العقل ہیں۔ ذرا کسی عورت سے کوئی کام بگڑ جائے یا منہ سے غلط بات نکلے تو جھٹ اپنی فضیلت ثابت کرنے کے لئے مرد فرمائیں گے "عورتوں کی ذات کم عقل ہے۔ عورتوں میں عقل کہاں عورت ہی نے آدمؑ کو جنت سے نکالا"۔ اگر وہ بچاری اپنی صفائی میں کچھ کہے تو یہ کہہ کر اُس کو خاموش کر دیتے ہیں: "مکر نہ کرو۔ عورتوں کا مکر قرآن شریف میں آیا ہے۔ عورت شیطان کی ساتھی ہے۔ عورت ہمیشہ مرد کو ورغلاتی ہے اور نقصان پہنچاتی ہے۔ عورت کے فتنے سے اللہ بچائے۔ زن زر زمین سے ہمیشہ شر اور فساد ہوا ہے"۔ باوجود اس کے کہ مرد دنیا بھر کے جھوٹ بولتے۔ دھوکے اور فریب سے حکومتوں کا تختہ اُلٹتے اور ایک معمولی غرض کے واسطے ہزاروں بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیتے ہیں۔ اگر تمام دنیا کی نعمتیں ان کو حاصل ہوں پھر بھی ان کی حریص نگاہیں دوسروں کے مال پر جمی رہے گی۔ مخلوق خدا کو تکلیف اور آزار دینے میں ان کو خوشی حاصل ہوگی۔ عورتوں پر طرح طرح کے ظلم کرتے ہیں اور رحمدلی اور ترس تو گویا جانتے ہی نہیں۔ غرور اور تکبر کے نشہ میں ایسے مدہوش کہ ہر وقت لڑائی جھگڑے شر اور فساد کے لئے تیار رہتے ہیں۔ عورتوں کو معمولی معمولی بات پر قصور وار ٹھیراتے اور اپنے لئے ہر عیب ہنر ہر گناہ ثواب اور ہر ایک بدی نیکی سمجھتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں یہ عورتیں ناقص العقل ہیں۔ عورت نے آدمؑ کو جنت سے نکالا!!

آدمؑ کو عورت یعنی حضرت حوّاؑ نے جنت سے نہیں نکلوایا بلکہ شیطان نے ورغلایا تھا۔ قرآن پاک میں بار بار یہ آیا ہے۔ کہ ہم نے آدمؑ سے فرمایا تو اور تیری بیوی دونوں جنت میں رہو۔ جہاں خوشی ہو وہاں جاؤ۔ جو جی چاہے وہ کھاؤ۔ مگر خبردار فلاں درخت کے نزدیک مت جاؤ۔ یعنی نافرمانی مت کرو نہیں تو ظالم ٹھیروگے۔ کچھ مدت تو انھوں نے ہنسی خوشی عیش و عشرت کی زندگی بسر کی مگر پھر شیطان سے ان کو ورغلانا شروع کیا اور یہ کہا کہ اللہ تعالےٰ نے تم کو اس لئے اس درخت سے منع کیا ہے تاکہ تم وہ پھل کھا کر ہمیشہ کی زندگی نہ پاؤ اور بادشاہت تم کو نہ ملے اور تم ملائکہ نہ بن جاؤ۔ عرصہ زیادہ گزر گیا۔ ان کو خدا تعالیٰ کا وہ حکم یاد نہ رہا اور نافرمانی سرزد ہو گئی۔ تو اس میں عورت کیسے گناہگار ٹھیری اور مرد کیونکر بے گناہ ثابت ہوا۔ خدا نے تو دونوں کو فرمایا کہ میری جنت میں رہو۔ ایک ہی طرح دونوں کو حکم ملا کہ نافرمانی مت کرو اور میرا حکم یاد رکھو۔ پھر دونوں وہ حکم بھول گئے ایک ایک ہی طرح دونوں سے نافرمانی ہو گئی ایک ہی طرح جنت سے نکالے گئے ایک ہی طرح گناہ گار ٹھیرے اور پھر ایک ہی طرح بخشے گئے۔ قرآن مجید ہمیں بتا رہا ہے کہ آدمؑ کو شیطان نے شک اور شک میں ڈالا۔ البتہ یہ بات توراۃ میں ہے لیکن توراۃ بھی اب وہ کتاب نہیں رہی جو کہ پہلے نازل ہوئی تھی اور نہ وہ ہماری دینی کتاب ہے۔ دین کا دارومدار قرآن مجید پر ہے اور قرآن مجید سے کسی طرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حوّا نے آدمؑ کو بہکایا اور یہ جو عام طور پر کہا جاتا ہے کہ آدمؑ کو حوّا نے بہکایا فرض کرلو یہ صحیح ہے تو وہ تو بقول مردوں کے ناقص العقل تھیں لیکن حضرت آدمؑ تو مرد یعنی کامل العقل تھے۔ انھوں نے کیوں خدا کا حکم بھلا دیا۔ چاہئے تھا کہ عورت کو بھی سمجھاتے

اور اپنے آپ کو بھی نافرمانی سے بچاتے۔ کیونکہ عورت کم عقل تھی ناسمجھ تھی بے علم اور ناتجربہ کار تھی تعجب مرد پر آتا ہے کہ باوجود اس قدر عقل فکر علم اور تجربے کے عورت کے کہنے میں آگیا اور خدا کا حکم بھلا دیا۔ اور جس وقت آدم کو حکم ملا کہ تم دونو میری جنت سے نکل جاؤ اور انہوں نے بھی اپنی کمزوری محسوس کی تو کیوں نہ آدم نے عرض کیا کہ اے خداوندا جو کچھ ہوا اس عورت کے ہاتھوں ہوا یہی سزا کی مستحق ہے نہیں بلکہ کہا جاتا ہے کہ جس وقت دونو نکالے گئے تو ایک جدہ میں اُترا اور دوسرا لنکا میں وہ ایک دوسرے کی جدائی میں بہت رویا کرتے تھے۔ اور خدا سے معافی مانگتے تھے آخر خدا نے اُن کو معاف کیا اور عدن میں ملا دیا تو اُس وقت بھی آدم نے عورت سے یہ نہیں کہا کہ اے ناقص العقل عورت تیرے ہی کارن میں جنت جیسے مقام سے نکلا اور اس مصیبت میں گرفتار ہوا بلکہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور سجدۂ شکر بجا لائے۔

اچھا یہ بھی جانے دیجئے۔ عورت نے مرد کو جنت سے نکلوا دیا لیکن لڑنا جھگڑنا کس نے سکھا دیا جبکہ آدم کے دو بیٹے جھگڑنے لگے تو ایک نے دوسرے کو بے گناہ قتل کیا اور قتل کس بات پہ کیا کہ ایک کی قربانی قبول ہوئی اور دوسرے کی نہ ہوئی تو صرف اسی بات پہ کہ تیری قربانی کیوں قبول ہوئی اور میری کیوں نہ ہوئی۔ اپنے سگے بھائی کو قتل کیا۔ یہ ہے مردوں کا حال۔

پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عورت مرد کی پسلی سے بنی ہے اب ذرا غور فرمائیے جبکہ عورت مرد کی پسلی سے بنی۔ تو ناقص العقل ہوئی یا عاقل؟ آپ ہی کے جسم کا ایک حصّہ ہوئی۔ اور جب جسم کے ایک حصّے کا یہ حال ہے کہ عقل کے پیچھے لٹھ لئے پھرتی ہے تو تمام جسم تو شاید عقل کے پیچھے بندوق اُٹھائے اُٹھائے پھرتا ہوگا۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ عورتوں کا مکر قرآن مجید میں آیا ہے تو بے شک عورتوں کے مکر کا بیان ایک جگہ آیا ہے اور وہ بھی عزیز مصر نے کہا تھا اور اس نے بھی اپنی بیوی اور اس کی ہم نشینوں کو کہا۔ نہ کہ تمام دنیا کی عورتوں کو کہا اور نہ اُس کے کہنے سے اس وقت سے قیامت تک کی عورتیں مکار ہو سکتی ہیں۔ اور پھر مردوں کے مکر کے بارے میں تو بہت کچھ آیا ہے مثلاً فرعون۔ ہامان۔ سامری قارون۔ شداد۔ نمرود۔ ابوجہل۔ ابولہب یہ سب مرد تھے۔ اور ان کے مکر اور فریب کا بیان نہایت صفائی کے ساتھ قرآن پاک میں موجود ہے۔ نت نئے طریقوں سے پیغمبروں کو ورغلاتے تکلیف دیتے اور نقصان پہنچاتے۔ بلکہ قتل تک کے منصوبے کرتے تھے اگر قرآن میں عورتوں کے مکر کے متعلق کچھ آیا ہے تو تعریف و توصیف میں بھی کئی ایک آیات نازل ہوئی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ عورت ہی تھیں جن کو الہام ہوتا تھا حضرت مریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ عورت تھیں جن کی پاکدامنی کی قرآن شہادت دیتا ہے۔ حضرت آسیہ فرعون کی بیوی عورت تھیں کہ فرعون جیسے کافر کے گھر میں ایمان پر قائم تھیں بلقیس ملکہ سبا عورت تھی جن کی عقل اور دانائی کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ حضرت خدیجہؓ عورت تھیں جو سب سے پہلے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور بے کسی اور بے بسی کی حالت میں رسول کریمؐ اور اسلام کی مدد کی۔ حضرت عائشہؓ عورت تھیں جن کی تعریف قرآن پاک میں موجود ہے۔ اور جن کے ذریعہ آدھا دین اسلام پھیلا۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ عورت تھیں جن کو "خاتون جنت" کہا جاتا ہے۔ حضرت ہاجرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی عورت تھیں کہ اگر حضرت ابراہیم نے بیٹے کی قربانی کا ارادہ کیا تو

انھوں نے عمل کرنے لئے تیار کیا۔ حضرت رابعہ بصری رضؓ عورت تھیں جنہوں نے قرآن حفظ ہی نہیں کیا بلکہ قرآن پاک کی آیات میں باتیں کرتی تھیں۔ ملکہ نور جہاں۔ چاند بی بی۔ رضیہ سلطانہ۔ زیب النساء سب عورتیں تھیں اور موجودہ دور میں بھی بہت سی لائق وقابل خواتین موجود ہیں کہ جن کی عقل مردوں سے زیادہ ہے اور دیگر ملکوں کی اکثر عورتیں ہمارے ملک کے مردوں سے ہوشیار ہیں۔ میں یہ نہیں کہتی کہ سب عورتیں عاقل ہوشیار ہوتی ہیں۔ نہیں عورتوں میں بھی عقلمند اور بے عقل ہوتی ہیں اور مردوں میں بھی۔ نہ سب عورتیں ناقص ہیں اور نہ سب مرد کامل۔ یہ جو پاگل خانے دیوانوں سے اور جیل خانے قیدیوں سے بھرے ہوئے ہیں تو کثرت ان میں مردوں کی ہے۔ جو عورتوں کے "ناقص العقل" اور مردوں کے "کامل العقل" ہونے کا ثبوت ہے ہم جو ہر روز اخباروں میں نئی نئی خبریں پڑھتے اور ریڈیو میں سنتے ہیں سب مرد ہی ہیں نا جو ہر وقت جنگ کے لئے آستینیں چڑھائے ہوئے ہیں اور مظلوموں پر ظالم اور کمزوروں پر زور آور ہیں اگر ان جگہوں پر عورتیں ہوتیں تو کبھی لڑائی کا نام نہ لیتیں۔ یہ ہر روز چوری ڈاکہ رہزنی اور قتل کی وارداتیں ہوتی ہیں۔ پھر یا مفرور ہو جاتے ہیں اور یا قید اور پھانسی کی سزا پاتے ہیں۔ نئے نئے طریقوں سے جوئے اور دوسرے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں سب مرد ہوتے ہیں۔ کیا کامل العقل کہلانے والوں کے یہی کام ہیں؟ اگر بے غیرتی سے یہ کہا جائے کہ یہ بھی عقل کے کام ہیں اور عورتوں میں عقل نہیں اس لئے نہیں کر سکتیں تو ایسی عقل ودانش کو ہمارا دور ہی سے سلام ہے۔ خدا ایسی عقل مردوں ہی کو نصیب کرے۔

اگر آپ مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کو ناقص العقل سمجھتے ہیں تو لڑکے اور لڑکی کو یکساں تعلیم دلوایئے اور پھر نتیجہ دیکھئے ہمیشہ لڑکی لڑکے سے بڑھ کر ثابت ہوگی۔ یونیورسٹیوں کے نتائج اٹھا کر دیکھئے اور پھر بتایئے عقل وذہن کے اعتبار سے لڑکیاں تعلیم میں لڑکوں سے بڑھی ہوئی ہیں یا نہیں۔ پھر ایک چودہ سالہ لڑکی جس خوبی سے گھر بار کا انتظام کرتی ہے۔ سولہ اٹھارہ سالہ لڑکا کبھی نہ کر سکے گا۔ عورتیں مردوں سے کم سمجھ دار نہیں ہوتیں۔ عورتوں کو بھی خدا نے دماغ اور عقل دی ہے عورتوں میں کئی ایک ایسی اعلیٰ دماغ والیاں بہادر اور دلیر خواتین گزری ہیں جن کا بڑے زبردست بادشاہوں نے لوہا مانا ہے۔ عورت امن کی خواہاں اور ترقی کی دلدادہ ہے۔ وہ کونسا کام ہے جو عورت نہیں کر سکتی۔ عورت میں جس قدر قوت برداشت صبر اور تحمل کا مادہ موجود ہے مرد میں نہیں۔ عورت جس حسن خوبی سے تعلیم وتربیت پرورش اولاد اور انتظام خانہ داری کرتی ہے مرد نہیں کر سکتے۔ مرد سخت سے سخت کام بھاری سے بھاری بوجھ اُٹھائیں گے۔ مگر ایک بچے کا رونا ان کو پاگل بنا دے گا۔ بات اصل یہ ہے کہ مردوں کی اس قسم کی باتوں نے کہ عورتوں میں عقل نہیں ہوتی ان کو کم ہمت اور پست حوصلہ بنا دیا اور ان کے اعلیٰ دماغوں کو کند اور کھوٹا کر دیا ہے۔ کیا عقل کا یہی تقاضہ ہے کہ اپنے محسن ومربی کو جس نے نہ رات کو چین کیا نہ دن کو آرام خون جگر پلا پلا کر پالا پوسا صلہ دیا جائے سرکار کہہ کر اور خطاب دیا جائے ناقص العقل۔ عقل بڑھتی ہے تجربہ اور مشاہدہ سے جو عورت تعلیم یافتہ عالمہ فاضلہ اور تجربہ کار ہو وہ عاقلہ ہے اور جو مرد بے علم جاہل اور ناتجربہ کار ہو وہ ناقص العقل ہے عقل علم اور تجربہ میں پوشیدہ ہے۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ آپ خود بھی تعلیم حاصل کیجئے۔ اور ہماری تعلیم کے لئے بھی بندوبست کیجئے ورنہ یاد رکھئے کہ نہیں اگر ناقص العقل کہتے رہے اور بقول آپ کے پہلے عورت نے آدم کو ناسمجھی کی وجہ سے جنت سے نکلا تو یاد رکھئے کہ اب اپنی جہالت کی وجہ سے

# علامہ راشد الخیری کی ادبی حیثیت[1]

حضرت علامہ راشد الخیریؒ خواتین ہند کے محسن اعظم اور اُردو زبان کے باکمال ادیب تھے۔ آزاد کی انشا پردازی، شبلی کی سیرۃ نگاری، حالی کی قومی شاعری یہ سب صفات ان کی تحریریں موجود ہیں۔ اُن کا قلم نذیر احمد کا قلم اور اُن کا دماغ سرسید کا دماغ تھا۔ ان کی زبان قلعہ معلی کی زبان اور ان کا دل رسولؐ عربی کے مبارک نام پر قربان ہونیوالے ایک سچے مسلمان کا دل تھا!

## تصانیف کا مقصد

اللہ تعالٰے نے قوم کی اصلاح کے لئے انہیں اس زمانہ میں بھیجا جب ہندوستانی مسلمانوں نے خدا کے فیصلہ اور رسولؐ کے ارشاد کو ٹھکرا کر عورت کو گھر کی ملکہ سے لونڈی سے بدتر بنا دیا تھا۔ عورت کی مظلومیت، بیچارگی، بےبسی، مرد کی ہٹ دھرمی، خود غرضی، نفس پروری، اس کی محنت مشقت کا انعام انسانیت سے گرا ہوا برتاؤ! اس کی بےلوث خدمات اور پاکیزہ جذبات کا معاوضہ نفرت وحقارت کی نگاہیں! اس کی معصوم محبت کا جواب گھڑکیاں اور جھڑکیاں!! بچی کی پیدائش پر گھر بھر میں اُداسی! لڑکے لڑکی کی پرورش میں نمایاں امتیاز! بیٹے چمکتے ہوئے لال اور بیٹیاں بھاری پتھر! شادی کے معاملہ میں اس کا اظہار رائے بےشرمی اور بےحیائی! بیٹے کی شادی دنیا کی سب سے بڑی مسرت اور زندگی کا سب سے بڑا ارمان، لیکن بیٹی کی رخصت محض ادائگی فرض!! باپ نے ترکہ سے محروم کیا! شوہر نے مہر سے، سوکن کلیجہ پر مونگ دلے اور شوہر کی طرف سے اُٹھتے جوتے بیٹھتے لات! وہ کیسے ہی جگر خراش کتنے ہی دلدوز ستم ڈھائے مگر بیوی بدنصیب ٹھنڈے پیٹوں سب کچھ انگیزے اور مُنہ سے بھاپ تک نہ نکالے! نصیبوں پیٹی اور کرموں جلی، ناشاد نامراد، گھل گھل کر اور جل جل کر جان دیدے مگر حق خلع سے فائدہ نہ اُٹھا سکے! طلاق ہے تو مردود اور بیوہ ہے تو منحوس!! عورت، اس عورت کی جس نے اپنی خدمات اور اپنی قربانیوں کے معاوضہ میں اسلام سے مرد کے قریب قریب برابر حقوق حاصل کئے تھے، یہ ذلت اور خواری، یہ تحقیر اور تذلیل۔ علامہ مغفور کا حساس دل برداشت نہ کر سکا۔ لیکن عورت مظلوم ہی نہ تھی، ایک طرف وہ پستی اور جہالت کے عمیق، اندھیرے، بھیانک غار میں پڑی ہوئی ضعیف الاعتقادی کی دلدل میں پھنسی ہوئی، تباہ کن رسوم کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی، تو دوسری طرف مغربی طوفان چمنستان مشرق کو برباد کر رہا تھا اور مسلم خواتین مرد عورت کے امتیاز کو ہٹا کر اور مشرقی روایات کو مٹا کر ترقی کی ہوا میں اُڑنے کی تیاریاں کر رہی تھیں۔ عورت کی اس خطرناک حالت نے علامہ مغفور کے دل کو تڑپا دیا اور اُنہوں نے حقوق نسواں اور اصلاح نسواں کے لئے قلم سے جہاد شروع کر دیا اور قریباً نصف صدی کی مسلسل ان تھک، اَمٹ کوششوں سے سوسائٹی میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر کے قوم کو عمل کی طرف متوجہ کر دیا۔ علامہ مغفور جہاں یہ کوشش فرماتے رہے کہ مرد عورتوں کو اُن کے تمام شرعی حقوق واپس کر دیں جو وہ اپنی ہٹ دھرمی، فرعونیت اور رعونت سے غصب کر چکے ہیں وہاں عورتوں کو ہمیشہ یہ تلقین فرمائی کہ خدمت سے عظمت اور فرائض کی ادائگی سے حقوق پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ وہ سگھڑ، سلیقہ شعار، ہنرمند، منتظم، کفایت شعار، المختصر ایک اچھی گھروالی ہوں۔ ان مقاصد کی تکمیل کیلئے اُنہوں نے کتابیں لکھیں، رسالے جاری کئے۔ دور دراز مقامات کے سفر کئے، لیکچر دئے۔ کبھی شفقت و محبت سے سمجھاتے ہیں کبھی غصہ اور خفگی سے، کبھی غیرت اور جوش دلاتے ہیں کبھی ٹھنڈا کرتے اور چمکارتے ہیں، کبھی ہنساتے ہیں کبھی رُلاتے ہیں۔ کہیں ناولسٹ ہیں کہیں جرنلسٹ، کہیں شاعر ہیں کہیں افسانہ نگار۔ کہیں سیاسی رہنما، کہیں مبلغ اور واعظ لیکن ہر رنگ میں ان کی حیثیت مصلحانہ ہے۔ آج ہندوستانی بیبیوں بالخصوص مسلمان عورتوں میں

---

[1] ۳ فروری ۱۹۳۹ء کو جب حضرت علامہ مغفور کی تیسری برسی تھی آل انڈیا ریڈیو کے دہلی اسٹیشن نے ایک خاص پروگرام حضرت علامہ مغفور کی یاد میں پیش کیا تھا اس موقعہ پر اس مضمون کا کچھ حصہ نشر کیا گیا تھا۔ ستمبر ۱۹۳۶ء میں دہلی کے مشہور ادبی رسالہ "ساقی" کا راشد الخیری نمبر شائع ہوا تھا اس میں بھی اس مضمون کا کچھ حصہ شائع ہو چکا ہے۔

جو بیداری اور ترقی کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ آج ہمارے گھرانوں میں جو مشرقیت کی جھلک دکھائی دے رہی ہے یہ بہت بڑی حد تک انہیں کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ تصانیف کے اس اصلاحی پہلو کو ذہن نشین کرنے کے بعد اب ہم ان کی مختلف ادبی حیثیتوں پر نظر ڈالتے ہیں۔

## ۱۔ حزن نگاری

اصلاح کے دو طریقے ہیں طعن آمیز جیسا کہ برناڈشا کا سٹائل ہے اور درد انگیز جیسا کہ مصور غم کا اسلوب بیان۔ قوم نے انہیں مصور غم کا خطاب دیا تھا اسی وجہ سے کہ وہ الفاظ میں رنج و غم کی تصویر کھینچنے میں کمال رکھتے تھے۔

اگر پروفیسر ہڈسن کی تعریف کے مطابق ٹریجڈی خوفناک احساسات کا مرقع ہے تو مصور غم کے تمام غم انجام ناول اور افسانے مشرقی لٹریچر میں بے مثیل ہیں۔ اگر ٹریجڈی کی خصوصیت یہ ہے کہ جبر و تعدی اور ظلم و ستم سے پڑھنے والے کو نفرت ہو جائے اور ہمدردی کا پاکیزہ جذبہ اُبھرے تو علامہ مغفور کی ٹریجڈی یقیناً غیر فانی ہے۔ ان کے غم انگیز اور غم انجام مضامین اور افسانے انسانی جذبات کی اس قدر صحیح ترجمانی کرتے ہیں کہ پڑھنے والے کی آنکھوں سے سیلاب اشک جاری ہو جاتا ہے۔ شیکسپیئر کے مشہور ڈرامہ "کنگ لئر" میں جس وقت بدنصیب بادشاہ ناہنجار بیٹی سے کہتا ہے۔

Cordalia, Cordalia stay a little! تو یہ حسرت بھرے الفاظ حساس دل کے پار ہو جاتے ہیں۔

اس قسم کے بیشمار فقرے مصور غم کی تصانیف میں ملیں گے۔ جن کو پڑھ کر آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں۔ "صبح زندگی" کے صفحہ ۲۷ پر ناشاد و نامراد ماں کا یہ فقرہ :۔ "ہائے آپا! اٹھو۔ میری بیگم کو جنگل میں سُلا دو۔"

صفحہ ۱۶۱ پر بیٹی کے یہ الفاظ :۔ "ابا جان! لونڈی سے کچھ خدمت نہ ہو سکی۔"

"شامِ زندگی" کے صفحہ ۱۱ پر یہ جملہ :۔ "چچی جان میں نے تو نہیں مارا۔"

نسیمہ کا شوہر سے یہ کہنا :۔ "میری زندگی کی تمام بہاریں تمہارے دم سے ہیں۔"

"شبِ زندگی" حصہ دوم کے آخری باب میں فاطمہ کے باپ کے یہ الفاظ :۔ "توقیر! تو نے احسان کو آج تک مردانہ میں نہ سُلایا اور میری بچی ڈھنڈار گھر میں تن تنہا سوئی۔"

"طوفانِ حیات" میں مظلوم بچی کی منت سماجت :۔ "اچھی! میری بالیاں نہ لو۔"

"سیلاب اشک" میں بے قصور بچی کا جو دوپہر کو سوتیلی ماں کی شرارت سے ظالم باپ کے ہاتھوں پٹ چکی ہے۔ آدھی رات گئے آنکھ پر انگلی رکھ کر باپ کے سوال کے جواب میں رونے کا سبب اس طرح بتانا :۔ "ابا جان یاں زور کا درد ہو رہا ہے"

الفاظ نہیں تیر ہیں جو کلیجہ کے پار ہو جاتے ہیں! وہ قوم کی بیٹیوں کو اپنی بیٹیاں سمجھتے اور جگ بیتی کو آپ بیتی تصور فرماتے تھے۔ ان کے انسوان کی تحریریں جذب ہو کر پڑھنے والوں کو تڑپا دیتے تھے :۔ "قلب حزیں" میں مشرقی بیوی کے متعلق جس کا سہاگ اجڑ چکا تحریر فرماتے ہیں۔

"مغربی نغمہ کی گونج ابھی تمہارے کان میں ہوگی کہ مر گیا سو مر گیا۔ مشرقی بیوی کا کہرام دیکھو۔ شوہر کی موت اس سے کیا کیا لے گئی۔ نازک ہاتھ سونے سے رہ گئے۔ ان کی چوڑیاں کہاں گئیں؟ رنگین کپڑا ختم ہوا! سرمہ کاجل کدھر گیا؟ یہ سب صرف ایک دم سے تھا، اس کی مسکراہٹ پر نہ جاؤ اس کا دل رو رہا ہے۔ اس کو خاموش نہ سمجھو، اس کے کلیجہ میں آگ سلگ رہی ہے۔ یہ عورت نہیں ہے اس کی نسوانیت ختم ہو گئی۔ یہ بیوی نہیں ہے اس کی قسمت بگڑ گئی۔ یہ جب دلہن تھی سہاگن تھی سب کچھ تھی۔ آج رانڈ ہے بیوہ ہے کچھ نہیں ہے۔

یہ وہی آنکھیں ہیں جن میں کاجل ہوتا تھا، یہ وہی دل ہے جس میں محبت رہتی تھی۔ اس وقت قصر حیات کے دونوں ستون اُجڑ گئے۔ آنکھیں ناکامی کی تسبیح پڑھتی ہیں اور دل ہائے ہائے کے نعرے لگاتا ہے۔"

"سیدہ کا لال" تاریخ شہادت اور مصور غم کی غم نگاری کا مشہور نمونہ ہے۔ میدانِ کربلا میں حضرت زینب بنت علی کے جگر پارے رن کی اجازت لیتے ہیں۔

"جس وقت دونوں بچے خیمہ کے دروازے پر پہنچ کر ماں کے آخری سلام کو جھکے تو دل کا خدا ہی حافظ تھا۔ مگر ضبط سے کام لیکر ان کے

سر پر ہاتھ رکھا۔ گلے سے لگا کر پیار کیا اور کہا۔" دنیا کی مائیں بچوں کو پردیس سدھارتے وقت دعا دیتی ہیں کہ جس طرح پیٹھ دکھائی اسی طرح مُنہ دکھاؤ۔ مگر عون و محمد کی ماں یہ کہتی ہے کہ جاؤ زندہ جاؤ اور شہید ہو کر آؤ۔ سر لے کر جاؤ اور سر کٹا کر آؤ" حضرت علی اکبر کی روانگی کا وقت ہے پھوپی یعنی بی بی زینب جنہوں نے ان کی پرورش کی تھی۔ بھاوج یعنی بی بی شہر بانو سے کہتی ہیں" لو بیوی یہ اپنے بچہ کے بتیس کے بتیس دودھ کے دانت گن لو۔ ان موتیوں کو روز آنکھوں سے لگاتی تھی۔ جب سے اللہ رکھے سیانا ہوا پیار کرتے شرم آتی تھی۔ تنہائی میں ان دانتوں کو آنکھوں سے لگا لیتی تھی"۔

نوبت پنج روزہ میں سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کے پانچ جشن دکھائے ہیں آخری نوبت یعنی شاہجہاں آباد سے بادشاہ کی وداع درد انگیزی اور غم نگاری کے اعتبار سے ہمارے ادب میں نہایت بلند درجہ رکھتی ہے۔ ہجوم افکار، پیہم مصائب، متواتر صدمات ضعیف العمر بادشاہ کو جیتے جی موت کا مزا چکھا دیتے ہیں۔ اِدھر گرفتاری اُدھر بچوں کی موت کی خبریں! بلبلا کر بادشاہ بیگم سے کہتے ہیں:۔

" اے بیگم! میرے چاند سے مکھڑے بے گور و کفن پڑے جنگل میں سو رہے ہیں اور کوئی اللہ کا بندہ اتنا نہیں کہ ان کا مُنہ دُھلا کر کپڑے بدل دے بالشت بھر کے لونڈوں کو ان ہاتھوں میں اسی دن کو جوان کیا تھا کہ ان کی موت پر کوئی آنسو تک گرانیوالا نہ ہو۔ چیل کوّے پھلروا سے لالوں کو نوچیں۔ کتے ان کو بھنبوڑیں۔ میں سنوں اور زندہ رہوں۔ دیکھوں اور اُف نہ کر سکوں۔ آسمان ٹوٹ پڑتا زمین پھٹ جاتی اس سے پہلے کہ میرے چاند گہنا تے میرے پھول مرجھاتے اور میرے بچے دنیا سے رخصت ہوتے۔ وہی دنیا جو کل تک میری تھی اسوقت میری دشمن ہے جنہوں نے تمام عمر نمک کھایا آج انہوں نے ہی میرے لال پھانسی پر لٹکوائے۔ زینت محل! میں زندہ ہوں اور میرے پیاروں کی لاشیں پھانسی پر لٹک رہی ہیں! بڑے دادا جان نے شاہجہاں آباد اسی دن کو آباد تھا کہ میری اولاد بھوکی پیاسی اس سرزمین پر دم توڑے"

بادشاہ کی جلاوطنی کے بعد سرزمین دہلی پر چشم فلک نے جو انقلاب دیکھا اس کی ایک ہلکی سی جھلک!:۔

" بساط آسمانی کے سیّاروں زحل و مشتری نے عروس فلک کے نوشہ قمر چہاردہم نے مشرقی شہسوار آفتاب عالم تاب نے انسانی دنیا کے بہت سے انقلاب دیکھے اور خود شاہجہاں آباد کا خون جو بار ہا گرا آج تک دامن تاریخ سے خشک نہیں ہوا۔ مگر عقل سلیم دیوانی ہو گی قلب صحیح کے پرخچے اُڑینگے اور چشم بینا اندھی ہو جائیگی جب یہ سنے گی کہ جن دہلیزوں پر پرندہ پر نہ مار سکتا تھا اس کی رہنے بسنے والی خواتین کی قیمت چند روٹیاں یا سیر دو سیر آٹا تھا! دل نہیں چاہتا کہ کہوں اور قلم کی زبان پر وہ الفاظ آنے دوں جو قلب کے ٹکڑے اُڑا دیں لیکن کہتا ہوں کتنا نازک وقت ہے اور متواتر فاقے یہ کیا رنگ دکھاتے ہیں کہ ربیعہ بیگم بہادر شاہ کی لڑکی کا نکاح حسینی باورچی سے ہوتا ہے!!

تفو بر تو اے چرخ گردوں تفو!"

شیکسپیر کے ڈراموں، ہارڈی کے ناولوں بائرن اور شیلی کی نظموں اور چیخوف اور بالزک کے افسانوں پر ہماری آنکھیں نمناک ہو جائیں مگر مصور غم ہمارے گرد و پیش کے واقعات ہماری آنکھوں کے سامنے لا کر ہمیں تڑپا تڑپا کر رلاتے اور دل کی دنیا میں ایک طوفان برپا کر دیتے ہیں۔

## ۲- مزاح نگاری

مصور غم نفسیات کے ماہر تھے۔ غم کے جذبات اور تاثرات بیان کرنے کا انہیں جس قدر ملکہ حاصل تھا اسی طرح جذبات مسرت کا بھی۔ وہ خود خوش طبع بذلہ سنج لطیفہ گو اور زندہ دل انسان تھے، طبیعت کی شگفتگی نے چمن ادب میں سنجیدہ ظرافت کے بہترین پھول کھلائے ہیں۔ نانی عشو۔ ولایتی نہنی۔ دادا لال بجھکڑ مستقل مذاحیہ افسانے ہیں۔ منازل السائرہ طرز بیان کی شگفتگی اور واقعات کی دلچسپی کے اعتبار سے اُردو کے بہترین ناولوں میں سے ہے۔ سائرہ کی زندگی کے مختلف واقعات مثلاً افیم کا واقعہ کا چھین سے لڑائی، مولود شریف کی مٹھائی کا خرچ چھالیہ کی تقسیم سنجیدہ ظرافت نگاری کے بہترین نمونے ہیں۔ "طوفان حیات" اعمالنامے۔ تمغۂ شیطانی۔ حبیلہ میں مبلہ۔ تفسیر عصمت۔ انگوٹھی کا راز۔ منازل ترقی۔ بنت الوقت۔ سراب مغرب۔ اندلس کی شہزادی وغیرہ ناولوں اور افسانوں کے علاوہ متعدد

مختصر افسانوں میں کئی مواقع ایسے آتے ہیں کہ مصور غم کی ظرافت نگاری کے کمال کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ پھکڑپن تہذیب و وقار سے گری ہوئی رکیک بیہودہ بے نتیجہ بھونڈی قسم کی ظرافت اُردو لٹریچر میں نہایت کثرت سے ہے جو اعلیٰ ظرف اور متین طبیعت گوارا نہیں کر سکتی۔ مصور غم کی ظرافت نگاری بازاری لوگوں کے ناقابل برداشت قہقہے نہیں سنجیدہ مسکراہٹ ہے اور کوئی نہ کوئی مقصد اور نتیجہ لئے ہوئے اصلاحی پہلو رکھتی ہے۔ وہ بظاہر ہمارا دل بہلاتے اور ہنساتے ہیں مگر حقیقتاً ہماری جہالت اور مذہب مقدس سے ناواقفیت اور اخلاقی کمزوریوں کی نوحہ خوانی کرتے ہیں۔

اسلام کو سب سے زیادہ نقصان جاہل مولویوں اور دغاباز پیروں سے پہنچا ہے اور اس گروہ کو علامہ مغفور نے مذاحیہ افسانوں میں خصوصیت کیساتھ بے نقاب کیا اور ان مقدس حضرات کی قابلیت کا بھانڈا پھوڑا ہے۔ دادا لال بجھکڑ کے کیریکٹر کا ایک پہلو اس گفتگو سے معلوم ہو سکتا ہے:۔

**برقع والی**:۔ "دادا آپ کے چوٹ زیادہ آئی ہے"

**دادا**:۔ "ہائے مرا۔ لاحول ولا۔ ارے بیٹی میری چوٹ کی پروا نہ کر۔ میں تو پیدا ہی قوم کیلئے ہوا ہوں۔ اسی لئے حج کو نہیں گیا۔ لاحول ولا۔ دیکھو آج نماز بھی ایک وقت کی نہیں ہوئی۔ لاحول ولا بیگم کہاں گئیں۔ خیر عشا پڑھ رہی ہونگی۔ بیٹی میرے کوٹ کی جیب میں سے تسبیح دیدو۔ بیٹھے ہی بیٹھے کچھ اللہ اللہ کرلوں"

**برقع والی**:۔ (جیب ٹٹول کر) "جناب اس جیب میں تو تسبیح ہے نہیں۔ تاش کی گڈی پڑی ہے اور جوئے کی کعبتین ہیں!"

**دادا**:۔ "ہائیں ہائیں کیا کہا؟ تاش اور کعبتین! لاحول ولا۔ یہ کسی دشمن کا کام ہے۔ میں اور تاش! لاحول ولا! ہائیں ہیں اور کعبتین! دشمن ارے بیٹی سارا محلہ دشمن ہے! ایسی ذلیل تقدیر ہے جس کا کام کرتا ہوں وہی دشمن ہو جاتا ہے۔ بیگم صاحب ایک ٹکڑا پان تو دیدو"

**نانی**:۔ "بیٹے شام سے نہیں کھایا۔ خالی زردہ پھانک رہی ہوں کوئی لانے والا ہی نہیں"

**دادا**:۔ "ہائیں ہائیں لاحول ولا۔ عیدو۔ شیدو۔ بقریدو۔ بیدو چاروں نوکر غائب!"

اسی کتاب میں حماقت بیگ جو مولوی لیاقت اللہ کہلاتے تھے جاہل عورتوں میں وعظ فرما رہے ہیں:۔

"باری تالا فرماتے ہیں بیچ کلام پاک اپنے کے کہ اے مسلمان عورتوں جو ایمان لائیں اُوپر ہمارے اور رسول ہمارے کے۔ یاد رکھو موت کو اور دو اوپر نام ہمارے کے اور بڑے پیر کے۔ پراٹھے تر بتر۔ ربڑی لچھے دار، قورمہ بھنا ہوا۔ پلاؤ ساتھ شامی کباب کے اور زردہ ساتھ بالائی کے اور دو ان کو نقدی ساتھ خوشی کے اور کرو دعوتیں ساتھ محبت کے۔ یہ عاشق ہیں بڑے پیر کے۔ کھلاؤ انہیں لقمے کھیر کے۔ بھائی ہیں رسول کے۔ دو ان کو کنٹھے پھول کے۔ نہ بھولو حشر کو کہ ہم نکالیں گے قبروں میں سے ننگا مردوں اور عورتوں حیوانوں اور جانوروں اور کیڑوں مکوڑوں کو ساتھ غصے اور قہر کے اور آفت کے اس روز تم دیکھو گے کچھ عورتیں ساتھ لباس کے اور پوچھو گے اس کے سبب تو ایک فرشتہ جس کا قد ہے ستر ہزار گز کا پکاریگا بلند آواز کے ساتھ۔ یہ ہیں وہ عورتیں جنہوں نے کپڑے بنوائے ہیں عالموں کے ساتھ عقیدت کے اور خدمت کی ہے ان کی ساتھ محبت کے اور نذریں دی ہیں ان کو ساتھ الفت کے۔ بہنوں ہائے ہائے ابھی کچھ نہیں گیا۔ وقت باقی ہے۔ ڈرو ان بچھوؤں سے جن میں سے ہر ایک کے ستر ہزار ڈنک ہیں۔ اور جو ایک ڈنک سے ستر ہزار انسانوں کا سرمہ کرتے ہیں وہ تمہارے لئے تیار ہیں۔ وہی آیت میں فرماتے ہیں کہ اے مولوی لیاقت اللہ خوشخبری سُنا مغلانی اما اور مرزا صاحب کو جنت کی"

## ۳۔ ناول نگاری

ناول انسانی زندگی کے مختلف واقعات کا ایسا مرقع ہے جس میں وارداتِ قلب کی دونوں کیفیتوں خوشی و غم کے اندرونی اور بیرونی تاثرات کی ترجمانی دل آویز الفاظ میں کیجائے۔ علامہ مغفور سوسائٹی کی اصلاح چاہتے تھے جس کے لئے بہترین ذریعہ ناول نگاری ہے۔ مغربی معیار پر مشرقی ناولوں کو دیکھنا غلطی ہے۔ کیونکہ ہر قوم کے عادات اور حالات علیحدہ علیحدہ ہیں۔ علامہ مغفور کے مقصد کو سمجھنے کے بعد جب ہم ان کے ناول فنی حیثیت سے دیکھتے ہیں تو ہم مجبور ہوتے ہیں کہ انہیں درجہ اوّل کے

ناول نگاروں میں ممتاز جگہ دیں ۔ درمیانی طبقہ کی معاشرتی اصلاح اور سوسائٹی کی اندرونی خرابیاں بیان کرنے میں ان کا درجہ چارلس ڈکنز سے بھی بلند ہے ۔ الفاظ میں ہوبہو تصویر کھینچ دینے میں جارج ربنا لڈ کو ہم ان کا ہمپایہ کہہ سکتے ہیں ۔ ان کے مکالے شکسپیر سے ٹکراتے اور ان کی منظر نگاری پر ہم انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں ۔ کردار نگاری ناول کی سب سے بڑی خصوصیت ہے جس کی بہترین مثالیں ہمیں ان کے ناولوں میں ملتی ہیں ۔ شاعر کی حیثیت سے ٹیگور کا پایہ بہت بلند ہے ۔ لیکن ناولسٹ کی حیثیت سے وہ ناکام ہے کیونکہ اس نے کردار سے زیادہ اپنے کو نمایاں کیا ہے ۔ علامہ مغفور نے اپنی شخصیت کو کسی ناول میں نمایاں نہیں کیا بلکہ کرداروں کے ذریعہ کام لیا ہے ۔ وہی اپنے یا دوسروں کے تاثرات و کیفیات ظاہر کرتے ہیں ۔ شکسپیر کا مشہور مگر خاموش کردار انٹونیو وینس کا سوداگر انتہائی شریف پاک طینت اور رحمدل انسان ہے اس کی تعریف اس کا ایک دوست اس طرح کرتا ہے :۔

He is one in whom the Roman honour more appears than any that draws breath in Italy

علامہ مغفور کے ہاں اس قسم کی بیشمار مثالیں ملتی ہیں "صالحات" کی ہیروئن سلیقہ شعار ہنرمند لڑکی دکھائی گئی ہے ۔ ایک رئیس کی بیگم صاحبہ اس کی تعریف اس طرح کرتی ہیں :۔

" بیوی لڑکی تو ماشاءاللہ دسوں انگلیاں دسوں چراغ ہے بڑا نصیب اس ساس کا جس کی بہو صالحہ بنے اور اچھے بھاگ اس میاں کے جس کی بیوی صالحہ ہو بیں نے بھی آجتک سینکڑوں لڑکیاں دیکھیں امیر بھی اور غریب بھی مگر خدا کی قسم جو تمہاری بیٹی کی برابری کرتی ہوں ۔ ایک ہماری یہ اتنی بڑی لوٹھا پھر رہی ہیں چار دن میں مایوں بیٹھیں گی یہ بھی نہیں معلوم تیپچی کسے کہتے ہیں بخیہ تو بڑی چیز ہے "

مصنف نے واقعات سے صالحہ کو نہایت سعادتمند بیٹی دکھایا ہے جب اس کی ماں مرجاتی ہے باپ دوسرا نکاح کرلیتا ہے اور اسکی ماں کا زیور دوسری بیوی کیلئے نکلوانا ہے تو اس موقعہ پر بھی مصنف نے کردار نگاری سے اپنی ہیروئن کی سعادتمندی دکھائی ہے ۔

" صبح زندگی " کی سنجیدہ کے اقوال افعال بتا رہے ہیں کہ کس قدر معاملہ فہم دور اندیش اور متین عورت ہے ۔ ایک موقعہ پر بھاوج سے کہتی ہے " ہمارے حضرت نے فرمایا ہے کہ علم ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے "

**بھاوج** "حضرت کے فرانے کی تو مجھے خبر نہیں مگر میرے ابا اللہ بخشے آخرتو بڑے مولوی تھے لیکن ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ لڑکیوں کا پڑھانا بہت ہی بری بات ہے "

سنجیدہ جواب دیتی ہے " میں تمہارے والد کی شان میں تو کچھ نہیں کہتی مگر جن بزرگوں کا یہ خیال تھا وہ غلطی پر تھے "

بھاوج کی بات کا یہ جواب بھی ہوسکتا تھا " تو کیا تمہارے ابا حضرت سے بھی بڑھے ہوئے تھے " لیکن مصنف کو کردار کی گفتگو سے دکھانا ہے کہ وہ کس قدر بردبار اور سمجھدار ہے ۔ معاشرتی ناولوں میں " صالحات " کی آمنہ ہو یا صالحہ تمیزن ہو یا سید کاظم " منازل السائرہ " کی شاکرہ ہو یا سائرہ اور عابد ہو یا ڈاکٹر صاحب ۔ " صبح زندگی " کے سلسلہ میں سنجیدہ ہو یا منجھلی سنجیدہ ہو یا فہیم " شب زندگی " میں نسیم دلہن ہو یا نسترن ۔ فاطمہ ہو یا توقیر " طوفان حیات " میں ہاجرہ ہو یا مشکرہ اور انعام ہو یا عوام " نوحہ زندگی " میں قدیر ہو یا حشمت " جوہر قدامت " میں زاہدہ ہو یا شاہدہ " ستونتی " میں ستور ہو یا اس کی سوکن " بنت الوقت " میں زخندہ ہو یا نصرت " موؤدہ " میں ودود ہو یا موؤدہ " فسانہ سعید " میں سعید ہو یا کارخانہ دار ۔ پھر تاریخی ناولوں میں " ماہ عجم " کی ابیلا اور مسعود ہوں ۔ یا " عروس کربلا " کی روز اور عبید " یا سمین شام " کی بلقیسیہ اور اسد ہوں یا " منظر الرس " کی علقیسیہ اور شہزادی کرداروں نے اپنے یا دوسروں کے تاثرات عادات و خصائل قول سے یا فعل سے ظاہر کئے ہیں ۔ علامہ مغفور نے مرکزی اور وقتی کرداروں کا بھی لحاظ رکھا ہے اور افراد کی ہی نہیں جماعت کی کردار نگاری بھی کی ہے ۔

اصلاحی معاشرتی ناولوں میں " صبح زندگی " " شام زندگی " کا سلسلہ بہت مشہور ہے " شام زندگی " کی نسیمہ پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ ایسی عورت

شاید ہی کہیں نظر آتے مبالغہ سے کام لیا ہے۔ لیکن مبالغہ قصہ کی خوبیوں میں سے ایک بڑی خوبی اور بلاغت کی جان ہے بشرطیکہ خلاف فطرت اور مافوق العادات نہو۔ شیکسپیر اپنے مشہور کیرکٹر شائلاک کو نہایت کٹر سنگدل بے رحم متعصب دکھاتا ہے اس کی کنجوسی کی یہ کیفیت ہے کہ اسکی بیٹی بھاگ جاتی ہے تو اسے اس بات کا ملال نہیں ہوتا کہ وہ فرار ہوگئی بلکہ اس لئے وہ غل شور مچاتا ہے کہ روپیہ لے کر بھاگ گئی شیکسپیر ہمارے دلمیں یہودی کے خلاف نفرت حقارت اور غصہ کے جذبات پیدا کرنے میں کامیاب ہوتا ہے لیکن وہی شائلاک جب وقت عیسائیوں سے اسطرح سے مخاطب ہوتا ہے کہ تم نہیں دیکھتے ہو تھوکتے ہو ہماری تضحیک و تذلیل کرتے ہو تمہاری طرح ہمارا بھی جسم ہے کہ سوئی چبھتی ہے تو خون نکلتا ہے۔ چوٹ لگتی ہے تو تکلیف ہوتی ہے ہم بھی آخر تمہاری طرح انسان ہیں" تو باوجود بدترین عیوب کا پتلا دیکھنے کے اس کے ساتھ ہمیں ہمدردی ہوجاتی ہے۔ اور ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ وہ مافوق الفطرت ہستی نہیں ہے شیطانی خصائل اسمیں ہیں مگر وہ خود شیطان نہیں ہے۔ شادی کے بعد بیشک نسیمہ نسوانی خوبیوں کی پتلی نظر آتی ہے لیکن کوارپنے میں اس سے بار بار غلطیاں سرزد ہوتی ہیں۔ "صبح زندگی" کا آغاز ہی اس طرح ہوتا ہے:۔

" سنجیدہ نے کھلایا سونیکا نوالہ نگر دیکھا شیر کی نظر" سنجیدہ کی زندگی کا سب سے پہلا واقعہ ہے کہ کہیں سے حصہ آتا ہے تو وہ مچلتی ہے لیکن سنجیدہ ایک بھورا بھی اس وقت نہیں دیتی۔ بجلی سیدھی طرح نہیں لگاتی تو سنجیدہ کا غصہ۔ باپ کے سلام کو جاتی ہے تو ڈانٹ کہ "بے شرم بازو کھلا ہوا ہے"۔ بھائی رو رہا ہے ماں کہتی ہے نسیمہ ذرا اسے لیلے" اور وہ جواب دیتی ہے "میرے توسبق کا وقت ہے"۔ سنجیدہ خفا ہوجاتی ہے بات کرنی چھوڑ دیتی ہے۔ جب نسیمہ بہت کرید تی ہے تو جواب کیا ملتا ہے "ایسی کٹر بیٹی خدا دشمن کو بھی نہ دے"۔ نسیمہ کی تربیت ہوچکی ہے اور وہ خاندان کے لئے ایک مثال ہے لیکن ایکدن جوتی پہننے میں غلطی ہوجاتی ہے تو لتاڑ پڑتی ہے "صبح زندگی" میں اسکی خوبیوں کیسا تھ ساتھ وہ غلطیاں بھی دکھائی گئی ہیں جو عام طور پر لڑکیوں سے سرزد ہوتی ہیں اور جن کی اصلاح نہایت ضروری تھی۔ مگر "شام زندگی" میں نسیمہ کا کیرکٹر مثالی ہے اور مصنف نے سوسائٹی کی اصلاح کے لئے نسوانیت کا یہ ایک بہترین نمونہ پیش کیا ہے۔ لیکن یہاں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ نسیم کی موت کے بعد نسیمہ سے خانہ داری اور شوہر کی خدمت میں کچھ ڈھیل ہوجاتی ہے لیکن یہ انسانی فطرت ہے اور فطرت انسانی ہی مصور غم کے ہر افسانے اور ناول میں ملیگی۔

ناول نگار کے لئے ضروری ہے کہ وہ جزئیات کی تفصیل بیان کرنیکی قدرت رکھتا ہو اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب اس کا مشاہدہ نہایت وسیع اور حافظہ غیر معمولی ہو۔ شیکسپیر نے مختلف قسم کی شراب کا ذکر کیا ہے تو اس زمانے کی کوئی شراب نظر انداز نہیں کی۔ کتوں کی قسمیں گنوائی ہیں تو کوئی قسم نہ چھوڑی۔ میر حسن اپنی مشہور مثنوی سحر البیان میں جہاں اور جس موقعہ پر تفصیل میں گئے انسانی مشاہدہ کی انتہا کردی۔ مصور غم کے ناول اس اعتبار سے بھی نہایت بلند درجہ رکھتے ہیں "صبح زندگی" میں ایک پھوہڑ عورت کے گھر کا نقشہ دکھایا ہے تو ہو بہو تصویر کھینچدی ہے۔

"جس انگنائی میں سوئی گرے تو اٹھا لو۔ اب اسمیں صاحبزادی کی سہیلیوں اور ماماؤں کے بچوں نے کنوئیں میں کھود کھود کر گڑھے ڈالدیئے مرغیوں کے بڑے بڑے ڈربوں نے گھر کی حیثیت دو کوڑی کی کردی۔ کہیں کیچڑ کے ڈھیر۔ کہیں خاک کے تودے۔ یہاں چولھے وہاں کھنڈیاں دونوں کے بیچ، کوڑا کرکٹ صحن کیا دنیا بھر کا مجموعہ تھا۔ مکھی دست پناہ۔ اسمیں دانہ کی کنڈلیاں۔ پانی کے کونڈے۔ مرغیوں کی بیٹ۔ کبوتروں کے پر۔ بوریئے کے ٹکڑے کپڑوں کے چیتھڑے۔ چاروں طرف وہ جھاڑ جھنکار اٹھا ہوا کہ دم بھر بیٹھنے کو جی نہ چاہے۔ کہنے کو ماشاءاللہ ایک چھوڑ دو دو مامائیں۔ مگر ان بیچاریوں کا کیا قصور۔ کام لینے والا ہوتا تو وہ کام کرتیں۔ گھر والی کی یہ کیفیت کہ اگر کبھی بھولے بسرے دنیا جاتی دیکھ کر کسی ماما نے جایا بھی کہ جھاڑو ہاتھ میں لے دو جھٹکے دے دوں تو اس کو جھٹ دوسرا کام بتا دیا۔ پل بھر کی دیر ہوتی تو سینکڑوں کوسنے پڑگئے۔ ستم یہ کہ جو کام بتایا وہ اُلٹا اور جو بات کی وہ ٹیڑھی۔ ماماؤں کا کیا بگڑتا تھا جس رخ پر ڈالا پڑ گئیں۔ دن بھر بیٹھی مرغیوں کے دعابے تھوپتیں اور کبوتروں کی کابکیں جھاڑتیں۔ چکنی مٹی کے بورے۔ کچی اینٹوں کے ڈھیر تیار بنے ہوئے۔ پانی پڑا ہوا۔ پختہ سنگین گھر چار دن میں غارت ہوگیا۔ دیواروں پر نظر ڈالو تو اینٹیں گری ہوئی۔ چونا جھڑا ہوا۔ کوٹھے کو

جا کر دیکھو تو گھاس اُگی ہوئی۔ ملبا پڑا ہوا۔ موری بند۔ قد مچے ٹوٹے۔ جھلنگے کھٹے۔ ٹھاٹر پڑے۔ خدا کی شان نواب جھٹن کی محلسرا اور دیکھ کر جی متلائے! دالان کی وہ کیفیت کہ حلوائی کی دکان بھی اچھی ہوگی۔ چاروں طرف مکھیاں بھنک رہی ہیں۔ بڑی بی کے زمانہ کا بنا ہوا گھر لاکھ کا خاک میں مل گیا تھا۔ دری۔ چاندنی۔ چادر غالیچے موجود سب چیزیں تھیں۔ لیکن وہی چیزیں جو کسی وقت مکان کی زینت اور آرائش کا سامان تھیں۔ آج بیٹھنے والے کو بھی لاج لگتی تھی۔ چونے کے دبتے کتھے کے چکتے۔ سیروں چھلکے۔ ٹوکروں کوڑا۔ ڈھیروں لاکھ منوں خاک۔ بڑی بڑی فرشی دریاں مٹی میں اٹی ہوئی چھپی ہوئی جاجمیں۔ جنگی جنگی چاندنیاں۔ زمین سے بدتر۔ مرزاپور کا مہین غالیچہ جو دکھانے کے لائق اور اس کی یہ قدر کہ انگلی لگی اور خاک اُڑنی شروع ہوئی۔ چبوترے کی چوکیاں جیٹھ بیساکھ میں ہوئیں خاک سے گرد آلود اُوپر سے پڑا مینہ۔ شیشم اور سال سب گل کر آٹا ہو گیا۔ سامان کا حال یہ کچھ۔ قرینہ اور ڈھنگ وہ کچھ کہ خدا کی پناہ۔ اگالدان اوندھا ہوا پٹاری پھٹکی ہوئی۔ کتھا گرا ہوا۔ چونہ لپا ہوا۔ نواڑ کے پلنگ۔ بان کی ادوان۔ پائے دو رنگے۔ پٹیوں میں کان۔ بچھونوں پر قینچیاں پلنگوں پر بوتلیں۔ چاندنی پر آبخورے۔ غالیچہ پر کٹورے۔ کہیں پانی گرا ہوا کہیں رنگ پڑا ہوا۔ کونڈے لڑکے ہوئے۔ رکابیاں پھیلی ہوئی۔ گھر کیا ایک طوفان بدتمیزی تھا۔ لیٹو تو مصیبت۔ بیٹھو تو آفت۔ جھاڑو نہ بہارو۔ صفائی نہ ستھرائی"۔

صالحہ کے غسل صحت کی تقریب پر کپڑوں کی تفصیل۔ گوٹے ٹھپے کی تشریح۔ "صبح زندگی" میں نسیمہ باپ کے سلام کو جاتی ہے اس کے لباس اور زیور کی وضاحت: "صبح زندگی" ہی میں آٹا گوندھنے روٹی پکانے کی تفصیلات کے سلسلے میں گٹھلیاں۔ کھیری۔ سوندھا۔ جاندار کی ہتیلی دینا ملکڑ چنگیر۔ لال چتی۔ پولے ہاتھ۔ بلدار۔ مروڑی وغیرہ اصطلاحات۔ کپڑوں کی کٹائی۔ سلائی کی اصطلاحیں تیپچی۔ بخیہ۔ ترپن۔ شبہ۔ اور ما۔ کیکری۔ کٹاؤ بھراں کی وضاحت۔ "شام زندگی" میں نسیمہ کے لیکچر۔ نوبت پنجروزہ میں بادشاہ کے دسترخوان کی تفصیل اور ایک ایک چیز کا نام۔ ولایتی نہی میں بی نہی کا حلیہ جزئیات کا کس قدر حیرت انگیز مشاہدہ ہے!!

مصورِ غم کے ناولوں کے پلاٹ اصلاح معاشرت اور درستی اخلاق یا تاریخی واقعات پر مبنی ہوتے ہیں۔ جدت۔ ندرت۔ تنوع اور واقعات کی دلآویزی ان کے ناولوں کے پلاٹ کی خصوصیات ہیں۔ بعض بعض ناولوں کے پلاٹ میں۔ یکرنگی بھی ہے لیکن ان کی اور خصوصیات نظرانداز نہیں کیجا سکتیں۔ واقعات اور ان کی تفصیلات موقع اور محل کے اعتبار سے ہیں۔ ایک بیان دوسرے بیان کی تردید نہیں کرتا مناظر کشی کے اعلیٰ سے اعلیٰ نمونے ہر ناول میں ہیں۔

## ۴۔ افسانہ نگاری

ڈپٹی نذیر احمد اُردو کے پہلے ناول نگار تھے اور علامہ راشد الخیری اُردو کے پہلے مختصر افسانہ نگار۔ انسانی زندگی کے کسی پہلو کا جو تجربہ اور مشاہدہ کے خلاف نہو جس میں مقتضائے حال کے مطابق خوشی و جذبات کی صحیح ترجمانی کیگئی ہو۔ دلاویز الفاظ میں ایسا نقشہ کہ ہو بہو آنکھوں کے سامنے پھر جائے مختصر افسانہ کہا جا سکتا ہے کامیاب افسانہ وہی ہے جس کا ہمارے دل پر کوئی اچھا اثر پڑے جس سے زندگی کی تلخیاں دُور ہونے میں ہمیں مدد ملے۔ مصورِ غم کے افسانے ہماری ہی طرح چلتے پھرتے بولتے چالتے اور ہمارے ہی زمانے اور ہمارے ہی ماحول کے انسانوں کے واقعات ہیں۔ مصورِ غم کے افسانوں کا موضوع حُسن و عشق یا سراغ رسانی یا ہیبت ناکی نہیں۔ ہماری معاشرت کی اصلاح اور ہمارے اخلاق کی درستی ہے۔ جوہر عصمت۔ سیلاب اشک طوفانِ اشک۔ خدائی راج۔ نسوانی زندگی۔ گلدستۂ عید۔ گرداب حیات۔ بساط حیات۔ بیلہ میں میلہ۔ اعمالنامے۔ حور اور انسان۔ نشیب و فراز۔ غرض مختصر افسانوں کے کسی مجموعہ کو لے لیا جائے۔ پلاٹ۔ زبان۔ زور بیان۔ منظر نگاری۔ مکالمہ۔ کردار نگاری کسی چیز کی کمی نہیں۔ مصورِ غم کی ظرافت نگاری پر بحث کرتے ہوئے ہم "دادا لال بجھکڑ" کا ایک چھوٹا سا مکالمہ نقل کر چکے ہیں۔ علامہ مغفور کے مختصر افسانوں کے مختلف مجموعوں سے چند چھوٹے چھوٹے مکالمے اس موقعہ پر بھی پیش کئے جاتے ہیں:۔

**گنواری**:۔ "سرکار! تمہاری لونڈی کے مزاج پہ ہوا' وا کا جیور دیدو تو دو دم میں ہو جائے۔ پیسہ پلے نہیں۔ حالت کھراب ہو رہی ہے۔ جیور وا کی ماں کا ہے۔ یا وخت نہیں تو کب کام آوے گا۔"

**بیگم**:۔ "تجھ کو اندر آنے کی اجازت دربان نے کیوں دی۔ یہ وقت مرنے جینے کا ہے۔ دیوانی بھاگ جا۔ کل آیو۔ دیکھی جائے گی۔"

**گنواری**:۔ "اجی سرکار کل تک تو وہ مر جائیگی۔ جیور نہیں تو دو چار روپیہ ہی دیدو۔ یا نخسہ دیکھو۔ دوا لانی ہے۔" (چہار عالم)

---

**انجم**:۔ "بڑھیا تیری عقل تو نہیں جاتی رہی۔ اندر جا کر کیوں نہیں کہتی کہ داروغہ جی کی صاحبزادی آئی ہیں۔"

**بڑھیا**:۔ "بیوی واہ! کھوں کس سے' اور جاؤں کیونکر' دیوار پاکھوں سے کھوں یا کواڑوں سے' دروازہ بھڑا ہوا کنڈی لگی ہوئی' آدمی کا نام نہیں چیخنے کو چیخے جاؤں۔ یہ بھی کسی کے ہاں آنے کا وقت ہے۔"

**انجم**:۔ "تو میری دادی ہے یا نانی۔ وقت کی ٹوکنے والی تو کون؟ مردار کنڈی کیوں نہیں کھٹکھٹاتی۔"

**بڑی بی**:۔ "بھلا بیوی اس خواہ مخواہ کے غصہ سے حاصل کیا۔ کہار پر بس نہ چلا گدھیا کے کان اینٹھے۔ قصور اپنا غلطی بنی سر مگئیں میرے۔"

**انجم**:۔ "بڑھیا کم بخت۔ نمک حرام۔ بے وقوف چڑیل' اتنی جوتیاں ماروں گی کہ بھیجا نکل پڑے گا۔ جا نکل یہاں سے خبردار جو صورت دکھائی ہوگی۔ کہاروں تم کنڈی کھٹکھٹاؤ۔"

**کہار**:۔ "سرکار اتی دیر سے جنجیر بجاوت اب کوؤ سنے نہیں تو ہم کا کرے۔"

**انجم**:۔ "ارے تو بے ایمانوں کسی سے پوچھو تو سہی کہ ڈاکٹر صاحب کا گھر یہی ہے۔" اگرداب حیات صفحہ ۵۸' ۵۹)

---

**جوگی**:۔ "مہارانی ہم جنگل کے باسی اس سونے روپیہ کو کیا جانیں۔ تیرا دھن دولت تجھ کو مبارک ہو۔"

**رانی**:۔ "مہاراج میں دکھیاری ہوں۔ میرا یتیم مجھ سے چھوٹ گیا۔ مجھ پر دیا کرو۔ ہو اپنی بپتا سُنا دو۔"

(جوہر عصمت چھٹا ایڈیشن ۱۵۴)

---

**ماں**:۔ "میرے چاند ابھی روٹی پکاتی ہوں' ذرا تھوڑا پانی لاؤ' آٹا گوندھوں۔"

**بچہ**:۔ "آٹا کہاں ہے! ہنڈیا خالی پڑی ہے۔ پیسے لاؤ مرلی سے آٹا لے آؤں۔"

**ماں**:۔ "چندا میرے پاس پیسے نہیں ہیں' یہ پیک لے جاؤ صراف کو دینا' وہ جتنے پیسے دے اُس کا آٹا لے آنا۔"

**بچہ**:۔ "اماں بیگم! میں اتنی دُور جاؤں!" **ماں**:۔ "میں دروازے پر کھڑی ہوں' جاؤ بھاگ کر لے آؤ' شاباش شاباش۔"

(بساط حیات صفحہ ۲۵۰)

---

**احسن**:۔ "۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اصل بات یہ ہے کہ میرا فیر آج تک خالی ہی نہیں گیا۔"

**میر صاحب**:۔ "سرکار آپ کی بات آپ کے ساتھ ہے حضور کا تو ارادہ ہی شکار کے واسطے ملک الموت ہے ساری دنیا کہہ رہی ہے کہ اس وقت ہندوستان میں دو شخص ہیں ایک تو نواب حیدرآباد اور ایک حضور جن کا نشانہ خطا ہی نہیں ہو سکتا۔"

**احسن**:۔ "مجھے تو انگریزوں پر تعجب ہے کہ وہ بھی میرے نشانہ کی تعریف کرتے ہیں۔"

**میر صاحب**:۔ "جی ہاں کلکٹر صاحب کے خانساماں نے مجھ سے خود کہا کہ صاحب تعریف کرتے تھے۔"

**احسن**:۔ یہ لوگ اصل میں ہنر کے قدردان ہیں پچھلے موقعہ پر صاحب کے ساتھ میں نے بھی کئی فیر کئے۔ یہ اتفاق تھا کہ سب

سب خالی گئے۔ مگر صاحب نے پتیرا بہت پسند کیا۔"

**میر صاحب:** حضور یہ تو حکومت ہی پتیرے کی کرتے ہیں۔ یہ جو دن رات قواعد اور پریڈ ہوتی ہے یہ ہے کیا؟ بس پتیرا۔"

(جوہر عصمت چھٹا ایڈیشن صفحہ ۲۵)

---

**ماں:** سلطان چندا جی کیسا ہے؟" — **بچہ:** اُہنہ۔ اُہنہ۔ ام۔ ماں"

**ماں:** بیٹے کیسا جی ہے؟" — **بچہ:** انا دلد ہوتا ہے۔ نا۔ گلے میں۔"

(نسوانی زندگی تیسرا ایڈیشن صفحہ ۱۴)

---

**تھانہ دار:** اگر ہم تجھ کو ایسی ترکیب بتادیں کہ تیری تمام تکلیفیں رفع ہوجائیں تو بھی مزے کرے اور تیرے بچے بھی تو کیا دلوائے۔"

**عبداللہ:** بھلا سرکار میں کس قابل ہوں حضور کی کمائی میں ہم غریبوں کا ساجھا ہے۔ حضور کے نمک سے ہم پل رہے ہیں۔ میں کیا دونگا۔ معصوم بچے عمر بھر اور میری زبان ہمیشہ دعا دے گی۔"

**تھانہ دار:** سُن اس وقت یہاں میرے اور تیرے سوا کوئی نہیں۔ یہ برقنداز بھی غیر نہیں دیکھ تو نے سُنا ہوگا قلعہ معلیٰ میں قتل ہوا ہے۔ تو قاضی کے سامنے قتل کا اقرار کرلے یہ دیکھ مسجد کی طرف میں ہاتھ اٹھا کر کہتا ہوں جو تیرا بال بھی بیکا ہوجائے۔ لے یہ دس روپے لے جا باقی چالیس روپے اور دوں گا۔"

(نسوانی زندگی تیسرا ایڈیشن صفحہ ۲۵)

یہ مکالمے مختلف طبیعتوں مختلف حیثیتوں مختلف عمروں اور مختلف ماحول کے افراد کے ہیں اور واقعیت و اصلیت پر کس قدر مبنی اور کس قدر نیچرل کر اس کے آگے اللہ کا نام ہے۔ جس طبیعت اور جس حیثیت جس عمر اور جس ماحول کے شخص کی گفتگو دکھائی ہے۔ ہو بہو نقشہ کھینچکر رکھدیا ہے جہاں شک وشبہ کی گنجائش کا خیال بھی پیدا نہیں ہوسکتا۔ کمال فن اس کے آگے عاجز و مجبور ہے۔ علامہ مغفور کے کمال مکالمہ نویسی کے اس اعتراف کے ساتھ ساتھ ہم ان کے ناولوں اور افسانوں میں یہ بھی دیکھتے ہیں کہ کہیں کہیں مکالمہ طویل ہوگیا ہے اور فنی قیدیں توڑ دی گئی ہیں۔ لیکن کسی مقصد کے تحت فن کو توڑ دینا بذات خود ایک بڑا فن ہے۔ ان افسانوں کا مقصد محض ہمارا دل بہلانا نہیں سوسائٹی کی اصلاح۔ ہماری معاشرت ہمارے اخلاق ہمارے خیالات کی درستی ہے۔ وہ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں کرداروں سے کہلواتے ہیں۔ یہ سمجھ لینے کے بعد ان کے مکالموں پر جب ہم نظر ڈالتے اور یہ دیکھتے ہیں کہ انہیں ڈرامائی عنصر کثرت سے ہے تو حسرت ہوتی ہے کہ کاش انھوں نے چند ڈرامے لکھدیئے ہوتے؟ اگر اس طرف توجہ فرماتے تو ان کا شمار دنیا کے بڑے بڑے ڈرامہ نگاروں میں بھی ہوتا!

قدرتی مناظر کی مصوری میں مصور غم کو خاص ملکہ حاصل تھا ان کا شاید ہی کوئی ناول یا افسانوں کا مجموعہ ہو جس میں مناظر کشی کے بہترین نمونے نہ ہوں۔ ذیل میں ہم علامہ مغفور کے مختصر افسانوں سے چند اقتباسات دیتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ مناظر کشی میں انہیں کس قدر کمال حاصل تھا

"آسمان کی کروٹیں صحبت شب کے درہم برہم ہونیکا اعلان کر رہی تھیں۔ رات ختم کے قریب تھی۔ مؤذن وداع شب کی تیاری میں مصروف تھا۔ پرندے گھونسلوں میں اور دودھ پیتے بچے اپنے بستروں پر کلبلا رہے تھے۔ نسیم صبح اپنے فرائض کی ادائیگی کے بعد ٹہلتی اور مسکراتی اس دریچہ میں داخل ہوئی جہاں انسان کی صورت میں آسمانی حور اور عورت کی ہیئت میں قدرت کا بہترین تحفہ حمیرہ اپنے شوہر کے قدموں پر منہ رکھے ٹپ ٹپ آنسو گرا رہی تھی نسیم صبح کے پہلے جھونکے نے آگے بڑھ کر شوہر کے پاؤں چومنے والی لڑکی کے منہ کو بوسہ دیا اور ان لاتعداد پھولوں کی خوشبو جن میں وہ بسا ہوا تھا اس کے نازک لبوں پر قربان کردی۔"

(خدائی راج صفحہ ۶)

---

"مریض فلکی جو شام کے وقت سرخ لباس میں روپوش ہو رہا تھا دنیا کی آنکھوں سے رخصت ہوچکا اب کائنات رات کی سیاہ چادر میں چھپی ہوئی ہے۔ اور آج صبح سے حمیرہ کا مریض بھی وداع کی تیاریاں کر رہا ہے۔"

(خدائی راج صفحہ ۹)

"گرمی کی مختصر راتیں آ اور جا رہی تھیں - چاند چمک چمک کر چھپتا تھا اور تارے ونک ونک کر ڈوبتے تھے - شام کا دھانی جوڑہ رات کو لاجوانی ہوتا تھا جس کو باد سحر نورانی چادر اوڑھا کر سفید براق بنا دیتی تھی - غرض کائنات کا ہر ذرہ نشوونما کی منزل پر کلیلیں کرتا انحطاط کی طرف جارہا تھا - گنگا کی طغیانی اور سر بفلک لہریں پیش خیمہ تھیں - خاموشی اور خشکی کا - شب سیاہ نتیجہ تھی - صبح صادق کا اور بہار چمن دیباچہ خزاں کا - چنبیلی کے نازک پھولوں پر بجلی رات رات بھر کوندی اور دن دن بھر چمکی - آشیانہ بلبل پر بادل گھنٹوں گرجا - اور دنوں کڑکا - ہوا کے سرد قہقہے فضائے عالم میں روز و شب گونجے - مگر جوانانِ چمن کی رفتار میں فرق نہ آیا - بلبل شاخ گل پر گھنگھور گھٹاؤں میں چہکی - اور گلاب نگہ گلچیں کے روبرو موسلا دھار بارش میں مہکا - لیکن مستقبل کا ہر لمحہ چمنستانِ حیات کے بسنے والوں سے کوسوں دور تھا"

(سیلاب اشک چوتھا ایڈیشن صفحہ ۱۴)

---

کائنات کا مطالعہ علامہ مرحوم نے نہایت گہری نظر سے کیا تھا - جس کا ثبوت ہیں انکے متعدد ناولوں اور افسانوں میں ملتا ہے - قدرتی مناظر کی مصوری ان کے افسانوں کا بہت اہم جزو ہے لیکن انسانی کیفیتوں کے نقشے بھی ایسے ایسے کھینچے ہیں کہ زبان سے واہ نکلتی ہے اور دل سے آہ!

"عورت جسکی گود میں سال بھر کا بچہ تھا اور جس کے برابر ایک تین سال کا بچہ انگلی پکڑے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا - خاموش کھڑی تھی - مختلف قسم کے جذبات رہ رہ کر اس کے چہرے کا رنگ متغیر کر رہے تھے - کبھی خودداری کے بل اس کی سفید پیشانی پر نمودار ہو کر اس کی سیاہ اور بڑی آنکھوں کو اُوپر چڑھا دیتے تھے - اور اس کے کتابی چہرے کا ہر ورق بتاتا تھا کہ وہ واقعہ کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے واسطے تیار ہے - کبھی نسوانیت کی خاموش ادائیں اور مستقبل کا خوفناک منظر قلب اور دماغ دونوں کو کپکپا دیتا تھا - اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مقابلے کے تمام ہتھیار علیحدہ رکھکر اس نے دشمن کے سامنے اپنی گردن جھکا دی" (سیلاب اشک چوتھا اڈیشن صفحہ ۴۰)

"اب ایک نسوانی کمزوری اس کے چہرے پر نمودار ہوئی - منت اور سماجت کی لہریں اس کے رخساروں پر خاموشی کے ساتھ دوڑنے لگیں -

اس کا بدن کانپنے لگا - اور آنسوؤں کے چند قطرے آنکھوں سے نکل کر اس کے دونوں رخساروں پر آئے - اس نے رومال سے نہیں اپنے میلے دوپٹے سے آنسو پونچھے - شاما کا نغمہ بلند ہوا جس کے آخری دو ٹکڑوں نے اس کے جسم میں ایک عجیب روح پھونکدی - اس نے آنسو پونچھ کر اپنی نگاہ بلند کی اس شوہر کیطرف جس کے دو لفظ محبت کے تعلق نکاح کے رشتے اور بارہ سال کے واسطہ کو ختم کرنیوالے تھے" (سیلاب اشک چوتھا ایڈیشن صفحہ ۴۱)

## ۵ - مورخ اسلام

یاسمین شام - عروس کربلا - ماہ عجم - آفتاب دمشق - تیغ کمال - شہنشاہ کا فیصلہ - محبوبۂ خداوند - منظر طرابلس - کوئی سا تاریخی ناول اُٹھالو - نوبت پنج روزہ - امین کا دم واپسیں - دلّی کی آخری بہار - داستان پارینہ - کوئی سی کتاب دیکھ لو طرز بیان کی دلآویزی کتاب ختم کرنے پر مجبور کریگی - تاریخ خشک مضمون کہا جاتا ہے - مگر علامہ مغفور نے تاریخ کو افسانہ سے زیادہ دلچسپ بنا دیا - تاریخی ناولوں میں مسلمانوں کو اُن کی بھولی ہوئی تاریخ سے اس طرح واقف کر دیا ہے کہ دور اوّلین اور دور وسطیٰ کے مسلمانوں کے زرّیں کارناموں کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتا ہے - ان میں ہلال و صلیب کی لڑائیوں - اسلام اور نصرانیت کے معرکوں مسلمان خواتین کی ناموس اسلام پر قربانیوں اور مسلمان مردوں کی ولولہ خیز جانبازیوں کے دل ہلا دینے والے مناظر دکھائے ہیں - نوبت پنج روزہ اور دلّی کی آخری بہار میں فسانۂ شب سُنا کر دردمند دلوں کو تڑپا دیا ہے - مورخ واقعات کا پابند ہے مگر افسانہ نگار آزاد - وہاں حقیقت ہے یہاں تخیل - علامہ مغفور نے تاریخ میں افسانہ کا رنگ پیدا کر کے واقعات کی سرزمین پر تخیل کے جو پھول کھلا دیئے وہ چمن ادب میں سدا بہار ہیں - میکالے کی "تاریخ انگلستان" کی تاریخ کی حیثیت سے جس قدر مشہور ہے اس سے زیادہ شہرت اسکے دلآویز طرز تحریر کی ہے - اس اعتبار سے علامہ مغفور کے تاریخی شہ پارے معدن ادب کے بیش بہا جواہر ریزے ہیں - (باقی آیندہ)

رازق الخیری

# شیلا

شیلا کی عمر کا تیرھواں برس شروع تھا۔ مگر ماں باپ نے اُس کی جس طرح تربیت کی اور جس قسم کی تعلیم دلائی تھی اور دولتمندی کے راحت و آرام اُس کی صحت کو جس قدر بنا سکتے تھے اُس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ پندرہ سال کی نوجوان لڑکی معلوم ہوتی تھی۔ اور جس قدر کہ وہ جسمانی اعتبار سے نوجوان تھی اتنی ہی ذہنی اعتبار سے بلحاظ عمر آگے تھی۔

دن چھپ رہا تھا اور شیلا ایک کمرے میں اپنا اسکول کا کام کر رہی تھی۔ دفعتاً دور سے ایک گیت کی آواز نے اس کا دھیان بٹا لیا۔ یہ آواز شیلا کو بہت بھلی معلوم ہوئی۔ اور درجہ بدرجہ صاف اور تیز ہوتی گئی۔ شیلا کھڑکی پر آ کھڑی ہوئی اور اُس نے یا اُس کی آتما نے' محسوس کیا کہ یہ محض انسانی گلے کی آواز نہیں' اُس آواز کے درد کا بھید گانے کے فن میں بھی نہیں بلکہ وہ بیکسی کی پکار ہے' بھوک کی چیخ ہے۔

آواز بہت قریب سے آنے لگی اور شیلا نے دیکھا کہ ایک اُسی کی عمر کا لڑکا گا رہا ہے۔ نہیں گا نہیں رہا بلکہ بتا رہا ہے کہ "میں بھوکا ہوں' مجھے روٹی نہیں ملتی!" اُس کے بول یہ تھے۔

کوئی ہمدم نہ رہا کوئی سہارا نہ رہا
ہم کسی کے نہ رہے کوئی ہمارا نہ رہا

اس کے ان لفظوں کا مطلب بس اتنا تھا کہ "کسی نے میری روٹی چھین لی ہے' میں بھوک سے مرا جا رہا ہوں"!

شیلا یہ تو کیا سمجھ سکتی تھی کہ اُس بچے کی روٹی خود شیلا کے باپ نے چھینی ہے' اور نہ جانے ایسے کتنوں کی روٹی چھینتا رہتا ہے۔ لیکن وہ اس بات سے آشنا معلوم ہوتی تھی کہ اتنا سُریلا گلا بھیک مانگ رہا ہے' اور اس احساس سے کہ وہ بھوکا ہے' بہت بیتاب ہوئی۔ شیلا نے لڑکے کو بلایا۔ دوڑی ہوئی باورچی خانے میں گئی اور جو کچھ ہاتھ لگا اُٹھا لائی اور بچے کو دیدیا۔ خانساماں حیران رہ گیا۔

کھانا ملنے کے بعد وہ کیسا خوش تھا۔ اس کو وہی سمجھ سکتا تھا جس نے دو دن صرف پانی پی پی کر گذارے ہوں۔

"تم بڑی اچھی ہو"! اس کے مُنہ سے اس کے سوا کچھ نہ نکلا حالانکہ اس کی آنکھیں بہت کچھ کہہ رہی تھیں۔

لڑکا وہ سب چیزیں لیکر چلا گیا اور شیلا کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ جس کی بظاہر کوئی وجہ نظر نہ آتی تھی۔ اس حالت کو ہماری زبان میں ایک روحی بے آرامی کہا جا سکتا ہے۔ شیلا کی آنکھیں بھی اوس سے بھیگی نرگس بنی ہوئی تھیں۔ دیر تک وہ اپنے مطالعے کے کمرے میں اسی حال میں بیٹھی رہی۔ وہ غیر شعوری طور پر اس کا مقابلہ کر رہی تھی کہ خود اُسے کسی چیز کی کمی نہیں۔ وہ جو چاہتی ہے منٹوں میں فراہم ہو جاتا ہے۔ اور ایک یہ لڑکا ہے کہ بھوک سے مارا مارا پھر رہا ہے۔ اُس کا ننھا سا دماغ زندگی کی اس بڑی پہیلی کو بھلا کیا بتا سکتا تھا؟

دوسرے دن وہ ایک ناخوشگواری یا اذیت کی حالت میں مبتلا رہی۔ مگر نہیں سمجھ سکتی تھی کہ یہ کیا ہے اور کیوں ہے؟ اس نے دھیان بٹانا چاہا۔ مگر اس کی یہ بے کیفی دور نہ ہوئی۔

شام کے وقت وہ لڑکا پھر گانا مانگتا ہوا گذرا۔ شیلا نے اُسے بلا کر کچھ کھانا اور کپڑا بھی دیا۔ اور اس سے پوچھنے لگی:۔

"تم مانگتے کیوں ہو؟ کیا تمہارے ماں باپ نہیں"؟

"میں دن بھر مارکیٹ میں مزدوری ڈھونڈھتا ہوں۔ جس دن مزدوری نہیں ملتی تو مانگنے کے سوا کیا کروں۔ میری ماں ہے مگر وہ بیمار پڑی ہے"۔ "تم رہتے کہاں ہو"؟

"گندے نالے پر۔ پلیہ کے پاس ایک گھر ہے"۔ یہ کہہ کر اس نے شیلا کو دیکھا اور نگاہوں سے شکریہ ادا کرتا ہوا چلا گیا۔

---

دوسری شام کو شیلا نے یہ طے کر لیا کہ آج وہ اس کے ساتھ

جاکر اس کی بیمار ماں کو ضرور دیکھے گی۔ لیکن شام گذر گئی اور وہ
لڑکا نہ آیا۔ شیلا نے سمجھا آج اُسے مزدوری مل گئی ہوگی۔ لیکن
اس خیال نے اس کے نہ آنے کی کڑھن کو دُور نہ کیا۔ ڈنر کی گھنٹی
بجی، وہ بیٹھی رہی، نوکر آیا تو اُس سے کہہ دیا کہ بھوک نہیں ہے۔ پھر ما
بے قرار ہو کر آئی اور پوچھنے لگی:۔ "بے بی جی تو اچھا ہے"؟
"ہاں ممی میں بالکل اچھی ہوں"۔
"تو چلو کھانا کھالو، پاپا خفا ہوں گے کہ صحت کا خیال ۔ "
"نہیں ما، مجھے بالکل بھوک نہیں"!
شیلا ما سے باتیں کر رہی تھی کہ باپ بھی آ گیا۔ شیلا کا باپ
ایک مل کی منیجنگ ایجنسی کا غالب حصہ دار۔ اوسط عمر کا آدمی تھا۔
اسوقت وہ کھانے کا سیاہ انگریزی لباس پہنے ہوئے تھا۔ اُس نے
نہایت شفقت اور تردّد کے لہجے میں کہا:۔ "بے بی کھانا میز پر ہے
تم نے تو کپڑے بھی نہیں بدلے۔ کیسی طبیعت ہے"؟
"کچھ نہیں پاپا، اس وقت میرا جی نہیں چاہتا، اسی لئے
کپڑے نہیں بدلے"۔
"اچھا تو دودھ اُولٹین کی ڈبل خوراک لینا"!
شیلا اُس رات بھی بے جانے بوجھے بے کیف رہی۔ صبح
کو جب اُس کا باپ ایک بڑی سی موٹر میں سوار ہو کر مل کے دفتر
چلا گیا تو شیلا نے اپنی ما سے کہا:۔
"ممی میرے ساتھ چلئے گا میں اُس لڑکے کی ما کو دیکھنے جا رہی ہوں"
"بے بی ڈینیل کے ہاتھ جو چاہو بھیجدو یا اُسے یہاں بلوا لو گندے
مکانوں میں جانا اَن ہیلدی (unhealthy) ہے
پاپا خفا ہونگے ـــــ اتنے بڑے آدمیوں کے بچے یوں مارے مارے
نہیں پھرتے! سوسائٹی میں چرچے ہوتے ہیں"۔
"ممی، میں اُس بیمار بڑھیا کو دیکھنے جا رہی ہوں وہ راضی
ہوگئی تو اسے اسپتال لے جاؤں گی"۔
"تو بے بی ڈینیل کو کچھ روپے دے کر بھیجدو، تمہارے
جانے کی کیا ضرورت ہے"؟ "نہیں ما میں خود جاؤں گی"
"جاتی ہو تو جلدی پلٹ آنا۔ اور وہاں ناک سے رومال
لگائے رہنا۔ گندے محلوں کی ہوا بہت خراب ہوتی ہے ۔
بیماری کے کیڑے پھیلے ہوتے ہیں"۔

---

شیلا نے بیرے کو ساتھ لیا اور چھوٹی موٹر میں بیٹھ کر اُس پتے پر
جا پہنچی۔ اور بُلیہ کے پتہ سے اُس گندے اور شکستہ مکان کو پہچان لیا۔
موٹر کو سڑک پر چھوڑ مکان میں داخل ہوگئی وہ لڑکا بیٹھا دکھائی دیا۔
اُس نے دیکھا کہ ایک بڑھیا چیتھڑوں میں لپٹی مردہ سی پڑی ہے اور
وہ لڑکا اس کا ہاتھ پکڑے سسکیوں لے رہا اور "اماں اماں" کہہ رہا ہے
معلوم ہوتا تھا کہ وہ اتنا رو چکا ہے کہ اب سسکیوں کے سوا رو بھی نہیں سکتا
تھا۔ مری بڑھیا کا سوکھا بدن اور مرجھائی ہوئی شکل افلاس کا مرثیہ تھا
اور اُس کی نگاہیں حسرتوں کا نوحہ!
ادھر شیلا نے مفلسی اور موت کا منظر ایسا کبھی نہیں دیکھا تھا
وہ ڈر رہی تھی۔ وہ صورت حال کو سمجھ تو کیا سکتی تھی، مگر ہمدردی کے
جذبے کو سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔ احساس سب کچھ کرا لیتا ہے
چنانچہ جبلت کے طریق پر شیلا اُس لڑکے کو اٹھانے بڑھی، یہ کام آسان
نہ تھا تاہم ہمدردی نے کام کیا۔ لڑکے کے آنسو پھر جاری ہو گئے
اور وہ اُس کے ساتھ ہو لیا۔ وہ اُسے لیکر گھر پہونچی ٹیلیفون پر باپ کو
صورت واقعہ سے مطلع کیا اور لڑکے اور بڑھیا کی داستان غم سنائی
مگر باپ کو یہ پسند نہ آیا۔ لیکن بیٹی کا دل تھوڑا کرنا نہ چاہتا تھا۔ اُس نے
شیلا کو ہدایت کی کہ وہ مسلمان خانساماں سے دریافت کر کے ضرورت
کے مطابق روپے دیدے اور کفن دفن کا انتظام کر دے ۔
لیکن شام کو گھر پہنچ کر اُسے معلوم ہوا کہ وہ لڑکا بڑا ٹیڑھا سوال
ہے۔ وہ سمجھا تھا کہ لڑکے کو کسی یتیم خانے میں بھجوا دیا جائیگا مگر شیلا اُسے
گھر پر رکھنا چاہتی تھی۔ ہر چند شیلا کا باپ اچھی طرح جانتا تھا کہ سماج
اس کی دولت کے اثر سے اُس کی ساری بدعتوں کو سہارتی رہی ہے
لیکن اب خود وہ وزیر بننا چاہتا تھا اس لئے سماج کی خاطرداری کا
خیال بھی ضروری تھا۔
شیلا کا باپ تھا تو ہندو باپ کا بیٹا لیکن میڈان جاپان قسم کا
انگریز بن گیا تھا۔ مغربی معاشرت اور سادی اصول کاروبار نے

اُسے کچھ ایسے سانچے میں ڈھال دیا تھا کہ جن مشینوں کے ذریعے سے اس نے اپنی دولت اکٹھی کی تھی اسی کی طرح خود بھی ایک گوشت و پوست والی مشین بن گیا تھا اور اگر اس پر کوئی ناگہانی آفت نہ پڑے۔ اور ایسی ناگہانی اس پر ایک ہی دفعہ پڑی تھی جب اس کا پہلا لڑکا بارہ سال کا ہو کر مرگیا تھا۔ تو دُکھ درد اور افلاس و مصیبت کا نظارہ اُسے متاثر نہ کرتا تھا۔ جذبات اور نرم دلی کے اظہار کو وہ بدتمیزی سے تعبیر کرتا تھا، اور کسی بات کو اپنے راحت و آرام میں مخل نہ ہونے دیتا تھا۔ شیلا اس کی تنہا اولاد تھی اور چونکہ اسکی عمر کو پہنچکر اس کا لڑکا مرا تھا اس لئے شیلا لاڈ پیار اور اسکی خوبصورتی اور ذہین ہونے کے باعث سوسائٹی میں افتخار، ایسی باتیں تھیں کہ وہ اس کا دل میلا نہ کرنا چاہتا تھا۔ پھر بھی سمجھانے کے طور پر کہنے لگا:- "بے بی! ایک بھکاری لڑکے کو گھر میں کیسے رکھا جاسکتا ہے؟ سماج کو اعتراض ہوگا۔ گھر گھر چرچے کئے جائیں گے"۔

"پاپا! اُس کے پاس پہننے کو کپڑا نہیں، کھانے کو دانہ نہیں، وہ ایک اناتھ ہے ایسوں کی مدد کرنے پر کوئی پاگل ہی جو بُرا مانے گا، غریبوں کی مدد سب کرتے ہیں"۔

"یہ تو ٹھیک ہے، مدد جتنی چاہو کرو، پر اعتراض تو گھر میں رکھنے پر ہے، سوسائٹی ضرور ناک بھوں چڑھائے گی اور ہماری پوزیشن کے لوگ سوسائٹی کو ٹھکرا نہیں سکتے۔ تم اس بات کو نہیں سمجھ سکتیں"۔

"پاپا ہمیں سوسائٹی سے کیا لینا ہے! دیتی ہو سو دکھ چھوڑے! اناتھ پر سب دیا کرتے ہیں"۔

"شیلا ہمیں اس دفعہ اسمبلی میں پہنچکر وزیر بننے کی سوچ رہا ہوں ہم ہندو ہیں اور ہندو سماج نہیں مان سکتی کہ ایک مسلمان بھکاری ہمارے گھر میں رہے اور پرورش پائے۔ پھر کون ہندو مجھے ووٹ دیگا؟ یتیم خانے میں نہیں تو علی گڈھ بھیجدونگا، بس اب تو خوش ہو"!

"پاپا تو مجھے بھی بورڈنگ میں بھیجدیجئے"! شیلا نے رو کر کہا۔

یہ چیز ماں باپ دیکھ نہ سکتے تھے۔ شیلا کی ماں نے ابتک کچھ نہیں کہا تھا مگر شیلا کو روتا دیکھکر سفارش پر مجبور ہوئی اور باپ بھی ضبط نہ ہوسکا۔ شیلا کے اس حربے کے سامنے وہ ہمیشہ ہتھیار ڈالدیا کرتا تھا۔

اُس لڑکے کا نام جمال تھا۔ شیلا نے اسے تلفظ میں جمیل کردیا۔ ماں باپ کی سماجی مشکل کسی حد تک آسان ہوگئی یہ ظاہر کرنے کی ضرورت ہی کیا کہ وہ کون ہے؟ ایک رشتہ دار کا لڑکا ہے! شیلا کے ساتھ کھیلنے کو بلوالیا ہے۔ کون ڈھونڈھتا پھریگا؟ نام سے لوگ شبہ بھی نہ کرسکیں گے!

---

اب جمیل کیلئے کپڑے بنے چیزیں آئیں اور شیلا کی دلچسپیوں کا مرکز بن گیا۔ لڑکا نہایت ذہین تھا۔ شیلا کو پڑھانے کیلئے تین ماسٹر اور استانیاں آتی تھیں۔ اُن سے کہا گیا کہ اُسے جلد سے جلد جونیر کیمبرج کیلئے تیار کردیں۔ شیلا خود بھی چاہتی تھی کہ جلدی سے کمی پوری ہو اور وہ خود اس کے برابر آجائے چوتھے سال جمیل نے جونیر اور شیلا نے سینیر کیمبرج کا امتحان دیا جمیل پاس ہوگیا۔ اور شیلا فیل ظاہر ہے کہ جب اُس کا سارا دھیان جمیل کو اپنے برابر لانے میں لگا ہو تو خود کیا پڑھ سکتی تھی! اس کے فیل ہونے پر ماں باپ کو رنج ہوا کیونکہ اُس کی تیزی اور ذہانت ان کیلئے سوسائٹی میں وجہ افتخار تھی۔ مگر شیلا اتنی ہی خوش تھی، کہ اب جمیل اور وہ برابر تھے اور ایک ہی درجے میں ساتھ ساتھ پڑھیں گے۔

چار برس کی مدت میں شیلا کی ماں جمیل سے عزیزوں کی طرح مانوس ہوگئی۔ اس کی وجہ شاید اُس کے پہلے بچے کی موت ہو۔ ماں کے دل کا حال سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔ لیکن شیلا کا باپ اتنا مانوس نہ ہوسکا تاہم اب اس کو جمیل کی طرف سے تعصب نہ تھا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ شیلا کا باپ ذہانت کا بڑا شیدائی اور قدردان تھا، اور جمیل بے انتہا ذہین بچہ ثابت ہوا۔

یہ کہنا تحصیل حاصل ہوگا کہ شیلا اور جمیل آپس میں بہت مانوس ہوتے گئے۔ اس لئے کہ جب ساتھ پڑھیں، ساتھ کھیلیں، ساتھ کھائیں، تو اُنس و رفاقت تو بڑھنا تھی۔ اب ان کی فرصت کا وقت چیزوں کی عمدگی و خرابی اور معاملات کے صحیح و غلط ہونیکی بحثوں میں گزرنے لگا۔

دونوں نے بی۔ اے ساتھ کیا۔ شیلا نے لٹریچر میں اعزاز حاصل کیا اور جمیل نے تاریخ میں پہلا ڈویژن پایا۔ اس عمر کو پہنچکر جمیل ایک صالح اور ذہین نوجوان ایک تعلیم یافتہ شریف انسان بن گیا تھا، اور شیلا نے ماں باپ کے لاڈ پیار میں جو بعض ناخوش آیند باتیں اختیار کرلی تھیں جیسے ضد کرنا خلاف مرضی بات پر رو دینا جمیل کی صحبت سے دُور ہوگئی تھیں۔ اب وہ نئی تعلیم و تمدن کا ایک ایسا نمونہ تھی جسمیں جدید تہذیب کی خرابیاں دیکھنے کو نہ تھیں اتنا کچھ بیان سُن لینے کے بعد اس بات کو ظاہر کرنیکی ضرورت معلوم نہ

ہوتی نہیں کہ اُن کے اُنس اور خاصکر شیلا کے تعلق خاطر کا ذکر کیا ہی جائے۔ یہ بات تو ایک منطقی نتیجے کی طرح لازمی تھی! البتہ بتانے والی ایک بات یہ ہے کہ شیلا اُس اُنس سے جو اُسے جمیل سے ہو گیا تھا باخبر تھی مگر خود سے بھی چھپانا چاہتی تھی اور جمیل اُس جذبے سے جو شیلا کی طرف سے اُس کے دل میں پیدا ہو گیا تھا خبردار بھی نہ تھا!

شیلا کے باپ پر ان دونوں کے امتحان کے آخری برس معلوم ہو گیا تھا کہ شیلا اُس لڑکے کی طرف مائل ہے اور آگے چل کر یہ چیز مشکل ہو جائے گی۔ شیلا کا باپ بااثر اور صاحب رسوخ آدمی تھا۔ امتحان کا نتیجہ آنے سے پہلے ہی اُس نے ٹوٹی کوان میں جمیل کے لئے ایک نوکری کا انتظام کر رکھا تھا۔ اور جب وہ پاس ہو گیا تو درخواست بھجوا دی۔ نوکری معقول تھی۔ منظوری آتے ہی اُسے دہلی سے روانہ کر دیا۔

خود اپنے دل سے بے خبر جمیل معمولی فطری حالت میں رخصت ہو رہا تھا۔ مگر شیلا کا دل آنسو بہا رہا تھا۔ اُسکی نوکری کا بندوبست اتنا چپ چپاتے اور جھٹ پٹ ہوا، اور اس قدر صدمے کا باعث تھا کہ شیلا اپنے باپ سے حجت و تکرار بھی نہ کر سکی!

ریل میں سوار ہو کر دہلی کی حد سے نکل آنے کے بعد جمیل نے اپنے دل کے خلا کو محسوس کیا، اور جس حالت سے وہ بے خبر تھا اچانک ابھر آئی اب وہ اپنی جہالت اور نادانی پر پشیمان تھا کہ اس حالت سے وہ بے خبر کیونکر رہ سکا!

ٹوٹی کوان پہنچکر سے شیلا کے باپ کا خط رکھا ہوا ملا۔ جو اُسکے دہلی روانہ ہونے سے ایک دن پہلے ڈاک میں ڈالا گیا تھا۔ اس خط میں شیلا کے باپ نے جمیل کو اُسکی یاد دلا کر اپنے احسان جتائے تھے اور ان احسانات کے بدلے میں اُس سے چاہا تھا کہ وہ شیلا سے کبھی خط و کتابت نہ کرے۔ اور چونکہ اُس نے جمیل کے احساس شرافت کے سامنے اپنی قوتیں صاف صاف بیان کر دی تھیں اسلئے جمیل نے وہی کیا جو اُس سے چاہا گیا، البتہ شیلا کو ایک اور صرف ایک خط ضرور لکھا اور اُس کے بعد وہ بے پتا ہو گیا۔

اُس کا خط یہ تھا:۔

شیلا

" میں اندھا تھا کہ اپنے دل کو نہ سمجھ سکا اور تم سے دور درد کچھ نہ کہہ سکا اب اس بنا پر کہ تمہارے والد کے خط سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ تم کو میرا بہت خیال ہے۔ اس خط کے ذریعہ سے اپنے دل کی پکار تم تک پہنچاتا ہوں۔

میں ٹوٹی کوان سے جا رہا ہوں اور نہیں کہہ سکتا کہ کہاں جاؤنگا! میں واقعی ایک بھکارن کا بچہ تھا اور وہ بھی مسلمان! تمہارے باپ کا نہیں بلکہ تمہارا احسان تھا کہ اُنہوں نے میری پرورش کی اور پڑھا لکھا کر انسان بنا دیا اور آرام کی نوکری بھی دلوا دی۔ لیکن ان کو یہ خطرہ ہے کہ ہم باہم شادی پر تیار نہ ہو جائیں جو اُن کی سیاسی مصلحتوں کے خلاف ہوتا اور سماجی وقار کو صدمہ پہنچتا۔ اُنہوں نے اپنے احسان کے بدلے میں میری شرافت اور اخلاق سے اپیل کی ہے کہ میں تم سے خط و کتابت بھی نہ کروں۔ ایک مسلمان اور وہ بھی بھکارن کا بچہ ایک نائٹ (سر) کی لڑکی کا شوہر بننے کا واقعی مجاز نہیں! شیلا میں اس کو اپنا اخلاقی فرض سمجھتا ہوں کہ اپنے محسن کو مشکلوں میں پھنساؤں!

شیلا، اگرچہ مجھے تمہارے احساسات کا یقینی علم نہیں، لیکن اپنے دل کی دھڑکن پر اعتبار کر کے اندازہ کرتا ہوں کہ اسکی آواز تمہارے دل میں ضرور گونجتی ہوگی۔ اور اگر جیا تو میرے لئے بس اتنا ہی بہت ہے"!

خدا حافظ

جمیل

اس خط کو پڑھ کر شیلا کی دُنیا تاریک ہو گئی۔ مگر اب وہ ہمیشہ کی طرح جھپٹ کر باپ کے پاس نہ جائے گی! اپنی بات منوانے کے لئے اُس سے حجت و تکرار نہ کرے گی! وہ بس ایک خیال بن کر رہ گئی ——— اور خیال بھی اُداس!

ل۔ احمد

# منظوم ترجمہ قرآن مجید

(از حضرت آغا شاعر قزلباش دہلوی)

## سورہ بقر۔ پارہ دوسرا۔ رکوع دوسرا

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ

منکر جو ہوگئے ہیں اور کفر پر مرے ہیں
(یعنی کہ تھے وہ کافر دنیا سے جب گئے ہیں)

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝

یہی وہ ہیں کہ جن پر لعنت ہے اُس خدا کی
انسان اور ملائک سب خلق کبریائی

خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ۝

(دائم ہے اُن پہ لعنت۔ پھٹکار یہی ہوگی)
کم ہوگا دکھ نہ اُن کا مہلت نہ مل سکے گی

وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ لَا إِلَٰهَ

اللہ ہے تمہارا بس ایک ہی اکیلا
اُس کے سوا نہیں ہے معبود کوئی حاشا

إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ

لیکن وہی رحیم و راحم خدا تعالےٰ
جو مہرباں بڑا ہے بیحد جو رحم والا

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ

بیشک (بنائے) گردوں خلقت زمین کی ہیں
نیرنگی شب و روز اور ان کی تازگی ہیں

وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنفَعُ النَّاسَ

چلنے میں کشتیوں کے دریا ہو یا سمندر لوگوں کے فائدے کی چیزیں لئے برابر

وَمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِن مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا

اور پانی جو خدا نے گردوں سے ہے اُتارا
جس سے زمین مرکر جیتی ہے پھر دوبارا

وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَابَّةٍ ص

اور چلنے والے اُس پر پھیلائے ہیں ہر اک جا
انسان۔ جانور سب۔ دو پا یا چار پایا

وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ

اور اُن ہواؤں میں جو بادل لئے ہیں سر پر
جو آسماں زمیں کے مابین ہیں مسخر

لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝

اُن سب میں اُس خدا کی ظاہر نشانیاں ہیں
جو ہیں سمجھنے والے اُن پر یہ سب عیاں ہیں

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَادًا

لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو چھوڑ کر خدا کو
ہمسر بنائے بیٹھے ہیں اُس کے ماسوا کو

يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ ط

اوروں سے ایسی اُلفت رکھتے ہیں وہ (رذالے)
جیسے خدا سے اُلفت کرتے ہیں اللہ والے

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ ط

ایماندار جو ہیں (اُنکی تو ہے یہ حالت) اُنکو خدا ہی سے ہے سب سے زیادہ اُلفت

وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ

اے کاش ظالموں کو اب وہ دکھائی دیتا

اُن کو عذاب دیکھنے پر جو دکھائی دے گا

أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ

اور یہ کہ ہر طرح کی قوت خدا ہی کو ہے

اور یہ کہ سخت تر ہے اُس کا عذاب (ہے ہے)

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا

(وہ ایسا وقت ہوگا) جب پیر سب کھچیں گے

اپنے مُریدوں سے وہ بیزاریاں کریں گے

وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ

ظاہر عذاب بھی وہ آنکھوں سے دیکھ لیں گے

اسباب اور وسیلے سب اُن کے کٹ چکیں گے

وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً

اور چیلے چانٹے اُبلے (جل بھُنکے) یہ کہیں گے

اے کاش لوٹ جائیں دنیا میں ہم جو پھر کے

فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا

تو ہم بھی اُن سے یوں ہی بیزاریاں دکھائیں

جیسے کہ ہم سے کی ہیں نفرت بھری ادائیں

كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ

یوں ہی خدا تعالےٰ اعمال ان کے (اُن پر)

دکھلائے گا اُنہیں سب حسرتیں بنا کر

وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ

اس پر بھی (ان کو جلنا ہے آگ میں سدا جی)

دوزخ سے پھر نکلنا ممکن نہ ہوگا اُن کو

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا

اے لوگو شوق سے تم وہ نوش جاں کرو (سب)

(اُگتی ہیں جو زمیں سے چیزیں حلال و طیّب)

وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ

شیطان کے قدم پر ہرگز قدم نہ رکھنا

(اس کی روش بُری ہے تم پیروی نہ کرنا)

إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ

دُشمن ہے وہ تمہارا بیشک کھُلا کھُلایا

(اُس سے بچاؤ خود کو ورنہ ہے پھر صفایا)

إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ

بدیاں سکھائے گا وہ اور بے حیائی تم کو

(رہے تاک میں تمہاری بس گھات میں ہی سمجھو)

وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ

اور یہ ہی چاہے گا تم (بہتان کوئی باندھو)

اللہ کے مخالف بے سمجھے بُوجھے بک دو

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ

اور جب کہا ہے اُن سے پیرو بنو تم اُس کے

جو تم پہ پیروی کو نازل کیا خدا نے

قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا

تو کہتے ہیں (نہیں جی ہم تو ہیں اُس کے چاکر)

پایا ہے باپ دادا کو ہم نے جس چلن پر

أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ

(کیوں جی) جو باپ دادا ہوں اُنکے ٹھوکورے

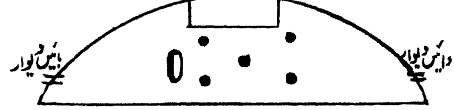
بے عقل و بے ہدایت (جب بھی یہ ہی کریں گے)

# مُصلح

## ایک ایکٹ کا ڈرامہ

**سعید** — ایک رئیس زادہ
**عذرا** — سعید کی چچا زاد بہن۔ عمر میں اس سے چھوٹی
**فاطمہ** — دوسرے چچا کی بیٹی۔ سعید کی ہم عمر
**پروفیسر** — ان سب کا اتالیق
**بُڑھیا عورت** — فقیرنی

### منظر اوّل




**ہدایات:**— ایک بڑا کمرہ۔ انگریزی طرز پر آراستہ۔ دائیں اور بائیں دروازے۔ سامنے دیوار میں آتش دان جس میں آگ روشن ہے۔ آتش دان کے سامنے دو کرسیاں رکھی ہوئی۔ اس سے ذرا ہٹ کر بائیں ہاتھ کی طرف ایک صوفہ۔ اس کے بعد دو نیچی کرسیاں۔ درمیان میں ایک گول میز رکھی ہوئی۔ دروازوں پر پھولدار پردے پڑے ہیں اور کونوں میں اسٹینڈ پر پیتل کے برتنوں میں گلدستہ رکھے ہوئے ہیں۔ دیواروں پر تین چار تصویریں

پردہ اُٹھتا ہے۔ فاطمہ آتش دان کے قریب داہنے ہاتھ کی کرسی پر بیٹھی ہوئی کچھ بُن رہی ہے۔ وہ سر کرسی کے تکیہ سے لگائے ہوئے کسی قدر آتش دان کی طرف سے گھومی ہوئی گول میز کی طرف رُخ کئے ہوئے ہے۔ اس کا رنگ گہرا سانولا اور صورت سے بہت زیادہ کم سخن اور غمزدگی کی حد تک متین معلوم ہوتی ہے۔

صوفہ پر سعید اور اس کے بائیں ہاتھ کے قریب عذرا بیٹھی ہوئی ہے۔ وہ دونوں سامنے چھوٹی میز پر اخبار کھولے اس پر جُھکے ہوئے ہیں۔ سعید اس وقت قمیص اور پتلون پہنے ہے۔ اس کے بال انگریزی طرز پر آراستہ ہیں۔ چہرہ کا صرف ایک رُخ دکھائی دے رہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رنگ گورا اور نقش و نگار اچھے ہیں۔ عذرا اس کے بائیں ہاتھ کی طرف تقریباً چھپی ہوئی ہے۔ صرف نیلی ساڑھی کی جھلک سے معلوم ہوتا ہے کوئی بیٹھا ہے۔ داہنے ہاتھ کی طرف کا دروازہ کُھلتا ہے اور پردے کے پیچھے سے پروفیسر نمودار ہوتا ہے۔ وہ ایک ادھیڑ عمر کا دبلا سا چھوٹے قد کا آدمی ہے۔ چندیا پر بال غائب صرف جھالر کی طرح تھوڑے سے سر کے چاروں طرف برش کئے ہوئے ہیں چہرے پر فرینچ کٹ داڑھی۔ وہ پردے کے پاس کھڑے کھڑے ناقدانہ نظر سے سب کی طرف دیکھتا ہے۔ سعید و عذرا آہستہ سے سر اُٹھاتے ہیں]

**پروفیسر** (جھٹکا دار بلند آواز میں) پڑھ رہے ہیں سب پڑھ رہے ہیں (سعید و عذرا کی طرف بڑھتا ہے۔ چلنے میں اپنی ٹانگوں کو کسی قدر جھٹکا دیتا ہے)

**سعید** (کھڑا ہو جاتا ہے۔ معذرت کے طور پر)

پروفیسر

میں تو ریڈیو کا پروگرام دیکھ رہا تھا۔

**فاطمہ** (اسی طرح بیٹھے بیٹھے) اور میں تو بن ہی رہی ہوں۔

**پروفیسر** (سعید کے قریب پہنچکر ہاتھ جھٹکتے ہوئے) ہر وقت کتابوں پر جھکے رہنا نوجوانوں کی تندرستی کا ناس کر دیتا ہے۔ ہزار دفعہ سمجھا چکا ہوں۔

(عذرا خاموشی سے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھنے لگتی ہے)

**پروفیسر** (سعید سے زوردار لہجہ میں):- میں پھر کہتا ہوں کہ اگر تم شام کے وقت کتابیں چھوڑ کر تفریح کی فکر نہ کروگے تو نقصان اُٹھاؤ گے۔

**سعید**:- لیکن پروفیسر اس وقت ہم کہاں جائیں؟ اس قدر سردی ہے۔ باہر ہلکی ہلکی بارش بھی ہو رہی ہے۔

**پروفیسر**:- ہونہہ۔ میں کہتا ہوں تفریح کرو تفریح۔

**سعید** (قریب آکر پروفیسر کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے خوشامدانہ لہجہ میں):- سینما لے چلوگے؟ میرے اچھے پروفیسر۔

**پروفیسر** (اچھل کر) سینما؟ پناہ بخدا! نوجوانوں کے اخلاق کے لئے اس سے بڑھ کر تباہ کن کوئی چیز نہیں۔

**عذرا** (کھڑے ہوکر):- کل کے "ڈیلی نیوز" میں آپ نے وہ مضمون نہیں پڑھا جو جاپان میں سینما کے ذریعہ تعلیم کی اشاعت کے متعلق تھا؟

**پروفیسر** (میز پر گھونسا مارتے ہوئے):- اچھا نہیں پڑھا تھا! لیکن میں کہہ سکتا ہوں کہ سینما سے زیادہ تباہ کن نوجوانوں کے اخلاق کے لئے کوئی دوسری چیز نہیں۔

**سعید** (چڑ کر) ہر چیز تباہ کن۔ پھر کیا سامان تفریح ہے۔

**پروفیسر** (کرسی پر بیٹھتے ہوئے فہمائش کے لہجہ میں) سیر تفریح کو جاؤ۔ برج کھیلو۔ ہاکی اور کرکٹ کھیلو۔ یہ نوجوانوں کے کھیل ہیں۔

**سعید** (مسکرا کر):- کل آپ ہی کہہ رہے تھے برج نوجوانوں کے لئے سخت مضر ہے اس سے قماربازی سیکھتے ہیں اور ہاکی .....

**عذرا** (ہنستے ہوئے):- وہ شاید ٹانگ توڑ دیتی ہے۔

**پروفیسر** (گھوم کر عذرا کی طرف دیکھتے ہوئے):- یہ سب غلط ہے۔ میں وہی کہتا ہوں جو کتابوں میں پڑھتا ہوں۔ کاش تم لوگوں کو معلوم ہوتا کہ تمہاری اعلیٰ تربیت کے لئے مجھے کس قدر مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ صبح سے شام تک لائبریری میں بیٹھا ہوا حفظان صحت۔ نفسیات اخلاق اور تربیت اطفال کے متعلق بڑے بڑے مصنفین کی کتنی موٹی موٹی کتابیں پڑھا کرتا ہوں۔ لیکن تم لوگ ایک کان سنتے اور دوسرے کان اُڑا دیتے ہو (ہاتھ جھٹک کر) آخر اس کی وجہ؟

**سعید** (سوچتے ہوئے):- اصل بات یہ ہے کہ آپکی نصیحتوں میں اس قدر تضاد ہوتا ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کونسی مانی جائے کونسی نہ مانی جائے۔۔

**پروفیسر** (زور سے):- تضاد؟ .... اس سے مطلب؟

**سعید**۔ مطلب یہی کہ ایک روز آپ کہتے ہیں کہ زور زور سے باتیں کرو۔ زور زور سے بولنا نوجوانوں کی صحت کیلئے مفید ہے۔ دوسرے روز جب اپنے کمرے میں بحث کرتے ہوئے ہماری آواز ذرا اونچی ہو جاتی ہے آپ فوراً بلا کر نصیحت کرتے ہیں کہ نوجوانوں کو ملائم لہجہ میں گفتگو کرنی چاہیئے۔

**پروفیسر**۔ قطعی لغو۔ ایسی فضول بات میں نے کبھی نہیں کہی۔

**سعید**۔ ایک نہیں بہت سی باتیں۔ عذرا ذرا میری ڈائری

لے آؤ۔ (پروفیسر گھبرا کر عذرا و سعید کے چہرے پر نظر ڈالتا ہے۔ عذرا داہنے ہاتھ کے دروازے سے چلی جاتی ہے اور فوراً ایک سرخ چھوٹی سی کتاب لے کر واپس آتی ہو۔ سعید دوسری کرسی کے ڈنڈے پر بیٹھ جاتا ہے اور کتاب ہاتھ میں لیکر زور دے دے کر پڑھنا شروع کرتا ہے) :۔ یکم جنوری۔ پروفیسر صاحب کا حکم۔ لنچ ٹائم۔ کھانا بتیس دفعہ چبا کر کھانا چاہئے۔ کھانے کے بعد دانتوں میں خلال نہیں کرنا چاہئے۔ اس سے دانتوں میں دراریں ہو جاتی ہیں۔ نوجوانوں کو تفریح کیلئے مارے مارے گھومنے کے بجائے گھر پر رہنا چاہئے۔ کھیل سب تباہ کن ہیں۔

**۲ جنوری۔** شام کا وقت۔ پروفیسر صاحب کا حکم۔ نوجوانوں کو عالموں کی لکھی ہوئی تمام علوم کی کتابیں از بر ہونا چاہئے۔ عمر کے قیمتی حصہ کو فضول ہنسی مذاق گھومنے پھرنے میں رائیگاں نہیں کرنا چاہئے۔

**۶ جنوری۔** ڈنر ٹائم۔ کھانا بہت جلد کھاؤ۔ اس سے تھوڑے وقت میں زیادہ کھا سکتے ہو (یعنی یکم جنوری کے حکم کے خلاف) ٹیبل ٹاک (کھاتے وقت باتیں) بالکل نہوں۔ کتابوں سے سر اُٹھا کر قدرت کا براہ راست مطالعہ کرنیکی عادت ڈالو (یعنی ۲ جنوری کے خلاف)

**پروفیسر:۔** ہوں ...... (سر کھجانے لگتا ہے اور چہرے سے گھبراہٹ ظاہر ہوتی ہے کھڑا ہو کر جانے لگتا ہے)

**سعید** (ہنس کر روکتا ہے) :۔ اچھا اور سن لیجئے ۷ جنوری کی ہاکی کھیلو۔ تفریح کرو۔ نوجوانوں کو اپنا وقت ہنس کھیل میں بسر کرنا چاہئے۔ اس سے عمر بڑھتی ہے۔ فاطمہ خوب ہنسو کھیلو۔

(فاطمہ جو سر جھکائے خاموشی سے بن رہی تھی اپنا نام سُنکر اُدھر دیکھنے لگتی ہے)

**پروفیسر** (فاطمہ کی طرف بڑھتے ہوئے) :۔ ہاں بیٹی فاطمہ! تم نے میرا مفلر ختم کر دیا ہے ؟

**سعید** (کتاب بند کر کے اس کے پیچھے جاتا ہے۔ خوشامد کے لہجہ میں) اچھا اب سینما لے چلو میرے اچھے پروفیسر۔

**پروفیسر** (سر جھکائے ہوئے) لیکن آج میرے پاس اتنے دام تو ہیں نہیں۔

**سعید** (خوش ہو کر) ارے داموں کی فکر ہے؟ وہ تو میرے پاس ضرورت سے زیادہ ہیں (اپنی جیب پر ہاتھ مارتا ہے۔ روپیوں کی آواز۔ خوشی سے اُچھلتا ہے) آہا اب کیا فکر؟ (پروفیسر کی طرف جھک کر) موٹر کے لئے کہدوں۔

(پروفیسر نہیں جانتا۔ کیا کہے۔ سر کھجانے لگتا ہے)

**سعید:۔** اچھا ابھی کہتا ہوں۔ (داہنے دروازے سے بھاگ کر چلا جاتا ہے)

## منظر دوم

**ہدایات:۔** سعید کا کمرہ۔ جو سامان سے معلوم ہوتا ہے کہ بیک وقت سونے پڑھنے اور کپڑے پہننے کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ کمرے میں پشت کی طرف اور داہنے ہاتھ پر دروازے جو دوسرے کمروں میں کھلتے ہیں۔ ان پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ بائیں طرف کا دروازہ باغیچہ میں کھلتا ہے۔ پردہ اُٹھنے کے وقت وہ دروازہ کھلا ہوا ہے اور باغ کا نظارہ صاف دکھائی دیتا ہے۔ داہنے کونے میں ایک آئینہ کی میز لگی ہوئی اس سے ذرا ہٹ کر دروازے کے اس طرف کپڑوں کے

کئی کبس رکھے ہوئے ہیں۔ ان کے اُوپر دیوار سے ایک کھونٹی پر کوٹ وغیرہ لٹکے ہیں۔ پشت کی دیوار سے لگی ہوئی بائیں کھڑکی کی طرف ایک مسہری ہے جس پر پردہ پڑا ہے۔ کھڑکی سے ہٹ کر بائیں دیوار کے پاس ایک پڑھنے کی میز جس پر کتابیں بے ترتیبی پڑی ہیں۔ کمرے کے وسط میں تین چار کرسیاں۔ کمرے میں تقریباً سب ہی چیزیں بے ترتیب ہیں۔

پردہ اُٹھتا ہے سعید سنگار میز کے سامنے کھڑا ہوا بال درست کرنے کے بعد نکٹائی ٹھیک کر رہا ہے۔ پروفیسر بائیں دروازے سے داخل ہوتا ہے۔ اس وقت وہ ایک کاسنی سوٹ پہنے ہوئے ہے۔ کمرے میں ناقدانہ نظر سے اِدھر اُدھر دیکھتا ہے پھر سعید کے قریب جاتا ہے۔

**پروفیسر:۔** یہ تمہارا کمرہ ؟ معلوم ہوتا ہے کہ رات کو سب چیزیں اُٹھ اُٹھ کر ایک دوسرے سے کشتی لڑا کرتی ہیں۔ (گھوم کر مسہری کی طرف دیکھتا ہے) میں کہتا ہوں کہ یہ تین تین جوڑے جوتے مسہری کے پاس کیسے پہنچ گئے۔

**سعید** (ٹائی کا پھندا کھول کر پھر سے ڈالتے ہوئے) بات یہ ہوئی کہ دو بیشتر ہی سے وہاں رکھے تھے تیسرا میں پہننے کیلئے لے گیا تھا۔

**پروفیسر۔** نوجوانوں کو ہر کام باقاعدہ کرنا چاہئے۔ اگر نہیں پہنا تھا تو واپس کیوں نہیں لے آئے۔

(سعید کچھ جواب نہیں دیتا)

**پروفیسر** (میز کی طرف دیکھتے ہوئے):۔ اور یہ کتابیں کیوں ایک دوسرے پر چڑھی بیٹھی ہیں۔

**سعید۔** یہ اس طرح ہوا کہ رات کو مجھے پڑھتے پڑھتے بہت زور کی نیند آگئی۔ سب کتابیں ویسے ہی چھوڑ کر مسہری پر آکر لیٹ گیا۔

**پروفیسر۔** پھر صبح کو ؟

**سعید** (ٹائی ٹھیک کرتے ہوئے) الٰہی بخش چونکہ بیمار ہے اس لئے کمرہ ٹھیک نہیں ہوا۔

**پروفیسر** (تیز آواز میں):۔ نوجوانوں کو ہر کام اپنے ہاتھ سے کرنا چاہئے اس سے بازوؤں میں توانائی آتی ہے (ہاتھ جھڑک کر) تم سے لاکھ درجہ تندرست تو وہ پچاس سال کا بڈھا الٰہی بخش ہے جو صبح تڑکے اُٹھ کر جھاڑو دیتا اور کمرے جھاڑتا ہے . . . . .

**سعید** (عاجز آتے ہوئے):۔ لیکن میرے پاس اتنا وقت کہاں ہے کہ بارہ بجے رات تک پڑھوں۔ اس کے بعد صبح تڑکے اُٹھ کر جھاڑو دوں اور کمرے جھاڑوں ؟

**پروفیسر** (زور سے میز پر گھونسا مارتے ہوئے):۔ تم نوجوان وقت کی قدر نہیں کرتے۔ جو وقت بچتا ہے اسے فضول کھیل کود اور لغویات میں ضائع کرتے ہو۔

**سعید** (پہلی دفعہ پروفیسر کی طرف گھوم کر مسکراتے ہوئے):۔ میں نے عرض تو کیا ایک ٹائم ٹیبل بنا دیجئے۔

**پروفیسر۔** ٹائم ٹیبل جو میں نے بنایا تھا ؟

**سعید** (ہنستا ہے) اسپر کیسے عمل کیا جا سکتا تھا کیونکہ سانس لینے کے لئے تو آپ نے کوئی وقت ہی نہ چھوڑا تھا۔ اور جو کام تھے ان کے درمیان میں تو اتنا وقفہ پیدا نہیں کیا جا سکتا تھا۔

**پروفیسر۔** ہوں . . . . .

**سعید** (اور ہنستے ہوئے):۔ اور سب سے بڑی مشکل تو یہ پڑتی تھی کہ آپ کی باتوں کا جواب دینے کے لئے کوئی وقت نہ نکلتا تھا۔

**پروفیسر** (سر کھجاتے ہوئے) اچھا اب دوسرا . . . .

**سعید** (داہنے دروازے کی طرف پلٹ کر) خیر اس وقت تو مجھے جانے دیجئے کالج کو دیر ہو رہی ہے ۔ (چلا جاتا ہے)

(پروفیسر بائیں طرف جانے لگتا ہے ادہر سے عذرا ایک بوڑہی کمر جھکی ہوئی عورت کے ساتھ داخل ہوتی ہے)

**پروفیسر** (چونک کر پیچھے ہٹتا ہے) :- ہائیں یہ کیسے کمرے کے اندر لے آئیں ؟

**عذرا** (آگے بڑھکر پروفیسر سے لپٹ جاتی ہے) پروفیسر یہ بڑی غریب ہے بیچاری ۔

**پروفیسر** ۔ ہونہہ! غریب ہے تو میں کیا کروں ؟

**عذرا** :- کچھ دیدیجئے ۔ اسے دیکھکر میرا دل بڑا دُکھتا ہے ۔

**پروفیسر** (عذرا کو الگ کرتے ہوئے) :- پھر وہی دل کا سوال! ارے میں کہتا ہوں نوجوانوں کو دل سے پہلے دماغ سے کام لینا چاہئے ۔

**عذرا** ۔ اور عقل بھی تو یہی کہتی ہے کہ اس غریب بڑھیا کی مدد کرنا چاہئے ۔

**بڑھیا** (کھڑا نہیں رہا جاتا بیٹھ جاتی ہے اور اپنا ہاتھ پھیلاتی ہے جس کی انگلیاں سکڑی ہوئی اور بیکار معلوم ہوتی ہیں) :- اللہ تجھے جیتا رکھے ۔ میں لولی اپاہج . . . . .

**پروفیسر** (بگڑتے ہوئے) :- ایسے ہی ہٹے کٹے مفت خوروں نے تو یہ گداگری کی لعنت ملک بھر میں پھیلا رکھی ہے ۔

**عذرا** (بات کاٹ کر) :- لیکن یہ تو ہٹی کٹی نہیں ہے ۔

**پروفیسر** ۔ ہونہہ! یہ نہ سہی تو اس کے بھائی بند ۔ ماں باپ ۔ بیٹی بیٹے تو محنت کرکے روزی کمانے کے بجائے دوسروں کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالتے پھرتے ہیں اور تنہا . . .

**بڑھیا** (پھر ہاتھ پھیلاتی ہے) میں لولی اپاہج ہوں ۔ اللہ کے نام پر مانگتی ہوں ۔

**عذرا** (پروفیسر کے قریب جاتے ہوئے) :- اس وقت تو کچھ دیدیجئے وہ بھوک سے مر رہی ہے ۔

**پروفیسر** (بات ختم کرتا ہے) اور تمہارے ایسے نوجوان جو ہر بات میں دل کو سب سے پہلے پیش کرتے ہیں ۔ ان ہٹے کٹے فقیروں کو خیرات دیکر مفت خوروں کی تعداد بڑھاتے ہیں ۔ حالانکہ اصل غریب گھروں میں پڑے ہوئے ہیں انہیں کوئی نہیں پوچھتا ۔ اور یہ ہٹے کٹے فقیر . . . (پروفیسر غصہ میں بار بار سر ہلاتا اور ہاتھ جھٹکتا ہے ۔ عذرا آگے بڑھکر اس کی جیب سے ایک اکنی نکالکر فقیرنی کی طرف پھینکتی ہے ۔ وہ اسے اُٹھا کر دعائیں دیتی ہوئی چلی جاتی ہے ۔ پشت کے دروازے سے فاطمہ سلائیوں سے بنتی ہوئی داخل ہوتی ہے)

**پروفیسر** :- یہ عذرا اور سعید . . . . دونوں نوجوان بس . . . . . تباہ کن ہیں . . . . .

**فاطمہ** (آگے بڑھتی ہے) :- کیا ہے پروفیسر ؟

**پروفیسر** :- بیٹی فاطمہ (بڑھکر اس کے سر پر ہاتھ رکھتا ہے) بس ایک تم ہو ۔ میری تمام تعلیم کا نچوڑ ۔ میری تمام محنت کا پھل ۔

(عذرا ان کی طرف دیکھ کر مسکراتی ہے اور بائیں دروازے سے چلی جاتی ہے)

## منظر سوم

[**ہدایات** ۔ سہ پہر کا وقت ۔ ڈرائنگ روم منظر اول کی طرح آراستہ ۔ صرف فرق اتنا ہے کہ میز کے پاس والی

دونوں کرسیوں کا رُخ بجائے آتش دان کی طرف کے کسی قدر
سامنے کی طرف ہے۔ پردہ اُٹھتا ہے پروفیسر داہنا ہاتھ جیب
میں ڈالے کسی قدر بے چینی کے ساتھ دائیں بائیں ٹہل رہا ہے
بائیں دروازے کا پردہ ہلتا ہے اس کے پیچھے سے سعید نمودار
ہوتا ہے وہ اس وقت سفید پتلون اور دھاری دار قمیص پہنے
اور ہاتھ میں ٹینس کا بلا لئے ہوئے ہے۔ اسے دیکھتے ہی
پروفیسر رُک جاتا ہے]

**سعید** (دو قدم آگے بڑھ کر مودب کھڑا ہو جاتا ہے لیکن
چہرے پر مسکراہٹ ہے) ارشاد؟

**پروفیسر**:۔ یہاں آؤ (اس کا ہاتھ پکڑ کر لاتا ہے خود بائیں
کرسی پر بیٹھ جاتا ہے ۔سعید دوسری کرسی کے ڈنڈے پر
ٹک جاتا ہے اور استفسارانہ نظر سے اس کی طرف دیکھتا ہے)

**پروفیسر** (ہاتھ جھٹک کر بلند آواز میں) تمہارا اخلاق حد
درجہ تباہ کن ہے۔

**سعید** - کیا ہوا۔ فرمایئے تو۔

**پروفیسر** (سر کو جھٹکا دیتے ہوئے):۔ حد درجہ تباہ کن۔
جب خواتین کے ساتھ رہتے ہو تو دونوں سے نہایت
اخلاق سے پیش آنا چاہیئے۔

**سعید** - فرمایئے تو میں نے کیا کیا؟

**پروفیسر**:۔ عذرا تمہاری چچا زاد بہن ہے اور فاطمہ بھی۔
پھر کیا وجہ ہے کہ تم فاطمہ کو حد درجہ ذلیل سمجھتے ہو حالانکہ
تم نوجوانوں میں ہی میری تعلیم کا نچوڑ اور میری محنت کا پھل ہو

**سعید** (مسکراتے ہوئے):۔ اسے تو میں بھی تسلیم کرتا ہوں۔

**پروفیسر**:۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آج صبح جب تم لوگ
ہوا خوری کو جا رہے تھے تو فاطمہ اپنا مارننگ کوٹ پہننے
چلی آئی مگر تم اس کا انتظار کئے بغیر چل کھڑے ہوئے۔

**سعید** (قہقہہ لگاتے ہوئے کھڑا ہو جاتا ہے):۔ وہ تو یوں
ہوا کہ ہم سمجھے فاطمہ جا نہیں رہی ہے۔

**پروفیسر**:۔ حد درجہ تباہ کن . . . . جب دو خواتین کے
ساتھ رہتے ہو دونوں کی مرضی کا خیال رکھو۔ اگر ایک دن
ایک کو ہوا خوری کے لئے لے جاؤ تو دوسرے روز دوسری
کو۔ مساویانہ برتاؤ۔

**سعید** - لیکن فاطمہ تو میری بیوی نہیں بنیں گی۔

**پروفیسر** - اور عذرا . . . . ؟

**سعید** - (پروفیسر کے چہرے کی طرف دیکھ کر مسکراہٹ کے نرم
لہجے میں) عذرا سے تو میں محبت کرتا ہوں اور ہم دونوں کی شادی
ہونے والی ہے۔

**پروفیسر** (کرسی سے اچھل پڑتا ہے) محبت؟ محبت نوجوانوں
کے اخلاق کیلئے اس سے زیادہ تباہ کن کوئی چیز نہیں۔ تم
نوجوان دل سے پہلے آخر دماغ سے کیوں نہیں کام لیتے (ہاتھ
جھٹکتے ہوئے) چھوڑ دو اس سے باز آؤ۔ افسوس میری تمام
تعلیم بیکار گئی . . . . وہ موٹی موٹی ضخیم کتابیں جنہیں پڑھ پڑھ کر
میں تم لوگوں کو تعلیم دیتا تھا کسی کام نہ آسکیں۔ ایک کوڑی
کے قابل نہیں جو دو نوجوانوں کو ایسی زبردست حماقت سے باز رکھیں۔

(پروفیسر اسی طرح اچھل اچھل کر لیکچر دیتا ہے اور سعید سامنے کھڑا ہوا
مسکرا رہا ہے) پردہ

آئی - این (بی - اے)

# گھریلو بجٹ

جس طرح ہر حکومت اپنی آمدنی و خرچ کے پورے پورے حسابات رکھتی ہے اسی طرح ہر گھر کی آمدنی اور خرچ کا حساب رکھنا چاہئے، یہ صحیح ہے کہ حکومت کے بجٹ کا تعلق مالیات عامہ سے ہے۔ اور گھریلو بجٹ کا تعلق متعلقہ شخص کی ذات سے ہے، اور اس باریک فرق کی وجہ سے مالیات عامہ اور خانگی مالیات میں امتیازات پیدا ہو جاتے ہیں مگر اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہو سکتا کہ چونکہ خانگی مالیات کا تعلق متعلقہ افراد سے ہوتا ہے، اور بالعموم اس کی اچھائی یا بُرائی سے وہی متاثر ہوتے ہیں۔ اس لئے گھریلو بجٹ کو نظر انداز ہی کر دیا جائے۔

جب کسی گھر کا بجٹ نہیں بنتا تو وہاں اندھا دھند خرچ ہوتا ہے، میں اکثر ایسے گھرانوں سے واقف ہوں اور آپ کے علم میں بھی ایسے متعدد خاندان ہوں گے جن کی آمدنی معقول ہے۔ مگر ان کے گھر میں کوئی نظم نہیں ہے۔ باوجودیکہ رقم کافی صرف ہوتی ہے مگر وقت پر کوئی چیز نہیں ملتی، ہر دوسرے تیسرے روز شکایت رہتی ہے کہ اس وقت چیز ختم ہو گئی یا فلاں چیز موجود نہیں، بالخصوص غیر معین آمدنی پانے والے حضرات مثلاً وکیل، ڈاکٹر اور تاجروں کے یہاں یہ چیز بہت نمایاں نظر آتی ہے۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ غیر معین آمدنی حاصل کرنے والوں کے لئے بجٹ بنانا بہت مشکل ہے، تاہم ان کو اپنی آمدنی کا ایک اندازہ تو ہوتا ہے۔ اس کی بنا پر تخمینی بجٹ بنایا جا سکتا ہے۔ آخر حکومتیں بھی تو یہی کرتی ہیں کہ متوقعہ آمدنی کی بنا پر اپنا بجٹ ترتیب دیتی ہیں۔ دوسری جانب ایسے گھرانے نظر آتے ہیں جن کی آمدنی کم ہے، مگر وہ اپنی تھوڑی آمدنی کو اس طرح صرف کرتے ہیں کہ کبھی کسی بات کی شکایت نہیں سُنی جاتی، اس فرق کی یہ وجہ نہیں ہے کہ باسلیقہ گھرانے اپنی آمدنی و خرچ کا کوئی ٹھیک ٹھیک بجٹ تیار کرتے ہیں، لیکن وہ ذہنی طور پر ضرور ایسا کرتے ہیں، اور اسی کی بدولت وہ باسلیقہ نظر آتی ہیں۔

یہاں ایک اور چیز کا تذکرہ بھی ضروری ہے، بے سلیقہ گھرانوں کا تو ذکر نہیں باسلیقہ گھرانوں میں بھی نظم عام حالات میں اچھا رہتا ہے مگر جب کبھی غیر معمولی حالات پیش آجاتے ہیں تو سارا انتظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ذہن میں ان چیزوں کا تصور نہیں ہوتا۔ اور ان کے لئے کوئی رقم محفوظ نہیں رکھی جاتی غیر معمولی واقعات میں گھر والوں کی طویل بیماریاں، ناگہانی حادثے اور مصیبتیں شامل ہیں، ہندوستان میں ایک اور چیز بھی اس ضمن میں آتی ہے وہ کسی عزیز کا مع اس کے خاندان کے ایک طویل عرصہ کے لئے ناخواندہ مہمان بن جانا ہے۔ شہروں اور مرکزی مقامات پر رہنے والوں کو اس کا بڑا تلخ تجربہ ہوتا ہے۔ جب کبھی ان کے گاؤں یا قصبہ سے کوئی شخص آنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ یہ بھی طے کر لیتا ہے کہ فلاں شخص کے یہاں قیام کرے گا۔ چنانچہ عزیز داری، قرابت اور قدیم خاندانی مراسم اسی وقت کام آتے ہیں۔ خواہ مہمان کسی مقدمہ کے سلسلے میں آیا ہو یا منگنی کے تلاش معاش کی ضرورت ہو، یا تجارت کا مال خریدنے کی، محض تفریح کی

خاطر آیا ہو یا دیہات کے پلیگ اور ہیضہ سے ڈر کر شہر میں پناہ لی ہو، وہ اپنے میزبان کو یہی یقین دلانے کی کوشش کرتا ہے کہ اس کی آمد محض خلوص اور محبت پر مبنی ہے۔ وہ خالصتاً اسی غرض سے آیا ہے۔ اب یہ بات دوسری ہے کہ وہ ضمنی طور پر بعض دوسرے کام بھی انجام دے لے۔ اب ظاہر ہے کہ ماہوار بجٹ ان غیر معمولی حالات کا مقابلہ کرنے کی تاب نہیں لاسکتے اور اس سے غریب میزبان اور اس کے گھر والوں پر کیا گذرتی ہے۔ اس کا اندازہ وہی لوگ کرسکتے ہیں جن کو شہروں میں رہنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ اور جن کے عزیز و اقارب اور دوست احباب دیہات اور قصبات میں پھیلے ہوئے ہوں۔

ایک خاتون کے پاس کچھ اُون ہے، اُس کو اپنے بچّوں کے موزے اور ٹوپے اور اپنے شوہر کے لئے سوئٹر تیار کرنا ہیں، اب عمدہ اور باسلیقہ خاتون اسی کو کہا جا سکتا ہے جو اس اُون کو اس طرح استعمال کرے کہ سب چیزیں تیار ہو جائیں، یہ نہ ہو کہ کسی ایک چیز میں زیادہ اُون صرف ہو جانے کی وجہ سے دوسری چیزیں ادھوری رہ جائیں۔ گویا مختلف چیزوں میں ایک قسم کی نسبت ضروری ہے۔ یہی اصول گھر کی تمام چیزوں پر منطبق ہونا ضروری ہے۔ یقیناً اس گھر کو اچھا نہیں کہا جا سکتا جہاں عمدہ اور مرغن غذائیں کھائی جاتی ہوں۔ مگر لباس کی طرف سے سب لاپروا ہوں۔ بچے پھٹے پُرانے کپڑے پہنتے ہوں اور عورتوں کے چیتھڑے لگ رہے ہوں، اسی طرح وہ گھر بھی تعریف کا مستحق نہیں ہے جہاں لباس اور غذا پر کافی رقم صرف کی جاتی ہو، مگر بچوں کی تعلیم پر کچھ صرف نہ ہو رہا ہو۔ گویا مختلف ضروریات میں ان کی اہمیت کے لحاظ سے ایک قسم کے تناسب کی ضرورت ہے۔ اور یہ تناسب اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ گھر کی آمدنی و خرچ کا صحیح صحیح حساب نہ رکھا جائے۔

اب آیئے ایک بجٹ بنائیں، سب سے پہلے آمدنی کا حساب لگانا چاہئے، اس میں شوہر کی تنخواہ، الاؤنس، اور دوسری آمدنی کے علاوہ اگر آپ کی خود بھی کچھ ذاتی آمدنی ہے تو اس کو بھی شامل کرنا چاہئے۔ مثلاً کسی مکان کا کرایہ، یا سلائی اور کشیدہ کاری کی آمدنی وغیرہ۔ اگر بچوں کو اسکول سے کوئی وظیفہ ملتا ہے یا ان کی فیس معاف ہے تو فیس کے مساوی رقم مجموعی آمدنی میں شامل ہونی چاہئے۔ اگر آپ کے پاس عارضی طور پر کوئی ایسا مکان رہن ہو جس میں آپ کی سکونت ہے اور جس کا کرایہ آپ کو ادا نہیں کرنا پڑتا تو اس مکان کا تخمینی کرایہ آمدنی میں شامل کرنا چاہئے۔ اگر مکان مستقل اور ذاتی ہے، تو ایسی صورت میں مکان کے کرایہ کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ مگر مکان کا کرایہ جمع کرتے وقت ایک چیز کا خیال رکھنا چاہئے کہ وہی رقم جمع کی جائے جو عام حالات میں ادا کی جاتی، مثلاً فرض کیجئے کہ آپ کے پاس ایک مکان ہے جس کا کرایہ پچیس روپے ماہوار ہے، لیکن آپ میں اس قدر کرایہ ادا کرنے کی استطاعت نہیں ہے اور اگر آپ خود کرایہ کا مکان لیں، تو وہ چھ سات روپیہ سے زاید کا نہ ہوگا۔ ایسی صورت میں یہی رقم آمدنی میں شامل کرنا چاہیئے۔

آمدنی کا پورا پورا حساب لگانے کے بعد اخراجات پر نظر ڈالئے، ان میں سب سے پہلی اور اہم ترین شے غذا ہے۔

ہندوستان میں جہاں زبان، مذہب، تمدن کے اختلافات ہیں وہاں غذا کا مسئلہ بھی یکساں نہیں ہے۔ بنگال، مدراس اور تلنگانہ میں چاول زیادہ کھائے جاتے ہیں، تو پنجاب میں گیہوں، مالوہ اور ریاستہائے متوسط میں مکی اور جوار کا زور ہے۔ اور سرہتواڑی میں جوار اور راگی کھائی جاتی ہے۔ غلہ کے علاوہ دوسری غذاؤں کا بھی یہی حال ہے۔ اس لئے غذا کا تعین بہت زیادہ دشوار ہے۔ مگر ایک عام چیز یہ ہے کہ جس طرح روکھی پھیکی غذا صحت کے لئے مفید نہیں ہوتی اسی طرح بہت زیادہ مرغن غذا بھی صحت بخش نہیں ہوتی، غذا سادہ ہونا چاہیئے۔ اور سوائے چند چیزوں کے اچھی طرح پکی ہوئی ہو، گوشت، مچھلی اور انڈے تو اپنے اپنے عقائد کے لحاظ سے کھائے جاتے ہیں، مگر دودھ، مکھن، ترکاری اور پھلوں کا استعمال ہر گھر میں لازمی ہے۔ یہ خیال کہ یہ غذائیں بہت زیادہ قیمتی ہوں گی صحیح نہیں ہے، حکومت ہند کی جانب سے تحقیقات کے بعد ایک بلیٹین شائع ہوا ہے جس میں اس نے کم سے کم صحت بخش غذا کا تعین کیا ہے، ایک بڑے آدمی کے لئے روزانہ حسب ذیل چیزیں مقرر کی ہیں، اس غذا کی لاگت ۸ روپیہ ماہوار کے قریب ہوتی ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| صاف کئے ہوئے چاول | ۱۰ اونس | بغیر پتوں کی ترکاریاں | ۶ اونس |
| کنکیاں | ۵ اونس | پتوں والی ترکاریاں | ۴ اونس |
| دودھ | ۸ اونس | گھی اور تیل | ۲ اونس |
| دالیں | ۳ اونس | پھل | ۲ اونس |

لاگت میں ضروری مصالحے اور ایندھن کی قیمت بھی شامل ہے۔

اب ہر گھرانہ اپنی معاشرت اور ماحول کا لحاظ کرتے ہوئے صحت بخش غذا کا تعین کر سکتا ہے اور اس طریقہ پر عمدہ چیزیں کھا سکتا ہے۔

غذا کے بعد دوسرا نمبر لباس کا ہے، مردوں کا لباس تو خیر ہر گھر میں اچھا ہوتا ہی ہے مگر عورتوں اور بچوں کے لباس سے بڑی لاپروائی برتی جاتی ہے، عورتوں کا لباس سادہ ہونا چاہیئے، بھڑک دار اور ریشمین کپڑوں سے پرہیز کرنا چاہیئے، بچوں کا لباس بھی سادہ اور مضبوط ہونا چاہیئے۔ ان کے کپڑے نہ بہت زیادہ تنگ ہوں نہ ڈھیلے، لباس ہی میں جوتہ، ٹوپی، لحاف، بچھونے، تکیہ کے غلاف، پلنگ کی چادریں اور اس قسم کی دوسری چیزیں آجاتی ہیں اس لئے لباس کا بجٹ ایسا ہونا چاہیئے کہ ہر ماہ کچھ رقم پس انداز ہوتی رہے تاکہ موسم سرما کے آتے ہی جب سرد کپڑوں اور لحاف بچھونوں کی ضرورت ہو تو زیر باری نہ ہو۔

اس کے بعد مکان کے کرایہ کا نمبر ہے۔ اب اگر رہن کے مکان میں سکونت ہے تو کرایہ کو اخراجات کی مد میں ضرور رکھنی چاہیئے۔ اور اس رقم کو پس انداز کرتے رہنا چاہیئے۔ امکان ہے کہ ایک طویل عرصہ میں اتنی رقم جمع ہو جائے کہ مکان خرید جا سکے، اس ضمن میں روشنی اور گھر کی مرمت یا سفیدی وغیرہ کے اخراجات شامل کرنا چاہئیں۔

چوتھی مد تعلیم کی ہونا چاہیئے، اس میں بچوں کی فیس، کتابوں کی قیمت، اور ماسٹروں کی تنخواہ وغیرہ کو رکھنا چاہیئے، اگر گھر میں بچے نہوں یا چھوٹے بچے ہوں تو ان کی تعلیم کے اخراجات پس انداز کرتے رہنا چاہیئے تاکہ اس طرح رقم جمع ہوتی رہے، اور بچوں کی اعلیٰ تعلیم میں مدد مل سکے۔

پانچویں چیز علاج معالجے کے اخراجات ہیں، یہ بھی ہر مہینے خواہ کوئی بیمار ہو یا نہو ایک معینہ مد ہونا چاہیئے اور جس کسی ماہ میں کچھ خرچ نہو یا جو رقم باقی بچے وہ پس انداز کرلی جائے تاکہ طویل بیماریوں میں پریشانیوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

چھٹی چیز تہوار، تقریبات اور زچگی کے اخراجات ہیں، یہ بھی ماہوار بجٹ میں شامل ہونا چاہیئے تاکہ عین موقعوں پر مالی مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

ساتویں مد تفریحات کی ہونا چاہیئے، اس میں پان، سگرٹ، حقہ، سینما اور پک نک وغیرہ کے اخراجات کو رکھا جائے۔

آٹھویں مد غیر معمولی اخراجات کی ہو۔ اس میں کسی خاص چیز کو شامل نہیں کیا جاسکتا، لیکن ہر قسم کی غیر معمولی آفتوں کے لئے یہ مجرب نسخہ ہے۔

پس انداز شدہ رقم گھر میں نہ رکھی جائے، بلکہ اس کو ڈاک خانہ میں جمع کردینا چاہیئے۔ کیونکہ دیکھا جاتا ہے کہ جب پیسہ پاس ہوتا ہے تو انسان کی ضروریات میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ اور معمولی معمولی ضروریات بھی شدت اختیار کرلیتی ہیں۔ بہتر صورت تو یہ ہے کہ ہر مد کی ایک پاس بک ہو، لیکن اگر ایسا کرنے میں کسی قسم کی دشواریاں ہوں تو یہ ہوسکتا ہے کہ گھر پر یہ حساب رکھا جائے کہ فلاں مد میں اتنی رقم محفوظ ہے، اور ڈاکخانہ میں مجموعی طور پر سب رقم جمع کردی جائے۔ نیز حتی الامکان اس بات کی کوشش کرنا چاہیئے کہ ایک مد کی رقم دوسری مد میں صرف نہو۔ غیر معمولی حالات میں غیر معمولی مد سے کام نکالا جائے، البتہ اگر کبھی حالات بالکل ہی ناگزیر ہوجائیں تو دوسری مدوں سے مدد لی جاسکتی ہے۔ لیکن حالات سنبھلنے کے بعد پھر ہر ایک مد کو الگ کردینا چاہیئے۔ اس طریقہ پر عمل کرنے سے بہت سے گھرانوں کا بگڑا ہوا نظام درست اور باسلیقہ گھرانوں کا نظام اور زیادہ عمدہ ہوسکتا ہے۔

کوئی فرضی بجٹ تیار کرنا آسان کام نہیں ہے، کیونکہ ایک تو ہر گھر پر اس انطباق نہیں ہوسکتا، دوسرے مختلف مقامات پر اشیاء کے بھاؤ مختلف ہیں، اور بعض جگہ ان میں بڑے اختلافات پائے جاتے ہیں۔ مثلاً مکانوں کا کرایہ، جلانے کی لکڑی کا نرخ اور ملازموں کی تنخواہیں۔ بہ نسبت قصبات کے بڑے شہروں میں بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ تاہم ہم نے ایک مثالی بجٹ تیار کیا ہے۔ فرض کیجئے ایک گھر کی جملہ آمدنی سو روپے ماہوار ہے۔ اور اس گھر میں میاں بیوی کے علاوہ تین بچے ہیں جن کی عمریں علی الترتیب ۷، ۹ اور ۱۲ سال ہیں۔ اس گھر کے ماہوار اخراجات کا بجٹ حسب ذیل ہے:۔

## غذا

| | | | |
|---|---|---|---|
| گیہوں مع پسائی وغیرہ | ۵—۰—۰ | چاول | ۱—۰—۰ |

| | | | |
|---|---|---|---|
| گوشت | ۱—۸—۰ | چائے وشکر | ۲—۸—۰ |
| ترکاری | ۲—۰—۰ | دودھ (ننھی بچی پاؤ بھر اور چائے کیلئے پاؤ بھر یومیہ) | ۵—۰—۰ |
| دالیں | ۱—۰—۰ | مصالحے | ۱—۰—۰ |
| مچھلی وانڈے | ۲—۰—۰ | لکڑی | ۲—۸—۰ |
| گھی | ۵—۰—۰ | متفرق | ۰—۸—۰ |
| | | | ۳۰—۰—۰ |

## لباس

(شوہر کے ۸ جوڑے سالانہ، بیوی کے ۸ جوڑے جن میں سے دو عمدہ قسم کے بچوں کے ۱۲ جوڑے سالانہ، جاڑوں کے لحاف بچھونے، میاں بیوی کے دو جوڑے جوتے اچھے اور ایک سادہ اور بچوں کے لئے ۳ جوڑے سالانہ)

| | | | |
|---|---|---|---|
| لباس | ۱۶—۰—۰ | تفریحات (سگرٹ، پان، اور مہینہ میں ایک بار سب کا سینما دیکھنا) | ۵—۰—۰ |
| دھوبی | ۲—۰—۰ | | |
| مکان کا کرایہ اور پانی | ۸—۰—۰ | تنخواہ ملازمہ (بلا کھانا) | ۵—۰—۰ |
| روشنی | ۲—۰—۰ | مد متفرقات (سنگھار کا سامان، تیل، صابن، حجام، بھنگی وغیرہ) | ۳—۰—۰ |
| فرنیچر یا برتن وغیرہ | ۲—۰—۰ | اخبار و ڈاک وغیرہ | ۲—۸—۰ |
| تعلیم (اسکول کی فیس کتابوں اور کاپیوں کے اخراجات، اور ٹیوشن کی رقم) | ۱۰—۰—۰ | خیرات | ۰—۸—۰ |
| بیماری | ۴—۰—۰ | پس انداز یا غیر معمولی اخراجات | ۵—۰—۰ |
| تہوار وزچگی[1] | ۵—۰—۰ | میزان | ۱۰۰—۰—۰ |

[1] تہوار کے اخراجات میں بچوں کے نئے کپڑوں کو شامل نہیں کیا گیا۔ بچوں کے کپڑے ایسے ہی مواقع پر بنائے جائیں جبکہ تہوار قریب ہوں۔

محمد احمد سبزواری ایم۔اے (عثمانیہ)

# اعجازِ اسلام

آج بھی دنیا کو حیرت ہے کہ یہ کیا ہوگیا — مذہبِ اسلام کا بڑھنا اچنبا ہوگیا
وہ عرب کا مُلک وہ وحشی قبائل کا دماغ — مدّتوں سے جن کی عقل وفہم کا گُل تھا چراغ
چھارہی تھی جس جگہ ظلمت ہی ظلمت ہر طرف — آشتی مفقود تھی طاری تھی وحشت ہر طرف
رحم سے تھے بے خبر انصاف سے انجان تھے — نام تھا انسان لیکن واقعی حیوان تھے
اک ذراسی بات پر سَو سَو برس تک جنگ تھی — آدمیّت جس کو کہتے ہیں وہ وجہِ ننگ تھی
آدمیّت سے نہیں تھا دُور کا بھی واسطہ — ہر گھڑی آٹھوں پہر ظلم وستم مکرودغا
سنگ کے مانند تھے پہلو میں بالکل دل نہ تھا — کوئی کارِ بد بھی اُن کے واسطے مشکل نہ تھا
لڑکیوں کو اپنی زندہ دفن کرنے کا طریق — غیر تو پھر غیر ہیں وہ تھے نہ اپنوں کے رفیق
جذبۂ توحید دل سے ہر طرح مفقود تھا — ہر قبیلے کا الگ بُت تھا جُدا معبود تھا
بادہ نوشی سے نکلتا تھا طبیعت کا غبار — بن گیا تھا جُزوِ مذہب مے پرستی کا شعار
ماں بہن کا اُن کے مذہب میں کوئی رُتبہ نہ تھا — ہر طرف تھی بے حجابی شرم کا پردہ نہ تھا
دیدۂ دل سے ذرا اب حق کی قُدرت دیکھئے — انقلابِ دہر کی زندہ کرامت دیکھئے
آمنہؓ کے گھر میں اک بچے کا ہوتا ہے ظہور — جس کی پیدائش ہوئی سب کے لئے وجہِ سرور
باپ کے سائے سے بھی دنیا میں وہ محروم تھا — ظاہری سامانِ عشرت یک قلم معدوم تھا
جس نے آتے ہی زمانے کو دیا پیغامِ حق — جس نے روشن کردیا سارے جہاں میں نامِ حق
قوم ساری بن گئی دشمن مگر پرواہ نہ کی — ہوگئی اپنوں سے بھی اَن بَن مگر پروا نہ کی
کلمۂ حق کی سُناتا ہی رہا آواز وہ — سختیاں جھیلیں مگر آیا نہ پھر بھی باز وہ
پاس دولت تھی نہ کوئی تھا شریکِ حالِ غم — ہر طرف مایوسیاں تھیں ہر طرف رنج والم
واہ ری ہمّت مصائب سے نہ گھبرایا کبھی — سختیاں سہہ کر بھی ماتھے پر نہ بَل لایا کبھی
دشمنوں سے بھی تلطّف دوستوں پر بھی کرم — خلق میں تصویرِ رحمت تھا وہ خالق کی قسم
تھوڑے دن میں قوم کی کایا پلٹ سی ہوگئی — ایسی کچھ تدبیر کی تقدیر سیدھی ہوگئی

سیدھے رستے آ گئی سٹے کے بیگانہ روی — وہ عرب کی قوم اب اخلاق کی تصویر تھی

کون کہتا ہے کسی پر خود بخود حملے کئے — سارے غزوے تھے فقط اپنے بچاؤ کے لئے

اِس سرے سے اُس سرے تک دعوتِ اسلام تھی — قیصر و فغفور کی دل میں ذرا پروا نہ کی

کفر و ظلمت کی گھٹا کو کر دیا دُنیا سے دُور — ضربِ حق سے توڑ ڈالے خود پرستوں کے غرور

شرق سے تا غرب چمکا خوب اسلامی ہلال — اور ان سب کے لئے وقفہ ملا تئیس ۲۳ سال

جو یہ کہتا ہے ہمارے سامنے آئے ذرا — مذہبِ اسلام تلواروں سے پھیلایا گیا

آشتی و رحم کو پیکار سے کیا واسطہ — مذہبِ اسلام کو تلوار سے کیا واسطہ

ہم سُناتے ہیں سُنیں یہ بات آکر دھیان سے — مذہبِ اسلام کیوں دُنیا میں پھیلا شان سے

جانتے ہیں اس کو سب اہلِ فلک اہلِ زمیں — مذہبِ اسلام میں خونریزیاں جائز نہیں

اس کو لڑنے سے علاقہ ہے نہ کچھ پیکار سے
اے دُعاؔ پھیلا ہے یہ اخلاق کی تلوار سے

دُعا ڈبائیوی

# پالتو شیر کا بچہ

۱۹۳۷ء میں کرسمس کی تعطیل میں میری بھاوج بغرض تبدیل آب وہوا رانچی میں گئی ہوئی تھیں۔ چونکہ شہر سے بہت دور نواح دیہات میں رہنے کا اتفاق ہوا تھا اس لئے سیر و شکار میں بہت دلچسپیاں رہیں۔ دونوں بچے بھی خوب تمام دن جنگلوں کی گشت لگاتے پھرتے تھے۔ اتفاق سے ایکدن کسی نے شکار میں ایک شیرنی پر فائر کیا وہ ہلاک ہوگئی۔ مگر اس کے دو بچے پہاڑیوں میں زندہ مل گئے۔ میری بھاوج نے جو ایک مشہور ہاسپٹل کی سسٹر انچارج ہیں۔ اور یورپ سے نرسس ٹرننگ بھی کرائی ہیں۔ ان شیر کے بچوں کو اپنے ذمہ لے لیا۔ اس وقت ان بچوں کی عمر صرف دو ہفتہ کی تھی۔ اس لئے ابتدا میں ان کو گائے کا دودھ کبوتر کے خون میں ملاکر بچوں کی طرح فیڈنگ بوتل میں دیا جاتا تھا۔ ۶ ماہ تک ان کی پرورش یوں ہی ہوتی رہی۔ یہ بچوں میں کھیلتے۔ اور بلّی کی طرح مگر زوردار آواز سے میاؤں۔ میاؤں کرتے تھے۔ اس کے بعد اُنہیں گوشت دیا جانے لگا۔ رفتہ رفتہ جب یہ گھریلو کتّے اور بلّیوں کو دوڑانے لگے۔ تو پنجرا بناکر انہیں رکھا گیا لیکن افسوس کہ نو ماہ کی عمر میں ایک شیر کا بچہ جو خاصا بڑا ہوگیا تھا۔ بیمار پڑگیا۔ پہلے اس کے مسوڑھے میں گوشت کی ہڈی اٹک کر زخم ہوگیا جو عمل جراحی کے بعد اچھا ہوگیا۔ مگر پھر تھوڑے ہی عرصہ بعد وہ نمونیا ہوکر ختم ہوگیا۔ دوسرے بچے کو بھی نمونیہ ہوگیا تھا۔ مگر یہ علاج سے تندرست ہوگیا۔ روزانہ ۶ سیر گوشت ۳ سیر دودھ اس کو غذا دی جاتی تھی۔ مگر لوگ کہتے تھے کہ یہ غذا اس کے لئے ناکافی ہے۔ وہ اب بھی اپنے نگراں اور میری بھاوج کے ہاتھ چاٹتا ان کے کاندھوں پر پنجوں کے بل کھڑا ہوجاتا تھا جب وہ ایک سال کا ہوگیا اور گھر میں رکھنا بھی خطرناک معلوم ہونے لگا۔ تو انہوں نے سرکس میں اسے ۹۰۰ روپے میں فروخت کردیا۔ افسوس کہ جاتے وقت اس کی تصویر نہیں لیجا سکی۔ کیونکہ وہ باہر کے آدمیوں کو دیکھکر گھبرا گیا تھا۔ پہلے کی تصویر دی جارہی ہے۔

جمیلہ بیگم۔ کلکتہ

# بچّوں کی شرارت اور بدتمیزی

حقیقت میں ایک شریر بچہ سارے جہان کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا لیتا ہے۔ اس کی شوخیوں سے معمور تیز چمکدار آنکھیں، چلبلے ہاتھ پیر، شرارت سے لبریز دل کس قدر جاذبیت رکھتے ہیں کہ ہر حساس انسان کچھ دیر کے لئے دنیا کے دکھ بھول جاتا ہے۔ برخلاف اس کے اگر بچے میں بھی بڑوں کی طرح متانت سنجیدگی اور خاموشی آجائے تو بھلا اس بچے میں کیا کشش ہوگی۔

لورپول کا ایک ڈاکٹر بچوں کی تربیت میں بہت دلچسپی لیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہر تندرست بچہ قریب قریب فطرتاً شریر ہوتا ہے اور میرے خیال میں بھی بچہ جس قدر شریر ہوگا اسی قدر ہوشیار اور تندرست ہوگا اور وہ بچے جو بالکل شرارت نہیں کرتے عموماً آیندہ زندگی میں کسی قابل نہیں ہوتے شور وغل اور اُچھل کود بچوں کی فطرت کا خاصہ ہے اگر کسی بچے میں یہ باتیں نہ پائی جائیں تو سمجھئے کہ اس کی نشو ونما اور صحت میں کوئی خاص نقص ہے۔ ایسے بچوں کے والدین کو چاہیئے کہ اس کی اصل وجہ دریافت کریں جبتک بچے کی صحت میں کوئی خاص نقص نہیں ہوتا اسوقت تک بچے بڑوں کی طرح بڑے نہیں رہتے۔ ذرا غور سے کام لیں تو معلوم ہو جائے گا کہ بچے کو یا تو قبض ہو رہا ہے یا اسے کافی غذا نہیں ملتی اور یا پھر وہ کافی نیند سے محروم ہے۔ جس کے باعث اس کی طبیعت میں تازگی اور شگفتگی نہیں آنے پاتی۔ اگر یہ بھی نہیں تو اس کا دماغ ضرور کسی ناگوار بوجھ سے دب رہا ہے جس کی وجہ سے وہ شرارت نہیں کرتا قبض میں بچہ ہرگز چست وچالاک اور شگفتہ نہیں رہ سکتا۔ اس کے خون میں جو زہر بھرا ہوتا ہے وہ اس کے دل سے اُچھل کود اور جوش وہمت کے تمام ولولے ختم کر دیتا ہے۔ رفتہ رفتہ ہلکی ہلکی شرارت ہی اس شکایت کو رفع کر سکتی ہے۔ بعض دفعہ نامناسب غذا (جس کا ذکر میں گذشتہ کسی مضمون میں کر چکی ہوں) کی وجہ سے بھی بچہ بالکل چپ چاپ رہتا ہے تو ماں کہتی ہے کہ میرا بچہ بڑا غریب ہے۔ بچے کی طبیعت کا نرم ہونا اور بات ہے۔ اور یوں بوڑھوں کی طرح ہاتھ پیر جوڑ کر بیٹھے رہنا بالکل علیحدہ ہے۔ جس کو والدین محسوس نہیں کرتے۔ بعض حساس بچوں پر نکتہ چینی کا بیحد اثر پڑتا ہے اس لئے وہ دوسروں کو اپنے اوپر ہنسنے کا موقعہ دینے یا ان کی نظروں میں بیوقوف بننے پر بالکل بےحس وحرکت بیٹھ رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایسے بچوں کو چند دن شریر بچوں کی صحبت میں رکھنا چاہیئے تاکہ رفتہ رفتہ ان میں بھی چستی اور چالاکی آجائے لیکن جو شریر بچے اس خاموش بچے کے لئے منتخب کئے جائیں ان میں تھوڑی بہت ہمدردی بھی ضرور ہونی چاہیئے تاکہ وہ بچہ ان کی صحبت سے گھبرا نہ جائے۔ میرا خیال ہے کہ اس مضمون کے پڑھنے والے والدین جو بچوں کی شرارت سے ہردم بیزار رہتے ہیں ضرور مجھ سے بگڑ جائیں گے۔ کیونکہ اکثر والدین اس کوشش میں رہتے ہیں کہ ان کا بچہ بالکل شرارت نہ کرے۔

عموماً بچّوں کو ابتدا سے روک ٹوک کر کے بیجان کر دیتے ہیں اور اگر وہ تیز بچّہ اس روک ٹوک کے باوجود بھی شرارت کرتا رہا تو اس غریب کی جان عذاب میں ہو جاتی ہے۔ والدین کو اس بات کا احساس ہی نہیں ہوتا کہ ہر وقت کی جھاڑ لتاڑ سے ننھے بچّوں پر کس قدر ظلم ہوتا ہے۔ ان بچاروں کو محض اس لیے فطرت کے مطابق زندگی بسر کرنے کی اجازت نہیں ملتی کہ کہیں اماں جان پہ لوگ نام نہ دھریں کہ ان کے بچّے کس قدر شریر ہیں۔ اس کے علاوہ وہ مائیں جن کی صحت اچھی نہیں رہتی بچّوں کے لئے وحشت کا موجب بن جاتی ہیں۔ ان میں سے اکثر مائیں دانستہ اپنی صحت سے بے اعتنائی کا برتاؤ کرتی ہیں۔ جس کی وجہ سے مزاج بیحد چڑچڑا ہو جاتا ہے۔ اس لئے ماں کی صحت کا نہ صرف خود اس کے لئے بلکہ بچے کے لئے بھی خاص اہمیت رکھتی ہے۔ چڑچڑے مزاج کی عورت ماں کے فرائض ادا کرنے کے قابل نہیں ہوتی۔ مائیں کم سے کم ان معصوم بچّوں کی خاطر اپنی صحت کا خیال رکھیں۔ ان ننھی جانوں کو ساری عمر دنیا کے دھندوں کی فکر کرنا ہے اس لئے ان کی مناسب نشوونما کی تکمیل کے لئے جو شور وغل ضروری ہے اس سے انہیں ہرگز نہ روکنا چاہیئے۔ اکثر ہڑبونگ کرنا بے تکان نقل وحرکت اور ایسے کھیل جن میں دوڑنے اور شور وغل کا بہت امکان ہو یہ سب باتیں بچّوں کی زندگی اور مناسب نشوونما کے لئے نہایت ہی ضروری ہیں۔ ان کو ہمیشہ خاموش رہنے پر مجبور کرنا اور مناسب نقل وحرکت سے باز رکھنا جو ان کی فطرت کا خاصہ ہے نہ صرف ان ننھی جانوں پر ظلم ہے بلکہ ایک سخت غلطی ہے۔ کیونکہ اگر بچّہ شرارت نہ کرے تو اور کیا کرے؟ اس کی اس شرارت ہی میں تو زندگی کے سب اصول پوشیدہ ہوتے ہیں۔ یا تو والدین یہ چاہتے ہیں کہ بچّہ بالکل مہذب بنا رہے جو ایک بچّے کے لئے سخت غیر موزوں ہے یا پھر وہ بالکل اللہ آمین کا بچّہ بنا دیا جاتا ہے جیسے اس کا بدن شیشے کا بنا ہے کہ کہیں زیادہ بھاگ دوڑ سے بچّہ گر نہ جائے اسے بخار نہ آ جائے یا وہ ذراسی بھی حرکت سے گر کر ہاتھ پیر توڑ لے۔ ایسے بچّے ساری عمر والدین کے لئے ایک بوجھ بنے رہتے ہیں۔ ایک حد تک دوڑ بھاگ کے وقت بچّے کی احتیاط ضروری ہے بچّہ از خود بھی اس بات کی کوشش ضرور کرتا ہے کہ اپنے جسم کو کس طرح سنبھالنا چاہیئے اپنی حرکات کو کس طرح قابو میں رکھنا چاہیئے تاکہ چوٹ سے محفوظ رہے۔ وہ یاد رکھتا ہے کہ کونسی چیزیں سخت ہیں جن کی ٹکر سے چوٹ لگ جاتی ہے۔ یا کونسی چیزیں جسم کا بوجھ سہار سکتی ہیں۔ چند سال کے بعد اس کی قوتیں گھر سے نکل کر دوڑنے اُچھلنے کودنے کسی چیز پر چڑھنے اور زور آزمائی یا ہنرمندی کے کرتبوں میں صرف ہوتی ہیں جن کے ذریعہ سے رگ و پٹھے نشوونما پاتے ہیں۔ قوتِ مدرکہ تیز ہوتی ہے اور قوتِ فیصلہ سرعت کے ساتھ اپنا عمل کرنے لگتی ہے۔ بچّے اس قسم کی شرارت کی وجہ سے ہی یہ جانتے ہیں کہ بڑے بڑے خطروں کا کس طرح مقابلہ کرنا چاہیئے جو کبھی کبھی ہر شخص کی زندگی میں پیش آتے ہیں۔ عموماً وہ بچّے جو بیجا روک ٹوک میں رہتے ہیں اس قابل نہیں رہتے کہ خطرہ کے موقعوں پر اپنی حفاظت آپ کریں بچّے کی شرارت جس کو ہم صرف شرارت سمجھتے ہیں وہ شرارت نہیں ہے بلکہ جس علم پر آئندہ علم کی بنیاد ہے اس کو حاصل کرنے کا عمل بھی یہی ہے۔ ایک بچّہ ہے جو ہر قسم کی شرارت سے باز رکھا جاتا تھا اس بچّے کی زندگی ایسی تھی کہ وہ

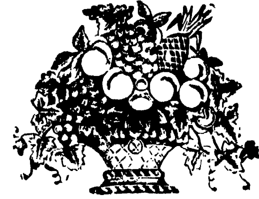
بہت کم اپنے ہم عمر بچوں سے ملنے پاتا تھا بلکہ مل بھی نہیں سکتا تھا اگر اتفاقاً کسی شریر بچے سے مقابلہ ہوجاتا تو وہ بچہ منہ پھاڑ کر رہ جاتا تھا کیونکہ والدین مالدار ہونے کی وجہ سے ایک عرصہ تک تعلیم کا انتظام بھی گھر ہی پر رہا۔ میں اکثر دیکھا کرتی تھی کہ باوجود کافی غذا اور دیکھ بھال کے بھی بچہ بیمار ہی رہا کرتا تھا کیونکہ جس طرح بچے ناکافی غذا سے بیمار ہوجاتے ہیں اسی طرح ضرورت سے زیادہ کھا کر خاموش پڑے رہنے سے بھی بیمار ہوتے ہیں۔ یہی بچہ اب مدرسہ جاتا ہے صحت بھی اچھی ہے ایک دفعہ میں بچوں سے ان کی چھوٹی سی زندگی میں جو مشکلات پیش آئی تھیں ان کے متعلق دریافت کر رہی تھی جب اس بچے سے دریافت کیا کہ کہو تم پر بھی کبھی کوئی سخت وقت گذرا ہے تو کہنے لگا " دنیا کے بچے اپنے ہم عمر بچوں سے ملکر اور ان کے ساتھ کھیل کود کر خوش ہوتے ہیں۔ لیکن میں ایک زمانہ میں بچوں کو دیکھ کر کانپ جایا کرتا تھا اور گو میں پڑھنے لکھنے میں برابر نہیں تھا لیکن بچوں کی اصل زندگی سے جو سراسر شرارت سے لبریز ہوتی ہے۔ میں اماں جان کی روک ٹوک کی وجہ سے بالکل ناواقف تھا۔ آپ کو معلوم ہے میں کس قدر غریب تھا۔ کس طرح چپ چاپ اور خاموش بیٹھا رہا کرتا تھا کیونکہ کبھی کسی معمولی حرکت پر بھی اماں ٹوک دیا کرتی تھیں رفتہ رفتہ میں بالکل سست اور کاہل ہو کر رہ گیا جس وقت میں اسکول میں گیا ہوں دوسرے بچوں کو شرارت کرتے ہوئے دیکھ کر میری روح لرز گئی اور اپنی اس کمزوری کی وجہ سے مجھے بیحد صدمہ ہوا۔ چنانچہ میں اسکول سے آکر ان بچوں کی اچھل کود اور دوڑ بھاگ کے خیال سے رویا کرتا تھا۔ اماں سمجھا کرتی تھیں کہ میں اسکول نہ جانے کے لئے روتا ہوں لیکن اصل میں مجھے ان بچوں کی خوشگوار زندگی اور اپنی اداس زندگی دیکھ کر دکھ ہوا کرتا تھا۔ بعض انتہا سے زیادہ شریر بچے تو مجھے بیحد تنگ کیا کرتے تھے۔ کیونکہ ان سب بچوں میں خاموش پڑے رہنے کی وجہ سے میں بیحد کمزور تھا " وہ والدین جو بچوں کا بالکل خاموش رہنا پسند کرتے ہیں غور کریں کہ بچے کا بالکل شرارت نہ کرنا ان کی آیندہ زندگی میں کس قدر تکلیف دہ ہوتا ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ بچوں میں شرارت دو قسم کی ہوتی ہے ایک وہ جو بچے میں زندگی کے آثار پیدا کرے۔ ایسے شریر بچے بڑے پیارے معلوم ہوتے ہیں۔ دوسری شرارت وہ ہے جو بڑی تربیت کا نمونہ ہو۔ اس قسم کے شریر بچوں میں بدتمیزی، نافرمانی، بے ادبی اور ایک قسم کا چھچھورپن یا دوسرے بچوں کو ایذا رسانی کی عادت پائی جائے۔ تو ہم اسے شرارت نہیں بلکہ بدتمیزی کہتے ہیں۔ بچے میں اگر صرف شرارت جو بچپن کی جولانی ہے ہو تو کوئی برائی نہیں لیکن جب شرارت کے ساتھ بدتمیزی بھی شامل ہو وہ ضرور قابلِ ملامت ہے۔ کیونکہ اگر کوئی بچہ گالیاں بکتا ہو تو یہ شرارت نہیں بلکہ بدتمیزی ہے۔ اگر تربیت میں والدین شرارت اور بدتمیزی میں فرق رکھیں تو بچے والدین کے حق میں عذاب نہ ہوں۔ بدتمیزی سے بچوں کو ضرور روکئے لیکن شرارت میں آپ خود بھی شریک ہو جایئے۔ غرض انسان کو ٹھیک ٹھیک تربیت دینا سہل اور آسان کام نہیں ہے۔ شاید دنیا میں مشکل ترین کام یہی ہے لیکن اسے بالکل آسان سمجھا جاتا ہے۔ اولاد کی تربیت میں والدین پر بڑی زبردست ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور ذرا سی غفلت اور لاپرواہی سے انہیں ساری عمر کفِ افسوس ملنا پڑتا ہے۔

سعیدہ ضمیر



البانیہ کے پہاڑی باشندے







عراق کا نیا کمسن بادشاہ فیصل دوئم
جو اپنے والد شاہ غازی کی وفات
کے بعد عراق کا بادشاہ
تسلیم کیا گیا ہے



بدنصیب چینیوں کے آتش زدہ مکانوں کا ایک دردناک منظر



برطانیہ کی سکیم کے خلاف فلسطین کے یہودیوں کا مظاہرہ

# آیا (کھلائی) کا گیت

(۱)

میداں سے آرہا ہو بچّوں کا شور جس دم
اور قہقہے پہاڑی پر گونجتے ہوں پیہم
سینے میں دل کو حاصل ہوتی ہے میرے تسکیں
آتی نظر ہے مجھ کو دنیا سکوت آگیں

(۲)

"اب واپس آؤ بچو! خورشید چھپ گیا ہے
صحنِ چمن کا سبزہ تر اوس سے ہوا ہے
اب کھیل کود چھوڑو، اور واپس آؤ گھر کو
آرام پاؤ گھر میں - پھر کھیلنا سحر کو!"

(۳)

"دیکھو! ابھی تو دن ہے کچھ اور کھیلنے دو
کیوں شام ہی سے بستر میں ہم کو ڈھانپتی ہو؟
پنچھی بھی آسماں پر ہیں اُڑ رہے ابھی تو
بھیڑیں پہاڑیوں پر وہ چر رہی ہیں دیکھو!"

(۴)

"کھیلو کچھ اور' اچھا! ہونے دو اور اندھیرا
پھر واپس آؤ جلدی' اور گھر میں لو بسیرا"
بچے یہ سُن کے اُچھلے' خوش ہو کے کھِلکھلائے
گونجے پہاڑیوں میں ان کی خوشی کے نغمے!

(ولیم بلیک کی نظم Nurse's Song کا ترجمہ)

تلوک چند محروم

# رفتارِ زمانہ

دنیا کا کیا انجام ہونے والا ہے؟ اور جنگ، جس کا ہونا ایک یقینی امر ہے، اس کرہ کو جس میں ہم آباد ہیں کس قدر بدل کر رکھدیگی؟ یہ سوالات ایسے ہیں جو دُنیا کے بڑے بڑے دماغوں پر محیط ہیں۔ رفتارِ زمانہ کے انداز بتا رہے ہیں کہ یہ جہان پیر اپنی طبعی عمر کو پہونچ چکا ہے اور عنقریب دو چار ہچکیوں کے بعد اس کی مشکل آسان ہوجائیگی۔ جنگ کا تنور بھڑکنے میں تاخیر صرف اس لئے ہورہی ہے کہ سیاسیاتِ عالم نے ایک بین الاقوامی رسہ کشی کی صورت اختیار کر لی ہے۔ ہر قوم مآل اندیشی اور تدبر سے اس قدر سامانِ جنگ مہیا کر رہی ہے جو اس کی حفاظت کا ضامن ہو سکے۔ ظاہر ہے کہ حربِ عظیمہ کی تیاری کیلئے ایک وقت درکار ہے اور اسی وقفہ اور مہلت کے زمانہ سے ہم آجکل گزر رہے ہیں۔ دُنیا کے اکثر سیاست دانوں کا خیال ہے کہ جنگ عالمگیر یا عالم سوز جس کا ہر قوم کو انتظار ہے درحقیقت شروع ہو چکی ہے۔ ہسپانیہ کی خانہ جنگی۔ چین جاپان کی لڑائی وغیرہ اسی محاربہ عظمٰی کی درحقیقت کڑیاں ہیں۔ مسولینی نے اپنی اسلام دوستی کا ثبوت یہ دیا ہے کہ اُس نے زبردستی ایک اسلامی آزاد جمہوریہ البانیہ کا اپنے خونین پنجوں سے ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا ہے اور یونان کی حکومت سے چھیڑ نہ کرنے کا وعدہ کر لیا جس کا صاف اور صریح مطلب یہ ہے کہ اب کے اٹلی یونان ہی کو شکار بنائیگا اور اس کی تیاریاں بھی شروع کر دی گئی ہیں۔ ڈوڈیکنیس جو یونان اور ترکی کے بیچ میں ایشیائے کوچک کے سامنے ایک جزیرہ ہے بہت تیزی سے ایک زبردست فوجی چھاؤنی کی صورت میں تبدیل کیا جا رہا ہے یعنی یونان پر دباؤ ہے کہ وہ اٹلی سے سمجھوتہ کرے۔ یونان کے علاوہ اٹلی کی نظریں اور دُور تک جا رہی ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ آیندہ سہ ماہی میں اٹلی لیبیا۔ ٹیونس کو آسانی سے حاصل کریگا اور اس کے بعد مصر اور فلسطین شام اور عرب کا نمبر ہے جن کے حاصل کرنیکا اعلان دبی زبان سے کئی بار ہو چکا ہے۔ یہ بھی پیشین گوئی کی جاتی ہے۔ کہ اٹلی کی فوجیں میڈرڈ میں فاتحانہ شان وشوکت سے داخل ہونیکے بعد جنرل فرانکو کی قیادت میں جبرالٹر اور فرانسیسی پیرانیس پر قابض ہونے کی کوشش کرینگی اسی رنگ ڈھنگ کو دیکھکر برطانیہ جبرالٹر کو مضبوط کر رہا ہے۔ دوسری طرف ہٹلر بھی اپنی اکھاڑ پچھاڑ سے فارغ نہیں ہے۔ شاید وہ اس سہ ماہی سے پہلے ہی پولینڈ اور ڈانزگ ہضم کریگا۔ ان حضرت نے بلقان کی ریاستوں کو جس ترتیب سے نگلنے کا پروگرام تیار کیا ہے وہ نہایت باسلیقہ اور پُرتاثیر معلوم ہوتا ہے۔ لٹویا۔ ہالینڈ اور سلیسیا کو تو انہوں نے غیر جانبدار بلکہ ہم خیال بنا ہی لیا ہے۔ اب رہیں نوآبادیات تو جنوبی افریقہ میں جرمن پروپگنڈے نے بارود بچھادی ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس میں کب شتابہ لگا دیا جائے۔

برطانیہ حالات کے خوفناک ہونے کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھ چکا ہے اور اُس نے زمانہ کی چال کا اندازہ لگا کر شہری بچاؤ کی اسکیم کے لئے کمشنر مقرر کر دئے ہیں۔ رسد کے لئے وزارت بنالی گئی اور جبری بھرتی کا اعلان کر دیا گیا۔ برطانوی اخبارات کا

خیال ہے کہ چند ماہ کے اندر اندر دنیا کا امن ختم ہونیوالا ہے۔

روزولٹ نے جو دس سال کی امن والی تجویز ڈکٹیٹروں کے سامنے پیش کی تھی اُسے اُنھوں نے بُری طرح ٹھکرادیا ہے۔ ممکن تھا کہ اگر وہ اسے مان لیتے تو کچھ روز کے لئے امن ہو جاتا۔ روس برطانیہ اور فرانس جرمنی کو گھیرنے کے لئے جو چار دیواری بنانے کی تجویز سوچ رہے ہیں وہ ماہرین سیاسیات کا خیال ہے محض تعویق میں پڑگئی ہے۔ شاید مسٹر لٹوی نات کا استعفیٰ اس امر پر روشنی ڈالتا ہے۔ برطانیہ کو روس کی طرف سے یہ ڈر ہے کہ اگر روس سے ملکر جرمنی کو ہرا بھی دیا گیا تو اس طرح برطانیہ میں سوشلزمی خیالات پھیل جانیکا اندیشہ ہے اور وہ جیت بھی ایک قسم کی شکست ہوگی۔ کیونکہ یوں عوام اور مزدور اتنے مضبوط ہوجائیں گے کہ وہ برطانیہ سے سرمایہ داری کو ختم کرسکیں گے۔ ہٹلر اور مسولینی بلقانی ریاستوں کو اپنے پنجوں میں دبوچ رہے ہیں اور رفتہ رفتہ وہاں کے قدرتی خزانوں کو تصرّف میں لانا چاہتے ہیں۔ اسی لالچ نے چیکوسلواکیہ اور البانیہ کو بے موت مارا ہنگری تو جرمنی کے بس میں ہے رومانیہ کو بھی اُس نے اپنے کھونٹے سے کس کر باندھ لیا ہے۔ ایڈریاٹک پر قبضہ کرکے یوگوسلا کو عمل تنویم سے بے بس کرکے جرمنی اور اٹلی نے اُسے اپنی مرضی کا عہدنامہ کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اب یونان اور بلغاریہ چند دن کی ہوا کھاتے ہیں۔ وہ بھی آیا چاہتے ہیں۔ ان سب ریاستوں میں جرمن اور اطالوی ماہرین گھس چکے ہیں اور ان کی ساری معدنی دولت اپنے قبضے میں کرلی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ٹرکی بھی اس چنگل سے نہ بچ سکے گا۔ اگر غازی عصمت پاشا نے اس کی حمایت میں پناہ نہ لی تو شاید چند ہفتوں میں یہ معلوم ہوجائے گا کہ ٹرکی جرمنی کا طرفدار ہوگیا۔

روم، برلن، ٹوکیو مستقر کے متزلزل ہونے کی جو حال ہی میں اطلاع جاپان کی جانب سے ملی ہے کہ وہاں جرمنی کے ساتھ ملٹری عہدنامہ نہیں کیا جارہا تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ آنیوالا حادثہ کسی طرح بھی رُوکا جاسکتا ہے۔ ہٹلر اور مسولینی خالی بیٹھنے والے انسان نہیں ہیں۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ جرمنی کا بحری بیڑہ عنقریب برطانیہ کی ٹکّر کا ہوجائے گا اور جرمنی نے برلن بنکاک کی ہوائی سروس قائم کرکے یہ بات راز میں نہیں رکھی ہے کہ جرمنی کو مشرق بعید سے دلچسپی ہے۔ مغرب کے افق پر سیاسیات کے بادل اس قدر گھر گھر کرتے ہیں اور بدلیاں انواع واقسام کی صورت میں اس سرعت سے چھارہی ہیں کہ کوئی یقینی پیشین گوئی نہیں کیجاسکتی۔ یہ کہنا اگرچہ صحیح ہے کہ عالمگیر لڑائی سر پر کھڑی ہے لیکن یہ کہ یہ گولہ کب اچانک پھٹ جائیگا صحیح نہیں کہا جاسکتا۔ اس کا علم خدا کو ہے یا ہٹلر کو ہے۔ ہم بیچارے غلام ہندوستانیوں کا بجز روندے جانے کے اور کیا حشر ہوگا۔ ممکن ہے کانگرس آزادی کا اعلان کردے؟ اس کا جواب مستقبل دے سکے گا۔

**زبیدہ زرّیں** (از جودھپور)

# پردہ

موجودہ پردہ پر ایک سرسری نظر ڈالنے کے بعد ہر شخص بآسانی یہ کہہ سکتا ہے کہ ہندوستان میں آجکل وہ پردہ نہیں رہا جو کچھ عرصہ پہلے تھا۔ آجکل عورتیں گھر کی چار دیواری میں مقیّد نہیں رہتیں۔ بلکہ پارکوں و سینما گھروں میں نظر آتی ہیں۔ جلسوں اور پارٹیوں میں شرکت بھی کرتی ہیں یونیورسٹیوں اور کالجوں میں مخلوط تعلیم بھی حاصل کرتی ہیں۔ لیکن سوال یہ درپیش ہو کہ ہندوستان میں پہلے جو پردہ رائج تھا وہ بہتر تھا یا آجکل کا موجودہ پردہ بلکہ بے پردگی؟ جو لوگ حامیانِ پردہ ہیں وہ تو ضرور اول الذکر رائے سے اتفاق کرینگے لیکن جو لوگ پردہ کے خلاف ہیں وہ موجودہ حالات کا ساتھ دیں گے۔ لیکن حقیقت یہ ہے نہ وہ بہتر تھا اور نہ آجکل کی موجودہ بے پردگی۔

پہلے زمانہ میں پردہ اس قدر سخت تھا کہ بیبیاں عورتوں سے بھی پردہ کیا کرتی تھیں۔ مکانوں کی دیواریں اس قدر اُونچی بنائی جاتی تھیں کہ پرند تک پر نہ مار سکے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آجکل جو پردہ کا رواج اُٹھ رہا ہے۔ اس سے ہماری سوسائٹی کو کس قدر فائدہ پہونچا؟ اور ہماری نئی بہنیں ترقی تعلیم کے میدان میں اپنی پُرانی بہنوں سے کہاں تک آگے ہیں؟ آج مسلمان بہنوں میں زیادہ تعداد ان بہنوں کی ہے جنھوں نے پردے کو بالکل خیرباد کہہ دیا ہے۔ مگر باوجود اس کے جب تعلیم و ترقی کا سوال آتا ہے تو ہمیں مایوسی ہوتی ہے جو لوگ پردہ کے خلاف ہیں وہ اس پستی کا باعث پردہ کو ٹھہراتے ہیں لیکن جب پردہ بھی چھوڑ دیا گیا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ مسلمان عورتیں اب بھی تعلیم و ترقی کے اعتبار سے دوسری اقوام کی خواتین سے بہت پیچھے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ ہم نے یورپ کی اندھا دھند تقلید میں پردہ چھوڑا ہے صرف فیشن کیواسطے، سینما اور تھیٹروں میں جانے کے لئے کسی فائدہ کو مدِنظر رکھ کر نہیں۔ اگر کوئی کام کسی فائدہ کو مدِنظر رکھ کر نہ کیا جائے تو اس کا نتیجہ ظاہر ہے اور یہی حالت ہم مسلمانوں کی ہے۔ اگر یورپ اور ترکی نے پردہ کو چھوڑا تو بُرائی کے ساتھ وہاں بہت سے فوائد بھی حاصل ہوئے وہاں عورتیں واقعی مردوں کے دوش بدوش کام کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ بلکہ مردوں سے سبقت بھی لے گئی ہیں۔ دُور کیوں جایئے خود ہمارے ملک میں ہندو خواتین کی مثال موجود ہے۔ جہاں ایک سو ہندو لڑکیاں تعلیم حاصل کرتی ہیں تو وہاں صرف چار مسلمان لڑکیاں۔ گزٹوں میں امتحان کے نتائج پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے آپکو معلوم ہو جائیگا کتنی مسلمان لڑکیاں ہر سال گریجویٹ ہو کر نکلتی ہیں؟ صرف دو یا ایک۔ اس کے علاوہ تعلیم کے ہر شعبہ میں مسلمان خواتین بہت پیچھے ہیں۔ ہندو خواتین مصوری۔ موسیقی۔ ہوابازی۔ جمناسٹک غرض سب باتوں میں مسلمان عورتوں سے بہت آگے ہیں۔ سیاسیات میں بھی عملی طور سے مردوں کے دوش بدوش کام کرتی ہیں۔

میں چند واقعات لکھتی ہوں جن سے معلوم ہوگا کہ ہمارا پردہ چھوڑنے سے کیا مُراد ہے؟ میں بہت سی لڑکیوں کو جانتی ہوں جو پردہ تو خیر برائے نام کرتی ہیں۔ لیکن جب میں نے ان سے کہا کہ آپ کالج میں کیوں نہیں داخل ہو جاتیں؟ تو ان کا عذر یہ تھا کہ

کالجوں میں عموماً مرد پروفیسر تعلیم دیتے ہیں اس واسطے ان کے خاندان والے اس بات کو معیوب سمجھتے ہیں۔ بیشک جو لوگ پردہ کے حامی ہیں ان کا یہ عذر معقول ہے۔ لیکن مجھے یہ معلوم ہو کر بہت تعجب ہوا کہ ان لڑکیوں کے خاندان کی سب عورتیں سینما وغیرہ بے پردہ جاتی ہیں۔ اب بتائیے کہ تعلیم حاصل کرتے وقت پردہ کا عذر درپیش ہے لیکن سینما جاتے وقت پردہ حائل نہیں ہے۔

گذشتہ سال جب مولانا شوکت علی مرحوم کلکتہ آئے تھے تو انہوں نے عورتوں کے ایک جلسہ میں تقریر کی اور یہی مسلمان عورتوں کی بےپردگی اور فیشن پرستی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ "مسلمان شریف گھرانے کی لڑکیاں ایکٹرس کا پیشہ اختیار کرتی ہیں" یہ کہنا ان کا بالکل بجا اور درست تھا جس شخص کے دل میں ذرا بھی قومی درد ہوگا وہ اس بات سے ضرور متاثر ہوگا لیکن مولانا مرحوم کی تقریر کا یہ اثر ہوا کہ بہت سی بیبیاں ناراض ہوگئیں۔ اور اسی وقت ایک مشہور مقررہ خاتون نے مولانا مرحوم کی تقریر کے خلاف تقریر کی اور بیبیوں نے خوب تالیاں بجائیں۔

ان مشہور خاتون کی پوری تقریر تو مجھے اس وقت یاد نہیں لیکن ان کا ایک جملہ مجھے اچھی طرح یاد رہا اور میں نے ڈائری میں نوٹ کر لیا تھا۔ وہ کہہ رہی تھیں "ہمارے ہاں کے نوجوان بھائی جب انگلینڈ سے تعلیم حاصل کر کے واپس آتے ہیں تو ہندوستانی لڑکیوں کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دیتے ہیں اور غیر اقوام کی لڑکیوں سے شادی کرنا پسند کرتے ہیں۔ ان کا عذر یہ ہے کہ وہ کس طرح ایک ایسی لڑکی سے شادی کر لیں جو سوسائٹی میں موو move کرنا نہیں جانتی۔ لہذا مسلمان لڑکیوں کو اسی واسطے لازم ہے کہ پردہ چھوڑ دیں اور فیشن اختیار کریں"۔

آج عام طور سے کہا جاتا ہے کہ یہ زمانہ آزادی کا ہے اور عورتیں بھی آزاد ہیں۔ تو کیا آزادی کے یہی معنی ہیں کہ ہم مردوں کے اشاروں پر چلیں۔ آج چونکہ وہ انگلینڈ سے یورپ زدہ ہو کر آئے ہیں تو ہمیں ان کے حکم کی تعمیل لازمی ہے۔ چونکہ آجکل کے نوجوان عام طور سے یہ بات معیوب سمجھتے ہیں کہ ان کی بی بی سوسائٹی کے قواعد سے ناواقف ہو اسی واسطے وہ چاہتے ہیں کہ لڑکیاں پردے وغیرہ کی لعنت سے آزاد ہوں۔ اگلے زمانہ کے مرد قدامت پسند تھے۔ اور عورتوں کو قید میں رکھتے تھے۔ اور آج وہ آزاد خیال ہیں۔ اس واسطے عورتوں کو بھی آزادی عطا کرتے ہیں۔ الغرض اگر پردہ چھوڑنے کا مقصد صرف یہ ہو کہ عورتیں سوسائٹی کی حسین تیتریاں ہوں۔ اور غازہ اور پوڈر سے آراستہ ہو کر اپنے حسن کی نمائش کریں تو اس آزادی کو دور سے سلام ہے۔ اس سے تو ہماری پرانی تہذیب اچھی ہے جس کی پرستار عورتیں گھر کی چار دیواری میں مقید رہتی تھیں لیکن گھر کی ملکہ تو کہلاتی تھیں۔ گھر کے اندر خانہ داری کے ہر معاملہ میں یہانتک کہ اپنی اولاد کی شادیوں میں بھی مرد کا دخل نہ تھا۔ اور انہیں بی بی کے حکم کو ماننا پڑتا تھا۔ لیکن آج ہماری پوزیشن کیا ہے یہی آزادی کا نتیجہ ہے کہ ازدواجی زندگی ناکامیاب ثابت ہو رہی ہے اور وہ دن دور نہیں جبکہ یورپ کی طرح ہندوستان میں بھی عورتوں کی آزادی کے خلاف آوازیں بلند ہوں۔ اور ہٹلر کی طرح یہاں کے بھی لیڈر یہ پکار اٹھیں گے کہ "عورتیں باورچی خانہ کو واپس جائیں"۔

الغرض ترقی و تعلیم کی راہ میں پردہ کو بدنام کرنا ایک فضول بات ہے۔ اگر ہم چاہیں تو پردہ میں رہ کر بھی ترقی و تعلیم حاصل

کر سکتے ہیں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

رہ گیا پردہ چھوڑنا تو پھر میں کہتی ہوں کہ ہمیں اصلی مقصد کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے۔ ہر چیز میں برائی و بھلائی دونوں موجود ہیں۔ تو یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ ہم صرف برائیاں اختیار کریں اور بھلائیوں کی طرف توجہ بھی نہ دیں۔ پردہ چھوڑ کر ہمیں صحیح معنوں میں فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

پردہ میں جو جو برائیاں ہیں اُن کو ضرور چھوڑنا چاہیئے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ پردہ میں رہ کر عورتیں ہر بات میں مردوں کی محتاج ہوتی ہیں یہ بالکل سچ ہے۔ اس طرح سے مرد عورت دونوں کو تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک خاتون اپنے شوہر کے ہمراہ شہر میں رہتی ہیں جہاں ان کے شوہر نوکری کرتے ہیں اب ان کے میکے سے خبر آتی ہے کہ ان کا کوئی عزیز سخت بیمار ہے۔ لیکن شوہر کو فوری چھٹی نہیں مل سکتی۔ یہ جائیں تو کس طرح؟ کوئی مرد ان کو لینے کے لئے میکے سے نہ آئے تو یہ کس طرح جائیں؟ اب کسی خاتون سے جو ہمیشہ سے پردہ کرتی آئی ہیں اس بات کی توقع ہرگز نہ کرنی چاہیئے کہ وہ یکایک تنہا سفر کریں۔ اسی قسم کی ہزاروں مشکلات سے روزمرّہ دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اور آجکل کے زمانہ میں پردہ کو چھوڑنا ہی پڑتا ہے۔ لیکن پردہ چھوڑنے کے ساتھ ہمیں شرم و حیا کو ہرگز ہرگز نہ چھوڑنا چاہیئے۔ اور نہ صرف سوسائٹی کے قواعد کی پابندی کے واسطے پردہ چھوڑنا لازمی ہے۔ آج زمانہ بڑی سرعت کے ساتھ ترقی کر رہا ہے۔ اور ہم حقیقت میں بہت پیچھے ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اگر پردہ چھوڑ کر بھی ہم نے ترقی و تعلیم کچھ بھی حاصل نہ کی تو پردہ چھوڑنا قطعی بیکار ہے۔ سیدہ فطینہ اختر بانو نسیم

باقی صفحہ ۱۰۶

ادھر جاہلانہ کی ٹکڑیاں اپنے نام کی وضعداری پر جان دے رہی تھیں۔ اور وہ آن کی لیتی تھیں کہ توبہ بھلی۔ دوسروں نے سُنا تو اس طرح چُپ کر دیا۔ بس بس اپنے منہ میاں مٹھو نہ بنو۔ چلئے ہوگئی ہتک۔ غرض کسی کا دماغ ہی نہ ملتا تھا۔ مگر یہ سب بڑے پتہ کی باتیں تھیں۔ ان عقل و ہوش کی باتوں نے میرے اوسان خطا کر دیئے تھے۔ میری نیند اُڑ گئی تھی۔ میں پہروں غور کرتی رہی۔ ان میں سے ہر ایک کا دعویٰ کتنا سچّا تھا۔ جس نے جو کچھ بھی کہا ٹھیک ہی تو کہا۔ یہی باتیں میں کہتی تو میری بہنیں بُرا مانتیں۔ مگر ان بے زبانوں کی زبان حال سے سُن لیں تو مجھے کیا کہیں گی۔

جہاں بانو نقوی ایم۔ اے (عثمانیہ)

باقی صفحہ ۱۱۲

یہ جسم سراپا عاشق ہے محبوب ہے رُوح مگر دشمن
جو تن کے لئے ہو راحت جاں وہ جاں کیلئے ہو رنج و محن
محبوب کی فرقت شاق بھی ہو عاشق کی طاقت طاق بھی ہے
عاشق پژمردہ و مردہ ہے محبوب کا چہرہ چاق بھی ہے
کیوں روحانی چالاکی کو درماندگی جان سمجھا ہے
کیا جسم کی خاک مردہ میں بھی رُوح کو پنہاں سمجھا ہے
جو تن سے تعلق رکھتے ہیں آثار حیات انسانی
ہیں طے حقیقت اس کے لئے اسرار حیات انسانی
تفریق رُوح و جسد ہی تو ہستی کی راہ و منزل ہے
یہ منزل تو کچھ سخت نہیں ہاں راہ نہایت مشکل ہے
ہستی کی منزل پر صوفی سب آنکھیں موند کے جاتے ہیں
اس راز سے جو آگاہ نہیں وہ راہ میں ٹھوکر کھاتے ہیں

عبدالرب صوفی

عصمت دہلی

# کترنوں کی بُقچی

یہ ایک بقچی تھی جو نانی اماں کے وقتوں سے چلی آتی تھی - انہوں نے اس کو بڑی احتیاط سے رکھا تھا - بلا مبالغہ ہزاروں ٹکڑے اس میں نہایت سلیقہ واحتیاط سے اکھٹے کئے ہوئے تھے - کونسا کپڑا تھا جو نہیں تھا - ہر رنگ، ہر قیمت، ہر قسم کا اس میں ٹکڑا تھا - آج، کوئی کتابوں کا دلدادہ اتنے چاؤ ارمان سے اپنی کتابیں بھی جا کر نہ رکھیگا جس طرح ان اگلے وقتوں کی بیبیوں نے اس کو بسایا تھا - پھر کپڑا لگنے کا نام نہیں - یہ شاید ان کی نیتوں کی برکت تھی بعض تو خوشبو میں بسی ہوئی تھیں - اس سے پتہ چلتا تھا کہ اُن لوگوں نے ہم سے زیادہ کپڑے پھاڑے ہیں - ان کی وضعداریاں شان و تمکنت سب ان کے ساتھ گئیں - ہم کو تو آئے دن کاغذ پھاڑنے اور سیاہ کرنے سے ہی فرصت نہیں - یہ سوانگ کہاں سے لے بیٹھیں گے - مگر ان کی سلیقہ شعاری کی رہ رہ کے داد دینے کو طبیعت چاہتی تھی - بقچی بھی کتنی خوبصورت اور مضبوط سلی ہوئی تھی - گویا کسی جادوگر نے سحر سے بند کر دی ہو - یہ مشین کی رہین منت نہ تھی - اس کا ایک ایک ٹانکا ان چابک دست انگلیوں کی نفاست و مذاق سلیم کی گواہی دے رہا تھا جنہیں سائنس کی محیر العقول ترقیوں کی ہوا نہ لگی تھی - آج آنکھیں ان کو ڈھونڈھتی ہیں مگر — وہ اب کہاں!

امی جان کی الماری صاف کرتے ہوئے میری نگاہ اس پر پڑی - اور ان کترنوں کو دیکھکر خیالات یکے بعد دیگرے میرے دماغ میں گھومنے لگے - میں کہاں سے کہاں پہنچ گئی - آئی تھی الماری صاف کرنے اور مجھے یہ بقچی نظر آ گئی - میرے خیالات کا بہاؤ مجھے ایک دریا کی روانی کی طرح کہاں سے کہاں لے چلا - میں خود حیران رہ گئی - ایک سرسری سی نگاہ اس پر ڈالی تھی - اس کے فلسفہ کی الجھنوں میں پڑ جاتی تو ساری الماری ویسی کی ویسی ہی رہ جاتی - میں نے اس کو الگ رکھدیا - اور اپنے کام میں لگ گئی الماری ایسی تتر بتر تھی کہ کیا کہوں - وہ نانی اماں کا سلیقہ اور یہ اماں بی کا پھوہڑ پن - سنتے ہیں مرد کا سلیقہ قلمدان سے اور عورت کا سگھڑ پن پاندان سے ظاہر ہوتا ہے - مگر ہماری امی کا یہ سلیقہ تھا - جو ہمیں آئے دن یہ کہہ کر منہ سکیڑ لیتی ہیں - ایک چار حرف پڑھنے کیا آئے کہ آپے سے نکل گئی کل کی چھوکری اور منہ دیکھو - زبان تو قینچی ہے - اور میں آئے دن ان کڑوے کسیلے گھونٹوں کو پیتی - ان میں کتنا رس بھرا ہے - اور یہ مجھے دل و جان سے پیارے ہیں - ماں کی جھڑکیاں کسے نصیب ہوتی ہیں! خوش نصیب ہیں وہ جن کے ماں باپ زندہ ہیں - بعض وقت جب میں اپنے آپے میں واقعی نہیں رہتی تو پھر اچھی بات بھی سنکر چراغ پا ہو جانا میرے بس کا روگ تو ہے نہیں جس سے بچ سکوں - ذرا سی بات بھی تو کسی کی نہیں اٹھتی -

مگر اماں کو کب سلیقہ ہے جو میرے لئے سلیقہ سلیقہ کہتی رہتی ہیں - یہ دیکھو نا ان کی الماری - خود میں سلیقہ ہوتا تو آج ہمارے پیچھے پنجے جھاڑ کر کیوں پڑ جاتیں کہ صاف کرو - جماؤ - ایک ایک چیز تہہ کر کے رکھو - ان کی صرف کپڑوں ہی کی الماری ہے نا اور ہمارے ذمہ کتنے کام ہیں - کپڑوں کی الماری، کتابوں کی الماری، ڈرائنگ روم کی سجاوٹ - بیڈ روم کی صفائی - پھر پڑھنا اور امتحان دینا الگ -

ادھر ان کے ننھے کے کپڑے سینے - اس کا منہ دہلاؤ - ناشتہ کراؤ - کپڑے بدلو - مدرسہ بھیجو - پھر اپنا کام بھی کرو - انصاف کہاں چلا گیا - کتابوں کی حفاظت تو بڑی بلا ہے ہمارے پیچھے - ورنہ استانی صاحبہ کی فضیحت سنو - کبھی ننھے نے کوئی کاپی پھاڑ دی اور اگر ہم نے دعویٰ کر دیا کہ لو اماں تمہارے چہیتے نے آج ہم پر یہ آفت لائی - دلایئے نئی کاپی - اس پر وہ خفگی، وہ کوسنے کہ فلک بھی پناہ مانگے - در و دیوار غصہ سے ہانپنے کانپنے لگیں - وہ کھری کھوٹی سنائیں کہ غصہ بھی ان کے آگے قلابازیاں کھانے لگے - چلیئے سارا لاڈ پیار ہمارا منہ تکتا ہوا رہ گیا - کیونکہ یہ سب آجکل ان کے ننھے کی میراث ہے - ہم کون ہوتے بھلا - ہم نے وہی کاپی لی اور مدرسہ چلدیئے - وہاں پہلے ہی دیر ہو گئی تھی - استانی صاحبہ خفگی پر ادھار کھائے بیٹھی تھیں - ساری جماعت کے سامنے برا بھلا کہا - بنچ پر کھڑا کیا کاپی جو دیکھی تو موئے آتش دیدہ کیطرح پیچ و تاب کھانے لگیں - جماعت کے کونے جھنکوائے - بورڈ پر سو مرتبہ لکھوایا "میں نے اپنی کاپی پھاڑ دی میں بڑی بدتمیز ہوں"! نمعلوم آج کس کی صورت دیکھی تھی - بڑا بھاگوان دن تھا میرے لئے - خیر جماعت سے نکلتے ہی سہیلیوں نے سنہری قہقہے بلند کئے - کسی کے پھوٹے منہ سے یہ نہ نکلا کہ چلو بی کیوں اس غریب کا پیچھا کرتی ہو - یہاں اپنے ہی دام کھوٹے تو پرکھنے والے کا قصور - غرض ع

جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

یہ تو رہی میری بپتا -

الماری صاف کر کے میں نے کترنوں کی بقچی بڑے احتیاط سے سامنے رکھدی - اور الماری کے شیشے سے لیٹے لیٹے اس کو گھورنے لگی - مجھے نیند چلی آتی تھی - میں بہت تھک گئی تھی - اماں نے الماری کیا رکھی تھی اس کی مثال بساطی کی اس دکان سے دیجا سکتی ہے جس میں بکری نے گھس کر سارا اناج منتشر کر دیا ہو - یعنی کوئی کپڑا ٹھکانے سے نہ تھا - کسی ساڑی کی تہہ درست نہ تھی - دستیاں تو ایسی منتشر تھیں جیسے کٹے ہوئے پتنگ - جدھر دیکھا ادھر سے منہ چڑاتے نظر آتے ہیں - اس طوفان بدتمیزی کو ٹھکانے سے لگانے میں بھلا کون نہ تھکے گا - مجھے غنودگی سی آنے لگی - صوفہ پر نیم دراز ہو کر میں نے آنکھیں بند کر لیں - غالباً میں کچھ سو رہی تھی کچھ جاگ رہی تھی - میں انہیں کترنوں کے خیال میں اور اس خوبصورت رنگین بقچی کے تصور میں کھو گئی تھی - یہ تو میں نے کہدیا تھا نا کہ اسمیں ہر قسم کا کپڑا تھا - یعنی اگر ہم ہوں تو ان میں سے آدھے تو بیکار سمجھ کر پھینک دیں - مگر وہ اگلے وقتوں کے لوگ انکی جو باتیں تھی نرالی تھی! اب مجھے ایسا محسوس ہونے لگا کہ بقچی ایک ارگن کیطرح بج رہی ہے - اس میں سے باتیں سنائی دینے لگیں - کمرہ میں بالکل سناٹا اور سکوت تھا - میرے سوا کوئی نہ تھا - باتوں کی آواز میں ایک گہرا فلسفہ تھا - ایک منطق کی سی نرالی اور دلچسپ بحث تھی - شیکسپیر کے ڈرامے اور ملٹن کی نظموں سے زیادہ ان میں کشش تھی - میں نے کان لگا دیئے گویا ان باتوں نے مجھ پر ایک سحر کر دیا ہے -

سب سے پہلے تو کمخواب کا خوبصورت اور قیمتی ٹکڑا ململ کی دھجی کے ٹکڑوں پر مذاق اڑا رہا تھا - کہ لو دیکھو ان کی شان - چونی بھی کہے مجھے گھی سے کھاؤ - یہ منہ اور مسور کی دال - ہمارے ساتھ حضرت بھی تشریف فرما ہیں - خدا کی قدرت! میرے انگل بھر قد کی جو اس وقت قدر و قیمت ہے تمہارے جیسے لاکھوں تھان اس کے مول پر نہیں اتر سکتے - تمہیں حق ہی کیا ہے ہمارے ساتھ رہنے کا

پہلی بیبیاں ہماری کتنی قدر کرتی تھیں ۔ ہمارے نام سے ان کے منہ میں پانی بھر آتا تھا۔ بڑی بڑی محفلوں کی ہم سے رونق دوبالا ہوجاتی تھی ۔ عام دعوتوں میں ہمارا گذر کبھی نہ ہوا۔ ہم کو جو عزت ہے وہ تمہیں کہاں نصیب ۔ آج یہ بقچی جس میں ہم سب بند ہیں مجھ سے نہ بنائی جاتی تو بتاؤ کون اسکی اتنی قدر کرتا ۔ اب یہ سات پیڑی تک چلے گی ۔ جائے نماز ہم سے بنتی ہیں ۔ امام ضامنوں کی قدر افزائی میں ہمارا ہی حصہ ہے ۔ قرآن مجید کے جزدان ہم سے سلے جاتے ہیں ۔ کیسی کیسی مقدس چیزیں ہم میں ملفوف ہوتی ہیں کہ لوگ قرآن شریف کے ساتھ جزدان کو بھی آنکھوں سے لگاتے ہیں ۔ دلہن کے جہیز میں ہمارے دم قدم سے چار چاند لگ جاتے ہیں ۔ نام کی مٹھاس کو ہی دیکھ لو اور سر دھنو ۔ نام کیا ہے ایک خواب اور نغمہ ہے ۔ اگر کسی کو نیند بھی آتی ہو تو آجائے ۔ پھر ہمارے مول کا تو کہنا ہی کیا ۔ تم تین جنم لو تو تمہیں نصیب ہو ۔ غرض جہاں ہماری قدر سولھوں آنے ہے وہاں تمہاری ایک آنہ بھی تو نہیں ۔

اب ململ اور آغابانی کے ٹکڑے جو منہ پھلائے بیٹھے تھے کمخواب کا لکچر سنکر ان کا چہرہ اتر گیا تھا ۔ مگر چپ بھی تو نہ بیٹھا جاتا تھا اجی بس ہٹو منہ نہ کھلواؤ ۔ وہ چیز اچھی جو ہر وقت کام آئے ، ہر کسی کے کام آئے خصوصاً گرمیوں میں ہماری نعمت مشرق کے باسیوں سے پوچھو ۔ اگر ہم نہوں تو جینا مشکل ہو جائے تم سب کونے کو لگ جاتے ہو ۔ تمہارے نام سے گرمی لگتی ہے ۔ مانا کہ ہم مول اور تول میں تمہاری طرح بھاری بھرکم نہیں ۔ لیکن وہ سنا نہیں شاید جناب نے ع خاکساران جہاں را بحقارت منگر ۔

ہم کتنے کام آتے ہیں تمہیں کچھ خبر ہے ۔ مگر ذات شریف کو "میں پن" سے ہی فرصت کہاں جو دوسروں کی خبر ہو ۔ دون کی لینی آتی ہو بس ۔ جانتے ہو ہماری سیوا کو ۔ ہم نہوں تو صراحیوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ جائیں ۔ پانی جس پر انسانی ہستی کا دارومدار ہے ۔ اس میں حشرات الارض جنم لینے لگیں ۔ ہم سے چھانے بغیر شربت کا ایک گھونٹ بھی حلق سے نہ اترے ۔ ہم نہوں تو کنواری لڑکیاں اپنے قوس وقزاحی دوپٹے کو ترس جائیں ۔ مجھے تو قسم قسم سے رنگ کر یہ خوش ہوتی ہیں ۔ اور اپنی مصوری و رنگینی پر نازاں ۔ جہاں چھٹی کا دن آیا کہ ہمارے چمن میں بہار آئی ۔ تسلوں میں رنگ اور پانی کو یکجان کیا اور رنگنے لگیں ۔ ابرک نے اور ان کی رونق بڑھا دی ۔ کسی نے اپنے آبی دوپٹے پر ناز کیا ۔ کوئی پیازی رنگ پر اترانے لگی ۔ کسی کی آنکھوں کو دھانی دوپٹہ نے مارے خوشی کے آبگوں کر دیا ۔ کسی نے صندل نکالکر مجھے ڈبو دیا اور اس کی روح خوشبو سے مہک اٹھی ۔ تم کو جنم سے ایک ہی رنگ ملا ہے ۔ اور اسی میں مست و مگن ہو ۔ جہاں ہم ہزاروں وقت دھلتے نہاتے اور صاف ہوتے ہیں وہاں تم ایک بار پانی کا منہ دیکھو تو اس سگ گزیدہ کی طرح ڈینے لگو جو پانی دیکھکر اور دیوانہ ہو جاتا ہے بس تمہاری تو وہی مثل ہوئی نام بڑا اور درشن چھوٹے ۔ بھیا مرہم پٹی بھی تو ہمارے بغیر نا ممکن ہے ۔ جب کسی کے ٹھوکر لگی خون بہنے لگا بس ململ کی دھجی کو ڈھونڈتے ہیں ۔ کوئی حضرت کمخواب کی بات بھی نہیں پوچھتا ۔ ہمارا ساتھ تو انسان کی زندگی اور موت کا ساتھ ہے ۔ پیدا ہونیکے بعد بچہ کو کمخواب میں نہیں لٹیا جاتا ۔ اور نہ مرنیکے بعد کمخواب کے کفن میں کسی کو دفناتے دیکھا ۔ غریبوں کی تو ہمارا آج نے کبھی کوئی حسرت ہی نہ نکالی ۔ غریب سے امیر سب ہمیں خریدتے ہیں ۔ وہ چیز ہی کیا جو ہر کسی کے کام نہ آئے ۔ اور ایک دوسرا گروہ اس کے لئے منہ تکتا رہ جائے ۔ ہر دلعزیزی ہمارے وجود کی معراج ہے ۔ مرد عورت بچے سب خوشی سے ہمیں پہنتے اوڑھتے ہیں ۔ کہیں کسی حسین و وضعدار لڑکے نے ململ کا سفید کرتا پہن لیا تو معلوم ہو کہ چنبیلی کا ڈھیر پڑا ہنس رہا ہے ۔ تم دولہا کی

برات کے دن کام کرتے ہو یا میت کے شامیانے پرتن جاتے ہو۔ کیا بساط ہے بھئی تمہاری واہ واہ۔ اور پھر ہمیں غربت کا طعنہ دیتے ہوئے تمہیں لحاظ نہیں آتا؟ لو بس سن لی نا اپنی حقیقت؟ یا اور کچھ گناؤں؟

کمخواب پر جو ململ کا نزلہ گرا تو اطلس مُنہ کرنے لگا۔ اور ساٹن نے بھی اپنی ڈینگ مارنی شروع کی۔ کارگہ نے جالی کی ہنسی اڑائی کہ تجھ میں پھول ہیں نہ پتے۔ بیل ہیں نہ بوٹے۔ ایک ہم ہیں کہ ہماری اتنی قدر ہے۔ چار دانگ عالم میں ہمارا شہرہ ہے۔ ہم جہاں ہوں وہاں تجھے کوئی جھوٹے منہ نہیں پوچھتا۔ جالی کا چپ رہنا ذرا ٹیڑھی کھیر تھا۔ یہ تو جلنی کی طرح ٹپکنے لگی۔ اور وہ شان جتائی کہ پناہ بخدا۔ اے بہن میرا مُنہ نہ کھلواؤ۔ ابھی نہیں سُنی تم نے ململ و کمخواب کی فلسفیانہ نوک جھونک۔ بس جتنی باتیں ململ نے کہیں ان کو میری طرف سے بھی سمجھو۔ تمہارے بیل بوٹے امیروں کو مبارک، وہ لباس کتنا ذلیل و خوار ہے جس کو پہن کر لوگ اترائیں اور دوسروں کو نیچا سمجھیں۔ ارے غریب تو میرے بغیر جی بھی نہیں سکتی۔ خصوصاً عورتیں، اور ہاں بی بتاؤ مچھوا نی کبھی کارگہ کا اپنی عمر میں ناچ سُنا ہے؟ میں نہ ہوں تو حقیقت کھل جائے۔ مچھر وہ ناک میں دم کریں کہ ساری چوکڑی بھول جاؤ۔ کامدانی کشیدہ سب ہمارے ہی تن نازک پر کاڑھا جاتا ہے۔ اور من مانے سوئیاں چلائی جاتی ہیں۔ اور ہم ہیں کہ دم بخود۔ کارگہ نے بس وہیں مُنہ توڑ جواب دیا اور کہا ہم اس سے محروم ہیں۔ کامدانی ہم پر نہیں کاڑھی جاتی۔ بلکہ اس وقت وہ بہار ہوتی ہے کہ تم ٹک ٹک بس دیکھتی رہ جاؤ جیسے جنگل میں جگنو چمک رہے ہوں۔

کریپ اور ریشم کے ٹکڑوں نے اپنی اہمیت جتانے کے لئے ایک فرمائشی قہقہہ لگایا اور آنکھیں مٹکا مٹکا کر کہنے لگے اجی آجکل تو ہمارا راج ہے ہمارا۔ گیا وہ پہلا زمانہ جب کمخواب کو آنکھوں سے لگاتے تھے۔ جالی کے کرتوں پر جان دیتے تھے۔ آغا بانی کے بغیر چارہ نہ تھا۔ ململ کے چُنے ہوئے دوپٹوں کی بہار تھی۔ آجکل تو ساڑی ہے اور جمپر۔ کیا دیکھتی نہیں ہو ان بڑی بی کے بعد سے اب تک ہمارے ساتھیوں میں کتنا کم اضافہ ہوا ہے۔ یہ شاید تم نے غور نہیں کیا۔ پہلے کی بیبیاں اپنے ہی ہاتھ سے سب سیتی تھیں۔ سلائی ایک ہنر سمجھا جاتا تھا۔ اور عورت کے سلیقہ کی ایک بڑی زبردست خوبی تھی۔ یا پھر ہم بی مغلانی کے گلے کا ہار رہتے تھے۔ مگر آجکل تو درزیوں کا راج ہے جن کے پاس سے بیگم کو ایک ٹکڑا بھی واپس نہیں ملتا۔ وہ ادھر بزاز سے خریدیں اُدھر درزی کے حوالہ کر دیا۔ اُنہوں نے خوب ہاتھ رنگے۔ کپڑے کی کتر بیونت کا اندازہ ہوا تو خیر ورنہ ان کی بن آگئی۔ جی بھر کر لوٹ لیا۔ یہ آجکل کی تعلیم یافتہ لڑکیاں ہیں کہ جنہیں اس نگری سے لاعلم رکھا گیا ہے۔ وہ "نیم تعلیم یافتہ" جو تھوڑا بہت پڑھ لیں تو خود کے برابر کسی کو نہیں سمجھتیں۔ چٹر پٹر انگریزی اُردو کی کھچڑی پکانے لگیں۔ انگریزی میں خط لکھ مارے۔ انگریزی کتابوں پر اپنی شان جتانے کیلئے جان دینے لگیں۔ سینے پرونے کے نام سے دُور اور گھر کی زندگی سے پرے بھاگتی ہیں۔ اب بتاؤ ہمارے ساتھیوں اور دوست احباب میں اضافہ ہو تو کیونکر ہو۔ ضرورت پڑتی ہے کوئی سفر کو جاتا ہے۔ یا کسی بیمار کو دیکھنا ہے تو چپکے سے اس بقچی کو کھول لیا جس میں آج ہم سالہا سال سے بند ہیں۔ ایک دھجی نکالی۔ اس کا امام ضامن الٹ پلٹ لیا۔ یا یوں ہی گرہ دیدی۔ اور رکھ لیا۔ پہلی بیبیوں میں کتنا سلیقہ اور کیسا سگھڑ پن تھا۔ اور آج یہ نوبت ہے۔ جوں جوں دن گذرتے جاتے ہیں ہم میں جدائی اور پھوٹ ہوتی جاتی ہے۔ بس غنیمت جان لو مل بیٹھنے کو۔ یہ کہاں کی ٹخ ٹخ نکالی ہے۔ (باقی ۱۰۳ کالم اول پر)

# ابوبکر صدیقؓ

جناب سرور کائنات صلعم نے فرمایا میں نے جسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی وہ اس میں تامل کرتا رہا۔ مگر ابوبکر صدیقؓ نے اسلام قبول کرنے میں سبقت کی اسی لئے آپ کو تمام صحابہ پر فضیلت حاصل ہوئی۔

حضرت عائشہ صدیقہ کی حدیث ہے کہ حضرت عائشہ کو جب معلوم ہوا کہ کچھ لوگ میرے باپ کی نسبت اختلاف رکھتے ہیں تو ان کو بلایا اور فرمایا:۔ "میرے باپ کی نسبت لوگ کیا خیال رکھتے ہیں؟ واللہ وہ ایک مضبوط قلعہ اور پھیلا ہوا سایہ تھا جب تم بجھ جاتے تھے تو وہ جل اٹھتا تھا۔ اور جب تم سست ہو جاتے تھے تو وہ مستعد رہتا تھا۔ ابتدا میں وہ قریش کا بہادر نوجوان تھا۔ اور بڑھاپے میں ایک عقلمند مدبر۔ قیدیوں کو چھڑاتا اور پیاسوں کو پلاتا۔ پریشانوں کو اطمینا دلاتا تھا۔ ایمان لانے پر اُس کے ارادے میں کبھی فتور نہ آیا۔ اس نے اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنائی۔ اس میں اُن باتوں کو زندہ کرتا تھا جن کو باطل پرستوں نے برباد کر دیا تھا۔ اللہ اس پر رحمت کرے۔ میرے باپ کے آنسو رقت سے بہا کرتے تھے۔ اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل اسلام کی حکومت دی۔ جب آپ کی وفات ہوئی تو شیطان نے پھر اپنا جال بچھایا۔ لوگوں میں ہلچل پڑ گئی۔ صدیقؓ خدا کے بندے نے کمر ہمت باندھی اور اس سچے دین کی حمایت کیلئے مستعد ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس نے مخالفین کے سروں کو روندھ ڈالا۔ کیا تم اس دن میرے باپ سے بدلا لینے کے خواہشمند ہو۔ جس دن عدل و انصاف ہوگا۔ اور سچے لوگوں کو نیکی کی جزائے خیر دیجائے گی۔"

یزید بن سفیان کو ابوبکر صدیقؓ نے شام کیطرف بھیجتے وقت یہ وصیت کی تھی "میں نے تجھ کو خالد بن سعید کی بجائے مقرر کیا ہے۔ تو ان خیالات کو اپنے دل میں جگہ نہ دینا جو جاہلیت کے زمانہ میں ہوتے تھے کیونکہ اللہ تعالےٰ ان کو ناپسند کرتا ہے۔ اپنے لشکر والوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا۔ جب ان کو نصیحت کرنا تو مختصر الفاظ میں کرنا۔ اپنے نفس کو ٹھیک رکھنا سب لوگ تمہارے ساتھ ٹھیک رہیں گے۔ نماز ٹھیک وقت پر پڑھنا اور اس کے رکوع و سجود پورے ادا کرنا۔ جب تمہارے پاس حریف کا ایلچی آئے تو اس کا احترام کرنا۔ اور بہت تھوڑی تک اُس کے ساتھ مجالست کرنا تاکہ فوراً واپس چلا جائے اور تمہارے لشکر کے حالات سے واقف نہ ہونے پائے۔ اُس کے ساتھ گفتگو کرنے میں کسی قسم کی بناوٹ نہ کرنا۔ اسکو ایسی جگہ بلانا جو تمہارے لشکر میں سب سے زیادہ شاندار ہو۔ اور پہلے خود گفتگو شروع کرنا۔ اپنے پوشیدہ خیالات کو ظاہری خیالات کے ساتھ خلط ملط نہ کر دینا۔ جب مشورہ کرو تو نہایت سچی نیت رکھنا۔ رات کو اپنے ہمراہیوں میں بیٹھ کر بات چیت کرنا۔ تاکہ ہر قسم کی خبریں سنو اور تم کو اپنے لشکر اور فریق مخالف کے حالات معلوم ہوتے رہیں۔ مجرم کی سزا دہی میں بھی خوف نہ کرنا۔ لیکن جلدی نہ کرنا اور نہ زیادہ اس کو رسوا کرنا۔"

ایس۔ بی طاہرہ (پشاور)

# غیر مسلم خواتین دکن کی اُردو نظم و نثر

حیدرآباد میں نہ صرف سرکاری زبان اُردو ہے، بلکہ عام طور سے بھی اُردو بولی جاتی ہے۔ مسلمانوں اور کائستھوں کے علاوہ جن کی یہ مادری زبان ہے اسی زبان کا استعمال کرتے ہیں، اور ان میں بھی اُردو زبان نہ صرف بول چال میں مستعمل ہے بلکہ تحریر و تقریر میں بھی اسی کا رواج ہے۔

اس موقع پر بعض غیر مسلم خواتین کی نثر و نظم کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

**مسز نندی** ڈاکٹر جارج نندی آں جہانی نے حیدرآباد میں ایک زمانہ دراز تک مختلف سرکاری عہدوں تعلقداری، ڈپٹی کمشنری انعام جنرل انسپکٹری رجسٹریشن و اسٹامپ پر کارگزار رہ کر وظیفہ حاصل کیا اور یہاں ہی انتقال ہوا۔

مسز نندی کا اصلی وطن اگرچہ بنگال ہے مگر اپنے شوہر کے ساتھ حیدرآباد آگئیں اور اب تقریباً پچاس سال سے یہاں زندگی بسر کرتی ہیں، اس طرح اب حیدرآباد ہی آپ کا وطن ہے، آپ کی بیٹیاں یورپ کی تعلیم یافتہ اور سرکار آصفیہ کے سررشتہ تعلیمات میں گزیٹیڈ خدمات پر فائز ہیں۔

مسز نندی کو پبلک کاموں سے بڑی دلچسپی ہے جس کی تفصیل ہماری کتاب "خواتین عہد عثمانی" میں ہے، آپ کی خوش اخلاقی ملنساری، انکساری اور سادگی بھی قابل تقلید ہے۔

ڈاکٹر جارج نندی کو علم سے بڑا شغف تھا، وہ انگریزی کے ادیب تھے، ان کے اعلیٰ مضامین اکثر انگریزی رسالوں اور اخباروں میں شائع ہوتے تھے، مسز نندی کو بھی اپنے شوہر کی طرح ادبیات سے خاص دلچسپی ہے، اسی شوق کے باعث انہوں نے اُردو میں کئی کہانیاں وغیرہ ترجمہ کی ہیں۔ اگرچہ تا حال انکی طباعت و اشاعت نہیں ہوئی ہے مگر اس قسم کا کافی ذخیرہ ہے۔

آپ کی نثر کا نمونہ حسب ذیل ہے:۔

**عبدالقادر** ۔" میں اپنی تمام جائیداد اپنی دلہن پیاری بیگم کے نام لکھ دینا چاہتا ہوں۔"

**صالح** ! ساری جائیداد؟ صاحب یہ تو وصیت ہوئی نہ کہ ہبہ

**عبدالقادر**، خیر یہ میری خواہش ہے، اس کے خلاف کچھ نہ ہو۔

**بیوی** ۔ یہ تو کچھ بات نہیں، اس مکان کا اسباب پرانا بوسیدہ ہے، نیچے سے اوپر تک مرمت کی ضرورت ہے، سچ تو یہ ہے کہ پرانا اسباب نکال دینا چاہیئے۔ اور نیا خریدنا ضروری ہے، میں خود یہ بخوبی کر سکتی ہوں، برتن بھانڈے چانیاں، چادریں، غلاف سب پھٹے پرانے ہیں۔"

**مس جبی نندی** مس جبی نندی، جارج نندی کی چوتھی دختر ہیں، ۱۹۰۵ء میں ان کی پیدائش حیدرآباد میں ہوئی، محبوبیہ گرلز اسکول میں تعلیم پائی اس کے بعد اس یونیورسٹی سے بی۔ اے آنرز کی ڈگری حاصل کی، انٹرمیڈیٹ میں فارسی سکنڈ لینگویج (دوسری زبان) کے طور پر لی تھی، بی۔ اے آنرز کے بعد ٹیچرس ڈپلوما لندن یونیورسٹی سے حاصل کیا، لندن سے واپسی کے بعد محبوبیہ گرلز اسکول میں آپ کا تقرر ہوا، اور اس کے بعد صدر مہتممہ مدارس نسواں پر ترقی دی گئی، اب آپ اسی خدمت پر مامور ہیں، اگرچہ اس خدمت پر آپ کا تقرر ہوئے تھوڑا عرصہ ہوا ہے مگر اس عرصہ میں بھی آپ نے نہایت محنت، مستعدی، جفاکشی، اور خوش اسلوبی سے کام انجام دیکر یہ ثابت کر دیا ہے کہ دیسی خواتین بھی کس طرح حسن و خوبی سے اہم خدمات انجام دے سکتی ہیں۔

مس جبی کو اُردو سے خاص تعلق ہے، آپ نے اپنے والد کے ڈرامہ کو اُردو کا لباس پہنایا ہے، "بمبئی ٹاکیز" نے اس کا حق تالیف

آپ سے حاصل کرکے اپنی ضروریات کے مدنظر کچھ ترمیم کے بعد "عزت" کے نام سے اس کو پردہ فلم پر پیش کیا ہے۔

مس حبیبی کو ڈرامہ نگاری سے خاص شغف ہے، کئی ایک اردو ڈرامے قلمبند کئے ہیں۔ مگر ہنوز ان کو شائع نہیں کیا ہے۔ البتہ بعض ڈرامے اسکولوں میں اسٹیج پر کئے گئے اور نہایت کامیاب رہے۔ خدمت صدر مہتمم مدارس نسواں کے لحاظ سے آپکو اکثر مواقع پر تقریر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، اور آپ ہمیشہ اردو میں تقریر فرماتی ہیں، اردو کی مزید دستگاہ حاصل کرنے کے لئے آپکا مطالعہ جاری ہے۔

آپ کی نثر کے دو مختلف نمونے پیش کئے جاتے ہیں:۔

"ہم سب جانتے ہیں کہ ہندوستان کے مسلمان اُن ترکوں، ایرانیوں اور افغانوں کی اولاد ہیں، جو قدیم زمانے میں یہاں ترکستان، ایران اور افغانستان سے آئے تھے۔ اسی طرح ہمارے اعلیٰحضرت کے جد اعلیٰ غازی الدین نام جو قاضی بخارا تھے ۱۶۸۵ء میں اپنا وطن چھوڑ کر ہندوستان آئے، اور آخر اورنگ زیب شہنشاہ مغلیہ کی فوج کے سپہ سالار مقرر ہوئے، جب مغلیہ فوج گولکنڈہ پر حملہ آور تھی تو غازی الدین خاں بھی جنگ میں شریک تھے، اور اسی لڑائی میں شہادت پائی۔"

## ڈرامہ کا نمونہ

**بوڑھا** "پیارے بچو! بدھ کی نسبت تم نے کیا سنا ہے؟"

**موہن** "جی ہاں، دو ہزار برس ہوئے، وہ دنیا میں زندہ تھا۔"

**رستم** "بڑا بادشاہ تھا۔"

**جوزف** "اپنی ملکہ اور بچوں اور سلطنت کو چھوڑ دیا تھا۔"

**احمد** "جنگل میں سچائی ڈھونڈنے گیا تھا۔"

**رستم** "سچائی کے کیا معنی؟"

**جوزف** "سخت بیوقوف ہو، معنی یہ ہیں کہ اس نے جھوٹ بولنا چھوڑ دیا تھا۔"

**بوڑھا** "اس کے معنی اس سے گہرے ہیں، بچو! بدھ کے زمانہ میں لوگ نہایت بد ہوگئے تھے۔ ایک دوسرے کا خون کرتے تھے، اور ایک دوسرے کی چوری بھی کرتے تھے، امیروں غریبوں پر ظلم کرتے تھے، بدھ نے یہ سب کچھ دیکھا اور بہت افسوس ناک اور دلگیر ہوا، آخر کار دنیا کو چھوڑ کر جنگلوں میں چلا گیا، رات دن خدا سے دعا مانگتا تھا کہ خدا مجھے بتا کہ میں کس طرح ان لوگوں کی مدد کروں۔"

## مسز شاہ پور جی مانک جی

آپ کی پیدائش کلکتہ میں سنہ ۱۸۷ء میں ہوئی

آپ کے دادا کاؤس جی دادا بھائی سلطنت ایران کی جانب سے بمبئی میں کونسل جنرل تھے اور اسی طرح نانا مانک جی رستم جی کلکتہ میں کونسل تھے۔

مسز شاہ پور جی کی ابتدائی تعلیم کلکتہ میں ہوئی، ۱۸۹۵ء میں آپ حیدرآباد آئیں اور یہاں بس گئیں۔ حیدرآباد آنے کے بعد آپ نے اردو کی تعلیم پائی، مضمون نویسی کی مشق بھی پیدا کی رسالہ "النساء" میں آپ کے مضامین شائع ہوئے ہیں۔

قومی اور ملکی کاموں سے بھی مسز شاہ پور جی کو بڑی دلچسپی ہے اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ البتہ بعض علمی کاموں کا تذکرہ کیا جاتا ہے، انجمن خواتین دکن کی رکن انتظامی کی حیثیت سے آپنے مستعدی سے عملی کام کیا ہے، مدرسہ نسواں بیگم بازار کی آنریری منتظمہ کا کام عرصہ تک کرتی رہیں۔ ویمنس ایجوکیشنل بورڈ کی خزانہ دار رہیں۔ ویمنس ہوم اینڈ سٹیڈ ایسوسی ایشن میں بھی عملی کام انجام دیا اور مسز کالنس کے ولایت جانے پر عرصہ تک اس کی صدارت کے فرائض خوش اسلوبی سے ادا کرتی رہیں۔ چائلڈ ویلفیر سلطان بازار کی سرگرم رکن رہی ہیں، بہرحال آپ کو ملکی اور نسوانی کاموں سے بڑی دلچسپی رہی ہے، اب سن کے تقاضے اور آئے دن بیماری کے باعث اس قسم کے کاموں سے دست کش ہوگئی ہیں۔

جیسا کہ بیان کیا گیا آپ رسالہ النساء کی مضمون نگار تھیں آپکے مضمون کا نمونہ حسب ذیل ہے:۔

"انسان خواہ مرد ہو خواہ عورت جب اس دنیا میں آتا ہے تو وہ خدا کے گھر سے اور قوتوں کے ساتھ ہمت و امید کا جوہر بھی ساتھ لاتا ہے، آج کا مضمون صبر، ہمت و کوشش ہے،

میں یہ بتلانا چاہتی ہوں کہ انسان کو ان خوبیوں سے کیا نفع ملتا ہے، صبر انسان کا اعلیٰ زیور ہے، اس زیور کو سنبھال کر رکھیں تو مشکل آسان ہوجائے گی، اور سب دکھ سکھ سے بدل جائیں گے۔"[1]

## مسز برکت رائے

مسز برکت رائے، راجہ چندولال آنجہانی کے خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔

آپ کی پیدائش ۱۸۹۴ء میں حیدرآباد میں ہوئی۔ تعلیم خانگی طور سے پائی، اُردو فارسی کے ساتھ انگریزی سے بخوبی واقف ہیں، اردو مضمون نگاری کا بھی شوق ہے، کئی مضامین شائع ہوئے ہیں۔

قومی اور ملکی کاموں سے بڑی دلچسپی ہے، حیدرآباد میں جم انڈسٹری کی بنیاد قائم کرنے میں آپ کا بڑا حصہ ہے، اس نے اب بڑی ترقی کرلی ہے، اور سرکار سے امداد ملنے لگی ہے۔

اب آپ اپنے شوہر مسٹر برکت رائے اول تعلقدار کے ساتھ اورنگ آباد میں مقیم ہیں، یہاں کی خواتین کی ترقی میں بڑی مستعدی سے کوشاں ہیں، انجمن ترقی تعلیم و تمدن کی شاخ قائم کی ہے۔ اسکی آپ صدر ہیں، خواتین اورنگ آباد کے لئے ایک سوشل کلب بھی قائم کی ہے۔

غریب آوارہ لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے جو آپ کے بنگلہ "گلشن محل" کے قرب و جوار میں رہتے ہیں ان کے لئے گلشن محل میں ایک اسکول قائم کیا ہے، جسمیں چالیس پچاس بچے تعلیم پاتے ہیں، عورتوں کے لئے ایک مدرسہ شبینہ کا بھی افتتاح کیا ہے اکثر موقعوں پر آپ اُردو میں تقریر فرماتی ہیں۔ آپ کی نثر کا نمونہ حسب ذیل ہے:۔

"اب میں مختصراً مطالبات کے موضوع آپ کے گوش گذار کروں گی، تاکہ آپ یہ سمجھ سکیں کہ کس قسم کے مطالبات خواتین کی جانب سے پیش کئے جاتے ہیں، مثلاً لڑکیوں کی موجودہ تعلیم تشفی بخش نہیں ہے۔ لڑکیاں تعلیم یافتہ ہوکر خانہ داری کی زندگی سے بے خبر ہوجاتی ہیں، اس میں تبدیلی کیجائے یا نصاب تعلیمی بنانے میں لایق خواتین کو شریک کیا جائے، بعض سینما کے مخرب الاخلاق فلم کی ممانعت کے لئے سرکار سے درخواست کیجائے جن کے دیکھنے سے بچوں کے اخلاق پر بُرا اثر پڑتا ہے، ازدواج کمسنی کو روکنے کے لئے قوانین بنائے جائیں۔ مزدور پیشہ خواتین کو آرام پہنچانے اور ان کے بچوں کی حفاظت کا انتظام کیا جائے۔ وغیرہ"

ایک نظم کا کچھ حصہ حسب ذیل ہے:۔

شہری ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا — ہے یہ زمیں ہماری یہ آسماں ہمارا
ویدانت بھی ہمارا قرآن بھی ہمارا — اللہ بھی ہمارا بھگوان بھی ہمارا
دیوالی اور دسہرہ عید الضحیٰ محرم — ونڈی کی یہ سواری اور یہ نشاں ہمارا
یہ پوجا پاٹھ اپنا روزہ نماز اپنی — اظہار عقیدت کا ہے یہ نشاں ہمارا
اوتار اور پیمبر ہیں پاسباں ہمارے — سجدے میں سرنگوں ہے ہندوستاں ہمارا
پہلے تو دیس بھارت امن و اماں کا گھر تھا — رہتے تھے سب اکٹھے کوئی نہ خوف ڈر تھا
کیا ہوگیا ہے اب یہ جھگڑے کی ہے سمائی — کچھ بھول ہوگئی ہے سدھ اپنی ہے گنوائی
اپنے ہی بھائیوں پر آفت جو ڈھائے ہیں — آپس میں پھوٹ کرکے عزت گنوائے ہیں
امن و اماں کی دنیا برباد کر رہے ہیں — ناحق و ناروا ہی فریاد کر رہے ہیں
سنتا ہے کون اپنی ہم کسکو یہ سنائیں — یہ بھول ہے سراسر کس طرح یہ بتائیں،
وحدت کے فلسفہ کو ہم نے مٹا دیا ہے — دنیا ہے چند روزہ یہ بھی بھلا دیا ہے
کچھ یاد بھی ہیں ہمکو ایک برہمہ کے معنی — ہے لاشریک واحد پروردگار یعنی
سارے جہاں میں ہستی اسکی ظہور اس کا — آنکھوں میں نور اسکا دل میں سرور اس کا
کثرت کی ایکسانی وحدت کا ہے نمونہ — ہر ذرہ سے عیاں ہے الفت کا یہ نمونہ
اہل وطن سے اپنی اب التجا یہی ہے — باز آئیں جھوٹی ضد سے بس مدعا یہی ہے[1]

## مس اندیرا پلے

مس پلے کے والد راجہ وینو گوپال پلے ناظم دارالطبع و سررشتہ سربراہی صادر ہیں، ان کے دادا گوپال پلے بھی سرکار عالی کے مہتمم دارالطبع تھے، ۱۶۔ اگست ۱۹۱۶ء کو مس اندیرا حیدرآباد میں پیدا ہوئیں، محبوبیہ گرلز ہائی اسکول میں ابتدا سے تعلیم ہوئی۔ سینئر کیمبرج کے امتحان میں کامیاب ہوئیں، اور اب اسکول آف آرٹس بمبئی میں زیر تعلیم ہیں۔

مس پلے کو مصوری کے ساتھ موسیقی اور ادبیات سے بھی بڑی دلچسپی ہے، محبوبیہ اسکول میں مصوری میں آپکا خاص امتیاز حاصل تھا

[1] رسالہ النساء بابتہ جولائی ۱۹۲۰ء

[1] سب رس

مغربی موسیقی کیساتھ مشرقی موسیقی میں بھی اچھی مہارت حاصل ہے، ادبیات کے شوق کے باعث محبوبیہ گرلز اسکول کے میگزین کی اڈیٹر رہی ہیں۔ یہ رسالہ انگریزی اور اردو دونوں زبانوں پر مشتمل ہوتا تھا' ادبی سوسائٹی کے سیکرٹری کے فرائض بھی آپ کے ذمہ تھے۔ سوسائٹی کے لکچروں اور مدرسہ کے ڈراموں میں سب سے پہلے کا خاص حصہ ہوتا تھا۔

قومی کاموں سے بھی دلچسپی ہے وکٹوریہ میموریل ارفنج کی لڑکیوں کو ملو بلنڈ کی تعلیم آنریری طور پر دیتی ہیں۔ آپ کی اردو کا نمونہ حسب ذیل ہے:۔

"جبکہ اگست ۱۹۲۹ء میں محبوبیہ اسکول میگزین نے مدت مدید کے بعد نیا جنم لیا تھا' تو اس کا نہایت پرشوق استقبال کیا گیا تھا' اور اُمید کیگئی تھی کہ آیندہ کبھی تعویق نہ ہوگی' لیکن مالی مشکلات کیوجہ سے دو سال تک اشاعت کو مجبوراً بند کرنا پڑا اور اب جبتک مدرسہ خود میگزین کی اشاعت میں غیر معمولی انہماک اور دلچسپی نہ ظاہر کرے کوئی اُمید افزا وعدہ کرنا بالکل بے سود ہے۔"[1]

## مس تلسی مانک لال

مس تلسی کے والد مانک لال کشمیر کے رہنے والے تھے وہ ۱۹۱۵ء میں حیدر آباد آکر یہاں متوطن ہوگئے، تجارت اور ساہوکاری کرتے تھے مس تلسی کی پیدائش حیدر آباد میں ہوئی' اولاً خانگی طور پر آپ کی اُردو' ہندی' انگریزی تعلیم ہوئی' ایک عرصہ کے بعد مانک لال اپنی بیوی کے انتقال پر پونہ چلے گئے' اب مس تلسی پونہ کے مشن اسکول میں داخل ہوئیں' مدرسہ کی تعلیم کے ساتھ گھر پر اردو فارسی کی تعلیم بھی ہوتی رہی۔ مانک لال کے انتقال پر مس تلسی اپنے ماموں کے پاس لاہور چلی گئیں۔ اور وہاں لاہور کالج سے بی۔اے میں کامیابی حاصل کی' ماموں کے انتقال کے بعد پھر پونہ چلی آئیں' اب آپ کبھی پونہ اور کبھی حیدر آباد میں قیام کرتی ہیں۔

مشرقی تہذیب خصوصاً اسلامی معاشرت سے آپکو خاص دلچسپی ہے موسیقی اور رقص میں بھی اچھا ملکہ حاصل ہے۔

مس تلسی کو اردو ادب سے بڑی دلچسپی ہے' ادب اردو کی شاید ہی کوئی اچھی کتاب ایسی ہوگی جو آپ کے کتب خانہ میں موجود نہ ہو' آپ کو اردو شاعری کا بھی ذوق ہے۔ کلام صاف اور موثر ہوتا ہے' نمونہ حسب ذیل ہے۔

| | |
|---|---|
| ایک ہی وقت میں اتنے آنسو | وہ اگر بار دگر یاد آیا |
| سجدۂ شوق کو کیا قید مقام | کرلیا سجدہ جدھر یاد آیا |
| کس قدر آنکھ سے نکلے آنسو | جب بھری شام کو گھر یاد آیا |

### رباعی

| | |
|---|---|
| مانا کہ گنہگار ہوں بدکار ہوں میں | سو طرح سے آفت میں گرفتار ہوں میں |
| تیرا ہے زیاں گر نہ چھڑایا مجھ کو | آئینہ اگر تو ہے تو زنگار ہوں میں |
| انگارۂ خاکی میں یقین پیدا کر | بال و پر جبرئیل امیں پیدا کر |
| کیوں دو کو جگہ دیتا ہے اپنے دلمیں | اک گھر کیلئے ایک مکیں پیدا کر |

---

## مس لکشمی

مانک لال کی چھوٹی دختر مس لکشمی ہیں' آپ کی پیدائش اور ابتدائی تعلیم و تربیت حیدر آباد میں ہوئی' مس تلسی سے آپ دو سال چھوٹی ہیں' ان کے ساتھ ہی آپ کی تعلیم ہوئی لاہور کالج سے ایف اے میں کامیاب ہوئی ہیں۔

مس لکشمی کو بھی شعر و سخن سے شغف ہے، اردو نثر خوب لکھتی ہیں' انگریزی اور ہندی شاعری سے بھی دلچسپی ہے' آپ کے ہندی قومی گیت جذبات اور اثر میں ڈوبے ہوتے ہیں' انگریزی نظمیں ٹائمز ہفتہ وار میں شائع ہوتی ہیں۔

مندرجہ صدر غیر مسلم خواتین ہیں جو اُردو کے "تذکرہ میں قابل ذکر ہیں' کسی دوسرے موقع پر ہم ان غیر مسلم خواتین کی اُردو پیش کریں گے جن کو جامعہ عثمانیہ سے تعلق ہے۔

**نصیر الدین ہاشمی**



[1] محبوبیہ میگزین اکتوبر ۱۹۳۲ء

# ہستی کی راہ و منزل

## استفسار

ہستی کے اندھیرے غاروں میں دل تھک سو جاتا ہے
احساس بھٹکتا پھرتا ہے پھر رہ رہ کر کھو جاتا ہے
جب نذرِ منزل ہونے کو ہے میری روح در ماندہ
پھر رستہ میری نظروں سے کیوں اوجھل ہو ہو جاتا ہے؟

عصمت نومبر ۳۸ء (گوہر اقبال حور)

## جواب استفسار ملقب بہ ہستی کی راہ و منزل

جب روح پھڑک کر جاتی ہے اڑ کر نوری میناروں میں
یہ جسم تڑپ کر گرتا ہے ہستی کے اندھیرے غاروں میں

اس روح سراپا راحت کا بیدار لطیفہ ہوتا ہے
تکرارِ عمل سے تھک کر دل موت کی نیند یں سوتا ہے

اس روح کا طائر منڈلا کر جب صحن چمن میں گرتا ہے
بے بال و پری کے جنگل میں احساس بھٹکتا پھرتا ہے

ان آنکھوں کا پتھرا جانا گویا قندیلِ منزل ہے
نظروں سے اوجھل ہو جانا راہوں کا دلیلِ منزل ہے

مخمور نگاہوں کا سونا اک تمہیدِ بیداری ہے
یہ نشۂ ہستی تلخ تو ہے ہاں داروئے ہشیاری ہے

گو آنکھیں پتھرا جاتی ہیں ہر شے اوجھل ہو جاتی ہے
ہاں شمع روح کے جلوؤں میں خود تاریکی کھو جاتی ہے

اس روح کو حاصل ہوتا ہے جس دم منشورِ آزادی
وہ نزع کی گھڑیاں تن کے لئے ہوتی ہیں پیامِ بربادی

اے طالبِ حق یہ وقتِ اجل آغازِ بہارِ ہستی ہے
یہ نزع کی مشکل کچھ بھی نہیں تھوڑا سا خمارِ ہستی ہے

یہ جسمانی درماندگیاں آثارِ راہ و منزل ہیں
جس ورجہ شکستہ ہوں موجیں اظہارِ قربِ ساحل ہیں

جو تن کیلئے دشواری ہے وہ روح کے حق میں راحت ہے
یہ دشواری تو مجازی ہے وہ راحت عین حقیقت ہے

ہستی کی راہ و منزل سے ناواقف ہو کر عزمِ سفر!
راہوں کو گمراہی نہ سمجھ اے تفتہ جگر اے خستہ نظر

یہ تاب و تواں یہ آہ و فغاں یہ خارِ مغیلاں بے درپے
راہیں کنکریلی پتھریلی منزل ہے کٹھن تو نازک ہے

سایہ میں کہیں آرام سے سو کیوں تکتا ہے حیران نہ ہو
خستہ بھی ہے درماندہ بھی کیوں تھکتا ہے ہلکان نہ ہو

ورنہ مت بیٹھ بیاباں میں ہمت کر استادہ ہو جا
منزل کو دور سمجھتا ہے، نزدیک ہے آمادہ ہو جا

اس ہستی کی ہستی کیا ہے پہلے اس راز سے واقف ہو
انجام تو خود کھل جائے گا پہلے آغاز سے واقف ہو

یہ ہستی ہستی ہے ہی نہیں یا ہے تو جسم و مجازی ہے
جو روح و حقیقت کے آگے سر تا پا لہو و بازی ہے

کچھ رمزِ راہ و ہستی ہے ہاں کچھ رازِ منزل بھی ہے
مشکل نہ سمجھ آسان بھی ہے آساں نہ سمجھ مشکل بھی ہے

یہ جسم سراپا دھوکہ ہے یہ روح نہیں جز حکمِ خدا
یہ کچھ بھی نہیں جب اس سے الگ وہ سب کچھ ہے جب اس سے جدا

ترکیب روح و جسد ہی ہے جس سے انسان عبارت ہے
ہاں یہ ترکیب مجازی ہے تجرید روح حقیقت ہے

(باقی صفحہ ۱۰۲ کالم ۲ پر)

# آج کا جرمنی

گذشتہ جنگِ عظیم میں جرمنی نے جو کارنامے دکھائے وہ صفحاتِ تاریخ پر محفوظ ہیں۔ فتح و شکست تو قسام ازل ہی کے ہاتھ میں ہے۔ جرمنی کے خلاف تمام دنیا ہو گئی تھی لیکن دورانِ جنگ میں اس کا ہی پاسا بھاری رہا۔ روس شکست کا اعلان کر چکا تھا متحدہ طاقتیں سسک رہی تھیں۔ کہ اچانک میدانِ کارزار میں امریکہ تازہ دم آن کودا۔ اور تھکے ماندے جرمنی کیلئے اس نئی قوت کا مقابلہ کرنا دشوار ہو گیا۔ جرمنی شاید اس کا مقابلہ ہمت سے کرتا۔ اور کامیاب ہوتا۔ اگر جرمن یہودیوں نے عین وقت پر دہوکہ نہ دیا ہوتا۔ انہوں نے متحدہ قوتوں کے اثر سے جرمن بینکوں سے اپنا تمام روپیہ نکال لیا۔ اور جنگ کے خلاف پُرزور پروپگینڈا شروع کر دیا۔ اس طرح یہودیوں نے جرمنی کے گھر کے اندر آگ سلگا دی۔ نتیجہ اظہر من الشمس تھا۔ ۱۹۱۸ء میں جرمنی کو شکست ماننا پڑی۔ فاتح اقوام نے صلحنامہ ورسیلز (Treaty of Versailles) مرتب کیا۔ جس کی رُو سے جرمنی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے گئے۔ کچھ حصہ پولینڈ کو اور کچھ دوسروں کو دے دیا گیا۔ جرمنی اور آسٹریا سے کچھ حصہ لیکر چیکوسلوویکیا (Czechoslovakia) کے نام سے ایک نئی سلطنت کی بنیاد رکھی گئی جرمن نوآبادیات بھی متحدہ اقوام نے تمام کی تمام آپس میں بانٹ لئے اور جرمنی کو ذلت و اسیری کی زندگی بسر کرنے کیلئے اس بیکسی کی حالت میں چھوڑ دیا گیا کہ پھر دوبارہ کبھی سر نہ اٹھا سکے۔ لیکن جرمن ایک بہادر اور حساس قوم ہے۔ انہیں اپنی ذلت کا کماحقہ احساس ہوا۔ ان کی خوش قسمتی تھی کہ ہٹلر جیسا نباض اور بہادر انسان ان کی رہنمائی کیلئے میدان عمل میں آگیا اور جرمن قوم کے وقار کو از سرِ نو قائم کرنیکا عزم کر لیا۔ تقریباً بیس سال کے عرصہ میں ہٹلر نے جرمن قوم کو اس عروج پر پہنچا دیا کہ آج تمام دنیا جرمنی کی طاقت کا لوہا مان رہی ہے۔ جرمنی اپنی طاقت کے بل پر تمام دنیا کو ٹھکرا رہا ہے۔ اور دنیا مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں رکھتی۔ جرمنی جو کچھ چاہتا ہے بزور بازو لے لیتا ہے۔ اور دنیا مُنہ تکتی رہ جاتی ہے۔ سب سے اول جرمنی نے "سار" (Saar) کا علاقہ اپنی سلطنت میں ملحق کیا۔ اور اس کی معدنیات سے مستفید ہوا۔ اگرچہ سار زبردستی نہیں لیا گیا۔ تاہم اگر جرمنی کمزور ہوتا تو وہ پلیبیسائٹ (Plebisite) یعنی انتخاب میں فرانس کے مقابلہ میں فتحمند نہ ہو سکتا تھا۔ جرمنی نے جس حُسن خوبی سے پروپگنڈے کا زور دکھایا اسی کا نتیجہ سار میں جرمنی کی فتح تھی۔ یہ متحدہ اقوام کی زیادتی تھی کہ انہوں نے ورسیلز کے صلحنامے میں ایک شرط یہ بھی رکھی تھی کہ فرانس اور جرمنی کی سرحد پر رائن لینڈ (Rhine land) کے علاقہ میں جرمنی کو فوج یا ہوائی بیڑا رکھنے کا اختیار نہ ہوگا۔ ملاحظہ فرمائیے ایک طرف تو فرانس اپنی سرحد پر جتنی فوج چاہے جمع رکھے۔ اور مدافعت کے لئے قلعہ اور سیمنٹ کی دیواریں تعمیر کر سکے۔ اور دوسری طرف جرمنی سرحد پر فوج بھی نہ رکھ سکے۔ جرمنی کے ساتھ یہ ایک صریحاً ناانصافی تھی۔ اور ناانصافی کبھی پائیدار نہیں ہوتی۔ چنانچہ جب جرمنی میں طاقت آگئی اور وہ اپنے دیرینہ دشمنوں سے مقابلہ کرنیکا اہل ہو گیا۔ اسی وقت اُس نے اس غیر منصفانہ بندش کو زبردستی توڑ ڈالا اور رائن لینڈ پر فوجی قبضہ کر لیا۔ فرانس اور اسکی حامی دیگر طاقتیں سوائے ایک دبے لہجہ

کے احتجاج کے اور کچھ نہ کر سکیں متحدہ طاقتوں کی اس خاموش روی نے جرمنی کا حوصلہ اور بھی بلند کر دیا۔ چنانچہ سال گذشتہ پہلے تو جرمنی نے آسٹریا کو بیرونی پالیسی کے لحاظ سے اپنا محکوم بنانا چاہا اور جب ذرا موقع پایا تو دنیا کو بے خبر رکھتے ہوئے ایک صبح اپنی فوجیں اور ہوائی جہاز لے جا کر صرف قوت کے مظاہرے سے آسٹریا پر بغیر جنگ کئے قبضہ کر لیا۔ دنیا حیران و پریشان دیکھتی رہ گئی۔ اس کے بعد سڈٹین لینڈ ( Sudetenland ) کو جو پہلے جرمنی کا علاقہ تھا اور جہاں جرمن باشندوں کی اکثریت تھی اور جسے متحدہ اقوام نے زبردستی چیکوسلوویکیا کی سلطنت میں ملا دیا تھا۔ واپس لینے کی فکر کی۔ جرمنی ایسے ارادے نہایت چالبازی اور پیش بندی سے پورے کرتا ہے۔ چنانچہ مہینوں پہلے جرمن اخبارات میں سڈٹین لینڈ کے جرمن باشندوں کے ساتھ بیرحم مظالم کے خلاف پروپگنڈا شروع ہوگیا۔

جرمنی کے اثر سے سڈٹین لینڈ کے جرمن باشندوں نے بھی حکومت کے خلاف علانیہ شور و غوغہ بپا کر دیا۔ جس پر حکومت سختی کرنے پر مجبور ہوگئی۔ حکومت کی طرف سے ذرا سختی شروع ہوئی اور ہٹلر نے فوراً الٹی میٹم دے دیا کہ یا تو فوراً سڈٹین لینڈ میرے حوالے کرو۔ ورنہ جرمنی کی قوت کا مظاہرہ دیکھو۔ تمہیں فوراً صفحۂ ہستی سے نیست و نابود نہ کر دوں تو نام نہیں۔ سڈٹین جرمنوں کا میں حامی موجود ہوں۔ وہ فلسطین کے عربوں کی طرح بے یار و مددگار نہیں۔ دنیا اس شیر کی دھاڑ سے دہل گئی۔ اور جنگ کے بادل ہر جا چھا گئے۔ معلوم ہوتا تھا کہ اب اعلان جنگ ہوا۔ اب جنگ شروع ہوئی۔۔۔۔۔ لیکن برطانیہ عظمیٰ کے وزیر اعظم مسٹر چیمبرلین جو امن کے سب سے بڑے حامی ہیں، عین وقت پر اس بڑھاپے میں ہوائی جہاز کے سفر کی تکلیف برداشت کر کے دنیا کو آزار جنگ سے بچانے کے لئے برلن پہنچ گئے۔ اور مصالحت کے لئے گفت و شنید شروع کر دی۔ ناکام رہے۔ پھر دوبارہ ہٹلر کے پاس گئے۔ لیکن کوئی نتیجہ اخذ نہ کر سکے۔ پھر بھی ہمت نہ ہارے۔ اور ہٹلر کی بارگاہ میں سہ بارہ پہنچے۔ لیکن اس مرتبہ مسولینی اور فرانس کے وزیر اعظم مسٹر ڈیلیڈیے کو بھی کانفرنس میں بمقام میونچ ( Munich ) شریک کیا۔ ہٹلر سے تو کچھ منوا نہ سکے خود ہی اس کے مطالبات منظور کر لئے۔ اور سڈٹین لینڈ اس کے حوالے کرانے کا فیصلہ کر اٹھے۔ چیکوسلوویکیا کے لئے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ میونچ کے فیصلہ کے سامنے نہایت رنجیدگی اور تاسف کے ساتھ سر تسلیم خم کر دے۔ میونچ پیکٹ ( Munich Pact ) میں ایک یہ بھی شرط تھی کہ آئندہ کے لئے چیکوسلوویکیا کی آزادی کے برطانیہ، فرانس، جرمنی اور اٹلی ذمہ دار ہیں۔ لیکن دنیا یہ دیکھ کر ششدر رہ گئی کہ میونچ پیکٹ کے چند ماہ بعد ہٹلر نے چیکوسلوویکیا کا تمام ہی ملک ہڑپ کر لیا۔ اس شاندار کارنامے کے چند ہی دن بعد اس نے میمل ( Memal ) کے علاقہ کو لتھوانیہ کو جنگ کی دھمکی دے کر حاصل کر لیا۔ اور اب سب سلطنتیں انگشت بدنداں رہ گئیں۔ اب ہٹلر کی آنکھیں پولینڈ رومانیہ اور یوکرین کے علاقوں پر لگی ہوئی ہیں۔ دنیا اس کے خوف سے اپنی آزادی کے لئے عہد نامے کرنے میں مصروف ہے۔ کوئی طاقت فی نفسہ جرمنی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ جرمنی کی جنگی طاقت کا بیان تو بہت طویل ہے۔ اس وقت صرف اس کی ہوائی طاقت کا مختصر سا نقشہ پیش کرتی ہوں۔ اب تک جرمنی کی ہوائی طاقت کے جتنے تخمینے پیش کئے گئے ہیں ان سب میں

جرمنی کی طاقت کو نہایت کمی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ جب میونچ کانفرنس ہو رہی تھی تو کہا جاتا تھا کہ ہٹلر کا ہوائی بیڑا دس ہزار جنگی جہازوں پر مشتمل ہے۔ اور اس تعداد کو امریکہ اور انگلستان کے ماہرین فن اصحاب بیہودہ اور ناممکن بتاتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ جرمنی کے پاس بارہ ہزار جنگی ہوائی جہاز تھے۔ اور اب ان کی تعداد سولہ[16] اور اٹھارہ[18] ہزار کے درمیان ہے۔ ان میں سے ۶۰ فیصدی جہاز بمباری کے لئے ہیں۔ اور ۴۰ فیصدی دیکھ بھال آمد و رفت اور رسد پہنچانے کے لئے ہیں۔ یہ نسبت ایک بہترین ہوائی بیڑے کے شایانِ شان ہے۔ میونچ کانفرنس کے وقت یعنی ستمبر ۱۹۳۸ء میں جرمنی کے پاس برطانیہ سے تین گنے اور فرانس سے دس گنے زیادہ ہوائی جہاز تھے۔ لہذا اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ روس کے پاس جرمنی کے برابر ہوائی جہاز ہیں۔ تب بھی جرمنی اور اٹلی کی مشترکہ طاقت برطانیہ، روس اور فرانس تینوں سے زیادہ ہے۔ نیز جرمنی کی طاقت روز افزوں بڑھتی جا رہی ہے۔ وہ تقریباً ایک ہزار جہاز فی ماہ کی رفتار سے تیار کر رہا ہے اور روز بروز نئے کارخانے کھول رہا ہے۔ جس سے اُمید کی جاتی ہے کہ ایک سو جہاز فی ماہ اضافہ ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ چھ ماہ میں جرمنی سولہ[16] سو جہاز فی ماہ تیار کر سکے گا۔ اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جرمنی اتنے کثیر التعداد جہاز کس لئے بنائے جاتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جرمنی چاہتا ہے۔ کہ ایک جہاز جو جنگ میں بھیجا جائے۔ اس کے عوض دو جہاز اس کے پاس اور موجود ہوں۔ تاکہ اگر اس کے تمام جہاز جنگ میں ضائع بھی ہو جائیں تب بھی اس کے پاس ان سے دُگنے جہاز جنگ کو جاری رکھنے کیلئے موجود رہیں۔ جرمنی میں تقریباً ۷۵۰ ہوائی مستقر ہیں۔ جن میں سے بہت سی زمین دوز ہیں۔ جرمنی کے اسلحہ سازی کے کارخانوں میں صرف ۸ گھنٹے روزانہ کام کیا جاتا ہے۔ اور برطانیہ عظمیٰ کے کارخانوں میں ۲۴ گھنٹے لگاتار کام جاری ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس وقت برطانیہ ۲۰۰ جہاز فی ماہ سے زیادہ نہیں تیار کر سکتا۔ اور فرانس تو صرف ۷۵ جہاز فی ماہ بنا سکتا ہے۔ جرمنی کی سبقت صرف تعداد پر ہی منحصر نہیں۔ بلکہ جرمنی ہوائی بیڑا۔ دوسرے ہوائی بیڑوں سے بہتر مسلح بھی ہے۔ فرانس کے مشہور و معروف جنرل ویمین کا خیال ہے کہ جرمنی کے جہاز تمام دنیا کے جہازوں سے زیادہ تیز رفتار طاقتور بم لیجانے اور بمباری کرنے کے قابل ہیں۔ ماہرین جنگ کا خیال ہے کہ ایک بڑے پیمانے کی جنگ کے پہلے ہی چند مہینوں میں ۸۰ سے ۹۰ فیصدی تک جہاز ضائع ہو جائیں گے۔ لیکن جرمنی کی جہاز سازی کی قابلیت، اس کی طاقت اتنی جلدی کم نہ ہونے دیگی۔ اور یہی امر جرمنی کی ہوائی طاقت کو افضل بناتا ہے مضمون کے شروع میں جرمنی کی جن شاندار کامیابیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ اس کی ہوائی طاقت ہی کی مرہونِ منت ہیں۔ ہٹلر میونچ کے مقام پر دنیا کی آنکھوں میں دھول نہیں جھونک رہا تھا۔ بلکہ اس کے پاس قابل مدافعت طاقت موجود تھی۔ جرمنی ہوائی جہاز اور اسلحہ سازی کے کارخانے دیکھنے والوں پر رعب طاری کر دیتے ہیں۔ جرمنی تعقبی ہوائی جہاز جو میسر شمت (Messerschmitt) کہلاتے ہیں ان میں ایک موٹر ہے اور صرف ایک شخص کے بیٹھنے کی جگہ ہے ان میں ایک $\frac{3}{4}$ انچ نصف قطر کی توپ اور دو مشین گنیں ہیں۔ اس جہاز نے دنیا کی تیز رفتاری کا ریکارڈ ۴۶۹ میل فی گھنٹہ کی رفتار پر قائم کیا ہے۔ یہ جہاز دو منٹ ۵ سیکنڈ کے عرصہ میں زمین سے ۹۰۰۰ فٹ بلند پرواز

کرکے پھر سطح زمین پر آسکتا ہے۔ انگریزی جنگی جہاز ان جہازوں کا بہت حد تک مقابلہ کرسکتے ہیں۔ لیکن انگریزوں کے پاس ایسے جہازوں کی تعداد نسبتاً نہ ہونے کے برابر ہے۔

ستمبر ۱۹۳۸ء میں جرمنی کے پاس اس قسم کے تقریباً دو ہزار جہاز تھے۔ جرمن جہاز سازی کے کارخانے ایک دوسرے سے بہت دُور واقع ہیں۔ کم از کم ان میں ایک دوسرے سے ایک ہزار فٹ کا فاصلہ ہے۔ وہ ایک لائن میں نہیں ہیں بلکہ اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے ہیں۔ ان میں بہت سے کارخانے زمین دوز ہیں۔ ان کے اردگرد لمبی لمبی گھاس۔ پھول بوٹے۔ اور سدا بہار درخت لگے ہوئے ہیں۔ ان کی چھتیں گھاس سے ملتے ہوئے سبز رنگ کی ہیں تاکہ دشمن ان پر بمباری نہ کرسکے۔ اُن کی کھڑکیاں ایسے زاویوں سے بنائی گئی ہیں کہ چاند کی روشنی بھی اُن سے معکوس ہوکر زمین پر نہ پڑسکے۔ اس طرح دشمن کارخانے کا صحیح محل وقوع معلوم نہیں کرسکتا۔ ہر بلڈنگ کا دوسری بلڈنگ سے ریڈیو کا سلسلہ قائم ہے۔ جرمنی میں جابجا بمباری سے بچنے کے لئے محفوظ مقامات زمین دوز بنے ہیں۔ ان میں ہوا۔ روشنی کھانا پکانے، نہانے، سیر کرنے اور دفتر کا تمام کام کرنے کا معقول انتظام ہے۔ یہاں تک کہ وہاں ہسپتال تک موجود ہیں۔ الغرض کوئی ایسی ضرورت زندگی نہیں جو وہاں نہ مہیا ہوسکتی ہو۔ دفتر کے کام کے لئے جابجا خوبصورت اور آرام دہ میزیں بنی ہوئی ہیں جن پر ہر وقت تین پنسلیں۔ نرم۔ سخت اور درمیانی درجہ کی بنی بنائی موجود رہتی ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ جرمنی کا نظام کس قدر مکمل اور قابلِ رشک ہے۔ جرمنی میں ۴ لاکھ آدمی اسلحہ سازی میں مصروف ہیں جن میں سے تقریباً ۲ لاکھ آدمی صرف ہوائی جہاز بناتے ہیں۔ جرمنی کی طاقت کا دوسرے ممالک کی طاقت سے مقابلہ جو ایوی ایشن (Aviation) نامی رسالے میں شائع ہوا ہے مندرجہ ذیل ہے:۔

| | جرمنی | روس | اٹلی | برطانیہ | فرانس | امریکہ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| ہوائی جہازوں کی تعداد | ۱۰ | ۱۰ | ۵ | ۳ | ۲ | ۳ |
| جہاز کی طاقت اور قابلیت | ۱۰ | ۵ | ۸ | ۸ | ۴ | ۱۰ |
| جہاز بنانے کی رفتار | ۱۰ | ۷ | ۴ | ۴ | ۱ | ۲ |
| جہاز سازی کی موجودہ قابلیت | ۱۰ | ۸ | ۶ | ۶ | ۳ | ۴ |
| جہاز راں | ۱۰ | ۱۰ | ۶ | ۳ | ۳ | ۲ |
| ہمت و استقلال | ۱۰ | ۶ | ۹ | ۶ | ۲ | ۶ |
| میزان | ۶۰ | ۴۶ | ۳۸ | ۳۰ | ۱۵ | ۲۷ |

مندرجہ بالا مقابلہ تخمیناً ہی مختلف ممالک کی اصل طاقت کا مظاہرہ میدانِ کارزار میں ہوسکتا ہے۔ بہرکیف یہ امر مسلم ہے کہ اس وقت دنیا اسلحہ سازی میں دیوانہ وار مشغول ہے۔ دیکھئے یہ دیوانگی کیا گل کھلاتی ہے؟

بیگم یامین قریشی (شملہ)

# آخری اجلاس ارواح

ایک فرانسیسی نوجوان نے کارڈونیٹ میں ایک مکان کے سامنے گھنٹی بجائی۔ جس کے جواب میں ایک ملازمہ نے دروازہ کھولا اور اپنے خاص مہمان کو دیکھ کر آداب بجا لائی۔

مہمان نے جس کا نام رَول تھا۔ اس کے سلام کا جواب دیا اور عینک اُتارتے ہوئے پوچھا" کیا بیگم صاحبہ میری منتظر ہیں؟"

"جی ہاں آپ اس کمرہ میں تشریف رکھیں۔ بیگم صاحبہ ابھی آتی ہیں۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں اس لئے وہ لیٹی ہوئی ہیں۔" ملازمہ نے دروازہ بند کرتے اور مہمان کو کمرہ کا راستہ بتاتے ہوئے کہا۔

رَول نے بیقرار ہو کر پوچھا" کیا ان کی طبیعت کچھ علیل ہے؟"

"علیل" ایلیس نے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا" مسٹر وہ کیسے تندرست رہ سکتی ہیں جبکہ اجلاس ارواح ہمیشہ جاری رہے۔ مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی اور نہ ہی ہمارا خدا اس کی اجازت دیتا ہے۔ یہ سب بربادی کا کاروبار ہے۔"

"تم اپنے آپکو تشویش میں مت ڈالو اور ہر چیز میں بربادی کی اُمید نہ رکھو۔" رَول نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"آ۔ اچھا۔" سانس کو دباتے ہوئے ملازمہ بولی" آپ جو چاہیں کہیں۔ مگر مجھے یہ بات پسند نہیں۔ بیگم کو دیکھئے کہ وہ کیسی زرد اور دُبلی ہو رہی ہیں۔ ہمیشہ درد سر کی شاکی رہتی ہیں۔ میں اُمید کرتی ہوں کہ بیگم سے شادی کرنے کے بعد آپ یہ سلسلہ بند کروا دینگے۔"

رَول نے مسکراتے ہوئے جواب دیا" ایلیس تم ایک وفادار اور نیک ملازمہ ہو۔ میری منگیتر سیمون میں حیرت انگیز خداداد وصف ہے جس کو اُس نے آزادی سے استعمال کیا ہے۔ وہ پیرس و فرانس میں مشہور میڈم (وہ ہستی جس کے ذریعہ رُوحوں سے تعلق پیدا کیا جاتا ہے) ہے۔ اس نے آجتک کسی کو دھوکہ یا فریب نہیں دیا۔ اسلئے تمام لوگ اس کو مانتے ہیں اور اس پر بھروسہ بھی کرتے ہیں۔ جیسا کہ تم کہتی ہو کہ وہ دن بدن لاغر ہو رہی ہے۔ یہ سب بیحد محنت و مشقت کی وجہ ہے۔ تم مطمئن رہو۔ آج اجلاس ارواح کی آخری منزل ہے۔ اس کے بعد تمام کاروبار بند ہو جائیگا۔ اور تمہاری بیگم نہایت چین و آرام کی زندگی بسر کریں گی۔"

ایلیس یہ سُنکر سخت پریشان ہو گئی۔ وہ صرف اتنا کہہ سکی۔ "مگر بیگم آج اس قابل نہیں۔"

اتنے میں دروازہ کھلا اور خوبصورت اور نازک اندام عورت اندر داخل ہوئی۔ جس کو دیکھ کر ملازمہ فوراً باہر چلی گئی۔ رَول نے اس سے ہاتھ ملایا اور اس کی منگیتر رَول کے اصرار پر ایک صوفہ پر بیٹھ گئی۔ رَول نے اس کی طبیعت کا حال دریافت کیا۔

"سیمون! ملازمہ ایلیس نے مجھے بتایا تھا کہ بوجہ ناسازی طبع تم آرام کر رہی ہو۔ اب تمہاری طبیعت کیسی ہے۔ آخر تم آج کی مجلس کے لئے اتنی پریشان کیوں ہو؟"

وہ مسکرائی اور جواب دیا۔" رَول میں ڈرتی ہوں۔ مگر یہ معلوم نہیں کہ کس سے اور کیوں؟ مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ میرے اُوپر کوئی ہیبت ناک حادثہ واقع ہونے والا ہے۔"

رَول نے تسلی آمیز لہجہ میں کہا" مجھے تمہاری پریشانی کی وجہ معلوم ہو گئی ہے۔ یعنی بیحد محنت و مشقت! تمہیں سکون و آرام کی ضرورت ہے۔ آج کی مجلس کے بعد تم خوب اچھی طرح آرام کرنا۔ اُمید ہے کہ تم جلد صحت یاب ہو جاؤ گی۔"

"رَول! میڈم ایکس جو کہ اپنی چھوٹی بچی ایل (کی رُوح) سے ملنا چاہتی ہے۔ ایک عجیب عورت ہے۔ مجھے اکثر اس سے خوف لگتا ہے۔ اس کے ہاتھ پاؤں مردوں کی طرح مضبوط اور بڑے ہیں۔ پچھلی دفعہ جب میں نے اس کی بچی کے لئے مجلس کی تھی تو مجھے آگاہی ہوئی تھی کہ کسی دن یہ میرے اوپر فلاکت و سیاہ بختی کا سایہ ڈالیگی۔"

روول نے جواب دیا" سیمون! یہ تمہارا وہم ہے - تمام نشستیں کامیاب ہو چکی ہیں"۔

یہ سُنکر سیمون کھڑکی کے پاس چلی گئی - اور تھوڑی دیر تک خاموش کھڑی رہی - اس کے ہاتھ میں ایک چینی کا گلدان تھا جو اس کے ہاتھ سے گر کر یک بیک ٹوٹ گیا - اس نے جلدی سے روول کی طرف دیکھا اور کہا :-

" تم دیکھتے ہو کہ میں آج اپنے ہوش و حواس میں نہیں ہوں - روول تم مجھے بزدل خیال کرو گے اگر میں خاتون ایجس سے اس کی آمد پر کہہ دوں کہ بوجہ طبع ناسازی میں آج اُس کی بچی کے لئے نشست نہیں کر سکتی - معلوم نہیں کہ میں لفظ "ماں" سے اتنا کیوں ڈرتی ہوں - یہ ماننا عجیب چیز ہے - شفقت مادری سے مجبور ہو کر انسان ایسا کام کر گزرتا ہے - جو آدمی کے خواب و خیال میں بھی نہیں ہوتا - خواہ دوسرے کو نقصان ہی کیوں نہ ہو"۔

روول نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور کہا "سیمون! سوچو تو - یہ ایک ایسی عورت ہے جس کا بچہ مر چکا ہے - وہ اب اس کا آخری دیدار چاہتی ہے"۔

وہ بڑبڑائی " آہ! تم مجھے مجبور کرتے ہو - اچھا جیسا تم کہتے ہو - ویسا ہی کروں گی"۔

اتنے میں گھنٹی کی آواز آئی اور معلوم ہوا کہ میڈم ایجس تشریف فرما ہیں - سیمون تو آرام کی غرض سے ذرا صوفہ پر لیٹ گئی مگر روول میڈم ایجس کو ہال کے دوسرے کمرے میں لے گیا - کمرہ کے ایک کونہ میں ایک حجرہ تھا جس میں ایک بڑی آرام کرسی رکھی ہوئی تھی - کافی بڑے بڑے سیاہ پردے اس کے سامنے پڑے تھے - حجرہ کے دروازے کے عین سامنے دو کرسیاں اور ایک چھوٹی گول میز رکھی تھی - میز پر ایک رباب سبنگ پنسلیں اور کچھ کاغذ پڑے تھے - وہ دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئے تو میڈم ایجس بولی "مسٹر تمہیں نہیں معلوم کہ میں اپنی بچی کے لئے کس قدر بے قرار ہوں - کیسا اچھا ہوتا کہ میں اسے چھو سکتی"۔

روول نے بیقراری سے جواب دیا "میں آپکو کیسے سمجھاؤں کہ آپ ایسا نہیں کر سکتیں - کیونکہ ایسا کرنا خطرہ سے خالی نہیں"۔

"خطرہ کس کے لئے میرے لئے؟"

" نہیں - میڈم سیمون کے لئے آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ مُردہ رُوح سے ملاقات سائنس کے ذریعہ ہوتی ہے جس کے لئے میڈیم کو اپنی تمام تر طاقت صرف کرنی پڑتی ہے - لوگوں نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح مُردہ آدمی کی رُوح کو جب وہ آدمی کی شکل میں سائنس کے ساتھ نمودار ہو تو چھوا جائے - مگر ہر دفعہ ناکامیابی ہوئی - کیونکہ ایسا کرنا میڈیم کے لئے موت کا باعث ہے"۔

اس وقت دروازہ کھلا اور سیمون اندر داخل ہوئی - وہ بیحد افسردہ و پریشان دکھائی دے رہی تھی - رسمی باتوں کے بعد مجلس شروع ہوئی - سیمون حجرہ میں آرام کرسی پر بیٹھ گئی - پردے چھوڑ دئے گئے - اور حجرہ کے باہر دونوں کرسیوں پر روول اور ایجس بیٹھے تھے کہ ایجس اُٹھی - اس نے اپنا ہینڈ بیگ کھولا اور یہ کہتے ہوئے اس میں سے ایک موٹی رسّی نکالی "مسٹر میں آزادی اور دلجمعی کیساتھ یہ منظر دیکھنا چاہتی ہوں - جیسا کہ تم کہتے ہو کہ اس کام میں دھوکے کو دخل نہیں ہے تو مجھے خاموشی سے اپنا کام کر لینے دو - اُمید ہے کہ تم مجھے معاف کرو گے"۔

روول تحقیرانہ انداز سے ہنسا اور کہا "میڈیم یہ میری ہتک ہے میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اس کام میں فریب یا دھوکا بالکل نہیں ہے - اگر تم میرے ہاتھ پاؤں باندھنا ہی چاہتی ہو تو مجھے انکار نہیں"۔

ایجس نے مسکراتے ہوئے کہا "شکریہ مسٹر" یہ کہکر وہ آگے بڑھی اور روول کو کرسی کے ساتھ رسّی سے باندھنا شروع کیا کہ اتنے میں پردہ کے پیچھے سے سیمون کے چیخنے کی آواز آئی "نہیں نہیں، روول تم اسے ایسا مت کرنے دو"۔

" میڈم ایجس کا خیال ہے کہ ہم لوگ دغاباز ہیں"۔ روول بولا

سیمون نے جواب دیا "اچھا مجھے یقین دلانا چاہیئے"۔

روول کو کرسی کے ساتھ باندھ کر میڈیم ایجس نے ہال کے دروازے کو تالا لگا دیا - پھر کرسی پر نظارہ کی منتظر بیٹھ گئی - کئی منٹ گزر گئے - پردے کے پیچھے سے سیمون کے بھاری بھاری

سانس آنے کی آوازیں آنے لگیں - ایک دم وہ آواز بند ہو گئی - پھر سسکیوں کی آواز آئی - تھوڑی دیر کے لئے خاموشی چھا گئی - پھر رباب کی آواز نے خاموشی کو توڑا - سنگ میز پر سے زمین پر گر پڑا - حجرے کے پردے پیچھے ہٹتے ہوئے دکھائی دئے جس میں سے میڈیم سیمون کا بت سر کھوئے نظر پڑا - اچانک میڈیم کے منہ سے ربن کی طرح کچھ نکلتا ہوا دکھائی دیا - اس میں سے آہستہ آہستہ مردہ بچی کی شکل بنتی ہوئی نظر آئی - اب بچی کی جیتی جاگتی تصویر سامنے تھی - "ماما" بچی کی نازک آواز آئی -

" ایل! میری بچی " - ایجس بولی - وہ اپنی جگہ سے تھوڑا اٹھی مگر رول نے اسے خبردار کیا اور ہوشیار رہنے کی تلقین کی - اب بچی سامنے کھڑی تھی اور بازو پھیلا کر دوبارہ کہہ رہی تھی "ماما" پھر ایک بار ایجس کرسی پر سے اٹھی اور کہا " میرا بچہ! مجھے اسے چھونا چاہئے "

" خدا کے لئے صبر سے کام لو اور بیگم سیمون کا خیال کرو " رول نے تنبیہ کرتے ہوئے کہا - اب وہ رسی توڑ ڈالنے میں مصروف تھا - لیکن ایجس نے اسے اتنی مضبوطی سے باندھ دیا تھا کہ وہ اس میں ناکام رہا - مگر سنگدل ایجس نے اس کی نصیحت پر کوئی توجہ نہ کی - اس کے ہاتھوں نے اس بت کو جو پردے کے سامنے کھڑا تھا چھوا یکایک میڈیم سیمون کی طرف سے نہایت دردانگیز اور خطرناک چیخ سنائی دی - جن کو سنکر رول چیخا " یا خدا - میرے مولا - آہ سیمون! "

مگر ایجس نے زبردست قہقہہ لگایا اور کہا " رول میں اپنی بچی چاہتی ہوں - مجھے تمہاری بیگم کی پرواہ نہیں "

" تم پاگل ہو " رول بولا - ڈر اور خوف کی وجہ سے رول کا منہ کھلا تھا اور وہ رسی توڑانے میں بدستور مصروف تھا کہ اتنے میں پھر آواز آئی " ماما "

" میرا بچہ، میرا جگر - میرا خون تم پھر زندہ ہو کر میرے پاس آگئی ہو - آہا - زندہ اور سانس کے ساتھ " یہ کہہ کر اس نے جلدی سے بچی کو گود میں اٹھا لیا - اسی اثنا میں پردے کے اندر سے ڈراؤنی اور خوفناک آوازیں آنے لگیں جن کو سنکر رول چلایا - مگر ایجس نے کوئی التفات ہی نہ کیا اور دروازہ کھول کر چلی گئی - پردے کے پیچھے سے ابھی تک وحشتناک آوازیں سنائی دے رہی تھیں - آخر کار وہ آوازیں بند ہو گئیں تو جسم کے گرنے کی آواز آئی - اتنے میں رول بھی رسی توڑنے میں کامیاب ہو چکا تھا - دردناک آوازیں سنکر ملازمہ بھی بدحواس ہو کر بھاگی ہوئی آئی - جب دونوں نے حجرہ میں جا کر دیکھا تو وہاں سوائے لاش کے اور کچھ نہ تھا - ملازمہ نے خوف زدہ ہو کر کہا " مر گئی - بیگم ...... مر گئی - مگر مسٹر مجھے تو بتاؤ کہ آخر ہوا کیا؟

" بیگم سکڑ کیوں گئی - اس کا جسم آدھا کیوں ہو گیا - بتاؤ ........ بتلاؤ ...... آخر دیکھ کیا رہے ہو؟"

" میں نہیں جانتا - نہیں ....... جانتا - آہ ..... میں پاگل ہو رہا ہوں - سیمون! .... سیمون!! .... آہ ..... ہائے سیمون!!! " ....

(ترجمہ) **رقیہ مفتی** - کلکتہ

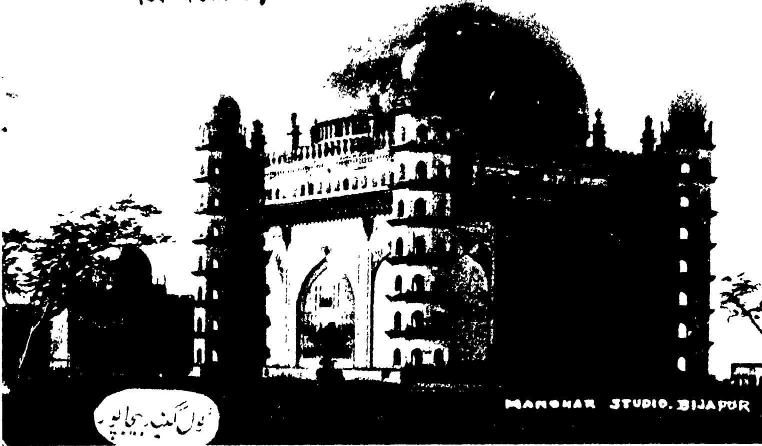
# بیجاپور کا گول گنبد

یوں تو بیجاپور کی بہت سی عمارتیں قابل دید ہیں۔ مگر سب سے زیادہ عظیم الشان عمارت محمد عادل شاہ کا عجیب وغریب مقبرہ ہے جو گول گنبد کے نام سے مشہور ہے۔

اس زمانے میں فنِ تعمیر عروج پر تھا کہتے ہیں کہ اس بادشاہ کی خواہش تھی کہ اپنا مقبرہ ایسا بنواؤں جو ابراہیم روضہ (جس میں ابراہیم عادل شاہ کا مزار ہے) سے بڑھ چڑھ کر ہو۔ ابراہیم روضہ بھی بیجاپور کی قابل دید عمارت ہے اور سیاح اس کی تعمیر کی ہمیشہ داد دیتے ہیں۔ چنانچہ محمد شاہ نے اپنا مقبرہ ایسا عظیم الشان اور وسیع بنوایا کہ بیجاپور کی کوئی عمارت اس کی برابری نہیں کر سکتی۔ ابراہیم روضہ بیشک اپنی جگہ بے نظیر ہے مگر یہ گول گنبد اپنے ڈھنگ میں ایسا نرالا ہے کہ بڑی سے بڑی عمارت اس کا جواب پیش نہیں کر سکتی اور اس کی بدولت اس کے بانی کا نام ہمیشہ لوگوں کی زبان پر رہے گا۔ یہ عمارت ہشت پہلو ہے جس کے اُوپر ایک بہت بڑا گنبد ہے۔ اس کے چاروں طرف مثمن قبے ہیں جن کے اُوپر چھوٹی بُرجیاں ہیں۔ اس عمارت کے چاروں طرف ایک چکر دار زینہ ہے۔ جس میں بھول بھلیاں بنی ہوئی ہیں۔ قبہ نصف دائرہ کی شکل کا ہے۔ اس کا اندرونی عرض ۱۲۴ فٹ ۵ انچ ہے۔ قبہ کا آثار دس فٹ ہے۔ جو چوٹی سے نو فٹ رہ جاتا ہے۔ اس طرح نیچے کے حصے کا قطر ۱۴۴ فٹ ہے نیچے کا ہال ۱۳۵ فٹ ۵ انچ مربع ہے۔ گول گنبد کا ارتفاع کرسی چھوڑ کر ۱۹۸ ½ فٹ ہے گیلری سے سطح زمین ۱۰۹ ½ فٹ ہے گنبد کے اندر وسط میں ایک چبوترے پر سلطان محمد شاہ اس کی چھوٹی ملکہ عروس بی بی، اور اس کے پوتے اور رانی الصبا کی قبروں کے تعویذ ہیں۔ بادشاہ کی قبر پر ایک چوبی کٹھرا بنایا گیا ہے۔ اصلی قبریں تہ خانے میں ہیں جس میں جانیکا راستہ مغربی جانب کے زینے سے ہے۔ اس عمارت میں سب سے تعجب خیز حصہ "سرگوشی کا بالانشین" ہے جو گنبد کے چاروں جانب ۱۱ فٹ چوڑا ہے۔ اس گنبد کے اندر داخل ہوتے ہی اپنے قدموں کی گونج سُنکر آدمی سناٹے میں آجاتا ہے۔ اگر آپ یہاں کوئی لفظ کہیں تو وہ پندرہ مرتبہ سُنائی دیتا ہے۔ کہتے ہیں کہ پہلے چالیس پچاس مرتبہ آواز پیدا ہوتی تھی۔ گنبد کے چاروں طرف چار بنچیں پڑی ہوئی ہیں۔ بیچ میں خلا ہے۔ آمنے سامنے بیٹھ کر دیوار سے منہ لگا کر کوئی آہستہ سے آہستہ بات بھی کہی جائے تو خوبی یہ ہے کہ دوسری جانب بنچ پر بیٹھے ہوئے آدمی کو ٹیلیفون کی طرح صاف سُنائی دیتی ہے۔ یوں تو ہر گنبد میں آواز ہوتی ہے۔ مگر اس قسم کی آواز اور کہیں نہیں سنی گئی۔ جنوبی دروازے کے اندرونی رُخ پر تین نہایت خوش خط کتبے محراب میں علیحدہ علیحدہ نصب ہیں جن کے ہر فقرے سے سنہ ۱۰۶۷ھ ۱۶۵۶ء نکلتا ہے۔ گنبد کے جنوب میں صدر دروازہ ہے وہاں ایک ادھوری عمارت ہے جس میں اب عجائب خانہ ہے۔ اس میں شہر بیجاپور کے مختلف پُرانے ہتھیار، قالین، چلمنیں اور مختلف چیزیں سلیقے سے سجائی گئی ہیں۔

مسز عزیز الدین (بیجاپور)

Gol Gumuz




گول گنبد بیجاپور






"جنگل سے..."



"ہمارا غسل"



کوئٹہ کی مشہور تفریح گاہ سنڈیمن ہال زلزلہ کے بعد



کوئٹہ کی مشہور تفریح گاہ سنڈیمن ہال زلزلہ سے پہلے



کوئٹہ کی ایک قبر جس میں زلزلہ کے بعد ۱۸۰ افراد دفن کئے گئے



بلوچستان کے قبائلی بچے



ریگستان کا ایک منظر











ریگستان کا ایک منظر

یادگار حضرت علامہ راشد الخیری رح

# عصمت

دہلی

ہندوستان بھر کے تمام زنانہ اخبارات و رسائل میں سب سے اچھا اور سب سے زیادہ چھپنے والا مشہور و معروف باتصویر ماہوار رسالہ ۳۱ سال سے کامیابی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے عصمت ہندوستان کے مشہور ادیبوں اور ملک کی بہترین لکھنے والی خواتین کے اعلیٰ درجہ کے مضامین ۸۰ صفحوں پر ہر ماہ شائع کرتا ہے عصمت ہی وہ رسالہ ہے جو صوری و معنوی خوبیوں کے لحاظ سے شریف بیگمات کے لئے ہندوستان کا چوٹی کا رسالہ سمجھا جاتا ہے۔

سالانہ چندہ چار روپیہ للعہ

# عصمت بک ڈپو دہلی

ہندوستان بھر میں سب سے بڑا زنانہ کتب خانہ

فخر نسوان ہند محترمہ خاتون اکرم کی یادگار

## جوہر نسواں دہلی

ہندوستان بھر میں زنانہ دستکاری کا واحد رسالہ ہے جس میں کشیدہ کاری، شیاجالی، تارکشی، کارپٹ، کینوس، کراس اسٹچ، سلمہ ستارہ، ربن، ٹیکی، لناوا اور کپڑوں کی سلائی کٹائی وغیرہ مختلف قسم کی زنانہ دستکاریوں کے عمدہ عمدہ نمونے اور مفصل ترکیبیں اور کارآمد ہدایتیں شائع ہوتی ہیں جوہر نسواں کے مضامین پھوہڑ لڑکیوں کو بھی سگھڑ اور ہنرمند بنا دیتے ہیں جوہر نسواں کی قلمی معاونین ہندوستان کی مشہور دستکار خواتین ہیں۔

سالانہ چندہ مع محصول ۲؍ فی پرچہ ۴؍

## رسالہ بنات دہلی

حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ نے ۱۹۲۶ء میں یہ ماہوار رسالہ مسلمان لڑکیوں کے لئے جاری فرمایا تھا بارہ سال میں اس کا کسی ایک ماہ کا پرچہ بھی ایک دن کی تاخیر سے شائع نہیں ہوا عصمت کی طرح بنات بھی پابند وقت ہے۔ لڑکیوں اور بچیوں کے لئے بہترین مضامین سبق آموز نظمیں مزیدار کہانیاں شائع کرتا ہے زبان اتنی آسان کہ آٹھ برس تک کی بچیاں سمجھ سکتی ہیں۔

سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ۔ نمونہ: مفت

**مینیجر عصمت و بنات و جوہر نسواں دہلی**

# مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ کی تصانیف

| نام کتاب | مختصر کیفیت | قیمت |
| --- | --- | --- |
| حیاتِ صالحہ | یا صالحات۔ دلّی کی بیگماتی زبان میں بہترین اخلاقی و اصلاحی سبق آموز ناول ایک لڑکی کے حالات علامہ مغفور کی سب سے پہلی مگر نہایت مقبول تصنیف۔ | عمر |
| صبحِ زندگی | نسیمہ بیگم کی پیدائش سے شادی تک کے حالات نہایت موثر پیرایہ میں۔ لڑکیوں کی تربیت پر بے مثل کتاب ہے اکیس ۲۱ دفعہ شائع ہو چکی ہے۔ | عمر |
| شامِ زندگی | نسیمہ بیگم کی شادی سے موت تک کے واقعات۔ یہی وہ تصنیف ہے جس نے مصنف مرحوم کو قوم سے مصورِ غم کا خطاب دلوایا تھا۔ انیس ۱۹ دفعہ چھپی ہے۔ | عمر |
| شبِ زندگی | نسیمہ بیگم کی موت کے بعد کے حالات، اصلاحِ نسواں کے سلسلہ میں ماسٹر پیس یعنی بہترین تصنیف کہی جاتی ہے دو حصے ہیں ہر حصہ کی قیمت عہ مکمل | ۷؍ |
| طوفانِ حیات | قبیح رسوم شرک بدعت وغیرہ دور کرنے کے لئے بے مثل اصلاحی ناول۔ قصہ بے انتہا دلچسپ۔ واقعات اس قدر دردانگیز کہ ہچکی بندھ جائے۔ | عہ؍ |
| جوہرِ قدامت | دو لڑکیوں کی مفصل زندگی جن میں ایک دورِ قدیم کی پرستار ہے اور ایک دورِ جدید کی دلدادہ۔ یہ کتاب بتائیگی کہ عالمِ نسواں پچاس سال پہلے کیا جوہر رکھتا تھا۔ | ۸؍ |
| منازل السائرہ | ایک لڑکی کی پیدائش سے موت تک تمام واقعات نہایت دلچسپ پیرایہ میں۔ یہ کتاب یونیورسٹیوں کی بڑی جماعتوں کے کورس میں داخل ہے۔ | ۶؍ |
| نوحۂ زندگی | بیوہ کے نکاحِ ثانی کے متعلق مصورِ غم علیہ الرحمۃ کی معرکۃ الآرا تصنیف۔ قصہ دلچسپ سبق آموز نہایت موثر ہے آٹھ دفعہ چھپا ہے۔ | ۱۲؍ |
| تمغۂ شیطانی | امت شیطانی کے آٹھ کیرکٹر نہایت سبق آموز و نتیجہ خیز بعض واقعات اسقدر دردانگیز کہ آنسو نکل پڑیں بعض کیرکٹر اتنے دلچسپ کہ ہنسی ضبط نہ ہو۔ | ۱۲؍ |
| سات روحوں کے اعمالنامے | ایک شیطان کی مغفرت کیلئے سات روحیں پیش کی جاتی ہیں ہر روح کے حالات نتیجہ خیز ہیں آخری روح کے واقعات پڑھ کر سنگدل بھی آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ | ۸؍ |
| بیلہ میں میلہ | یا غدر کی ماری شہزادیاں لال قلعہ کی رہنے والیوں کی آپ بیتی وہ دل ہلا دینے والی کہانیاں کہ بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں اُجڑی ہوئی دلّی کا آخری سماں۔ | ۱۲؍ |
| ستونتی | اس فسانہ میں دکھایا ہے کہ مرد کے لئے شریف بیوی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہو سکتی۔ واقعات دلچسپ اور دردانگیز ہی نہیں سبق آموز بھی ہیں۔ | ۷؍ |
| مودود | محروم وراثت لڑکی کا دردوغم بھرا افسانہ جو صرف اسلئے کہ لڑکی ہے اور ترکہ پدری کی حقدار حقیقی بھائی اور باپ کے ہاتھوں وہ وہ تکلیفیں اٹھاتی ہے کہ کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ | ۷؍ |
| تفسیرِ عصمت | طبع اور تعداد پریس سے بہتر افسانہ شائع نہیں ہوا کہیں جگہ نہایت دردانگیز ہے کئی موقعوں پر ظرافت اور ہنسی سے لبریز۔ | ۵؍ |
| بنت الوقت | ہماری مستورات کی تعلیم و تربیت کا مرقع۔ وقت کا اندھا دھند ساتھ دینے والی ایک ناعاقبت اندیش لڑکی کا انجام | ۸؍ |
| سرابِ مغرب | غیر مسلم مدارس میں مسلم لڑکیوں کا تعلیم پانا کہاں تک جائز ہے اس بحث پر مشہور افسانہ۔ مغربی تقلید کے دردناک نتائج۔ | ۸؍ |
| انگوٹھی کا راز | تین مختلف الخیال لڑکیوں کا سبق آموز اور دردبھرا افسانہ۔ پانچویں دفعہ شائع ہوا ہے۔ | ۶؍ |
| فسانۂ سعید | اس فسانہ میں محسن نسواں حضرت علامہ محترم نے سعیدہ جیسی بیوہ کے نکاحِ ثانی کو بے سود ثابت کیا ہے بے انتہا سبق آموز اور دلچسپ ہے۔ | ۸؍ |
| ولایتی نخی | ایک نہایت ہی مزیدار پرلطف مزاحیہ کہانی جس کے ہر ہر فقرے پر ہنسی آتی ہے۔ بی نخی نے بڑھاپے میں وہ وہ سوانگ بھرے ہیں کہ بس پڑھنے ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ | ۶؍ |
| منازلِ ترقی | اس افسانہ میں دکھایا گیا ہے کہ انسان ترقی کی دھن اور لیڈری کے شوق اور دولت کے نشہ میں غریب رشتہ داروں پر کیسے کیسے ظلم ڈھاتا ہے۔ | ۴؍ |
| بچہ کا کرتہ | ایک بدنصیب ماں اپنے جوان بچہ کی بدولت وہ مصیبتیں اٹھاتی ہے کہ کلیجہ منہ کو آتا ہے اور پڑھ کر بے اختیار آنکھ سے آنسو نکل آتے ہیں۔ | ۴؍ |
| ڈیڈیا کی سرگزشت | فیشن اور جدت کی دلدادہ ایک انگریزی خاتون کی کہانی اسی کی زبانی مغربی معاشرت کا کامیاب مرقع یورپین میاں بیوی کے تعلقات کا فوٹو۔ | ۴؍ |
| چہار عالم | ایک افسانہ میں چار افسانے حیاتِ انسانی پر پرندوں کی بحث۔ چند نسوانی کمزوریوں کا خاکہ کھینچا گیا ہے۔ پلاٹ نہایت دلچسپ۔ | ۴؍ |

## مختصر افسانوں اور نظموں کے مجموعے

| نام کتاب | مختصر کیفیت | قیمت |
| --- | --- | --- |
| جوہرِ عصمت | مظلوم بیوی کا پاک جذبہ۔ بھنور کی دلہن، اگلی منتیں، بےگناہ کا قتل۔ عدل جہانگیری، بلبل کی شہادت وغیرہ ۳۳ سبق آموز افسانوں کا مجموعہ۔ چھٹا ایڈیشن۔ | عمر |

**سیلابِ اشک** بہشتا محبت۔ بلوچن کے تین رنگ۔ طلاقن کا سفید بال۔ حج اکبر۔ عدل جہانگیر۔ سب تصویری۔ شبیا کا تخیل ہے درد انگیز اتصویر افسانے۔ قیمت عمر

**طوفانِ اشک** رواج کی چوکھٹ پر مظلوم عورتوں کی قربانیاں۔ دل ہلا دینے والے بارہ افسانوں کا مجموعہ نہایت درد انگیز اور عبرتناک عمر

**نانی عشو** ایک نہایت ہی پر لطف افسانہ جسے پڑھ کر ہنسی ضبط کرنی ناممکن ہے اس کے ساتھ ۳ اور افسانے جو مزاحیہ بھی ہیں اور دردناک بھی ۱۰/

**نسوانی زندگی** ۱۴ افسانے ہیں جن میں دکھایا گیا ہے کہ ماں۔ بیوی۔ بیٹی۔ بہن ہر حیثیت میں عورت ایسی ایسی قربانیاں کرتی ہے کہ غور کرے تو مرد حیرت میں رہ جائے۔ ۸/

**گلدستۂ عید** عید اور رمضان کے متعلق بلند مضمونوں اور افسانوں کا مجموعہ ہے مگر اثر اور نتیجہ کے اعتبار سے ہر وقت پڑھنے کی چیز ہے۔ ۸/

**رودادِ قفس** حضرت علامہ مغفور کی درد و اثر میں ڈوبی ہوئی ان نظموں کا مجموعہ جنہیں پڑھ کر دل دردمند تڑپ اٹھتے ہیں چھٹی مرتبہ چھپا ہے۔ ۱۰/

**گرفتارِ قفس** اس مجموعہ میں بھی بہت موثر نظمیں ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ حضرت مغفور علیہ الرحمۃ کو جذبات نگاری میں کس درجہ کمال حاصل تھا۔ ۴/

# تاریخ، سیرۃ، ادب و انشا

**آمنہ کا لال** اردو زبان میں مولود شریف کی بہترین کتاب جس میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جو خلاف عقل کہا جاسکے۔ اس میں علامہ مغفور کا بہترین لٹریچر ہے۔ عمر

**سیّدہ کا لال** اردو زبان میں مکمل تاریخ شہادت جس میں واقعہ کربلا سے پہلے اور بعد کے مفصل حالات ہیں نثر میں مغفور نے جو رشیئے لکھے صدیوں ان کا جواب نہ نکلے گا۔ ۱۴/

**امت کی مائیں** رسول اکرم صلعم کی بیویوں کے مقدس حالات زندگی۔ کثرت ازدواج پر نہایت معقول بحث یہ کتاب مردوں اور عورتوں کو دین و دنیا کی کامیابی کا راستہ بتاتی ہے۔ ۱۲/

**الزہرا** اردو زبان میں جگر گوشۂ رسول خاتون جنت حضرت بی فاطمۃ الزہرا کی بہترین سوانحعمری۔ آخر میں واقعہ کربلا کا مختصر بیان۔ نو دفعہ چھپی ہے۔ عمر

**وداعِ خاتون** مشہور ادیبہ محترمہ خاتون اکرم کی جوانمرگی پر قدردان خسر کے خون کے آنسو۔ یہ کتاب بتائے گی کہ لہو کیسے کہتے ہیں۔ ۵/

**قلبِ حزیں** ان چھوٹے چھوٹے لطیف ادبی مضامین کا مجموعہ جن میں حضرت علامہ مغفور نے شاعری کی ہے۔ طرز تحریر اتنا پیارا کہ بار بار پڑھئے۔ ۸/

**وداعِ ظفر** یا نوبت پنج روزہ۔ بہادر شاہ بادشاہ دہلی کے آخری پانچ جشن۔ ستر سال پہلے کی دلی کی جھلک قلعہ کی بہاریں شاہی جھگھٹے میلوں ٹھیلوں کے رنگ ۱۴/

**امین کا دم واپسیں** شہنشاہ ہارون الرشید اور ملکہ زبیدہ خاتون کے لخت جگر شہزادہ امین الرشید کے دردناک قتل کے حالات اور پھر مغفور کے قلم سے! ۴/

# تاریخی ناول

## جو شادی شدہ خواتین مطالعہ کرسکتی ہیں مگر کنواری بچیاں نہ منگائیں

**یاسمینِ شام** امیر المومنین حضرت عمر فاروق کے زمانہ خلافت کی اسلامی لڑائیاں۔ یرموک۔ انطاکیہ۔ بیت المقدس وغیرہ کی لڑائیاں جن میں مسلمان عورتوں نے دشمنوں کے چھکے چھڑا دیے ۱۴/

**عروسِ کربلا** کربلا کا واقعہ یوں ہی کچھ کم دردانگیز نہیں اس پر مغفور رحمۃ اللہ علیہ کے قلم نے قیامت ڈھا دی ہے بلحاظ درد و اثر مصنف کے تاریخی ناولوں میں بہت ممتاز ہے۔ ۱۴/

**محبوبۂ خداوند** شمالی افریقہ کے مسلمانوں کی ایک قلیل جماعت نے خلیفہ سوم کے زمانہ میں عیسائیوں کی ٹڈی دل فوج پر کس طرح فتح پائی صلیب و ہلال کے معرکے اسلام و عیسائیت کی لڑائیاں۔ ۱۲/

**اندلس کی شہزادی** مسلمانوں کے زمانہ کے اسپین کا دلآویز محبت کا افسانہ جو بتائے گا کہ مسلمانوں نے کس طرح فتح پائی اور کس طرح اپنے اعمال سے فنا ہوئے ۸/

**دُرِّ شہوار** ایران مازندران سیستان کی ہولناک لڑائیوں کا مرقع۔ مندرجہ بالا چاروں تاریخی ناولوں کی طرح یہ بھی محبت کا دلچسپ افسانہ ہے۔ ۸/

**منظرِ طرابلس** تسخیر طرابلس کے لئے مسلمانوں کا جوش ایمانی حضرت زبیر بن عوام کی بے مثل شجاعت اور ایثار محبت کے آتشکدے میں بے گناہ لڑکی کی قربانی۔ ۵/

**شہیدِ مغرب** طرابلس مراکش میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے مقابلے مسلمان عورتوں کی ناموس اسلام پر قربانیاں۔ ہندوستان میں شدھی اور ارتداد کا اثر عمر

**سودائے نقد** یہ تاریخی نہیں مگر محبت کا افسانہ ہے جس سے معلوم ہوگا کہ جوان بیٹی کی شادی نہ کرنا سوسائٹی پر کیا اثر ڈالتا ہے حقیقی ماں کے ہاتھوں جوان بیٹے کا قتل! ۵/

**شہنشاہ کا فیصلہ** عہد عباسی کے بغداد کا دلچسپ افسانہ۔ ایک شخص اپنی بیوی کا نکاح ایک اور شخص سے کرتا ہے ایک معصیت زدہ ماں کا بیگناہ بچہ واجب القتل ٹھیرتا ہے۔ ۴/

**تیغِ کمسال** ترکوں اور اتحادیوں کی ہولناک و خونریز لڑائیاں مصطفےٰ کمال پاشا کے حیرت انگیز کارنامے اور محبت کا لطیف افسانہ۔ عمہ

# عصمت بک ڈپو کی چند مشہور و مقبول کتابیں

| نام کتاب | مختصر کیفیت | قیمت |
|---|---|---|
| افسانہ حرم | لڑکیوں کے لئے ایک فاضل جرنلسٹ نے نہایت آسان زبان میں اخلاق آموز مفید دس کہانیاں لکھی ہیں۔ | ۷ر |
| مزیدار کہانیاں | چھوٹے بچوں کے لئے انھیں کی زبان میں نہایت دلچسپ کہانیاں جن کی تصویریں بھی دیکھ کر بچے خوش ہوں گے۔ از سید ابو تمیم صاحب۔ | ۵ر |
| مختصر دنیا | ایک انگریز سیلاح بالشتیوں کی دنیا میں چلا گیا۔ بالشتئے اسے دیو سمجھتے تھے سیاح درجنوں بالشتیوں کو جیب میں ڈال لیتا تھا۔ بہت مزیدار ہے۔ | ۵ر |
| بچوں کی دنیا | ملک روس کے سب سے بڑے مصنف ٹالسٹائی نے بچوں کے لئے جو کہانیاں لکھی تھیں ان کا انتخاب ترجمہ بہت آسان زبان میں ہے۔ | ۷ر |
| جاپانی کہانیاں | جاپانی بچوں کی بہترین کہانیاں۔ نہایت آسان عام فہم اردو میں محترمہ مسز فضلی نے لکھی ہیں۔ ہر کہانی کے ساتھ تصاویر بھی ہیں۔ | عمر |
| دامن باغباں | مشہور افسانہ نگار ڈاکٹر سعید احمد بریلوی کے سبق آموز دلچسپ اخلاقی افسانوں کا دلآویز مجموعہ۔ | عمر |
| عصمتی دسترخوان | (از محترمہ آمنہ نازلی) کھانے پکانے کے متعلق ہندوستان کی بہترین کتاب جس کی تیاری میں ۸۰ عصمتی بہنوں نے حصہ لیا جس کی تمام ترکیبیں تجربہ کے بعد لکھی گئی ہیں۔ ۷ دفعہ چھپی ہے۔ قیمت حصہ اول دو روپے۔ حصہ دوم دو روپے۔ دونوں حصہ | للعہ |
| مشرقی مغربی کھانے | (از محترمہ آمنہ نازلی) عصمتی دسترخوان کا دوسرا حصہ۔ کھانوں کی ترکیبیں سب تجربوں کے بعد لکھی گئی ہیں سو مضمون کے مضامین بھی کھانے پکانے کے متعلق ہیں۔ | عـ۲ـر |
| ناشتہ | (از محترمہ آمنہ نازلی) دوپہر اور رات کے کھانے سے قبل صبح اور سہ پہر ہندوستان کے مختلف صوبوں میں جن جن چیزوں کا ناشتہ کیا جاتا ہے ان کی صحیح ترکیبیں۔ | ۱۰ر |
| عصمتی ہنڈکلیا | (از محترمہ آمنہ نازلی) چھوٹی بچیوں کے کھانے پکانے کی سب سے اچھی کتاب۔ مضامین بھی بہت مفید ہیں۔ | ۸ر |
| بچوں کے کھانے | (از محترمہ آمنہ نازلی) اصول صحت سے بچوں کو کس قسم کی غذا دینی چاہیئے یہ بتا کر صحت بخش اور مقوی غذائیں تیار کرنے کی صحیح ترکیبیں درج کی گئی ہیں۔ | ۸ر |
| بیماروں کے کھانے | (از محترمہ آمنہ نازلی) نامور ڈاکٹروں اور تجربہ کار بزرگوں اور عمر رسیدہ عورتوں نے مریضوں کے لئے بہترین کھانے لکھے ہیں۔ | ۱۰ر |
| مذاقیہ کھانے | (از محترمہ آمنہ نازلی) دولہا بھائی سے نند دئی سے سہیلیوں سے مہذب اور شائستہ مذاق کرنے کی پسندیدہ کتاب۔ | ۶ر |
| عصمتی کشیدہ | کشیدہ کاری کی پسندیدہ کتاب جس میں کاڑھنے کے لئے عمدہ عمدہ نمونے دیئے گئے ہیں | عمر |
| گلزار درخشاں | (از محترمہ آرکے درخشاں) مختلف وضع کی کڑھت کے لئے کئی کئی قسم کے خوبصورت نمونے مع ضروری ہدایات۔ | عمر |
| گلدستہ کشیدہ | (از محترمہ غدیر فاطمہ) کشیدہ کاری کی سب سے اچھی کتاب جس میں ہر قسم کے نمونے بہتر سے بہتر دیئے گئے ہیں۔ | عـ۸ـر |
| چمنستان خیاطی | کپڑوں کی کٹائی سلائی کے متعلق کار آمد ہدایات اور متعدد عمدہ عمدہ نمونے (از محترمہ فاطمہ بیگم منشی فاضل۔ | عمر |
| گلستان خیاطی | چمنستان خیاطی کا دوسرا حصہ جس میں مفید مضامین کار آمد ہدایتیں اور نئی نئی طرز کے اعلیٰ درجہ کے نمونے ہیں۔ | عمر |
| عصمتی کردشیا | (از محترمہ فاطمہ انور علی صاحبہ) فن کردشیا کے متعلق مشہور کتاب جس میں بہترین نمونے دیئے گئے ہیں۔ | عـ۸ـر |
| کراس اسٹچ ورک | اپنے موضوع پر اردو میں پہلی کتاب جس کی دھوم مچ گئی مرتبہ محترمہ غدیر فاطمہ رکن ادارت جوہر نسواں دہلی۔ | عـ۸ـر |
| موتیوں کا کام | ۲۷ عصمتی بہنوں نے یہ کتاب تیار کی ہے۔ ہندوستان بھر میں موتیوں کے کام کے متعلق ایسی مفید کتاب نہیں چھپی۔ | عـ۲ـر |
| سلمہ ستارہ کا کام | محترمہ خدیجہ بائی مرحومہ ہندوستان کی مایۂ ناز دستکار خاتون کی تالیف ہے دوسری دفعہ چھپی ہے۔ | عـ۲ـر |
| تارکشی کا کام | کپڑوں سے دھاگہ نکالنے کے کام پر سب سے پہلی کتاب اردو زبان میں۔ | عمر |
| گلدستہ تارکشی | محترمات سیدہ اشرف اور سنجیدہ اشرف جیسی نامور دستکار خواتین نے مرتب کی ہے بہت خوبصورت ہے۔ | عـ۸ـر |
| اونی کام سلائیوں سے | فن ننگ پر قابل قدر کتاب جس میں بُنائی کے متعلق عام فہم ہدایتیں اور لیتھو بلاک کے بہت سے نمونے ہیں۔ | عـ۸ـر |
| جالی کا کام | ہندوستان کی قدیم زمانہ صنعت پر سب سے پہلی کتاب جس میں لیتھو اور بلاک کے بہت سے نمونے ہیں۔ | عـ۸ـر |
| شمیم سوزن کاری | ایک چمنستان پر بہار ہے جس میں مختلف قسم کی زنانہ دستکاریوں کے گلہائے رنگا رنگ کھل رہے ہیں۔ | عـ۸ـر |
| خواتین کی دستکاریاں | کم استطاعت نادار غریب عورتوں کو بتایا گیا ہے کہ وہ کیا کیا کام کر کے مالی مشکلات دور کر سکتی ہیں۔ | ۸ر |

| نام کتاب | مختصر کیفیت | قیمت |
|---|---|---|
| لکڑی کا باریک کام | ڈریٹ ورک کے متعلق اردو میں پہلی کتاب۔ جس پر ولایت کے پرچوں نے بھی شاندار ریویو لکھے۔ از سید رضا احمد صاحب جعفری۔ | ۸ر |
| وصلی کا کام | غریب عورتیں وصلی کے کیا کیا کام کرکے مالی پریشانیاں دور کرسکتی ہیں۔ از سید رضا احمد صاحب جعفری۔ | ۸ر |
| پھول پھلواری | پھولوں کی کاشت کیاری اور باغیچہ کی نگہداشت اور انگریزی ہندوستانی اور ہر موسم اور ہر قسم کے پھولوں کی کاشت کے متعلق ہدایات | ۸ر |
| خیابانِ نسواں | از مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی۔ خواتین کے لئے معاشرتی اخلاقی اصلاحی مضامین کا دلچسپ مجموعہ جس میں یورپین معاشرت کے متعلق بھی مقالے ہیں | ۸ر |
| کپڑوں کی چھپائی | سائنٹفک طریقوں سے کپڑوں کو کسطرح چھاپنا چاہئے ایک ماہر فن نے نہایت عام فہم پیرایہ میں یہ کتاب لکھی ہے۔ | ۸ر |
| انشائے سلمٰی | لڑکیوں کو خط کتابت سکھانے کی جدید ترین نہایت مفید اور دلچسپ کتاب۔ از صاحبزادہ ولی احمد خاں صاحب ایم اے ایم۔ ایف۔ | ۶ر |
| دیہاتی گیت | جاہل گنواروں کے مختلف طرز کے گیتوں کا نہایت ہی دلچسپ مجموعہ ڈاکٹر اعظم صاحب کریوی مشہور ادیب کی محنت اور قابلیت کا بہترین نمونہ۔ | ۸ر |
| شہزادی نیلوفر | چھوٹے بچوں اور بچیوں کے لئے دلچسپ کہانیوں کا دلچسپ مجموعہ۔ جسے بچے اور بچیاں بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ | ۱۲ر |

# تصانیف محترمہ خاتون اکرم مرحومہ

| نام کتاب | مختصر کیفیت | قیمت |
|---|---|---|
| جمالِ ہمنشیں | ادیبۂ جلیلہ محترمہ خاتون اکرم جنت مکانی کے بے مثل ادبی مضامین کا حسین مجموعہ جس سے اردو لٹریچر میں قابل قدر اضافہ ہوا۔ | عمر |
| گلستانِ خاتون | اردو کی پہلی ترقی پسند افسانہ نگار خاتون یعنی محترمہ خاتون اکرم کے دلآویز نتیجہ خیز سبق آموز افسانوں کا خوبصورت مجموعہ تیسرا ایڈیشن | ہمر |
| پیکرِ وفا | محترمہ خاتون اکرم جنت مکانی کا لکھا ہوا ایک نہایت دلآویز افسانہ جس پر نہایت شاندار ریویو اخبارات نے کیا ہے۔ | ۸ر |
| بچھڑی بیٹی | ایک دلچسپ مختصر افسانہ جسے پڑھنے کے بعد محترمہ خاتون اکرم جنت مکانی کی افسانہ نگاری کی داد دئے بغیر نہیں رہا جاسکتا تیسرا ایڈیشن۔ | ۶ر |

# تصانیف محترمہ صغرا ہمایوں مرزا

| نام کتاب | مختصر کیفیت | قیمت |
|---|---|---|
| مشیرِ نسواں | یہ ایک دلچسپ اخلاقی ناول جس میں عورتوں کی ہر حالت اور ہر عمر کے متعلق معلومات کا دلچسپ ذخیرہ ہے۔ | ہمر |
| سرگزشت ہاجرہ | دلچسپ اور سبق آموز قصوں کے پیرایہ میں اخلاقی اصلاحی جواہرات کا بیش بہا ذخیرہ۔ | ۱۰ر |
| تحریر النساء | لڑکیوں اور عورتوں کے لئے جدید طرز پر خط و کتابت کی بے نظیر کتاب جس میں خطوط کے پیرایہ میں بہت سی مفید باتیں بتائی گئی ہیں۔ | ۱۲ر |
| موہنی | اخلاقی معاشرتی افسانہ جس میں ایرانی رسوم وغیرہ کی دلچسپ معلومات بھی ہے۔ | ۱۰ر |

# تصانیف منشی پریم چند آنجہانی

| نام کتاب | مختصر کیفیت | قیمت |
|---|---|---|
| روحانی شادی | اخلاقی اور اصلاحی ڈراما جو پلاٹ مکالمہ کیرکٹر ہر اعتبار سے کامیاب ہے سبق آموز عبرتناک اور دلچسپ مزاحیہ بھی ہے۔ | ۶ر |
| دودھ کی قیمت | اور سات افسانے جو خاص طور پر خواتین کے لئے منشی پریم چند نے لکھے تھے۔ منشی جی کے افسانوں کا آخری اور سب سے بہتر مجموعہ ہے۔ | عمر |

# تصانیف مولانا سیماب اکبرآبادی

| نام کتاب | مختصر کیفیت | قیمت |
|---|---|---|
| آفتاب زندگی | از مولانا سیماب اکبرآبادی ایک لڑکی کے کنوارپنے کے دلچسپ حالات دلنشین پیرایہ میں۔ | ۶ر |
| شباب زندگی | از مولانا سیماب اکبرآبادی آفتاب زندگی کا دوسرا حصہ جس میں شمس النساء کی شادی کے بعد کے حالات دلچسپ پیرایہ میں لکھے گئے ہیں۔ | ۶ر |
| زنانہ بستہ | بچوں اور لڑکیوں کے لئے دس ننھی ننھی کتابوں کا نہایت مفید مجموعہ۔ چوتھا ایڈیشن حال میں چھپا ہے۔ | ہر |

# عصمت کے ۳۱ سال کے پرچے

۱۹۰۸ء سے ۱۹۱۵ء تک چند متفرق پرچے دہلی تھوڑی تعداد میں باقی ہیں۔ قیمت فی پرچہ ایک روپیہ اس دور میں حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ کی ایڈیٹری میں نہایت آب و تاب سے شائع ہوتا تھا کاغذ ولائتی نہایت اعلیٰ قسم کا لگایا جاتا تھا۔ ۱۹۱۶ء سے ۱۹۲۳ء تک متفرق پرچے تھوڑی تعداد میں بچے ہوئے ہیں کاغذ معمولی قیمت فی پرچہ آٹھ آنے۔ ۱۹۲۴ء سے ۱۹۲۷ء تک جس سال کے پورے پرچے ہیں اُن کی قیمت چار روپے اور جس سال کے ۱۰ ماہ کے پرچے ہیں انکی قیمت ساڑھے تین روپے۔ ۱۹۲۸ء ۱۱ ماہ کے پرچے جن میں جوبلی نمبر بھی شامل ہے قیمت للعہ ۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۷ء تک بڑا سائز ہر فائل میں زیادہ تر سفید چکنے کاغذ کے پرچے ہیں لیکن بعض آرٹ کاغذ کے اور بعض معمولی کاغذ کے بھی نکلنے ممکن ہیں۔ سال کے پورے پرچوں کی قیمت چار روپے۔ دس ماہ کے پرچوں کی قیمت ساڑھے تین روپے۔ ہر سال کے مکمل یا نامکمل فائل میں ایک روپیہ قیمت کا سالگرہ نمبر بھی شامل ہے۔ صرف سالگرہ نمبر ۱۹۳۲ء ۸ر جوبلی نمبر عہ سالگرہ نمبر ۱۹۲۹ء تا ۱۹۳۷ء فی پرچہ ایک روپیہ۔ راشد الخیری نمبر ۱۹۳۶ء ۸ر سالگرہ نمبر ۱۹۳۸ء ۱۰ر محصول ڈاک بذمہ خریدار۔

مینیجر عصمت دہلی

## عصمت کا راشد الخیری نمبر

بنات اور جوہر نسواں اور ساقی کے راشد الخیری نمبر ہاتھوں ہاتھ نکل گئے اور اب کسی قیمت پر نہیں مل سکتے۔ البتہ عصمت کے اس خاص نمبر کے کچھ پرچے باقی ہیں۔ اس نمبر میں ہندوستان اور بیرون ہند کے مسلم اور غیر مسلم مشہور لکھنے والوں اور اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین نے ہندوستان کے مصلح اعظم کی یاد میں موثر مضامین لکھے اور مصنف مرحوم کی تصانیف پر تنقیدیں کیں اور حضرت علامہ مغفور کی بے بہا خدمات اور ادبی کمالات کا اعتراف کیا ہے اور کئی مضمون حضرت مصنف مرحوم کے ذاتی حالات اور خانگی زندگی کے متعلق ہیں جو علاوہ دلچسپ ہونے کے سبق آموز اور نتیجہ خیز ہیں حضرت علامہ مرحوم کی مختلف عمروں کی تصاویر بھی دی گئی ہیں مضامین کے صفحے پونے تین سو ہیں مگر نصف سے زیادہ باریک لکھوا کر تصانیف مصنف مرحوم کے سائز کے ۱۰۰ صفحوں کے مضامین شائع کئے گئے ہیں کاغذ ولائتی چکنا۔ لکھائی چھپائی بہترین۔

ہندوستان کے کسی سیاسی رہنما کسی ادیب و کسی شاعر کی یاد میں ایسا شاندار اور اسقدر کامیاب ضخیم خاص نمبر کسی پرچہ کا شائع نہیں ہوا۔

## عصمت کا راشد الخیری نمبر ایک تاریخی پرچہ ہے

جس کا مطالعہ نہ صرف تعلیم یافتہ خواتین کے لئے ضروری ہے جنھیں تحریک نسواں سے دلچسپی ہے بلکہ ان مردوں کو بھی یہ ضرور پڑھنا چاہئے جنھیں ادب اردو کا خدا نے ذوق عطا فرمایا ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ)

## رسالہ جوہر نسواں دہلی کے خاص نمبر

پہلا خاص نمبر مارچ ۱۹۳۵ء اونی کام سلائیوں سے:۔ فن نٹنگ پر بہترین کتاب متعدد بلاک کے نمونے بھی ہیں قیمت (عہ) دوسرا خاص نمبر ستمبر ۱۹۳۵ء تارکشی کا کام:۔ کپڑے سے دھاگے نکالنے کے متعلق ــ متعدد بلاک کے نمونے بھی ہیں قیمت (عہ) تیسرا خاص نمبر مارچ ۱۹۳۶ء کراس اسٹچ ورک:۔ اس موضوع پر ایسی خوبصورت اور مفید کتاب اردو میں شائع نہیں ہوئی قیمت (عہ) چوتھا خاص نمبر ستمبر ۱۹۳۶ء۔ راشد الخیری نمبر:۔ خواتین ہند کے محسن اعظم کی یاد میں شائع ہوا تھا مختلف زنانہ دستکاریوں کے اعلیٰ نمونے۔ قیمت (عہ) پانچواں خاص نمبر مارچ ۱۹۳۷ء۔ جالی کا کام:۔ ہندوستان کی قدیم صنعت پر مستند کتاب متعدد نمونے بلاک کے بھی ہیں۔ قیمت (عہ) چھٹا خاص نمبر ستمبر ۱۹۳۷ء مختلف زنانہ دستکاریاں۔ ختم ہوگیا۔ ساتواں خاص نمبر مارچ ۱۹۳۸ء شمیم سوزن کاری:۔ ایک چمن پر بہار ہے جس میں مختلف قسم کے گلہائے رنگارنگ کھل رہے ہیں قیمت (عہ) آٹھواں خاص نمبر ستمبر ۱۹۳۸ء مختلف زنانہ دستکاریاں:۔ ختم ہوگیا۔ نواں خاص نمبر مارچ ۱۹۳۹ء گلستان خیاطی:۔ کپڑوں کی کٹائی سلائی کے متعلق نہایت کارآمد کتاب قیمت (عہ)۔

ملنے کا پتہ:۔ دفتر عصمت دہلی

# بچّوں کے لئے پیشہ کا انتخاب

## لڑکیوں کے مستقبل پر ایک نظر

ایک زمانہ تھا کہ صرف مرد کی کمائی سے کنبہ بھر کا پیٹ بھر جاتا تھا اور فراغت سے بسر ہوتی تھی۔ مگر اب حالت یہ ہے کہ خود غریب مرد کا پیٹ نہیں بھرتا۔ اور بیوی بچے اس پر بارگراں ثابت ہوتے ہیں۔ خوش پوش خاندانوں میں جن کی وضع داری برائے نام ہے تنگدستی اور مفلسی کے ایسے دلدوز مظاہرے مشاہدے اور جگر سوز واقعات سننے میں آتے ہیں کہ بعض اوقات ان کے تصور سے ہی قلب کانپنے لگتا ہے کیونکہ عام حالت یہ ہے کہ ایک شخص جس کی ماہوار آمدنی بیس پچیس روپیہ سے متجاوز نہیں ہے اس پر آٹھ آٹھ دس دس افراد کی پرورش کا بار ہے۔ پھر اس کے ساتھ وضعداری کا بھی خیال اور زیادہ تر اسی مد میں چوتھائی سے زیادہ آمدنی خرچ ہو جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آمدنی کے مقابلہ میں اخراجات بڑھ جاتے ہیں۔ دوسری آمدنی کے ذرائع چھوٹی ملازمتوں میں محدود و بلکہ مسدود ہوتے ہیں۔ بالآخر مرد کا دماغ خانگی پریشانیوں سے خراب ہو کر ناکارہ اور مختل ہو جاتا ہے۔ پھر وہ اپنے موجودہ کام یا پیشہ میں بھی ترقی کے ذرائع سوچنے کے قابل نہیں رہتا۔ بعض کمزور دماغ کے مالی مشکلات سے پریشان ہو کر نیم پاگل ہو جاتے ہیں۔ اور بعض پورے مخبوط الحواس ہو کر پاگل خانے پہنچتے ہیں۔ میں تفصیل پر نہیں جاؤنگا نہ یہاں اسکا موقع ہے۔ ورنہ میں تازہ رپورٹ سے یہ ثابت کرنے کو تیار ہوں کہ تمام ہندوستان میں گذشتہ سال جتنے پاگل ہو کر دماغی امراض کے شفاخانوں میں پہنچتے ہیں اور جتنے لوگوں نے خودکشیاں کی ہیں ان کے اسباب میں سے ساٹھ فیصدی سے زیادہ عام اقتصادی پریشانیاں بالخصوص مالی، معاشی معاملات پر خانگی تنازعات تھے۔ کیا ان حالات میں والدین خصوصاً مسلم والدین کو میرا مخلصانہ مشورہ کہ انھیں لڑکوں کے ساتھ غریب لڑکیوں کے مستقبل پر غور کرنا چاہیئے۔ غیر مناسب ہوگا؟

فی زمانہ متوسط حیثیت کی لڑکیوں کو بیس پچیس روپیہ ماہوار کی آمدنی کے بھی بر نہیں مل رہے ہیں اور غریبوں کی لڑکیوں کو تو کوئی پوچھتا ہی نہیں۔ اب جب یہ لڑکیاں دلوں میں ہزاروں تڑپتے ہوئے ارمان اور مچلتی ہوئی آرزوئیں لئے ہوئے والدین کے یہاں سے رخصت ہوتی ہیں اور ایسی جگہ پہنچتی ہیں جہاں ایک کمانے والا اور دس کھانے والے ہیں تو ان غریب معصوموں کے دلوں کی کیا کیفیت ہوتی ہوگی کیونکہ وہ تا رخصت اپنے میکہ میں اس خیال سے اپنی اضطراب انگیز امنگوں اور خواہشوں کو دباتی رہیں کہ جب شادی ہو جائیگی اور اپنے گھر بار کے ہوں گے تو اپنے تمام حوصلے دل کھول کر نکال لیں گے۔ اب یہاں آکر دیکھتی ہیں کہ چند روز کی خاطر تواضع کے بعد وہ تو وہی یہاں بار معلوم ہو رہی ہیں۔ چہ جائیکہ کچھ حوصلے نکلتے۔ پھر خود پردہ میں بیٹھنے والیاں تعلیم محدود۔ ہاتھ میں کچھ ہنر نہیں اگر ہے بھی دقیانوسی خیالات کی پابندی۔ رسم و رواج کی جکڑ بندی۔ عزت کا پاس اور ناک کا خیال کہ کہیں ذرا اونچ نیچ سے کٹ نہ پڑے۔ یہ وہ روح فرسا واقعات ہیں جو فی زمانہ بیشتر مسلمان گھرانوں کو گھن کی طرح کھائے جا رہے ہیں۔ غریب لڑکیاں ایک تو ماں باپ کے گھر ہی دبی دبی زندگی بسر کرتی ہیں پھر اپنے گھر آکر بھی اسی ماحول میں زندگی بسر کرنے لگیں تو ان کے حصّے میں خوشی اور آسودگی نہ وہاں تھی اور نہ یہاں میسر ہوئی۔ بتلایئے اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ کہیں ماں باپ بھی بدخواہ ہوتے ہیں کیا وہ اپنی اولاد کو پریشان دیکھنا پسند کریں۔ میرا ان کی اس "ہمدردی" محبت کے نظریہ پر صاد ہے۔ لیکن ان سے یہ تو پوچھئے کہ جناب والا جب آپ اپنی بیٹی کو قسمت کے سر تھوپنے لگتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جو کچھ اس کی قسمت میں ہوگا مل جائے گا۔ تو آپ کے بلند اقبال کی قسمت کہاں چلی

جاتی ہے اور کیوں آپ اس کی تعلیم اور اس کے مستقبل کو کامیاب بنانے پر پانی کی طرح روپیہ بہاتے ہیں۔ اور کیوں نہیں اس کی زندگی کو بھی قسمت کے سہارے پر چھوڑ دیتے؟ دوسرا جواب شاید ان کا یہ ہو کہ ہمارے اقتصادی حالات لڑکے و لڑکیوں کو مساوی تعلیم دلوانے کی اجازت نہیں دیتے۔ مگر یہ بھی ایک قسم کا عذر لنگ ہے۔ بہت سے والدین اپنی لڑکیوں کو معقول تعلیم دلانے کے اہل ہوتے ہیں۔ مگر محض اس خیال سے کہ پرایا دھن ہے کون اس کو بہتر بنانے میں روپیہ صرف کرے۔ دیدہ و دانستہ گریز کرتے ہیں۔

والدین اگر لڑکی کو لڑکے کی برابر تعلیم نہیں دلا سکتے تو کم از کم اس کی چوتھائی تعلیم تو یقیناً دلا سکتے ہیں۔ مگر غریبوں کی قسمت میں یہ بھی نہیں۔ میری مراد تعلیم سے معمولی لکھنا پڑھنا نہیں ہے۔ بلکہ اس تعلیم سے ہے جو بوقت ضرورت حصول معاش میں کام آتی ہے۔ یا آ سکتی ہے جسے میں معیاری یا مستند تعلیم سے موسوم کروں گا فی الوقت عورتوں کے لئے معیاری تعلیم کم از کم درنا کلر چوتھی جماعت مڈل اور انگریزی میٹرک تک تسلیم کی جاتی ہے۔ ان تینوں میں سے کسی ایک کی سند کی حامل لڑکی کو اس کی سند یعنی قابلیت کے مطابق اگر گورنمنٹ سروس میں ملازمت مل سکتی ہے۔ یا وہ اس قابل ہو جاتی ہے کہ فی زمانہ اوسط درجہ کی تعلیم یافتہ کہلائے۔ مگر ہم مسلمانوں کی بدبختی کی انتہا ہے کہ لڑکیوں کو معیاری تعلیم دلانے کا ذرا بھی خیال نہیں لاتے اور ان کے لئے صرف معمولی نوشت وخواند کافی تصور کر لیتے ہیں جس کی فضیلت کی سند گھر کی یونیورسٹی سے مل جاتی ہے۔ کیوں نہ ملے آخر ہیوم کے نظریہ کے مطابق وہ بھی تو بچہ کی ایک قدرتی درسگاہ ہے؟

اس وقت تمام دنیا کا اقتصادی نظام تہ وبالا ہے۔ ہر متمول سے متمول ملک کے حالات بجائے روبہ اصلاح ہونے کے روز بروز بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں۔ ملکوں کی نئی نئی ذمہ داریاں اور ان کے اخراجات بڑھ رہے ہیں جن کی وجہ سے پبلک کی آمدنی محدود ہوتی جا رہی ہے زمینوں پر نئی نئی قیود اور پابندیاں عائد کی جا رہی ہیں۔ ان کے آسان ذرائع مسدود ہو رہے ہیں۔ تنخواہیں اتنی رہ گئی ہیں کہ صرف ایک ہستی کو قوت لایموت بہم پہنچنے کے لئے کافی ہو۔ پھر ہندوستان مفلستان کس قطار شمار میں ہے۔ ایک لمحہ کے لئے ذہن سے تمام واقعات نکال کر صرف اس بات کا ہی تصور فرمایئے کہ جس ملک کی اوسط آمدنی فی کس پانچ چھ پیسہ یومیہ ہو وہ کیا اوڑھ اور کیا بچھا سکتا ہے کیا ان حالات میں بھی والدین لڑکیوں کے مستقبل پر غور نہیں کریں گے۔ اور ان کو ان کے شوہروں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیں گے۔

زمانہ سرعت سے گذر رہا ہے تمام قومیں سخت سے سخت جد وجہد میں مصروف ہیں۔ زمانہ کی روش پر چل رہی ہیں مگر ہم ہیں کہ ابھی چناں چنیں میں ہی لگے ہوئے ہیں۔

ہم ذیل میں لڑکیوں کے لئے موزوں پیشوں اور کاموں پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہیں۔ تفصیلات کے لئے اس موضوع پر پچھلے مضامین جو گذشتہ سال چھپ چکے ہیں اور آئندہ چھپیں گے دیکھے جائیں۔ آپ کے بچوں کے مستقبل کی بہتری کے لئے کوئی نئی بات نکل آیا کرے گی۔

معلمی۔ ہندوستان میں زنانہ تعلیم کا میدان روز بروز وسیع ہو رہا ہے اس لئے معلمات کی مانگ بڑھ رہی ہے۔ اور آئندہ بڑھنے کی امید ہے۔ فی الوقت قابل اور اچھی معلمات نہیں ملتی ہیں۔ چنانچہ مسلمان لڑکیوں کے مدارس میں یا تو عیسائی یا ہندو معلمات رکھی جاتی ہیں۔ یا ایسی عورتیں (خواہ وہ عیسائی ہوں یا نام کی مسلمان) جو کیرکٹر کے لحاظ سے نہایت پست اور ذلیل ہوتی ہیں فی زمانہ سرکاری وغیر سرکاری زنانہ مدارس کی تعلیم جو مخرب اخلاق بتائی جاتی ہے دیگر وجوہ میں سے ایک وجہ اور میری دانست میں خاص وجہ یہی ہے کہ ان کی استانیاں پست طبقہ کی اور بدترین کیرکٹر کی حامل ہوتی ہیں۔ اگر شریف مسلم لڑکیاں درس تدریس کے کام کو جو بجائے خود ایک کار ثواب ہے مبتذل نہ خیال فرمائیں تو نہ صرف زنانہ تعلیم کی کایا پلٹ سکتی ہے۔ بلکہ خود بھی چار پیسہ کما کر اپنے شوہروں کا بوجھ ہلکا کر سکتی ہیں۔ معلمات کی تعلیم کے لئے صوبہ کے مختلف مقامات میں ٹریننگ مدارس کھلے رہتے ہیں۔ مثلاً آگرہ میرٹھ کے ٹریننگ اسکولوں میں مڈل پاس شدہ لڑکیاں لی جاتی ہیں اور

ایک کالج لکھنؤ میں ہے جس کا نام ازابیلا تھوبورن ٹریننگ کالج لکھنؤ ہے۔ اس میں میٹرک پاس شدہ لڑکیاں لی جاتی ہیں۔ آٹھ روپیہ وظیفہ کالج کی طالبات کو ماہانہ ملتا ہے۔ انتخاب کا عام قاعدہ یہ ہے کہ ضرورتمند لڑکیاں یا عورتیں اپنی درخواستیں میونسپل یا ڈسٹرکٹ بورڈوں کے تعلیمی سپرنٹنڈنٹ کے پاس بھیجدیتی ہیں۔ جب استانیوں کی ضرورت پڑتی ہے تو ان امیدواروں میں سے انتخاب کر لی جاتی ہیں۔ اور ان کو نصف تنخواہ پر ٹریننگ کے لئے بھیجدیا جاتا ہے۔ عمر کی کوئی خاص قید نہیں ہے۔ پچپن سال تک کی عورتیں لے لی جاتی ہیں۔ تنخواہ بیس سے پچاس روپیہ تک بہ لحاظ قابلیت ملتی ہے۔ اس کے علاوہ لڑکوں کے ٹریننگ کالجوں میں بھی لڑکیاں (غیر پردہ نشین) لے لی جاتی ہیں اور ان کو لڑکوں کے ساتھ ہی تعلیم حاصل کرنا پڑتی ہے۔ کالجوں کا نصاب دو سال کا ہے۔ مفصل حالات صوبہ کے محکمہ تعلیم کے ڈائرکٹر یا براہ راست اسکول اور کالج سے دریافت کئے جاسکتے ہیں۔

**ڈاکٹری** گورنمنٹ کا محکمہ صحت ترقی پذیر ہے۔ ہندوستان میں فی الوقت ہندوستانی ڈاکٹرنیاں بہت کم ہیں۔ مگر ان میں بھی مسلمان ڈاکٹرنیاں بمنزلہ صفر کے ہیں۔ اور اس کی وجہ رسم و رواج کی پابندی مستند تعلیم کا فقدان اور مفلسی بھی ہے ورنہ مسلم خواتین کے لئے یہ بہت اچھا میدان ہے۔

لڑکیوں کو ڈاکٹری تعلیم دینے کے لئے ہندوستان میں کئی اچھی درسگاہیں کھلی ہوئی ہیں۔ شمالی خطہ میں دہلی کا لیڈی ہارڈنگ میڈیکل کالج (نار درین) اور لکھنؤ کا ومینس میڈیکل کالج ہیں۔ یہاں بلا قید مذہب و قوم لڑکیوں کو معقول ڈاکٹری کی تعلیم دی جاتی ہے۔ داخلہ کی قید ایف۔ ایس۔ سی۔ (سائنس کے ساتھ ایف۔ اے۔ پاس) ہے۔ فیس بھی لی جاتی ہے۔ اور قیام و طعام کا خرچ طالب علم کے ذمہ ہوتا ہے ان سب کا انتظام وہاں بہت معقول ہے۔ تمام اسٹاف عورتوں پر مشتمل ہے تعلیم عظمیٰ برطانیہ کی جنرل میڈیکل کونسل کے تسلیم شدہ نصاب کے مطابق دی جاتی ہے۔ یہاں کی کامیاب شدہ ڈاکٹرنیاں ملازمتوں میں مقابلہ کے امتحان کے بعد لی جاتی ہیں۔ امتحان گورنمنٹ کا مقرر کردہ بورڈ لیتا ہے۔ جو ایک میڈیکل کمیٹی کے ماتحت کام کرتا ہے۔ اور جس کا صدر انڈین میڈیکل سروس کا ڈائرکٹر جنرل ہوتا ہے۔ یہ بورڈ امیدوار ملازمت کی قابلیت اور صحت کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔ اس کے بعد عارضی طور پر ۶ ماہ کے لئے اس کا تقرر کرتا ہے اس دوران میں اگر امیدوار کا کام قابل اطمینان ثابت ہوا تو اس کو مستقل کر دیا جاتا ہے۔ تنخواہ ساڑھے پینٹھ سے شروع ہوتی ہے۔

**نرسنگ**۔ متوسط تعلیم یافتہ لڑکیوں خصوصاً بیوہ عورتوں کے لئے نرسنگ کچھ برا کام نہیں ہے۔ جیسا کہ عموماً ہندوستانی گھرانوں اور خصوصاً مسلم طبقہ میں خیال کیا جاتا ہے۔ لیڈی ڈاکٹروں سے زیادہ نرسوں کی مانگ ہے۔ نرسوں کے پیشہ کے مختلف معیار یا درجے ہوتے ہیں مثلاً ہاسپٹل نرسنگ۔ جنرل نرسنگ۔ اسپیشل نرسنگ۔ مڈوائفری اور ہیلتھ وزیٹنگ۔ ان سب کی تعلیم عدن بمبئی۔ احمد آباد۔ کلکتہ۔ مدراس احمد نگر۔ بیجاپور۔ دہلی اور لکھنؤ وغیرہ کے بڑے بڑے ہسپتالوں اور میڈیکل کالجوں سے ملحق اسکولوں میں ہوتی ہے اور ان کو باقاعدہ سرٹیفکٹ دیا جاتا ہے۔ لیڈی ہارڈنگ ٹریننگ اسکول فار نرسس دہلی میں نرسوں کی تعلیم تربیت کی جاتی ہے۔ اس سے بہتر تعلیم بمبئی کے جے جے ہاسپٹل۔ سینٹ جارج ہاسپٹل اور کاما ہاسپٹل میں دی جاتی ہے۔ جس کا معیار بلند ہوتا ہے۔ تنخواہ چالیس پچاس روپیہ سے شروع ہوتی ہے۔ بمبئی کی نرسنگ درسگاہ میں داخلہ کے لئے تعلیمی معیار شاید میٹرک تک ہے۔ ہر ایک اسپتال میں نرسوں کی ایک ایسوسی ایشن (انجمن) قائم ہے۔ جو نرسوں کی تعلیم کے لئے داخلہ وغیرہ کی سہولتیں مہیا کرتی ہے اور ملازمت دلواتی ہے۔ سکرٹری سے خط و کتابت کی جاسکتی ہے۔ پتہ اس طرح لکھا جائے۔ مثلاً۔ "سکرٹری نرسنگ ایسوسی ایشن معرفت سینٹ جارج ہاسپٹل بمبئی" مڈوائفوں کی نرسنگ بھی ایلبس ہاسپٹل کاما ہاسپٹل اور سینٹ جارج ہاسپٹل بمبئی اور

ساسون ہاسپٹل پونا میں دی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں مفصل معلومات، رجسٹرار "بمبئی نرسنگ کونسل اولڈ کسٹم ہاؤس فورٹ بمبئی" سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

کمپاؤنڈری - جس قدر زنانہ اور بچوں کے اسپتالوں کی تعداد بڑھے گی اسی قدر کمپاؤنڈروں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوگا۔ لہذا اس صیغہ میں بھی معمولی انگریزی داں عورتوں کی گنجائش ہے زنانہ اسپتالوں کے لئے کمپاؤنڈری کی تعلیم لیڈی ہارڈنگ ہسپتال دہلی میں دیجاتی ہے

وکالت - غیر پردہ نشین عورتوں کے لئے وکالت بھی اچھا پیشہ ہے۔ شریف عورتیں مردوں سے زیادہ کامیابی حاصل کر سکتی ہیں۔ آج کل جتنی عورتیں قانونی پریکٹس کر رہی ہیں وہ کامیاب اور خوش ہیں۔ قریب قریب ہر بڑے کالج میں قانون کی تعلیم دی جاتی ہے شاید عورتوں کے لئے کوئی مخصوص کالج یوپی میں نہیں ہے۔ اس لئے انھیں فی الحال مردوں کے کالج میں قانون پڑھنا ہوگا۔ قانون کی تعلیم بالعموم رات کو صرف تین گھنٹہ ہوتی ہے۔ فیس غالباً دس روپیہ ماہوار ہوتی ہے۔ اور بی اے پاس شدہ لڑکیاں داخل کیجاتی ہیں

زراعت - اگرچہ عورتوں کے لئے زراعتی تعلیم کا انتظام ہندوستان میں نہیں ہے۔ اور نہ انھیں زراعت کے محکمہ میں ملازمت مل سکتی ہے تاہم اگر غیر پردہ نشین عورتیں زراعت کی تعلیم حاصل کرنا چاہیں تو مردانہ زراعتی کالجوں میں کر سکتی ہیں۔ مگر پرائیوٹ طور پر بھی زراعتی کتابوں کا مطالعہ کر کے اس کے قابل ہو سکتی ہیں کہ وہ چھوٹے یا بڑے پیمانہ پر اپنی ذاتی ڈیری۔ پولٹری (مرغی خانہ) یا ترکاریوں کا فارم چلا سکیں۔ اس ضمن میں اپنے صوبہ کے محکمہ زراعت سے ہر قسم کا مشورہ لے سکتی ہیں۔ اور اگر موقع ہو تو مالی امداد بھی لے سکتی ہیں۔ گورنمنٹ نے زراعتی پیداوار فروخت کرنے کے لئے مارکٹنگ افسر مقرر کر دیئے ہیں۔ جو چھوٹے پیمانہ پر زراعتی کاروبار کرنے والوں کی پیداوار (خواہ کچھ ہو) فروخت کیا کریں گے۔ آخر الذکر سہولت سے تو یقیناً فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

صحافت - اردو صحافت میں معاش کا میدان بہت تنگ ہے۔ تاہم کافی تعلیم کم سے کم منشی فاضل یا عالم) حاصل کرنے کے بعد اردو مضمون نویسی کی مشق شروع کی جا سکتی ہے۔ اور صحافت میں شہرت حاصل کر کے کسی باوقار روزنامہ یا ہفتہ وار اخبار کے دفتر میں نائب مدیری کی جگہ حاصل کی جا سکتی ہے اخباروں رسالوں کی ایجنسی لی جا سکتی ہے اور نجی طور پر معاوضہ پر مضمون، ریڈیو اور رسالوں اور اخباروں کے لئے لکھے جا سکتے ہیں۔ مگر یاد رکھیئے کہ معاوضہ پر مضمون مفید اور جدید موضوع پر انتہائی قابلیت سے لکھے ہوئے ہی لئے جاتے ہیں۔

آرٹ - اس میدان میں شہرت اور معاش کی کافی گنجایش ہونے کے باوجود مسلمان عورتیں اس میں بہت کم نظر آتی ہیں۔ مگر ہندو عورتیں اس سے کافی فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ ڈرائنگ اور پینٹنگ بہت مشکل کام نہیں ہیں۔ صرف معمولی رہنمائی اور مشق کی ضرورت ہے۔ جب ہاتھ پر قابو حاصل ہو جاتا ہے تو دماغ بھی رفتہ رفتہ کھلنے اور تخیل اپنا فعل انجام دینے لگتا ہے۔ پردہ نشین لڑکیوں کے لئے اس فن کی کوئی مخصوص درسگاہ نہیں ہے۔ البتہ ولایت کی مراسلتی درسگاہوں سے جن کے مفصل حالات میں پچھلی مرتبہ لکھ چکا ہوں گھر بیٹھے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے البتہ کچھ انگریزی دانی کی ضرورت ہے۔

دستکاریاں - ان کی ایک طویل فہرست ہے جن سے عورتیں بوقت ضرورت اپنے لئے قوت لایموت پیدا کر سکتی یا ان کو فالتو وقت میں کچھ زائد آمدنی کا ذریعہ بنا سکتی ہیں۔ مثلاً بننا (Spinning Weaving) (لیس فیتے نواڑ وغیرہ)۔ کشیدہ کاری۔ دستانہ سازی۔ پیچک بنانا۔ چمڑے کا کام۔ جلد سازی۔ لکڑی اور ہاتھی دانت پر کھودنا۔ ٹوکری

(باسکٹ) بنانا۔ المختصر کوئی کام بھی شروع کیا جائے اُسی پہلے اچھی طرح تجربہ اور مشق سے قابو میں کر لیا جائے۔ بہت سی مفید دستکاریاں زنانہ درسگاہوں میں سکھائی جاتی ہیں۔ مگر ان سے تجارتی پیمانہ پر فائدہ اُٹھانے کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ ان کے متعلق پوری اور مکمل معلومات حاصل کر لی جائے۔ اور کسی تجربہ کار شخص یا مشاورتی ادارہ یا محکمہ سے مشورہ کر لیا جائے اس ضمن میں ایک ادارہ " جام جمشید آگرہ " کا ذکر نامناسب نہ ہوگا۔ یہ ادارہ ہر مرد عورت کو تجارتی، صنعتی و اقتصادی معاملات میں رائے دیتا ہے اور ہر قسم کے ضروری مراحل مثلاً خط و کتابت کرنا پتے ارسال کرنا مشین اور ضروری سامان ملنے کے ٹھکانے بتلانا یا منگوانا وغیرہ طے کرا دیتا ہے۔ ممبری کی فیس صرف تین روپیہ سالانہ ہے۔ مال کی نکاسی کے لئے اپنے صوبہ کے محکمہ صنعت و حرفت سے مدد لی جا سکتی ہے۔ وہ چھوٹے پیمانہ پر کام کرنے والوں کی ساختہ اشیاء فروخت کرا سکتا ہے۔ اس مقصد کے لئے محکمہ کی طرف سے بڑے بڑے شہروں میں اسٹور قائم ہو چکے اور ہو رہے ہیں۔ یہ محکمے خاص خاص حالات میں چھوٹے پیمانہ پر کوئی دستکاری شروع کرنے والوں یا موجودہ کام بڑھانے والوں کو مالی امداد بھی دیتے ہیں۔ مفصل حالات محکمہ متعلقہ یا دفتر جام جمشید آگرہ سے دریافت کئے جا سکتے ہیں۔ اس موقع پر میں اپنی بہنوں کو ایک مشورہ دیئے بغیر نہ رہوں گا۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ آجکل ہر کام میں شدید مقابلہ کا بازار گرم ہے لہذا مقابلہ میں وہی لوگ (خواہ مرد یا عورتیں) کامیاب ہو سکتے ہیں جن کی معلومات وسیع ہو۔ اور عقل و سمجھ سے کام لینا جانتے ہوں۔ اور ان کے کام میں کوئی ایسی خوبی یا جدت ہو جو اُنھیں اپنے ہمعصروں سے ممتاز کرتی ہو۔ جس کی بدولت وہ مقابلہ میں جم سکیں۔ اور یہ خصوصیت یا جدت خواہ کسی لحاظ سے ہو چیز کی نفاست میں یا قیمت میں جس سے بازار کا مقابلہ کرنے کی اُمید ہو سکت ہو علاوہ اس کے حالات بھی موافق ہوں۔ چیز بھی کوئی جدت کا پہلو لئے ہوئے ہو۔ اور ان کو چلانے کے لئے سرمایہ بھی موجود ہو۔ تب بھی آپ اُس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک آپ اس کام میں جس سے آپ تجارتی طور پر فائدہ اُٹھانا چاہتے ہیں کافی تجربہ یا کمال حاصل نہ کرلیں اور یہ چیز ایسی نہیں کہ ہر شخص کو آسانی سے حاصل ہو جائے بقول شاعر مشرق کے

جہاں بانی سے ہے دشوار تر کار جہاں بینی — جگر خوں ہو تو چشم دل میں ہوتی ہے نظر پیدا

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے — بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

سید رضا احمد جعفری اکبرآبادی

بقیہ صفحہ ۱۲۴ -

کسی قسم کی چکنائی مل کر بڑے پیڑے کی بیلی ہوئی روٹی بچھا کر اس پر تیار شدہ قیمہ وغیرہ پھیلائیے اور سطح کو برابر کر دیجئے۔ بریانی اور پلاؤ کے علاوہ سادا خشکا بھرنا ہو تو پہلے خشکا بچھا کر اوپر سے قیمہ کی تہ بچھائیے۔ اب اس کے اوپر چھوٹے پیڑے والی روٹی پھیلا کر کشتی کے چاروں طرف سے روٹی کے فاضل کنارے چھری سے کاٹ کر ہموار کر دیجئے۔ اور چاروں کناروں کو احتیاط سے چٹکی سے دبائیے۔ ورنہ پکنے میں کنارے کھلنے کا اندیشہ ہے۔ دبانے کے بعد کناروں پر چھری سے ہلکے ہلکے نشان لگائیے۔ اس عمل سے کنارے خوبصورت معلوم ہوں گے۔ پائی کے اوپر حل شدہ بچے ہوئے انڈے کا لیپ کر دیجئے اور اس پر ڈبل روٹی کا چورا چھڑک دیجئے۔ چھری یا کانٹے سے چار پانچ کچو کے بھی ساتھ ساتھ دیدیجئے۔ اب کشتی کو نمبی میں رکھ کر انگیٹھی پر پکنے کو رکھ دیجئے تیس منٹ میں پائی تیار ہو جائیگی۔ پندرہ منٹ کے بعد کشتی کا رخ بدلنا چاہئے آگ کا خیال رہے کہ کوئلے برابر جلتے رہیں پکنے کے بعد پائی سرخ ہو جائیگی۔ اس کے حسب پسند ٹکڑے کر لیجئے۔ میں عموماً ایک پائی کے سولہ ٹکڑے کرتی ہوں پائی مزیدار نرم اور خستہ ہوتی ہے

مسز ملک از بنارس

# پائی

قدرتاً انسان کی طبیعت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ ایک فضا میں رہنا پسند نہیں کرتا۔ بلکہ ادلتے بدلتے حالات میں زیادہ خوش و خرم رہتا ہے۔ اسی طرح زبان بھی نئے نئے ذائقے پسند کرتی ہے روزمرہ ایک ہی مزے اور ایک ہی قسم کے کھانے کھاتے دل خود بخود اُکتا جاتا ہے۔ چنانچہ زبان کا ذائقہ بدلنے کے لئے مناسب ہے کہ گاہے گاہے طرح طرح کے کھانے پکانے چاہئیں ذائقہ کے علاوہ کھانوں کی شکل و صورت بھی مختلف ہو تو سونے پہ سہاگہ۔ یہ واقعہ ہے کہ نئی قسم اور نئی شکل کے کھانے سامنے آتے ہی بھوک میں زیادتی محسوس ہوتی ہے جو ہر طرح مفید ہے۔ ظاہر ہے کہ جو خوراک شوق اور خوشی سے نوش کی جائیگی وہ لازمی طور سے جزو جسم ہوگی اور اچھا نتیجہ پیدا کرے گی۔ ہندوستانی کھانوں کے علاوہ اگر ہم دوسری قوموں کے کھانے نہ صرف کھانے بلکہ پکانے اور پیش کرنے کے طریقے بھی سیکھیں تو علاوہ زبان کے ذائقہ کے اور بھی کئی فائدے ہیں۔ دوسری قوموں سے میل جول بڑھتا ہے اور ان کی معاشرت کا کچھ نہ کچھ علم بھی ہوتا ہے۔ پھر یہ کہ دعوتوں میں خوش ذائقہ اور نئی قسم کے کھانے مہمانوں کے سامنے پیش کرنے سے میزبان کو گونہ مسرت حاصل ہوتی ہے۔

پائی (اسے تاتاری زبان میں پیروک کہتے ہیں۔) ایک تاتاری کھانا ہے جسے انگریزی میں پائی ہی کہہ سکتے ہیں۔ پائی ہمیشہ تیمپی میں پکائی جاتی ہے۔ یہ لوہے کی پتلی چادر کا خانہ دار چھوٹا سا بکس ہوتا ہے جس میں دو سے لیکر تین تک لوہے کی پتلی چادر کی کشتیاں اوپر تلے رکھ سکتے ہیں انھیں کشتیوں پائی پکائی جاتی ہے ایک کشتی میں صرف ایک ہی پائی پکتی ہے۔ تیمپی کا صرف سامنے ہی کا رخ کھل سکتا ہے اور اسی رخ پر اندر کی پکی پکی چیز دیکھنے کے لئے شیشہ لگا ہوتا ہے اوپر اور دونوں پہلوؤں میں حرارت کی کمی بیشی کے لئے کھلنے اور بند ہونے والے سوراخ ہوتے ہیں۔ پائی پکانے کے لئے تیمپی کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ تیمپی میں پڈنگ۔ کیک مرغ مسلّم مچھلی وغیرہ بڑی آسانی سے پکتی ہیں۔ یہ ہر ڈیپارٹمنٹ اسٹور میں ملتی ہے۔ اور دن بدن اس کا استعمال ترقی کر رہا ہے۔ ایک کشتی میں ایک پائی پکانے کے لئے مندرجہ ذیل سامان کی ضرورت ہے:۔

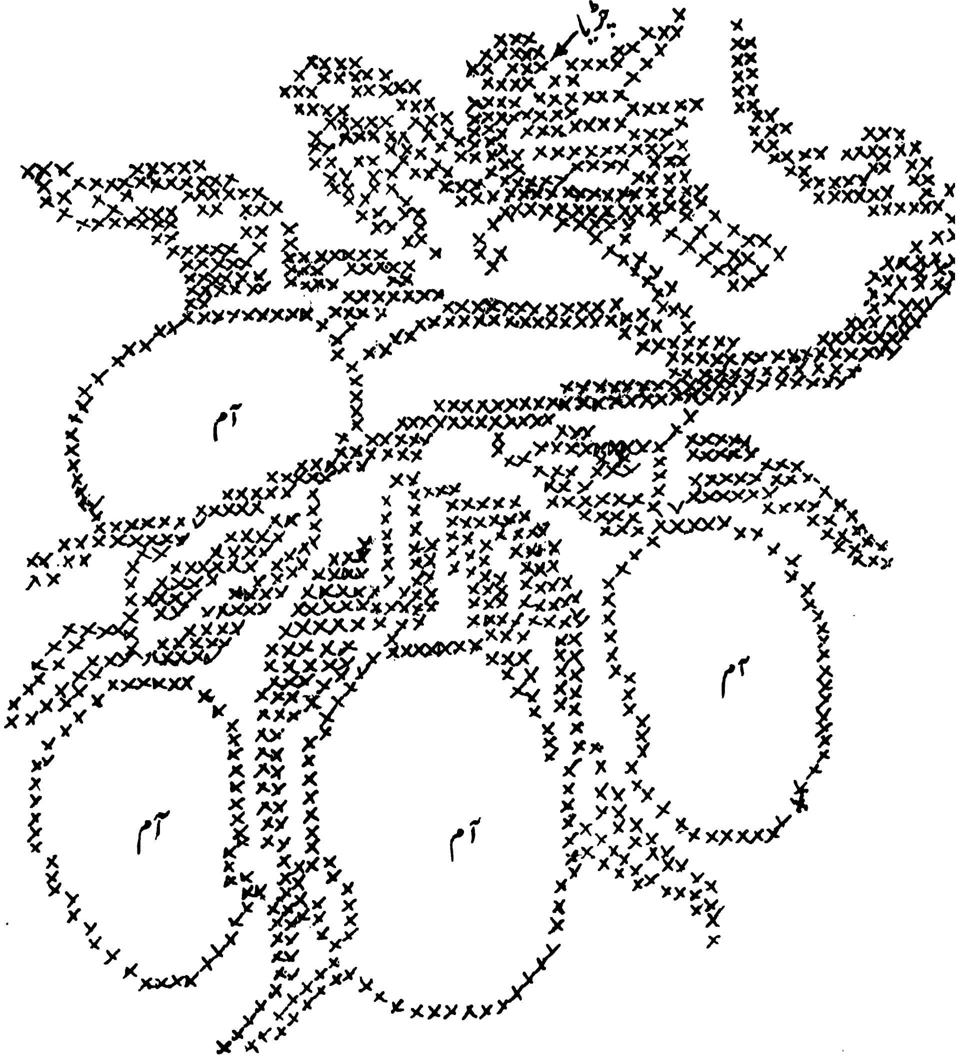
سامان:۔ تیمپی مع دو یا تین کشتیوں کے۔ بھاری انگیٹھی۔ چکلا بیلن۔ صاف جھاڑن۔ چھری۔ میدہ یا آٹا ڈیڑھ پاؤ۔ انڈے دو۔ دودھ چائے کی آدھی پیالی۔ نمک چائے کا ایک چمچہ۔ شکر چائے کا ایک چمچہ۔ عمدہ قسم کا بغیر بو کا تیل یا گھی۔ ڈیڑھ چھٹانک۔ بیکنگ پاؤڈر یا سوڈا بائی کارب چائے کا آدھا چمچہ۔ ڈبل روٹی کا باریک چورا میز کا بڑا چمچہ۔

ترکیب:۔ گائے یا بکری کے ڈیڑھ پاؤ قیمے کو معمولی طریقے سے گھی اور مسالہ ڈال کر سادا پکائیے۔ یا حسب پسند ترکاریاں ڈال کر مثلاً ٹماٹر۔ مٹر۔ آلو۔ سیم کی پھلیاں۔ میتھی کا ساگ وغیرہ بغیر کانٹوں کی مچھلی۔ بریانی۔ پلاؤ۔ غرض یہ کہ پائی کے اندر یہ سب چیزیں بھر کر پکائی جاتی ہیں۔ میٹھی پائی پکانی ہو تو بجائے قیمہ وغیرہ کے پھلوں کے مربے بھر کر پکاتے ہیں۔

اول دودھ کو نیم گرم کرکے اس میں نمک شکر اور حل شدہ انڈے ملا دیجئے۔ حل شدہ انڈوں میں سے ایک چمچہ کے قریب باقی رکھئے۔ بعد ازاں تیل یا گھی گرم کرکے اس مرکب میں ملائیے۔ اب اس مرکب میں دو تین دفعہ کرکے میدہ ڈالئے اور گوندھنا شروع کریئے۔ اگر میدہ سخت ہو تو نیم گرم پانی ڈالئے۔ اور خوب گوندھیئے۔ میدہ زیادہ سخت ہو اور نہ نرم۔ بلکہ درمیانی۔ اب گندھے ہوئے پیڑے کے چھوٹے بڑے دو پیڑے بنائیے اور کشتی کے مطابق بیلئے۔ کشتی میں

[illegible]

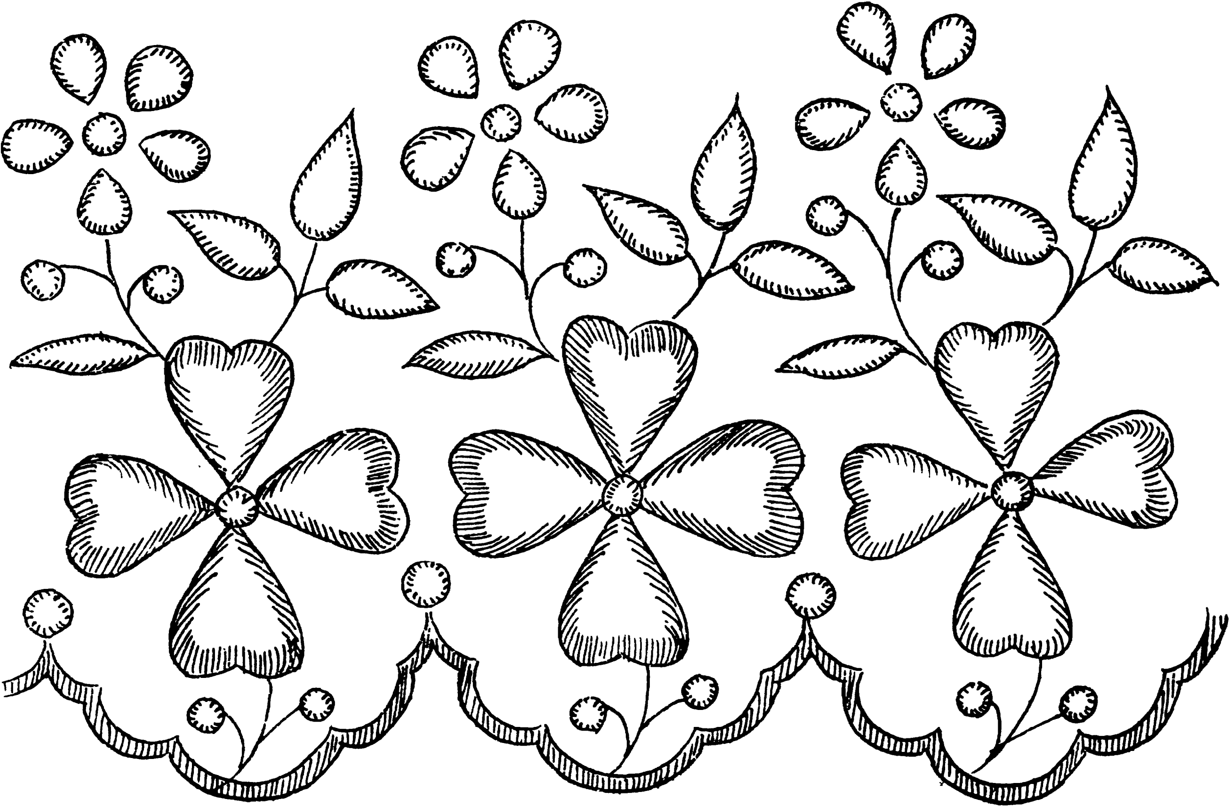
# کراس اسٹچ میں آم کی ایک ڈالی



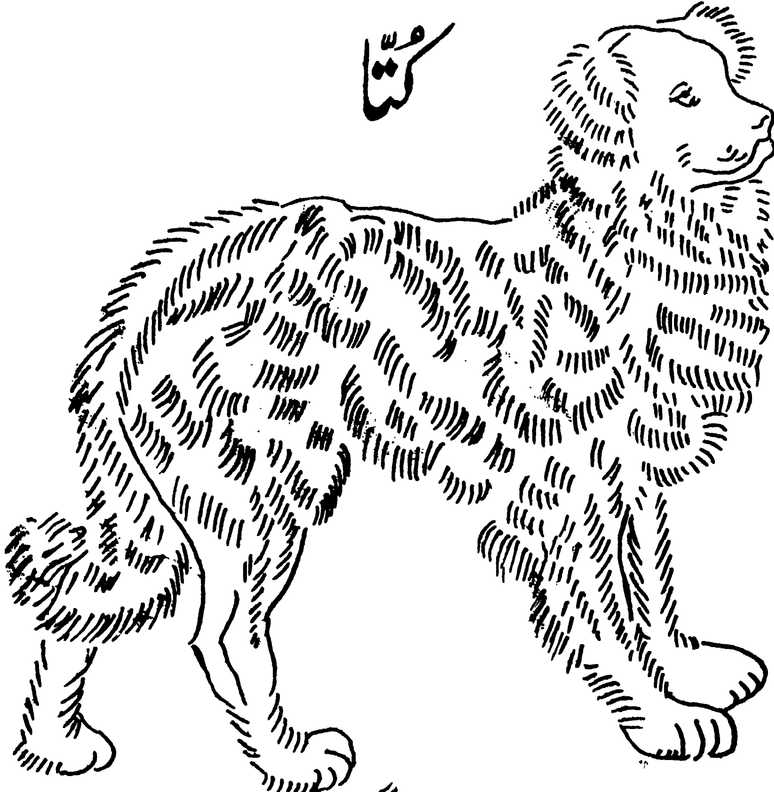

سنجیدہ اشرف

## گھیر

قمیص کے گھیر پر اس بیل کو بٹن ہول اسٹیچ سے بنائیے - دھاگہ ڈی - ایم - سی نمبر ۱۲ یا ۲۰ استعمال کیجیے - گھیر کے علاوہ جس چیز پر بنانا چاہیں اس بیل کو بنا سکتی ہیں - قمیص کے گھیر پر اگر درمیانی کپڑا قطع نہ کیا جائے - جب بھی اچھا معلوم ہوگا - آر - کے درخشاں (بجنور)



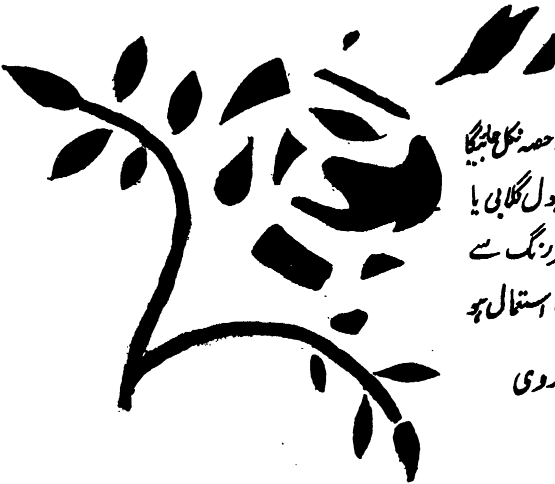
# کُتّا



ضیاء بیگم بنت کے۔ ایم عبدالستار صاحب

# اسٹینسلنگ

## گلاب



کالی لکیروں سے چاروں طرف کاٹیں۔ بیچ کا کالا حصہ نکل جائیگا اور خالی نظر آئے گا۔ پھر جس پر چھاپنا ہو رکھ کر پھول گلابی یا پیازی رنگ سے اور پتیاں ڈالی سبز رنگ سے چھاپیے۔ رنگ و برش اسٹینسلنگ ہی کا استعمال ہو

ضیاء کاکوروی

# خانہ داری

جس میں سنگھار و آرائش بھی شامل ہے

## سنگھار کا طریقہ

سنگھار کا شوق ہو تو ضروریات کا بھی خاص خیال رکھنا چاہیئے۔ ہونٹوں پر روژ لگانے کے لئے اونٹ کے بالوں کا ایک ننھا سا برش۔ زیادہ پوڈر لگ جائے اُسے دُور کرنے کے لئے چھوٹا نرم بالوں والا برش۔ بالوں کے لئے کنگھی اور برش ضرور میز پر ہوں اور پھر میز کے لئے روشنی کا خاص انتظام ہونا چاہیئے۔

روشنی کی خرابی سنگھار کے بگڑنے کا باعث ہوجایا کرتی ہے۔ بنیادی کریم یا پوڈر یا بنیادی روژ۔ لپ سٹک اور پوڈر وغیرہ کے رنگ خراب روشنی کی وجہ سے خراب ہوجایا کرتے ہیں۔ بہت زیادہ لگ گیا۔ یا کافی سے بھی کم لگا۔ ایسا عموماً ہوجایا کرتا ہے۔ سب سے بہتر تدبیر یہ ہے کہ دو کھڑکیوں کے بیچ میں سنگھار کی میز رکھیں جہاں روشنی اچھی آتی ہو۔ نہ اتنی ہو کہ آنکھوں پر غالب آجائے نہ اتنی کم ہو کہ آنکھوں پر زور پڑے۔ یعنی ہموار اور برابر روشنی پڑے۔ آنکھوں میں چکا چوند ہرگز نہ آنے پائے۔ سنگھار کرتے وقت روشنی آنکھوں میں براہ راست نہ آئے۔ ورنہ وہ سنگھار کرتے کرتے تھک جائینگی مصنوعی روشنی رکھی ہو تو شیشہ کے ایک طرف رکھیں۔ اس سے آنکھوں کو تکلیف نہ ہوگی۔ روشنی پھیلی ہوتی اچھی رہتی ہے اگر ان باتوں میں کچھ مشکل پیش آئے تو آئینہ کھلی کھڑکی میں لے جاکر رکھیں اور سنگھار دیکھ لیں کہ ٹھیک لگا ہے یا نہیں۔

ہونٹوں پر روژ لگاتے وقت برش کا استعمال کریں۔ لپ سٹک یا اُنگلی سے یہ کام اچھی طرح انجام نہیں پاتا یا چھول پر ان سے وہ خم نہیں آنے پاتا جس سے جوانی ٹپکتی ہے۔ پوڈر کے برش سے پوڈر زیادہ نہ لگنے پائے گا۔ پوڈر چہرے پر کبھی نہ ملیں۔ اس سے بنیادی پوڈر یا کریم ہٹ جائیں گی۔ اور اس مقام پر لگا ہوا پوڈر بعد میں پھٹ جائیگا یا آٹا اُڑا معلوم ہوکر بدنمائی پیدا کرے گا۔

سر میں کنگھی روز اور خوب کرنا چاہیئے۔ یہ ٹھیک نہیں کہ آج برش کیا کل کم کیا پرسوں ندارد۔ جو بھئے بہت زیادہ کیا۔ کنگھی یا برش کرنے سے بال عمدہ مضبوط اور چمکدار ہوجاتے ہیں جلد سفید نہیں ہوتے۔ بالوں میں بریلی اینٹین Brilliantine کے ذریعہ چمک پیدا کرنا ایک کمزور طریقہ ہے۔ کنگھی یا برش کرنے سے قدرتی تیل بالوں میں نکل آتا ہے۔ اس سے ان میں چمک آجاتی ہے۔ بال۔ جلد۔ ناخن۔ ابرو روزانہ دیکھ بھال کے محتاج ہیں سنگھار کا بہتر انتخاب اور عقل سے کازمیٹک کا استعمال حسن کے ضامن ہیں۔

## حسن و جوانی

سنگھار کا زیادہ شوق اور پوڈر و کریم کا جا و بے جا استعمال جہاں نامناسب ہے وہاں جوان بننے اور ہشاش بشاش رہنے کی ترکیبوں سے خواہ مخواہ بیزاری بھی کچھ درست نہیں۔ ۴۴ سال کی عمر ہو۔ رنگ روپ اس عمر میں ایسا نہیں رہتا کہ آدمی بالکل بڈھا ہی بن جائے۔ یوں تو جوان عمر کی لڑکیاں بھی اس قدر مردہ دل ہوجاتی ہیں کہ جوانی اُن کے پاس بھی پھٹکتی نظر نہیں آتی۔ عمر چھپائے تو چھپ سکتی ہے۔ دل جوان ہو تو بڑھاپا مدت تک ٹل سکتا ہے۔ ایک ۴۴ سال کی عورت کو شکایت ہے کہ میرا رنگ تو بدستور اچھا ہے۔ مگر میری ناک پر مساموں کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ پھیلیں سی معلوم ہوتی ہیں۔ جلد پر شکنیں نظر آنی لگی ہیں۔ اور گردن کے گوشت پر بڑھاپا برسنے لگا ہے۔ میں نے آجکل

کے بناؤ سنگھار کی کبھی پروا نہیں کی بلکہ میں اس مصنوعی حسن وزیبائش کو نفرت سے دیکھتی رہی ہوں۔ مگر مجھے اب سنگھار کے آگے سر جھکانا ہی پڑیگا۔ سنگھار کے فن کا ایک ماہر کہتا ہے کہ اس عورت کو ۴۰ کی بجائے ۱۴ سال کی عمر سے حسن و آرائش کا خیال کرنا چاہئے تھا لیکن ۴۴ سال کی عمر میں کچھ ایسی دیر نہیں ہو جاتی کہ سنگھار بے اثر ہو جائے۔ ہر رات کو کچھ وقت اس بی بی کو سنگھار کے کام میں صرف کرنے چاہئیں۔ صاف کرنی والی کریم cleansing cream جلد تازہ کرنے والی skin freshner یا جلد کو کھینچنے والی astringent اور پٹھوں کی کریم tissue cream جلد پہ استعمال کرنی چاہیے۔ ہدایات ان کے ساتھ آتی ہیں۔ ان کے مطابق عمل کیا جائے۔ اس طریقہ سے کل مہاسے دُور ہو جائیں گے اور جلد نرم اور گردن کی جلد کی سطح ملائم و ہموار ہو جائیگی۔ اس عمر میں جوان بننے کے نسخے بہت اہم ہیں تدابیر اختیار کرکے عمر اصلی سے کئی سال کم دکھائی جاسکتی ہے ذرا سا پوڈر روژ اور لپ سٹک اس مقصد کے لئے بہت کارآمد ثابت ہوں گے۔

جن کی جلد چکنی ہوتی ہے انھیں یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ان کا سنگھار اور میل کچیل دُور کرنے کے لئے صاف کرنے والی کریم سے چکنی جلد اور خراب ہوتی ہے۔ اور چکنائی میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ غلط خیال ہے کہ ایسی کریم سے پرہیز کرنا مفید رہتا ہے۔ جلد میں گھل کر جذب ہو جانے والی کریم سنگھار میل کچیل یا جلد کا بیکار روغن دور کرنے میں بیحد کارآمد ہے۔ لیکن بہت چکنی جلد کے لئے یہ نہایت ضروری بات ہے۔ کہ صاف کرنے والی کریم پانی اور صابن سے خوب دور کردی جائے۔ اور بعد میں خوب پانی چھڑکا جائے۔ اس کے بعد جلد کسنے والی دوا لگائی جائے۔

**افکار کا نتیجہ** ایک ماہر اجسام نے کہا ہے کہ جس غم کا اظہار آنسو سے نہ ہو سکے اس کی وجہ سے دوسرے مدارج و اعضا رو یا کرتے ہیں۔ تھکن۔ بخار حساسی اور کم خوابی کا لازمی نتیجہ اعصابی خرابی ہے۔ اور پھر معدہ اپنا کام کرنا چھوڑ دیتا ہے یہ شکایت کام ہے۔ علامات کو کوئی سمجھ کے ان کی تشریح نہیں کرتا اور بظاہر مریض کا کوئی بُرا انجام نہیں ہوتا۔

مالی فکر و غم اعصابی بدہضمی کا خاص سبب ہے ان کے لئے دوا یہی یہ ہے کہ دو چار پیسے زیادہ مل جائیں تو وہ خوش ہیں ورنہ پژمردہ اور غمزدہ رہتے ہیں۔ ان کے لئے دوا یا غذا تجویز کرنا کس قدر غلط تدبیر ہے۔ ان کا علاج ہی روپیہ ہے۔ جن کی زندگی کم آمدنی کے رنج میں گذرتی ہے انھیں ہمیشہ درد انفرا درد سر اور دوسری اسی قسم کی شکایات رہا کرتی ہیں ایسے لوگوں کا علاج یہ ہے کہ وہ اپنے حدود میں رہیں۔ جس قدر کام اُن سے ہو سکے اُس پر قناعت کریں۔ اور زیادہ کی آرزو نہ کریں۔ کار دنیا کسے تمام نکرد اپنے حال پر صبر کریں اور خوش رہیں کام کاج کے بعد آرام کرنا بڑا ضروری ہے۔ عورتیں بال بچوں کے رکھ رکھاؤ اور خانگی بھاگ دوڑ کی وجہ سے بڑی چڑچڑی ہو جاتی ہیں۔ علامات یہ ہیں کہ بچوں کو ذرا ذراسی بات پر کوسنا کاٹنا۔ کوئی ملنے والی آئے تو ذرا سی دیر بات کر چکنے کے بعد سے کاٹنے کو دوڑنا۔ میاں کو ٹیڑھی ترکھی سناتے رہنا ایسی بیبیوں کو سوچنا چاہئے کہ ان باتوں سے وہ اپنی ہی صحت کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑتی ہیں انھیں صبر و سکون سے کام کرنا چاہئے اور کام کر چکنے کے بعد جسمانی اور ذہنی آرام ضرور لینا چاہئے۔ بہت سے افکار بہت معمولی اور خلاف عقل ہوتے ہیں شروع میں ان سے دست بگریبان کار عظیم معلوم ہوگا۔ مگر بہت جلد ان پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

**گرمیوں کی احتیاطیں** کھلی کھڑکی کے پاس سر کے بال برش یا کنگھی سے صاف کریں بالوں کو لٹوں میں تقسیم کریں ایک دو ہفتہ تک یہ عمل جاری رکھیں بال خشک رہتے ہوں تو تیل ڈال کر ملیں اور بعد میں کھلی سے مل مل کر نہالیں سر میں بفاہر گزنہ رہنے دیں وہ اس عمل سے خود بخود جاتی رہے گی۔

چہرہ اور گردن خوب صاف کریں - اور پھر کوئی جلدی غذا تھپک کر جلد میں جذب کریں اس سے پٹھوں کو قوت حاصل ہوگی
جلد کی اس سے زردی جاتی رہے گی اور سفیدی پیدا ہوگی - گردن، کندھوں اور آنکھوں پر خاص توجہ رکھیں - جلدی غذا اگر
اچھی ہے تو وہ آسانی سے لگائی جا سکتی ہے اور ہلکی ہوتی ہے - پندرہ بیس منٹ تک اسے لگا رہنے دیں - بعد میں حریری کاغذ
سے باحتیاط پونچھ ڈالی جائے - بازار میں اچھے اچھے لیپ بکتے ہیں - آپ وہ منگائیں جو جلد میں تحریک پیدا کرنے اور اسے
جوان بنانے میں پیش پیش ہوں کافی وقت تک اسے لگائے رکھنے کے بعد یہ ہٹا دیا جائے اور جلد کو قوت پہنچانے والی
دوا Skin tonic تھپک دینی چاہیئے - اس سے پٹھوں میں جان آتی اور مساموں میں نفاست پیدا
ہوتی ہے - ہاتھوں کا خاص خیال رکھیں گرمیوں میں جلد کھردری اور ناخن سخت ہو کر ٹوٹنے لگتے ہیں - پرچ میں شیرگرم روغن
بادام ڈالیں اور دس منٹ تک پوروے اس میں ڈبوئے رکھیں یہ عمل ہفتہ میں دو تین دفعہ کریں اور پھر ہفتہ وار جاری رکھیں
وہ ملائم اور صاف ہو جائیں گے -

ٹانگوں کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے - برش کو صابن کے شیرگرم پانی میں ڈبو ڈبو کر ان پر ملیں - چند منٹ
ملنے کے بعد انھیں خشک کرکے فوراً ہی شیرگرم روغن بادام کی مالش کریں - ایک ہفتہ تک - ہفتہ میں چار بار
یہ عمل عجب معجزنمائی کرے گا -

پاؤوں کا بھی خیال ان دنوں رکھا جائے - کپڑے ایسے پہنے جائیں جو ہلکے پھلکے اور دل کو خوش کرنے والے ہوں
انھیں پہن کر بدن میں پھرتی اور توانائی آئے - اور جی اچھلنے اترانے کو چاہے -

## خانگی ٹوٹکے

جن کپڑوں کا رنگ کچا ہو نمک اور سرکہ ان کے لئے خوب کام دیں گے - آدھی مٹھی نمک یا سرکہ کا ایک چھوٹا گلاس
شیرگرم پانی میں ڈال کر کچے رنگ کا کپڑا دھوئیں رنگ نہ کٹے گا -

ریشمی جرابوں کو دھونے کے بعد سکڑی ہوئی حالت میں نہ سکھایا جائے - کسی تولیہ میں لپیٹ کر ان کا پانی نچوڑ دیا جائے پھر
آہستہ آہستہ ان کی صورت درست کر دی جائے - اپنر سرد یا گرم استری ہرگز نہ کی جائے
ریشمی جرابوں کو الٹ کے نئی ہی حالت میں پنجے اور ایڑی کی طرف اس طرح رفو کریں کہ تاگے باہر نظر نہ آئیں ریشم جراب
کے ہی رنگ کا استعمال کیا جائے - انگشتانہ انگلی میں پہن لینا چاہیئے یا کوئی دستانہ چڑھا لینا چاہیئے - کیونکہ سخت
اور کھردری جلد یا تیز یا ٹوٹے ہوئے ناخنوں کی وجہ سے تاگہ ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے -
ریشمی جرابیں ہمیشہ صابن کے چھلکوں کے شیرگرم پانی میں دھوئیں - آخری پانی میں ذرا سا سرکہ ملا لیں تاکہ رنگ قائم رہے
بالوں کا برش نرم پڑ جائے تو کھولتے ہوئے پانی میں بال خوب دھوئیں - پانی میں امونیہ بڑا چمچہ بھر ڈال دیں - اس کے بعد ٹھنڈے
پانی میں نمک کی بڑی ڈلی گھولیں - برش چند بار اس میں ڈبوئیں اور ہوا میں سوکھنے کے لئے رکھ دیں -
کیتلی میں پانی بھر کے سہاگہ کی دو چمچیاں ڈال دیں اور پاؤ گھنٹہ ابلنے دیں - پیندے میں جو سفید سفید کھپرے جم جاتے ہیں دور ہو جائیں گے
سفید روغن کو صاف کرنے کے لئے پیاز اچھی چیز ہے - پیاز اس قدر نکالیں کہ پھر کس نکل آئے - اب اس پانی سے روغنی چیز کو دھوئیں -
اس کے ساتھ صابن دل چاہے تو استعمال کریں ورنہ نہیں -
آنکھ میں کوئی ذرہ گھس جائے تو بڑی پیاز کو چھیل کر آنکھ کے سامنے کریں تاکہ خوب پانی بہنے لگے ذرہ اس پانی کے ساتھ نکل جائیگا

محمد ظفر

# سیر بین

## نئی لڑکیوں کی آزادی

مس ڈبلیو این کاکس پرنسپل کوین میری کالج نے روٹری کلب لاہور میں آج کل کی لڑکیوں کے متعلق ایک زبردست تقریر کی کہ عموماً وہ شادی کرنا نہیں چاہتی - اس کا جواب یہ ہے کہ وہ شادی تو کرنا چاہتی ہیں - مگر ایسے شخص سے شادی کرنے سے وہ گھبراتی ہے جس سے وہ مطلق واقف نہ ہوں سائنس اور موجودہ تعلیم نے ہندی سوسائٹی میں کوئی نئی بات پیدا کر دی ہے - اس نئے زمانہ کے حالات کے مطابق ہمدردی سے لڑکیوں کے معاملات پر غور کرنا چاہیئے - نظر انداز کرنا، اعتراض کرنا یا مذاق اڑانا کسی طرح زیبا نہیں آج کل کی لڑکی کی کیفیت اور اس کا مذاق یہ ہے کہ اُسے لباس کا شوق ہے اور خوش دل رہنا چاہتی ہے - تعلیم اُس نے اپنی لئے ضروری سمجھ لی ہے - وہ سوسائٹی میں اپنے لئے جگہ حاصل کرنے کی خاطر کافی حقوق مانگتی ہے - اس کا دل آرزوؤں سے بریز ہے - اور کچھ کر کے دکھانا چاہتی ہے - وہ اپنی صورت شکل کا خیال رکھتی ہے - اُسے کھانے پینے کا ایسا خاص شوق نہیں - گذشتہ نسل کے مقابلہ میں وہ کم جھگڑالو ہے - بیڈ - منٹن - ٹینس - تیراکی - تاش - ناٹک میں ایکٹ کرنا - بُننا - کاڑھنا - تصویر کھینچنا - پڑھنا - لکھنا - اس کے شوق میں داخل ہیں - معترضین کہتے ہیں کہ وہ کھانا پکانا نہیں جانتی - خانگی امور سے غفلت برتتی ہے - لباس کا خاص شوق رکھتی ہے - اور خراچ ہے - اس میں کچھ صداقت ہے - لیکن اس کی وجوہ موجود ہیں - مرد اس کا بہت کچھ ذمہ دار ہے وہ اس کے لئے باورچی خانہ اچھا مہیا نہیں کرتا جس میں وہ ہنسی خوشی کھانا پکا سکے - شادی کرنے سے پہلے وہ یہ تو ٹٹول کرتا ہے کہ لڑکی خوبصورت اور نفیس مزاج ہو اور جب بیوی ان امور کا خیال کرتی ہے تو اُس پر اعتراض کیا جاتا ہے - حالانکہ معلوم ہونا چاہیئے کہ پر اچھے ہوں تو پرندے بھی اچھے معلوم ہوتے ہیں - ایک بڑی مشکل یہ ہے کہ ہر موقع پر اُس کی آرزوؤں کو ٹھکرایا جاتا ہے - وہ کام کرنا چاہتی ہے - اُسے کام نہیں کرنے دیا جاتا - خیالات میں بھی تصادم ہے - آج کل کی لڑکی مختلف جگہ - مختلف معیار اور خیالات کا اظہار پاتی ہے - ایک لڑکی مدرسہ میں تھی کہ کانوں میں بالیاں اور کلائیوں میں زیور پہن کر کیوں آئی اور گھر پر اُسے لعن طعن ہوئی کہ اُس نے زیور پہننا کیوں چھوڑ دیا - اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اُسے اس قسم کی پابندیوں ہی سے نفرت ہو گئی ہے - ان باتوں سے اُس کا دماغ اور اعصاب ایک قسم کے تشنج میں مبتلا ہو جاتا ہے - امتحانوں کا بھی اُن پر بڑا بوجھ ہے ناکامی بے آبروئی سمجھی جاتی ہے اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ فیل ہونا اچھی جگہ شادی کرنے میں حارج ہوگا - آخر میں فاضل مقررہ نے آج کل کی لڑکیوں کی مستعدی کی تعریف کی۔

## بڑوں کے توہّم

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ کمزور دل و دماغ کے لوگ توہمات کا شکار رہا کرتے ہیں - مگر واقعات اس کی تردید کرتے ہیں - بڑے بڑے آدمی توہمات کا شکار رہے ہیں - حالانکہ وہ اپنے اپنے ماحول میں اس قدر نام روشن کر چکے ہیں کہ اُن کے متعلق خیال بھی نہیں آسکتا کہ کسی قسم کا توہم ان کے قریب بھی پھٹک سکتا ہے ڈاکٹر جانسن جس نے انگریزی لغت لکھی ہے وہ جس جگہ جاتا سیڑھیاں گنتا جاتا تھا تاکہ گھر کے اندر ہمیشہ دایاں پاؤں رکھا جائے - ایک راستہ میں جب اُسے جانے کا اتفاق ہوتا وہ ہر لالٹین کے کھمبے کو چھوتا جاتا - اُس کا اعتقاد تھا کہ اگر اُس نے ایسا نہ کیا تو اس پر کوئی مصیبت ٹوٹ پڑے گی

روبن سٹین روس کا ایک بہت عمدہ پیانو بجانے والا جمعہ بائیرکو ہرگز سفر نہ کرتا تھا - بسمارک ہمیشہ ۱۳ کے ہندسہ سے ڈرتا تھا - ایک اطالوی گویا میربو بہت وہمی تھا وہ ہر ایسے ہندسے سے ڈرتا تھا جو ان دو ہندسوں سے بنا ہو - مثلاً ۱۳ - اُسے ایک دفعہ اپنے ایک بچہ کی تدفین کے لئے فرانس جانا پڑا - وہ فرانس میں مہینے کی ۱۳ - تاریخ کو پہنچا - جہاز کے کمرہ کا نمبر ۱۳ تھا جس گاڑی میں سے جانے کا اتفاق ہوا اُس کا نمبر بھی ۱۳ تھا - اور جب اُس کے بچہ کی لاش کے لئے صندوق کھولا گیا تو اُس پر بھی ۱۳ کے ہندسے کا کاغذ چپکا ہوا تھا - اس پر اس ۱۳ کے وہم نے اس قدر قبضہ جما لیا تھا کہ جب وہ ایک جگہ گانے کے لئے گیا اور اُس نے کمرہ پر جہاں اُسے گانا تھا ۱۳ کا ہندسہ دیکھا - حالانکہ اُسے بڑی رقم ملی تھی مگر اُس نے اندر جانے سے بالکل انکار کر دیا۔

نپولین بھی اس کا شکار رہتا - اُسے مصر کی خبروں کا انتظار رہتا تھا - اُسے معلوم ہوا کہ ایک کشتی دریائے نیل کے کنارے پر چڑھ گئی - اور اُس کے سب ملاح وغیرہ قتل کر دیئے گئے - کشتی کا نام "لا اٹلی" تھا - اُسے یہ نام معلوم کرکے اس قدر فکر ہوا کہ اُس نے صاف کہہ دیا کہ اٹلی پر قبضہ جمائے رکھنا محالات سے ہے - اُسے بہتیرا سمجھایا گیا - اُس نے جواب دیا کہ میرے وہم باطل نہیں ہوتے - میری فتح خاک میں مل گئی - عجیب بات یہ ہے کہ اس معاملہ میں اس کا وہم صحیح نکلا۔

میری اینٹواینٹ شہنشاہ فرانسس والیٔ آسٹریا کی بیٹی تھی - وہ فرانس کے بادشاہ لوئی شش دہم کی ملکہ بن گئی - فرانسیسی عیش ونشاط کی وہ جان بن گئی - اس سے اس کے خلاف حقارت ونفرت پھیل گئی - ایک ادنیٰ سی بات پر اُسے ایک زبردست وہم ہوا ورسیلز کے محل میں ایک آئینہ تھا - اُس میں اُس نے اپنا دھڑ بلا سر کے دیکھا - آئینہ کچھ اس قسم کے شیشہ کا تھا کہ آدمی کا عکس اس طرح پڑتا کہ دھڑ نظر آتا - سر نظر نہ آتا - حالات نے اُسے پہلے ہی بیمار ڈال رکھا تھا - اس وہم نے اس پر اور بھی بُرا اثر کیا اُسے یقین ہو گیا کہ اُس کا انجام بد ہونے والا ہے - اُسی زمانہ میں ایک اور عجیب شگون اُسے پیش آیا - لباس پہنتے وقت چار شمعیں کسی وجہ کے بغیر یکے بعد دیگرے گل ہو گئیں - ملکہ مبہوت رہ گئی - بعد میں پتہ چلا کہ چار شمعیں ایک ہی سانچے میں ڈھلی تھیں - ایک بتی کے نقص نے اُن کو گل کر دیا تھا - انقلاب فرانس میں اُس پر بڑی مصیبتیں آئیں - مگر اُس نے بڑی ہمت سے ان کا مقابلہ کیا - جب جلاد اُسے قتل کرنے مقتل میں لے گیا تو اُس نے بڑی دلیری سے بڑھ کر ٹکٹکی پر سر رکھ دیا - اور جلاد نے ایک ہی وار میں اُسے علیحدہ کر دیا -

## جاپانی ماما کی پابندیاں

صبح کے کھانے کے وقت ماما کو گھر کے سامنے جھکنا اور سلام کرنا پڑتا ہے - جب وہ کھانا کھاتی ہے خواہ اکیلے میں یا گھر والوں کے ساتھ جیسا کہ غریب گھروں میں عموماً دستور ہے تو وہ کھانا شروع کرتے سے پہلے کہتی ہے - کہ آپ کی اجازت سے - اور کھا چکنے کے بعد کہتی ہے آپ نے خوب مزے دار کھانا دیا - دن کا کام ختم کر چکنے کے بعد وہ کہتی ہے کچھ اور کام ہو تو بندی حاضر ہے -

جب آقا یا مالکہ باہر جائے تو وہ دروازہ تک جاتی ہے - اور واپسی پر اُن کا استقبال کرتی ہے - جب اُن میں سے کوئی باہر جائے تو وہ بیٹھ جاتی ہے اور جھک جاتی ہے اور کہتی ہے کہ خیریت سے جائیے - اور خوش خوش واپس آئیے - یعنی باہر کام پر جانے کی دعا بھی ساتھ ہوتی ہے - کھانا یا اخبار یا کوئی اور چیز دیتے وقت اُسے گھٹنوں کے بل کھڑا ہونا پڑتا ہے - اور اُس وقت بھی جب وہ کچھ آ کے کہے یا حکم دے جواب میں اُسے ہئے کہنا پڑتا ہے - جس کے معنی ہیں کہ سمعنا واطعنا -

جب اُسے حکم دیا جائے تو اُسے کھڑے کھڑے یا کام کرتے ہوئے حکم سننا سخت بدتمیزی سمجھی جاتی ہے۔ اُس کے ہاتھ میں کچھ ہو تو اُسے فوراً زمین پر رکھ دینا چاہیئے۔ ایک بات کا اور اُسے خیال رکھنا پڑتا ہے کہ آقا یا مالکہ کے سامنے نہ کپڑے بدلے نہ بال بنائے۔

## حیوان انسان

ہنوور سے ۲۵ میل پرے ایک آدمی پکڑا گیا۔ جو ننگا تھا اور اپنے ننگے پن پر اُسے ذرا بھی شرم نہ آتی تھی۔ وہ بڑی تیزی سے درخت پر چڑھ کر ایک شاخ سے دوسری شاخ پر کود جاتا تھا۔ شاخوں سے لٹکتا آدمی کو دیکھ کر پتوں میں دبک جاتا۔ درختوں کے پھل اور کچے جانور کھا کر گذارہ کرتا۔ وہ ایک دن پکڑا گیا۔ اُسے شاہ جارج کے سامنے لے گئے۔ اُسے ایک کھیت پر رکھا گیا۔

وہ ۱۷۸۵ء میں ۷۰ سال کی عمر میں مرگیا۔ مرتے دم تک اُس نے بولنا نہ سیکھا۔ البتہ پیٹر اور جارج دو لفظ اُس نے بولنے سیکھے۔ جب موسم بدلنے لگتا وہ بُری طرح چلّایا کرتا وہ بستر پر نہ لیٹتا کونے میں زمین پر لیٹ کر سو جاتا۔ قد میں ۵ فٹ تھا وہ آدمی سے نہ ڈرتا تھا۔ بلکہ اُن سے ہل گیا تھا۔ کتے کی طرح وفادار تھا۔

وہ کئی دفعہ کھیت سے بھاگ گیا اور ایک دفعہ سکاٹ لینڈ میں ملا۔ اُسے کپڑے پہننے سے نفرت تھی۔ اُسے چمکدار چیزیں پسند تھیں اور شیشہ کو ٹھوکے لگا کے خوش ہوتا تھا۔ وہ دیکھنے میں آدمی تھا مگر ذہنی لحاظ سے ایک پالتو جانور تھا۔

## مُردوں سے کام

لغت میں زومبی کے معنی ایک بے روح کی انسانی لاش لکھے ہیں۔ جو قبر سے اُٹھا کے جادو کے زور سے چلتی پھرتی کی جائے۔ اور اس میں آثار زندگی پیدا کر دیئے جائیں۔ وہ لاش ہی ہوتی ہے جسے چلایا پھرایا جاتا اور اس سے اس طرح کام لیا جاتا ہے گویا وہ زندہ ہے۔ آپ اس کو لغو اور فضول بات کہیں گے۔ مگر مس زورا ہرسٹن نے اپنے مشاہدات اپنی کتاب ووڈو دیوتا میں لکھے ہیں۔ ایک زومبی کو اُس نے خود دیکھا اور چھوا ہے۔ وہ لکھتی ہے کہ میں نے اس کے گلے میں ٹوٹی پھوٹی گڑگڑاہٹ سنی ہے۔ اور میں نے اس کی تصویر بھی لی ہے۔ یہ مشاہدہ اسے ہیٹی (جزائر غرب الہند) میں ہوا۔ بات یہ ہے کہ کوئی چاہتا ہے کہ اُسے کوئی باربرداری کا جانور ملے۔ کسی کو مرنے والے سے انتقام کا خیال ہوتا ہے۔ قبرستانوں کی دیکھ بھال کی جاتی ہے۔ اور موزوں لاشوں کو قبروں میں سے اُٹھا لیا جاتا ہے۔ بعض لوگ تو پہلے ہی سے مضبوط آدمیوں کو تاک لیتے ہیں۔ جن کو مرنے کے بعد مصنوعی طریقوں سے زندہ کر لیا جاتا ہے۔ دواساز لوگ اس کام میں ماہر ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ دوائی دینے کا کام کرتے ہیں گویا وحشی اقوام کے ڈاکٹر ہیں۔ یہ شخص شام کے بعد کچھ رسوم کر کے گھوڑے پر اس طرح سوار ہوتا ہے کہ اس کا منہ گھوڑے کی دُم کی طرف ہوتا ہے۔ وہ آفت کے مارے شکار مطلوب کے دروازے پر جا کر کواڑ کی درز پر اپنے ہونٹ رکھ کر اس شخص کی رُوح چوستا ہے اور واپس چلا جاتا ہے۔ فوراً ہی وہ غریب مطلوب بیمار ہو جاتا ہے۔ عموماً سر میں درد شروع ہوتا ہے اور چند گھنٹوں میں مر کے رہ جاتا ہے۔ اس کے دفن کئے جانے کے بعد ڈاکٹر قبرستان میں جاتا اور قبر کھول کر مُردے کو اُس کے نام سے پکارتا ہے۔ وہ جواب دیتا ہے۔ اُسے قبر کے اندر سے باہر آنے کو کہتا ہے۔ وہ آ جاتا ہے۔ قبر بند کر دی جاتی ہے۔ یہ شخص زومبی بن کر دن رات کام کرتا ہے۔ اسے تکلیف و تھکن کا مطلق ہوش و احساس نہیں ہوتا۔ نہ اُسے اپنی پہلی حالت کی کچھ یادداشت ہوتی ہے۔

## پھلجھڑیاں

جرمنی عورتوں کو زیادہ بااولاد ہونے کی مختلف طریقوں سے ترغیب دے رہی ہے۔ فرانس میں بھی یہی ہو رہا ہے

پیرس میں زیادہ اولاد والوں کی نمائش کی گئی۔ اس میں ۱۹ سالہ خوبصورت عورت پیش ہوئی۔ جس کے چھ بچے ہو چکے ہیں۔ جن میں سے چار زندہ ہیں۔ بائیس اور بھی عورتیں پیش ہوئیں۔ جو کثرت اولاد سے ملک کی خدمت انجام دے رہی ہیں۔ ان میں سب سے بڑی ۳۰ سال کی ہے۔ اور اکثر کم عمر ہیں۔ ان ۱۲ عورتوں کے ڈیڑھ سو بچے ہیں۔ ایک ۳۰ سالہ عورت کے ۱۱ بچے ہیں اور ایک ۲۸ سالہ عورت دس بچوں کی ماں ہے۔

امریکہ میں ایک ۱۷ سالہ شادی شدہ لڑکی بڑی نادر انداز ہے۔ اس کی گولی کا نشانہ ذرا بھی نہیں چوکتا۔ اس کا شوہر ڈاکو تھا۔ جس کو مار ڈالنے کے بعد ۴۸ گھنٹوں کے اندر اندر اس لڑکی کو گرفتار کر لیا گیا۔ وہ اپنے ریوالور سے بڑی پھرتی سے کام لیتی ہے اسے اس کی ایک ملنے والی نے پھنسوایا۔ وہ دبلی پتلی جوان خوبصورت سفید بالوں کی لڑکی ہے۔ پولیس کو بنکوں کی لوٹ مار اور چند قتلوں کے سلسلے میں دونوں میاں بیوی کی ضرورت تھی۔

اٹلی میں ایک مرغی پانچ سال سے روزانہ دو زردیوں کا انڈا دے رہی ہے۔ انڈے لمبوترے ہیں۔ وہاں کے مبصروں نے اس مرغی کو زیر مشاہدہ رکھا ہے۔

ریاستہائے متحدہ امریکہ میں ایک شخص نے ایک آہنی آدمی بنایا ہے۔ جو بجلی کے ذریعہ چل پھر سکتا ہے۔ سگرٹ پینا۔ باتیں کرنا اور اپنی انگلیوں پر دس تک گن سکتا ہے۔ اس کا مظاہرہ کیا گیا۔ اس نے اپنے موجد کی دو دفعہ سرتابی کی۔ جب اسے بانہہ اٹھانے کو کہا گیا وہ پیچھے کو چلنے لگا۔ اور جب اسے رکنے کا حکم دیا گیا تو برابر چلے گیا۔ موجد کو بجلی کی رو بند کرنی پڑی۔ موجد نے اس نافرمانی کی وجہ یہ بتائی کہ یہ بالکل انسانی خصلت کا ہیولہ ہے۔ اگر تم اس سے درشت خصلت سے بات نہ کرو تو وہ تمھارا کہا کیوں کرے۔

اپریل کے وسط میں پشاور میں ایک ۶۰ سالہ افغان آیا جس کے بال سب سفید ہیں۔ اس نے کہا کہ وہ ۱۸ سال سے بالکل نہیں سویا۔ اسے تمباکو پینے کی زیادہ عادت تھی۔ اس لئے اسے نیند نہ آنے کی شکایت ہو گئی۔ کسی علاج نے اسے فائدہ نہیں دیا۔ اور وہ ایران گیا جہاں اسے دعاؤں کے ذریعہ آرام ہو جانے کا اعتقاد ہے۔

ترکی کی آبادی میں ۱۲ سال کے عرصہ میں ۴ لاکھ کا اضافہ ہو گیا ہے۔ ۱۹۲۳ء میں آبادی ۱۳۶۴۸۰۰۰ تھی۔ اب ۷۸۲۹۰۰۰ ہے۔

کھجور کے پتے بہت بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ جنوبی امریکہ کے دریائے امیزن کے کنارہ پر راناجا کھجور کے پتے ۳۰ فٹ سے ۵۰ فٹ تک لمبے اور ۱۰ سے ۱۲ فٹ تک چوڑے ہوتے ہیں۔ لنکا میں ایک کھجور ہوتی ہے جس کے پتے ۲۰ فٹ لمبے اور ۱۸ فٹ چوڑے ہوتے ہیں۔ وہاں والے ان کے خیمے بناتے ہیں۔ بارش سے ان کے ذریعہ بڑی حفاظت ملتی ہے۔ دوسرے ناریل والی کھجور کے پتے اکثر ۳۰ فٹ لمبے ہوتے ہیں۔

امریکہ کی ریاست ہائے متحدہ کے شوہر اپنی علیحدہ ہوتی ہوئی بیویوں کو تقریباً دو ارب ۹۵ کروڑ روپیہ سالانہ گذارہ کے طور پر ادا کرتے ہیں۔ ۵ ارب ۸۰ کروڑ روپیہ کے قریب وکیلوں اور طلاق علیحدگی اور دیگر شادی کے مقدمات کے اخراجات میں صرف ہوتا ہے۔ بہت سے شوہر بچارے ان بیویوں کے اخراجات ادا نہ کرنے کے باعث جیلوں میں پڑے سڑا کرتے ہیں۔ حالانکہ ان عورتوں میں سے بیشتر مکرر شادی کر چکی ہیں۔

ایک چینی مصنفہ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ عورت ماں بن کے ہی اپنے اعلیٰ جوہر دکھاتی ہے اور اپنے بلند رتبہ پر پہنچتی ہے جو ماں بننے سے گریز کرے اس کی شان اور متانت جاتی رہتی ہے اور اندیشہ ہے وہ کھلونا نہ بن جائے میرے نزدیک بچہ والی ماں ماں ہے۔ بچے ہونے سے عورت کی شان اور عزت بڑھتی ہے جس بیوی کے بچہ نہ ہو اس کی وقعت کچھ نہیں ہوتی۔

محمد ظفر






LUX

# بزمِ عصمت

بزمِ عصمت میں صرف وہی خطوط درج کیے جاتے ہیں جن میں نمبر خریداری کا حوالہ ہو (۲) خط بہت مختصر ہو۔ (۳) وہی استفسار نہ ہو جس کے جوابات عصمت میں پہلے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ (۴) رسالے کے انتظامی امور یا مضامین کے بارے میں کوئی بات نہ ہو۔ (۵) علیحدہ کاغذ پر روشن سیاہی سے لکھا ہوا ہو۔

ماہ اپریل ۱۹۳۹ء کے پرچہ عصمت صفحہ ۳۲۸ پر جو سفید بالوں کو سیاہ کرنے کا جو بے ضرر تیل ہے وہ اگر کسی بہن صاحبہ نے استعمال کیا ہو تو مہربانی فرما کر یہ تحریر فرمائیں کہ اس تیل سے کتنے دن میں بال سیاہ ہو جاتے ہیں اور کتنے دن تک بال سیاہ رہتے ہیں۔ نیز اس تیل سے دماغ اور آنکھوں پر تو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

کنیز خاتون — اجمیر

مجھ کو ایک پائیداری مشین جو سیونی بازار میں فروخت ہوتی ہیں ضرورت ہے وہ کہاں پر ملتی ہے اور اس کا کیا پتہ ہے۔ اس کی قیمت سے بھی اطلاع دیجئے تا زیست احسان مند رہونگی۔ کوئی بہن توجہ فرمائیں۔

خریدار عصمت نمبر ۴۳۳

۱۷ مئی کو عصمت کے لئے میں نے ایک افسانہ تیار کیا ارادہ تھا ۱۸ کو نظر ثانی کر کے پوسٹ کرا دونگی۔ لیکن کسے معلوم تھا کہ ۱۸ مئی کی صبح کو پیاری امی کی اچانک موت کی اطلاع بذریعہ تار ملے گی۔

امی مرحومہ کی بے وقت موت نے گھر کا نظام درہم برہم کر دیا ننھے ننھے بچے پیچھے رہ گئے ہیں۔ سب سے چھوٹا چھ سال کا بھی نہیں۔ دعا کریں بہنیں خدا صبر دے۔ اور ہماری امی کو بہشت میں جگہ دے۔ مرحومہ بہت سی خوبیوں کی مالک تھیں دوست عزیز سب روتے ہیں۔ اگر کوئی عصمتی شاعر یا شاعرہ قبر کے کتبے کے لئے عمدہ سے شعر لکھ دیں تو از حد نوازش ہوگی۔

مسز سکینہ عبید (بی۔اے)

افسوس صد افسوس میری پیاری والدہ کریم النساء صاحبہ ہم تینوں بہنوں (یعنی خورشید جہاں بیگم ہیڈ مسٹرس کنٹونمنٹ بورڈ گرلز سکول فیروزپور۔ اور غلام فاطمہ سحر گورنمنٹ ہائی گرلز سکول گوجرانوالہ اور دولت النساء ٹیچر وکٹوریہ ہائی گرلز سکول لاہور) کو ہمیشہ کے واسطے تڑپتا روتا چھوڑ کر ۹ مئی کو راہی ملک عدم ہوئیں۔ اس وقت ہم صرف تینوں بہنیں موجود تھیں۔ کیونکہ ہمارا کوئی بھائی نہیں ہے۔

کوئی عصمتی بھائی یا بہن قطعہ تاریخ وفات لکھ کر ممنون فرمائیں تاکہ اُن کے لوح مزار پر لکھا جائے۔ ایک روپیہ کی ناچیز رقم خیرات فنڈ کے لئے ارسال خدمت ہے۔

خورشید جہاں بیگم فیروزپور خریدار نمبر ۳۸۸

میں نہایت رنج و افسوس کے ساتھ یہ روح فرسا خبر عصمتی بہنوں کو سناتی ہوں کہ میری بڑی ہمشیرہ اہلیہ مولانا عبدالمجیب صاحب ناظم صفۃ الاسلام حیدرآباد مورخہ ۶ اپریل روز پنجشنبہ شب کے بارہ بجے راہی جنت ہوئیں۔ مرحومہ زچگی ہو کر چار روز ہوا تھا۔ شام کے ۴ بجے دل میں خفیف گھبراہٹ محسوس ہوئی۔ اور چند گھنٹے بعد دل کی حرکت بند ہو گئی۔ مرحومہ نے اپنی یادگار ننھی ننھی پانچ لڑکیاں چھوڑی ہیں۔ عصمتی بہنوں سے التجا ہے کہ مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔ دو روپیہ کی حقیر رقم نادار فنڈ کے لئے روانہ کرتی ہوں۔

امیر النساء بیگم ہمشیرہ محمد شیر علی خاں سب انسپکٹر پولیس

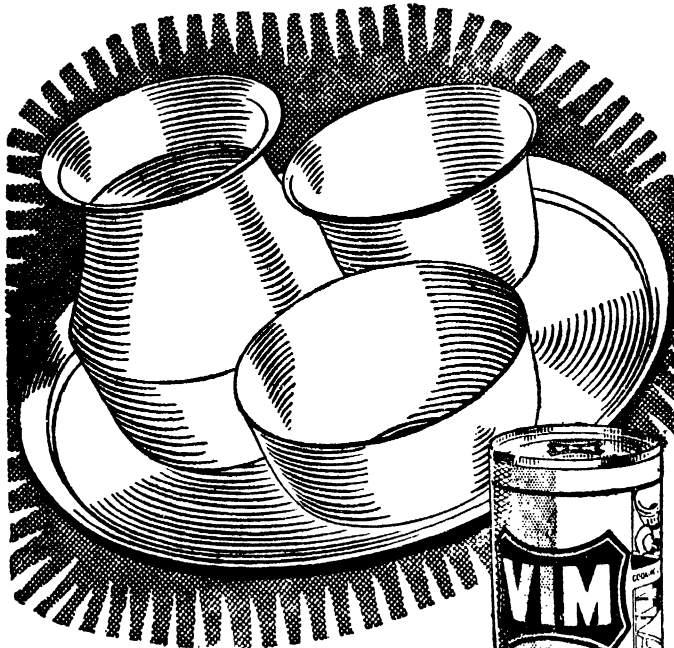
میں نہایت خوشی سے لکھتی ہوں کہ میری خالہ زاد بہن عابدہ سلطان جعفری و ساجدہ سلطان جعفری کی شادی بتاریخ ۱۲ مئی ۱۹۳۹ء بمقام منڈلہ بخیر و خوبی انجام پائی۔ عصمتی بہنیں ان کی سلامتی اور مسرت سے بہرہ اندوز

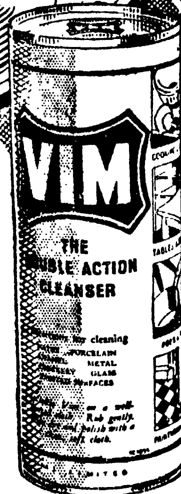
نقوی

# آپکے کھانا پکانے کے برتنوں پر جراثیم ہوسکتے ہیں

کھانا پکانے کے برتن راکھ یا ریت سے شاذ و نادر ہی پورے پر صاف ہوتے ہیں۔ ایسے نامکمل طریقے سے سطح کھردری ہوجاتی ہے اور قریباً ہر مرتبہ اِن کھردری جگہوں خوراک کے چھوٹے چھوٹے ذرات باقی رہ جاتے ہیں۔ یہ **خطرناک** ہے۔ کیونکہ یہ ذرات سڑ کر دُوسری خوراک کو زہریلا بنا دیتے ہیں۔ جن برتنوں میں آپ کھاتے ہیں

لہٰذا اپنے کنبہ کی صحت کی ایسی سڑی ہوئی خوراک کے اثرات سے حفاظت کیجئے اور تمام برتن وِم سے صاف کریں۔ وِم خوراک کا ہر ذرہ نکال دیتی ہے اور آپکے برتن نئے کی مانند چمکیلے ہوجائینگے نیز اِن چوب اور روغنی سامان منہ ہاتھ دھونے کے برتن۔ غسلخانہ اور ٹائیلز وغیرہ کیلئے بھی وِم پوری طرح صاف کرنیوالا ہے۔ کیونکہ وِم ایسی ہمواری سے صاف کرتا ہے کہ سطح بالکل کھردری نہیں کرتا۔






# وِم

کھانا پکانے کے برتنوں کو تندرستی بخش رکھتا ہے

LEVER BROTHERS (INDIA LIMITED) X-V 375-172—UD

# دوربین

**ترکی بچوں کی پرورش** ترکی میں ایک نیا جوش پایا جاتا ہے۔ اس کا نصب العین یہ ہے کہ جنگ عظیم میں جو مقبوضات اس کے ہاتھ سے نکل گئے ہیں اُنہیں رفتہ رفتہ دوبارہ حاصل کیا جائے۔ جنگ جوئی کا جوش بچوں تک میں سرایت کر گیا ہے۔ بارہ سال کے بچوں نے ایک نئی تحریک جاری کی ہے وہ سو ڈیڑھ سو کی تعداد میں جمع ہو کے لوگوں سے چندے وصول کرتے پھرتے ہیں اور کہتے ہیں ہوائی جہازوں سے حکومت کی مدد کرو۔ جب یہ بچے کسی مکان یا دوکان میں پہنچتے ہیں تو لوگ انہیں دیکھ کے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان کی آؤ بھگت کرتے ہیں اور دل کھول کر انہیں چندہ دیتے ہیں اگر کوئی چندہ دینے سے انکار کر دے تو یہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں کہ یہ ترک نہیں کسی اور ملک کا باشندہ ہے اگر کوئی دوکاندار چندہ دینے میں تامل کرتا ہے تو وہ اُس کی دوکان سے کوئی چیز اُٹھا لیتے ہیں کہ آٹھ روز میں چندہ دیدو ورنہ اس چیز کو فروخت کر کے چندہ میں جمع کر لی جائیگی۔ ان کی ان باتوں کا کوئی بُرا نہیں مانتا انھوں نے ۲ ماہ میں اس قدر چندہ جمع کر لیا ہے کہ ایک ہوائی جہاز آسانی سے خریدا جا سکتا ہے۔

**سیاسی حالات** اس مہینہ میں خود بخود جرمنی کی پیشقدمی رک گئی۔ اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ برطانیہ اور فرانس نے اس بڑھتے ہوئے خطرہ کو دیکھ کے ذرا کلبلانا شروع کیا اور جنگی تیاریوں میں شدت اختیار کر لی اور ترکی اور روس سے گفت و شنید کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ترکی سالہا سال سے جرمنی کا حلیف رہا ہے مگر جرمنی کے نئے عہد حکومت اور طرز وسعتِ سلطنت نے ترکی کے بھی کان کھڑے کر دیئے اُس نے دیکھا کہ یہ قیصر کی شجاعت کا زمانہ نہیں یہاں وقت اور رنگ کو دیکھ کر بات کی جاتی ہے۔ جرمنی کی روش کا اب اعتبار نہیں چنانچہ ترکی نے زبردست جنگی طیاریوں کے علاوہ انگریزوں سے ایسا معاہدہ کر لیا جس سے اُسے ضرور فائدہ پہنچے گا۔ روس سے برطانیہ کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا مگر اس کا اثر عبرت انگیز جرمنی اور اٹلی پر پڑا۔ فرانس نے اسکندرونہ وغیرہ ترکی کو واپس کر دیا اس طرح پندرہ برس کا یہ جھگڑا ختم ہو گیا۔ سلطان ابن سعود کا ایلچی ہٹلر سے ملا اور اس کے ساتھ اُس نے چا‌ء پی اور دیر تک گفتگو کی۔ پتہ نہیں چلا کہ کس قسم کی گفتگو ہوئی۔ ترک روس سے بھی معاہدہ کرنے والے ہیں اور روسی ریل تعمیر کرنے والے ہیں جس کی فوجیں آسانی سے آ جا سکیں۔ اس وقت دس لاکھ مسلح ترک فوج ایک منٹ میں میدان جنگ میں آ سکتی ہے۔ ۱۵ لاکھ فوج بعد میں مہیا کی جا سکتی ہے

جرمنی نے یہ دیکھ کے کہ انگریز کا روس سے معاہدہ نہیں ہوگا سلاوکیہ کی طرف گھورنا شروع کر دیا ہے اور خیال یہ ہے کہ اگر برطانیہ نے تدبر کے ذریعہ کوئی جدید اقدام نہ کیا تو وہ ضرور اس ملک پر قبضہ کر لے گا۔ اور یہ بھی اندیشہ ہے کہ ڈینزگ بھی پولینڈ سے چھین لے۔

جاپان نے سواٹو ایک بندرگاہ پر قبضہ کر کے ہانگ کانگ کی حالت کو اور نازک کر دیا جاپان نے چین کی زبردست ناکہ بندی کر دی ہے اور انگریزوں پر بھی عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے۔

بحیرۂ روم میں جرمنی اور اٹلی کو اقتدار حاصل ہو چکا ہے۔ اب جرمنی نے جبل الطارق کو بیکار کر دینے کے لئے ہسپانوی مراکش میں زبردست قلعہ بندی شروع کر دی ہے۔

ترکی نے اپنے کارخانوں پر ٹیکس لگا دیا ہے جس سے سال بھر میں دو کروڑ پونڈ آمدنی ہوئی۔ یہ رقم جدید فوج پر خرچ کیجائیگی ایران نے بھی دس لاکھ فوج جدید آلات سے مسلح بالکل طیار کر رکھی ہے۔

**زبردستی کی شادیاں۔** ہٹلر نے جرمنی میں ایک نیا قانون نافذ کیا ہے کہ ہر کنواری کارخانوں اور کھیتوں میں کام کرے

سیالکوٹ کے قریب ایک بجاری نے ایک ہندو کو کہا کہ اگر تم ایک لڑکا لکشمی دیوی کی بھینٹ دو تو تم بہت جلد مالدار ہو جاؤ گے اُس کی بہن اپنے ہمسایہ ڈاکٹر کا ایک ۱۱ سالہ لڑکا اپنی گود میں لے آئی۔ ہندو نے اسے نہلایا۔ پھولوں کے ہار پہنائے اور ماتھے پر صندل کا ٹیکہ لگایا اور چند دیگر رسوم ادا کیں۔ اور اُس کا سر اڑا کے اسے اپنے گھر میں گاڑ دیا۔ لڑکے کے والدین بچہ کو تلاش کرتے رہے۔ آخر پولیس نے پتہ لگایا۔ اور قربانی کرنے والوں کو گرفتار کر لیا۔

گوجرہ کے ایک سات سالہ ہندو لڑکے نے اپنے ہم جماعت ۹ سالہ لڑکے کے سینہ پر جبکہ وہ اپنی ماں کے ساتھ بازار میں لکڑیوں والے کی دوکان پر کھڑا تھا یہ کہہ کے چاقو سے حملہ کیا کہ تونے مجھے مدرسہ میں مارا میں تجھے مارتا ہوں۔ اُس نے چاقو اُس کے سینہ میں گھونپ دیا۔ لڑکا ایک چیخ مار کے ختم ہوگیا۔ اس لڑکے کو پولیس نے پکڑ لیا۔

بمبئی یونیورسٹی کے انٹرنس کے امتحان میں باپ بیٹی دونوں بیٹھے۔ باپ فیل ہوگیا بیٹی پاس ہوگئی۔ باپ اسمبلی کے انتخاب میں کھڑا ہوا تھا لیکن کامیاب نہ ہوسکا اس کے بعد اُس نے انٹرنس کے امتحان کے لئے تیاری کرنی شروع کردی۔

ڈاکٹر مس ابوشہ مریکار ٹراونکور کی پہلی مسلمان خاتون ہیں جنھوں نے ایم بی بی ایس کا امتحان پاس کیا اور ڈاکٹر مقرر ہوئیں انھیں لاہور میں مسلمانوں نے چاء کی دعوت دی۔

۱۹۳۸ء میں ۲۳۶۶ کتابیں چھپیں۔ ۱۹۳۷ء کے مقابلہ میں ۳۰۷ زیادہ چھاپی گئیں۔ اردو میں ۱۰۱۳ کتابیں شائع ہوئیں۔ ہندی میں ۲۲۴۔ گورمکھی میں ۲۱۳ اور اردو حروف کی پنجابی میں ۳۱۷ کتابیں چھپیں۔ انگریزی ۲۵۵ کتابیں چھپیں۔ سال گذشتہ کے مقابلہ میں بہیں زیادہ شائع ہوئیں۔

حکومت صوبجات متحدہ زنانہ مدارس ابتدائی کے لئے ایک ہزار اُستانیاں بھرتی کرے گی حکومت پنجاب نے دو ماہ میں گاؤں میں ۱۸۰ زنانہ مدرسے کھولنے کا فیصلہ کیا ہے، خبر ہے تعمیری اخراجات کے علاوہ ۷۵۳۰۰ روپیہ خرچ آئیگا تربیت یافتہ اُستانیاں نہ مل سکنے کا حکومت کو کھٹکا ہے اسی لئے ارادہ کیا گیا ہے کہ غیر تربیت یافتہ اُستانیاں بھی رکھ لی جائیں گی۔ بشرطیکہ وہ گاؤں میں جاکر رہیں اور اپنا کام دل سے کریں۔

حکومت پنجاب نے رہتک اور کرنال کے زمینداروں کو آبیانہ کا ۵۸۹۵۶ روپیہ معاف کر دیا ہے۔

لاہور میں نائب تحصیلدار بیوی سمیت بالائی منزل میں سو رہا تھا کہ چور پہنچا اُس نے کلائی سے سونے کا کڑا اُتار لیا جس کی قیمت ۱۲۰ روپیہ بتائی جاتی ہے۔ فوراً ہی عورت کی آنکھ کھل گئی۔ اُس نے شور مچایا مگر چور مفرور ہوچکا تھا۔

خیال کیا جاتا ہے کہ شاہنشاہ معظم ۱۹۴۰ء کے موسم سرما میں ہندوستان تشریف لائیں گے۔

لاہور کے نزدیک ایک چلتی ہوئی لاری کی کھڑکی سے ایک مسافر باہر جھانک رہا تھا کہ دوسری طرف سے ایک لاری آئی جس سے اس کا سر ٹکرایا اور وہ تھوڑی دیر بعد مر گیا۔

سرونٹ آف انڈیا سوسائٹی نے پہلی مرتبہ ایک خاتون کو سوسائٹی کا ممبر بنایا ہے اس کا نام مس گوداوری گوکھلے ہے۔

ترکی میں لڑکیوں کی شادی کے موقع پر لڑکیوں کو جہیز دینے شادی کے تحفے پیش کرنے اور برات میں پانچ سے زیادہ گاڑیوں کی شرکت پر سزائیں مقرر کر دی گئی ہیں۔

معلوم ہوا ہے کہ جنرل عصمت انونو صدر جمہوریہ ترکیہ عنقریب لندن تشریف لے جائیں گے

# مضمون نگاران عصمت اور اُن کے مضامین

## اکتیسواں ۳۱ سال - از جولائی سنہ ۱۹۳۸ء تا جون سنہ ۱۹۳۹ء

**(۱) اڈیٹر**

چند باتیں سالگرہ نمبر
تیسویں سال کے مضمون نگار "
مضامین کا شمار "
خاتون اکرم عصمتی انعامات "
چند باتیں اگست
چند باتیں ستمبر
طلاق اور خلع ستمبر
چند باتیں نومبر
کمال اتاترک کا انتقال دسمبر
عصمت انو نو دسمبر
چند باتیں جنوری
مولانا شوکت علی مرحوم جنوری
سید ہمایوں مرزا کا انتقال "
تیسری برسی فروری
قانون خلع اپریل
چند باتیں جون
نئی کتابیں "

**(۲) آر کے درخشاں بجنور**

کونڈ ستمبر
خوبصورت کونڈ دسمبر
لیول ورک کا نمونہ اپریل

**(۳) آفتاب بیگم (شملہ)**

روئی کی بطخ دسمبر

**(۴) انیس امیر (حیدرآباد دکن)**

آسان فوٹوگرافی سالگرہ نمبر
کتابوں کا انتخاب اگست

**(۵) ایس - کے صغرا بیگم**

سبزمادیہ (کلکتہ)
کنجوس (افسانہ) سالگرہ نمبر

**(۶) افضل النساء (سندھ)**

برادران اسلام سے اکتوبر
سب سے بڑی نیکی اپریل

**(۷) ایس - بی طاہرہ (پشاور)**

ابوبکر صدیق رضؓ سالگرہ نمبر
نصیحت مارچ

**(۸) آئی - این (بی - اے)**

میرے خواب مئی

**(۹) ام زہرہ ہاشمی (بدایوں)**

سالگرہ نمبر کی دو تاریخیں سالگرہ نمبر
سال نو کا ترانہ (نظم) جنوری
اپنے محسن اعظم کی یاد (") فروری
ایک جواں مرگ کی یاد میں (") مئی

**(۱۰) نور جہاں سراج (اورنگ آباد)**

فخر عصمت نظم سالگرہ نمبر
برسات " اگست
پس منظر " نومبر
پیشکش امام مظلوم " مارچ
نغمۂ نعت " مئی

**(۱۱) اختر بانو**

مفید مشورہ اپریل

**(۱۲) امت الوحی (دہلی)**

رسمی پردہ دسمبر
عصمتی بہنوں سے جون

**(۱۳) امت الحفیظ (جالندھر)**

سبز ترکاریوں کی غذائیت ستمبر
شلجم کا آچار اکتوبر
شامیچ مارچ

**(۱۴) آمنہ نازلی (دہلی)**

بچوں کی سوسائٹی سالگرہ نمبر
میتھی کا ساگ دسمبر

**(۱۵) ایس - ایف صاحبہ**

زندگی کی کشتی نومبر

**(۱۶) اعجاز فاطمہ**

معاشرت صحابیات ستمبر
صحابیات مارچ

**(۱۷) بدر النساء**

آشوب چشم مارچ

**(۱۸) بیگم ڈاکٹر جعفر علی (آگرہ)**

غم کی رسیں سالگرہ نمبر

**(۱۹) بیگم متین احمد (ورگ)**

خلع نومبر

**(۲۰) بیگم محمد یامین قریشی (شملہ)**

سویڈن ناروے کے امورخانہ داری اپریل
خواتین مصر مئی

**(۲۱) بلقیس جمال (بریلوی)**

اتاترک کا آخری پیغام اپریل

**(۲۲) ب - ن ابراہیم (مدراس)**

ہندوستانی نوکر اکتوبر
خواب پریشاں "
ماؤں کے لئے لمحۂ فکر دسمبر
کراس اسٹچ کی بطخیں "
دنیا کسے کہتے ہیں فروری
امتا مارچ
کنمباڑی "
قرآن عبیداللہ سلمان اپریل
چور (افسانہ) "
جسونتی (") مئی

**(۲۳) بیگم نذیر حسین (مدراس)**

مظلوم (ڈراما) ستمبر
بال نومبر

**(۲۴) بی بی سکینہ**

بیٹی کے نام باپ کا خط دسمبر

**(۲۵) بیگم حکیم محمد عزیز خاں (مالاوم)**

ساون کا جھولا سالگرہ نمبر
موسمی بیماری اگست
آسیب دسمبر
مریضوں کی عام غلطیاں جنوری
پیدائش نباتات کی حکمت فروری
مریضوں کی عام غلطیاں مارچ

**(۲۶) بنی فاطمہ نقویہ**

ایک زنانہ تہوار کے گیت نومبر
ملک کا مکالمہ مارچ
ایک زنانہ تہوار کے گیت اپریل
ایک بری عادت مئی

**(۲۷) برجیسہ خاتون (رین بوری)**

اپلیک ورک جون

**(۲۸) جمیلہ بیگم (کلکتہ)**

دل کی بیماری ستمبر
نیند اور صحت اکتوبر
قاتل کون (افسانہ) نومبر
قاتل کون (افسانہ) دسمبر
ہندوستانی ریاستوں کی مسلم خواتین جنوری
کردستان وغیرہ کی خواتین فروری
چین کی لڑکیاں مارچ
دور جدید کی عورتیں اپریل
لینن کی تربت مئی
مادام کو جون

**(۲۹) جہاں بانو بیگم نقوی**

ایم - اے (حیدرآباد دکن)

ضبط سالگرہ نمبر
خرید و فروخت ستمبر
مرنے کا مرے وقت منفرد نہوا تھا (افسانہ) دسمبر

بچوں کیلئے پیشے کا انتخاب اپریل
" " جون

**(۱۱۷) (ڈاکٹر) سید ممتاز حسین**
ایم۔ بی۔ بی۔ ایس (لاہور)
بچے کی غذا سالگرہ نمبر
" ستمبر
بچوں کا خواب میں ڈرنا جنوری
مقوی دوائیں اپریل

**(۱۱۸) سید ابن حسن شارق**
بی۔ اے۔ بی۔ ٹی (گوالیار)
والدین کیا کریں سالگرہ نمبر
مسئلہ اجتہاد اپریل

**(۱۱۹) (پروفیسر) ستار خیری**
ایم۔ اے۔ (علیگڑھ)
یہ بیوی خوب گھر کرے گا سالگرہ نمبر

**(۱۲۰) سلام مچھلی شہری (فیض آباد)**
بھکارن نظم سالگرہ نمبر

**(۱۲۱) (ڈاکٹر) سید محی الدین**
قادری زور پی۔ ایچ۔ ڈی (حیدر آباد دکن)
نذر عقیدت فروری

**(۱۲۲) سید محمد احمد سبزواری**
ایم۔ اے (بھوپال)
ہندوستانی عورتوں کی قدیم معاشرت اگست

**(۱۲۳) سید ذاکر حسین مشہدی**
بحرین دسمبر
ازدواجی زندگی مارچ

**(۱۲۴) (مولانا) شوکت علی**
ایم۔ ایل۔ اے مرحوم
مسلمان بیٹیوں کے لئے میرا پیام سالگرہ نمبر

**(۱۲۵) شاہد احمد بی اے آنرس (دہلی)**
اجڑے دیار کی آخری صدا فروری

**(۱۲۶) شمیم احمد زبیدی بی۔ اے**
جیلی دسمبر

**(۱۲۷) صادق الخیری ایم اے (دہلی)**
ہمدم دیرینہ (افسانہ) ستمبر
نئی کتابیں اکتوبر
" جنوری
" مئی
" جون

**(۱۲۸) ضیاء احمد ضیاء**
آہ علامہ راشد الخیریؒ نظم فروری

**(۱۲۹) ظہیر الحق چشتی**
پردادا کا بھوت (افسانہ) دسمبر

**(۱۳۰) ظفر یاب حسین جام نوائی (بدایوں)**
زینت کاشانہ سے نظم اگست
یتیموں کا والی " دسمبر

**(۱۳۱) (مولانا) عبد الماجد**
دریابادی بی۔ اے (ایڈیٹر صدق)
طلاق و خلع اکتوبر
موت میں زندگی فروری

**(۱۳۲) عبد الرب صوفی**
امینہ خاتون نظم ستمبر
پردیسی باپ " فروری
سلام " مارچ
حیات طیبہ " اپریل

**(۱۳۳) (مولوی) عبد الغفار الخیری** (دہلی)
رجحان ستمبر
خلع اکتوبر
دنیا کدھر جا رہی ہے نومبر
دنیا میں جنت دسمبر
اسلام اور سیاست جنوری
یہودی اور فلسطین مارچ
تعمیر قوم اپریل
اجتہاد اور اسلام مئی
مولوی اور اسلام جون

**(۱۳۴) عابد مسیح بی اے (اسرونا)**
مفید باتیں فروری
متروکات کی بحث مارچ

**(۱۳۵) (مرزا) فرحت اللہ بیگ**
سخن جج (حیدر آباد دکن)
حکیم جی (افسانہ) مارچ

**(۱۳۶) لطیف الدین احمد**
(ل۔ احمد) آگرہ
پرستش خیال (افسانہ) اگست
مولانا راشد الخیری کے مضامین فروری

**(۱۳۷) لالہ جگجیون لال بھٹناگر**
بی۔ اے (نئی دہلی)

موازنہ (افسانہ) نومبر

**(۱۳۸) (مہا مہوپادھیائے) لچھمی دہر شاستری ایم۔ اے**
ایم۔ او۔ ایل (دہلی یونیورسٹی)
علامہ راشد الخیریؒ فروری

**(۱۳۹) محمد ظفر ایم۔ اے**
ایل۔ ایل۔ بی (گوڑگانوہ)
خانہ داری سیریز جولائی ۳۸ء
تا جون ۳۹ء ہر پرچے میں
دونوں مضمون)

**(۱۴۰) محمود اسرائیلی (بمبئی)**
اقربا کو خیرات دینے کا حکم نظم اکتوبر
درس حقیقت نظم جنوری
جاں نثار بیوی " مئی
توانا ہو جون

**(۱۴۱) معین الدین شمسی**
ایم۔ اے (دہلی)
سوکن (افسانہ) اپریل

**(۱۴۲) محوی صدیقی لکھنوی مدراس**
خاتون ہند سے نظم جنوری

**(۱۴۳) ملک سلمان الارشد بھوپال**
جاپان جدید کی خواتین جون

**(۱۴۴) مختار صدیقی**
کنائی میں ٹوکری ستمبر

**(۱۴۵) مفتاح الدین ظفر**
بی۔ ایس۔ سی (بارہ بنکی)
ذہانت کی پیمائش اگست

وار دہا اسکیم جنوری

**(۱۴۶) محمد احسن وکیل (بھوپال)**
اوراق پارینہ فروری

**(۱۴۷) نیاز فتحپوری ایڈیٹر نگار** (لکھنو)
مولانا راشد الخیریؒ کی انشا فروری

**(۱۴۸) نصیر الدین ہاشمی**
(حیدر آباد دکن)
خواتین کو امیر خسروؒ کی نصیحتیں سالگرہ نمبر
ڈاکٹر اقبال کے خطوط نومبر
دختران جامعہ عثمانیہ کی شاعری "
دور حاضرہ کی غیر عثمانی شاعرات "

**(۱۴۹) (صاحبزادہ) ولی احمد خاں**
ایم۔ اے (رجے پور)
ہندوستان کی اسلامی ریاستیں مئی

## متفرق

بزم عصمت جولائی ۳۸ء سے
جون ۳۹ء تک ہر پرچہ میں۔
نیک بیبیاں مارچ
آئس کریم جون
عصمت کی لاج سالگرہ نمبر
نادار فنڈ "
یاد رکھئے اکتوبر
" مارچ
نادار فنڈ "

# عصمتی دستر خوان کے علاوہ

## یہ کتابیں بھی شائع کی گئی ہیں

جو نئے ہاتھوں ہاتھ نکل رہی ہیں

**عصمتی ہنڈکلیا** یہ کتاب بچیوں کے لئے ہے تاکہ وہ شادی سے قبل کھانے پکانے کے فن میں ماہر ہو جائیں اور ایک کنواری بچی کو جو کچھ جاننا چاہیے عملی طور پر اس سے واقف ہو جائے۔ سوا سو کھانوں کی صحیح صحیح ترکیبیں بچیوں ہی کے مطلب کی درج کی گئی ہیں پھر خوبی یہ کہ کھانے پکانے کے متعلق نہایت مفید مضامین اور کارآمد ہدایتیں درج کی گئی ہیں جو ہر لڑکی کو ضرور جاننی چاہئیں۔ باتصویر ٹائیٹل قیمت صرف ۸؍

**ناشتہ** دوپہر اور رات کے کھانے سے قبل صبح اور تیسرے پہر کیا کیا ناشتہ کیا جاتا ہے۔ اس موضوع پر سب سے پہلی قابل قدر کتاب جس میں چاء۔ کوکو۔ شربت لسی، فالودہ، آئس کریم۔ بسکٹ۔ کیک۔ ٹوسٹ۔ کڑاہی وغیرہ وغیرہ نیز ہندوستان کے ہر صوبے اور ہر حصے کے مختلف قسم کے ناشتوں کی کئی کئی ترکیبیں ہیں گویا اس کتاب کی موجودگی میں جس حصہ ملک کا مہمان ہمارے ہاں آئے، اسی کے مطلب کی چیز ہم ناشتہ میں پیش کر کے محو حیرت کر سکتے ہیں۔ قیمت ۱۲؍

**بچوں کے کھانے** ننھے بچوں کے لئے اصول صحت سے کس قسم کی غذا دینی چاہیے۔ کون سے کھانے مفید ہیں اور وہ کس طرح تیار ہوتے ہیں اس موضوع پر بےنظیر کتاب جس میں بچوں کے صحت بخش اور مفید کھانوں کی کئی درجن تجربہ کی ہوئی صحیح ترکیبوں کے علاوہ کئی نہایت کارآمد مضامین بھی ملک کے قابل قابل ڈاکٹروں اور تجربہ کاروں کے لکھے ہوئے ہیں۔ باتصویر قیمت صرف ۸؍

**بیماروں کے کھانے** بیماروں کے لئے جو کھانے بہت مفید ہیں اس میں صرف انہی کی ترکیبیں ہیں۔ اور کئی قابل تجربہ کار ڈاکٹروں نے اس کی تیاری میں حصہ لیا ہے۔ تمام ترکیبیں تجربہ کی ہوئی ہیں اور بیحد کارآمد ہیں مضامین بھی سب انتہا مفید و قابل قدر ہیں۔ ہر گھر میں اس کتاب کا ہونا ضروری ہے باتصویر قیمت دس آنہ ۱۰؍

**مذاقیہ کھانے** دولہا بھائی سے، سمدھی سے، سہیلیوں سے مذاق کرنے کے لئے نہایت دلچسپ کتاب جس میں ہر چیز صحیح ہے۔ بیہودہ تکلیف دہ عامیانہ مذاق کی بجائے اس کتاب میں شائستہ مذاق کو [illegible] ہنستے ہنسانے والی کتاب ہے زندہ دلی کا ثبوت دو [illegible] کھانے کی وقت [illegible] کیلئے [illegible] یہ کتاب نہایت [illegible]

**مشرقی مغربی کھانے** [illegible]

---

| [illegible] | [illegible] | [illegible] | [illegible] | [illegible] |
|---|---|---|---|---|
| [illegible] کھانے | نفیس نفیس کھانے | نرم کھانے | عمدہ عمدہ کھانے | ملی ہوئی [illegible] کھانے |
| [illegible] کھانے | | | | [illegible] کھانے |

## سینکڑوں قسم کے کھانے تیار کرنے کی اردو زبان میں بےنظیر کتاب

# عصمتی دستر خوان حصہ اول

جس کی ایک نمایاں خصوصیت جو اس موضوع کی اور کسی کتاب میں نہ نکلے گی یہ ہے کہ تمام ترکیبیں تجربہ کرنے کے بعد لکھی گئی ہیں اس لئے ترکیبیں بالکل صحیح ہیں اور وزن بالکل درست! ہندوستان بھر کے ہر حصہ کی تجربہ کار عصمتی بہنوں نے اس کتاب کی تیاری میں حصہ لیا ہے اور ایڈیٹر صاحب عصمت کی اہلیہ محترمہ آمنہ نازلی صاحبہ نے بڑی محنت سے کتاب مرتب فرمائی ہے۔ باورچیخانہ کے انتظام اور کھانوں کے متعلق نہایت قیمتی ہدایات و مضامین درج کئے گئے ہیں۔ ایک ایک چیز کئی کئی قسم کی تیار کرنے کے لئے بھی عصمتی دستر خوان سے بہتر کتاب ملنی ناممکن ہے مثال کے طور پر صرف دو کھانوں کی فہرست ملاحظہ فرمائیے۔

| پڈنگ کی ترکیبیں | | کبابوں کی ترکیبیں | | |
|---|---|---|---|---|
| ہلم پڈنگ | انجیر پڈنگ | ران کے کباب | کباب بیضۂ مرغ | تاشش کباب |
| کھوئے کی پڈنگ | اسنڈ پڈنگ | آلو کے کباب | کچے قیمے کی ٹکیاں | شامی کباب |
| نارنگی بھری پڈنگ | سیب پڈنگ | کچے آلو کے کباب | گوشت کے میٹھے کباب | آنتوں کے کباب |
| جنجر پڈنگ | جلیبیوں کی پڈنگ | ناریل کے کباب | کباب مرغ مسلم | انگریزی کباب |
| روز پڈنگ | میوہ دار پڈنگ | مچھلی کے بیسنی کباب | سیخ کے چٹ پٹے کباب | اروی کے کباب |
| انناس پڈنگ | کشمش پڈنگ | سیخ کے کباب | مچھلی کے شامی کباب | اور کئی کئی قسم کے |
| کمزور بیماروں کیلئے | بالائی پڈنگ | پسندے کے کباب | دہی کے کباب | کباب |

**یہ صرف دو چیزوں کی فہرست ہے** اسی سے کتاب کا اندازہ کر لیجئے۔ چاول سلونے اور میٹھے۔ سویاں کھیر فیرنی۔ سادے اور ترکاری کے سالن، مچھلی، مرغ، جیلی۔ بسکٹ۔ کیک۔ دالیں۔ مٹھائیاں۔ حلوے۔ چٹنیاں۔ مربے۔ اچار۔ سموسے۔ بڑے پوری۔ کچوریاں۔ پراٹھے۔ روٹی۔ غرض ہر قسم کے مشرقی و مغربی کھانوں کی بڑی بڑی اچھی ترکیبیں ہیں اور ہر چیز کی کئی کئی درجن صحیح ترکیبیں! **اس کتاب کا ہر گھرانے میں ہونا ضروریات میں سے ہے** ہندوستان بھر میں اس کی دھوم مچ گئی ہے۔ بہت سی عورتیں اس کتاب کی بدولت عمدہ عمدہ ذائقہ دار کھانے پکانے لگی ہیں۔ لڑکیوں کو یہ کتاب اشد ضروری سمجھ کر جہیز میں دیجاتی ہے۔ سینکڑوں خواتین نے اس کی تعریف میں خطوط بھیجے ہیں اور کتنے ہی مردوں نے اس کتاب کی اشاعت پر مؤلفہ و پبلشر کا شکریہ ادا کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کھانے پکانے کی اس قدر صحیح اور ایسی کارآمد کتاب ہندوستان کی کسی زبان میں آج تک نہیں چھپی، اس کی تیاری پر پانی کی طرح روپیہ بہایا گیا ہے۔ پہلے ہی سال میں ہاتھوں ہاتھ تین ایڈیشن نکل گئے اس کتاب پر اس قدر محنت کی گئی ہے کہ اگر پانچ روپے قیمت بھی ہوتی تو کم تھی لیکن اس لئے کہ ہر شخص اس سے فائدہ اٹھا سکے صرف دو روپیہ قیمت رکھی ہے۔ مجلد کی قیمت صرف دو روپیہ چار آنہ ہے۔ اور زیادہ تر مجلد ہی منگائی جاتی ہے۔

**ملنے کا پتہ: منیجر رسالہ عصمت، کوچہ چیلان، دہلی**

# زنانہ دستکاری کی مفید کتابیں

## جو اپنے اپنے موضوع پر بہترین تسلیم کی جاچکی ہیں

### (۱) عصمتی کروشیا

کروشیا کی شوقین بہنوں کے لئے بہترین تحفہ

یہ کتاب فن کروشیا کی مشہور ماہر محترمہ فاطمہ انور علی بیگم صاحبہ نے ترکیبیں اور ہدایات لکھ کر مرتب کی ہے۔ مدیر عصمت کی مشہور مضمون نگار محترمہ ر-ا- صاحبہ کی رائے ہے "یہ خوبصورت اور کامیاب کتاب بہت محنت سے مرتب کی گئی ہے"۔ محترمہ لطیف بیگم صاحبہ جن کے سلائی کے کام کے مضامین مدیر عصمت میں خوب مقبول ہو چکے ہیں لکھتی ہیں "عصمتی کروشیا کے نقشے اس قدر صاف واضح اور آسان ہیں کہ سمجھنے میں بالکل دقت نہیں ہوتی"۔ محترمہ بلقیس بیگم صاحبہ مولفہ کروشیا کی رائے ہے "جو ہدایات دی گئی ہیں ان سے نمونے بنانے میں بہت سہولت ہو جاتی ہے"۔ دوسرا ایڈیشن نہایت آب و تاب کے ساتھ بڑے سائز پر شائع ہوا ہے کاغذ و نیز۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ

**مختصر فہرست عصمتی کروشیا**

| | | |
|---|---|---|
| بگلہ نما گاڑی | فارم ہاؤس | گڑ نانٹ |
| ڈاک بنگلہ | مسجد کا دروازہ | امام حسین |
| تومی مع مشک | مرغ | شیر ببر |
| کلمہ طیبہ | تاج محل آگرہ | جامع مسجد |
| ۵ نفیس نسترن | ۱۱ دلاویز جھالریں | ۶ خوبصورت کونے |
| خوش آمدید | عید مبارک | درخت نما ڈالی |
| چڑیا ڈالی پر | طرہ دان | پردار گھوڑے |
| گاڈ بلیس | راج ہنس | بچہ مع تیر و کمان |
| ایک خاتون مع پنکھا | آئی کرزی، توتے | گلدستہ و گلدان |

### (۲) عصمتی کشیدہ

اس کتاب میں کشیدہ کاری کے نہایت اچھے اچھے نمونے دیے گئے ہیں ضروری اور کارآمد ہدایتیں اس قدر آسان پیرایہ میں لکھی گئی ہیں کہ چھوٹی چھوٹی بچیاں بھی سمجھ سکیں ہر نمونہ کی ضروری تشریح کی گئی ہے یعنی نمونہ کس کس چیز کے لئے موزوں ہو سکتا ہے اور کس کس رنگ میں ہونا چاہیئے۔ اور کیا کیا احتیاط ضروری ہے پھر نمونے شروع ہوتے ہیں، میز پوش پلنگ پوش، رومال، کرسیوں کے گدّوں تکیوں کے غلاف پلنگ کی چادروں۔ پردوں وغیرہ وغیرہ کے وسط اور کونوں کے لئے مختلف قسم کے پھولوں، بوٹوں، گلدستوں وغیرہ کے کئی درجن خوبصورت نمونے ہیں۔ ان کے بعد کئی وضع کی دلاویز بیلیں پھر مختلف قسم کی کڑھت کے عمدہ عمدہ نمونے ایک درجن سے زیادہ اس کے بعد پرندوں اور چند مشہور عمارات کے خاکے غرض بچیوں کیلئے یہ کتاب بہت کارآمد ہے اور انہیں ہنرمند بنادیگی پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا اب دوبارہ چھپی ہے قیمت عمر

### (۳) گلدستہ کشیدہ

عصمتی کشیدہ کا دوسرا حصہ

کشیدہ کاری کی اس قدر خوبصورت اور اتنی کارآمد کتاب آجتک نہیں چھپی

اس کتاب کی تیاری میں ۲۰ دستکار بہنوں نے حصہ لیا ہے۔ اور کشیدہ کاری کی مشہور ماہر محترمہ غلام فاطمہ بیگم صاحبہ آگرہ نے نہایت محنت و قابلیت سے کتاب کو مرتب فرمایا ہے۔

کتاب کے ۱۱ باب ہیں جن کی تفصیل یہ ہے

| باب | مضمون | نمونے |
|---|---|---|
| باب ۱ | خوبصورت نرم شلاً یا محمد تاج محل عید کا تحفہ نو وغیرہ | ۹ نمونے |
| باب ۲ | مختلف قسم کے پھولوں کونوں ڈالیوں کے | ۶۲ " |
| باب ۳ | مختلف وضع کے بنے پھول | ۴۴ " |
| باب ۴ | میز پوش چادروں وغیرہ کے کونے | ۱۹ " |
| باب ۵ | غلاف تکیہ وغیرہ کے خوشنما مرکز | ۱۸ " |
| باب ۶ | مختلف وضع کے گول پھول | ۱۱ " |
| باب ۷ | میل کلاتہ، پلنگ کی چادریں ساری وغیرہ کی بیلیں | ۱۷ " |
| باب ۸ | نسترشن کی بوٹیاں وغیرہ | ۸ " |
| باب ۹ | قمیص کے کف | ۳ " |
| باب ۱۰ | قمیص کرتہ بلاوز کے گریبان | ۴ " |
| باب ۱۱ | متفرق، مثلاً آئی کرزی بچوں کے بب موزہ پاؤں کا غلاف پانسل کی گدی نوہ وغیرہ | ۱۵ " |

موتیوں کے کام کی طرح گلدستہ کشیدہ میں بھی پہلے نہایت کارآمد ہدایتیں ہیں پھر نمونوں کے مطابق کاڑھنے کی مفصل ترکیبیں ہیں جن ہی ہر چیز کا سائز، رنگ، ٹانکہ یا دیگر نمونے دئیے گئے ہیں۔ تمام نمونے نہایت صاف ہیں، اکثر نمونے ایسے خوبصورت ہیں کہ آجتک کشیدہ کاری کی کسی کتاب میں دیکھنے میں نہ آئے ہوں گے اور ترکیبیں تو اس قدر آسان ہیں کہ چھوٹی بچیاں بھی سمجھ سکتی ہیں۔ گلدستہ کشیدہ میں سب نئے نئے نمونے ہیں یعنی جو عصمتی کشیدہ میں آچکے ہیں وہ اس کتاب میں نہیں ہیں کاغذ خوب موٹا دبیز اعلیٰ درجہ کی چھپائی ٹائٹل رنگین صفحات ۱۳۰ صفحے قیمت عمر

### (۵) موتیوں کا کام

موتیوں کے کام کا شوق لڑکیوں میں روز بروز ترقی کر رہا ہے مگر یہ کام ایسا ہے کہ جب تک بتانیوالا نہ ہو سمجھ میں نہیں آتا اور جب اشارہ مل جائے تو بآسانی کیا جا سکتا ہے یہ کام ہے بھی نہایت دلچسپ اور مفید۔ غریبوں کے لئے روزی کا ذریعہ ہو سکتا ہے تو امیروں کے لئے دل بہلانے کا۔ ان ہی باتوں کو پیش نظر رکھ کر یہ مفید کتاب دستکاری کی ماہر ۲۷ عصمتی بہنوں سے تیار کی ہے اور دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ موتیوں کے کام کی ایسی مفید کتاب ہندوستان بھر میں نہیں چھپی۔ اس میں مندرجہ ذیل ۲۰۶ نمونے ہیں۔

| | | |
|---|---|---|
| ۸۴ وضع کے پھول گلدستے | ۲۷ قسم کی لیس | ۳۶ جھالریں |
| ۱۳ عمدہ عمدہ فریم | ۱۱ نسترشن توری وغیرہ | ۳ جالیاں |
| ۲۹ وضع وضع کی بیلیں | ۸ تھمس ہ | ۸ خوان پوشس |
| ۹ حاشیہ کے " | ۳ پنکھے | ۳ منی بیگ |
| ۷ ہینڈ بیگ کے نمونے | ۶ پردے | گلاس پوش |
| متفرق چیزیں آئی کرزی | ہولڈر، سیپر | لیمپ کے جھاڑ وغیرہ ۱۰ |

مثال کے طور پر صرف دو چیزوں کی فہرست پیش کی جاتی ہے

| بیلیں | | لیسیں | |
|---|---|---|---|
| ۱۵ وضع کی بیلیں ۲ | گلاب کی بیل | جگنو نما لیس | برگ نازنڑی |
| آسان بیل | عینک نما بیل | کے کناروں کی لیس | دائی نما لیس |
| سادی بیل | لٹ دار " | کنگورے دار لیس | جال نما لیس |
| دوپٹہ کی بیل ۲ | جوڑی " | الگڑی دار لیس | بلاوز کی لیس |
| فراک کی " " | گلے کی آستین کی | مو سودہ لیس | دوپٹہ کی لیس |
| ساڑھی کی " ۴ | دامن کی بیل | دوپٹہ لڑیاں | لوز نما لیس |
| اوڑھنی " | حاشیہ کی | جوڑ دہ | سادہ لیس |
| قیمص کا گھیر | نفیس بیل | لاکٹ لڑیاں | ستارہ کا پانچ |
| | | مغز فیتہ کی چپل | دلکش لیس والا |
| | | لڑی " | چوڑی لیس اور بیلیں |

پہلے موتیوں کے کام کی ماہر بہنوں کے نہایت کارآمد مضامین و ہدایات درج ہیں پھر مفصل ترکیب اور ضروری ہدایات ہر نمونہ کی اس قدر آسان لکھی گئی ہیں کہ نومشق بھی پورا فائدہ اٹھا سکتی ہیں چنانچہ بعض ترکیبیں ۲-۳ اور ۳-۴ صفحوں میں ہیں جو کہ بآسانی سمجھ میں آجاتی ہیں تمام نمونے نہایت صاف اور خوبصورت ہیں کسی نمونے کے سمجھنے میں دقت نہیں ہوتی موتیوں کے کام کا شوق رکھنے اور یہ کام سیکھنے والی لڑکیوں اور عورتوں کے لئے اس سے بہتر ساتھی نہیں ملے گی، کاغذ خوب دبیز لکھائی چھپائی نہایت اعلیٰ ٹائٹل دو رنگ کا باتصویر خوبصورت۔ قیمت دو روپے عہ

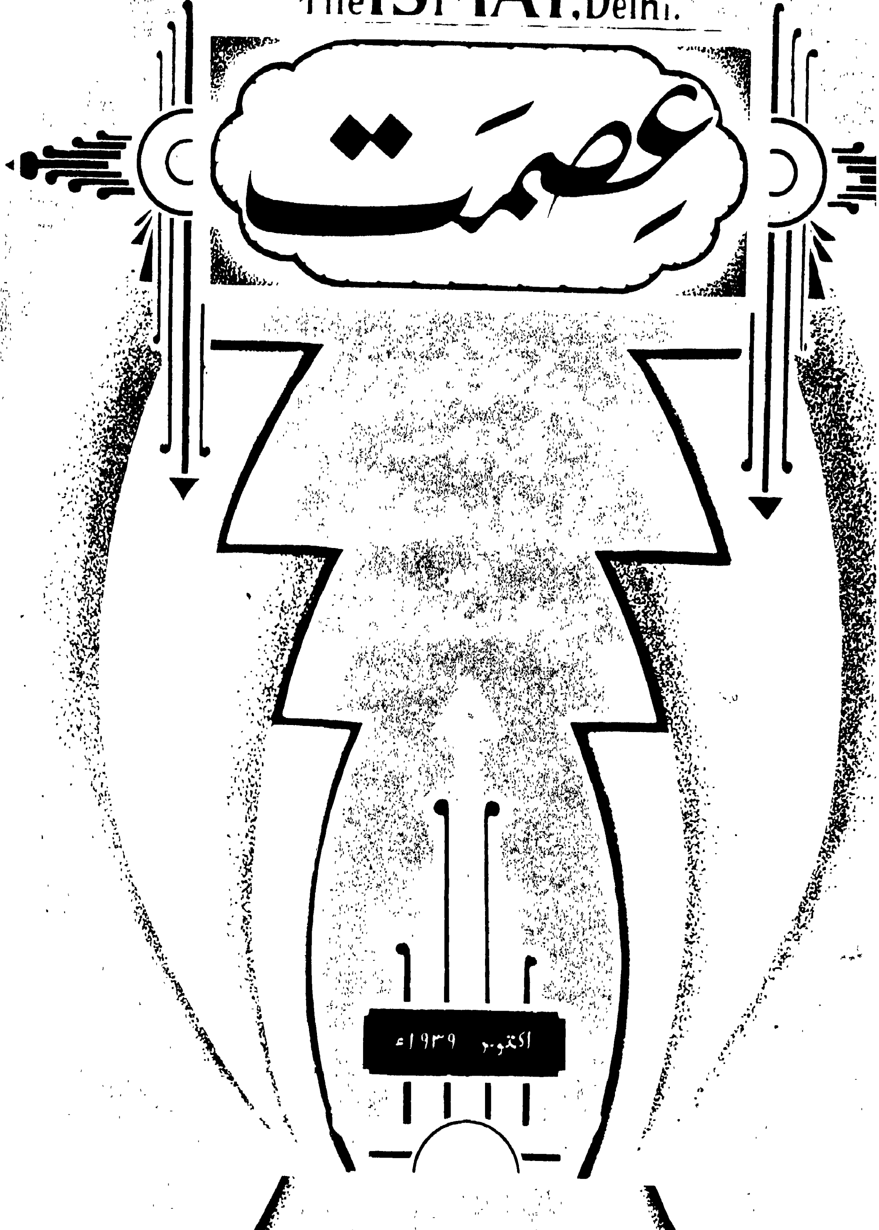
### (۴) خواتین کی دستکاریاں

جو عورتیں مالی دقتوں سے پریشان ہیں جنہیں آمدنی کی کمی اور اخراجات کی زیادتی نے پریشان کر رکھا ہے وہ اگر ایک جلد منگالیں تو گھر پر خودداری و عزت کیساتھ زندگی گزار سکتی ہیں کیونکہ اس کتاب میں نادار اور غریب عورتوں کو نہایت کارآمد ہیں بیاں مشورے دیے گئے ہیں اور بہت سے کاموں کی اس قدر تفصیل بیان کر دی ہے کہ پردہ نشین عورتیں بغیر کسی کا احسان اٹھائے صرف اس کتاب کی بدولت مالی پریشانیوں کو بآسانی دور کر سکتی ہیں۔ خواتین کی دستکاریاں جہاں غریب عورتوں کو بہترین مشورہ دیگی وہاں امیر عورتوں کو بھی ہنرمند اور سلیقہ شعار بنادے گی۔ قیمت آٹھ آنے۔

| | |
|---|---|
| (۶) عصمتی دستکاری<br>(۷) سلمہ ستارہ کا کام<br>(۸) نٹنگ یا بننے کی کتاب | ان کتابوں کا اشتہار کسی دوسری جگہ ملاحظہ فرمائیے۔ |

ملنے کا پتہ۔ منیجر عصمت دہلی

Only Cover Printed atthe Calcutta Art Press, Katra Baryan, Delhi.


The ISMAT, Delhi.
عصمت
اکتوبر ۱۹۳۹ء

# تصانیف فخرِ نسوانِ ہند محترمہ خاتون اکرم جنت مکانی

محترمہ خاتون اکرم صاحبہ تعلیم یافتہ ہندوستانی خواتین کی محبوب ترین انشاپرداز تھیں جن کی مضمون نگاری کا ہندوستان بھر میں ڈنکا بج چکا ہے جن کے فلسفیانہ خیالات نے جن کے درد اثر میں ڈوبے ہوئے طرز تحریر نے بڑے بڑے قابل مردوں سے خراج تحسین وصول کیا تھا۔ مشہور انگریزی روزنامہ **بمبئی کرانیکل** کی رائے ہے: "مرحومہ خاتون اکرم نہایت اعلیٰ درجہ کا ادبی مذاق رکھتی تھیں اور اپنے خیالات و جذبات کو نہایت سادہ مگر پُرزور انداز اور مختصر الفاظ میں ادا کرنے کی قدرت رکھتی تھیں" **علی گڈھ میگزین** لکھتا ہے: "ان کا طرز بیان پُراثر اور دلنشین ہوتا ہے"۔ رسالہ **نورجہاں** نے لکھا تھا "مرحومہ چھوٹی سی عمر میں نہایت دانشمندانہ اور وسیع تجربہ رکھنے والی خاتون تھیں اپنی پرزور تحریر میں انسانی جذبات کی تصویر نہایت خوش اسلوبی سے کھینچتی تھیں"

## گلستانِ خاتون (۱)

محترمہ خاتون اکرم ملک کے بہترین افسانہ نگار مردوں میں بھی نہایت ممتاز درجہ رکھتی تھیں گلستانِ خاتون متفقہ طور پر اردو کے بہترین افسانوں کا مجموعہ تسلیم کی گئی ہے۔ شبِ ظلم۔ آرزوؤں پر قربانی۔ انقلاب زمانہ۔ تربیت اولاد۔ طرز زندگی۔ پیچ کی فتح۔ دوسری شادی وغیرہ۔ وہ سبق آموز موثر اور دردانگیز افسانے ہیں جو زنانہ لٹریچر میں غیرفانی درجہ رکھتے ہیں اس سے پہلے کسی ہندوستانی خاتون کے ایسے بلند پایہ افسانوں کا مجموعہ نہیں چھپا۔ **پیسہ اخبار** لکھتا ہے "یہ وہ دلچسپ افسانے ہیں جن میں کوئی افسانہ خلاف قیاس نہیں بلکہ عین مشاہدہ اور فطرت کے موافق ہے انکی دلچسپی خاتمہ کتاب پر خود بخود مائل کرتی ہے" اخبار **ریاست** کی رائے "نہ صرف خواتین بلکہ مردوں کو بھی ان سبق آموز اخلاقی افسانوں کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیئے" **رہنما** لکھتا ہے "ہر افسانہ اس قدر دلکش ہے کہ بغیر پورا کئے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ یہ افسانے ہمارے موجودہ تمدن و معاشرت کی خرابیوں کی اصلاح کرنے والے ہیں" **ذوالقرنین** لکھتا ہے "ان افسانوں میں ایک خاص خوبی یہ ہے کہ جس کا کیرکٹر بیان کیا ہے ہمیں موقع و حیثیت کے لحاظ سے زبان و لہجہ استعمال کیا گیا ہے"۔ ملک کے تمام مشہور اخبار و رسائل نے نہایت شاندار ریویو کئے ہیں کتاب کا دیباچہ مولوی راشد الخیری ایڈیٹر عصمت نے لکھا ہے تمام کتاب آرٹ کاغذ پر رنگین چھپی ہے اردو میں ایسی خوبصورت کتابیں بہت ہی کم نکلیں گی۔ ٹائٹل خوبصورت عمدہ لکھائی چھپائی قیمت ایک روپیہ چار آنہ۔ ۱۴ مجلد ۱۱/۸

## پیکرِ وفا (۲)

ایک دلاویز نتیجہ خیز افسانہ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ وفا عورت کی خلقت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور شریف بیوی اپنے شوہر کیلئے ایسی ایسی قربانیاں کرسکتی ہے کہ دنیا حیرت میں رہجائے۔ رسالہ **ہمایوں** کی رائے ہے "یہ ایک کامیاب دلچسپ اور مفید افسانہ ہے جس میں عورتوں کے اس احترام کو واضح کیا گیا ہے جسکی تعلیم اسلام نے ہمیں دی ہے انداز بیان دردانگیز عبارت سادہ و شگفتہ" اخبار **کشمیری** کی رائے "پیرایہ بیان دلگداز ہے" اخبار **صداقت** کی رائے "پلاٹ اور کیرکٹر دونوں کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کا افسانہ ہے"۔ بار سوم۔ قیمت آٹھ آنے

## بچھڑی بیٹی (۳)

ایک دلچسپ سبق آموز افسانہ جو کئی زنانہ رسالوں میں شائع ہوکر بے انتہا پسند کیا جاچکا ہے۔ ایک لڑکی ماں باپ سے بچھڑ جاتی ہے اسکی جدائی میں ماں باپ کی جو کیفیت ہوتی ہے وہ صرف کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ برسوں کے بعد وہی لڑکی اس طرح ملتی ہے کہ جنت مکانی کی بےمثل افسانہ نگاری کی داد دینی پڑتی ہے بیحد دلچسپ قصہ ہے۔ یہ بھی آرٹ کاغذ پر چھپا ہے قیمت ۶/

## جمالِ ہمنشیں (۴)

جنت مکانی کے بےمثل ادبی مضامین کا نہایت حسین شاندار مجموعہ

اجل، عالم نزع، بھول، رمضان، وعدہ وفائی، خدا کی مصلحت، تعزیت نامہ، فانی زندگی، تغیرات زندگی، نیرنگی زمانہ، عبرت گاہ دنیا، موسم بہار، غم، ساون، عید، زندوں کی زندہ ہستی، کسی کی یاد، ہنسی مذاق، خوشی کا دن وغیرہ وغیرہ یہ وہ دلاویز مضامین ہیں جنکی عصمت، تہذیب، استانی، شباب اردو وغیرہ میں شائع ہوکر دھوم مچ چکی ہے۔ جمال ہمنشیں کے متعلق اخبار **ہمدرد** لکھتا ہے "ان مضامین میں فلسفیانہ بحث کی گئی ہے" **انڈین ڈیلی میل** کی رائے "ان مضامین کی اردو صاف و رواں ہے"۔ زنانہ رسالہ **حرم** کی رائے "یہ مضامین بلحاظ زبان و خیال نہایت بلند ہیں اور ان کی اشاعت اردو زبان پر بڑا احسان ہے" رسالہ **ایڈ** لکھتا ہے "ان مضامین کی عبارت بہت فصیح و پختہ ہے" اخبار **وکیل** "جمال ہمنشیں بلاشبہ نسوانی دنیا کیلئے سبق آموز کتاب ہے" اخبار **مدینہ** کی رائے "مضامین بہت بلند پایہ ہیں" روزنامہ انگریزی **بمبئی کرانیکل** لکھتا ہے "ان مضامین کی زبان نہایت آسان اور سادہ ہے" یہ بھی آرٹ کاغذ پر تیسری بار چھپی ہے قیمت ایک روپیہ

# تصانیف محترمہ صغریٰ ہمایوں مرزا صاحبہ

ایم۔ آر۔ اے۔ ایس۔ لندن

## مشیرِ نسواں (۱) یا ذہرہ

ایک دلچسپ اخلاقی ناول جس میں لڑکیوں کو بہت سی میٹھی میٹھی اخلاقی باتیں بتائی گئی ہیں۔ قصہ دلچسپ و نتیجہ خیز ہے۔ طرز بیان بھی ایسا اکابرین قوم نے جسے پڑھ کر حسب ذیل ریویو کئے تھے

علامہ شبلی نے اسے پڑھ کر فرمایا تھا "یہ کتاب محاسن سے مملو اور معائب سے بالکل پاک ہے"۔ اخبار **مشیر دکن** کے ریویو کا خلاصہ "کیا بلحاظ مضامین کیا بلحاظ زبان بڑی دلچسپ اور دلآویز کتاب ہے"۔ **مخبر دکن** کا ریویو "عورتوں کیلئے نہایت دلچسپ اخلاقی ناول ہے" **شوکت اسلام** کا ریویو "بےنظیر ناول ہے جس میں عورتوں کی ہر حالت اور ہر عمر کے متعلق نصائح اور معلومات کے ذخیرے دلچسپ طریقہ سے بیان کئے گئے ہیں"۔ اخبار **تہذیب نسواں** کا ریویو "اس قصہ کو مصنف نے نہایت دلچسپ اور پُرلطف طریقہ سے بیان کیا ہے" مصنفہ کو اس تصنیف پر تمغہ طلائی دیا گیا تھا بار سوم قیمت

## سرگذشتِ ہاجرہ (۲)

دلچسپ اور سبق آموز قصوں کے پیرایہ میں اخلاقی و اصلاحی جواہرات کا بیش بہا ذخیرہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ازدواجی زندگی میں جو بدمزگی پیدا ہوجاتی ہے عورت انہیں کس طرح دور کرسکتی ہے۔ چار سہیلیاں ایک جگہ جمع ہوکر آپ بیتی سناتی ہیں ان میں ہاجرہ کی سرگذشت سب سے زیادہ دلچسپ اور مفید ہے اور بتایا گیا ہے کہ بیویاں بگڑے ہوئے گھر کس طرح سنوارتی اور ہاتھ سے نکلے ہوئے شوہروں کو کیونکر اپنا کرلیتی ہیں۔ علامہ سر **محمد اقبال** کی رائے "کہ سرگذشت ہاجرہ مستورات کیلئے نہایت مفید کتاب ہے طرز بیان بھی سلیس موثر اور دلکش ہے" **بیگم صاحبہ** سر عبدالقادر صاحب بیرسٹر ایٹ لا کی رائے ہے "یہ نہایت اچھی اور دلچسپ کتاب ہے اس میں ہر قسم کے نقائص کی بڑی خوبی سے قصہ کے پیرایہ میں اصلاح کی ہے"۔ بار دوم قیمت دس آنہ۔

## موہنی (۳)

ایک اخلاقی معاشرتی افسانہ ایک شہزادی شوہر کے انتقال پر گھربار چھوڑ کر جنگلوں میں ماری ماری پھرتی ہے، یہاں تک کہ ایران پہنچتی ہے اور وہاں عجیب طریقے سے شوہر سے ملاقات ہوتی ہے۔ ایران کی معاشرت، مہمانداری، زچہ خانہ، شادی بیاہ، رسم و رواج پر ایسی مفید معلومات کسی کتاب میں نہ ملیں گی قیمت

## تحریر النساء (۴)

لڑکیوں اور عورتوں کے لئے جدید طرز پر خط کتابت کی بےنظیر کتاب، اخلاقی و معاشرتی مذہبی سبقوں کا لاجواب مجموعہ جس میں تحریر کو کارآمد اور مفید بہت سی باتیں بتائی گئی ہیں۔ یہ کتاب انشا کی انشا اور نتیجہ خیز سبق آموز مضامین کا مجموعہ بھی ہے اسے پڑھنے کے بعد نہ صرف مستورات ہر موضوع پر اچھے اچھے خطوط ہی لکھ سکتی ہیں بلکہ انکی معلومات میں بھی اضافہ ہوتا ہے قیمت

معزز خواتین کی لکھی ہوئی نہایت دلچسپ اور مفید کتابیں

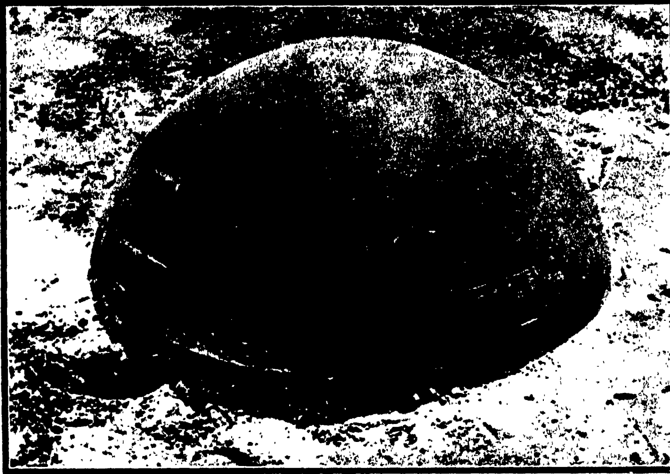
محصول ڈاک بذمہ خریدار

| | | | |
|---|---|---|---|
| نوری بیگم ۱/ | عقل کی باتیں ۶/ | خانہ داری کے تجربے ۱۲/ | تندرستی ہزار نعمت ۳/ |
| غیرت کی پتلی | ہنسی کی باتیں ۶/ | | |
| چار رخ ۴/ | تاریخی لطیفے ۶/ | | |
| دو دلسوز قربانیاں ۶/ | خواتین اندر ۶/ | | |

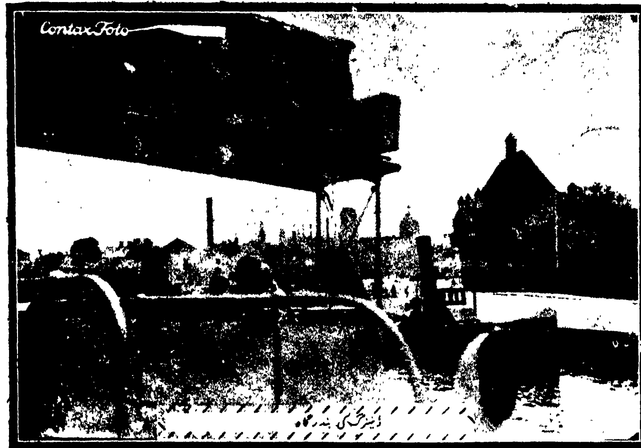
| | |
|---|---|
| شمع خاموش (نظمیں) ۶/ | پردہ و تعلیم |
| آئینۂ جمال (نظمیں) ۱۲/ | بچوں کی تربیت |
| شہیدِ وفا (افسانے) ۸/ | بچوں کی دنیا |
| نغمات موت (مضامین) ۶/ | مختصر دنیا ۵ |
| | آئینۂ موز |

**دفتر عصمت کوچہ چیلان دہلی**

سے یہ سب کتابیں شائع ہوئی ہیں



یوروپ کا ایک زمین دوز قلعہ




ڈینزگ کی بندرگاہ



توام لڑکیاں شاہ و ملکۂ انگلستان کے سامنے جا کر سلام کرنے کی مشق کر رہی ہیں۔



جرمنی کی سیگ فرائیڈ لائن کی خندقوں پر جال

# رسالہ عصمت دہلی

بتیسواں ۳۲ سال بابت ماہ اکتوبر ۱۹۳۹ عیسوی جلد ۶۳ نمبر ۴

## فہرست مضامین



چندہ سالانہ پیشگی مع محصول ڈاک چار روپیہ للعہ ممالک غیر سے دس شلنگ

قسم خاص (آرٹ کاغذ کا ایڈیشن) دس روپے۔ رؤسا سے پچیس روپے، والیان ریاست سے سو روپے۔ ممالک غیر سے ایک پونڈ۔ فی پرچہ ایک روپیہ۔

رسالہ عصمت ہندوستان کے بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں پر میسرز اے ایچ وھیلر کے بک سٹال پر بھی ۵ر میں ملتا ہے

باہتمام ابو امین مولوی محمد امان الرحمن پرنٹر و پبلشر محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں چھپا

# حیا

از حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ

اسلام نے حیا کو ایمان کا بڑا جزو قرار دیا ہے اور اسی پر انسانیت کا دارومدار رکھا ہے مسلمان مردوں اور عورتوں دونوں کو اس حکم میں شامل کیا ہے کہ شرم وحیا کرو اور اپنی آنکھیں نیچی رکھو۔ یعنے کسی ایسی چیز کی طرف بلا ضرورت نہ دیکھو جو تمھارے خیالات خراب کرے مگر شرم وحیا کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ضرورت کے وقت بھی ایسی شرم کرو جو بجائے فائدہ کے نقصان پہونچاوے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شرم وحیا کی بہت تعریف فرمائی ہے۔ آپ کی پنڈلی بھی کبھی کسی نے نہیں دیکھی۔ آج کل جو نیکروں کا استعمال ہو رہا ہے بہ ظاہر اس میں شرم وحیا کے ضائع ہونے کا احتمال نہیں ہے کیونکہ موزوں کی وجہ سے جسم کا کوئی حصہ کھلا نہیں رہتا لیکن بعض اللہ کے بندے نیکر تو پہن لیتے ہیں مگر موزوں کا پتہ نہیں ہوتا۔ یہ تو ایک قسم کی جانگیا ہو گئی جو لڑکے پہن کر اطمینان سے پھرتے اور گھروں میں آتے جاتے ہیں۔ اور ایک دوسری آفت یہ ہے کہ بعض لڑکیاں بھی اسی قسم کے کپڑے استعمال کر رہی ہیں . . . . . . . . . . . اور وہ ایسے موزے استعمال کرتی ہیں جو معلوم ہی نہیں ہوتے اور ٹانگیں بالکل ننگی معلوم ہوتی ہیں۔ اس لیے ایسے موزے یا بغیر موزوں کے کپڑے بعض اعتبار سے صحیح نہیں ہیں۔ ایک سب سے بڑی مصیبت تو یہ ہو گی کہ اگر کنواری لڑکیاں اس لباس کی عادی ہو گئیں اور شوہر اس خیال کو ناپسند کرنے والے ملے تو علاوہ اختلاف مزاج کے صحت خراب ہو گی۔ کیونکہ جو کپڑے ہمیشہ استعمال کئے اور بچپن میں پہنے اور عادت ان ہی کی پڑ گئی۔ ان کا ترک کرنا صحت کے لئے مضر ہو گا۔ اور ابھی برادری اس کے لئے تیار نہیں ہے۔ کہ آسانی سے ان باتوں کی برداشت کر سکے۔

اس کے علاوہ مسلمان عورت کی جائز شرم بھی یہ اجازت نہیں دیتی اور اسلام اس کو صحیح نہ سمجھے گا کہ عورت کا ٹخنوں سے اوپر کا حصہ کھلا رہے اور اس پر کسی کی نظر پڑے۔ یا ایسے کپڑے کا استعمال ہو جس میں جسم کا حصہ جھلک رہا ہو۔

بنات نومبر ۳۴ء

# ہمارے گھر

## گھر کی اہمیت

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انسانی زندگی کا پہلا مرکز گھر ہے۔ موجودہ زندگی کے نت نئے اقتصادی اور معاشرتی انقلابات کے باوجود گھر کی خصوصیات اب تک باقی ہیں۔

اس زمانہ میں بھی جبکہ پیدائش اسپتالوں میں ہوسکتی ہے تعلیم اسکولوں میں اور تعلیمی زندگی بورڈنگ میں بسر ہوسکتی ہے کھانا ہوٹلوں میں مل سکتا ہے کپڑے کارخانوں میں سل اور دُھل سکتے ہیں۔ اور انسان ان تمام ذمہ داریوں سے آزاد ہوسکتا ہے جن کا بار پہلے گھر والیوں کے کندھوں سے ٹالے نہیں ٹل سکتا تھا گھر انسانی زندگی کی معاشرتی اور اقتصادی نقطہ نظر سے زندگی کا ابھی تک ایک اہم مرکز ہے۔ قوموں کی معاشرتی خصوصیات اور خوبیوں کی کسوٹی ابھی تک گھر اور گھریلو زندگی ہے انسانی کیرکٹر کی پیدائش گھر ہی میں ہوتی ہے۔ اور آئندہ نسلوں کی تربیت گاہ ابھی تک گھر ہی ہے۔

## ہمارے گھر اور ہمارے بزرگوں کے گھر

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ دَور میں ہم نے اور دوسری قوموں نے اس نصیحت سے اس دَور میں کیا فائدہ اُٹھایا ہے اور ہمارا آئندہ رجحان اس معاملہ میں کس طرف ہے تعلیم کا اگر اصل مقصد یہ ہے کہ انسان میں فطرت تہذیب اور تربیت کے اعلیٰ نمونوں کی تحلیل کرکے ایسا کیرکٹر حاصل کیا جائے جو انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کی دلیل ہو تو ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہماری تعلیم تربیت بالکل مخالف سمت کی طرف جارہی ہے۔ ہماری بڑی بوڑھیوں اور اگلی صدی یا اس صدی کے اوائل کے باقیات بزرگ ہماری موجودہ روش کو سمجھنے سے اکثر وبیشتر عاجز نظر آتے ہیں۔ آخر یہ کیوں؟ اس کی تو دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ یا تو ہم غلط راستہ پر ہیں یا ان کے نظریئے فرسودہ اور بے معنی ہیں۔

اس دلیل میں ہرگز کوئی زور نظر نہیں آتا کہ بزرگوں اور اگلے زمانے والوں کی تمام باتیں اچھی تھیں اور اس دَور کی تمام خصوصیات میں خامیاں ہیں۔ منطق فلسفہ اور دلیل کی ساری قوتیں پُرانی تہذیب کے اکثر پہلو کو خامیوں سے بچانے کی طاقت نہیں رکھتیں۔ آخر اس مسئلہ کا کیا حل ہے کہ اگلے زمانے والوں کی موجودہ دَور والوں پر انگشت نمائی درحقیقت اپنے اندر کوئی معنی رکھتی ہے یا نہیں؟ دونوں تہذیبوں کا جزوی مقابلہ محض لاحاصل ہوگا صحیح موازنہ محض نتائج کی بنا پر ہوسکتا ہے۔ ہمارے بزرگوں کے گھر عموماً خوشی قناعت اور طمانیت کی لذت سے خالی رہتے تھے یا ہمارے موجودہ دَور کے گھر۔ انسانی زندگی کی تمام کوششوں کا آخری نتیجہ محض خوشی حاصل کرنا ہے۔ یہ حقیقت جیسی پہلے تھی آج بھی ہے۔ ممکن ہے کہ ہماری بہنیں اس مسئلہ پر کہ ہم آج خوش ہیں یا ہمارے بزرگ خوشی کی زندگی بسر کرتے تھے اپنے اپنے خیالات اور ماحول کے مطابق مختلف رائے رکھتی ہوں۔ لیکن کیا اس حقیقت سے انکار ہوسکتا ہے کہ ہم اس دَور میں قناعت اور خوشی کی نصیحت سے اس حد تک بہرہ یاب نہیں ہیں جیسا کہ دِل چاہتا ہے۔ اور جیسی تمنا رکھتے ہیں۔ وجہ اس کی ظاہر ہے حقیقتوں سے کنارہ کش ہوکر خوشی کی تلاش ایسی جگہوں پر اور ایسے ماحول میں کرتے ہیں جہاں وہ نہیں مل سکتی۔

نسوانی آزادی خواہ وہ جنسی ہو یا معاشرتی یا اقتصادی فطرت کے اُصولوں کے خلاف گامزن ہوکر ہمیں کیسے مل سکتی ہے۔ آزادی اگر مردوں کا حق ہے تو ہمارا حق بھی ہے۔ اور میں ہرگز اس بات کے ماننے کے لئے تیار نہیں کہ محض عورت ہونے کی بنا پر ہمارے اس حق میں کسی تخفیف کی گنجائش ہے۔ لیکن اس حقیقت سے کیسے انکار کیا جائے کہ ہم دونوں کا جنسی فرق ہمارے لئے اس نعمت کو حاصل کرنے کی دو مختلف راہیں بتاتا ہے۔ اگر ہم مردوں کے

آج تک غائبانہ رویّہ سے جل کر ان کی خصوصیات پر قابض ہونے کی کوشش کریں تو کیا ہمیں خوشی حاصل ہو سکتی ہے؟ اور کیا ہم خوشی کی تلاش میں جائے مقصود پر پہونچ سکتے ہیں۔ یہ سوال جواب کا محتاج نظر نہیں آتا۔

## گھریلو زندگی کے مختلف پہلو

اس دور میں بھی مرد و عورت کی زندگی کو بہترین اسلوب سے بسر کرنے کا بہترین ذریعہ شادی اور بیاہ سمجھا جاتا ہے لیکن شادی سے اگر یہ مقصود ہے کہ مرد و عورت جذبات اور رومان کی دنیا میں ہمیشہ کھوئے رہیں اور انہیں دائمی مسرت حاصل ہو جائے یا کم سے کم ان کی زندگی کے بقیہ دن آرام اطمینان اور مسرت سے گذریں تو یہ بات فطرتاً ناممکن معلوم ہوتی ہے جذبات اور رومان دماغی اور دلی کیفیت سے متعلق ہیں اور ہنگامی ہوتے ہیں۔ اقتصادی اور معاشرتی پہلو انسانی زندگی کے اہم ترین عناصر ہیں۔ اگر جذباتی زندگی ناکامیاب رہے تو انسانی زندگی پر اس کا ایسا اثر نہیں پڑسکتا جیسا اقتصادی اور معاشی ناکامیابی کا اس کی کیفیت وہی ہے جیسے انسان بغیر کھائے زندہ نہیں رہ سکتا مگر شعر اور موسیقی کے بغیر اس کی معمولی زندگی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ شادی کے ذریعہ خوشی اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب اس رابطہ پر غور کر کے اس کی طرف قدم اٹھایا جائے۔ شادی شدہ زندگی عورتوں کے لئے ایک بہترین معاشی سلسلہ ہے۔ غیر فطری ماحول کے اثرات کی وجہ سے اکثر و بیشتر عورتیں اس ذریعہ سے کامیابی نہیں حاصل کر سکتیں۔ شادی کی حیثیت درحقیقت ایک وسیلہ کی ہے جس کے ذریعہ عورتیں یقینی طور پر خوشی حاصل کر سکتی ہیں۔ بشرطیکہ وہ اسمیں برابر کی شریک کی حیثیت سے داخل ہوں۔ مرد و عورت اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں۔ اگر مرد روٹی کمانے اور خوشحالی حاصل کرنے میں منہمک ہے اور عورت اپنی ذمہ داری کا خیال نہ کرے تو زندگی کی کامیابی کی امید رکھنا غلط ہے۔ روپیہ اور مال دولت خوشی کا ذریعہ اسی وقت بن سکتے ہیں جب ان کو صحیح طور پر خرچ کیا جائے اور ان کا صحیح طور پر خرچ کرنا اور ان سے پورا مصرف حاصل کرنا عورت کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔ روپیہ کمایا جاتا ہے اس لئے کہ اچھا کھانا ملے اچھا کپڑا ملے۔ رہنے سہنے میں سلیقہ اور ترتیب ہو۔ صرف مرد ہی سے یہ امید کرنا کہ وہ کمائے بھی اور پھر ان چیزوں کا بھی انتظام کرے انصاف کے خلاف ہے جنسی کشش اور رومانی مسرتیں شباب کی ہنگامہ خیز کیفیات کا ابال ہوتی ہے جس طرح شراب انسان کو وقتی لذت دیتی ہے لیکن اس کی بد استعمالی کا آخری نتیجہ خراب ہوتا ہے۔ اسی طرح جذباتی خوشی اور روحانی لذت کی بے موقع امید بھی اچھے نتائج نہیں پیدا کر سکتی اصل محبت وہ ہے جو شادی کے دن گذر جانے پر ایک دوسرے کی ہمدردی اور فطرت اور اخلاق کے سمجھنے سے پیدا ہو۔ اس کو زوال نہیں ہوتا بلکہ دن بدن رنگ گہرا ہوتا جاتا ہے میں اپنی بہنوں کی توجہ اس مسئلے پر اسلام کے اصولی قوانین کی طرف توجہ دلانا چاہتی ہوں اگر ہم ان سے بے توجہی نہ کریں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہمیں خوشی نہ حاصل ہو۔ آزادی اور جنسی برابری کا دعویٰ بالکل بجا ہے لیکن ہمنے اپنے علم کو بلند رکھنے میں کیسا رویّہ دکھایا ہے۔ انسانیت کا دعویٰ ہم بھی کرتے ہیں اور انسان و حیوان میں جو چیز مابہ الامتیاز ہے وہ عقل اور سوچنے سمجھنے کی طاقت ہے۔ کیا ہم میں اپنی ذمہ داریوں کا احساس کم نہیں ہو گیا ہے۔ دنیا کو ہم نے پھر یہ کیسے کہنے کا موقع دیا کہ عورتوں میں دل کی طاقت دماغ سے زیادہ قوی ہے۔

## ہمارے فرائض

ہماری ماں بہن ہماری جیسی یونیورسٹی کی ڈگریاں نہ رکھتی ہوں مگر وہ اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہم سے بہتر رکھتی تھیں وہ اپنی جہالت اور کمزوری کی بنا پر جنسی آزادی اور برابری نہ رکھتی ہوں مگر وہ اپنی ذمہ داریوں کے احساس اپنی قربانیوں ہمدردی رواداری اور سمجھ کے ذریعہ حقیقی معنوں میں گھر کی حاکم بنی رہتی تھیں ہمیں اگر اپنی ذمہ داری کا احساس ہو اور اگر اس کو پورا کرنے کی سمجھ ہو تو بغیر ان قربانیوں کے اور باوجود اپنی شخصی آزادی اور جنسی برابری کے بھی ہمیں وہی خوشی حاصل ہو سکتی ہے۔ ہمیں تعلیم یافتہ ہونے کا دعویٰ ہے۔ اس بنا پر ہمیں اس معاملہ میں ان سے زیادہ کامیاب ہونے کی امید رکھنی چاہیئے۔

ترقی یافتہ ممالک میں آئے دن کی طلاق مرد عورت کے تفرقے اور حقیقی خوشی کی نایابی اس امر کا ثبوت ہیں کہ ہماری موجودہ تہذیب میں کوئی ایسی بنیادی کمی ہے جو ہمیں اگلے زمانے کے مقابلہ میں ناکامیاب رکھتی ہے اس دور میں خود غرضی اور صرف اپنی ہی فکر کی بلا ہمیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہیں کرنے دیتی اور ہمیشہ دوسروں کی ذمہ داریوں کی تجزیہ اور تجسس میں مبتلا رکھتی ہے۔ اگر ہم اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرنے لگیں تو پھر دوسرے بھی مجبور ہوں گے کہ اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں۔ یہ صحیح ہے کہ مرد عورت دونوں موجودہ دور کی خود غرضی میں مبتلا ہیں لیکن مردوں کو مجبوراً کسی کسی حد تک اپنی بنیادی ذمہ داری یا روٹی کمانے کا احساس کرنا ہی پڑتا ہے اور قبل اسکے کہ ہم انکی ذمہ داریوں کا حساب لیں ہمیں غور کرنا چاہئے کہ ہم اپنے فرائض کو کہاں تک انجام دے رہے ہیں۔ ہم جب دعوے کرتے ہیں کہ خاندانی زندگی میں ہمارا درجہ مرد سے کسی طرح کم نہیں تو یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ اس کے افکار دکھ درد اور انتظامات میں برابر کا حصہ لیں۔ وہ جب روٹی کمانے کی فکر میں مبتلا رہتا ہے تو ہمیں چاہئے کہ اس کو اپنے کھانے پینے رہنے سہنے کے افکار سے آزاد کر رکھیں اور اس کے لئے خوشی کے سامان بہم پہونچائیں۔ اس فرض کو اگر ہم نہ ادا کر سکیں تو یہ ایمانداری کے خلاف ہوگا۔ اور ہم انسانیت کا دعویٰ کرنیکے لائق نہ ہونگے۔ فرائض کیطرف سے غافل ہونے ہی کیوجہ سے ہمیں مصیبتوں اور ناخوشیوں کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ اگر اس کی طرف دل سے متوجہ ہوں تو صرف یہی خوشی کہ ہم اپنے فرائض کو خوش اسلوبی سے انجام دے رہے ہیں ہماری دوسری ناکامیوں اور رنج کو بھلا دینے کیلئے کافی ہے۔ خوشی حاصل کرنے سے ملتی ہے اور جیسے بغیر محنت کے دنیا میں کوئی چیز حاصل نہیں ہوتی ہے یہ بھی نہیں مل سکتی۔ کیا ہماری تعلیم ہمیں ان خیالات کیطرف متوجہ کرتی ہے۔ شائد نہیں اگر ایسا ہوتا تو ہمارے خاندان اصل خوشی سے خالی نہیں ہوتے۔

**ہمارا تعلیمی نصاب**۔ اس کیوجہ کیا ہے ہماری تعلیم کا موجودہ نصاب ایسا ہے جو ہمیں اپنی نسوانیت کی خصوصیات سے غافل رکھتا ہے اور اس راستہ پر لیجاتا ہے جو مردوں کیلئے ہے اور میں تو یہ کہونگی کہ وہ راستہ درحقیقت مردوں کے لئے بھی مناسب نہیں ہے تعلیمی نصاب کیلئے ضروری ہے کہ وہ انسانی ضروریات کے مطابق ہو اور قوموں کی امتیازی خصوصیات کو زیر نظر رکھے۔ جب تک کہ مادریت اور خانہ داری نسوانی خصوصیات کے اہم عناصر رہیں گے اسوقت تک ہمارا ہر وہ نصاب جو انکی طرف سے غافل ہو غیر موافق اثرات پیدا کرتا رہے گا شکر ہے کہ بعض یونیورسٹیوں اور تعلیم گاہوں نے اس مسئلہ کیطرف توجہ کرنی شروع کی ہے لیکن یہ توجہ ابھی تک آدھے دل سے ہو رہی ہے۔ انکے نصاب پر غور کرنیسے معلوم ہوتا ہے کہ علم خانہ داری کے اصل رموز اور فوائد سے یا تو وہ آگاہ نہیں ہیں یا انھوں نے اس کے سمجھنے کیطرف غور ہی نہیں کیا ہے۔ ابھی تک علم خانہ داری کی تعلیم محض خیالی اور بیجان طریقہ پر ہو رہی ہے تعلیم دینے والے بھی خواہ وہ اس علم میں کتنے ہی مشاق اور قابل ہوں کوئی عملی تجربہ نہیں رکھتے وہ ہماری لڑکیوں کو بہترین سوزن کاری سکھا سکتے ہوں مگر انہیں حقیقی معنوں میں گھر والیاں بننے کی تعلیم نہیں دیتے۔ کارخانوں میں جو سوزن کاری سوئی اور بننے کا کام ہوتا ہے یا ہوٹلوں میں جو مزیدار کھانے پکتے ہیں انمیں اور گھر کے کام میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے یہ احساس اور ذمہ داری کہ خانہ داری کی تعلیم جو حاصل کیجاتی ہے اس کا ایک خاص مقصد ہے یعنی آئندہ زندگی میں ایک کامیاب گھر والی بننا سرے سے مفقود ہوتا ہے۔ ہمارے مرد تعلیم کا کم سے کم یہ مقصد سمجھتے ہیں کہ انھیں اسکے ذریعہ یا اسکی مدد سے اپنی معاشی ضروریات کو بہم پہونچانے کی سہولتیں حاصل ہونگی مگر کیا ہماری لڑکیاں بھی خانہ داری کی تعلیم حاصل کرتے وقت کبھی یہ خیال کرتی ہیں کہ انکی متاہل زندگی کی کشمکش میں اپنی ذمہ داریوں کو صحیح معنوں میں پورا کرنے میں یہ تعلیم ان کو مدد دے گی۔

عورت جبتک خود اپنی کمزوری کا احساس نہ چھوڑ دے اور یہ خیال کرنا نہ چھوڑ دے کہ متاہل زندگی سے صرف یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ روحانی مسرت آرائش اور کپڑوں اور اولاد کی خواہشات کے پورا ہونیکا موقع ملتا ہے اور اپنی اصل ذمہ داری یعنی صحیح معنوں میں مرد کی رفیقہ اور شریک زندگی

ہونے کا خیال نہ کرے۔ ہماری تعلیم ہمارے کام نہ آئیگی۔ لیڈی اردن کالج کسی حد تک خانہ داری کی ضروریات کیطرف متوجہ ہے مگر صرف ایک کالج سے سارے ہندوستان بھر کا کام نہیں چل سکتا اور کالج کی تعلیم ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے۔ اصل ضرورت اس کی ہے کہ ہماری دیہی تعلیم کے نصاب میں ان امور پر خاص توجہ کی جائے

**وارد ھا اسکیم۔** وارد ھا اسکیم دیہی تعلیم میں اقتصادی نقطۂ نظر پر خاص نظر رکھتی ہے لیکن اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نسوانی تعلیم کی اہم ضروریات پر اسمیں صحیح صحیح معنوں میں غور نہیں کیا گیا ہے میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ میں اس اسکیم کے اچھے برے پہلوؤں پر تنقید کروں لیکن جہانتک نسوانی نقطۂ نظر سے اس میں چند باتیں مجھے نظر آتی ہیں میں انھیں ظاہر کر دینا چاہتی ہوں۔ اصل مقصد اس اسکیم کا یہ ہے کہ ذریعہ تعلیم میں عملی نقطۂ نظر کو پیش پیش رکھا جائے۔ لیکن ہمیں افسوس کیساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جن دستکاریوں کیطرف اسمیں توجہ کی گئی ہے انمیں خانہ داری کے تعلیمی پہلو سے بے توجہی برتی گئی ہے خانہ داری کی تعلیم اقتصادی نقطۂ نظر سے کامیاب ہونے کے علاوہ کیرکٹر کی ساخت میں بھی بڑی حد تک معاون ہو سکتی ہے یہ امر لازمی تھا کہ مردنکی لیک کمیٹی باورچی خانہ کپڑے دھونے اور سینے اور اس قسم کی دیگر ضروریات خانہ داری کی اہمیت کو نظر انداز کرے۔ وارد ھا اسکیم میں خانہ داری کی تعلیم کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی گئی ہے۔ بلکہ عام صنعت اور حرفت کے ماتحت اسے ایک جزوی جگہ دی گئی ہے۔ خانہ داری کی تعلیم ہماری اقتصادی اور معاشرتی حالت کو بہتر بنانے میں بڑی حد تک مدد دے سکتی ہے اور ہمیں موجودہ تہذیب کے طوفانی عناصر سے بچا سکتی ہے۔ اسکولوں اور تعلیم گاہوں کو مالی نقطۂ نظر سے اپنے پیر پر آپ کھڑے ہونیکی صلاحیت پیدا کرنیکی خواہش نے اسمیں دوسری خرابیاں بھی پیدا کر دی ہیں۔ اور ڈر یہ ہے کہ ہمارے یہ اسکول تعلیم گاہوں کے بدلے کہیں تجارتی کارخانے نہ بن جائیں تعلیم کو تجارتی نقطۂ نظر کے ماتحت کر دینا کیرکٹر کی ساخت کیلئے سخت مضر ہوگا ہمارے تعلیمی نصاب کی سب سے بڑی کمی یہ ہے کہ یہ ہماری معاشرتی اور خانگی اخلاق کی تشکیل اور تکمیل کیطرف سے بالکل غیر متوجہ ہے۔ اسکولوں کو اپنے خرچ آپ برداشت کرنیکے لئے ضروری ہوگا کہ اس امر کیطرف توجہ کریں کہ انکی بنائی ہوئی چیزیں اس قابل ہو سکیں کہ بازار میں کارخانوں کی بنی ہوئی چیزوں کے مقابلہ میں فروخت کی جا سکیں۔ تجارتی نقطۂ نظر سے بچوں کی محنت کم خرچ ہونے کیوجہ سے ممکن ہے بازار میں اسکول کی بنی ہوئی چیزیں کارخانوں کی بنی ہوئی چیزوں کے مقابلہ میں سستی بک سکیں لیکن یہ تو بچوں کے تعلیم دینے کے بدلے مزدور بنانیکا ذریعہ ہوگا۔ اس لحاظ سے یہ ضروری کہ اسکیم کا اصل مقصد تعلیم ہو اور اسکولوں کی پیداوار سے اس کا خرچ چل سکے اس پر غیر ضروری توجہ نہ کیجائے۔ صنعت و حرفت کو تعلیم کا ذریعہ بنانیکا اصل فائدہ یہ ہونا چاہئے کہ لڑکوں اور لڑکیوں میں بذات خود کام کرنیکی صلاحیت پیدا ہو۔ انھیں موقع دینا چاہئے کہ اپنی آئندہ زندگی کی ذمہ داریوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی طبیعت کے مطابق وہ اپنے لئے صنعت و حرفت پسند کر کے اس کیطرف خاص توجہ کر سکیں۔ وارد ھا اسکیم میں بہت زور بنیادی صنعتوں پر ہے لیکن بنیادی صنعتیں بچونکو اپنے پسند کے مطابق کام چننے کا موقع نہ دینگی۔ خانہ داری کی تعلیم پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا ہے۔ ہر عورت فطرتاً گھر والی بننا چاہتی ہے۔ اس لئے ایک ایسا نصاب جس میں باورچی خانہ۔ سوئی کا کام۔ کپڑوں کی سلائی۔ گھر کی آرائش۔ بال بچوں کی دیکھ بھال اور اس قسم کی دوسری ضروریات پر توجہ کی جائے۔ اپنے اندر اس امر کا کافی موقع رکھے گی کہ ان علوم کو عمومی طور پر سیکھنے کے بعد لڑکیاں اپنی پسند کے مطابق کسی ایک مضمون پر زیادہ متوجہ ہو سکیں۔

شہر بانو

# آگرہ میں طوفان باد و باراں

آگرہ میں کئی سال سے بارش اچھی نہیں ہوئی تھی اور دو برس سے تو یہ ہوگیا تھا کہ پچھلی برسات یعنی ستمبر اور اکتوبر کے مہینے بالکل خشک نکل جاتے تھے۔ اسی وجہ سے اناج کی گرانی مستقل سی ہوگئی تھی۔ اس سال آخر جولائی ہی سے مطلع صاف رہنے لگا۔ بادل آئے بھی تو بغیر برسے نکل گئے۔ گرمی حد کو پہونچ گئی حبس بھی ہوا مگر پانی نہ برسا۔ لوگ بے چین ہو ہو کر دعائیں مانگ رہے تھے غلہ دن بدن مہنگا ہوتا جارہا تھا۔ ستمبر کی آمد کے ساتھ ساتھ لڑائی چھڑ جانے کی خبر نے اور بھی سب کو پریشان کردیا کہ ابھی قحط کا ڈر تھا اب تو ہر چیز گراں ہو کر ایک آگ سی لگ جائے گی۔ ہر طرف اور زور و شور سے دعائیں ہونے لگیں۔ خدا خدا کرکے آسمان پر بادل نظر آئے اور مردہ اُمیدوں میں جان پڑ چلی۔ ۹۔۱۰ ستمبر کی رات کو خوب اچھی بارش ہوئی دوسرے دن معلوم ہوا کہ دو انچ پانی برس گیا اور اب نارمل ہونے میں صرف دو انچ کی کسر رہ گئی ہے۔ اوسط بارش یہاں کی بائیس انچ ہے اس میں سے بیس انچ ہو چکی تھی اور امید تھی کہ باقی بھی جلد ہو گی۔ ۱۴ اکو سہ پہر سے بارش شروع ہوئی اور رات بھر میں ڈیڑھ انچ برس کر ذرا ٹھیری لیکن گھٹا کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ کئی دن کی جھڑی لگنے والی ہے ۱۵ کو دن بھر بوندا باندی ہوتی رہی سہ پہر سے زور شروع ہوا اور آدھی رات تک موسلا دھار بارش ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی ہوا کی وہ شدت کہ خدا کی پناہ معلوم ہوتا تھا کہ آج دونوں اپنی اپنی طاقت آزمانے پر تل گئے ہیں۔ جب اس طوفان میں کچھ کمی آئی تو مکانوں کے گرنے کی آوازیں آنی شروع ہوئیں۔ صبح تک یہی پریشانی رہی دن نکلا تو ادھر اُدھر سے خبریں ملیں جن سے معلوم ہوا کہ دو تین محلے جو نالوں کے قریب آباد تھے بالکل برباد ہوگئے اور وہاں سوائے اینٹ مٹی کے ڈھیروں کے اور کچھ نظر نہیں آتا کچھ راستے ملنے کی وجہ سے بند ہوگئے ہیں اور کچھ نالوں کے چڑھاؤ سے۔ اس مہیب رات میں سوا گیارہ انچ بارش ہوگئی۔ جانوں کے نقصان کا اندازہ شام تک ڈیڑھ سو کیا گیا۔ لیکن اس وقت پوری تعداد کس طرح معلوم ہوسکتی تھی جبکہ لاشیں نکالنے کا کام ختم نہیں ہوا تھا۔ ایسی حالت میں بہت کم لوگ نکلے جن میں بچنے کی امید ہو۔ زیادہ تر تو لاشیں ہی ملیں۔ اور کچھ ایسے کہ ایک آدھ بات کرکے یا بیہوشی کی حالت میں ہسپتال پہونچاتے پہونچاتے ختم ہوگئے۔ کئی لاشیں نالوں میں بہتی ہوئی پائی گئیں۔ نالوں کے چڑھاؤ کا سبب بارش کی زیادتی کے علاوہ یہ بھی تھا کہ گائیں بھینسیں آدمی اور اسباب بہ بہ کر کسی تنگ جگہ آکر رُک جاتے تھے اور اُن کا راستہ رُک جاتا تھا۔ جو لوگ جان بچا کر نکل سکے ان میں بہتیرے گلے گلے پانی میں چل کر آ اور بعض تیر تیر کر نکلے ساتھ والوں میں سے کسی ایک آدھ ڈوبتے ہوئے کو بچا سکے تو اس کا بھی ہاتھ پکڑ کر نکال لائے ورنہ ایک نفسی نفسی کا عالم تھا۔ ان مصیبت کے مارے خانماں ویران آدمیوں کے لئے اسکولوں کارخانوں اور سینماؤں کی عمارتیں کھول دی گئیں۔ تاج محل کے قریب رہنے والوں نے

تاج محل میں اور فتحپور سیکری کے آس پاس والوں نے مقبرہ حضرت شیخ سلیم چشتی اور دوسری شاہی عمارتوں میں پناہ لی میونسپل بورڈ مسلم لیگ وغیرہ کی طرف سے ان پناہ گزینوں کے کھانے کا اور ہلاک ہونے والوں کے لئے تجہیز وتکفین کا انتظام ہورہا تھا بارش اب بھی برابر ہو رہی تھی مکان گر رہے تھے اور گرائے بھی جا رہے تھے کہ راستہ چلنے والوں کی جانیں ضائع نہ ہوں۔ رات کی حالت سے لوگ ڈرے ہوئے بھی تھے اور مخدوش مکانوں کو چھوڑ چھوڑ کر بھاگ رہے تھے اس لئے جانوں کا نقصان بعد میں بہت کم ہوا۔ پناہ گزینوں کی تعداد البتہ ہزاروں تک پہونچ گئی جو بچارے صرف اپنی اپنی جان لے کر کسی محفوظ جگہ آ بیٹھے تھے۔ ان کی حالت بھی اس قدر درد انگیز تھی کہ بیان میں نہیں آسکتی۔ بھیگے کپڑے پانی ٹپکتا ہوا، گود میں بچے تھر تھر کانپتے ہوئے، سردی اور بھوک سے نیم جان۔ جہاں تک بن پڑتا تھا ان کے ساتھ ہمدردی کی جا رہی تھی کسی نے دو ایک دیگیں کھچڑی کی پکوا کر تقسیم کیں کسی نے چائے پکوائی کسی نے ایک آدھ روپے کے بھنے چنے ہی منگا کر بانٹ دیئے۔ غرض جہاں جہاں جیسی تعداد میں آدمی تھے اُس کے مطابق ان کا انتظام کیا جا رہا تھا۔ ۱۶۔ اور ۱۷ کو ساڑھے سات انچ اور بارش ہو کر پچھلی رات سے بادل کھلنے شروع ہوئے اور جب صبح کو سورج نکلا تو سب کی جان میں جان آئی ورنہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ سارے کا سارا آگرہ یونہیں تباہ ہو جائے گا۔ ۱۷۔ کو بھی صبح سے دوپہر تک بارش رُکی رہی تھی اور کھلنے کے آثار معلوم ہوتے تھے لیکن پھر ویسا ہی گھر آیا تھا اور سہ پہر سے رات تک برستا رہا تھا۔ اس برسات کی کل بارش ساڑھے اڑتیس انچ ہوئی۔ گویا ساڑھے سولہ انچ اوسط سے زیادہ برسا اور اس نے قیامت کا نمونہ دکھا دیا۔ پُل ٹوٹ کر دو سواریوں سے بھرے ہوئے تانگے دریا میں گرے اور ڈوب گئے کتنے ہی گھر ایسے تباہ ہوئے کہ ان میں کا ایک بھی زندہ نہ بچا اور کہیں کہیں کوئی بچا ہے تو وہ بے سرو سامانی اور مرنے والوں کے غم میں مُردوں سے بدتر ہو رہا ہے۔ ہزاروں آدمیوں کی ساری ساری عمر کی بلکہ پشتوں کی کمائیاں غارت ہو گئیں اور اس وقت سوائے جسم کے کپڑوں کے اور کوئی چیز ان کی ملکیت نہیں کیسی عبرت کی جگہ ہے۔ بعض بعض جگہ خدا کی قدرت کے عجیب حیرت انگیز نظارے دیکھنے میں آئے۔ ایک بچہ مکان گرنے کے تیسرے دن زندہ اور بالکل صحیح وسلامت اس کے نیچے سے نکالا گیا۔ ایک مزدورنی اس حالت میں ملی کہ اپنے دو بچوں کے اوپر اوندھی ہوئی تھی اور چھت سے دب کر اس کی ہڈیاں پسلیاں چُور چُور ہو گئی تھیں اس نے اپنے نکالنے والوں سے پوچھا کہ میرے بچے بچ گئے؟ اور پھر ان کی سلامتی کا حال سُن کر ایک دو منٹ بعد مر گئی۔ اب کل ۱۹ ستمبر سے دھوپ نکلی ہوئی ہے اکثر مکان سوکھ سوکھ کر گر رہے ہیں۔ کل اور آج اسی سے اکثر موتیں ہوئیں کہ کچھ لوگ ان گیلے گیلے مکانوں میں واپس آ گئے تھے۔ طوفان کی دوسری راتیں بعض جگہ یہ بھی افواہ اڑی تھی کہ آج نو اور ساڑھے بارہ بجے رات کے درمیان میں زلزلہ آنے والا ہے اس پر کچھ لوگ آدھی رات کے وقت پانی برستے میں اپنے محفوظ مکانوں سے نکل آئے۔ اور ان کے یہاں چوریاں ہو گئیں معلوم نہیں کیا شامت اعمال ہے کہ آخر جون سے آگرے پر مصیبتوں پر مصیبتیں ہی آ رہی ہیں۔ اس زمانے میں خدا جانے کہاں سے ایسے جوگی آ گئے تھے جو بچوں کو پکڑتے تھے اور بوروں میں بھر بھر لے جاتے تھے۔ شروع میں سب نے اس کو فضول افواہ سمجھا لیکن پھر کوتوالی میں کئی بورے لا لا کر کھولے گئے جن میں سے چار چار بچوں کی لاشیں بھیجیں۔ [illegible]

# ٹیلی وژن میں ترقی کا سہرا کس کے سر ہوگا

یہ دلچسپ سوال آج کل بہت اہمیت حاصل کر رہا ہے۔ کہ ٹیلی وژن میں ترقیوں کی انتہائی سرحد تک پہونچنے کا فخر پہلے کس کو حاصل ہوگا امریکہ کو؟ یا انگلینڈ کو؟

برطانیہ عظمےٰ میں ٹیلی وژن کی توسیع کا خیال اس لئے معرض التوا میں پڑ گیا۔ کہ وہاں سیاسی پیچیدگیوں نے امن و امان کی روشن فضا کو جنگ کے امنڈ امنڈ کر آنے والے بادلوں نے گھیر رکھا ہے اور جو رقم اس کے اخراجات میں صرف ہوتی اسلحہ بندی میں لٹائی جا رہی ہے۔ برٹش براڈ کاسٹنگ کارپوریشن نے اعلان کیا ہے کہ جتنی رقم میں ایک تباہ کن کشتی Destroyer تیار ہوگی۔ اتنی ہی لاگت پر ہم ٹیلی وژن کی توسیعی اسکیم کو لندن اسٹیشن کے الگزنڈرا پیلس تک لے جاسکیں گے۔ ٹیلی وژن ساز کمپنیاں گورنمنٹ سے تقاضا کر رہی ہیں۔ کہ وہ جلد اس قدر رقم فراہم کر دے جس سے سب سے پہلا صوبائی Provincial اسٹیشن قائم جائے۔ نیز تخمینہ لگایا ہے کہ صرف پانچ لاکھ ڈالر کی ضرورت ہو جس سے ٹیلی وژن کا اجرا ایک نئے رقبہ میں ہوگا۔

فیصلہ کی منتظر تمام آنکھیں اس وقت امریکہ پر لگی ہوئی ہیں۔ گورنمنٹ سے بھی امید کی جاتی ہے کہ وہ اس کامیابی کے ذوق میں ضرور کوئی مناسب طرز عمل اختیار کرے گی۔ عوام کی توجہ بھی اس کے متعلق بہت امید افزا ہے اور ان تین مہینوں کے عرصہ میں ان کی تعداد تگنی ہوگئی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ پہلے ہی چودہ ہزار STTS لندن میں بنائے جاچکے ہیں۔

عجب نہیں کہ ایک سال بھر میں دنیائے ٹیلی وژن کی لیڈری کا سہرا امریکہ کے سر ہو۔ برٹش براڈ کاسٹنگ کمپنی اپنی چند سالہ تجربات امریکہ کو دے دے گی۔ الگزنڈرا پیلس کے اسٹوڈیو مینجر ڈی اتیج منرو کو عارضی طور پر ۲ ہفتہ کے لئے کولمبیا براڈ کاسٹنگ سسٹم نے مستعار لیا ہے کہ وہ مشترکانہ حیثیت سے نیویارک میں تجربات مکمل کریں۔ انہوں نے اپنے ساتھ ایک مکمل متحرک تصاویر moving pictures کا ریکارڈ لیا ہے جس میں برٹش براڈ کاسٹنگ کی کامیابیاں اور ناکامیاں مندرج ہیں۔ ایک مووی کیمرہ بھی اسٹوڈیو میں لگایا گیا ہے۔ جس پر گزشتہ ڈھائی سال سے مشق ہو رہی ہے۔

مسٹر منرو نے ان تصاویر کے ریلوں Reels کو اس لئے ساتھ نہیں لیا ہے کہ انہیں ٹیلی وژن کے اجنا جلائیں بلکہ ان کا مقصد صرف اسی کی تعلیم دینا ہے۔

ان کو یقین ہے کہ امریکن تیار کرنے والے Producer اس ابتدائی دور میں حد سے زیادہ Film minded فلمی ذہنیت رکھتے ہیں۔ یہ لوگ خیال کرسکتے ہیں۔ کہ ایک مکمل فلم جو کسی اسٹوڈیو میں ہالی وڈ کے اصول پر تیار کیا گیا ہے ٹیلی وژن کے تجربہ کے لئے بہت مقبول ہوگا حالانکہ یہ بات نہیں ہے اور اس کے برعکس لندن میں عام رائے کے بالکل ناموافق ہے۔

ٹیلی وژن کے موافق رائے دریافت کرنے کے لئے برٹش براڈ کاسٹنگ کمپنی نے سوالات کے کئی ہزار مطبوعہ فارم تقسیم کرائے۔

جو فانہ پُری کے بعد موصول ہوئے وہ یہ تھے (۱) مکمل کھیل اور پوری جسامت کے ساتھ تھیٹر سے ٹیلی وائز Televise کئے جائیں۔ اس سے کم اسٹوڈیو سے۔ (۲) تصاویر کے صفحات یا ایک مضمون اور ہفتہ وار رسالہ جس میں ان لوگوں سے تبادلہ خیالات کا ذکر ہو اور جس سے دنیا کی خبروں اور انسانی مفاد کے متعلق بھی معلومات میں اضافہ ہوا کرے ٹیلی وائز کئے جائیں (۳) یا عام طور پر مختصر دلچسپیوں کے قصے کہانیاں یا لطیفے (۴) بیرونی کھیلوں کے متعلق دوسرے ملکوں کی خبریں۔ (۵) عام خبریں۔ اس طرح ٹیلی وژن کے متعلق عام رائے کا انتخاب ہوگیا جس میں مردوں کی نسبت عورتوں نے زیادہ اظہار رائے کیا ہے۔

اس رائے وہی سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ اکثریت بہترین کھیلوں کو تھیٹروں سے ٹیلی وائز ہونا زیادہ پسند کرتی ہے۔ دراں حالیکہ اسٹوڈیو میں اعلیٰ درجہ کی تیاری ہوتی ہے۔

اب ایک فلم کا ٹیلی وژن سے دیکھنا ویسا ہی معلوم دے گا۔ جیسا کہ گراموفون کے ریکارڈ ہم ریڈیو براڈکاسٹنگ میں سنتے ہیں۔ دراصل اس میں حقیقت بہت ہی کم ہوگی۔

امید ہے کہ ہندوستان بھی زیادہ دیر تک اس نئی ایجاد سے محروم نہ رہے گا۔ اور یہاں بھی ٹیلی وژن کے فیض میں ہم اپنی عصمتی بہنوں کی دہلی۔ علی گڈھ۔ لکھنؤ اور مدراس سے تقریر کرتے ہوئے زیارت کریں گے۔

جمیلہ بیگم کلکتہ

# داستانِ جفا

یہ استبداد کب تک بیکسوں پر، بے نواؤں پر
یہ کب تک جور بہنوں پر، یہ کب تک ظلم ماؤں پر
ارے بیدرد انسان رحم کر ان بے خطاؤں پر
تجھے کچھ شرم بھی آتی ہے آخر ان جفاؤں پر
تجھے اک روز مرنا ہے، خدا کو منہ دکھانا ہے!

خدا نے عورتوں کو بھی تو کچھ ورثہ دلایا ہے
مگر اے نفس کے بندے اُنہیں تو نے بھلایا ہے
ہوس نے تجھ کو اپنے دام میں ایسا پھنسایا ہے
سمجھتا ہے کہ جو کچھ ہے وہ سب تیری ہی مایا ہے
تجھے یہ بھی خبر ہے اس کا خمیازہ اُٹھانا ہے!

تری بیوی، بنا تھا تو ہی جس کے ناز اُٹھانے کو
ترستی ہے تری غفلت سے، وہ اب دانے دانے کو
نہیں ہیں صاف کپڑے بھی اب اس کا تن چھپانے کو
یہی اک بے زباں باقی تھی اب تیرے ستانے کو
مگر پھر بھی ہے تو معصوم، کیا اُلٹا زمانا ہے!

میں تجھ سے پوچھتا ہوں پوچھنا میرا بجا بھی ہے
ترے سینے میں دل بھی ہے؟ تجھے پاسِ وفا بھی ہے؟
ارے کم بخت ان بیدردیوں کی انتہا بھی ہے
تجھے معلوم ہے مظلوم کا حامی خدا بھی ہے۔
خدا۔ جو قادرِ مطلق ہے اور سب سے توانا ہے۔

محمود اسرائیلی

# دوسرا آویزہ

"ایک خاتون آپ سے ملنا چاہتی ہیں"۔ ملازم نے ایڈمنڈ رولینڈ کی خوابگاہ میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"اُن کا نام؟" رولینڈ نے اپنی نکٹائی کو گرہ دیتے ہوئے دریافت کیا۔" وہ اپنا نام بتانے سے انکار کرتی ہیں۔

"تو پھر میں اُن سے ملاقات نہیں کرسکتا"۔ رولینڈ نے فیصلہ کن لہجہ میں کہا۔" اور ہاں اینڈری! میں اندر ہوٹل میں کھانا کھانے جا رہا ہوں۔ اس لئے آج شام کو مجھے تمہاری ضرورت نہ ہوگی۔"

ملازم نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا:" بہت خوب! میں خاتون کو واپس بھیج دیتا ہوں۔

رولینڈ نے اپنی نکٹائی درست کرکے ایک سگرٹ سلگایا۔ وہ اس شام بہت خوش تھا اور اپنی خوش قسمتی پر نازاں۔ وہ لندن کے مشہور ترین جوہریوں میں سے تھا۔ اس کی فرم جس کی ایک شاخ پیرس میں تھی بہت مشہور تھی۔ آج صبح وہ ہوائی جہاز پر لندن سے پیرس ایک خاص سودا کرنے آیا تھا اُسے میڈم بینو سے مشہور و معروف آویزہ خریدنے میں کامیابی حاصل ہوگئی تھی۔ حالانکہ خاص پیرس کے کئی نامور جوہری یہ آویزہ خریدنے کی تاک میں تھے۔ لیکن رولینڈ نے پچاس ہزار فرانک میں معاملہ چکالیا۔

رولینڈ اپنے خیال میں اُن کھانوں کا لطف لے رہا تھا جو اُس رات اُس نے کیفے ڈی لا مارکوئے میں کھائے تھے۔ ایک کامیاب دن کے بعد وہ بھوک بھی محسوس کر رہا تھا۔ وہ کرسی پر سے کھڑا ہوگیا۔ اور قدِ آدم آئینہ میں اپنا عکس دیکھنے لگا۔ وہ دراز قد کا ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔ محفلوں میں اُس کا خوشی سے استقبال کیا جاتا تھا اور دوستوں میں وہ ہر دلعزیز تھا۔ گو اجنبیوں کی رائے میں قدرے خشک مزاج تھا۔

آویزے کی ڈبیا اُس کے سامنے سنگھار میز پر پڑی تھی۔ لوہے کی تجوری میں بند کرنے سے پہلے رولینڈ نے ڈبیا کھول کر ایک نظر اس بے نظیر آویزہ پر ڈالی۔ بجلی کی روشنی میں زمرد جگمگا رہے تھے۔ یقین نہ آتا تھا۔ کہ انسانی ہاتھوں نے ایسی کاریگری کی ہوگی۔ اس شام کی مکمل کامیابی کے لئے صرف ایک بات کی کمی تھی۔ رولینڈ کو اُس آویزہ کے ساتھ کے دوسرے آویزہ کی تلاش تھی۔ وہ جانتا تھا۔ کہ اگر وہ جوڑا مہیا کرے۔ تو پھر چوگنا منافع حاصل کرسکتا ہے۔ اُسے اس نادر آویزوں کی کہانی کا علم تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ ان کے اصلی مالک کونٹ مارل نے اُنھیں علیحدہ علیحدہ کردیا تھا۔ اُس وقت جبکہ صرف ایک کان میں آویزہ پہننے کا رواج تھا، کونٹ مارل نے یورپ کی ایک ایکٹرس جین کلیئرے کو ایک آویزہ بطور تحفہ پیش کرتے ہوئے کہا تھا اگر دونوں کانوں میں آویزے پہننے کا فیشن ہوگیا۔ تو میں دوسرا آویزہ بھی پیش کردوں گا۔" لیکن فیشن بدلنے سے پہلے ہی کونٹ مارل کسی وجہ سے جین کلیئرے سے ناراض ہوگیا۔ اور اس نے دوسرا آویزہ اپنی بوڑھی آنا میڈم بینو کو دے دیا۔ چند روز ہوئے بوڑھی آنا کا انتقال ہوگیا تھا۔ اور وہ مرتے وقت یہ قیمتی آویزہ اپنی اکلوتی بیٹی کو دے گئی جس نے اُسے پچاس ہزار فرانک

میں رولینڈ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

کیا دوسرا آویزہ ابھی جین کلینرے کے پاس ہی ہے؟ یہ خیال بار بار رولینڈ کے دل میں آتا تھا کہ اگر وہ کسی طرح دوسرا آویزہ خریدنے میں بھی کامیاب ہو جائے۔ تو پھر......! لیکن وہ اس سوچ بچار میں اپنی شام غارت نہ کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے ڈبیا تجوری میں مقفل کرتے ہوئے وہ باہر جانے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ عین اس وقت ملازم کمرہ میں داخل ہوا اور کہا: "موسیو! خاتون واپس جانے سے انکار کرتی ہیں۔ اور ان کا نام جین کلینرے ہے۔"

"جین کلینرے"! رولینڈ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا اُسے چند سیکنڈ تک اپنے کانوں پر اعتبار نہ آیا "میں اُن سے ضرور ملاقات کروں گا۔ اینڈری" رولینڈ نے سگرٹ کے ٹکڑے کو پاؤں کے نیچے دباتے ہوئے کہا۔

جین کلینرے آہستہ سے کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کی عمر تیس سال سے زیادہ نہ تھی۔ اس کی شفاف پیشانی، چمکتی ہوئی نیلی آنکھیں اور سنہرے گھونگریالے بال اس کے چہرہ کی دلکشی کو دوبالا کر رہے تھے "تشریف رکھئے" رولینڈ نے کرسی بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میں حیران ہوں۔ کہ میرے نام نے آپ کے ارادہ کو کیوں بدل دیا۔ پہلے تو آپ نے مجھ سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا تھا" جین کلینرے نے نہایت شیریں لہجہ میں پوچھا۔

"میں گمنام عورتوں سے ملنے کا عادی نہیں ہوں۔ ایک کاروباری شخص کو بہت محتاط رہنا پڑتا ہے..... اگر آپ خرید و فروخت کے سلسلہ میں آئی ہیں۔ تو میری دوکان پر کیوں نہ تشریف لے گئیں۔ میرا منیجر........."

"میں آپ سے ذاتی طور پر ایک ضروری کام کے لئے ملنا چاہتی تھی۔ آپ کا خیال درست ہے۔ میں خرید و فروخت کے سلسلہ میں آئی ہوں۔ اور آج رات ہی یہ معاملہ طے کرنا چاہتی ہوں"۔

رولینڈ کے چہرہ پر کوئی تغیر ہویدا نہ ہوا۔ لیکن اس کی نبض تیز ہو گئی۔ اور اس نے کسی قدر آگے کو جھکتے ہوئے کہا: "اگر آپ آج کچھ خریدنا چاہتی ہیں تو میں معافی چاہتا ہوں۔"

"نہیں، میں تو کچھ فروخت کرنا چاہتی ہوں" اس نے جلدی سے جواب دیا: "کیا آپ نے کبھی اُن نادر آویزوں کا ذکر سنا ہے، جو کونٹ مارل نے خاص طور پر بنوائے ہیں؟"

"جی ہاں" رولینڈ نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

"میں آپ کی شہرت سے بخوبی واقف ہوں اور اچھی طرح سے جانتی ہوں۔ کہ آپ کو قیمتی پتھروں کی پہچان ہے۔ اسی لئے آپ کے پاس آئی ہوں۔ ایک موقع پر کونٹ مارل نے مجھے یہ نادر آویزہ دیا تھا۔ اب میں اس آویزہ کو فروخت کرنا چاہتی ہوں"۔

"کیا اس وقت وہ آپ کے پاس موجود ہے؟"

"جی نہیں۔ وہ میرے ہوٹل کے کمرہ میں ہے۔ اگر آپ کو دلچسپی ہے۔ تو آپ میرے ساتھ وہاں چل کر دیکھ سکتے ہیں"۔

"کاش آپ کے پاس دونوں آویزے ہوتے" رولینڈ نے بناوٹی لہجہ میں کہا۔

"لیکن میں آپ کو بتا سکتی ہوں۔ کہ دوسرا آویزہ کس کے پاس ہے"۔

"واقعی!" رولینڈ نے اپنی ہنسی کو چھپاتے ہوئے کہا۔

"لیکن جب تک میرے آویزے کی قیمت طے نہ ہو جائے میں دوسرے آویزے کا پتہ نہ بتاؤں گی" جین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ آج رات ہی کو معاملہ کیوں طے کرنا چاہتی ہوں؟"

"یہ بھی میں بعد میں بتاؤں گی۔ اس کی ایک وجہ ہے ......

تسلی بخش۔ موسیو" جین کلینرے کی گہری نیلی آنکھیں۔ اس کے

سرخ، گلاب سے رخسار اور بلوریں گردن بجلی کی طرح
چمک رہی تھی۔ اس نے ابھی تک شادی نہ کی تھی۔" اگر آج رات
یہ خاتون میرے ساتھ کھانے میں شریک ہوتی تو بہت ہی اچھا
ہو۔" رولینڈ نے جین کے حسین چہرہ پر نظر ڈالتے ہوئے سوچا
اور با آواز بلند کہا۔ کیا آپ آج رات کا کھانا میرے ساتھ کیفے
ڈی مار کوئے میں تناول فرما سکتی ہیں۔ وہاں ہم اطمینان سے
اس معاملے میں بات چیت کر سکتے ہیں۔"

" جین کلینرے نے ہنستے ہوئے کہا۔" آپ کی نوازش،
میں پہلے ہی خیال کر رہی تھی۔ کہ آپ کو کھانے پر مدعو کروں۔"

" جی نہیں۔ مجھے ہی میزبان بننے کی عزت بخشئے۔"

---

کیفے ڈی مار کوئے کی ایک خوبصورت میز پر کھانا کھاتے
ہوئے جین نے اپنے آویزہ کی قیمت ۵۰ ہزار فرانک بتائی۔ یہ
رقم صبح والے آویزہ سے پچیس ہزار فرانک زیادہ تھی۔ لیکن رولینڈ
یہ قیمت خوشی سے دینے کو تیار تھا۔ کیونکہ اب وہ جوڑی بہت
زیادہ قیمت پر فروخت کی جا سکتی تھی۔

" جب تک میں آویزہ اپنی آنکھ سے نہ دیکھ لوں۔ میں کوئی وعدہ
نہیں کر سکتا۔ اور اگر میں چیک صبح بذریعہ ڈاک آپ کے پتہ پر بھیج
دوں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا؟

جین نے اپنے خوبصورت سر کو ہلاتے ہوئے کہا۔ "جی نہیں
یہ معاملہ آج رات ہی طے ہو جانا چاہیئے۔ علاوہ ازیں میں نقد قیمت
چاہتی ہوں۔ میرے بنک کے حساب میں کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔ اس لئے
فی الحال میں کوئی مزید چیک لینا نہیں چاہتی۔"

رولینڈ دل ہی دل میں جین کلینرے کی سادہ لوحی پر مسکرا
پڑا۔ وہ کاروباری شخص تھا اور جانتا تھا۔ کہ جلدی میں سودا
چکانے میں ایک گاہک کو کس قدر نقصان کا احتمال ہو سکتا ہے۔
۵۰ ہزار فرانک؟ اس قدر رقم تو شاید میں آج رات مہیا نہ
کر سکوں۔ لیکن ممکن ہے۔ میرا مینیجر کچھ کر سکے۔ میں ابھی اسے
فون کرتا ہوں۔

---

دو گھنٹے کے بعد رولینڈ، جین کلینرے کے ہوٹل میں اس کے
چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں بیٹھا تھا۔ یہ ہوٹل اعلیٰ ہوٹلوں
میں سے نہ تھا۔ سچ ہے۔ دولت و ثروت چلتی پھرتی چھاؤں ہے
..... جین کلینرے کا آویزہ ایک چھوٹی میز پر پڑا تھا۔

" ہاں یہ وہی نادر آویزہ ہے لیکن جو قیمت آپ طلب کر رہی
ہیں ....." تو کیا آپ خیال کرتے ہیں۔ کہ ۵۰ ہزار فرانک زیادہ ہیں؟
جین نے گھبرا کر پوچھا۔

" یہ قیمت بہت زیادہ ہے میڈم" رولینڈ نے سگرٹ کا ایک لمبا
کش لیتے ہوئے کہا۔

" میں اس سے کم میں ہرگز فروخت نہ کروں گی۔" جین کلینرے نے
پُر زور آواز میں کہا۔" اور میں آپ کو یہ بھی تو بتاؤں گی کہ دوسرا
آویزہ آپ کہاں سے حاصل کر سکتے ہیں۔ اور جب مکمل جوڑی
آپ کے قبضہ میں آ جائے گی۔ تو پھر آپ بے اندازہ منافع حاصل
کر سکتے ہیں۔"

" اونہہ۔ اس کا کوئی یقین تو نہیں۔ میں پچاس ہزار فرانک دینے
کو تیار ہوں۔ اور کون جانتا ہے۔ کہ شاید مجھے اس میں بھی خسارہ ہو"

" میں وثوق سے کہتی ہوں۔ کہ ایڈمنڈ رولینڈ کبھی نقصان نہیں
اٹھا سکتا۔ اور ابھی یہ بھی آپ نے مجھے بتایا تھا کہ آپ ہمیشہ
محتاط رہتے ہیں۔ میں ۵۰ ہزار فرانک سے کم ایک کوڑی نہ لوں گی
یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔" پھر مسکرا کر ایک خاص انداز سے بولی۔

"کیا آپ ہنوز کنوارے ہی ہیں؟"

"آپ کا قیافہ درست ہے"

جین کلیئرے کی خوبصورت آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔ مسکرا کر بولی "مجھے یقین ہے کسی عورت نے آپ کی شادی کی درخواست قبول نہ کی ہو گی"

"یہ طعنہ کیوں؟" رولینڈ نے کسی قدر آگے جھکتے ہوئے کہا۔

"کیونکہ آپ بہت سرد مہر اور محتاط شخص ہیں۔ یہاں تک کہ چند ہزار فرانک بھی ایک عورت کو زیادہ دینے کو تیار نہیں"

رولینڈ نے ٹھنڈا سانس بھرا اور کہا "بہت خوب میں آپ کے مطلوبہ رقم دینے کو تیار ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ کل شام کا کھانا آپ میرے ساتھ ہوٹل میں تناول فرمائیں گی۔"

"اس قسم کی بات چیت بعد میں ہو گی...... سب سے پہلے مجھے آپ کو رسید لکھ کر دے دینی چاہیئے" جین نے جلدی سے کہا۔ جب رسید لکھی جا چکی۔ تو رولینڈ نے ۵، ہزار فرانک کے نوٹ جیب سے نکال کر جین کلیئرے کو دے دیئے۔ اور کہا "جس قدر میں محتاط ہوں اسی قدر آپ لاپرواہ ہیں۔ آپ ایسا بیش بہا ہیرا ہوٹل میں چھوڑ کر باہر چلی جاتی ہیں۔ کیا پیرس میں چور نہیں؟"

"ہیں تو سہی۔ لیکن یہ آویزہ ایک چور کے مصرف کا نہیں بھلا کونسا ایسا چور ہو گا۔ جو اسے فروخت کرنے کی ہمت کر سکے"

"یہ درست ہے..... کیا میں دریافت کر سکتا ہوں۔ کہ آپ اس قدر عجلت میں کیوں ہیں۔ اور آج رات ہی یہ معاملہ کیوں طے کرنا چاہتی تھیں" رولینڈ نے پوچھا۔

"میں ابھی بتاتی ہوں۔ لیکن پہلے مجھے اپنا وعدہ پورا کرنا چاہیئے۔ دوسرا آویزہ میڈم بینو کے قبضہ میں ہے۔ وہ کونٹ مادل کی بوڑھی دایا ہے۔ اور فونٹ بلیو میں رہتی ہو۔ اگر مجھے جلدی نہ ہوتی۔ تو میں خود ہی اُس سے دوسرا آویزہ خرید لیتی۔ اور پھر اس جوڑی کے لئے ایک بہت بھاری رقم آپ سے طلب کرتی"

"اس میں کیا شک ہو۔ اور اس لئے تو میں نے ۵، ہزار فرانک ادا بھی کر دیئے۔ بات دراصل یوں ہے۔ کہ میں نے آج سہ پہر کو دوسرا آویزہ میڈم بینو کی بیٹی سے خرید لیا تھا"

"جین کلیئرے تیزی سے اپنی کرسی پر سے کھڑی ہو گئی۔ غصہ اس کی آنکھوں سے ٹپک رہا تھا۔ آپ نے مجھے دھوکا دیا ہو اگر میں یہ جانتی ہوتی۔ تو دوگنی قیمت وصول کرتی!"

اِسی لئے تو میں نے بتایا نہ تھا۔ گو آپ کی ملاقات میرے لئے باعثِ مسرت ہے۔ لیکن خرید و فروخت کا معاملہ جدا ہے کاش میری آپ سے پہلے ملاقات ہوئی ہوتی۔ تو اب تک کئی دفعہ آپ سے ملاقات کی مسرت حاصل کر چکا ہوتا۔ اب بھی میں آپ کو کل شام کے کھانے پر مدعو کر چکا ہوں۔ آپ نے کوئی جواب نہیں دیا!

جین کلیئرے کا غصہ زائل ہو گیا۔ اور اس نے نرمی سے کہا "لیکن میں آپ سے التجا کرتی ہوں۔ کہ اس وقت آپ یہاں سے تشریف لے جائیں"

---

"آپ اس قدر پریشان کیوں ہیں۔ کیا کسی مصیبت میں گرفتار ہیں" رولینڈ نے پوچھا۔

"اگر میں اثبات میں جواب دوں۔ تو کیا آپ میری مدد کریں گے؟" جین یہ کہہ کر رولینڈ کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی "یقیناً۔ مگر شرط یہ ہے کہ......

"کہ پولس کے ساتھ کوئی جھگڑا نہ ہو" جین نے رولینڈ کی بات کاٹتے

ہوئے کہا۔" لیکن بات کچھ ایسی ہی ہے۔ ابھی میں نے آپ کو بتایا کہ میرے بنک کے حساب میں کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔ اصل میں معاملہ اس سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہے۔"

"تو کیا پولس آپ کے تعاقب میں ہے" رولینڈ نے گھبرا کر پوچھا۔

"ممکن ہے، یہ بات درست ہو" جین کی آنکھوں سے پریشانی عیاں تھی" میں آپ کو یقین دلاتی ہوں۔ کہ میں بے قصور ہوں۔ دراصل میں ایک جعل سازی کی سازش میں پھنس گئی ہوں۔ خدا شاہد ہے کہ میری کوئی خطا نہیں۔ لیکن فی الحال اپنے آپ کو بری کرنا بہت مشکل ہے۔ اس لئے میں علی الصباح پیرس سے باہر جا رہی ہوں اسی وجہ سے میں آج رات ہی آویزہ فروخت کر دینا چاہتی تھی۔ مجھے روپے کی ضرورت تھی موسیو۔"

رولینڈ یک لخت کرسی سے کھڑا ہو گیا" تو پھر میں یہ آویزہ واپس کرتا ہوں۔ پولس کو خیال ہوگا۔ کہ میں نے روپوں سے آپ کی ناجائز مدد کی ہے۔"

"اس میں کونسی بات ہے۔ آویزہ میری ملکیت تھا۔ اور سودا ایمانداری سے طے پایا ہے۔"

"یہ سب درست ہے۔ لیکن میں آویزہ واپس کرتا ہوں۔ اور اپنی رقم واپس چاہتا ہوں۔ اگر خدانخواستہ آپ گرفتار ہو گئیں۔ اور مقدمہ چلا۔ تو میرا نام بھی اس سلسلہ میں لیا جائے گا اور میری شہرت کو نقصان پہنچے گا۔"

"جین نے سرگوشی کے لہجہ میں جواب دیا۔" آپ ہرگز پریشان نہ ہوں۔ مقدمہ چلنے تک نوبت نہ آئے گی۔ امید تو یہی ہے کہ پولس مجھے گرفتار نہ کر سکے گی۔ اور اگر میں گرفتار ہو بھی گئی۔ تو اس بدنامی سے نجات پانے کے لئے ایک ذریعہ اور بھی ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا ہینڈ بیگ کھولا۔ اور ایک چھوٹی سی شیشی کھول کر دکھائی۔ جس پر نیلا لیبل لگا تھا۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ سخت مصیبت میں گرفتار ہیں۔ لیکن میں آپ کو خودکشی ہرگز نہ کرنے دوں گا" یہ کہتے کہتے رولینڈ نے شیشی چھین لی۔ اور اپنے کوٹ کی جیب میں ڈال لی۔

چند منٹ کے بعد رولینڈ پھر بولا" اگر پولس کو میرے اور آپ کے معاملہ کا حال معلوم ہو گیا۔ تو پھر مجھ پر بھی مقدمہ چلایا جائے گا اور میری عزت خاک میں مل جائے گی۔"

---

دستک کی آواز آئی۔ رولینڈ نے دروازہ کھولا۔ دو آدمی باہر کھڑے تھے۔ ایک دراز قد کا تھا اور دوسرا پست قد کا۔

دراز قد آدمی بولا" معاف کیجئے موسیو۔ آپ یہاں سے تشریف نہیں لے جا سکتے" یہ کہہ کر وہ کمرہ میں داخل ہوا۔ اور جین کلیرے کو مخاطب کر کے بولا" میں پولس افسر ہوں اور آپ کو اپنی حراست میں لیتا ہوں۔"

رولینڈ ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے ہونٹ یک لخت خشک ہو گئے۔ جین کلیرے کرسی پر سے اُٹھ کھڑی ہوئی اور بولی" میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"میرے خیال میں آپ سب کچھ سمجھتی ہیں۔ ورنہ آپ نام بدل کر اس ہوٹل میں نہ رہتیں۔ اور پیرس سے ایک دم باہر جانے کا ارادہ نہ کرتیں۔" پھر اُس نے رولینڈ کو مخاطب کر کے کہا" براہِ مہربانی آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔"

"آپ حد سے بڑھ رہے ہیں موسیو۔ میں اس خاتون کے دوستوں میں سے نہیں ہوں" رولینڈ نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"تو پھر آپ کی موجودگی کیا معنے رکھتی ہے؟ کیا آپ بھی کل صبح

پیرس سے باہر جا رہے ہیں ؟

"ہرگز نہیں میں نہیں سمجھتا، کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میں آج شام سے پہلے ان خاتون سے واقف نہ تھا، کاروبار کے سلسلہ میں ہم دونوں نے ساتھ کھانا کھایا۔ اور پھر ہم دونوں معاملہ طے کرنے یہاں آ گئے۔ میں میڈم سے ایک آویزہ خریدنا چاہتا تھا"

"آپ کا نام"

"آپ کو میرے نام سے کیا سروکار" رولینڈ نے کسی قدر تیزی سے کہا لیکن جملہ ختم ہونے سے پہلے دراز قد آدمی کی نظر رسید پر پڑ گئی جو میز پر رکھی تھی۔ "ایڈمنڈ رولینڈ" اُس نے باآواز بلند پڑھا۔ "براہ مہربانی مجھے معاف کیجئے۔ میں آپ کے نام سے بخوبی واقف ہوں۔ مجھے افسوس ہے۔ کہ اس سلسلہ میں آپ کا نام لیا جانا آپ کے لئے اچھا نہیں"

رولینڈ نے ایک قدم آگے بڑھایا اور کہا۔ "کیا کوئی ایسا ذریعہ نہیں جس سے میرا نام اس سلسلہ میں نہ لیا جائے؟

"مجھے افسوس ہے موسیو"

"معاملہ بالکل صاف ہے۔ دیکھئے یہ رہا آویزہ جو میں نے ابھی اس خاتون سے خریدا ہے۔ یہ ان کی ملکیت تھی۔ کونٹ مارل نے بطور تحفہ انہیں دیا تھا۔ کیا دوران مقدمہ میں میرا نام ضرور لیا جائے گا!"

"یہ جج کی مرضی پر منحصر ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے۔ کہ آپ کی شہادت ضرور طلب کی جائے گی۔ کیونکہ آپ جانتے ہیں۔ کہ ایک قتل کے مقدمہ میں ........"

"قتل!" رولینڈ کا خون خشک ہو گیا۔ وہ بجلی کی سی سرعت سے مڑا اور جین کلیئرے کو دیکھنے لگا۔ وہ آہستہ سے ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ اور اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔

دراز قد آدمی نے سلسلہ کلام پھر جاری کیا: "میڈم کی بدقسمتی سے قتل کا پتہ قبل از وقت لگ گیا۔ ورنہ وہ باآسانی پیرس سے نکل گئی ہوتیں۔ انہوں نے حسد و غصہ کی حالت میں پرنس فیری کو خاص اُس کے مکان پر قتل کر دیا تھا۔ مجھے زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ آپ کی شہرت کو دھبہ لگ جائے گا"

رولینڈ سے بہتر کون جان سکتا تھا کہ اس کی شہرت کس قدر خطرہ میں تھی۔ وہ اپنی پیشانی سے پسینے کے قطرے پونچھنے لگا۔ دراز قد آدمی نے رسید طے کر کے جیب میں ڈال لی۔ اور کہا "میں یہ رسید ساتھ لئے جاتا ہوں"

"اور آویزہ؟" رولینڈ نے کانپتے ہوئے دل سے پوچھا۔

"وہ فی الحال آپ رکھ لیجئے موسیو۔ کیا آپ مجھے یقین دلا سکتے ہیں۔ کہ آج شام سے پہلے آپ اس عورت سے واقف نہ تھے؟"

"یہ آپ میڈم سے دریافت کر سکتے ہیں"۔ رولینڈ نے ملتجی نگاہوں سے جین کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ سچ ہے" ایکا ایکی جین ایک خوفناک ہنسی ہنس پڑی اور بولی "موسیو مجھے یقین ہے کہ کوئی مقدمہ نہ چلے گا۔ اور آپ کی شہرت کو کوئی ضرر نہ پہنچے گا"

رولینڈ نے جین کلیئرے کے پوشیدہ خیالات کھلی ہوئی کتاب کی طرح پڑھ لئے۔ وہ اس بدنامی سے موت کو ترجیح دے گی۔ اُس کے چہرے سے صاف ظاہر تھا۔ کہ اس نے اس بات کا تہیہ کر لیا ہے اس نے محسوس کیا کہ اگر بیانات ہونے سے پیشتر اس کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔ تو اس کی شہرت کو دھبہ نہ لگے گا۔

"میڈم کیا آپ جانے کے لئے تیار ہیں؟" دراز قد آدمی نے خاموشی کو توڑتے ہوئے پوچھا۔

"چلئے" جین کی خوبصورت آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔

ہونٹ لرز رہے تھے۔ اور چہرے پر پریشانی اور ناکامی عیاں تھی۔ اس کا رومال زمین پر گر پڑا۔ رولینڈ نے بڑھ کر رومال اٹھالیا۔ اور جین کو پیش کر دیا۔ دوسرے دونوں آدمیوں نے کچھ نہ دیکھا۔ لیکن رومال میں لپٹی ہوئی زہر کی شیشی جین کے ہاتھ میں پہنچ گئی تھی۔

---

رولینڈ اپنے ہوٹل میں واپس آچکا تھا۔ پولس افسر نے وعدہ کیا تھا۔ کہ وہ علی الصباح فون کرے گا۔ اور صورت حال سے آگاہ کرے گا۔ لیکن رولینڈ کو یقین تھا کہ اس سے بہت پہلے جین اپنی جان پر کھیل جائے گی۔

دروازہ کھلا اور ملازم اندر داخل ہوا۔ "اینڈری مجھے صبح ۹ بجے تک بیدار نہ کرنا۔ کیونکہ میں آج بہت تھک گیا ہوں" رولینڈ نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

"بہت بہتر جناب" کہہ کر ملازم واپس چلا گیا۔

رولینڈ سوچنے لگا۔ دن تو بیشک پریشانی میں گزرا لیکن اس کی تلافی اُن ہزاروں فرانک سے ہو جائے گی۔ جو مجھے منافع میں ملیں گے۔" وہ آویزہ جیب سے نکال کر بجلی کی روشنی میں دیکھنے لگا۔ لیکن جب اس نے سیف کھولا تاکہ دوسرا آویزہ نکال کر مقابلہ کرے۔ تو ڈبیا غائب تھی۔ پھر اس کی نظر اُس تازہ بنے ہوئے سوراخ پر پڑی۔ جو دراز قد آدمی نے اُس وقت بنایا تھا۔ جس وقت وہ جین کلیئر کے ساتھ شراب اور لذیذ کھانوں کا لطف اٹھا رہا تھا۔

رولینڈ پر سکتہ کی سی حالت طاری ہوگئی۔ اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی زور سے بجی۔ رولینڈ نے رسیور اُٹھایا۔ ایک عورت کی شیریں آواز اس کے کانوں میں آئی۔ وہ اس لطیف آواز سے اس شام کئی گھنٹے لطف اُٹھا چکا تھا: "محتاط موسیو رولینڈ کو ایک ہی آویزہ کو دو دفعہ خریدنے کا بہت تلخ تجربہ ہوا ہوگا... میں نے وعدہ کیا تھا۔ کہ آپ کو بتاؤں گی کہ دوسرا آویزہ کہاں ہے۔ وہ جین کلیئر کے قبضہ میں ہے لیکن بدقسمتی سے وہ اس وقت نیویارک میں ہیں۔ اور ہاں بہتیرے کی شیشی واپس کرنے کا بہت بہت شکریہ"

رولینڈ کے ہاتھ میں سے سلگتا ہوا سگرٹ نیچے گر پڑا۔

(ماخوذ انگریزی) سرور رعنا بی اے

# خواتین برار کی عمرانی زندگی

**غذا۔** خوش حال گھرانوں میں صبح کے وقت چاء، پراٹھے انڈے یا مکھن ٹوسٹ۔ دوپہر کے کھانے میں گوشت ترکاری روٹی خشکہ۔ سویاں حلوا یا کوئی مٹھاس شام کو چاء پھل رات کا کھانا عموماً ہلکا ہوتا ہے۔ گائے کے گوشت کے کباب شوق سے کھاتی ہیں۔ بکری کا گوشت بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ مرغ مچھلی کی شائق ہیں۔ مرچ بہت زیادہ کھاتی ہیں۔ دعوت میں پلاؤ قورمہ مرغ کباب پڈنگ کا ہونا ضروری ہے۔ بازار سے کھانا منگانا سخت معیوب ہے۔ غریب طبقہ کی خواتین جوار یا باجرے کی روٹی ساگ اور گائے کا گوشت استعمال کرتی ہیں۔ چاء کثرت سے پیتی ہیں۔ ایک وقت کھانا نہ ہو تو پروا نہیں لیکن چاء کا ہونا اشد ضروری ہے۔ پان کھانے کی شوقین ہیں۔ غریب خواتین پاندان کے بجائے "جینچی" کا استعمال کرتی ہیں۔ یہ ایک تھیلی نما ہوتی ہے جس میں کئی خانے سلے ہوتے ہیں چھالیہ کتھا لونگیں وغیرہ رکھتی ہیں۔ چونے اور تمباکو کے لئے ڈبیا ہوتی ہے۔

**لباس** تعلیم یافتہ خواتین کا عام لباس ساری ہے۔ غرارے اور شلوار بھی پہنتی ہیں۔ پہلے پاجامے پہننے کا رواج تھا، اب بھی بعض گھرانوں میں تنگ پاجامے۔ نیچے کرتے، ململ کے ڈوپٹے پہنے جاتے ہیں۔ پہلے کنواری لڑکیوں کو ساری پہننے کی سخت ممانعت تھی لیکن اب تو ساری فیشن میں داخل ہے۔ معمر خواتین کا سادا لباس ہوتا ہے۔ غریب طبقہ کی خواتین تنگ پاجامے سُوسی (ایک قسم کا دھاری دار کالا کپڑا) کے کرتی چولی پہنتی ہیں۔ کُرتی میں آستین نہیں ہوتی گلا گول ہوتا ہے اور لانبی ہوتی ہے بٹن اکثر کھندھے پر رکھے جاتے ہیں۔ ڈوپٹے پانچ چھ گز کے ہوتے ہیں جنہیں لپیٹ کر اوڑھتی ہیں۔ متوسط گھرانوں کی خواتین گھر میں چپل اور سلیپر پہنتی ہیں۔ باہر جانے کے لئے سوز سینڈل یا اگر خوبصورت سنہری چپل ہو تو اُسے ہی پہن کر چلی جاتی ہیں۔ لباس کی عمدگی حیثیت پر منحصر ہے۔

**سنگھار** زیور کا شوق کافی ہے۔ کم سے کم ہاتھ گلے کانوں میں ہوتا ہے۔ چاندی کے بندے شوق سے پہنے جا رہے ہیں۔ مانگ بنسبت ترچھی کے سیدھی زیادہ نکالتی ہیں۔ بال خوبصورتی سے بناتی ہیں۔ بال بڑے ہوں تو چوٹی یا جوڑا باندھتی ہیں جاہل خواتین زیادہ سے زیادہ زیور پہننے کی شائق ہیں۔ خواہ چاندی کا ہو۔ کانوں میں پانچ چھ بالیاں لوکی میں بڑے بالے جو بالیوں سے چار گنے بڑے ہوتے ہیں۔ گلے میں وجٹیک کھٹی مالے وغیرہ ہاتھوں میں کڑے پہنچیاں۔ بازو بند۔ پاؤں میں بیڑی انا جھانجن پازیب۔ ناک میں بلاق لونگ وغیرہ۔ مانگ سیدھی نکال کر دونوں طرف پٹی جماتی ہیں۔

**تعلیم** پہلے خواتین انگریزی تعلیم کے خلاف تھیں، صرف چند پرائمری سکول تھے۔ لیکن اب تعلیم کا بہت چرچا ہے اور خواتین میں کافی بیداری ہو گئی ہے۔ امراؤتی میں مسلم گرلز اسکول کا ۱۹۳۱ء سے اجرا ہوا۔ جہاں پردہ نشین لڑکیاں انگریزی تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ چند لڑکیاں میٹرک پاس کر چکی ہیں۔ اور زنانہ کالج ناگپور میں تعلیم پا رہی ہیں۔ اسکول میں لڑکیوں کے

خوردونوش اور رہائش کا بھی انتظام ہے۔ فی الحال تعلیمی حالت امید افزا ہے۔

**مذہب**۔ خواتین نماز روزے کی کم پابند ہیں مگر رمضان شریف میں افطاری خاص اہتمام سے تیار کرتی ہیں۔ مسجدوں میں جمعہ اور جمعرات کو افطاری بھیجتی ہیں۔ محرم میں کھچڑی حلیم وغیرہ پکا کر تقسیم کرتی ہیں۔ علاوہ ازیں نویں دسویں تاریخ کو شربت بنا کر مسجدوں میں بھیجتی ہیں۔ شب قدر میں تمام رات جاگ کر نوافل و قرآن شریف پڑھتی ہیں۔ بھوت پریت کی قائل ہیں۔ شیخ سدو بھی بعض کے سر پر آتے ہیں۔ بعض خواتین جنوں وغیرہ پر عموماً اعتقاد رکھتی ہیں منتیں مرادیں مانگتی ہیں۔ محرم میں جاہل خواتین برقع اوڑھ کر تعزیئے وغیرہ بھی دیکھنے جاتی ہیں۔ لیکن رفتہ رفتہ جاہل طبقہ بھی ان خرافات سے پاک ہوتا جارہا ہے۔

**پیشہ**۔ غریب خواتین اکثر کھیت کا کام یا اور کوئی مزدوری کرتی ہیں۔ پردہ نشین خواتین سلائی وغیرہ کرتی ہیں۔ ماما گیری بھی کرتی ہیں۔

**شادی بیاہ و دیگر رسوم** غریب طبقہ میں شادی بیاہ و دیگر رسوم زیادہ دھوم سے نہیں کرتے عموماً سادے طریقے سے ہوتی ہے تاہم پرانی رسوم و رواج کی سختی سے پابند ہوتی ہیں۔ بسم اللہ۔ روزہ کشائی وغیرہ پر دعوتیں ہوتی ہیں۔ شادی کے انتظامات متوسط طبقہ میں مہینوں پہلے سے شروع ہوجاتے ہیں۔ پہلے منگنی ہوتی ہے۔ نکاح سے ایک روز قبل دلہن کی بہن شام کے وقت چند عزیزوں کے ہمراہ دولہا کو مہندی لگانے کے لئے جاتی ہے۔ دلہن والے دولہا کے لئے کپڑے سہرا۔ مٹھائی وغیرہ طشت میں سجا کرے جاتے ہیں۔ ایک چاندی کی کٹوری میں صندل اور دوسری میں مہندی ہوتی ہے۔ ایک روپے سے دلہن کی بہن دولہا کی انگلی میں مہندی لگاتی ہے اور دوسرے روپے سے گلے میں صندل۔ وہ دونوں روپے دولہا پر سے نچھاور کردئیے جاتے ہیں۔ اس عرصہ میں مامائیں نئے بنڑے کے گیت اس قدر چلا چلا کر گاتی ہیں۔ کہ توبہ بھلی۔ باہر باجہ بجتا رہتا ہے۔ دولہا کی والدہ دلہن کی بہن کو حسب حیثیت بیش قیمت جوڑا مع سلیم شاہی جوتے کے دیتی ہیں اور کچھ نقد۔ دلہن کے گھر تمام رات کھانا پکتا ہے۔ دوسرے روز صبح آٹھ بجے دولہا وہی کپڑے و سہرا جو رات کو دلہن کے گھر سے جاتا ہے پہن کر گھوڑے پر سوار ہوکر آتا ہے۔ دولہا کی کمر میں "کٹاری" کا ہونا ضروری ہے۔ باراتیوں کو کھانا کھلا کر رخصت کرتے ہیں۔ شام سات بجے رونمائی کی رسم ادا ہوتی ہے۔ اس وقت لین دین ہوتا ہے۔ پھر جہیز نکلتا ہے اور دس گیارہ بجے بارات آتشبازی اور باجے کے ساتھ رخصت ہوتی ہے۔ بعض حضرات ایک دو بجے رات تک شہر کے گلی کوچوں میں گھوماتے پھرتے ہیں۔ اگر کسی گلی میں سے پلنگ نہ نکلتا ہو تو آڑا ترچھا کر کے مشکل سے نکالیں گے۔ لیکن بارات گھمائیں گے ضرور۔ ولیمہ دوسرے تیسرے دن ہوجاتا ہے۔ دولہا دلہن کو پالکی یا موٹر میں گود میں اٹھا کر بٹھاتا ہے۔ لیکن اب تعلیم یافتہ خواتین اس فضول رسم کو ترک کر رہی ہیں۔

تعزیت کو جانا ضروری ہے۔ تین دن کھانا بھیجتی ہیں۔ چالیسویں کے دن کھانا پکتا ہے۔ مرحوم کے کپڑے وغیرہ غریبوں میں

تقسیم کروئے جاتے ہیں۔ عقد بیوگان کو معیوب سمجھتی ہیں۔

**عورتوں کی آزادی وحقوق** عورتیں مردوں کی محکوم ہیں۔ سینما یا ایسے ہی دیگر قسم کے کھیل تماشوں میں جانے کی اجازت مرد نہیں دیتے۔ اس لئے یہاں کی خواتین بہ نسبت اور شہروں کے سینما بہت کم جاتی ہیں۔ خصوصاً لڑکیوں کو تو بالکل نہیں جانے دیتے۔ حتیٰ کہ شادی بیاہ، تعزیت میں خواتین لڑکیوں کو نہیں لے جاتیں۔ لیکن اب ان باتوں کی سختی سے پابندی نہیں۔ جیسے میلاد شریف ٹی پارٹیوں میں لڑکیاں شریک ہوتی ہیں۔ لڑکیوں کا مہر عموماً پانچ ہزار اور رئیسوں میں تیس چالیس ہزار تک باندھا جاتا ہے۔ غریب طبقہ میں زیادہ سے زیادہ پانچ سو مہر بندھتا ہے۔

**متفرق باتیں** یہاں کی خواتین بیحد ملنسار خوش مزاج وخوش اخلاق ہوتی ہیں۔ اکثر بغیر بلائے ہی آتی ہیں۔ مہمان کو بغیر چاء پلائے نہیں جانے دیتیں۔ عورتیں اپنے ملنے والیوں کو بہن یا آپا کہہ کر مخاطب کرتی ہیں۔ ان رشتوں کو نبھاتی بھی خوب ہیں۔ بچے خالہ چچی کا رشتہ جوڑ لیتے ہیں۔ احسان کسی کا نہیں رکھتیں۔ جیسے ان کی لڑکی کی شادی میں یا کسی اور تقریب میں ملنے والیوں نے تحفے تحائف یا نقد دیئے تو فوراً کسی تعزیت میں خود بھی تحفہ یا اور کوئی چیز خرید کر دیدیتی ہیں۔ پک نک کی شائق ہیں۔ بمقررہ دن سب اکٹھی ہو کر گاڑیوں میں یا موٹر میں بیٹھ کر تالاب۔ باغ یا کوئی مشہور مقام پر جاتی ہیں۔ سب کے ہمراہ نفیس نفیس پکوان ہوتے ہیں۔ دیکھانے کے متعلق دو تین روز پیشتر ہی طے ہو جاتا ہے کہ کونسی بہن کیا لائیں گی، وہاں سب مل کر کھاتی ہیں۔ گراموفون وغیرہ بھی ساتھ لے جاتی ہیں۔ غرض خوب تفریح رہتی ہے۔ برسات میں جھولے پڑتے ہیں۔ علاج ڈاکٹری کیا جاتا ہے۔ لیکن تیمارداری کے اصولوں سے ناواقف ہیں۔ آپریشن سے گھبراتی ہیں۔ اردو شستہ نہیں بولتیں۔ یہاں کی خواتین کے رہنے سہنے کا طریقہ نہایت سیدھا سادہ ہے۔ بیحد ملنسار ہوتی ہیں۔ غرور وتکبر بالکل نہیں کرتیں۔

پہلے خواتین تقریر کرنا نہیں جانتی تھیں۔ لیکن موجودہ تعلیم اور ترقی کی فضا میں بھی خاص دلچسپی لی جا رہی ہے چنانچہ کئی خواتین تقریریں کرنے لگی ہیں۔

محمودہ مہربانو (جبلپور)

# انگریزی باورچی خانہ

(از محترمہ شائستہ اختر سہروردیہ بی اے مقیم لندن)

انگلستان کے نئے مکانات کے باورچی خانے بہت خوبصورت ہوتے ہیں۔ وجہ یہ کہ جنگ عظیم کے بعد سے نوکر ملنے اتنے مشکل ہیں کہ بیویاں اپنا کام خود کیا کرتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس حصہ میں وہ سب سے زیادہ وقت گزارتی ہیں اس کو خوشنما اور آرام وہ ہی چاہیں گی۔

گھر کے دوسرے کمروں کی طرح باورچی خانہ میں بھی ایک مقررہ کلر سکیم "Colour Scheme" ہوتی ہے۔ آسمانی اور سفید۔ ہلکا سبز اور سفید۔ سرخ اور سفید۔ اور بعض اوقات بالکل ہی سفید یہ باورچی خانے کی پسندیدہ "کلر سکیم" ہیں۔ بازار سے ان میں سے ہر سکیم کے رنگ کی دیگچیاں۔ کفگیر۔ چمچے۔ بول۔ پڈنگ ڈش۔ پائی ڈش۔ غرض کھانے پکانے کے تمام قسم کے برتن مل سکتے ہیں

باورچی خانے فرش عموماً لینولیم linoleum کا ہوتا ہے۔ یہ ایک قسم کا ربڑ کا فرش ہوتا ہے۔ جو کہ بہت آسانی کے ساتھ دُھل سکتا ہے۔ اور دُھلنے کے بعد نیا جیسا نکل آتا ہے۔ یہ بھی ہر رنگ کا مل سکتا ہے۔ نیلا اور سفید باورچی خانے میں نیلے رنگ کا ہوگا۔

باورچی خانے کی دیواریں زمین سے قریباً چھ فٹ تک "ٹائلیز" Tiles سے منڈھی ہوئی ہوتی ہیں۔ ٹائلز چینی کے برتن کے قسم کے چوکور پتھر کو کہتے ہیں۔ ہندوستان میں نئے فیشن کے غسلخانے ان سے منڈھے ہوتے ہیں۔ ان سے فائدہ یہ ہے کہ یہ پانی یا راکھ وغیرہ کے وجہ سے خراب نہیں ہوتا اور ذرا سے گیلے کپڑے سے پونچھ دینا ان کی صفائی کے لئے کافی ہوتا ہے۔ یہ بھی ہر رنگ کے ملتے ہیں۔

نئے فیشن کے باورچی خانے کا ایک حصہ دیوار گیر الماریوں سے بھرا ہوتا ہے۔ ان الماریوں کے دروازے باورچی خانے کے کلر سکیم کے رنگ کے انیمل کے ہوتے ہیں۔ ان کے طاق ہر سایز کے ہوتے ہیں۔ اور باورچی خانے کے استعمال کی ہر چیز کے لئے علیٰحدہ جگہ ان میں بنی ہوئی ہے۔ زمین پونچھنے کی جھاڑو اور بالٹی کے رکھنے کا بھی الگ حصہ اس الماری میں ہوتا ہے۔ ہر قسم کے مصالحوں کے ڈبوں کے لئے جدا طاق ہوتے ہیں۔ مصالحوں کے ڈبے بھی رنگین اور ان پر مختلف مصالحوں کے نام لکھے ہوئے ملتے ہیں۔

(چولھا) باورچی خانے کے ایک کونے میں گیس یا الکٹرک کا ہوتا ہے۔ دوسرے کونے میں برتن دھونے کا چھوٹا سا حوض۔ اس حوض کے دو طرف لکڑی کے تختے ذرا ڈھلواں لگے ہوتے ہیں۔ کہ برتن دھو کر ان پر رکھنے سے پانی

نتھر جائے۔ اوپر ایک ریک Rack یعنی اس قسم کا تختہ جس پر رکابیاں کھڑی رکھی جائیں۔ تاکہ ان کا پانی سوکھ جائے۔ اور پونچھ کر سکھانے کی ضرورت نہ ہو۔

نئے باورچی خانوں میں دیوارگیر کی الماری کے نیچے کے حصّہ میں ایک چھوٹا سا برف کا بکس بھی لگا ہوتا ہے اور ایک میز بھی جو قیمہ وغیرہ کرنے کے کام آتی ہے اور کھینچ کر نکال اور دھکیل کر بند کر دی جاتی ہے۔

باورچی خانے کے طاقوں اور میزوں پر بچھانے کے لئے ایک خاص قسم کا ربڑ ملتا ہے جس کو آئل کلاتھ کہتے ہیں۔ اس پر چار رنگین خانے بنے ہوتے ہیں۔ اور بالکل کپڑے جیسا معلوم ہوتا ہے۔ اس میں وہی صفت ہے یعنی صرف بھیگے کپڑے سے پونچھ دینے سے اس کے داغ دھبے دُور ہو جاتے ہیں۔ کھڑکیوں کے لئے باریک رنگین "آئل کلاتھ" کے پردے ملتے ہیں۔ باورچی خانے میں لگانے کی میز کرسیاں رنگین انیمل کی بنی ہوئی ملتی ہیں۔ پالش کی ہوئی نہیں کہ خراب ہو جانے کا ڈر ہو۔

غرض نئے فیشن کا باورچی خانہ اس قدر خوشنما اور آراستہ ہوتا ہے کہ اس میں دن کا بیشتر حصّہ گزارنا ہرگز بارِ خاطر نہیں ہو سکتا۔ اس کا سارا سامان اس لحاظ سے بنایا جاتا ہے کہ اس کی صفائی میں وقت نہ ہو۔ اور نہ پانی کی چھینٹوں مصالحے اور چکناہٹ کے دھون سے خراب ہو سکے۔ وقت اور جگہ بچانے کا بھی خیال رکھا جاتا ہے۔ اس لئے الماریاں اور کام کرنے کی میز دیوارگیر ہوتی ہے۔

ان باورچی خانوں میں اکثر ایک اور آرام کا انتظام ہوتا ہے یعنی ایک طاق جس کے باہر اور اندر دونوں طرف دروازے ہوتے ہیں۔ یہ اس کام کے لئے ہوتا ہے کہ جب گھر والی باہر ہو اس وقت جو سامان آئے مثلاً دودھ۔ روٹی مکھن۔ وہ اس طاق میں رکھ دیا جائے بلکہ اس طاق میں لانے والا ایک پرچہ پر یہ لکھ کر چھوڑ جاتا ہے کہ دوسرے روز کے لئے آپ کو کتنا دودھ۔ کتنے انڈے اور کتنی روٹیاں چاہئیں۔ ایک اور طاق دیوار کے نیچے حصّہ میں ہوتا ہے جس کے اندر کوڑے کی بالٹی رکھ دی جاتی ہے۔ سڑک صاف کرنے والا مہتر صاف کر کے واپس رکھ دیتا ہے۔ ان طاقوں کا یہ فائدہ ہے کہ خانہ دار بیوی کو اس انتظار میں بیٹھنا نہیں پڑتا ہے کہ جتنے روزانہ سودے والے ہیں وہ آلیں تب وہ باہر باقی چیزوں کے لئے جائے۔ نوکر نہ ہونے کی صورت میں یہ ایک بڑی سہولت ہے۔ اور یہ نئے وضع کے باورچی خانے ان گھر والیوں کی سہولت کے لئے ہی بنائے گئے ہیں۔ جو نوکر نہیں رکھتیں ٭

# خوابِ ناز

رات کی تاریکیاں ہوں موت کی سنسانیاں
گھپ اندھیرا ہو کہ کھو جائیں جہاں بینائیاں

دامنِ صحرا کشادہ ہو ہوا ہو تند و تیز
بلکہ خاک اُڑتی ہوئی ہو چل رہی ہوں آندھیاں

موت کی دیوی جہاں اڑتی ہو پر کھولے ہوئے
بال بکھرے ہوں ردا کالی ہو سانسیں ہوں دھواں

دوڑتے پھرتے ہوں جیسے ریچھ کالی رات میں
یوں زمیں پر پڑ رہی ہوں چار سو پرچھائیاں

یوں ہوا کا شور اُن تاریکیوں میں سن پڑے
بہ رہی ہوں جس طرح آنکھیں نکالے ندیاں

دامنِ صحرا میں ہو پُرہول ٹیلوں کا نمود
اور ٹیلوں کی بغل میں ہوں اندھیری گھاٹیاں

کوہ کے دامن میں یوں پھیلا ہو صحرائے وسیع
جس طرح کہسار پر پھیلا ہوا ہے آسماں

خود بخود آتی رہے "ہو ہو" کی پُرہیبت صدا
جب ہوا کو قید کرلیں غار کی گہرائیاں

جنگلوں میں بھی درندوں کی صدائیں بار بار
گونجتی ہوں یوں کہ ہل جائے زمین و آسماں

اس بیاباں میں جہاں جاتے ہوئے انساں ڈرے
اس اندھیرے میں جہاں چھائی ہوں وحشت ناکیاں

ہاں لڑائی کے اسی میدان میں بے خوف و خطر
ہاں انھیں تاریکیوں کی گود میں اک نوجواں

سو رہا ہو خوب گہری نیند فرشِ خاک پر
موت کا ہو جس کو اندیشہ نہ ہو کچھ خوفِ جاں

پاؤں سے سر تک ردائے موت ہو اوڑھے ہوئے
ہو رہا ہو جامۂ ہستی سراسر دھجیاں

چار سو ہوں منتشر انسان کے اعضائے بدن
ہاتھ یہ ہے پاؤں وہ ہے سر یہ ہے وہ ہڈیاں

نوجواں کو حاجتِ بالیں و بستر کچھ نہ ہو
بلکہ خود سر بھی نہ ہو سارا بدن ہو خونچکاں

خاک و خوں سے اس طرح لتھڑا ہو یہ رنگیں ادا
جس طرح گل کی دلھن میں جلوہ گر رنگینیاں

نوجواں بالکل نہ ہو محتاجِ آغوشِ عروس
ہر طرف سے یوں چبھے ہوں جسم میں تیر و سناں

سونے والا مادری آغوش سے ہو بے نیاز
کچھ درندے یوں تھپک کر دے رہے ہوں لوریاں

اپنی ماں کا لاڈلا مارا گیا ہو جنگ میں
موت کہتی ہو کسی کی بیوگی کی داستاں

جسم کا یہ حال لیکن روح ہو جنت نشیں
جسم کا طائر بھی ہو اس حال میں خلد آشیاں

سر کٹا کر راہِ مولا میں جسے یوں آئے موت
محوِ خوابِ ناز وہ ہے خاک و خوں کے درمیاں

مت کہو صوفیؔ اسے مرنا، یہی ہے زندگی
اس طرح کی موت پر قرباں حیاتِ جاوداں

سید عبدالرب صوفی

# کان اور اس کی احتیاط

کان انسانی بدن کا ایک ضروری جزو ہیں جن کا بداحتیاطی سے بہت سے مصائب میں گرفتار ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ بعض وقت کان پر کسی ضرب کی وجہ سے بھی انسان بہرہ ہوجاتا ہے۔ اس لئے ماہرین نفسیات نے بچوں کے کان پر چانٹا رسید کرنے کی سختی سے ممانعت کی ہے کیونکہ ان کے پردہ سماعت بہت نازک ہوتے ہیں۔ اور اس کی ضرب سے علاوہ پردہ سماعت کو نقصان پہونچنے کے دماغی اعصاب کو بھی شدید نقصان پہونچنے کا احتمال ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ کان کی تکلیف کا امتناعی تدارک کان جیسے نازک اعضاء کی بناوٹ اور اس کے نازک ترین حصص سے واقف اور اس کے ماہر یہ احتیاط تمام بخوبی کرسکتے ہیں۔ مگر باوجود اس کے اس مرحلہ میں خصوصیات سے شیرخوار بچوں کا معالجہ دقت اور بہت محتاط طلب ہوتا ہے۔ اور بہت سے شیرخوار بچے اسی لاپروائی اور بداحتیاطی کے باعث بہرے ہوجاتے ہیں۔ جس کو پیدائشی بہرے پن سے منسب کیا جاتا ہے۔ حالانکہ درحقیقت ۹۰ فی صدی عالم شیرخوارگی کی بداحتیاطی کا باعث ہوتا ہے۔ اس وجہ سے بچہ پیدائش ہی کے وقت سے اپنے کان کے متعلق سخت خبرگیری کا محتاج ہوتا ہے اور ماؤں کا فرض ہے کہ وہ اس کے متعلق کافی معلومات رکھیں اور اپنے بچوں کو بہرے پن کی مصیبت سے بچائیں، خصوصیت سے جب بچوں کو غسل دیا جائے تو اس کی احتیاط کی جائے کہ کان میں پانی نہ رہنے پائے کان کا پانی آہستگی اور نرمی سے خشک کردیا جائے۔ بعض مائیں اس کے لئے تولیہ کو استعمال کرتی ہیں اور اس کے سخت کھردرے کونے کو موڑ کر بتی بنا کے اس سے بچہ کا کان صاف کرتی ہیں۔ ایسا ہرگز نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ بچہ کے کان کا پردہ سماعت بالکل نازک ہوتا ہے وہ کسی سخت چیز کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ جب اس سے کان صاف کیا جائے تو اس سے پردہ سماعت کے چھد جانے کا احتمال ہے۔ اس کے لئے صاف روئی کی ہلکی سی پھریری کافی ہے۔ عام طور پر شیرخوار بچوں کے علاوہ ایام طفلی میں بھی کان کی صفائی کے لئے یہی طریق کارموزوں ومناسب ہے۔ بچوں کے علاوہ بڑوں کو بھی کان میں پانی جانے سے روکنے کی سخت احتیاط کرنی چاہیئے۔ اکثر تیراکوں اور غوطہ زنوں کو اس بارے میں محتاط رہنا چاہیئے۔ کیونکہ کان میں پانی جمع ہونے کے سبب کان کے عوارض کا آغاز ہوتا ہے۔ کان میں پانی نہ جانے پائے۔ اگر جائے بھی تو فوراً احتیاط سے خشک کردیا جائے۔ یہ تو ہوا احتیاط کے متعلق اب اس کے امراض اور اس کے فوری تدارک کی طرف بھی توجہ کی بیحد ضرورت ہے کیونکہ اکثر اوقات کان کی تکالیف بڑھ کر گلٹیاں یعنے گلے غدود کا پھولنا اور سپٹک کا باعث بن جاتے ہیں جو لاپروائی کا خمیازہ ہوتا ہے۔ اور بسا اوقات مختلف قسم کے امراض چیچک سرخ بخار اور ڈیپتھریا ایک قسم کا گلے کا مرض جس میں گلے کے غدود کے بڑھنے کے علاوہ اوپر

بھی گلٹیاں نمودار ہو جاتی ہیں۔ اور بعض حالتوں میں مثل معمولی بخار اور انفلوئنزا میں کان کے امراض نمودار ہو جاتے ہیں چنانچہ اگر اس کا کچھ شائبہ بھی پایا جائے تو فوراً کسی ماہر ڈاکٹر کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اکثر اوقات بچے دانت نکالنے کے وقت کان کے درد میں مبتلا ہو جاتے ہیں جب بچہ درد سے بے چین ہوتا ہے تو چیخ چیخ کر روتا ہے اور اپنا ہاتھ بار بار اپنے کان کی طرف لے جاتا ہے اور اس دوران میں اپنے سر کو اِدھر اُدھر گھمانے لگتا ہے۔ ایسی حالت میں عموماً کان کے گرم رکھنے ہی سے بچہ فوری تسکین حاصل کر لیتا ہے۔ اس وقت عموماً جس کان کی طرف وہ ہاتھ لے جائے اس پر صاف روئی کی تہہ رکھ کر ایک پٹی سر کے اوپر سے لے کر باندھ دینے سے فوراً آرام ہوتا ہے اگر بڑی عمر کا بچہ کان کے درد میں مبتلا ہو تو چند قطرے زیتون کا صاف تیل یا گلیسرین کے چند قطرے ذرا سا گرم کر کے کان میں ڈالنے سے تسکین حاصل ہوتی ہے۔ اکثر درد کان میں میل کے جمع ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس صورت میں گلیسرین ڈال کر آہستہ سے روئی کے نرم پھوہے سے کان صاف کر دینے سے درد جاتا رہتا ہے۔ اگر اس سے بھی درد دور نہ ہو تو کسی ڈاکٹر سے رجوع کرنا چاہیئے۔ شیر خوار بچے بھی بعض وقت کان میں میل کی وجہ سے درد میں مبتلا ہوتے ہیں ان کو کسی حال میں گھر میں صاف کرنے کی کوشش نہ کرنی چاہیئے اور نہ ہی بڑے بچوں کو بھی گھر پر سرپنچ استعمال کرنی چاہیئے۔ ہر صورت میں بہترین صورت ڈاکٹر کی طرف متوجہ ہونا ہے۔ بعض کمزور دماغ کے بچے بار بار اپنے کان مروڑتے اور کان میں اُنگلی ڈال کر پھراتے رہتے ہیں۔ باوجود کھیل کی دوسری چیزوں کی موجودگی کے بھی وہ اس شغل میں دیوانے ہوئے جاتے ہیں۔ اگر ان کی یہ عادت مستقل صورت اختیار کرے تو حتی الامکان ان کو اس سے باز رکھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ ان عام امراض کے علاوہ بعض بچے ناگہانی حادثات کی وجہ سے کان کی تکالیف میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ بعض بچوں میں یہ بُری عادت پائی جاتی ہے کہ کوئی سی پڑی ہوئی چیز بھی دیکھیں تو اُٹھا کر کان میں گھسیڑ لیتے ہیں۔ اگر کسی بچہ میں یہ عادت پائی جائے تو گھر والوں کو اس کی سخت احتیاط رکھنی چاہیئے کہ وہ ایسی کوئی چیز مثلاً موتی بٹن وغیرہ جیسے وہ آسانی سے کان میں ڈال سکے بے احتیاطی سے اِدھر اُدھر پڑی نہ رہنے دیں۔ اگر اتفاقیہ ایسا کوئی حادثہ وقوع پذیر ہو جائے تو بچہ کو فوراً ڈاکٹر کے پاس لے جانا چاہیئے اس کو تیل وغیرہ ڈال کر گھر میں نکال لینے کی کوشش نہ کرنی چاہیئے کیونکہ اس کوشش میں پردہ سماعت کو ٹھیس لگ کر اس کے چاک ہو جانے کا احتمال ہے اگر کیڑا مثلاً چیونٹی کان میں چلی جائے جس سے تکلیف ہو تو صاف زیتون کا تیل چند قطرے ذرا سا گرم کر کے کان میں ڈالنے سے وہ اُبھر کر اوپر آجائے گی چنانچہ آہستہ سے روئی کے پھوے سے اُسے نکال دیا جائے۔ اس سلسلے میں کان کی خوبصورتی کے بارے میں بھی کچھ کہہ دینا غیر موزوں نہیں معلوم ہوتا۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بہت سے بچوں اور بعض بڑوں کے کان بھی مڑے ہوئے اور سر سے اُونچے اُٹھے ہوئے یا بالکل جھکے ہوئے ہوتے ہیں جو دیکھنے میں سیدھے اور کسی قدر چہرہ کو بگاڑ کر اور بدصورتی کا باعث ہوتے ہیں۔ عموماً یہ شیر خوارگی کے ایام کی بداحتیاطی کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ اس لئے بچپن ہی میں اس کی احتیاط کرنی چاہیئے کہ بچہ کا کان مڑنے نہ پائے اور جب بچہ سونے لگے تو اس کا خیال رکھا جائے کہ اس کے کان تکیہ سے ہموار رہیں اگر تکیے سے اُٹھے ہوئے ہوں تو اس کو کنٹوپ سیتے وقت چند دن پہنانے رہنے سے کان سر سے ملے ہوئے رہ جائیں گے اور بڑھنے کے بعد خوبصورت معلوم ہوں گے۔

# عیادت

بیمار کی مزاج پرسی کا قاعدہ تو ہر مذہب وملت میں ہے مگر مسلمانوں میں اس کو مذہبی شان بھی حاصل ہے اور یہ حسن اخلاق وہمدردی کے عام پسندیدہ اطوار میں سب سے بہتر عادت شمار کی جاتی ہے اس میں شک نہیں کہ بعض اوقات ہمدردی کا یہ طریقہ نہایت مؤثر اور فائدہ مند ثابت ہوتا ہے مگر گاہے گاہے غیر مفید وباعث زحمت بھی ہو جاتا ہے۔

مزاج پرسی کے لئے کسی بیمار کے گھر یا ہسپتال جانے کا موقعہ اتفاق ہر شخص کو ہوتا ہوگا۔ اور ان اتفاقات پر اگر مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھا جائے تو بیمار و تیماردار دونوں کے لئے مفید ہے۔

دیکھا گیا ہے کہ اکثر خواتین زرق برق کپڑے پہن کر اور تیز خوشبو لگا کر مریض کو دیکھنے جاتی ہیں جس سے نازک مزاج یا سخت مریض کو نہایت تکلیف ہوتی ہے اس لئے ضروری ہے کہ کپڑے سادہ زیب تن کریں اور خوشبو نہ استعمال کریں تو بہتر ہے۔ چھوٹے بچوں کو ہمراہ نہ لے جائیں۔ کیونکہ ان کا شور وغل اور وقت بے وقت کی بھوک پیاس ایک پریشان آدمی کو پاگل بنا دینے کے لئے کافی ہے۔ دوسرے یہ کہ کئی بیویاں اکٹھی ہو کر بھی نہ جائیں۔ بلکہ ایک یا دو جائیں اور صرف تھوڑی دیر قیام کریں۔ مریض سے بالکل بات چیت نہ کریں۔ اگر بات کرنا ہی ہے تو تسلی وتشفی دیں اور کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے کہ مریض کو پریشانی اور صحت سے ناامیدی ہو جائے۔

بیماری کے زمانہ میں خواتین کو تیمارداروں سے خاطر تواضع کی توقع رکھنا بہت نامناسب ہے۔ لہذا ان کا بعد میں شکایت کرنا کہ کسی نے ہم کو ایک پان کے ٹکڑے کے لئے بھی نہ پوچھا۔ بالکل بیجا ہے۔ کیونکہ ایسی حالت میں تیماردار یعنی مریض کے باپ بھائی پر دوگونہ بار پڑتا ہے۔ بجائے اس کے کہ مریض کے تیماردار مریض کی فکر کریں انہیں آنے والوں کی فکر کرنی پڑتی ہے۔ دوسرے یہ کہ مریض سخت علیل ہے اور تیماردار بہت ہی عدیم الفرصت ہے تیماردار کو تنگ کرنا خلاف عقل ہے کیونکہ اس کو لامحالہ مریض کو چھوڑ کر آپ کی طرف متوجہ ہونا پڑے گا جس سے مریض کو تکلیف ہوگی، بات چیت نہ کی تو مغرور ہیں۔ دولت کا گھمنڈ ہے۔ اپنے برابر کسی کو نہیں سمجھتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ان الفاظ سے بچارے تیماردار کو یاد کرنا بہت بُرا ہے۔

اب ایک یہ دستور ہے۔ دستانیوں میں بھی ہوتا جاتا ہے کہ مریض کو جب دیکھنے جائیں تو کوئی تحفہ لے جائیں۔ چونکہ تکلیف کی وجہ سے اس کا مزاج غصہ ور اور چڑچڑا ہو جاتا ہے جس سے بیماری طویل کھینچتی ہے۔ اس لئے جو مریض تیماردار سے محبت وہمدردی رکھتے ہیں وہ تحفہ اس مقصد سے لے جاتے ہیں کہ مریض کو سکون اور مسرت ہو اور تیماردار کو اطمینان حاصل ہو۔

اس کے بعد اہم سوال یہ ہے کہ جب مزاج پرسی کو جائیں تو کیا چیز مریض کے لئے لے جائیں جو موزوں تحفہ ہو۔ اور اس پر عمدہ اثر ڈال سکے اور اس کے صحت حاصل کرنے میں مددگار ہو۔ سب سے آسان اور سہل الحصول تحفہ پھول اور کتابیں ہیں۔ لیکن کتابیں اس وقت قابل قبول ہو سکتی ہیں جب کہ مریض یا مریضہ کے مزاج سے واقف ہوں کیونکہ ایک کتاب جو ایک کو دلچسپ معلوم ہوتی ہے وہی دوسرے کو سخت ناپسند۔ پھولوں کو ہر طبیعت و مزاج کا آدمی پسند کرتا ہے۔ مگر اس میں بھی قابل لحاظ بات یہ ہے کہ تیز خوشبو کے پھول مریض کے واسطے ہرگز پسند نہ کرنے چاہئیں۔ کیونکہ نازک مزاج مریضوں کے تیز خوشبو سے بھی سر میں درد ہونے لگتا ہے۔

اگر مریض کو پرہیزی غذا نہیں دی جاتی تو ایک بارلی شگر کی بوتل بھی بہت عمدہ تحفہ ہے۔ یہ مریض میں ایک خاص قسم کی تبدیلی پیدا کر دیتی ہے۔ اور فائدہ مند بھی ہوتی ہے۔ مریض گھر کے تیار شدہ بسکٹوں کو جو بند ڈبے میں ہوں نہایت شوق سے قبول کرتا ہے۔ اس طرح چھوٹے اور ہلکے کیک مریض کی شام کی چاء کے لئے نہایت موزوں ہیں اگر مریض کوئی عورت ہو تو ایک ڈبہ عمدہ خوشبودار پاؤڈر کا یا یوڈی کولن کی ایک چھوٹی شیشی بھی بہت خوشی کے ساتھ قبول کی جائے گی۔ جبکہ مریض تھکاوٹ محسوس کرے اور ساتھ ہی اور تکلیف وہ ہوں اس وقت تازہ لیونڈر بیگ کا تحفہ نہایت ہی موزوں ہے۔ کیونکہ مریض کے تکیہ کے نیچے رکھنے سے یہ اس کو ایک حد تک میٹھی نیند سلانے میں مدد کرے گا موسم کے مناسبت سے نیلے رنگ کا خوبصورت اونی جیکٹ یا ہلکے رنگ اور نرم ریشم کا جیکٹ یا خوبصورت و خوش رنگ رومال بھی مفید تحفہ ہوگا۔

پھل ہمیشہ پسند کئے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ رائٹنگ پیڈ۔ لفافے۔ چند ٹکٹ، فاؤنٹن پین یا خوبصورت پنسل۔ یا مشہور عمارتوں کی دیدہ زیب تصویریں یا صحت بخش مقامات مثلاً کشمیر، سوئٹزرلینڈ وغیرہ کی پینٹنگ یا تصاویر مریض کے واسطے ضرور لے جائیں۔

طیبہ صغرا خاتون

(بقیہ از صفحہ ۴۴) میں ڈاکٹر سے کہا کاش ڈاکٹر! تم نے ایسا نہ کیا ہوتا یہ کہہ کر انھوں نے ایک ہچکی لی اور بس۔ ڈاکٹر نے نبض دیکھی اس میں کوئی حرکت نہ تھی یہ سب کام آناً فاناً ہو گیا، ڈاکٹر کو دوا وغیرہ پلانے کے ہوش بھی نہ رہے۔

جب سب کو یقین ہو گیا کہ روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تو گھر والوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی بعض نے ڈاکٹر کو بُرا بھلا کہنا بھی شروع کر دیا عجیب حسرت ناک منظر تھا ڈاکٹر کی پریشانی اور ندامت کی انتہا نہ تھی کہ اتنے میں اس کا کمپونڈر ایک شیشی ہاتھ میں لئے جس پر سرخ حروف میں "زہر" لکھا ہوا تھا۔ بے تحاشا دوڑتا ہوا آیا اور جلدی جلدی کہنے لگا ڈاکٹر صاحب وہ در اصل زہریلی دوا نہ تھی غلطی سے میں نے اُس پر وہ چٹھی لگا دی تھی یہ تو کھانسی ہی کی دوا ہے مجھے خدا کے لئے معاف فرمائیے میں آئندہ سے ہرگز ایسی غلطی نہ کروں گا یہ میرا پہلا قصور ہے ہرشیل بابو کے لوگ اور ڈاکٹر یہ سن کر ششدر رہ گئے ایک نے کہا یہ واقعہ تو ایک معمہ معلوم ہوتا ہے۔ ہرشیل کے چھوٹے بھائی نے کہا محض لفظ "زہر" کا یہ مہلک اثر! دوسرے نے لب کشائی کی "غلط فہمی کا اس قدر افسوسناک انجام! پرماتما اس قسم کی بیماری سے ہر ایک کو محفوظ رکھے۔"

(ماخوذ از ...)

# زہر

ہریش آج بھی حسب معمول ڈاکٹر حامد علی کے ہاں دوا لینے آئے۔ ڈاکٹر صاحب نے دریافت کیا کہئے بابوجی مزاج کیسے ہیں؟ بوڑھے ہریش نے اپنے مخصوص انداز سے جواب دیا کیا کہوں ڈاکٹر صاحب ابتدا میں کچھ افاقہ معلوم ہوتا رہا لیکن کل سے پھر سانس پھولتا ہوا معلوم ہو رہا ہے۔ بے چینی اور گھبراہٹ ہو رہی ہے حواس ٹھکانے نہیں۔ ڈاکٹر نے غور سے سن کر کہا کوئی فکر نہ کیجئے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ڈاکٹر کسی کام کے لئے اٹھ رہا تھا کہ ہریش نے پوچھا لیکن آپ کا مزاج کیسا ہے کچھ پریشانی کے آثار پائے جا رہے ہیں۔ ڈاکٹر نے بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔ کیا کہوں بابوجی میرے ایک چھوٹے بچے نے زہر کھا لیا کسی کو معلوم نہ ہو سکا اور بچہ تڑپ تڑپ کر ختم ہو گیا ابھی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر آ رہا ہوں۔ گھر میں کہرام مچا ہے۔ خیر دنیا سے ہر قسم کے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ اچھا تو آپ کو تین دن کی دوا دے دیتا ہوں اتفاق سے کمپونڈر رخصت پر ہے یہ کہہ کر ڈاکٹر بوتل لے کر اٹھا اور دوا تیار کر کے دے دی۔ ہریش اپنے چھکڑے میں سوار ہو کر مکان کی طرف روانہ ہوئے۔

زہر کا نام سن کر ہریش کو دس سال پہلے کا واقعہ یاد آ گیا جبکہ ان کے ایک شیر خوار بچہ نے ایک زہریلی دوا کھا لی تھی۔ لاکھ کوشش کی لیکن وہ بچ نہ سکا تھا۔ زہر کے تصور سے ان کے جسم پر ایک لرزہ سا پیدا ہو گیا۔ گھر پہنچے۔ بچے دوڑتے ہوئے دروازہ کے قریب آئے ہریش نے سب کو بازار سے لائی ہوئی چیزیں تقسیم کیں اتنے میں بنک والا پنشن لے کر آیا اور چھتر کے نوٹ گنا دئے۔ اس چھوٹے بچہ کے غم میں ہریش نے قبل از وقت پنشن لی تھی اس لئے بجائے سو کے چھتر مل رہے تھے۔

کھانے میں کچھ بے احتیاطی ہونے سے استفراغ ہو گیا۔ دوا پینے سے قدرے آرام محسوس ہوا۔ دوسرے دن یکا یک ایک شاندار موٹر پھاٹک کے سامنے آ کر رکا۔ ڈاکٹر نے ملازم سے دریافت کیا۔ ہریش بابو ہیں؟ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں جلد کہو وہ ہیں۔ ملازم نے جواب دیا ہیں ضرور لیکن طبیعت ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے کسی کو آنے سے منع کر دیا ہے کل قے بھی ہو گئی تھی یہ سن کر ڈاکٹر کے رہے سہے ہوش بھی جاتے رہے کہا بتاؤ وہ کس کمرہ میں ہیں ان سے ضروری ملنا ہے۔ یہ کیفیت دیکھ کر ملازم گھبرایا ہوا اطلاع کر آیا ہریش کپڑے سنبھالتے ہوئے اٹھ بیٹھے ڈاکٹر نے کمرے میں داخل ہوتے ہی بدحواسی کے عالم میں کہنا شروع کیا۔ معاف کرنا بابوجی کل میں نے دوا میں غلطی سے ایک زہریلی دوا شامل کر دی تھی جو سم قاتل ہے لیکن آپ کوئی فکر نہ کریں اب میں اس کے اندفاع کے لئے کافی سامان لے کر آیا ہوں ذرہ برابر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہریش کی کیفیت ناقابل بیان تھی چہرے کا رنگ بدل گیا تھا سانس پھولنے لگا اور لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے کہنے لگا کیا کہا ڈاکٹر! زہر! واقعی زہر جس نے میرے عزیز از جان بچہ کو مجھ سے چھین لیا اسی کو تم نے مجھے بھی دے دیا۔ یعنی میں بھی اپنے بچہ کی طرح تڑپ تڑپ کر...... وہ بمشکل اتنا کہہ سکے اور پھر غنودگی طاری ہو گئی ڈاکٹر نے سہارا دے کر تھام لیا۔ گھر کے سب چھوٹے بڑے جمع ہو گئے ایک کہرام مچ گیا کہ ڈاکٹر نے ہریش بابو کو زہر دے دیا ہے تھوڑی دیر میں ان کے ہاتھ پیر سکڑنے لگے۔ چہرہ سست ہو گیا۔ کچھ وقفہ کے بعد خفیف سی حرکت ہوئی انھوں نے آنکھیں کھولیں بمشکل پانی مانگا اور حسرت بھرے لہجہ

(بقیہ بر صفحہ ۳۴۴)

# ہمارے خاندان کی عورتیں

حیدرآباد اور مدراس میں ہمارے خاندان کے افراد کی تعداد تقریباً ایک ہزار ہے۔ چونکہ ہمارے خاندان میں کئی صدیوں سے خاندان کے باہر شادی نہیں ہوتی۔ اس لئے ایک خاص صورت شکل کے افراد ہوتے ہیں جو اپنے نہج کے باعث کچھ خصوصیت رکھتے ہیں۔

ہمارا خاندان ان عربوں سے تعلق رکھتا ہے جو براہ راست حجاز اور عراق سے آکر جنوبی ہند میں متوطن ہوئے تھے، اُنہوں نے ذخار سمندروں کو جہازوں کے ذریعہ پر امن طریقہ سے طے کیا اور سواحل ملیبار اور کارومنڈل پر اتر کر تبلیغ دین اسلام اور تجارت میں مشغول ہوئے۔ زمانہ مابعد میں "نائطی" کے لقب سے اُنہوں نے شہرت حاصل کی۔

افسوس ہے کہ ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ کس سنہ میں اُنہوں نے ساحل ہند پر قدم رکھا تھا۔ کتابوں کا ذخیرہ تلف ہو چکا ہے۔ عرب کے مشہور سیاح ابن بطوطہ نے ۷۳۳ھ میں ہمارے خاندان کے بعض افراد[1] سے ملاقات کی تھی جس کا ذکر اس کے سفرنامہ میں موجود ہے۔ بہرحال اس زمانہ سے بہت پہلے ہمارے خاندان کے افراد جنوبی ہند کو آچکے تھے۔

اس موقع پر ہم اپنے خواتین کا تذکرہ مختلف حیثیت سے کرتے ہیں۔ امید ہے کہ موجب دلچسپی ہوگا۔

**علمی قابلیت** ہمارے خاندان میں تعلیم نسواں کا رواج قدیم زمانہ سے رہا ہے، نہ صرف ابتدائی اور مذہبی تعلیم ہوتی رہی بلکہ بعضوں نے عربی، فارسی میں خاصی مہارت حاصل کی۔ مگر افسوس ہے کہ اب مدراس میں اس کی جانب کم توجہ ہے، اور تعلیم نسواں کا رواج بہت ہی کم ہو گیا ہے، البتہ حیدرآباد میں تعلیم نسواں کا عام رواج پانچ سال کے اوپر سو فی صد خواتین خواندہ ہیں

چند سال قبل تک عام طور سے سرکاری مدارس نسواں سے استفادہ نہیں کیا جاتا تھا بلکہ گھر پر والدین وغیرہ سے خانگی طور پر تعلیم ہوتی تھی مگر اب خاندان کی کئی لڑکیاں سرکاری مدارس میں تعلیم پا رہی ہیں۔ لیکن پھر بھی بڑا حصہ ان مدارس سے استفادہ نہیں کرتا بلکہ والدین وغیرہ سے گھر پر تعلیم حاصل کرتا ہے اس لئے اعلیٰ تعلیم کا فقدان ہے۔ البتہ اب بھی چند خواتین ایسی موجود ہیں جنہوں نے عربی اور فارسی کی اعلیٰ تعلیم پائی ہے۔ ان کے بعد ان کی جگہ کو پُر کرنے والی خواتین نظر نہیں آتیں۔

**تصنیف وتالیف** ہماری خواتین نے تصنیف وتالیف کے میدان میں کچھ نہ کچھ ضرور ہی حصہ لیا ہے۔ ایک دو نام اس عنوان کے تحت بتلائے جا سکتے ہیں۔

(۱) گلزار اولیاء اس نام سے ایک کتاب میری والدہ نے شائع فرمائی ہے، اس میں بندگان دین کی کرامات مختلف

[1] ملا علی مہائمی اور فقیہ محمود۔

کتابوں سے اردو میں جمع کی گئی ہیں۔

(۲) ہدایت الناظر" عربی زبان میں ایک مشہور کتاب "منہاج العابدین" ہے۔ اس کا اردو ترجمہ چار جلدوں میں۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی بڑی بہن نے کیا ہے، مگر افسوس اس کی طباعت نہ ہو سکی۔

اس کے علاوہ "عزیز الصرف، تکمیلہ تاریخ احمدی وغیرہ بھی ان کے تالیفات ہیں۔

**مضمون نگاری** موجودہ عہد میں اردو مضمون نگاری کا شوق ہمارے خاندان کی عورتوں میں موجود ہے۔ ہندوستان اور دکن کے کئی رسالوں میں ان کے مضامین شائع ہوا کرتے ہیں۔ سلسلہ میں کئی نام پیش کئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً حفیظہ جمال بیگم جو عصمت کی مشہور مضمون نگار ہیں۔ اسی طرح دختر فضل اللہ احمد صاحب نے بھی مضمون نویسی کا اچھا سلیقہ پیدا کر لیا ہے۔ خاندان کی نوعمر لڑکیاں "مشیر نسواں" کے نام سے ماہوار ایک قلمی رسالہ شائع کرتی ہیں۔ اس میں خاندان کی عورتوں کے مضامین ہوتے ہیں۔ اس میں بعض اچھے اچھے مضمون بھی ہوتے ہیں۔ جو اگر زنانہ رسالوں میں شائع ہو جائیں تو دلچسپی اور قدر کی نگاہ سے دیکھے جا سکتے ہیں۔

اسی سلسلہ میں مرحومہ ہمشیرہ ڈاکٹر حمید اللہ کا تذکرہ ضروری ہے جن کے اردو خطوط بیان کی لطافت، رنگینی، جدت اور دلکشی کے لحاظ سے خاص طور پر قابل قدر ہیں مگر افسوس یہ شائع نہیں ہوئے۔

**پکوان** عورت کے لئے جس فن سے واقف ہونے کی بڑی ضرورت ہے "وہ پکوان" ہے۔ افسوس ہے کہ جدید فیشن کی خواتین کے متعلق یہ سنا جاتا ہے کہ وہ اس فن سے بیگانہ ہوتی جاتی ہیں۔ ہندوستان کے مختلف حصوں میں جہاں تک میری معلومات ہیں "مدراس" کو اس فن میں زیادہ مہارت حاصل ہے۔ خصوصاً "میٹھی" اشیاء میں، مدراسی پکوان خصوصاً اہل نواسط، کا پکوان شہرت رکھتا ہے۔ شیریں اور نمکین دونوں قسم کی بیسیوں چیزیں بنائی جاتی ہیں۔

ہمارے خاندان کی مستورات کو بھی اس فن میں اچھا سلیقہ حاصل ہے، عمدہ سے عمدہ مٹھائی نہایت صفائی سے بنائی جاتی ہے۔ اور اسی طرح آچار مربے، نمکین چیزیں بھی۔ لیکن واقعہ ہے کہ جو کمال سن رسیدہ خواتین کو حاصل ہے وہ نوجوانوں میں کم ہے۔ تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ دوسرے امور کی بہ نسبت اس فن میں سن رسیدہ خواتین کی جانشینی کی جا سکتی ہے، اور توقع ہے کہ نوعمر خواتین بھی اس فن کو اچھی طرح حاصل کر لیں گی۔ جدید یورپی پکوان سے ہماری خواتین واقف نہیں ہیں، ان کو کیک اور پڈنگ بنانا نہیں آتا۔ اور نہ وہ اس سے واقف ہونے کا سامان کرتی ہیں۔

**سلائی** عورت کے ضروری لوازمات میں تعلیم کے بعد "سلائی" کا درجہ ہے، جس عورت کو کپڑے سینے کا سلیقہ نہیں ہوتا اس کی زندگی بڑی تکلیف دہ ہوتی ہے! ایسی صورت میں یا تو ملازمین سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے، پھر معمولی معمولی کام کے لئے درزی کی خدمات درکار ہوتی ہیں۔

فن سلائی خاص اہمیت رکھتا ہے۔ یورپ نے جو ترقی اس کام میں کی ہے وہ ظاہر ہے، مشرق خصوصاً ہندوستان میں

بھی "سلائی" کے مختلف طریقے ہیں ہم ان کو دو اقسام پر تقسیم کر سکتے ہیں۔

(الف) قدیم سلائی اور (ب) جدید سلائی۔

قدیم سلائی میں باریک مصالحہ، گوٹہ، کناری وغیرہ کا نفیس اور باریک کام شامل ہے، جو مشین کے ذریعہ نہیں ہو سکتا، اس کے لئے ہاتھ کی صفائی اور آنکھ کی بینائی درکار ہے۔ باریک سے باریک کام کرنا ہوتا تھا۔ اس قسم کا کام اب تقریباً مفقود ہو رہا ہے۔ ہمارے خاندان کی کئی خواتین اس قسم کی سلائی سے واقف ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ جو کام صفائی اور عمدگی سے ہماری سن خواتین کر سکتی ہیں وہ نوجوان اور نو عمر لڑکیوں کو نہیں آتا۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ سن رسیدہ خواتین کی پوری جانشینی اس فن میں نہیں ہو سکے گی۔

جدید سلائی میں ہم ان تمام اشیا کو لیتے ہیں جن میں مشین کے ذریعہ کام ہوتا ہے۔ ہمارے خاندان کی کئی عورتیں اچھے سے اچھا سی سکتی ہیں۔ مگر یہ ضرور ہے کہ مردانے لباس خصوصاً شیروانی اور کوٹ جس میں سینے سے زیادہ "کاٹ" کی بڑی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سے یہ واقف نہیں ہیں۔

**دستکاری** دست کاری کا آج کل بڑا چرچا ہے۔ مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ زمانہ موجودہ کی پیداوار ہے۔ کیونکہ آج سے چالیس پچاس سال پہلے بھی دست کاری کا رواج تھا۔ اون اور ریشم سے سوئی اور ریشمی کپڑوں پر گل بوٹے بنائے جاتے تھے اور ان سے مختلف اشیا بنائی جاتی تھیں، جالی پر کشیدہ کا کام کیا جاتا تھا۔

اس قسم کا کام ہماری بعض سن رسیدہ خواتین کو آتا ہے اور اچھا ملکہ حاصل ہے۔ موجودہ زمانہ میں دست کاری کے اقسام میں بہت کچھ اضافہ ہو گیا ہے۔ مثلاً کارچوب کا کام، کامدانی، ریشم کا کام، شوکیس پھول کا کام، کروشیا مخملی پھول، تارکشی، ربن کا کام، پوست کا کام، دہنک کا کام، کشیدہ کاری، اون کا کام، کراس اسٹچ ورک، کلابتون کا کام وغیرہ۔

ہماری مستورات ان تمام دست کاریوں میں مہارت رکھتی ہیں۔ مگر ہر ایک کو ان تمام اقسام میں مہارت نہیں ہے بعض تو ان سب میں اور بعض دست کاری کے چند شعبوں میں مہارت رکھتی ہیں۔

**دیگر دست کاری** گھریلو صنعت میں دیگر دست کاری مثلاً رنگنا، جلد بنانا، بیت بافی، وغیرہ چیزیں شامل ہیں۔ رنگسازی سے ہماری خواتین اچھی طرح واقف ہیں اور بعض کو جلد بنانا بیت بافی وغیرہ بھی آتی ہے۔

**سلیقہ شعاری** سلیقہ شعاری عورت کا بڑا طرہ امتیاز، اور عمدہ زیور ہے، اس میں مہارت حاصل کرنا عورت کا فریضہ زندگی ہے۔ سلیقہ شعاری میں بہت سی باتیں شامل ہیں۔ مثلاً مکان کی صفائی، لباس کی صفائی، بچوں کی صفائی، آمد اور خرچ میں توازن، شادی بیاہ کی تقاریب میں عمدہ انتظام اور اہتمام وغیرہ۔

اس فن میں ہمارے خاندان کا درجہ صفر کے قریب ہے۔ کیونکہ پورے خاندان میں دو چار خواتین اس عنوان کے

تحت آسکتی ہیں۔ بعض سن رسیدہ خواتین کو جو سلیقہ حاصل تھا اس سے نوجوان سن کو سبق لینا چاہیئے۔

**طب** زمانہ سابق میں اکثر خواتین بچوں کی گھٹی اور بڑوں کے جوشاندے سے پوری طرح واقف تھیں بلکہ اچھی خاصی طبیب تھیں۔ ہر مرض کے لئے طبیب کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ مگر آج کل اس کی جانب بھی کوئی توجہ نہیں ہے سن رسیدہ خواتین کے بعد کوئی ان کی جگہ پر کرنے والی خاتون نظر نہیں آتی۔

**تربیت اطفال** بچوں کی عمدہ تربیت اور پرورش ماں کا سب سے بڑا فرض ہے تعلیم سے زیادہ تربیت کی ضرورت ہے۔ ہندوستان میں اس فن سے بہت کم استفادہ کیا جاتا ہے اور اس فن سے بیگانگی کا نتیجہ ہے کہ بچوں کی اموات کثرت سے ہوتی ہیں۔ اس کلیہ سے ہمارا خاندان بھی مستثنیٰ نہیں ہے، ماں کو یہ نہیں آتا کہ بچوں کو کیسی تربیت دینی چاہیئے۔ اور ان کو کس طرح پرورش کرنا چاہیئے۔

**فنون لطیفہ** عہد حاضر میں فنون لطیفہ کی مہارت عورتوں کے لئے ضروری تسلیم کی گئی ہے۔ فنون لطیفہ میں مختلف امور داخل ہیں۔ مثلاً مصوری، نقاشی، خطاطی، سنگ تراشی، موسیقی اور شاعری۔ ہمارے خاندان کی مستورات اس شعبہ میں بھی "صفر" سے زیادہ نمبر حاصل نہیں کر سکتیں ان کو موسیقی میں دخل ہے اور نہ مصوری میں وہ شاعر ہیں اور نہ نقاش۔ البتہ بعض خواتین کا خط اچھا ہے لیکن فن خطاطی سے واقف ہونا اور اس میں ید طولیٰ حاصل ہونا یہ ناممکن ہے۔

**فیشن پرستی اور سینما بینی وغیرہ** عصر حاضر کی عورتوں کا تذکرہ کیا جائے تو ان کے فیشن اور کھیل تماشوں کے شوق کا ذکر بھی ضروری ہے، اس کے بغیر "عورت" کی زندگی کا پورا نقشہ سامنے نہیں آسکتا۔

فیشن پرستی میں مختلف امور شامل ہیں مثلاً جدید وضع کا لباس استعمال کرنا۔ اس میں ہم رنگی کا خیال رکھنا پوڈر اور لیونڈر کا استعمال، لبوں کی سرخی، ناخن کی لالی وغیرہ۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہماری خواتین اس قسم کے فیشن سے دور ہیں۔ لیکن جہاں وہ ایسے فیشن سے دور ہیں وہاں واجبی سنگار اور ضروری امور سے بھی بے تعلق ہیں۔ اور یہ ان کا بہت بڑا نقص ہے۔

کھیل تماشوں، سینما وغیرہ کا شوق ہمارے خاندان میں نہیں تھا۔ مگر افسوس ہے اس قسم کے جراثیم اب پیدا ہوتے جا رہے ہیں۔ اس کو مدرسہ کی اور نقالی کا نتیجہ کہنا چاہیئے۔

**سیر و سیاحت** ہماری عورتوں کو سیر و سیاحت کا بھی شوق ہے۔ اگرچہ چند خواتین کے سوا دیگر خواتین نے بڑی بڑی سیاحتیں نہیں کی ہیں۔ مگر پھر بھی جنوبی ہند میں اکثر و بیشتر ان کی سیر و سیاحت ہوا کرتی ہے۔

**لباس و پردہ**۔ ہماری عورتوں کا لباس عام طور سے حیدرآباد میں تو ساری ہے ۔ مگر مدراس میں ہنوز قدیم

لباس لہنگا دامن وغیرہ مروج ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ پردہ کا بڑا سخت انتظام ہوتا تھا۔ بند گاڑی پر بھی ایک چادر ڈالی جاتی تھی۔ اگرچہ اب بھی خاصا رواج ہے، عام طور سے حیدرآباد وغیرہ میں ملازمین سے پردہ نہیں ہوتا مگر ہمارے خاندان میں ملازمین سے بھی پردہ ہوتا ہے۔ سیر و سیاحت کے موقع پر برقعہ سے سفر ہوتا ہے۔

**مذہبی پابندی** ہمارے خاندان کی مستورات میں مذہبی پابندی زیادہ ہے، صوم و صلوٰۃ کی عادی ہوتی ہیں، کئی عورتوں نے حج کا فریضہ بھی ادا کیا ہے، اسی طرح بزرگان دین کے قبور اور مزار کی زیارت کا بھی شوق ہے۔ لیکن مزار پرستی یعنی قبور کا طواف کرنا اور قبور کو بوسہ دینا وغیرہ امور سے اجتناب کیا جاتا ہے۔ صرف فاتحہ پڑھنے پر اکتفا ہوتا ہے، شادی بیاہ میں رسوم نہیں ہوتیں، میت کا غسل اور کفن سب خاندانی عورتیں انجام دیتی ہیں، ناواقفیت کے باعث غیروں کی ضرورت نہیں ہوتی۔

**قومی و پبلک خدمات** قومی اسٹیج اور پبلک کاموں سے ہماری مستورات کو چنداں لگاؤ نہیں تھا۔ وہ عورتوں کی انجمنوں جلسوں میں شریک نہیں ہوتی تھیں، ان کو اپنے گھر کے سوا باہر کی فکر نہیں تھی۔ مگر اب ایک دو خاتونوں نے اس کی طرف توجہ کی ہے، اس عنوان میں حفیظہ جمال بیگم و مسز برہان الدین حسین کا نام پیش کیا جا سکتا ہے، جنہوں نے پربھنی اور اورنگ آباد وغیرہ میں نسوانی انجمنوں میں بڑا کام کیا ہے۔ اسی طرح دختر فضل اللہ احمد صاحب مہتمم اردو گشتی کتب خانہ کے دفتر نے ایک انجمن قائم کی ہے جس میں زیادہ تر نو خاندان کی عورتیں اور کچھ باہر کی دوسری عورتیں بھی شریک ہیں۔ اس انجمن کے جلسے ماہوار ہوا کرتے ہیں جس میں عورتیں مضمون سناتی اور لکچر دیتی ہیں، بہرحال نسوانی ترقی کے لئے انجمن کچھ نہ کچھ کام کر رہی ہے۔

**تبصرہ۔** صفحات گزشتہ میں مختصر طور پر ایک خاندان کی عورتوں کی حالت بیان کی گئی ہے جہاں ان میں بعض اچھی باتیں قابل تقلید ہیں وہاں بعض امور ترک کرنے کے قابل ہیں اس امر کی ضرورت ہے کہ پرورش اولاد، تربیت اطفال، سلیقہ شعاری میں مہارت حاصل کی جائے۔ بیجا رسوم توہمات وغیرہ کا پرہیز مذہبی پابندی، فیشن پرستی سے اجتناب وغیرہ ایسی باتیں ہیں جن سے دوسری عورتوں کو سبق لینا چاہیئے۔ اب مسئلہ خواتین کا بہترین حل ہر خاندان کو پیش ہے۔ سارے مشرق کی عورتوں کے ساتھ ہندوستان اور حیدرآباد کی خواتین کے نقطہائے فکر و عمل میں بھی جدید حالات کے تحت آہستہ مگر مستقل تغیر و تموع پذیر ہے، خیالات اور عادات کا جدید قالب نشوونما پا رہا ہے۔ مشرق کی تہذیب رفتہ کے لحاظ سے ایک خاتون کے لئے جن اوصاف کی ضرورت تھی وہ اب خواب و خیال ہوتے جا رہے ہیں۔ ان تغیر پذیر حالات کا نظر غائر سے مطالعہ بہت ضروری ہے، اس حیثیت سے ہر خاندان کے افراد کو اپنے خاندان کی عورتوں کے حالات پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہے تاکہ ان سے سبق لیا جائے۔

نصیر الدین ہاشمی

**نوٹ:** اس قسم کے مضامین میں صاحب مضمون بالعموم اپنا پروپیگنڈا کرتے ہیں اور اس مضمون کے عنوان سے بھی یہی شبہ ہوتا ہے مگر ہاشمی صاحب نے ایسا نہیں کیا انہوں نے جہاں اپنی خواتین کی قابل تقلید باتیں لکھی ہیں وہاں ان کی کمزوریاں بھی۔ اسی طرح یہ مضمون افراط اور تفریط کے بین بین ایک سبق آموز چیز ہے اگر کوئی اور عصمتی مضمون نگار اس قسم کا مضمون لکھیں جس میں اپنے آپ کو نمایاں کرنے کے بجائے خواتین کے لئے افادیت کو مدنظر رکھا جائے تو اس کی اشاعت پر بھی بخوشی غور کیا جائے گا۔ رازق الخیری

# خواتینِ ہند سے

آزادیٔ وطن کا تمہیں پر ہے انحصار
دراصل تم جہاں میں ہو صد وجہ افتخار

تم سے ہوئے وہ کارِ نمایاں زمانے میں
نازاں ہے جن پہ آج بھی تاریخ روزگار

گودوں میں تم نے پالے ہیں وہ قوم کے سپوت
جن سے دیارِ ہند کو حاصل ہوا وقار

جن کی بہادری کی یہ شوکت یہ شان تھی
سوتے تھے زیرِ سایۂ شمشیر آبدار

جن کا جلال حاصلِ صد انقلاب تھا
لرزاں تھی جن سے صرصرِ آفاتِ روزگار

عزمِ بلند سے جو ہمالہ بدوش تھے
وابستہ جن کے دم سے تھا قوموں کا اقتدار

جو سر بدستِ خدمتِ قوم و وطن میں تھے
ہاتھوں میں جن کے رہتی تھی نبضِ نظامِ کار

جو علم و فن کے قوت و جرأت کے تھے امیں
تھی اُن میں سب تمہاری ہی تعلیم آشکار

بگڑا ہوا ہے قوم و وطن کا نظام آج
آزاد کل وطن تھا مگر ہے غلام آج

پھر اپنا جذبۂ وطنیت دکھاؤ تم
ہندوستاں کو غیرتِ جنت بناؤ تم

سمجھو نہ یہ کہ جادۂ منزل دراز ہے
اپنے قدم کو راہِ طلب میں بڑھاؤ تم

جو وجہ اتفاق ہو اقوام کے لئے
اولاد کو وہ درسِ اُخوت پڑھاؤ تم

ہندوستاں ہے منتظرِ انقلابِ نو
ہاں انقلابِ تازہ فضا میں اُٹھاؤ تم

قوموں کی سب ترقیاں وابستہ تم سے ہیں
بگڑے ہوئے نظام کو اپنے بناؤ تم

دورِ حیات حُسنِ سحر کا ہو آئینہ
تاریکیوں کو نورِ عمل سے مٹاؤ تم

کب تک اثر رہے گا دلوں پر جمود کا
جذبے جو سو رہے ہیں دلوں میں جگاؤ تم

اُٹھو کہ پھر تمہاری ضرورت وطن کو ہے
دیکھو فریبِ یاس کی زد میں نہ آؤ تم

کردو بلند نام خواتینِ ہند کا
اُٹھو کہ اب ہے کام خواتینِ ہند کا

خلیق برہان پوری

# ہم اور اسلام

جس وقت ہم اپنی حالت کا مقابلہ صحابہ کرام رضؓ کی زندگی سے کرتے ہیں تو اقبال مرحوم کا یہ شعر بے ساختہ زبان پر آتا ہو کہ

اس کی امت کی علامت تو کوئی ہم میں نہیں ۔۔۔ مۓ جو اسلام کی ہوتی ہے وہ اس خم میں نہیں

آج مسلمانوں کے ہر کام میں جو مشکلات پیش آرہی ہیں اور باوجود کوششوں کے ان کا ازالہ محال ہو رہا ہے اس کی وجہ اسلام کو نہ سمجھنا ہے اور نہ سمجھنے کا سبب صرف یہ ہے کہ ہمارے اسلام کی بنیاد اجتہادات تاویلات اور خاطی انسان کی دماغی کاوشوں پر مبنی ہے جس نے دو متضاد باتوں کے جائز و ناجائز. پاک و ناپاک. حلال اور حرام قرار دے لینے کا فیصلہ ہماری مرضی پر چھوڑ کر ایمان اور یقین کی قوت کو کمزور کر دیا۔ ہماری حالت یہ ہو گئی ہے کہ اگر کوئی مسئلہ اختلافی ہو جائے تو قرآن اور احادیث کو براہ راست حکم بنا کر فیصلہ کرانے کے بجائے علمائے اقوال اور تفاسیر کی طرف دوڑتے ہیں، اور دنیا کو دین سے جدا کر کے اپنی تہذیب و کلچر اور تمدن کو اپنے اختیار میں سمجھنے لگے ہیں۔

اسی کا نتیجہ یہ بھی ہو کہ باوجود صدہا کوششوں اور تدبیروں کے ازدواجی زندگی خوش آیند نہ ہو سکی اور آج تک اس پر اپنی اپنی رائیں رسالہ عصمت میں شائع کی جا رہی ہیں۔ مگر کل نہیں بیٹھتی۔ کوئی تجویز پیش کرتا ہو کہ کورٹ شپ (محدود) کے بعد شادی ہونی چاہیئے مگر یورپ کی طلاقوں کا رجسٹر دیکھ کر ہماری سمجھ میں یہ بھی علاج نہیں کیا جا سکتا۔ کوئی کہتا ہے کہ خیالات کی مطابقت کا پتہ لگا کر عقد نکاح کرنا چاہیئے۔

آیئے دیکھیں اسلام نے اس مسئلہ کو حل کیا یا نہیں۔ اسلام علی الاعلان کہہ رہا ہے کہ "اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو جس کی بدولت باوجود آپس کی سخت سے سخت دشمنیوں کے تم الفت و محبت سے معمور ہو کر بھائی بھائی ہو گئے"۔

یہ نعمت الٰہی جس نے دشمنوں کو دوست۔ وحشیوں کو انسان اور درندوں کو غمخوار بنایا، کونسی ہو۔ قرآن کریم میں فرمایا کہ "آج تمہارے لئے تمہارا دین میں نے مکمل کر دیا اور وہ اپنی نعمت (جس کی زندگی دنیا میں تم کو ضرورت ہی) پوری پوری عطا کر دی۔" یہ نعمت وہ اصول عقائد و عبادات ہیں جو مرد اور عورت دونوں پر فرض ہیں اور جن کا مقصد ہم خیال پیدا کرنا ہے۔ عقائد میں صرف ہم خیالی کو ملحوظ رکھا رکھا گیا ہے مگر عبادات میں ہم خیالی کے ساتھ عمل کی یکسانی بھی ملحوظ ہو تاکہ تکمیل ہو جائے۔ ان دونوں کے بعد تیسرا حصہ اوامر و نواہی کا ہے جن کو اعمال کہا گیا ہے اور حقوق باہمی کی نگہداشت مقصود ہو۔ پھر اسلام نے اپنی تہذیب اور کلچر کو پیش کیا۔ ان امور پر صحابہ کرام رضؓ عامل رہے اور ان کے لئے نہ کورٹ شپ نہ دریافت حالِ ہمخیالی کی ضرورت تھی اور نہ فکر کیونکہ عورت اور مرد سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے اور رنگ ایسا تھا کہ امیر و غریب بادشاہ و فقیر سب کے لئے یکساں مفید اور موزوں ان اصولوں میں نہ صرف یہی مقصد مضمر ہے کہ میاں بیوی میں باہمی ہمخیالی، اک دلی اور الفت ہو اور قائم رہے۔ بلکہ تعمیر قوم کا مقصد بھی ہو۔

آج دنیا میں جو فسادات برپا ہیں ان کی وجہ اپنی قوت کی بحالی، اپنی خواہشات اور جذبات نفسانی کی تکمیل اور یکجہائی کا فقدان ہے۔ لیگ آف نیشنز بھی بنائی مگر امن قائم نہ ہو سکا۔ جرمنی اٹلی اور جاپان کی جوع الارض پر نظر ڈال کر دیکھ لو۔ کانگریس کے کارناموں پر غور کر لو۔ گھر کا امن ہو یا ملک کا بغیر اسلامی پروگرام کو عملی جامہ پہنائے ناممکن ہے۔ ناممکن ہے اور ناممکن ہے۔

ذرا سوچو تو سہی جو قوم اللہ سے ڈرنے والی ہو۔ اللہ کی تابعدار ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متبع ہو جس نے کتاب ہدایت (قرآن کریم) کو اپنا دستور العمل بنا لیا ہو۔ اپنی خواہشات اور جذبات کو اس کی ہدایات اور احکام کے تابع کر دیا ہو تزکیۂ نفس اور یکجہائی پیدا کر لی ہو حقوق العباد کو سمجھ لیا ہو اور ان کی ادائیگی پر کمربستہ ہو اس کی طمینان زندگی اور ترقی کے راستہ میں کونسی چیز فراحم ہو سکتی ہے۔

میاں، بیوی کے حقوق ادا کرنا فرض گردانتا ہے اور بیوی، میاں کے حقوق کی ادائیگی پر کمربستہ۔ کہنے کے لئے نباہ کس قدر آسان ہے آج ہماری بہنیں جلسوں میں تعلیم و تربیت اولاد پر لکچر دینے اور تجویزیں پاس کرنے دور دور جاتی ہیں اور خود اپنے بچوں کی تربیت سے غافل ہیں اور یہ ان کے فرائض میں داخل ہے۔ اگر شمع انجمن بہنیں عامل ہو کر چراغ خانہ بن جائیں تو کتنے بچے زیور تربیت سے آراستہ ہو سکتے ہیں اور اپنے تجربوں سے دوسری بہنوں کو بھی مستفید کر سکتی ہیں۔ "وقرن فی بیوتکن" (اپنے گھروں میں قرار پکڑو) میں اسی طرف تو اشارہ ہے۔ ماں کا درجہ اسی وجہ سے اسلام نے باپ سے زیادہ رکھا ہے کہ ان کو اولاد کی تربیت کے لئے اپنا پتا مارنا ہے۔ تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں اور اس طرح آئندہ قوم کے لئے وہی بہترین افراد مہیا کرتی ہیں۔

ہم نے اللہ اور رسول کو چھوڑ کر علماء کے فتووں کو حجت قرار دے کر یہ عقیدہ بنا لیا کہ اختلافی مسائل میں جس عالم کے قول پر جی چاہے عمل کر لو جائز ہے مثلاً پانی کے مسئلہ کو لو۔ اگر کسی کنوئیں میں کوئی جانور گر جائے تو اس جانور کو نکال دو اور اب چاہے ڈول نکالو یا نہ نکالو اگر ناپاک سمجھتے ہو تو مقررہ ڈول نکال دو۔ اگر نہیں سمجھتے تو نہ نکالو یعنی پاکی اور ناپاکی بذات خود کوئی چیز نہیں اپنی طبیعت پر موقوف ہے۔ ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے بموجب ہم اپنے جملہ اختلافی مسائل کا فیصلہ قرآن حکیم اور احادیث صحیح سے بلا تاویل کریں تاکہ عمل کی یکسانیت اور خیال کی یکرنگی پیدا ہو کر ہم فرقہ بندیوں کی دلدل سے نکل کر ایک ہو جائیں۔
ہمارے عقائد، ہماری عبادات، ہماری تہذیب، ہمارا کلمہ ایک ہو۔ یہی ہماری تکالیف کا مداوا اور ہمارے امراض قلبی کا علاج ہے۔ ورنہ جتنے ہم ہاتھ پیر مارتے ہیں تنزلی اور پستی کی دلدل میں دھنستے ہی جاتے ہیں۔

جس یورپ کی تہذیب اور تمدن کے ہم مقلد بن رہے ہیں اس کی حالت کو دیکھو وہ خود پریشانیاں روز افزوں ہیں۔ نجات کا راستہ نہیں ملتا۔ یہ کیفیت مقلدین یورپ کی ہندوستان میں ہے جو قومیت اور ترقی ہر لینن وغیرہ کی تصانیف کا مطالعہ کر کے ان کو عملی جامہ پہنانا چاہ رہے ہیں۔ مگر قرآن و احادیث صحیح کو قومیت اور ترقی کے لئے رہنما ماننا تو درکنار اس نظر سے کبھی پڑھتے بھی نہیں اور ہدایات و احکام اسلام کو ارکان اسلام کے پنچگش (پانچ اضلاع کی شکل ۵) میں محدود سمجھ رکھا ہے اور ہمارے علماء کی تاویلوں کی وجہ سے یہ غلط عقیدہ اور فاسد خیال جاگزیں ہو گیا ہے کہ باقی تمام امور میں انسان زمانے

کی موافقت میں تبدل وتغیر ترمیم وتنسیخ ایجاد اور اختراع کا مختار ہے حالانکہ اسلام زمانے ہی کی اصلاح کرتا ہے نہ کہ اس کے ساتھ بدلتا ہے۔ انسان کی عقل محدود اور ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی اور نہ یہ آیندہ کا صحیح اندازہ لگا سکتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ عزوجل کو ہر زمانہ ماضی۔ حال مستقبل کا پورا پورا علم ہے اس وجہ سے ہماری ناقص عقل رب العالمین کی ہدایات اور احکام کی گہرائیوں کا پتہ لگا ہی نہیں سکتی اور یہ انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ جس کو وہ اپنے سے زیادہ عقلمند۔ عالم اور بنی نوع کا سچا ہمدرد سمجھنے لگتا ہے تو بیچوں وچرا اس کی بات کو تسلیم کرتا اور اس کے بتائے ہوئے راستے پر بے سوچے سمجھے گامزن ہو جاتا ہے۔ مولویوں کی تقلید اور پیروں سے عقیدت کا اسی پر انحصار ہے کیونکہ محبت اندھی ہوتی ہے اگر ہم زبانی دعوی کے ساتھ صمیم قلب سے بھی اللہ تعالیٰ کو اپنے سے زیادہ علیم وخبیر اور عقلمند مانیں تو آج دنیا بدل جائے اور ہم قرآن واحادیث نبوی کی تفسیریں۔ شرحیں اور نکات ومعارف کے کتابی انبار لگانے کے بجائے ان پر عامل نظر آئیں۔ لیکن ہماری خواہشات اور جذبات نفسی کی محبت نے ہم کو مجبور کیا کہ ہم ہر اُس آیت قرانی اور حدیث نبوی کی موڑ توڑ کر ایسی تاویل کریں جو ہماری ان خواہشات اور جذبات کی ممد ومعاون ہو سکے۔

بار خاطر ہو تو واعظ کا بھی ارشاد بُرا دل کو بھا جائے تو اکبر کی خرافات اچھی

چونکہ ہر انسان کی عقل اپنے ماحول سے متاثر ہوتی ہے لہذا تفسیروں شرحوں نکات ومعارف میں اختلاف ہونا لازمی اور ان اختلافات کو قائم رکھنے اور جائز سمجھنے کا نتیجہ ایمان ویقین کا تنزل ہے۔ چنانچہ مسلمانوں میں سے ایک گروہ احادیث نبوی کو اپنی خواہشات وجذبات کے مزاحم پاکر ان سے قطعی انکار کر رہا ہے دراں حالیکہ جہاں قرآن مجید میں اللہ کی اطاعت کا حکم ہے وہیں رسول کی اطاعت کا بھی حکم اور منصب رسالت میں تزکیہ نفس کرنے کے ساتھ قرآن کریم کی تعلیم اور اس کی حکمت وعملی کرانے کی تلقین بھی داخل ہے لیکن ان امور سے استفادہ وہی کر سکتا ہے جو دل اور زبان سے پورا ایمان ویقین اللہ عزاسمہ کے علیم وخبیر اور رحیم ورؤف ہونے پر رکھتا ہو۔ اسلام کے معنے ہی تابعداری اور اپنے آپ کو بہمہ وجوہ سپرد کر دینا ہے اور قرآن شریف میں ارشاد ہے کہ "ایمان والے مردوں اور عورتوں کی یہ شان ہی نہیں ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے سامنے ان کو اپنی طبیعت کا اختیار باقی رہے"۔ قرآن اور احادیث صحیح اللہ اور اُس کے رسول کے ناطق فیصلے ہیں اور فیصلے میں تاویل کی گنجایش نہیں ہوتی۔ مسلمان بھائی بہنیں اپنے مرض کو جانچیں اپنے انتشار اور اختلاف کی وجوہ پر غور کریں اور اپنے تنزل وپستی کے اسباب کے ازالہ کی فکر کریں۔

محمد عبدالغفار الخیری

# منزلِ مقصود پر کس طرح پہنچیں

اُردو کے ایک مشہور ادبی رسالہ کے تازہ پرچے میں "بُندوں کا سودا" کے عنوان سے ایک مضمون پڑھ کر بے انتہا افسوس ہوا کہ مضمون نگار بھائی نے حد درجہ بے انصافی سے کام لیا ہے۔ کیا جھوٹ اور دھوکا شرعی اور اخلاقی گناہ نہیں؟ سزا پاکر بھی جرم کا احساس نہ ہونا کس قدر افسوسناک ہے۔ بجائے جھوٹ کے نرمی اور صلاحیت سے بیوی کو سمجھایا جا سکتا تھا۔ یا روپیہ پاس نہ ہونے کی حقیقت ظاہر کر کے اور آئندہ کی اُمید دلا کر دفع الوقتی کردی جاتی تو مالی نقصان بھگتنا نہ پڑتا۔ اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اُن کے پہلے بُندے دو چار آنے کے نقصان سے گھریلو طریق پر فروخت کرا کے کچھ پیسے اپنے پاس سے ملا کر پسندیدہ بُندے خرید لئے جاتے۔ لیکن چونکہ عورتوں کی ضروریات اور خواہشات کا بیدردی سے پامال کرنا مردوں کے نزدیک شیوۂ بہادری ہے۔ اور ان کی جائز خواہشات کے پورا کرنے اور خوش رکھنے والے زن مُرید کہلاتے ہیں۔ لہٰذا بیوی غریب کی خواہش کی پامالی درست۔ لیکن مرد تو کامل العقلی کا دعویٰ کرتے ہیں اور عورتوں کو ناقص العقل خود غرض مکار جھوٹا کہتے ہیں۔ مضمون نگار صاحب کو بس وہ سین دکھانا مقصود تھا جو اکثر عورتیں اپنے انتہائی شوق یا ضرورت سے مجبور ہو کر مردوں کی فرائض ناشناسی اور بیدردی کے خوف سے متاثر کرنے کے لئے اختیار کرتی ہیں۔ مگر یہ غور نہ کیا گیا کہ مرد اپنی ضروریات کو پورا کرانے کے وقت خوشامد میں کیا کسر باقی چھوڑ دیتے ہیں۔ بقول شخصے وقت پر گدھے کو بھی باپ بنا لیتے ہیں۔ پھر بھلا ان غریبوں کا کیا ذکر جن کے لئے زمین سخت اور آسمان دُور ہے۔ اپنی زندگی کا وقت دھکیلنے کے لئے ان کو تو سب ہی کچھ کرنا پڑتا ہے۔ آپ کو یا مجھ کو یا کسی کو کسی کی تحقیر و تضحیک کا شرعاً یا اخلاقاً کسی صورت سے بھی حق نہیں۔ جن لوگوں میں شوہر بننے اور فرائض پورے کرنے اور اپنی بیوی کے ساتھ رفاقت کرنے کی اہلیت نہیں ان کو شادیاں کر کے معصوم شریف زادیوں کی زندگی تباہ کرنے کا بھی کوئی حق نہیں۔ کلام پاک میں خالقِ عالم نے شوہروں کو سرتاج قرار دیا ہے۔ تاج کا فعل عزت افزائی ہے نہ کہ ذلت و رسوائی۔ اب تک تو گھر کی چار دیواریوں ہی میں بیویوں کی تحقیر و تضحیک محدود تھی۔ اب اخباروں اور رسالوں میں بھی مشتہر ہونے لگیں۔

مردوں پر ان کمزور اور زبردست ہستیوں کا کیا صرف یہی حق ہے کہ طوعاً کرہاً روٹی کپڑے کی ضرورت پوری کردی؟ بلکہ اکثر تو اس فرض کو بھی اس صورت سے پورا کرتے ہیں کہ اگر بیوی غریب دیر پا اور قلیل القیمت کپڑوں کے نمونے دکھا رہی ہے۔ تو میاں خود تو اس سے چوگنی قیمت کے ریشمی کپڑے لادیں گے۔ مگر اُس کی خواہش پوری نہ کریں گے اور جلد پھٹ جانے پر فوراً باز پرس کریں گے۔ عید تہوار پر جن کو کوئی ساڑیاں یا سوٹ بنا دئے جاتے ہیں وہ تو نہایت خوش قسمت ہیں لیکن ایسی بدقسمت بیویاں بہت زیادہ ہیں جن کو سوٹ اور ساریاں تو کجا باوجود استطاعت عمر بھر پیسے کی مہندی اور دو پیسے کی چوڑیاں بھی نصیب نہیں ہوتیں۔ میکے میں تو یہ کہہ کر ان کے شوق و جذبات دبا دئے جاتے ہیں کہ کنواری لڑکیاں بناؤ سنگار نہیں کرتیں۔ جب خدا کرے گا اپنے گھر جاؤ گی جیسا چاہے پہننا اوڑھنا۔ اب اپنے گھر تمام شوق و ارمان لئے ہوئے پہنچیں تو یہاں ایسے نافرض شناس شوہروں سے واسطہ پڑا جو اُن کی خواہشات پامال کرنا ہی اپنا فرض سمجھتے ہیں پھر بتلائیے اُن غریبوں نے لطفِ حیات کیا پایا! افسوس رفیقہ حیات بنا کر لاتے ہیں اور خود ان کے عذابِ جان بن جاتے ہیں۔ خود رائی اور خود پرستی کے نشے نے اس درجہ مدہوش کردیا ہے کہ حق اور ناحق کا احساس ہی نہیں! کمزوروں کے حقوق بیدردی سے پامال کرتے ہوئے اُن سے ہر وقت اپنی ذات کے لئے محبت و خدمت اور ایثار کے خواہش مند رہتے ہیں۔ اُن کی تحقیر و توہین جائز اور غلطیاں اُن کے سر تھوپنا درست۔ ہر بات میں خود بے قصور اور وہ قصور وار۔ اسلام نے اگر عورت کو شوہر کی اطاعت کی انتہائی

تاکید کی ہے۔ تو مرد کو بھی فرائض شناسی کا حکم اور بد اخلاقی اور دل آزاری کی سخت ممانعت ہے۔ خصوصاً والدین کی اطاعت اور خوشنودی پر نجات عقبیٰ کا دار و مدار ہے۔ عورت تو بحالت طلاق و خلع آپ کے فرائض کی گٹھری سر سے پھینک کر جان چھڑانے کا بھی شرعی حق رکھتی ہے۔ لیکن آپ کسی صورت بھی والدین کے حقوق ادا کرنے کے فرض سے نہیں بچ سکتے۔ عام طور سے دیکھا جاتا ہے کہ والدین کی معمولی معمولی باتوں پر بھی اپنے جذبات کو دبا کر سر تسلیم خم نہیں کرتے۔ اطاعت اور حکم برداری تو بڑی چیز ہے۔ برعکس اس کے بیوی غریب سے بڑے بڑے مظالم کج خلقیوں اور زیادتیوں کے معاوضے میں بھی سر تسلیم خم دیکھنے کے خواہاں رہتے ہیں۔ اپنے حق میں والدین کی زیادتی یا برا بھلا سننے کے وقت فوراً بھنا کر چیخ اٹھیں گے کہ آخر کہاں تک صبر کریں کیا ہم انسان نہیں پتہ نہیں رکھتے بلا وجہ کا غصہ کہاں تک اٹھائیں۔ لیکن بیوی کے حق میں کبھی یہ نہیں سوچتے کہ یہ بھی انسان ہے ہمارا ہی سا احساس رکھنے والا دل اور ہماری ہی طرح کے جذبات اس کو بھی خالق نے عطا کئے ہیں۔

باوجود شوہروں کی اس بے حسی کے یہ خاموش بہادر حکم خدا اور رسولؐ کو کلیجے سے لگائے عمر بھر حتی الامکان اپنے نفس سے جنگ کرکے اپنے جذبات کو دبائے سر تسلیم خم رکھنے گذشتہ بدسلوکیوں کو بھولنے اور موجودہ اور آئندہ زندگی کو خوشگوار بنانے کی کوشاں رہتی ہے کیا ان کا ضبط و صبر اور استقلال قابل قدر اور قابل داد نہیں جس پر مرد اپنی کمائی خرچ کرکے کڑھتے ہیں۔ وہ شوہروں پر اپنی عصمت اپنی خوشیاں قربان کرنے کے باوجود آپ کی سرد مہریوں اور نا قدریوں کے یہی آرزو رکھتی ہے کہ شوہر کے ہاتھ ہی سے سپرد خاک ہو جاؤں دل میں انصاف کیجئے کہ شادی سے قبل کس قدر خوشامد کی جاتی توقعات دلائی جاتی اور حیثیت سے بڑھ کر روپیہ خرچ کیا جاتا ہے۔

لیکن بعد شادی بیوی پر ظلم ہوتا ہے۔ اور شوہر اسے حقیر و ذلیل سمجھتا ہے ۔ یہ ایسی رفیق ہے کہ اگر محلوں کے عیش آرام میں شریک ہے تو جنگل کے فاقوں میں بھی ساتھ نہیں چھوڑتی ۔ شوہروں کو ان پر اپنی کمائی خرچ کرکے کڑھنے یا احسان جتانے کا ہرگز حق نہیں۔ اولاد مرد کی قسمت کی۔ اور روزی عورت کے نصیب کی۔ مگر افسوس شوہر بیویوں کو آزادی کے ساتھ ایک پیسہ بھی خرچ کرنے کا حق نہیں دیتے۔ کیا مساوات اور انصاف اسی کا نام ہے۔ افسوس آپ سے تو ایک مرغ ہی کا ظرف بہتر ہے۔ جو کہ انتہائی کوشش سے زمین کرید کر ایک دانا پا کر خود نہیں کھاتا دور سے کٹ کٹ کرکے مرغیوں کو بلاتا ہے اور جب وہ جمع ہو جاتی ہیں تو نہایت سیر چشمی اور آہستگی سے چونچ سے اٹھا کر ان کے سامنے ڈال دیتا اور خود الگ ہو جاتا ہے۔ آج ہمارے مردوں کی نفس پروری کم ظرفی ناقدری اور غفلت ہی نے یہ روز بد دکھایا کہ وہ مسلمان بیویاں جو اپنا آنچل بھی نامحرم کو دکھانا گناہ کبیرہ سمجھتی تھیں۔ جو گھر کی حوریں کہلاتی تھیں جو عصمت کو اپنا زیور اور حیا کو اپنا جوہر خیال کرتی تھیں جن کی شاہزادی جناب سیدہ کا جنازہ بھی شب کی تاریکی میں اٹھا جن کے ہادی برحق کی نواسیوں کی بے نقابی پر مسلمان تیرہ سو برس گذر جانے پر بھی سر پیٹتے جا رہے ہیں حکم شریعت کو پس پشت ڈال کر بے پردہ سڑکوں پر گھومتی اور دفتروں میں نامحرموں کے پہلو بہ پہلو کام کرتی نظر آتی ہیں۔ کیونکہ مسلمانوں میں ہنسی خوشی اپنی کمائی اہل و عیال پر خرچ کرنے کی اہلیت نہیں رہی۔ مرتا کیا نہ کرتا ظلم و جور سے گھبرا کر چار دیواریوں سے نکل پڑیں۔ اب وہ اپنے زیور اور جوہر کو بھی محفوظ نہیں رکھ سکتیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کمزور جنس کا محافظ معاون اور سر دھرا قرار دیا ہے۔ وہ ضرور آپ سے باز پرس کرے گا۔ خدا کے واسطے آنکھیں کھولو ہوش میں آؤ کلام پاک آنکھوں سے لگاؤ حدیثیں دیکھو اور اپنے فرائض سمجھو۔

ایک دوسرے کے فرائض کے ادا کرنے اور سچی محبت سے ہی دین و دنیا کی راحت و سعادت حاصل ہو سکتی ہے۔ حکومت کی جان کو آ رہے ہو۔ قومی اور ملکی اتحاد کے لئے شور مچا رہے ہو مساوات مساوات کے نعرے بلند ہو رہے ہیں۔ مگر گھروں میں بغاوت پھیلا رکھی ہے خانگی زندگی میں خوشگواری پیدا کرنے کی فکر نہیں۔ ایسے افراد جو گھروں میں اتحاد قائم نہیں کر سکتے قوم اور ملک میں کیا خاک اتحاد پیدا کریں گے۔

اور جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ مساوات اور انصاف نہیں کر سکتے وہ مزدوروں کے ساتھ یا دوسرے غربا کے ساتھ کیا نیک سلوک اور مساوات کر سکتے ہیں۔ جب تک حلم و اخلاق اور فرائض شناسی سے گھروں میں امن قائم نہ کریں گے قومی اور ملکی ترقی ناممکن ہے۔ کیونکہ خانہ جنگی دماغوں کو سکون نصیب نہ ہونے دیگی۔ ایسی صورت میں جبکہ اپنے ہی گھروں میں آگ لگی ہو کیا قوم اور ملک کی اصلاح کے لئے قدم اُٹھا سکتے ہو۔ خانہ جنگی جہاں عورت کو زندہ درگور کر دیتی ہے وہاں مرد کے لئے بھی مفید نہیں ہوتی۔ دونوں لطف زندگی سے محروم ہوتے ہیں پھر بچوں کے اخلاق و صحت پر بہت ہی بُرا اثر پڑتا ہے۔ لہٰذا مردوں کا بھی اور عورتوں کا بھی فرض ہے کہ گھروں کو جنت کا نمونہ بنانے کی کوشش کرکے دین و دنیا میں کامیاب ہوں۔ اور اس چند روزہ زندگی کو راحت و آرام سے گذاریں۔ ہر بیوی کا فرض ہے کہ شوہر کے آرام کو اپنے آرام پر۔ اس کی خوشی کو اپنی خوشی پر اس کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر مقدم سمجھے۔ قول میں عمل میں کفایت شعاری سے کام لیں۔ اپنے اور اپنے شوہر کے ہر بُرے بھلے وقت میں ساتھ دیں۔ اور بچوں کی تعلیم شادی بیاہ اور دیگر ضروریات کو پیش نظر رکھ کر آمدنی میں سے کچھ نہ کچھ پس انداز ضرور کریں۔ اپنی حیثیت سے بڑھ کر خواہش کو دل میں ہرگز جگہ نہ دیں۔ اپنے حال میں خوش رہیں۔ اور اس خیال سے اپنے دل کو سمجھائیں کہ ماں باپ کے یہاں کی دولت و ثروت اُن کے نصیب کی تھی چند روز ہم نے بھی ان کے طفیل بہار دیکھ لی۔ ہمارے مقدر کا یہ ہے اور ہم اتنے ہی کے اہل تھے جو ہم کو یہاں ملا۔ اپنے سے زیادہ بدحال بہنوں کو دیکھ کر اپنے وقت اور اپنے خالق کی شکر گذار ہوں اس طرح شوہر کا فرض ہے کہ بیوی کو رفیقہ حیات یقین کرے اور سچے دل سے اس سے محبت کرے اور اس کی محبت کی قدر کرے۔ اس کی خدمات اور ایثار کو وقعت کی نظر سے دیکھے۔ اس کو اپنے گھر اور اپنی چیز کی مالک سمجھنے کا حق دے۔ تاکہ اس کو دلچسپی پیدا ہو اور وہ گھر کو گھر بنانے کی کوشش کرے۔ اکثر لوگ جو بات بات میں یہ کہتے ہیں کہ فلاں چیز تو میری ہے تم کیا میکہ سے لائی تھیں۔ ایسے لوگوں سے اور ایسے گھروں سے بیوی ہمیشہ بددل رہتی ہے۔ اور اس کو شوہر سے یا گھر سے کوئی دلچسپی نہیں رہتی وہ یہ سمجھتی ہے کہ کھا لیا سو اپنا اور رہ گیا سو پرایا۔ بیوی کی تضحیک و تحقیر ہرگز نہ کریں بلکہ بیوی کو گھر کی ملکہ سمجھیں لونڈی نہ سمجھیں اس کی جائز خواہش کو حتی الامکان پامال نہ کریں۔ اس کی ضرورت کو اپنی ضرورت اس کے رنج کو اپنا رنج اس کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھیں۔

آپ کی خانگی ضروریات اور آرام جس طرح اُن سے وابستہ ہے جس کو وہ عموماً اپنا فرض سمجھ کر یا آپ کی برہمی کے خوف سے فوراً سے پہلے انجام دینے کی کوشش کرتی ہیں۔ اسی طرح اُن کی باہر ضرورتیں آپ سے وابستہ ہیں آپ کو بھی لازم ہے کہ فوراً نہیں تو بوقت فرصت و موقع پوری کیجئے یا کسی امکانی ذریعے سے پوری کرائیے۔ اور اگر غیر ممکن یا بیجا خواہش ہے تو نرمی سے شرافت سے انسانیت سے محبت سے سمجھا کر روک دیجئے۔ زندگی خوشگوار جب ہی ہو سکتی ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ خلوص و یگانگت کا برتاؤ کرکے باہمی محبت کا اعتماد پیدا کریں اور زندگی کی گاڑی کو اتفاق و استقلال کے ساتھ کھینچ کر منزل مقصود پر پہنچانے اور حاکم حقیقی کے دربار میں سُرخرو بننے کی کوشش کریں۔

ز۔ا۔ سیدہ جوناگڈھ

# سیدہ

افرادِ ڈراما۔ جس ترتیب سے سامنے آتے ہیں)

نسیمہ ۔ ایک اَن پڑھ لڑکی، عمر ۱۵ سال۔
حمیدہ ۔ نسیمہ کی چھوٹی بہن، عمر ۹ سال
رشیدہ ۔ نسیمہ کی پھوپھی عمر ۴۰ سال
سیدہ ۔ نسیمہ کی رشتے کی خالہ زاد بہن خورشید کی سہیلی۔
محمدی ۔ نسیمہ کی ماں عمر ۴۵ سال۔
نصیرن ملازمہ ۔
خورشید ۔ رشیدہ کی لڑکی، عمر ۲۲ سال، کالج کی متعلمہ
عابدہ ۔ سیدہ کی ۶ سالہ بچی ۔

## پہلا سین

(پرانی وضع کا مکان۔ دالان میں دو تین پلنگ بے ترتیبی سے پڑے ہیں۔ ایک طرف تخت بچھا ہے۔ دو تین پیڑھیاں رکھی ہیں۔ تخت پر پاندان کھلا پڑا ہے۔ کچھ سلے کچھ بے سلے کپڑے بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے ہیں۔ نسیمہ، سانولا رنگ، اچھا ناک نقشہ، سید ھا پاجامہ کلیوں کا کرتا، ہاتھوں میں چاندی کی چوڑیاں۔ کانوں میں چاندی کی دو دو بالیاں اور ناک میں سونے کی چھوٹی سی نتھنی پہنے تخت پر بیٹھی صابن سے منہ دھو رہی ہے۔ منہ دھونے میں بار بار نتھنی ہارج ہوتی ہے اور نسیمہ اس سے اُلجھ اُلجھ پڑتی ہے۔ پلنگ پر محمدی بیگم دلائی اوڑھے بیٹھی ہیں اور انہماک سے ترکاری کاٹ رہی ہیں ان کے پاس حمیدہ میلے کپڑے پہنے، بال بکھرے بیٹھی گڑیوں سے کھیل رہی ہے)

**حمیدہ ۔** اماں، اماں، ہمیں ذرا سا شلغم کا ٹکڑا دے دو۔
**محمدی ۔** چپ بیٹھی رہ۔ کام کرنے دے۔
**حمیدہ ۔** اوں۔ اوں۔ ہم تو لیں گے۔ اماں دے دو نا۔
**محمدی ۔** اچھا لے شلغم۔ مر کھا کر۔
**حمیدہ** یہ تو چھوٹا سا ہے میں تو بڑا سا لوں گی۔
**محمدی ۔** چل دفع ہو۔ ناک میں کمبخت نے دم کر دیا۔ نسیمہ! اری او نسیمہ! سنتی ہے کیا کان پھوٹ گئے؟
**نسیمہ ۔** کیا ہے اماں؟
**محمدی ۔** میں کہتی ہوں کہ یہ منہ آخر کب تک دُھلے گا؟
**نسیمہ ۔** توبہ ہے اماں! ابھی تو بیٹھی ہوں۔ تم تو خواہ مخواہ جھنجھلا کرتی ہو۔
**محمدی ۔** مردار زبان چلاتی ہے، کاٹ ڈالوں گی زبان۔
**حمیدہ ۔** ہاں اماں کاٹ دو اِن کی زبان، بہت بُری ہیں یہ۔
**نسیمہ** (وہیں سے چیخ کر) بدتمیز تجھے کیا مطلب۔ تو ہماری بات میں کیوں بولتی ہے۔ **محمدی ۔** اور یہ منہ کس چیز سے دھل رہا ہے۔
**حمیدہ** (جلدی سے) اماں صابن سے! صابن سے۔
**محمدی ۔** خدا غارت کرے اس نگوڑے صابن کو۔ کتنی مرتبہ کہہ چکی ہوں کہ صابن سے منہ نہ دھویا کر اس میں سؤر کی چربی ہوتی ہے۔ مگر تو کاہے کو ماننے لگی تھی۔
**نسیمہ** (روٹھی ہو کر) اماں تم تو جب دیکھو یوں ہی بُرا کہا کرتی ہو۔ ساری دنیا صابن سے منہ دھوتی ہے مگر میرے لئے ہر چیز حرام ہے۔

(باہر سے آواز آتی ہے "خط لے جاؤ")

**محمدی ۔** نصیرن..... نصیرن جا جلدی سے خط تو لے آ۔ توبہ ہے اس موئے ڈاکیہ کی آواز سے مجھے ہول اُٹھنے لگتا ہے۔

(نصیرن ایک گلابی رنگ کا پھول دار لفافہ لا کر نسیمہ کے ہاتھ میں دے دیتی ہے)

**محمدی** (گھبرا کر) ہیں ہیں! کس کا خط ہے؟ نسیمہ کو کیوں دیا؟
**نصیرن ۔** بیوی جی ڈاکیہ نے کہا تھا کہ نسیمہ بیگم کے نام کا خط ہے میں نے انھیں دے دیا۔
**محمدی ۔** چل مردار۔ نوج! خدا نہ کرے میری کنواری بچی کے نام کیوں خط آنے لگا۔ نسیمہ کمبخت لا خط مجھے دے۔

(نسیمہ ڈری سہمی خط لاکر ماں کے ہاتھ میں دے دیتی ہے)

محمدی۔ کس کا خط ہے؟ نسیمہ۔ ہمیں کیا پڑھنا آتا ہے؟

محمدی۔ تیرے ابا کا ہوگا؟

نسیمہ۔ جانے کس کا ہے۔ میرے نام کس دن ابا کا خط آیا تھا؟

محمدی۔ اب کس سے پڑھواؤں یہ خط۔ حمیدہ۔ لاؤ ہم پڑھ دیں اماں۔

محمدی۔ چپ رہ۔ بڑی آئی پڑھنے والی۔

نسیمہ۔ ہم نے کتنا کہا کہ اماں ہم بھی تھوڑا بہت پڑھ لیں مگر تم نے نہ مانا۔ لنگوٹے تیلی، دھوبی، چمار، مہتر سب کی لڑکیاں پڑھنے لگیں اور ہم ویسے ہی ٹھوٹ کے ٹھوٹ رہے۔

محمدی۔ چلو بک بک نہ کرو۔ مجھے یہ زبان درازیاں اچھی نہیں لگتیں۔ پھینک پرے اس خط کو اور بیٹھ اس کرتے کو پورا کر (نسیمہ کچھ بڑبڑاتی ہوئی بیٹھ جاتی ہے۔ حمیدہ نسیمہ منہ چڑاتی اور نسیمہ اسے ٹھینگا دکھاتی ہے۔ (پردہ)

## دوسرا سین

(وہی مکان۔ صبح کا وقت، مکان کی پہلے سے بھی بدتر حالت ہو رہی ہے۔ حمیدہ، نسیمہ اور محمدی ناشتہ کر رہی ہیں۔ کہ ایک تانگہ رکنے کی آواز آتی ہے)

حمیدہ۔ اماں تانگہ آیا تانگہ۔

نسیمہ۔ ہاں اماں تانگہ ہمارے ہی گھر پر رکا۔ کوئی آیا ہے۔

محمدی۔ کون آیا ہوگا؟ نصیرن جا دیکھ کے تو آ کس کا تانگہ ہے۔

(نصیرن باہر جاتی ہے اور نسیمہ جلدی سے روٹیوں کی چنگیر وغیرہ ہٹا دیتی ہے)

نصیرن۔ بیوی جی آپ کی چھوٹی نند رشیدہ بیگم آئی ہیں اور ایک جوان لڑکی منہ کھولے انگریزن سی بنی ان کے ساتھ ہے۔ اے بیوی بس کیا کہوں۔

محمدی۔ کوئی اس کی سسرال کی ہوگی۔ اچھا جا انھیں اتروا کر تو لا۔

نسیمہ۔ اماں ابھی تو جھاڑو بھی نہیں لگی کیسا گندا گھر ہو رہا ہے۔

(اتنے میں رشیدہ اور خورشید اندر آتی ہیں۔ رشیدہ لٹھے کی شلوار لمبی ریشمی قمیص پہنے ہے، جارجٹ کا دوپٹہ اوڑھے ہے۔ اور رنگین برقعہ کندھے پر پڑا ہے۔ خورشید خوبصورت لڑکی ہے۔ شلوار قمیص، چنا ہوا دوپٹہ گلے میں پڑا ہے اوپر چھوٹا سا کوٹ پہنے ہے پاؤں میں اونچی ایڑی کا "لیڈیز شو" ہے۔ آڑی مانگ، ڈھکے ہوئے کان، بہت سا پوڈر، بڑے بڑے سرخی سے رنگے ہوئے نکیلے ناخون اور کھلا گلا صاف دکھائی دے رہا ہے۔ محمدی کھڑی ہو جاتی ہے۔ نسیمہ بھی جھک کر سلام کرتی ہے حمیدہ منہ کھولے حیرت سے دیکھ رہی ہے)

محمدی۔ ہائے ہے بہن رشیدہ! کتنے عرصے بعد ملی ہو؟

(گلے ملتی ہیں)

رشیدہ۔ بھابی کیا کہوں مدت سے ملنے کو جی بے چین تھا۔ مگر موقع ہی نہیں ملتا تھا۔

محمدی۔ ہاں بوا آٹھ برس میں ملنا ہوا اور یہ کون ہے تمھارے ساتھ؟

رشیدہ۔ لو بھابی تم اپنی خورشید کو بھول گئیں؟ خورشید یہ تمھاری ممانی جان ہیں۔

(خورشید سلام کی مکھی سی مارتی ہے۔ محمدی ہاتھ بڑھا کر گلے لگانا چاہتی ہے۔ مگر خورشید ویسے ہی کھڑی رہتی ہے۔ محمدی تیوری پر بل ڈال کر ہٹ جاتی ہے۔ رشیدہ کو گلے لگاتی ہے حمیدہ سلام کر کے دالان کے دوسرے کونے میں بھاگ جاتی ہے)

رشیدہ۔ خورشید یہ نسیمہ ہے۔ نسیمہ بیٹی یہ تمھاری بہن خورشید ہے اسے تم سے ملنے کا بہت شوق تھا۔ (نسیمہ سلام کرتی ہے۔ خورشید مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتی ہے۔ نسیمہ حیرانی سے بیوقوفوں کی طرح اس کا منہ تکتی ہے خورشید منہ پر رومال رکھ کر مسکراتی ہے)

نسیمہ (ماں کی طرف دیکھ کر) اماں! پھوپی اماں اور آپا کو بٹھائیے نا۔

محمدی۔ اے ہاں رشیدہ بیٹھو نا کھڑی کیوں ہو؟ خورشید بیٹی تو بھی اپنی بہن کے پاس بیٹھ جا۔

(خورشید کچھ نفرت اور کچھ گھبراہٹ سے ادھر ادھر دیکھتی ہے اور مجبور ہو کر اپنے ریشمی کپڑے سمیٹ کر تخت کے ایک کونے پر ٹک جاتی ہے۔)

محمدی۔ رشیدہ تم نے اپنے آنے کی خبر تک نہ کی ؟

خورشید۔ (ممانی کی طرف مڑکر) ممانی جان میں نے تو نسیمہ کو خط لکھا تھا پرسوں ضرور پہنچا ہوگا۔

نسیمہ۔ اے اماں وہ انھیں کا خط ہوگا۔ ہمیں کیا خبر تھی بھلا۔

خورشید۔ کیوں ؟ تم نے میرا خط پڑھا نہیں ؟

نسیمہ۔ (سر جھکا کر) آپا مجھے پڑھنا ہی نہیں آتا۔

خورشید۔ ہائیں! کیا اُردو پڑھنا بھی نہیں جانتیں ؟

محمدی۔ تو آج شریفوں کی بہو بیٹیاں پڑھیں لکھیں خدا نہ کرے۔

رشیدہ۔ بھابی کیا واقعی آپ نے بچی کو بالکل نہیں پڑھایا ؟

محمدی۔ میں کیوں پڑھاتی ؟ معلوم ہوتا ہے تم نے خورشید کو پڑھایا ہے ؟

رشیدہ۔ (فخر سے) جی ہاں یہ تو دسویں پاس کر چکی ہے اور انشاءاللہ اگلے سال ایف اے کرے گی۔

(نسیمہ حیرت سے خورشید کو دیکھتی ہے خورشید کے چہرے پر مسکراہٹ ہے)

محمدی۔ تب ہی بڑھ بڑھ کر بول رہی ہو۔ رشیدہ تم نے خاندان بھر کی ناک کاٹ دی۔ غضب خدا کا میر امجد علی کی نواسی اور مدرسے میں پڑھے! ہائے کیا دنیا کی مت پلٹ گئی ہے۔

رشیدہ۔ بھابی کمال ہے کہ آپ اب تک اُسی پرانی روش پر قائم ہیں۔ دنیا کہاں سے کہاں نکل گئی۔ لڑکیاں بی اے۔ ایم اے کرنے لگیں۔ بلکہ اب تو انگلینڈ سے پاس کر کے آتی ہیں۔ اور آپ وہی لکیر کی فقیر بنی ہوئی ہیں۔

محمدی۔ بی مجھے تمھاری سی لسانی تو آتی نہیں۔ میں تو یہ جانتی ہوں کہ اللہ بخشے تمھارے ابا اس کے بھی خلاف تھے کہ عورتیں قرآن مجید پڑھیں۔ اور اللہ رکھے یہی حال تمھارے بھائی کا ہے۔ وہ اس کے بھی روادار نہ ہوئے کہ لڑکی کو اردو پڑھوا دوں۔

رشیدہ۔ بھابی اب دنیا میں جاہلوں کا گذارا نہیں۔ آپ کو کیا خبر جاہل لڑکی کی تمام زندگی خراب جاتی ہے

محمدی۔ کچھ میری اور تمھاری زندگی خراب گزری ہوگی۔

رشیدہ۔ بھلا بھابی ہماری بھی کوئی زندگی تھی؟ جیسی جانور رہے کی ہوتی ہے اور خیر ہماری تو جیسے تیسے گزر گئی مگر یہ بیسویں صدی ہے اس میں جاہلوں کا خدا ہی حافظ ہے۔

خورشید۔ (طراری سے) ممانی جان جہالت تو خود اتنی بڑی لعنت ہے کہ اُس کے نام سے شرم آتی ہے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ ترقی کے زمانے میں آپ کے ایسے خیالات ؟

محمدی۔ بیوی اب تم عقل سکھاؤ گی تو ہم احمقوں کو آئے گی۔

خورشید۔ جی نہیں عقل سکھانے کا کیا ذکر ہے میں تو یہ کہتی ہوں کہ آپ لڑکیوں کی تعلیم کے کیوں خلاف ہیں۔

محمدی۔ (غصے سے) آج کو تیرے نانا زندہ ہوتے تو تجھے بتاتے

خورشید۔ وہ کیا بتاتے۔ تعلیم حاصل کرنے میں کسی قسم کی برائی نہیں ہے۔ علم تو ایسی چیز ہے جس میں فائدے ہی فائدے ہیں۔

محمدی (طنز سے) ہاں ہاں اس میں کیا شک ہے۔ پڑھنے میں ایک سے ایک زیادہ فائدہ ہے، کنواری لڑکیوں کو سنگار کرنا آجاتا ہے۔ ٹیڑھی مانگ نکال لی، وہ موا پوڈر کیا ہوتا ہے منہ پر تھوپ لیا کتے کے سے ناخن بڑھا لئے اور رہا ہیں، گلا اور منہ کھولے غیر مردوں کو چھب دکھاتی سڑکوں پر رواں دواں پھرتی ہیں۔ بھلا بوا میں ایسے فائدوں کو کیا جانوں ؟ ایسی تعلیم اللہ تمہیں مبارک کرے مجھے تو معاف ہی رکھو۔

(خورشید کے منہ پر غصے سے ایک رنگ آتا ہے ایک جاتا ہے اور ممانی کو گھور رہی ہے نسیمہ شرمندہ سی سر جھکائے بیٹھی ہے)

رشیدہ۔ بھابی آپ کا غصہ سر آنکھوں پر مگر بات یہ ہے کہ آپ کو دنیا کے رنگ کی خبر نہیں ہے۔ اب شہروں میں لڑکیوں کا سنگار بناؤ کرنا عام بات ہے اور اکثر گھروں میں پردہ بھی نہیں کیا جاتا۔ اس کے ابا کو پردے سے چڑ ہے۔ مجھ سے بہت کہا کہ پردہ چھوڑ دو مگر میں تو بھلا کیا چھوڑتی ہاں اب اپنی لڑکی کو جیسا چاہیں رکھتے ہیں۔ بھلا بھابی اس میں تعلیم بچاری کا کیا قصور ؟

خورشید۔ (جو جز بز ہو رہی تھی) اور جناب پوڈر سرخی، شلوار ساڑھی میں کیا برائی ہے؟ ہر زمانے کا فیشن الگ الگ ہوتا ہے۔ آپ کے ان لمبے لمبے ڈھیل پاجاموں اور بد مذاق کرتوں سے تو ہمارا

لباس اور آپ کے بھدے بے ہودہ سنگاروں سے ہمارا ننگا رہنا لاکھ درجے اچھا ہے۔

محمدی۔ (لڑکی! لڑکی! ہوش میں آ کیسی زبان ہو تیری۔ خبر بھی ہے میں تیری ممانی ہوں۔ برابر کی سہیلی نہیں۔

رشیدہ۔ خورشید خاموش رہو۔ بھابی یہ تو بچی ہے بے وقوف آپ اس کی بکواس کا خیال نہ کیجئے۔ بھابی میرا کہنا مانئے اور نسیمہ کو اسکول میں داخل کرا دیجئے۔

نسیمہ (آہستہ سے) میری پھوپی اماں۔ آپ کوشش کیجئے کہ اماں مان جائیں۔

محمدی۔ بیوی میں باز آئی۔ ایسی تعلیم سے اور اسکول سے کہ میری بچی میرے قابو کی نہ رہے۔ زبان دراز، بے حیا بے پردہ لڑکی کو میں زندہ گاڑ دوں۔ نوج میری بچی ایسی بنے۔

(خورشید جھٹکے سے کھڑی ہو جاتی ہے۔ ماتھے پر سینکڑوں بل ہیں اور آواز میں حد سے زیادہ غصہ)

خورشید۔ ممی ہم جا رہے ہیں۔ ہم سے یہ باتیں برداشت نہیں ہو سکتیں۔

نسیمہ۔ (خورشید کا ہاتھ پکڑ کر) میری اچھی آپا خفا نہ ہو۔ بیٹھو۔

خورشید۔ (ہاتھ چھڑا کر) معاف کرو بہن میں گالیاں سننے کی عادی نہیں۔

نسیمہ۔ آپا میری خاطر سے خفگی دور کر دو۔

خورشید۔ مجھے کسی کی خاطر کی ضرورت نہیں۔

رشیدہ۔ خورشید بیٹی بیٹھو۔ بزرگوں کے کہنے کا برا نہیں مانتے۔

خورشید معاف کیجئے۔ بزرگ آپ ہی کو مبارک رہیں۔ میں باز آئی ان بزرگوں سے۔ میں ایک منٹ یہاں نہیں ٹھیروں گی (اپنا کوٹ اٹھا کر پہنتی ہے اور اٹاچی کیس ہاتھ میں اٹھا لیتی ہے۔)

خورشید۔ ممی میں سیدہ ظفر کے ہاں جا رہی ہوں میرا سوٹ کیس اور بستر وہاں بھجوا دیجئے گا۔

محمدی۔ ووئی!! ووئی!!! لڑکی اتنا تیہا!! ایسا غصہ! خدا کی پناہ! اسی تعلیم کی تعریف ہو رہی تھی؟

خورشید۔ (تیزی سے) معاف کیجئے جناب میں آپ سے بات نہیں کرتی ہوں۔

(تیزی سے جاتی ہے۔ محمدی تعجب اور غصے سے اُس کی طرف دیکھ رہی ہے۔ نسیمہ رنجیدہ ہے اور رشیدہ شرمندہ)

## تیسرا سین

(سیدہ کا مختصر مگر صاف ستھرا خوبصورت مکان۔ کمرے میں ایک طرف تخت بچھا ہے جس پر مخملی قالین ہے۔ ادھر اُدھر کشن اور بیچ میں چھوٹا سا گاؤ تکیہ رکھا ہے۔ تخت کے ایک کونے پر جانماز رکھی ہے۔ وسط میں دری اور سفید چاندنی کا فرش ہے۔ کونوں میں آرام کرسیاں اور چھوٹی چھوٹی خوبصورت کشمیری میزیں ہیں آتش دان پر ہاتھ کا بنا ہوا کپڑا پڑا ہے، آتش دان اور میزوں پر فوٹو اور آرائشی چیزیں سجی ہوئی ہیں۔ سیدہ گاؤ تکیہ سے لگی بیٹھی ہے۔ اُس کے ہاتھ میں اون اور سلائیاں ہیں، وہ سلک کا سفید قمیص، سلک کا غرارہ اور جارجٹ کا ڈوپٹہ اوڑھے ہے۔ آرام کرسی پر خورشید جارجٹ کی چوڑے سے "بارڈر" کی ساڑھی، بے آستین کا بلاؤس، کانوں میں بے حد بڑے بڑے بندے اور گلے میں چھوٹا سا "نکلس" پہنے بیٹھی ہے۔ بائیں ہاتھ میں، جو بہت سی رنگ برنگی چوڑیوں سے آراستہ کیا گیا ہے، اخبار ہے داہنا ہاتھ جسے صرف ایک ننھی سی طلائی گھڑی زینت دے رہی ہے۔ بے پروائی سے کرسی کے پیچھے لٹک رہا ہے اور وہ انہماک سے اخبار پڑھنے میں مشغول ہے)

سیدہ۔ خورشید تمہارا مطالعہ کتنی دیر میں ختم ہوگا؟

خورشیدہ۔ بس پڑھ چکی دو چار خبریں اور دیکھ لوں۔

سیدہ۔ گھنٹہ بھر ہو گیا ابھی تک تمہاری خبریں ہی ختم نہیں ہوئیں۔ میرا تو جی اکتا گیا۔

خورشید۔ (اخبار الگ ڈال دیتی ہے) لو بس اب تو خوش ہوئیں؟

سیدہ۔ مہربانی۔

خورشید۔ مہربانی رکھو چھپر پر یہ بتاؤ کہ آج تمہارے ہاں کس کی دعوت ہے؟ عابدہ کہہ رہی تھی کہ خالہ جان آج ہمارے ہاں مہمان

آئیں گے۔

سیدہ۔ دعوت کیا ایسے ہی خالہ محمدی اور نسیمہ کو بلایا ہے ان کے ہمراہ تمھاری والدہ کو بھی بلایا ہے۔

خورشید۔ (ماتھے پر بل ڈال کر) ہائیں! وہ لوگ بھی ملنے کے قابل ہیں؟ توبہ۔ توبہ۔

سیدہ۔ کیوں! کیوں! ان میں ایسا کیا عیب ہے؟

خورشید۔ ایک عیب؟ سینکڑوں عیب ہیں

سیدہ۔ دو چار مجھے بھی تو بتاؤ نا۔

خورشید۔ جاہل، احمق، پھوہڑ، بدتمیز، نکتہ چیں، زبان دراز۔

سیدہ۔ خدا کی پناہ۔ کوئی بُرائی باقی بھی رہی یا سب ان ہی میں آگئیں

خورشید عیب جوئی بھی عیب ہے؟

خورشید۔ عیب کیوں ہے؟ جو جیسا ہوگا ضرور کہا جائے گا میں تو تنگ کو تمھارے ہاں آنے سے پہلے ذرا دیر کو ان کے ہاں گئی تھی بس عاجز آگئی۔

سیدہ۔ آخر وجہ؟ خورشید۔ اول تو ان کا بے ڈھنگا، گندا، بد وضع گھر ہی دیکھ کر میری طبیعت پریشان ہو گئی۔ اس پر ان سب کی جہالت، لڑکیوں کی بدتمیزی اور ممانی کی زبان، ہزاروں باتیں مجھے، ممی کو تعلیم اور اسکول کو کہہ ڈالیں۔

سیدہ۔ تعجب ہے؟ مجھے تو وہ کبھی برا نہیں کہتیں۔ تم نے ضرور کوئی ایسی بات کہی ہوگی جس پر انہیں غصہ آیا۔

خورشید۔ میں نے تو کچھ نہیں کہا ممی نے یہ کہا تھا کہ آپ نسیمہ کو تعلیم دلائیے۔ بس اسی پر بگڑ گئیں۔

سیدہ۔ میں یہ کیسے مان لوں؟ کیا تم نے انھیں بالکل کچھ نہیں کہا؟

خورشید۔ جب وہ ذاتیات پر اتر آئیں اور مجھے گالیاں دینے لگیں کہ بے پردہ ہے، بے حیا ہے۔ یوں ہے ووں ہے تو میں نے بھی انھیں ڈانٹا کہ آپ کون ہوتی ہیں مجھے بُرا بھلا کہنے والی ایسا لتاڑا کہ اب کسی تعلیم یافتہ لڑکی کو بُرا کہنے کی ان میں ہمت نہ ہوگی۔ پھر میں اپنا ہینڈ بیگ اٹھا تمھارے ہاں چلی آئی۔

سیدہ۔ ماشاء اللہ! بہت اچھا کیا! خورشید۔ کیوں اور کیا کرتی؟

سیدہ۔ تم نے بہت ہی عمدہ نمونہ پیش کیا کہ تعلیم پا کر لڑکیاں ایسی خودسر اور بے ادب ہو جاتی ہیں۔

خورشید۔ تو کیا میں وہاں رہ کر ذلیل ہوتی؟ یہ میری شرافت تھی کہ میں نے اتنا ضبط کیا اگر کسی اور کی وہ اتنی "انسلٹ" کرتیں تو بڑھیا کا منہ نوچ لیتی۔

سیدہ۔ تم نے اتنی شرافت بھی کاہے کو برتی منہ بھی نوچ لیا ہوتا! معاف کرو خورشید مجھے تمھاری یہ باتیں ایک آنکھ نہیں بھاتیں۔ تم تعلیم کا نام بدنام کرتی ہو۔

خورشید۔ کیا خوب! تعلیم کا نام میں بدنام کرتی ہوں! آزادی ہمارا پیدائشی حق ہے ہم اپنی آزادی اور اپنے حقوق ان بڑھیوں کی باتوں پر ہرگز قربان نہیں کر سکتے۔ وہ زمانہ لد گیا جب لڑکیاں یہ سب ذلتیں خاموشی سے برداشت کر لیتی تھیں ایک سمجھ دار تعلیم یافتہ لڑکی اپنی "انسلٹ" کبھی برداشت نہیں کر سکتی۔

سیدہ۔ اگر تعلیم انسان کو بڑوں کا ادب کرنا نہ سکھائے اگر پڑھ لکھ کر لڑکیاں واقعی اس قدر خودسر ہو جائیں تو میں ایسی تعلیم کو سات سلام کرتی ہوں۔ اگر آزادی تمہارا پیدائشی حق ہے اور تم اپنے حقوق نہیں چھوڑ سکتیں تو اُس کے لئے حقیقی جد و جہد کرو نا! گھروں کے اندر ماں خالہ سے زبان درازی سے حقوق نہیں ملتے حقوق ملتے ہیں قربانیاں کرنے سے۔ افسوس ہے کہ تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں کہ ماں کا درجہ دنیا میں سب سے زیادہ بلند ہے اور خالہ پھوپی ممانی ماں کے برابر ہی ہوتی ہیں۔

خورشید۔ کس قدر جاہلانہ اور پست خیالات ہیں تمھارے۔ تم مجھے کہتی ہو اور میں سمجھتی ہوں کہ تم تعلیم کا نام بدنام کرتی ہو۔

سیدہ۔ تم مجھے بتاؤ کہ میری کن باتوں سے تعلیم کا نام بدنام ہوتا ہے اور مجھے قائل کر دو میں ان کو چھوڑنے کو تیار ہوں۔

خورشید۔ تمھاری ہر حرکت تعلیم یافتہ طبقہ سے الگ ہے، تم ذلیل سے ذلیل کام کرنے کو تیار رہتی ہو، ٹکے کی اوقات والی باورچن، اور ماما جو کام کرتی ہے اُسے کرنے میں تمہیں عار نہیں

درزی کا کام تم کرو، بیرے کا کام تم کرو۔

سیدہ۔ کیوں؟ بیرا، باورچی، اور درزی، بھنگن اور دھوبن انسان نہیں۔

خورشید۔ تم لوگ سمجھتے ہو کہ ہم مساوات کی تعلیم دیتے ہیں مگر یہ سب حماقت ہے۔ ان ذلیل لوگوں کے دماغ تم ہی جیسے خیالات والوں نے خراب کئے ہیں۔ خود بھی ذلیل ہوتی ہو دوسروں کو بھی ذلیل کرتی ہو۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ تم ڈرپوک ہو۔ تم سب کی باتیں برداشت کرلیتی ہو۔ اسی لیے نا کہ ان پرانے لوگوں سے ڈرتی ہو؟

سیدہ۔ ماشاءاللہ! آپ کے خیالات تو آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ بزرگوں کا ادب کرنا۔ گھر کا کام کاج اپنے فرائض انجام دینا سخت ذلیل باتیں ہیں۔ خورشید تمہیں کیا ہوگیا ہے تم اس قدر مغرب زدہ ہوگئی ہو کہ اپنے ہاں کی معاشرت، آداب، خیالات سب کو یک قلم بھلا بیٹھیں۔ تم سمجھتی ہو کہ میرے خیالات رائے اور عادات پابند ہیں۔ دوسرے لوگوں کے؟ ہرگز نہیں! تمہارا خیال سراسر غلط ہے میں جو کرتی ہوں سمجھ بوجھ کر اپنی رائے سے کرتی ہوں ہاں تمہاری طرح میری زبان میرے قابو سے باہر نہیں اور صرف زبانی جمع خرچ نہیں کرتی۔

خورشید۔ میں کیا زبانی جمع خرچ کرتی ہوں؟

سیدہ۔ اور کیا کرتی ہو ذرا مجھے تو بتاؤ کہ تم کرتی کیا ہو؟ سوائے فضول وقت ضائع کرنے کے؟

خورشید۔ میں وقت ضائع کرتی ہوں؟ ہیں؟ میرا تو کوئی وقت خالی رہتا ہی نہیں!

سیدہ۔ ذرا اپنے اوقات مجھے بھی تو سنا دو۔

خورشید۔ سنائے دیتی ہوں مگر تم اس میں بھی عیب نکالو گی۔ صبح آٹھ بجے اٹھتی ہوں، منہ دھونے لباس بدلنے، ناشتہ کرنے اور اخبار پڑھنے میں دس بج جاتے ہیں۔ دس بجے کالج جاتی ہوں، تین بجے وہاں سے آتی ہوں، ناشتہ کرکے ذرا آرام کیا اور پھر شام کو تیار ہونے میں پانچ بج جاتے ہیں۔ شام کو یا تو کلب جاکر ٹینس، بیڈمنٹن، تاش وغیرہ کھیلتی ہوں یا کسی دوست کے ہاں جاتی ہوں۔ اکثر میرے گھر پر بھی لوگ آجاتے ہیں۔ ہفتے میں ایک دفعہ سینما بھی ضرور جاتی ہوں۔ رات کا کھانا کھاکر مطالعہ کرتی ہوں۔ اور گیارہ بجے سونے چلی جاتی ہوں۔ ذرا بتانا کونسا وقت بیکار گیا۔

سیدہ۔ (مسکراتی ہے) اوہوں! تمام وقت سخت ضروری کاموں میں صرف ہوا۔ بھلا تم جیسی تعلیم یافتہ آزاد لڑکی کاہے کو وقت ضائع کرنے لگی؟

خورشید۔ آپ نے طعنے شروع کر دیئے۔

سیدہ۔ طعن تو نہیں کرتی ہاں برا نہ مانو تو سچ سچ کہہ دوں کہ میرے خیال میں تمہارے تمام دن کے "کاموں" میں سوائے چند گھنٹے پڑھنے کے اور کوئی بھی کام ایسا نہیں تھا جو واقعی "کام" کہا جاسکے۔

خورشید۔ تو پھر کام کسے کہتے ہیں؟ میں سمجھی! تم خود جو کرتی ہو اُسے کام سمجھتی ہو۔ اچھا تو اپنا پروگرام مجھے سناؤ تاکہ میں بھی تو سمجھوں کہ "کام" ہے کس جانور کا نام؟

سیدہ۔ ارے بھئی۔ بتاؤ سنگار، کھانا، ناشتہ، سینما، کھیل کود یہ کام ہیں؟

خورشید۔ خیر خیر تم اپنا پروگرام سناؤ۔

سیدہ۔ سنانے میں تو مجھے عذر نہیں مگر تمہیں پسند نہ آئے گا۔

خورشید۔ تمہیں اس سے کیا تم سناؤ تو۔

سیدہ۔ میں جاڑے میں چھ اور گرمی میں پانچ بجے صبح کو اٹھتی ہوں نماز پڑھ کر آدھا پارہ کلام مجید کا مع ترجمہ پڑھنے کا میں نے معمول بنالیا ہے کتنی ہی مصروفیت ہو اس میں فرق نہیں آنے دیتی۔ میں سمجھتی ہوں کہ جو مسلمان دنیا میں کامیاب اور دین میں سرخرو ہونا چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ سمجھ کر کلام پاک پڑھے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرے ناممکن ہے کہ وہ اپنے مقصد میں ناکامیاب ہو۔

خورشید۔ (ہنس کر) تم نے تو قرآن کی اتنی تعریف کی کہ میرا دل بھی پڑھنے کو چاہنے لگا۔

سیدہ۔ (ناراضگی سے اونھ) خورشید تمہیں شرم نہیں آتی تم مسلمان ماں باپ کی اولاد اور خود بھی نام کی ہی سہی مسلمان ہو کر کلام خدا

کا ذکر اس طرح کرتی ہو جیسے کسی معمولی ناول کا۔ اور دل چاہنے کی خوب کہی کیا تم نے قرآن شریف پڑھا نہیں ؟

خورشید۔ (کچھ شرمندہ ہوکر) بچپن میں پڑھا تھا مگر اب مدت سے نہیں پڑھا۔ بھئی مجھے عربی تو آتی نہیں کہ قرآن سمجھ سکوں اور بغیر سمجھے پڑھنے سے کیا فائدہ؟

سیدہ۔ اول تو تمہارا یہ خیال کہ بغیر سمجھے پڑھنا فضول ہو غلط ہی۔ کلامِ خدا کو بے سمجھے بھی پڑھو گی تو باعثِ برکت ہوگا۔ دوسرے یہ کیا ضرور ہے کہ جو عربی نہ جانے وہ قرآن سمجھ ہی نہ سکے تم ترجمہ پڑھو وہ بھی کافی ہے۔

خورشید۔ اچھا ناصح صاحبہ اب پڑھنے کی کوشش کروں گی خیر تم اپنا پروگرام تو سناؤ۔

سیدہ۔ بھئی پروگرام کیا جو میرے فرائض ہیں انھیں ادا کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔

خورشید۔ ہاں بھئی تم بڑی فرض شناس سہی۔ مگر آخر وہ فرائض مجھے بتانے میں کیا حرج ہے۔

سیدہ۔ میں یہ دعویٰ تو نہیں کرتی کہ بڑی فرض شناس ہوں۔ ہاں کوشش ضرور کرتی ہوں کہ جو فرائض خدا، رسول اور بندوں کے مجھ پر ہیں وہ حتی الامکان ادا کروں۔ اور دوسروں کو اپنے سے ناخوش نہ ہونے دوں۔

خورشید۔ اب لکچر ختم کرو اور مجھے بھی کرو۔

سیدہ۔ توبہ .... تم تو زبان پکڑتی ہو۔ خیر نماز قرآن سے فارغ ہوکر پندرہ بیس منٹ کسی قسم کی ورزش کرتی ہوں یا کسی کھلی جگہ چہل قدمی کر لیتی ہوں۔ ساڑھے سات بجے ناشتہ کے وقت آجاتا ہو۔ اپنی نگرانی میں اور کبھی کبھی خود ہی ناشتہ تیار کرتی ہوں اور ہم تینوں یعنی ظفر، میں اور عابدہ ناشتہ کرتے ہیں۔ آٹھ بجے عابدہ کو ہوا خوری کو بھیج دیتی ہوں اور خود نوکر کو ساتھ لے کر مکان کی صفائی کرتی ہوں ماما کو جنس دے کر پکانے کے لئے بتاتی ہوں۔ اور ایک ہنڈیا صبح شام اپنے ہاتھ سے بھی ضرور پکاتی ہوں، پھر عابدہ کے پڑھانے کا وقت آجاتا ہے۔ دن میں دو گھنٹے سلائی اور دو گھنٹے لکھنے کا کام

بھی ضرور کرتی ہوں۔

خورشید۔ اور آپ لکھتی کیا ہیں ؟

سیدہ۔ خطوں کے جواب دینے ہوتے ہیں اور اکثر مضمون بھی لکھتی ہوں۔

خورشید۔ اچھا پھر۔ سیدہ۔ دوپہر کو بالکل نہیں سوتی۔ وہ وقت میرے مطالعہ کا ہے۔ مگر میں تمھاری طرح جاسوسی ناول نہیں پڑھتی۔

خورشید۔ اور سنیئے۔ جاسوسی ناول پڑھنا بھی عیب میں داخل ہو ؟

سیدہ۔ خیر بھئی اپنا اپنا مذاق ہے۔ میں تاریخ، ادب وغیرہ کو تمھارے جاسوسی قصوں پر ترجیح دیتی ہوں۔ کیونکہ میرے خیال میں ان کا پڑھنا وقت ضائع کرنا ہے۔ ظہر کی نماز کے بعد گھر کی صفائی پر پھر ایک نظر ڈال لیتی ہوں۔ اور چائے پی کر کسی کام میں لگ جاتی ہوں شام کو عموماً یا تو میرے ہاں عورتیں آجاتی ہیں یا میں ملنے ملانے چلی جاتی ہوں، ساڑھے سات بجے کھانا کھاکر ظفر صاحب کے ساتھ میں اور عابدہ ٹہلنے نکل جاتے ہیں اور بھئی ساڑھے آٹھ پر میرا اسکول کھل جاتا ہے۔

خورشید۔ اسکول ؟ اسکول کیسا ؟

سیدہ۔ ارے بھئی اسکول وسکول کیسا، ایسے ہی رات کو دو گھنٹے بڑی عمر کی اَن پڑھ عورتوں اور محلہ کی لڑکیوں کو پڑھانے اور ہاتھ کا کام سکھانے کے لئے مخصوص کر دیئے ہیں۔ دس بجے یہ لوگ چلی جاتی ہیں۔ اور ٹھیک گیارہ بجے میں سو جاتی ہوں۔

خورشید۔ بڑا لمبا پروگرام ہے۔ بھئی اس میں تو شک نہیں کہ تمھارا تمام وقت کام میں گزرتا ہے مگر سوائے پڑھنے لکھنے کے اور پڑھانے کے باقی سب وقت فضول کاموں میں صرف ہوتا ہے۔ کھانا پکانا۔ گھر کی صفائی، بچی کی پرورش سب نوکر کر سکتے ہیں۔ تم جیسی قابل عورت کو بجائے ان چیزوں میں وقت ضائع کرنے کے کسی اسکول یا کالج میں تعلیم دینا چاہیئے۔ یا کوئی قومی کام کرنا چاہیئے۔ وہی کام جو جاہل عورت کرتی ہے تم بھی کرتی ہو۔ پھر تمھاری تعلیم کس کام آئی ؟

سیدہ۔ معاف کیجئے جناب میں آپ کے ان خیالات سے ذرا بھی متفق نہیں۔ اگر تعلیم پاکر عورت بے کار محض ہو جائے اور ہر کام کو اپنی کسر شان سمجھے تو میرا تو ایسی تعلیم کو دور ہی سے سلام ہے۔ تم جیسی خیالات کی لڑکیاں ہی تو تعلیم کے مخالفین کو اعتراض کرنے کے موقع دیتی ہیں۔ عورت اگر تمام دنیا کا علم بھی حاصل کرے تب بھی گھر والی ہے اور اس کا پہلا فرض، شوہر کو خوش رکھنا، گھر کی سلطنت کا عمدہ انتظام کرنا اور اپنے بچوں کو اچھی تربیت کرنا ہے۔ ان فرائض کے ساتھ ساتھ اگر وہ قومی خدمت بھی کرے تو سبحان اللہ۔ مگر جو عورت اپنے خاص فرائض انجام نہیں دے سکتی وہ قومی خدمت کیا خاک کرے گی؟ سب سے بڑی قومی خدمت، جس کی آج کل سخت ضرورت ہے یہ ہے کہ اپنے بچوں کی اچھی تربیت کی جائے اور ان کو آج کل کی سی بے معنی تعلیم نہیں بلکہ اصلی ٹھوس تعلیم دی جائے جس میں علم کے ساتھ ساتھ عمل بھی ہو اور بڑے ہو کر یہ بچے قوم کے سچے خادم، دین کے سچے پیرو اور وطن کے اصلی خیر خواہ ثابت ہوں۔ یاد رکھئے خورشید بانو بیگم صاحبہ ایک بچے کی عمدہ تربیت بڑی سے بڑی قومی خدمت سے بڑھ کر ہے اور یہ صرف ماں ہی کر سکتی ہے۔

خورشید۔ اوہو مقرر صاحب آپ تو پورے جوش میں آ گئیں۔ میں نہیں جانتی تھی کہ تم اتنی اچھی مقرر ہو۔

(ملازمہ داخل ہوتی ہے)

ملازمہ۔ بیگم صاحبہ مہمان آ گئے ہیں۔

سیدہ۔ اچھا انہیں اتروا کر لاؤ۔ خورشید خالہ محمدی آ رہی ہیں ان سے تمیز سے ملنا اور معافی مانگنا۔

خورشید۔ واہ! میں تو ان سے بات بھی نہیں کروں گی۔

سیدہ۔ خورشید افسوس! میری اتنی دیر کی مغز زنی کا تم پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ پیاری بہن ضد بری چیز ہے۔ چلو اٹھو وہ آ رہی ہیں۔

خورشید۔ بہن مجھے تو معاف ہی کرو۔

(خورشید یہ کہہ کر پہلو بدل کر کرسی پر بیٹھ جاتی ہے۔ سیدہ چند سیکنڈ اس کی طرف تعجب سے دیکھتی رہتی ہے اور پھر جلدی سے دروازے کی طرف بڑھتی ہے۔ محمدی، رشیدہ، نسیمہ اور حمیدہ داخل ہوتی ہیں۔ خورشید منہ کے سامنے اخبار کر لیتی ہے۔ سیدہ سب سے ملتی ملاتی ہے۔ اور قرینے سے بٹھاتی ہے)

سیدہ۔ خالہ آپ کے آنے میں بڑی دیر ہوئی میں سمجھی تھی کہ اب آپ شاید نہ تشریف لائیں۔

محمدی۔ تم جانو بیٹی گھر والیوں کا کہیں آنا جانا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ نسیمہ کنواری بچی کہیں آتی جاتی نہیں۔ تمہارا اتنا اصرار تھا کہیں تمہاری بات نہ ٹال سکی۔

سیدہ۔ آپ نے بڑی مہربانی کی۔ نسیمہ میری چھوٹی بہن ہے اور یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ اور کوئی میرے ہاں ایسا ہے نہیں جو اعتراض کرے گا۔ ہاں پھوپی صاحبہ آپ کا مزاج تو اچھا ہے؟

رشیدہ۔ شکر ہے خدا کا۔ جب سے آئی تھی تم سے ملنے کو جی چاہ رہا تھا۔ آج تو ویسے بھی میرا آنے کا ارادہ تھا کہ تمہارا دعوت نامہ پہنچ گیا۔

سیدہ۔ خورشید سے معلوم ہوا کہ آپ بھی تشریف لائی ہیں۔

(ایک پانچ چھ سال کی صاف ستھری بچی جس کی صورت بڑی پیاری اور بھولی ہے آ کر سب کو سلام کرتی ہے اور پھر نظر بچا کے ماں کے پاس بیٹھ جاتی ہے۔)

محمدی۔ ماشاء اللہ کیسی پیاری بچی ہے۔

رشیدہ۔ بیٹی تمہارا نام کیا ہے؟ عابدہ۔ عابدہ خاتون۔

محمدی۔ بیٹی تمہارا نام تو بڑا اچھا ہے۔

نسیمہ۔ اماں کیسی پیاری بچی ہے۔ آؤ بچی ہمارے پاس آؤ۔ (عابدہ آ کر اس کی گود میں بیٹھ جاتی ہے)

حمیدہ۔ آپا اسے ہٹاؤ تم نے اسے کیوں لیا؟

نسیمہ۔ چپ بدتمیز تجھے کیا مطلب۔

حمیدہ۔ واہ بڑی آئیں۔ دیکھ لو اماں (ماں کی گود میں گھس کر بیٹھ جاتی ہے)

رشیدہ۔ بھئی عابدہ تم پڑھتی کیا ہو؟

عابدہ۔ نانی جان میں اردو کی دوسری اور انگریزی کی پہلی کتاب پڑھتی ہوں۔ مجھے نماز بھی آتی ہے مگر ابھی پڑھنی شروع نہیں کی

اور مجھے آٹا گوندھنا اور گڑیا کے کپڑے سینا بھی تو آتے ہیں۔

نسیمہ۔ سچ کہو بھئی تم تو بڑی قابل ہو ہمیں بھی سکھا دو۔

عابدہ۔ (شرما کر) واہ آپا آپ تو بہت بڑی ہیں آپ مجھے سکھائیں گی کہ میں آپ کو۔

نسیمہ۔ نہیں بھئی ہمیں تو کچھ بھی نہیں آتا۔

عابدہ۔ تو پھر آپ میری باجی سے سیکھ لیجئے نا۔ وہ تو بہت سی عورتوں کو پڑھنا لکھنا سینا پرونا سکھاتی ہیں۔

نسیمہ۔ باجی کیا عابدہ سچ کہہ رہی ہے؟

عابدہ۔ آپا میں تو کبھی جھوٹ نہیں بولتی۔

سیدہ۔ اس کی زبان قینچی کی طرح چلتی ہے۔ ایسے ہی رات کو کچھ عورتیں پڑھنے آجاتی ہیں۔

حمیدہ۔ اماں ہم بھی پڑھیں گے ہم بھی مگر استانی ہمیں مارے گی تو نہیں!

محمدی۔ کیوں ٹر ٹر لگائی ہے، چپ رہ۔

نسیمہ۔ (سیدہ سے چپکے سے) اچھی باجی ہمارا دل پڑھنے کو تڑپتا ہے مگر اماں مانتی نہیں۔ باجی کسی طرح میری اماں کو راضی کر لیجئے۔

سیدہ۔ خالہ جان آپ نسیمہ کو بھی پڑھنے کی اجازت دید یجئے وہ بہت پڑھنا چاہتی ہے۔

محمدی۔ نا بوا میں باز آئی پڑھانے سے۔ پڑھا لکھا کر کیا مجھے بھی لڑکی کو اوروں کی طرح آزاد اور خود سر بنانا ہے (خورشید جھٹکے سے اخبار کا ورق پلٹتی ہے)

سیدہ۔ اگر آپ کو کسی لڑکی کی باتیں ناپسند ہیں تو یہ اُس لڑکی کا قصور ہوگا، آپ پڑھانے کے کیوں خلاف ہوگئیں۔ آخر آپ تعلیم سے کیوں خفا ہیں۔

محمدی۔ بوا ایک وجہ ہو تو کہوں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ تمہارے خالو لڑکی کو پڑھانے کے خلاف ہیں۔ شروع میں میں نے چاہا تھا کہ نسیمہ کو کچھ شد بد ہوجائے مگر وہ اس پر راضی نہ ہوئے۔

رشیدہ۔ بھابی جان، بھائی جان کو آنے دیجئے انہیں تو میں راضی کرلوں گی۔

سیدہ۔ بے شک خالو کی آپ فکر نہ کیجئے۔ میں خود ان سے ملوں گی ان سے کہہ کر رضامند کرلوں گی۔ اس کے علاوہ جو اعتراض ہو وہ بیان فرما لیجئے۔

محمدی۔ بیٹی میں تو کہہ چکی کہ پڑھا کر لڑکیوں کو آزاد و خودسر بنانا مجھے منظور نہیں۔

سیدہ۔ سنئے! خالہ جان، ایک تو ہوتی ہے تربیت اور ایک ہوتی ہے تعلیم۔ سب سے پہلی چیز تربیت ہے جو ماں کی گود سے شروع ہوتی ہے۔ پیدا ہونے کے دن سے بچے کی تربیت کرنا ضروری ہے جس بچے کو شروع سے اچھی تربیت ملے گی جس کا گھرانا دین و مذہب کا پابند ہوگا، جسے بزرگوں کا کہنا ماننے کی عادت ہوگی وہ کتنا ہی پڑھ لکھ جائے ہمیشہ ان کے حکم کا پابند رہے گا۔ خالہ جان تعلیم تو آدمی کو انسان بناتی ہے۔ یہ خیال کہ پڑھنے سے عیب پیدا ہوتے ہیں۔ بالکل غلط ہے۔ کیا جاہل لڑکیوں میں یہ باتیں نہیں ہوتیں؟ ضرور ہوتی ہیں۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد تو اچھے کاموں کی خوبیاں اور برے کاموں کی برائیاں اور زیادہ انسان پر روشن ہوجاتی ہیں۔ وہ اپنا برا بھلا سمجھنے لگتا ہے اُسے اپنے فرائض کا احساس پیدا ہوجاتا ہے اور ان کو پورا کرنے کی زیادہ صلاحیت ہوجاتی ہے۔ آپ نے کیوں یہ سمجھ لیا ہے کہ تعلیم بری چیز ہے۔

محمدی۔ بیٹی تم یہ کہتی ہو اور میں یہ دیکھتی ہوں کہ پڑھ لکھ کر لڑکیاں بڑوں کو خاطر میں نہیں لاتیں، گھر کا کام کرنا عیب سمجھنے لگتی ہیں گھر پڑا جھک مارا کرے وہ سنگار بناؤ سیر تماشوں میں مشغول رہتی ہیں۔ اور مزاج! مزاج تو ایسے ہوجاتے ہیں کہ اللہ کی پناہ۔

(خورشید کے ماتھے پر بل پڑجاتے ہیں اور وہ کرسی پر دوسری طرف رخ کرکے بیٹھ جاتی ہے)

سیدہ۔ یہ قصور تعلیم کا نہیں بلکہ طریقہ تعلیم کا ہے ...... میرا مطلب ہے کہ تعلیم دینے کا ڈھنگ غلط ہے۔ اگر گھر میں اچھی تربیت ملے تو لڑکی میں ان میں سے کوئی بات نہ ہوگی جس کی

آپ شاکی ہیں۔

**رشیدہ۔** سیدہ تم نے کہاں تک پڑھا ہے؟

**سیدہ۔** میں نے دسویں تک تو اسکول میں پڑھا تھا اس کے بعد گھر پر تیاری کر کے منشی فاضل کا اور پھر بی اے کا امتحان دے دیا۔

**محمدی۔** (رشیدہ سے) یہ خورشید سے زیادہ پڑھی ہے یا کم؟

**رشیدہ۔** نہیں خورشید سے بہت زیادہ۔

**نسیمہ۔** اماں آپ کہا کرتی ہیں کہ سب لڑکیاں پڑھ کر ایسی اور ویسی ہو جاتی ہیں۔ کیا باجی سیدہ بھی ویسی ہی ہیں؟

**محمدی۔** سیدہ جیسی بیٹی تو چراغ لے کر ڈھونڈو تب بھی نہ ملے گی

**نسیمہ۔** پھر آپ پڑھنے کو کیوں برا کہتی ہیں۔

**رشیدہ۔** بھابی خورشید سے خفا ہیں اور بجا خفا ہیں۔ اس کی نالائقی کی وجہ سے مجھے آپ سے سخت شرمندگی ہے۔ مگر خدا کے لئے آپ اس کی مثال نہ لیجئے۔ یہ بچپن سے آیاؤں کی گود میں پلی۔ اس کے باپ کا حکم نہیں تھا کہ میں اسے پرورش کروں۔ ذرا بڑی ہوئی تو اس کی پھوپھیوں نے اپنے پاس رکھ لیا۔ اور وہی اس کی عادتوں کی ذمہ دار ہیں۔ اگر اچھی تربیت کے ساتھ تعلیم ہو تو سیدہ جیسی لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں۔

**محمدی۔** بیشک سیدہ بڑی اچھی لڑکی ہے اور اسے دیکھ دیکھ کر تو میرا جی بھی نسیمہ کو پڑھانے کے لئے چاہنے لگا مگر کیا کروں پڑھانا اور وہ بھی اسکول میں! ناممکن ہے سارا خاندان نکو بنائے گا۔ جینا مشکل ہو جائے گا۔

**سیدہ۔** بھلا خالہ آپ کو نسیمہ حمیدہ کا زیادہ خیال ہے یا خاندان والوں کا؟ لوگوں کو اعتراض کرنے کی عادت ہوتی ہے۔ آپ کسی کی پروا نہ کیجئے۔ اور اپنی بچیوں کو تعلیم دلائیے۔ پہلا زمانہ اور تھا اب تو جاہل لڑکی کی دین دنیا دونوں خراب ہوتی ہیں۔ آپ یقین مانئے میں سچے دل سے ان کی بھلائی کے لئے عرض کرتی ہوں کہ آپ انھیں پڑھائیے پھر دیکھئے۔ یہ کیا سے کیا ہو جاتی ہیں۔

**محمدی۔** بیٹی تمہاری کسی بات کو ٹالنا بہت مشکل ہے۔ مگر میں تو تمہارے پاس رکھ کر پڑھواؤں گی۔ اسکول تو نہیں بھیجوں گی۔

**سیدہ۔** میں بڑی خوشی سے اس کے لئے حاضر ہوں اور دل و جان سے اس میں کوشش کروں گی۔

**محمدی۔** بیٹی اگر تم میری نسیمہ پر اپنا پرچھاواں بھی ڈال دو گی تو وہ پار جائے گی۔

**سیدہ۔** میں کس قابل ہوں نسیمہ مجھ سے کہیں اچھی نکلے گی اور پڑھ لکھ کر انشاء اللہ عورتوں کے لئے نمونہ بنے گی۔

**رشیدہ و محمدی۔** آمین۔

**نسیمہ۔** (سیدہ کے گلے میں باہیں ڈال کر) میری باجی آپ نے مجھ پر بڑا احسان کیا۔

**سیدہ۔** (پیار کر کے) واہ تم میری چھوٹی بہن ہو۔ احسان کیا۔

**حمیدہ۔** آپا جی ہم بھی پڑھا کریں گے۔ اماں اماں کل سے میں بھی اچھی لڑکی بن جاؤں گی۔

**سیدہ۔** کیوں آج ہی سے بن جاؤ نا۔

**حمیدہ۔** اوہوں! آج سے نہیں کل سے (سب ہنستے ہیں)

**رشیدہ۔** خورشید! خورشید! خورشید۔ کیا ہے ممی؟

**رشیدہ۔** بیٹی! ادھر آؤ ممانی جان سے معافی مانگو۔ (خورشید اخبار منھ کے سامنے کر لیتی ہے)

**رشیدہ۔** افسوس، یہ لڑکی بالکل میرے بس کی نہیں۔

**سیدہ۔** خورشید بری نہیں۔ مگر خراب تربیت نے اسے بگاڑ رکھا ہے۔

**رشیدہ۔** اللہ جانے کس گناہ کی پاداش میں یہ میرے ہاں پیدا ہوئی تھی۔

(خورشید جھٹکے کے ساتھ اٹھتی ہے اور ساڑھی سنبھالتی باہر نکل جاتی ہے)

**رشیدہ۔** دیکھا تم نے سیدہ؟

**سیدہ۔** آپ انھیں چھٹیوں بھر میرے پاس رہنے دیجئے میں ہر ممکن کوشش ان کے خیالات پر اثر ڈالنے کی کروں گی۔

**رشیدہ۔** خدا کرے تمہارے پاس رہ کر تمہاری عادتوں کا اس پر بھی اثر پڑے۔

**محمدی۔** آمین۔

عابدہ ۔ بھاگتی ہوئی اندر آتی ہے) باجی! باجی آپ نے باتوں میں کتنی دیر کر دی دیکھئے ایک بج چکا۔ آج کھانا نہیں کھایئے گا۔ سب بھوکے ہوں گے۔

نسیمہ ۔ معلوم ہوتا ہے تمہیں بھوک لگی ہے۔

سیدہ ۔ واقعی باتوں میں اس قدر دیر ہو گئی اور مجھے خبر بھی نہ ہوئی معاف کیجئے گا۔ آپ بھی کہیں گی کہ خوب خاطر کی بھوکا ہی رکھا۔ اچھا اب چلیئے۔ (پردہ گرتا ہے)

## چوتھا سین

(صبح سات بجے کا وقت سیدہ کے مکان کا ایک بڑا سا روشن کمرہ۔ کمرے کی دو کھڑکیاں کھلی ہیں باقی بند ہیں۔ سامنے کا دروازہ بند ہے پہلوؤں کے کھلے ہوئے ہیں۔ دیوار سے دو فٹ ہٹا ہوا ایک نواڑی پلنگ جس پر سفید بستر اور نرم نرم تکیے لگے ہیں۔ بچھا ہوا ہے تکیوں پر سر رکھے خورشید آنکھیں بند کئے لیٹی ہے۔ اس کا چہرہ زرد اور جسم بہت دُبلا ہو رہا ہے۔ پلنگ کے قریب ایک میز پر دواؤں کی شیشیاں، دوا پینے کا گلاس، تھرمامیٹر، فیڈنگ کپ وغیرہ رکھے ہیں۔ ایک کیل میں ربڑ کی بوتل لٹک رہی ہے۔ ایک کھڑکی میں اینما کا برتن رکھا ہے۔ پلنگ کے نیچے "بڈ حین" اور اگال دان، اور تسلہ ایک تپائی پر "ٹیڑھی مڑھی" رکھا ہے۔ دو تین آرام کرسیاں اِدھر اُدھر پڑی ہیں۔ آتش دان پر اور کھڑکیوں میں پھولوں کے گلدستے چنے ہیں۔ ایک آرام کرسی پر نسیمہ لیٹی اونگھ رہی ہے۔ دائیں طرف کے دروازے سے سیدہ دبے پاؤں داخل ہوتی ہے۔

سیدہ (نسیمہ کے پاس آکر) نسیمہ بی بی جاؤ اب تم سو رہو میں یہاں بیٹھتی ہوں۔

نسیمہ ۔ (چونک کر) باجی آپ ابھی سے اُٹھ آئیں۔ چار بجے کے قریب تو آپ گئی تھیں۔ نہیں باجی آپ جا کر ذرا دیر اور آرام کر لیجئے میں ابھی بیٹھی رہوں گی۔

سیدہ ۔ نسیمہ تم اپنی طاقت سے زیادہ محنت کرتی ہو۔ مجھے ڈر ہے کہ خدانخواستہ تمہاری طبیعت خراب نہ ہو جائے۔

نسیمہ ۔ باجی میں تو آپ سے چوتھائی کام بھی نہیں کرتی۔ آپ تمام دن تو تیمارداری کرتی ہیں پھر گھر کا کام کاج بھی دیکھتی ہیں۔ اور رات کو بھی جاگتی ہیں۔ اگر آپ کے دشمنوں کا جی بُرا ہو گیا تو کیا ہو گا؟

سیدہ ۔ (مسکرا کر) دیکھو میں اول تو تم سے زیادہ مضبوط ہوں۔ دوسرے مجھے تو ایسے کاموں کی عادت ہے۔ (نسیمہ بھولے پن سے) تو پھر باجی مجھے بھی تو عادت ڈالنی چاہیئے اور مضبوط بھی بننا چاہیئے نہیں تو آپ جیسی کیسے بنوں گی؟

سیدہ ۔ (محبت سے) نسیمہ تم بڑی سمجھدار لڑکی ہو۔

نسیمہ ۔ نہیں باجی۔ ہاں آپ کے پاس رہ کر شاید کچھ بن جاؤں۔

سیدہ ۔ نسیمہ تم میں وہ جوہر قابل موجود ہے جس کی مجھے مدت سے تلاش تھی۔ اچھا جاؤ اب سو رہو۔

نسیمہ ۔ باجی اب سونے کا وقت ہے؟ پہلے جا کر ظفر بھائی کو ناشتہ کراؤں گی پھر کام میں لگوں گی۔

سیدہ ۔ ظفر صاحب کو تو میں ناشتہ کرا آئی۔ اب تم خود جا کر ناشتہ کر لو۔ (خورشید آنکھیں کھول کر کروٹ لیتی ہے۔ سیدہ جلدی سے اس کے پاس جاتی ہے)

سیدہ ۔ خورشید! کیسی ہو؟

خورشید ۔ (اپنا ہاتھ سیدہ کے ہاتھ میں دے دیتی ہے) خدا کا شکر ہے اچھی ہوں۔

سیدہ ۔ خدا کا شکر ہے آج تمہارے منہ سے "اچھی ہوں" نکلا تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ ہاں یہ بتاؤ۔ تم کھاؤ گی کیا؟

خورشید ۔ چائے، انڈا، توس اور مکھن۔ سیدہ ۔ (مسکرا کر) چائے دودھ۔ اور توس۔

خورشید ۔ (ٹھنک کر) نہیں سیدہ نہیں اب تو اس سے نفرت ہو گئی۔

سیدہ ۔ ہماری کیسی اچھی بہن ہے۔ جو کہو مان لیتی ہے۔ اچھا اب تمہارا منہ دھلا دیں۔

(نسیمہ تسلہ، صابن، اسفنج، منجن، برش، تولیہ اور گرم پانی لا لا کر میز پر رکھتی ہے۔ سیدہ پہلے "ٹیڑھی میڑھی" میں خورشید کو کلی کراتی ہے۔ اور برش پر منجن لگا کر خورشید کو دیتی ہے وہ آہستہ آہستہ دانت صاف کرتی ہے پھر کلی کر کے اسفنج میں صابن لگا کر اُس کا منہ گردن باہیں

وغیرہ صاف کرتی ہے۔ پھر اسفنج کو دھو کر کئی بار سادے پانی میں
بھگو کر منہ وغیرہ صاف کرکے جلدی سے خشک تولئے سے پونچھ
دیتی ہے اور خورشید کے چہرے، بانہوں اور گردن پر ہلکا ہلکا
پوڈر چھڑک دیتی ہے۔)

نسیمہ ۔ لیجئے منہ تو دھل گیا، اب چادر بھی بدل دیجئے۔

سیدہ ۔ الماری میں سے چادر نکال لاؤ۔

(نسیمہ چادر لاتی ہے۔ سیدہ خورشید کو دائیں کروٹ لٹا کر میلی چادر
آدھی لپیٹ دیتی ہے اور صاف چادر آدھے حصے میں بچھا دیتی ہے)

نسیمہ ۔ باجی اب آپا کو بائیں کروٹ دیدیجئے۔ (دونوں آہستگی سے
خورشید کو کروٹ دیتی ہیں اور پھرتی سے میلی چادر ہٹا کر صاف
چادر بچھا کر سلوٹیں نکال دیتی ہیں۔ پھر نسیمہ تکیہ آہستہ سے سر کے
نیچے سے نکال کر صاف بدلتی ہے اور میلی چادر اور غلاف اٹھا لیتی ہے)

سیدہ ۔ (نسیمہ تم جا کر خورشید کے لئے ناشتہ لاؤ، میں ان کا سر
گوندھتی ہوں۔ مگر نسیمہ دیکھو چائے بہت ہی مزے کی ہو ورنہ تم جانتی
ہو تمہاری آپا خفا ہو جائیں گی۔ (نسیمہ میلے کپڑے لئے باہر نکل جاتی
ہے۔ سیدہ خورشید کے سر میں ہلکا ہلکا تیل لگا کر ایک ایک لٹ
لے کر کنگھی کرتی ہے اور آہستہ آہستہ گنگناتی جاتی ہے)

خورشید ۔ سیدہ تمہاری آواز کتنی پیاری ہے۔

(عابدہ تین چار گلدستے اپنے ننھے ننھے ہاتھوں میں لئے دبے پاؤں
کمرے میں آتی ہے اور گلدانوں میں سے باسی پھول نکال کر تازے
لگا دیتی ہے پھر یکایک مڑ کر ماں کو دیکھتی ہے)

عابدہ ۔ آپا باجی آپ یہیں ہیں۔ آداب باجی جان۔ (خورشید کے پاس
آکر) آداب خالہ جان۔ اب آپ کا مزاج کیسا ہے؟

خورشید ۔ (مسکرا کر) اب اچھی ہوں۔ تم نے اور تمہاری باجی نے
مجھے موت کے منہ سے نکال ہی لیا۔

عابدہ ۔ توبہ خالہ بھلا میں اور باجی کیا کرسکتے تھے یہ تو سب اللہ
میاں کی مہربانی ہے۔

خورشید ۔ آہ۔ مجھ سے زیادہ سمجھدار تو یہ بچی ہے (آنکھیں
بند کر لیتی ہے)

سیدہ ۔ عابدہ یہ ایسے خوبصورت پھول تم کس کے لئے لائی ہو۔
لاؤ مجھے دے دو۔

عابدہ ۔ نہیں باجی یہ تو میں اپنی خالہ جان کے لئے لائی ہوں۔
لیجئے خالہ جان۔

خورشید ۔ (پھول لے کر) شکریہ ۔ بہت بہت شکریہ ۔ مگر پیاری یہ تو
بتاؤ تم مجھ سے اتنی محبت کیوں کرتی ہو؟)

عابدہ ۔ اس لئے کہ آپ میری پیاری خالہ جان جو ہیں (سیدہ اس
عرصے میں خورشید کی دو چوٹیاں گوندھ کر ادھر اُدھر ڈال دیتی ہے
اور پھر تھرما میٹر جھٹک کر اُسے دیتی ہے)

سیدہ ۔ لو بہن ذرا یہ لگا لو۔ عابدہ کو جانے کا اشارہ کرتی ہے۔ ایک
دروازے سے وہ جاتی ہو دوسرے سے نسیمہ چائے کی کشتی لئے
داخل ہوتی ہے)

سیدہ ۔ نسیمہ چائے لے آئیں؟ شاباش (تھرمامیٹر منہ سے نکال کر دیکھتی
ہے اور چارٹ میں بھرتی ہے)

خورشید ۔ سیدہ کتنا ٹمپریچر ہے؟

سیدہ ۔ بہت کم۔

خورشید ۔ آخر کتنا؟ سیدہ ۔ ننانوے ہے۔

خورشید ۔ جھوٹی ہو تم۔

سیدہ ۔ واہ تم نے کس دن مجھے جھوٹ بولتے سنا تھا؟

خورشید ۔ پہلے تو نہیں مگر اس پانچ چھ ہفتے میں تو تم خوب جھوٹ
بولتی رہیں۔

سیدہ ۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ بیمار سے جھوٹ بولنا جائز ہے۔

خورشید ۔ تو معلوم ہوا اب بھی جھوٹ بول رہی ہو۔

سیدہ ۔ نہیں اب سچ کہہ رہی ہوں اس لئے کہ اب تم مریض ہو
ہی نہیں۔

خورشید ۔ ہوں! مریضوں کے سر پہ سینگ ہوتے ہیں کیا؟

سیدہ ۔ اب صرف پانچ چھ دن اس بخار کے اور باقی ہیں پھر تم بالکل
اچھی ہو جاؤ گی۔

خورشید ۔ سیدہ تم نے کتنی مرتبہ یہ بات کہی ہے۔ پہلے کہا گیارہویں

دن بخار اترے گا، پھر کہا اکیس دن، پھر کہا اکتیس دن اترے گا
اب کہتی ہو اکتالیس دن میں اچھی ہو جاؤں گی، پھر کہنا ایک سو ایک دن
میں اترے گا۔

سیدہ۔ کیا بکتی ہو۔ اچھا تو چائے پی لو۔ خورشید۔ میں نہیں پیتی۔

سیدہ۔ تم کبھی بھی میرا کہنا نہیں ٹالتی ہو پھر میں کیسے مان لوں
کہ تم نہیں پیو گی۔

نسیمہ۔ بھئی بیمار تو سب ہوتے ہیں۔ مگر آپا خورشید بیماری میں بھی
جیسا کہنا مان لیتی ہیں ایسا کسی کو نہیں دیکھا۔

خورشید۔ (مسکراتی ہے) ارے یہ ذرا سی لڑکی بھی مجھے بناتی ہے
مجھے خوب معلوم ہے کہ مجھ جیسا ضدی اور تکلیف دہ مریض شاید ہی
اور کوئی ہو۔ اچھا لاؤ دے دو۔

سیدہ۔ نسیمہ ذرا فورس اور دودھ دینا۔ (خورشید منہ بنا بنا کر دو چار
چمچے کھاتی ہے)

خورشید۔ بھئی اس مٹھاس سے تو نفرت ہو گئی۔ ہٹاؤ اب نہیں
کھایا جاتا۔

نسیمہ۔ میری آپا تھوڑا سا تو اور کھا لیجئے۔

سیدہ۔ ہاں بھئی نسیمہ کا کہنا ضرور مان لو۔ اس نے اب تک
تمہاری وجہ سے ناشتہ تک نہیں کیا۔

خورشید۔ (محبت بھری نظروں سے دیکھ کر) اچھا نسیمہ تمہاری
خاطر سے اور کھائے لیتی ہوں۔ مگر تم اور سیدہ گواہ رہنا کہ میں
عہد کرتی ہوں کہ اگر اچھی ہو گئی تو تمام عمر، دودھ، فورس، ساگو دانہ،
آش جو، اراروٹ وغیرہ چکھوں گی بھی نہیں۔ گھر میں بھی نہ آنے
دوں گی۔ کسی دوسرے کے گھر دیکھوں گی تو بھاگ جاؤں گی
اور پھر کبھی وہاں نہیں جاؤں گی۔ دیکھنا تم ہیں خدا اچھی ہو جاؤں۔

نسیمہ۔ خدا کرے آپ جلدی سے اچھی ہو جائیں۔ پھر جو آپ کا جی
چاہے کیجئے گا۔

سیدہ (ہنس کر) ہم تو جانیں تم اسمبلی میں یہ بل پاس کرانا کہ ان چیزوں
پر اتنا محصول لگایا جائے کہ کوئی انھیں خرید ہی نہ سکے۔

خورشید۔ ضرور ضرور یہ بھی کروں گی۔

سیدہ۔ اچھا اب یہ مرحلہ بھی طے ہو گیا۔ خورشید اب ذرا دیر تم
آرام کر لو۔

خورشید۔ اور اب کیا میں کام کر رہی تھی آرام کی ضرورت تمہیں ہے
جو دن رات کام کرتی ہو۔ سانس لینے کی فرصت نہیں ملتی میں
تو آرام ہی آرام کرتی ہوں۔

سیدہ۔ آپ کی تعریف کا شکریہ۔ مگر یاد رکھئے کہ ہم کام کر کے بھی
نہیں تھکتے، اور تم صرف باتیں کرنے سے بھی تھک جاتی ہو۔

خورشید۔ اچھا ایک بات سچ سچ بتا دو پھر جو کہو گی کروں گی۔

سیدہ۔ ہاں ہاں پوچھو ضرور بتاؤں گی۔ خورشید۔ سچ سچ؟

سیدہ۔ ارے تم مجھ سے اس قدر بدگمان کیوں ہو۔ وعدہ کرتی ہوں
کہ سچ ہی کہوں گی۔

خورشید۔ دیکھو سیدہ اب میری اتنی خراب حالت تو نہیں ہے کہ کوئی
بری خبر سنتے ہی مر جاؤں گی۔ خدا کے لئے مجھے یہ بتا دو کہ کیا بات ہے
کہ نہ ممی آئیں نہ پاپا۔ کوئی حادثہ تو نہیں ہو گیا؟

سیدہ۔ نہیں نہیں خورشید تم کیسی باتیں کرتی ہو۔ وہ سب اچھے ہیں۔

خورشید۔ اگر اچھے ہوتے تو ضرور آتے۔ نہیں سیدہ میری ممی اور
پاپا کو ضرور کچھ ہو گیا ہے۔ آہ (آنسو بہنے لگتے ہیں)

سیدہ۔ کس قدر احمق لڑکی ہے۔ خورشید پیاری لو آنکھیں کھولو۔
خدا کی قسم تمہارے ہاں سب لوگ اب اچھے ہیں۔ یہ بات ضرور
ہے کہ پچھلے دنوں تمہاری ممی کو بھی ٹائیفائڈ ہو گیا تھا اس وجہ سے
نہ وہ آسکیں اور نہ تمہارے پاپا۔

خورشید۔ (گھبرا کر اٹھنے کی کوشش کرتی ہے) ارے میری ممی!
ہائے اب وہ کیسی ہیں۔ (سیدہ نسیمہ جلدی سے اسے لٹا دیتی ہیں)

سیدہ۔ دیکھو خورشید عقل سے کام لو یہ اٹھنا کیا معنے؟

خورشید۔ میری ممی بتاؤ کیسی ہیں۔

سیدہ۔ (پیار کرتی ہے) بہن تم اتنا گھبراتی ہو وہ اب بالکل اچھی
ہیں صرف کمزوری باقی ہے انشاء اللہ دس پانچ دن میں یہاں
آجائیں گی۔ ان پر تو بہت ہلکا حملہ ہوا تھا۔

خورشید۔ سیدہ مجھے یقین نہیں آتا۔ اچھا تم ان کا خط مجھے

دکھاوو۔

سیدہ۔ تم یقین نہیں کرتیں۔ تو خیر خط بھی دیکھ لو۔ پہلے میں نے اس لئے نہیں کہا تھا کہ تم بیماری میں اور فکر کرو گی جس سے صحت پر بُرا اثر پڑے گا۔ اب خدا کے فضل سے وہ بھی اچھی ہیں اور تم بھی اس لئے چھپانے کی ضرورت نہیں۔ جاؤ نسیمہ اپنے پھوپا کا خط لے آؤ۔

(نسیمہ بھاگی ہوئی جاتی ہے اور فوراً خط لے کر پلٹتی ہے۔ خورشید خط لے کر پڑھتی ہے)

خورشید۔ آہ اب اطمینان ہوا۔ سیدہ میں نے تم سے ڈر کے مارے نہیں کہا لیکن مجھے یہ خیال ہو گیا تھا کہ ضرور میری ممی یا پاپا کو کچھ ہو گیا ہے اور تم مجھ سے چھپاتی ہو۔ مجھے اس وجہ سے بیہوشی کے دورے پڑتے تھے۔

سیدہ۔ یہ تو تمہاری حماقت تھی۔ بات یہ ہے کہ میں نے انہیں بھی یہ نہیں لکھا تھا کہ تمہاری طبیعت زیادہ خراب ہے۔ کیونکہ مجھے ڈر تھا کہ اگر پھوپا نے رشیدہ پھوپی سے کہدیا تو خدا جانے ان کا کیا حال ہو۔

خورشید۔ (پراثر لہجے میں) سیدہ تم ہر کسی کا خیال رکھتی ہو۔ سیدہ میں کیسے تمہارے احسانوں کا بدلہ کروں گی میں کس قابل ہوں!

سیدہ۔ خورشید تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔ کیسا احسان اور کس کا بدلہ میں بیمار ہوتی۔ تو کیا تم میری تیمار داری نہ کرتیں؟

خورشید۔ نہیں نہیں میں سخت خود غرض ہوں میں ہرگز اس محنت سے تمہاری خدمت نہ کرتی۔

سیدہ۔ تم ضرور کرتیں۔ تم جیسی ہو وہ تمہیں خود نہیں معلوم۔ میں تمہیں تم سے زیادہ جانتی ہوں۔

خورشید۔ کاش...... اے کاش سیدہ خدا مجھے توفیق دے کہ تمہاری مثال سے سبق لوں اور اپنی عادتیں ٹھیک کروں۔ آہ میں کس قدر بُری ہوں۔

نسیمہ۔ واہ آپا اگر آپ اچھی نہ ہوتیں تو سب آپ اس قدر محبت کیوں کرتے۔

خورشید۔ یہ میری خوبی نہیں محبت کرنے والوں کی خوبی ہے۔ پیاری نسیمہ میں تو سب سے بڑی ہوں سب سے زیادہ۔ پڑھی لکھی تعلیم یافتہ ہو کر بدزبان، بداخلاق، مغرور اور خود غرض رہی..... اور تم.... ...... تم .... آہ جسے میں غرور سے جاہل احمق اور خود غرض کہتی تھی اُس نے میری دن رات خدمت کی اور کس سلیقے سے... کس محبت اور دلسوزی سے۔

نسیمہ۔ آپا.... آپا۔

سیدہ۔ خورشید بہن سنبھلو۔

خورشید۔ (اسی لہجے میں) آہ.... نسیمہ.... نسیمہ میں تم سے معافی مانگتی ہوں..... سیدہ.... میں تمہارے اور نسیمہ کے ہاں..... ہاں نسیمہ کے بھی پاؤں کی..... خاک کے برابر بھی..... نہیں ہوں.... سیدہ مجھے معاف کرو...... نسیمہ...... نسیمہ.....

سیدہ۔ (گھبرا کر) خورشید..... خورشید.... آج تمہیں کیا ہو گیا ہے بہن سنبھلو دیکھو ورنہ دورہ پڑ جائے گا۔

نسیمہ۔ (روتی ہوئی) باجی۔ باجی دیکھئے تو خورشید آپا کیسی ہوئی جا رہی ہیں۔

سیدہ۔ باؤلی ہے۔ روتی کیوں ہے۔ دورہ پڑ گیا ہے ابھی ٹھیک ہو جائے گی پہلے نہیں دس دفعہ پڑ چکے ہیں؟

نسیمہ۔ باجی میری آپا اچھی ہو بھی جائیں گی؟

سیدہ۔ اے اب تو وہ بالکل اچھی ہے جوش کی وجہ سے دورہ پڑ گیا جاؤ جلدی سے ڈاکٹر کو موٹر بھیج کر بلا لو جاؤ جلدی کرو (نسیمہ آنسو پونچھتی ہوئی باہر جاتی ہے۔ سیدہ خورشید کو سنبھال کر لٹا دیتی ہے اور وہ آنسو جنھیں اب تک وہ اپنی آنکھوں میں چھپائے تھی بے قابو ہو کر نیچے گرنے لگتے ہیں جنھیں وہ رومال سے پونچھ لیتی ہے اور درد بھری آواز میں کہتی ہے)

سیدہ۔ میرے پروردگار!.... اے شافیٔ مطلق..... ہم گنہگاروں کی دعائیں سن لے۔ ہماری التجائیں قبول کر! ہماری محنت ٹھکانے لگا اور اپنی رحمت کے صدقے میری پیاری بہن کو تندرست کر دے

(خورشید آہستہ آہستہ آنکھیں کھولتی ہے اور سیدہ بے اختیار گھٹنوں کے بل بیٹھ کر ہاتھ جوڑتی ہے اور خدا کا شکر ادا کرتی ہے..... آہستہ آہستہ پردہ گرتا ہے۔)

صالحہ عابد حسین۔ (دہلی)

اکتوبر ۱۹۳۹ء عصمت دہلی

# حالاتِ حاضرہ

لیجئے وہ دن جس کا ایک عرصہ سے انتظار تھا آخر آ ہی گیا۔ یورپ میں آخر جنگِ عظیم چھڑ گئی اور جرمن پولستانی معاملہ بڑھ کر جرمن اور دنیا کا معاملہ بن گیا۔ کہا جاتا ہے کہ نازیوں کے گرو ہر ہٹلر نے اس خونی ڈرامے کو کھیل کر دراصل ایک جوا کھیلا ہے جس میں بقول اُس کے جیت نازی کی ہی ہوگی اور نقصان اُس سرمایہ دار سامراج کا جسے وہ کئی بار بوڑھی قوم کے طعنے دے چکا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ہر ہٹلر نے جو ایک بہت بڑا سیاست داں مشہور ہے ایسی غلطی کی کیوں وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ پولینڈ کو نگل جانا آسان کام نہیں ہے۔ فرانس۔ برطانیہ اور غالباً ترکی سے ٹکر ہوگی۔ لیکن اُس نے نہ معلوم کس جذبہ کے ماتحت اس غریب ملک کو اپنے گھوڑوں کے سموں سے روندنا ضروری سمجھا۔ پولینڈ والوں پر الزام یہ ہے کہ وہ جرمنوں کی تذلیل کرتے ہیں۔ اور جرمن سرحدوں کو عبور کر جاتے ہیں۔ خیال فرمائیے کہ جرمن افواج کی قاہریت کا جو مثال شیر ببر کے منہ کھولے آنکھ سے آنکھ ملائے پولینڈ کو للچائی نظروں سے تک رہا تھا۔ بھلا یہ بے مددگار ملک اتنی جرأت کر سکتا ہے کہ جرمنوں کی رسوائی کر کے اپنی شامت مول لے۔ یہ الزام تو وہ ہیں جنھیں کہ خوئے بدرا بہانہ بسیار کہا جاتا ہے۔ جو ایک گوئبلائی ذہنیت رکھنے والے کو بھی سچے نہیں معلوم ہوں گے۔ اور پھر تعجب کا مقام تو یہ ہے کہ یہی وہ ملک ہے جس سے ۱۹۳۴ء تک ہٹلر کا بڑا گہرا دوستانہ تھا اور غیر جارحانہ معاہدہ کے رشتہ ایک دوسرے سے بندھے تھے۔ آج وہ معاہدہ جو دس سال کے لئے کیا گیا تھا، اچانک توڑ دیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ؟

**لڑائی کیوں؟** کیا صرف ڈانزگ اور کاریڈور کے معاملہ پر لڑائی اور امن کا دار و مدار تھا اور کیا اُسے دے کر پولینڈ جرمنی کے خدائے مجازی سے امن خرید سکتا تھا! اس کا جواب نفی میں ہے۔ نہ ڈانزگ جرمن شہر ہے نہ اس میں جرمن آبادی کا بیسواں حصہ بھی جرمن ہے اور رہی تاریخ تو اگرچہ یہ شہر سو سال پرشیا کے ماتحت رہ چکا ہے تو تین سو سال پولینڈ کے بھی ماتحت رہ چکا ہے اور دو سو سال آزاد بھی رہ چکا ہے۔

نہ تو پولینڈ کے واسطے جو دنیا کی پانچویں فوجی طاقت تھی اور نہ ڈانزگ جیسے ننھے سے شہر کے لئے ہٹلر اتنا زبردست اقدام کر سکتا تھا۔ پھر آخر جرمنی کے قائدِ اعظم نے آخر کیا سوچ کر برطانیہ اور فرانس سے جنگ مول لی۔ بات یہ ہے کہ ہٹلر ڈرتا تھا۔ صرف خوف کی وجہ سے اس بے بیوی والے چانسلر نے لڑائی کا بگل بجا دیا ہے۔ کیونکہ اُسے ڈر تھا کہ امسال جاڑوں میں جرمنی کے ملک پر ایک ایسا اقتصادی سیلاب آنے والا ہے جو اپنے سامنے ساری نازی پالیسیاں بہا کر لے جائے گا اور ہمارا طلسم ٹوٹ جائے گا اور عوام جنھیں ہم نے اپنی خوفناک کرشمہ سازیوں سے بھونچکا سا کر رکھا ہے اپنے ہوش و عقل کو حاصل کر کے پھر ہم جیسے ناکام مداریوں کی طرف ملتفت بھی نہ ہوں گے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہماری معاشی ناکامی ہماری ہر قسم کی ناکامی ثابت ہو

ایک طرف پلڑے میں یہ ڈر تھا دوسری طرف لاکھوں معصوم جرمنوں کا خون جو جنگ میں کام آئیں گے اس نے اول بات پسند کی۔ جنگ کی ہولناکیاں اپنے دامن میں ہر اقتصادی زبونی کو چھپا لیتی ہیں۔

**اس کا انجام!** آخر اس جنگ وجدل بمباری اور گیس اندازی کا نتیجہ کیا ہو گا مسٹر چمبرلین کے الفاظ میں "یہ ایک نہایت پر ہیبت منظر ہے اور ہو سکتا ہے کہ ہمیں یہ منظر بہت دیر تک دیکھنا پڑے۔ شروع شروع میں ہمیں ناکامیوں کے واسطے بھی تیار رہنا چاہیئے کیونکہ جرمنی کی ہوائی اور بری افواج غالباً ساری دنیا کی افواج سے زیادہ پُرشوکت ہیں۔ اور یہ اغلب ہے کہ اُس کا ٹھاٹھ دار سمندر ابتدائی ادوار جنگ میں ہر اُس فوج کو تنکے کی طرح بہا لے جائے جو اُس کا سامنا کرنے کی ہمت کرے اور جرمنی کی پروپیگنڈا کرنے والی مشین اپنی ان عارضی فتوحات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرے ہر شہر کے سول باشندوں پر بمباری کرنا۔ مسافروں کے جہازوں کو تارپیڈو سے اُڑانا اور پولستانی یونیفارم پہن کر پولستانیوں کو دھوکا دینا ایسے افعال ہیں جن سے جرمنوں کی بین الاقوامی اخلاق کی اس قدر جلد گر جانے کا اندازہ ہو سکتا ہے ایسی چنگیزی فوج کے یہ سفاکانہ فعل کامیابی کا منہ دیکھ سکتے ہیں؟ کیا اپنے زور میں آپ ہی گر کر جرمن دیو چکناچور ہو گا۔ اس کا جواب مستقبل دے گا۔ نپولین نے بھی ایک زمانہ میں قریب قریب سارا یورپ ہنس ہنس کر دیا تھا لیکن اس قسم کی شدت اور ظلم لوگ بس تھوڑے ہی عرصے سہ سکتے ہیں پھر اس کے بعد ایک ردعمل شروع ہوتا ہے وہ ردعمل ایسا خوفناک ہوتا ہے کہ خدا کی پناہ۔ ہٹلر کے پاس تو نپولین جتنی زمین ہے نہ روپیہ اور نہ شاید عقل پھر وہ یورپ کے شائستہ لوگوں کو کب تک محو حیرت کر کے اُلّو بنائے رکھے گا۔ نپولین کا زور بیس سال میں ختم ہو گیا تھا ہٹلر کا زور کتنے سال میں ختم ہو گا اس کا جواب بھی مستقبل ہی سے لیجئے"۔ ہٹلرازم مردہ باد کے نعرے دیار مغرب سے بلند ہو رہے ہیں اور بالفرض اگر ہٹلر نے سب کو دے پچھاڑا تو بھی وہ دنیا میں اپنے سامنے اپنے ہی جیسے دوسرے پہلوان لڑنے کے لئے آمادہ پائیگا شروع شروع میں جرمن لیڈر نے یہ کہا تھا کہ ہمیں صرف جرمنی نسل اور قوم کے لوگوں کو ملانا ہے لیکن اس کی حقیقت چیکوسلواکیا اور میمونیخ سے ظاہر ہو گئی لیکن کیا ہٹلر ہر دوسری قوم پر فتح پا کر اُسے غلام بنا کر رکھ سکتا ہے؟ یہ مانا کہ اب چھوٹی چھوٹی قوموں کا زمانہ نہیں رہا ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات لیکن کیا بڑی بڑی قوموں کو ہمیشہ ہمیشہ غلام بنایا جا سکتا ہے روس نے سَو سال گزرے نپولین کی قبر کھود دی تھی کیا وہ بھی آج ہٹلر کی قبر کھودے گا؟ کیا تاریخ اپنے تئیں دہرائے گی؟[1] روس۔ جرمن معاہدہ دیکھنے والے شاید سمجھیں کہ روسی سیاست داں نازی جنگل میں پھنس گئے۔ میں عرض کروں گی، روس نے اسی ایک مرکز پر دنیا کو فتح کر لیا اور اشتراکیت پھیلا دی۔ اس کے ایک طرف جاپان دوسری طرف جرمنی بڑھتے اور پھولتے جاتے تھے۔ اُسے ڈر پیدا ہوا۔ اور بجا طور پر پیدا ہوا ہو۔ کیونکہ اُس نے دلدر کی دلدری اور چمبرلین کی غلط سیاست دونوں آزمالیں۔ سوچا کہ دو بیلوں کے بیچ میں میں نہ کچل جاؤں۔ جاپان کا زور چین پر بہت تھا اُسے روکنے کے لئے جرمنوں کی درخواست عہدنامہ کو منظور کر لیا۔ روس کی غیر جانبداری کے کھونٹے بل پر جو ہٹلر نے فرانس برطانیہ سے کشتم کشتا شروع کر دی۔ اگر جیتا تو اور نہ جیتا تو طاقت جرمنی کی زائل ہوتی ہے اور ضرور ہوتی ہے پھر جو حشر ہمیشہ سے عہدناموں کا ہوتا آیا ہے وہ یہاں بھی ہو گا اور روس آسانی سے کمزور جرمنی کے پنجوں سے نکال لے گا اور حال کی اطلاع ہے کہ نصف پولستان نکال بھی لیا ہے۔ اور شاید فرانس اور برطانیہ میں بھی اشتراکی اثر غلبہ پھیلا سکے۔ جنگ کا ردعمل وہاں کے عوام کو ضرور طاقت پہونچائے گا اور سرمایہ داروں کو کمزور کرے گا۔

**زبیدہ زرین** (کراچی)

[1] اس امر کا اندازہ کر کے ہٹلر نے روس کو بھی گانٹھ لیا ہے اور روس کو بھی اپنے کھوئے ہوئے علاقے حاصل کر لینے کی ...... خواہش پیدا ہو گئی چنانچہ اب اس نے [illegible] بعض علاقے لے لئے ہیں۔ م

# بچوں کے لئے پیشہ کا انتخاب

**شکر سازی** کچی کھانڈ کو صاف کرنے کا فن ہندوستان میں قدیم ایام سے رائج ہے۔ مگر جب سے ممالک غیر خصوصاً مورٹیس اور جاوا کی سستی کھانڈ یہاں آنا شروع ہوئی یہ صنعت دم توڑنے لگی ہے۔ کچھ عرصہ بعد پھر اس میں آثار حیات پیدا ہونے لگے جس کی خاص وجہ یہ تھی کہ بدیشی شکر کی ساخت میں ہڈیاں استعمال ہوتی تھیں۔ اس لئے ہندوستان میں بدیشی شکر کے خلاف مذہبی فرقوں کی طرف سے آواز بلند کی گئی۔ جو خوش قسمتی سے سودیشی شکر کے فروغ میں بارآور ثابت ہوئی۔ مگر اس کے باوجود بدیشی شکر کی درآمد میں کچھ کمی نہیں ہوئی ۱۹۲۲ء میں ایک کمیٹی قائم کی گئی جس نے یہ تجویز کیا کہ اگر شکر کی موجودہ درآمد کو روک دیا جائے تو اس سے نہ صرف ہندوستان کی اقتصادی حالت پر اچھا اثر پڑے گا بلکہ مذہبی فرقوں میں جدید ساخت کی شکر (دانہ) کی طرف سے جو بدظنی پائی جاتی ہے دور ہو جائے گی۔ جب ہندوستان میں کثرت سے سفید شکر تیار ہونے لگے گی تو سب کو معلوم ہو جائے گا کہ کچی ہڈیاں جدید ساخت کی کھانڈ کی صفائی میں استعمال نہیں کی جاتی ہیں"۔

بالآخر پبلک کی متفقہ آواز سے متاثر ہو کر گورنمنٹ نے زبردست بحری محصول لگا کر شکر کے بیرونی سیلاب کو روکا جس سے نہ صرف نیشکر (گنے) کی اقسام میں کافی اصلاح ہوئی بلکہ اس کی کاشت کا رقبہ بھی وسیع ہونا شروع ہو گیا اور کھانڈ کی صنعت نے اس سُرعت سے ترقی کرنا شروع کر دی کہ حیرت ہوتی ہے ۱۹۳۲ء سے قبل ہندوستان میں جدید وضع کی شکر کی فیکٹریاں صرف ۳۲ تھیں جو ۱۹۳۷ء میں ۱۴۶ تک پہونچ گئیں۔

ہندوستان میں شکر سازی کی ترقی ۱۹۳۱ء سے شروع ہوتی ہے جب کہ گورنمنٹ نے بیرونی کھانڈ پر ۴ روپیہ ۸ فی کورٹ بحری محصول عائد کیا تھا۔ اب اس کی آمدنی کم ہو جانے سے بحری محصولات کی مد میں جو خلا پیدا ہو گیا تھا اسے پورا کرنے کے لئے ۱۹۳۴ء میں کھانڈ ساز فیکٹریوں پر ا روپیہ ۵ فی کورٹ اکسائز محصول لگایا گیا اور ان فیکٹریوں پر کچھ دوسری پابندیاں بھی عائد کی گئیں تاکہ بڑے سرمایہ دار چھوٹے سرمایہ داروں کو نقصان نہ پہنچا سکیں منجملہ دیگر پابندیوں کے گورنمنٹ نے نیشکر کا نرخ فیکٹریوں کے لئے زیادہ اور چھوٹے پیمانہ پر کھانڈ بنانے والوں کے لئے کم رکھا۔ اس طرح یہ صنعت ترقی کی طرف گامزن ہونے لگی۔

دیاسلائی کی صنعت کے بعد یہ دوسرا صنعتی انقلاب تھا جس میں گورنمنٹ نے مداخلت کر کے ہندوستان کی ایک مشہور اور فائدہ مند صنعت کو غیر ملکی آفت سے بچایا اور ملک کے ۲ لاکھ بے کاروں کے لئے کام مہیا کیا جو آج کل اس صنعت میں جو پارچہ بافی کی صنعت کے بعد دوسری سب سے بڑی صنعت ہے لگے ہوئے ہیں۔

شکر سازی کی صنعت کو ترقی دینے کے لئے گورنمنٹ نے ۱۱ مارچ ۱۹۳۶ء کو یہ فیصلہ کیا کہ امپیریل انسٹیٹیوٹ آف شوگر ٹیکنالوجی کانپور میں جو اس سے پہلے قائم ہو چکا تھا، شکر سازی کی ریسرچ کو بڑھایا جائے۔ گنے کی فضلیات کے نئے نئے استعمالات دریافت کئے جائیں اور شکر سازی میں ماہر پیدا کئے جائیں تاکہ ملکی صنعت زیادہ سے زیادہ ترقی کر سکے۔

شکر سازی کی صنعت کی مندرجہ بالا مختصر تاریخی نشو و نما سے واضح ہوا کہ اگر کسی چیز کو حاصل کرنے اور اس کو فروغ دینے کی متفقہ کوشش کی جائے تو وہ کس قدر جلد ترقی کر سکتی ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہندوستانیوں کے دل و دماغ کس پایہ کے ہیں اگر ان کو مواقع دئے جائیں تو وہ اتنے عرصہ میں اتنا کر سکتے ہیں جو دوسرے اس سے نصف عرصہ میں بھی نہیں کر سکتے۔

مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ باوجود اس کے کہ ہندوستان میں صنعت و حرفت کے دروازے روز بروز کشادہ ہو رہے ہیں

ہندوستانی بالخصوص مسلمان ابھی تک ملازمتوں کے خواب دیکھ رہے ہیں اور اسی فردوسِ خیال میں خون و پسینہ ایک کر کے میٹرک پاس کرتے ہیں کہ کسی دفتر میں بابو یا قسمت نے یاوری کی تو آئی۔ سی۔ ایس۔ ہو جائیں گے۔ مگر انہیں معلوم نہیں کہ سرکاری ملازمتوں کے جن میں صرف نوشت و خواند یا تنظیم کی ضرورت ہوتی ہے ترقی کے ذرائع محدود ہوتے ہیں اور خاص دل و دماغ کے لوگ ہی ان میں خاطرخواہ کامیابی حاصل کر سکتے ہیں بقول ایک ہندوستانی مدبر انگلینڈ میں صرف بے وقوف ہی سرکاری ملازمت کے خواہاں ہوتے ہیں ورنہ ۸۰۔۹۰ فیصدی نوجوانوں کا مقصد حیات یہ ہوتا ہے کہ کسی خاص صنعت کی تعلیم حاصل کر کے ملازمت کریں۔ پھر کافی تجربہ ہو جانے پر ذاتی کاروبار کسی کی شرکت میں یا بلا شرکت کریں۔

خدا کا شکر ہے کہ ہندوستان بیدار ہو رہا ہے۔ یہاں کی مُردہ یا نیم مردہ صنعتوں میں جان پڑ رہی ہے۔ فی الواقع سمجھدار اور دوراندیش ہندوستانی فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ مگر مسلمانوں کے متعلق یہ سوال کیا جائے کہ وہ اس ترقی سے کتنا فائدہ اٹھا رہے ہیں تو اس کا جواب نفی میں ملے گا۔ مثلاً اہم کھانڈ کی صنعت کو ہی لیتے ہیں۔ اس صنعت سے برادرانِ وطن جس قدر فائدہ اٹھا رہے ہیں مسلمان اس سے ایک چوتھائی بھی نہیں اٹھا رہے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ مسلمان صنعت و حرفت سے از حد غافل ہیں اور اس کی اہمیت سے کماحقہ واقف نہیں۔ وہ اپنی تمام تعلیم و تربیت کا مقصد نوکری اور صرف نوکری قرار دیتے ہیں۔ اس مختصر تمہید و تنقید سے میرا مطلب یہ ہے کہ اب مسلمانوں کو آنکھیں کھولنی چاہئیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہئیے کہ سرکاری نوکریوں کے دروازے روز بروز تنگ ہوتے جا رہے ہیں۔ اب انہیں ایسے کاموں اور پیشوں کی طرف قدم بڑھانے چاہئیں جن کا میدان وسیع اور جن کا مستقبل اُمید افزا ہو۔

اس میں شک نہیں کہ فی الوقت شکرسازی کی صنعت کا میدان بہت وسیع اور اس کا مستقبل شاندار ہے جیسا کہ ابھی اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ ہندوستان میں کپڑے کی صنعت کے بعد دوسری سب سے بڑی صنعت ہے۔ شکر کیسی مفید چیز ہے اور اس کا دنیا میں کس قدر استعمال ہے اور اس کے ساتھ ساتھ کیسی دوسری مفید چیزیں Bye-Products مثلاً ایندھن، مویشیوں کا کھاجا قیمتی اسپرٹ اور رَم وغیرہ تیار ہوتی ہیں، سب جانتے ہیں۔ علاوہ اس کے یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ دنیا میں ہندوستان ہی سب سے زیادہ شکر درآمد کرتا ہے۔ اس چیز کی جس قدر یہاں کھپت ہے کسی دوسرے ملک میں نہیں۔

## شکرسازی کی صنعت کا شاندار مستقبل

۱۹۳۲ء سے قبل یہاں ۹,۱۰,۰۰۰ ٹن (۲۸ من کا ایک ٹن) کے قریب شکر درآمد Import ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ یہاں ۳۲ ملیں mills شکرسازی کی تھیں جو باقاعدہ شکر بناتی تھیں۔ اور دوسرے لوگ بھی چھوٹے پیمانہ پر شکر بناتے تھے۔ ۱۹۳۲ء سے جب بیرونی شکر پر پابندی عائد ہوئی تو اس کی مقدار کچھ گھٹی۔ چنانچہ ۳۶-۱۹۳۵ء میں صرف ۲,۰۱,۰۰۰ ٹن شکر درآمد ہوئی اور یہاں ہندوستان میں ۵,۳۴,۰۰۰ ٹن الگ تیار ہوئی۔ اس طرح اس کی مجموعی کھپت ہندوستان میں سالِ مذکورہ کے اندر ۹,۳۰,۰۰۰ ٹن تھی۔ جب ایک چیز اعلیٰ پیمانہ پر ہوتی ہے تو اس کی گھٹیا پیداوار بھی قدرتی طور پر بڑھنے لگتی ہے چنانچہ یہ بات دلچسپی کے ساتھ نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ ۱۹۳۶ء میں ۲,۰۷,۰۰۰ ٹن گڑ بنایا گیا۔ اتنی بڑی مقدار میں اس سے قبل یہاں نہ شکر تیار ہوئی اور نہ گڑ بنایا گیا۔ یہ وہ تخمینہ ہے جو سرکاری طور پر حاصل ہو سکا۔ ورنہ گھریلو مختصر پیمانہ پر دیسی طریقہ سے جو شکر اور گڑ تیار ہوا ہوگا اس کا اندازہ لگانا تقریباً ناممکن ہے۔

مگر شکر و گڑ کی ملکی پیداوار کے یہ اعداد و شمار ہمیں خوش کرنے کے لئے کافی نہیں ہیں۔ دراصل ہم اُس وقت مطمئن ہوں گے جب ہم اپنی ضروریات پوری کر کے شکر اور گڑ کثیر مقدار میں باہر بھی بھیجنے Export لگیں گے۔ ملکی خوشحالی برآمد میں مضمر ہے مگر اس کے لئے کچھ عرصہ چاہیئے۔ کیونکہ اس کا ریسرچ Research ابھی مکمل نہیں ہوا ہے۔ پھر بھی جو کچھ ہو چکا ہے، اور اس کے جتنے ماہرین تیار ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں وہ شکر بنانے کے لئے کافی ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ وہ بہت اچھی شکر بنا رہے ہیں۔ ہاں یہ بات

ضرور ہے کہ موریشس اور جاوا کا مقابلہ سر دست نہیں کیا جا سکتا۔ یعنی ابھی ہم اِن جزائر کے مقابلہ میں دوسرے ملکوں کو اپنی پیداوار نہیں بھیج سکتے۔ اور اپنے ملک میں بھی ہم جس قدر بیرونی شکر کا مقابلہ کر رہے ہیں تو زبردست بحری محصول کے سہارے پر۔ اگر آج ٹیرف بورڈ کا دستِ شفقت کھانڈ کی صنعت پر سے اُٹھ جائے تو پھر ہم درآمدہ کھانڈ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جب تک ملک کے قابل اور ذہین نوجوان اس صنعت کی طرف اپنی توجہ مبذول نہیں کریں گے، سستی کھانڈ بننے کے طریقے معلوم نہیں ہو سکتے۔ بہرحال ابھی اس صنعت میں کافی کوشش اور ریسرچ کی گنجائش ہے۔

## شکر سازی کے کاروبار کا تخمینہ

یوں تو جس قدر زیادہ سرمایہ سے کام شروع کیا جائے گا اسی قدر فائدہ ہوگا۔ فیکٹری سسٹم پر جس کے لئے دس پندرہ ہزار سے ایک لاکھ روپے تک کی ضرورت ہوتی ہو۔ کام کرنے میں یہ فائدہ ہے کہ اس میں "بائی پروڈکٹس" (کسی چیز سے دوسری چیزیں ضمنی طور پر بنتی ہوئیں) بنانے کے امکانات ہوتے ہیں اس لئے فیکٹری کا کثیر فضول مادہ دوسری قیمتی چیزوں میں تبدیل ہو سکتا ہے اور اصل چیز نسبتاً بہت سستی پڑتی ہے۔ مگر چھوٹے پیمانہ پر کام کرنے میں یہ سہولت میسر نہیں ہے۔

شکر بنانے کا ایک سستا اور آسان طریقہ اوپن پان سسٹم Open Pan System ہے۔ ابھی حال میں میں نے راؤ بہادر لشوانا تھ ڈائریکٹر امپیریل ریسرچ انسٹیٹیوٹ آف اگریکلچر نئی دہلی سے مشورہ کیا تھا۔ موصوف نے فرمایا کہ یہ طریقہ بہت کامیاب ہے اور ایک ہزار روپے میں بخوبی چل سکتا ہے بشرطیکہ یہ کام وہیں قریب کیا جائے جہاں گنے کی کاشت ہوتی ہو۔ اگر فاصلہ پر یہ کام جاری کیا گیا تو راستے ہی میں گنا اس قدر سوکھ جائے گا کہ اس میں سے ½ حصہ ہی رس نکل سکے گا۔ چھوٹے پیمانہ پر مستند یا زیادہ قابلیت کی ضرورت نہیں۔ پہلے سے تھوڑی بہت معلومات ہونی چاہیئے۔ یا بطور امیدوار کسی نجی فیکٹری وغیرہ میں یہ کام ایک دو مہینے سیکھا جا سکتا ہو تھوڑی بہت کتابوں سے مدد لی جا سکتی ہے۔ جو انگریزی میں ہیں۔ اور کلکتہ و بمبئی کے کتب فروشوں سے مل سکتی ہیں۔ نیز صوبہ جاتی گورنمنٹوں کے شائع کردہ لٹریچر سے بھی کافی معلومات حاصل کی جا سکتی ہے جن میں سے گورنمنٹ یو۔ پی کے شکر سازی پر شائع کردہ بلیٹن اور کتب مع قیمتیں یہ ہیں۔

1. Cane Cultivation by G. Clarke, A.J.C. (No 35) As. 13.
2. Cultivation of Sugar beet in N. India by Subbiah, (No 13) As 4
3. Sugar Factory Description of working by B.C. Bennet (No 29) As !
4. Sugar Manufacture, by S. Mohammad Hadi (No 19) As 2.

یہ سب کتب اور رسالے منیجر گورنمنٹ پبلیکیشن سول لائنز دہلی سے مل سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ گورنمنٹ کے شکر سازی کے ماہر سے وقتاً فوقتاً مفت مشورہ لیا جا سکتا ہو۔ اس سے خط و کتابت اپنے صوبہ کے محکمہ صنعت و حرفت کے پتہ پر کرنی چاہیئے۔ اعلیٰ پیمانہ پر شکر سازی کا کام کرنے یا اس صنعت کے صیغہ میں ملازمت حاصل کرنے کے لئے اس کی باقاعدہ تعلیم حاصل کرنی پڑے گی۔

## شکر سازی کی تعلیم کہاں حاصل کی جائے

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ گورنمنٹ یو پی نے صوبہ کی شکر سازی کی صنعت کو ترقی دینے اور اس کے کاریگر تیار کرنے کے لئے کانپور میں عرصہ سے ایک محکمہ کھول رکھا ہے جس کا نام امپیریل انسٹیٹیوٹ آف شوگر ٹیکنالوجی انڈیا ہے اور یہ غالباً ہندوستان بھر میں سب سے بڑا انسٹیٹیوٹ ہو جو اپنے صوبہ کے طالب علموں کے علاوہ باہر کے صوبہ کے طالب علموں کو بھی شکر سازی کی اعلیٰ تعلیم دیتا ہے۔ اس میں علاوہ اصول تعلیم کے عملی

تعلیم بھی بخوبی دی جاتی ہے۔ اس مقصد کے لئے وہاں جدید وضع کی مشنری سے نصب شدہ فیکٹری قائم ہے۔ اس ادارہ میں خاص طور سے پانچ نصاب (کورس) مقرر کئے گئے ہیں جن کی تکمیل کے بعد کامیاب شدہ طالب علموں کو ڈپلومے دیئے جاتے ہیں۔ ذیل میں ان کی مختصر تشریح کی جاتی ہے۔

(۱) A.9.9.S. اس کے لئے ہر سال ۱۲ طالب علم لئے جاتے ہیں۔ طالب علم طبیعات کیمسٹری اور ریاضی میں بی۔ ایس سی یا ان مضامین میں سے کسی ایک میں ایم۔ ایس سی کی ڈگری لئے ہوئے ہو۔ یا انہیں قابلیتوں کے مساوی کسی دوسری قابلیت کا حامل ہو۔ مدت تعلیم ۳ سال ہے جس میں ایک موسم ٹریننگ انسٹیٹیوٹ کی فیکٹری اور ایک موسم فیکٹری سے باہر حاصل کرنی پڑتی ہے فیس ماہوار ۱۰ روپیہ۔

(۲) A.9.9.S.T. (انجنیری) اس کے لئے ہر سال ۱۲ طالب علم داخل کئے جاتے ہیں۔ طالب علم انجنیرنگ میں بی۔ ایس سی یا بی۔ ای ڈگری میکانکل یا الیکٹریکل انجنیرنگ میں لئے ہوئے یا انہیں کے مساوی کوئی دوسرا امتحان پاس ہو۔ مدت تعلیم ڈیڑھ سال ہے۔ اس میں اصولی اور اعلیٰ تعلیم دوش بدوش دی جاتی ہے اور بغیر عملی تعلیم مکمل کئے ہوئے طالب علم کو ڈپلوما نہیں مل سکتا۔ ہاں اگر طالب علم نے پہلے کسی شکر کی فیکٹری میں کام کیا ہو اور اس کا ثبوت اس کے پاس ہو تو وہ عملی تعلیم سے مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے فیس ماہوار ۱۰ روپیہ۔

(۳) F.9.9.S.T. اس کے لئے ہر سال ہر ایک صیغہ کے لئے (شوگر ٹیکنالوجی اور شوگر انجنیرنگ) ۴ طالب علم لئے جاتے ہیں۔ طالب علم یا تو اسی درسگاہ یا ممالک غیر کی کسی ایسی ہی مستند درسگاہ کا تعلیم یافتہ ہو۔ مدت تعلیم ۲ سال ہے جن میں اُسے گنے کی ان فیکٹریوں میں کام کرنا پڑے گا جبکہ وہ بند ہوں گی اور دو موسمی فیکٹریوں کے تجربے حاصل کرنا پڑیں گے (یعنی گنے کے موسم میں بھی فیکٹری میں تمام عملی کام کرنا پڑے گا) انسٹیٹیوٹ میں زیادہ تر شکر کی انجنیرنگ کے صیغہ میں ڈیزائن اور ریسرچ کا کام کرنا پڑے گا۔ جواب مضمون انسٹیٹیوٹ بھیج سکتا ہے فیس ماہوار ۱۵ روپیہ۔

(۴) شوگر بائلرس سرٹیفکٹ کورس۔ ہر سال ۱۲ طالب علم لئے جاتے ہیں۔ طالب علم ایف۔ اے سائنس میں یا اسی کے مساوی کسی دوسرے امتحان میں پاس ہونا چاہیئے۔ ایک سال انسٹیٹیوٹ میں تعلیم حاصل کرنی پڑتی ہے۔ (سرٹیفکٹ اس وقت دیا جاتا ہے جب وہ کم از کم دو سال پان بائلنگ کا عملی تجربہ حاصل کرلیتا ہے خواہ وہ انسٹیٹیوٹ مذکور کے ورکشاپ میں کرے یا کسی دوسری فیکٹری میں جاکر) فیس ماہوار ۵ روپیہ۔

مندرجہ ذیل مختصر نصاب ان لوگوں کے لئے رکھے گئے ہیں جو شکر سازی کی فیکٹریوں میں کام کرتے ہیں اور تھوڑی بہت فنی اور درسی خصوصیات کے حامل ہوں۔

(۱) **کیمیکل کنٹرول** ۔ ہر سال ۶ امیدوار داخل کئے جاتے ہیں۔ کیمسٹری کے ساتھ بی۔ ایس سی کی ڈگری ہونی چاہیئے۔ اور کم از کم شکر کی فیکٹری کی لیبوریٹری اور شکر بنانے کے کام کے دو موسم کا تجربہ ہونا چاہیئے۔ مدت تعلیم۔ دو موسم یعنی پہلے سال میں ۱۰ جولائی سے اختتام اکتوبر تک اور دوسرے سال میں یکم جون سے اختتام اکتوبر تک۔ فیس ماہوار ۱۰ روپیہ۔

(ب) پان بالنگ ۔ ہر سال ۴ امیدوار لئے جاتے ہیں۔ امیدوار میٹرک پاس ہونا چاہیئے۔ کم از کم ایک موسم میں پانس Pans اور بنانے کے عمل یا کیمیکل کنٹرول میں کام کرچکا ہو۔ ترجیح ان امیدواروں کو دی جاتی ہے جو اس سے زائد تجربہ رکھتے ہوں۔ مدت تعلیم کم از کم ایک موسم۔ فیس ماہوار ۱۵ روپیہ۔

(ج) فیول اینڈ بائلر کنٹرول ۔ ۴۰ امیدوار لئے جاتے ہیں۔ یہ نصاب (کورس) صرف فیکٹری کے کیمسٹوں اور انجنیروں کے لئے مخصوص ہے کیمسٹوں کے لئے قابلیت کا معیار کیمسٹری کے ساتھ بی۔ ایس سی ہونا چاہیئے۔ اور فیکٹری کی لیبوریٹری یا بنانے کے عمل کا کم از کم دو موسم کا

تجربہ ہونا چاہیئے۔ انجنیروں کے لیئے قابلیت کا معیار۔ میکانکل یا الیکٹریکل انجنیرنگ کی ڈگری کسی ٹیکنکل اسکول (جیسے وی۔ جے۔ ٹی۔ بمبئی یا گورنمنٹ ٹیکنکل سکول لکھنو۔ جھانسی۔ گورکھپور) کا ڈپلوما ہو اور اس کے ساتھ شکر کی فیکٹری کا کم از کم دو موسموں کا تجربہ ہونا چاہیئے۔ مدت تعلیم ایک موسم خاص موسم کے بعد۔ فیس ماہوار ۱۵ روپیہ۔

(د) ایکیٹرولوجی۔ ہر سال ۴ امیدوار لئے جاتے ہیں۔ امیدوار کیمسٹری کے ساتھ بی۔ ایس سی کی ڈگری لئے ہوئے اور اُسے کم از کم شکر کی فیکٹری کے موسم یا شراب بنانے کے ایک موسم کا تجربہ ہونا چاہیئے۔ مدت تعلیم دو موسم خاص موسم کے بعد۔ پہلے سال ۱۰ جولائی سے اکتوبر کے اختتام تک۔ دوسرے سال یکم جون سے اختتام اکتوبر تک۔ فیس ماہوار ۱۰ روپیہ۔

(س) اسٹیٹ اسٹکس۔ ہر سال ۱۰ امیدوار لئے جاتے ہیں۔ امیدوار کم از کم آئی۔ اے یا ریاضی کے ساتھ آئی۔ ایس سی امتحان پاس ہونا چاہیئے۔ ترجیح ان امیدواروں کو دی جاتی ہے۔ جو ریاضی میں گریجویٹ ہوں۔ شکر کی فیکٹری کے کام کا کیمیکل مینوفیکچرنگ انجنیرنگ یا شکر کی سپلائی کے صیغہ میں کم از کم دو موسموں کا پہلے سے تجربہ ہونا چاہیئے۔ مدت تعلیم خاص موسم کے بعد ایک موسم۔ فیس ماہوار ۱۵ روپیہ۔

(ص) ڈچ زبان۔ } یہ دونوں زبانیں شکر سازی کی صنعت میں بہت مفید خیال کی جاتی ہیں۔ ہر سال ہر ایک زبان کے لئے دس امیدوار
جرمن زبان } لئے جاتے ہیں جن کا شکر یا اسی قسم کی دوسری صنعت سے قریبی تعلق ہو اور ان کی بہت اچھی تعلیم ہو۔ مدت تعلیم خاص موسم کے بعد صرف ایک موسم میں تعلیم دی جاتی ہے۔ ہر ایک کے لئے فیس ماہوار ۱۵ روپیہ ہے۔

فیس صرف تعلیم کے مہینوں کی ہی ادا کرنی پڑتی ہے جو مہینے خالی رہتے ہیں ان کی فیس شاید نہیں ادا کرنی پڑتی۔ مگر داخلہ کے وقت علاوہ ماہوار فیس کے داخلہ کی خاص سالانہ فیس ہر ایک نصاب کے لئے پوری ادا کرنی پڑتی ہے۔ سب کی مجموعی تعداد ۲۴ روپیہ کے قریب ہوتی ہے۔ جو داخلہ کے وقت لازمی ادا کرنی پڑے گی۔ اس کے بعد ۱۷ روپیہ سال ادا کرنے پڑیں گے۔ علاوہ بریں قیام وطعام کا کل خرچ بذمہ طالب علم ہوتا ہے۔ رہنے کے لئے ہوسٹل میں کرایہ پر جگہ ملتی ہے۔ کرایہ تعلیم نصاب کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے جو عہ ماہوار سے زیادہ نہیں ہوتا۔ مفصل براہ راست دریافت کیا جا سکتا ہے۔

**داخلہ** داخلہ کے لئے درخواستیں ڈائریکٹر امپیریل انسٹیٹیوٹ آف شوگر ٹیکنالوجی نواب گنج کانپور سے فارم داخلہ منگوا کر ہر سال ۲۰۔ جون سے قبل بھیج دینی چاہئیں۔ جس نصاب (کورس) کے لئے بھی درخواست دی جائے اس کے ساتھ ایک روپیہ کا منی آرڈر یا پوسٹل آرڈر جانا چاہیئے۔ بغیر اس کے کسی درخواست پر غور نہیں کیا جاتا نہ یہ روپیہ واپس کیا جاتا ہے۔

**آمدنی** شکر سازی کی صنعت کے مستند کاریگر کو خواہ وہ کسی صیغہ کا ماہر ہو مثلاً میکانکل انجنیر، کیمیکل انجنیر، کیمسٹ وغیرہ ان کو شکر کی ملوں میں اچھی تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ پچاس ساٹھ سے شروع ہوتی ہیں اور قابلیت و تجربہ کے لحاظ سے کئی سو تک پہنچتی ہیں۔ اس وقت تک چونکہ ایک لحاظ سے یہ نئی صنعت ہے اس لئے اس صنعت کے ماہرین کی شکر سازی کی ملوں میں کافی مانگ ہے۔ اور آئندہ اور زیادہ ہو گی۔ شکر سازی کی ایک بڑی مل میں کم از کم تین چار بڑے ماہرین کی لازمی ضرورت ہوتی ہے۔ ذاتی مل جاری کرنے میں بھی کافی فائدہ ہے۔ اس لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ بڑے پیمانہ پر مل جاری کرنے سے قبل شکر سازی کی مکمل تعلیم حاصل کر لی جائے۔

رضا احمد جعفری

# گلہائے مخملی کی بیل



یہ بیل آپ کسی مناسب جگہ پر بنائیں اگر قرمزی
یا مونگیا رنگ کے رِنگ کے Ring
سوٹ پر بنائیں تو بے حد اچھی معلوم ہوگی چونکہ یہ
کپڑا ململ کی ایک باریک قسم کا ہوتا ہے اس پر بھی
مخملی پھول اُبھرے ہوتے ہیں۔ پھر اس پر اگر یہ
کام بنایا جائے تو بہت اچھا معلوم ہوگا گل برگ
ریشمی لگائیں۔ ڈال سلمہ سے۔ خار چمک دار
سلمہ سے اور گول نشانوں پر ستارے لگائیں
نہایت خوشنما معلوم ہوگی۔
پتے سبز۔ پھول ہلکے کاسنی۔ ہلکے پیازی یا
انگوری۔ رنگ اپنی مرضی کے مطابق لگائیں۔

بیگم صفیہ نذیر کوئٹہ (بلوچستان)

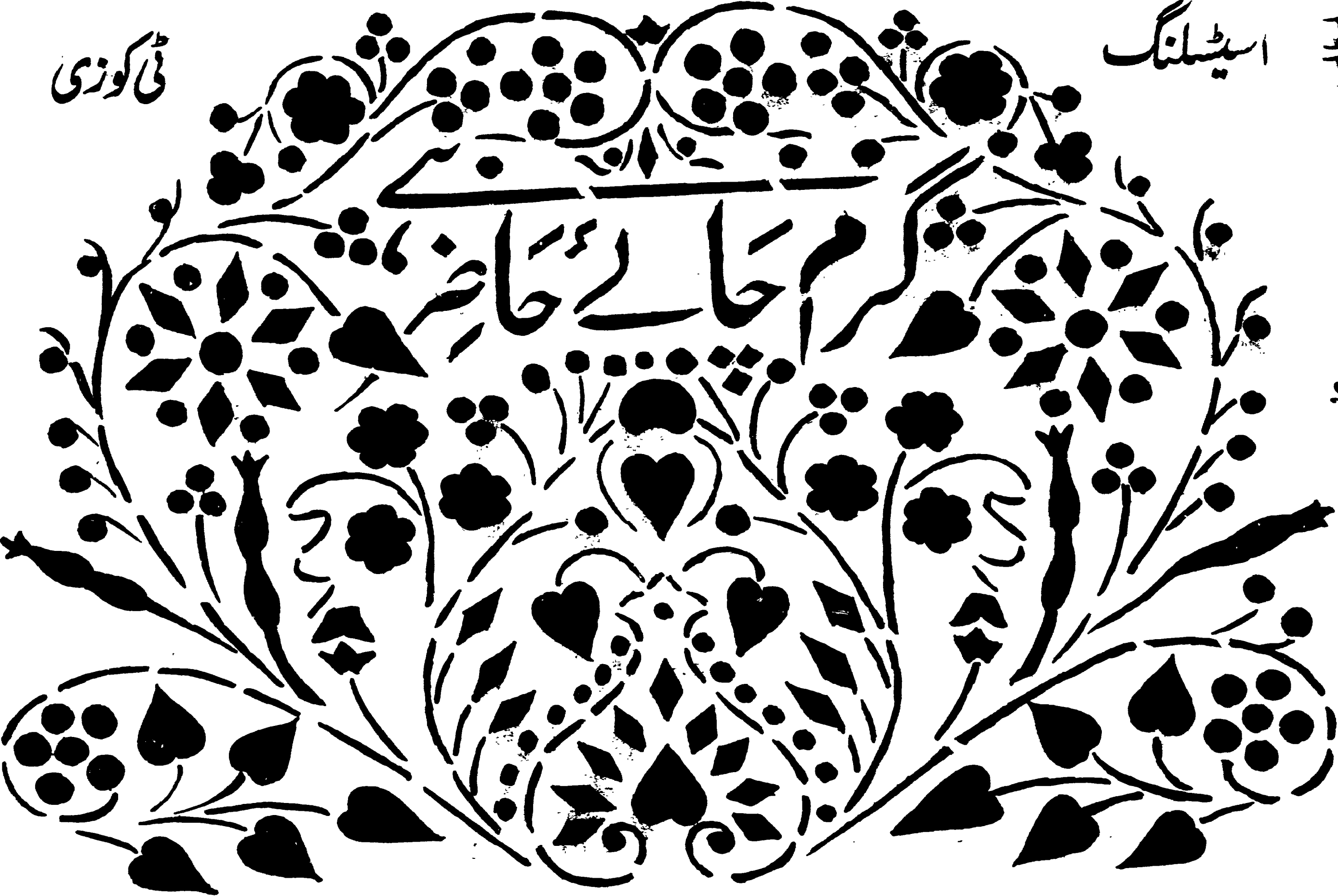
# ٹی کوزی اسٹینسلنگ سے

نیلی ساٹن یا مخملی پر پہلے اس نقشہ کو اسٹیل
پلیٹ پر بنا کر چھاپ لیجئے۔ پھر شکوبیں ستارہ نمونے
کے مطابق لگائے "گرم چائے حاضر ہے" سلمہ سے
کاڑھیے۔ شاخیں سلمہ سے تیار ہونے پر
بہت خوبصورت اور بہت بھاری معلوم ہوگی
اُمید ہے کہ بہنیں پسند فرمائیں گی۔
(نمونہ دیکھئے صفحہ ۳۶۴ پر)

مس رئیس فاطمہ بنت اشتیاق حسین
لکھیم پور

اسٹیلنگ

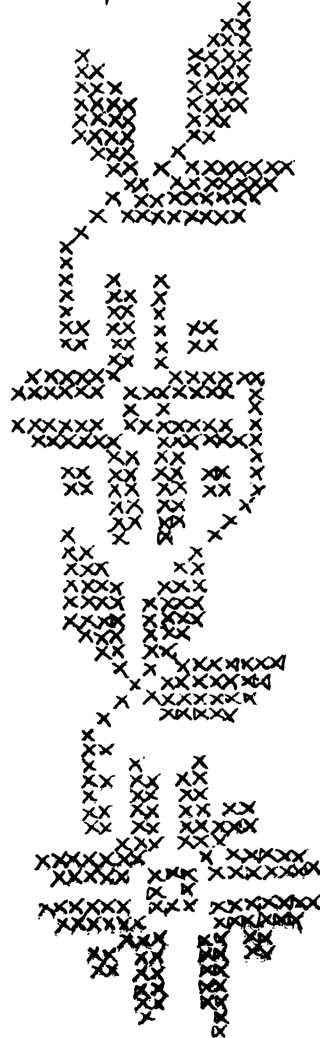
ٹی کوزی



# کراس اسٹچ مین بیل

پتیاں سبز ۔ پھول گلابی ۔ بہنیں اس بیل کو تکیہ غلاف پر بنائیں ۔ خوبصورت معلوم ہوگا ۔

زینت النسا بیگم بھاگلپوری




حج لائن
المدینہ

# خانہ داری

جس میں سنگھار و آرائش بھی شامل ہے

## تھکن کا احساس

مردوں کے مقابلہ میں عورتوں میں زیادہ تھکن کے احساس کی شکایت پائی جاتی ہے بہت سی چھوٹی چھوٹی بیماریوں کا باعث یہی تھکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہمیشہ تھکے ماندے محسوس کرنے کے لئے پیدا نہیں کیا۔ رات آرام کے لئے بنائی بار بار اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسی لئے کہ ان کی تھکن رات کے آرام میں غائب ہو جائے۔ یہ ضروری نہیں کہ تھکن محسوس کرنے والا شخص دبلا پتلا ہو۔ اکثر موٹے تازے مضبوط لوگوں کو بھی اس تکلیف میں مبتلا پایا گیا ہے جو ہر وقت تھکا ماندہ رہے سمجھ لینا چاہئے کہ وہ روزمرہ کی زندگی میں کوئی صحت کی غلطی کا ارتکاب کر رہا ہے۔ جو شخص کام کاج سے چھوٹ کر یا باہر سے آکر کام کی جلدی میں یا اُس کی اُدھیڑ بُن میں جلد جلد کھانا حلق سے نیچے اُتارے اُسے حیران ہونے کی کیا ضرورت کہ وہ تھکا تھکا رہتا ہے۔ اُس کا ہاضمہ بے خیال بگڑ جاتا ہے۔ خوراک دیر تک معدے میں رہ کر سڑ جاتی ہے اور اس کا بُرا اثر خون میں سرایت کر جاتا ہے۔

گھنٹوں بدنی محنت کرنے کے بعد آدمی کو ضرور آرام کرنا چاہیے، سخت دماغی کام کرنے والوں کو ہر دو تین گھنٹوں کے بعد آرام ضروری ہے۔ کیونکہ جسمانی محنت کے مقابلہ میں دماغی محنت زیادہ تھکا دینے والی ہوتی ہے۔ آرام کے بعد تھکن دُور ہو جانی چاہیئے۔ اور آدمی تازہ دم اور کام کے لئے مستعد معلوم ہو۔ لیکن صحت کی خرابی کی تھکن آرام کے بعد بھی دُور نہیں ہوتی۔ یہ قائم رہتی ہے۔

تھکن ایک کیمیائی عمل ہے۔ جب کوئی پٹھا سکڑ جاتا ہے۔ بعض کیمیائی تبدیلیاں نمودار ہوتی ہیں۔ آکسیجن کام میں آجانے کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہے اور کاربن خون میں شامل ہونے لگتی ہے۔ ایسی حالت میں خون میں زہر کا حصہ زیادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر ہم تازہ دم ہونا چاہتے ہیں تو اس زہر کے دُور کرنے کی ضرورت ہے۔ جب یہ قدرتی طور سے دُور نہیں ہوتا تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ فطرت کے قواعد کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔

محرک دواؤں سے تھکن دُور کی جا سکتی ہے۔ لیکن یہ امداد عارضی ہوتی ہے۔ جب دوا کا اثر جاتا رہتا ہے تو تھکن کا احساس عود کرتا ہے۔ تھکن پہلے سے زیادہ معلوم ہونے لگتی ہے۔ بس ایک تدبیر ہے اور وہ یہ ہے کہ غذا اور طرز ماند و بود کو بالکل بدل دیا جائے۔ پکا ارادہ کر لو کہ اب جلد جلد کھانا نہ ٹھونسا جائے جس سے بدہضمی پیدا ہو جائے اس کا اثر حیرت انگیز ہوگا۔ اگر آپ کا کام ایسا ہے کہ گھنٹوں کم ہوا یا خراب فضا میں آپ کو رُکنے کی ضرورت ہوتی ہے تو صبح شام سیر کر کے تازہ ہوا کھائیں اور ہفتہ میں ایک دن خوب سیر و تفریح کرنے کے لئے مقرر کریں۔

## ہاتھوں کی دیکھ بھال

اندنوں میں ہاتھ زیادہ خشک اور ملائم ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ان کی دیکھ بھال کی ضرورت رہتی ہے۔ ہاتھ ذرا سی معمولی ترکیب سے چہرہ کی طرح جلد اثر پذیر ہو جاتے ہیں۔ بمقابلہ اس کے کہ مدت تک ان سے غافل رہنے کے بعد ایک طول طویل تدبیر عمل کا اُنھیں شکار بنایا جائے اور پھر بھی وہ درست نہ ہوں۔ اس لئے اگر آپ دو کریمیں لے کر ایک باقاعدہ رات کو اور دوسری دن میں لگاتی رہیں اور اس کا خاص

خیال رکھیں کہ جب ہاتھ دھونے کی ضرورت ہو تیز صابن اور سخت پانی استعمال نہ کریں تو آپ اپنے ہاتھوں کو حتی الامکان بہت خوبصورت اور دلکش بنا سکیں گی۔

رات والی کریم کسی قسم کی چکنائی والی ہونی چاہئے۔ کیونکہ ہاتھ چکنائی سے پرورش حاصل کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ بار بار دھونے سے جلد کی قدرتی چکنائی خشک ہونے لگتی ہے۔ دن کی کریم بے چکنائی کی لی جائے اور یہ ہاتھ دھونے کے مقام پر ہر وقت موجود رہنی چاہئے۔ تاکہ آپ ہر مرتبہ ہاتھ دھونے کے بعد اسے اُن پر مل سکیں۔ بازار میں بہت سے اچھے اچھے لوشن اس غرض کے لئے دستیاب ہو سکتے ہیں۔ اگر آپ کو ان کا استعمال بمقابلہ کریم آسان معلوم ہوتا ہو تو جس صابن کو آپ استعمال کریں اس میں چربی بھی خوب ہونی چاہئے۔ اور اسے اسی غور و خوض کے بعد لینا چاہئے جیسے آپ چہرہ کے صابن لیں۔ بہت گرم کبھی نہ استعمال کریں کیونکہ اس کی وجہ سے ہاتھ بہت جلد غیر ملائم ہو جاتے ہیں۔ اگر آپ کو نرم پانی میسر نہ ہو تو جئی کے آٹے oat meal کی ایک تھیلیہ ایک سکنڈ پانی میں ملیں۔ پانی بہت کچھ ملائم ہو جائے گا۔

ہاتھ زیادہ میلے کچیلے ہوں تو پہلے انھیں روغن زیتون سے صاف کریں۔ تاکہ کچھ میل اُتر جائے۔ پھر دھوئیں۔ ناخنوں میں جو میل رہ جائے تو ناخنوں کے برش سے دُور کریں۔ کسی سوئی یا پن یا کسی تنکے سے ہرگز یہ کام نہ لیں۔

آج کل بازار میں بہت سے اچھے اچھے مصالحے ملتے ہیں جن سے ناخن صاف ہو جاتے ہیں اور ان سے پوروے بھی سفید ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ عموماً پوروے ہی زیادہ ماند ہو جایا کرتے ہیں۔ ذرا سی کریم ناخن کے برش کے سرے پر لے کر ناخنوں کے ارد گرد ملیں۔ اس کی وجہ سے جھاگ خوب اُٹھ آتے ہیں۔ جن سے ناخن اور کھال ملائم ہونے کے علاوہ صاف ہو جاتے ہیں۔ اگر آپ کے ناخن سخت اور بے رونق ہوں تو پرورش دینے والی کریم کی ضرورت ہے جو خوب اُن پر ملی جائے۔ آپ کوئی ایسی کریم استعمال کریں یا نہ کریں ہفتہ میں ایک مرتبہ تو تیل ضرور ان پر مل لیا کریں پہلے ناخن صاف کریں پھر ملائم روئی گرم روغن بادام سے تر کر کے ناخنوں پر آدھے گھنٹے تک باندھیں رکھیں۔

**خوشبو لگانے کے اصول** مناسب اور موزوں خوشبو کے انتخاب میں رنگ کی مناسبت کا خیال اتنا ہی ضروری ہے جتنا پوڈر وغیرہ کے انتخاب کے وقت ضروری ہوا کرتا ہے اور یہی بات عام طور پر ہماری بیبیاں نظر انداز کر جایا کرتی ہیں۔

جو خوشبو بھی بنائی جاتی ہے بنانے والا دل میں زنانہ حسن کی کوئی نہ کوئی خوبی پیش نظر رکھ کر تیار کرتا ہے۔ بعض اپنے سامنے سانولی صورت رکھتے ہیں بعضوں کی آنکھوں کے آگے گوری ہوا کرتی ہے۔ بعضوں کا دھیان سرخ بالوں والی کی طرف رہتا ہے۔ ہمارے خیال میں عورتوں کو رنگ کی اس موزونیت کا دھیان بھی نہ آیا ہوگا۔ یا وہ اس امر کو غیر اہم سمجھ کر خیال میں لانے کے قابل نہ سمجھتی ہونگی گو اس بے پروائی سے خوبصورتی و دلکشی میں کوئی فرق نہیں آتا۔ لیکن یہ اسراف ضرور کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ گوری عورت پر جو خوشبو پھب جاتی ہے اگر سانولی اسے استعمال کرے تو یہ روپیہ کا ضائع کرنا ہی ہے۔ سرخ بالوں والی عورتوں کی خوشبو گوریوں پر موزوں نہیں بیٹھتی۔

خوشبوؤں کے نمونے حسب ذیل ہیں بھاری اور تیز خوشبوؤں کا سلسلہ ان میں مشک و عنبر جیسے اجزاء پر خوشبو کی ترکیب کا انحصار ہوتا ہے لے پکے رنگ کی عورتیں استعمال کریں تو بالکل ٹھیک بیٹھتی ہے مصالحہ کی خوشبو کو سرخ بالوں والیاں بخوبی استعمال کر سکتی ہیں، پھولوں والی خوشبو جن میں معتدل اور ہلکے پھولوں کی بو بسی ہوئی ہو گوریوں کے لئے بہت موزوں ہے تیز پھولوں کی خوشبو اُن عورتوں کے لئے درست رہتی ہے جو ادھیڑ ہوں یا اس سے بھی آگے قدم زن ہوگئی ہوں۔ سنہرے رنگ کی عورتیں اللہ میاں نے ایسی بنائی ہیں کہ وہ جس خوشبو کو لگائیں اُن پر موزوں رہتی ہے اور پھب جاتی ہے۔ البتہ انھیں بہت تیز اور طرح طرح کے مصالحہ والی خوشبو سے احتراز کرنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ سانولی عورت کے مناسب حال

رہتی ہے۔ کسی رنگ کی بی بی ہو۔ دن میں بہت کم خوشبو لگائیے شام کو جو میل جول کا وقت ہوتا ہے خوشبو لگائیں کان کی لوؤں میں ذرا سی خوشبو چھوا دیں یا گدی کے بالوں پر ذرا سی خوشبو چھو دیں یا دونوں پر ایسا کریں رعنائی میں اضافہ ہو جائے گا آج کل کولون cologne کے نمونہ پر نئی نئی خوشبوئیں تیار ہوئی ہیں تیز خوشبوؤں کے مقابلہ میں ان کی خوشبو ہلکی ہوتی ہے۔ لیکن معمولی کولون کے مقابلہ میں ان کی خوشبو زیادہ بہتر ہوتی ہے۔ دنیا کی مشہور حسین عورتیں ان خوشبوؤں کو پسند کر رہی ہیں۔

**موسم کی خشکی** گرمیوں اور سردیوں کے بیچ میں کچھ دن ایسے آتے ہیں کہ جلد اور بالوں میں خشکی بہت زیادہ آجاتی ہے۔ بالوں میں ان دنوں خوب برش یا کنگھی کریں۔ گردن اور چہرہ خوب صاف کر کے کوئی جلدی غذا skin food تھپک تھپک کر لگائیں۔ اس سے پٹھے تازگی اور مضبوطی حاصل کریں گے اور اس سے جلد قدرے سفیدی مائل ہو جائیگی زردی جاتی رہیگی اور جلد ہلکی ہلکی معلوم ہوگی۔ چہرہ صاف کرتے وقت گردن۔ کندھے اور آنکھیں ہرگز نہ بھولیں۔ جلدی غذا پندرہ منٹ لگی رہنے دیں۔ پھر ملائم کاغذ سے پونچھ ڈالی جائے۔ پھر چہرہ پر ہموار طریقہ سے لیپ لگائیں۔ عمدہ عمدہ لیپ بازار سے مل سکتے ہیں۔ آپ ایسا لیپ لیں جو جلد میں تازگی اور تحریک پیدا کرنے والا ہو۔ stimulating & rejuvenating mask کچھ دیر لگائے رکھنے کے بعد اسے پونچھ دیں۔ اور کوئی جلدی مقوی غذا skin tonic زور زور سے لگائیں۔ تاکہ مسام درست حالت میں آجائیں اور پٹھے تازگی محسوس کرنے لگیں۔ ناخنوں کو گرم روغن بادام کی طشتری میں دس منٹ تک ہفتہ میں دو تین مرتبہ اور بعد میں باقاعدہ ہفتہ وار رکھیں۔ ناخن صاف اور نرم رہیں گے۔ ٹانگوں کو برش سے رگڑ کر خشک کریں اور گرم روغن بادام جلد جلد ملیں۔ ہفتہ میں چار مرتبہ ایسا کرنے سے ٹانگیں نہایت دلکش ہو جائیں گی۔

**خانگی ٹوٹکے**

تاگے کے سرے پر صابن لگا کر سوئی میں پروئیں تو دقت نہ ہوگی۔

چولھے کا فولادی حصہ نرم چیتھڑا روغن زیتون سے تر کر کے رگڑنے سے صاف ہو جاتا ہے۔

قہوہ بناتے وقت نمک کی چٹکی ڈال دیں تو اس میں دل کو خوش کرنے والی خوشبو آجائے گی۔

ڈھلے ہوئے لوہے پر تیل کبھی مل لینا چاہیے۔ پھر اس پر زنگ نہیں لگتا۔

انڈا پھینٹتے وقت اس میں دو چمچہ پانی ملالیں خوب جھاگ اٹھیں گے اور کیک میں ملائیں گے تو کیک خوب اٹھ آئے گا۔

ترکاریاں کترنے اور انھیں دھوتے وقت ہاتھوں کا رنگ خراب ہو جاتا ہے۔ اگر فوراً بعد میں لیموں کاٹ کر ہاتھوں پر ملیں اور پھر کوئی سکون پہنچانے والا لوشن ہاتھوں کے خشک ہونے سے پہلے مل دیں تو ہاتھوں کی بدرنگی آپ کو غمگین نہ کرے گی۔ اگر ہاتھ ٹونٹی کے نیچے پانی کی دھار میں آپس میں ملیں تو پیاز یا مچھلی کی بو ہاتھوں میں بسنے نہ پائے گی۔

روح بادام Essence of almond کا ایک قطرہ کوکو میں ڈالنے سے اس کی خوشبو نمایاں کر دیتا ہے۔

برش ہمیشہ گدی سے چندیا تک پیشانی سے چندیا تک اور کنپٹی سے چندیا تک کریں درست طریقہ سے برش کرنے سے چندیا ونک اٹھتی ہے اور خون خوب گھومنے لگتا ہے چندیا صاف رہتی ہے اور بال بھی خوشنما اور مضبوط ہو جاتے ہیں

سیاہی کا دھبہ سفید کرنے والے مرکب Bleaching solution سے بخوبی دور ہو سکتا ہے لیکن اسے نفیس اور نازک رنگین کپڑوں پر کبھی نہ لگائیں اس مرکب کے بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ دو اونس کلورائڈ آف لائم Chloride of lime نو چھٹانک پانی میں بھر اونس کاربونیٹ آف سوڈا Carbonate of Soda حل کریں دونوں کو ملا کر ابالیں [illegible]

# سیر بین

## ٹوٹی کمر کی عورت

لندن میں ایک ۳۲ سالہ کنواری عورت نہ کھڑی ہو سکتی ہے نہ چل پھر سکتی ہے لیکن وہ اس حالت میں بھی زندگی کے آرام کو جانتی ہے ۔ اور جب سے پیدا ہوئی ہے ڈاکٹروں کی رائے یہ رہی ہے کہ اس کی موت فوراً آ جائیگی۔ بات یہ ہے کہ اس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹی ہوئی ہے ۔ لیکن وہ زندہ ہے ۔ وہ موٹروں ٹریموں میں سفر کرتی ہے گارڈ کی گاڑی میں لمبے لمبے سفروں میں مصروف رہتی ہے ۔ وہ ایک دفعہ ہوائی جہاز میں اور ایک مرتبہ بحری جہاز میں سفر کر چکی ہے وہ ایک دب اور ٹوٹ جانے والی کرسی میں سیر پر لے جائی جاتی ہے جس گاڑی میں اُسے بیٹھنا ہو کرسی میں سے اُٹھا کر اُسے بٹھا دیا جاتا ہے ۔

وہ ہر اتوار کی صبح اور شام کو گرجا جاتی ہے ۔ زنانہ رہنمائی (گرل گائڈ) کی تحریک میں اُسے اعلیٰ بلّا مل چکا ہے اور ایک مباحثہ میں فی البدیہہ تقریر کرنے پر اُسے ایک انعام بھی حاصل ہو چکا ہے ۔ وہ اپنے سارے کپڑے خود بُن کے پہنتی ہے اور بہت کچھ گھر والوں کے لئے بھی تیار کر لیتی ہے ۔ چند سال ہوئے اُس نے گانا اور پیانو بجانا بھی سیکھ لیا ۔ جب اسے کوئی کام نہیں ہوتا تو ریڈیو وغیرہ غور سے سنا کرتی ہے ۔ دوسرے اپاہجوں کی طرح دن میں سونا یا آرام کرنا اُسے کچھ پسند نہیں آتا ۔ وہ کہتی ہے کہ میں ایک لحظہ بھی ضائع کرنا نہیں چاہتی ۔ کیونکہ نہ معلوم میں کس وقت مر جاؤں ۔ اُسے اس بات پر ناز ہے کہ وہ لندن کے ارد گرد کا رستہ بخوبی جانتی ہے ۔ اور شہزادیوں سے اس کی ملاقات ہو چکی ہے اُسے ایک بات کا رنج ہے کہ اس کا سارا دار و مدار اس کی ماں پر ہے جسے ۳۲ سال میں ایک دن کی بھی چھٹی نہیں ملی ۔ لیکن اس کی ماں کہتی ہے کہ لڑکی کے بغیر خدا جانے میرا وقت کیسے کٹتا ۔

## دو توام بوڑھیاں

انگلستان میں دو بوڑھیاں رہتی ہیں جن کی عمر اس وقت ۸۸ سال کی ہے ۔ وہ ایک دوسرے سے ایک دو دن سے زیادہ جدا نہیں ہوئیں ۔ ساتھ ہی رہتی ہیں ایک سے کپڑے پہنتی ہیں وہ باتیں کرنا پسند نہیں کرتیں کیونکہ ان کے خیالات ایک سے ہیں ۔ وہ کنواری ہیں اور انگلستان میں ان کی سی لمبی عمر کوئی کنواری جڑواں عورتیں نہیں ہیں ۔ وہ اپنے گھر کی کھڑکی میں بیٹھی ہوئی خاموش وقت گذارا کرتی ہیں ۔ ساری عمر اسی گاؤں میں گذاری جہاں پیدا ہوئیں ۔ انھوں نے کوئی متحرک تصویر نہیں دیکھی نہ ہٹلر کا نام سُنا ۔ ان میں سے ایک نے سمندر دیکھا ہے وہ اپنے بھائی کے پاس دو ایک روز کے لئے ساحل پر گئی تھی ۔ جب اسے سمندر نظر آیا ۔ وہ کہتی ہے سمندر بھی عجب نظارہ تھا ۔ دو سال ہوئے ان میں سے ایک کی آنکھیں جاتی رہیں دوسری بہری ہے ۔ نابینا بہری کے لئے کان کا کام دیتی ہے ۔ اور بہری کی آنکھیں دونوں کے لئے کام دے جاتی ہیں ۔ ان کی سب سے بڑی خوشی یہ ہوتی ہے کہ ان کی انجیل میں سے کوئی پڑھ کر انھیں سُنائے ۔ بہری کی ایک دفعہ شادی ہونے لگی دوسری کو بڑا فکر ہوا ۔ اتنے میں منگیتر صاحب کسی بات پر اینٹھ کے چلدیئے ۔ دونوں پھر ایک دوسرے کی رفاقت میں رہنے لگیں ۔

## واپسی پر گھر گم

فرانس میں ایک نہایت دلچسپ واقعہ پیش آیا ۔ ایک مزدور ایک چھوٹے سے گاؤں میں دریا کے کنارے جا رہا تھا ۔ اُس نے دریا میں ایک لاش تیرتے دیکھی ۔ چند دوستوں کی مدد سے اُس نے اسے باہر کھینچ لیا فوراً ہی ایک پولیس افسر وہاں آ نمودار ہوا ۔ اور وہ لاش پر کوئی شناخت کی علامت نہ پا کر بے چین ہوا ۔ دوسرے دن ایک پڑوسی اس واقعہ کا حال سُن کر پولیس افسر کے پاس یہ کہنے لگا کہ چند روز سے فلاں کسان غائب ہے ۔ ایک گھنٹہ کے اندر اندر اُس کسان کے

دوستوں نے لاش کو دیکھ کر کہا کہ یہ اُسی کی ہے۔ بتایا کہ اس کی پوشاک اور جوتوں سے اس کی شناخت ہوتی ہے۔ دو دن بعد لاش دفن کر دی گئی۔ رجسٹروں میں اس کسان کو مُردہ دکھا دیا گیا۔ اب سوال یہ درپیش ہوا کہ اس کی جائداد کا کیا کیا جائے۔ اور وہ آسودہ حال تھا۔ ساز و سامان اچھے اچھے لباس اور کافی روپیہ اُس نے چھوڑا۔ مگر کوئی وصیت اس کے کاغذات پر برآمد نہیں ہوئی۔ چونکہ اس کا کوئی رشتہ دار نہ تھا۔ اس لئے اس کا مال و اسباب غریبوں میں تقسیم کر دینے قانوناً کوئی ہرج پولیس وغیرہ کو نظر نہیں آیا۔ جوش و شوق میں گاؤں والے اس کی جاکٹیں پتلون۔ قمیصیں۔ جوتے پہن پہن کے دیکھنے لگے۔ روپیہ بھی اسی طرح تقسیم ہو گیا۔ چند روز بعد شہر کے کوتوال کے دروازہ پر دستک ہوئی۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہ زمیندار سامنے کھڑا ہے۔ بے ہوش ہوتے رہ گیا۔ اُس نے جھلا کر کہا۔ تم لوگوں نے میرے گھر بار کا کیا کر ڈالا۔ میرا روپیہ کہاں ہے؟ کوتوال نے سارا ماجرا سُنایا۔ کسان نے بتایا۔ میں ایک کام سے ایک گاؤں گیا تھا۔ واپس آکر دیکھتا ہوں کہ میرا سب کچھ غائب ہے۔ اب اس کسان کا سامان وغیرہ اکٹھا کیا جا رہا ہے۔

## پرندوں کی تیز رفتاری

اٹلی میں حال میں پرندوں کی رفتار کی جانچ کی گئی۔ معلوم ہوا ابابیل ۱۱۱ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اُڑ سکتی ہے بمشکل سے کوئی پرندہ اس سے زیادہ تیز اُڑ سکتا ہے۔ جب سے ہوائی جہاز ایجاد ہوا اُس وقت سے پرندوں کی رفتار کا مقابلہ کیا گیا۔ شکاریوں کو بہت کچھ پرندوں کی رفتار کا حال معلوم تھا۔ کیونکہ نشانہ باندھتے وقت انھیں اس کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔ کبوتروں کا شکار مشکل سمجھا جاتا تھا۔ کیونکہ ان کی رفتار میں نظری دھوکہ ہے۔ کوّے۔ بگلے وغیرہ ۵۰ سے ۵۵ میل فی گھنٹہ اُڑ کر موٹر کا بخوبی مقابلہ کر سکتے ہیں۔ جب کبوتر جلدی میں ہوتا ہے تو ڈیڑھ میل فی منٹ کی رفتار سے چلنے والی موٹر پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔ عقاب ۶۰ سے ۷۰ میل فی گھنٹہ اُڑنے والے ہوائی جہاز کے ارد گرد باسانی گھوم جاتا ہے۔ اس سے اس کی تیز رفتاری کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ یقیناً وہ ہوائی جہاز سے تیز اُڑ رہا ہے اب ہوائی جہاز اس قدر تیز رفتار ہو گئے ہیں کہ کوئی پرندہ ان سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ کبوتروں کا ایک مرتبہ پرواز میں مقابلہ کیا گیا تو جو کبوتر جیتا وہ ۹۳ میل فی گھنٹہ اُڑا تھا۔

قاز اور ابابیلیں بڑے لمبے لمبے سفر کرنے کی عادی ہیں۔ وہ یورپ سے افریقہ میں گویا سات ہزار میل سے زیادہ فاصلہ پر پہنچ جاتی ہیں۔ پرندوں کی پرواز کا مطالعہ کرنے سے عجیب عجیب رازوں کا انکشاف ہوا ہے جنہیں سائنس والے اب تک حل کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ یہ معلوم ہوا کہ چھوٹے جسموں کے پرندوں کو بازوؤں کے پھیلاؤ کے لئے زیادہ رقبہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور بڑے جسم والوں کے لئے اُن کے مقابلہ میں کم کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیڑوں کو اس معاملہ میں شریک کر کے اور بھی غضب کا فرق نظر آتا ہے۔ تیتری کو جسم کے ہر آدھ سیر وزن کے لئے چار مربع گز پروں کے رقبہ کی ضرورت ہے۔ قاز ہر آدھ سیر وزن کے مقابلہ میں صرف ۱۲۲ مربع انچ رقبہ کا محتاج ہے۔ اس کا حل بہت آسان ہے۔ یہ سب کچھ زور اور وزن پر دار و مدار رکھتا ہے۔ مٹر کا دانہ اس قدر دور نہیں پھینکا جا سکتا۔ جس قدر دور ایک سنگترہ پھینکا جا سکتا ہے۔ کیونکہ دانہ پر اتنا نہیں خرچ ہوتا جتنا سنگترہ پر ہوتا ہے۔ جب ایک بھاری پرندہ اُڑتے ہوئے اچھی رفتار حاصل کر لیتا ہے۔ پھر اُسے نسبتاً کم طاقت اپنی رفتار قائم رکھنے کے لئے درکار ہوتی ہے۔ جب یہ بڑے پرندے جو کم قوت سے اُڑ سکتے ہیں پرواز شروع کرنے یا ٹھیر جانے میں بڑی دقّت محسوس کرتے ہیں۔ گِدھ پنجرے میں بغیر ڈھکنے کے اسیر رکھا جا سکتا ہے کیونکہ اس کے لئے اتنی جگہ نہیں ہوتی کہ وہ اپنی پرواز شروع کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے پرندے کھلے میدانی علاقوں میں ہی پائے جاتے ہیں۔ انھیں زمین سے اُٹھنے اور اُس پر اُترنے کے لئے زیادہ جگہ کی ضرورت

ہوتی ہے۔ شتر مرغ اور آسٹریلیا کا ایمو دنیا کے سب سے بڑے اور بھاری پرندے بالکل نہیں اُڑ سکتے۔ اس لئے نہیں کہ اُن کے پر بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ بلکہ اس لئے کہ اڑان شروع کرنے کی وقت اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ وہ زمین پر ٹھیرنا پسند کرتے ہیں۔ اسی اصول پر کہا جاسکتا ہے کہ بڑے ہوائی جہازوں میں چھوٹوں کے مقابلہ میں کم خرچ ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے بڑے بڑے ہوائی جہاز تعمیر کئے جارہے ہیں۔ جو بحر اوقیانوس کو عبور کرجاتے ہیں۔ چند سال پہلے خیال تھا کہ بڑے بڑے جہازوں کی تعمیر بالکل فضول سمجھی جاتی تھی۔ اس لئے کہ ان کے لئے زیادہ سے زیادہ طاقت اور پروں کے لئے زیادہ سے زیادہ رقبہ کی ضرورت ہوگی۔

بعض پرندے پروں کو ہلائے بغیر ہوا میں تیرتے رہتے ہیں۔ عام طور سے ایسا ہوا چلتے ہوئے ہوتا ہے۔ ہوا کی لہروں سے پرندہ قوت حاصل کرکے بغیر بازو ہلائے اُڑا چلا جاتا ہے۔

**مریخ میں آبادی** اس وقت مریخ سیارہ پر آبادی ہونے کی کوئی ناقابل تردید شہادت نہیں۔ قیاسات سے کہا جاتا ہے کہ وہاں آدمی بستا ہے۔ اور وہ ہم سے زیادہ مہذب معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ اس فکر میں ہے کہ ہم سے بات چیت کرے۔ مریخ زمین سے ۱۴ کروڑ میل کے فاصلہ پر اور سب سیاروں کی طرح ٹیڑھا چکر لگاتا ہے۔ زمین سورج سے ۹ کروڑ ۳۰ لاکھ میل دُور ہے۔ اور اگر اور باتیں حسب معمول ہوں تو مریخ زمین کے مقابلہ میں زیادہ سرد ہوگا۔ اس کا منطقہ حارہ ہمارے منطقہ معتدلہ کے برابر ہوگا۔ یہ بات ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ مریخ کی آب و ہوا انسان کے لئے بالکل موافق ہے۔ ہر پندرہ یا سترہ برس میں مریخ زمین سے ۳ کروڑ ۴۶ لاکھ میل کے فاصلہ پر آجایا کرتا ہے پچھلی دفعہ ۱۹۲۴ء میں ایسا ہوا تھا۔ مریخ زمین سے زیادہ سے زیادہ ۲۵ کروڑ میل کے فاصلہ تک ہٹ جاتا ہے۔ جب مریخ زمین سے ۳½ کروڑ میل کے فاصلہ پر آجاتا ہے۔ اس وقت بھی اس کا دوربینوں سے مطالعہ مشکل ترین کام ہوتا ہے۔ اس فاصلہ پر مریخ چاند سے ۵۰ میل زیادہ چھوٹا ہوتا ہے۔ اور دس میل سے کم ضخامت کی چیزیں ذرا بھی صاف نہیں نظر آتیں۔ لندن جیسا بڑا شہر زبردست سے زبردست دوربین سے ایک ناقابل شناخت نقطہ جیسا نظر آئے۔ ایسی دُوربینوں سے سمندروں جھیلوں اور پہاڑوں کے سلسلہ بغیر کسی شکل کے نظر آسکتے ہیں۔

مریخ ننگی آنکھ سے سرخ نظر آیا کرتا ہے۔ زبردست دُوربین اور خوردبین سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سرخ علاقہ سیارہ کا نصف سے زیادہ حصہ گھیرے ہوئے ہے۔ خیال ہے کہ یہ صحرائے اعظم ہیں۔ بعض دوسرے علاقوں میں کبھی سبزی اور کبھی سبزی مائل نیلا پن ⅓ کے قریب حصہ میں نظر آیا کرتا ہے۔ یہ زیادہ تر جنوبی کرہ کے منطقہ حارہ میں ایک باقاعدہ پٹی کی صورت میں چلا جاتا ہے۔ عرصہ سے محقق ان تاریک علاقوں کے متعلق حیران رہے۔ لیکن وہاں کے موسموں کے ساتھ ساتھ ان کے رنگ میں قدرے فرق ہوتا رہتا ہے۔ بہار میں سبز خزاں میں تانبے کا رنگ نمودار ہوجاتا ہے۔ متواتر مشاہدہ سے یہ رائے بلاشبہ قائم کرلی گئی ہے کہ یہ گنجان نباتاتی علاقے ہیں۔ ان کے علاوہ قطبوں میں سفید چوٹیاں نظر آتی ہیں جو برف ہوسکتی ہے۔ وہاں کی موسموں کے ساتھ ان چوٹیوں میں باقاعدہ تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ اس سیارہ کو سورج کے گرد گھومنے میں زمین کے ۶۸۷ دنوں کی ضرورت ہے یہ وہاں کا سال ہے۔ یہ اپنے محور پر ۲۴ دن میں ایک دفعہ گھوم جاتا ہے۔ اس طرح وہاں کا ایک دن زمین کے ساڑھے تین ہفتوں کے برابر ہے۔ اس کے موسم زمین کے موسموں سے ملتے جلتے ہیں۔ ہر موسم ہمارے سے دُگنا ہے

مریخ کے جنوبی حصہ میں جب جاڑے کا درمیانی حصہ ہوتا ہے شمالی حصہ میں گرمی ادھ بیچ میں ہوتی ہے۔ اُس وقت جنوبی حصہ میں سفید علاقہ وسیع ہوتا ہے۔ اور شمال میں کم۔ گرمی کے آخر میں جنوبی قطب میں یہ سفیدی بالکل غائب ہوجاتی دیکھی گئی ہے۔ اور خزاں کے وقت پھر قائم ہونی شروع ہوجاتی ہے۔ وہاں بادل بھی کبھی کبھی دیکھے گئے ہیں۔ لیکن بادلوں کی کمی ظاہر کرتی ہے کہ وہاں کی آب و ہوا بہت خشک ہے اور بارش شاذونادر ہی ہوتی ہے۔ اس میں ۱۸۷۷ء سے نہریں بھی دیکھی جارہی ہیں۔ یہ باریک سیاہ سیدھی لکیریں ہیں کسی وقت بھی ان لکیروں کے متعلق مشاہدہ کے بعد صحیح رائے نہیں قائم کی جاسکتی۔ معمولی دوربینوں سے یہ باریک خط نہیں نظر آسکتے۔ ماہران نجوم نے مشاہدہ کے بعد قرار دیا ہے کہ تاریک علاقوں کی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ ان خطوں میں بھی تبدیلی دیکھی جاتی رہی ہے۔ پروفیسر لاول نے عمر بھر مشاہدہ کرنے کے بعد اعلان کیا کہ وہاں کے موسم بہار میں یہ لکیریں مدھم یا غائب ہوجاتی ہیں اور قطبی چوٹی کے کم ہونے کے وقت زیادہ نمایاں ہوجاتی ہیں۔ قطبوں کے پاس لکیریں پہلے تاریک ہوتی ہیں اور خطِ استوا کے قریب آخر میں۔ یہ بال جیسی باریک نظر آنے والی نہریں کم از کم پندرہ میل چوڑی ہونگی۔ یہ پانی سے نہیں، بلکہ دونوں کناروں کی نباتات سے نمایاں ہوا کرتی ہیں۔ زمین سے قریب آنے کے ایام میں اس کے بیچ میں دو پانچ نوکوں والے ستارے نظر آنے لگتے ہیں۔ ایک کا قطر ۱۱۰۰ میل اور دوسرے کا ۱۶۰۰ میل ہے۔

**پھلجھڑیاں**

ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں وہاں کی ایک اصلی باشندہ (حبشی) عورت ۱۱۹ برس کی عمر میں اب مری ہے۔ وہ سب سے بڑی عمر کی عورت تھی۔ وہ بیس بچوں کی ماں تھی۔ اُس کی زندگی ہی میں سب کے سب بچے مر گئے۔

برطانیہ کے فیشن کے ماہروں کے سامنے ایک سوال درپیش ہوا کہ ساری انگریزی قلمرو میں کس کس عورت کا لباس کی وضع قطع پر اثر ہے۔ اس کا جواب اس ہفتہ میں یہ ملا ہے۔ تین عورتیں انتخاب میں آئیں اول ڈچز آف کینٹ دوسری ملکہ معظمہ۔ تیسری جون کرافورڈ فلم سٹار۔

بنگال میں بھی کچھ دنوں پہلے عورتوں کے متعلق بڑے دقیانوسی خیالات تھے۔ متوسط طبقہ کی لڑکیاں اب جگہ جگہ بطور معلمہ محکمہ تعلیم میں ملازم نظر آتی ہیں۔ دایہ کا کام بُری نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ مگر اب بدظنی جاتی رہی ہے۔ اور اب بنگالی لڑکیاں کافی تعداد میں دایہ گری سے کسبِ معاش کر رہی ہیں۔ اچھی خاصی تعداد ٹیلیفون پر کام کر رہی ہے۔

ہر روز اٹلی بارہ اور جرمنی چودہ مختلف زبانوں میں ریڈیو کے ذریعہ اپنا پروپیگنڈا پھیلاتا ہے۔

دنیا کا سب سے بڑا جیل خانہ شنگھائی میں ہے۔ جس میں سات ہزار قیدی آسکتے ہیں۔

اون سے سو سے زیادہ مختلف کام لئے جاسکتے ہیں۔

انگریزی میں سب سے پہلی جو کتاب ۱۴۷۴ء میں چھپی وہ شطرنج کے کھیل کے متعلق تھی۔

دنیا کا سب سے سرد شہر ورخویانسک مشرقی سائبیریا میں ہے سب سے زیادہ بارش کا مقام چراپونجی آسام میں ہے۔ جہاں سال بھر میں چار سو انچ بارش ہوتی ہے۔ اور کوئی ایسا دن شاذ ہی ہوتا ہوگا جب ایک چھینٹا نہ پڑ جاتا ہو۔

محمد ظفر

# بزمِ عصمت

بزمِ عصمت میں صرف وہی خطوط درج کئے جاتے ہیں جن میں نمبر خریداری کا حوالہ ہو۔ (۲) خط بہت مختصر ہو۔ (۳) وہی استفسار نہ ہو جس کے جوابات عصمت میں پہلے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ (۴) رسالہ کے انتظامی امور یا مضامین کے بارے میں کوئی بات نہ ہو (۵) علیحدہ کاغذ پر روشن سیاہی سے لکھا ہوا ہو۔

ایڈیٹر

بہن م۔ف خریداری نمبر ۴۰۴۱ نے جو سوال بزمِ عصمت میں درج کیا ہے اس کے بارے میں میرا خیال ہے کہ غالباً ڈاکٹر صاحب کو جسمانی تکلیف کچھ نہیں کچھ اور بات ہے۔ شاید انہوں نے جو زندگی کا مقصد سمجھا تھا اس میں وہ ناکامیاب ہوئے اس کا رنج ہے یا یہ کہ وہ کبھی بیمار پڑے ہوں اور آپ نے جو شفقت کا برتاؤ اس وقت کیا ہو اس کو وہ پھر چاہتے ہوں۔ یا یہ کہ آپ بچوں میں مشغول رہتی ہیں اور ان کی طرف سے لاپرواہی برتتی ہیں۔

علاج یہ ہے کہ چھٹی لیکر سیر و سیاحت کو جائیے نئے مقامات اور نئے آدمیوں میں دل بہل جائیگا۔ یا کسی سیاسی جماعت کا ممبر بننے کو کہئے بحث مباحثے میں اپنا غم بھول جائیں گے۔ مگر سب سے بہتر یہ ہے کہ آپ ان سے خوب کھل کر باتیں کریں اور انہیں بھی کھل کر بولنے کو کہیں اس طرح ان کے خاموش اور اداس رہنے کی وجہ بھی معلوم ہو جائیگی اور اس کا علاج بھی آپ سے آپ ہو جائیگا ممکن ہے آپس میں ہی کوئی ایسی بات ہو گئی ہو جس کا آپ کو احساس نہیں مگر ان کو ہے۔

خادم ع۔ب

مجھے جل نیم کی ضرورت ہے کسی بہن یا بھائی کو معلوم ہو کہ یہ بوٹی کہاں ملتی ہے اور کس رنگ و بو کی ہوتی ہے، تو براہِ مہربانی بذریعہ بزمِ عصمت لکھ کر ممنون کریں۔ خریدار ۴۹ کی خدمت میں عرض ہے کہ جس جگہ سے جھینگر دور کرنے مطلوب ہوں وہاں دو چار اندرائن کے پھل رکھ دیجئے۔ جھینگر خود بخود دور ہو جائیں گے۔ اندرائن کے پھل ڈھاک کے جنگلوں میں ملتے ہیں یہ چھوٹے لٹو کی شکل کے سرخ رنگ کے ہوتے ہیں انکو یہاں سانپ کا چارہ کہتے ہیں

زینب النساء خاتون الٰہ آباد

اگر کسی بہن کو گنے و صندل کا مربہ بنانا آتا ہو تو بذریعہ بزمِ عصمت مہربانی فرما کر مطلع فرمائیں۔ نیز میرے بھائی کی پیشانی پر روئیں بہت ہو گئے ہیں انکے دور کرنے کی ترکیب بھی ضرور لکھیں۔

مس بشرا بیگم۔ نواب گنج

ستمبر کے پرچہ میں خواہر محمودہ مہر بانو صاحبہ نے موسیقی کی کتابوں کا نام و پتہ درج کرایا ہے اس پتہ میں کچھ غلطی ہے صحیح پتہ یہ ہے "مصداق احمد اشرف میوزیکل بک ڈپو شاتھاں اسٹریٹ میرٹھ۔ یو۔پی"

معظمہ خاتون

آپ کو سنکر افسوس ہوگا کہ پچھلے ماہ ہمارے ایڈیٹر منشی دیا نرائن نگم صاحب کو دو صدمات عظیم برداشت کرنے پڑے۔ ۱۴ اگست کو ان کی اہلیہ محترمہ ۱۵ روز کی علالت میں سورگ باس ہو گئیں اور اس کے ۱۶ دن بعد اُن کی چھوٹی لڑکی صرف ۱۸ سال کی عمر میں میڈیکل کالج لکھنؤ میں داغ مفارقت دے گئی مشیت ایزدی کے سوا اور کیا کہا جائے۔

منیجر زمانہ و آزاد کانپور

منشی دیا نرائن صاحب نگم رسالہ زمانہ کے ذریعہ اُردو کی بیش بہا خدمت تہائی صدی سے کر رہے ہیں ان صدمات کا ان کے قلب پر بڑا اثر ہوگا۔ ہمیں موصوف سے دلی ہمدردی ہے اور خدا سے دعا ہے کہ انہیں ان صدمات کے برداشت کرنیکی قوت عطا فرمائے۔

ایڈیٹر

افسوس میری پیاری دادی جان اس جہانِ فانی سے ۹ رجب المرجب ۲۵ اگست ۱۹۳۹ء بروز جمعہ ہم سب کو تنہا چھوڑکر ۸۰ سال کی عمر میں ہمیشہ کے لئے دائمی مفارقت دے گئیں۔ مرحومہ اپنے شوہر کی سچی پرستار تھیں اپنی یادگار چار لائق فرزند چھوڑے ہیں جو اعلیٰ عہدوں پر مامور ہیں اور بیس پوتے ۱۲ پوتیاں دو نواسیاں ہیں۔ اپنی بہوؤں اور بیٹوں و عزیزوں سے اچھے اخلاق محبت سے پیش آتی تھیں۔

عزیز فاطمہ بیگم بلیا۔

عصمتی بہنوں کو معلوم ہو کہ انجمن اصلاح نسواں میمن خواتین بمبئی کا صنعتی اسکول عثمانیہ منزل سے پہلی سنبر کو تبدیل ہو کر مسلم امیونس بلڈنگ ہر لپہ، کمبیکر اسٹریٹ میمن محلہ میں آگیا ہے۔

سکریٹری

# دُوربین

**آخر کار جنگ** برطانیہ اور فرانس، روس کے ساتھ معاہدہ کے متعلق بات چیت کرتے ہی رہے۔ جرمنی نے جھٹ بڑھ کر اپنے اس قدیم دشمن سے دس سال کے لئے معاہدہ کر لیا اور سب دیکھتے رہ گئے۔ اس نئے معاہدہ کی رُو سے روس اور جرمنی ایک دوسرے پر حملہ نہ کریں گے اور نہ ایک دوسرے کے دشمن کا ساتھ دیں گے۔ اس کے یہ معنی تھے کہ اگر جرمنی نے پولینڈ پر حملہ کیا تو روس بیٹھا تماشہ دیکھا کرے گا۔ اور دخل نہ دیگا لیکن روس نے بھی پولینڈ پر حملہ کر دیا

جرمنی مورلویہ اور بوہیمیا میں زبردست فوجی نقل و حرکت اور تیاریاں شروع کر دیں۔۔ پولینڈ نے اپنی مشرقی سرحد پر زبردست مدافعانہ تیاریاں جاری رکھیں۔ پُلوں میں بارود کی سرنگیں بچھا دیں اور ٹینکوں کو پھانسنے کے لیے جا بجا پھندے لگا دیئے۔ انگلستان میں ریڈیم کے ذخیرے شفا خانوں سے اکٹھے کر کے ۵۰ فٹ گہرے غار میں پیتل اور فولاد کے صندوقوں میں دفن کئے جانے کا بندوبست ہونا شروع ہو گیا۔ کیونکہ بیان کیا جاتا ہے کہ ۲۰ گرام ریڈیم پر بم گر جائے تو اس سے ریڈیم کے ذرے جتنے حلقہ میں منتشر ہوں گے وہاں کئی سال تک موت کا جال بچھ جائے گا۔ یہ ذرّے اگر اپنا پورا اثر دکھائیں تو ہزاروں کو ہلاک کر سکتے ہیں۔ اور اس علاقہ کو برسوں تک جانداروں کے رہنے سہنے کے ناقابل بنا سکتے ہیں

برطانیہ کی پولینڈ کے معاملہ کو سلجھانے کی کوششیں بیکار گئیں۔ پولینڈ کی سرحد پر کئی جگہ فریقین میں چھیڑ چھاڑ کے واقعات ہونے لگے۔ برطانیہ نے اپنے باشندے جرمنی سے بلا لیئے۔ مگر جرمنی نے جرمن باشندے انگلستان سے نہیں بلائے جرمنی کے سفیر مقیم لندن نے کہا کہ ابھی اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر ہٹلر نے بیان شائع کیا کہ ڈانزگ اور سمندر تک پہنچنے کا تنگ قطعہ زمین ۱۹۱۸ء میں جرمنی سے زبردستی الگ کیا گیا وہ جرمنی کا ہے اور اُسی کا ہو کر رہے گا۔ پولینڈ راضی ہو جاتا مگر برطانیہ کے بل بوتہ پر وہ اکڑ رہا ہے۔

طرفین کی فوجوں کی نقل و حرکت شروع ہو گئی۔ برطانیہ نے ایسے نازک وقت میں بھی امن کی کوشش کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ لیکن جرمنی نے یکم ستمبر کو صبح کے چھ اور سات بجے کے درمیان الٹی میٹم دیئے بغیر پولینڈ پر حملہ شروع کر دیا جو مشرقی پرشیا۔ سلیشیا اور سلاویکیا سے کیا گیا ہے۔ برطانیہ اور فرانس نے جرمنی کو الٹی میٹم دیئے کہ وہ پولینڈ کے خلاف اپنی فوجی کارروائی بند کر دے۔ ورنہ جنگ شروع کر دی جائیگی۔ ہٹلر نے جرمن پارلیمنٹ میں تقریر کی کہ کل تک پولینڈ والے جرمنی کی سرحد میں داخل ہو کر جرمنوں پر حملہ کر رہے تھے۔ آج جرمن ان کے گھروں میں پہنچ کر ان کو ان کے کئے کی سزا دے رہے ہیں ہٹلر نے اپنا جانشین مارشل گوئرنگ مقرر کر دیا اور اُس کے مارے جانے کی صورت میں ہر ہیس کو جرمنی کا حاکم مقرر کیا۔ مسولینی کو ہٹلر نے تار دیا کہ جرمنی اکیلا پولینڈ کی لڑائی کو سر کرے گا۔ اس کی امداد کی ضرورت نہیں۔ چونکہ جرمنی نے پولینڈ سے فوجیں نہیں ہٹائیں اس لئے فرانس اور برطانیہ نے جرمنی کے خلاف جنگ شروع کر دی۔ برطانوی وزارت بدل گئی۔ مسٹر چرچل وزیر جنگ بنا دیئے گئے۔ جرمنی نے انگلستان کے شمال مغرب میں ۲۰۰ میل کے فاصلہ پر بحر اوقیانوس میں ایک جہاز پر تارپیڈو مار کر غرق کر دیا۔ اس جہاز میں ایسے مسافر تھے جو یورپ سے جنگ کے خوف سے بھاگ کر امریکہ جا رہے تھے۔ اس کے مقابلہ میں انگریزوں نے ۶۰ لاکھ اشتہار جرمنی کے مختلف علاقوں میں پھینک کر جرمن والوں کو بتایا کہ جنگ کس قسم کی ہے اور انہیں کس

دھوکہ میں رکھا جا رہا ہے۔ انگریزوں کو جرمنی کے باشندوں سے کوئی پرخاش نہیں۔ برطانیہ نے جرمنی کے جنگی بیڑے پر حملہ کرکے اس کے تین جہاز غرق کر دیئے۔ جرمنی کے باشندوں میں اس جنگ کے شروع ہونے سے کوئی ولولہ پیدا نہیں ہوا۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ کے اعلان پر وہ جوش سے نعرے لگایا کرتے تھے۔

سیجفرڈ دیوار کو جس پر فرانس وانگلستان نے حملہ کرنا شروع کر دیا ہے۔ جرمنی کے ایک انجینیر نے ناقابل تسخیر بنایا ہے۔ اس کی تعمیر میں کل جرمنی کی ایک تہائی سیمنٹ ملانے والی کلیں استعمال کی گئیں۔ جنہوں نے ۶۰ لاکھ ٹن سیمنٹ ملایا۔ گویا سارے جرمنی کے سیمنٹ کا ⅓ سے زیادہ حصہ اس میں کھپا۔ ۱½ کروڑ مکعب فٹ لکڑی اس میں لگی۔ جرمنی کی ریلوں نے ۸ ہزار گاڑیاں مصالحہ سے بھری وہاں پہنچائیں۔ ۱۵ ہزار لاریاں جرمنی کے ہر طرف سے منگا کر اس کے کام میں لگائی گئیں۔ ۳۰ لاکھ خاردار تار کے پیچ نصب کئے گئے۔ ٹینکوں کو پھانسنے کے پھندے بیشمار لگائے گئے۔ ۶۔ اکتوبر ۱۹۳۸ء سے ۰۰۰ ۲ ۳ ۵ سے زیادہ آدمیوں نے ان استحکامات پر کام کیا۔ ان میں سے ۹۰ ہزار لشکری انجینیر اور ایک لاکھ مزدور فوج کے آدمی تھے۔

جرمنی کی فوجیں شروع میں پولینڈ کے اندر تک گھس گئیں مگر پولینڈ نے جم کر مقابلہ شروع کر دیا تو اس کی پیشقدمی رک گئی۔ مغرب کی طرف انگریزوں اور فرانسیسیوں نے حملہ شروع کر دیا۔ جرمنی کے باشندوں میں جنگ سے بے اطمینانی پائی جاتی ہے۔ برطانیہ کے جملہ مقبوضات نے جنگ میں پوری پوری مدد دینے پر آمادگی ظاہر کی ہے۔ پولینڈ بڑی پامردی سے جرمنی کا مقابلہ کر رہا تھا کہ روس نے بھی پولینڈ پر حملہ کر دیا۔ پولینڈ اب تقریباً کل مفتوح ہوگیا۔ اور روس جرمنی میں منقسم ہوگیا۔

## بنگال میں زنانہ تعلیم

صوبہ بھر میں لڑکیوں کے ہر قسم کے تعلیمی اداروں کی تعداد ۳۸-۱۹۳۷ء کے آخر میں پہلے کے مقابلہ میں ۱۷۸۸۵ سے گر کر ۱۷۱۰۵۶ رہ گئی اس کی وجہ یہ ہے کہ کفایت شعاری اور مرکزیت کے خیال سے بہت سے مدرسے دوسروں سے ملا دیئے گئے ہیں۔ طالبات کی تعداد ۹ ۷ ۴ ۹ ۵ ۵ کے مقابلہ میں ۵ ۶ ۰ ۱ ۰ ۱ ہوگئی۔ ان لڑکیوں کی تعداد جو زنانہ مدرسوں میں اور لڑکے لڑکیوں کے اجتماعی مدارس میں زیر تعلیم سے مارچ ۱۹۳۸ء میں ۹۲ ۶ ۳ ۷ تھی۔ لڑکیوں کے آرٹ کالج جماعت ہی رہے بڑھے نہیں۔ البتہ ان کی طالبات ۱۰۵۴ سے بڑھ کر ۱۲۵۱ ہوگئی۔ ان کے علاوہ ۳۴۵ لڑکیاں مردانہ کالجوں اور یونیورسٹی کی بی اے میں تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔ صنعتی اور کاروباری قسم کے مدارس ۵۹ سے ۶۷ ہوگئے۔ انھوں نے ۱۳۱۷۴ طالبات کو تعلیم دی۔ ان مدارس کی بیشتر تعداد عیسائیوں کے ہاتھ میں ہے جو مختلف قسم کی کشیدہ کاری خیاطی وغیرہ سکھاتے ہیں تاکہ لڑکیاں خود پیٹ پال سکیں۔ ہر قسم کے مسلمان طلبا کی تعداد ۱۱۰ ۵۶ ۱۰ سے بڑھ کر ۷۷۸۸۰۱ ہوگئی۔ ان میں ۳ ۵ ۵ ۲ ۹ ۳ ۱ لڑکے اور ۷ ۵ ۸ ۲ ۲ ۴ لڑکیاں تھیں۔ مسلمان طلباء کی تعداد سال ماسبق کے ۹ ۱ ۵ کے مقابلہ میں ۷ ۵ ۲ ۵ تھی۔ اس سال مسلمان لڑکیوں کی تعداد ۳۹۸۹۴ سے ۴۱۷۰۵۵ تک بڑھ گئی۔

## تاروں کا جھرمٹ

ایک آئرش عورت بڑی مشکل سے زندگی کے دن کاٹتی تھی۔ لیکن اب اسے چھپر پھاڑ کر قدرت نے دولت دی۔ اس کا چچا لاولد مرگیا اور اس کی آٹھ ہزار پونڈ کی جائداد اسے مل گئی۔

ایک ہئیت داں نے ۲۸۷ نئے دُمدار تارے دوربین کے ذریعہ دریافت کئے ہیں۔ ان میں سے اپریل گذشتہ میں ۸۰ اور مئی اور جون میں ۱۰۲ تارے دریافت کئے۔ ان میں سے ایک ۱۵ ارب میل زمین سے دور ہے۔

ڈیوک آف ونڈسر سابق شاہ انگلستان وطن پہنچ گئے ہیں۔ شاہ جارج ششم نے انھیں میدان جنگ میں شرکت کرنے کے لئے فوج کا میجر بنا دیا ہے۔ خیال ہے کہ یا تو وہ مصر گئے یا ہندوستان۔

# بہو بیٹیوں اور بہنوں کے لئے نعمتِ لازوال

بہ خوشی شب برات و رمضان المبارک سب بہنوں کو مجرب بے ضرر اور زود اثر ادویات ذیل کی لاگت پر جو قریب ایک تہائی کے ہے ۳۱ اکتوبر ۱۹۳۹ء تک دی جائینگی۔ لہٰذا ضرورتمند بہنیں اس سنہری موقع سے جلد مستفید ہوں اور دوسری بہنوں کو بھی اس نادر موقع کی اطلاع دیں۔

۱۔ **عصمتی بہو بیٹیوں اور بہنوں کے لئے حبوب حسن و ملائمت (بیوٹی پلز)** - بہو بیٹیو! میری عمر اس وقت قریب پچاس سال کے ہے۔ تم اگر مجھے دیکھو تو ۲۵ یا ۳۰ سال سے زیادہ کبھی نہ بتلاؤ گی۔ اس کا کیا سبب۔ ایک سفر میں میری ایک ترکی بہن نے بمت ہم گئی انہوں نے بروقت علیحدگی مجھے یہ تحفہ عنایت کیا۔ جس کو میں ہر ماہ بیس یوم استعمال کرتی ہوں۔ اکثر زنانہ اخباروں میں دیکھتی ہوں کہ پوڈر اور کریم وغیرہ کا ہمارے ملک میں خصوصاً بہو بیٹیوں میں بیحد رواج ہے جو اپنے شوہروں کے دام بے دریغ اُن فضول چیزوں پر خرچ کرتی رہتی ہیں جس سے قدرتی خوبصورتی کا ملک پانی ہو کر چہرے کا رنگ بالکل سفید پڑ جاتا ہے اور چہرہ بدنما ہو جاتا ہے۔ جو چیز کہ میں کھاتی ہوں۔ اُس کا کھلا نسخہ اپنی بہو بیٹیوں اور بہنوں کے لئے بالکل مفت کئی بار شائع کروا چکی ہوں اپنے گھر میں بنالو۔ اور استعمال کرو تاکہ تم یہ نہ سمجھو کہ یہ نسخہ غلط ہے۔ کم از کم تین ماہ تو ضرور استعمال کرنی چاہئے۔ (اگر کوئی بہو بیٹی نہ بنا سکے تو میرے پاس سے نمونے کو دو روپے کی ایک ماہ کے استعمال کی گولیاں یعنی بیوٹی پلز منگا کر امتحان کر سکتی ہو)۔

۲۔ **سفید بالوں کو سیاہ کرنے کا بے ضرر تیل** - یہ تیل سفید بالوں کو سیاہ کر دیتا ہے خصوصاً وہ جو قبل از وقت سفید ہو گئے ہوں یا ہو رہے ہوں۔ اس کے استعمال سے سفید بال سیاہ ہو جاتے ہیں اور پھر سیاہ ہی نکلتے ہیں۔ بڑے تجربوں اور جانفشانی کے بعد بڑے بڑے قیمتی اجزا سے تیار ہوتا ہے۔ کم از کم ایک ماہ ضرور استعمال کرنا چاہئے۔ لاگت فی بوتل جو ایک ماہ کے لئے کافی ہے ساڑھے تین روپے+

۳۔ **سر دھونے کا سفوف سکاکئی** - یہ سفوف بھی نہایت اعلےٰ چیز ہے۔ اس سے سر دھونا چاہئے تاکہ بال مضبوط لمبے اور چمکدار ہو جائیں۔ بال گرتے ہوں تو وہ فوراً بند ہو جائینگے۔ لاگت اڑھائی روپے۔ ایک ماہ کے لئے۔ یہ دونوں یعنی تیل اور سفوف ضرور استعمال کرنے چاہئیں۔ مرد بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

۴۔ **عنبری لوشن** - یہ نہایت معطر اور زود اثر اور مفید لوشن ہے جو چہرے کے بدنما داغوں، کیلوں، مہاسوں، جھائیوں اور چہرے کی سیاہی کو دور کر کے اسے صاف، ملائم اور خوبصورت کرتا ہے۔ لاگت فی شیشی ایک روپیہ چند ۵ آنے+

۵۔ **ادبٹن خاص** - یہ ادبٹن چہرہ اور جسم کی تمام جلد کو نکھار کر صاف، ملائم اور معطر بنا دیتا ہے۔ خشکی بالکل نہیں ہونے دیتا۔ غسل کے نہایت مفید معطر اور عجیب چیز ہے۔ لاگت ایک روپیہ فی کورس+

۶۔ **اکسیر ٹھر وال** - اس اکسیر کے استعمال سے دوئیں کی نکلنی ہو جاتی ہے۔ پھر کبھی نہیں نکلتا۔ کوئی نشان یا داغ دھبہ چہرے پر نہیں پڑتا بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ لاگت دو روپے

۷۔ **غازہ دافع ٹھر وال** - یہ غازہ اکسیر وال کے ہمراہ استعمال ہوتا ہے ان دونوں کا استعمال لازم و ملزوم ہے۔ لاگت فی کورس دو روپے۔

۸۔ **حبوب عنبری** - اس کے استعمال سے بڑھا ہوا پیٹ بالکل اصلی حالت میں بلا کسی دقت کے ہو جاتا ہے۔ مجرب ہے۔ لاگت تین روپے تین ۳ آنے+

۹۔ **اکسیر النساء** تمام اندرونی نقائص درد، سوزش، درد کمر، ورم پیڑو، پنڈلیوں کا درد، چہرے کی زردی، پیٹ پھرنے، سانس کا پھولنا، طبیعت کی سستی غرضیکہ سب کو دور کر دیتی ہے۔ - - - لاگت فی سیٹ سات روپیہ (سیٹ میں اکسیر النساء، تیل، ٹکیاں اور دوا وغیرہ ہونگے)+

۱۰۔ **موٹاپا** - یہ ایک بڑا موذی اور سخت تکلیف دہ مرض ہے۔ اس کو دور کرنے کے لئے مجرب، زود اثر اور بے ضرر ادویات تیار کی گئی ہیں۔ جو بلا کسی پرہیز کے بآسانی استعمال ہوتی ہیں۔ لاگت پونے چھ روپے۔

۱۱۔ **پائیوریا کی مجرب بے ضرر ادویات** - جو اپنے بے نظیر اوصاف کی وجہ سے بیحد قابل تعریف ہیں۔ ان کے استعمال سے مسوڑھوں کے پھولنا، دانتوں سے خون اور پیپ کا آنا بالکل بند ہو جاتا ہے اور دانت مضبوط، صاف اور چمکدار اور چمکدار بنتے ہیں۔ لاگت دو روپے چار آنے+

۱۲۔ **ادویات دافع کد و دانہ** - یہ مرض سخت مہلک اور تکلیف دہ ہے۔ بڑی محنت اور تجربوں سے اس کی بیخکنی کے لئے مجرب ادویات تیار کی جاتی ہیں ان کے استعمال سے بفضل خدا بالکل صحت ہو جاتی ہے۔ مجرب اور بالکل بے ضرر اور زود اثر ہے۔ لاگت ادویات تین روپے پندرہ ۱۵ آنے+

۱۳۔ **اکسیر دافع چھائیاں وغیرہ** - اس اکسیر کے استعمال سے چہرہ کی تمام چھائیاں اور داغ وغیرہ بآسانی رفع ہو کر چہرہ بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ لاگت دو روپے دس آنے۔

۱۴۔ **بواسیر خونی و بادی** - اس موذی اور تکلیف دہ مرض کی بیخکنی کرنے کے لئے مجرب زود اثر اور بے ضرر ادویات تیار کی جاتی ہیں۔ لاگت تین روپے

۱۵۔ **اکسیر حلوہ** - یہ اکسیر استعمال کرنے سے دائمی قبض کی بیخکنی ہو جاتی ہے۔ یہ دل و دماغ اور تمام اعضائے رئیسہ کو بے حد تقویت دیتا ہے۔ خونی مرد و عورت دونوں استعمال کر سکتے ہیں۔ کاروباری بھائی اور بہنیں دماغی کام کرنے والے حضرات خصوصاً ضرور استعمال کریں نہایت لذیذ۔ بالکل بے ضرر اور مجرب ہے۔ لاگت تین روپے

۱۶۔ **عورتوں کی تندرستی اور اعضا کی محافظ اکسیر منماد خاص (رسٹو)** پچاس سالہ عمر کی بہنوں کی کھوئی ہوئی جوانی واپس آ گئی۔ لاگت [illegible]

نیز جملہ پوشیدہ امراض - - - - کی بھی مجرب، بے ضرر اور زود اثر ادویات تیار کر کے دی جاتی ہیں۔ علیٰ ہذا مشورہ اور جواب طلب امور کے لئے ایک آنہ کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔ بوقت آرڈر عصمت کا ضرور حوالہ دیں۔

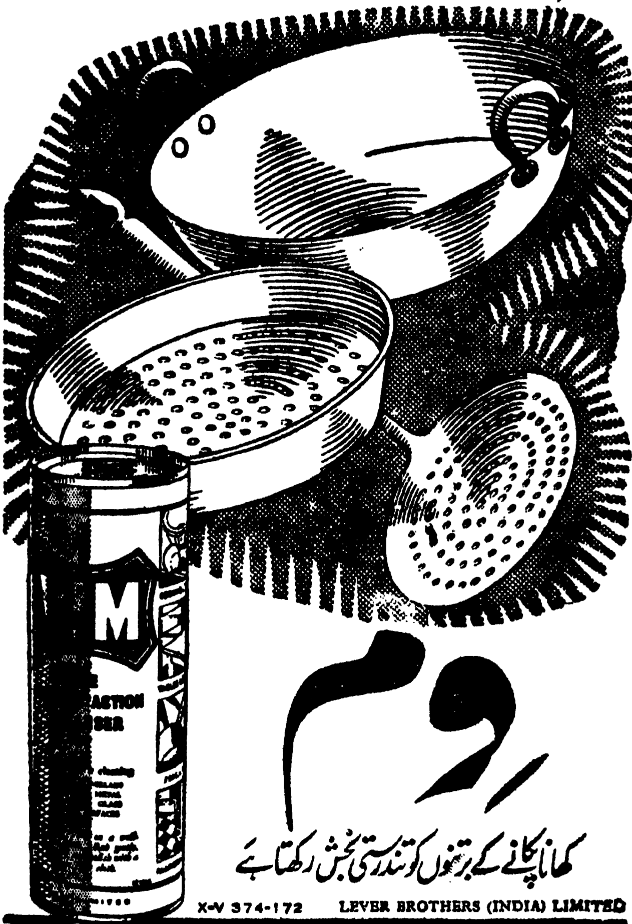
S. J. Begum. Sahiba
(Bareandra Mohlan)
KHARAR. (Ambala)

ملنے کا پتہ:- ایس۔ جے بیگم صاحبہ (مستند) کھرڑ ضلع انبالہ

# خوراک کے سڑے ہوئے ذرات سے کھانا پکانے کے برتن خطرناک ہو جاتے ہیں

اگر برتن راکھ یا ریت سے صاف کئے جاتے ہیں تو ان کی سطح کھردری ہو جاتی ہے ان کھردری جگہوں میں خوراک کے چھوٹے چھوٹے ذرات چمٹے رہتے ہیں۔ جو جلد ہی سڑ کر تمام خوراک کو زہریلا کر دیتے ہیں جس سے آپ کے کنبہ کی صحت خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔

خطرات مول نہ لیجئے۔ ہر قسم کے برتن صاف کرنے کیلئے وم استعمال کریں۔ کیونکہ وم خاص اسی کام کیلئے بنایا گیا ہے کہ خوراک کے ہر ذرہ کو نکالے اور آپکے برتنوں کو صفا اور چمکیلا کرے جس کو دیکھ کر آپ خوش ہوں۔ اس سے بڑھ کر آپ وم کو بلا خوف سامانِ چوب۔ روغنی سامان۔ منہ ہاتھ دھونے برتن۔ غسلخانہ اور ٹائیلز وغیرہ کے لئے استعمال کرسکتے ہیں کیونکہ وم کا طریقہ صفائی ہموار اور بالکل بیضرر ہے۔




X-V 374-172 LEVER BROTHERS (INDIA) LIMITED

UD

کراچی کے ایک اُستاد کو دہلی کے ایک شخص نے دوست بن کر لوٹ لیا۔ اُس کے لئے بیوی ڈھونڈنے کا وعدہ کرکے اُسے دہلی بلایا۔ رات کو مٹھائی لایا کہ یہ لڑکی والے نے بھیجی ہے اور اُس نے رشتہ قبول کرلیا ہے۔ مٹھائی کے کھاتے ہی معلم بیہوش ہو گیا اور دہلی والا پانچسو روپیہ نقد اور کل کپڑے لیکر چمپت ہوا۔ کپڑے وہ دلہن کے لئے لایا تھا۔

بمبئی میں نئے پریسیڈنسی مجسٹریٹوں کی تنخواہیں کی جانے والی ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ جب حکومت کے وزیر پانچسو روپیہ ماہوار لے رہے ہیں تو ان مجسٹریٹوں کی تنخواہیں زیادہ کیوں نہ ہوں۔

آل انڈیا ویمن کانفرنس کا جلسہ اس سال صوبجات متحدہ میں کانپور یا لکھنؤ میں ہوگا۔ بیگم حامد علی اس کی صدر منتخب ہوگئی ہیں

ایلور کے گاؤں سے ایک کمہاری کی بہادری و جواس کی خبر آئی ہے اُس نے چلیتے کے منھ سے اپنی بھیڑ چھڑالی وہ پہاڑی کے دامن میں بھیڑیں چرا رہی تھی۔ ایک چیتے نے آکر ایک بھیڑ منھ میں اُٹھالی چیخ سُن کر کمہاری نے دوڑ کر بھیڑ پکڑ لی اور اپنی پوری طاقت سے کھینچنے لگی آخر اُسے بچا لیگئی مگر خود بھی سخت زخمی ہوئی۔ بھیڑ تھوڑی دیر بعد مرگئی۔

راولپنڈی کی کمیٹی میں ایک بھنگی گیارہ روپیہ ماہوار کا ملازم تھا۔ بعد میں حکومت پنجاب نے اُسے کمیٹی کا ممبر نامزد کردیا وہاں کے بھنگیوں نے اُس کا ایک زبردست جلوس نکالا۔

کوئٹہ میں ایک مالدار ملک کے ہاں ڈاکہ پڑا۔ پولیس نے ان کے کھوج پر ان کا تعاقب کیا۔ راستہ میں بہت سے جواہرات ملے جو ڈاکو بیکار پتھر سمجھ کر پھینکتے چلے گئے تھے۔ جو مال وہ لے گئے یہ تھا۔ کپڑے برتن دو بندوقیں رائفل اور کارتوس

چین میں حال ہی میں جاپانیوں نے اخبار پیکن پاڈ کو بند کردیا جسے دنیا کا سب سے پرانا اخبار ہونے کا دعویٰ تھا یہ اخبار ۲۷۰ سال سے برابر شائع ہو رہا تھا اپنی آزادرائی اور بیخوفی کی وجہ سے اس کے کئی ایڈیٹر بادشاہ پر نکتہ چینی کرنے کے الزام میں مروائے گئے اُنکی جگہ اور نوجوان لیتے رہے اور اخبار بند نہ ہونے دیا

حکومت بہار عنقریب سو عورتوں کو بطور کانسٹبل بھرتی کرے گی تاکہ زرعی صورت حالات کی وجہ سے عورتوں نے صینہ گرہ کی تو یہ زنانہ سپاہی کام دے سکیں

لنڈن میں ایک باغ میں بجلی گرجانے سے ۲ ہلاک اور ۱۵ زخمی ہوئے ان میں زیادہ تعداد عورتوں اور بچوں کی تھی اس طوفان باد سے مختلف اضلاع اور صوبوں میں سخت نقصان ہوا اور سیلاب آگیا۔

مصطفےٰ کمال نے ایک سے زیادہ شادی کی بذریعہ قانون ممانعت کردی تھی لیکن اب حکومت ترکی نے اس قانون کو منسوخ کرکے شرع کے مطابق عدل و انصاف کی شرط کے ساتھ ایک سے زیادہ شادی کرنے کی اجازت دیدی ہے۔

برطانیہ سے ۲۲ ہوائی جہاز ترکی پہنچ گئے ہیں انکی قیمت اس قرضہ سے برطانیہ کو دیجائیگی جو موخرالذکر نے اول الذکر کو دیا ہے اب ترکوں کے پاس ۲۴ سو ہوائی جہاز ہوگئے ہیں

لڑائی کے شروع ہوتے ہی حکومت ہند نے سونے کے ملک سے باہر جانے کی ممانعت کردی ہے۔

افسوس ہے مسز عبداللہ کا علیگڈھ میں مختصر علالت کے بعد انتقال ہوگیا زنانہ کالج کی ترقی میں کا بڑا ہاتھ تھا خدا مرحومہ کو بخشے اور شیخ عبداللہ صاحب کو صبر جمیل عطا فرمائے

کرنال میں ایک آتشباز بارود کے طشلے پر چھچوندروں میں بارود بھر رہا تھا پاس ہی اُس کے دو بچے بھائی اور پڑوس کا ایک نوعمر لڑکا بیٹھے تھے ایک لڑکے کا ہاتھ حقہ کی چلم پر لگا طشلے میں جا گری فوراً شعلہ بلند ہوا اور آتشباز اور اُس کی بیوی دو بچے بھائی اور نوعمر لڑکا سب جل کر مرگئے

ترکی کابینہ نے فیصلہ کیا ہے کہ غازی انور پاشا کے تینوں بیٹوں کو جو ایک ترکی شہزادی کے بطن سے ہیں برلن سے ترکی میں واپس بلالیا جائے سب سے بڑے برلن یونیورسٹی سے طبی امتحان پاس کرچکے ہیں دوسرے ایم ایس سی ہیں۔ تیسرے نے اِسی سال انٹرنس پاس کیا ہے۔

حکومت ہند اودیہ۔ اناج اور کپڑے کے نرخ خود مقرر کریگی اور جنگ سے پہلے کی قیمت سے ۱۰ فیصدی سے زیادہ اضافہ نہ ہونے دے گی۔

امریکہ میں بجلی کے ذریعہ جلاد مجرموں کو قتل کرتا ہے اسکی جگہ خالی ہونے پر ۱۰۰ درخواستیں آئیں جن میں پانچ عورتوں کی ہیں۔ اُنھوں نے بتایا کہ ہم نے بیروزگاری کی وجہ سے درخواست دی ہے

# نانہ دستکاری کی مفید کتابیں

## جو اپنے اپنے موضوع پر بہترین تسلیم کی جا چکی ہیں

## (۱) عصمتی کروشیا

کروشیا کی شوقین بہنوں کے لئے بہترین تحفہ

یہ کتاب فن کروشیا کی مشہور ماہر محترمہ فاطمہ انور علی بیگم صاحبہ نے ترکیبیں اور ہدایات لکھ کر مرتب کی ہے۔ عصمت کی مشہور مضمون نگار محترمہ و۔ا۔ صاحبہ کی رائے ہے "یہ خوبصورت اور کامیاب کتاب بہت محنت سے مرتب کی گئی ہے"۔ محترمہ لطیف بیگم صاحبہ جن کے سلائی کے کام کے مضامین رسالہ عصمت میں خوب مقبول ہو چکے ہیں لکھتی ہیں "عصمتی کروشیا کے نقشے اس قدر صاف واضح اور آسان ہیں کہ سمجھنے میں بالکل دقت نہیں ہوتی"۔ محترمہ بلقیس بیگم صاحبہ مولفہ کروشیا کی رائے ہے "جو ہدایات دی گئی ہیں ان سے نمونے بنانے میں بہت سہولت ہو جاتی ہے"۔ دوسرا ایڈیشن نہایت آب و تاب کیساتھ بڑے سائز پر شائع ہوا ہے کاغذ دبیز۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ

| مختصر فہرست عصمتی کروشیا | | |
|---|---|---|
| بنگلہ نما گاڑی | فارم ہاؤس | گڈ نائٹ |
| ڈاک بنگلہ | مسجد کا دروازہ | امام حسین |
| آدمی مع مشک | مرغ | شیر ببر |
| کلمہ طیبہ | تاج محل آگرہ | جامع مسجد |
| ۵ نفیس لنترن | ۱۱ دلآویز جھالریں | ۶ خوبصورت کونے |
| خوش آمدید | عید مبارک | درخت نما ڈالی |
| چڑیا ڈالی پر | طرہ دان | پردار گھوڑے |
| گاڈ بلیس | راج ہنس | بچہ مع تیر و کمان |
| ایک خاتون مع پنکھا | ٹی کوزی، تولئے | گلدستے و گلدان |

## (۲) عصمتی کشیدہ

اس کتاب میں کشیدہ کاری کے نہایت اچھے اچھے نمونے دیئے گئے ہیں ضروری اور کارآمد ہدایتیں اس قدر آسان پیرایہ میں لکھی گئی ہیں کہ چھوٹی چھوٹی بچیاں بھی سمجھ سکیں ہر نمونہ کی ضروری تشریح کی گئی ہے یعنی نمونہ کس کس چیز کے لئے موزوں ہو سکتا ہے اور کس کس رنگ میں ہونا چاہیئے۔ اور کیا کیا احتیاط ضروری ہے۔ پھر نمونے شروع ہوتے ہیں، میز پوش پلنگ پوش، رومال، کرسیوں کے گدوں تکیوں کے غلاف پلنگ کی چادروں۔ پردوں وغیرہ وغیرہ کے وسط اور کونوں کے لئے مختلف قسم کے پھولوں، بوٹوں، گلدستوں وغیرہ کے کئی درجن خوبصورت نمونے ہیں۔ ان کے بعد کئی وضع کی دلآویز بیلیں پھر مختلف قسم کی کڑھت کے عمدہ عمدہ نمونے ایک درجن سے زیادہ اس کے بعد پرندوں اور چند مشہور عمارات کے خاکے غرض بچیوں کیلئے یہ کتاب بہت کارآمد ہے اور انہیں ہنرمند بنا دیگی پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا اب دوبارہ چھپی ہے قیمت ۱۲؍

## (۳) گلدستہ کشیدہ

عصمتی کشیدہ کا دوسرا حصہ

کشیدہ کاری کی اس قدر خوبصورت اور اتنی کارآمد کتاب آج تک نہیں چھپی

اس کتاب کی تیاری میں ۲۰ دستکار بہنوں نے حصہ لیا ہے۔ اور کشیدہ کاری کی مشہور ماہر محترمہ علیہ فاطمہ بیگم صاحبہ آگرہ نے نہایت محنت و قابلیت سے کتاب کو مرتب فرمایا ہے۔

کتاب کے ۱۱ باب ہیں جن کی تفصیل یہ ہے

| باب | مضمون | نمونے |
|---|---|---|
| باب ۱ | خوبصورت فریم مثلاً یا محمد، تاج محل، عید کا تحفہ وغیرہ | ۹ نمونے |
| باب ۲ | مختلف قسم کے پھولوں کونوں ڈالیوں کے | ۶۲ ،، |
| باب ۳ | مختلف وضع کے بنے پھول | ۴۴ ،، |
| باب ۴ | میز پوش چادروں وغیرہ کے کونے | ۱۹ ،، |
| باب ۵ | غلاف تکیہ وغیرہ کے خوشنما مرکز | ۱۸ ،، |
| باب ۶ | مختلف وضع کے گول پھول | ۱۱ ،، |
| باب ۷ | نیل کلاتھ۔ پلنگ کی چادریں ساری وغیرہ کی بیلیں۔ | ۱۷ ،، |
| باب ۸ | لنترشن کی بوٹیاں وغیرہ | ۸ ،، |
| باب ۹ | قمیص کے کف | ۳ ،، |
| باب ۱۰ | قمیص کرتہ بلاؤز کے گریبان | ۴ ،، |
| باب ۱۱ | متفرق، مثلاً ٹی کوزی بچوں کے بب۔ جوتہ۔ پاندان کا غلاف بائیسکل کی گدی بٹوہ وغیرہ۔ | ۱۵ ،، |

موتیوں کے کام کی طرح گلدستہ کشیدہ میں بھی پہلے نہایت کارآمد ہدایتیں ہیں پھر نمونے کے مطابق کاڑھنے کی مفصل ترکیبیں ہیں ہر چیز کا موزوں رنگ لکھ دیا ہے پھر نمونے دیئے گئے ہیں اور تمام نمونے نہایت صاف ہیں اکثر نمونے ایسے خوبصورت ہیں کہ آج تک کشیدہ کاری کی کسی کتاب میں دیکھنے میں نہ آئے ہونگے اور ترکیبیں تو اس قدر آسان ہیں کہ چھوٹی بچیاں بھی سمجھ سکتی ہیں۔ گلدستہ کشیدہ میں سب نمونے نئے ہیں یعنی جو عصمتی کشیدہ میں آ چکے ہیں وہ اس کتاب میں نہیں ہیں کاغذ خوب موٹا دبیز اعلیٰ درجہ کی چھپائی۔ ٹائٹل رنگین ضخامت ۱۲۰ صفحے قیمت عہ

## (۴) خواتین کی دستکاریاں

جو عورتیں مالی دقتوں سے پریشان ہیں جنہیں آمدنی کی کمی اور اخراجات کی زیادتی نے پریشان کر رکھا ہے وہ اگر ایک جلد منگا لیں تو گھر پر خودداری و عزت کیساتھ زندگی گذر سکتی ہیں کیونکہ اس کتاب میں نادار اور غریب عورتوں کو نہایت کارآمد بیش بہا مشورے دیئے گئے ہیں اور بہت سے کاموں کی اس قدر تفصیل بیان کر دی ہے کہ پردہ نشین عورتیں بغیر کسی کا احسان اٹھائے صرف اس کتاب کی بدولت مالی پریشانیوں کو بآسانی دور کر سکتی ہیں۔ خواتین کی دستکاریاں جہاں غریب عورتوں کو بہترین مشورہ دیگی وہاں امیر عورتوں کو بھی ہنرمند اور دستکار شعار بنا دے گی۔ قیمت آٹھ آنہ۔

ملنے کا پتہ۔ مینجر عصمت دہلی

## (۵) موتیوں کا کام

موتیوں کے کام کا شوق لڑکیوں میں روز بروز ترقی کر رہا ہے مگر یہ کام ایسا ہے کہ جب تک بتانیوالا نہ ہو سمجھ میں نہیں آتا اور جب اشارہ مل جائے تو بآسانی کیا جا سکتا ہے یہ کام ہے بھی نہایت دلچسپ اور مفید۔ غریبوں کے لئے روزی کا ذریعہ ہو سکتا ہے تو امیروں کے لئے دل بہلانے کا۔ ان ہی باتوں کو پیش نظر رکھکر یہ مفید کتاب دستکاری کی ماہر ۲۷ عصمتی بہنوں نے تیار کی ہے اور دعوی کیا جا سکتا ہے کہ موتیوں کے کام کی ایسی مفید کتاب ہندوستان بھر میں نہیں چھپی۔ اس میں مندرجہ ذیل ۲۰۶ نمونے ہیں۔

| | | |
|---|---|---|
| ۴۸ وضع کے پھول گلدستے | ۲۷ قسم کی لیس | ۳۶ جھالریں |
| ۱۳ عمدہ عمدہ فریم | ۱۱ لنترشن توری وغیرہ | ۳ جالیاں |
| ۲۵ وسیع وضع کی بیلیں | ۸ نکلس ہار | ۸ خوان پوش |
| ۹ حاشیہ کنارہ | ۲ پنکھے | ۳ منی بیگ |
| ۷ ہینڈ بیگ کے نمونے | ۶ پردے | گلاس پوش پنکھے |
| متفرق چیزیں ٹی کوزی | ہولڈر۔ سلیپر | لیمپ کے جھاڑ وغیرہ ۱۰ عدد |

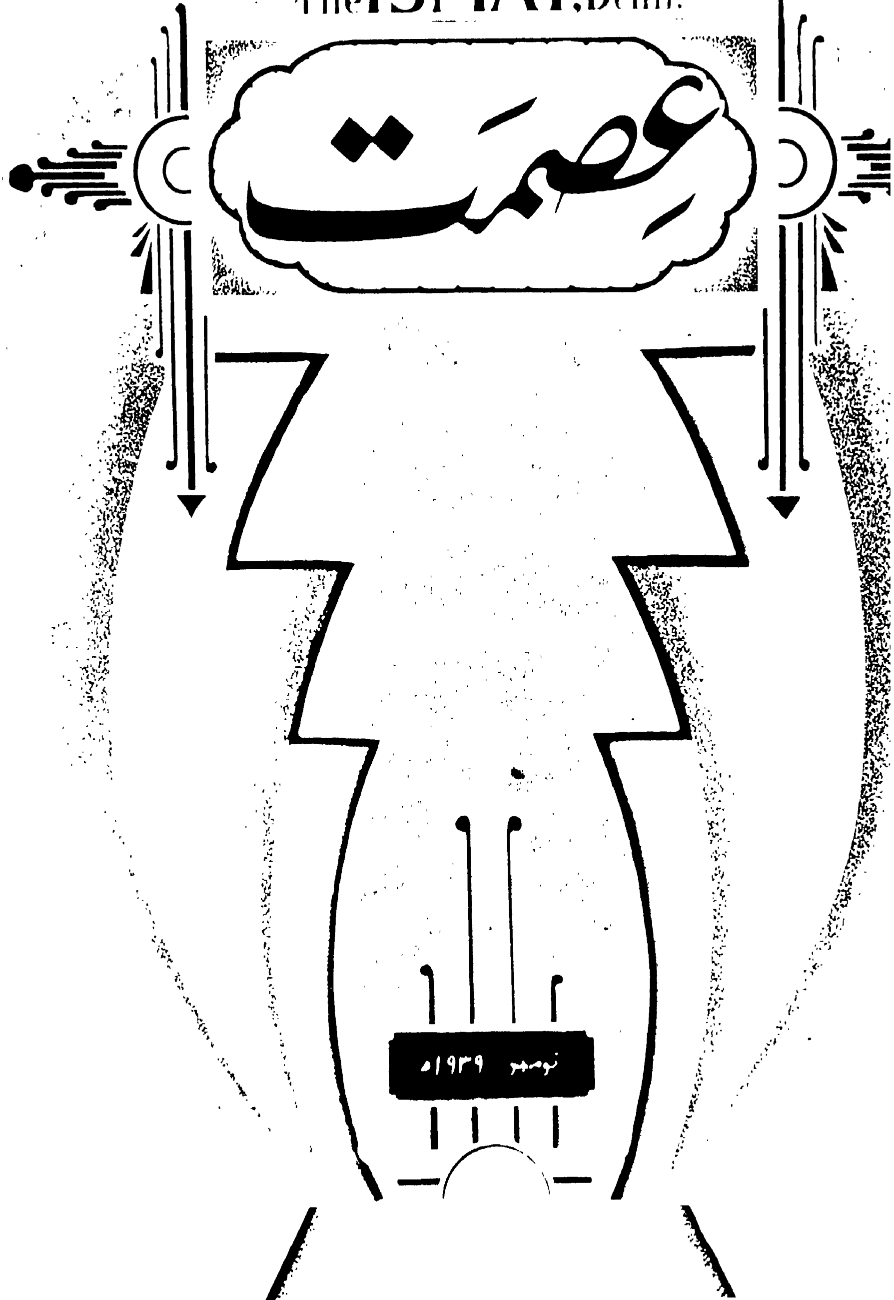
مثال کے طور پر صرف دو چیزوں کی فہرست ملاحظہ فرمائیے

| بیلیں | | لیسیں | |
|---|---|---|---|
| بلاؤز کی بیلیں ۲ | گلاب کی بیل | جگنو نما لیس | برگ نما ڈنڈی |
| آسان بیل | عینک نما بیل | کے کناروں کی لیس | واتی نما لیس |
| سادی بیل | لٹ دار ،، | کنگورے دار لیس | ہلال نما لیس |
| دوپٹہ کی بیل ۲ | چوڑی ،، | انگوٹھی دار لیس | بلاؤز کی لیس ،، |
| فراک کی ،، | گلے کی آستین کی | موسعدہ لیس | دوپٹہ کی لیس |
| ساڑھی کی ،، | دامن کی بیل | اوپر لڑیاں | لوز نما لیس |
| اوڑھنی ،، | حاشیہ کی | بوردار | سادہ لیس |
| قمیص کا گھیر | نفیس بیل | لاکٹ لڑیاں | شاہزادہ کا پائنچہ |
| | | فیروزہ کی پتلی | دلکش لیس پائنچہ |
| | | سہ لڑی۔ | چوڑی ایس اور لیس |

پہلے موتیوں کے کام کی ماہر بہنوں کے نہایت کارآمد مضامین و ہدایات درج ہیں پھر مفصل ترکیب اور ضروری ہدایات ہر نمونہ کی اس قدر آسان لکھی گئی ہیں کہ نو مشق بھی پورا فائدہ اٹھا سکتی ہیں چنانچہ بعض ترکیبیں ۲-۳ اور ۳-۴ صفحوں میں ہیں جو کہ بآسانی سمجھ میں آ جاتی ہیں تمام نمونے نہایت صاف اور خوبصورت ہیں کسی نمونے کے سمجھنے میں دقت نہیں ہوتی موتیوں کے کام کا شوق رکھنے اور یہ کام سیکھنے والی لڑکیوں اور عورتوں کے لئے اس سے بہتر ساتھی نہیں ملے گی، کاغذ خوب دبیز لکھائی چھپائی نہایت اعلیٰ ٹائٹل دو رنگ کا باتصویر خوبصورت۔ قیمت دو روپے عہ

(۶) عصمتی دستکاری
(۷) سلمہ ستارہ کا کام
(۸) نٹنگ یا بننے کی کتاب

ان کتابوں کا اشتہار کسی دوسری جگہ ملاحظہ فرمائیے۔


The ISMAT, Delhi.
عصمت
نومبر ۱۹۳۹ء

# تصانیف فخر نسواں ہند محترمہ خاتون اکرم جنت مکانی

محترمہ خاتون اکرم صاحبہ تعلیم یافتہ ہندوستانی خواتین کی محبوب ترین انشا پرداز تھیں جن کی مضمون نگاری کا ہندوستان بھر میں ڈنکا بج چکا ہے جن کے فلسفیانہ خیالات نے جن کے درد و اثر میں ڈوبے ہوئے طرز تحریر نے بڑے بڑے قابل مردوں سے خراج تحسین وصول کیا تھا۔ مشہور انگریزی روزنامہ بمبئی کرانیکل کی رائے ہے "مرحومہ خاتون اکرم نہایت اعلیٰ درجہ کا ادبی مذاق رکھتی تھیں اور اپنے خیالات و جذبات کو نہایت سادہ مگر پر زور انداز اور مختصر الفاظ میں ادا کرنے کی قدرت رکھتی تھیں" **علی گڈھ میگزین** لکھتا ہے "ان کا طرز بیان پر اثر اور دل نشین ہوتا ہے"۔ رسالہ **نورجہاں** نے لکھا تھا "مرحومہ چھوٹی سی عمر میں نہایت دانشمندانہ اور وسیع تجربہ رکھنے والی خاتون تھیں اپنی پر زور تحریر میں انسانی جذبات کی تصویر نہایت خوش اسلوبی سے کھینچتی تھیں"

## گلستانِ خاتون (۱)

محترمہ خاتون اکرم ملک کے بہترین افسانہ نگار مردوں میں بھی نہایت ممتاز درجہ رکھتی تھیں گلستان خاتون متفقہ طور پر ان کے بہترین افسانوں کا مجموعہ تسلیم کی گئی ہے۔ شہید ظلم۔ ارزدوں پر قربانی۔ انقلاب زمانہ۔ تربیت اولاد۔ طرز زندگی پیچ کی فتح۔ دوسری شادی وغیرہ۔ وہ سبق آموز موثر اور دردانگیز افسانے ہیں جو زمانہ لٹریچر میں غیر فانی درجہ رکھتے ہیں اس سے پہلے کسی ہندوستانی خاتون کے ایسے بلند پایہ افسانوں کا مجموعہ نہیں چھپا۔ **پیسہ اخبار** لکھتا ہے "یہ دلچسپ افسانے ہیں جن میں کوئی افسانہ خلاف قیاس نہیں بلکہ عین مشاہدہ اور فطرت کے موافق ہے انکی دلچسپی خاتمہ کتاب پر خود بخود مائل کرتی ہے" اخبار **ریاست** کی رائے "نہ صرف خواتین بلکہ مردوں کو بھی ان سبق آموز اخلاقی افسانوں کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے"۔ **رہنما** لکھتا ہے "ہر افسانہ اس قدر دلکش ہے کہ بغیر پورا کئے بیوی چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ یہ افسانے ہمارے موجودہ تمدن و معاشرت کی خرابیوں کی اصلاح کرنے والے ہیں" **ذوالقرنین** لکھتا ہے "ان افسانوں میں ایک خاص خوبی یہ ہے کہ جس کا کیرکٹر بیان کیا ہے، ہمیں موقع و حیثیت کے لحاظ سے زبان و لہجہ استعمال کیا گیا ہے"۔ ملک کے تمام مشہور اخبارات و رسائل نے نہایت شاندار ریو کئے ہیں کتاب کا دیباچہ مولوی راشد الخیری ایڈیٹر عصمت نے لکھا ہے تمام کتاب آرٹ کاغذ پر رنگین چھپی ہے اردو میں ایسی خوبصورت کتابیں بہت ہی کم نکلیں گی۔ ٹائٹل خوبصورت عمدہ لکھائی چھپائی قیمت ایک روپیہ چار آنہ۔ عہ مجلد عہ

## پیکرِ وفا (۲)

ایک دلآویز نتیجہ خیز افسانہ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ وفا عورت کی خلقت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور شریف بیوی اپنے شوہر کیلئے ایسی ایسی قربانیاں کر دکھاتی ہے کہ دنیا حیرت میں رہ جائے۔ رسالہ **ہمایوں** کی رائے ہے "یہ ایک کامیاب و مفید افسانہ ہے جس میں عورتوں کے اس احترام کو واضح کیا گیا ہے جس کی تعلیم اسلام نے دی ہے اندازِ بیان رقت انگیز عبارت سادہ و شگفتہ" اخبار کشمیری کی رائے "پیرایۂ بیان دلگداز ہے" اخبار **صداقت** کی رائے "پلاٹ اور کیرکٹروں کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کا افسانہ ہے" بار سوم۔ قیمت آٹھ آنے

## بچھڑی بیٹی (۳)

ایک دلچسپ سبق آموز افسانہ جو کئی زنانہ رسالوں میں شائع ہو کر بے انتہا پسند کیا جا چکا ہے۔ ایک لڑکی ماں باپ سے بچھڑ جاتی ہے اسکی جدائی میں ماں باپ کی جو کیفیت ہوتی ہے صرف کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ برسوں کے بعد وہی لڑکی اس طرح ملتی ہے کہ جنت مکانی کی بے مثل افسانہ نگاری کی داد دینی پڑتی ہے بیحد دلچسپ قصہ ہے۔ یہ بھی آرٹ کاغذ پر چھپا ہے قیمت ۶ر

## جمالِ ہمنشیں (۴)

جنت مکانی کے بے مثل ادبی مضامین کا نہایت حسین شاندار مجموعہ

اجل، عالم نزع، پھول، رمضان، وعدہ وفائی، خدا کی مصلحت، تعزیت نامہ، فانی زندگی، تغیرات زندگی، نیرنگی زمانہ، عبرت گاہ دنیا، موسم بہار، غم، ساون، عید، زندوں کی زندہ ہستی، کسی کی یاد، ہنسی مذاق، خوشی کا دن وغیرہ وغیرہ یہ وہ دلآویز مضامین ہیں جو عصمت، تہذیب، استانی، شباب اردو وغیرہ میں شائع ہو کر دھوم مچا چکے ہیں، جمال ہمنشیں کے متعلق اخبار **ہمدرد** لکھتا ہے "ان مضامین میں فلسفیانہ بحث کی گئی ہے" **انڈین ڈیلی میل** کی رائے "ان مضامین کی اردو صاف رواں ہے" رسالہ حرم کی رائے "یہ مضامین بلحاظ زبان و خیال نہایت بلند ہیں اور ان کی اشاعت اردو زبان پر بڑا احسان ہے" رسالہ ادیب لکھتا ہے "ان مضامین کی عبارت بہت فصیح و دلکش ہے" اخبار **وکیل** "جمال ہمنشیں بلاشبہ نسوانی دنیا کیلئے سبق آموز کتاب ہے" اخبار **مدینہ** کی رائے "مضامین نہایت بلند پایہ ہیں" روزنامہ انگریزی **بمبئی کرانیکل** لکھتا ہے "ان مضامین کی زبان نہایت آسان اور سادہ ہے" یہ بھی آرٹ کاغذ پر تیسری بار چھپی ہے قیمت ایک روپیہ

# تصانیف محترمہ صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ

ایم۔ آر۔ اے۔ ایس۔ لندن

## مشیرِ نسواں (۱) یا زہرہ

ایک دلچسپ اخلاقی ناول جس میں لڑکیوں کو بہت سی بہتر اخلاقی باتیں بتائی گئی ہیں۔ قصہ دلچسپ و نتیجہ خیز ہے۔ طرز ... اکابرین قوم نے جسے پڑھ کر حسب ذیل ریویو کئے تھے علامہ شبلی نے اسے پڑھ کر فرمایا تھا "یہ کتاب مخربات سے بالکل پاک ہے"۔ اخبار مشیر دکن کے ریویو کا خلاصہ "مضامین کیا بلحاظ زبان بڑی دلچسپ اور دلآویز کتاب ہے"۔ مخبر دکن ریویو "عورتوں کیلئے نہایت دلچسپ اخلاقی ناول ہے" **شوکت اسلام** کا ریویو "بے نظیر ناول ہے جس میں عورتوں کی ہر حالت اور ہر عمر کے متعلق نصائح اور معلومات کے ذخیرے دلچسپ طریقہ سے بیان کئے گئے ہیں"۔ اخبار **تہذیب نسواں** کا ریویو "اس قصہ کو مصنفہ نے نہایت دلچسپ اور پر لطف طریقہ سے بیان کیا ہے" مصنفہ کو اس تصنیف پر تمغۂ طلائی دیا گیا تھا بار سوم قیمت ۸ر

## سرگذشتِ ہاجرہ (۲)

دلچسپ اور سبق آموز قصوں کے پیرایہ میں اخلاقی و اصلاحی جواہرات کا بیش بہا ذخیرہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ازدواجی زندگی میں جو بدمزگی پیدا ہو جاتی ہے عورت انہیں کس طرح دور کر سکتی ہے۔ چار سہیلیاں ایک جگہ جمع ہو کر آپ بیتی سناتی ہیں ان میں ہاجرہ کی سرگذشت سب سے زیادہ دلچسپ اور مفید ہے اور بتایا گیا ہے کہ بیویاں بگڑے ہوئے گھر کس طرح سنوارتی اور راہ سے بھٹکے ہوئے شوہروں کو کیونکر اپنا کر لیتی ہیں۔ علامہ سر **محمد اقبال** کی رائے ہے کہ "سرگذشت ہاجرہ مستورات کیلئے نہایت مفید کتاب ہے طرز بیان بھی سادہ موثر اور دلکش ہے" **بیگم صاحبہ** سر عبد القادر صاحب بیرسٹر ایٹ لا کی رائے ہے "یہ نہایت اچھی اور دلچسپ کتاب ہے اس میں ہر قسم کے نقائص کی بڑی خوبی سے قصہ کے پیرایہ میں اصلاح کی ہے"۔ بار دوم قیمت دس آنہ۔

## موہنی (۳)

ایک اخلاقی معاشرتی افسانہ ایک شہزادی شوہر کے انتقال پر گھر بار چھوڑ کر جنگلوں میں ماری ماری پھرتی ہے، یہاں تک کہ ایران پہنچتی ہے اور وہاں عجیب طریقے سے شوہر سے ملاقات ہوتی ہے۔ ایران کی معاشرت، مہمانداری، زچہ خانہ، شادی بیاہ، رسم و رواج پر ایسی مفید معلومات کسی کتاب میں نہ ملیں گی قیمت ۔

## تحریر النسا (۴)

لڑکیوں اور عورتوں کے لئے جدید طرز پر خط و کتابت کی بے نظیر کتاب، اخلاقی و معاشرتی مذہبی سبقوں کا لاجواب مجموعہ جس میں تم کو کارآمد اور مفید بہت سی باتیں بتائی گئی ہیں۔ یہ کتاب اخلاقی اور نتیجہ خیز سبق آموز مضامین کا مجموعہ بھی ہے پڑھنے کے بعد نہ صرف ہر موضوع پر اچھے اچھے خطوط ہی لکھ سکتی ہیں بلکہ انکی معلومات میں بھی اضافہ ہوتا ہے قیمت

## معزز خواتین کی لکھی ہوئی نہایت دلچسپ اور مفید کتابیں

محصول ڈاک بذمہ خریدار

| | | | |
|---|---|---|---|
| انوری بیگم ۱۲ر | عقل کی باتیں ۸ر | خانہ داری کے تجربے ۱۲ر | تندرستی ہزار نعمت ۳ر |
| غیرت کی پتلی ۶ | ہنسی کی باتیں ۸ر | شمع خاموش (نظمیں) ۶ر | پردہ و تعلیم ۳ |
| چار رخ ۳ر | تاریخی لطیفے ۸ر | آئینۂ جمال (نظمیں) ۱۲ر | بچوں کی تربیت |
| مظلومہ قربانیاں ۸ر | خواتین اندلس ۸ر | شہیدِ وفا (افسانے) ۸ر | بچوں کی دنیا ۵ |
| | | نغمات موت (مضامین) ۳ر | مختصر دنیا ۵ |
| | | | آئینہ موز ۴ر |

**دفتر عصمت کوچہ چیلان دہلی**

سے یہ سب کتابیں شائع ہوئی ہیں



شہزادی الزبتھ "لائف سیونگ" کے مقابلہ میں





[illegible] ہوائی سٹیشن جو دوران جنگ میں ہوائی جہازوں کی مرمت کیلئے بنایا گیا ہے



شنگھائی کے بین الاقوامی علاقے میں جاپانی سپاہی ایک شخص کی جامہ تلاشی لے رہے ہیں۔ انگریز سپاہی قریب ہی کھڑا ہے





# رسالہ عصمت دہلی

بتیسواں[۳۲] سال بابت ماہ نومبر ۱۹۳۹ عیسوی جلد ۶۳ نمبر ۵

## فہرست مضامین



چندہ سالانہ پیشگی مع محصول ڈاک چار روپیہ (للعہ) ممالک غیر سے دس شلنگ

قسم خاص (آرٹ کاغذ کا ایڈیشن) دس روپے۔ رؤسا سے پچیس روپے، والیان ریاست سے سو روپے۔ ممالک غیر سے ایک پونڈ۔ فی پرچہ ایک روپیہ۔

رسالہ عصمت ہندوستان کے بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں پر میسرز اے ایچ وھیلر کے بک سٹال پر بھی ۵ ر میں ملتا ہے۔

باہتمام ابو ابن مولوی محمد امان الرحمٰن پرنٹر و پبلشر محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں چھپا

# روزہ

از حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ

سورج روزانہ نکلتا اور چھپتا ہے لیکن کس قدر خوش نصیب ہیں۔ وہ لوگ جن کے سروں پر رمضان المبارک کا سورج نکلتا اور غروب ہوتا ہے یہ وہ متبرک اور مقدس مہینہ ہے جس کے آتے ہی جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور ایک فرشتہ باآواز بلند صدا دیتا ہے کہ اے طالب خیر آگے بڑھ خدا کو راضی اور خوش کرنے کا موقعہ اس مبارک مہینہ سے بہتر اور نہیں ہے یہ وہ وقت ہے کہ ہر شخص خدا کو راضی کر سکتا ہے کیونکہ کون کہہ سکتا ہے کہ دوسرا رمضان المبارک اس کو دیکھنا نصیب ہوگا یا نہ ہوگا اور موت اس کو خدا کی رضامندی حاصل کرنے کا موقعہ دوبارہ دے گی یا نہ دے گی جمعۃ الوداع کے خطبہ میں اسی واسطے مسلمان اس پاک مہینہ کی وداع پر روتے ہیں کہ یہ نعمت ہم سے جدا ہو رہی ہے۔

روزہ کے مقاصد میں ایک مقصد یہ بھی شامل ہے کہ کھاتے پیتے لوگ بھوکے رہ کر ان مفلسوں اور غریبوں کی حالت کا اندازہ کر سکیں جن کو روٹی میسر نہیں ہوتی جب حضور اکرمؐ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے فرمایا کہ جنت کا دروازہ کھٹکھٹایا کرو تو آپ نے دریافت کیا کس طرح؟ حضورؐ نے فرمایا کہ بھوک سے یعنی دوسری تکلیفوں کی طرح بھوک بھی خدا کی طرف متوجہ کرتی ہے۔

روزہ کے تین درجہ ہیں ایک عام آدمیوں کا ایک خاص کا اور ایک خاص الخاص یعنی اخص خاص کا، عام آدمیوں کا روزہ ہمارا روزہ ہے جو ہم رکھتے ہیں خاص کا یہ ہے کہ ہاتھ پاؤں آنکھ ناک کان تمام اعضاء کا روزہ ہے اور یہ گناہ سے محفوظ رہیں۔ غیبت چوری ظلم وغیرہ اس میں شامل ہیں۔ خاص الخاص وہ ہیں۔ جو دل کو بھی اس قسم کے خیالات سے محفوظ رکھیں اور روزہ میں غیبت وغیرہ سے محفوظ رہیں۔

حضور اکرم نے فرمایا کہ روزہ میں غلط اور لغویات زبان سے نہ نکالو۔ روزہ سپر ہے اگر کوئی دوسرا ایسا کرے تو اس سے کہہ دو کہ میں روزہ دار ہوں۔ دن کو کم سونا بھی مستحب ہے تاکہ اصلی مقصد حاصل ہو اور روزہ کی تکلیف محسوس ہو

حضرت امام بصری رضؓ نے عید کے روز مسلمانوں کی ایک جماعت کو شاداں و فرحاں دیکھا۔ آپ رونے لگے اور فرمایا رمضان کا مقدس مہینہ دوڑنے کا میدان تھا کچھ اللہ کے بندے آگے بڑھ کر منزل مقصود پر پہونچ گئے۔ اور کچھ تھک تھکا کر پیچھے رہ گئے اگر آگے بڑھنے والے کو اپنا حال معلوم ہو جائے تو شادی مرگ ہو اور پیچھے رہنے والے کو اپنی خبر ہو جائے تو سر پھوڑتے پھوڑتے مرجائے۔

روزہ کی چند سنتیں ہیں۔ پہلے سحری کو دیر تک کھانا۔ دوسرے خرما اور اگر یہ میسر نہ ہوں تو پانی سے افطار

کرنا تیسرے زوال یعنی نماز ظہر کے بعد مسواک نہ کرنا، چوتھے اس ماہ مقدس میں خیرات کرنا پانچویں کلام اللہ پڑھنا
چھٹے اعتکاف کرنا۔

---

مسلمان روزہ خدا کے حکم کی تعمیل میں رکھتے ہیں۔ اور اس ثواب کی توقع رکھتے ہیں جو کلام الٰہی اور احادیث میں وارد ہیں۔ مگر افسوس بعض آدمی آج ایسے نیک کام کو بھی اپنی بُرائی سے خراب کر لیتے ہیں اور بجائے اس کے کہ ثواب کو اور زیادہ لطیف بنائیں اُلٹے گنہگار ہوتے ہیں۔ اور ذرا ذرا سی بات پر جھنجھلا کر آمادۂ خفا ہو جاتے ہیں۔ یہ مادہ زیادہ تر عورتوں میں ہوتا ہے اور روزہ میں وہ زیادہ تر لڑتی ہیں حالانکہ رسول اللہ صلعم نے اس کو منع فرمایا ہے۔ اس واسطے عورتوں کو مناسب ہے کہ وہ روزہ میں اپنا مزاج متحمل بنائیں اور اگر کسی کی کوئی بات ناگوار ہو تو محض روزہ کی خاطر درگزر کریں۔ اور تحمل سے کام لے کر اپنے ثواب کو اور زیادہ کریں۔ روزہ میں کسی کی غیبت یعنی بیٹھ پیچھے بُرا کہنا بہت بُرا ہے۔ حدیث شریف میں اس کو بھی منع کیا ہے مگر بعض عورتیں اس پر بھی غور نہیں کرتیں روزہ دار عورتوں کو مناسب ہے کہ وہ روزہ میں کسی کے بیٹھ پیچھے اُس کی بُرائی نہ کریں۔ بلکہ روزہ کا وقت اچھی اچھی باتیں میں گذاریں۔ خانہ داری کے انتظام شوہر اور بچوں کے کام بھی عورتوں کے واسطے ثواب کا ذریعہ ہیں اور غیبت وغیرہ سے ہزار درجہ بہتر۔ اس مہینہ میں زکوٰۃ کا ادا کرنا بہت ثواب ہے کیونکہ ہر نیکی قبول ہوتی ہے۔ د سنہ ۲۶ء

# ۱۵ ر نومبر ۳۹ء

کو خواتین ہند کی محبوب ادیبہ محترمہ خاتون اکرم کے انتقال کو پندرہ سال ہو جائیں گے۔ جنت مکانی کی یاد تازہ رکھنے کے لئے اُن کے اور اُن کی تصانیف کے متعلق مضامین اور نظمیں نومبر کے عصمت میں بارہ سال تک شائع ہوتی رہیں۔ لیکن اب تین چار سال سے رسالہ جوہر نسواں میں شائع ہوتی ہیں جو مرحومہ کی مستقل یادگار ہے اور جس سے ہزاروں دستکار خواتین مستفید ہو رہی ہیں۔ خاتون اکرم مرحومہ نے چھوٹی سی عمر میں اردو ادب اور طبقۂ نسواں کی وہ شاندار خدمات انجام دی تھیں جن کے عشر عشیر کا دعویٰ بھی لمبی لمبی عمریں گذار کر بہت سے ادیب نہیں کر سکتے مرحومہ نے عورتوں کی مظلومیت پر خون کے آنسو بہائے تھے اور حقوق نسواں کی حمایت میں ایسے ایسے موثر مضامین لکھے تھے جنہوں نے بڑے بڑے قابل مردوں کو انگشت بدنداں کر دیا تھا۔ اُن کی قابلیت کا مخالفین نے بھی جو قوم کے لئے مایۂ ناز افراد میں سے تھے اعتراف کیا تھا۔

مجھے امید ہے عصمتی بہنیں نومبر کی ۱۵۔ تاریخ یاد رکھیں گی اور اس دن اپنی محسن بہن کی پاک روح کو دو ایک پارے کلام مجید کے تلاوت فرما کر ثواب پہونچائیں گی۔

رازق الخیری

# رمضان میں سب سے اچھا کام

رمضان کا مبارک اور بزرگی والا مہینہ آن پہنچا۔ کیسی عجیب بات ہے کہ مذہب کے ارکان خمسہ میں سے جو رکن دوسرے ارکان کے مقابلہ میں نسبتاً سخت اور صبر آزما ہے وہی سب سے زیادہ مقبول بھی ہے۔ جاہل سے جاہل دیہاتی جو نماز کا نام بھی نہیں جانتے۔ جنہوں نے تمام عمر بھی سجدہ نہیں کیا۔ روزہ کے شیدا نظر آتے ہیں۔ خواہ اگر کسی سبب سے روزہ نہ بھی نہ رکھیں تو رمضان اور روزہ دار کا احترام اس خلوص اور عقیدت مندی سے کریں گے کہ دیکھنے والے کا ایمان تازہ ہو جائے۔ سخت جاڑوں کے موسم میں فجر کی نماز پڑھنے والے آپ کو جتنی تعداد میں نظر آتے ہیں سخت سے سخت گرمی میں روزہ رکھنے والے یقیناً اس سے چوگنی تعداد میں مل جائیں گے اس فرق کی وجہ جا ہے کچھ ہی ہو تاہم یہ خوشی کی بات ہے کہ مسلمان اپنے مذہب کے کم از کم ایک رکن سے اس درجہ محبت و عقیدت رکھتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس کا افسوس بھی ہوتا ہے۔ کہ باوجود اس احترام و شیفتگی کے بہت کم لوگ ایسے ہیں جو صحیح معنوں میں روزہ کا مقصد سمجھتے اور اس سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

روزہ دراصل ہماری جسمانی بیماریوں کا بہترین علاج ہے۔ ہم کو بتایا گیا ہے کہ جہاں روزہ کی حالت میں تمام عبادات اور نیکیوں کا ثواب معمول سے دس گنا بڑھ جاتا ہے وہاں منہیات کے ارتکاب کا گناہ بھی دس گنا بڑھ جاتا ہے۔ مگر کتنے لوگ ایسے ہیں جو اس حکم سے واقف ہیں یا اگر واقف ہیں تو عمل بھی کرتے ہیں۔ جھوٹ دغا فریب دھوکہ نہ سہی کم از کم لڑائی جھگڑا بدزبانی اور چڑچڑے پن کو لوگ اپنا مذہبی اور اخلاقی حق سمجھنے لگتے ہیں میں ایسے کئی گھروں سے واقف ہوں جہاں بیبیاں سخت تنگ آکر منتیں مانتی ہیں کہ میاں کو روزہ رکھنے کی توفیق نہ ہو طرح طرح کی تدبیروں سے انہیں باز رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے کیونکہ انہوں نے روزہ رکھا اور بیوی بچوں اور غریب نوکروں کی شامت آئی۔

جسمانی فوائد کے لحاظ سے بھی روزہ بہترین چیز ہے یہ سب جانتے ہیں کہ معدہ کی خرابی تمام امراض کی جڑ ہے اور طبی تحقیقات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ روزہ رکھنا معدہ کی خرابیوں کو دور کرنے کے لئے بیحد مفید ہے۔ بشرطیکہ صحیح طریقہ پر ہو۔ لیکن سحری اور افطاری میں تکلفات کی رسم نے ہم کو اس جسمانی فائدے بھی محروم کر دیا ہے اب تو یہ ہوتا ہے کہ سحری میں بے شمار دیر ہضم اور ثقیل چیزوں جبر و کوشش کے ساتھ اس خیال سے معدہ میں بھر لی جاتی ہیں۔ کہ دن بھر فاقہ کرنا ہے کچھ کھایا نہیں تو ہمت اور طاقت کیسے رہے گی۔ چنانچہ نتیجہ کے طور پر دن بھر کھٹی ڈکاریں گرانی معدہ اور اس سے لازمی طور پر پیدا ہو جانے والا غصہ اور چڑچڑاپن ہوتا ہے۔ اور وہ ہوتے ہیں۔ اور اب بھی بس نہیں بلکہ اوقات فرصت کا بڑا حصہ افطار اور شام کے کھانے کے لئے بہترین خوش ذائقہ اشیاء کے تیار کرنے اور اس کے ذائقہ کے تصور سے لطف اندوز ہوتے ہیں

گذارا جاتا ہے۔ ادہر مغرب کی اذان ہوئی اور اُدھر وہ افطاری پر ٹوٹ کر گرے۔ گرمی کا موسم ہو تو پھر شربتوں کے اقسام اور گلاسوں کی تعداد کو نہ پوچھئے نہیں۔ اس کے بعد پھر اسی خیال سے کہ کل کے روزہ کے لئے جسم میں طاقت رہے معدہ کو آخری دور تک بھرا جاتا ہے اس حالت میں تراویح تو تراویح صرف عشار کی نماز بھی عذاب جاں ہوجاتی ہے۔ بشرماشرمی سے پڑھ تو لیتے ہیں۔ لیکن ان کا دل ہی جانتا ہوگا کہ یکس قدر بلا کی اور مصیبت کی نماز ہوتی ہے۔

اسلام ہماری روحانی اور جسمانی تندرستی اور ہمارے اندر عاجزی انکسار تحمل وبردباری غریبوں اور فاقہ کشوں کی مصیبت کا صحیح احساس اور اس کے باعث ان پر رحم وکرم کی صفت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اور ہم ہیں کہ اس کے بالکل برعکس نتائج حاصل کرتے ہیں۔ ان حرکتوں کے باعث نہ صرف ہی نقصانات ہوتے ہیں۔ بلکہ روپیہ بھی کافی ضائع ہوتا ہے۔ اس کا سب کو تجربہ ہوگا کہ رمضان المبارک میں گھر کا خرچ دوگنا نہیں تو ڈیوڑھا ضرور ہوجاتا ہے اس میں مسجدوں میں افطاری بھیجنا اور میل ملاپ والوں کے حصے بخرے بھی شامل ہوتے ہیں۔ اس میں شک نہیں آپس میں تحفے تحائف کا تبادلہ اور خیرات بڑی اچھی چیز ہے لیکن اس کا یہ طریقہ اس قدر غلط ہے کہ درحقیقت یہ روپیہ کو ضائع کرنا ہے اور اگر فارغ البالی اور خوشحالی کے زمانہ میں انسان اس طرح اپنی دولت کو ضائع کرے تو پھر ایک حد تک قابل برداشت ہوسکتا ہے لیکن گرانی اور مصیبت کے زمانہ میں تو یہ ناقابل معافی جرم ہے۔ یہ سال ہر اعتبار سے مصیبت اور ابتلار کا سال ہے آپس کے لڑائی جھگڑے خون خرابے جنگ گرانی۔ اور بیشمار مصیبتوں کے علاوہ بارش کی کمی اور کہیں بے موقع کثرت کے باعث ہندوستان کے اکثر مقامات پر سخت قحط پڑ گیا ہے۔ لہذا اس زمانہ میں جبکہ ہمارے سینکڑوں بہنیں اور بھائی بھوک اور فاقہ کی مصیبتوں سے جاں بلب ہو رہے ہیں ہم کو کیا حق ہے کہ بالکل بےضرورت بے موقع غذاؤں میں روپیہ ضائع کریں۔ پھر اس طرح سوائے نقصان کے کسی قسم کا بھی فائدہ نہیں۔

بہنوں کی خدمت میں میری استدعا ہے کہ وہ اس مسئلہ پر اپنی رحم دلی اور رقیق القلبی سے کام لے کر ضرور توجہ کریں اور کم از کم اس مصیبت کے زمانہ میں افطاری وغیرہ کے تکلف کو بہت کم کردیں۔ اور اسی روپیہ سے مصیبت زدوں کی مدد کریں۔ کاش آج یہاں کوئی اسلامی بیت المال ہوتا اُس صورت میں اکثر مصیبتیں حل ہوجاتیں۔ انجمنیں بھی ہماری کچھ زیادہ قابل اعتماد نہیں اس لئے بحالت موجودہ زیادہ آسان شکل جو کسی نہ کسی حد تک ضرور مفید ہے۔ یہ ہو کہ ہم اس بچائے ہوئے روپے سے سب سے پہلے اپنے غریب اور حقیقتاً واجب الرحم رشتہ داروں کی مدد کریں اور خوش قسمتی سے رشتہ دار ایسے نہ ہوں تو اپنے محلہ میں سے ایسے واجب الرحم غربا کو تلاش کرکے اپنی استطاعت کے مطابق دو ایک کا خرچ معمولی طریقہ پر اپنے ذمہ لے لیں۔ اگر آپ اس روپیہ سے ان کے لئے کسی معمولی تجارت کا سرمایہ فراہم کرسکیں تو بہت ہی بہتر صورت ہوگی۔ نہ ہوسکے تو کم از کم دو مہینہ کی غذا کی طرف سے ہی انہیں بےفکر کردیجئے۔ یہ ایک سب سے اچھا کام اور بڑی زبردست نیکی ہوگی۔ کیونکہ آج کل خصوصاً دیہات کے غربا کی حالت اس قدر دردناک ہے کہ شہروں کی رہنے والی خوشحال بہنوں کے تصور تک میں نہیں آسکتی۔ خدا ہم سب کو نیکی اور اعمال صالحہ کی توفیق دے۔ آمین۔

دُردانہ

# بے کار چیزیں

از محترمہ شائستہ اختر بانو سہروردیہ بی اے آنرز مقیم لندن

یہ سلیقہ کی نشانی سمجھی جاتی ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ چیز بھی پھینکی نہ جائے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ کبھی اس کی بھی ضرورت ہو۔ اس لئے اکثر بیویاں ٹین کے خالی ڈبے۔ بوتلیں۔ اخبار کے کاغذ۔ پرانے رسالے پھٹے کپڑے غرض کوئی چیز جو ظاہر میں بیکار ہوتی ہے۔ رکھ چھوڑتی ہیں۔ اس طرح بیکار چیزوں کے جمع کرتے رہنے سے گھر میں فضول جگہ رُکتی ہے۔ صفائی کے وقت دوگنا وقت لگتا ہے اور اس طرح بیکار چیزوں کا انبار لگے رہنے سے جب کسی چیز کی واقعی ضرورت ہوتی ہے تو وہ بھی آسانی سے نہیں ملتی۔

مہینہ دو مہینہ میں ایک دفعہ بیکار چیزوں کو چھانٹ کر پھینک دینا یا ان میں سے جو چیز کسی اور کے کام آسکتی ہے اسے دے دینا بھی خانہ دار بیوی کے ایک مقررہ کاموں میں سے ہونا چاہیئے۔

سب سے زیادہ اور جلد جلد جمع ہونے والی چیز آج کل کے گھروں میں کاغذات ہیں۔ عموماً ہر گھر میں ایک دو اخبار تین چار رسالے آتے ہیں۔ گھر کے تمام لوگوں کے پاس خط بھی برابر آتے رہتے ہیں۔ دعوتی رقعے۔ عید کارڈ۔ اشتہار غرض بیسیوں قسم کے کاغذ روزانہ آتے ہیں اور اگر ان کو کم سے کم مہینہ میں ایک دفعہ چھانٹ کر پھینکا نہ جائے تو بہت جلد ایک انبار جمع ہو جائے۔ لیکن اکثر گھروں میں اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جاتی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طاقوں پر اور دروازوں میں۔ الماریوں کے اندر اور آتش دان کے اوپر جدھر دیکھو کاغذ ہی کاغذ نظر آتے ہیں۔ صبح کی ڈاک آئی اس کو دیکھ کر وہیں چھوڑ دیا۔ ماما کھانے کے برتن لگانے آئی۔ تو اس نے میز پر سے اُٹھا کر طاق پر رکھ دیا۔ کنگھی کر رہی ہیں کہ ماما نے آکر کوئی رسالہ دیا اس کو وہیں بیٹھے بیٹھے پڑھا اور سنگار میز کی دراز میں ڈال دیا۔ رسالے کے ساتھ ہی جو خط آئے تھے وہ بھی اس کے اندر رکھ دیئے۔ اب دو چار دن بعد جواب لکھنے بیٹھی ہیں۔ تو وہ خط نہیں ملتا۔ یا کوئی سہیلی آئیں اور انہیں دوسری سہیلی کی بھیجی ہوئی تصویریں دکھانی ہیں تو وہ نہیں ملتیں۔ کہیں جانا ہے تو وہ دعوتی رقعہ نہیں ملتا جس میں پتہ اور وقت لکھا ہے۔ ان کو اتنے کاغذوں اور اخباروں کے اندر سے ڈھونڈ نکالنے میں بھی وقت چاہیئے۔ غرض جس وجہ سے چیزیں پھینکی نہیں جاتیں کہ شاید ان کے اندر کوئی کام کی چیز ہو۔ وہ مطلب بھی ایسے بے دیکھے بھالے انبار لگا کے رکھنے سے حاصل نہیں ہوتا۔ یہ مطلب تب ہی حاصل ہو سکتا ہے جب کہ صرف ان چیزوں کو۔ جو کبھی کام آسکتی ہیں۔ چھانٹ کر الگ کر لیا جائے اور بیکار چیزیں پھینک یا دے دی جائیں۔ اب کاغذوں کی قسم کو لیجئے۔ ان میں بعض تو شروع سے ہی کام کی نہیں ہوتیں۔ جیسے اشتہارات۔ ان کو دیکھ کر ہی ردی کی ٹوکری میں ڈال دینا چاہیئے۔ بعض کاغذات اس قسم کے ہوتے ہیں جن کو چند دن رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً خطوط جن کا جواب دینا ہے۔ دعوتی رقعے وغیرہ کا جواب دئیے جانے یا دعوت ہو جانے کے بعد پھاڑ دینے چاہئیں۔ تیسرے قسم کے کاغذ وہ ہوتے ہیں جن کو کچھ عرصہ تک رکھے رہنا ضروری ہے۔ جیسے رسیدیں۔ پتے وغیرہ۔ یہ الگ ایک خانے یا دراز میں ڈال دینے چاہئیں۔ سننے میں اکثر یہ آتا ہے کہ اس طرح سے روزانہ ڈاک کو چھانٹنے میں بہت وقت لگے گا لیکن اگر اس کو پابندی کے ساتھ کیا جائے تو صرف چند منٹوں کا کام ہے۔ کاغذوں کو اس طرح علیحدہ رکھنے کے لئے بہترین چیز لکھنے کی ایسی میز ہے جس میں Pigeon — یعنی کبوتر کے خانے جیسے خانے بنے ہوں۔ لیکن کاٹھ کے چھوٹے چھوٹے بکسوں کی ایک قطار کو میز کے کنارے لگا دینے سے بھی یہ مطلب حاصل ہو سکتا ہے۔ ہر ڈبے پر ایک چھوٹا سا لیبل ہو۔ جیسے جواب طلب خطوط۔

بل۔ رسیدیں۔ دعوتی کارڈ۔ متفرق۔ صبح کی ڈاک دیکھ کر جو کاغذ جس تحت میں آئے اس میں رکھ دیا جائے۔ اور جب اس خط کا جواب یا اس دعوت میں شرکت ہو چکے تو اُسے پھاڑ ڈالا جائے۔

اکثر خطوط اس لئے پڑے رہنے دئے جاتے ہیں کہ ان میں کسی سہیلی کا پتہ یا کسی دکان کا پتہ لکھا ہوتا ہے یا کوئی کٹنگ ہوتی ہے ان کے لئے الگ نوٹ بک یا البم ہونی چاہیئے۔ ایک پتے کے لئے پورا خط رکھے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں اور جلدی میں وہ خط دوسرے کاغذوں کے اندر ملے گا بھی نہیں۔ پتہ ایک چھوٹی سی نوٹ بک میں لکھ دینا چاہیئے۔ پتہ لکھنے کی خاص نوٹ بک چند آنوں میں مل سکتی ہیں۔ اخبار اور رسالے بھی اسی طرح چھانٹ کر الگ کرتے رہنے سے وقت بچتا ہے۔ رسالے اکثر گھروں میں جمع کئے جاتے ہیں پر سال بھر تک ادھر اودھر پڑے رہنے سے اکثر پرچے گم ہو جاتے ہیں نہیں تو ٹائیٹل پیج خراب اور اکثر صفحے پھٹ تو ضرور ہی جاتے ہیں اس لئے ان کے لئے کتابوں کی الماری کا ایک تختہ وقف ہونا چاہیئے۔ جہاں پڑھ چکنے کے بعد وہ رکھ دئے جائیں۔ اخبار اس لئے رکھا رہنے دیا جاتا ہے کہ پارسل بنانے اور الماریوں اور طاقوں میں بچھانے کے کام آئیں گے۔ لیکن اس کام کے لئے دو چار پرچے کافی ہیں۔ پورے سال کے اخباروں کی ضرورت نہیں اس لئے ان کو بھی پڑھ چکنے کے بعد ایک مقررہ جگہ پر رکھ دینا چاہیئے اور جب یہ کافی تعداد میں جمع ہو جائیں تو اپنے نوکروں میں سے کسی کو یا کسی اور غریب کو دے دینا چاہیئے۔ کہ وہ انہیں بیچ کر چند آنے لے لے۔ یہاں انگلستان میں تو ہفتہ میں ایک دفعہ ایک آدمی پرانے اخبار وغیرہ لینے کو آجاتا ہے۔

کاغذوں کے بعد ٹین اور کارڈ بورڈ کے ڈبے خالی بوتلیں شیشیاں گھروں میں جمع رہتی ہیں۔ اس خیال کے ماتحت کبھی کام آئیں گی۔ پھر خیال تو یہ کیجئے ہر مہینہ ٹین اور ڈبے خالی ہوتے رہتے ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ان سب کو آپ کبھی بھی کام میں لاسکیں۔ ان کو بھی مقررہ طور سے بانٹتے رہنا چاہیئے۔ پرانے کپڑے یا وہ کپڑے جو خراب یا تنگ ہو گئے ہیں یہ بھی اسی امید پر رکھے جاتے ہیں کہ کبھی کام آجائیں گے۔ لیکن ان کو کبھی کام میں نہیں لایا جاتا اگر یہ دیدئے جاتے تو دوسروں کے کام آجاتے۔ ممکن ہے یہ کہا جائے بلکہ میں نے یہ عذر کئی بار سنا ہے۔ کہ جس وقت چیز بیکار ہو اس وقت اس کا لینے والا کوئی نہیں ملتا اس لیے ہم پڑا رہنے دیتے ہیں کہ جب کوئی ضرورت مند ملے تو دے دیں۔ اور یہ عذر ٹھیک بھی ہے! لیکن یہاں بھی پرانے کپڑوں کو پہلے سے علیٰحدہ نہ کر رکھنے کی وجہ سے جس وقت ان کی ضرورت ہوتی ہے تو دقت کا سامنا ہوتا ہے اور سارے بکسوں کو الٹ پلٹ کرنے کے بعد وہ کوٹ یا بنیان ہاتھ آتا ہے جس کو آپ دینا چاہتی ہیں۔ اس لئے چھانٹنے کا کام برابر کرتے رہنا چاہیئے اور جو چیزیں آپ کے کام کی نہیں ان کو نکال کر ایک علیٰحدہ بکس میں رکھ دینی چاہیئے: تاکہ جب کوئی ضرورت مند ملے تو اس کو فوراً دے سکیں۔ لیکن دیتی بھی برابر رہیں۔ ورنہ یہ ہوگا کہ ضروری اور غیر ضروری چیزیں علیٰحدہ علیٰحدہ رکھی ہوں گی۔ اور نہ آپ کا ان سے کچھ فائدہ ہوگا اور نہ دوسرے کا۔ ممکن ہے کہ چند بہنیں اس مضمون کو پڑھ کر کہیں کہ صرف بیکار چیزوں کو الگ کرنے کے لئے کون اتنا کھٹراک کرے، پابندی کے ساتھ اگر مہینہ میں ایک دفعہ گھر کی تمام چیزوں پر نظر ڈال کر بیکار چیزیں علیٰحدہ کر دی جائیں تو کچھ زیادہ وقت نہیں لگتا۔ اور کئی فائدے ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ الماری، بکس اور طاق میں فضول چیزوں سے نہیں بھرتے اور ضرورت کی چیزوں کے ملنے میں سہولت ہوتی ہے۔ دوسرے تبادلہ یا گھر کی سفیدی وغیرہ کے موقعہ پر کئی برس کی جمع کی ہوئی فضول چیزوں کے پھینکنے کا فاضل کام نہیں ہوتا۔ تیسرے وہ چیزیں جو ہمارے یہاں پڑی پڑی صرف جگہ روکے رہتی ہیں۔ دوسروں کے کام آجاتی ہیں۔

شائستہ اختر بانو سہروردیہ مقیم لندن

# اخلاقِ نبوی

ستمبر کے عصمت میں ایک نظم مندرجہ بالا عنوان سے محترمہ افسر النسا بیگم حافظہ کی شائع ہوئی ہے۔ جسے دیکھ کر حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی تحریر فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلعم وعظ عام نہیں فرما رہے تھے۔ بلکہ رؤسائے قریش کو تبلیغ اسلام کر رہے تھے اتنے میں ایک نابینا صحابی کوئی مسئلہ پوچھنے آ گئے۔ انہیں کیا خبر کہ یہاں بد دماغ امراء کا مجمع ہے جو ایک معمولی انسان کی ہمنشینی گوارا نہیں کر سکتے رسول اللہ صلعم نے محض مصلحت دینی کے خیال سے کہ ان رؤسا کا اسلام لے آنا کہیں زیادہ اہم ہے۔ بہ مقابلہ کسی مسلمان کے ایک جزئی مسئلہ سے واقف ہونے کے بے التفاتی اُن نابینا صحابی سے برتی۔ انسانی دماغ زیادہ سے زیادہ یہیں تک پہنچ سکتا تھا۔ اس پر عالم الغیب کے ہاں سے ارشاد ہوا کہ اجتہاد صحیح نہ تھا۔ نابینا صحابی اگرچہ ایک جزیہ ہی دریافت کرنے آئے تھے لیکن بہر حال طالب صادق تھے، اور منکرین قریش اگرچہ نفس اسلام کی تبلیغ ہو رہی تھی لیکن ان میں طلب کی بجائے گریز و نفرت تھی اس لئے توجہ والتفات کے باب میں حق راجح یقیناً اُن صحابی کا تھا۔

ہیضہ کا مریض اصولاً بہ مقابلہ زکام کے مریض کے طبیب کی توجہ کا یقیناً مستحق تر ہوتا ہے۔ لیکن جب ہیضہ کا مریض علاج کرانا ہی نہ چاہے اور الٹا طبیب سے بدظن ہو اور زکام والا دوڑتا ہوا آئے۔ تو حق زکام والے کا کہیں مقدم ہو جاتا ہے۔

یہ ہے صحیح تعبیر واقعہ کی جس میں نہ نابینا صحابی پر کوئی الزام کہ وہ بے وقت کیوں آئے (نابینائی خود ان کی معذوری کی دلیل ہے) اور نہ رسول کریم پر کوئی خفیف سا شائبہ الزام۔ بداخلاقی سرے سے تھی ہی نہیں۔ بے التفاتی قصداً تھی مصلحت دینی اور انسانی اجتہاد کے لحاظ سے یہی صحیح تھا۔ تنبیہ جو کچھ ہوئی۔ وہ بشری نہیں۔ الٰہی یا عالم الغیبی معیار سے ہوئی"۔

واقعہ کی اس تصحیح کے لئے ہم حضرت مولانا کے بے انتہا ممنون ہیں۔

ایڈیٹر

# ماں

سعیدہ کی شادی کو چھ سال ہو چکے تھے۔ خورشید کی بہار محبت نے اس کے چھوٹے سے گھر کو فردوس منظر بنا دیا تھا۔ فاروق اور نیر اس فردوس محبت کے دو پھول تھے جو سعیدہ کے لئے تسکین دل اور خورشید کے لئے سکون نظر تھے۔ فاروق چار سال کا تھا اور نیر دو کا خورشید مقامی عدالت میں ناظر تھا اور اسّی روپیہ ماہانہ پاتا تھا اس کا سینہ ایمان کی روشنی سے منور تھا اور دل میں خدا کا ڈر تھا۔ اسلامی ناموران سلف کی زندگی کے حالات پڑھ کر اس میں مجاہدانہ جوش پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے دل میں اکثر یہ خیال پیدا ہوتا کہ اسلام کا درخشاں ماضی ایک بار پھر حال ہو جاتا لیکن مفلسی اور غلامی کی آہنی زنجیروں نے اسے جکڑ رکھا تھا۔

حسن اتفاق سے بیوی بھی اُسے ویسی ہی ملی جیسی اُسے تمنا تھی۔ اسلامی تعلیم سے آشنا، حقوق زن و شوہر سے واقف، احکام الٰہی سے آگاہ اور صوم و صلوٰۃ کی پابند۔

سعیدہ کا مکان اگر ساز و سامان سے آراستہ نہ تھا تو اُسے اس کی فکر نہ تھی حسن نسوانی کے بڑھانے کے لئے اگر اُس کے پاس قیمتی زیور یا غازہ یا سنٹ نہ تھا تو اُسے اس کی مطلق ضرورت نہ تھی۔ اُس کے لئے دنیا کی تمام مسرت، راحت اور خوشیاں خورشید، فاروق، اور نیر میں سمٹ کر آ گئیں تھیں وہ فاروق کو اسلامی سورماؤں کے قصے سناتی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بہادری، فاروق اعظم کی عظمت و جبروت، حضرت خالد کی جانبازی یہ تمام واقعات اُسے بتلائے جاتے اور یہ اسی تعلیم کا نتیجہ تھا جس نے آخر کار فاروق اور نیر میں ہمت مرتضوی اور سوز صدیقی پیدا کر دیا۔ ماں اگر چاہے تو بچے کو وہ منازل ذہنی اور روحانی طے کرا سکتی ہے جس کا بدل ناممکن ہے۔ ماں ہی کی گود میں بچوں کی قسمت بنتی یا بگڑتی ہے۔ ماں کی گود پھولوں کا سیج بھی ہو سکتی ہے۔ اور کانٹوں کا بچھونا بھی۔

اسی طرح چار سال گزر گئے۔ فاروق کی عمر آٹھ سال کی تھی اور نیر کی چھ۔ قدرت نے فاروق کو ذہن رسا عطا کیا تھا۔ اس چھوٹی سی عمر میں وہ اسلامی تاریخ سے بہت کچھ واقف ہو چکا تھا۔ کلام پاک ختم کر چکا تھا۔ پانچوں وقت نماز پڑھتا۔ انگریزی تعلیم بھی ہو رہی تھی۔ تھوڑے دنوں کے بعد نیر بھی قرآن مجید ختم کرے گا۔ خورشید اور سعیدہ کی زندگی اور چین سے گزر رہی تھی۔ انہیں اپنا مستقبل بھی خوشگوار نظر آتا تھا۔ لیکن قسمت کی نیرنگیوں سے کوئی بھی واقف نہیں۔ انسان مجبور ہو جاتا۔ ہوا کا ایک جھونکا چراغ کو گل کر دیتا ہے۔ روشنی تاریکی سے بدل جاتی ہے اور اسی تاریکی میں امیدوں کا خون ہوا کرتا ہے۔ ایک دن خورشید عدالت سے لوٹا تو طبیعت کسلمند تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد طبیعت نے مالش کی تے ہوئی اور پھر دست آئے۔ سعیدہ گھبرا گئی۔ اور ڈاکٹر کو بلانے کے لئے نوکر بھیجا۔ خورشید پر غشی کی سی کیفیت طاری ہونے لگی، ہاتھ پاؤں سرد ہونے لگے۔ خورشید نے دھیمی آواز میں کہا "سعیدہ" مجھے ہیضہ ہو گیا ہے۔ بچنے کی امید نہیں۔ مگر مجھے موت کا خوف نہیں۔ میں مسلمان مرتا ہوں اور مسلمان موت سے نہیں ڈرتا۔ لیکن صدمہ اس کا ہے کہ میرے بعد تمھاری کیا حالت ہوگی۔ بچوں کی پرورش اور تعلیم کا کیا سامان ہوگا۔ میری ایک آخری التجا سُن لو اور وعدہ کرو اُسے مان بھی لو گی"۔

سعیدہ۔ رو رہی تھی لیکن طبیعت پر زور دے کر بولی "آپ کیسی باتیں کرتے ہیں"۔

خورشید: "دیر کرنے کا موقع نہیں۔ وعدہ کرو جو میں کہوں گا تم وہی کرو گی"۔

سعیدہ: "اگر مجھ سے ہو سکے گا تو میں ضرور کروں گی"۔

خورشید: "ہاں تم کر سکتی ہو۔ اسلام تمہیں اجازت دیتا ہے میرے بعد تم دوسرا نکاح کر لینا"۔

سعیدہ۔ خاموش تھی لیکن اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

خورشید: "تم چپ کیوں ہو؟ بولو سعیدہ جواب دو۔ اگر تم نے دوسری شادی نہیں کی تو میری روح قبر میں بھی بے چین رہے گی" سعیدہ نے دل کڑا کرکے کہا "اس کا وعدہ نہیں کر سکتی"۔

خورشید: "کیوں نہیں"

سعیدہ: "اس لئے کہ اسلام اجازت دیتا ہے۔ مجبور نہیں کرتا۔ آپ بھی مجھے مجبور نہیں کر سکتے۔ مجھے اپنے بچوں کا بھی تو خیال ہے"۔

خورشید۔ اسی لئے تو کہتا ہوں۔ بچوں کی پرورش اور تعلیم میں آسانی ہوگی۔ تمہاری تنہائی بھی دور ہو جائے گی"۔

سعیدہ: "ایک مسلمان کے نزدیک موت اور زندگی میں زیادہ فرق نہیں۔ مذاقِ زندگی کی تجدید کا دوسرا نام موت ہے۔ مسلم مرتا ہے، فنا نہیں ہوتا۔ اگر خدا کو منظور ہے کہ وہ آپ کو بلالے تو موت میں بھی میں آپ کے قریب رہ سکتی ہوں"۔

خورشید: "مگر بچوں کا کیا ہوگا"؟

سعیدہ: "اس کا انتظام میں خود کر لوں گی۔ عورت مرد بھی بن سکتی ہے۔ مگر اس گفتگو سے کیا حاصل، اسے چھوڑیئے"۔

خورشید: "میرے اللہ! یہ میں کیا سن رہا ہوں۔ سعیدہ تمھیں میرا حکم ماننا پڑے گا۔ میرے بعد تمھیں دوسری شادی کرنی پڑے گی"۔

سعیدہ: "آپ کے حکم کے آگے میرا سر خم ہے لیکن ہر حکم کے آگے نہیں"۔

خورشید: "تو تم دوسری شادی نہیں کرو گی"؟

سعیدہ: "اس کا فیصلہ وقت اور مصلحت پر مبنی ہے"۔ خورشید خاموش ہو گیا اعضا ڈھیلے پڑ گئے۔ اس نے سعیدہ کو دیکھا اور پھر بچوں کو۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ سعیدہ گھبرا کر اُٹھی اور اس نے خورشید کا سر اپنی گود میں لے لیا۔ ڈاکٹر آ گئے۔ اُنہوں نے مریض کو دیکھا۔ کہا حالت تشویشناک ہے۔ نبض کی رفتار ٹھیک نہیں۔ ڈاکٹر نے انجکشن دیا لیکن بے سود۔ دل کی حرکت بند ہو گئی اور خورشید سعیدہ کی آغوشِ محبت میں جاں بحق تسلیم ہوا۔ سعیدہ کے آنسو خشک ہو گئے۔ آنکھوں تلے تتلیاں اُڑنے لگیں اور پھر چاروں طرف ہیبت ناک اندھیرا چھا گیا۔ صرف ایک ذات تھی جو رو رہی تھی۔ فاروق یتیمی کے آنسو بہا رہا تھا۔ وہی مکان، وہی اسباب، وہی صحبتیں لیکن ہر چیز پر حسرت برس رہی تھی۔ قیامت کی حسرت!

(۲)

سعیدہ حسین تھی اور جوان بھی۔ اس کا حسن فطرت کا ایک اچھوتا کارنامہ تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ زیورِ تعلیم سے بھی آراستہ تھی۔ یہ سچ ہے کہ وہ نہ مغربی تعلیم سے آشنا تھی اور نہ مغربی تہذیب سے۔ اس کی نگاہ میں یورپ کی تہذیبِ حاضرہ حرکاتِ حیوانی سے کم نہ تھی۔ وہ "چراغِ خانہ" تھی۔ اُسے "شمعِ انجمن" بننے کا شوق نہ تھا۔ پھر بھی اُس کی طرزِ رہائش سادگی اور صفائی میں آپ اپنی مثال تھی۔ اگرچہ مصیبت کا پہاڑ اس پر ٹوٹ پڑا لیکن سعیدہ کو متزلزل نہ کر سکا۔ شوقین مزاجوں نے پیام بھیجا۔ دولت و ثروت، عیش و عشرت کی رنگین تصویر دکھائی لیکن سعیدہ نے سب کو حقارت کی نظر سے ٹھکرا دیا۔ مسلمان عورت کا دل کبھی خوفزدہ نہیں ہوتا بلکہ وہ تو مصیبت میں ایک مستقل ہستی بن جاتی ہے۔ طوفانِ حوادث میں بھی وہ اپنی کشتیٔ حیات کا لنگر اُٹھا لیتی ہے اور خدا پر چھوڑ دیتی ہے۔

خورشید کو انتقال کیے کچھ مہینے سے زیادہ ہو چکے تھے۔ سعیدہ کا مختصر سرمایہ اب ختم پر تھا۔ بچوں کے تعلیم کی فکر لاحق تھی۔

ایک دن اُسے یہ معلوم ہوا کہ مسلمان بچیوں کے مدرسہ کے لئے ایک اُستانی کی ضرورت ہے۔ وہ برقع پہن کر انسپکٹر آف اسکول سے ملنے گئی۔ اور ان سے کہا کہ وہ اُس جگہ کے لئے درخواست دے کر حاضر ہوئی تھی۔

انسپکٹر صاحب نے درخواست لیتے ہوئے پوچھا "آپ کا نام"؟

سعیدہ:"میرا نام سعیدہ ہے"

انسپکٹر صاحب:"آپ کی شادی ہو چکی ہے؟"

سعیدہ:"میں بیوہ ہوں۔ میں نے درخواست میں بھی لکھدیا ہے"

انسپکٹر صاحب:"ایں! کیا کہا؟ بیوہ!"

سعیدہ:"جی ہاں۔ بیوہ ہوں۔ میرے شوہر کو انتقال کئے ہوئے چھ مہینے سے زیادہ ہو گئے"

انسپکٹر صاحب:"مجھے سخت افسوس ہے۔ آپ کے پاس کوئی تعلیمی ڈگری بھی ہے؟"

سعیدہ۔"جی نہیں۔ اگر تقرری کے لئے تعلیمی ڈگری کا ہونا ضروری ہے تو میں اپنی درخواست واپس لیتی ہوں"

انسپکٹر صاحب:"جی نہیں۔ کچھ غلط فہمی ہوگئی۔ مجھے آپ سے انتہائی ہمدردی ہے"

سعیدہ۔"آپ کی ہمدردی کا شکریہ۔ لیکن میرا یہ مقصد نہیں کہ اپنی مصیبت کی داستان سنا کر ناجائز فائدہ اٹھاؤں"

انسپکٹر صاحب:"جی نہیں ہرگز نہیں۔ مجھے اس کا یقین ہے۔ آپ کی درخواست پر غور کیا جائے گا۔ میں پوری کوشش کروں گا"

سعیدہ۔"آپ کے وعدہ کا میں تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں۔ لیکن اتنا ضرور عرض کروں گی کہ یہ جگہ مجھے اسی وقت دی جائے جب میں اس کی مستحق اور قابل سمجھی جاؤں۔ ورنہ مجھے یہ ملازمت منظور نہیں"

انسپکٹر صاحب:"جی ہاں۔ جی ہاں۔ ایسا ہی ہوگا ......... آپ مطمئن رہیں"

سعیدہ تو شکریہ ادا کرتی ہوئی چلی گئی لیکن انسپکٹر صاحب کا کچھ عجیب حال تھا انہیں آج تک ایسی عورت سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ وہ سعیدہ کا چہرہ تو نہ دیکھ سکتے تھے لیکن اس کی نشست و برخاست میں ایک خاص کشش محسوس کی۔ اس کی چال میں انہیں ایک غیر معمولی عزم نظر آیا اور اُس کے انداز گفتگو میں تمکنت، وقار اور استقلال دکھائی دیا۔ سعیدہ تو چلی گئی تھی لیکن انسپکٹر صاحب کو حیرت میں ڈال گئی تھی۔ انسپکٹر صاحب بہت کچھ پوچھنا چاہتے تھے لیکن کچھ نہ پوچھ سکے۔ سچ تو یہ ہے کہ انسپکٹر صاحب کچھ گھبرا گئے تھے۔

کچھ دنوں کے بعد یہ جگہ سعیدہ کو مل گئی اور انسپکٹر صاحب کی کوشش سے مشاہرہ بھی تیس روپیہ سے چالیس ہو گیا سعیدہ نے اس احسان سے سبکدوشی اس طرح حاصل کی کہ وہ انسپکٹر صاحب کی لڑکی کو روزانہ جا کر پڑھا دیا کرتی۔

سعیدہ۔ بچیوں کو بہت شفقت اور محبت سے پڑھاتی تھی۔ روزانہ وقت مقررہ پر اُن کے ساتھ کھیلتی تھی۔ بچیاں بھی اُس سے بہت محبت کرتی تھیں۔ فرصت کے وقت وہ انہیں دستکاری سکھاتی۔ اگر کوئی بچی بیمار پڑ جاتی تو اُسے روزانہ دیکھنے جاتی صحابیات کے واقعات بیان کرتی۔ سبق آموز قصے اور کہانیاں کہتی۔

فاروق اور نیر دونوں کا داخلہ اسکول میں ہو گیا تھا۔ فاروق چھٹے درجہ میں تھا اور نیر چوتھے میں۔ ایک دن انسپکٹر صاحب نے سعیدہ سے فرمایا کہ میں نے آپ کے دونوں بچوں کی اسکول کی فیس معاف کرا دی ہے"

سعیدہ۔ نے کہا "جناب کا شکریہ۔ لیکن فیس کیوں معاف کرا دی گئی"

انسپکٹر:"اس لئے کہ آپ کی مدد ضروری ہے"

سعیدہ:"انسپکٹر صاحب معاف فرمائیے گا۔ مجھے یہ پسند نہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ میرے بچوں کی تعلیم مفت ہو"

انسپکٹر:"مگر ذرا غور تو کیجئے ......"

سعیدہ: "قطع کلام ہوتا ہے، معاف کیجئے گا۔ میں اپنی مالی حالت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ اگر میرے بچوں سے فیس نہیں لی جائے گی تو وہ اسکول میں نہیں پڑھیں گے۔"

انسپکٹر صاحب خاموش چلے گئے اور ہیڈ ماسٹر کو لکھ بھیجا۔

اسی طرح چار سال گزر گئے۔ فاروق انٹرنس کا امتحان پاس کر گیا۔ اس کی ممتاز کامیابی کے صلہ میں اسے سرکار سے وظیفہ ملنے لگا۔ نیز سکنڈ کلاس میں تھا۔

(۳)

سنہ ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم ختم ہو چکی ہے ملت اسلامیہ کی کامل تخریب ہو چکی ہے۔ یورپی شہسوار کے گھوڑوں کی ٹاپوں نے مراقش سے لے کر ہندوستان تک تہلکہ مچا دیا۔ اسلامی عمارت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ یورپ کا مریض نیم جاں یعنی ٹرکی ہچکیاں لے رہا تھا۔ دشمن کی فوج کالی گھٹا کی طرح چھائی ہوئی تھی۔ اور ٹرکی کو حرف غلط کی طرح مٹا دینا چاہتی تھی۔ لیکن اسی عالم سکرات میں مصطفےٰ کمال نے ٹرکی میں نئی روح پھونکی۔ لیکن مریض ابھی کمزور ہی تھا کہ پھر حق و باطل میں چھڑ گئی۔ یونان نے ٹرکی پر حملہ کر دیا۔ اسلامی دنیا میں آگ لگ گئی۔ فاروق کا خون بھی کھولنے لگا جوش جہاد نے دیوانہ کر دیا۔ اور شوق شہادت نے بیقرار۔ اس سال اس نے بی اے کا امتحان دیا تھا۔ اور اسے مایۂ ناز کامیابی کی امید تھی۔ لیکن یہ خیال دل سے اس طرح غائب ہو گیا جس طرح آفتاب کی حرارت سے شبنم کا قطرہ غائب ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی ماں کے پاس گیا اور سلام کر کے بیٹھ گیا۔ سعیدہ نے اُسے مضطرب دیکھ کر پوچھا "بیٹا تم کچھ پریشان نظر آتے ہیں۔"

فاروق: "جی ہاں آپ سے ایک بات کی اجازت لینے آیا ہوں۔ یہ تو آپ جانتی ہیں کہ یونان اور ٹرکی کے درمیان جنگ ہو۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں بھی اس میں شریک ہوں۔"

سعیدہ: "اللہ اکبر! مرحبا، بیٹا مرحبا۔ شوق سے جاؤ۔ میں تمہیں خود اپنے ہاتھوں سے سنوار کر لڑنے بھیجوں گی۔ مجھے بارہا اس کا خیال آتا تھا لیکن میں یہ نہیں چاہتی تھی کہ میں خود تم سے کہوں۔ جہاد کا شوق دل میں خود بخود پیدا ہونا چاہیئے نہ کہ دوسروں کے کہنے سے"

فاروق: "میں اس وقت تک اس آگ کو سینہ میں دبائے بیٹھا تھا۔ مجھے آپ کا خیال آتا تھا۔ آپ کو تنہا چھوڑ کر جاتے ہوئے ڈرتا تھا۔"

سعیدہ: "نہیں بیٹا، تم ضرور جاؤ۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

فاروق: "آپ بھی؟"

سعیدہ: "ہاں میں بھی۔ کیوں نہیں۔ تعجب کیوں ہوا۔ کیا عورت جہاد میں شریک نہیں ہو سکتی؟"

فاروق: "جی نہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں۔ اسلام میں عورت اور مرد کا درجہ قریب قریب برابر ہے۔ اگر مرد کا مرتبہ یہ کہہ کر بڑھایا گیا کہ اللہ کے سوا اگر کسی اور کو سجدہ کرنے کی اجازت ہوتی تو عورتوں سے کہا جاتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں تو وہیں یہ بھی بتا دیا ہے کہ ماں کے قدموں کے نیچے بہشت ہے۔ ایام سلف کی بہت سی عورتیں یکتائے زمانہ گذری ہیں جن کے درخشاں کارناموں سے اسلامی تاریخ آج تک تابناک ہے اور ہر وقت بھی جب اُن کا نام لیا جاتا ہے تو ادب سے ہماری گردنیں جھک جاتی ہیں۔"

سعیدہ: "تو پھر تمہیں تعجب کیوں ہوا؟"

فاروق: "مجھے تعجب نہیں ہوا۔ لیکن ابھی تو اس کی ضرورت نظر نہیں آتی۔"

سعیدہ: "نہیں تمہارا خیال غلط ہے۔ اللہ کی راہ میں اگر مسلمان مرد کے خون کی ضرورت ہے تو وہاں مسلمان عورت بھی اپنا خون بہا

سکتی ہے۔

**فاروق**:- "اور نیر کا کیا ہوگا"

**سعیدہ**:- "وہ بھی ہمارے ساتھ چلے گا۔ وہ دوسرے کمرے میں ہے اُسے بلا لو"

فاروق اٹھ کر چلا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد نیر کے ساتھ واپس آیا۔ سعیدہ نے پوچھا "فاروق نے تم سے کچھ کہا"

**نیر**:- "جی ہاں جہاد کے لئے جانا چاہتے ہیں۔ شائد آپ بھی ساتھ چلیں گی۔ بہت لطف آئے گا بلادِ اسلامیہ کی سیر رہے گی۔ اختتامِ جنگ پر انشاء اللہ ہم لوگ مظفر و فتحمند لوٹیں گے۔ دنیا میں نام ہو جائے گا۔ ہم لوگوں کا خیر مقدم ہوگا۔ پھول نچھاور کئے جائیں گے میں تو ضرور ساتھ چلوں گا"

**سعیدہ**۔ نے نیر کی طرف خشمگیں آنکھوں سے دیکھ کر کہا "میں تمہیں جانے کی اجازت نہیں دیتی"

**نیر**:- "کیوں"

**سعیدہ**:- "اس لئے کہ تم میں سچا جوش نہیں تمھاری ہمت پست ہے تمہیں دین سے زیادہ دنیا کی خواہش ہے"

**نیر**۔ اماں جان، مجھ سے گستاخی ہوئی۔ مجھے معاف کیجئے۔ میدانِ کارزار میں میرے ہاتھ سے تلوار اُس وقت تک نہ چھوٹے گی۔ جب تک کہ زندگی کا آخری تار نہ ٹوٹ جائے"

**سعیدہ**:- "شاباش میرے بچے شاباش" اور فاروق کی طرف دیکھ کر کہا "سفر کے لئے تو روپے کی ضرورت ہوگی"

**فاروق**:- "چار سال تک جو وظیفہ مجھے ملتا رہا ہے اُس میں سے میں نے پانچ سو بچا رکھے ہیں۔

**سعیدہ**:- "میرے پاس کچھ زیورات ہیں۔ بیچ دو گے تو ہزار پانچ سو مل جائیں گے جب تمھارے والد نے انتقال کیا تو میں نے انہیں بند کر کے رکھدیا تھا۔ خیال تھا جب تمھاری شادی ہوگی تو تم دونوں کی دلہنوں کو دیدوں گی۔ لیکن اب شائد اس کا موقع نہ آئے۔ انھیں بیچ دو"

(۴)

جس مشکل اور مصیبت سے یہ تین نفوس ٹرکی پہونچے اُسے حوالۂ قلم کرنے کا یہ موقع نہیں۔ پہلے ان لوگوں پر جاسوس ہونے کا شبہ ہوا۔ لیکن ان کا بے پایاں جوش، نہ تھمنے والا ولولہ اور پر ہیبت عزم دیکھ کر فاروق اور نیر کو لڑنے کی اجازت مل گئی۔ جنگ ایک سال ملتوی رہ کر پھر چھڑ گئی تھی۔ اور اس دفعہ ٹرکی نے حملہ کیا تھا۔ دونوں طرف سے خوب نبرد آزمائیاں ہوئیں۔ فاروق اور نیر نے شمشیر زنی کے وہ وہ جوہر دکھلائے کہ تمام فوج میں دھوم مچ گئی۔ سعیدہ ان لوگوں کے ساتھ رہتی تھی اور اکثر انہیں لڑتے بھی دیکھ چکی تھی۔ ایک دن فاروق اور نیر میدان جنگ میں جانے لگے تو سعیدہ نے کہا "بیٹا زرہ اتار دو۔ اس سے یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے زرہ محافظِ جسم ہے۔ خدا سے بہتر دوسرا کون حفاظت کر سکتا ہے"۔ دونوں نے زرہ اتار دیا۔ ماں نے اُٹھ کر کمر سے تلوار لگادی اور پھر دونوں کو گلے سے لگایا۔ بچوں نے ماں کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ جانے لگے تو ماں نے کہا "میرے بچو تم اسلام کے لئے سر دینے جا رہے ہو جاؤ۔ میرے لال جاؤ میں اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ تمہیں شہادت نصیب ہو" جب فاروق اور نیر چلے گئے تو سعیدہ نے بھی اپنے بچوں کا فوجی لباس پہن لیا اور سر پر پگڑی باندھ کر اُن کے پیچھے ہولی۔ جنگ کا میدان کانپ رہا تھا۔ توپوں سے زہرہ فگاف آواز نکل رہی تھی۔ گولیاں سنسناتی ہوئی، ہوا کو چیرتی ہوئی نکل جاتی تھیں اور اگر کوئی سامنے آگیا تو وہ ڈھیر تھا۔ سعیدہ نے دیکھا ٹرکی فوج آگے بڑھنے لگی۔ بہادر ترک گولیوں سے کھیلتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ سعیدہ بھی خندق میں آگے بڑھتی گئی۔ دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوگیا۔ بندوق رکھدی گئی۔ تلوار کھینچ لی گئی۔ گھمسان

کی لڑائی شروع ہو گئی۔ سعیدہ نے دیکھا۔ فاروق تڑپ کر نرغہ سے نکلا اور پھر پھرتی سے پلٹ پڑا۔ اس کی خون آشام تلوار بجلی کی طرح چمک رہی تھی۔ جب بھرپور ہاتھ پڑا دشمن دو ٹکڑے ہو گیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ خون چاٹ چاٹ کر تلوار اور بھی پیاسی ہو گئی تھی۔ اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہوا۔ تمام رن لرز گیا۔ فوج میں غل پڑ گیا کہ دشمن بھاگ کھڑے ہوئے۔ "تعاقب کرو تعاقب"۔ آٹھ دس شخص جو اب تک فاروق کا مقابلہ کر رہے تھے گھبرا کر بھاگے اور اس طرح بھاگے جیسے کتا دم دبا کر بھاگتا ہے۔ فاروق نے ان کا پیچھا کیا۔ نیر نے دیکھ لیا اور وہ بھی ساتھ ہو گیا۔ سعیدہ تو دیکھ ہی رہی تھی۔ جن لوگوں کو فاروق نے واصلِ جہنم کیا تھا ان کی ایک تلوار اٹھا کر وہ بھی دوڑ پڑی۔ چھ سات آدمیوں نے پھر فاروق اور نیر کو گھیر لیا۔ دونوں نے وار خالی دے کر ایک ایسا ہاتھ مارا کہ تلوار گردن کو کاٹتی اور پسلیوں کو توڑتی ہوئی نکل گئی۔ دو آدمیوں کا گرنا تھا کہ دشمن پھر بھاگے۔ نیر تھک گیا تھا۔ فاروق نے اسے وہیں کھڑے رہنے کے لئے کہا۔ اور خود دشمنوں کا پیچھا کیا۔ نیر تلوار ٹیک کر وہیں کھڑا ہو گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ دنیا کے سینہ میں تلوار کی نوک چبھو کر باطل کی بوٹیاں اڑا دے گا۔ وہ فاروق کو پیچھا کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا لیکن جا نہ سکتا تھا۔ بھائی کا حکم تھا کہ وہیں کھڑے رہو۔ فاروق کی طرف نیر اس قدر انہماک سے دیکھ رہا تھا کہ اسے اس کی بھی خبر نہ ہوئی کہ پیچھے ایک دشمن گھوڑے پر سوار چلا آتا ہے۔ اس کا احساس اُسے اُس وقت ہوا جب دشمن بالکل قریب پہونچ چکا تھا۔ جیسے ہی نیر نے مڑ کر دیکھا، شہسوار نے اُس کے سینہ پر نیزہ مارا اور نیزہ مارتا ہوا نکل گیا۔ نیر نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور لڑکھڑا کر گر گیا۔ یہ دیکھ کر سعیدہ کے قدم خود بخود تیز ہو گئے۔ وہ جلد وہاں پہونچ گئی۔ زخم کاری لگا تھا۔ نیر کے سینہ سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا تھا۔ بہت سا خون نکل چکا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ سعیدہ نے نیر کا کوٹ پھاڑ کر علیحدہ کر دیا۔ اور اپنی پگڑی اتار کر نیر کا زخم کس کر باندھ دیا۔ اس کے چہرے سے گرد اور خون کے دھبے پونچھے۔ نیر نے آنکھیں کھولیں تو ماں کو دیکھا اور لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں پوچھا "اماں جان۔ آپ؟"

سعیدہ: "ہاں بیٹا میں"

نیر: "اور فوجی لباس میں۔ اچھا ہوا اماں تم آ گئیں۔ مرنے کے قبل تمہیں دیکھ لیا۔ مگر میرے زخم کو اس طرح کیوں باندھ دیا ہے ممکن ہے میں اچھا ہو جاؤں اور جامِ شہادت سے محروم رہ جاؤں"

سعیدہ: "اپنی جان بچانے کی حتی الامکان کوشش کرنی چاہیئے بیٹا"

نیر: "مگر یہ سب بے سود ہے اماں۔ موت کو چند لمحوں کا انتظار ہے۔ مگر میں اُس وقت تک مرنا بھی نہیں چاہتا جب تک بھائی نہ آ جائیں"

سعیدہ: "فاروق آتا ہی ہو گا۔ تم چپ رہو۔ بولنے سے کمزوری بڑھ جائے گی"۔ تھوڑی دیر بعد فاروق لوٹ آیا۔ مگر رینگتا ہوا گرتا ہوا۔ کھسکتا ہوا آیا اور نیر کے پہلو میں لیٹ گیا ڈوبتی ہوئی آواز میں بولا "اچھا ہوا اماں جان کہ آپ یہاں موجود ہیں۔ مجھے ڈر تھا کہ مرتے وقت آپ کو نہ دیکھ سکوں گا۔ ظالموں نے نیر کو بھی نہیں چھوڑا۔ آہ! سینہ میں شدید درد ہے۔ نیزہ اس قدر زور سے مارا کہ آدھا ٹوٹ کر سینہ میں رہ گیا۔ مگر یہ اچھا ہوا۔ خون آہستہ آہستہ نکلا ورنہ میرے لئے یہاں تک پہونچنا مشکل ہو جاتا۔ نیر اپنا ہاتھ دو"

سعیدہ نے دونوں کا ہاتھ ملا دیا اور دونوں کے ہاتھوں کے اوپر اپنا ہاتھ بھی رکھ دیا۔ دونوں بچوں نے ماں کے چہرے کو دیکھا اور ان کے لبوں پر مسکراہٹ کی جھلک دوڑ گئیں۔ سعیدہ کی آنکھوں میں آنسو کے قطرے چمکنے لگے۔ بچوں نے تعجب سے پوچھا "اماں جان، آپ رو رہی ہیں"۔ سعیدہ نے کہا "ہاں میرے لال، مگر اس لئے نہیں کہ تم میری آنکھوں کے سامنے دم توڑ رہے ہو۔ بلکہ اس لئے کہ ایسی قربانی کے لئے اب میرے پاس کوئی اور لڑکا نہیں"

فاروق: "اماں جان۔ ہم لوگوں کے قصور معاف کیجئے اور مغفرت کی دعا فرمائیے گا۔ آہ! اماں سخت تکلیف ہو رہی ہے۔ اس نیزہ کے

ٹکڑے کے ساتھ میری تکلیف بھی جاتی رہے گی۔ خدا حافظ!" فاروق نے نیزہ کو زور سے کھینچ کر پھینک دیا۔ خون کا ایک تیز دھار نکلا۔ ماں کی طرف ایک بار پھر دیکھا۔ اور موت کی آغوش میں سو گیا۔ نیر نے بھائی بھائی کہہ کر اُٹھنے کی کوشش کی لیکن گر پڑا۔ آنکھ کھلی تھی لیکن روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ سعیدہ نے نیر کی آنکھ بند کر دی۔ بچوں کو غور سے دیکھا اور بولی "میرے بچو، سو گئے دو چین سے سوؤ۔ تمہیں کوئی بھی نہ جگا سکے گا۔ یہاں تمہیں ماں کی گود سے زیادہ آرام ملے گا۔ بچپن میں مٹی کے کھلونے بناتی تھی اور اگر وہ ٹوٹ جاتے تھے تو انہیں دیکھ دیکھ کر گھنٹوں روتی تھی۔ لیکن وہ کھلونے جنہیں میں نے خونِ جگر پلا پلا کر جوان کیا تھا جن کے لئے میں جان تک دینے کے لئے تیار رہتی تھی۔ انہیں اپنی آنکھوں کے سامنے ٹوٹتے ہوئے دیکھا لیکن رو نہ سکی۔ میرے سامنے تلوار پڑی ہے دل تو چاہتا ہے اسے سینہ میں اتار لوں لیکن یہ بھی نہیں کر سکتی۔ اسلام کی خدمت کے لئے میں ابھی اور زندہ رہوں گی۔ میرے لال۔ تم موت میں بھی مہتاب سے تابندہ تر نظر آتے ہو۔ جس جگہ تم دفن ہوگے وہ خاکی شبستان نور سے معمور رہے گا۔ تمہاری قبر پر آسمان شبنم افشانی کرے گا اور ماں کی دعا نگہبانی۔"

مسز م۔ بشیر

# اگلی بیبیوں کے روزے اور عید

اللہ کیا ہوئیں وہ مسلمان بیبیاں
تھا جن کے دل میں تیرے فرائض کا احترام

وہ بیبیاں کہ جن کے دلِ دردمند کو
آتا تھا ہیں کے مژدۂ راحت مہِ صیام

جھکتی تھیں چاند دیکھ کے جو تیرے سامنے
رہتا تھا جن کو صرف تری بندگی سے کام

ہوتی تھیں ذوق و شوق سے محوِ صلوٰۃ و صوم
رو رو کے تیرے سامنے کرتی تھیں شب تمام

ہوتی تھی جب قریب خوشی یومِ عید کی
ہوتی تھیں خاص طور پہ مصروفِ انتظام

اُٹھتی تھیں بے کسوں کی اعانت کے واسطے
بھوکے تلاش کر کے کھلاتی تھیں وہ طعام

رہتی تھی جستجو کہ یتیم و یسیر انھیں
کرنے کو اپنی مہر و محبت سے شاد شام

دن رات پردے پردے میں بیواؤں کی
درکار ان کی خیر خبر صبح ہو کہ شام

اپنی ضرورتیں نہ ہوں پوری تو غم نہیں
دے دیں مگر غریب کو جو کچھ ہوں پاس دام

درماندہ و غریب و مسافر کے واسطے
موجود حسبِ مقدرت آسائشِ قیام

باایں ہمہ نمود و نمائش سے احتراز
دروازے پر ہجوم نہ انبوہ و اژدحام

جلوہ فگن نگاہوں میں ایمان کی ضیا
چہرے خدا کے نور سے مثلِ مہِ تمام

بگڑے ہوئے نصیب پہ اُلفت بھری نگاہ
ٹوٹے ہوئے دلوں سے محبت بھرے کلام

اس فکر میں تھا رازِ نہاں اُن کی عید کا
اُن کا کرم غریب کو دے عید کا پیام

تھیں وجہِ فخر و نازشِ ملت وہ ہستیاں
ہے دینِ حق کو موجبِ صد ناز اُن کا نام

اے کاش اُنھیں کا نقشِ قدم خضرِ راہ ہو
پھر اپنی بیبیاں ہوں اُسی راہ میں تیز گام

جام نوائی (بدایونی)

# خواب

خواب کی حقیقت سے یوں تو کسی کو نہ صاف طور پر انکار ہو سکتا ہے۔ اور نہ اس کو قابل اعتبار سمجھ کر ہر وہم انسان اس پر یقین کر سکتا ہے تاہم ہمارے ماحول اور اس سے متعلق واقعات جو خواب کی حالت میں منکشف ہوتے ہیں وہ زیادہ تر تخیلات کی کرشمہ کاریوں پر محمول کئے جاتے ہیں۔ مگر وہ باتیں، یا وہ منظر، جو کبھی وہم و گماں میں بھی نہ آیا ہو۔ جب خواب کی حالت میں پردۂ دماغ پر متحرک نظر آتا ہے۔ اس وقت البتہ انسانی عقل حیران ہو جاتی ہے۔ اس پر مستزاد اگر یہ وقوع پذیر ہو گئے تو انتہائی حیرت و تنگ و کا مقام ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ خواب دیکھنا پیغمبری کا ۱/۲ حصہ ہے۔ اور سچا خواب خاص طبائع کے لوگوں کو نظر آتا ہے۔ بالخصوص وہ جو یقینی رجحان رکھتے ہیں۔ اکثر ایسے صاف اور سچے خواب دیکھتے ہیں جو ان کے ماضی یا حال کی زندگی بلکہ ان کی مستقبل کے متعلق بھی انکشاف کرتے ہیں ہمارے قدامت پسند ہندوستان میں اس کو خاص اہمیت پہلے ہی حاصل تھی۔ مگر جب سے یورپین علماء اور ماہرین نفسیات اس امر سے دلچسپی لیتے ہوئے مشاہدات اور تحقیقات پر اُتر آئے۔ اس موضوع پر خاص طبع آزمائیاں ہونے لگی ہیں۔ ورنہ ہمیشہ ان باتوں کو جن کے مفہوم سے پیچیدگی مضمر ہوتی ہم یہ کہہ کر دل کو سمجھانے کے عادی تھے کہ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا۔ یعنی اس کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ چنانچہ اس موضوع پر [illegible] یونیورسٹی کے مشہور ماہر روحانیات پروفیسر فرانز مائر اپنے ایک شاگرد کا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں۔ ایک روز انہیں قریب المرگ طالب علم کے پاس جانا پڑا جو انہیں دیکھتے ہی بول اٹھا پروفیسر میں نے آپ کو ایسے وقت اس لئے تکلیف دی کہ میں نے بارہا آپ کے لکچروں کو سنا تھا۔ اور روحانی معاملات پر ان کی سرگرمیاں مجھے بہت دلچسپ معلوم ہوتی تھیں۔ میں اس کا دلی مداح تھا اب میں مر رہا ہوں۔ اور چاہتا ہوں۔ کہ وہ عجیب خواب جو میں نے دیکھا ہے۔ آپ کو معلوم ہو جائے۔ شائد وہ آپ کے تحقیقاتی سلسلہ میں مزید معلومات بہم پہونچائے۔ لہذا یہ میری کنجی حاضر ہے۔ جوں ہی میرا انتقال ہو جائے، آپ اس کنجی سے میرا سیف کھول کر وہ خط نکال لیجئے گا۔ اس کے مضامین آپ پر عجیب و غریب خواب کا انکشاف کریں گے۔ یہ ملاقات ۸۔ جون کو ہوئی۔ اُس وقت اُس نے نہایت عقل و ثبات کی حالت میں یہ بات بتائی تھی۔ ۱۳۔ جون کو انہیں یہ خبر ملی کہ اس طالب علم کا انتقال ہو گیا۔ چنانچہ پروفیسر مذکور نے اس کی آخری خواہش کے مطابق بکس کھول کر اس خط کو نکال لیا اس میں لکھا تھا:-

جیٹا۔ ۶ر جون ۱۹۳۷ء

پروفیسر مائر میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ ایک قبرستان میں ٹہل رہا ہوں اور لوح مزار کے کتبے پڑھتا جاتا ہوں۔ ناگاہ دیکھا...... کہ ایک کتبے پر میرا نام بھی کندہ ہے۔ مارے خوف کے میری گھگی بندھ گئی۔ گویا میں اسی جگہ پیوست ہو گیا۔ اس پر جا بجا سبزہ اور کاہی بھی جم گئی تھی۔ تاہم میرا نام پیدائش کی تاریخ۔ اور جائے پیدائش۔ صاف حرفوں میں نمایاں تھی۔ البتہ میری رحلت کی تاریخ پر کاہی جم جانے کی وجہ سے حروف معدوم ہو گئے تھے۔ چنانچہ میں نے اس کو کھرچ کر ہٹا دیا۔ اس وقت تاریخ رحلت ۱۳۔ جون صاف عیاں ہو گئی۔ اسی لمحہ میری آنکھ کھل گئی۔ پسینہ سے میرا سارا جسم شرابور تھا۔ اس وقت سے مجھے یہ یقین ہو گیا کہ میں ۱۳۔ جون کو مر جاؤں گا ۳۔ جون کو میں بیمار ہوا ہوں۔ اور اس لئے اسے حوالہ قلم کر رہا ہوں۔ کہ میرے مرنے کے بعد آپ اس تحریر اور شدنی واقعات سے موازنہ کر کے کسی خاص نتیجہ پر پہونچیں گے جو علم الارواح اور سائنس کی تحقیقات میں مدد دیں گے۔

یہ طالب علم ٹھیک ۱۳۔ جون کو مرا اور اسی قبرستان میں دفن ہوا لیکن بعض اوقات یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے۔ کہ جس کی نسبت تاویل ہوتی ہو اس کے بجائے کوئی دوسرا شخص ہوتا ہے۔

جمیلہ بیگم (کلکتہ)

عصمت دہلی

# چھوٹے ناگپور کی برھور قوم

صوبہ بہار میں چھوٹے ناگپور کا علاقہ زمانہ قدیم سے اس لئے مشہور ہے کہ اس کے گھنے جنگلوں اور دشوار گذار پہاڑیوں میں غیر متمدن اور جنگلی قبائل رہتے ہیں ان قبائل کے مذہبی معاشرتی اور معاشی نظامات ان کی عادات وخصلات اور رسم ورواج دلچسپی سے خالی نہیں۔ وہ انسانی تمدن کی ترقی کے مختلف درجوں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ میں اپنے شوہر کی نوکری کے سلسلہ کی وجہ سے کوئی سال بھر سے اس علاقہ میں ہوں اور ان قبائل کے آدمیوں سے ملنے جلنے اور ان کی عادات اور خصلات رسم ورواج کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا اکثر وبیشتر موقع ملتا رہتا ہے عصمتی بہنوں کے دلچسپی کے لئے میں ان قبائل میں سے سب سے غیر متمدن قبیلے کا ذکر کرتی ہوں۔

اس قوم کے لوگ برھور کہے جاتے ہیں۔ ان کی دو شاخیں ہیں۔ اتھلو اور جاگھی فطرتاً دونوں شاخیں آوارہ گرد ہیں۔ لیکن ان کی اتھلو شاخ جاگھی کی بہ نسبت زیادہ خانہ بدوش ہے۔ جاگھی عموماً ایک جگہ اکثر دس پندرہ سال تک رہ جاتے ہیں مگر اتھلو ہمیشہ ایک جنگل میں اور ایک پہاڑی سے دوسری پہاڑی پر شکار کی تلاش میں گھومتے رہتے ہیں۔ ان کی ان خانہ بدوش آبادیوں کو ٹنڈا کہتے ہیں۔ یہ قوم محض شکار پیشہ ہے۔ ان کی آمدنی کا ذریعہ جنگلی جانوروں کے چمڑے شہد جنگلی درختوں کی چھال کی رسیاں اور لکڑیوں کے معمولی گھڑے ہوئے برتن کی فروخت ہے۔ بندروں کے شکار میں یہ قوم بہت مشہور ہے اور بندر ان کی شکل دیکھ کر بھاگتے ہیں۔ برھور بندر کا گوشت بہت شوق سے کھاتے ہیں۔ نصف صدی قبل یہ اپنے مردوں کا گوشت کھاتے تھے۔ بلکہ یہاں تک مشہور ہے کہ جب ان کو مرنے کا یقین ہوجاتا تھا تو وہ لوگوں کو اپنے مرنے کے بعد آکر اپنے گوشت کھانے کی دعوت دیتے تھے باوجود اس قدر غیر متمدن ہونے کے یہ قوم دوسروں کو نقصان نہ پہنچاتی تھی۔ ان کے شکار کا ذریعہ محض رسی کی مضبوط جال لکڑی کے ڈنڈے اور کہاڑیاں ہوتی ہیں۔ یہ تیر وکمان کا استعمال بہت کم اور محض جان کی حفاظت کے لئے کرتے ہیں۔ ان کی مجموعی تعداد دو ہزار سے زیادہ نہ ہوگی۔ رنگت میں بہت سیاہ، قد میں چھوٹے، چپٹی ناکیں اور سخت گھونگر والے بال، ان کی خصوصیات ہیں، یہ لوگ چھوٹے جھونپڑوں میں رہتے ہیں جن کی دیواریں درختوں کی لکڑیوں سے بناکر اس پر مٹی لگا دیتے ہیں۔ کپڑے بھی محض بدن ڈھانکنے کی وجہ سے استعمال کرتے ہیں عورتوں کا کپڑا مردوں سے زیادہ ستر پوش ہوتا ہے چھپر درختوں کی شاخوں اور پتّوں سے بناتے ہیں۔ ایک ٹنڈا میں دس بارہ گھر سے زیادہ نہیں ہوتے۔ ہر ٹنڈا میں دو بڑی بڑی جھونپڑیاں ہوتی ہیں جن میں دس برس سے زیادہ کے لڑکے اور لڑکیاں شادی ہونے کے سن تک سوتے ہیں۔ لڑکیاں لڑکوں سے الگ اور ٹنڈا کی ایک بوڑھی بیوہ کی نگرانی میں رہتی ہیں برھور جب تک اس کی شادی نہ ہوجائے قبیلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ شادی شدہ مرد یا عورت کیریکٹر کے مضبوط ہوتے ہیں

منڈا میں ایک جھونپڑی بھوتوں اور پریتوں کی عبادت کے لئے مخصوص ہوتی ہے۔

ان کے زندگی کے ہر شعبہ پر بھوتوں اور پریتوں کا خوف غالب رہتا ہے اور ان کی ساری زندگی انہیں پریتوں کو جانوروں کی قربانیوں کے ذریعہ خوش رکھنے میں گزرتی ہے یہ گاؤں کے سردار سے جس کو نایا کہتے ہیں مخصوص ہوتا ہے۔ ہر گاؤں میں دو ایک مانی ہوتے ہیں جو ان کے خیال کے مطابق اپنی ریاضتوں کی وجہ سے ان بھوتوں اور پریتوں کی خواہشات معلوم کرنے کے بعد مقرر کرتے ہیں۔ لیکن عموماً اور بلا استثنا پہلے نایا کے سب سے بڑے لڑکے کا انتخاب ہوتا ہے۔ نایا کو ٹنڈا کی تمام باتوں پر اختیار ہوتا ہے۔ شادی بیاہ پیدائش موت اور اس قسم کے تمام دیگر معاملات اسی کی مرضی اور پسند کے مطابق انجام دیئے جاتے ہیں ایک گاؤں کو دوسرے گاؤں سے بہت کم تعلق ہوتا ہے۔ ہر گاؤں میں ایک کوتوار ہوتا ہے جو نایا کو اس کے کاموں میں مدد دیتا ہے۔ برھور عموماً شکار مجموعی طور پر کرتے ہیں اور ہر شکار کے قبل بھوتوں اور پریتوں کو کامیابی کے لئے خاص قربانیاں دی جاتی ہیں۔ نایا اور کوتوار خواہ وہ شکار میں شریک ہوں یا نہ ہوں شکار کا سب سے بڑا حصہ پاتے ہیں۔ شکار سے پہلے وہ خالی برتن دیکھنا یا دوسرے گاؤں والوں کا نام لینا بہت منحوس سمجھتے ہیں۔ تہذیب یافتہ ہندوستانی بھی ان توہمات پر اکثر ویسا ہی خیال رکھتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہماری اگلی غیر متمدن زندگی کا اثر ابھی تک بعض بعض حالتوں میں باقی ہے۔ برھوروں کے کوئی تیس چالیس خاندان ہیں اور وہ نسب انہیں سے ملاتے ہیں۔ عورتوں کی قبیلہ کی زندگی میں کوئی خاص حیثیت نہیں ہوتی اور نہ ان کو خاندان میں ترکہ ملتا ہے۔ باپ کی زندگی ہی میں لڑکوں کی شادی ہونے کے بعد اس کی جائداد بٹ جاتی ہے اور باپ کا اپنا حصہ لڑکوں کے حصہ سے کچھ کم ہوتا ہے۔ بڑے لڑکے کو سب سے زیادہ حصہ ملتا ہے اس کے بعد اس سے چھوٹے اور اس کے بعد اس سے چھوٹے کو اسی طرح سب سے چھوٹے لڑکے کو سب سے کم ملتا ہے۔ ان کے مختلف خاندان اپنی آنکھوں میں خاص اثر رکھنے والے سمجھے جاتے ہیں۔ بعض طوفان اور بعض بارش پر قابو رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

شادی بیاہ کے معاملہ میں صرف اسی امر کا خیال کرتے ہیں کہ لڑکے اور لڑکی کا خاندانی نسب ایک نہ ہو ایک ماں کے دو مختلف شوہروں سے لڑکے اور لڑکی میں ماں کے مرجانے کے بعد شادی جائز ہے۔ ماموں اور پھوپی زاد بھائی بہن بھی پھوپھی کے مرجانے کے بعد شادی کرسکتے ہیں۔ اکثر پھوپی کی زندگی میں بھی ایسی شادیاں ہوتی ہیں اور سوا روپیہ جرمانہ دینے کے بعد پھوپھی ان کے خیال میں مردہ سمجھی جاتی ہے۔ خواہ وہ زندہ ہی ہو۔ بڑے بھائی کی بیوہ پر چھوٹے بھائی کا خاص حق ہوتا ہے۔ اور اگر اس کی شادی دوسرے سے بھی ہوجائے تو دلہن کی قیمت جو عموماً نو روپیہ ہوتی ہے وہ اُسی کو ملتی ہے۔ ان کے یہاں دس طریقے سے شادیاں جائز ہیں اگر لڑکے اور لڑکی کا میل جول بہت ہو تو ان میں شادی کردی جاتی ہے۔ اگر لڑکا لڑکی چوری کے ساتھ چلی جائے۔ تو وہ شادی بھی جائز ہوتی ہے سب سے زیادہ دلچسپ طریقہ وہ ہے جس میں عورت رسماً مرد کے گھر زبردستی آکر پڑ جاتی ہے۔ رسمی طور پر اس کے ساتھ گھر والے سختی برتتے ہیں اور اس کو نکالنا چاہتے ہیں لیکن حقیقتاً اس پر مہربانی ہوتی ہے۔ اور اس کی

آؤ بھگت کی جاتی ہے۔ دوسرا زبردستی کا طریقہ یہ ہے کہ مرد جبراً لڑکی کے سر میں سیندور لگا دے ان سب حالتوں میں مرد کو دلہن کی قیمت اس کے باپ کو دینی پڑتی ہے لیکن طلاق شدہ یا بیوہ عورت کی قیمت کم ہوتی ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ لڑکے کی غربت کی وجہ سے سسر اس کو دلہن کی رقم کی قیمت قرض دیتا ہے ایسی حالت میں داماد کو اس وقت تک اپنے سسر کے گھر رہنا ہوتا ہے جب تک وہ قرض ادا نہ کر دے۔ شادی کے بعد نئے جوڑوں کو اپنی جھونپڑی بنانی پڑتی ہے اور وہ ماں باپ سے الگ رہنے لگتے ہیں۔ عورتیں ہر کام میں مردوں کا ہاتھ بٹاتی ہیں۔ شادی بیاہ مرنے جینے اور زچگی کی رسمیں ان کے یہاں بہت ہیں۔ اور دلچسپی سے خالی نہیں۔ ہماری متمدن زندگی میں بھی تقریباً وہی رسمیں ادا کی جا رہی ہیں یہ اس امر کا دوسرا ثبوت ہے کہ ہماری تربیت یافتہ زندگی ابھی تک فرسودہ اور غیر متمدن توہمات سے بری نہیں ہے۔

بیمار پڑنے پر برھور اپنے مریض کو تنہا ایک خالی جھونپڑی میں رکھتے ہیں اور علاج جادو اور سحر کے ذریعہ کیا جاتا ہے ان کا خیال ہے کہ بیماری موت اور اس قسم کی تمام آفتیں بھوتوں اور پریتوں کی ناخوشی کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ اور وہ خاص قسم کی قربانیاں چاہتے ہیں۔ مرنے کے بعد سارے گاؤں کے لوگ مل کر رسماً بلند آواز سے روتے ہیں تاکہ مردہ کو یہ خیال نہ ہونے پائے کہ اس پر کوئی رونے والا نہیں ہے، یہ اپنے مُردوں کو کبھی جلاتے ہیں اور کبھی دفن کرتے ہیں۔ زچگی کی حالت میں اگر عورت یا بچہ اکیس دن کے اندر مر جائے تو یہ دفن کئے جاتے ہیں۔ اور مدفون مردوں کے پیروں میں کانٹے چبھا دئیے جاتے ہیں۔ اور ان کی قبریں کانٹوں سے بھر دی جاتی ہیں تاکہ ان کی روحیں وہیں مقید رہیں۔ جلانے اور دفن کرنے سے پہلے مُردوں کو خوب آراستہ کیا جاتا ہے۔ اور ان کے نام پر وہ کھانے اور تمبا کو وغیرہ جو اس کو مرغوب ہوتے ہیں نیاز کرتے ہیں۔ ان کے یہاں کی موت کے بعد کی رسمیں بھی ہمارے یہاں کی رسموں سے بہت ملتی جلتی ہیں۔ ناچنے گانے کے یہ لوگ بڑے شائق ہیں۔ ان کے قصے کہانیاں خوابوں کی تعبیر پہیلیاں وغیرہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ چند پہیلیوں اور گیتوں کے نمونے پیش کرتی ہوں۔ گیت کا نمونہ یہ ہے۔

تم ناچ رہی ہو فکروں سے آزاد ہو کر + تمہارا بوڑھا آدمی گھر پہ بیمار پڑا ہے + لیکن اگر وہ مر جائے تو کون جانتا ہے + کہ تمہارا کیا حال ہوگا

دوسرا نمونہ۔ میں ایک چھوٹے جھونپڑے میں رہتی ہوں + مجھ پر جب ایک چیتا حملہ کرے گا تو اس سے کیا ہوتا ہے + میرا بیدم کا کتا (شوہر) میرے ساتھ رہے گا۔ اور میری حفاظت کرے گا۔

پہیلیوں کے چند نمونے یہ ہیں۔ نمبر۱ بتلاؤ وہ کیا ہے جو کہ گاؤں سے مٹی کھودے جاتی ہے اور ایک کھوکھلا سوراخ چھوڑ جاتی ہے۔ جواب چیونٹی

نمبر۲ بتلاؤ وہ کیا ہے جو کہ روز صبح کو تمہارے منہ پر کپڑا دھوتا ہے۔ جواب آنکھ کی بپنیاں جس طرح دھوبی اپنے کپڑے کو پٹختا ہے اسی طرح آنکھ کی بپنیاں بھی آنکھ پر آ کر گرتی ہیں۔ اور اٹھتی ہیں۔

نمبر۳ بتلاؤ وہ کونسا لڑکا ہے جو کہ صبح سویرے زمین پر لوٹنا شروع کر دیتا ہے۔ جواب جھاڑو

نمبر۴ ایک اونچی زمین میں بہت سے سارس جمع ہیں بتلاؤ کیا ہے۔ جواب بھنتے وقت بھٹے۔

ان سب باتوں سے وحشت اور جہالت کے گہواروں میں رہنے والی قوم کی بھی فطری ذہانت کا اندازہ ہوتا ہے۔

شہر بانو

# اس علم سے کیا فائدہ؟

عالم ہونا دنیا میں بہت بڑی عزت سمجھی جاتی ہے لیکن کوئی اس بات کا خیال نہیں کرتا کہ علم حاصل کرنا کیوں ضروری ہے۔ صرف اسے حاصل کر لینے سے انسان میں کونسے چار چاند لگ جاتے ہیں جب تک کہ وہ اپنے علم پر عمل نہ کرے۔ حال میں ایک کتاب میری نظر سے گزری جس میں یہ پڑھ کر حیران رہ گئی کہ "اگر صبح کو علم کا ایک باب پڑھ لے خواہ عمل کرے یا نہ کرے تو ہزار رکعت نماز پڑھنے سے بہتر ہے"۔ یہ ایک اسلامیہ اسکول کے کورس میں ہے۔ میرے نزدیک بچوں کو اس قسم کی بات بتانا گویا اُن کو جان بُوجھ کر عمل سے بے پروا بنانا ہے وہ اس سے یہی سمجھ سکتے ہیں کہ صرف علم حاصل کر لینا اچھی بات ہے عمل کرنا کچھ ضروری نہیں۔ وہ یہی کوشش کریں گے کہ بجائے ایک باب کے دو تین باب روز پڑھ لیا کریں اور زیادہ سے زیادہ ثواب کے مستحق ہو جایا کریں۔ پھر جب اتنی آسانی سے ثواب حاصل ہو سکتا ہے تو نماز پڑھنے کی تکلیف ہی کیوں اُٹھائیں۔ یہ ضرور ہے کہ علم کی رغبت دلانے کے لئے ایسی باتیں بچوں کو بتانی ضروری ہیں لیکن اس سے بھی زیادہ یہ احتیاط ضروری ہے کہ وہ محض علم ہی کو اپنی غرض وغایت نہ سمجھ لیں بلکہ ان کا مقصود وہ عمل ہونا چاہیئے جس کے لئے علم حاصل کرتے ہیں۔ اگر مذکورۂ بالا جملہ اس طرح ہوتا کہ "جو علم کا ایک باب پڑھ لے وہ ہزار رکعت نماز پڑھنے والے سے بہتر ہے کیونکہ وہ اس پر عمل کرکے خود بھی بہت کچھ فائدہ حاصل کر سکے گا اور دوسروں کو بھی گناہوں اور غلطیوں سے بچا سکے گا" تو اس کا اثر بہت اچھا ہوتا۔ میں اس کو پڑھاتے وقت کچھ دیر سوچ میں رہی کہ اس سے جو غلط اثر پڑا ہے اُسے کس طرح رفع کروں کیونکہ میرے دل میں ایسے مصنفوں کی بڑی قدر ہے جو بچوں کے لئے دینیات کی آسان کتابیں لکھتے ہیں۔ اور اُن سے اختلاف کرنا مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ آخر میں نے یہ بات اس طرح سمجھائی کہ دیکھو کہیں تم اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ صرف پڑھ لینا ہی بڑی خوبی ہے اور اس پر عمل کرنا ضروری نہیں اگر علم پر عمل نہ کیا جائے تو اس کا حاصل کرنا بیکار ہے علم حاصل کرنا صرف اسی وجہ سے فرض کیا گیا ہے کہ آدمی اس سے ہر بات کی اچھائی بُرائی سمجھنے کے قابل ہو جاتا ہے اور برائیوں کو چھوڑ کر خوبیاں اختیار کر سکتا ہے۔ پھر جب وہ خود ایسا ہو جاتا ہے تو دوسروں کو بھی اچھی باتیں بتاتا سکھاتا ہے اور جنھیں وہ خود نہیں بتاتا وہ بھی اسے دیکھ کر اسی کے طریقے اختیار کرتے ہیں تو اب تم غور کرو کہ اس کے علم حاصل کرنے سے کتنا فائدہ اس کو اور اس کے ساتھ ہی اور لوگوں کو پہونچا۔ یہ تمام باتیں ثواب کی ہیں۔ اور جب صرف علم حاصل کرنے کا اتنا زیادہ ثواب ہے تو اس پر عمل کرنے کا تو اس قدر بے شمار ثواب ہوگا جو تمھارے خیال میں بھی نہیں آسکتا۔ اور اگر اس علم پر عمل نہ کیا جائے تو کتنی گناہ کی بات ہوگی اور وہ آدمی کتنا بیوقوف ہوگا۔ جو ایسی اچھی چیز پا کر پھر اُسے کام میں نہ لائے۔ فرض کرو تمہیں زکام ہو رہا ہے اور اس کی تکلیف سے پریشان ہو۔ ایسے وقت میں تمھیں ایک نسخہ کہیں سے مل گیا جس میں

بہت اچھی اچھی دوائیں لکھی ہوئی ہیں۔ اور ان کو تیار کرنے اور کھانے پینے کا طریقہ بتادیا گیا ہے۔ جب تم نے اس کو پڑھ لیا تو تمھیں اس بات کا علم ہوگیا کہ زکام کیسے جاسکتا ہے لیکن محض اس علم سے تمہیں کیا فائدہ۔ جب تک کہ تم اُس پر عمل نہ کرو یعنی یہ کہ دوائیں منگاکر انھیں بھگو و جوش کرو اور چھان کر پیو تب ہی تو زکام اچھا ہوگا۔ یہ تو ہرگز نہیں ہوسکتا کہ تم اس نسخے کو پڑھ کر اچھی ہوجاؤ۔ پڑھنا کیسا اگر تم اسے رٹ کر حفظ کرلو۔ اور ہر وقت وظیفہ کی طرح پڑھے جاؤ۔ تب بھی زکام ویسا کا ویسا ہی رہے گا۔ اس میں ذرا بھی فرق نہ ہوگا اور جو کوئی تمھاری ایسی باتیں دیکھے یا سنے گا وہ ہنسے گا کہ کیسی بیوقوفی ہے بھلا جو کام کرنے کا ہے وہ صرف پڑھنے سے کیسے ہوسکتا ہے۔ اچھا اب فرض کرو تم نے اپنے علم سے ٹھیک ٹھیک فائدہ اُٹھایا یعنی دوا بنائی اور پی کر اچھی ہوگئیں اب جن لوگوں نے تم کو یہ کرتے دیکھا وہ بھی سیکھ گئے کہ جب زکام ہو تو یہ کرنا چاہیئے اور تمھیں تو خود اس کا تجربہ ہی ہوگیا ہے۔ جب تم یا وہ لوگ جنھوں نے تم کو دیکھ کر سیکھا ہے کسی کو زکام میں مبتلا پائیں گے تو ضرور اسے بھی بتادیں گے کہ اس اس طرح یہ دوا تیار کرکے پی لو اچھے ہوجاؤ گے۔ اس طرح خیال کرو کہ یہ نیکی کی بات کہاں سے کہاں تک پہونچے گی اور اس کی وجہ سے تمھیں اور ہزاروں آدمیوں کو ثواب بھی ملے گا اور فائدہ بھی پہونچے گا۔ ساتھ ہی اس کے دوسرے پہلو پر بھی غور کرو کہ اگر تم اس نسخے کو یونہیں ڈال رکھتیں نہ تو خود پیتیں نہ کسی کو بتاتیں تو کیسی بُری بات تھی کہ ایک اچھی بات جانتے ہوئے تم نے اس کی کوئی قدر نہ کی۔ نہ خود اس سے کوئی فائدہ اُٹھایا نہ کسی اور کو اُٹھانے دیا۔ کیا یہ ایک سخت گناہ کی بات نہ ہوگی؟ اسی طرح میں دیکھ دیکھ کر حیران ہوتی ہوں کہ لوگ جانتے بوجھتے عمل کی بالکل پروا نہیں کرتے۔ صفائی کے فائدے جانتے ہیں اور صاف نہیں رہتے۔ جھوٹ کی بُرائیاں جانتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں۔ اسی طرح حفظ صحت کے بہت سے اصول جانتے ہیں کہ ان ان باتوں سے تندرستی کو نقصان پہنچتا ہے لیکن کوئی پروا نہیں کرتے۔ ایک معمولی سی بات ہے کہ مرچیں کھانا اور اندھیرے میں آنکھوں کا کام کرنا سب جانتے ہیں کہ بُری باتیں ہیں ان سے آنکھیں کمزور ہوجاتی ہیں مگر کوئی اس علم پر عمل نہیں کرتا۔ سب مرچیں کھاتے ہیں۔ دلچسپی کے کام کو یا کسی قصّے وغیرہ کو کبھی اندھیرا یا شام ہوجانے کی وجہ سے نہیں چھوڑتے۔ پھر بتاؤ انھیں اس علم سے کیا حاصل ہوا۔ اُن سے تو وہ لوگ اچھے ہیں جو تھوڑا بہت جانتے ہیں یا بالکل نہیں جانتے مگر دوسروں کو دیکھ کر سیکھ لیتے ہیں اور اس پر عمل کرنے لگتے ہیں۔ انھیں خود علم حاصل کرنے کی محنت نہیں پڑتی مگر اس سے فائدہ اتنا اٹھاتے ہیں جتنا وہ محنت کرنے والے نہیں اٹھاتے۔ اگر دنیا میں سب لوگ علم پر عمل کرنے والے ہوجائیں تو ہزاروں مصیبتوں کا خاتمہ ہوجائے۔

و۔ا



زندگی کی بے شمار خوشیاں اپنے گھر سے وابستہ ہیں۔ دنیا بھر کی کلفتیں اپنے بآرام گھر میں پہنچ کر کافور ہو جاتی ہیں انسان خواہ کیسا ہی پریشان کیوں نہ ہو۔ گھر میں پہنچتے ہی مطمئن ہو جاتا ہے۔ برخلاف اس کے اگر گھر بآرام نہ ہو۔ تو تھکا ماندہ شخص شام کو جب گھر واپس آئے گا تو اور زیادہ تھکن محسوس کرے گا۔ اُس کا پریشان دل اور پریشان ہو گا۔ بُرے بُرے خیالات دماغ پر تسلط کریں گے۔ اور گھر جسے جنت کا نمونہ ہونا چاہیئے دوزخ بن جائے گا۔ اس لئے گھر بآرام بنانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے۔
یہ ضروری نہیں کہ رہنے کے لئے عالی شان مکان ہو؟ اور "گھر چلانے" کے لئے ایک بڑی آمدنی۔ بلکہ ایک صاف ستھرا ادنی درجے کا گھر بھی رشکِ فردوس بنایا جا سکتا ہے۔ اگر حفظانِ صحت کے اصولوں پر غور کیا جائے۔ اور ان پر چلنے کی سعی کی جائے۔
مشہور ہے کہ انسان، انسان کا دشمن ہے۔ اور یہ صحیح ہے لوگ محض کرایہ پر چڑھانے کی خاطر تنگ و تاریک گلیوں میں ایسے مکان بنا دیتے ہیں، جہاں سورج کی کرنیں بھی نہیں پہنچ سکتیں۔ اور بے شمار انسانوں کی صحت کا ہمیشہ کے لئے ستیاناس کر دیتے ہیں۔ مکان بنانے والوں کو حتی الامکان خیال رکھنا چاہیئے کہ مکان ہوادار اور روشن ہو۔ اور سطح زمین سے اونچی ہو۔
مکان کی صفائی کا خیال رکھنا مالکہ مکان کا اولین فرض ہے جس قدر گھر صاف ہو گا۔ اُسی قدر اس کے مکین خوش طبع اور صحت ور ہوں گے۔ اور ہر ملاقاتی کی طبیعت بشاش ہو جائے گی۔ حکما کا قول ہے۔ کہ لمبی زندگی کا راز صفائی میں مضمر ہے۔
صحن میں کوڑا کرکٹ ہرگز نہ پھینکنا چاہیئے۔ بعض بیویوں کا قاعدہ ہے۔ کہ سبزی بناتے وقت چھلکے صحن میں پھینک دیتی ہیں اور اُنھیں اُٹھانے کی تکلیف گوارا نہیں کرتیں۔ حتے کہ دوسرے دن تک وہ وہاں پڑے سڑتے رہتے ہیں۔ چھلکے اور دوسرا کوڑا بجائے صحن میں پھینکنے کے ایک کنستر میں ڈالتے جائیں۔ جو ایک طرف رکھا ہوا ہو صرف انگنائی میں ہی جھاڑو دینا کافی نہیں۔ بلکہ نالیوں کی صفائی کا بھی خاص خیال رکھنا چاہیئے۔ نالیاں گندی رہنے سے جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں۔ جو بعد ازاں لمبی بیماریوں کا ذریعہ بنتے ہیں۔
پانی کی صفائی کا خیال بھی لازمی ہے۔ گھڑوں اور صراحیوں کو اپنی نگہداشت میں ہر روز دھلوانا چاہیئے۔ گھڑے ڈھکے ہوئے ہوں۔ کئی اچھے اچھے گھروں میں پینے والے پانی تک کا خیال نہیں کیا جاتا۔ گھڑے یوں ہی زمین پر ننگے پڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ جس کا جی چاہا۔ آبخورہ گھڑے میں ڈبو پانی پیا اور چلتا بنا۔ اگر گھر میں پمپ ہو تو بہت اچھا ہے اور اگر پانی باہر سے آتا ہو تو معلوم کرنا چاہیئے کہ سقہ پانی کہاں سے لاتا ہے۔ یہ نہ ہو کہ کسی گندے کوئیں سے پانی بھر لاتا ہو۔
ملاقات کے کمرے، کھانے کے کمرے اور سونے کے کمرے کی صفائی کا تو اکثر خیال رکھا جاتا ہے۔ لیکن باورچی خانہ کی صفائی نظرانداز کر دی جاتی ہے۔ انسان کی صحت، گندگی اور غلاظت سے پکا ہوا کھانا کھانے سے کبھی درست نہیں رہ سکتی۔ بہت سے

ایسے باورچی خانے دیکھنے میں آئے ہیں جن کی چھتیں جالوں سے بھرپور ہوتی ہیں۔ اور دیواریں سیاہی سے۔ ہر جا بجا جھوٹے برتن بکھرے پڑے ہوتے ہیں۔ اور مکھیاں بھنبھنا رہی ہوتی ہیں۔ بھلا ایسی غلیظ جگہ میں پکے ہوا کھانا کھانے سے فرش کی صحت برقرار رہ سکتی ہے؟

یورپ کے ملکوں میں باورچی خانوں کا خاص خیال کیا جاتا ہے۔ اور بڑے بڑے گھروں کی بیویاں خود ہی باورچی خانہ کا انتظام کرتی ہیں۔ بجلی کی وجہ سے اور کئی سہولتیں ہو گئی ہیں۔ گندگی اور غلاظت کا نام نہیں ہوتا۔ اور بلا مبالغہ باورچی خانہ میں پہنچ کر دھوکا ہوتا ہے۔ کہ کہیں ملاقات کے کمرہ میں تو نہیں آ گئے۔ چمکتی ہوئی میز صاف و شفاف فرش، خوبصورت الماریاں دل خوش کر دیتی ہیں۔

برتنوں کی صفائی اولین چیز ہے۔ بہت سے ملازم برتن مانجھنے سے کتراتے ہیں۔ اور جب دیکھا۔ کہ انھیں مانجھے بغیر جان چھٹتی نظر نہیں آتی۔ تو اس عجلت میں کام کرتے ہیں۔ کہ توبہ ہی بھلی۔ تمام راکھ کونوں پر جمی ہوئی رہ جاتی ہے۔ دیگچیاں ٹھیکرا معلوم ہوتی ہیں۔ طشتریوں اور کٹوروں کی عجیب درگت بنی ہوئی ہوتی ہے۔ اطبا کی رائے ہے کہ گندے برتنوں میں تیار کیا ہوا کھانا زہر ہلاہل سے کم نہیں۔ برتنوں کی دیکھ بھال کرنی چاہیئے۔ قلعی جب ذرا سی بھی اتر جائے تو پھر کروالی جائے۔ جست کے دیگچے استعمال نہ کرنے چاہیئں۔ مٹی کی ہانڈیاں، کھانا پکانے کے لئے بہترین ہیں۔

باورچی خانہ کا فرش کم از کم ایک دفعہ دن میں ضرور دھوڈالنا چاہیئے۔ کڑائی۔ بین۔ توس سیکنی وغیرہ کے لئے دیوار میں کیلیں لگا دینی چاہیئں۔ تاکہ بوقت ضرورت ادھر ادھر تلاش کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔ صافیاں اور دسترخوان کو ہمیشہ اجلا ہونا چاہیئے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ صافیاں صفائی کے لئے ہیں اس لئے انہیں جلدی دھونے کی کیا ضرورت ہے؟ خانساماں کو ہمیشہ صاف ستھرا رہنے کی تاکید کرنی چاہیئے۔ خانساماؤں کی عادت ہوتی ہے کہ ظاہری ٹیپ ٹاپ تو درست رکھتے ہیں۔ لیکن جب کوئی بیچ کا حال دیکھے تو الامان الحفیظ۔ میز پر تو برتن، چھری کانٹے چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں اور جو باورچی خانہ میں جا نکلو۔ تو تمام مصالحے اور دیگر اشیاء بے ڈھنگی ادھر ادھر بکھری پڑی نظر آتی ہیں۔ اس لئے مناسب ہے کہ والیں، مصالحے، اچار، مربے اپنی نگہداشت میں ڈبوں اور مرتبانوں میں ڈلوا کر الماری میں بند کر دئے جائیں۔ اور بوقت ضرورت تھوڑی تھوڑی چیز باہر نکال لی جائے۔ اسی طرح غسل خانہ کی صفائی کا خیال اشد ضروری ہے۔ اور اگر غسل خانہ میں جانے کا اتفاق ہو جائے۔ تو فیشن ایبل بیگم صاحبہ کی تمام قلعی کھل جاتی ہے۔ دراصل باورچی خانہ، گودام اور غسل خانہ سے ہی مالکۂ مکان کے سلیقہ کا پتہ چلتا ہے۔

کون ہے۔ جسے دنیا میں خوشی اور مسرت کی خواہش نہیں۔ ہر ایک کی ہی تمنا ہے کہ وہ بہترین زندگی کا مالک ہو اور ہمیشہ شاد و شگفتہ رہے۔ لیکن یہ سب اسی وقت میسر آسکتا ہے۔ جبکہ گھر اصلی معنوں میں گھر ہو۔ اور گھر صفائی سے ہی بآرام بنایا جاسکتا ہے۔

سرور جہاں رعنا بی سلے

# چھٹی گذارنے کا بہترین طریقہ

چھٹی گزارنے کے بہت سے طریقے ہیں جو لوگ سیلانی ہیں وہ تفریح کی غرض سے دور دور تک سیر کرنے کے لئے چلے جاتے ہیں۔ جواری جوا اور برج کھیل کر اپنا وقت گزارتے ہیں۔ اور بیوی بچوں والے اپنے گھر ہی میں دل بہلاتے ہیں۔ لیکن میرے لئے ان طریقوں میں سے کوئی طریقہ کارآمد ثابت نہیں ہوا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ میں سیر و تفریح کا شوقین نہیں اور نہ جوئے برج کا شیدائی۔ باقی رہا گھر میں دل بہلانا۔ وہ تو میرے لئے جوئے برج سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ چھٹیاں عام لوگوں کے لئے عین راحت کا باعث ہوتی ہے۔ لیکن میرے لئے ہر ایک چھٹی ایک نئی مصیبت کا سامنا ہوتی ہے۔ میں ایک سنجیدہ مزاج شخص ہوں۔ مجھے ہنسی مذاق سے قدرتی نفرت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں اپنی بیوی کی باتوں سے بہت جلد تنگ آجاتا ہوں۔ وہ بہت باتونی ہے۔ ہر وقت اس کے پاس باتوں کا ذخیرہ ہے۔ وہ میری نسبت سوسائٹی میں رہنا زیادہ پسند کرتی ہے۔ خیر اس بات سے تو مجھے کوئی شکایت نہیں۔ مجھے شکایت ہے تو صرف اس کے آئے دن کے ساڑھیوں کے تقاضے کی اس کے تقاضے عموماً اس قسم کے ہوتے ہیں "آج مجھے فلاں پارٹی میں جانا ہے۔ مجھے ایک خوبصورت سی ساڑھی خرید وا دو نا"۔ "کل مسٹر...... کے ہاں ڈنر ہے مجھے ایک خوبصورت سا ہینڈ بیگ درکار ہے" ان باتوں کو سن کر مجھے پریشان ہونا پڑتا ہے مجھے اس کے تقاضوں سے توفیات خود کچھ ایسی نفرت نہیں۔ مجھے خیال ہے تو صرف اتنا کہ میری آمدنی ہے قلیل اور اگر بالفرض میں اس کی فرمائشوں کو پورا کرنے میں کامیاب ہو بھی جاؤں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک نہ ایک دن میرا دیوالہ ضرور پٹ جائے گا۔ یہ باتیں ہیں جن سے میرا دل گھبراتا ہے گھر پر چھٹی بسر کرنے میں۔

جب کبھی دفتر میں چھٹی کا اعلان ہوتا ہے تو میرا دل دھک سے ہو جاتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ چھٹی کس طرح گزاری جائے۔ دل چاہتا ہے کہ گھر میں بھی رہوں اور گھر کے جھنجھٹ سے بھی بچا رہوں۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ اسی لئے میں نے بھی چھٹی گزارنے کی ایک نئی تدبیر سوچی۔ کل مجھے چھٹی تھی۔ میں صبح سویرے خلاف معمول بستر سے اٹھا۔ گھڑی نے چھ بجائے چھ کے بعد سات سات کے بعد آٹھ، آٹھ کے بعد نو اور نو کے بعد دس مگر مجھے نہ اٹھنا تھا نہ اٹھا۔ شاید میری بیوی چار پانچ بار میرے کمرے میں دبے پاؤں آئی اور یہ کہتی ہوئی چلی گئی کہ ابھی اٹھتے ہی ہوں گے۔ آخر چھٹی ہے تھوڑا سا آرام کرلیں لیکن جب دس بجے تو وہ کچھ گھبرا سی گئی۔ میرے پاس آکر کھڑی ہوگئی اور کہنے لگی: "ابھی دس بج گئے ہیں۔ اب تو اٹھئے ناشتہ تیار ہے"۔ میں نے چند انگڑائیاں لیں اور پھر ماتھے پر بل ڈال کر کہنے لگا۔ "تم مجھے ناحق ستاتی ہو۔ میری طبیعت سخت خراب ہے۔ کھانے کو دل نہیں چاہتا۔ تم ہی جاکر کھالو"۔ کہنے کو تو میں نے یہ الفاظ کہہ ڈالے لیکن بھوک سے میرا دم نکلا جا رہا تھا رات کو بھی ایک جھگڑے کی بنا پر کھانا پیٹ بھر کر نہ کھایا تھا، دل چاہتا تھا کہ ناشتہ ابھی میرے پاس آجائے اور میں بھورا بھی نہ چھوڑوں

بیوی کچھ دیر ٹھٹکی اور پھر کچھ سوچ کر کہنے لگی "تھوڑا سا کھا لیجئے کیا حرج ہے"۔ لیکن میں نے پھر ناک بھوں چڑھا کر کہا "نہیں جی بالکل نہیں" وہ یہ سن خاموش ہو کمرے سے نکل گئی۔ اب میرا بُرا حال تھا۔ میں اپنے آپ کو کوسنے لگا۔ آخر میں نے کھانے سے انکار کیا تو کیوں کیا۔ ابھی میں اسی کشمکش و پیچ میں تھا کہ شاید دوبارہ بلوا کر کھانا منگواؤں کہ اتنے میں وہ خود ایک نہایت خوبصورت ٹرے میں ناشتہ لگائے میری چارپائی کے پاس آن کھڑی ہوئی اور کہنے لگی "تھوڑا سا کھا لو۔ دیکھو میں ناشتہ پہلے ہی تھوڑا سا لائی ہوں"۔ میں نے ترچھی نگاہوں سے ٹرے کی طرف دیکھا اور بغیر سوچے سمجھے کہہ بیٹھا۔ میں نہیں کھاتا مجھے بھوک نہیں لیکن شاہدہ تھی کہ اصرار پر اصرار کئے جا رہی تھی کہ تھوڑا سا کھا لو۔ آخر اس نے کہا "میری خاطر سے ہی کھا لو"۔ اس دفعہ میں انکار نہ کر سکا آخر تھا تو ایک وفادار خاوند کیوں نہ اپنی بیوی کی خاطر کھانا کھاتا۔ اس کی خاطر تو میں سب کچھ کر سکتا تھا۔ میں نے فوراً جواب دیا "اچھا تو میں تمہاری خاطر سے تھوڑا سا کھا لیتا ہوں"۔ جتنی دیر بیوی پاس بیٹھی رہی میں نے نہایت چھوٹے چھوٹے لقمے کھائے لیکن جوں ہی وہ کسی کام کی غرض سے باہر گئی تو میں نے جلدی جلدی سب ناشتہ ختم کر ڈالا۔ بیوی تو مجھے بیمار سمجھ کر اکیلا چھوڑ کر چلی گئی اور میں اکیلا رہ گیا۔ اکیلے لیٹے لیٹے جی اُکتا گیا۔ دل میں سوچا اب کیا کرنا چاہیئے۔ سوچ کر یہ بات سمجھ میں آئی کہ دن بہلانے کے لئے ایک ناول کا پڑھنا نہایت کار آمد ثابت ہوگا (ہوں بھی میں پڑھنے کا بہت شوقین) سو میں نے فوراً میز سے ایک ناول اٹھایا اور اسے پڑھنا شروع کر دیا۔ جب کبھی بیوی کے پاؤں کی چاپ زینے پر سنتا میری کتاب فوراً پھدک کر سرہانے کے نیچے چلی جاتی اور میں آنکھیں بند کر کے لیٹ جاتا۔ وہ مجھے لیٹا ہوا دیکھ کر دبے پاؤں آتی یقیناً اس کا دل میرے ساتھ باتیں کرنے کو چاہتا ہوگا وہ ایک آواز آہستہ سے دیتی اور میں اسے جواب تک نہ دیتا۔ نتیجہ اس کا یہ ہوتا کہ وہ مجھے چھوڑ کر چلی جاتی اور میں پھر کتاب پڑھنے میں منہمک ہو جاتا دوپہر کا کھانا تو خیر مجھے بستر پر بھی مل گیا اور شام کی چائے بھی۔ میں کھانا کھاتا، چائے پیتا اور اپنی عقل کی داد دیتا۔ باقی رہا رات کا کھانا۔ سو میں نے سوچا کہ بہتر ہوگا اگر میں خود اٹھ کر کھا لوں کیونکہ زیادہ عرصہ بستر پر بیٹھے رہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب بلائے جائیں گے جو ہماری نبض کو اچھی طرح سے پہچان لیں گے القصہ میں نے خیریت اسی میں جانی کہ خود اٹھ کر میز پر گیا اور بیوی کے ساتھ کھانا کھایا۔ بیوی بھی خوش تھی کہ میں اس قدر جلد صحت یاب ہو گیا اور مجھے ایک گونہ تسلی ہوئی کہ میں نے عمر میں پہلی دفعہ چھٹی اصلی معنوں میں گزاری یعنی افکار دنیا سے کچھ عرصہ کے لئے رہائی پائی نہ جھگڑا نہ ٹنٹا۔ بلکہ اس کی جگہ بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے کھانا مل گیا۔ بیوی کی ملنے جلنے کی مصروفیات بھی درہم برہم ہو گئیں اور نئی ساڑھیوں کا تذکرہ بھی بند ہوا اور میں نے بھی آرام اور چین سے دن کاٹا۔ اب مجھے بیوی ایک کالی ناگن نہیں معلوم ہوتی جس کے ہر تقاضہ میں زہر قاتل ملا ہوا ہوتا تھا بلکہ وہ اب ایک نہایت فرمانبردار بیوی تھی۔ میں ان دوستوں کے لئے بھی یہ نسخہ تجویز کرتا ہوں جو میری طرح بیوی سے تنگ آئے ہوئے ہیں میں اُنہیں یقین دلاتا ہوں کہ یہ نسخہ سو فی صدی نہیں تو نوے فی صدی ضرور کار آمد ثابت ہوگا۔ تاہم میں انہیں یہ جتا دینا چاہتا ہوں کہ وہ ہر چھٹی پر یہ عمل نہ کریں۔ اگر وہ میری اس نصیحت پر کاربند نہ ہوں گے تو اس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ ان کا راز یا تو ڈاکٹر فاش کرے گا یا خود ان کی اہلیہ کو ان کی مکاری کا پتہ لگ جائے گا۔ ایک اور بات کا خیال رکھنا بھی لازمی ہے وہ یہ ہے کہ میرے نسخہ کو وہ خوب سنبھال کر مقفل رکھیں ایسا نہ ہو کہ وہ ان کی بیوی کے ہتھے چڑھ جائے اور اپنی قدر نہ

# بچوں کے مشغلے

اکثر مائیں باوجود تعلیم یافتہ ہونے کے یہ نہیں جانتیں کہ بچہ کو کس طرح مشغول رکھا جاسکتا ہے۔ اگر بدقسمتی سے وہ کسی ایسی جگہ پر ہوں جہاں نہ مدرسہ ہے نہ کسی استاد کا انتظام تو بس سارا سارا دن ان کے بچے ضائع کر دیتے ہیں اور مائیں بچوں کی شرارت سے ہر دم نالاں رہتی ہیں جیسے بچے کی زندگی کے قیمتی دن یوں ہی بسر ہو جاتے ہیں۔ ویسے ماں کی زندگی بھی بے کیف گذرتی ہے۔ جب ہی تو وہ ہر وقت کی چیخ پکار سے تنگ آکر کبھی خود کو اور کبھی ان نوشگفتہ کلیوں کو برا بھلا کہتی ہیں۔ گو ہمارے ملک میں سوائے چند بڑے بڑے شہروں کے نرسری اسکول بالکل نہیں ہیں اور جہاں ہیں وہاں ان کے اخراجات اس قدر زیادہ ہیں کہ متوسط طبقہ کے لوگ اُس سے مستفید نہیں ہو سکتے اسی وجہ سے تین سے پانچ سال تک اور کبھی اس سے بھی زیادہ ماں کے لئے بچے غلب ہو جاتے ہیں جب ان کا وقت کاٹے نہیں کٹتا تو بحالت مجبوری وہ ایسی حرکات کے مرتکب ہوتے ہیں جو والدین سے برداشت نہیں ہوتیں۔ اور وہ بچوں پر کافی سے زیادہ سختیاں کرتے ہیں لیکن بچہ یہ کب برداشت کرسکتا ہے اُسے ہر وقت مقید رکھا جائے۔ وہ خود بھی اپنے حسب حال کوئی شغل ڈھونڈتا ہی۔ یہ وہ زمانہ ہوتا ہے جس میں بچے کی آیندہ تعلیم و تربیت کا مکمل خاکہ تیار کیا جا سکتا ہے۔ اگر والدین تعلیم کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تو اس قیمتی وقت کو یوں ہی ضائع کر دیتے ہیں۔ یا بہت زیادہ خیال رکھتے ہیں تو ایک دم سے سختی کے ساتھ کتابی تعلیم شروع کر دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک صرف کتاب ہی ذریعہ تعلیم ہے۔ جبکہ بچہ کسی قابل نہیں ہوتا اور زبردستی اُسے چند ایسی کتابیں جن کا ہر لفظ اس کی سمجھ سے باہر ہوتا ہے پڑھنے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے گویا اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ بچے کی آنکھوں اور خیالات کو ایسی چیزوں میں مصروف رکھا جائے جو اس زمانہ میں اس کے لئے ناقابل فہم اور ناگوار ہوتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچے کتاب کے نام سے گھبراتے ہیں۔ استاد کے نام سے پریشان ہو جاتے ہیں۔ برخلاف اس کے جہاں چھوٹے بچوں کو اس طرح تعلیم دی جاتی ہے جس طرح کہ دینی چاہیئے وہاں وہ مدرسہ میں بالکل آنے سے ہی خوش رہتے ہیں جیسے کھیل میں۔ وہ بے چین طبیعت جس کو ابھی دنیا کی نیرنگی اپنی طرف متوجہ کر رہی ہے اور جو ایک منٹ بھی خاموش نہیں بیٹھ سکتا۔ اس کو صرف کتاب دے کر بٹھا دیا جائے تو اس کو کتاب سے رغبت ناممکن ہے۔ صرف کتاب بچے کی تعلیم کو مکمل نہیں کرسکتی۔ والدین یا استاد اس کو تعلیم سمجھیں لیکن یہ حقیقی تعلیم نہیں ہے بلکہ رسمی تعلیم ہے جو وقت سے بہت پہلے شروع ہو جاتی ہے اس کی وجہ سے عقلی نشو ونما بہت کم ہو جاتی ہے کیونکہ بچوں کی عقلی تربیت اسی روش کی ہونی چاہیئے پہلے اس کے سامنے آسان آئے اور پھر مشکل۔ نیز یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ہر طفلانہ خواہش کا عمدہ طریقہ سے پورا کرنا بہترین تربیت اور تعلیم کا پیش خیمہ ہے۔ اگر ہم چاہیں کہ بچہ کٹ پتلی کی طرح ناچے تو یہ ناممکن نہیں، نہ اس قسم کا بچہ آیندہ چل کر کوئی آدمی بن سکتا ہے ہاں بچہ کو بڑوں کے انہیں احکام کا ماننا سکھایا جائے جو جائز ہوں۔ ورنہ بچہ بھی جاندار ہے ہر جاندار میں اپنا انتظام آپ رکھنے کی قوت ضرور ہوتی ہے اس قوت کو مٹا دینا کوئی اچھا اثر نہیں پیدا کرسکتا۔ کیونکہ جن باتوں سے بچہ کو دلچسپی ہے اور جن کو وہ بذات خود مستعدی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے ان باتوں کے منع کرنے سے اس کے قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں اور ایسی صورت میں بچے کو تعلیم سے نفرت ہو جاتی ہے۔ والدین کی یہ خواہش کہ بچہ جلد جلد پڑھ کے کوئی اعلیٰ امتحان پاس کرے بری نہیں لیکن چونکہ یہ خواہش وقت سے بہت پہلے کی جاتی ہے اس لئے معلم اس بات کے شاکی رہتے ہیں کہ بچے کی ذہانت جو بچپن میں تھی اب باقی نہیں ہے اس کی وجہ عموماً غلط طریقہ تعلیم ہوتا ہی ایک پروفیسر کہتا ہے کہ میں اپنے چھوٹے بچے کو کسی قسم کے سبق پڑھانے کا ارادہ نہیں رکھتا جب

تک کہ اس کی عمر آٹھ سال کی نہ ہو جائے"؛ اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ بچے کو اس عمر تک بالکل نکما چھوڑ دینے کا خیال رکھتا ہے جیسا کہ عموماً بچے چھوڑ دیئے جاتے ہیں بلکہ بچہ کو اس عمر تک وہ ایسی تعلیم دینا چاہتا ہے جس سے بچے کے دماغ پر کوئی بار نہ پڑے کیونکہ بچپن میں عقل کو زبردستی ترقی دینے سے یا تو کوئی جسمانی عارضہ لاحق ہو جاتا ہے یا بچہ آگے چل کر احمق ہو جاتا ہے۔ اگر دماغی محنت حد اعتدال سے کسی قدر زیادہ ہو تو اس کا اثر جسم پر بھی برا ہوتا ہے کیونکہ جب کسی عضو کی بناوٹ میں خلاف قاعدہ جلد ترقی ہو جاتی ہے تو یہ امر اس کے نمو کے قبل از وقت رک جانے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ دماغ ابتدائی عمر میں جسم کے لحاظ سے نسبتاً بڑا مگر ساخت کے لحاظ سے نامکمل ہوتا ہے اس لئے بعض قابل ڈاکٹر کہتے ہیں کہ دماغ سے بہت زیادہ کام لینا جسم کے لئے مضر ہے اور اعتدال سے زیادہ کام لینے سے بچپن ہی میں جسمانی نظام میں فتور واقع ہوتا ہے بچوں کے حق میں صرف مار پیٹ ہی ظلم نہیں بلکہ قبل از وقت وہ محنت بھی جو ان کے دماغ سے لی جاتی ہے وہ جو کچھ ڈر یا خوف سے کرتا ہے وہ بھی انتہائی ظلم ہے۔ اگر مائیں یہ جان لیں کہ بچہ کی تعلیم روز اول سے شروع کی جاسکتی ہے اور اسی بات کی ضرورت نہیں کہ ایک زمانہ تک اس کو اسکول یا استاد کے انتظار میں یوں ہی چھوڑ دیا جائے تو خود ایک وقت مقررہ تک کتاب اور اس کے ساتھ ایک چھڑی بھی بطور خاص بچہ کے لئے مہیا کی جائے یا بالکل نکما چھوڑ دیا جائے یہ سلوک اُن بچوں کے ساتھ کیا جائے جو کسی سبب سے مدرسہ نہیں جاتے۔ والدین کی لاپروائی سے گھر میں عموماً بچوں کے لئے اسی قسم کا کوئی مشغلہ نہیں ہوتا جس میں کہ وہ منہمک ہو کر نہ صرف کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ بلکہ ماں کے لئے بھی عذاب جان نہیں بنجاتے اس لئے ہر ماں کو بچوں کے مشغلہ سے کچھ نہ کچھ دلچسپی ضرور ہونی چاہیئے ذیل میں چند ایسے ہی مشغلوں کا مختصر خاکہ پیش کیا جاتے لگا جس کے ذریعہ سے اکثر نرسری اسکول میں بچوں کو بطور کھیل کے تعلیم دی جاتی ہے۔ ایسے وقت میں جبکہ بچہ اور ماں خالی ہوں ضرور اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ ان مشغلوں سے بچہ بعض اوقات اس قدر سیکھ جاتا ہے جو برسوں کی کتابی تعلیم سے نہیں سیکھ سکتا۔

بچہ ہماری دنیا میں نہیں بلکہ دوسری دنیا میں رہتا ہے۔ اس کی دنیا میں بہت سی ایسی چیزیں وجود اور اہمیت رکھتی ہیں جو ہمارے نزدیک موہوم یا فضول ہیں۔ مجھے اپنے بچپن کی وہ مشغلے اب بھی یاد آتے ہیں تو دل مسرور ہوتا ہے جب ہم صابون کے پانی میں سوراخ دار تیلیاں ڈبو کر رنگین بلبلے بنایا کرتے تھے۔ ممکن ہے کہ آپ کے نزدیک یہ ایک بیکار سا شغل ہو مگر بچہ کے لئے ان ہی چھوٹی چھوٹی چیزوں میں دنیا کی دلفریبیاں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ ایک بچے کو ایک ردی کاغذ کا جہاز بنا کر دیجئے وہ گھنٹوں اس میں کھو جائے گا۔ لیکن کوئی مشغلہ ایسا نہیں جس میں بچہ بغیر رہبر کے خود ہی منہمک ہو جائے، جیسا کہ بعض مائیں چاہتی ہیں طرح طرح کی جدتوں سے بچہ کو اس میں لگا کر کھیل ہی کھیل میں بہت کچھ سکھایا جاسکتا ہے۔

**تصویروں کا مشغلہ** آپ غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ بچے بیکار ضد بہت کم کرتے ہیں۔ ان کی ضد کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے جس کا یا تو وہ اچھی طرح اظہار نہیں کر سکتے یا ہم خود سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں۔ اسی طرح ہماری متعدد بار کی غلطیوں سے تنگ آکر وہ رفتہ رفتہ ضدی بن جاتے ہیں جس کے بعد وہ بہت کم قابو میں آتے ہیں۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ سو میں اسی بچے صرف اس لئے ضد کرتے ہیں کہ وہ بیکار ہوتے ہیں۔ اس وقت اگر آپ ان کو بہلانا کر کوئی ایسی کتاب دکھائیں جن میں ایسی تصاویر ہوں جس کو بچہ آسانی سے سمجھ سکتا ہے تو وہ اس میں خاصی دلچسپی محسوس کرے گا۔ یہ تو رہا کچھ دیر کا سوال، اگر آپ چاہیں تو اس کو باقاعدہ بچہ کے لئے ایک شغل بنا کر تصاویر کے ذریعہ اس کو تعلیم دے سکتی ہیں اور طرح طرح سے بچے کے لئے اس میں دلچسپیاں پیدا کی جاسکتی ہیں مثلاً ۲۵ یا ۳۰ صفحوں کی ایک کتاب بجائے کاغذ کے، کپڑے کی بنائی جائے۔ کپڑے کی کتاب کاغذ کی کتاب کی طرح جلد خراب نہ ہوگی اور کپڑے کی کتاب میں جو تصاویر چپکائی جائیں گی وہ اگر خراب ہو جائیں تو دوسری تصاویر اس جگہ پر چپکائی جاسکتی ہیں۔

اسی قسم کی بنائی کتابوں سے بچے بیحد دلچسپی لیتے ہیں اور خود بھی جستجو کرکے اس میں اپنی پسند کی تصاویر لگاتے ہیں اور بعض تصاویر کے تو وہ خود ہی نام بھی منتخب کرتے ہیں۔ یہ تو چھوٹی چھوٹی تصاویر کے لئے ہو۔ اکثر بچے تصاویر سے بیحد خوش ہوتے ہیں جن کو ایسی جگہ لگائیں جہاں بچہ دن کا زیادہ وقت گزارتا ہے ایک ہی تصویر کو عرصہ دراز تک ایک ہی جگہ لٹکائے رکھنا ٹھیک نہیں کیونکہ عرصہ کے بعد بچے اس سے بے اعتنائی برتتے ہیں۔ اگر بچے کو تصویر بتاتے وقت خود اپنے ذہن کو اس طرف نہ لگائیں تو بچہ تصویر سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھا سکتا کیونکہ بعض بچے بڑے دور بین ہوتے ہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور بعض بچے جن کا ذہن تیز نہیں ہوتا ہے وہ صرف ہماری بتلائی ہوئی باتوں سے دنیا کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ تصویر بچے کے لئے ایک کتاب ہے اس لئے اگر ہم خود اسکا بغور مطالعہ نہ کریں گے تو ہم بچے کے لئے کافی مواد مہیا نہ کرسکیں گے اور بچہ بہت جلد تصویر سے تھک جائے گا جس طرح ہم ایک اچھی کتاب سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں اسی طرح بچہ بھی تصویر سے بہت کچھ سیکھتا ہے اس لئے تصاویر کے انتخاب میں بہت کچھ غور و خوض کی ضرورت ہے کیونکہ وہ تصاویر جن میں زندگی، حرکت یا سرگرمی نہ پائی جائے وہ بچوں کے لئے بیکار ہیں۔ یوں تو بہت ساری تصاویر صرف مشغلہ کے طور سے جمع کی جاسکتی ہیں لیکن باورل کمپنی کی بعض تصاویر مفید ہیں تصاویر ایسی ہوں جن کا تعلق کسی ایسی کہانی سے ہو جو بچے کو اچھی طرح سمجھا کر سنائی گئی ہو۔ بچہ کے لئے قصہ یا کہانی بھی ایک علیحدہ مشغلہ کی صورت رکھتا ہے۔ چونکہ اس کا تعلق بہت کچھ تصاویر کے ساتھ ہے اس لئے مختصر طور سے اس کے متعلق لکھ رہی ہوں۔ دنیا کے بہت کم بچے ایسے ہوں گے جن کو کہانی سننے کا شوق نہ ہو۔ بعض بچے فرضی کہانیوں سے زیادہ خود ہم سے ہمارے زندگی کے حقیقی واقعات سننے کا شوق رکھتے ہیں۔ بچوں کے لئے کہانی کے انتخاب میں بھی دور اندیشی چاہیئے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب آپ بچے کو کوئی خاص قصہ سنانا پسند نہیں کرتے ہیں تو بچہ اپنے شوق سے مجبور ہوکر نوکروں سے قصہ سنا کرتا ہے۔ نوکروں سے قصہ یا کہانی سننا کوئی معیوب بات نہیں جبکہ وہ اس قابل ہوں کہ ان کے انداز بیان سے یا خود قصہ سے بچے کے اخلاق پر برا اثر نہ ہوتا ہو لیکن نوکر عموماً جاہل ہوتے ہیں۔ اس لئے اس کا ضرور خیال رکھئے کہ وہ کوئی ایسا قصہ بچے کو نہ سنا دیں جو بچہ کے لئے موزوں نہ ہو۔ کم سن بچوں کے لئے بہت ہی مختصر اور چھوٹا سا قصہ ہونا چاہیئے بچے عموماً جانوروں میں بیحد دلچسپی لیتے ہیں۔ قصہ کے ذریعہ سے بچوں کی تربیت پر جو اثر پڑتا ہے اس کو میں آگے بیان کرچکی ہوں لیکن یہ خوب یاد رکھئے کہ بچوں کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ نصیحت ہے جس طرح قصوں کا کچھ تعلق تصاویر سے ہے اسی طرح ڈرائنگ سے بھی گو ڈرائنگ کو بطور ایک علیحدہ مشغلہ کے لکھا جائے گا لیکن قصہ کے ساتھ اس کا تعلق اس طرح قائم کیا جاسکتا ہے کہ قصہ کے کسی منظر کی ڈرائنگ کرنے سے بچہ قصہ میں بیحد دلچسپی لیتا ہے۔ کیا ماں کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ بچہ کی خاطر بچہ بن جائے اور ایسی کتابیں اور اخبار ضرور پڑھا کرے جس میں بچوں کے لئے عمدہ عمدہ قصہ ہوں۔ جب بچہ بے قابو نہ ہوسکے تو ایک نئی کہانی کا شوق بچے کی چیخ پکار کو روک سکتا ہے۔ بعض بچے ایک ہی کہانی کو متعدد بار سننے کی خواہش رکھتے ہیں ایسے ہی بچے کہانیوں سے کوئی نہ کوئی خاص مقصد بچپن ہی میں اپنی آئندہ زندگی کے لئے حاصل کرتے ہیں۔ کبھی کبھی خود بچے سے کہانی کا انتخاب کروانے سے بچے کی فطرت کے جاننے میں بیحد آسانی ہوتی ہے وہ بچے جو فطرتاً حساس ہوں یا کوئی اور جسمانی دکھ ان کو اداس رکھتا ہے یا اور کسی وجہ سے رنجیدہ ہوں تو ان کے آگے کوئی ایسا قصہ نہ بیان کرنا چاہیئے جس میں بہت دکھ ہو۔ مجھے ایک دفعہ بڑی حیرت ہوئی تھی جب کہ میں ایک بچے کو کہانی سنانے لگی تو اس نے تڑپ کر کہا کہ نہیں یہ کہانی مت سنائیے اس میں بہت رونا ہے۔ میں آج صبح سے بہت رو چکا ہوں۔ جب میں نے اس بچے کی طبیعت کا پتہ لگانا چاہا تو معلوم ہوا کہ وہ انتہا سے زیادہ حساس ہے۔

**بچہ اور موسیقی۔** خوش نصیب ہیں وہ بچے جن کی مائیں تعلیم کے ساتھ فن موسیقی سے بھی دلچسپی رکھتی ہیں اور کبھی کبھی شیریں مضمون سے

ان کی معصوم روحوں کو مسرور کرتی ہیں۔ کہتے ہیں راگ بچہ کی فطرت اور اس کے طبعی اور ضروری تقاضے کو پورا کرتا ہے جس کا بچہ کے جذبات پر گہرا اثر ہوتا ہے ہمارے اسلاف غلطی سے فن موسیقی کو صرف ایک ذریعہ معاش سمجھ کر اس سے نفرت کرتے تھے اور ہر شریف عورت کو اس سے بالکل کورا رکھتے تھے۔ ایک موسیقی پر کیا موقوف ہے ہر وہ فن جو برائی کے لئے سیکھا جائے بُرا ہے ورنہ راگ تو انسان کی روح کی غذا ہے اور اس میں دل کو مطمئن کرنے اور کاہل اور عدیم التوجہ کو مسرور اور پرجوش بنانے کی کافی قوت ہوتی ہے۔ اگر کبھی کبھی بچوں کو کوئی موزوں راگ گا کر سنایا جائے یا خود ان سے گوایا جائے تو یہ بچہ کے لئے نہ صرف ایک مفید مشغلہ ہے بلکہ اس سے بچے کی جمالیاتی تربیت بھی خوب ہوتی ہے جو آئندہ چل کر اس کی تعلیم اور تربیت میں بہت زیادہ مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ لیکن ماں کو تو موسیقی سے لگاؤ ہی نہیں ہوتا۔ اور یا بچوں کے لئے اس کو مفید نہیں سمجھا جاتا۔ اگر کبھی بچہ راگ کے ذریعہ اپنے تاثرات کے اظہار کی خواہش جو اکثر بچے میں ہوتی ہے کرنا چاہتا ہو تو اسی وقت بچے کو روک کر خوبصورت تاثرات کے اظہار سے محروم رکھا جاتا ہے۔ یہ ساری خرابیاں اس فن لطیف کو برا سمجھنے سے رونما ہوتی ہیں، لیکن وہ والدین جو اس کو بُرا نہیں سمجھتے وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ بچے کے لئے کسی قسم کی موسیقی کا انتخاب کیا جائے۔ بہترین موسیقی سے بچہ کی طبیعت پر خوشگوار اثرات کا نزول ہوتا ہے ضدی اور زود رنج طبیعت کے بچوں کے لئے راگ بہت کارآمد اور ایک عمدہ آلہ ہے راگ کے خوشگوار اثرات سے جس وقت بچہ مسحور ہوتا ہے تو ایک فرشتہ کی طرح نظر آتا ہے۔ بہتر ہے کہ بچوں کو گانے بجانے کا موقع دیا جائے۔ یہ غلط ہے کہ اس میں لگ کر بچہ تعلیم خراب کرے گا۔ البتہ بیجا پابندی سے ممکن ہے کہ وہ کبھی اگر موقع پائے تو واقعی اس میں ڈوب کر رہ جائے۔ بچہ جس قدر خوش اور تازہ دم رہے گا اتنا ہی زندگی کے نشیب و فراز نہایت عمدگی سے بسر کرے گا اس لئے خود بھی گایئے اور بچے سے بھی گوایئے۔

عمدہ نظم اور گیت موسیقی کی جان ہے اور جو بات بچپن میں دیکھی یا سیکھی جاتی ہے اس کا اثر بہت گہرا ہوتا ہے۔ اکثر بچے جس طرح بعض گندی باتیں کرنا سیکھ جاتے ہیں۔ اسی طرح عموماً مہمل شعر بھی سیکھ لیتے ہیں بعض دفعہ متعدد ایسی غزلیں بھی ان کو یاد کرائی جاتی ہیں یا وہ خود کوئی شغل نہ ہونے کی وجہ سے کسی سے سن کر یاد کر لیتے ہیں جو ان کی سمجھ سے باہر ہوتی ہیں اور مفید بھی نہیں ہوتیں انگریزی میں کم سن بچوں کے لئے نظموں کی کمی نہیں۔ اردو میں بھی ہماری ضرورت کے لئے اچھی نظمیں موجود ہیں۔ اگر ان کی قدر کی جائے تو اور عمدہ نظموں کا اضافہ ہو سکتا ہے۔ بعض دفعہ بچے کو بغیر سمجھائے نظم سکھائی جاتی ہے یہ کسی طرح ٹھیک نہیں، اس سے تو بہتر ہے کہ بچہ کوئی نظم سیکھے ہی نہیں۔ بچہ خود بھی ایسی نظم سیکھنا پسند کرتا ہے جس کو وہ خود سمجھ سکتا ہے۔ اگر بچے کو کسی مشہور شاعر کی نظم سکھائی جائے تو ساتھ ہی اگر ممکن ہو تو شاعر کے بچپن کے حالات سے بھی اس کو آگاہ کیا جائے۔ عموماً بچے بڑوں کی زندگی کے حالات سن کر بیحد خوش ہوتے ہیں اگر بچے کو کوئی نظم سکھانا چاہتے ہو تو ایک یا دو بار کہہ دینا کافی نہ ہوگا جب تک بچہ اس کو سیکھ نہ لے آپ برابر سکھانے کی کوشش کیجئے اگر آپ سکھاتے وقت خود بیزار ہو گئیں تو بچہ بھی شوق سے سیکھنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ بعض دفعہ ماں بچے کو بڑے شوق سے نظم سکھانا چاہتی ہیں۔ لیکن وہ اس بات کو فراموش کر جاتی ہیں کہ وہ ایک بچہ کو نظم سکھا رہی ہیں جب کہ بچہ کو اس سے لطف اندوز ہونے ہی کے لئے کافی عرصہ چاہیئے وہ چاہتا ہے کہ اس کے لفظ لفظ پر غور کرے اور مائیں چاہتی ہیں کہ وہ اس کو جلد از جلد ازبر کر لے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اکتا جاتی ہیں تو بچہ کا شوق بھی ٹھنڈا پڑ جاتا ہے پھر ابتدا کی جاتی ہے تو وہ سرگرمی باقی نہیں رہتی اس لئے عموماً بچے نظم کا ابتدائی حصہ تو بہت اچھی طرح یاد رکھ لیتے ہیں اور بعد کا سبق یوں ہی۔ ادھوری نظم سے بچے کوئی خاطر خواہ فائدہ اُٹھا نہیں سکتے۔

**• بچہ اور کھیل۔** بچہ اگر اپنے بچپن میں آئندہ زندگی کے لئے کوئی مفید کام تجویز کرنا چاہتا ہے جس کو وہ خود تو محسوس نہیں کر سکتا

لیکن اس کے تاثرات کی زبردست قوت دیکھنے والے پر سب کچھ عیاں کر دیتی ہے، تو وہ صرف کھیل کا وقت ہے۔ کیا زندگی خود ایک کھیل نہیں اس لئے کھیلتے ہوئے بچے کو روک دینا کھلتے ہوئے پھول کو بند کر دینا ہے۔ بچے کے کھیل کو دکو ہم کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔

ماہرین تعلیم نے جس طرح تعلیم کو مختلف اقسام میں منقسم کیا ہے اسی طرح کھیل کو بھی جن سے بچہ بہت کچھ سیکھ سکتا ہے۔ مثلاً پیشہ وری کھیل جیسی کھیل۔ سماجی کھیل۔ کائناتی کھیل، تقلیدی کھیل۔ اسی میں سے اسّی فی صد بچے تقلیدی کھیل یا پیشہ وری کھیل جس میں زیادہ فرق نہیں ہے بیحد پسند کرتے ہیں اس لئے بچے کی موجودگی میں ہر کام احتیاط سے کرنا چاہیئے۔ کیونکہ بچے وہی حرکات کرتے ہیں جو اپنے بزرگوں کو کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ بعض دفعہ جس طرح تعلیم میں دلچسپی نہیں لیتے اسی طرح کھیل میں دلچسپی نہیں لیتے کیونکہ کھیل کا انتخاب بچوں کی فطرت کے خلاف ہوتا ہے اگر کھیل پُر لطف ہو تو بچے کی فطرت پر مفید اثر ہوتا ہے آپ نے بھی دیکھا ہوگا کہ جب انگریزوں کے بچے کھیلتے ہیں تو ان کے بڑے اس میں بچوں سے بڑھ کر دلچسپی لیتے ہیں جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ کھیل کی اہمیت کو جانتے ہیں کہ بچوں کی تربیت اور تعلیم کے لئے یہی ایک مفید اور آسان ذریعہ ہے۔ اگر کسی بچے کے متعلق آپ یہ معلوم کریں کہ وہ بالکل کسی قسم کا کھیل کھیلتا ہی نہیں تو سمجھ لیجئے کہ زندگی کے اتار چڑھاؤ سے وہ ناواقف رہے گا۔ کھیل تو کھیل کس قدر قابل رحم ہیں وہ بچے جن کی آزادی ہر ممکن طریقہ سے روک دی جاتی ہے دیکھو بھاگو مت! خدا کے لئے اسی جگہ مت چڑھو یہ کیا فضول کھیل ہے کہ مینڈکوں کی طرح سب مل کر اچک رہے ہو۔ یہ سخت بدتمیزی ہے چلو یہاں آکر تمیز سے بیٹھ جاؤ میرے خیال میں تو بچوں کے لئے ہاتھ پیر جوڑ کر بیٹھ جانا ہی سخت بدتمیزی ہے کہ بچہ اور بوڑھے میں کوئی تمیز ہی نہ رہے جب ہی بچوں کے چہرے سے فطری شادابی اور دلفریبی غائب ہو جاتی ہے۔ غرض بچے کو آزادی کے ساتھ کھیلنے کودنے دیجئے اور خود بھی اس میں شریک ہو کر زندگی کے کھوئے ہوئے دنوں کی یاد تازہ کیجئے۔ کیونکہ آپ کا بچپن تو اب لوٹ کر آ نہیں سکتا کم از کم بچوں میں بچہ بن کر ہی اپنی زندگی کو بھی خوشگوار بنا ئیے۔

**بچہ اور کھلونے** بعض دفعہ اس کو فراموش کر دیا جاتا ہے کہ کھلونے بچے کے لئے ہیں یا بچہ کھلونے کے لئے ہے۔ وہ مائیں کیا جانیں اس دکھ کو کہ بچہ کھلونوں سے بھری ہوئی الماری رکھتے ہوئے بھی آزادی کے ساتھ ان کو استعمال نہیں کر سکتا۔ اف کس قدر بہترین ہوتا ہے وہ کھلونا جس کو بچہ کھیل کر توڑ دے اس کے بغیر وہ کیونکر جانے گا کہ دنیا بنتی کس طرح ہے ہاں بچے کو کھلونوں کے ساتھ بیدردی سے باز رکھنے کی ضرور کوشش کیجئے لیکن استعمال کرنے سے نہیں۔ بہترین کھلونوں سے یہ مطلب نہیں کہ کھلونے زیادہ قیمتی ہوں۔ ہر ادنٰے کھلونا جس سے بچہ لطف اندوز ہو وہی بہترین ہے۔ بچے کی تعلیم و تربیت میں کھلونے سے بیحد مدد ملتی ہے۔ اس لئے بچے کی زندگی کو مکمل اور خوشگوار بنانے کے لئے کافی تعداد کھلونوں کی ہونی چاہیئے۔ بچہ کے لئے یہ بھی سخت اذیت ہے جب وہ کھلونے کی طرف راغب ہوتا ہے لیکن بغیر وجہ بتلائے اس کو ٹال دیا جاتا ہے کہ یہ بیکار ہے یا یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ بہت جلد ٹوٹ جائے گا۔ ہر شئے کی برائی بھلائی کا یقین دلانا بھی تربیت کا ایک جز ہے۔ لیکن ہر وقت مقصد یہ نہیں ہوتا اور نہ اس کو اچھی طرح سے آگاہ کیا جاتا ہے بلکہ ایک حکم ہوتا ہے جو دیا جاتا ہے۔ تربیت کا مقصد یہ ہونا چاہیئے۔ کہ ایک ایسا شخص پیدا کیا جائے جو اپنے نفس پر آپ حکومت کر سکے نہ کہ جس پر غیر حکومت کریں۔ گو آپ اس حکم کے ساتھ یہ بھی ضرور کہتی ہیں کہ یہ بیکار ہے یا مجھے پسند نہیں میں تمہیں دوسرا دلا دوں گی۔ آپ کیا جانیں کہ اس دوسرے میں وہ دلچسپی کہاں؟ غرض بچہ کے لئے کھلونوں کا انتخاب بھی معمولی بات نہیں اس میں بھی بچے کی تربیت کا بہت کچھ خیال رکھنا چاہیئے کہ بچہ کے لئے مناسب و موزوں کھلونے مہیا کرنا بچہ کی مشغولیت کا خاصا سامان کرنا ہے۔ کیونکہ جب آپ اپنی رائے سے کھلونوں کا انتخاب کرتے ہیں اور بچے کی طبیعت کا کوئی خیال نہیں کرتے ہیں تو ایسے کھلونوں سے بہت جلد بیزار ہو جاتا ہے یا بالکل اس سے مانوس ہی نہیں ہوتا۔ یہ غلط ہے کہ بچہ ہر نئے کھلونے سے خوش ہوتا ہے بلکہ بعض بچے

پرانے کھلونوں کو نئے کھلونے سے زیادہ پسند کرتے ہیں۔ بعض دفعہ وہ چند ایسی چیزوں کو کھیل کے لئے پسند کرتے ہیں جو ہماری نظروں میں بیکار ہوتی ہیں۔

**ڈرائنگ** ایک ماں کہتی تھیں کہ یہ بچہ قابل سزا ہے۔ گھر کی تمام دیواریں سیاہ کرتا ہے۔ سفید فرش بھی اس کے نقش ونگار سے نہیں بچتا۔ اور کبھی کبھی کام کے کاغذ بھی خراب کر ڈالتا ہے۔ لیکن ان غلطیوں کا ذمہ دار وہ نہیں ہوسکتا ہے۔ غلطی ماں کی ہے۔ ایک چھوٹا سا تختہ سیاہ بچے کے لئے کسی وقت ساری کائنات سے زیادہ دلچسپی کا سامان مہیا کرتا ہے۔ بعض دفع بچے اس قدر محو رہتے ہیں کہ وہ آپ کے مشاغل میں خلل اندازی نہ کریں گے اور نہ کبھی دیوار سیاہ کریں گے۔ ابتدائی ڈرائنگ سکھانے کے لئے متعدد کتابیں بچوں کے لئے ملتی ہیں جن کے ذریعہ سے اگر بچہ شوقین ہے تو آہستہ آہستہ بہت کچھ سیکھ سکتا ہے۔

**کاغذ چاک کرنا** کبھی آپ نے غور کیا بچہ قینچی پر کیوں فدا ہوتا ہے؟ وہ بالکل آپ کی طرح اس کو استعمال کرنا چاہتا ہے۔ ماہرین تعلیم نے بچوں کے لئے یہ بھی ایک دلچسپ مشغلہ بنا دیا ہے جو بچے کے اختراعی قویٰ کے لئے بیحد مفید ہے۔ جس طرح آپ خود ایک قینچی رکھتی ہیں۔ اسی طرح ایک کند نوکوں والی قینچی بچے کے لئے بھی رکھئے۔ بچوں کے تمام مشغلوں میں یہی ایک ایسا مشغلہ ہے جسے بہت کم خرچ کے ساتھ دلچسپ بنایا جاسکتا ہے جس وقت بچے کو آپ شوق اور انہماک کے ساتھ اس مشغلہ میں محو پائیں گی۔ تو محسوس کریں گی کہ بچوں میں کاغذ کاٹ کر اشیا بنانے کی کس قدر خواہش ہوتی ہے۔ جب وہ اپنے کئے ہوئے نمونوں کو دفتی پر چپاں دیکھتے ہیں تو خوشی سے پھول جاتے ہیں۔

**مطالعہ قدرت** یہاں تک جو کچھ لکھا گیا وہ سب کھیل کا کھیل اور تعلیم کی تعلیم ہے۔ گو اور بھی بہت سارے فائدہ ان مشغلوں سے پہنچ سکتے ہیں۔ لیکن مطالعہ قدرت جس سے بچے کو چند خاص فائدے پہنچتے ہیں۔ سب سے زیادہ ضروری ہے بچے کی زندگی کو خوشگوار بنانے کا آسان طریقہ جو اس کے لئے ازحد مفید ہے اور جس سے کمزور اور نحیف بچے بھی اپنے قویٰ جسمانی میں اس کے ذریعہ سے کافی مدد پہنچا سکتے ہیں وہ یہی ہے۔ ہربرٹ سپنسر Herbert Spencer کی جسمانی صحت اچھی نہیں تھی اسی وجہ سے اس کے باپ نے کبھی اس پر لکھنے پڑھنے کا دباؤ نہیں ڈالا۔ وہ کھیتوں اور میدانوں میں سیر و تفریح کے لئے نکل جایا کرتا تھا۔ بچپن میں اس کو کیڑے پکڑنے اور پودے جمع کرنے کا بہت شوق تھا وہ لکھتا ہے کہ بچوں کو تعلیم دینے اور علم کا شوق دلانے کے لئے قدرتی طریقہ یہی ہے جو کھیل کا کھیل ہے اور تعلیم کی تعلیم۔ خوش نصیب ہے وہ بچہ جو مطالعہ قدرت سے لطف اندوز ہوتا ہے کیونکہ اکثر شہری بچے اس سے بھی محروم رکھے جاتے ہیں۔ کہ بچہ جنگل کے خوشنما اور خوبصورت چیزوں سے فائدہ اٹھائے

عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ بچوں کو کہیں تفریح کے لئے ساتھ لے کر جانا سخت مشکل اور بُرا ہے یوں مارے مارے پھرنے سے ان کا وقت خراب ہوگا اور وہ جب ان مشغلوں میں پڑ جائیں گے تو پڑھیں گے کیا خاک؟ جب سے تعلیم کو مفید خیال کیا گیا ہے۔ بچے پر فرض کر دیا گیا ہے کہ وہ چوبیس گھنٹے سوائے لکھنے پڑھنے کے کوئی کام نہ کرے۔ نہ جانے ان معصوم بچوں کا دل اس قسم کے غیر فطری اصولوں سے کس قدر کملا جاتا ہوگا۔ نہایت ضروری ہے کہ ان مشغلوں سے بچے کی زندگی کو خوشگوار بنایا جائے۔ ورنہ وہ بیکاری سے اکتا کر وہ ستم ڈھائیں گے کہ آپ بھی چلا اٹھیں گے گو ایک دم ان سب مشغلوں سے کسی کو دلچسپی نہیں ہوسکتی۔ مگر ان میں سے چند مشغلوں سے ضرور ہر شخص کو دلچسپی ہوتی ہے۔ اپنی اسی دلچسپی کو وسعت دے کر بچے کے لئے کافی مواد حاصل کیا جاسکتا ہے۔

سعیدہ ضمیر (حیدرآباد)

# خاموشیوں کی گود میں

کتنی میٹھی ہوگی یہ نیند، جو تم سو گئیں
اور کتنے میٹھے ہوں گے وہ خواب جو تم دیکھو گی
شائد اسی وجہ سے تم اُٹھنے کا نام تک نہیں لیتیں
اے خاموشیوں کی گود میں سونے والی لا پرواہ بہن!
تمہاری دنیا کا سورج ابھی ابھی مشرق سے ابھرا تھا
کتنا سہانا وقت تھا
یہ تمھارے چھپے ہوئے جذبات کے ابھرنے کا وقت تھا
لیکن تم نے اس وقت کی کوئی قدر نہ کی۔ اور سو گئیں!

---

کتنی دیر سے ہم یہاں کھڑے ہیں ..... .... اور تم
کیا تم روٹھ گئی ہو؟
اس دنیا کی بے اعتنائی پر
ہم تم سے کچھ نہیں کہتے کچھ نہیں مانگتے
ہماری آرزوئیں تمہیں منا رہی ہیں۔
من جاؤ لِلّٰہ من جاؤ
ہماری آہیں تمہیں اس نیند سے جگا رہی ہیں
جاگ اٹھو۔
اے خاموشیوں کی گود میں سونے والی اب بہت دیر ہو چکیں۔
تمہاری یاد تازہ کرنے کے لئے ہم نے کیا کیا نثار نہ کیا
آہیں۔ آنسو اور امیدیں
تو بھی تم ہمیں بھول رہی ہو
لیکن ای خاموشیوں کی گود میں سونے والی لاپروا بہن آمنہ تمہیں ہم بھول نہیں سکتے۔

وہ جوانی .............جس میں شوخی تھی
وہ طبیعت...........جس میں رنگینی تھی
اور وہ امنگیں........ جن میں تڑپ تھی
آہ..............ہم نہیں بھول سکتے

ہاں........ وہاں جہاں تم جا رہی ہو
تمہارے پہونچنے سے پیشتر کتنا شور اٹھے گا
ہماری ان آہوں کا
جو رات کی تاریکی اور خاموشی کو چیر چیر کر آسمان کی طرف جا رہی ہیں۔

عقیلہ بیگم (بنت مرزا شاکر حسین بیرسٹر)

# حضرت عمرؓ کی ہمدردی

ایک شب حضرت عمرؓ گھر سے شہر میں گشت کے لئے نکلے
آئی اک گھر سے درد کی آواز سُن کے گھبرائے وہ امیر حجاز
گھر کے مالک سے آپ نے پوچھا اس نے سب حال خود بیان کیا
درد زہ سے نڈھال ہے عورت نہیں دایہ۔ بُری ہوئی حالت
سُن کے یہ اپنے گھر سدھارے عمرؓ اپنی بیوی کو لائے اُس کے گھر
آ کے حضرت عمرؓ کی بیوی نے دی تسلی کہ وہ نہ گھبرائے
تھوڑی ہی دیر میں ہوا اچھا تو اُنھوں نے پکار کر یہ کہا
دو عمرؓ! دوست کو مبارک باد حق نے بیٹا دیا، دل اب ہو شاد
سُن کے حضرت کا نام گھر والا سٹ پٹایا، بہت ہی گھبرایا
شکر ان کا ادا کیا اُس نے اور پھر اس طرح کہا اُس نے
کیا خبر تھی کہ ہیں خلیفہ آپ آپ تو ہیں ہمارے ماں اور باپ
جب عمرؓ سا خلیفہ ہم پائیں
کوئی کیا دے گا ہم کو ایذائیں

جوہر چاندوڑی

# بدمزاج بیوی

میری والدہ کی ایک پرانی ہمسائی تھیں جنہیں میں بچپن میں خالہ ہمسائی کہا کرتی تھی۔ میری اور ان کی آخری ملاقات اس وقت ہوئی تھی جب ان کے بیٹے کی نئی نئی شادی ہوئی اور مجھے اب تک یاد ہے کہ ان کی بہو پیاری صورت کی تھی۔ اور سنا تھا کہ پڑھی لکھی اور سلیقہ شعار بھی ہے۔ بہو کو دیکھ کر میاں، ساس نند، غرض تمام سسرال نہال نہال تھی۔ چند دن بعد میں وطن سے بہت دور چلی گئی اور پھر مدت تک ان لوگوں سے ملاقات نہیں ہوئی بیچ بیچ میں چھٹے تو دس برس کے طویل عرصے میں میرے ذہن سے ان کا خیال ہی نکل گیا تھا۔

جب دوبارہ وطن واپس آئی تو ایک دن برابر والے مکان سے دو بچے کھیلتے ہوئے میرے ہاں آگئے، ایک سات برس کی بچی تھی اور دوسرا تین سال کا بچہ۔ بچے پیارے پیارے اور صاف ستھرے تھے میں نے انھیں پیار کیا اور پوچھا کہاں رہتے ہو؟ تو لڑکی نے بتایا کہ پڑوس والا مکان ان ہی کا ہے۔ اُس کے باپ کا نام پوچھا تو بشیر احمد بتلایا یکایک مجھے یاد آیا کہ بشیر احمد تو ہماری خالہ ہمسائی کے لڑکے ہیں۔ میں نے بچوں سے کہا کہ دوپہر کو میں تمھارے گھر آؤں گی بچے تھوڑی دیر بعد چلے گئے اور میں کام میں مصروف ہوگئی۔

دوپہر کو میں نے دس برس کی مقفل کھڑکی کھولی اور یہ ارادہ کر ہی رہی تھی کہ ماما کو بھیج اپنے آنے کی اطلاع کراؤں کہ کسی کے بحث جھکنے کی آواز نے مجھے اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ کوئی عورت کہہ رہی تھی "بس بی بس! تم مجھ سے زبان نہ لڑایا کرو۔ تمھاری بدمزاجیاں تمھارے صاحب بہادر کو مبارک رہیں۔ مجھے اگر ایک کہو گی تو دس سنو گی، ہر وقت بدمزاجی، ہر دم منھ سوجا ہوا۔ اس عورت کا تو دماغ خراب ہوگیا ہے؟ دوسری جھلائی ہوئی آواز سنائی دی"۔ سلمہ آپا تم تو جب دیکھو یوں ہی پیچھے پڑی رہتی ہو۔ آخر میں نے تمہیں کیا کہا جو تم اُبل پڑیں۔ بچوں کو ماروں ڈانٹوں تو تم کون بیچ میں بولنے والی؟ بچوں کی عادتیں بگڑیں تو کس کی زندگی خراب ہوگی؟ اور تو سب مزے سے رہیں گے میرے بچے ستیاناس ہوجائیں گے"۔

سلمہ نے غصے میں چلا کر کہا "بس بس زیادہ نہ اتراؤ۔ لو بڑی آئیں بچوں والی، تم کون ہوتی ہو بچوں کی؟ ہمارے بچے ہیں، ہمارے باپ بھائی کی اولاد ہیں ہم لاکھ دفعہ بولیں گے۔ توبہ توبہ یہ ماں کیا ڈائن ہے بچوں کو جب چاہے مار مار کر ادھ موا کر دیتی ہے"۔ ساتھ ہی کسی کے زور زور سے دو ہتڑ لگانے کی آواز آئی اور ساتھ ہی چلانے کی "خبردار اب اگر بچی کو ہاتھ لگایا تو خدا کی قسم اچھا نہ ہوگا" وہ یہ کہہ بچی کو گھسیٹ کر گود میں اٹھا اور سیدھی میری کھڑکی کی طرف آئیں۔ میں اس لڑائی سے حیران پریشان کھڑی تھی اُنھیں دیکھ کر سٹ پٹا گئی۔ مگر جلدی سے سنبھل کر کہا "آیئے آپا سلمہ آئیے میں آپ ہی سے ملنے آتی

تھی۔" وہ میرے گھر شام تک بیٹھی رہیں۔ پہلے بھاوج کا رونا روتی رہیں کہ اس قدر بدمزاج اور زبان دراز ہے جس کی انتہا نہیں، بچے پریشان، میاں نالاں، سسرال متنفر غرض سب ان سے بیزار ہیں۔ پھر اپنا حال سناتی رہیں کہ پہلے میاں مرے اب دو سال ہوئے ماں بھی چل بسیں اور میں اس ظالم بھاوج کے در پر پڑی جوتیاں کھاتی ہوں۔ انہوں نے کچھ ایسی مظلومی سے بھاوج کی زیادتیوں اور اپنی مصیبتوں کا حال سنایا کہ مجھے ان سے ہمدردی اور ان کی بھاوج سے نفرت سی پیدا ہوگئی۔ شام ہوتے وہ گھر گئیں اور معلوم ہوتا ہے کہ شبیر صاحب کے آنے کے بعد بھی خوب جنگ ہوئی کیونکہ آوازیں برابر آرہی تھیں کچھ عرصے میں میری ان کے ہاں کافی آمدورفت بڑھ گئی۔ سلمہ کی بھاوج جمیلہ پہلے سے بہت دبلی اور سیاہ ہوگئی تھی۔ مزاج میں بہت چڑچڑاپن تھا مگر مجھ سے تو وہ بچاری ہمیشہ ہی اخلاق اور محبت سے پیش آتی رہی۔ اس کی لڑائی سب سے زیادہ اپنے میاں ہی سے ہوتی تھی۔ دیور، نند، آیا گیا جو چاہے کہہ لے وہ منہ پھلا کر یا زیادہ سے زیادہ دو ایک جواب دے کر چپ ہوجاتی مگر شبیر صاحب سے خوب لڑتی تھی۔ خود شبیر صاحب نے اکثر میرے شوہر سے شکایت کی کہ "بھائی میں تو اس زندگی سے تنگ آگیا ہوں۔ بیوی کی بدمزاجی اور زبان درازی روز بروز بڑھتی ہی جاتی ہے اور ان پریشانیوں اور جھگڑوں نے میری زندگی حرام کر رکھی ہے۔" واقعی ان کے گھر کی حالت بہت افسوس ناک تھی۔ ہر وقت جھگڑا، ہر وقت لڑائی، رونا دھونا، ہسٹریا کے دورے، ایک آفت مچی رہتی تھی۔ ہاں اتنا اندازہ میں نے لگایا کہ سلمہ بڑی بس کی گانٹھ ہے۔ بھائی کے پیچھے بھاوج کو ہزاروں طعنے تشنے سناتی اور اس کے سامنے مسمسی بلی بنی رہتی ہے اور ایسی ترکیب سے آگ پر تیل چھڑکتی ہے کہ بھائی اُسے مظلوم اور بے زبان اور بیوی کو ظالم اور لڑاکا سمجھتا ہے۔ اسی طرح چھ مہینے گزر گئے اور جمیلہ سے میری خوب دوستی ہوگئی۔

ایک دن سلمہ اپنے کسی عزیز کے ہاں گئی ہوئی تھی اور جمیلہ اپنے بچوں کو لئے ہوئے میرے ہاں بیٹھی تھی۔ وہ آج معمول کے خلاف کچھ خوش تھی اور خوب ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی۔ میں نے موقع اچھا سمجھ کر کہا: "جمیلہ بہن اگر بُرا نہ مانو تو ایک بات کہوں۔" جمیلہ بولی "شوق سے کہو۔" میں نے کہا: "مگر ڈر لگتا ہے کہ تم خفا نہ ہوجاؤ۔" جمیلہ نے کبیدہ ہوکر جواب دیا: "باجی میں لاکھ بدمزاج سہی مگر پاگل بھی نہیں ہوں کہ کسی نے بات کی اور میں کاٹنے کو دوڑی۔" میں نے ہنس کر کہا "واہ بہن تم تو ابھی سے خفا ہوگئیں۔" جمیلہ نے دردناک لہجے میں کہا "نہیں نہیں میں نہیں ہوئی۔ بہن اگر کوئی مجھے جوتیاں بھی مار لے اور مجھے یقین ہو کہ اس کی مار میں خلوص ہے تو خدا کی قسم میں اُس سے ناراض نہ ہوں۔ اور تم سے تو میں کبھی خفا ہو ہی نہیں ہوسکتی۔ ایک تم ہی تو ایسی ملی ہو جو مجھے انسان سمجھتی ہو۔" میں نے کہا: "جمیلہ یہی میں پوچھنا چاہتی ہوں کہ کیا وجہ ہے کہ سارا زمانہ تمہیں بدمزاج سمجھتا ہے۔ مجھ سے تو تم بہت اخلاق اور محبت سے ملتی ہو۔ اور جب تمہاری شادی ہوئی ہے اُس زمانے میں بھی تم بہت ہنس مکھ اور خوش مزاج تھیں۔ اب ہر ایک سے تمہاری بدمزاجی کا گلہ سُن کر مجھے بہت رنج ہوتا ہے اور معاف کرنا واقعی تمہارا مزاج تیز ہو بھی گیا ہے۔"

جمیلہ کی آواز بھرّا گئی" باجی کیا تم سمجھتی ہو کہ مجھے اپنی بدمزاجی کا احساس نہیں ہے اور لوگوں کو اپنے سے خفا دیکھ کر دُکھ نہیں ہوتا؟"

میں نے کہا" جمیلہ جب تمہیں اپنی کمزوری کا احساس اور اعتراف ہی تو اُسے دور کرنے کی کوشش نہیں کرتیں؟"

جمیلہ بولی" ارے بہن جس پر مجھ جیسی مشکلیں گزریں وہی جانے، کاش تم جانتیں کہ میں ایسی کیوں ہو گئی ہوں" میں نے کہا "یہی تو پوچھتی ہوں. مجھے افسوس تو یوں ہوتا ہے کہ تم حسین ہو، پڑھی لکھی ہو سلیقہ شعار اور محنتی بھی ہو پھر بھی تم میاں بیوی میں سلوک نہیں. اور سوائے بدمزاجی کی شکایت کے انہیں تم سے اور کوئی شکایت بھی نہیں ہے اور بہن! تم سب سے زیادہ لڑتی بھی تو انہیں سے ہو"

جمیلہ کو غصہ آگیا.

"میری بدمزاجی کی شکایت ہے؟ خوب. خدا کے لئے کوئی ان سے یہ تو پوچھے کہ جمیلہ کو بدمزاج بنایا کس نے؟" میں نے جمیلہ کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا" جمیلہ ذرا سنو تو" جمیلہ دھیمی ہو کر بولی" بہن میں تمہیں سچا سچا حال سناتی ہوں تمہیں قسم ہے غور سے سننا اور انصاف سے کہنا کہ قصور کس کا ہے.

میری ماں کا میرے بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا اور باپ نے دوسری شادی کر لی تھی. سوتیلی ماں نے مجھ پر جو سختیاں کیں ان کا ذکر کرنے سے کیا فائدہ مگر میں نے ہمیشہ انھیں خوش رکھنے کی کوشش کی اور ہر طرح کی خدمت کی. سارا خاندان ان کی بدمزاجی کا حال جانتا تھا اور میری تعریف کرتا تھا کہ ان کی سختیاں ہنس کھیل کر اُٹھاتی ہوں. شادی کے بعد ساس سے سابقہ پڑا. میں سمجھتی تھی کہ جب میں نے سوتیلی ماں کی باتیں سہہ لیں تو ساس سے نباہ کرنا تو زیادہ آسان ہے مگر جلدی ہی میرا یہ خیال غلط ثابت ہوا. بہن یقین کرنا تمام دن لونڈی کی طرح ان کی خدمت کرتی تھی اور ہمیشہ ان کے ہر جا بیجا حکم پر سر جھکاتی تھی. صاحبزادے کہتے" ساڑھی پہنو" اماں جان فرماتیں کہ" ساڑھی کو ہاتھ لگایا تو ساڑھی اور ہاتھ دونوں جلا دوں گی" بیٹے کہتے" سینما چلو" اماں کہتیں" گھر سے قدم نکالا تو ٹانگیں توڑ دوں گی" اور ایسی ہی سینکڑوں باتیں روز گھر میں ہوتی رہتیں اور میں خدا جانے کس کس تدبیر سے دونوں ہی کا حکم مانتی. شادی کو سال بھر بھی نہیں گزرا تھا کہ ساس کو پوتے کی آرزو بے قرار رکھنے لگی. کبھی علاج کرائیں، کبھی ملا سیانے بلائے جاتے، اور کبھی تعویذ گنڈے پہناتیں دو سال بھی نہیں ہوئے تھے کہ بیٹے سے دوسری شادی کا تقاضا ہونے لگا اور ان کے اس جواب پر کہ" کون سے دس بیس سال ہو گئے" میری شامت آگئی. ہمیشہ یہی ہوتا تھا کہ لڑائی ہوتی بیٹے سے اور غصہ اترتا مجھ پر. خیر خدا کی قدرت اس جھگڑے کے سال ہی بھر بعد یہ بچی پیدا ہو گئی. اگرچہ لڑکا نہ ہونے کا ساس کو بہت افسوس ہوا مگر" نہیں سے ہاں بھلی" سمجھ کر ذرا آنسو پونچھ گئے. اب مجھ پر بچی کا کام بھی پڑا. اور سسرال والوں کی باتیں اور بھی بڑھ گئیں" یہ کیوں کھایا" وہاں کیوں گئی؟" بچی کو پلنگ پر کیوں ڈالا" غرض کہاں تک کہوں ناک میں دم آگیا اُدھر شوہر صاحب کی خفگی کہ" اب تو تمہیں میری

پرواہی نہیں رہی۔ تم تو بچی کے پیچھے مجھے بھول گئیں" غرض گھر کے بکھیڑوں، بچی کی پرورش، شوہر کی نازبرداری اور سسرال کی پرورش میں ڈھائی سال اور گذرے تھے کہ ایک اور بچی ہوکر مرگئی۔ اب تو ساس کو ایک شگوفہ ہاتھ آیا۔ ہر وقت یہ رونا کہ اس کے لڑکا نہیں ہوگا، یہ میرے گھر نحوست پھیلانے آئی ہے میں تو اپنے بچے کا دوسرا بیاہ کروں گی۔ اُدھر میاں کو دیکھتی ہوں تو ان کا بھی منہ پھولا ہوا رہنے لگا۔ "یہ کام نہیں ہوا؟ تم بھلا کیوں کرتیں؟ ہر دم منہ لپیٹے کیوں پڑی رہتی ہو؟" "ہنستی بولتی کیوں نہیں؟ بال کیوں بکھرے ہیں"۔ بچی کا صدمہ، ساس کے کچوکے اور اُس پر ان کی یہ باتیں خدا جانتا ہے بہن دل زخمی ہوگیا۔ کئی سال یہی کش مکش رہی اور مجھے بالا بالا معلوم ہوا کہ دوسری شادی کی تجویز ہورہی ہے۔ یہ زمانہ میرے لئے سخت روحانی عذاب کا تھا۔ صحت خراب رہنے لگی۔ پہلے اختلاج ہوا پھر ہسٹریا کے دورے پڑنے لگے مزاج میں چڑچڑاپن پیدا ہوگیا۔ کبھی ساس کی کسی بات کا جواب دے دیتی کبھی ان سے اُلجھ پڑتی۔ ساس ہر دم سناتیں "میں تو اب دوسرا بیاہ کروں گی میرا ایک ہی بچہ، اس کے باپ دادا کا نام نہ مٹ جائے گا؟" جب یہ چھوٹا بچہ ہونے والا تھا۔ تب بھی یہی کہتی تھیں "لڑکا ہوچکا، لڑکی ہوگی۔ لڑکا نصیبے والوں کے ہاں ہوتا ہے اس منحوس کے کیوں ہونے لگا"۔ ایک دن میں نے جل کر کہا "لڑکا لڑکی کیا میں خود گھڑ لیتی ہوں؟ خدا کے حکم میں بھی آپ کو دخل ہے؟" بس اُس دن سے تو بے حیائی کا سارٹیفکٹ مل گیا۔ خیر بہن جوں توں یہ زمانہ گزرا اور یہ میاں اصغر پیدا ہوئے۔ اگرچہ میری ساس کو اس کا افسوس ضرور ہوا کہ اب نئی بہو کس بہانے آئے گی مگر ایمان کی بات یہ ہے کہ انہیں پوتا ہونے کی خوشی بھی بہت ہوئی۔ اور کچھ دن تک میاں اور ساس دونوں میری آؤ بھگت کرنے لگے۔ مگر کب تک، پھر وہی حالت ہوگئی۔ قسمت کی بات اُدھر ساس چل بسیں ادھر یہ آپا سلمہ اپنے جیٹھ دیوروں سے لڑ بھڑ کر ہمارے یہاں آگئیں ماشاءاللہ بنا ہے ان کے آنے کے بعد سے تو زندگی ہی اجیرن ہوگئی ہر وقت تو طعن کرتی ہیں اور ایسی ہی کلیجے میں چٹکی لیتی ہیں کہ بس میں ہی جانتی ہوں اور بھائی کے سامنے ایسی سیدھی سادھی بن جائیں گی جیسی بڑی مظلوم ہیں۔ میں تو جو کہتی ہوں صاف صاف اور منہ پر کہتی ہوں مجھ سے ظاہر داری نہیں ہوتی ساری عمر مصیبت ہی میں گزری۔ ماں کا سکھ نہ اُٹھایا، سسرال ملی وہ اس نمونے کی۔ تم جو کہتی ہو کہ میں سب سے زیادہ اُن سے لڑتی ہوں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میں سب کی سہہ سکتی ہوں مگر ان کی بات دل میں تیر کی طرح لگتی ہے۔ غصہ یوں آتا ہے کہ جس کارن یہ سب مصیبتیں جھیلتی ہوں وہ بھی میری حالت کو نہیں سمجھتا۔ دن بھر گھر کے کام میں جُتی رہوں، بچوں کی مصیبت پیٹوں، ان کے عزیزوں کی باتیں سنوں اور وہ آئیں تو وہ بھی مجھے ہی جلاتے آئیں بس ان کی نہیں سنی جاتی پھٹ پڑتی ہوں۔ ارے بہن میرے اندر والے میں گھن لگ گیا ہے گھن۔ سب کی طرف سے دل پھٹ گیا اب تو نہ مزاج کو سنبھالنا میرے بس کا ہے نہ اس کی امید کہ وہ مجھ سے خوش ہوں گے"

رنج سے جمیلہ کا چہرہ متغیر ہورہا تھا اور نہ جانے وہ اور کیا کیا کہتی کہ شبیر صاحب کے پکارنے کی آواز آئی اور وہ آنسو

پوچھتی جلدی سے اُٹھ کر چلی گئی اور میں گھنٹوں بیٹھی یہ سوچتی رہی کہ اس دکھیاری کی داستان واقعی دردناک ہے اور ان حالات میں جو اسے پیش آئے کسی کا بھی مزاج اپنی اصلی حالت پر نہیں رہ سکتا. ساتھ ہی بار بار مجھے یہ خیال آتا تھا کہ گو جمیلہ قصوروار نہیں مگر مزاج کی خرابی سے تکلیف زیادہ تر اُسی کو پہنچتی ہے. شوہر اُس سے نالاں رہتا ہے. رفتہ رفتہ صورت سے بیزار ہو جائے گا. اُس کی اپنی صحت ہر وقت کی جلن سے روز بروز خراب ہوتی جاتی ہے. بچوں پر ماں کی بدمزاجی اور باپ کی نفرت کا بہت بُرا اثر پڑے گا. اس لئے جمیلہ کو کوشش کرنی چاہیئے کہ جہاں تک ہو سکے اپنے مزاج کو سنبھالے. کام اگرچہ بہت ہی مشکل ہے. پر ناممکن نہیں. بہت سی خدا کی بندیاں اسی ہندوستان میں یہ اور اس سے زیادہ مشکلیں ہنس کھیل کر اُٹھاتی ہیں. لیکن میں نے سوچا کہ اگر میں نے جمیلہ کے سامنے وعظ و نصیحت کا دفتر کھولا تو اُس پر بہت ہی کم اثر ہوگا. وہ مجھے یا تو اپنا دشمن سمجھے گی یا بے حس اور بے درد کہے گی اس لئے مناسب یہ ہے اور میرا فرض بھی یہی ہے کہ میں اُس کی ہمدردی کروں. دُکھ سُکھ اور مشکلات میں اس کا ساتھ دوں اور موقع موقع سے اُسے سمجھاؤں تاکہ رفتہ رفتہ اُس کا مزاج بدل جائے.

میرا خیال ہے کہ اس میں زیادہ قصور اُس کے شوہر کا تھا. کاش کوئی انہیں سمجھاتا کہ عورت سب کچھ برداشت کر سکتی ہے مگر شوہر کی بے مہری کو برداشت نہیں کر سکتی. جمیلہ کی بدمزاجی حقیقت میں بگڑی ہوئی محبت ہے. اُس کا نرم و نازک دل تمہاری ترش روئی سے پھٹ گیا ہے جیسے دودھ کھٹائی سے پھٹ جاتا ہے.

(اے. آئی. آر)

صالحہ عابد حسین. دہلی

# تاج محل (کنارِ صبح میں)

وہ رات کا آخری دھندلکا، وہ دور تک ہلکے ہلکے سائے
فرشتۂ شب سمیٹ کر ان کو ایک عجلت سے جا رہا ہے
شگفتگی طلعتِ سحر کی دماغِ عالم پہ چھا گئی ہے
ستارۂ صبح دامنِ صبح میں پڑا جھلملا رہا ہے
کنارِ جمنا ہیں جیسے بیٹھی ہوئی سحر کی ہے شاہزادی
صبیح، ہلکی سنہری کرنوں میں تاج یوں جگمگا رہا ہے

یہ جلوۂ تاج، یہ نظارہ، یہ حسنِ سیمیں، یہ نقشِ رنگیں
ملی ہے عمرِ دوام جن کو، یہ وہ مجسم لطافتیں ہیں
نہیں ہیں یہ سرو اور صنوبر، نہیں یہ شاداب پھول کلیاں
مگر مجسم جو ہو گئی ہیں یہ رنگ و بو کی قیامتیں ہیں
کیا ہے پنہاں کبھی محبت نے ان کو تعمیرِ تاج میں
نہ چھو سکے گا انہیں تصور، خیال کی یہ نزاکتیں ہیں

ہے ذرہ ذرہ میں اس کے پنہاں وفائے بے حد کا اک فسانہ
زمانہ جس کو بھلا سکے گا نہیں یہ وہ عشق کی کہانی
ازل سے تھا فیصلہ کہ اس کا غروب ہوتا نہیں مقدر
رہے گا رخشاں یوں ہی ابد تک یہ وہ ستارہ ہے غیرفانی
یہ شانِ رخشندگی کہ جس میں ہمیشہ اک زندگی نو ہے
نہ ہو گی اس پہ فنا مسلط. کہ یہ ہے اک نقشِ جاودانی

آنسہ خورشید اقبال حامیرٹھی

# بچوں کو گداگری سکھانا

دیگر ملکوں کی انجمنوں میں انسداد گداگری کی قراردادیں پاس ہوتی ہیں۔ کونسلوں اور اسمبلیوں میں بل پیش ہو کر قانون کی صورت اختیار کر کے ملک میں نافذ ہوتے ہیں اور اس ذریعہ سے بچے کیا، بوڑھے بوڑھے مرد اور عورتوں سے یہ باعث ننگ و ناموس پختہ عادتیں چھڑائی جاتی ہیں۔ مگر افسوس ہمارے ملک میں بھیک منگوں کی اصلاح کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے اسی بہانے یتیم خانے بنا کر چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کو بھیک مانگنے کا طریقہ سکھا کر اس لاعلاج مرض میں گرفتار کراتے ہیں۔ کیا اچھا ہوتا کہ ان معصوموں کو یتیم خانوں میں بھیجنے کی بجائے چند دولت مسلمان آپس میں مل کر ان کو مذہبی و اخلاقی تعلیم دلواتے اور سوال کرنے سے بچاتے، جب دیکھو دو دو لڑکے بغل میں رجسٹر، جس میں چندہ دہندگان کے نام درج ہوتے ہیں، چند ایک رسید بکیں کچھ اشتہارات وغیرہ دبائے کھڑے ہیں۔ رجسٹروں میں ہمیشہ مبالغہ آمیز چندہ لکھا ہوا ہوتا ہے کیونکہ جب بھی ہم چندہ دیتے ہیں تو شور مچاتے ہیں"۔ اجی پچھلے سال تو آپ نے اتنا چندہ دیا تھا اب کیوں کم دیتے ہیں"۔ ہم کہتے ہیں "بھئی آج سے پہلے تو ہم نے تم کو دیکھا بھی نہیں۔ چندہ دینا کیا معنی؟ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ "اجی جناب یہ دیکھئے آپ کا نام رجسٹر میں لکھا ہوا ہے اور آپ نے اپنا چندہ دیا ہے" یہ کہہ کر ورق گردانی شروع کرتے ہیں۔ دوسرے دن دو اور لڑکے آموجود ہوئے اور لگے غزل خوانی کرنے وہی ایک غزل ایک ہی سُر۔ چاہے گھر میں بیمار پڑا ہو یا بچہ سو رہا ہو یا کوئی اور ایسی بات ہو کہ خاموشی چاہیئے مگر کیا مجال جو ان کو کوئی چپ کرا سکے جب بہ ہزار منت سماجت ذرا چپ ہوئے۔ اور ہم چندہ دینے لگے تو وہ شور مچانے لگتے ہیں کہ ہم اتنا تھوڑا چندہ نہیں لیتے یہ دیکھئے رجسٹر میں آپ نے پچھلے سال دس روپے دئے تھے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ کل یا پرسوں یا اترسوں یا ہفتہ ہوا دو لڑکے آئے تھے ان کو چندہ دے دیا ہے تو جواب سنئے کیا فرماتے ہیں۔ اجی جناب! وہ کوئی دھوکے باز ہوں گے۔ اب ہم لاکھ کہیں کہ بھئی ہم کیا جانیں، یہی رجسٹر ان کے پاس تھا، یہی رسید تھی پھر وہ کیسے چور ہوئے اور تم سچے؟ لیکن وہ کہیں گے نہیں جی یہ دیکھئے ہمارے یتیم خانے کی مُہر یہ ہے ہمارے سفیر کے دستخط۔ اور جب ہم پوچھتے ہیں کہ تمھارے ساتھ کوئی بڑا بھی ہے؟ تو ہچکچا کر کہتے ہیں ہاں ہمارا اسفیر ساتھ ہے۔ جب کہتے ہیں جاؤ اس کو بلا لاؤ۔ تو کبھی بہانہ بناتے ہیں کہ ہم ادھر آگئے اور وہ دوسرے بنگلے میں گئے ہیں۔ کبھی جب مجبور ہو کر بلانے جاتے ہیں تو ساتھ ہی خود بھی غائب ہو جاتے ہیں۔ اور جب کبھی شاذ و نادر سفیر آ بھی جاتا ہے۔ تو یہ یقین نہیں آتا کہ یہ ان کا بڑا یا سرپرست ہے۔ کیونکہ وہ ان لڑکوں سے ذرا بڑا ہوتا ہے۔ کپڑے میلے کچیلے پائنچے پھٹے ہوئے شکل و صورت سے نہ رعب دار معلوم ہوتا ہے نہ تعلیم یافتہ اور لطف یہ کہ ہر ایک پارٹی اپنے سے پہلی پارٹی کو چور اور جھوٹا بتاتی ہے۔ آدمی عجیب کشمکش میں ہوتا ہے۔ اگر وہ لڑکے جھوٹے اور

چور تھے تو ان کی سچائی کا کیا ثبوت ؟ جب ان باتوں کا جواب نہیں پاتے تو کوئی اپنا تعلق قدیمی یتیم خانہ سے بتاتے ہیں۔ کوئی تعلیم الاسلام لاہور سے کوئی تعلیم القرآن دہلی سے اور کوئی مدرسہ شمسیہ وغیرہ۔ اسی طرح اور بہت سے نام لیتے ہیں جو اس وقت مجھے اچھی طرح یاد نہیں۔ ہاں میں یہ کہے بغیر بھی نہیں رہ سکتی کہ آج تک انجمن حمایت اسلام یتیم خانہ لاہور سے کوئی بچہ نہیں آیا۔ صرف وہی ایک یتیم خانہ ہے جو بچوں کو بھیک جیسی مذموم عادت سے بچاتا ہے۔

پھر ان لڑکوں کی اخلاقی حالت بھی بہت گری ہوئی ہوتی ہے۔ اتنے زبان دراز اور اتنے لڑاکا کہ الامان۔ آبائی پیشہ ور بھی اتنے ڈھیٹ نہیں ہوتے جس قدر یہ لڑکے ہوتے ہیں۔ کیا مجال جو کم سے کم ٹل جائیں۔ ایک لڑکے کو جو کسی طرح جاتا نہیں تھا اور شور مچاتا تھا کسی نے ہاتھ پکڑ کر باہر کرنا چاہا۔ ہاتھ کو پکڑنا نہیں تھا بلا کو چھیڑنا تھا۔ وہ طوفان مچایا ایسی واویلا اور رونا شروع کیا کہ ہم حیران رہ گئے وہ بد دعائیں دیں کہ کیا بتاؤں۔

تھوڑے دن ہوئے تین لڑکے آئے دونوں لگے کھیلنے اور ایک بیٹھ گیا چندے پر جھگڑنے۔ جب کہا دیکھو لڑکو جو دینا تھا وہ دے دیا اب مہربانی کر کے چلے جاؤ تو لڑاکو لڑکا کہنے لگا میں تو زیادہ چندہ لئے بغیر نہیں جاتا۔ آخر اُس کو گود میں اُٹھاکر باہر لے جاکر چھوڑا۔

یہ حال ہے ان لڑکوں کا جو یتیم کہلاتے ہیں حالانکہ جو سچ مچ کے یتیم ہوتے ہیں وہ ڈر کے مارے بات تک نہیں کرسکتے اس لئے میں ان یتیم خانوں کے سرپرستوں سے مودبانہ عرض کرتی ہوں کہ اگر آپ واقعی قوم کے ہمدرد ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ قوم کی حالت سدھر جائے۔ اور یتیم و بےکس بچے آوارہ گردی سے بچائے جائیں تو خدارا ان کو سوال جیسی خراب عادت نہ ڈلوائیں۔ کیونکہ اگر ان چھوٹے چھوٹے بچوں کو سوال کی عادت پڑ گئی تو بڑے ہوکر وہ یہی بلا محنت کا پیشہ اختیار کریں گے۔

سیدہ قانتہ بیگم پشاور

کل رسم و رواج کے علاوہ مسلمان گھرانوں میں شرک و بدعت کی حد کو پہنچنے والی بہت سی رسوم کا واضح بیان ہے۔ اس قدر رسوم اب تو باقی نہیں رہیں، پھر بھی کافی ہیں۔ سمدھیانے کے لوگوں کو گالیاں دینے کا دستور ہے۔ مراثنیں اور مامائیں وغیرہ ایسے فحش گیت گاتی ہیں جنہیں کوئی شریف و حیادار آدمی سننے کا متحمل نہیں ہوسکتا پر وہاں ہنسی مذاق میں کوئی ان کا بُرا نہیں مانتے۔ شربت پلائی اور تھال کے ساتھ گالیاں ضروری ہیں گالیاں سنا کر انعام بھی حاصل کرتی ہیں۔

لیکن جو لوگ شرعی شادی کرتے ہیں۔ وہاں باجا یا ناچ مجرا نہیں ہوتا مہر کا عام دستور ۴۰ ہزار ہے پر کم و بیش بھی ہوتا ہے رخصتی کے بعد چوتھی نوروز وغیرہ میں خوب آؤ بھگت ہوتی ہے۔ جہیز بہت سلیقہ سے دیتے ہیں۔ اور خوب دیتے ہیں بے مصرف اور فضول چیزیں بھی بہت دی جاتی ہیں۔ امیر گھرانوں کی شادی میں ۱۰۔۲۰ ہزار خرچ کرنا عام بات ہے۔ خرچ کم کرنے سے جگ ہنسائی کا خوف ہوتا ہے۔ لہذا نام نمود کے لئے قرض لینے یا جائداد رہن رکھنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ شادی بیاہ کی تقریبوں اور فضولیات کی بدولت اکثر آدمی تباہ ہو جاتے ہیں۔ سمدھنوں کو تانبے یا بلوری برتنوں میں میٹھے اور میوے اور مکھانے کے ہار دیئے جاتے ہیں۔ طعام ولیمہ کا کھانا دوست احباب کو کھلایا جاتا ہے۔

بچہ تولد ہونے سے قبل ستوانسا نوماسا ہوتا ہے۔ برادری اور سسرال سے بدھاوا آتا ہے۔ بچے کی چُسنی جھنجھنا ہنسلی کڑے سونے چاندی کے نیز زچہ بچہ کا جوڑا آتا ہے۔ کھچڑی بٹتی ہے۔ مسالہ تقسیم ہوتا ہے۔ زچہ کو حریرا حلوے سونٹھ زیرہ خوب کھلایا جاتا ہے۔ چھٹے دن زچہ غسل کرتی ہے ساتویں دن یا چودھویں یا ۲ ماہ پر عقیقہ ہوتا ہے۔ عقیقہ، چھٹی، ختنہ، بسم اللہ کنچھیدن وغیرہ تقریبات تیاری سے کرتے ہیں۔ بہار کی خواتین زندہ دل ہوتی ہیں۔ اور ہر ایک خوشی کے موقع پر بڑی خوشی سے تیاری کرتی ہیں۔ بچے کو اکثر مائیں انا اور کھلائی کے سپرد کر دیتی ہیں اور خود بچے کی پرورش میں بہت کم حصہ لیتی ہیں۔ انا کھلائی وغیرہ بچے کی پوری نگہداشت نہیں کرتیں بلکہ کثیف رکھنے کے علاوہ عادت اطوار کا بھی ناس کرتی ہیں۔ بچوں کو بہت دیر میں نہلاتی ہیں۔ تیل بہت ملتی ہیں۔ چھوٹے بچوں کو ہوے وغیرہ سے ڈراتی ہیں۔ بچہ زیادہ روتا ہو تو نظر لگ جانے کے شک پر مرچیں وار کر آگ میں جلاتی ہیں۔

بعض مائیں دودھ بھی بلا وجہ نہیں پلاتیں۔ اور انا کے دودھ یا شیشی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اماں کہنے کے بجائے باجی یا ماں یا دولہن کہنا سکھایا جاتا ہے اور نانی کو اماں کہلوایا جاتا ہے۔ کیونکہ اماں کہنے سے بچہ کی ماں شرماتی ہیں۔ اگرچہ ماں بنی سنوری رہتی ہیں پر بچے میلے اور کثیف نظر آتے ہیں۔

**مذہب اور تہوار**

رمضان شریف میں کم لوگ روزہ قضا کرتے ہیں اور دنوں کی نسبت نماز پابندی سے پڑھی جاتی ہے مسجدوں میں افطاری بھیجتی ہیں۔ افطاری میں بڑا سامان ہوتا ہے۔ عید کو نماز مستورات گھر پر ادا کرتی ہیں۔ مٹی کے پیالوں میں چھوہارے اور دودھ پر نیاز دی جاتی ہے۔ سویاں طرح طرح سے پکتی ہیں۔ تہواری سب کو دی جاتی ہے۔ شب برات میں حلوے اور چپاتیاں پکتی ہیں۔ فاتحہ عزیز متوفین کی نام بنام دی

جاتی ہے۔ خیرات زکوٰۃ کافی دی جاتی ہے، شب قدر میں شب باش رہ کر عبادت کی جاتی ہے۔ آتش بازی بھی چھوڑی جاتی ہے محرم میں کوئی دس دن کوئی دو دن روزے رکھتی ہیں۔ چاند دیکھ کر اکثر سنی خواتین بھی چوڑیاں توڑ دیتی ہیں۔ محرم میں اور تہواروں سے زیادہ تیاری ہوتی ہے۔ جوق جوق عورتیں شیعوں کے ہاں مجلسوں میں جاتی ہیں۔ سبز و سیاہ رنگ کے کپڑے پہنے جاتے ہیں۔ ساتویں اور نویں و سویں کو مالیدہ تل چاوے شربت کھچڑے پر نیاز دی جاتی ہے۔ اکثر سنی بھی تعزیہ داری کرتے ہیں۔ محرم دیکھنے کا شوق حد سے زیادہ ہے۔ گیارھویں شریف اور کریم چک چھپرہ میں زیارت بھی ہوتی ہے۔ وعظ و میلاد عام طور پر ہوتا ہے۔ درگاہوں اور مزاروں پر منت ماننے کا دستور عام ہے۔ اکثر مزارات پر چلہ کشی کرتی ہیں۔ ہندو بھی منت مانتے اور چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ مسجدوں میں طاق بھرے جاتے ہیں۔ سونے چاندی کے چراغ گھی سے جلاتی ہیں۔ حضرت علی رض مشکل کشا کا کونڈا اور سوا پہر کا روزہ بھی رکھا جاتا ہے۔ اکثر خواتین بڑی وہمی ہوتی ہیں۔ ٹونے ٹوٹکے فال شگون کا بڑا خیال ہے۔ ذرا ذرا سی بات میں بدشگونی اور بری فال سمجھتی ہیں۔ بیوہ کا کسی خوشی کے موقع پر سایہ بھی برا خیال کیا جاتا ہے۔ کوّے کی کائیں کائیں۔ اور کتے بلیوں کا رونا بہت منحوس سمجھا جاتا ہے۔ بیمار پرسی اور عیادت کو سب جاتی ہیں۔ رنج و غم کے موقع پر ہمدردی سے پیش آتی ہیں۔ عزیزوں کو تقویت پہنچاتی اور تین دن تک متوفی کے گھر کھانا بھیجتی ہیں۔ بیوگی پر عزیز و اقربا رنڈسالے کا کپڑا پہناتے ہیں۔ سوئم چہارم دسواں بیسواں چالیسواں کی فاتحہ ہوتی ہے۔ مرحوم کے نام کی خیر خیرات کی جاتی ہے۔ میت پر بھاری دوشالہ یا چادر وغیرہ اوڑھا کر جنازہ اٹھاتے ہیں۔ اور وہ بعد چہلم کے خیرات کیا جاتا ہے۔ بیوہ کا نکاح معیوب خیال کیا جاتا ہے۔

## متفرق باتیں

ملاقات کے سلسلہ میں روشن خیال اور تعلیم یافتہ خواتین اعلیٰ درجہ کا اخلاق رکھتی ہیں۔ بعض خوش خلق اور بعض کج خلق بھی ہیں۔ مہمان نوازی اور تواضع کا سلیقہ اچھا ہے۔ پان زردہ شربت ناشتہ سے خاطر کرتی ہیں۔ سواری کا یک طرفہ کرایہ دینے کا بھی دستور ہے پردہ عام ہے۔ بعض خواتین پردہ کو خیرباد بھی کہہ رہی ہیں سواری پر آنے جانے کا رواج ہے۔ گفتگو میں مبالغہ کا حصہ زیادہ ہوتا ہے۔ سلام جھک کر بجالاتی ہیں۔ بہنوئی نندوئی دیور سے پردہ نہیں ہوتا بلکہ ہنسی مذاق کا بھی رواج ہے نشست زیادہ تر فرش چوکی یا چارپائی پر ہوتی ہے۔ تعلیم کا چرچا روز بروز زیادہ ہو رہا ہے۔ گرل اسکول بھی جگہ جگہ قائم ہیں۔ پر عام دستور لڑکیوں کو اسکول میں بھیجنے کا نہیں ہے۔ اکثر گھروں میں استانیاں ڈولیوں میں آکر پڑھا جاتی ہیں۔ پہلے تعلیم کا چرچا بہت کم تھا۔ بلکہ ایک حد تک معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اگر کوئی لڑکی پڑھی ہوئی ہوتی بھی تو بس صرف قرآن مجید یا چند مسائل کی کتب۔ لکھنا سکھانا مناسب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ لیکن شہروں میں اس کا چرچا کافی پھیل چکا ہے۔ پھر بھی تعلیم نسواں کے سلسلہ میں اور اطراف سے صوبہ بہار بہت پیچھے ہے۔ دستکاری میں خواتین کافی مہارت رکھتی ہیں۔ گوٹا بننا۔ سلائی ہر قسم کی بیز چنگی گوکھرو بنانے وغیرہ کی تعلیم اچھی دی جاتی ہے جدید دستکاری میں بھی کافی حصہ لے رہی ہیں۔ غریب بہنیں سلائی کی بدولت اپنی ضرورت زندگی پوری

کرتی ہیں۔ ہر لڑکی کو سلائی کی تعلیم بچپن ہی سے دی جاتی ہے۔ کھانے پکانے میں بھی مشاق ہوتی ہیں۔ مزدور پیشا اور غریب عورتیں غضب کی محنتی ہوتی ہیں۔ لیکن نہایت میلی کچیلی کثیف سر میں تیل ڈالنا کپڑے بدلنا گاہے ماہے ہوتا ہے البتہ رنگین کپڑے ضرور پہنتی ہیں جس کو مہینوں صاف کرنے کی ضرورت نہ ہو۔ ہاتھوں میں کانچ اور لاکھ کی چوڑیاں ہوتی ہیں۔ علاج ڈاکٹری اور یونانی دونوں قسم کا ہوتا ہے۔ تیمارداری کے صحیح اصولوں سے بہت کم واقف ہوتی ہیں۔ دعا تعویذ منت مراد پر اعتقاد زیادہ رکھتی ہیں۔ بھوت پریت اور جن و سایہ سے خوف کرتی ہیں جس قدر آرائش جسمانی کا خیال مدنظر رہتا ہے، آرائش مکان اور صفائی و ستھرائی کا نہیں ہوتا۔ اکثر خواتین نہ تو خود اس کام میں کافی حصہ لیتی ہیں اور نہ ملازموں سے یہ کام بخوبی انجام دلایا جاتا ہے۔ ماما مغلانیاں اتوانائیں پیش خدمتیں متعدد رکھی جاتی ہیں۔ ناس اور سوکھے تمباکو کا استعمال ہوتا ہے بعض عورتیں ادب و تہذیب کا پورا لحاظ رکھتی ہیں۔ اور بعض ساس بہوئیں تو خیر ماں بیٹیوں تک میں خاصی حجت اور تکرار ہو جاتی ہے۔ ماماؤں نیز ملازمہ چھوکریوں کے ساتھ مناسب سلوک اور اچھا برتاؤ نہیں کیا جاتا۔ کہیں تو برابری کا درجہ دیدیا جاتا ہے۔ اور کہیں بدترین سلوک کیا جاتا ہے۔

**بیگم شاہ محمد احسن**

## سرِ راہے

مجھے کل مل گیا اک ہم سفر صحرا نوردی میں
جو کچھ جراُت ہوئی تو میں نے پوچھا باتوں باتوں میں
بتا مجھ کو یہ رنگ و نسل کی تفریق کیسی ہے؟
پراگندہ ہے اب تک ہند کا شیرازہ ملت!
نئی تہذیب کیوں غارت گر گلزار ایماں ہے؟
دلوں سے نقشِ آداب کہن کیوں مٹتے جاتے ہیں؟
نہ وہ ساقی نہ وہ مطرب نہ وہ نغمے، نہ وہ محفل!
خصوصیاتِ نسواں آگئیں کیوں نوجواں میں؟
خواتین مبتلا کیوں ہوگئیں فیشن پرستی میں؟
یہ سن کر یوں کیا ارشاد اس پیر طریقت نے
مگر باطل پرستی ثمرہ ہے تعلیم مغرب کا
تیمر زن، تیشہ زن، کہسار زن نشتر با دپیشہ زن
"مبرا از پردۂ صورت قدم در راہ معنے زن
تبسم بن کے لب پر کھیلتی تھی جس کے مسکینی
تری پیری نے کی ہے گلشن عالم کی گل چینی
خفا ہیں ترک و یونانی، جدا ہیں ہندی و چینی
مرتب ہو سکا اب تک نہ کیوں دستور آئینی؟
بڑھا آتا ہے کیوں ہر سمت یہ سیلاب بے دینی؟
نہ وہ پوشش میں زیبائی نہ وہ صورت میں نگینی!
نہ وہ قابوں میں بریانی، نہ وہ کوزوں میں فیرینی!
انہیں ذوق خود آرائی ہے اور سودائے خود بینی!
سرایت کر رہی ہے ان میں کیوں مغرب کی بے دینی؟
کہ چشم کور سے روپوش ہے یا باطن کی رنگینی
یہ گر بہ پہنچتی ہے عہد تو میں "جنس مسکینی"
مزا تو جب ہے تو حاصل کرے حنظل سے شیرینی
کہ در ہر منزلے مترسے زا سرار نہال بینی"

**محمود اسرائیلی**

# عیادت

طیبہ صغرا خاتون صاحبہ نے عیادت کے بارے میں اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں۔ اس میں شک نہیں۔ ہماری معاشرت میں بہت سی خامیاں ہیں۔ جو اصلاح طلب ہیں۔ جہاں عیادت کرنے والے کا فرض ہو کہ مریض اور تیمار دار کا ہر طرح خیال رکھے وہاں مریض تو خیر مگر تیمار دار کو بھی یہ ضروری ہے کہ عیادت کے لئے آنے والوں کو کھانے پینے اور زیادہ ٹھیرنے کے لئے بلا ضرورت مجبور نہ کرے۔ حد سے زیادہ اصرار کرنے پر کچھ کھانا پینا پڑتا ہی ہے لیکن بعض شکی طبیعتیں گڑبڑ کرتی ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ ہر دو فریق گلے شکوے کا خیال نہ کرتے ہوئے ایک دوسرے کے مزاج اور صحت کا خیال ضرور رکھا کریں۔ یہاں پشاور میں چاہے کوئی کتنی ہی تکلیف میں کیوں نہ ہو۔ آنے والے کی خاطر مدارات ضرور کرنی پڑتی ہے حفظان صحت کے اصولوں سے لوگ بہت کم واقف ہیں۔ طرح طرح کی بیماریاں اکثر لوگوں کو لگی ہوئی ہیں۔ دمہ کے مریض کثرت سے ہیں۔ جوڑوں کا درد۔ موٹاپا۔ وغیرہ ایسے لوگ دائمی مریض ہیں۔ پھر بھی آپس میں مل کر کھاتے پیتے رہتے ہیں۔ کوئی پرہیز نہیں۔ جھوٹا کھا لینے میں کوئی انکار نہیں ایک ہی کٹورے میں گھر کے سب افراد چھوٹے بڑے بیمار، تندرست پانی پی لیتے ہیں اور پھر غضب یہ کہ وہی کٹورہ گھڑے پر الٹا رکھا جاتا ہے کتنا ہی سمجھاؤ جہالت کی وجہ سے نہ سمجھیں گے۔ مریض کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ اور بیماریاں بھی۔ اکثر لوگ محض اپنی جہالت اور غلط ہمدردی کی وجہ سے خود بھی مریض ہو جاتے ہیں۔ وہی بیماری جو ایک کے لئے معمولی ہو۔ دوسرے کے لئے مہلک ثابت ہو سکتی ہے مریض کے پاس جو تیمار دار رہتے ہیں۔ وہ نہ تو اپنی احتیاط کر سکتے ہیں اور نہ برتنوں کی صفائی کا کوئی خاص خیال رکھا جا سکتا ہے۔ جہاں تک ہو سکے عیادت کو آنے والے کو احتیاط لازمی ہے۔

بیماری سے اچھا ہوتے ہی مریض کو کسی کے گھر جانے میں جلدی نہ چاہیئے۔ ایک مرتبہ میرے والد محترم کے ایک دوست کی بیوی ہمارے ہاں آئیں۔ ان کے ساتھ دس سال کی لڑکی بھی تھی۔ یہ لڑکی کرشنا ابھی کھسرا سے پوری طرح صحت یاب نہ ہوئی تھی جسم کے اوپر کھسرا کے نشان نمایاں تھے۔ کرشنا کی ماں نے بتایا "کل ہی یہ نہائی ہے"۔ میری تین سال کی بچی باہر برآمدے میں کھیل رہی تھی۔ اس لڑکی نے آتے ہی اسے اٹھا لیا اور اندر لے آئی۔ اس وقت کیا ہو سکتا تھا۔ آخر میری بچی آنوز کو بھی بخار کے ساتھ کھسرا نکل آئی۔ میری چہیتی بچی جان بر نہ ہو سکی۔ مرحوم شوہر اور دو بچوں کے بعد میرے پاس صرف یہ ایک بچی تھی۔

ہونا وہی ہے جو خدا کو منظور ہو مگر اپنی طرف سے بھی کچھ احتیاط لازمی ہے۔ آخر خدا نے انسان کو سمجھ دے رکھی ہے جتی الوسع بچوں کو ہر جگہ ساتھ نہ لے جانا چاہیئے۔ بچے بہت نازک طبع ہوتے ہیں۔ بچوں پر بیماری جلدی اثر کرتی ہے۔ ایک دفعہ میں ایک دوست سے ملنے گئی۔ جو چند دن سے میرے ہاں نہ آئی تھیں جانے پر معلوم ہوا کہ وہ بخار و زکام میں مبتلا ہیں۔ میرے ساتھ بھائی کی چھوٹی لڑکی تھی۔ اگرچہ میری دوست نے بچی کو اپنے نزدیک نہ آنے دیا۔ اور ہم نے بھی اپنے پاس بہت کم ٹھیرنے دیا۔ پھر بھی دوسرے دن بلقیس کو بخار زکام نے آن گھیرا۔ میں پریشان تھی۔ کہ میری ذرا سی غلطی سے بچی نے اس قدر تکلیف اٹھائی۔ چھوٹی بچی متواتر تین ہفتے بیمار رہی شکر ہو خدا نے صحت دی۔ ہمیں چاہیئے کہ جہاں تک ممکن ہو اپنی طرف سے احتیاط سے کام لیں۔ عیادت کو جہاں جائیں اطلاع دے کر جائیں۔ اس طرح خیر و عافیت بھی معلوم ہو سکتی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ سب کے ہاں ملازم نہیں تاہم کچھ نہ کچھ انتظام کر لینا چاہیئے۔

ایس۔ بی طاہرہ

# چند عام غلطیاں

اس عنوان کے ماتحت ہم چند ایسے امور بیان کریں گے جو ہمارے گھروں میں عام طور پر مروج ہیں اور صحت کے لئے مفید سمجھے جاتے ہیں۔ حالانکہ ہماری صحت کے لئے بہت ہی مضر ہیں۔ اگرچہ فوری طور پر ہم ان کا نقصان محسوس نہیں کرتے لیکن آہستہ آہستہ یہ مضر اثرات بڑھتے جاتے ہیں اور انسان کو اچھا خاصا مریض بنا دیتے ہیں۔

**مشین کے کٹے ہوئے چاولوں کا استعمال** عام طور پر مشین کے کٹے ہوئے چاول استعمال کئے جاتے ہیں لیکن یہ طریقہ صحت کے لئے بہت مضر ہے۔ چاولوں کے اوپر ہلکے گلابی رنگ کا ایک باریک پرت ہوتا ہے جس کے اندر وٹامن B پایا جاتا ہے مشین میں کٹنے کی وجہ سے چاولوں کا یہ باریک پرت ضائع ہو جاتا ہے اور ہم وٹامن B سے محروم رہ جاتے ہیں۔ وٹامن B ہماری صحت کے لئے بہت ہی ضروری ہے اس کی عدم موجودگی میں ایک خاص مرض بیری بیری ہو جاتا ہے جس میں ہاتھ پیر سست بدن سُن اور اعصاب کمزور اور متورم ہو جاتے ہیں۔ تجربے کے طور پر بہت سی چڑیوں کو مشین کے کٹے ہوئے چاول کھلائے گئے تو انہیں مرض بیری بیری ہو گیا۔ لیکن جب ان کو چاولوں کے اوپر کا پرت پانی میں جوش دے کر پلایا گیا تو وہ اچھی ہو گئیں۔

عام طور پر گھروں میں چاولوں کی پیچ پھینک دی جاتی ہے یہ ایک بڑی غلطی ہے کیونکہ چاولوں میں جو وٹامن B پایا جاتا ہے وہ پانی میں حل ہو جاتا ہے اور جب پیچ اتاری جاتی ہے تو یہ وٹامن B نکل جاتا ہے۔

**گوشت** ہندوستانی گھرانوں میں عام طور پر گوشت خوب بھونا جاتا ہے۔ لیکن اس طریقہ پر اس کے قیمتی اجزا کا ایک بڑا حصہ جل جاتا ہے گوشت میں روغنی اجزا بھی ہوتے ہیں جو بھوننے پر جل جاتے ہیں اگر گوشت زیادہ بھونا نہ تو قیمتی اجزا بھی محفوظ رہیں اور گھی کی بھی کم ضرورت پڑے۔

**مشین کا آٹا** آج کل عام طور پر مشین کا پسا ہوا آٹا استعمال ہوتا ہے اول تو مشین کا آٹا زیادہ باریک ہونے کی وجہ سے بہت ثقیل اور دیر ہضم ہوتا ہے دوسرے مشین کی تیز حرکت سے گرمی پیدا ہو کے آٹے کے مفید اجزا بھی مل جاتے ہیں جس کی وجہ سے یہ آٹا بہت ثقیل اور دیر ہضم ہو جاتا ہے اور عمدہ خون پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہاتھ کی چکی کا آٹا بہت ہی عمدہ ہوتا ہے اگر مجبوراً مشین ہی کا آٹا استعمال کرنا پڑے تو اُسے چھاننا نہیں چاہیئے۔

**سرد پانی** سرد پانی کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہ مضر اثرات کو زیادہ جذب کرتا ہے اس لئے زیادہ ٹھنڈے پانی کا استعمال نہ کرنا چاہیئے۔ دانتوں کو بھی زیادہ سرد پانی کا استعمال نقصان پہونچاتا ہے۔ اگر کسی ایسے کمرے میں رات کو سرد پانی رکھا جائے جس میں ہوا کی آمد و رفت ہو تو صبح تک یہ پانی صحت کے لئے نہایت مضر ہو جائے گا۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ

ساٹھ درجہ سرد پانی کا ایک گھڑا صبح تک ڈیڑھ پائنٹ کا ربالک ایسڈ جذب کر لیتا ہے۔ موسم سرما میں رات کو پانی ضرور گرا دینا چاہیئے۔

**ایلومونیم کے برتن** جدید تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ ایلومونیم کے برتنوں میں کھانا پکانا صحت کے لئے بہت مضر ہے۔ حال ہی میں اس کے متعلق ڈاکٹر جارج ڈونلسن کی تحقیقات ایک انگریزی رسالہ میں شائع ہوئی ہیں کہ "ایلومونیم کے برتنوں میں کھانا پکانے سے ایلومونیم کے بعض اجزا مختلف قسم کے سمی مرکبات میں تبدیل ہو کر کھانے میں مل جاتے ہیں اور مختلف طبائع پر مختلف قسم کے سمی اثرات کا باعث ہوتے ہیں۔ بعض طبیعتیں خصوصیت کے ساتھ ان سمی اثرات کو قبول کر لیتی ہیں یہ اثرات پہلے پہل خفیف اور غیر محسوس ہوتے ہیں لیکن سبب کے زائل نہ ہونے کی وجہ سے بڑھتے جاتے ہیں حتیٰ کہ انسان کو اچھا خاصا مریض بنا دیتے ہیں۔

ایک دوسرے محقق کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سوڈے کا پانی جب ایلومونیم کے برتن میں ڈالا گیا تو اس میں جھاگ پیدا ہونے لگے حالانکہ جب اسی پانی کو شیشے کے گلاس میں ڈالا گیا تو کوئی جھاگ نہیں اٹھے اس سے اس کا خیال اس طرف منعطف ہوا کہ کھانا پکانے کے دوران میں ایلومونیم کے اجزا حل ہو کر کھانے کی چیزوں میں مل جاتے ہیں اور وہی ان امراض کا باعث ہوتے ہیں۔ ایلومونیم کے برتن میں نصف گھنٹے تک پانی کو جوش دینے سے اس میں ایلومونیم ہائڈروکسائڈ ایک سمی قسم کا مرکب شامل ہو جاتا ہے جو صحت کے لئے بہت ہی مضر ہے۔ ایک مرتبہ کسی دعوت میں سو آدمی شریک ہوئے اور سو کے سو بیمار ہو گئے۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ ان کی بیماری کا باعث دعوت کا کھانا تھا۔ جو ایلومونیم کے برتنوں میں پکا کر دیر تک کھا گیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایلومونیم کے برتنوں میں کھانا پینا صحت پر ضرور اثر انداز ہوتا ہے۔

میمونہ قدیر

# زندگی

دوست! دنیا کیا ہے؟ چار دن کی زندگی جہاں انسان بلا خواہش آتا ہے اور اپنی مرضی کے بغیر چلا جاتا ہے آہ دنیا میں اس کی قدر کوئی نہیں کرتا۔ اور نہ کوئی اس کی فطرت کو پوری طرح سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ "انسان بچپن میں ایک فرشتہ رحمت۔ لڑکپن میں ایک شیطان اور جوانی میں ایک بیوقوف ہوتا ہے۔ اگر بیوی بچے والا رہا تو زن مرید۔ اگر شادی نہ ہوئی تو وحشی۔ اگر شراب خانہ کو جائے تو کنجوس اور غریب رہا تو بے عقل۔ اگر مالدار رہا تو دنیا کا سب سے خوش نصیب اور تمام نعمتوں سے سرفراز کیا ہوا۔ اور اگر عقلمند رہا تو ہوشیار لیکن بے ایمان تصور کیا جاتا ہے۔ اگر عبادت گاہ کو جائے تو منافق اگر نہ جائے تو گنہگار۔ اگر غریبوں کی امداد کرے تو شہرت طلب اور نہ کرے تو بخیل۔ جب انسان دنیا میں آتا ہے تو ہر ایک اس سے محبت کرتا ہے۔ لیکن اس کے کوچ کر جانے سے پہلے ہر ایک اس سے نفرت کرنے لگتا ہے۔

انسان اگر جوانی میں مر جائے تو لوگ اس کے مستقبل کو شاندار سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر وہ سن رسیدہ ہو کر جیئے تو ہر ایک امید رکھتا ہے کہ وہ وصیت نامہ لکھ چکا ہوگا۔ آہ زندگی!

ماخوذ از انگریزی

محمودہ بائی

# حوصلہ مند ماں کی امیدیں بچوں سے

ہاں ہلا دیں گے زمیں ان کو جواں ہونے تو دو
ظالمو! ٹھہرو خدا کو مہرباں ہونے تو دو

دیکھ لینا ایک دن چھا جائیں گے آفاق پر
دشمنوں کو پیس دیں گے آسماں ہونے تو دو

خونفشانی کا تماشا بھی دکھا دیں گے تمھیں
بازووں کو لائقِ تیغ و سناں ہونے تو دو

بھول بیٹھے ہو فسانے خالدؓ و فاروقؓ کے
خیر! سن لینا انھیں افسانہ خواں ہونے تو دو

پھر لہو سے سینچ لیں گے سوکھ جانے دو چمن
ان کو گلزارِ وطن کا باغباں ہونے تو دو

پھول بن کر خونِ مسلم رنگ لائے تو سہی!
نوجوانی کو بہارِ بوستاں ہونے تو دو

پھونک دیں گے آگ قالب میں دمِ تقریر بھی
بولنے والو انھیں آتش زباں ہونے تو دو

محوِ غفلت ہیں تو پھر تم نے سمجھ رکھا ہے کیا
جاگتے ہیں صبح کے پیدا نشاں ہونے تو دو

بدگماں ہوتے ہو کیوں اے دردمندانِ وطن
دردمندی دیکھ لینا امتحاں ہونے تو دو

یہ لڑکپن تھا کہ یوں تھے مائلِ لہو و لعب
کس لئے مایوس ہو ان کو جواں ہونے تو دو

آگ بھڑکے گی ابھی سے کس لئے ہو مطمئن
آہ کا آغاز ہے پہلے دھواں ہونے تو دو

دیکھ لینا کس طرح ہوتا ہے سامانِ بہار
ہم بھی دیکھیں یہ چمن وقفِ خزاں ہونے تو دو

خار و خس کیا سبزۂ و گل پھونک ڈالیں تو سہی
پہلے خاکستر ہمارا آشیاں ہونے تو دو

بانٹتے ہیں کس طرح مالِ غنیمت دیکھنا
جمع تہہ خانوں میں گنجِ شائگاں ہونے تو دو

دینِ ابراہیم پھیلائیں گے احمدؐ کے غلام
پہلے اسماعیل کی قربانیاں ہونے تو دو

یہ پرستارانِ حق ہیں اے پرستارِ وطن!
شور "وَالْغَوا فِیْہِ" کیا شے ہے؟ اذاں ہونے تو دو

دشمنوں کے دل کے دل پھٹتے ہیں بادل کی طرح
کرکے صف بندی انھیں تکبیر خواں ہونے تو دو

مختصر ہے عالمِ اسلام! اچھا یوں سہی
گردِ کعبہ چار سو صف بندیاں ہونے تو دو

کروٹیں لے لے کے سویا ہے مسلماں سو برس
ہوشیار اے دوستو بیداریاں ہونے تو دو

ہم رجز خوانی کریں گی اور یہ سر بازیاں
گود کے پالے ہوؤں کو نوجواں ہونے تو دو

قولِ صوفیؔ یاد رکھنا کوئی دن کی بات ہے
یہ الٹ دیں گے جہاں ان کو جواں ہونے تو دو

سید عبد الرب صوفیؔ

# یونانی عِلاج

یونانی علاج پر گذشتہ مضمون میں مجمل طور پر بعض باتیں زیر بحث آئی تھیں اب میں چند ایسے حقایق واضح کرنا چاہتی ہوں جن سے یونانی علاج کی صحیح عظمت و فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ جملہ امور مندرجہ علمی و فنی تصدیق شدہ ہیں اگر ان کی صحیح تصویر کسی حاملِ فن میں نظر نہ آئے تو علم و فن بذاتہ اس کا ذمہ دار نہیں وہ تو اپنے صحیح خط و خال اپنے لٹریچر میں محفوظ رکھتا ہے

علاج کے سلسلہ میں پہلی چیز تشخیص مرض ہے۔ طبِ یونانی میں منجملہ ذرائع تشخیص کے نبض و قارورہ کو خاص اہمیت حاصل ہے ان سے جسم کی صحیح حالت منکشف ہوتی ہے۔ نبض دیکھنا اپنی اپنی استعداد اور فہم و ادراک پر منحصر ہے جس کا ذہن جس قدر رسا ہوتا ہے اسی قدر وہ غواصی کر سکتا ہے یہ جو مشہور ہے کہ بعض حکیم مریض کے ہاتھ میں ڈورا باندھ کر ڈورے کو چھو کر مرض کا پتہ لگا لیتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے لیکن اس روایت سے ایک اہم فائدہ فنِ نبّاضی کو ضرور پہنچا ہے یعنی یہ کہ اس سے اس فن کی عظمت ضرور ثابت ہوتی ہے۔ البتہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ماہر نباض صرف نبض دیکھ کر اکثر امراض بتلا سکتا ہے، نا ممکن ہے کہ کثیر الوقوع امراض میں سے کسی مرض کا مریض کسی نباض کے پاس جائے اور اپنے مرض کو چھپانے کی کوشش میں کامیاب ہو جائے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نباض حکیم بیانِ مریض کو قابلِ اعتبار نہیں سمجھتے بلکہ نبض کی کیفیت پر علاج کرتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں۔ کیونکہ کبھی بیانِ مریض اصل کیفیتِ مرض سے مختلف ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ مریض پر جو گذرتی ہے اور جو احساس اس کو ہوتا ہے وہی بیان کرتا ہے۔ لیکن بعض شرکی امراض میں ایسے عوارض پیدا ہوتے ہیں کہ اگر محض بیان مریض پر دوا دے دی جائے تو مصیبت ہو جائے۔ مثلاً ورمِ دماغ کے سبب سے دست آ رہے ہوں اور دستوں کے روکنے کی دوا دے دی جائے۔ کیونکہ ظاہری علامت تو صرف دستوں کا آنا ہے۔ یا مثلاً امتلاءِ شکم کے سبب سے سر میں درد ہو اور مطلق دافع درد علاج کر دیا جائے۔ حکمائے متقدمین کے حالات تو اب قصّے کہانیاں معلوم ہونگی۔ کیونکہ ان میں سے بعض تو نفسیاتی کیفیات کا پتہ بھی نبض سے لگا لیتے تھے۔ لیکن سرزمین ہند پر اب بھی بعض باقیات الصالحات بقید حیات ہیں جن پر فنِ نباضی زمانہ کو دیکھتے ہوئے کچھ فخر ضرور کر سکتا ہے۔ قارورہ کے متعلق بھی ایسے نظریے اصول و قواعد و نتائج مرتب کئے ہوئے ہیں کہ ان کا جاننے والا دوسروں کے لئے باعثِ حیرت ہو سکتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ عیسیٰ ابی قریش نے شاہی بیگمات میں سے کسی کا قارورہ کچھ فاصلہ سے دیکھ کر بتلا دیا تھا کہ مریضہ کو اسقاط ہوا ہے اور اب کزاز ہونے والا ہے۔ جو بالکل صحیح ثابت ہوا۔

تشخیص کے بعد تجویز یعنی نسخہ کا نمبر ہے۔ نسخے میں دواؤں سے کام پڑتا ہے۔ چنانچہ یونانی علم الادویہ اس قدر کثیر و شاندار ہے کہ بقول شاعر ؎

ہمارے اوجِ علم الادویہ کو چھو نہیں سکتے ٭ وہ سیارے جنہیں اس دور میں ہے ناز یکتائی

بڑے بڑے ڈاکٹر بھی معترف ہیں کہ ابھی علم الادویہ و علم الاغذیہ میں یونانی سے ڈاکٹری کو بہت کچھ لینا ہے۔ آپریشن کے بہت سے مراحل یونانی ادویہ بغیر آلات کی مدد کے طے کر لیتی ہیں اور مریض کو آپریشن و انجکشن وغیرہ کی سخت تکالیف سے بچا لیتی ہیں۔ چنانچہ بواسیر صرف کھانے کی دوا سے نیست و نابود ہو سکتی ہے۔ یا اس کے مسّے لگانے کی دوا سے ساقط کئے جا سکتے ہیں۔ موتیا بند ابتدائی حالت میں رُک سکتا ہے اور بعض دوائیں آخری منازل میں بھی آپریشن کا کام کر سکتی ہیں۔ گردے و مثانے کی پتھری نرم ہو سکتی ہے۔ گل سکتی ہے یا ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو کر بآسانی خارج ہو سکتی ہے۔ پھوڑے کے لئے نشتر کی ضرورت نہیں ہے نہ کاٹنے چھانٹنے کی حاجت ہے۔ بغیر دوا کے صرف دستکاری سے پک سکتا ہے پھوٹ سکتا ہے اور گھنٹوں میں بھر سکتا ہے۔ وضع حمل کی دشواری آسان ہو سکتی ہے بلکہ پیٹ میں مرا ہوا بچہ فوراً نکل سکتا ہے۔ اور بعض دوا لگانے سے کانٹا اور تیر جذب ہو کر نکل آتا ہے۔ گوشت تحلیل ہو جاتا ہے۔ زخم کی گہرائی سے کیڑے باہر آ جاتے ہیں اور پھر ناممکن ہے کہ پیپ پڑ جائے۔ ایک مرتبہ جب اسمبلی میں اسی قسم کے مسائل زیر بحث آئے تھے تو سر فیروز خاں صاحب نون نے کسی یورپین ممبر کے ہاتھ کے پھوڑے کا حوالہ دے کر حکومت کو یونانی علاج کی سرپرستی کا مشورہ دیا تھا اور غالباً گذشتہ سال کا واقعہ ہے کہ سر سکندر حیات خاں صاحب وزیر اعظم پنجاب کلکتہ کا سفر کر رہے تھے دورانِ سفر میں درد گردہ کا حملہ ہوا تھا اور بہار و بنگال و پنجاب کے منتخب ڈاکٹروں نے مشورہ دیا تھا کہ گردہ میں پتھری ہے اور پیپ دار مرض سل بھی ہے جس کے علاج کے لئے ہوائی جہاز کے ذریعہ فوراً عازم لندن ہو جانا چاہئے۔ ورنہ مختصر سی تاخیر بھی خطرناک ہو سکتی ہے۔ ڈاکٹر صاحبان کے ان بلند دعووں کے باوجود شفاء الملک حکیم فقیر محمد صاحب نے اطمینان دلایا اور یونانی علاج کا مشورہ دیا۔ اس مشورہ پر اخبار سول ملٹری گزٹ میں حکیموں کا مذاق اُڑایا گیا تھا اور ان کی ناکامی کا دعویٰ کیا گیا تھا۔ مگر صرف چند روز کے علاج نے یونانی علاج کا بول بالا کر دکھایا۔ جبکہ اُن ہی منتخب ڈاکٹروں نے ہر طرح سے امتحان کر کے کہہ دیا کہ مرض کا نام و نشان بھی موجود نہیں ہے۔

مہمات فن کے چند معرکے مختصراً ملاحظہ فرمایئے:۔ ضلع بلند شہر سے ایک مریض قبلہ مسیح الملک مرحوم کے مطب میں حاضر ہوئے اور بیان کیا کہ پندرہ سال سے دردِ سر کی شکایت ہے۔ ہر قسم کے ڈاکٹری علاج کئے لیکن افاقہ نہیں ہوا۔ حکیم صاحب مرحوم کے علاج سے صرف کمیں روز میں مریض کو بالکل صحت ہو گئی۔ مریض کا بیان تھا کہ میں یونانی علاج سے متنفر تھا۔ لیکن اب میرا خیال ہے کہ اس علاج سے بہتر دنیا میں کوئی دوسرا علاج نہیں۔ میں نے اپنے اس دردِ سر کی شکایت پر بہت بڑی رقم صرف کی اور بہت سفر کئے بڑے بڑے ڈاکٹروں کی بیش قیمت دوائیں مدتوں استعمال کیں لیکن سوائے نقصان مایہ و صعوبت سفر کے کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہوا۔ حیرت ہے کہ حکیم صاحب کے چند پیسوں کے نسخے نے اتنی قلیل مدت میں میری تمام شکایات کو رفع کر دیا۔ ایک لڑکا دو روز سے بیہوش تھا مشہور ڈاکٹروں نے علاج سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن حکیم صاحب کی توجہ اور خدا کے فضل سے لڑکا چند گھنٹے میں ہوش میں آ گیا۔ بلگرام کی ایک مریضہ کے پتہ میں پتھری پیدا ہو گئی تھی لکھنؤ و دیگر مقامات پر ولایتی و ڈاکٹری متعدد علاج کئے لیکن افاقہ کی کوئی صورت نہ تھی مسیح الملک کے علاج سے چند روز میں بالکل تندرست ہو گئی۔ ایبٹ آباد کے ایک مریض کے پیٹ میں بیس روز سے سخت درد تھا دوائیں اور غذا قے کی صورت میں خارج ہو جاتی تھی۔ کبھی کبھی قے میں سفید رنگ کی گٹھلیاں نہایت سخت برآمد ہوتی تھیں۔ ڈاکٹروں کا قول تھا کہ صرف آپریشن ہی سے جانبری ممکن ہے۔ چنانچہ مریض کے اعزا آپریشن

کی غرض سے اُسے راولپنڈی لے جارہے تھے مسیح الملک کے قیام کا علم ہوا تو حاضر خدمت ہوئے اثنا عشری آنت کا ورم تشخیص کیا گیا اور صرف ایک ہفتہ میں صحت ہوگئی۔ سلطان پور کے ایک مریض کی کمر کولھوں اور دونوں ٹانگوں میں سخت درد تھا۔ بائیں ٹانگ دُبلی اور کمزور ہوگئی تھی دونوں گھٹنے اور ٹخنے سخت متحجر ہوگئے تھے۔ کمر کے مہرے باہر کو اُبھر گئے تھے کھڑے ہونے پر تمام جسم داہنی طرف کو جھک جاتا تھا وغیرہ۔ ایسی حالت میں بھی تین ماہ کے علاج سے درست ہوگئی۔ برص جذام وغیرہ جیسے خبیث امراض کا علاج بھی اس فن میں موجود ہے۔ چنانچہ جذام کا ایک مریض بخارا سے چار مہینے پیدل سفر کرکے دہلی آیا تھا وہ کہتا تھا کہ ہمارے ملک ترکستان میں لوگ کہتے ہیں کہ اس مرض کا علاج صرف دہلی میں ایک حکیم (حکیم اجمل خاں مرحوم) کرسکتا ہے۔ بالآخر چھ مہینے بعد اس مریض کو بھی بفضلہ صحت نصیب ہوگئی۔ مندرجہ بالا واقعات افادات مسیح الملک وحیات اجمل میں بالتفصیل مذکور ہیں۔

کسی مرض کے متعلق تجربہ کی بناپر یہ کہدینا کہ یہ مرض سہل العلاج ہے نہایت آسان ہو لیکن یہ حکم لگانا کہ فلاں مرض عسیر العلاج ہے اسی قدر مشکل ہو کیونکہ ممکن ہے جس مرض کا علاج ہم سے نہ ہوسکا یا جو ہم کو عسیر العلاج معلوم ہوا وہ کسی دوسرے کے لئے آسان ہو۔ خدا کی دنیا بہت وسیع ہے۔ بیسیوں ممالک ہیں۔ لاکھوں کروڑوں آدمیوں کی بستیاں ہیں ہر ملک وقوم اپنا مقامی جداگانہ قدیم وجدید طریق علاج رکھتے ہیں ایسی حالت میں یہ دعویٰ کرنا کہ فلاں مریض یقیناً عسیر العلاج ہو کس قدر علمی وفنی تبحر کی دلیل ہے! اور پھر یہ فیصلہ کرنا کہ فلاں مرض قطعاً لا علاج ہے کیا اعجاز سے کم ہے!۔ اب ذرا اس اعتبار سے بھی طب یونانی کو دیکھ لیجئے۔ اس میں جملہ امراض مدونہ کی نسبت لکھا ہوا ہے کہ یہ مرض سہل العلاج ہے اور یہ عسیر العلاج اور یہ لا علاج ہے اور جو حکم لگا دیا گیا ہے وہ آج تک برقرار ہے۔ حالانکہ حکومتوں کی سرپرستی میں ماہرین کی جماعتی کوششیں برابر برسر عمل رہی ہیں۔ تاہم سرطان، جذام، دق، سل، ورم گردہ مزمن وغیرہ جدید انسانی دماغ کے لئے آج بھی ویسا ہی معمہ ہیں جو ہزاروں برس پیشتر کے اطباء کے لئے تھے۔ اس مقام پر ممکن ہے یہ غلط فہمی پیدا ہوجائے کہ گویا میں طب یونانی کو ایک مکمل دستور العلاج سمجھتی ہوں اور جدید تحقیقات کی افادیت کی منکر ہوں۔ میں ہر مفید چیز کی قدر کرتی ہوں اور کسی علم وفن کو بھی مکمل نہیں سمجھتی۔ سب میں ترقی کی گنجائش ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ میرا مقصد تو صرف طب یونانی کے محاسن منظر عام پر لانا ہے اور بس۔

یونانی طب میں ایک باب ایسا بھی ہے جسے اسرار الاطباء کہتے ہیں اور افسوس ہے کہ عام طور پر اطباء ایسے مایہ ناز اشارات کی طرف کماحقہ توجہ نہیں کرتے۔ اس باب میں تقریباً جملہ امراض اور سر سے پاؤں تک کے جملہ اعضاء کی علاماتِ محمودہ وعلاماتِ ردّیہ درج کردی گئی ہیں۔ یعنی اگر کسی مرض میں علامات محمودہ میں سے کوئی خاص علامات ظاہر ہوجائیں تو مریض یقیناً ہلاکت سے بچ جائے گا۔ اور اگر علامات ردیہ مہلکہ میں سے بعض علامات پیدا ہوگئیں تو ناممکن ہے کہ مریض جانبر ہوجائے۔ ایسی علامات کے ظہور کے وقت ایک دانا حکیم حکم لگا سکتا ہے کہ مریض جانبر نہیں ہوسکتا۔ بلکہ بعض حالات میں تو موت کا دن اور وقت بھی متعین کرسکتا ہے۔

اخیر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ گروہِ مخالفین کے بعض نہایت سربرآوردہ اور سنجیدہ و صائب الرائے افراد کے اعتراف حقیقت کو بھی پیش کر دوں۔ تاکہ پیش کردہ دلائل کو مزید استحکام حاصل ہو اور حق بہ حقدار رسید، میں شک و شبہ کی گنجایش باقی نہ رہے۔

سر پارڈے لیوکس نے سنہ ۱۹۱۶ء میں کونسل کے اندر تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ جو تحریک میرے سامنے اس وقت پیش ہے وہ اس مضمون سے تعلق رکھتی ہے۔ جس پر میں نے ۲۶ سال مشرق میں صرف کئے ہیں۔ میں جس قدر زیادہ دیر تک مشرق میں رہونگا اتنا ہی مجھے یقین ہوتا جائے گا کہ بہت سے طریقے علاج جو حکیموں، اور ویدوں نے اختیار کئے ہیں وہ بہت قابل قدر اور کامیاب ہیں۔ ڈاکٹر فرنل فرماتے ہیں کہ یہ طب نہایت ترقی یافتہ سائنس ہے جس پر دنیا عامل ہے۔ سر چارس لیوکس سرجن جنرل گورنمنٹ آف انڈیا فرماتے ہیں کہ اگر بیمار ہو جاؤں تو اپنے لئے ناقابل ڈاکٹر کی نسبت کسی لائق حکیم یا وید کے علاج کو ترجیح دونگا۔ مسز اینی بسینٹ لکھتی ہیں کہ ہندوستانی طبیب اب بھی علاج میں بہت ترقی یافتہ ہیں۔ ہندوستانی طب مغربی طب سے بدرجہا بہتر ہے پرنسپل صاحب گورنمنٹ میڈیکل کالج کلکتہ کی رائے ہے کہ ہم کو ہندوستانی طبیبوں سے ابھی علم الادویہ کے متعلق بہت سی باتیں سیکھنی ہیں۔ کرنل ڈاکٹر جی آر صاحب آئی۔ ایم۔ ایس لکھتے ہیں کہ مجھے اس بات کے اظہار میں کوئی شرم نہیں کہ بہت دفعہ جب ایلوپیتھک علاج ناکامیاب ہو جاتا تھا تو مجھے طبِ قدیم سے کامیابی ہوئی۔ لفٹنٹ کرنل سی ڈبلیو بو لرنے ایک مرتبہ تمام ڈاکٹری علاجوں کے بعد مجبور ہو کر یونانی علاج کرایا اور خدا نے شفا عطا کی۔ اخبار ہیرلڈ ٹریبیون امریکہ کی نامور اڈیٹر نے تمام یورپ میں علاج کرایا لیکن فائدہ نہ ہوا۔ سیاحت کرتی ہوئی جب ہندوستان آئیں تو یہاں یونانی علاج سے شفا ہوئی۔ اس کے بعد آپ نے ایک خط میں لکھتی ہیں کہ مجھے طب یونانی سے بے حد دلچسپی اور محبت ہے۔ مدت مدید سے میرا اور بہت سے محققین امریکہ کا یہ پختہ خیال رہا ہے کہ مشرق علم الادویہ میں ہمیں بہت کچھ سکھا سکتا ہے۔ جس کو اس حسد نے جو ہم میں صدیوں سے چلا آرہا ہے نظر انداز کرنے میں اعانت کی ہے۔ انگلینڈ کے نامور مورخ پروفیسر ڈاکٹر ایل۔ الیف رشبروک ولیمس ایم۔ اے۔ سی۔ بی۔ ای۔ طب یونانی کے اس قدر معتقد ہوئے تھے کہ آپ نے ولایت کے اخباروں میں اس کی فضیلت پر بیش بہا مضامین لکھے۔

**بیگم حکیم محمد عزیز خاں جاورہ**

# شاہکار

(نگار خانے میں کئی قسم کے مومی مجسّمے رکھے ہیں۔ جو بذریعہ مشین ایسی حرکتیں کرتے ہیں جس سے زندہ کا گمان ہوتا ہے۔ کمرے میں چاروں طرف کئی قسم کے متحرک مجسّمے رکھے ہیں۔ مثلاً عورتیں، مرد، بوڑھے، لڑکے، لڑکیاں، مکّے باز، کھلاڑی وغیرہ سب مختلف حرکتیں کر رہے ہیں۔ خالد۔ ایک نوجوان صناع ہے۔ اس کے ہمراہ ایک بوڑھا شخص ہے جو ہر چیز بہت دقیق نظروں سے دیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور خود کو فن شناسی میں اُستاد سمجھتا ہے۔ اُس کا اُصول یہ ہے کہ وہ ہر شے کو اپنے موٹے شیشے والے چشمے کی مدد سے دیکھنے کی کوشش کرتا ہو۔ گویا وہ کوئی نقص یا عیب گیر آلہ ہے۔ وہ جب کوئی بہترین نمونہ دیکھتا ہے تو اتنا خوش نہیں ہوتا جتنا کسی نقص کے پا جانے سے خوش ہوتا ہے۔ وہ ایسی بات کی تلاش میں رہتا ہے جس میں اسے دوسرے پر ہنسنے کا موقع ملے۔ خالد بوڑھے کی باریک بینی سے لُطف اندوز ہوتا ہے۔ . . . . . .)

**بوڑھا:** بیشک تم اپنے فن میں بہت ماہر ہو لیکن — لیکن ایک بات ہے۔

**خالد:** وہ بات شاید آپ کی فن شناسی پر منحصر ہو۔

**بوڑھا:** ٹھیک بالکل ٹھیک۔ واقعی تم کچھ عقلمند ہو۔ ہاں باریک بینی سے اہل صنعت کے بہت سے عیوب عیاں ہوجاتے ہیں۔ یہ انہیں ناگوار ضرور گذرتا ہے۔ لیکن ایک ایماندار فن شناس اس بات کی پرواہ نہیں کرتا۔ وہ صرف اپنا فرض بجا لاتا ہے۔

**خالد:** میں جناب کی رائے سے بالکل متفق ہوں۔ اور میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ جناب بالکل رعایت نہ کریں۔

**بوڑھا:** مجھے تمہارے یہ الفاظ سُن کر بہت خوشی ہوئی۔ واقعی تم ہوشیار لڑکے ہو۔ اچھا تو میں معائنہ شروع کرتا ہوں۔

**خالد:** بہت خوشی سے جناب (ایک لڑکی کے مجسّمے کے سامنے آتا ہے) اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ یہ مجسّمہ کن انکھیوں سے دونوں جانب دیکھتا ہے۔ اس کی آنکھوں کی حرکات ملاحظہ فرمایئے۔ ہاں اب دیکھئے وہ سگرٹ لائٹر سے سگرٹ سلگاتی ہو۔ اس مجسّمہ نے گذشتہ سال نمائش میں اوّل درجہ کا انعام حاصل کیا ہے۔

**بوڑھا:** انعام مجھے مرعوب نہیں کرسکتا۔ جو نقائص ہوں گے میں بلاکم و کاست بتا دوں گا۔ اچھا ذرا ہٹ کر کھڑے ہو۔ (بوڑھا اپنا چشمہ آنکھوں پر احتیاط سے جماتا ہو۔ اور مجسّمہ بغور دیکھتا ہے) آنکھیں واقعی متحرک ہیں، لیکن حرکات بناوٹی معلوم ہوتی ہیں۔ بالکل صاف ظاہر ہے کہ وہ بذریعہ مشین متحرک ہو۔ یہ ایک اچھا سا سائنٹفک کھلونا ہے۔ لیکن اسے فنِ لطیف سے کوئی لگاؤ نہیں۔ صناعی کا کمال یہ ہے کہ وہ نظر کو فریب دے سکے۔ لیکن اس مجسّمہ سے کوئی نظر دھوکا نہیں کھاسکتی۔ ناراض نہ ہونا کیونکہ میں سچ بات کہہ رہا ہوں۔

**خالد:**- میں بالکل ناراض نہیں ہوں جناب میں آپ کی صحیح نکتہ چینی سے محظوظ ہو رہا ہوں۔

**بوڑھا:**- اور یہ کیا ہے؟ مسخرہ؟ اونہہ اس کے چہرے سے حزن و ملال ٹپکتا ہے۔ یہ بالکل المیہ افسانے کا کردار معلوم ہوتا ہے۔ میں بمشکل بتا سکتا ہوں کہ یہ آدمی مسکرا رہا ہے یا رو رہا ہے۔ اور وہ کرسی پر کونسا مجسمہ ہے۔ (اپنا چشمہ درست کرتا ہے) ایک لڑکا؟ اوہو یہ تمہارا تازہ ترین نمونہ ہے؟

**خالد:**- (شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ) نہیں بالکل تازہ نہیں۔

**بوڑھا:**- اچھا مجسمہ کا تناسب صحیح نہیں۔ جیسا کہ ایک لڑکے کا ہونا چاہیئے۔ بالکل بے جان معلوم ہوتا ہے۔ موجودہ زمانے کے ماہرین فن تو تناسب کی پروا ہی نہیں کرتے۔ چہرے کے نقوش بھی موزوں نہیں معلوم ہوتے۔ اور اسی وجہ سے اصلیت کا گمان نہیں ہوتا۔ ہاں البتہ مومی لباس خوب بنایا ہے۔

**خالد:**- مجسمہ کا کون سا حصہ آپ کے خیال میں بہترین ہے؟

**بوڑھا:**- صرف پوشاک ہی ایسی ہے جس سے اصلیت کا گمان ہوتا ہے۔ سانس کی آمد و رفت سے جو سینے کا اُتار چڑھاؤ ہوتا ہے وہ دلچسپ ضرور ہے لیکن بالکل مصنوعی معلوم ہوتا ہے۔

**خالد:**- لیکن جناب میں اسے ایسا بنا سکتا ہوں کہ آپ کو اصلیت کا دھوکہ ہو جائے گا۔ دیکھئے (وہ پکارتا ہے) مسعود۔ مسعود! (لڑکا آنکھیں کھولتا ہے پھر انہیں ملتا ہے۔ اور جمائی لیتا ہے) تم یہاں کیا کر رہے تھے؟

**مسعود:**- ابا جان میں آپ کے نئے مجسمے دیکھ رہا تھا۔ خدا جانے کب نیند آگئی (بوڑھا حیرت سے مُنہ تکتا ہے)

(ترجمہ) شبیر احمد خان جلیوی

# ہمارا ایک ضروری فرض

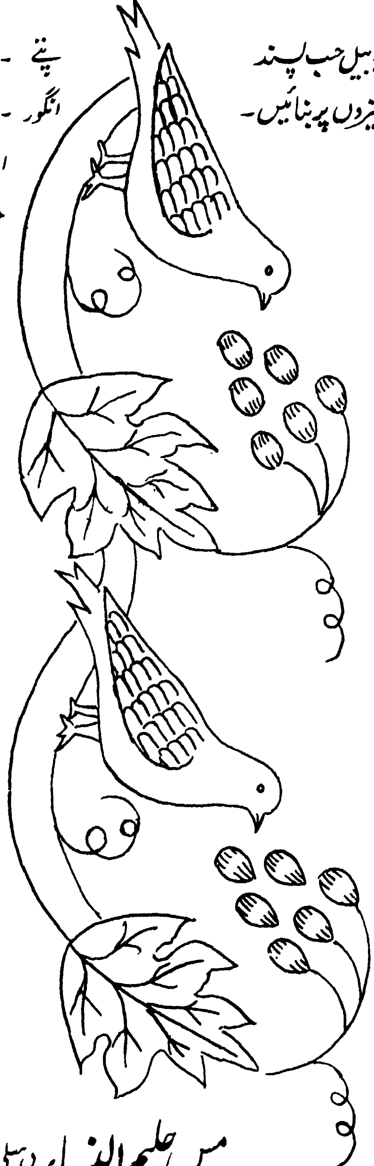
ہمارا یہ فرض ہے کہ رمضان کے مبارک مہینے میں اور جب بھی ممکن ہو اپنے مُحسنِ اعظم حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ کی پاک رُوح کو کچھ پڑھ کر یا کسی نادار بہن کی مدد کر کے ثواب پہونچائیں۔ چنانچہ ناچیز نے سال گذشتہ رمضان المبارک میں علامہ مرحوم کو بخشوانے کے لئے ۵ ختم قرآن کئے۔ اور کم سے کم اتنے ہی اس سال بھی کروں گی۔ اس کے علاوہ پانچ روپے کی رقم نادار فنڈ کے لئے ارسال ہے۔

خریدار نمبر ۳۔ خدیجہ۔ گلزار احمدی (بنگلور)

# انگوری بیل مع چڑیا

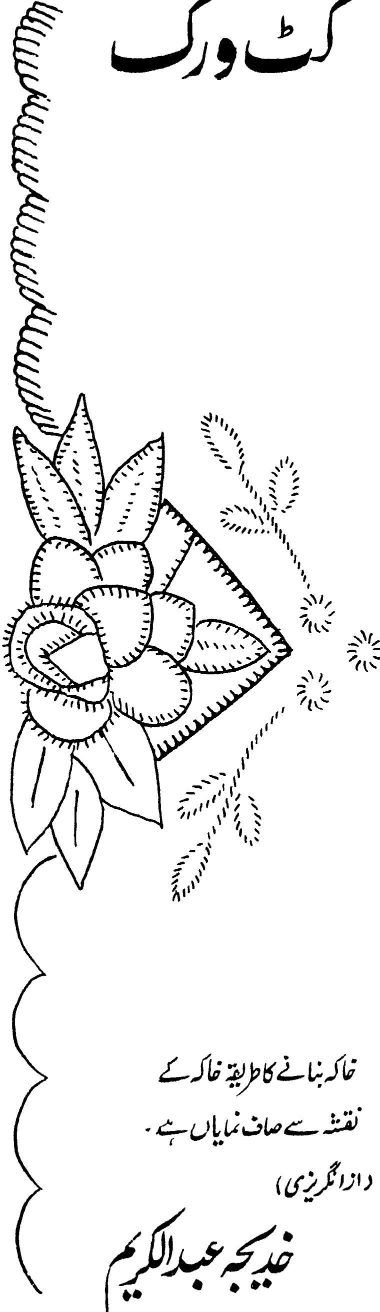
یہ بیل حسب پسند چیزوں پر بنائیں۔

پتے - سبز
انگور - انگوری
اور چڑیا
حسب منشا
رنگوں
سے
بنائیے



مس حلیم النساء (دہلی)

# کٹ ورک



خاکہ بنانے کا طریقہ خاکہ کے نقشہ سے صاف نمایاں ہے۔

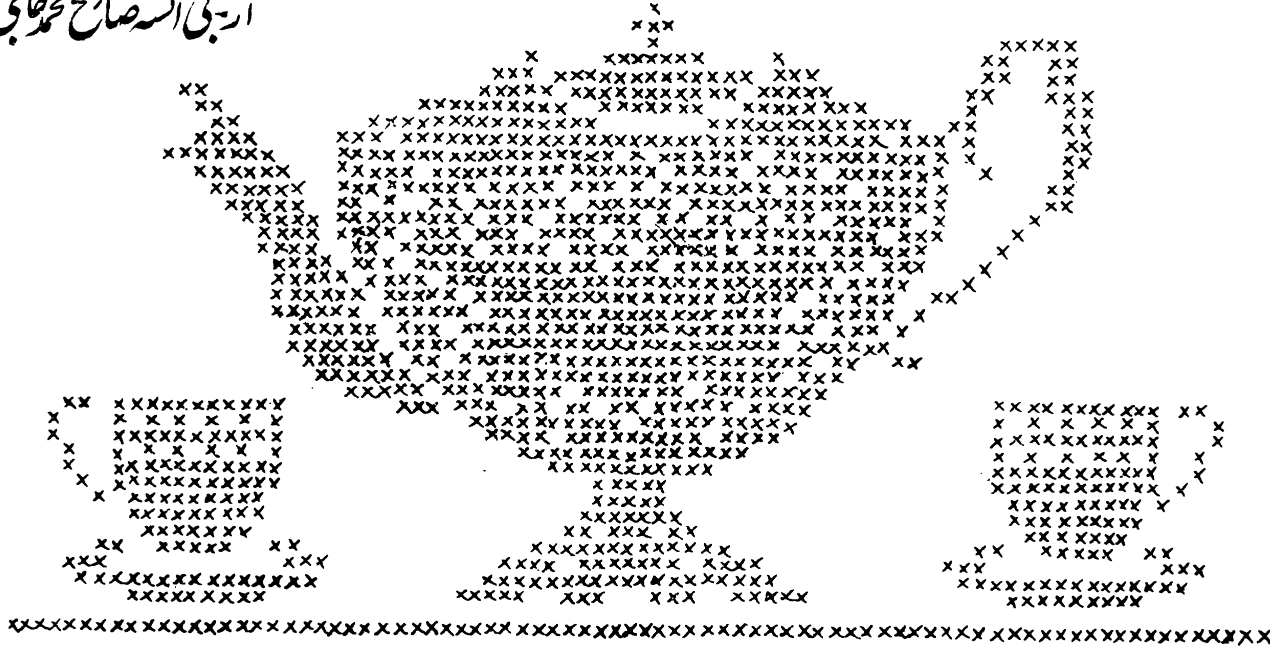
(از انگریزی)

خدیجہ عبدالکریم

# خوشنمائی کوزی

کیتلی - سبز ہینڈل - سیاہ پیالیاں - سُرخ

آر - بی آنسہ صالحہ محمد حاجی ابوبکر



# فرانس کی آہنی دیوار

فرانس کے مشرقی سرحدی استحکامات میں سب سے زبردست محافظ وہ آہنی دیوار ہے، جو شمالاً جنوباً بلجیم سے سوئٹزرلینڈ تک قائم کی گئی ہے۔ یہ دیوار چھ سو میل لمبی ہے۔ اور میگی ناٹ لائن کہلاتی ہے۔ دراصل یہ کوئی اصلی فولادی دیوار نہیں ہے بلکہ اپنے زمین دوز قلعوں۔ مورچوں، برجوں، توپوں اور جدید ترین جنگی آلات و دیگر استحکامات کے لحاظ سے گویا ایک آہنی دیوار سے مشابہ ہے۔ اس کی گہرائی تین سو پچیس فٹ ہے اور چوڑائی پوری سرحد پر اوسطاً تیس میل ہے۔ تاہم کوئی اجنبی کسی ظاہری علامت سے یہ نہیں جان سکتا کہ یہاں ایسی کوئی دیوار ہے۔ سوائے اس کے کہ چند چند سو قدم کے فاصلہ پر توپوں کے کچھ برج نظر آجائیں۔ دشمن کے مقابلہ کے لئے فوجیوں کو لائن سے باہر آنے کی ضرورت نہیں ہوتی، کیونکہ توپیں مشین اور بجلی سے چلتی ہیں۔ اور شیشہ کے خاص قسم کے چشموں کے ذریعہ موقع کا معائنہ کرکے توپوں کی زد قائم کرلی جاتی ہے۔ زمانہ امن میں ایک لاکھ فوج رہتی ہے۔ اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک توپوں کے چودہ ہزار برج ہیں۔ جن کی حفاظت کا اندازہ یہ ہے کہ اگر تین گولے بیک وقت کسی جگہ لگ کر پھٹیں۔ تب بھی کوئی رخنہ نہیں پڑ سکتا۔ اور نہ اندر کوئی لطیف سے لطیف گیس پہنچ سکتی ہے۔ کیونکہ اندر کی ہوا کا دباؤ باہر کی ہوا سے زائد رکھا گیا ہے جس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ سپاہی دافع گیس نقابوں کے بغیر کام کرسکتے ہیں۔ توپ والے اپنی توپوں کو بغیر دیکھے صرف ایک نقشہ کی مدد سے قائم کرلیتے ہیں اور وہ اپنے آپ ہر طرف چلتی ہیں۔ باوجود اس کے اگر دشمن کوئی مقام کسی طلسم سے لیلے تو اس کی یہ ترکیب یہ ہے کہ وہ مقام باقی لائن سے مسدود کردیا جائے۔ اور بیس میل پیچھے ایک خفیہ جگہ سے محض ایک بٹن دباتے ہی وہ مقام معہ دشمن کے اڑا کر فنا کردیا جائے۔ توپ چلانے والے زمین کے اندر برجوں سے سو فٹ نیچے رہتے ہیں۔ اور وہیں سے توپ چلاتے ہیں۔ توپیں چلنے کے بعد اپنے ہی دھکے سے خود بخود ایک چکر کے ذریعہ بھرتی کے لئے نیچے آجاتی ہیں۔ اور پھر اوپر چلی جاتی ہیں۔ دشمن کے اچانک حملہ سے محفوظ رہنے کی یہ ترکیب رکھی ہے کہ رات کے وقت آگے اور پیچھے ایک قسم کی شعاعوں کا جال بچھا دیا جاتا ہے۔ جس کی حد میں کسی شخص کے داخل ہوتے ہی جہاں جہاں توپیں نصب ہیں وہاں خطرے کی گھنٹی بج کر سپاہیوں کو ہوشیار کردیتی ہے۔ ان سب ترکیبوں کے علاوہ تیس میل پیچھے تک عالیشان قلعے اور بارکیں بنی ہوئی ہیں۔ جہاں امدادی فوج رہتی ہے۔ اس تیس میل جگہ میں بھی جا بجا خفیہ توپیں لگی ہوئی ہیں۔

دشمن کے ٹینک کو تباہ کرنے کے لئے ساری لائن کے سامنے خار دار جنگلے اور بڑے بڑے سخت پائے نصب کردیئے گئے ہیں۔ لیکن کوئی ٹینک ان سے بچ جائے تو پھر آگے اور بند لگا دیئے ہیں۔ جن میں نہایت تیز آتش گیر مسالہ بھرا ہوا ہے۔ جس سے ٹینک ٹکراتے ہی اڑ جائے۔

بیگم حکیم محمد عزیز خاں (جاورہ)

# خانہ داری

جس میں سنگھار و آرائش بھی شامل ہے۔

**عورت کا اصلی حسن** دنیا میں ایسی بے شمار عورتیں ہیں۔ جو آئینہ دیکھ کر سرد آہیں بھرا کرتی ہیں۔ انھیں اپنے چہروں میں کوئی نہ کوئی نقص نظر آجاتا ہے اور جسے دنیا کا کوئی سنگھار نہیں سکتا۔ یہ تو قابل تسلیم ہے کہ سنگھار نقائص کو چھپا دیتا ہے۔ مگر بعض کمیاں یہ بھی پوری نہیں کرسکتا۔ ایسی عورتوں کو ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی بوسٹن یونیورسٹی کی نسائی امور کی ماہر مس الزبتھ میکڈانلڈ اوسبورن کے الفاظ ضرور دلنشین کر لینے چاہییں اُن سے انھیں تشفی بھی ہوگی۔ وہ کہتی ہے حسن کامل خوبی نہیں بلکہ ایک بار ہے۔ تاریخ کی تقریباً ساری بڑی عورتوں کے چہروں میں نقائص موجود تھے۔ خود کلو پیٹرا جس کے لئے انٹونی نے اپنی آدھی دنیا کی سلطنت کھودی۔ انٹونی کی اصلی بیوی کے مقابلہ میں بہت کم خوبصورت تھی۔ بات یہ ہے مرد عورت کی بے داغ خوبصورتی کو ناپسند کرتے ہیں۔ وہ اُن عورتوں کو ترجیح دیتے ہیں جو اوسطاً اچھے بشرے اور صحت والی ہوتی ہیں۔ جن کی طبیعت میں گرمجوشی اور ہمدردی ہوتی ہے اور ان میں وہ ناقابل فہم شے ہوتی ہے جسے مستقل نسائیت کہا جاتا ہے۔

**سنگھار کے غلط طریقے** پوڈر وغیرہ لباس کے رنگ کے تابع نہیں ہونے چاہئیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بیبیاں یہ سمجھتی ہیں کہ درست پوڈر لگانا وہی ہے جو لباس کے رنگ سے میل کھاتا ہو۔ حالانکہ سنگھاری اشیاء محض چہرہ کی دلکشی میں اضافہ کے لئے ہیں نہ کہ لباس کی خوشنمائی کے اظہار کے لئے۔ سنگھاری اشیاء خد و خال کے مطابق انتخاب میں لائی جائیں لباس تو خود رعنائی کی چیز ہے۔

لپ سٹک جس کی ساخت مناسب طریقہ کی ہو ہونٹوں کو گیلا کئے بغیر لگائی جا سکتی ہے۔ یہ غلط رواج ہے کہ ہونٹوں کو زبان سے نمدار کر کے لپ سٹک لگایا جاتا ہے۔ بعض ہونٹوں کو کسی خوشبو یا کولون یا محض پانی سے گیلا کر لیتے ہیں۔

پلکوں پر پوڈر لگایا جانا بھی غلطی ہے، محض اس خیال سے کہ وہ مزید سنگھاری چیز لگانے کے لئے بنیاد کا کام دیتا ہے۔ حالانکہ یہی پوڈر بعد میں جھڑ کر پلکوں کی عجیب صورت کر دیتا ہے۔ اس پوڈر لگانے سے آنکھوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ آنکھوں کے سنگھار کے لئے پلکوں کا صاف ستھرا ہونا ضروری ہے۔

بعض پانی اور صابن سے چہرہ دھونا چہرہ کے لئے مضر سمجھتے ہیں۔ یہ غلط خیال ہے۔ اس میں شک نہیں ہر صابن چہرہ کے لئے مفید نہیں چہرہ پر وہی صابن لگایا جائے جو تیز نہ ہو۔ ہلکے صابن آج کل کثرت سے بازار میں دستیاب ہو سکتے ہیں، گرم صابن اور پانی چہرہ کے میل کچیل کو دور کر دیتا ہے۔

**چہرہ بگاڑ بگاڑ سنوار** عنوان جس قدر عجیب ہے۔ اسی قدر مضمون ہنسی کے قابل ہے۔ مگر نتائج ایسے ہیں کہ معلوم ہوتے ہی ہر بی بی اس بگاڑ کو پسند کریگی جس کا انجام سنوار ہو۔ کاہلی بری چیز ہے اپنی بھلائی میں بھی آدمی سستی کرتا ہے۔ جب کام بگڑ جاتا ہے۔ تو پچھتایا کرتا ہے۔ کہ وقت پر یہ ہو جاتا تو کیوں یہ خرابی پڑتی تازہ ہوا کھڑکی کے سامنے کھڑے ہو کر کھانا یا بدن کو ہلا جلا کر مضبوط بنانا سخت کام معلوم ہوتا ہے اور ہم میں سے اکثر اس میں نہایت کاہل ہیں مگر ورزش بدن کے لئے نہایت مفید ہے۔

چہرہ کی ورزش اسے جوان مضبوط اور خوشنما رکھنے کے لئے ایسی ہی ضروری ہے جیسے سنگھاری اشیاء مثلاً لوشن، پوڈر وغیرہ
چہرہ کی ورزش سے آنکھوں میں نئی روشنی اور رخساروں میں نیا روپ آئیگا کاہلی ذرا چھوڑ کے دیکھئے انعام کس غضب کا ملتا ہے یہ ورزشیں کیا ہیں؟
کھلی روشنی میں آئینہ کے سامنے بیٹھ کر منھ بنانا بگاڑنا۔ اس میں ذرا محنت کا سوال ہے۔ آپ کو شروع میں قدرے تکلیف بھی ہوگی آپ ہنسیں گی بھی
اور ہفتہ دو ہفتہ میں اپنے چہرہ کے تسلسل میں نمایاں تبدیلی پائیں گی۔

آئینہ کے سامنے بیٹھ کر ورزش شروع کرنے سے پہلے ایک دم نیچی نظریں کر لیجئے۔ پھر اچانک نظر اٹھا کر اپنے آپ کو دیکھئے آپکو اس
طریقہ سے اپنا حسب معمول چہرہ نظر آجائیگا۔ یعنی آپکو اپنے معمولی چہرہ کی کیفیت معلوم ہو جائیگی۔ کیا ناک سے دہن تک لکیریں پریشانی اور
افکار کی چغلی کھا رہی ہیں؟ کیا آپ کی ٹھوڑی کا خط بالکل اپنی جگہ پر قائم ہے؟ کیا آپ کے رخسار مسطح نظر آتے ہیں؟ آپ کو جو
کچھ نقائص نظر آئیں گے وہ ان ورزشوں سے درست کئے جا سکتے ہیں۔ مگر دو ضروری قواعد غور سے پڑھ کر اپنے
اپنے دستور العمل میں داخل کر لیجئے۔ ہر ورزش سے پہلے چہرہ پر کوئی جلدی غذا خوب چپڑ لیں، ورنہ جلد ورزش کا بار نہ اٹھا سکیگی۔
دوسرے ہر دو ورزشوں کا درمیانی وقفہ نہایت اہم سمجھا جائے۔

چہرہ کا خط ڈھیلا پڑ جائے تو اس ورزش سے درست کیا جا سکتا ہے۔ اپنا منھ اس قدر چوڑا کھولئے اور دانت اس
قدر نکالئے کہ معلوم ہو کہ شیر نے تندی سے اپنا منھ پھاڑ رہا ہے۔ پہلے جلدی غذا رخساروں پر چپڑنی شروع کریں اور منھ
آہستہ آہستہ جس قدر چوڑا ممکن ہو پھاڑیں اور گوشوں کو مربع شکل میں رکھیں۔ اوپر کے دانت بھوکے شیر کی طرح کھولئے اور
آہستہ آہستہ اپنے نیچے کے اندر کے دانت اوپر کے اندرونی دانتوں سے لاکر ملائیے۔ چار کی گنتی کرنے تک انھیں بند رکھیں
پھر نرمی سے ہٹائیے اور کھنچے ہوئے پٹھوں کو ان کی اصلی حالت پر آنے دیں۔ چھ دفعہ اس عمل کو کریں کریم پونچھ دیں کوئی جلد
کسنے والی دوا astringent تھپکی سے چہرہ پر لگائیں۔

گلے سے عمر ٹپکنے لگے یا ٹھوڑی موٹی معلوم ہونے لگے تو اس کے لئے یہ نہایت آسان ورزش ہے۔ آئینہ میں ایسا
چہرہ بنائیے گو یا بڑا ضبط ہے۔ اور دانت کسی بہادر کی طرح خوب بھینچے ہوئے ہیں۔ آئینہ کے سامنے سیدھی بیٹھ جائیں اور اپنا
منھ قدرے کھولیں۔ زبان جڑ سے اس قدر باہر نکالیں کہ اس کوشش میں گلے کی نسیں باہر کھڑی ہوتی نظر آنے لگیں۔ اب زبان
کی نوک کو اس طرح دوہری کریں کہ نیچے کا حصہ یعنی نوک کی پشت تالو سے لگا دیں۔

رخسارے چپٹے معلوم ہوں یا ان کا رنگ پھیکا پڑ گیا ہو انھیں درست کرنے رنگ قائم کرنے اور ان کی بناوٹ میں دلکشی
پیدا کرنے کے لئے یہ ورزش کرنی ہوگی۔ بشرطیکہ جلد میں مساموں کا کھل جانے کی طرف میلان پایا جاتا ہو۔ اگر دانت اپنی جگہ پر
قائم ہیں تو یہ چپٹا پن اس ورزش کے کرتے رہنے سے دور ہو جائے گا۔ رخساروں پر کریم لگائیں۔ پھر منھ کو اس طرح بھینچیں کہ
باریک باریک لکیریں پڑ جائیں۔ بہت آہستگی سے منھ چہرے کے دائیں طرف جتنی دور ممکن ہو لے جائیں۔ بھینچے کسے ہوئے حال
میں چند منٹ اسے اسی طرح رکھیں پروا نہ کریں۔ اگر چہرہ قابل مضحکہ معلوم ہو۔ پھر آہستہ آہستہ اسے ڈھیلا کر دیں۔ حتیٰ کہ
آپ کا منھ اور چہرہ کی کیفیت اپنے اصلی حال پر آجائے۔ دونوں سمتوں میں چھ چھ دفعہ یہ ورزش کریں۔ خاتمہ پر جلدی غذا
رخساروں پر سے اوپر کی طرف پھیلا دیں اور ملائم روئی ایپسم سالٹس Epsom Salts اور پانی
کے مرکب میں بھگو کر چہرہ پر مل کر اسے ٹھنڈا کریں۔ دہن سے ناک تک جو لکیریں پڑ جاتی ہیں اس کے لئے یہ ہلکی ورزش
کافی ہے۔ اس میں بھی کچھ تھکن معلوم ہوگی۔ جس سے آپ کو سمجھ لینا چاہیئے کہ اس ورزش کی عرصہ سے ضرورت تھی۔ اپنا سر

قدرے پیچھے کو لے جائیں منھ میں ہوا بھر لیں۔ پھر چھوٹی چھوٹی پھونکوں میں ہوا خارج کر دیجئے اس کی احتیاط رکھیں کہ ہونٹوں کو بٹوہ کی طرح نہ سکیڑیں۔ ورنہ اوپر کے لب پر باریک لکیریں پڑ جائیں گی۔

آنکھوں کے پٹھوں کو مضبوط بنانے کے لئے اس ورزش کے آہستہ آہستہ اور سلسلہ کے ساتھ کرنے کی ضرورت ہے اپنی آنکھوں کو آہستہ اور نرمی سے گھمائیں۔ آہستہ سے اوپر کو دیکھیں بائیں طرف پھر نیچے کی طرف اور دائیں طرف نظر کریں آرام کرنے کے بعد پھر شروع کریں۔ آرام پوری طرح کریں جلدی نہ کریں۔ ایک دفعہ میں یہ ورزش چار پانچ دفعہ سے زیادہ نہ کی جائے۔

## چہرہ کی کریم

گھر بیٹھے یہ کریم بنا لیں۔ میٹھے بادام کا تیل سات اونس۔ سفید موم ایک اونس روز واٹر (گلاب کا پانی) سات اونس (ایک اونس قریباً نصف چھٹانک کے برابر ہوتا ہے) کھولتے ہوئے پانی کے اوپر ایک طشتری رکھ کر موم اور میٹھے بادام کا تیل گرم کر لیں گلاب کا پانی بھی گرم کر لیں اور اسے بہت خفیف خفیف تعداد میں موم و بادام روغن میں ملائیں اور ملاتے وقت برابر ہلاتے جائیں۔ پانی کی گرمی اور ہاتھ کی ہلانے کی طاقت پر اس ملانے کے وقفہ کا دار و مدار ہے۔ اگر اس مرکب کو کریم بنانے کی مشین میں سے نکال لیں تو یہ کریم بہت نفیس بن جاتی ہے۔ اس کریم سے چہرے کے پٹھے بہت نفاست اور نرم ہو جاتے ہیں۔ بازار کی کریموں سے یہ زیادہ مفید اور بہتر کریم ثابت ہوگی

## خانگی ٹوٹکے

سفید روغن کی چیز صاف کرنے کے لئے پیاز تھوڑے سے پانی میں ابالیں حتیٰ کہ پیاز کا کچومر ہو جائے۔ پانی چھان لیں اور صاف کپڑا ڈبو ڈبو کر روغن پر ملیں۔ کرومیم اور فولاد بھی اسی طرح صاف کئے جا سکتے ہیں۔ مگر ایک حصہ پیاز کے پانی کے ساتھ دو حصہ سرکہ ملائیں۔ یہ مرکب دھات پر آدھ گھنٹہ لگا رہنے دیں۔ پھر پالش کریں۔

برتن صاف کرنے کے برش نئے نئے گرم پانی میں آدھے دن ڈبوئے رکھیں۔ پھر نکال کر جھٹکیں اور لٹکا کر سکھا دیں۔ میلا ہو جائے تو صابن دار گرم پانی میں ذرا سا امونیہ اور کسی جراثیم کش دوا کے ایک دو قطرے ملا کر دھو ڈالیں۔ پھر ٹھنڈے پانی سے دھار دیں اور جھٹک جھٹک کر سوکھنے کے لئے لٹکا دیں۔

لندن کی ایک خوبصورت عورت لوگوں کو بتاتی پھرتی ہے کہ آدمی جمائی مناسب طور سے لیا کرے تو وہ خوش و خرم اور خوبصورت رہ سکتا ہے۔ جن کو بے خوابی کی شکایت ہو وہ جمائیاں لے لے کر نیند کو بلا سکتے ہیں۔ اس کے لئے آدمی کو مشق کرنی پڑے گی۔ جانوروں کو بے خوابی کی شکایت نہیں ہوتی۔ وہ جمائیاں لیتے ہیں۔ بدن کو ڈنڈ کی طرح کھینچتے تانتے ہیں۔ انگڑائیاں لیتے ہیں پھر سو جاتے ہیں۔

پتلے لمبے چہرے والیوں کو روژ رخسار کی ہڈیوں پر نہیں لگانا چاہئے۔ بلکہ ہڈیوں کے نیچے اور چہرہ کے پہلوؤں میں لگائیں۔ اس سے چہرہ بھرا بھرا معلوم ہوگا۔

الٰہ تولہ صمغ عربی تھوڑے سے کھولتے ہوئے پانی میں ڈال کر گھول لیں پھر رفتہ رفتہ پلاسٹر آف پیرس ملائیں حتیٰ کہ گاڑھی لئی بن جائے چینی کے ٹوٹے ہوئے برتنوں پر برش سے لگائیں۔ پھر ٹکڑوں کو زور سے جوڑیں۔ حتیٰ کہ وہ آپس میں چپک جائیں۔

Witch-hazel
آنکھیں تھک جائیں تو نرم روئی کے پھاہے ٹھنڈے پانی میں ڈال کر نچوڑیں پھر وچ ہیزل میں ڈال کر نچوڑ لیں۔ اور آنکھوں پر چند منٹ رکھیں زود اثر بنانے کے لئے پھاہوں پر برف کی ذرا سی ڈلی رگڑیں برش پر ذرا سا بادام روغن لگا کر پلکوں پر mascara لگانے کے بعد لگائیں پلکیں چمک اٹھیں گی۔

محمد ظفر

# سیر بین

## مصروفیت میں سکون

چند روز ہوئے ایک ۳۱ سالہ عورت نے اپنے شوہر کے نام خط لکھ کر ڈوری پر گھڑی کے پاس رکھ دیا اور خود گولی مار کر خودکشی کر لی۔ اُسے بے چینی اور چڑچڑاہٹ کا مرض تھا جس کی آجکل اُن سب عورتوں کو شکایت ہوتی ہے جو بڑے بڑے مکانوں میں تن تنہا زندگی بسر کرتی ہیں اور اُن کے پاس کام بہت کم ہوتا ہے اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مرض آج کل بڑھتا جا رہا ہے اور یہ مرض شادی شدہ نوجوان عورتوں میں پایا جاتا ہے مغرب میں طلاقوں کی عام طور پر بنیاد ایک یہ عصبی بے چینی بھی ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ عورتیں مصروفیت میں بہت خوش و خرم رہتی ہیں کیونکہ انھیں اتنی مہلت ہی نہیں ملتی کہ انھیں اپنے متعلق سوچ بچار کرنے کا موقع ملے۔ پہلے زمانہ میں عورتیں زیادہ خوش و خرم رہتی تھیں۔ کیونکہ آج کل کے وقت بچانے کے ذرائع موجود نہ تھے۔ ہاتھ سے سیتی تھیں ہر چیز خود پکاتی تھیں۔ بازار سے پکی پکائی منگانا عیب سمجھا جاتا تھا۔ نہ ریڈیو تھا نہ باجے گاجے تھے۔ وہ جانتی ہی نہ تھیں کہ بے چینی اور چڑچڑاپن کیا ہوتا ہے۔ اصل میں فرصت کی وجہ سے بے چینی اور بے قراری عورتوں پر غالب ہو جاتی ہے شادی سے پہلے لڑکیاں ہنسی خوشی زندگی بسر کرتی ہیں۔ یہی لڑکیاں بیویاں بن کر اسی مرض میں مبتلا ہو جاتی ہیں کنوارپن میں روزمرہ کے کام سے فرصت پا کر خالی اوقات میں انھیں گھر بار کے بیسیوں دھندے رہتے تھے۔ شادی کے بعد ہر کام تیار شدہ ملنے لگا۔ خالی وقت میں کیا کریں۔ آدمی تاش کھیل کر تماشے دیکھ کر اپنی عمر بسر نہیں کر سکتا۔ اس کے لئے تو مناسب حال مشاغل ہونے چاہئیں۔

بے چینی کیا ہے۔ آدمی کسی ایسی چیز کی تلاش یا انتظار میں رہتا ہے جو ملتی نہیں۔ وہ یہ دیکھتا ہے کہ زندگی سے کیا مزا حاصل ہوا۔ وہ یہ نہیں دیکھتا کہ وہ اس مزہ کے حصول کے لئے کچھ کر بھی رہا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ زندگی کا کیا مزہ یہ بالکل بے لطف اور فضول چیز ہے۔

تعجب ہے اس زمانہ میں عورت کے لئے اس قدر آرام میسر ہیں۔ مگر وہی سب سے زیادہ بے صبر بے چین ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ عورت کو اب اس قدر آرام میسر ہے جو پہلے میسر نہ تھا اور یہی مصیبت کی جڑ ہے!

## ڈکنس کی خانگی زندگی

چارلس ڈکنس انگریزی زبان کا مشہور مصنف ہے۔ پڑھنے والے سمجھتے ہیں کہ وہ خانگی خوبیوں کا مجموعہ اور مکاری ریاکاری اور کمینہ پن کا دشمن ہوگا۔ مگر اس کی زندگی پر اُس کی بیٹی کی ایک دوست مسز سٹوری نے کتاب لکھی ہے جو ابھی چھپی ہے۔ مصنفہ لکھتی ہے کہ ڈکنس کی بیٹی کہا کرتی تھی کہ میں اپنے باپ سے اس کے نقائص کے باوجود محبت کرتی ہوں۔ میرا باپ بہت بڑا آدمی تھا واقعی ایک شریر شخص تھا۔ اس لڑکی نے مصنفہ کو اپنی ماں اور اُس سے اس کی اولاد کے سلوک کے مفصل حالات بتائے۔ جس پر مصنفہ نے کتاب لکھ ڈالی۔ لڑکی نے یہ واقعات اس لئے سُنائے تاکہ اُس کی ماں کی مظلومیت دنیا پر ہویدا ہو جائے۔ اور جو بے پروائی اور غفلت اس کی اولاد نے اس سے برتی اس کی تلافی ہو جائے۔

اس کی ماں ایک اخبار کے مینجر کی بیٹی تھی ڈکنس اخبار کا نامہ نگار تھا۔ بیٹی کی شادی کر کے اُس نے ڈکنس کی

ایسے طریقہ سے مدد کی جس سے وہ دنیا کا مشہور مصنف سمجھا جاتا ہے۔ اس کی ماں بے غرض اور بے نفس عورت تھی اس سے ڈکنس کے دس بچے ہوئے۔ ۴۷ سال کی عمر میں وہ ایک ۱۸ سالہ معمولی شکل کی لڑکی سے اس قدر خوش ہوا کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ جوان ہو گیا ہے۔ وہ ایک معمولی ایکٹرس تھی۔ وہ ایک مشہور مصنف کے اس طرح مائل ہونے سے بے حد خوش ہوئی کیونکہ اس نے اس میں اپنی عزت سمجھی۔ ڈکنس نے اس کے لئے علیحدہ گھر لے کر دیا اور جس قدر ہو سکا اس پر خرچ کرتا رہا۔ دل ہی دل میں وہ اپنی بیوی سے گھٹتا رہا۔ ایکٹرس کو وہ ملک کے قانون کے مطابق بیوی نہ بنا سکتا تھا۔ آخر تنگ کر کے اس نے اپنی بیوی کو نکال دیا اور اپنے آپ کو راستی پر دکھانے کے لئے لوگوں پر یہ ظاہر کیا کہ شروع ہی سے ان کی طبائع نہ ملتی تھیں۔ وہ روتی ہوئی گھر سے گئی۔ اس سنگدل نے بچوں کو بھی مرتے دم تک اس سے نہ ملنے دیا۔
اس نے بیوی کے لئے آٹھ ہزار روپیہ سالانہ کا وظیفہ مقرر کر دیا جسے غریب بیوی نے صبر و شکر سے قبول کیا۔ مرتے وقت اس نے اپنے بکس سے ڈکنس کی محبت کے خطوط اور بالوں کا گچھا دیا اور اپنے سنگدل شوہر کی تصویر دی اور اپنی بیٹی سے بہ لجاجت کہا کہ انھیں برطانوی عجائب خانہ میں رکھوا دینا تاکہ دنیا کو اصل حال معلوم ہو کہ وہ کبھی مجھ سے محبت بھی کرتا تھا۔

بیوی ڈکنس سے ۹ سال بعد مری۔ ایکٹرس نے ایک پادری سے شادی کر لی جس سے بچے ہوئے۔

**بولتی تصویر کی آمدنی** سنو وہائٹ بونوں کی انگریزی بولتی تصویر ہندوستان میں بھی بہت مقبول ہوئی۔ دنیا بھر میں اس کے دیکھنے کا شوق اب قریب الختم ہے۔ اس سے بہت زیادہ آمدنی ہوئی ذرا ملاحظہ ہو امریکہ سے ایک کروڑ چھ لاکھ روپیہ دوسرے ملکوں سے ۹۴ لاکھ کل آمدنی دو کروڑ روپیہ ۲۵ فیصدی کے طور پر تصویر بانٹنے والوں کو ۵۰ لاکھ دیگر تصویر بنانے والے کو ۱½ کروڑ روپیہ ملا۔ اس میں سے اخراجات نکال کر اس کو ۹۸ لاکھ ۵۰ ہزار روپیہ خالص نفع رہا۔ تصویر بانٹنے والوں نے اشتہار وغیرہ کے اخراجات نکالنے کے بعد اپنے نفع کو دوسری تصویروں سے تقریباً دگنا بتایا ہے۔

**پانچ میل بلند سفر** سنہ ۱۹۴۰ء تک زمین سے ۵ میل اوپر ہوائی جہازوں میں سفر شروع ہو جائے گا۔ انگلستان میں ایک جہاز بنایا جا رہا ہے جو ۲۵ ہزار فٹ کی بلندی پر ۴۰۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑے گا۔

جہاز جب بہت بلندی پر پہنچ جائے گا تو پائیلٹ دیکھے گا کہ دس ہزار فٹ کی بلندی پر اس کی رفتار دو سو میل فی گھنٹہ تھی اور ۳۰ ہزار فٹ کی بلندی پر وہ تین سو میل فی گھنٹہ ہو گئی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ہوا کا دباؤ بالکل جاتا رہتا ہے اور سطح ایسی ہو جاتی ہے کہ جیسے جہاز شیشے پر سے پھسلا جا رہا ہے وہاں کوئی جھٹکا بھی معلوم نہ ہوگا۔ وہاں نہ بادل ہوں گے نہ ہوا کے جھکڑ۔ البتہ گرجنے والے بادل اکا دکا نظر آ جایا کریں گے۔ آسمان بالکل صاف اور نیلا نظر آئیگا۔ اس مقام پر جہاز بارش اولوں برف کہر وغیرہ سے بلند اڑ رہا ہوگا۔

اتنی بلندی کے لئے خاص قسم کے جہاز بنائے جائیں گے۔ جن کا باہر کا خول اس قدر مضبوط ہوگا کہ باہر کی فضا کا اس پر اثر نہ ہو۔ چونکہ جہاز کے اندر اکسیجن ہوا کا ذخیرہ ہوگا اور وہ باہر کی طرف نکلنے کے لئے دباؤ ڈالیگی۔ اس دباؤ کا بھی جہاز کی دیواروں پر اثر نہ ہوگا۔ باہر خواہ سخت سردی پڑ رہی ہو۔ انجن کی خرچ شدہ حرارت کو جہاز کے اندر منتقل کر کے کمرہ کو معتدل رکھا جائیگا۔ انجن کے لئے ہوا کی ضرورت ہوگی۔ وہ بھی جہاز میں سے اس کی نلکیوں میں پہنچائی جائے گی۔

**زمین دوز جائے پناہ** فرانس کے بنک کی زبردست عمارت کے سامنے ایک چوڑا قطعہ زمین اس طرح خالی پڑا ہے گویا وہاں کوئی بڑی عمارت بنائی جانے والی ہے۔ ابھی تک یہ ٹکڑا یونہی پڑا ہے گو عمارت بن چکی ہے مگر وہ زمین کے اندر چھ منزلہ عمارت ہے یہ ریتلا قطعہ زمین پیرس کے عین بیچ میں ہے۔ اس کے اندر دنیا کی بڑی سے بڑی دولت سونا اور سکے جمع ہیں۔ برقی جھولا ۸۰ فٹ نیچے لے جاتا ہے۔ دریا بہتا ہے پہلے خیال تھا یہ چشمہ اس زمین دوز تعمیر میں حارج ہوگا۔ مگر یہ تو اور بھی بچاؤ کی صورت بن گیا۔ پانی کا ایک وسیع قطعہ اس زمین دوز خزانہ کا ایک قسم کا محافظ ہے۔ بڑا دروازہ دیکھ کر آدمی ڈر جاتا ہے۔ مگر اس میں داخل ہوتے ہی دنیا کا واویلا بند ہو جانے سے دماغ سکون میں آجاتا ہے۔ سفید چونہ گچ کی سرنگ ہے اور اس میں بجلی کی سفید روشنی دن کا دھوکا دیتی ہے۔ لوہے کے پھیپھڑے زمین کی اس گہرائی میں باہر کی صاف ہوا چھان چھان کے اندر پہنچاتے ہیں۔ اس طرح بیرونی ہوا سے یہ ہوا زیادہ صحت بخش ہوتی ہے۔ اندر عمارت کا بڑا دروازہ آتا ہے جو بچہ بھی کھول سکتا ہے اس پر بم اثر نہیں کرتا۔ اس کا لوہا آدمی کے جسم کے برابر موٹا ہے۔ یہاں سے سرنگ چلتی ہے اور راستہ میں آدمی کام کرتے چلتے ہیں۔ ایک بڑی دیوار آتی ہے جس میں کوئی دروازہ نہیں آدمی سمجھتا ہے کہ آگے راستہ نہیں۔ مگر اس کے اوپر خفیہ جگہ میں ایک آدمی بیٹھا آنے والوں کو دیکھتا رہتا ہے۔ اچانک اُس دیوار پر جو پہلے صاف بے نشان تھی آدمی کو کچھ چیز معلوم ہوتی ہے اور وہ گھبرا کر ایک طرف کو ہو جاتا ہے کہ وہ بے نشان دیوار پر نظر آنے والی چیز جو انجن کی شکل کی ہوتی ہے گذر جائے۔ وہ آگے آنے کی بجائے پیچھے کو دروازہ کے برابر ٹکڑا ہٹا دیتا ہے۔ چھ آدمی برابر وہاں سے گذر سکتے ہیں یہ دروازہ کے برابر ٹکڑا اس قدر موٹا اور وزنی ہوتا ہے کہ ایک پوری فوج بھی اسے ہٹا نہ سکتی۔ اتنی موٹی دیوار کو نہ ہم ہٹا سکتے ہیں نہ کوئی اور نئی قسم کی ایجاد۔ اب فولادی بھول بھلیاں شروع ہوتی ہے۔ واقف کار ہی اس راستہ کو طے کر کے ایک بڑے ہال میں لے جاتا ہے۔ یہ اُس وقت کے لئے ہے جب بنک پر کوئی مصیبت آئے۔ فوراً آدمی کاغذ کتابیں روپیہ لیکر سب کے سب یہاں اُتر آئیں اور بند ہو جائیں۔ دنیا زہریلی ہواؤں گولوں وغیرہ سے تباہ ہو رہی ہو یہاں آواز تک نہیں آسکتی امن و امان سے برابر کام ہو رہا ہوگا۔ دروازے اس طرح بند ہونگے کہ کسی طرح نہیں کھل سکیں گے۔ وہاں ہر طرح کا انسانی آرام میسّر ہوگا۔ دل اس قید سے نہ اُکتا ئیگا۔ اسّی دن تک یہ پناہ قائم رہ سکتی ہے۔

**لڑکی انجینیر** مس شرلی جیننگ لندن کی ایک ۲۲ سالہ لڑکی نے گیس انجینیری کے کالج سے وہاں کا امتحان ایسی کامیابی سے پاس کیا کہ ۵۷ مردوں میں اول آئی۔ کالج ۱۸۶۳ء میں قائم ہوا تھا۔ یہ پہلی عورت ہے جو پاس ہوئی اور اول آئی۔ اُس کا باپ اور بھائی گیس انجینیر ہیں۔ وہ پانچ سال ہوئے مدرسے اُٹھ کر گیس انجینیری کی دوکان پر ملازم ہو گئی رات کو وہ صنعتی مدرسہ میں پڑھتی تھی۔ پانچ سال کے مطالعہ کے بعد اُس نے امتحان دیا۔ وہ کہتی ہے کہ اس شعبہ میں عورتوں کے لئے بڑی گنجایش ہے۔ عورتوں کو گھروں میں کام کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے اُنھیں اس شعبہ سے واقفیت حاصل کرنی چاہیے تاکہ اُنھیں معلوم ہو کہ گھر کے آرام و آسایش کے لئے کس چیز کی ضرورت ہے۔

**ہالینڈ کی ملکہ** ملکہ ولہلمینا ہالینڈ کے تخت پر چالیس سال سے زیادہ سے حکمراں ہے۔ یورپ میں اتنی لمبی حکومت کسی بادشاہ نے نہیں کی۔ علاوہ ازیں اُس کی اتنی لمبی حکومت میں وزارت کی صرف تیرہ تبدیلیاں ہوئیں۔ لیکن اب وہاں بھی کچھ گڑبڑ ہے کہ وزارت نہیں بنتی۔ اور ملکہ سے وزرا کی کچھ ناچاقی ہے اور وہ صرف ایک ۷۱ سالہ پرانے وزیر اعظم کی وجہ سے ہے جو عرصہ دراز سے وزیر چلا آتا تھا۔ جرمنی اور جاپان کی روز افزوں قوت سے چوکنے ہو کر اس وزیر نے ملکہ کی منظوری

سے اپنے چھوٹے سے بڑے کے لئے تین جنگی جہاز بنوالئے۔ ہالینڈ والے تجارتی لوگ ہیں اور پیسے کے بندے ہیں، چیخ اُٹھے کہ یہ روپیہ ضائع ہوگیا۔ فلاں تمدنی کام درست کیا جاتا تو اچھا تھا۔ وزیر کو استعفیٰ دینا پڑا۔ ملکہ نے اُسی پھر وزارت قائم کرنے کا حکم دیا۔ اختلافات وزراء کی وجہ سے وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکا۔ ایک اور وزیر کو ملکہ نے اس کے لئے کہا وہ بھی کامیاب نہ ہوا۔

ملکہ یورپ کی سب سے زیادہ مالدار خداترس عورت ہے خود بائیسکل چلاتی ہے اور جب بازار جاتی ہے تو چیزوں کے کئی کئی گنے دام دے آتی ہے۔ مگر سلطنت کے انتظامی امور میں وہ یہ فیاضی نہیں دکھاتی وہاں وہ سخت ہے اس کی زیادہ جائداد ہالینڈ کے شرق الہند جزیروں میں ہے جس سے ایک کروڑ ۴۳ لاکھ روپیہ سالانہ آمدنی ہوتی ہے۔ وہ خیرات خوب کرتی رہتی ہے سلطنت کے کاغذات خود پڑھتی اور ان پر احکام لکھتی ہے۔ اسی کا اثر تھا کہ ہالینڈ ٹرانسوال کی لڑائی اور جنگ عظیم میں غیر جانب دار رہا۔ ہالینڈ والے اس کی ایسی ہی عزت کرتے ہیں جیسے انگریز ملکہ معظمہ وکٹوریہ کی کیا کرتے تھے

**پھلجھڑیاں** فرانسیسی ہوائی دستہ کے سردار کرڈسی نے ۱۳۶۲ میل کا فاصلہ ۶ء۱۹۳ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے طے کرکے ایک نیا کارنامہ دکھایا ہے۔ اس سے پہلے وہ ہوائی جہاز ایک خاص وزن کے ساتھ ۳ء۷۰۵ میل اور ۴ء۴۸۴ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اُڑا چکا ہے۔

پیرس میں نہ ٹوٹنے والے شیشہ کی رنگ برنگی چپلیاں عورتیں پہن رہی ہیں۔ تلوں کو رنگین چمڑہ کی دھجیوں سے پاؤں پر باندھ لیا جاتا ہے اور پاؤں میں بہت خوبصورت معلوم ہوتی ہیں۔

ہر بچھو کی موت سخت ہوتی ہے۔ مادہ حاملہ ہوتے ہی نر کو نگل جاتی ہے۔ پیدا ہونے کے بعد مادہ بچوں کو اپنی کمر پر لئے پھرتی ہے بڑے ہونے پر وہ اُسے کاٹ کاٹ کر کھانے لگتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ مرجاتی ہے۔ اُس وقت وہ بچے اتنے بڑے ہوجاتے ہیں کہ حمل و پیدائش اور موت کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں۔

شادی شدہ عورتوں کے مقابلہ میں دنیا میں خوش وخرم کنواریوں کی تعداد زیادہ ہے۔ لیکن جو عورت شادی کے بعد خوش وخرم رہتی ہے وہ ایسی کنواری کے مقابلہ میں جو نہایت خوش وخرم ہو زیادہ خوش وخرم ہوتی ہے۔

ریاستہائے متحدہ امریکہ کی نو ریاستوں میں ۱۴ سال کے لڑکے اور ۱۲ سال کی لڑکی کے بیاہ کی اجازت ہے۔ دوسری ریاستوں میں لڑکے کی عمر ۱۶ سے ۱۸ اور لڑکی کی ۱۴ سے ۱۶ سال تک کا قانون ہے۔ ایک جگہ لڑکے کی عمر ۲۰ اور لڑکی کی ۱۸ سال ہونی چاہئے۔

تحقیقات سے پایا جاتا ہے کہ اٹلی اور جرمنی نے کنواروں پر ٹیکس اور شادی شدوں کو مالی امداد کے طریقہ سے جو افزائش نسل کی تدبیر کی ہے اس سے شرح پیدائش میں بہت معمولی اضافہ ہوا ہے۔ اور اولاد بھی کچھ مضبوط نہیں ہوئی۔

چارلس ڈکنس نے ۹۰ برس ہوئے پانچ صفحے کی ایک کتاب حضرت عیسیٰ کی زندگی پر اپنے بچوں کے لئے یونہی لکھ ڈالی تھی اور اُسے مطلق نہ چھپوایا تھا۔ آج ایک اخبار نے اس کا حق تصنیف ۴۰ ہزار پونڈ میں خرید لیا ہے

دنیا بھر میں ایک خاص وقت میں تقریباً دو ہزار گرج کے طوفان آتے ہیں اور روزانہ آٹھ کروڑ مرتبہ اوسطاً بجلی کوندتی ہے۔ اب تک چھ لاکھ کیڑے پائے گئے ہیں اور ابھی تک یہ فہرست مکمل نہیں سمجھی جاتی

محمد ظفر

# بزم عصمت

بزم عصمت میں صرف وہی خطوط درج کئے جاتے ہیں
جن میں نمبر خریداری کا حوالہ ہو (۲) خط بہت مختصر ہو (۳) وہی
استفسار نہ ہو جس کے جوابات عصمت میں پہلے بھی شائع ہو چکے
ہیں (۴) رسالہ کے انتظامی امور یا مضامین کے بارے میں کوئی بات
نہ ہو (۵) علیحدہ کاغذ پر روشن سیاہی سے لکھا ہوا ہو۔ ایڈیٹر

عصمتی بہنوں کو یہ معلوم ہو کر خوشی ہوگی کہ برادر عزیز میاں
صادق الخیری سلمہٗ کو بتاریخ ۵ رمضان المبارک ۱۵۔ اکتوبر بروز پنجشنبہ
اللہ تعالیٰ نے چاند سا بیٹا عطا فرمایا۔ دلی دعا ہے کہ خدا مولود مسعود کو
پروان چڑھائے، باپ دادا کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا
فرمائے۔ اور تمام بزرگوں کو اس کی بہار دیکھنی نصیب کرے۔
بچہ کا نام فائق الخیری رکھا گیا ہے۔ کوئی بہن تاریخ قطعہ ولادت
لکھ کر ممنون فرمائیں۔

راشدہ خیری

پچھلے دنوں میرے بچے قاسم مشہدی کی طبیعت خراب
ہو گئی تھی۔ خدا نے اُس کو صحت دی۔ اس خوشی میں رسالہ کا
چندہ بھیج رہی ہوں۔ مہربانی کر کے کسی غریب بہن کے نام رسالہ
ایک سال کے لئے جاری کر دیں۔

بیگم ذاکر حسین مشہدی۔ بحرین

میں نہایت رنج و غم کے ساتھ اطلاع دیتی ہوں کہ میری
بھانجی نے ۱۴ ماہ کی عمر میں ۲۵ ستمبر کو ہم سب کو روتا تڑپتا
چھوڑ کر اس جہان فانی سے کوچ کیا۔ ۵ روپیہ کی حقیر رقم نادار
فنڈ کے لئے ارسال ہے، نیز عصمتی شاعرات کی خدمت میں گذارش
ہے کہ ایک نوحہ اور قطعہ تاریخ وفات لکھ کر ممنون کریں مرحومہ کا نام
ذاکرہ خانم۔ تھا۔

عابدہ خانم بنت شمشیر خاں کشٹی ۔ کشٹی

میری ایک سہیلی جن کے منہ پر بکثرت بال تھے) نے
ایکس رے کرایا۔ کیونکہ ایک دفعہ کرانے سے فائدہ نہ ہوا انھوں نے
دوبارہ بھی عمل کروایا۔ گو اب بال قدرے کم ہیں۔ لیکن منہ کا جہاں
ایکس رے ہوا) رنگ بہت سیاہ ہو گیا۔ اور جھریاں پڑ گئی ہیں۔
جس کی وجہ سے چہرہ بہت برا معلوم ہوتا ہے۔ اور اپنی اصل عمر
سے بہت زیادہ بڑی معلوم ہوتی ہیں۔ کوئی بہن یا بھائی کوئی
علاج بتائیں میں تازیست مشکور رہوں گی۔

خریدار نمبر ۷۶۹۷

ستمبر کے پرچہ میں خواہر محمودہ مہر بانو صاحبہ نے موسیقی
کی کتابوں کا نام و پتہ درج کرایا ہے۔ پتہ میں کچھ غلطی ہے
صحیح پتہ یہ ہے:۔ مصداق احمد اشرف میوزیکل بک ڈپو
مشائخاں اسٹریٹ۔ میرٹھ۔ یو۔ پی۔

معظمہ خاتون

(۱) صابن کے سانچے کہاں دستیاب ہو سکتے ہیں۔ کسی
بھائی یا بہن کو اگر معلوم ہو تو مہربانی فرما کر جلدی جواب دیں۔

نور فاطمہ عرف بہن۔ بجنور

عصمت میں اکثر ایس۔ جے بیگم صاحبہ کھرڑ انبالہ کا دُوہیل
کا اشتہار درج ہوا کرتا ہے۔ عنبری لوشن اگر کسی بہن نے استعمال
کیا ہو تو بذریعہ عصمت مطلع فرمائیں۔

مسز شرف الدین اورنگ آباد دکن خریدار نمبر ۵۵۹۲

منہ و دیگر مقامات پر جو کالے مسے ہو جاتے ہیں ان کے
دور کرنے کے لئے مجھے کوئی مجرب نسخہ و طریقہ درکار ہے۔ جس
سے بغیر کسی قسم کے نشان اور تکلیف کے ان سے نجات ہو
آزمودہ کار بھائی بہن اس طرف متوجہ ہوں میں تازیست احسان مند
رہوں گی۔

ایک خریدار عصمت

۳ فروری حضرت علامہ راشد الخیریؒ کی مفارقت ابدی کی تاریخ ہے مثل
سابق فروری ۱۹۴۰ء کے عصمت میں حضرت علامہ مغفور کے متعلق مضامین
اور تصانیف پر تبصرے اور تنقیدیں شائع ہوں گی۔ جو خواتین و حضرات
مضامین بھیجنے چاہیں۔ ۲۰ دسمبر تک بھیجدیں رازق الخیری

# دوربین

**جنگ کی رفتار** پولینڈ پامردی سے مقابلہ کر رہا تھا کہ روس نے مشرقی علاقہ پر حملہ کرکے اس ملک کی رہی سہی قوت پامال کردی جرمنی اور روس چکی کے دو پاٹوں میں پولینڈ بہت جلد پس گیا۔ جرمنی کا اعلان ہوا کہ پولینڈ کے ساڑھے چار لاکھ سپاہی اُن کے ہاتھوں میں گرفتار ہوئے۔ پولینڈ روس اور جرمنی دونوں میں بٹ گیا۔ اس کا اہم علاقہ جرمنی کے حصہ میں آیا ہے تیل کے چشموں کا علاقہ روس کے پاس رہا۔ جرمنی کے پاس لبلین کا سارا صوبہ اور دریائے وسمولا کے سہارے سہارے کل علاقہ آگیا۔ جس سے دریائے وسمولا پر جرمنی کا کامل اقتدار رہے گا۔ سلیشیا اور کراکو جو پہلے آسٹریا ہنگری کا علاقہ تھے اب جرمنی کے قبضہ میں آگئے۔ وارسا کا تقریبًا سارا صوبہ اُس کے پاس آگیا۔

پولینڈ فتح کرلینے کے بعد جرمنی نے براہ راست اور نیز مسولینی کے توسط سے صلح کے لئے سلسلہ جنبانی کی۔ رشتاغ میں ہٹلر نے تقریر کی کہ پولینڈ جنگ عظیم کے معاہدے کی رو سے وارسائی پیداوار ہے اور میں بارہا کہہ چکا ہوں کہ میں اس کی بے انصافیوں کو دور کرکے رہوں گا۔ پولینڈ نہ پہلے تھا نہ کبھی آیندہ بنے گا۔ روس اور جرمنی اس معاملہ میں کسی کی مداخلت گوارا نہ کریں گے۔ جرمنی کو اس لڑائی سے یہ فائدہ ہوا کہ روس سے اُس کی دوستی ہوگئی۔ برطانیہ ہمیشہ سے جرمنی کے خلاف رہا ہے۔ مگر میں دل سے چاہتا ہوں کہ برطانیہ سے ہماری دوستی ہو جائے کیونکہ یورپ کے امن کے لئے یہ اتحاد بڑی نعمت ہوگا۔ میں برطانیہ سے صرف اپنی نو آبادیاں واپس مانگتا ہوں۔ ہمیں خام پیداوار کی ضرورت ہے۔ اس کے بدلہ میں میں اپنے سب مطالبات چھوڑنے کو تیار ہوں۔ لیکن اگر جنگ جاری رہی تو گو مسٹر چرچل برطانیہ کے وزیر جنگ کو حسن ظن ہے کہ برطانیہ فتحمند ہوگا۔ مگر مجھے ذرا بھی شبہ نہیں کہ جرمنی فتحیاب ہوگا۔

برطانیہ نے ان تجاویز کو ٹھکرا دیا ہے۔ اور اپنا عہد ظاہر کیا ہے کہ جنگ اُس وقت تک جاری رہیگی جب تک ہٹلریت دنیا سے فنا نہ ہو جائے۔ بحیرہ شمالی میں جرمنی بیڑے کی برطانیہ کے جہازوں سے مڈبھیڑ ہوئی۔ جرمنی کے ہوائی جہاز بھی اس جنگ میں شریک ہوئے جرمنوں کو شکست ہوئی۔

روس نے پولینڈ کا علاقہ دبا کر بحر بالٹک کی ساحلی ریاستوں پر دباؤ ڈال کر اپنے مطالبات پورے کرلئے۔ ایسٹونیا۔ لتھونیا نے بعض اہم ساحلی مقامات روس کے حوالے کرکے بالٹک پر روسی اقتدار کو قائم کردیا۔ فن لینڈ نے روسی مطالبات ماننے سے انکار کردیا ہے۔ اور وہ لڑنے کو مستعد ہوگیا ہے۔

روس نے ترکی پر بھی ڈورے ڈالنے چاہے اور درہ دانیال پر اپنا اقتدار قائم کرنے کے لئے ترکوں پر دباؤ ڈالا۔ لیکن ترکی نے بڑی پامردی سے اس دباؤ کی پروا نہ کرتے ہوئے انگریزوں اور فرانسیسیوں سے معاہدہ کرلیا۔ جس کی رو سے دونوں ترکوں کی جنگ کی حالت میں مدد کریں گے۔ اور ان کی امداد ترکی بھی کرے گا۔ جرمنی میں اس معاہدہ کے خلاف غصہ کا اظہار کیا جاتا ہے۔ یہ معاہدہ پندرہ سال کے لئے ہے۔ روس سے جنگ کرنے کے لئے ترکی کو مجبور نہ کیا جائے گا۔ ترکی نے روس سے جداگانہ معاہدہ کیا۔ ترک بحیرہ روم و بحیرہ اسود کی حفاظت کریں گے۔ اٹلی نے ترکی پر حملہ کیا تو روس ترکی کی مدد کرے گا۔

جرمنی نے اپنی فوجیں پولینڈ سے منتقل کرکے فرانس کے خلاف زبردست دھاوا بولنے کا ارادہ کیا ہے۔ اس میں نو لاکھ جرمن سپاہی شریک ہوں گے۔ جرمنی نے سکاٹ لینڈ پر دو مرتبہ ہوائی حملہ کیا۔ مگر دونوں مرتبہ انگریزی ہوائی جہازوں نے انھیں بھگا دیا۔
جنگ کی حالت اس وقت یہ ہے کہ انگریز لمبی لڑائی پر تلے ہوئے ہیں۔ بارشوں نے مغربی محاذ کو دلدل بنا دیا ہے جس پر توپیں اور

# کپڑوں کو ملائم اور آرام دہ رکھنے کے لیئے

## کوئی بھی چیز لکس کی مانند نہیں



بچّوں کے کپڑے جو معمولی طریقوں سے متواتر دھلتے رہتے ہیں۔ جلدی سُکڑ جاتے ہیں اور سُکڑے ہوئے کپڑے اس ملائم جسم کیلئے سخت اور خطرناک ہوجاتے ہیں +

لہٰذا ہمیشہ لکس استعمال کریں۔ آپ کے ہلکے کپڑوں کے لئے بھی لکس عُمدہ چیز ہے کیونکہ یہ خالص اور بیضرر ہے۔ اس کی آرام دہ جھاگ رنگوں کو تر و تازہ رکھتی ہے اور نہایت نازک کپڑوں کو بھی نقصان نہیں پہنچاتی +

آپ کو ایک پیکٹ لکس اور صرف ٹھنڈا پانی درکار ہے +

لکس سے ٹھنڈے پانی میں کثرت سے جھاگ پیدا کیجئے۔ اِس جھاگ کو آرام سے کپڑے میں جذب کیجئے۔ حتیٰ کہ میل نکل جاوے +

ٹھنڈے پانی میں تین مرتبہ کھنگالئے۔ مروڑنے کے بغیر دبا کر نمی خارج کیجئے۔ اور سایہ میں خشک کریں +

# لکس

## زود اثر ــــ آسان ــــ محفوظ

ہندوستان میں صرف خالص نباتاتی تیلوں سے تیار کیا جاتا ہے




تھوڑا سا لکس نیم گرم پانی میں ملا کر معمولی طریقہ سے استعمال کرنے سے بال بالکل صاف اور مانند ریشم کے نکل آتے ہیں

LX. 1-97--UD

LEVER BROTHERS (INDIA) LIMITED

ٹینک چل نہیں سکتے۔ ہٹلر طویل جنگ سے پریشان ہے۔ اُس نے اپنے ملک والوں سے موسم سرما سے پہلے فتح کا وعدہ کیا تھا۔ اگر لڑائی طول کھینچ گئی تو جرمنی میں بغاوت ہو جانے کا امکان ہے اور ہٹلر کا اقتدار ختم ہو جائے گا۔ جرمنی کا دار و مدار تجارت پر ہے۔ اور برطانیہ کی بحری فوقیت کی وجہ سے بالکل بند ہے۔ اس کے علاوہ روس اور جرمنی مل ضرور گئے ہیں مگر جرمن روس سے کھٹکتے ہیں۔ روس کا اقتدار بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ جو جرمنی کے لئے بہت خطرناک ہے۔ ایسی حالت میں کہ بے اعتباری کی ہوا چلی ہوئی ہو اور اتحادیوں کے طیارے بےحد ہوں۔ اور مسولینی لڑائی سے کترا رہا ہو برطانیہ اور فرانس کی فتح کا امکان بہت زیادہ ہے۔

## حیدرآباد کا بجٹ

اقتصادی بدحالی کے باوجود حیدرآباد دکن کا سال رواں کا بجٹ اطمینان بخش ہے۔ آمدنی کا اندازہ ۸ کروڑ ۹۴ لاکھ ۴۴ ہزار ہے اور خرچ کا تخمینہ ۸۸۶۱۹۰۰۰ روپیہ لگایا گیا ہے۔ سوا لاکھ روپیہ بچنے کی امید ہے۔ ۵۰ لاکھ ۸۳ ہزار روپیہ ریلوں کے لئے اور پندرہ پندرہ لاکھ عثمانیہ یونیورسٹی اور فوجی اور طبی عمارات کے لئے رکھا گیا ہے۔ اور آبپاشی کے لئے ۸ لاکھ ۲۶ ہزار روپیہ مخصوص کئے گئے ہیں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضور نظام کی حکومت نے ملکی سود و بہبود کا خیال پہلے کی طرح زیادہ ہی رکھا ہے۔

## امریکہ میں عورتوں کی حکومت

امریکہ سے ایسی سنسنی خیز خبر معلوم ہوئی ہے جو جنگ عظیم یا بالشویزم وغیرہ سے زیادہ انقلاب انگیز ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہاں کی دولت کا زیادہ حصہ عورتوں کے قبضہ میں ہے۔ اور دن بدن دولت ان کے قبضہ میں ہوتی جاتی ہے۔ پہلے ہی دس کھرب ڈالر یعنی ملک کی دولت کا ۷۰ فی صدی حصہ ان کے ہاتھوں میں ہے۔ بلکہ رجعت کی رو سے دو تہائی ورثہ اور موت کے بعد دعاوی کے ذریعہ ۸۰ فیصدی میراث بیمہ کمپنی انھیں ادا کر رہی ہیں۔ یہ پہلے سب کو معلوم ہے کہ وہاں کی عورتوں کو جو حقوق حاصل ہیں دنیا کی اور عورتوں کو ان کا عشر عشیر بھی میسر نہیں۔ اب دولت ان کے قبضہ میں ہے پوری پوری آجانے کے بعد کسی بات کی کسر باقی نہ رہجائیگی کیونکہ دنیا جانتی ہے کہ روپیہ میں بڑی قوت ہے۔ وہ مردوں کی نقل و حرکت کو قابو میں رکھ سکیں گی۔ پچھلے دنوں مے نوشی کی بند کرانے والی یہ عورتیں ہی تھیں۔ گو مرد مخالف تھے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ تجربہ وہاں کامیاب نہ ہوا۔ دیگر تمدنی و معاشری تحریکوں میں امریکہ کی عورتوں کا بڑا حصہ ہے۔ وہ دن دور نہیں کہ وہ معاملات حاضرہ پر اس قدر قابو یافتہ ہو جائیں گی کہ جو چاہیں گی کریں گی۔ اور سچ مچ عورتوں ہی کی حکومت ہو گی۔ یعنی عورتوں کا راج ہو گا۔

## پنجاب میں زنانہ طبی امداد

پنجاب میں ۱۹۳۵ء سے ۱۹۳۶ء تک ایسے شفاخانوں میں جہاں عورتوں کے علاج کا انتظام ہے تیرہ کا اضافہ ہونے والا تھا لیکن یہ تجویز جو ۱۹۲۵ء میں جاری کی گئی تھی جس کی رو سے ضلع کے صدر مقام میں علیحدہ زنانہ شفاخانے اور تحصیل کے صدر مقاموں میں زنانہ سب اسسٹنٹ سرجنوں کے ذریعہ عورتوں کو طبی امداد بہم پہنچائی جانے والی تھی بکمل نہیں ہوئی۔ مگر ان تین سالوں میں سات زنانہ شفاخانے کھولے گئے۔ جن کی وجہ سے موجودہ عملہ میں ایک زنانہ اسسٹنٹ سرجن اور چھ زنانہ سب اسسٹنٹ سرجنوں کا اضافہ ہوا۔ اب ان کی تعداد دس زنانہ اسسٹنٹ سرجنوں اور ۱۰۵ زنانہ سب اسسٹنٹ سرجنوں تک پہنچ گئی ہے تاہم جہلم اور ۵۲ مختلف تحصیلوں کے صدر مقاموں میں اب تک کوئی لیڈی ڈاکٹر موجود نہیں

دیہاتی رقبوں میں زچاؤں کی امداد کے لئے تربیت یافتہ دائیاں مہیا کرنے اور اچھی دائیوں کی حوصلہ افزائی کے لئے تربیت دائیوں کی تعلیم کے لئے ایک سال کی مدت کے واسطے دس دس روپیہ ماہوار کے دو سو وظیفوں اور نرس دائیوں کے لئے دو سال کے عرصہ کے واسطے پندرہ پندرہ روپیہ ماہوار کے سو وظیفوں کی منظوری دی ہے۔ یہ وظیفہ صرف دیہاتی رقبہ کی عورتوں کو دیئے جائیں گے۔

## جنگ چین و جاپان

چینی فوجوں نے علاقہ ہونان میں چینگشا کے مقام پر جاپانی فوج کو شکست دیدی۔ بعد میں ہانکاؤ کی بندرگاہ پر زبردست گولہ باری کر کے قبضہ کر لیا۔ یہ بندرگاہ شنگھائی سے صرف ۱۱ میل کے فاصلے پر ہے۔ اور نہایت اہم ہے۔ معلوم ہوتا ہے وہ سسں چینیوں کو برابر مد[illegible] ہے جو وہ چینی

طیارے جاپانیوں نے گرائے ان کے چلانے والے روسی پائے گئے۔ ماہروں کا خیال ہے کہ اگر یہ جنگ جاری رہی تو جاپان دو سال میں ختم ہوجائے گا۔ اس وقت تک جاپان چین میں ۳۴ فوجی ڈویژن بھیج چکا ہے کم از کم دس لاکھ آدمی مارے جاچکے ہیں ان میں زخمی بھی شامل ہیں۔ ۱۵ ارب ین (جاپانی سکہ) خرچ ہوچکے ہیں۔ اس نقصان کے مقابلہ میں صرف ۹۴ ضلع قبضہ میں آئے ہیں جن کی حفاظت کے لئے بجائے خود ایک فوج درکار ہے۔ چین میں عزم مقابلہ موجود ہے۔

**تاروں کا جھرمٹ**

کراچی میں "سنت تلسی داس" کی بولتی تصویر دیکھتے ہوئے ایک ہندو عورت کے عین اس وقت بچہ پیدا ہوا جب تماشہ میں پردہ پر تلسی داس کی پیدائش ہوئی۔ لڑکے کے والدین نے بیان دیا ہے کہ وہ بچہ کا نام تلسی داس رکھیں گے

لاہور میں کمیٹی کے قانون کے ماتحت فقیروں کا چالان کیا جارہا ہے۔ ایک فقیر نے بیان کیا کہ اسے قید کی سزا نہ دی جائے بلکہ جرمانہ کیا جائے۔ ورنہ اس کے کتے بھوکے مرجائیں گے جن کی روزانہ خوراک تقریباً سات روپیہ روز ہے۔ جو وہ بھیک مانگ کر مہیا کرتا ہے۔ عدالت نے اس پر ۲عہ جرمانہ کیا۔ جو اس نے اسی وقت ادا کر دیا۔ ایک فقیر نے دو وکیل کئے جنہیں باقاعدہ محنتانہ دیا گیا۔ اس کی بہن ایک مالدار عورت ہے۔ اس نے تیس روپیہ جرمانہ کے ادا کئے۔ پانچ اور فقیروں نے ۴ اور ۵ ۵ کے جرمانے اسی وقت ادا کر دیئے۔

الہ آباد کے اسلامیہ ہائی اسکول کو کالج بنانے کے لئے حضور نظام نے دس ہزار روپیہ عطیہ دیا۔

حکومت ہند ہندوستانی بندرگاہوں سے جدہ جانے والے حاجیوں کے جہازوں کا انتظام کررہی ہے "تاکہ ہندوستان والے آسانی سے حج کرسکیں

صوبہ متحدہ میں خاکسار اس لئے گئے کہ شیعہ سنیوں میں اتحاد کرادیں۔ مگر وہاں کی کانگریسی حکومت کو خاکسار تحریک اس قدر خطرناک نظر آئی کہ اس نے ان کا اپنے صوبہ میں داخلہ ممنوع قرار دیدیا۔ خاکسار ہر طرف سے وہاں جانے لگے تاکہ گرفتار ہوں۔ گرفتاریاں بھی ہوئیں۔ ان پر پولیس نے لاٹھیاں بھی چلائیں۔ بلند شہر میں جیل خانہ میں بند کرتے وقت ان پر گولیاں چلائی گئیں۔ جن سے پانچ خاکسار وہیں شہید ہوگئے۔ زخمیوں میں دو بعد میں جاں بحق ہوئے

بلند شہر میں سکھ جلوس نکالنا چاہتے تھے۔ حکام نے اسے بند کردیا۔ لیکن دسہرہ کے موقع پر ہزاروں سکھ وہاں گئے شاندار جلوس نکالا گیا اور حکام کی مخالفت کی پرواہ نہ کی گئی۔

روس نے ایران پر حریصانہ نظریں ڈالنی شروع کردی ہیں۔ ایران نے فوراً جاپان سے معاہدہ کرلیا۔ اس سے پہلے میثاق سعد آباد کے ماتحت افغانستان، عراق۔ اور ترکی کے ساتھ ایران کے معاہدات ہوچکے ہیں۔

حضور وائسرائے ہند نے اعلان کیا ہے کہ آئندہ ہندوستان میں جو دستور بنے گا یا موجودہ دستور میں جو تبدیلیاں ہوں گی۔ ان میں ہندوؤں کے علاوہ دوسری ہندوستانی قوموں سے بھی مشورے لئے جائیں گے۔ مسلمانوں نے اس اعلان پر اظہار مسرت کیا ہے۔ مگر کانگریس اور ہندو بہت مایوس ہیں۔

سنہ ۳۶ء کی طبی سالانہ رپورٹ سے پایا جاتا ہے کہ صرف بخار سے ۳۰ لاکھ موتیں ہوئیں یعنی کل اموات کا ۵۵ فیصدی حصہ بخاروں کی بھینٹ چڑھا۔ پھیپھڑے کی بیماریوں میں ۸ فیصدی اموات ہوئیں ان میں زیادہ حصہ سل کا ورد ہے۔ بقیہ چیچک اور طاعون سے صرف ۶ء۱ فیصدی اموات ہوئیں۔

ہر سال دو لاکھ عورتیں زچگی سے پیدا ہونے والی بیماریوں سے فوت ہوجاتی ہیں۔ سنہ ۳۶ء میں ایک سال سے کم کے بچے کل اموات کا ۱۸ء۴ فیصدی حصہ مرے۔ پانچ سال سے کم کے ۶ء۱۸، اور پانچ اور دس سال کے بیچ کی عمروں کے بچے ۴ء۵ فیصدی۔

جرمنی۔ ۱۰ ہزار عورتوں کے دو دستے عنقریب کام کاج کے لئے طلب کرنے والا ہے۔ ۱۷، اور ۲۷ کے درمیان کی عمروں کی عورتیں فوجی خدمت کے لئے بلائی جائیں گی۔ ان کے لئے کیمپ تیار ہوگئے ہیں۔ صبح کو وہ کھیتوں میں کام کرتی ہیں اور تیسرے پہر کو سیاسی خانگی اور دیہاتی امور کی ہدایات حاصل کرتی ہیں۔

طوطنخ آمین فرعون مصر کی لاش اور اس کے مقبرہ کے کل جواہرات مصر کے عجائب خانہ سے لیکر ۴۰ صندوقوں میں بند کرکے زمین کے اندر ۳۰ فٹ نیچے بم سے محفوظ رہنے والے تہ خانوں میں پھر دفن کردیئے ہیں۔

# جو عورتیں اولاد سے محروم ہیں

## ان کے ہاں بھی اولاد ہو سکتی ہے

نئے زمانہ کی سائنس نے جہاں اور بہت سے کرشمے دکھائے ہیں وہاں یہ بات معلوم کر کے بھی ہماری ہندستانی بہنوں کو بیحد خوشی ہوگی کہ اب نئے زمانہ کی اس سائنس کی بدولت بے اولادی کے صدمے عورتوں کو برداشت کرنے نہیں پڑیں گے یعنی اگر کسی بہن کی شادی کو عرصہ گزر گیا ہو اور کسی سبب سے اولاد نہ ہوتی ہو تو اب اولاد ہو سکے گی سائنس کے اصولوں پر تیار کی ہوئی دوا "**محافظ اولاد**" کا گزشتہ بارہ سال سے نہایت کامیاب تجربہ ہو رہا ہے۔

بعض عورتوں کی شادیوں کو پچیس اور تیس سال گزر چکے تھے مگر اس عجیب و غریب دوا یعنی محافظ اولاد نے ان مایوس عورتوں کو بھی صاحب اولاد بنا دیا۔ اس حیرت انگیز اور قابل فخر دوا کی ایجاد کا سہرا دہلی کے مشہور و معروف زنانہ دواخانہ کے سر ہے۔ اور امید ہے کہ عنقریب کسی بین الاقوامی مقابلہ میں اس دوا کو رکھ کر ساری دنیا کو ثابت کیا جائے گا کہ اس مقصد کے واسطے محافظ اولاد دوا کتنی حیرت خیز چیز ہے۔

دوا "**محافظ اولاد**" ہدایات کے مطابق مسلسل سات روز تک استعمال ہوتی ہے (جس کی مفصل ہدایات دوا کے ساتھ ہوتی ہیں) اور اس کے بعد خدا تعالےٰ کی طرف سے مہربانی ہو جاتی ہے۔ اور آئندہ سال ایک جیتا جاگتا کھلونا مایوس ماں کی گود میں ہوگا۔

یہ وہ شاندار تجربہ ہے جو سالہا سال سے ہندوستانی اطبا اور ڈاکٹروں کو حیران کر رہا ہے۔ اور ہر شخص محافظ اولاد دوا کے اس حیرت انگیز اثر کو دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ زنانہ دواخانہ دہلی کے ریکارڈ میں اس عجیب و غریب دوا کے متعلق لاتعداد سارٹیفکٹ موجود ہیں لہٰذا اعلان کیا جاتا ہے کہ عصمتی بہنوں میں سے اگر کوئی بہن اولاد سے محروم ہوں تو انہیں چاہیے کہ وہ **لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ نمبر ۳ دہلی** کے پتہ پر ایک کارڈ لکھ کر دوا محافظ اولاد کی ایک شیشی بذریعہ وی۔ پی پارسل منگالیں۔ ایک شیشی میں ایک عورت کے لئے پوری سات خوراک دوا ہوتی ہے۔ ایک شیشی کی قیمت دو روپے آٹھ آنے (عہ۲) ہے۔ اور پارسل پر سات آنے خرچ ہوں گے۔

| [illegible] | [illegible] | [illegible] | [illegible] | [illegible] |
|---|---|---|---|---|
| ملکی و غیر ملکی کھانے | عمدہ عمدہ کھانے | لذیذ کھانے | نفیس نفیس کھانے | جوانی، بیماری کے کھانے |
| [illegible] کھانے | | | | [illegible] کھانے |

## سینکڑوں قسم کے کھانے تیار کرنے کی اردو زبان میں بے نظیر کتاب

# عصمتی دسترخوان حصہ اول

جس کی ایک نمایاں خصوصیت جو اس موضوع کی اور کسی کتاب میں نہ نکلے گی یہ ہے کہ تمام ترکیبیں تجربہ کرنے کے بعد لکھی گئی ہیں اس لئے ترکیبیں بالکل صحیح ہیں اور وزن بالکل درست! ہندوستان بھر کے ہر حصہ کی تقریباً عصمتی بہنوں نے اس کتاب کی تیاری میں حصہ لیا ہے اور ایڈیٹر صاحب عصمت کی اہلیہ محترمہ آمنہ نازلی صاحبہ نے بڑی محنت سے کتاب مرتب فرمائی ہے۔ باورچی خانہ کے انتظام اور کھانوں کے متعلق نہایت قیمتی ہدایات و مضامین درج کئے گئے ہیں۔ ایک ایک چیز کئی کئی قسم کی تیار کرنے کے لئے بھی عصمتی دسترخوان سے بہتر کتاب ملنی ناممکن ہے۔ مثال کے طور پر صرف دو کھانوں کی فہرست ملاحظہ فرمائیے۔

| کبابوں کی ترکیبیں | | | پڈنگ کی ترکیبیں | |
|---|---|---|---|---|
| تاشس کباب | کباب بیضۂ مرغ | ران کے کباب | انجیر پڈنگ | پلم پڈنگ |
| شامی کباب | کچے قیمے کی ٹکیاں | آلو کے کباب | اسنڈ پڈنگ | کھوئے کی پڈنگ |
| آنتوں کے کباب | گوشت کے میٹھے کباب | کچے آلو کے کباب | سبٹ پڈنگ | نارنگی بھری پڈنگ |
| انگریزی کباب | کباب مرغ مسلم | ناریل کے کباب | جلیبیوں کی پڈنگ | جنجر پڈنگ |
| اروی کے کباب | سیخ کے چٹ پٹے کباب | مچھلی کے بیسنی کباب | میوہ دار پڈنگ | روز پڈنگ |
| اور کئی کئی قسم کے | مچھلی کے شامی کباب | سیخ کے کباب | کشمش پڈنگ | اناناس پڈنگ |
| کباب | دہی کے کباب | پسندے کے کباب | بالائی پڈنگ | کمزور بیماروں کیلئے |

## یہ صرف دو چیزوں کی فہرست ہے

اسی سے کتاب کا اندازہ کریئے۔ چاول سلونے اور میٹھے۔ سویاں کھیر فیرنی۔ سادے اور ترکاری کے سالن مچھلی، مرغ، چیلی۔ بسکٹ۔ کیک۔ دالیں۔ مٹھائیاں۔ حلوے۔ چٹنیاں۔ مربے۔ اچار۔ سموسے۔ بڑے پوری۔ کچوریاں۔ پراٹھے۔ روٹی۔ غرض ہر قسم کے مشرقی و مغربی کھانوں کی بڑی بڑی اچھی ترکیبیں ہیں اور ہر چیز کی کئی کئی درجن صحیح ترکیبیں! **اس کتاب کا ہر گھرانے میں ہونا ضروریات میں سے ہے** ہندوستان بھر میں اس کی دھوم مچ گئی ہے۔ بہت سی عورتیں اس کتاب کی بدولت عمدہ عمدہ ذائقہ دار کھانے پکانے لگی ہیں۔ لڑکیوں کو یہ کتاب اشد ضروری سمجھ کر جہیز میں دیجاتی ہے۔ سینکڑوں خواتین نے اس کی تعریف میں خطوط بھیجے ہیں اور کتنے ہی مردوں نے اس کتاب کی اشاعت پر مؤلفہ و پبلشر کا شکریہ ادا کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کھانے کی اس قدر صحیح اور ایسی کارآمد کتاب ہندوستان کی کسی زبان میں آجتک نہیں چھپی۔ اس کی تیاری پر پانی کی طرح روپیہ بہایا گیا ہے۔ پہلے ہی سال میں ہاتھوں ہاتھ تین ایڈیشن نکل گئے اس کتاب پر اس قدر محنت کی گئی ہے کہ پانچ روپے قیمت بھی ہوتی تو کم تھی لیکن اس لئے کہ ہر شخص اس سے فائدہ اٹھا سکے صرف دو روپیہ قیمت رکھی ہے۔ مجلد کی قیمت صرف دو روپیہ چار آنہ ہے۔ اور زیادہ تر مجلد ہی منگائی جاتی ہے۔

**پتہ: منیجر رسالہ عصمت، کوچہ چیلان، دہلی**

# عصمتی دسترخوان حصہ [illegible]

# عصمتی کچن [illegible]

## یہ کتابیں بھی شائع کی گئی ہیں!

اسی لئے ہاتھوں ہاتھ نکل رہی ہیں

**عصمتی ہنڈکلیا** یہ کتاب بچیوں کے لئے ہے تاکہ وہ شادی سے قبل کھانے پکانے کے فن میں ماہر ہو جائیں اور ایک کنواری بچی کو جو جو کچھ جاننا چاہئے عملی طور پر اس سے واقف ہو جائے۔ سوا سو کھانوں کی صحیح صحیح ترکیبیں بچیوں ہی کے مطلب کی درج کی گئی ہیں پھر خوبی یہ کہ کھانے پکانے کے متعلق نہایت مفید مضامین اور کارآمد ہدایتیں درج کی گئی ہیں جو ہر لڑکی کو ضرور جاننی چاہئیں۔ باتصویر ٹائیٹل قیمت صرف ۸؍

**ناشتہ** دوپہر اور رات کے کھانے سے قبل صبح اور تیسرے پہر کیا کیا ناشتہ کیا جاتا ہے۔ اس موضوع پر سب سے پہلی قابل قدر کتاب جس میں چاء۔ کوکو۔ شربت لسی، فالودہ، آئس کریم۔ بسکٹ۔ کیک، توسٹ، کڑہائی وغیرہ وغیرہ نیز ہندوستان کے ہر صوبے اور ہر حصے کے مختلف قسم کے ناشتوں کی کئی کئی ترکیبیں ہیں گویا اس کتاب کی موجودگی میں جس حصہ ملک کا مہمان ہمارے ہاں آئے اسی کے مطلب کی چیز ہم ناشتہ میں پیش کر کے محو حیرت کر سکتے ہیں۔ قیمت ۱۲؍

**بچوں کے کھانے** ننھے بچوں کے لئے اصول صحت سے کس قسم کی غذا دینی چاہئے۔ کون سے کھانے مفید ہیں اور وہ کس طرح تیار ہوتے ہیں اس موضوع پر بے نظیر کتاب جس میں بچوں کے صحت بخش اور مفید کھانوں کی کئی درجن تجربہ کی ہوئی صحیح ترکیبوں کے علاوہ کئی نہایت کارآمد مضامین بھی ملک کے قابل قابل ڈاکٹروں اور تجربہ کاروں کے لکھے ہوئے ہیں۔ باتصویر قیمت صرف ۸؍

**بیماروں کے کھانے** بیماروں کے لئے جو کھانے بہت مفید ہیں اس میں صرف انہی کی ترکیبیں ہیں۔ اور کئی قابل تجربہ کار ڈاکٹروں نے اس کی تیاری میں حصہ لیا ہے۔ تمام ترکیبیں تجربہ کی ہوئی ہیں اور بیحد کارآمد ہیں۔ مضامین بھی بے انتہا مفید و قابل قدر ہیں۔ ہر گھر میں اس کتاب کا ہونا ضروری ہے باتصویر قیمت دس آنہ (۱۰؍)

**مذاقیہ کھانے** دولہا بھائی سے اسی طرح سے اپریل فول مذاق کرنے کے لئے نہایت دلچسپ کتاب ہے، مذاقیہ کھانے صحیح ہے۔ بہو دیکھنے والیاں مذاق کی جگہ اس کتاب سے شرارت بھی کریں [illegible] ہنستے ہنساتے ہوئی کتاب ہے [illegible] کہو ترت دولہا بھائی کی تواضع کیلئے لڑکیاں یہ کتاب نہایت شوق سے منگاتی ہیں [illegible]

**مشرقی مغربی کھانے** [illegible]

# دستکاری کی مفید کتابیں

## جو اپنے اپنے موضوع پر بہترین تسلیم کی جا چکی ہیں

## (۱) عصمتی کروشیا

کروشیا کی شوقین بہنوں کے لئے بہترین تحفہ

یہ کتاب فن کروشیا کی مشہور ماہر محترمہ فاطمہ انور علی بیگم صاحبہ نے ترکیبیں اور ہدایات لکھ کر مرتب کی ہے۔ مجلہ عصمت کی مشہور مضمون نگار محترمہ و۔ا۔ صاحبہ کی رائے ہے "یہ خوبصورت اور کامیاب کتاب بہت محنت سے مرتب کی گئی ہے"۔ محترمہ لطیف بیگم صاحبہ جن کے سلائی کے کام کے مضامین رسالہ عصمت میں خوب مقبول ہو چکے ہیں لکھتی ہیں "عصمتی کروشیا کے نقشے اس قدر صاف واضح اور آسان ہیں کہ سمجھنے میں بالکل دقت نہیں ہوتی"۔ محترمہ نفیس بیگم صاحبہ مولف کروشیا کی سلسلے ہیں جو ہدایات دی گئی ہیں ان سے نمونے بنانے میں بہت سہولت ہو جاتی ہے۔ دوسرا ایڈیشن نہایت آب و تاب کیساتھ بڑے سائز پر شائع ہوا ہے کاغذ عمدہ۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ

### مختصر فہرست عصمتی کروشیا

| | | |
|---|---|---|
| مجلہ نما گاڑی | فارم ہاؤس | گھوڑا ناٹ |
| ڈاک بنگلہ | مسجد کا دروازہ | امام حسین |
| قومی سبز نشک | مرغ | شیر ببر |
| کلمہ طیبہ | تاج محل آگرہ | جامع مسجد |
| ۵ نفیس نسترن | ۱۱ دلاویز جھالریں | ۶ خوبصورت کونے |
| خوش آمدید | عید مبارک | درخت نما ڈالی |
| چڑیا ڈالی پر | طرہ دان | پردار گھوڑے |
| گاڈ بلیس | راج ہنس | بچہ مع تیر و کمان |
| ایک خاتون مع پنکھا | کی کڑی، تتلے | گلدستے و گلدان |

## (۲) عصمتی کشیدہ

اس کتاب میں کشیدہ کاری کے نہایت اچھے اچھے نمونے دئے گئے ہیں ضروری اور کارآمد ہدایتیں اس قدر آسان پیرایہ میں لکھی گئی ہیں کہ چھوٹی چھوٹی بچیاں بھی سمجھ سکیں ہر نمونہ کی ضروری تشریح کی گئی ہے یعنی نمونہ کس کس چیز کے لئے موزوں ہو سکتا ہے اور کس کس رنگ میں ہونا چاہیئے۔ اور کیا کیا احتیاط ضروری ہے۔ پھر نمونے شروع ہوتے ہیں۔ میز پوش پلنگ پوشس، رومال، کرسیوں کے گدوں تکیوں کے غلاف پلنگ کی چادروں۔ پردوں وغیرہ وغیرہ کے وسط اور کونوں کے لئے مختلف قسم کے پھولوں، بوٹوں، گلدستوں وغیرہ کے کئی درجن خوبصورت نمونے ہیں۔ ان کے بعد کئی وضع کی دلاویز بیلیں پھر مختلف قسم کی کڑھت کے عمدہ عمدہ نمونے ایک درجن سے زیادہ اس کے بعد پرندوں اور چند مشہور عمارات کے خاکے غرض بچیوں کیلئے یہ کتاب بہت کارآمد ہے اور بہنیں ہنر مند بنا دی۔ پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا اب بار دوم چھپی ہے قیمت عہ

## (۳) گلدستہ کشیدہ

عصمتی کشیدہ کا دوسرا حصہ

کشیدہ کاری کی اس قدر خوبصورت اور اتنی کارآمد کتاب آجتک نہیں چھپی

اس کتاب کی تیاری میں ۲۰ دستکار بہنوں نے حصہ لیا ہے۔ اور کشیدہ کاری کی مشہور ماہر محترمہ علی فاطمہ بیگم صاحبہ آگرہ نے نہایت محنت و قابلیت سے کتاب کو مرتب فرمایا ہے۔

کتاب کے ۱۱ باب ہیں جن کی تفصیل یہ ہے

| باب | مضمون | نمونے |
|---|---|---|
| باب ۱ | خوبصورت فریم شلاً محمد، تاج محل، عید کا تحفہ وغیرہ | ۹ نمونے |
| باب ۲ | مختلف قسم کے پھولوں کونوں والیوں کے | ۹۲ |
| باب ۳ | مختلف وضع کے بنے پھول | ۴۴ |
| باب ۴ | میز پوش چادروں وغیرہ کے کونے | ۱۹ |
| باب ۵ | غلاف تکیہ وغیرہ کے خوشنما کونے | ۱۸ |
| باب ۶ | مختلف وضع کے گول پھول | ۱۱ |
| باب ۷ | بیل کلاتہ، پلنگ کی چادریں ساری وغیرہ کی بیلیں | ۱۸ |
| باب ۸ | نسترشن کی بوٹیاں وغیرہ | ۸ |
| باب ۹ | قمیص کے کف | ۳ |
| باب ۱۰ | قمیص کرتہ بلاوز کے گریبان | ۴ |
| باب ۱۱ | متفرق، شلاً ڈ کی کڑی بچوں کے بب، جوتے، پادان کا غلاف، پانیسل کی گدی، بٹوہ وغیرہ | ۱۵ |

موتیوں کے کام کی طرح گلدستہ کشیدہ میں بھی پہلے نہایت کارآمد ہدایتیں ہیں پھر نمونوں کے حساب کاڑھنے کی بعض ترکیبیں ہیں جن سے ہر چیز کا سر زدن۔ جملہ ابواب میں نمونے دئے گئے ہیں اور تمام نمونے نہایت صاف ہیں۔ اکثر نمونے ایسے خوبصورت ہیں کہ آجتک کشیدہ کاری کی کسی کتاب میں دیکھنے میں نہ آئے ہونگے اور ترکیبیں تو اس قدر آسان ہیں کہ چھوٹی بچیاں بھی سمجھ سکتی ہیں۔ گلدستہ کشیدہ میں سب نئے نئے ہیں یعنی جو عصمتی کشیدہ میں آ چکے ہیں وہ اس کتاب میں نہیں ہیں کاغذ خوب موٹا و دبیز اسی وجہ کی چھپائی نفیس۔ ضخامت ۱۰۰ صفحے قیمت ۸؍

## (۵) موتیوں کا کام

موتیوں کے کام کا شوق لڑکیوں میں روز بروز ترقی کر رہا ہے مگر یہ کام ایسا ہے کہ جب تک بتانے والا نہ ہو سمجھ میں نہیں آتا اور جب اشارہ مل جائے تو بآسانی کیا جا سکتا ہے یہ کام بڑا ہی نہایت دلچسپ اور مفید غریبوں کے لئے روزی کا ذریعہ ہو سکتا ہے تو امیروں کے لئے دل بہلانے کا۔ ان ہی باتوں کو پیش نظر رکھ کر یہ مفید کتاب دستکاری کی ماہر ۲۷ عصمتی بہنوں نے تیار کی ہے اور دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ موتیوں کے کام کی ایسی مفید کتاب ہندوستان بھر میں نہیں چھپی۔ اس میں مندرجہ ذیل ۲۰۶ نمونے ہیں۔

| | | |
|---|---|---|
| ۴۸ وضع کے پھول گلدستے | ۲۷ قسم کی لیس | ۳۲ جھالریں |
| ۱۳ عمدہ عمدہ فریم | ۱۱ نسترشن قدری وغیرہ | ۲ جاپان |
| ۲۹ وضع وضع کی بیلیں | ۸ ہمس ار | ۸ خوان پوشس |
| ۹ حاشیہ کا ر | ۲ پنکھے | ۲ منی بیگ |
| ۷ ہینڈ بیگ کے نمونے | ۶ پردے | گلاس پوش پنکھے |
| متفرق چیزیں بچی کی کڑی | ہر الشہ۔ سلیپر | لیمپ کے جھاڑ وغیرہ ۱۰ |

مثال کے طور پر صرف دو چیزوں کی فہرست پیش کی جاتی ہے

| بیلیں | | لیسیں | |
|---|---|---|---|
| بادام کی بیلیں ۲ | گلاب کی بیل | جگنو نما لیس | برگ نما ڈوری |
| آسمان بیل | مینک نما بیل | کے ملا رمی کی لیس | دائی نما لیس |
| سادی بیل | لٹ دار ۰ | کنگرہ دار لیس | جال نما لیس |
| دوپٹہ کی بیل ۲ | چوڑی ۰ | انگوٹھی دار لیس | بادام کی لیس ۲ |
| فراک کی ۰ | گلے کی آستین کی | موسم دار لیس | دوپٹہ کی لیس |
| ساڑھی کی ۴ | دامن کی بیل | امہ ریاں | لوزنما لیس |
| اوڑھنی ۰ | حاشیہ کی | جوڑ دار | سادہ لیس |
| قیصر کا تمبر | نفیس بیل | وکٹ لڑیاں | شہرہ کا پائچہ |
| | | تیز پھینسکی کی پٹی | دلکش لیس |
| | | سہ لڑی | چاندی کی لیس |

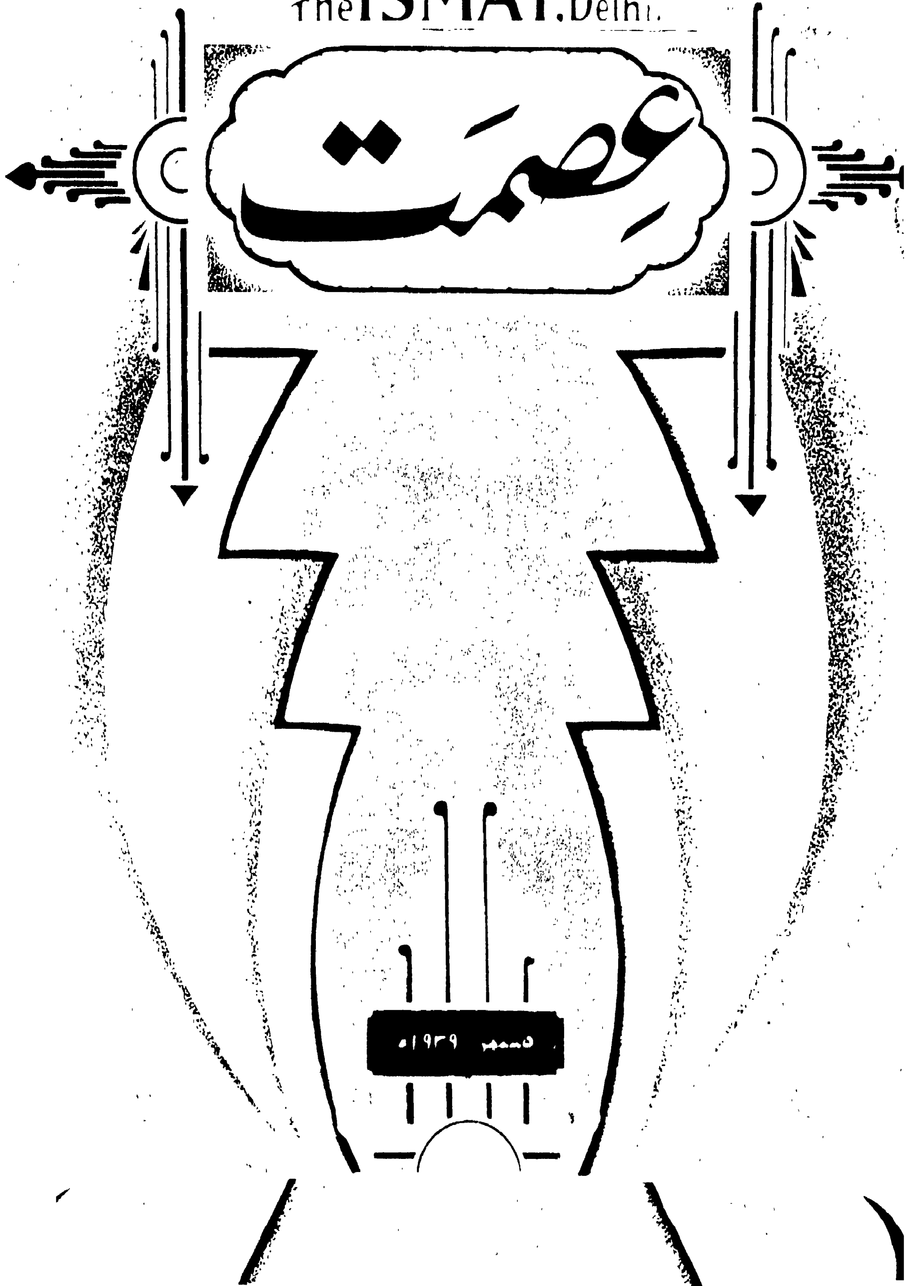
پہلے موتیوں کے کام کی ماہر بہنوں کے نہایت کارآمد مضامین و ہدایات دئے ہیں پھر مفصل ترکیب اور ضروری ہدایات ہر نمونہ کی اس قدر آسان لکھی گئی ہیں کہ نو مشق بھی پورا فائدہ اٹھا سکتی ہیں چنانچہ بعض ترکیبیں ۲۔۳۔۴ سطروں میں ہیں جو کہ بآسانی سمجھ میں آ جاتی ہیں تمام نمونے نہایت صاف اور خوبصورت ہیں کسی نمونے کے سمجھنے میں دقت نہیں ہوتی موتیوں کے کام کا شوق رکھنے اور یہ کام سیکھنے والی لڑکیوں اور عورتوں کے لئے ایسی جیتا ساتھی نہیں ملے گی۔ کاغذ خوب دبیز لکھائی چھپائی نہایت اعلیٰ ٹائٹل دو رنگا۔ تصویر خوبصورت۔ قیمت دو روپے عہ

## (۴) خواتین کی دستکاریاں

جو عورتیں مالی دقتوں سے پریشان ہیں جنہیں آمدنی کی کمی اور اخراجات کی زیادتی نے پریشان کر رکھا ہے وہ اگر ایک جلد منگالیں تو گھر پر خود داری و عزت کیساتھ زندگی گذر سکتی ہیں کیونکہ اس کتاب میں نہایت مفید عورتوں کو نہایت کارآمد جس بہا مشورے دئے گئے ہیں اور بہت سے کاموں کی اس قدر تفصیل بیان کر دی ہے کہ پڑھنے والی بہنیں بغیر کسی احسان اٹھانے صرف اس کتاب کی بدولت مالی پریشانیوں کو بآسانی دور کر سکتی ہیں۔ خواتین کی دستکاریاں جہاں غریب عورتوں کو بہترین مشورہ دیتی ہے وہاں امیر عورتوں کو بھی ہنر مند بنا دیتی ہے۔ قیمت آٹھ آنہ

| | |
|---|---|
| (۱) عصمتی دستکاری<br>(۵) سلیقہ ستاری کا کام<br>(۶) ... پا پکنے کی کتاب | ان کتابوں کا اشتہار کسی دوسرے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے |

ملنے کا پتہ۔ منیجر عصمت دہلی


The ISMAT, Delhi.
عصمت
دسمبر ۱۹۳۹ء

# تصانیف فخرِ نسوانِ ہند محترمہ خاتون اکرم جنت مکانی

محترمہ خاتون اکرم صاحبہ تعلیم یافتہ ہندوستانی خواتین کی محبوب ترین انشاپرداز تھیں جن کی مضمون نگاری کا ہندوستان بھر پر سکہ جم چکا ہے جن کے فلسفیانہ خیالات نے جن کے دائرہ میں ڈوبے ہوئے طرزِ تحریر نے بڑے بڑے قابل مردوں سے خراجِ تحسین وصول کیا تھا۔ مشہور انگریزی روزنامہ بمبئی کرانیکل کی رائے ہے مرحومہ خاتون اکرم نہایت اعلیٰ درجہ کا ادبی ذوق رکھتی تھیں اور اپنے خیالات و جذبات کو نہایت سادہ مگر پر زور انداز اور مختصر الفاظ میں ادا کرنے کی قدرت رکھتی تھیں۔ علی گڈھ میگزین لکھتا ہے ان کا طرزِ بیان پر اثر اور دلنشین ہوتا ہے۔ رسالہ نورجہاں نے لکھا تھا مرحومہ چھوٹی سی عمر میں نہایت دانشمندانہ وسیع تجربہ رکھنے والی خاتون تھیں اپنی پرزور تحریر میں انسانی جذبات کی تصویر نہایت خوش اسلوبی سے کھینچتی تھیں۔

## گلستانِ خاتون (۱)

محترمہ خاتون اکرم ملک کے بہترین افسانہ نگار مردوں میں بھی نہایت ممتاز درجہ رکھتی تھیں گلستانِ خاتون متفقہ طور پر اردو کے بہترین افسانوں کا مجموعہ تسلیم کی گئی ہے۔ شہیدِ ظلم۔ آرزوؤں پر قربانی۔ انقلابِ زمانہ۔ تربیتِ اولاد۔ طرزِ زندگی۔ سچ کی فتح۔ دوسری شادی وغیرہ۔ وہ سبق آموز موثر اور دردانگیز افسانے ہیں جو زنانہ لٹریچر میں غیر فانی درجہ رکھتے ہیں اس سے پہلے کسی ہندوستانی خاتون کے ایسے بلند پایہ افسانوں کا مجموعہ نہیں چھپا۔ پیسہ اخبار لکھتا ہے "یہ وہ دلچسپ افسانے ہیں جن میں کوئی افسانہ خلافِ قیاس نہیں بلکہ عین مشاہدہ اور فطرت کے موافق ہے ان کی دلچسپی خاتمہ کتاب پر خود بخود مائل کرتی ہے" اخبار ریاست کی رائے "نہ صرف خواتین بلکہ مردوں کو بھی ان سبق آموز اخلاقی افسانوں کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیئے" رہنما لکھتا ہے "ہر افسانہ اس قدر دلکش ہے کہ بغیر پورا کئے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ یہ افسانے ہمارے موجودہ تمدن و معاشرت کی خرابیوں کی اصلاح کرنے والے ہیں" ذوالقرنین لکھتا ہے "ان افسانوں میں ایک خاص خوبی یہ ہے کہ جس کا کیرکٹر بیان کیا ہے ایسی موقع و حیثیت کے لحاظ سے زبان و لہجہ استعمال کیا گیا ہے۔ ملک کے تمام مشہور اخبار و رسائل نے نہایت شاندار ریویو کئے ہیں کتاب کا دیباچہ مولوی راشد الخیری ایڈیٹر عصمت نے لکھا ہے تمام کتاب آرٹ کاغذ پر رنگین چھپی ہے اردو میں ایسی خوبصورت کتابیں بہت ہی کم نکلیں گی۔ ٹائٹل خوبصورت عمدہ لکھائی چھپائی قیمت ایک روپیہ چار آنہ۔ مجلد ۱۲/۱

## پیکرِ وفا (۲)

ایک دلآویز نتیجہ خیز افسانہ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ وفا عورت کی خلقت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور شریف بیوی اپنے شوہر کیلئے ایسی ایسی قربانیاں کر دکھاتی ہے کہ دنیا حیرت میں رہ جائے۔ رسالہ ہمایوں کی رائے ہے یہ ایک کامیاب و مفید افسانہ ہے جس میں عورتوں کے اس احترام کو واضح کیا گیا ہے جس کی تعلیم اسلام نے ہمیں دی ہے انداز بیان درد انگیز عبارت سادہ و شگفتہ۔ اخبار کشمیری کی رائے "پیرایہ بیان دلگداز ہے" اخبار صداقت کی رائے "پلاٹ اور کیرکٹروں کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کا افسانہ ہے"۔ بار سوم۔ قیمت آٹھ آنے

## بچھڑی بیٹی (۳)

ایک دلچسپ سبق آموز افسانہ جو کئی زنانہ رسالوں میں شائع ہو کر بے انتہا پسند کیا جا چکا ہے۔ ایک لڑکی ماں باپ سے بچھڑ جاتی ہے اس کی جدائی میں ماں باپ کی جو کیفیت ہوتی ہے صرف کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ برسوں کے بعد وہی لڑکی اس طرح ملتی ہے کہ جنت مکانی کی بے مثل افسانہ نگاری کی داد دینی پڑتی ہے بے حد دلچسپ قصہ ہے۔ یہ بھی آرٹ کاغذ پر چھپا ہے قیمت ۶/

## جمالِ ہمنشیں (۴)

جنت مکانی کے بے مثل ادبی مضامین کا نہایت حسین شاندار مجموعہ

اجل، عالمِ نزع، پھول، رمضان، وعدہ وفائی، خدا کی مصلحت، تعزیت نامہ، فانی زندگی، تغیراتِ زندگی، نیرنگیٔ زمانہ، عبرت گاہِ دنیا، موسمِ بہار، غم، ساون، عید، زندوں کی زندہ ہستی، کسی کی یاد، ہنسی مذاق، خوشی کا دن وغیرہ وغیرہ یہ وہ دلآویز مضامین ہیں جنکی عصمت، تہذیب، استانی، شباب، اردو وغیرہ میں شائع ہو کر دھوم مچ چکی ہے، جمالِ ہمنشیں کے متعلق اخبار ہمدرد لکھتا ہے "ان مضامین میں فلسفیانہ بحث کی گئی ہے" انڈین ڈیلی میل کی رائے "ان مضامین کی اردو صاف رواں ہے" زمانہ رسالہ حرم کی رائے "یہ مضامین بلحاظ زبان و خیال نہایت بلند ہیں ان کی اشاعت اردو زبان پر بڑا احسان ہے" رسالہ اردو لکھتا ہے "ان مضامین کی عبارت بہت فصیح و دلکش ہے" اخبار وکیل "جمالِ ہمنشیں بلاشبہ نسوانی دنیا کیلئے سبق آموز کتاب ہے" اخبار مدینہ کی رائے "مضامین بہت بلند پایہ ہیں" روزنامہ انگریزی بمبئی کرانیکل لکھتا ہے "ان مضامین کی زبان نہایت آسان اور سادہ ہے" یہ بھی آرٹ کاغذ پر تیسری بار چھپی ہے قیمت ایک روپیہ

# تصانیف محترمہ صغریٰ ہمایوں مرزا صاحبہ

ایم۔ آر۔ اے۔ ایس۔ لندن

## مشیرِ نسواں (۱) یا زہرہ

ایک دلچسپ اخلاقی ناول جسمیں لڑکیوں کو بہت سی بیش بہا اخلاقی باتیں بتائی گئی ہیں۔ قصہ دلچسپ و نتیجہ خیز ہے۔ طرزِ بیان بہت سلیس اکابرینِ قوم نے جسے پڑھ کر حسب ذیل ریویو کئے تھے علامہ شبلی نے اسے پڑھ کر فرمایا تھا "یہ کتاب محاسن سے مملوء معائب سے بالکل پاک ہے"۔ اخبار مشیرِ دکن کے ریویو کا خلاصہ "یہ کتاب بلحاظ مضامین کیا بلحاظ زبان بڑی دلچسپ اور دلآویز کتاب ہے"۔ مخبرِ دکن کا ریویو "عورتوں کیلئے نہایت دلچسپ اخلاقی ناول ہے" شوکتِ اسلام کا ریویو "بے نظیر ناول ہے جس میں عورتوں کی ہر حالت اور ہر عمر کے متعلق نصائح اور معلومات کے ذخیرے دلچسپ طریقہ سے بیان کئے گئے ہیں"۔ اخبار تہذیبِ نسواں کا ریویو "اس قصہ کو مصنفہ نے نہایت دلچسپ اور پرلطف طریقہ سے بیان کیا ہے مصنفہ کو اس تصنیف پر تمغہ طلائی دیا گیا تھا" بار سوم قیمت ۸/

## سرگذشتِ ہاجرہ (۲)

دلچسپ اور سبق آموز قصوں کے پیرایہ میں اخلاقی و اصلاحی جواہرات کا بیش بہا ذخیرہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ازدواجی زندگی میں جو بدمزگی پیدا ہو جاتی ہے عورت انہیں کس طرح دور کر سکتی ہے۔ چار سہیلیاں ایک جگہ جمع ہو کر آپ بیتی سناتی ہیں ان میں ہاجرہ کی سرگذشت سب سے زیادہ دلچسپ و مفید ہے اور بتایا گیا ہے کہ بیویاں بگڑے ہوئے گھر کس طرح سنوارتی اور ہاتھ کو نکلے ہوئے شوہروں کو کیونکر اپنا کر لیتی ہیں۔ علامہ سر محمد اقبال کی رائے ہے کہ "سرگذشتِ ہاجرہ مستورات کیلئے نہایت مفید کتاب ہے طرزِ بیان بھی سلیس موثر اور دلکش ہے" بیگم صاحبہ سر عبد القادر صاحب بیرسٹر ایٹ لا کی رائے ہے "یہ نہایت اچھی اور دلچسپ کتاب ہے اس میں ہر قسم کے نقائص کی بڑی خوبی سے قصے کے پیرایہ میں اصلاح کی ہے"۔ بار دوم قیمت دس آنہ

## موہنی (۳)

ایک اخلاقی معاشرتی افسانہ ایک شہزادی شوہر کے انتقال پر گھربار چھوڑ کر جنگلوں میں ماری ماری پھرتی ہے۔ یہاں تک کہ ایران پہنچتی ہے اور وہاں عجیب طریقہ سے شوہر سے ملاقات ہوتی ہے۔ ایران کی معاشرت، مہمانداری، زچہ خانہ، شادی، بیاہ، رسم و رواج پر ایسی مفید معلومات کسی کتاب میں نہ ملیں گی قیمت ۸/

## تحریر النسا (۴)

لڑکیوں اور عورتوں کے لئے جدید طرزِ خط و کتابت کی بے نظیر کتاب، اخلاقی و معاشرتی مذہبی سبقوں کا لاجواب مجموعہ جس میں خطوط کو کارآمد اور مفید بہت سی باتیں بتائی گئی ہیں۔ یہ کتاب انشائی اور نتیجہ خیز سبق آموز مضامین کا مجموعہ بھی ہے پڑھنے کے بعد صرف مستورات ہی اہم خطوط ہی لکھ سکتی ہیں بلکہ ان کی معلومات میں بھی اضافہ ہوتا ہے قیمت

---

معزز خواتین کی لکھی ہوئی نہایت دلچسپ اور مفید کتابیں

محصول ڈاک بذمہ خریدار

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| حوری بیگم ۱۲/ | عقل کی باتیں ۸/ | خانہ داری کے تجربے ۱۲/ | تندرستی ہزار نعمت ۳/ | شمعِ خاموش (نظمیں) ۶/ | پردہ و تعلیم ۲/ |
| غیرت کی پتلی ۶/ | ہنسی کی باتیں ۸/ | | | آئینۂ جمال (نظمیں) ۱۲/ | بچوں کی تربیت ۲/ |
| چار رُخ ۴/ | تاریخی لطیفے ۸/ | | | شبیہ وفا (افسانے) ۱۰/ | بچوں کی دنیا ۵/ |
| محمدیہ قربانیاں ۸/ | خواتینِ اندلس ۸/ | | | نغماتِ موت (مضامین) ۶/ | مختصر دنیا ۵/ |
| | | | | | آئینۂ سرور ۴/ |

# دفتر عصمت کوچہ چیلان دہلی

سے یہ سب کتابیں شائع ہوئی ہیں



جامع مسجد دہلی میں عیدالفطر کی نماز



سر ریجنالڈ ڈورمن اسمتھ وزیر زراعت زنانہ فوج کا معائنہ کر رہے ہیں



[illegible] علامہ عنایت اللہ خاں مشرقی



جرمنی کی خوفناک بمباری جس نے وارسا میں یہودی بچوں کی جائے رہائش کو تباہ کر دیا

# رسالہ عصمت دہلی

بتیسواں[۳۲] سال بابت ماہ دسمبر سنہ ۱۹۳۹ عیسوی جلد ۶۳ نمبر ۶

## فہرست مضامین



چندہ سالانہ پیشگی مع محصول ڈاک چار روپیہ (للعہ) ممالک غیر سے دس شلنگ

قسم خاص (آرٹ کاغذ کا ایڈیشن) دس روپے۔ رؤسا سے پچیس روپے، والیان ریاست سے سو روپے۔ ممالک غیر سے ایک پونڈ۔ فی پرچہ ایک روپیہ۔

رسالہ عصمت، ہندوستان کے بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں پر میسرز اے ایچ وھیلر کے بک اسٹال پر بھی ۵ ر میں ملتا ہے۔

باہتمام ابو امین مولوی محمد امان الرحمٰن پرنٹر و پبلشر محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں چھپا۔

# عصمتی بہنیں

## اگر ان قواعد کی پابندی کریں

## تو اُن کو کبھی ہم سے شکایت کا موقع نہ ملے

(۱) عصمت ہمیشہ پابندی وقت سے ۲۰ تاریخ کو شائع ہو کر دوسری تیسری تاریخ تک ہندوستان کے تمام خریداروں کو پہنچ جاتا ہے۔ اشاعت میں خدا کے فضل سے کبھی دیر نہیں ہوتی۔ لیکن اگر ڈاک خانہ کی غلطی سے وقت پر پرچہ نہ ملے تو ۵ تاریخ کے بعد مگر ۱۰ تاریخ تک کارڈ لکھ کر نمبر خریداری کے حوالہ سے دوبارہ پرچہ منگالیں۔ اس کے بعد قیمتاً ملیگا (۲) اگر ایک مقام سے دوسرے مقام کا تبادلہ ہو جائے تو جدید خریداری نمبر کے حوالے سے فوراً دفتر کو تبدیلی پتہ کی اطلاع دیدیجائے۔ کئی کئی ماہ بعد پتہ بدلوانا دفتر کو سخت نقصان پہنچاتا ہے کیونکہ صحیح پتہ نہ ہونے کی وجہ سے پرچہ تلف ہو جاتا ہے اور خریدار بہن کو شکایت رہتی ہے کہ دفتر سے نہیں بھیجا گیا۔ حالانکہ تمام خریداروں کو ۲۰ تاریخ کو رسالہ بھیجدیا جاتا ہے۔ ہر بہن کا فرض ہو کہ جب پتہ تبدیل ہو تو فوراً دفتر کو اطلاع دیدیں (۳) جب ہمیں خط لکھیں تو خریداری نمبر ضرور لکھیں۔ ورنہ تعمیل میں کئی دن لگ جائیں گے۔ اگر آپ کو خریداری نمبر یاد نہ رہا ہو یا آپ نے نوٹ نہ کیا ہو تو جوابی پوسٹ کارڈ بھیجکر دفتر سے معلوم کیجیے کیونکہ بغیر خریداری نمبر لکھے آپ کے خط کی تعمیل فوراً نہ ہوسکے گی (۴) جواب طلب امور کے لئے جوابی پوسٹ کارڈ یا تین پیسے کا ٹکٹ بھیجیے (۵) منی آرڈر کی کوپن پر خریداری نمبر اور پتہ ضرور درج فرمائیے (۶) خریداروں کو چندہ کی میعاد یا اختتام سال کی اطلاع ایک ماہ پہلے دیدیجاتی ہے۔ اگر کسی بہن کو خریدار رہنا نہیں ہے تو دفتر کو مطلع کردیں۔ اور اگر پرچہ بدستور جاری رکھنا ہے تو چار روپیہ (للعہ) منی آرڈر کے ذریعہ آیندہ سال کا چندہ بھیجدیں انکاری اطلاع یا چندہ نہ آنے پر وی پی بھیجا جاتا ہے۔ وی پی واپس کر کے شدید نقصان پہنچانا تعلیم یافتہ بیبیوں کے لئے زیبا نہیں۔ اگر کوئی بات دریافت طلب ہو تو بھی وی پی ضرور وصول کر لینا چاہیئے۔

**براہ کرم ان چند باتوں کا ہمیشہ خیال رکھیے**

**منیجر**

# مضمون نگاری کے قواعد

مضمون نگاروں کو عصمت کے لئے مضامین بھیجنے سے پہلے ان باتوں کا ضرور خیال رکھنا چاہیئے۔ تاکہ ان کا وقت اور محنت بیکار نہ جائے (۱) مضامین کاغذ کے ایک رُخ پر روشن سیاہی سے نظر ثانی مناسب ترمیم و اصلاح و اضافہ کے لئے ایک سطر چھوڑ کر خوش خط لکھنے چاہئیں (۲) ایڈیٹر کے نام کے خط میں مضمون نگار کا صحیح نام اور پورا پتہ درج ہونا اشد ضروری ہے (۳) طویل مضمون کے لئے تین تین چار چار ماہ بعد بھی ممکن ہے کہ جگہ نہ نکل سکے۔ لیکن چھوٹے چھوٹے مضامین جلد درج رسالہ ہوسکتے ہیں۔ اس لئے مضمون نگار جہاں تک ممکن ہو مضمون بہت مختصر لکھیں۔ اور کم از کم الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ (۴) مضمون کسی کتاب یا رسالہ سے نقل ہو یا ترجمہ یا اخذ ہو تو مصنف کا نام اور کتاب یا رسالہ کا حوالہ ضرور دیا جائے (۵) عصمت کیلئے صرف وہ مضامین ارسال کئے جائیں جو عصمت ہی کے لئے لکھے جائیں۔ وہ مضمون ہرگز نہ روانہ کیا جائے جو کسی اور پرچہ کو بھیجا جاچکا ہو۔ (۶) مضامین کے لئے پرانے پامال عنوانات جن پر بارہا عصمت میں مضامین شائع ہوچکے ہیں منتخب نہ کرنے چاہئیں۔ نئے نئے موضوعوں پر چھوٹے چھوٹے مضامین جو اسلوب بیان ندرت خیال وغیرہ کے اعتبار سے دلچسپ سمجھے جاسکتے ہیں خوشی کے ساتھ شائع کئے جاتے ہیں۔ (۷) مضامین میں تہذیب و سنجیدگی کا پورا خیال رکھنا چاہیئے۔ جو مضامین ذاتیات سے آلودہ ہوتے ہیں یا جن سے کسی فرقہ یا شخص کی دل آزاری ہوسکتی ہے ردّی کردئے جاتے ہیں عصمت مذہبی جھگڑوں کا اکھاڑا نہیں ہے۔ عصمت کے لئے ایسے مضامین بھیجنے چاہئیں جو ہندو مسلمان۔ عیسائی سکھ غرض سب کیلئے مفید ہوں (۸) مضامین کی زبان سلیس عام فہم ہونی چاہیئے۔ رنگین بے معنی عبارت ہمیں ناپسند ہے۔ فارسی عربی انگریزی الفاظ ٹھونسنے سے مضمون بھدا ہو جاتا ہے (۹) جو مضامین عصمت میں شائع ہوتے ہیں ان کا دائمی حق اشاعت بحق عصمت محفوظ ہوتا ہے (۱۰) عصمت سال کے بہترین مضامین پر جولائی میں تقریباً چار سو روپے کے انعامات مضمون نگار خواتین میں تقسیم کرتا ہے کم استطاعت مضمون نگار عورتوں کو معاوضہ بھی دیتا ہے۔ غیر مسلم خواتین کے مضامین خوشی سے شائع کئے جاتے ہیں۔ جو خواتین و حضرات ان قواعد کی پابندی نہیں کرتے ان کے مضامین ناقابل اشاعت ہوتے ہیں۔

**ایڈیٹر**

# محبّت کا تعویذ

## از حضرت علامہ راشد الخیری رحمتہ اللہ علیہ

عورت کی زندگی کا ماحصل یہ ہے کہ شادی کے بعد اس کا شوہر اس کا بیحد قدردان اور محبت کرنیوالا ہو۔ جب اتفاقِ وقت یا بیوی کی لاپروائی سے یہ موقعہ ہاتھ سے نکل جاتا ہے یعنی ابتدا میں بیوی اپنے فرائض کے ادا کرنے میں غفلت کرتی اور یہ بیج درخت بن کر اپنا زہریلا سایہ ڈالتا ہے اور یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ شوہر بیوی سے پریشان ہوکر اس کی اصلاح سے مایوس ہوجاتا ہے تو خود بیوی اور اس کے عزیزوں کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور اب چونکہ پانی سر سے گذر جاتا ہے طرح طرح کی کوشش شوہر کو راہِ راست پر لانے کی ہوتی ہو۔ گنڈے ہوتے ہیں تعویذ ہوتے ہیں شکایتیں ہوتی ہیں۔ فیصلے ہوتے ہیں۔ لیکن بیوقوف بیوی اتنا نہیں سمجھتی کہ اصلی تعویذ تو وہی تھا کہ شروع ہی میں تیر اسکے شوہر کے دل پر بیٹھ جاتا وہ چلتا ہوا تعویذ تھا جس چیز کو تو نے خود اپنے ہاتھ سے کھویا اب وہ کس طرح تیرے ہاتھ آسکتی ہے۔ خدا کو بدنام کرنے سے کیا فائدہ اگر ایسے موقعہ پر تجھ جیسی لاپروا اور کاہل عورت کو خدا نے مدد دی تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ جن بیویوں نے طرح طرح کی مشقت اور مصیبت اُٹھاکر شوہروں کے دل میں گھر کئے وہ سخت بیوقوف تھیں ان کو کیا ضرورت تھی کہ گرمی کے جلتے دنوں میں چولھے کے پاس بیٹھیں اور جاڑوں کے ٹھنڈے موسم میں برف پانی میں ہاتھ ڈالیں۔ مخدوم وہی ہوتا ہے جس نے خدمت کی اور خدا اُسی کو مدد دیتا ہو جو خود اپنی مدد کرے۔ بیا نہایت مصیبت اُٹھاکر اپنا گھر تیار کرتا ہے اور اسی لئے جس وقت زور شور کی بارش ہوتی ہو تو اپنے بچوں کو پورے اطمینان سے گھونسلے میں لے کر بیٹھتا ہے۔ لیکن بندر چاروں طرف پانی میں بھیگتا پھرتا ہے اور کبھی کبھی اولوں کی بوچھاڑ سر گنجا کردیتی ہے ۔

محبت کا سب سے اچھا اور مؤثر تعویذ یہ ہے کہ بیوی ابتدا ہی سے شوہر کے دل پر اپنا قبضہ کرے اور وہ بیج بودے جس کے خوش نما پھول ہمیشہ کھلیں اور تروتازہ رہیں۔ یہ وہ تعویذ ہوگا جو کسی حال اور کسی صورت میں ناکام نہیں ہوسکتا ۔

۱۹۱۷ء

# قانون تنسیخ عقد نکاح مسلمات

## ایکٹ ۸۔ ۱۹۳۹

# دُکھیا مسلم خواتین کی گلو خلاصی کا قانون

### ترجمہ قانون مع مختصر و عام فہم شرح

قانون تنسیخ عقد نکاح ۱۹۳۹ء کی جو مختصر شرح پیش کی گئی ہے وہ قانون پیشہ برادران کی نظر میں نہیں سما سکتی، اور یقیناً تشنۂ تکمیل متصور کی جائے گی۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں نے اُس مبارک سعی کا جو شریعت ایکٹ ۱۹۳۷ء کے نفاذ سے پہلے مسلم ممبران مجلس قانون ساز مرکزیہ کی طرف سے جاری رہے اور جس کا آخری ثمر ہمارا زیر نظر قانون ہے کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے۔ نہ میں نے ہندوستان کے مختلف ہائی کورٹ کے نظائر و پریوی کونسل کے فیصلوں سے اپنی شرح کو بھاری بھرکم بنانے کی کوشش کی ہے بلکہ سچ تو یہ ہے دقیق قانونی نکات کی بحثوں، اور کیس لا case-law کے حوالہ جات سے ارادتاً گریز کی ہے جس کا سبب یہ ہے کہ میں اس شرح کو صرف اپنی اُن مصیبت زدہ بہنوں کے استفادہ کے لئے پیش کر رہا ہوں جو اپنے تغافل شعار، ظالم شوہروں کے شرمناک و قابل نفرین طریق عمل سے دُکھ کی زندگی بسر کر رہی ہیں، صاف روزمرہ میں ایکٹ کے مختلف دفعات و ضمن کی تعبیرات کر کے مطلب کو واضح کرنے کی ایک جسارت ہے کاش یہ جسارت ہی مشکور ہو سکے!

حسب ذیل قانون نے ۱۷۔ مارچ ۱۹۳۹ء کو ہز ایکسیلینسی نواب گورنر جنرل بہادر ہند کی منظوری کا شرف حاصل کیا۔

**قانون ہذا کا نصب العین** جمع و شرح قانون اسلام متعلق تنسیخ عقد نکاح مسلمات جس کا عقد نکاح شرع محمدی کے اصول کے مطابق ہوا ہے نیز رفع شکوک و شبہات متعلق اثر وارتداد و ترک اسلام مسلمات۔

ہرگاہ قرین مصلحت ہے کہ قانون اسلام متعلق تنسیخ عقد نکاح مسلمات جن کا رشتہ مناکحت شرع محمدی کے تحت میں قائم ہوا ہے جمع کیا جاوے اور پھر اس کی شرح کی جاوے و ہرگاہ یہ بھی قرین مصلحت ہے کہ خواتین کے ترک اسلام کے متعلق اثر و قانون اسلام کے شبہات و شکوک کا ازالہ کیا جاوے۔ لہٰذا

حسب ذیل قانون وضع کیا جاتا ہے۔

**مختصر نام و وسعت نفاذ** دفعہ (ا) اس قانون کا نام قانون تنسیخ عقد نکاح مسلمات ۱۹۳۹ء ہو گا۔

دفعہ (ب) یہ قانون تمام برٹش انڈیا میں نافذ رہے گا۔

**نوٹ** قانون ہذا گزٹ آف انڈیا دہلی اشاعت ۱۵۔ مارچ ۱۹۳۹ء حصہ چہارم صفحات ۱۳۱ تا ۱۳۳ میں شائع کر دیا گیا ہے۔

## وجوہ جن کی بناء پر تنسیخ عقد نکاح کی ڈگری صادر ہو سکتی ہے

دفعہ (۲) وہ مسلمہ جس کی شادی شرع محمدی کے اصول کے مطابق ہوئی ہے مستحق ہے کہ ڈگری تنسیخ عقد نکاح حسب ذیل ایک یا زیادہ وجوہ کی بناء پر حاصل کرے۔

ضمن (۱) شوہر چار سال سے مفقود الخبر ہے[۵۱]

ضمن (۲) شوہر نے دو سال سے اس کو نان نفقہ دینے میں غفلت کی ہے یا قاصر رہا ہے[۵۲]۔

ضمن (۳) یہ کہ شوہر کو سات سال یا اس سے زائد کی سزا ہو گئی ہے۔

ضمن (۴) یہ کہ شوہر نے تین سال سے بلا کسی معقول وجہ کے حق شوہری نہیں ادا کیا ہے[۵۳]۔

ضمن (۵) یہ کہ شوہر شادی کے وقت اس قابل نہ تھا کہ اس کی شادی کی جاتی۔

ضمن (۶) یہ کہ شوہر دو سال سے فاتر العقل ہے یا مبروص ہے یا نہایت سخت متعدی امراض مثانہ میں مبتلا ہے[۵۴]

ضمن (۷) یہ کہ اس کی شادی اس کے پدر یا دوسرے ولی نے اس وقت کی تھی جبکہ وہ پندرہ سال کی نہیں ہوئی تھی۔ اور اس نے خود اٹھارہ سال کی عمر سے پہلے شادی کو فسخ کر دیا ہے۔ بشرطیکہ ازدواجی تعلق نہ ہوا ہو[۵۵]۔

ضمن (۸) یہ کہ شوہر اس کے ساتھ ظلم و تشدد سے پیش سے آتا ہے[۵۶] (ا) زد و کوب کرتا ہو یا اپنے طرز عمل سے اس کی زندگی کو زبوں بنائے۔ (ب) بدچلن عورتوں سے میل جول رکھتا ہو یا ذلیل زندگی بسر کرتا ہو

---

۵۱ اس بنا پر پہلے کوئی دعویٰ تنسیخ کا ممکن نہ تھا۔ نہ کوئی نظیر مشاہدہ میں آئی یا نظر سے گذری۔ ۵۲ یہ بہت مفید بنا ہے۔ پہلے اور اب بھی نان نفقہ نہ دینے والے شوہروں کے خلاف دفعہ ۴۸۸ ضابطہ فوجداری کے ماتحت عدالت فوجداری سے چارہ جوئی ہوتی تھی لیکن طلاق ممکن نہ تھی۔ اب صرف اس بناء پر تنسیخ عقد نکاح کی ڈگری ممکن ہو سکتی ہے۔ ۵۳ شادی کا منشاء طرفین کا ازدواجی زندگی بسر کرنا ہے۔ لیکن جب شوہر اپنی زوجہ سے بیگانہ وار زندگی بسر کرے اور اس کے جذبات کا خیال نہ کرے تو پھر اُس زوجہ کی زندگی زبوں و پُرخطر ہو سکتی ہے۔ اس کے تحفظ کے لئے عورت کو تنسیخ کا حق دے دیا۔ لیکن اگر شوہر تین سال سے بوجہ نقاہت و ضعف، ناسازی مزاج یا بسبب باہر رہنے کے مجبور رہا ہے تو یہ عذر اس کا معقول ہے۔ اس صورت میں علیحدگی کا بار ثبوت زوجہ مدعیہ پر ہے۔ اور شوہر کے اقبال علیحدگی کے بعد وجوہ معقول کا شوہر مدعا علیہ کے

۵۴ برص یا کوڑھ ایسا غلیظ و ساری مرض ہے جس سے ہر شخص تنفر کرتا ہے اس بناء میں صنف نازک کے جذبات کا سخت احترام کیا گیا ہے۔ اور ان کو اس مرض سے محفوظ رکھنے کی بھی غایت مدنظر رکھی گئی ہے۔ امراض مثانہ ایسے موذی امراض ہیں جن سے نہ صرف عورتوں کی تندرستی ہمیشہ کے لئے خراب ہو جاتی ہے بلکہ اولاد بھی متعدی امراض کا شکار ہوتی ہے۔ اس خطرہ کا انسداد محض تنسیخ عقد نکاح سے ہو سکتا ہے۔ یہ بہت اہم بناء ہے کیونکہ اس کا اثر نہ صرف زوجین بلکہ آئندہ نسلوں پر بھی پڑتا ہے۔

۵۵ شرع میں اس کو خیار البلوغ کہتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے شرعی سن بلوغ کی قید ہے جو پندرہ سال سے کم ہوتا ہے۔ لیکن قانون ہذا میں پندرہ سال کا تعین کر دیا گیا۔ اور اس کے بعد تین سال کا موقع دیا گیا کہ اس تین سال یا اٹھارہ سال تک اگر زن و شو میں ازدواجی تعلق نہیں ہے تو وہ اپنا شرعی حق جو اب قانونی حق بھی ہو گیا ہے استعمال کر سکتی ہے۔ اس صورت میں مدعیہ کو اپنی عمر اور بکر کا ثبوت دینا ہو گا۔ ۵۶ پہلے قانونی ظلم یا تشدد کے ثابت کرنے کے لئے زد و کوب کی معتبر اور معزز شہادت پیش کرنے کی ضرورت تھی۔ جو اکثر ناقابل وثوق ثابت ہوتی تھی۔ لیکن ضمن ۸ (الف) نے اس کو بہت آسان کر دیا۔ چنانچہ اگر زد و کوب کی شہادت میسر نہ ہو تو پھر ایسے ماحول و حالات کی شہادت پیش کرنا چاہیئے جس سے مدعیہ کو روحانی تکلیف پہونچ رہی ہو اور اس کی زندگی تلخ ہو گئی ہو۔ قمار بازی۔ شراب خواری۔ عیاشی وغیرہ وغیرہ سب سے زوجہ کو روحانی ایذا پہونچ سکتی ہے۔ لیکن ضروری ہے جو مدعا علیہ کی مسرفانہ زندگی کے ثبوت کے ساتھ اس کے اُن اثرات کا بھی ثبوت دینا چاہیئے۔ جو مدعیہ کی زندگی پر پڑتے ہیں۔

(ب) بدنام عورتوں کی صحبت میں رہتا ہے یا رسوائی کی زندگی بسر کرتا ہے[۵۰]
(ج) زوجہ کو بداخلاقی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کرتا ہے[۵۱]۔
(د) زوجہ کی جائداد کو خورد برد کرتا ہے یا اُس کو اپنے قانونی حقوق ملکیت کے استعمال میں مانع ہوتا ہے[۵۲]۔
(ہ) زوجہ کے اپنے مذہبی فرائض و رسوم کی انجام دہی میں مزاحم ہوتا ہے[۵۳]۔
(و) اگر شوہر کی ایک سے زیادہ بیویاں ہیں تو اس کے ساتھ احکام قرآنی کے بموجب عدل و انصاف کا برتاؤ نہ کرتا ہو[۵۴]۔
ضمن (۹) کسی اور بناء پر جو شرع محمدی میں تنسیخ عقد نکاح کے لئے جائز قرار دی گئی ہو[۵۵]۔

# مستثنیات

(الف) کوئی ڈگری ضمن (۳) کی بناء پر اس وقت تک صادر نہ ہوگی جب تک کہ سزا کا حکم قطعی نہ ہو جائے[۵۶]۔
(ب) ضمن (۱) کی بناء پر جو ڈگری صادر ہوگی اس کا نفاذ تاریخ صدور ڈگری سے چھ ماہ تک نہ ہوگا۔ اگر اس عرصہ میں مفقود الخبر شوہر اصالتاً یا وکالتاً حاضر ہو کر عدالت کا اطمینان اس امر کا کردے کہ وہ فرائض شوہری ادا کرنے کے لئے تیار ہے تو عدالت مذکورۃ الصدر ڈگری کو منسوخ کردے گی[۵۷]۔
(ج) ضمن (۵) کی بناء پر صدور ڈگری سے قبل اگر شوہر درخواست دے تو عدالت کے لئے لازم ہوگا کہ وہ حکم صادر کرے کہ اگر شوہر تاریخ حکم سے ایک سال کے اندر عدالت کا یہ اطمینان کرادے کہ وہ اب ازدواجی تعلق رکھنے کے قابل ہوگیا ہے تو عدالت ضمن (۵) کی بناء پر ڈگری تنسیخ عقد نکاح نہ صادر کرے گی[۵۸]۔

---

(۵۰) زنان بازاری کی صحبت اور اوباشوں میں مشہور ہونا بھی زوجہ کی زندگی کے تلخ ہونے کی صورتیں تھیں۔ لیکن ان کو واضح کرنے کی غرض سے (ب) میں جگہ دی گئی۔ [۵۱] ایسے واقعات دیکھنے میں آئے ہیں کہ شوہروں نے اپنی بیویوں سے کسب کرایا ہے اور بیویوں کو اپنے شوہروں کے دباؤ سے مجبور ہو کر بداخلاقی کی زندگی بسر کرنی پڑی ہے۔ [۵۲] اکثر صاحب جائداد عورتوں کے شوہران کے مختار اور کارپرداز ہوا کرتے ہیں ان کے اختیارات اس قدر وسیع ہوتے ہیں کہ وہ اپنی بیوی کی جائداد پر مالکانہ تصرفات کیا کرتے ہیں اور اکثر اس کو خورد برد کردیتے ہیں۔ جائداد خورد برد کرنے اور مالکانہ حقوق کے استعمال میں مزاحمت کرنے کی بناء پر زوجہ کو تنسیخ عقد نکاح کا حق دے دیا گیا۔ [۵۳] اس ضمن کا منشا یہ ہے کہ اسلام کے مختلف فرقوں میں مناکحت کا سلسلہ قائم ہے! ور زوجہ باوجود دوسرے فرقہ کی عورت ہونے کے اپنے مذہبی فرائض کے انجام دہی میں بالکل آزاد ہے۔ اور اگر اس کا شوہر ذرا بھی مزاحمت کرے تو وہ فوراً تنسیخ عقد نکاح کا دعویٰ دائر کرکے ڈگری حاصل کرے۔ [۵۴] ایک سے زیادہ ہونا خلاف قانون نہیں ہے۔ نہ شرعاً ممنوع ہے۔ لیکن ہر بیوی کے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ ضروری ہے۔ ایک کے ساتھ اچھا سلوک اور دوسری کے ساتھ برا سلوک نامناسب ہے۔ اور شرع شریف میں مذموم قرار دیا گیا ہے۔ اب قانوناً ایسے برتاؤ سے زوجہ کو تنسیخ عقد نکاح کے دعویٰ کا حق حاصل ہے۔ [۵۵] یہ ضمن بہت جامع ہے۔ اور اس کے تحت میں تمام ایسی وجوہ آسکتی ہیں جو شرعاً جائز ہیں۔ بمثال کے لئے لعان۔ ظہار۔ وغیرہ۔ یعنی زوجہ کو بدچلن کہنا یا اس کو ماں یا بہن بنانا۔ [۵۶] اپیل کی آخری عدالت سے سزا بحال رہے ایسی صورت میں مناسب یہ ہے کہ سزا کے قطعی ہونے کے بعد دعویٰ دائر کیا جاوے۔ [۵۷] بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مقدمہ کی سماعت کے بعد عدالت ڈگری صادر کردے گی۔ یہ ڈگری ابتدائی ڈگری ہوگی۔ چھ ماہ گزرنے کے مدعیہ کو قطعی ڈگری کی درخواست دینا ہوگی جس میں وہ استدعا کرے گی کہ چونکہ مدعا علیہ تاہنوز مفقود الخبر ہے۔ لہذا ڈگری قطعی فرمادی جاوے۔ [۵۸] یہ شرعی صورت ہے اور قانون ہذا کے نفاذ سے قبل بھی جو دعویٰ تنسیخ نکاح کے استقرار کے دائر کئے جاتے تھے اُن میں بھی مدعا علیہ کو ایک سال کا موقع بموجب شرع اسلام معالجہ کے لئے دیا جاتا تھا۔

(نوٹ) قانون ہذا کے نفاذ سے پہلے مصیبت زدہ مسلمان عورتیں برٹش انڈیا میں طلاق یا تنسیخ عقد نکاح نہیں کرا سکتی تھیں کیونکہ کل یا جزو مہر کی واگذاری کے معاوضہ میں خلع نہیں حاصل کیا جا سکتا تھا۔ اس کی صرف ایک صورت ترک اسلام تھی۔ لیکن اب طلاق اس قدر آسان ہو گئی ہے کہ صرف شوہر کا ظلم و تشدد اور وہ بھی قانونی اصطلاح میں نہیں۔ ثابت کر دینے سے تنسیخ عقد نکاح کی ڈگری مل سکتی ہے۔

## شوہر کے مفقود الخبر ہونے کی صورت میں اُس کے ورثا پر نوٹس کی تعمیل

دفعہ ۳

دفعہ ۲ ضمن (۱) کے دعوی میں۔

(الف) تمام اُن اشخاص کے نام اور پتے درج کئے جاویں گے جو اوقال عرضی دعوی کی تاریخ میں اگر وہ مر گیا ہوتا تو شرعاً اس کے وارث ہوتے۔

(ب) اشخاص بالا پر نوٹس کی تعمیل کی جاوے گی۔

(ج) اشخاص مذکور کو عدالت میں جواب دہی کا بھی حق ہو گا۔

**مستثنیٰ:**۔ ایسے مقدمہ میں شوہر کے چچا اور بھائی کو خواہ وہ اس کے وارث شرعی ہوں یا نہ ہوں فریق مقدمہ بنایا جائے گا۔

## ترک اسلام اور اس کا اثر ازدواجی زندگی پر

دفعہ (۴) کسی شادی شدہ مسلمہ کا ارتداد یا ترک اسلام موجب فسخ عقد نکاح نہ ہو گا[1]

**مستثنیٰ:**۔ مگر ارتداد یا ترک اسلام کرنے کے بعد ایسی عورت مجاز ہو گی کہ وہ ان وجوہ میں سے جو دفعہ ۲ میں مذکور ہیں کسی وجہ پر تنسیخ عقد نکاح کی ڈگری حاصل کرے۔

**مستثنیٰ:**۔ اس قانون کا نفاذ اُس عورت پر نہ ہو گا جو دوسرے مذہب سے مشرف باسلام ہوئی تھی۔ بعدہ اُس نے ترک اسلام کر کے اپنا سابقہ مذہب اختیار کر لیا۔

## تنسیخ عقد کا اثر مہر پر؟

دفعہ (۵) قانون ہذا کی کسی دفعہ کا کوئی اثر مسلمان شادی شدہ عورت کے حقوق مہر پر جو اس کو بموجب شرع محمدیؐ تنسیخ عقد نکاح پر حاصل ہیں نہیں پڑے گا[2]۔

---

[1] دفعہ ۴ ایک اہم دفعہ ہے۔ آریوں اور مسیحیوں کے ورغلانے سے بعض مسلمان عورتوں نے ترک اسلام کر دیا ہے۔ جس سے شوہر کا ان پر پھر کچھ دسترس نہ رہا۔ لیکن اس دفعہ نے مسلم شوہر کے تسلط کو برقرار رکھ کر فتنہ ارتداد کا انسداد کر دیا۔ اور اس کے ساتھ بہکانے والوں کے بھی حوصلے پست کر دئے۔ البتہ ایسی عورت جو پہلے غیر مسلمہ تھی پھر شادی کے بعد مسلمہ ہوئی۔ اور پھر ترک اسلام کر کے اپنے پہلے مذہب میں آ گئی۔ قانون سے مستثنیٰ ہے۔ دوسرے الفاظ میں ایسی عورت کا عقد نکاح محض اس کے ارتداد و ترک اسلام سے فسخ ہو جائے گا۔

[2] پہلے زوجہ تنسیخ عقد دین مہر کی واگذاری کے معاوضہ میں حاصل کر سکتی تھی جس کو خلع کہتے تھے لیکن قانون ہذا نے دین مہر کے حقوق کو محفوظ کر دیا۔ اور تنسیخ عقد نکاح کے بعد بھی اس کے دین مہر کو مدعا علیہ (شوہر) کے ذمہ باقی و واجب الادا رکھا جس کا مدعیہ (زوجہ) علیحدہ دعویٰ دائر کر سکتی ہے یا تنسیخ عقد نکاح کے دعوی میں ایک دادرسی کے ذریعہ سے اپنے مہر (کل یا جز) کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ صرف تنسیخ عقد نکاح کے عرضی دعوی پر پندرہ روپیہ کا کورٹ فیس لگایا جائے گا۔ اور اس کی اہمیت کو بغرض اختیار سماعت پانسو روپیہ قائم کرنا ہو گا۔ لیکن اگر عرضی دعوے میں دین مہر کے ادا کرنے کی دادرسی ہو گی تو اس کے لئے [illegible] جو کورٹ فیس کے قوانین میں درج ہے ادا کرنا ہو گا۔ جن مسلم خواتین میں کورٹ فیس ادا کرنے کی استطاعت نہیں ہو وہ اپنا دعویٰ بصیغہ مفلسی حسب [illegible] ضابطہ دیوانی دائر کر سکتی ہیں لیکن پندرہ روپیہ کورٹ فیس کی رقم اس قدر قلیل ہے کہ ہر مدعیہ اس کا بآسانی یا بدشواری انتظام کر سکتی ہے۔ اور مفلسی کی [illegible] ایک طوالت خیز بھی ہے۔

## دفعہ ۵ شریعت ایکٹ کی منسوخی

دفعہ (۶) مسلم شریعت ایکٹ (ایکٹ ۲۶ ۱۹۳۷ء) کی دفعہ ۵ بذریعہ قانون ہذا منسوخ کی جاتی ہے۔

**نوٹ:**۔ دفعہ (۵) شریعت ایکٹ ۱۹۳۷ء کی رو سے تنسیخ عقد نکاح کا دعویٰ عدالت دسٹرکٹ جج میں ہوسکتا تھا لیکن اب ایسا دعویٰ عدالت منصف میں دائر ہوسکتا ہے۔ دعویٰ ایسی عدالت منصفی میں ارجاع ہونا چاہیے جس کے حدود اختیارات سماعت کے اندر مدعا علیہ کی مستقل سکونت ہے۔ یا جہاں طرفین میں جزیا کل بنا مخاصمت پیدا ہوئی ہے یعنی جہاں شادی ہوئی ہے یا جہاں شوہر نے زوجہ مدعیہ پر ظلم و ستم کیا ہے۔

**شہنشاہ حسین رضوی ام اے ایل ایل بی ایڈوکیٹ**

# خواتین یورپ

یورپ کی عورتوں کی سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ وہ سب تعلیم یافتہ ہیں۔ غریب سے غریب عورت گھر کی ماما پھول بیچنے والی غرضیکہ کوئی بھی ہو فرصت کے وقت اخبار یا کوئی کتاب ہاتھ میں لئے ہوگی چنانچہ قریباً تمام عورتیں نہ صرف اپنے ملک بلکہ دنیا بھر کے حالات سے واقف ہوتی ہیں۔ ان میں قوم پرستی کا جذبہ بھی بہت زیادہ کارفرما ہوتا ہے۔ بھلا ہم ہندوستان کی عورتیں انکا کیا مقابلہ کرسکتی ہیں خیر یہ باتیں تو دور ہیں، تعلیم نہ ہونے کے باعث ہندوستان کی عورتیں تو اپنی حفاظت بھی نہیں کرسکتیں۔ مرد کی صورت سے انہیں خوف و شرم محسوس ہوتی ہے۔ ان کا بدمعاشوں کے پھندے میں پھنس جانا کچھ مشکل نہیں۔ مگر یورپ کی عورتوں سے مرد ڈرتے ہیں۔ ان میں دلیری ہے آزاد خیالی ہے اور تعلیم ہے۔

سیتا سے راون کیوں ڈرتا تھا؟ لنکا میں قید رکھنے پر بھی اس میں اتنی جرأت نہ ہوتی تھی کہ سیتا جی کو چھو بھی سکے اس کی وجہ سیتا جی کی تعلیم و تربیت تھی تعلیم ہی کے باعث یورپ کی عورتوں میں شیریں کلامی اور ملنساری ہے۔ مہذب قوموں کا یہی سب سے قیمتی زیور ہوتا ہے۔ یورپ میں چھوٹے بڑے غریب امیر ایک دوسرے سے میٹھی زبان سے بولتے اور انکساری سے پیش آتے ہیں۔ معمولی سے معمولی نوکر کے ساتھ بھی عزت کا برتاؤ کرتے ہیں۔ چھوٹے سے چھوٹے کام کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں کاروبار تجارت اور دفاتر وغیرہ میں اپنی خوش اخلاقی کے باعث وہاں کی عورتیں کس قدر کام کرتی ہیں؟ اس کا علم وہاں جا کر ہی ہو سکتا ہے۔ میرے خیال میں ہر ملک کی عورتیں رسیلی زبان کی کشش سے ملک کے بڑے کام انجام دے سکتی ہیں۔ تعلیم کی ان صفات حمیدہ کے علاوہ یورپ کی عورتوں کی سب سے بڑی صفت اپنی تندرستی قائم رکھنا ہے۔ سب کی سب صحت کے اصولوں کو بخوبی جانتی ہیں۔ ورزش اور محنتی زندگی ان کی تندرستی، خوبصورتی اور درازی عمر کے راز ہیں۔ میرے مشاہدوں میں کوئی ایسی عورت نہیں ملی، جو ہر روز بلاناغہ ورزش نہ کرتی ہو۔ وہ ہماری طرح گھروں میں سڑ سڑ کر زندگی برباد نہیں کرتیں۔ صاف اور کھلی ہوا کی وہ قدر کرتی ہیں۔ سیر کرنا اور کام میں مشغول رہنا ان کا معمول ہے۔

گھر کی صفائی شوق سے کرتی ہیں۔ میں نے امیر سے امیر عورتوں کو گھر کا کام کرتے دیکھا ہے۔ جتنا کام یورپ کی عورتیں کرتی ہیں ہمارے ملک کی زیادہ سے زیادہ کام کرنے والی عورتیں بھی نہیں کرتیں۔ یورپ کی عورتیں مردوں سے کہیں زیادہ کام کرتی ہیں۔ وہ پُر مسرت زندگی بسر کرنا جانتی ہیں ان میں ایک بڑی صفت یہ ہے کہ خواہ مخواہ کے تفکرات میں پھنس کر اپنی زندگی برباد نہیں کرتیں۔ دوسری طرف ہماری ہندوستانی عورتیں ہیں کیا آپ نے ان کو پورے طور پر خوش و خرم اور مطمئن پایا ہے؟ کسی کو برادری میں عزت کسی کو ساس و خسر کا ڈر کسی کو اولاد کا فکر کسی کو بیماری کا روگ اور کسی کو موت کا سوگ غرض کسی نہ کسی فضول فکر میں پڑ کر اپنی اور بچوں کی صحت برباد کر دیتی ہیں۔ زندگی خوشی آرام اور اطمینان سے گذارنے کی کوشش کبھی نہیں کرتیں۔ کیا یورپ کی عورتیں ہمارے لئے لائق تقلید نہیں؟

ہاجرہ بیگم (کانپور)

# قطعات

## فیضِ تربیت

اصل گو قطرہ ہے گوہر کی مگر گوہر نہیں فرق دونوں میں ہے گویا ذرہ و خورشید کا
قطرہ ہے اک بے حقیقت شے، مگر دُرِ بے بہا قطرہ فیضِ تربیت سے دُر کی صورت ہو گیا!

## جوہر کی کسوٹی

جس طرح خورشید کی شفاف کرنیں ابر میں جب گذرتی ہیں تو ساتوں رنگ دیتی ہیں دکھا
باکمالوں کے یونہیں کھلتے ہیں جوہر اُس گھڑی جب مصائب کی دلوں پر اُن کے چھاتی ہے گھٹا

## فیضِ صحبت

خشک کھیتی جس طرح سیراب ہو جانے کے بعد اک حیاتِ تازہ کر لیتی ہے پھر سے اختیار
فیض سے صاحب دلوں کے یوں ہی بداطوار بھی پڑ کے راہ راست پر اپنے کو لیتے ہیں سنوار

## مشعلِ ہدایت

جس طرح تاریک راتوں میں ستاروں کی ضیا بھولے بھٹکوں کے لئے ہوتی ہے اکثر رہنما
یوں ہی گو اپنے خصائل کتنے ہی تاریک ہوں پھر بھی نیک اعمال کی اُن میں اگر ہے کچھ ضیا
مشعلِ نورِ ہدایت بن کے چمکے گی ضرور گم شدہ راہوں کو بھی دیدے گی منزل کا پتا!

بصیر ام اے ال ال بی

# وہ دن وہ راتیں

آہ نہیں بھولتا اور کبھی نہیں بھولتا مجھے مسرت کا وہ زمانہ اور حیاتِ نو کا وہ خوشنما دور جب ہر گذرنے والا لمحہ عشرت و شادمانی کا ایک بے پایاں سمندر تھا۔ زندگی کی ہر صبح ایک نو شگفتہ پھول اور ماضی کی ہر رات بادِ بہار کا حسین جھونکا۔

آہ نہیں معلوم کدھر چلے گئے وہ دن اور کہاں گم ہو گئیں وہ راتیں جب دُنیا کے آلام و مصائب کوئی حقیقت نہ رکھتے تھے کائنات کا ذرّہ ذرّہ بے فکری اور شادمانی کے گیت گاتا تھا۔ مناظر قدرت کی ہر شے ہنستی اور مسکراتی نظر آتی تھی۔ اے کاش وہ دن ہمیشہ رہتے اور وہ راتیں کبھی رخصت نہ ہوتیں۔

سردار فاطمہ الہ آباد

# لندن

"ایوننگ سٹینڈرڈ" نے لندن کے متعلق حال میں ایک دلچسپ مضمون چھاپا تھا جس میں لندن کی وسعت اس کی آبادی اور اس کے اخراجات کے متعلق بہت دلچسپ باتیں تھیں اس کا کچھ حصّہ یہاں ترجمہ کرکے پیش کرتی ہوں:-

لندن دو حصّوں میں منقسم ہے "لندن سٹی" اور "گریٹر لندن" یا "لندن سب برب" "لندن سٹی" اس حصہ کو کہتے ہیں جہاں لندن کا بنک اور تمام تجارتی آفس ہیں لندن سب برب" جہاں لوگوں کے رہنے کے مکانات ہیں۔ لندن کے دونوں حصّوں کی مجموعی آبادی ساڑھے اسّی لاکھ ہے یعنی ایک لندن کی آبادی پیرس برلن اور روم تینوں کی مجموعی آبادی سے زیادہ ہے۔ لندن کے شہر میں جتنے لوگ ہیں ناروے اور سویڈن دونوں ملکوں میں اتنے لوگ نہیں ہیں۔ نہ بلجیم یا حبش میں ہیں۔

جب نلسن مرا ہے اس وقت پورے انگلستان کی آبادی لندن کے شہر سے کم تھی۔ ملکہ الزبتھ کے زمانے میں تو اس کی آدھی بھی نہ تھی اب۔ لندن میں چالیس لاکھ مرد اور ساڑھے چالیس لاکھ عورتیں ہیں۔

جب پرشن مارشل بلوشر لندن آیا تھا تو اس نے کہا تھا "کیا شہر ہے لوٹ کے لئے" اس زمانے کی بہ نسبت آج یہ شہر اور بھی زیادہ لٹیروں کی نظروں کے قابل التفات ہے۔ لندن کا سالانہ بجٹ چالیس لاکھ پونڈ ہے۔ مصر کی سالانہ آمدنی چھتیس لاکھ یونان کی بتیس ہزار پونڈ اور ڈنمارک کی تنتیس ہزار ہے۔

لندن کی زمین کا کرایہ بہت ہی زیادہ ہے۔ لندن سٹی میں ایک مربع میل کا کرایہ اسّی لاکھ پونڈ بتایا جاتا ہے گریٹر لندن کے چھ سو تیرانوے مربع میل کا کرایہ ۲۰۱ ملین پونڈ ہے۔

لندن کی خلقت کرتی کیا ہے؟ ان میں نو ہزار بے روزگار ہیں لیکن باقی ماندہ کی مقررہ نوکری ہے۔ سب سے زیادہ تعداد میں لوگ معماری کا کام کرتے ہیں۔ اس کے بعد ہوٹل کا نمبر ہے۔ رسٹورنٹ میں کھانا کھلانے والے یعنی ویٹر بار میڈ (شراب خانے کی نوکرنی) اور ہاؤس میڈس (ماماؤں) کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ انجینئرنگ، پرنٹنگ اور پبلشنگ میں بھی بہت کافی آدمی کام کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ۷۵ ہزار ٹوپی بنانے والے ہیں۔ ۷۴ ہزار سرکاری دفتر ہیں۔ ۷۳ ہزار موٹر اور ہوائی جہاز کے کارخانوں میں نوکر ہیں۔ ۶۱ ہزار گیس اور بجلی میں ہیں۔ ۵۸ ہزار بس اور ٹریم چلاتے ہیں۔ ۵۵ ہزار لین دین کرتے ہیں۔ ۵۴ ہزار درزی ہیں۔ ۳۷ ہزار ریل میں نوکر ہیں۔ ۲۶ ہزار شراب بناتے ہیں۔ ۲۴ ہزار جہاز ہیں۔ ۱۹ ہزار کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ ۱۴ ہزار تمباکو اور ناس کے بنانے کے کام میں ہیں اور ۸ ہزار مختلف قسم کے باجے بنایا کرتے ہیں۔ یہ صرف چند ایک کاروبار کے نام ہیں جن کے ذریعہ لندن کی خلقت اپنی روٹی کماتی ہے۔ اور یہ انبوہ کثیر کس طرح اپنے اپنے کام کو جاتا ہے وہ بھی سن لیجئے۔

تقریباً آدھے سے زیادہ لوگ بس کے ذریعہ سفر کرتے ہیں۔ ایک چوتھائی ریلوے اور ایک چوتھائی سے بھی کم

ٹریم ٹرالی اور موٹر کوچ کا استعمال کرتے ہیں۔ کچھ ٹیکسی میں بھی جاتے ہیں آٹھ ہزار کے قریب۔ پرائیویٹ کار اور بائیسکل میں جانیوالے ان کے علاوہ ہیں۔ ان کے جانے کا وقت ۳۲ فی صدی کا ساڑھے سات بجے صبح سے ساڑھے دس تک اور ۳۲ فیصدی کا چار سے لے کر سات بجے شام تک ہے۔

لندن میں شادی موت اور پیدائش کے نمبروں میں سالانہ بہت کم فرق ہوتا ہے۔ سال گذشتہ میں چوالیس ہزار پانچ سو پچپن شادیاں لندن میں ہوئیں۔ موت کی شرح پچانوے ہزار سالانہ اور پیدائش ایک لاکھ بائیس ہزار ہے ۵ فیصدی بچے نا کتخدا ملاؤں کے ہوتے ہیں۔ جیسے ان کے ذرائع معاش مختلف ہیں ویسے ہی ان کے اسباب موت بھی، ۲۷ فیصدی دل کی بیماری سے مرتے ہیں ۱۴ فیصدی کینسر کے خوفناک مرض کی نذر ہوتے ہیں۔ دوسرے امراض میں نمونیا ۶ فیصدی دق ۶ فیصدی ہے اور خودکشی بھی بہت ہے۔

بیماریوں کے علاج اور بیماروں کی دیکھ بھال کے لئے لندن میں ہزاروں ہسپتال اور فرنٹ ہوم اور کلی نک ہیں۔ ان کے اخراجات کا تخمینہ ایک کروڑ ساڑھے دس ہزار روپیہ ہے۔ جن میں پچاس لاکھ لندن والے ازراہ خیرات دیتے ہیں۔ لوگوں کے تحفظ صحت اور تفریح کے لئے پارک اور میدان ضروری ہیں۔ لندن میں ۱۰۲ ایکڑ زمین اسی مقصد کے لئے چھوڑ دی گئی ہے یعنی کل زمین کا ساتواں حصہ۔

یہ تو ہوا لندن کا روشن رخ لیکن اس عالی شان اور دولت مند شہر کے تاریک پہلو بھی ہیں جو اس کے چہرے پر کلنک کا ٹیکہ ہیں۔

لندن میں ۲۹ ہزار پاگل ہیں۔ لندن میں ۷ افیصدی دوائیں ملاوٹ کے ساتھ بکتی ہیں۔ تین سو پیدائشوں میں ایک ماں کی موت ہوتی ہے۔ ۹۷ ہزار بچے مریض ہیں۔ لندن میں غریبوں کو رہنے کی جگہ بڑی مشکل سے ملتی ہے۔ ۵ لاکھ ۴۴ ہزار آدمی لندن میں ایسے ہیں جو آدھے کمرے سے زیادہ کے مالک نہیں۔ ۱۵ ہزار بالکل بے گھر ہیں۔ یہ شہر کے کونوں اور دریا کے کنارے پر سوتے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تعداد ان نوجوانوں کی ہے جو لندن میں نوکری کی امید لے کر آتے ہیں اور ناکامی کا منہ دیکھتے ہیں۔

لندن میں روزانہ لوگ آتے رہتے ہیں لیکن پشت ہا پشت سے لندن میں رہنے والے بہت کم ہیں۔ مشکل سے کوئی ایسا ہوگا جسے لندن میں رہتے ہوئے دو چار پشتیں ہوئی ہیں۔

لندن والوں کی تفریح کے لئے تھیٹر، سینما، شراب خانے، ریس کورس، رسٹورنٹ، ڈانس ہال، تیرنے کے تالاب، ٹینس کرکٹ، فٹ بال کے میدان وغیرہ وغیرہ ہیں۔ پانچ ہزار تین سو بیس دکانیں ہیں جہاں شراب مل سکتی ہے۔ گویا ہر آٹھ سو ننانوے آدمیوں کے لئے ایک دکان مختلف حصہ میں مختلف تعداد میں دکانیں ہیں۔ دو سو اکیانوے سینما ہیں۔ چھیاسی تھیٹر، چھبیس ڈانس ہال، ۳۰ تیرنے کی جگہیں۔

لندن کی پولیس بہت ہوشیار سمجھی جاتی ہے۔ تعداد ۲۰ ہزار ہے اور چودہ ہزار پونڈ خرچ ہوتا ہے۔

گذشتہ سال پانچ اشخاص خون کے جرم میں گرفتار ہوئے جن میں ایک کو پاگل قرار دے کر معافی دی گئی اور باقی چار کو سزائے موت ملی۔ اس سال ۳۲ دوسری شادی کے جرم میں ماخوذ کئے گئے اور کئی ایک انتہائی ذلیل کاموں کے ارتکاب کے ملزم ٹھہرے۔ جعل سازی کے لئے ۳۹ پکڑے گئے اور بیالیس کو پرانے شہدے قرار دیا گیا۔

لندن میں غیر ملکوں کے لوگ بھی بہت ہیں۔ سب سے زیادہ غیر ملکی روسی ہیں۔ ان کی تعداد ۲۳ ہزار ہے (باقی صفحہ ۶۹۹ پر)

# خاتونِ مسلم سے

اُٹھ اے خاتونِ مسلم غفلتِ خوابِ گراں کب تک　　رہے گی تو گرفتارِ طلسمِ این و آں کب تک؟
ذرا دیکھ اپنی پستی کی طرف وا چشمِ بینا کر　　تری یہ غفلتیں تا چند یہ مدہوشیاں کب تک؟
بتا تو ہی ہے اس اغماضِ مسلسل کی کوئی حد بھی؟　　نہ ہوں گی تجھ کو محسوس اپنی ذمہ داریاں کب تک؟
نہ ہوگا تابکے آخر حذر اسرافِ بیجا سے ؟　　رہیں گی وجہِ بربادیٔ تازہ شادیاں کب تک؟
ذرا سوچ! اس فرائض ناشناسی کے تصدق میں　　متاعِ آرزوئے قوم و ملت رائگاں کب تک؟
فلاحِ نسل تیرے فیضِ تربیت کی جویا ہے　　نہیں جاگے گی تو اے قوم کے بچوں کی ماں کب تک؟
سبق کب تک نہ دے گی ان کو رزمِ زندگانی کا　　زمین بوسِ حدودِ بزم تیری لوریاں کب تک؟
ابھی باقی ہیں تیری خاک میں کچھ گرمیاں جن سے　　کریں گی آتش افروزی نہ وہ چنگاریاں کب تک؟
کیا ہے سرد جس کو دردِ احساسِ غلامی نے　　نہ تو پیدا کرے گی اُس لہو میں گرمیاں کب تک؟
مسلط ہو گئے ہیں غیر جس کی باغبانی پر　　رہے گا اُس چمن کی ڈالیوں پر آشیاں کب تک؟
خود اپنے دردِ قومی کو سمجھ کر خود مداوا کر　　کہ یہ رودادِ غم محتاجِ تشریح و بیاں کب تک؟
ہلا ڈالیں جو پھر دُنیا کو اپنے زورِ بازو سے　　نہ نکلیں گے تری آغوش سے وہ نوجواں کب تک؟
پئے اصلاحِ نسل و قوم اُٹھ نامِ خدا لے کر　　تری باطل شکن ہمت میں یہ کمزوریاں کب تک؟
خود اپنے گھر سے اپنا کعبۂ مقصود پیدا کر　　جبیں صرفِ سجودِ آستانِ دیگراں کب تک؟

سبق دے پھر جہانگیری کا اپنے نوجوانوں کو
جہاں میں تازہ کر عہدِ سلف کی داستانوں کو

**جام نوائی** (بدایونی)

(باقی صفحہ ۴۶۸) جرمن ۱۴ ہزار ہیں - اطالوی ۱۰ ہزار - آسٹرین ۸ ہزار - فرانسیسی ۷ ہزار - امریکن ۵ ہزار - پول ۵ ہزار - اور بلجی ۳ ہزار - ایک اور بات لندن کے متعلق کہنی چاہیئے اگرچہ اسے بہت ہی غلیظ اور گندہ شہر کہا جاتا ہے لیکن اس میں بہت کافی تعداد میں حمام ہیں جن میں ترکی اور روسی حمام سب سے زیادہ پسندیدہ ہیں - ترکی حمام عورت مرد یکساں پسند کرتے ہیں لیکن روسی حمام میں عورتوں کے مقابلہ میں چار گنے زیادہ آدمی آتے ہیں - یہ کیوں؟ یہ لندن کے ہزارہا معموں میں سے ایک معمہ ہے - اس لندن کے جو معموں سے پُر اور دُنیا کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ ہر دلعزیز شہر ہے -

**شائستہ اختر سہروردی** بی اے آنرس (لندن)

# احتیاط

یہ سُننے میں تو ایک مختصر سا لفظ ہے مگر اس میں اس قدر عمیق نتائج پنہاں ہیں جو صرف اس کے مدنظر رکھنے والوں ہی پر روشن ہیں۔ بعض بہنوں کا خیال ہے کہ پیش از مرگ واویلا سے کیا حاصل ہوگا۔ مگر ہمارا تو خیال ہے کہ اگر پیش بندیاں جن کے نتائج عیاں ہوں ملحوظ رکھی جائیں تو بہت سے فائدے ہیں۔

مثلاً برسات کا موسم ہے۔ اگر آپ باہر جاتے وقت یادداشت قائم رکھتے ہوئے اپنی چھتری واٹر پروف ہمراہ رکھ لیں تو یکایک موسمی چیرہ دستیوں سے نجات مل جائے گی ورنہ بارش میں بھیگ کر نزلہ انفلوئنزا اور بعد میں نہ معلوم کن پریشانیوں سے سامنا کرنا پڑیگا۔ اسی طرح کھانے پینے میں ثقیل بازاری اشیاء یا ترش نقصان دہ پھل آپ خود استعمال کریں یا بچوں کو کرائیں، اور یہ کہہ کر پروا نہ کریں کہ اونہہ جو قسمت میں لکھا ہوتا ہے وہ ہوگا۔ تو ایسے موسم میں بالخصوص گرمیوں اور برسات میں جس وقت بخار، سوء ہضمی اور اسہال حتیٰ کہ ہیضہ کا زور رہتا ہے یہ خطرناک صورت اختیار کر سکتا ہے اس وقت کی پریشانیاں کثیر اخراجات اور اتلافِ جان و مال کا اگر حفظ ما تقدم سے اندازہ کیجئے تو صاف معلوم ہوگا کہ احتیاط کتنے فائدے کی چیز ہے۔ میں یہ نہیں عرض کر رہی ہوں کہ آپ ہر دم بُری باتوں اور بُرے انجام کار کو سوچ کر اپنی زندگی ضیق میں ڈال دیں۔ بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ حفظ ما تقدم کو ہر حالت میں مدنظر رکھنا چاہیئے۔

بعض لڑکیوں کی یہ بُری عادت ہوتی ہے کہ وہ باتیں کرتے وقت بہت جلد بازی اختیار کرتی ہیں۔ اُس وقت بے موقع اور بے محل موضوع پر بے احتیاطی سے جو مُنہ میں آیا کہہ ڈالتی ہیں۔ جو بعد میں بات کا بتنگڑ بن کر ایک فتنہ برپا کر ڈالتا ہے۔ اور خواہ مخواہ خجل ہونا پڑتا ہے۔ اس وقت یہ خیال آتا ہے کہ کاش اُس وقت احتیاط کرتی تو یہ ندامت اُٹھانی نہ پڑتی۔ یا غصے میں جلدبازی سے کسی کی دل شکنی ہوگئی کوئی سخت جملے زبان سے نکل گئے تو پھر اس کی تلافی ناممکن سی ہو جاتی ہے۔

روزمرہ کے استعمال کی اشیاء اور پہننے کے لباس اور زیوروں کے لئے بھی احتیاط رکھنا لازمی ہے۔ اگر گھر کی چیزیں خانہ دار بیوی سنگوا کر احتیاط سے نہ رکھے گی تو ان کا وقت پر موجود رہنا اور کام آنا دشوار ہو جائے گا خود وہ خراب ہو جائیں گی سو جُدا۔

احتیاط سے ایک سٹ برتن، یا دوسرے ظروف آپ مدتوں استعمال کر سکتی ہیں۔ درمیانی طبقہ کی جو ہماری فلاکت زدہ ہندوستان میں بکثرت موجود ہے اس احتیاط کی بدولت خوش حال زندگی بسر ہو سکتی ہے۔ ایک سلیقہ مند محتاط خاتون کے ہاں مدتوں کی رکھی ہوئی بے شمار نفیس چیزیں ملیں گی جو بدسلیقگی سے بارہا نقصان ہونے پر صرف کثیر اخراجات سے فراہم ہو سکتی ہیں۔ پردے، صوفے اور کرسیوں پر اگر احتیاط سے تصرف رکھا جائے تو وہ بہت دنوں تک کارآمد رہیں گے۔

اسی طرح لباس اگر احتیاط سے استعمال کیا اور رکھا جائے تو مدتوں کام آ سکتا ہے۔ اور آپ سوسائٹی میں بلا خرچ کثیر کے کافی خوش پوشاک فیشن ایبل اور سلیقہ مند نظر آئیں گی۔ اگر آپ کی قیمتی ساڑھی میں داغ دھبے لگ گئے تو وہ دو کوڑی کا ہو گیا۔

پھر وہ لاکھ قیمتی ہو مگر جلسہ پارٹیوں میں استعمال نہیں ہو سکتا۔ اس وقت دوسرا لباس بنوانے میں زیادہ صرف ہوگا۔ کاش کہ احتیاط مد نظر ہوتی تو یہی روپیہ کسی دوسری مد میں صرف ہوتا۔

زیورات بھی اگر احتیاط سے نہ پہنے جائیں تو جواہرات جھڑ کر نہایت بدنما ہو جاتے ہیں۔ کہیں میل گھس کر بدصورت ہو جاتا ہے جو اس کی اصلی حیثیت اور شان کھو دیتا ہے۔ بار بار نگ خریدنے اور جڑوانے کے اخراجات تو الگ رہے۔

ہماری بہنوں کو چاہیئے کہ ابتدا ہی سے بچوں کو احتیاط کا سبق پڑھائیں۔ ایام طفلی کا پڑھایا ہوا سبق مدتوں دلوں پر منقوش رہتا ہے۔ اور یہی وہ جوہر ہے جو سینہ بسینہ خاندانوں میں تفویض کیا جا سکتا ہے۔ بڑے ہونے پر کوئی لاکھ سر مارے وہ پابندی نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا ماں کا فرض ہے کہ اس زریں اصول پر خود بھی کاربند ہو کر بچوں کے سامنے اس کا عملی ثبوت پیش کریں۔

جمیلہ بیگم (کلکتہ)

# ننھّے فریادی

عہدِ حاضرہ میں ہم بچّوں سے جو مجرمانہ غفلت برتی جاتی ہے اس سے ایک دُنیا واقف ہے۔ ہمیں غیر ذی رُوح سمجھا جاتا ہے۔ ہمارے احساسات کی کسی کو پرواہ نہیں۔ ہماری بالیدگی قابل توجّہ نہیں۔ ہماری ہستی محض ایک بیکار ہستی ہے۔ ہماری موجودگی محض شور و شغب کا باعث ہے۔ ہماری معصومیت شرارت کی دلیل ہے۔ ہماری پرورش دنیاوی مصروفیت، کاروباری تگ و دو، قومی خدمات، پولٹیکل زندگی، اور سوسائٹی کے جلسے پارٹیوں کی راہ میں مانع ہیں۔ لہٰذا ہمیں آیاؤں کے حوالہ کردیا جاتا ہے۔ وہ ہماری پرورش کرتی ہیں۔ صبح اُٹھ کر مُنہ دُھلاتی ہیں، لباس بدلواتی ہیں، کھلاتی پلاتی ہیں۔ گودمیں اُٹھائے پھرتی ہیں۔ رات کو تھپک تھپک کر سلاتی ہیں۔ جب ہم اثنائے خواب میں ڈر کر رونے لگتے ہیں تو گود میں لے کر بیٹھ جاتی ہیں اور ایک سرد آہ کے ساتھ کہتی ہیں اللہ غنی! جنے کون اور پالے کون! پھر وہ دور آتا ہے جب ہمیں مکتبوں میں بھیجا جاتا ہے۔ ان مکتبوں میں جہاں کی فضا ہمارے لئے سم قاتل کا اثر رکھتی ہے۔ جہاں موسمی بخار ہمیں آلیتا ہے۔ جہاں کالی مائی (چیچک) مہیب صورتوں میں اپنی بھینٹ وصول کرتی ہے۔ جہاں ٹائیفائڈ ہم پر حملہ کرتا ہے۔ جہاں جلدی امراض پھوڑے پھنسیاں وغیرہ ہماری فریادی چیخوں کو اپنی بھنبھناہٹ میں دبا دیتے ہیں۔ جہاں ہماری آسائش کا مطلق خیال نہیں کیا جاتا۔ جہاں کی نشست کی استراحت کا ثبوت ہمارے رگڑے ہوئے گھٹنے اور زخمی ٹخنے ہیں۔ ان مکتبوں کے مطلق العنان حاکم یعنی ہمارے معلّم اپنی بزرگانہ خود غرضی کا متکبرانہ اعلان کرتے ہوئے ہماری بچپن کی لطیف فضا کو کوتاہ فہمی سے مکدر کردیتے ہیں۔ ہماری دماغی تربیت کا جنون سر میں لئے ہوئے ہمارے حسیات کا بے دردی سے خون کردیتے ہیں۔ معصومیت کی نازک کلیوں سے خاردار جھاڑیوں کا کام لیتے ہوئے قُدرتی روشوں پر مصنوعی باڑ لگانا چاہتے ہیں۔ وہ ہمیں جذبات سے معرّا حسیات سے عاری اور بشریت سے خالی سمجھتے ہیں۔ اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ یہ کہ تعلیمی مقصد پس پشت جا پڑتا ہے۔ اور ہماری بے بسی نفرت سے تبدیل ہو کر ایک شاندار مستقبل کو تباہ کر جاتی ہے۔

سلطنتوں کے عروج و زوال کا انحصار ملک کی تہذیب و تمدن کا معیار قوموں کی ترقی کا مدار بچّوں کی ذات پر ہے۔ مدرسے ہی قوم کی توقعات کا آئینہ ہیں۔ بچّوں ہی کی تعلیم کی ابتدا قوم کی اُمیدوں کا مرکز و منتہا ہے۔ "آج کا بچہ کل کا باپ ہے"، پھر ہماری جسمانی نشو و نما اور حقوق سے بے پرواہی کیوں برتی جاتی ہے۔ ہم پر بیجا تشدد کیوں روا رکھا جاتا ہے؟ ہم صدیوں سے فریاد کرتے چلے آئے ہیں۔ مدتوں سے انصاف! انصاف! کو رٹ لگاتے آئے ہیں۔ مگر کوئی خدا کا بندہ ہماری مدد پر تیار نہیں ہوتا۔ سُنا جاتا ہے کہ عورتیں مردوں سے زیادہ حساس ہیں، زیادہ رحمدل ہیں، خدا ترس ہیں، اور ان کے دل ماتا کے احساس سے لبریز ہیں۔ اس لئے اب ہم ان کے پاس فریادی بنکر آئے ہیں۔ معزز خاتونوں، ہمدرد بہنوں، مہربان ماؤں! قوم کی حالت سدھارنے کیلئے ہم پر رحم کرو، ہماری پرورش سے غفلت نہ برتو ہمارے حسیات و جذبات کو وحشیانہ تحقیر سے مت ٹھکراؤ۔ ہمارے تعلیمی ناخداؤں کے زاویۂ نگاہ کو بدلنے کی کوشش کرو۔ کیونکہ استاد کا فرض علم سکھانا ہی نہیں بلکہ یہ بھی فرض ہے کہ وہ تعلیم کے موافق حالات پیدا کرے صحت پرور ماحول کی خواہش ہمارا پیدائشی حق ہے۔ کیونکہ کسی نظام تعلیم کی تجویز مکمل نہیں...

# عشرت پسند بیوی

میرا باپ ڈاکٹر ورنہ تپ دق کے علاج کے لئے مشہور ہے اُس کا پرائیویٹ ہسپتال رسینی ٹوریم ا ہرسی اور ہمپ شائر Surry Hampshire کے دامن میں واقع ہے نرس کا کام جاننے کی وجہ سے میں بھی یہیں کام کرتی ہوں۔

بدقسمتی سے مجھے اپنی ماں یاد نہیں ہے۔ میری پیدائش اس کی موت کا پیغام ثابت ہوئی۔ اس لئے میرے باپ نے اپنی تمام زندگی میرے لئے وقف کردی تھی۔ میں کوئی خوبصورت لڑکی نہ تھی۔ قد لمبا جسم پتلا۔ بال سیاہ اور رنگ صاف جس پر بالکل سادے لباس کا اضافہ تھا۔ میں عموماً اور لڑکیوں کی طرح ناچ وگانے اور پارٹیوں میں بھی شریک نہ ہوتی تھی۔ مجھے صرف اپنے کام سے سروکار تھا۔ میں مردوں سے بھی کوئی خاص اُنس نہ رکھتی تھی۔ جس کی وجہ سے میرا باپ اکثر حیران رہتا تھا میری عمر انتیس ۲۹ سال کی تھی۔ کہ ایک دن اُس نے مجھ سے کہا۔ "روزلینڈ تم بڑی سخت دل ہو یا شاید تمھارے جذبات واحساسات مردہ ہیں جو تم مردوں کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں رکھتیں"۔

میں مسکرائی اور جواب دیا "شاید میں دوسری فلارنس نائٹنگل ہوں۔ کیا آپ میری اس سادہ اور خاموش زندگی کو پسند نہیں کرتے؟"

"نہیں بیٹی یہ بات نہیں ہے۔ میں نے تو یوں ہی تم سے دریافت کیا تھا۔ میں خوش ہوں کہ خدا نے مجھے تم جیسی لڑکی عطا کی ہے۔

ورنہ ہسپتال میں اکثر مریض آتے رہتے تھے جن میں سے بعض تو اچھے ہوکر واپس جاتے اور بعض دنیا فانی کو چھوڑ کر نئی بستی آباد کرنے چلے جاتے تھے۔ ان میں کچھ تو ایسے ہوتے تھے جو اپنی زندگی کے لئے نہایت دلیری اور بہادری سے تکلیفوں کا مقابلہ کرتے تھے۔ مگر بعض ایسے بھی ہوتے تھے جو زندگی سے بیزار ہونے کی وجہ سے جلد اچھا ہونے کی کوشش نہ کرتے تھے۔ ان میں سے ایک کیس جس کا میں ذکر کر رہی ہوں نہایت دردناک اور سبق آموز ہے۔

میری عمر جب تیس ۳۰ سال کی تھی کہ گرمیوں میں ہمارے ہسپتال میں ایک اٹھائیس ۲۸ سال کا لڑکا روبن ڈیونیز آکر داخل ہوا۔ وہ دبلا پتلا اور بڑا خوبصورت تھا۔ بال اس کے نرم اور سنہری۔ آنکھیں نہایت دلفریب تھیں۔ وہ عمدہ لباس پہنے ہوئے تھا۔ اور اپنے ملازم کے ساتھ آیا تھا۔ جب روبن کے کمرے میں سامان وغیرہ درست کرکے رکھ دیا گیا۔ تو اس کے ملازم نے جانے کی اجازت چاہی۔ رخصت ہوتے وقت اُس نے کہا "خدا حافظ میرے آقا! آپ جلد اچھے ہونے کی کوشش کریں۔ میں ہر ماہ حاضر ہوتا رہوں گا"۔

روبن ڈیونیز نے جواب دیا "خدا حافظ کیوین۔ میں نہایت افسوس کے ساتھ تمہیں چھٹی دے رہا ہوں۔ یہ لو چیک اور تمھارے چال چلن کی چٹھی جس سے تمہیں کچھ نہ کچھ مدد ضرور ملے گی۔ تم میرے کسی دوست کے پاس چلے جاؤ۔ اُمید ہے تم ملازم ہوجاؤ گے"۔

باوجود اصرار کے ملازم نے اپنے پیارے آقا سے دوسو پونڈ کا چیک لینے سے انکار کر دیا اور چلا گیا۔ دروازہ پر دستک دینے کے بعد جب میں کمرے میں داخل ہوئی تو وہ ایک کرسی پر آرام کر رہا تھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا "میرے باپ ڈاکٹر ورنہ ابھی آپ کے معائنہ کے لئے آئیں گے اور میں آپ کی تیمارداری کے لئے مقرر ہوئی ہوں"۔ اس کا جواب صرف ایک لفظ تھا۔ "ہوں"۔ میں نے بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا "ہم تمھیں جلد واپس بھیج دیں گے"۔ "سچ مچ؟" اس نے پوچھا۔ "بے شک" میں نے جواب دیا۔ "جیسا کہ تمہیں معلوم ہوجائے گا۔ یہ نہایت فرحت افزا مقام ہے۔ ہم لوگوں کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ مریض اس جگہ کو اپنا گھر سمجھیں اس سلسلہ میں دو ایک ضروری باتیں آپ کو بتانی ضرور سمجھتی ہوں ایک تو یہ ہے کہ آپ جلد اچھے ہونے کی کوشش کریں۔ دوسرے آپ کھانستے وقت منہ پر رومال رکھ کر کھانسا کریں"۔

اسی وقت میرے والد مسکراتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے، اور میں باہر چلی گئی۔ میں نے اپنی زندگی میں بہت سے خوبصورت نوجوان مرد دیکھے تھے۔ مگر اس شخص سے میں ہمدردی محسوس کرنے لگی۔ میرے باپ نے بعد معائنہ اس کا علاج معالجہ شروع کیا۔ مگر اس کی ہفتہ وار رپوٹ تسلی بخش نہ ہوتی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ صحت حاصل کرنے میں کوئی دلچسپی نہ رکھتا تھا۔ وہ زیادہ تر غزلوں اور شعروں کی کتابیں پڑھا کرتا تھا۔ دیدہ ریزی کی وجہ سے اس کی آنکھوں کے حلقوں میں گڑھے پڑنے لگے تھے وہ شاعر نہ تھا مگر پڑھنا بہت پسند کرتا تھا۔

ایک دن صبح کے وقت میرے باپ نے مجھ سے کہا: "روزلینڈ ہم لوگوں کو چاہیئے کہ اس لڑکے کو جلد اچھا کرنے کی کوشش کریں" اس کی آواز میں سنجیدگی اور پختگی تھی۔ مگر افسوس اس بات کا تھا کہ ہم لوگ روبن ڈیونیڈ کے خانگی حالات سے ناواقف تھے اس لئے اس کی پریشانی کو دور کرنا مشکل امر تھا۔ حرارت کی وجہ سے وہ چارپائی پر پڑا تھا۔ اور کمزور ہوتا جارہا تھا۔

ایک دن جب میں صبح کا ناشتہ لے کر گئی تو وہ مجھے دیکھ کر مسکرایا۔ اس سے قبل میں نے اسے کبھی مسکراتے نہ دیکھا تھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا: "آخر کار"۔

"کیا؟" اس نے دریافت کیا۔

"تم مسکرائے تو" میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

اس کا جواب تھا: "او ہو" پھر اس نے کہا: "روزلینڈ میں تم سے ایک بات دریافت کرتا ہوں۔ اگر تم سچائی سے جواب دو؟" اس کے منہ سے میں اپنا کرسچن نام سن کر حیران ہوئی۔ مگر مجھے کچھ برا معلوم نہیں ہوا۔

"بے شک کیا بات ہے۔ میں ضرور سچ سچ بتاؤں گی؟" میں نے بغیر کسی جھجھک کے وعدہ کرتے ہوئے کہا۔

"آج صبح ایک واقعہ پیش آیا ہے"۔ اس نے سنجیدگی سے کہنا شروع کیا۔ "مجھے ایک خط ملا ہے۔ وہ بہت ضروری ہے۔ اور مجھ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میں صحت یاب بھی ہو سکتا ہوں یا نہیں۔ مجھے صحیح معلوم ہونا چاہیئے"۔

میں نے صدق دل سے جواب دیا: "میرا باپ اور میں قوی امید رکھتے ہیں کہ آپ اچھے ہو جائیں گے۔ بشرطیکہ آپ بھی اچھے ہونے میں دلچسپی لیں۔ کیا یہی آپ کا سوال تھا؟"

وہ پریشان و افسردہ دکھائی دینے لگا کیونکہ میرے الفاظ سے اس کی تسلی نہ ہوئی تھی۔ اس نے اپنے کمزور ہاتھوں کی طرف دیکھا۔ پھر میری طرف خاموش اور ملتجی نظروں سے دیکھا جس کی وجہ سے میرا دل ہمدردی سے معمور ہو گیا۔

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اس نے کہا: "مجھے اس کا یقین نہیں"

"کس کا؟" میں نے پوچھا۔

"کہ میں اچھا ہو جاؤں گا"۔

"یہ آپ کا خیال اور وہم ہے۔ آپ کو ایسے خیالات دل سے نکال دینے چاہیئیں۔ اگر آپ اچھا ہونا چاہیں تو آپ صحت یاب ہو کیوں نہیں سکتے۔ آپ نوجوان ہیں اور تپ دق کا علاج اگر وقت پر شروع کر دیا جائے تو مریض اچھا ہو سکتا ہے"۔

کھانسی کا دورہ اٹھنے کی وجہ سے اس نے میری طرف سے منہ پھیر لیا۔ کھانسی اتنی تکلیف دہ تھی کہ میں دیکھنے والی بھی پریشان ہو گئی۔ مگر کچھ نہ کر سکتی تھی۔

"آج صبح" اس نے دقت سے سانس لیتے ہوئے کہا: "جب سے وہ مجھے خط ملا ہے۔ مجھے اچھے ہونے کی آرزو نہیں رہی۔

گھر سے کوئی بری خبر آئی ہے؟ میں نے پوچھا۔

اس نے صرف اثبات میں سر ہلا دیا۔

موسم سرما میں ہم لوگوں میں خوب گہری دوستی ہو گئی۔ میرے باپ نے مجھے اس پر مبارکباد دی۔ کیونکہ روبن کی حالت بہتر ہوتی جارہی تھی۔ وہ اب چلنے لگا تھا۔ صاف اور تازہ ہوا۔ آرام و بےفکری کی زیادتی اس پر جادو کا کام کر رہی تھی۔ مجھے بھی اس بات پر ناز تھا کہ میری ہمدردی و حقیقی دوستی اس کی صحت کی ترقی کی ذمہ دار تھی۔

ایک دن اس نے مجھ سے کہا "روز لینڈ، مجھے تم پہ رشک آتا ہے"
"وہ کیسے؟" میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"کیونکہ تم ایک ایسا کام انجام دے رہی ہو جو میں اپنی زندگی بھر میں پورا نہ کر سکا۔ میری تمام کوششیں ناکامیابی اور افسردگی پر ختم ہوئیں۔"
مگر جب میں نے ناکامیابی اور افسردگی کی وجہ پوچھی تو اس نے اپنا سر ہلا دیا۔ "میں تمہیں نہیں بتا سکتا۔"

اس کے بعد میں اکثر سوچتی اور حیران ہوتی تھی کہ روبن کی زندگی کا بھید کیا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ کسی لڑکی سے شادی کرنی چاہتا ہے اور نہ کر سکتا ہو۔ اور شاید یہی اس کی پریشانی کی وجہ ہو۔ مگر اتنے سوچ و بچار کے بعد بھی کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکی۔

دن گزرتے گئے۔ کرسمس کا تہوار اپنی خوشی و دلفریبی لئے آن پہنچا۔ کرسمس کارڈز پارسل اور تحفے عزیزوں کی طرف سے وصول ہوئے۔ میں نے بھی ہسپتال کے در و دیوار کو آراستہ کیا اور اپنے اکیس مریضوں کی ٹی پارٹی کا انتظام کیا۔ اپنا روزانہ معمول کا لباس اتار کر میں نے نیا نفیس لباس پہنا جس کے کف اور کالر پر سفید جھالر لگی ہوئی تھی۔ اس دن میں نے پوڈر اور سرخی کا بھی استعمال کیا اور جب آئینہ کے سامنے گئی۔ تو اپنی اس خوبصورتی پر آپ ہی آپ خوش ہوئی۔

میرا باپ مجھے ہال میں ملا۔ اور میرے اس غیر معمولی خوبصورت لباس کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ چلو اس خوشی کو باہر وارڈ میں پھیلائیں۔

اس دن صبح کو تمام مریض ہشاش و بشاش نظر آ رہے تھے ہر طرف سے مبارکبادی کی آوازیں آ رہی تھیں۔ بہت سے مہمان آئے۔ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے پارسل کھولے گئے۔ خوشی و غمی کے آنسو بہائے گئے۔ غرضیکہ اس دن تمام لوگ خوش تھے۔

میں نے روبن ڈیونیڈ کو ایک کھڑکی کے پاس کھڑے ہوئے دیکھا اس کے قریب جا کر میں نے روبن کو مبارکباد دی۔ اس نے مصافحہ کرتے ہوئے میری مبارکباد کا جواب دیا۔ میرے لباس کی تعریف کرتے ہوئے کہا "آج میں کچھ مہمانوں کے انتظار میں ہوں۔"
میں اپنی تمام زندگی میں اتنی خوش نہ ہو سکتی تھی جتنی کہ اس دن تھی۔
روبن کی خاموش آنکھوں میں اس وقت بہت کشش تھی

پچھلے پہر روبن کے مہمان ایک عورت اور اس کا بچہ آ موجود ہوئے وہ ایک نہایت حسین عورت تھی۔ میں نے اپنی زندگی میں ایسی خوبصورت عورت کبھی نہ دیکھی تھی۔ وہ ایک عمدہ اور فیشن ایبل لباس پہنے تھی میں نے روبن کے ملازم کو یہ کہتے سنا۔

جناب آپ کی بیگم صاحبہ نے مجھے اپنے ساتھ لا کر ممنون فرمایا ہے"
ان کے کمرہ میں داخل ہوتے ہی میں باہر چلی گئی۔ میرا دماغ چکر کھا رہا تھا۔ روبن اور اس کی بیوی کا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے پھر رہا تھا۔

میں نے اپنے کمرے میں جا کر دروازہ بند کر لیا۔ اور پلنگ پر بیٹھ کر سوچنے لگی کہ آخر روبن نے کیوں نہ بتایا کہ وہ شادی شدہ ہے۔
اب بہت سی باتیں صاف ظاہر ہو رہی تھیں۔ مثلاً روبن اپنی بیوی کو چاہتا ہے۔ مگر بیماری کی وجہ سے مل نہیں سکتا۔ اس لئے اکثر پریشان و افسردہ رہتا ہے۔ لیکن مجھے بار بار یہ خیال آ کر پریشان کرتا تھا کہ آخر اس نے مجھے یا میرے باپ کو کیوں نہ بتایا کہ اس کی بیوی موجود ہے آخر کار سوچ بچار کے بعد اس نتیجہ پر پہونچی کہ وہ ایک خوبصورت بیوی کا مالک ہے اور میں اس کے مقابلہ میں سیدھی سادھی معمولی شکل والی نرس ہوں اور وہ بھی چونتیس سال کی۔ پھر مجھے اس خیال سے تسکین ہوئی کہ شکر ہے روبن میرے بھید سے واقف نہیں۔ میں دل ہی دل میں شرمندہ تھی کیونکہ وہ مجھ سے چھ سال چھوٹا اور شادی شدہ تھا۔ میں اپنے کمرے میں درد سر کی تکلیف سے لیٹی رہی۔ کچھ دیر کے بعد میرا باپ آیا میں اس سے کوئی بات نہ چھپا سکی۔ کیونکہ اس نے میرے چہرے کو دیکھ کر ہی بہت کچھ دریافت کر لیا تھا۔ اس نے افسوس ظاہر کیا مگر باتوں باتوں میں میں نے اسے یقین دلایا کہ یہ بھید میرے دل میں پوشیدہ رہے گا۔ اور روبن کو اس کی خبر بھی نہ ہونے پائے گی۔ ہمارا کام تو اسے اچھا ہونے میں مدد دینا ہے تاکہ وہ صحتیاب ہو کر واپس اپنی بیوی کے پاس چلا جائے میرا یہ

جواب سن کر وہ خوش بھی ہوا اور افسردہ بھی کیونکہ اس کی لڑکی نے زندگی میں پہلی بار کسی میں دلچسپی لی اور ناکام رہی۔ مگر افسوس کہ میں نے جیسا کہ سوچا تھا ویسا نبھا نہ سکی۔ اس معاملہ میں میں اچھی ایکٹنگ نہ کر سکی۔ اب میں اپنے کام میں زیادہ مشغول رہتی تھی اس لئے روبن کی بیماری میں کوئی خاص ہمدردی ظاہر نہ کر سکی۔ صرف جتنی ڈیوٹی میری ہوتی تھی وہ میں پوری کر دیتی مگر زائد وقت نہ دیتی تھی۔ پہلے میں اکثر شام کے وقت اشعار اور غزلیں اسے پڑھ کر سنایا کرتی تھی مگر اس کے بعد سے ایسا نہ کر سکی۔ حالانکہ اکثر دفعہ میں نے محسوس کیا کہ وہ بہت پریشان اور اداس رہتا ہے میں نے اس کی بیوی کا کبھی ذکر نہ کیا۔ میں اس سے کچھ کھچی کھچی رہنے لگی تاکہ میرے دل کا حال اس پر ظاہر نہ ہو جائے۔ تین ہفتہ کے بعد روبن کے اصرار پر اس کا وکیل ہسپتال میں اس کی ملاقات کے لئے آیا اور لمبی چوڑی گفتگو کے بعد چلا گیا اس کے بعد جو روبن کی حالت نے پلٹا کھایا تو اس کا وزن ایک ہفتہ میں چار پونڈ کم ہو گیا۔ حرارت بڑھ گئی اور طبیعت دن بدن گرنے لگی جس کی وجہ سے وہ چارپائی پر لگ گیا۔ اور ایک شب اس پر بیماری کا شدید دورا پڑا۔ کچھ دنوں کے بعد میرے باپ نے مجھ سے کہا۔

"روزلینڈ۔ افسوس ہے کہ روبن کی حالت ابتر ہوتی جا رہی ہے اگر اسے ایسے دورے دو تین دفعہ اور پڑے تو وہ زندہ نہ رہ سکے گا"

یہ سنتے ہی میں سناٹے میں آ گئی۔ میں نے بڑے حوصلہ سے اپنے دل دماغ کو قابو میں رکھا۔ تاکہ میرے باپ کے سامنے میرے آنسو نہ نکل پڑیں۔ میں اپنے کمرے میں جا کر بہت روئی اور باری تعالیٰ سے نہایت عاجزی سے اس کی صحت کے لئے دعا مانگی۔ "اے میرے مالک! تو اس کو اچھا کر دے۔ مجھے ابھی اس کی ضرورت نہ ہونی چاہئے کیونکہ وہ ابھی نوجوان ہے۔ اسے ابھی کچھ دیر کے لئے اس دنیا میں رہنے دے۔ تاکہ میں اپنی خدمت سے اسے اچھا ہونے میں مدد دے سکوں"۔

اب دن میرے لئے گزارنے نہایت دشوار تھے۔ میں اکثر اپنے کمرے میں پڑی روتی رہتی تھی۔ کیونکہ مجھے یقین تھا کہ روبن اب نہیں بچ سکتا۔ راتوں کو بھی اس پریشانی کی وجہ سے نہ سو سکتی تھی اور نہ کھا پی سکتی تھی۔ ہم لوگوں نے بہت کوشش کی کہ وہ کسی طرح اچھا ہو جائے مگر سب کوشش بے کار ثابت ہوئی۔ یہاں تک کہ میری دعاؤں میں بھی کوئی اثر نہ ہوا۔ روبن کی غذا بالکل گھٹ گئی تھی۔ اسے بیماری کا ایک اور دورا ایسا شدید پڑا کہ نقاہت کی وجہ سے وہ بول بھی نہیں سکتا تھا۔ ایک دن میں نے تمام رات اس کے پاس تیمارداری میں گزاری۔ وہ پلنگ پر پڑا تھا۔ اس قدر کمزور اور نحیف کہ مشکل سے پہچانا جاتا تھا۔ کھانسی کی وجہ سے وہ ایک منٹ نہ سو سکتا تھا میں نے اس کے سر کے نیچے تکیے لگا کر رکھے۔ اس کی پیشانی دبائی تاکہ وہ ذرا سو سکے۔ جب میں نے اس سے کہا "سونے کی کوشش کرو" تو اس نے جواب دیا "کھانسی و بخار کی شدت کی وجہ سے نہیں سو سکتا"

میں نے اس کی پیشانی کو چھوتے ہوئے کہا "یہ سب بخار کی وجہ ہے جب یہ اتر جائے گا تو تمہاری طبیعت بھی سنبھل جائے گی"۔ اس کے بعد میں اسے اور کسی طرح تسکین نہ دے سکی۔ سوائے اس کے کہ اس کا کمزور ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتی۔ ان کو دباتی۔ تاکہ وہ کچھ آرام محسوس کر سکے۔

پھر میں نے کہا "روبن کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری بیماری نے ہم لوگوں کو کتنا پریشان کر رکھا ہے؟" اس نے کروٹ میری طرف بدلی اور کچھ عرصہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتا رہا اس کے بعد اس کے لب متحرک ہوئے اور اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔ پھر اس نے اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھا جو کہ میرے ہاتھوں میں تھے۔

"کیا تم میرے لئے متفکر ہو۔ روزلینڈ؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں" میں نے جواب دیا "چند ہفتوں سے"

"تب۔ تو یہ بڑی اچھی بات ہے" اس نے آہستہ آہستہ کہا۔

"اچھی یا بری بات روبن" میں نے نرمی سے جواب دیا "ہم لوگوں کو جیسی توقع تھی۔ تمہاری صحت ویسی ترقی نہیں کر رہی" وہ کچھ عجیب طریقے سے مسکرایا جس نے میرے دل پر گہرا اثر کیا۔ پھر اس نے دریافت کیا "تم نے میرے لئے پڑھنا بند اور میرے ساتھ جو دوستی قائم کی تھی وہ ختم کیوں کر دی"۔ میں نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "رات کو میں اس قدر تھکی ہوتی ہوں کہ سوائے سونے کے اور کچھ نہیں کر سکتی"۔ مگر میرا ضمیر جانتا تھا کہ یہ سراسر جھوٹ ہے۔ کیونکہ راتوں کو اکثر میرا وقت رونے اور اس کی صحت کے لئے دعا مانگنے میں صرف ہوتا تھا

"اچھا اب مجھے کچھ پڑھ کر سناؤ" اس نے کہا "تو شاید اس سے مجھے کچھ تسکین ہو۔ اور میں سو جاؤں؟" "بہت اچھا" یہ کہہ کر میں نے غزلوں کی کتاب اُٹھائی۔ اس کی ورق گردانی کرنے کے بعد میں الزبیتھ بیرٹ براؤننگ کی غزل پڑھ کر سنائی جب میں ختم کر چکی۔ تو اس نے نہایت کمزور آواز میں کہا "تم بہت اچھی اور خوبصورت ہو روز لینڈ تمھاری آواز صاف اور تمھارے ہاتھ نرم ہیں۔ میں نے اپنی زندگی میں تم جیسی ہستی نہیں دیکھی۔ مجھے ایسا کہتے ہوئے معاف کرنا۔ کیونکہ مجھے ایسے الفاظ کہنے کا کوئی حق نہیں۔ مگر تمھاری حقیقی دوستی کا شرف رکھتے ہوئے ایسا کہہ رہا ہوں۔ وہ بھی اس وقت جبکہ دنیا میرے لئے سنسان و تاریک ہو رہی ہے" کتاب میرے ہاتھوں میں ایسی معلوم ہوئی جیسے وزنی پتھر۔ میں نے اسے نیچے فرش پر رکھ دیا۔

اس وقت میرا دل خوشی سے لبریز تھا کہ اس نے آخر کار مجھے خوبصورت تصور کیا ہے۔ میں اس کو کچھ کہنا چاہتی تھی۔ مگر کہہ نہ سکی بڑی کوشش سے صرف اتنا کہا "کیا مجھے نہ بتاؤ گے روبن کہ تم کس وجہ سے اتنے پریشان ہو؟"

"نہیں میں نہیں بتا سکتا۔ کیونکہ میری تکلیفیں صرف میرے لئے ہیں"

اس نے جواب دیا "جبکہ تم یہاں ہو روبن تمھاری تکلیفیں میری تکلیفیں ہیں؟" وہ میری طرف ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے مجھے اپنی زندگی اور بیوی کے بارہ میں بتایا "بعض اوقات میں محسوس کرتا ہوں کہ مجھے دنیا میں غریب پیدا ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ دولت میری تباہی و بربادی کی نشانی ہے۔ جون میری بیوی کا نام ہے۔ اس کے ساتھ شادی کرنے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ وہ میرے ساتھ محبت نہیں رکھتی بلکہ اس کو میری دولت کے ساتھ الفت ہے۔ وہ جو کچھ مجھ سے چاہتی تھی وہ عمدہ و نفیس لباس قیمتی زیورات۔ نت نئے روزانہ تحفے اور روپیہ تھا۔ تم نہیں جان سکتیں کہ یہ میرے لئے کتنا عظیم صدمہ تھا۔ پانچ سال تک یہ ناقابل برداشت صدمہ مجھے سہنا پڑا جس کی بدولت غم غلط کرنے کی غرض سے میرا وقت زیادہ تر شراب نوشی اور جوئے بازی میں صرف ہونے لگا۔ جون کے ساتھ غایت درجہ محبت ہونے کی وجہ سے میں نے اس سے شادی کی تھی مگر مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ صرف میری جائداد اور روپیہ کی خواہشمند تھی وہ خود پارٹیوں اور ڈنرز وغیرہ پر میرا پیسہ بے دریغ خرچ کرتی تھی وہ میرے دوست واحباب کے سامنے میرا مذاق اڑایا کرتی تھی تنہائی جلن اور حسد نے مجھے پاگل بنا دیا۔ میرے یہاں ہسپتال میں آنے سے پیشتر وہ ایک لمبی چوڑی رقم پر طلاق کی طلبگار تھی مگر بعد میں میری حالت کا اندازہ کرکے کہ میں مرنے والا ہوں اس نے اپنا ارادہ بدل دیا اور ابھی تک میرے نکاح میں ہے اور منتظر ہے کہ کب میں مروں اور وہ میری دولت کی مالک بنے۔ تم پریشان ہو گئی ہو تمھاری آنکھوں سے پریشانی کے آثار نمایاں ہیں۔

"جی ہاں" اس کے سوا اور میں کچھ نہ کہہ سکی۔

"میرے کچھ رشتہ دار ہیں" اس نے کہنا شروع کیا "مگر ان کو معلوم نہیں ہے کہ میں بیمار ہوں اور یہاں ہسپتال میں پڑا ہوں۔ گیوین یہی میرا ایک ایسا وفادار اور ہمدرد ملازم ہے جس پر مجھے بھروسہ ہے۔ اور وہ میری بیماری کی وجہ سے پریشان بھی ہے۔ روز لینڈ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ایک وقت ایسا بھی تھا جبکہ میں چاہتا تھا کہ میرا کوئی بچہ ہو جو میرے بعد میرے نام اور میری جائداد کا مالک بنے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے ایک دفعہ جون سے کہا تھا کاش ہمارا بھی کوئی بچہ ہوتا۔ مگر اس نے غصہ سے جواب دیا تھا کہ بعض اوقات میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کیا اول جلول بکتے ہو۔ افسوس کہ میں نے تمھارے ساتھ شادی کیوں کی اگر تمہیں بچے کی ایسی آرزو ہے تو کسی کا لے کر پرورش کر لو۔ مجھے تو بچہ کی پیدائش سے سخت نفرت ہے" اتنا کہہ کر روبن نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ میں نے خیال کیا کہ وہ شاید سو گیا ہے۔ وہ پلنگ پر لیٹا ہوا اس وقت محض ایک بچہ دکھائی دے رہا تھا۔ اگر اس کا کوئی بیٹا ہوتا تو وہ ایسا ہی دکھائی دیتا۔ اس نے اپنی آنکھیں کھولیں اور کہا "روز لینڈ! میں سوچ رہا تھا کہ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ بعض آدمیوں کے لئے دنیا میں سوائے بے کسی و ناکامی کے اور کسی قسم کی خوشی دیکھنی نصیب نہیں ہوتی" "اس سوچ و بچار سے کیا حاصل؟" میں نے کہا۔

"ہاں" اس نے جواب دیا "میں اب اس ناپائدار دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔ میرے بعد کوئی ایسا نہ ہو گا جس سے یہ ظاہر ہو کہ میری بھی دنیا میں کوئی ہستی تھا۔ یا جس سے میرے باپ دادا کا نام روشن

ہوتا"۔ روبن میں ایسی باتیں سننے کی عادی نہیں ہوں"۔ میں نے اس سے ذرا سختی سے کہا" تمہیں ایسی باتیں منہ سے نہ نکالنی چاہئیں"۔ کچھ دیر اس نے میری طرف دیکھا۔" مجھے ایسا کہنے کا حق کیوں نہیں؟" اس نے دریافت کیا۔" کیونکہ تم ایسے نوجوان ہو۔ اس دنیا میں رہنا اور زندگی کی بہاریں دیکھنی ہیں"۔ میں نے جواب دیا۔" مجھے جون کی باتیں اور بتانے دو"۔ اس نے کہا"۔ بچہ کی پیدائش کی گفتگو کے بعد جون نے زبردستی چاہا کہ ہم لوگ ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کرلیں کیونکہ اسے ابھی معلوم نہ تھا کہ میں تپ دق کا شکار ہو رہا ہوں"۔ وہ تھک گیا تھا اس لئے اس نے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ میں نے کہا" سوافی تمہارے لئے انتہائی دردناک صدمہ کی بات ہے۔ مگر تم اس خیال کو بالکل چھوڑ دو"۔" روزلینڈ! کس وقت مجھے یقین ہو جاتا ہے کہ مجھے اس عورت سے نفرت ہے"۔ اس نے کہا"۔ یہ تمہارا خیال ہے"۔ میں نے جواب دیا۔" نہیں یہ حقیقت ہے"۔ اس نے کہا" کاش میں اس سے شادی ہی نہ کرتا۔ وہ ایک ایکٹرس تھی۔ شاید میری تباہی کی منتظر۔ جب میں یہ سوچتا ہوں کہ وہ میری دولت کو نہایت بے دردی سے ضائع کر رہی ہے اور بیوی کے فرائض بالکل ادا نہیں کرتی۔ تو مجھے کسی طرح چین نہیں پڑتا۔ وکیل کو بلاکر میں نے اس سے رائے لی تھی کہ کوئی ایسی صورت ہے کہ میری دولت اس کو نہ دی جائے۔ مگر وکیل نے بتایا کہ چونکہ وہ قانون کے مطابق میری بیوی ہے اس لئے وہ جائداد سے محروم نہیں کی جا سکتی۔ روزلینڈ کیا دردناک قصہ ہے"۔ اس نے میری طرف متفکر نگاہوں سے دیکھا پھر کہا" اب میں مرنے کے قریب ہوں"۔

" نہیں۔ نہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ میں ایسی باتیں سننے کی تاب نہیں لا سکتی۔ برائے مہربانی اب تم سو جاؤ"۔

اس کے بعد اُس نے اور کچھ کہنے کی جرأت نہ کی۔ وہ تکلیف بخار و کھانسی کی وجہ سے دیر تک بے چین رہا۔ اور میں خاموشی سے اس کے پاس بیٹھی اس کی صحت کے لئے دعا کرتی رہی۔ دوسرے دن میں نے اس کا کمرہ خوبصورت و خوشبودار پھولوں سے آراستہ کیا جن کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا۔ دو دن کے بعد ایک رات کو بوجہ شدید دورا پڑنے کے اس کی حالت نہایت غیر ہو گئی۔ وہ رات نہایت ڈراؤنی سنسان تھی۔ میرے باپ نے اس کی بیوی کو اطلاع بھیجی۔ جب روبن کو ذرا ہوش آیا تو میں نے اس کی طبیعت کا حال پوچھا۔ اُس نے مسکراتے ہوئے نہایت کمزور آواز میں کہا" کمزوری و نقاہت بہت ہے"۔

" تمہیں آرام کی ضرورت ہے جس سے تم جلد اچھے ہو جاؤ گے"۔ میں نے جواب دیا۔

" ہاں" اس نے اتنے آہستہ کہا کہ میں مشکل سن سکی۔" ہاں اب میں جلد ہمیشہ کے لئے اچھا ہونے والا ہوں"۔ پھر اُس نے اپنے کمزور ہاتھوں کی طرف دیکھا اُس کی آنکھوں میں درد، غم اور مایوسی کے آثار تھے۔ پھر وہ میری طرف مڑا اور کہا" روزلینڈ میرے ہاتھ پاؤں جواب دے رہے ہیں"۔ اس کی آواز میں انتہائی درد تھا جس کی وجہ سے میں نے اپنے آنسوؤں کو جو مچلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ روکنے کی کوشش کی۔

کافی دیر بعد اس کی بیوی کمرے میں نمودار ہوئی۔ اُس نے اپنے خاوند کا نام لے کر اسے پکارا۔ مگر روبن نے منہ دیوار کی طرف پھیر لیا۔ اور نہایت دردناک آواز سے بولا" چلی جاؤ یہاں سے ہٹ جاؤ"۔

اس کی بیوی نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ مگر مریض کے بے حد اصرار پر ہم لوگوں نے اس کو کمرے سے چلے جانے کو کہا اور وہ چلی گئی۔

دوسرے دن بھی اس نے اپنی بیوی کو دیکھنے سے انکار کر دیا تمام دن اس کی حالت ردی رہی۔ اس کے الفاظ کوئی معنی نہ رکھتے تھے۔ مگر رات کے وقت کئی دنوں کی بے چینی کے بعد اس کی آنکھ لگ گئی اور وہ نہایت آرام کی نیند سو گیا۔ میں امید و بیم کی حالت میں تھی کہ شاید وہ اچھا ہو جائے۔ مگر کافی دیر کے بعد جب وہ بیدار نہ ہوا اور اس کا سانس آتا ہوا دکھائی نہ دیا۔ تو میں اس کے پلنگ کے پاس گئی۔ اس کے خاموش و تسکین دہ چہرے اور سفید ہونٹوں کو دیکھ کر اسے آواز دی۔ اس کی نبض کو دیکھا مگر افسوس کہ وہ ایسی نیند سو چکا تھا جس سے بیدار ہونا ناممکنات سے تھا۔

(ترجمہ از انگریزی)

رقیہ مفتی (کلکتہ)

# مصر تب اور اب

مصر بھی دیگر مشرقی ممالک کی طرح اٹھارھویں صدی میں برطانیہ کے سیاسی چنگل میں پھنسا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ ایشیا میں قرون وسطیٰ کی تہذیب اور حکومت غالباً دم توڑ رہی تھی اور گوری قومیں مغرب سے آ آکر انھیں اپنا شکار بنا رہی تھیں جسطرح ہندوستان، فارس، اور چین میں اندرونی جھگڑے اور فسادبرپا تھے بالکل اسی طرح مصر میں بھی آپس میں نا اتفاقی تھی ۱۷۹۸ء میں نپولین نے مصر کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے عزت بخشی لیکن اسے خاطر خواہ کامیابی نصیب نہیں ہوئی وہ براعظم یورپ کے دیگر زیادہ پیچیدہ مسائل میں الجھ کر رہ گیا۔ حسن اتفاق کہ عین اسی وقت مصر کو محمد علی جیسا بہادر لیڈر ملگیا جس نے ملک کی آزادی کے تحفظ کے لئے سیاست اور سپہ سالاری دونوں کو سنبھالا اور انگریزوں کو شکست دے کر سرزمین مصر سے نکال دیا۔ لیکن ہندوستان کیطرح مصر میں بھی قابل لوگوں کی اولاد نا قابل اور عیاش نکلی اور اسمٰعیل جو محمد علی کا جائز وارث تھا ملک کی دولت پانی کیطرح بہانے لگا۔ اور نہر سوئیز کے حصے چالیس لاکھ پونڈ میں انگلستان کے ہاتھ فروخت کردئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انگلستان نے اپنا مالی دبدبہ قائم کرلیا۔ اسمٰعیل کو فرار ہونا پڑا۔ ملک مقروض تھا اس لئے انگریزی وزیر مالیات تشریف لے آئے جو رفتہ رفتہ اندرونی معاملات میں بھی دخل دینے لگے ہندوستان کے غریب کسانوں کیطرح مصری ملاحوں پر بھی ظلم کی انتہا ہو رہی تھی چنانچہ انھوں نے عربی پاشا کی قیادت میں آزادی مصر کی تحریک شروع کردی یہ پہلی تحریک آزادی مصر تھی۔

اسمٰعیل کے لڑکے توفیق نے سلطنت کا کام شروع کیا اور وزیر شریف پاشا نے ۱۸۸۱ء میں ایک مجلس قانون ساز بنانے کا اہتمام کیا لیکن انگریزوں نے مجبور کیا کہ اس مجلس کو بجٹ اور مالیہ پر رائے زنی کرنے کی اجازت نہ دیجائے چنانچہ اس پر وزیر اعظم نے استعفےٰ دیدیا مئی ۱۸۸۲ء میں انگریزی بیڑا اسکندریہ کی بندرگاہ کے قریب آگیا اور مطالبہ کیا کہ محمد پاشا کو وزیر اعظمی کے عہدے سے اور عربی پاشا کو وزیر فوج کے عہدے سے علیحدہ کردیا جائے توفیق نے اسے منظور کر لیا اور انگریزوں سے مل کر اسکندریہ پر گولہ باری کروادی۔ اب تو مصر پوری طرح انگریزوں کے قبضہ میں آگیا۔ لارڈ ڈفرن مصر کے گورنر بنا کر بھیجے گئے جنھوں نے مصریوں کے سر پر دست شفقت پھیرتے ہوئے ارشاد فرمایا "ہم چاہتے ہیں کہ آپ لوگ خود اپنے ملک پر حکومت کریں" اس لئے ایک قانونی مسودہ بنایا گیا جس کی رو سے خدیو مصر کے کل اختیارات چھن گئے اور برطانیہ کے حکمرانوں کے سپرد کردئے گئے ہر وزیر کے ساتھ ایک انگریز افلیسر مقرر کیا گیا۔ صوبوں کے گورنر انگریز افسروں کے اشاروں پر کٹھ پتلی کیطرح ناچنے لگے۔ تسلط برطانیہ کامل ہوگیا۔

ٹھیک اس وقت جبکہ مایوسی کی گھٹائیں چاروں طرف چھائی ہوئی تھیں آزادی کے پرستار مصطفےٰ کامل ظہور میں آئے جب وہ مصر آئے انگلستان سوڈان کی فتح کی تیاریاں کر رہا تھا۔ اور اس پر مصری دولت اور خزانہ خرچ ہو رہا تھا۔ انھوں نے یہ بے انصافی ناپسند کی اور نوجوان طبقہ پر اپنی جادو بھری شخصیت کا ایسا اثر ڈالا کہ نوجوان مصر کے سب سے بڑے رہنما مان لئے گئے۔ ایک دفعہ ذرائع آمد و رفت پر اظہار خیال کرتے ہوئے انھوں نے ارشاد فرمایا کہ میں انگلستان میں ایک ہزار میل تک گھوڑے کی پیٹھ پر آزاد طریقہ سے سفر کرنا ایک غلام ملک میں موٹر کار میں سوار ہو کر سفر کرنے سے کہیں بہتر سمجھوں گا۔ مصطفےٰ کامل یہاں اس عزم تحریک کے حامی جمال الدین افغانی کے دوست اور مہدی سوڈانی کے ہمدرد تھے۔ ۱۹۰۸ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔ اسی زمانہ میں دریائے نیل کے دہانے پر انگریز افسروں اور مصریوں میں جھگڑا ہوگیا جس پر کسانوں کو بڑی سخت سزائیں دی گئیں۔ اس واقعہ سے غیرت مند مصری گویا سوتے سوتے جاگ اٹھے۔ بوترس پاشا جن کی عدالت میں دنیشا دی واقعہ مذکور کا فیصلہ کیا گیا ابراہیم بردانی نام کے ایک طالب علم نے قتل کردیا۔ اس پر انگلستان نے ۱۹۱۱ء میں لارڈ کچنر کو انگلستان کا نمائندہ بنا کر مصر بھیجا۔ جنھوں سوڈانیوں پر بہت سختی کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصریوں کی اور آنکھیں کھلیں۔ ۱۹۱۳ء میں

سعد زاغلول پاشا سیاست کے میدان میں آئے۔ انھوں نے اسمبلی میں سرکار کے خلاف آواز اٹھائی ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم شروع ہوگئی جنگ شروع
ہوتے ہی انگریزوں نے ملک بھر میں مارشل لا جاری کر دیا جلسہ جلوسوں کی منادی کر دی گئی۔ خدیو کو تخت سے اتار دیا گیا اور اس کے چچا حسین کو مصر کا سلطان
بنایا گیا۔ ڈرانے کے لئے آسٹریلیا اور ہندوستان سے فوجیں لائی گئیں جن کے برے برتاؤ کو دیکھ کر مصریوں کو صدمہ ہوا اور وہ اور بھی ناراض ہوگئے ۱۹۱۸ء میں
مصر کے وزیراعظم حسین اشدی کے ایما پر ایک کمیشن ملک کے واسطے ایک نیا قانونی مسودہ تیار کرنے کے لئے مقرر کیا گیا۔ اس مسودہ سے مصر کے لوگ مطمئن نہیں ہوئے
چنانچہ ۱۳ نومبر ۱۹۱۸ء کو زاغلول پاشا نے برطانوی ہائی کمشنر سر ریجنالڈ سے ملاقات کی اور مصریوں کے مطالبات بیان کر دیئے مگر منظور نہ ہوئے۔ انھوں نے
۸ مارچ ۱۹۱۸ء کو مصر کی آزادی کا صاف الفاظ میں اعلان کر دیا۔ زاغلول پاشا مالٹا بھیجدئے گئے۔ وزارت مستعفی ہوگئی اور فوجی قانون جاری کر دیا گیا۔
الازہر کے طلبا اور دیگر کالجوں کے لڑکوں نے سیاسی شورش میں بہت حصہ لیا۔ ۱۱ مارچ کو سرکاری نوکروں نے کام بند کر دیا۔ سعد زاغلول کے قید ہونے پر
بیگم زاغلول بہادری کے میدان میں کود پڑیں اور بڑی قامت سے تحریک آزادی چلانے لگیں دیکھتے ہی دیکھتے بہت سے مقامات پر فوجی حکومت قائم
کر دی گئی۔ قاہرہ پر کئی دن تک سیاسی جماعت کا قبضہ رہا ۱۹۱۹ء میں لارڈ ملنر کی صدارت میں ایک کمیشن اصلاح حالات کے لئے مصر بھیجا گیا جس کی
مخالفت کی گئی۔ وزارت مستعفی ہوگئی جب کمیشن کے ممبر کسی جوان سے کوئی سوال کرتے تو وہ یہی ایک جواب دیتا "زاغلول سے پوچھئے" ۱۹۲۰ء میں آخر
مجبور ہو کر سعد زاغلول پاشا اور عدلی پاشا سے بات چیت کی گئی اور مصر کو ایک آزاد ملک تسلیم کر لیا گیا لیکن مصر کا سوڈان پر قبضہ انگریزی فوج کا ملک
میں رہنا۔ مالی اور قانونی وزرار کے انگریز مشیروں کے اختیارات اور بیرونی پالیسی ان چار سوالوں پر سعد زاغلول اور انگلستان کی حکومت میں اتفاق
ہو ہی نہ سکا چنانچہ سعد زاغلول نے وفد جماعت کے ایک جلسہ کا انتظام کیا۔ مگر حکومت نے رد کر دیا اور سعد عدن بھیجدئے گئے۔ مصر کی عورتوں نے
بیگم زاغلول کی قیادت میں وہ تاریخی ستیہ گرہ شروع کیا جس کی نظیر ہندوستان میں بھی ملنی مشکل ہے۔ آخر ۲۸ فروری کو انگریزوں نے مصر کی آزادی
کا اعلان کر دیا لیکن اختیارات انگریزوں ہی کے ہاتھ میں تھے سلطان کو کنگ کا خطاب استعمال کرنے کی اجازت دیدی گئی اور ثروت پاشا نے
وزارت بنائی ۱۹۲۳ء میں زاغلول رہا ہو کر مصر آ گئے ۱۹۲۴ء میں عام انتخابات ہوئے وفد کو ان میں مکمل کامیابی حاصل ہوئی۔ زاغلول پاشا وزیراعظم
مقرر ہوئے۔ انھوں نے مصر کی مکمل آزادی کا اعلان کر دیا۔ انگریزی فوج کا صرفہ دینے سے انکار کر دیا اور مطالبہ کیا کہ نہر سوئز مجلس اقوام
کے سپرد کر دی جائے۔ زاغلول کو پھر استعفےٰ دینا پڑا۔ سلطان فواد اور ان کے درباریوں کا راج ہوگیا اور انگریز کا سایہ قائم رہا۔ وفد نے مخالفت کی۔
انتخابات ہوئے۔ وفد کو پھر کامیابی ہوئی۔ زاغلول پھر وزیراعظم ہوئے لیکن پہلے متنازع الفیہ مسائل پھر بھی طے نہ ہو سکے۔ اس کے بعد
زاغلول کا اچانک انتقال ہوگیا۔ اس رہنما کو مکمل طور پر آزاد مصر دیکھنا نصیب ہوا ۱۹۳۵ء میں اٹلی نے ابی سینا پر حملہ کر دیا۔ برطانیہ
نہر سوئیز۔ بحر قلزم اور بحر روم میں کمزور نظر آنے لگا۔ وفد نے اس موقع سے فارورڈ بلاک والوں کی طرح فائدہ اٹھانا چاہا
لیکن سر سموئیل ہور نے صاف انکار کر دیا۔ کسانوں اور مزدوروں نے جلوس نکالے جلسے کئے" اور اپنی مخالفت کا اظہار کیا لیکن
حکومت کی طرف سے تشدد ہوا تمام سیاسی جماعتیں متحد ہوگئیں وفد لبرل نوجوان اور قوم پرور اور آزاد سب جماعتیں نحاس پاشا کے
ماتحت ایک ہوگئیں۔ اس زبردست اتحاد کا بڑا اثر پڑا۔ نسیم پاشا کو اپنا مرتبہ چھوڑنا پڑا۔ نحاس پاشا مارچ ۳۵ء میں صلح کی بات چیت
کرنے انگلستان تشریف لیگئے۔ انتخابات میں بھی وفد کی کثرت مصر کی پارلیمنٹ میں ہوگئی۔ نحاس پاشا کی جرأت سے صلح ہوگئی اور انگریزی فوج
مصر سے ہٹالی گئی۔ جنگ کیوقت برطانیہ کی حکومت مصر کی تمام فوج ریلوے لائن اور بندرگاہوں وغیرہ کا استعمال کر سکتی ہے۔ یہانتک کہ مصر کی حکومت
بھی اپنے ہاتھ میں لے سکتی ہے اور ضرورت کیوقت مارشل لا جاری کر سکتی ہے۔ صلح کے تھوڑے عرصہ بعد سلطان فواد کا انتقال ہوگیا اور ولیعہد فاروق
تخت نشین ہوئے۔ نحاس پاشا رفتہ رفتہ پارلیمنٹ کی طاقت اور زور کو بڑھانا چاہتے تھے۔ اس لئے انھیں وزارت سے علیحدہ ہو جانا پڑا۔ محمد محمود پاشا
مصر کے سلطان کو خوش نہ رکھ سکے اور انھیں بھی استعفےٰ دینا پڑا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے مصر ابھی اصلی اور مکمل آزادی سے کوسوں دور ہے۔ سید ابن حسن شائق نبی

# نرسنگ

جس قدر علم طب نے ترقی کی ہے اُس سے دو چند بیماریوں نے ترقی کے میدان میں قدم بڑھایا ہے۔ آئے دن ایسی ایسی بیماریاں سننے میں آتی ہیں کہ بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جس بیماری کا دیکھو انجکشن موجود ہے۔ لیکن نتیجہ یہ ہے۔ کہ اگر پہلے ہزاروں میں ایک کو ٹائیفائڈ بخار ہوتا تھا۔ تو اب شاذ و نادر ہی کوئی ایسا گھر ہوگا جو اس موذی بیماری سے بچا ہو۔ ایکس رے بجلی کا علاج اور ایسی ایسی بیسیوں روز نئی ایجادیں ڈاکٹروں کی مدد کے لئے نکالی گئی ہیں۔ پھر بھی بیماریوں کو روز افزوں ترقی ہے ہسپتالوں کی یہ حالت ہے کہ تل دھرنے کو جگہ نہیں۔ بڑے بڑے ہسپتال بعض اوقات اس قدر پُر ہوتے ہیں کہ کئی خطرناک مریض لوٹا دیئے جاتے ہیں۔ ان حالات میں ہر لڑکی کو چاہیئے کہ نرسنگ کے ضروری فرائض ذہن نشین کرے۔

یہ درست ہے۔ کہ موقعہ پڑتا ہے۔ تو انسان خود ہی سب کچھ سیکھ جاتا ہے لیکن ایک مریض کی صحت کا دار و مدار بہت کچھ نرس کی قابلیت پر منحصر ہے۔ اس لئے نرسنگ میں بہت احتیاط لازم ہے چنانچہ جب میں نے ایک لیڈی ڈاکٹر سے باقاعدہ نرسنگ سیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ تو انہوں نے بھی اس بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ تعلیم یافتہ لڑکیوں کو کچھ عرصہ ہسپتالوں میں ضرور کام کرنا چاہیئے۔ اس کے لئے ہفتہ میں دو ایک گھنٹے آسانی سے نکالے جا سکتے ہیں۔

ایک کامیاب نرس ہونے کے لئے سب سے پہلے مزاج پر قابو پانا ضروری ہے۔ مریض اپنی بیماری کی وجہ سے خود ہی چڑچڑا ہو جاتا ہے اُسے بھلا یہ تاب کہاں۔ کہ تیماردار اُس سے بات بات پہ ناراض ہوں۔ ہمیشہ نرمی سے بات چیت کرنا چاہیئے۔ اور اگر مریض کسی وجہ سے ناراض ہو جائے تو خوشی سے برداشت کریں۔ یہ نہیں کہ خود ہی روٹھ کر بیٹھ جائیں۔ یورپین نرسیں اس لحاظ سے قابلِ ستائش ہیں۔ وہ ہمیشہ مسکراتی نظر آتی ہیں۔ البتہ بعض اوقات ایسی بدمزاج اینگلو انڈین نرسوں سے سابقہ پڑ جاتا ہے۔ خدا کی پناہ ایسے تیماردار کے ہاتھوں میں بیمار پہونچ کر بلا مبالغہ جہنم میں داخل ہو جاتا ہے اُسے اپنی زندگی اجیرن نظر آنے لگتی ہے۔ برخلاف اس کے ایک خوش مزاج نرس مریض کی آدھی تکلیف بھلا دیتی ہے۔ اور وہ بہت جلد شاہراہِ صحت پر گامزن ہو جاتا ہے دوسری بات یہ ہے کہ نرس کو مریض کے سامنے کبھی رنج ظاہر نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ اس بات کا یقین دلانے کی کوشش کی جائے کہ وہ بہت جلدی اچھا ہو جائے گا۔ نرس کا افسردہ چہرہ دیکھ کر مریض کا دل کانپ جاتا ہے۔ اور وہ اپنی بیماری کو بہت زیادہ خطرناک خیال کرنے لگتا ہے۔ جو اس کی صحت کے لئے بہت مضر ہے کیونکہ نرس کے ہوتے ہوئے مریض کی رہی سہی امیدیں بھی ٹوٹ جاتی ہیں اور وہ سخت پژمردہ ہو جاتا ہے۔

نرس کو ہر وقت صاف ستھرا اور شگفتہ رہنا چاہیئے۔ اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ اس کا چہرہ پوڈر لپ سٹک اور روز سے مزین ہو۔ بلکہ اس کا لباس سادہ سفید اور صاف ہونا چاہیئے۔ بال بکھرے ہوئے نہ ہوں بلکہ کنگھی ہوئی ہو۔ ہاتھوں اور خصوصاً ناخنوں کی

صفائی کا بے حد خیال رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ ان ہی ہاتھوں کی صفائی پر مریض کی زندگی کا دارومدار ہے۔ مریض کے جسم یا اس کی کسی چیز کو چھونے کے بعد ہر دفعہ نرس کو اپنے ہاتھ کاربالک صابن سے دھو لینے چاہئیں۔ اور دن میں ایک دفعہ پرمنگنیٹ آف پوٹاش سے ناخن جلدی جلدی کاٹتے رہنا چاہیئے۔ تاکہ بڑھ کر جراثیم کی پرورش گاہ نہ بنیں۔ نرس کو یہ بھی لازم ہے کہ اپنے کپڑے دھلواتے وقت پانی میں کاربالک ایسڈ ڈلوا لے۔

بیمار کا کمرہ منتخب کرتے وقت اس بات کا خیال رکھیں۔ کہ کمرہ گھر کے ایک طرف واقع ہو اور خوب ہوادار اور روشن ہو۔ اگر مکان دو منزلہ ہو۔ تو دوسری منزل پر کمرہ منتخب کرنا زیادہ مناسب ہے۔ خصوصاً متعدی امراض کے بیماروں کے لئے۔ اس طرح باقی مکان کی ہوا خراب نہیں ہوتی۔ کمرہ میں سے دریاں اور قالین نکال ڈالنے چاہئیں۔ فالتو فرنیچر بھی کمرہ میں نہ رہنا چاہیئے۔ روزانہ کمرہ کی صفائی لازم ہے۔ جھاڑو دے کر گرد اڑانی مریض کے لئے سخت تکلیف دہ اور مضر ہے۔ اس لئے برش یا کپڑے سے آہستہ آہستہ تمام فرش صاف کریں۔ شیشے، الماریاں اور فرنیچر بھی صاف کردیں۔ بعد ازاں کمرہ میں ہلکی ہلکی فنائل چھڑک دیں اگر ممکن ہو تو کمرہ میں بھینی خوشبو والے پھول گلدان میں سجا دیں۔ لیکن مرجھائے ہوئے پھول کمرہ میں ہرگز نہ رہنے پائیں۔ مریض کے ارد گرد عرق گلاب چھڑکنے سے اسے فرحت حاصل ہوتی ہے دوا کی شیشیاں دن میں دو دفعہ پونچھ ڈالنی چاہئیں۔ تاکہ ان کے گرد و گرد نہ جمنے پائے۔ زہریلی دوائی کی شیشیوں پر سرخ لیبل لگا کر پینے والی دوائیوں سے الگ رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ بعض اوقات عجلت میں ایسی غلطی سرزد ہو جاتی ہے کہ تمام عمر پچھتانا پڑتا ہے۔ کمرہ کا درجہ حرارت عام طور پر ۵۰ اور ۶۰ ڈگری کے درمیان ہونا چاہیئے۔ لیکن بعض بیماریوں میں کمرہ اس سے بھی زیادہ گرم رکھنا پڑتا ہے۔

بیمار کا پلنگ دیوار کے ساتھ لگا ہوا نہ ہو کیونکہ مچھر پیدا ہو جانے کا خوف ہے۔ اور نہ کھڑکی یا دروازہ کے بالکل مد مقابل ہو کیونکہ ٹھنڈ لگنے کا ڈر ہوتا ہے۔ کمرہ میں ایک اسکرین موجود ہو تو بہت اچھا ہے۔ کیونکہ اس طرح مریض کی آنکھوں کو تیز روشنی کی تکلیف سے بچایا جاسکتا ہے اور کمرہ بھی روشن رہ سکتا ہے۔ مریض کا بستر صاف اور نرم ہونا چاہیئے۔ اور وقتاً فوقتاً گرم پانی کی بوتلوں سے گرم کرتے رہنا چاہیئے۔ لحاف کی بجائے کمبل کا استعمال بہتر ہے۔ کیونکہ وہ آسانی سے دھل سکتے ہیں تکیہ کے غلاف اور چادریں ہفتہ میں دو دفعہ ضرور بدل ڈالنی چاہئیں۔ اگر مریض زیادہ کمزور ہو۔ اور اسے اٹھانے بٹھانے سے تکلیف ہوتی ہو۔ تو مریض کو ایک طرف کروٹ دے کر میلی چادر لپیٹ لو۔ اور اس حصہ میں نئی چادر بچھا دو باقی چادر لپٹی رہے اور پھر مریض کو آہستہ سے صاف چادر پر کروٹ دے دو۔ اور میلی چادر نکال کر جلدی سے نئی چادر باقی حصہ میں بھی بچھا دو۔ اس طریقہ سے چادر بچھانے میں مریض کو قطعی تکلیف نہ ہوگی۔ لیکن نرس کو ایک مددگار کی ضرورت ہوگی۔

مریض کا چہرہ، منہ اور آنکھیں دن بھر میں ایک دفعہ ضرور صاف کرنی چاہئیں۔ بالوں میں ہلکا ہلکا تیل لگا دیں۔ اور ہفتہ میں ایک دو مرتبہ اسفنج کا غسل دینا چاہیئے۔ لیکن یہ تمام کام احتیاط صفائی اور عجلت سے کرنا چاہیئے۔ تاکہ مریض کو کہیں ٹھنڈ نہ لگ جائے۔ اسفنج کا غسل دیتے وقت پہلے ایک حصہ کو اسفنج کرکے خشک تولئے سے پونچھ کر فوراً گرم کپڑے سے

ڈھک دینا چاہیئے۔ اور پھر اسی احتیاط سے دوسرے حصہ کو اسفنج کرنا چاہیئے۔ اگر ڈاکٹرا سفنج کے غسل کی اجازت نہ دے تو پھر روئی یا سپرٹ میں بھگو کر جسم صاف کریں۔ بعض بیماریوں میں فٹ باتھ بھی مفید ہوتا ہے کسی برتن میں نمک اور گرم پانی ڈال کر پاؤں ڈبو دینے چاہئیں۔ لیکن اس بات کا خیال رہے کہ پاؤں باہر نکالتے ہی اچھی طرح سے خشک کرکے گرم کپڑے میں لپیٹ دیئے جائیں۔ فٹ باتھ سے درد سر تھکن اور زکام کی شکایت رفع ہو جاتی ہے۔

مریض کو ہمیشہ نہایت خوش دلی اور محبت سے دوا پلانی چاہیئے۔ اسی طرح کھانے کی احتیاط اور وزن وغیرہ کا خاص خیال رکھنا نرس کے فرائض میں داخل ہے۔ کھانا اپنی نگہداشت میں تیار کرایا جائے اور ڈاکٹر کے بتائے ہوئے وقتوں پر باقاعدہ دیا جائے۔ بعض اوقات مریض کو صرف رقیق کھانا ہی دیا جاتا ہے۔ اس لئے پھلوں کا رس نکالتے وقت دیکھ لینا چاہیئے کہ آیا وہ تازہ ہیں یا نہیں۔ جن برتنوں میں مریض کو کھانا دیا جائے وہ خوبصورت اور صاف ہوں اور اگر ٹرے میں عمدہ کپڑا بچھا ہوا ہو۔ اور چند پھول رکھے ہوئے ہوں۔ تو وہ اپنا کھانا زیادہ رغبت سے کھائیگا۔

نرس کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ مریض کی رفتارِ نبض سے پوری طرح واقف ہو۔ اس کے پاس ایسی گھڑی موجود ہونی چاہیئے۔ جس میں سیکنڈ کی سوئی ہو کلائی پر تین انگلیاں رکھ کر نبض گننی چاہیئے۔ نارمل حالت میں شیر خوار بچے کی نبض ایک منٹ میں ۱۰۰ سے ۱۲۵ دفعہ حرکت کرتی ہے۔ بچے کی ۸۰ سے ۱۰۰ دفعہ اور بڑے آدمی کی ۷۰ سے ۸۰ تک سینہ پر ہاتھ رکھ کر سانس گننا چاہیئے۔ ایک تندرست شخص منٹ بھر میں ۱۷ دفعہ سانس لیتا ہے۔

بہت عرصہ بستر پر پڑے رہنے سے مریض کو بیڈ سور		ہو جاتے ہیں۔ جو نرس کی ناقابلیت ظاہر کرتے ہیں ہر ممکن کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ یہ نہ ہوں۔ مریض کو نہایت آرام سے کروٹ بدلواتے رہنا چاہیئے۔ بستر ہمیشہ نرم اور صاف ہو۔ میلی چادریں سخت مضر ہیں۔ بستر پر سلوٹیں نہ پڑنے دیں۔ اور نمی نہ ہو۔ پیٹھ کو ہفتہ میں ایک دو دفعہ سپرٹ سے صاف کرتے رہنا چاہیئے اور اگر پھر بھی		ہو ہی جائیں۔ تو ربڑ کی گدیاں جو اس کام کے لئے بالعموم ملتی ہیں استعمال کرنی چاہئیں۔

مریض کا چارٹ تیار کرنا نرس کا ایک ضروری کام ہے۔ اس پر مقررہ وقت لی ہوئی حرارت، خوراک، نبض کی حرکت عام حالت ڈاکٹر کے ریمارک کے خانے درج ہونے چاہئیں۔ مریض کے کمرہ میں چند ایک چیزوں کی سخت ضرورت رہتی ہے۔ مثلاً فیڈنگ کپ۔ بیڈ پین، تھرمامیٹر، پیمانہ وغیرہ۔ یہ سب چیزیں صاف اور عمدہ ہونی چاہئیں۔ یہ نہ ہو کہ کسی متعدی مرض کے شکار کی استعمال شدہ ہوں۔ اس سے خطرناک نتیجے پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

سرور رعنا بی اے

# وسطِ ایشیا کی مسلم خواتین

اسلامی زندگی کے اس نشاۃ ثانیہ میں صنفِ نازک برابر کا حصہ لے رہی ہے بیداری کی اس جنگ میں وہ مردوں کے دوش بدوش ہے۔ دنیا میں شاید ہی کوئی دوسری قوم ایسی ہو جو یہ دعوی کر سکے کہ اس کے مردوں نے یا اس کی عورتوں نے اس قدر محدود و مختصر عرصہ میں اس قدر ترقی کی ہو۔ ٹرکی۔ ایران۔ افغانستان، مصر، عراق، شام، مراکش، الجزائر، چین وغیرہ کی مسلم خواتین بہت زیادہ بیدار ہو چکی ہیں اور وہ اپنے ملک و قوم کی خدمت میں مردوں سے کسی طرح کم نہیں۔ لیکن جو ممالک بالکل پسماندہ اور غیر مہذب کہے جاتے ہیں وہاں بھی بیداری کا سورج ضیا پاشیوں میں مصروف ہے۔ اور وہاں بھی مسلم خواتین میں زندگی کے جو نئے آثار پائے جا رہے ہیں۔ وہ دشمنان اسلام قوموں کے مردوں میں بھی نہیں پائے جاتے اور ہم علی الاعلان کہہ سکتے ہیں کہ جہاں تک وطن پرستی، قوم پروری، حریت پسندی، روشن خیالی، مذہبی رواداری، ترقی پذیری کا تعلق ہے پسماندہ سے پسماندہ اسلامی ممالک کی ایک عورت ہندوستان کے مردوں سے بدرجہا بہتر ہے

ظلمت کدہ میں نورِ مدنیت کی ہے جھلک

وسط ایشیا کا علاقہ دنیا میں سب سے زیادہ غیر مہذب اور وحشی کہا جاتا ہے۔ اس کے باشندوں کو سوائے لوٹ مار۔ غارت گری اور کشت و خون کے کوئی دوسرا کام نہ تھا لیکن آج دنیا کے اس وحشی ترین علاقہ میں بھی مسلمانوں نے ترقی اور تمدنی اثرات قبول کر لئے ہیں۔ اس مضمون میں ہم ترکستان کی عورتوں کے مختصر حالات بیان کریں گے۔

**ترکستان کی مسلم خواتین** انقلاب روس کے بعد سے نواح ترکستان کی عورتوں میں بیداری کے آثار پیدا ہو گئے انھوں نے اپنے مردوں کے دوش بدوش تعلیم کی طرف توجہ کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس وحشی ترین علاقہ کے پڑھے لکھے مردوں اور عورتوں کی ایک مختصر تعداد پیدا ہو گئی۔ وہ نہایت سرگرمی کے ساتھ اپنی قوم میں تبلیغ و اشاعت تعلیم کے لئے کوشاں ہیں۔ مردوں کی طرح عورتوں نے بھی اپنی انجمنیں قائم کی ہیں۔ اور ان کی رفتار ترقی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جمہوریہ روس میں کسان اور مزدور عورتوں کی جب پہلی آل یونین کانگریس منعقد ہوئی تو اس میں وسط ایشیا کی دو سو کے قریب مسلمان عورتیں مندوبات کی حیثیت سے شریک ہوئی تھیں۔

**ترکستان میں زنانہ کلب** ترکستان کی جاہل عورتوں کو تعلیم دینے اور انہیں حفظانِ صحت کے عام اصولوں سے واقف کرنے کے لئے اس وقت ایک سو کے قریب زنانہ کلب موجود ہیں جن کے ممبروں کی تعداد تین ہزار سے زائد ہے۔ ملک میں دو سو کے قریب ایسے مراکز قائم ہیں جہاں تربیت دینے والی دائیاں متعین ہیں۔ اور دوسری عورتوں کو اس فن کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی ہے۔

### سفری مدرسے

منگولیا کے علاقہ میں بعض ایسے خانہ بدوش قبائل موجود ہیں۔ جن کے نزدیک کسی شخص کے مہذب ہونے کا سب سے بڑا ثبوت ان کا خون آشام ہونا ہے اپنے ان منگولی بھائیوں کی اصلاح کے لئے نوجوان ترکمانوں نے اصلاحی مراکز قائم کئے ہیں۔ یہ خانہ بدوشوں کی بستی میں اپنا کیمپ لگا دیتے ہیں۔ اور طرح طرح کے خطرات برداشت کرکے اپنے وحشی بھائیوں کو راہ راست دکھلاتے ہیں۔ اصلاح اور تربیت کے اس نازک ترین مسئلہ میں۔ عورتیں بھی مردوں کے ساتھ ہیں۔ اس وقت منگولیا میں پچیس ۲۵ تیس ۳۰ عورتیں ایسی ہیں جو مختلف قصبات کا اور دیہات کا دورہ کرکے اپنی بہنوں میں تعلیم و تربیت کا شوق پیدا کرتی ہیں۔ ان سفری تعلیمی کمپنیوں میں جنہیں روسی زبان میں "کتبکا" کہا جاتا ہے دوائیں وغیرہ بھی ہوتی ہیں۔ جو یہ غریب خانہ بدوشوں میں تقسیم کرتے رہتے ہیں۔ اور میجک لالٹین کے ذریعہ سے اپنے بے خبر بھائیوں کو دنیا کی ایسی بہت سی چیزیں دکھاتے ہیں جن سے وہ واقف نہیں میجک لالٹین کے ذریعہ تعلیم کا طریقہ عورتوں مردوں دونوں میں بہت کامیاب ثابت ہو رہا ہے۔

### زنانہ مدارس کی ترقی

علاقہ ترکمانستان کی آبادی ۸۰ ہزار کے قریب ہے لیکن ابھی یہاں تعلیم یافتہ عورتوں اور مردوں کی تعداد بہت کم ہے۔ چنانچہ پچھلے دونوں اصلاح پذیر ترکمانیوں نے ایران اور افغانستان سے چند تعلیم یافتہ خواتین کی خدمات حاصل کرکے اپنی ترکمانی بہنوں میں ترویج تعلیم کی کوشش کی تھی۔ لڑکیوں کی تعلیم کے لئے جا بجا مدرسے قائم ہو رہے ہیں۔ چونکہ خواندہ عورتوں کی تعداد بہت ہی محدود ہے۔ ایک اسکول میں دو استانیوں سے زیادہ نہیں ہوتیں۔ اور وہی دن رات محنت کرکے نئی نسلوں کو تعلیم دیتی ہیں۔ قیام مدارس کی رفتار اس سرعت کے ساتھ جاری ہے کہ تاجیک کے پہاڑوں پر بھی ایک مدرسہ قائم ہے اور کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے۔

### ترکستانی اخبارات

ارنکو کے علاقہ میں ترقی پذیری کے آثار بہت زیادہ نمایاں ہیں۔ یہاں سے دو تین اخبارات بھی نکلتے ہیں جن کی اشاعت اندرون ملک میں بھی بہت کافی ہے۔ اس کے علاوہ روس وغیرہ میں بھی بکثرت جاتے ہیں۔ جو لڑکیاں امتحان میں کامیابی حاصل کرتی ہیں۔ ان کے نام نمایاں طور پر اخبارات میں شائع کئے جاتے ہیں۔ اور ان کے والدین کو ملک و قوم کی جانب سے مبارکباد دی جاتی ہے۔

ج

# بچوں کی نفسیات کا ایک پہلو

خوف ایک فعلِ اضطراری ہے جو ہمیشہ نوعِ انسان کے لئے فائدہ رساں رہا ہے۔ بہت سی چیزیں جو قدیم انسان کے لئے خطرہ کا باعث تھیں موجودہ خطراتِ انسانی کی فہرست میں شامل نہیں۔ ہمارے آبا و اجداد شیر کو دیکھتے ہی فرار ہو جاتے تھے حالانکہ آج انسان خود شیر کی تلاش میں جنگل جاتا ہے بشرطیکہ بندوق اس کے قبضہ میں ہو اور نشانہ پر اسے قدرت ہو۔ اس طرح گو تحقیقاً نہیں کہا جا سکتا کہ قدیم عورت چوہیا سے ڈرتی تھی یا نہیں لیکن اس کی موجودہ بہن چوہیا پر نظر پڑتے ہی بے اختیار کود کر دوسری کرسی پر جانے پر مجبور ہوتی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ باوجودے کہ آج انسان کی زندگی ہر طرح بہت محفوظ ہے لیکن انسان اپنے باپ دادا کی نسبت بہت زیادہ چیزوں سے ڈرتا ہے۔ اور یہ خوف و ہراس اپنے بچوں کو منتقل کر دیتا ہے۔ یہ بات بالتحقیق معلوم ہے کہ بچہ اپنے ساتھ دنیا میں اصل خوف بہت کم لاتا ہے۔ مثلاً اس آگ کی طرف راغب ہونا ظاہر کرتا ہے کہ اس کو ذاتی تحفظ کے اصول نہیں سکھانے پڑتے ہیں۔ بیشتر جانوروں کے چھوٹے چھوٹے بچے بالکل نڈر و بے خوف ہوتے ہیں لیکن بعد میں ان کے ماں باپ انہیں ڈرنا سکھا دیتے ہیں۔ اسی طرح ان چیزوں کا دائرہ جن سے بچے ڈرتے ہیں۔ بہت وسیع ہوتا ہے جو خود اس کے والدین بچوں کی بھلائی کی بیقراری میں ان تک پہنچاتے ہیں۔ بچہ کو ڈرایا جاتا ہے خاک دھول سے، پانی سے، گزری ہوئی وارداتوں سے، اجنبی کتوں اور غیر آدمیوں سے پیڑ پر چڑھنے، نہانے، تیرنے اور باہر کھیلنے سے۔

اس کے علاوہ سست اور پریشان والدین اور استاد خوف اور ڈر کو بطور تنبیہ استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ ڈر کی طویل فہرست میں سزا اور تکلیف کا ڈر، پولیس، بھوت جن، اندھیرے اور اس قسم کی اور ڈراؤنی چیزوں کے خوف کا اضافہ کر دیتے ہیں۔

خوف بچہ کے لئے بڑی مہلک چیز ہے۔ اس کی زندگی میں اس کا وجود ہی نہیں ہونا چاہیئے۔ اس سے بچہ ڈرپوک اور بزدل ہو جاتا ہے۔ اور اس کا ذوقِ عمل اور زندگی کا امید پرور اور خوش آیند نظریہ مفقود ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اس حالت اور نظریہ کا وجود اس کے لئے نہایت ضروری ہے۔ خصوصاً اس کی آئندہ زندگی کے لئے جبکہ زندگی کی فکریں، غربت کا غم، بیکاری کا رنج اور آئندہ کا خوف، مرض، موت، بدنامی وغیرہ کے ڈر اسے چاروں طرف گھیر لیتے ہیں۔

یہ عام مشاہدہ ہے کہ خوف تمام توجہ اپنی طرف مبذول کر لیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بالآخر وہی وقوع پذیر ہو کر رہتا ہے جس سے کہ انسان خوفزدہ رہتا ہے اور بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ بولنے تقریر کرنے اور سکاٹ پڑھنے میں اگر کسی کے دل میں غلطی کا خوف رہے تو غلطی ضرور ہو کر رہتی ہے۔ اگر تختہ پر چلنے میں انسان گرنے سے ڈرتا رہے تو ضرور گرتا ہے۔

اسی طرح جب بچہ کو بید کے خوف سے سوال نکالنے پر مجبور کیا جاتا ہے تو اس کی تمام تر توجہ بید پر رہتی ہے اور بہت

کم توجہ گننے اور شمار کرنے کے لئے باقی رہتی ہے۔ ان خطاؤں میں بھی جنہیں اخلاقی کہا جاتا ہے خوف بالکل بے اثر ثابت ہوتا ہے اکثر والدین اپنے بچوں کی اچھی تربیت کی شیخی مارتے ہیں۔ اور استاد بھی اکثر اپنے شاگردوں کی تہذیب و شائستگی کی تعریف کرتے ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ چاہے بعض اوقات نتیجہ خاطر خواہ ہی نکلتا ہو لیکن یہ طریقے بے شبہ خطرناک ہوتے ہیں۔ بچہ اچھا اور مہذب ہو جاتا ہے لیکن محض اس لئے کہ کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرتے ہوئے وہ ڈرتا ہے۔ اور اصولاً کسی شخص کی عادت و کردار کا معیار خوف قرار دینا یقیناً فاش غلطی ہے۔ سزا کا خوف برائی سے بچا سکتا ہے لیکن اچھائی کی طرف راغب نہیں کر سکتا ہے۔ یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ والدین یا استاد کا یہ طریقہ بچوں کو جھوٹ بولنے۔ دھوکہ دینے اور چوری کرنے سے بچا سکتا ہے لیکن ان کو ان چیزوں کی مخالف بھلائیوں پر کاربند نہیں بنا سکتا۔ بلکہ سزا بچوں کو آئندہ جرم زیادہ ہشیاری سے چھپانے کی ترغیب دیتی ہے۔

اس سلسلہ میں یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ۵۰ فی صدی ۷ برس سے کم عمر کے بچے متواتر جھوٹ بولتے ہیں۔ یہ غالباً اس وجہ سے ہے کہ وہ اپنی کم عمری کی وجہ سے بڑوں کے سامنے اپنیں چھپا نہیں سکتے۔ لیکن وہ اس نسبت سے زیادہ یا کم جھوٹ بولتے ہیں جس نسبت سے کہ ان کے درشتان پر زیادہ یا کم سختی کرتے ہیں۔

بچے کی غلطی میں اس کے گرد و نواح کا اثر عام طور سے نظر آتا ہے۔ چنانچہ وہ بچہ جو عادتاً جھوٹ بولتا ہے عام طور سے ایسے شخص کے زیر نگرانی ہوتا ہے جو تحکمانہ اور جبریہ طریقہ سے اسے اس عادت سے باز رکھنا چاہتا ہے۔

لہذا والدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ بچے کے ماحول کا اچھی طرح مطالعہ کریں اور اگر ماحول ٹھیک ہو تو کوئی غیر معمولی بات نہ ہو اور پھر بھی بچہ جھوٹ بولتا ہو تو کم سے کم اس خیال ہی سے اطمینان رہتا ہے کہ آئندہ اس میں سچائی کا مادہ پیدا ہو جائے گا اور یہ کہ کم سے کم سزا کا خوف تو اس کے دماغ پر اثر پذیر نہیں ہے۔

ساجد حسن قادری ام اے

# دھوکہ

(ترجمہ)

اس درخشاں زمانے میں بھی فریب کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ بلکہ یہ ایک فن بن گیا ہے۔ اس فن میں جتنا کوئی ماہر ہوگا۔ اتنا ہی وہ اپنے آپ کو کامیاب سمجھتا ہے۔ جس کا مقصد حصول خود غرضی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ سیدھے سادھے لوگوں کو دھوکہ دے کر اور خوف زدہ کر کے اپنا کام بنانا قابل تعریف کہا جاتا ہے۔ ایک حسین فریب میں دوسروں کو مبتلا کر دینے کا نام کسی حد تک آرٹ رکھ لیا گیا ہے۔ ایسے لوگوں کے نزدیک اگر جھوٹی اور فریب انگیز باتیں نہ رہیں تو زندگی کی دلچسپیاں شائد زائل ہو جائیں۔ یہ بھی انسانی کمزوریوں کی مستقل نمائش ہے۔ یہ لوگ اپنے افعال یا اپنے ضمیر کی کمزوریوں کو مصلحتِ وقت کا جامہ پہنا کر صحیح فکر کے راستے ہمیشہ ہٹاتے رہتے ہیں۔ کیونکہ انسان کسی قدر فریب میں مبتلا ہونے کا عادی ہے۔ غافل لوگ ایسی باتوں کو خوب غور سے سنتے ہیں۔ حیرت اور تعجب اور خوف کے جذبات کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ غلط خبریں اڑائی جاتی ہیں تاکہ عام لوگ خوفزدہ ہو کر تھرا اٹھیں۔ مگر اصل بات پر غور کرنے کا کوئی بھی عادی نہیں۔ انسان نے اپنی معاشرت سے تفریح اور تضیع اوقات کے لئے ہزاروں ڈھونگ رچا رکھے ہیں۔ کوئی بھی زندگی کی صاف اور سیدھی بات کہہ دینے کو تیار نہیں۔

ایس بی طاہرہ

# بیوی ٹٹو لے جیب!

**زاہدہ** ۔ ارشد ان دل شکن باتوں کو چھوڑ دو!

**ارشد** ۔ میں نے دل شکنی کی کیا بات کہی؟

**زاہدہ** ۔ تمھاری اس قسم کی باتوں سے جو محض سطحی اور سنی سنائی ہوتی ہیں۔ کوئی خوشگوار نتیجہ نہیں نکل سکتا۔

**ارشد** (مسکراتے ہوئے) بگڑتی کیوں ہو زاہدہ۔ تم نے بھی بڑی بوڑھیوں سے یہ کہاوت سنی ہو گی کہ ماں ٹٹو پے پیٹ اور بیوی ٹٹو لے جیب۔ اگر میں نے تمھارے مطالبہ پر یہ کہاوت کہدی تو تم کو ناگوار کیوں ہوئی۔ میں نے اپنے دل سے تو نہیں گھڑی۔ مرنے والے جو بات کہہ گئے باون تولے پاؤ رتی کی۔

**زاہدہ** ۔ ہاں آپ کے واسطے اس قسم کے مقولے اور کہاوتیں قرآن و حدیث سے بھی زیادہ ہیں لیکن میں تو اس وقت تک مان لینے کو تیار نہیں۔ جب تک کہ اس چیز کے ہر پہلو پر نظر نہ ڈال لوں۔

**ارشد** ۔ تو تمھاری رائے میں بزرگوں نے جو کچھ فرمایا غلط ہے؟

**زاہدہ** ۔ میں یہ تو نہیں کہتی کہ ان لوگوں نے جو کچھ کہا غلط ہے لیکن یقیناً کسی جذبہ کے تحت میں ان لوگوں نے اس قسم کی باتیں کہیں جو عوام میں رائج ہو کر مقولے بن گئے اور ہر شخص آن پر آمنا صدقنا کہنے اور بغیر سوچے سمجھے موقع بے موقع استعمال کرنے لگا۔

**ارشد** ۔ تو تمھارے خیال میں بیوی کی محبت اسی طرح بے لوث اور بے غرض ہو جیسی کہ ماں کی محبت؟

**زاہدہ** ۔ ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی۔ نہ سب مائیں برابر ہوتی ہیں اور نہ سب بیویاں، ہر شخص کی طبیعت جداگانہ ہے۔ تم بھی آئے دن اخباروں میں اس قسم کی خبریں پڑھتے رہتے ہو کہ ایک ماں نے اپنے بچہ کا گلا اس لئے گھونٹ دیا کہ وہ اپنی ماں کی نابکاریوں میں مخل ہوتا تھا۔ اکثر بیویوں نے اپنے شوہروں کو زہر دے کر نجات حاصل کرنے کی کوشش کی اور بے شمار بیبیاں ایسی بھی گزری ہیں جنہیں سہاگ لٹنے کے بعد ایک پل بھی زندہ رہنا گوارا نہ ہوا اور شوہر کے ساتھ ہی ستی ہو گئیں۔

**ارشد** ۔ اچھا تو آپ ماں کی مامتا اور بیوی کی محبت میں مساوات قائم کرنا چاہتی ہیں؟

**زاہدہ** ۔ نہیں میرا مطلب مساوات قائم کرنے کا نہیں ہے۔ بلکہ آج ہیرے اور شیشے کو ایک سا سمجھتے اور گھوڑے گدھے کو ایک لکڑی ہانک رہے ہیں یہ اُس کا جواب ہے۔ جب سب مائیں اولاد کے حق میں یکساں نہیں ہو سکتیں تو پھر سب بیویوں کی نسبت کیوں ایک ہی رائے قائم کر لی جاتی ہے؟

**ارشد** ۔ زاہدہ بُرا نہ ماننا! ماں اولاد کی پیدائش میں اس کی پرورش میں اس کی تربیت میں جو جو دکھ سہہ کر اور جو جو تکلیفیں اٹھا کر انسان بناتی ہے کیا اُس کے مقابلہ میں ایک غیر عورت کو جو بیوی کی حیثیت سے آتی ہے زیادہ تعلق ہو سکتا ہے؟

**زاہدہ** ۔ میں ہی نہیں ساری دنیا مانتی ہے کہ ماں کی مامتا کا جواب ساری خدائی بھی نہیں دے سکتی لیکن اسی مامتا اور اُسی اولاد کی خاطر جس پر تم بحث کر رہے ہو بیوی کو اپنے شوہر کے ساتھ ایک زبردست تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ بلکہ یوں کہیئے کہ قدرت اس کو مجبور کرتی ہے کہ وہ محبت کرے۔ جس شخص کی سلامتی میں اس کی اولاد کی آسائشیں اور بے شمار ترقیاں مضمر ہوں وہ خواہ کیسا ہی بُرا کیوں نہ ہو۔ عورت کی نگاہ میں ایک دیوتا ہے۔ ایک مقدس دیوتا جس کے چرنوں پر وہ اپنا سب کچھ، ہر وہ چیز جو اس کی کہی جاتی ہے قربان کر دیتی ہے۔

**ارشد** ۔ (مسکراتے ہوئے) اچھا بی بچوں کی اماں معاف کرو۔

آمنہ نازلی

# مڈغاسکر کا سفر

سلسلہ کے لئے ستمبر ۱۹۳۹ء کا عصمت ملاحظہ فرمایئے

موسم بیق :۔ یعنی موسم بن بیق کا بسایا ہوا شہر جب پرتگیزی سیاح واسکوڈے گا مانے اس کو دریافت کیا تو اس وقت موسم بن بیق ایک عرب سردار اس کا حکمراں تھا اور یہ عربوں کی سلطنت میں زنجبار سے دوسرے درجہ پر حکومت اور تجارت کا مرکز گنا جاتا تھا۔ موسم بیق میل یا زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ میل کا جزیرہ ہے۔ جو کہ براعظم افریقہ کی خشکی سے چھ میل کے فاصلہ پر سمندر میں واقع ہے نہایت ہی سرسبز اور شاداب۔ پرتگال کے ماتحت۔ پرتگیزی مشرقی افریقہ کا گورنر پہلے یہاں رہا کرتا تھا لیکن اب یہاں سے دوسو میل کے فاصلہ پر لیمبو نامی شہر بسانا شروع کیا ہے۔ اور گورنر بھی یہاں رہتا ہے۔ یہ شہر وسط میں واقع ہے۔

اس جگہ سوائے چند لائیسنس یافتہ کتوں کے چوپائے رکھنے کی اجازت نہیں۔ گائے بھینس۔ گھوڑا۔ بکری۔ غرضیکہ کسی قسم کا کوئی جانور یہاں رکھنا قانوناً ممنوع ہے۔

بارش بہت کافی ہوتی ہے۔ اس پانی کو بڑی بڑی ٹنکیوں میں جمع کر لیا جاتا ہے اور یہی پانی سال بھر تک استعمال کیا جاتا ہے۔ ہر گھر میں پانی جمع رکھنے کا انتظام ہے۔ اگر یہ پانی برسات ہونے کے قبل ہی ختم ہو جائے تو کشتیوں کے طریقہ دور سے پانی لایا جاتا ہے جو بہت گراں بکتا ہے۔

تازہ دودھ عنقا ہے صرف ڈبوں کا دودھ استعمال کیا جاتا ہے۔ گوشت میں مرغی اور مچھلی ملتی ہے یہ جزیرہ پرتگیزوں کے کالا پانی کا کام بھی دیتا ہے۔ ایسے قیدیوں کے علاوہ بہت سے خاندانی پرتگیز بھی آباد ہو گئے ہیں۔ تجارت ہندوستانیوں پرتگیزوں دونوں کے ہاتھ میں ہے۔

سوائے ایک گورنر کے موٹر کے جو گاہے گاہے گرمی کے زمانہ میں یہاں آجاتا ہے اور کسی کے پاس موٹر نہیں اگر سچ پوچھو تو اس کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ صرف میل ڈیڑھ میل کا تو جزیرہ ہی ہے۔ یہاں کے اصلی باشندے عموماً سیاہ فام حبشی مسلمان ہیں جو بہت گندے اور غلیظ رہتے ہیں۔ گھروں۔ ہوٹلوں اور دوکانوں وغیرہ میں نوکری کرتے ہیں۔

ضروریات زندگی کی ہر چیز یہاں مل جاتی ہے گو اپنے ہاں کے مقابلہ میں بہت گراں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر ممالک کی اشیاء پر بہت زیادہ ٹکس ہے۔ پرتگال اور اس کے ماتحت علاقوں کی اشیاء پر محصول کم ہے لیکن وہ پہلے ہی بہت گراں بکتی جاتی ہے۔

دوسری سفید اقوام کے مقابلہ میں پرتگیزی لوگ قد کے چھوٹے بُرے اور شراب نوشی کی کثرت کی وجہ سے کام چور معلوم دیتے ہیں۔ یہاں کے اصلی باشندوں سے مل کر اب یہ اصلی معنوں میں سفید بھی نہیں رہے۔ زرد زرد اترے اترے چہرے

دبلے پتلے۔ چونکہ تھوڑا بہت مغربی خون موجود ہے اس لئے وہ تیس مار خاں والی اکڑ ابھی تک موجود ہے۔ عورتوں کا لباس بھی وہی مغربی قسم کا یعنی نیم برہنہ رہتی ہیں۔

بار برداری کا طریقہ سوائے ایک چھوٹی سی ہاتھ گاڑی کے جس کو کہ یہاں کے حبشی لئے پھرتے ہیں۔ اور کوئی نہیں۔ یہاں پر ہمارا قیام نو دن پر رہا۔ کیونکہ فرانسیسی ہوائی جہاز بہت چھوٹے ہیں ان میں صرف پانچ سے نو مسافروں کی جگہ ہوتی ہے۔ ہمارے ڈھائی ٹکٹ تھے اور بدھ کے دن جو ہوائی جہاز آیا اس میں جگہ تھی صرف ایک مسافر کی اس لئے ہم کو مجبوراً ایک ہفتہ اور یہاں رُکنا پڑا۔

ہفتہ اور اتوار کے دن یہاں کی اسٹیم لانچ اور پھر خشکی سے ریل کا کرایہ نصف رہتا ہے۔ پرتگیزوں کی عقلمندی اور ذہنیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہو سکتا ہے۔ کہ:۔

ملکونڈا ریلوے سٹیشن آبصب سے اندازاً ساٹھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ سیکنڈ کلاس کا کرایہ آنے اور جانے کا ۴۳۳ سکو لگتا ہے۔ اگر صرف ایک ہی طرف کا ٹکٹ لینا ہو تو کرایہ پانچ سو سکو لگتا ہے۔ اس لئے عام طور پر اگر کسی کو خواہ ایک ہی طرف سفر کرنا ہو تو وہ بھی ٹکٹ واپسی ہی کا لے گا۔

ریلوے کے انجن بجائے پتھر کے کوئلہ کے لکڑی سے گرم کئے جاتے ہیں۔ اس وجہ سے گاڑیاں بہت سست رفتار ہیں۔ ایک بات اس ریلوے میں قابلِ تعریف بھی ہے۔ وہ یہ کہ ہندوستانیوں کو تیسرے درجہ میں سفر کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ یہ صرف حبشیوں کے لئے ہی مخصوص ہے۔ یہ بات اچھی میں اس لئے کہتی ہوں کہ ہمارے بعض ہندوستانی اس قدر کنجوس ہوتے ہیں کہ وہ کرایہ بچانے کی خاطر حبشیوں کے ساتھ ہی سفر کرنے لگ جائیں۔ اس طرح ہندوستان کی عزت کو ٹھیس لگے۔ اس وقت اس علاقہ میں ہندوستانیوں کا درجہ اور عزت کسی یورپین قوم سے کم نہیں۔

برٹش جنوبی افریقہ میں تو بیچارے ہندوستانیوں پر جو مظالم ہو رہے ہیں ان کی داستانیں آپ کبھی کبھی اخباروں میں پڑھتی رہتی ہیں۔ وہاں ہندوستانیوں کو نہایت ذلیل تصور کیا جاتا ہے۔ اور عام طور پر انگریز ان کو قلی کے نام سے پکارتے ہیں۔ اور ان کو طرح طرح کی تکالیف پہنچائی جاتی ہیں۔ کیونکہ وہاں کے انگریز چاہتے ہیں کہ ہندوستانی وہاں سے نکل جاویں اور یہ بلا شرکت غیرے وہاں کی تجارت اور کاروبار کے مالک بن بیٹھیں۔ چونکہ ہندوستانیوں کی طرزِ رہائش اور خوراک نہایت سادہ ہے اس لئے دوسری اقوام کے مقابلہ میں یہ بہت تھوڑے منافع پر اپنا کاروبار کر لیتے ہیں اسی وجہ سے دوسرے ان کو قہر آلود نظر سے دیکھتے ہیں۔ یہی ایک بڑی وجہ برٹش جنوبی افریقہ میں غیر شریفانہ سلوک کی ہے

یہ بات یہاں پرتگیزی مشرقی افریقہ میں نہیں یہاں ہندوستانی اور پرتگیز دونوں شیر و شکر ہیں اور یہ دونوں قومیں ایک دوسرے کی عزت اور قدر کرتی ہیں۔

اس جگہ پر نوٹوں کا رواج بہت ہے۔ چاندی اور سونے کا سکہ تو بالکل ہی محدود ہے۔ کاغذی سکے یعنی نوٹ اس قدر

ہیں کہ جیسے اپنے ہاں پیسے۔ ایک سکو دجس کی قیمت اندازاً اپنے ہاں دو آنہ کے برابر ہوتی ہے اس کا بھی نوٹ ہے یعنی دو آنہ کا نوٹ اس سے بڑے تو ہزاروں تک ہیں۔ چھوٹے سے چھوٹا نوٹ دو آنے کی قیمت کا ہوتا ہے۔ نوٹ نہایت ہی گندے اور غلیظ ہیں۔ ایسے خراب نوٹوں کو اپنے ہاں کوئی دوکاندار قبول نہ کرے گا۔ ہم نے ایک ہندوستانی تاجر کو ایک سو روپیہ کا نوٹ بھنوانے کے لئے دیا اس نے ایک بڑا پلندہ نوٹوں کا لاکر ہم کو دیا اس میں دو قسم کے نوٹ تھے ایک بنڈل میں ۳۰، ۱۹ اور دوسرے میں ۱۰۸۶ بڑے بڑے گندے اور غلیظ نوٹ تھے۔ ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس دوکاندار نے بتلایا کہ اول الذکر تو ایک ایک سکو دکے اور آخر الذکر پانچ پانچ سکو د کے ان سب ۱۱۱۶ نوٹوں کی مجموعی قیمت ہمارے ایک نوٹ کے برابر تھی۔ سکو د کا دسواں حصہ کرجا کہلاتا ہے اس ملک کا لین دین کرجا میں ہوتا ہے۔ حساب کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستانی روپیہ کے ۸۶ کرجا بنتے ہیں۔

اگر ہوٹل میں ٹھیرنا ہو تو وہ کہے گا کہ ہر روز ایک ہزار کرجا لے گا۔ جس روز ہم یہاں پہنچے تو ہوٹل والے نے جب فی کس ہزار کرجا فی دن بتلایا تو ہم بڑے گھبرائے کہ یہاں کے ہوٹل اس قدر گراں کیوں ہیں۔ لیکن جب ہمارے ہندوستانی رہبر نے بتلایا کہ ایک ہزار کرجا صرف بارہ روپیہ کے قریب ہوتا ہے تو تسلی ہوئی۔

موسم بیق یعنی موجودہ شہر ۱۵۰۸ء میں پرتگیزوں نے بسایا تھا اور یہ پرتگیزی مشرقی افریقہ کا ۱۸۹۸ء تک دار الخلافہ رہا۔

موسم بیق کے مغرب کی طرف خشکی کی بندرگاہ کا نام لومب ہے۔ یہیں پر ہم اترے تھے اور یہی جگہ ہوائی جہازوں کا اسٹیشن ہے۔ چونکہ موسم بیق بہت چھوٹا جزیرہ ہے اس لئے ہوائی اسٹیشن دور خشکی پر لومب کی بندرگاہ پر بنانا پڑا۔ اس علاقہ کی ریلوے لائن بھی لومب ہی سے شروع ہوتی ہے جو کہ آگے جا کر برٹش نیاسا لینڈ کی ریلوے سے مل جاتی ہے۔

ہوائی جہاز ملنے میں ہمیں خاصی دقت ہوئی۔ یہ فرانس والوں کے ہوائی جہاز ہیں جو کہ فرانس کے دار الحکومت پیرس سے روانہ ہو کر افریقہ کے بیچوں بیچ۔ گزر کر موسم بیق سے ہو کر مڈغاسکر تک جاتے ہیں۔ چونکہ یہ جہاز بہت چھوٹے ہیں۔ اس لئے ان میں جگہ بڑی مشکل سے ملتی ہے باوجودیکہ ہم نے اس ہوائی جہاز کمپنی کے دفتر کو ممباسہ سے ہی تار بھیج دیا تھا اور ڈھائی ٹکٹوں کا کرایہ بھی امپیریل ایرویز کی معرفت ادا کر دیا تھا پھر بھی پہلے بدھ کو ہم کو جگہ نہ ملی۔ اس کو ان لوگوں کی بدانتظامی کہئے یا ہماری شومئے قسمت بہرحال ہم کو ایک ہفتہ اس جگہ اور رکنا پڑا۔ دوسرے بدھ کے ہوائی جہاز میں جگہ رکھنے کے لئے پھر تار دئے گئے ان کا جواب بھی اطمینان بخش نہ تھا۔ کیونکہ اگر ہوائی جہاز پیرس ہی سے بھرا ہوا آیا تو اس دفعہ بھی جگہ ملنی مشکل ہے۔ ہماری خوش قسمتی سے ایک ایرپلین ڈاک کے تھیلے اور لمبے مسافروں کو پیر کے دن لے گیا۔ اس لئے اگلے بدھ کو اس جہاز میں صرف ہی سواری تھی اور ہم کو جگہ مل گئی۔ اس جہاز میں صرف پانچ مسافروں کی جگہ ہے۔ اگر ڈاک زیادہ ہو تو پھر مسافروں کو وزن کے حساب سے کم کر دیا جاتا ہے۔ اس جہاز میں ایک چلانے والا یعنی پائیلٹ۔ ایک انجنیر۔ اور ایک بے تار برقی کی خبریں لینے والا اور ایک کمانڈر کل چار افراد تھے۔

لومب بندرگاہ سے ہمارا ہوائی جہاز ساڑھے دس بجے کے قریب اڑا اب اس کو تقریباً ڈیڑھ سو میل چوڑی گلف اوف

مڈغاسکر کو عبور کرنا تھا۔ اس لئے اس سفر میں سوائے پانی کے اور کوئی دوسری سینری قابل ذکر نہیں۔ ہاں البتہ ہمارے نیچے سمندر کے پانی کے علاوہ سفید سفید بادل بھی تھے جو بہت ہی خوشنما اور بھلے معلوم ہوتے تھے۔ ایسے جیسے کہ دھنی ہوئی روئی کے تودے کئی جگہ ہوائی جہاز کو بادلوں کی وجہ سے بہت اونچا اڑنا پڑا۔ میرا اندازہ ہے کہ اس جہاز نے آٹھ دس ہزار فٹ کی بلندی پر پرواز کی ہوگی۔

اس جہاز کا سفر بہت اچھا رہا۔ بس ایک ہوائی موٹر تھی جو اڑی جا رہی تھی۔ نہ جی متلایا۔ نہ سر بھاری معلوم ہوا۔ یہ مضمون بھی ہوائی جہاز ہی میں قلمبند کر لیا تھا۔ انجنوں اور پنکھوں کی گڑگڑاہٹ یا آواز قدرے کم تھی۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ اس کے انجنوں کی آواز باہر کو پھیل جاتی ہے۔ اور سی پلین چونکہ واٹر ٹائیٹ ہوتا ہے اس لئے اس کی آواز اندر ہی رہتی ہے۔ یا شاید یہ بھی وجہ ہو کہ یہ جہاز مقابلتاً چھوٹا ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی آواز بھی کم ہے۔

نصف راستے تو ہم نے سمندر کو طے کیا۔ پھر جہاز خشکی کی پہلی بندرگاہ ۔ مورانڈوا پر اترا۔ یہاں سے ڈاک وغیرہ لے کر باقی کا نصف پہاڑوں پر سے گزرا۔ یہ پہاڑ بہت سرسبز ہیں۔ جابجا ٹھنڈے پانی کے چشمے نکلتے ہیں چشموں کے منہ پر باغ ہوتا ہے۔ ناریل اور کیلے کے درخت عام ہیں۔ یہ جہاز شام کو ساڑھے چار بجے کے قریب مڈغاسکر کے دار الحکومت تنیریوی Tananarive میں اترا۔ ہوائی جہازوں کے اس سلسلہ کا یہ آخری مقام ہے۔ یہاں سے مڈغاسکر کے شرقاً غرباً بھی ہوائی جہاز ڈاک وغیرہ کے لئے آتے جاتے ہیں۔ اس لئے یہ ہوائی جہازوں کی بڑی بندرگاہ ہے۔ اس وقت یہاں کوئی دو درجن کے قریب ہوائی جہاز پڑے تھے ایک بالکل ہی نیا جہاز نئی طرز کا بنا ہوا حال ہی میں فرانس سے آیا تھا۔ یہ یہاں کے گورنر کا خاص جہاز ہے۔ چھوٹا لیکن نہایت ہی خوبصورت اور آرام دہ۔

ہمارے یہاں آنے کی خبر بذریعہ بے تار برقی پہلے ہی سے مل چکی تھی اور مسٹر عبد اللہ کریم جی نے بذریعہ ٹیلی فون یہاں اپنے ہندوستانی دوستوں اور رشتہ داروں کو اطلاع کر دی تھی۔ مسٹر اکبر علی۔ مسٹر ہاشم علی اسمٰعیل اور ان کی اہلیہ محترمہ اپنی اپنی موٹریں لئے ہمارے انتظار میں تھے۔ جیسے ہی ہوائی جہاز ٹھیرا۔ یہ لوگ اور بہت سے فرانسیسی ہوائی افسر ہماری خیریت اور مزاج پرسی کو آگے بڑھے۔ ہوائی جہاز والوں کے ایک افسر نے ہمارے فوٹو کھینچے وہ کہتے تھے کہ یہ پہلا ہندوستانی خاندان ہے جس نے بچہ اور بیوی کے ہمراہ ہمارے ہوائی جہازوں پر سفر کیا ہے۔ یہ فوٹو فرانس کے اخباروں میں چھپیں گے کیونکہ یہ ہوائی کمپنی وہاں کی ہے۔ اور چونکہ مڈغاسکر فرانس والوں کے ماتحت ہے۔ اس لئے یہ کمپنی نیم گورنمنٹ کہی جاتی ہے۔

شہر سے پیچھے نو میل کے فاصلہ پر میدان میں ہوائی جہازوں کا اسٹیشن ہے اور شہر پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے۔ اس جزیرہ کا سب سے خوبصورت اور بڑا شہر یہی ہے۔ گورنر بھی یہیں رہتا ہے۔ لوگ خوش حال ہیں یہاں کے اصلی باشندے بھی ترقی کر رہے ہیں۔ پرتگالی مشرقی افریقہ کے بالکل برعکس یہاں پر ان لوگوں کے لئے اسکول۔ ہسپتال وغیرہ ہیں۔ ان لوگوں کا عام مذہب عیسوی ہے۔

فرانسیسی نہایت ہی خوش خلق ہوتے ہیں۔ رات کو ہم یہاں کے سب سے بڑے ہوٹل میں ٹھیرے۔ اپنے ہندوستانی دوستوں کی معرفت یہاں کے ہوٹل والوں کو کہہ دیا تھا کہ ملازم صبح چار بجے ہم کو بیدار کر دے اور چائے وغیرہ لاوے کیونکہ ہم کو سوا چار بجے کے قریب منزل مقصود پر بذریعہ موٹر روانہ ہونا تھا۔ پورے چار بجے ہم کو بیدار کر دیا گیا۔ باتھ روم میں گرم پانی تیار تھا۔ اور پورے سوا چار پر موٹر حاضر ہو گئی۔ کیا مجال کہ ایک منٹ کی بھی دیر سویر ہوئی ہو۔ ہم بھی جلدی جلدی ضروریات سے فارغ ہو کر وقت مقررہ پر تیار ہو گئے۔ اب ہمارا موٹر کا سفر شروع ہوا۔ یہاں سے ہماری منزل مقصود اندازاً ۵۰۰ کلومیٹر یعنی تقریباً چار سو میل شمال کی طرف تھی۔ یہ سفر ہم نے رات کے گیارہ بجے تک پورا کر لیا۔ اگر سڑک سیدھی ہوتی تو اس سے جلد طے ہو جاتا لیکن چونکہ یہ علاقہ پہاڑی ہے اتار چڑھاؤ بہت ہیں اور سڑک بھی پہاڑوں پر گھوم پھر کر جاتی ہے اس لئے اتنی دیر لگی۔ علاقہ جو عبور کیا بہت سرسبز اور شاداب تھا۔ جا بجا میٹھے پانی کے چشمے تھے۔ علاقہ سب پہاڑی ہے۔ ایسا ہی جیسا کہ اپنے ہاں ڈلہوزی وغیرہ جاتے وقت پہاڑی سفر ہوتا ہے۔ وہاں پر ایک طرف کو چڑھائی اور دوسری طرف کو اترائی ہوتی ہے لیکن یہاں پر ایک ہی طرف کے سفر میں اترائی چڑھائی دونوں تھیں۔ کیونکہ چھوٹے چھوٹے پہاڑ ایک دوسرے سے ملحق تھے۔

ایک بات جو میں نے یہاں پر قابل ذکر دیکھی وہ یہ ہے کہ اپنے ہاں جو سڑکوں اور راستوں پر بورڈ لگے رہتے ہیں کہ "بائیں ہاتھ چلو" یہاں پر اس کے برعکس ہے۔ یعنی "دائیں ہاتھ چلو" اس لئے موٹریں چلانے والے ڈرائیور کی سیٹ بھی بجائے موٹر کے دائیں طرف ہونے کے بائیں طرف کو ہے۔ فرانس میں بھی یہی دستور ہے۔ کئی دن تک یہ بات نئی معلوم ہوتی رہی لیکن اب اس کی عادت ہو گئی ہے اور زیادہ محسوس نہیں ہوتا۔

امۃ الحفیظ (عنبو عنایو مدغاسکر)

# عادت کی طاقت

کسی کام کے بار بار کرنے کو عادت کہتے ہیں اور یہ عادتیں آئندہ چل کر فطرت ثانیہ بن جاتی ہیں۔ جو انسان پر اس قدر زبردست اثر ڈالتی ہیں کہ اگر چاہیں تو اوج ثریا پر پہنچا دیں اور چاہیں تو تحت الثریٰ میں دھکیل دیں۔

عادتیں قدرتی طور سے ودیعت نہیں کی جاتیں۔ بلکہ انسان ان کو خود بناتا ہے۔ جو کہ پسندیدہ بھی ہوتی ہیں اور ناپسندیدہ بھی مفید بھی اور غیر مفید بھی اور بچپن ہی ہماری عمر کا ایک ایسا زمانہ ہوتا ہے جبکہ عادتیں نشوونما پاتی ہیں۔ اس لئے اس زمانہ کی نہایت حفاظت کرنی چاہیئے۔ تاکہ بچپن میں ہم جو کچھ عادتیں اختیار کریں وہ آئندہ چل کر ہماری مددگار رہوں۔

کسی کام کا بار بار کرنا عادت میں شمار کیا جاتا ہے۔ مثلاً چائے کے عادی کو اگر وقت مقررہ پر چائے نہ ملے تو کبھی تو اس کے سر میں درد ہو جاتا ہے کبھی غصہ آتا ہے۔ اور کبھی جھنجلاہٹ و تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ اس طرح سونا اور جاگنا بھی عادت ہے کوئی صبح پانچ بجے اُٹھتا ہے ضرورت سے فارغ ہو کر ۶ یا ۷ بجے تک سیر کر کے گھر واپس آ جاتا ہے۔ برخلاف اس کے دوسرا شخص ۷ بجے سو کر اُٹھتا ہے اور وہ تعجب کرتا ہے کہ لوگ کس طرح اتنے سویرے اٹھتے ہیں اور چہل قدمی بھی کر آتے ہیں۔ بعضوں کو رات کو دیر سے سونے کی عادت ہوتی ہے۔ گھڑی جب تک گیارہ نہ بجائے نیند ہی نہیں آتی ہے۔ اگر کبھی ۹ بجے بستر پر لیٹ بھی گئے تو وہ گھنٹے تک کروٹیں بدلتے گزار دیں گے۔ لیکن سو نہ سکیں گے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ان اشخاص کو نپولین کی سی عادت نہیں ہے کہ جب چاہا اٹھ بیٹھے اور جس وقت چاہا سو گئے۔ دوسرے یہ عمر بھر کی عادت ہوتی ہے جو اس قدر راسخ ہو جاتی ہے کہ تبدیل نہیں ہو سکتی۔

اس طرح ایک شخص جو مدت سے ایک چھڑی لے کر چلنے کا عادی ہے اگر اس کی یہ چھڑی دوسری خوشنما اور قیمتی چھڑی سے بدل جائے تو وہ اس نئی چھڑی سے بمشکل چند گز کا فاصلہ طے کر سکے گا۔ اس کو ایک جدائی سی محسوس ہوگی اور وہ اپنے آپ میں ایک اجنبیت پائے گا۔ اور وہ اس قدر تیز بھی نہ چل سکے گا جتنا کہ اس کو عادت تھی۔ لیکن سب سے زیادہ وقت بیت کے سنبھالنے میں ہوگی۔ کبھی وہ سیدھے ہاتھ میں لے گا اور کبھی الٹے۔ غرضیکہ یہ ذراسی تبدیلی چہل قدمی کے تمام مزے کو کرکرا کر دے گی۔ پھر آخر کار عادت کی طاقت کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑے گا اور معلوم ہو جائے گا کہ وہ لکڑی کا غلام ہے جس کی ذراسی تبدیلی چند قدم چلنے سے بھی معذور رکھتی ہے۔

سر والٹر سکاٹ انگلستان کا ایک مشہور شاعر بیان کرتا ہے کہ اس کی جماعت میں ایک نہایت ہی ذہین لڑکا تھا جو ہمیشہ اول رہتا تھا۔ اور یہ باوجود سخت محنت و کوشش کے اس کو شکست نہ دے سکتا تھا۔ وقت گزرتا گیا اور وہ لڑکا اپنی جگہ پر ثابت قدم رہا۔ آخر کار نہایت غور سے توجہ کرنے کے بعد والٹر سکاٹ کو معلوم ہوا کہ جب اس سے کوئی سوال کیا جاتا ہے تو وہ ویسٹ کوٹ

کے بٹن کو عجیب طرح سے پکڑ لیتا ہے اور پھر بٹنوں کو چھوڑ کر نہایت ہی موزوں جواب دیتا ہے۔ اس نے لڑکے کی اس عادت کو پہچان لیا اور موقعہ دیکھ کر بٹن کو علیحدہ کر دیا۔ دوسرے دن جب وہ جواب دینے کو کھڑا ہوا تو فوراً اس کے ہاتھ بٹن پر پہنچے لیکن جگہ خالی تھی۔ اور وہ حیران و پریشان مثل بت کے ساکت کھڑا تھا۔ اس دن سے اس غریب بچارے لڑکے کو تنزل ہوتا گیا اور پھر وہ جگہ کبھی حاصل نہ کر سکا۔ والٹر سکاٹ اپنی کامیابی پر نہایت شاداں تھا۔ بعد میں اس نے (والٹر سکاٹ) چاہا کہ اس کے نقصان کی تلافی کر دے لیکن اس نے اپنے ارادوں کو کبھی عملی جامہ نہیں پہنایا۔ اور ذہین طالب علم جس سے عالی شان توقعات وابستہ تھیں۔ ایڈنبرگ کے کورٹ میں کم حیثیت جگہ پر ملازم ہوا۔ اپنے اس حال پر اس کو نہایت رنج تھا اس لئے اس نے کثرت سے شراب نوشی شروع کر دی تھی اور وہ جلد ہی مر گیا۔ لیکن اس کو یہ کبھی محسوس نہیں ہوا کہ کس نے اس کے ساتھ شرارت کی تھی۔ اور وہ کیوں کند ذہن ہو گیا۔

اس طرح ایک شخص نے نہایت عمدہ قلم سے مضمون لکھنا شروع کیا۔ لیکن چند سطریں لکھنے کے بعد وہ آگے نہ لکھ سکا۔ اس کا سبب یہ معلوم ہوا کہ وہ پنسل سے لکھنے کا عادی ہے۔ الفرڈ ڈی۔ مسیٹ کا نہایت ہی پختہ خیال تھا۔ کہ آدھی رات کو تیل کی روشنی میں مضمون نگار کو عمدہ اور کافی ذخیرہ خیالات ملتے ہیں اس لئے وہ اگر کبھی دن کو لکھتا تو تمام دروازے اور کھڑکیاں بند کر کے موٹے اور سیاہ پردے ڈال لیتا اور پھر موم بتی روشن کر لیتا اور مضمون لکھنا شروع کرتا۔ وکٹر ہیوگو کو جو کچھ لکھنا ہوتا وہ کھڑے ہو کر لکھتا۔

کسی چیز سے زیادہ انسیت بھی عادت میں داخل ہے۔ یہ عادت اکثر خود اعتمادی کھو دیتی ہے۔ لیکن جو شخص اس عادت کا حامل ہوتا ہے اسے اپنی یہ کمزوری معلوم نہیں ہوتی۔ ایک پادری کا قصہ ہے کہ جب تک اس کے ہاتھ میں اس کا پسندیدہ فٹ رول نہ ہو وہ زبانی مذہبی تعلیم ہرگز نہیں دے سکتا تھا۔ ایک وکیل کی یہ عادت تھی کہ جب وہ کچہری میں پیش ہوتا تھا تو اس کے ہاتھ میں تاگا ہوتا تھا۔ جس کو وہ کھولا اور لپیٹا کرتا تھا۔ ایک دن مدعی اسے لے بھاگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ایڈریس کرتے کرتے رک گیا اور مقدمہ ہار گیا۔ مسٹر بالفور جو نہایت ہی عمدہ اور تجربہ کار مقرر تھے۔ ایک دفعہ ان کو "ٹرنٹی ہاؤس" کی یونیفارم زیب تن کر کے ڈنر پر جام تجویز کرنا تھا ان کی عادت تھی کہ بولتے وقت کوٹ کے کالر کے ایک حصہ کو پکڑ لیا کرتے تھے لیکن حسن اتفاق سے اس یونیفارم میں وہ کالر نہ تھے اور انہیں اس کا کچھ خیال بھی نہ تھا۔ جب وہ تقریر کرنے کھڑے ہوئے تو عادت کے موافق ان کے ہاتھ کالر پر گئے۔ غرضکہ لاوارث بچوں کی طرح وہ ہاتھ ادھر ادھر بھٹکنے لگے۔ کبھی ہاتھوں کو پیچھے لیجاتے کبھی کوٹ پر۔ کبھی کوٹ کے بٹنوں کو غصہ سے ملا دیتے اور کبھی ان کے ہاتھ میز کے گلاسوں سے دست و گریباں نظر آتے۔ مجمع ان کی اس حالت کو نہایت دلچسپی سے دیکھ رہا تھا اور وہ اس گھبراہٹ اور پریشانی میں کچھ بول بھی نہ سکے۔ آخر کار ان کو شرمندہ مجبور ہو کر بیٹھنا پڑا۔ اور صرف اس ذرا سی عادت کی وجہ سے حقیر ہوئے۔ بہت سے اسکول ماسٹروں کے چند پسندیدہ جملے ہوتے ہیں جن کو وہ ہر دو چار جملوں کے بعد دہراتے ہیں۔ مثلاً "تم نے دیکھا" "تم سمجھے" "اس طرح" "اس سے آگے" وغیرہ وغیرہ اگر ان سے کہا جائے کہ یہ جملے مت دہرایئے تو یقین ہے کہ وہ ایک جملہ بھی آگے نہ کہہ سکیں گے اور نہ کچھ سمجھا ہی سکیں گے۔ اس لئے کہتے ہیں کہ عادت ایک زبردست طاقت ہے اور انسان کی کامیابی اور تنزل کا انحصار بھی عادات ہی پر ہے [illegible]

طیبہ صفدر احمد خان

# نفسِ امّارہ

طالبِ حق کو ہمیشہ چاہیئے — نفسِ امّارہ کی چالوں سے بچے
اس کو سمجھے ایک مارِ آستیں — جس کے کاٹے کا کوئی منتر نہیں
دشمنِ اہلِ طریقت ہے تو یہ — رہزنِ راہِ حقیقت ہے تو یہ
منحرف کرتا ہے یہ ایمان سے — بھائی چارہ اس کا ہے شیطان سے
حُبِّ دنیا میں پھنسا دیتا ہے یہ — یادِ عقبےٰ کی بھلا دیتا ہے یہ
آرزوؤں کے پھنسا کر جال میں — کیا بڑھا دیتا ہے دل کی کاوشیں
اس کی باتوں پر نہ جانا چاہیئے — مکر میں اس کے نہ آنا چاہیئے
پیروی اس کی جو کرتا ہے مدام — مانتا ہے حُکم اسی کا صبح وشام
وہ بھٹک جاتا ہے سیدھی راہ سے — کچھ غرض رہتی نہیں اللہ سے

رہ کے زیرِ چرخ زیبا ہے یہی — زیر کرنا اس کا سیکھے آدمی
اس کے سر پر عقل کو رکھے سوار — چھوڑ دے یوں ہی نہ اُس کو بے مہار
زُہد و تقویٰ سے اُسے جھنجھوڑ دے — بھوک سے سب زور اس کا توڑ دے
بھُول کر اس کے نہ کہنے پر چلے — جو کہے اُس کے مخالف ہی کرے
اس طرح قابو میں جب آجائے گا — مدعائے زندگی پا جائے گا
منزلِ حق صاف آئے گی نظر — بے خطر کٹ جائے گا سارا سفر
دل لگائے گا نہ پھر اپنا یہاں — چھوڑ کر عقبےٰ کا عیشِ جاوداں

اے ازلؔ بھولے نہ یہ دل کو سبق
نفس کی پہچان ہے عرفانِ حق

ابوالاعجاز ازلؔ (لاہور)

# ملامت

دونوں معمولی سے مکان پہلو بہ پہلو مدت سے وہیں کھڑے تھے۔ آندھی اور طوفان سے کئی عالی شان مکانوں کی چھتیں اُڑ گئی تھیں. کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ گئے تھے، لیکن اِن دونوں مکانوں کو کوئی نقصان نہ پہنچا تھا۔ اور نہ ان کے مکینوں کو۔

دونوں خاندانوں کے آدمی ایک ہی کھیت میں کام آنے اور اکٹھے کھانا کھاتے تھے۔ ایک دوسرے کے مکان کو اپنا ہی سمجھتے تھے یہاں تک کہ بعض اوقات عورتیں بچوں کے ناموں میں کوئی امتیاز نہ کرسکتیں! لڑائی تو ایک طرف، ان میں کسی بات پر معمولی سا جھگڑا بھی کبھی نہ ہوا تھا۔

وہ بہت غریب تھے۔ اور اپنا پیٹ پالنے کے لئے انہیں سخت محنت کرنی پڑتی تھی۔ ان کی بسراوقات روٹی، آلو اور تازہ ہوا پر تھی۔ لیکن وہ ہمیشہ اپنی قسمت پر قانع رہتے تھے۔ انہیں یقین تھا۔ کہ ان کی زندگی میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوگی۔ لیکن اگست کی ایک خوشگوار صبح کو ایک گاڑی سڑک پر سے گزری۔ میڈم ٹودے کے بچے سڑک کے نزدیک کھیل رہے تھے۔ گاڑی میں ایک مرد اور عورت بیٹھے تھے۔ یک لخت عورت بولی:-

دیکھنا! ذرا دیکھنا!! کس قدر خوب صورت بچے ہیں! کاش ایک بچہ ہمارا بھی ہوتا!!"

مرد کے چہرہ پر پریشانی کے نشان ہویدا ہوئے۔ اس سے پہلے بھی وہ کئی بار ایسے نظاروں کا سامنا کر چکا تھا اُسے یقین تھا کہ ابھی کئی اور دفعہ اُسے اپنی بیوی کے ایسے الفاظ سننے پڑیں گے۔

ایک لمحہ میں گاڑی آگے چلی گئی۔ اور یہ معمولی سا واقعہ بھول گئے۔ البتہ میڈم ٹودے کبھی کبھی فخریہ لہجہ میں کہتی "امیروں کے پاس بہت سی چیزیں ہیں۔ لیکن ہم غریبوں کے پاس ایک ایسی چیز بھی ہے جس کے لئے وہ اپنی ساری دولت دینے کو تیار ہیں"۔

ایک ہفتہ بعد وہی خاتون پھر آئی۔ اس دفعہ وہ میڈم ٹودے کے بچوں کے لئے مٹھائی لائی۔ اور ان سے باتیں کرتی رہی۔ دوسری مرتبہ جب آئی۔ تو موسیو اور میڈم ٹودے سے دیر تک گفتگو جاری رہی۔ جاتے وقت بچوں کو پھر مٹھائی دے گئی۔

لیکن ایک دفعہ اس خاتون نے عجیب بات کی۔ گاڑی سے اُتر کر وہ سیدھی باورچی خانہ پہنچی۔ اس کا خاوند اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ وہاں کسان عورت لکڑیاں چیر رہی تھی۔ اور موسیو ٹودے اپنے ہتھیار صاف کر رہا تھا۔ لڑکی دوپہر کے کھانے کے لئے آلو چھیل رہی تھی۔ وہ اُسے دیکھ کر حیران رہ گئے کسان نے مہمان نوازی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ایک کرسی کو صاف کیا اور آگے بڑھائی۔ اور گھر کی بنی ہوئی شراب کے گلاس پیش کئے۔ وہ خاتون کی بات سننے کے لئے منتظر کھڑا رہا۔

وہ پہلے ہچکچائی۔ پھر گلا صاف کرکے بولی "مجھے تمہارے بچے۔ چھوٹے لڑکے سے محبت ہے۔ میری کوئی اولاد نہیں۔ اور اسی وجہ سے سخت رنجیدہ ہوں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ تمہارے لڑکے کو اپنا متبنیٰ بنالوں۔ تمہیں اس میں کچھ اعتراض تو نہیں؟"

کسان میاں بیوی اس قدر متعجب ہوئے۔ کہ کچھ دیر بول بھی نہ سکے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کہ ان کی قوتِ گویائی جاتی رہی ہو۔

خاتون نے دوبارہ اپنے الفاظ دہراتے۔ اس دفعہ کسان نے اپنا سامان نیچے رکھ دیا۔ اور آگ میں تھوکتے ہوئے بولا۔

"ہم لوگ اس قسم کی باتوں کے عادی نہیں"۔ اس کی بیوی نے کمر پر دونوں ہاتھ رکھ لئے اور خاتون کی طرف دیکھنے لگی۔ اُس کا چہرہ غصہ سے تمتما رہا تھا۔

"کیا ہم شارلٹ کو دے دیں؟ ہرگز نہیں۔ وہ ہمارا بیٹا ہے...... شارلٹ ہم سے کبھی جدا نہیں ہو سکتا"۔ خاتون کے خاوند نے جلدی سے قطع کلام کرتے ہوئے کہا: "میری بیوی نے پورے طور پر تشریح نہیں کی۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے۔ کہ ہم تمہارے بیٹے کو اپنا بیٹا بنالیں۔ اس کے یہ ہرگز معنے نہیں۔ کہ اُسے ہمیشہ کے لئے تم سے جُدا کر دیں۔ ہم اُسے نہایت اعلیٰ تعلیم دلوائیں گے اور جب وہ اکیس برس کا ہو جائے گا تو واپس تمہارے پاس آجائے گا۔ اگر ہماری آئندہ بھی کوئی اولاد نہ ہوئی تو وہ ہماری جائداد کا واحد مالک ہوگا۔ اور اگر ہوئی۔ تو وہ برابر کا حصہ دار ہوگا۔ اکیس برس کی عمر ہونے پر اگر وہ ہمارے ساتھ رہنا نہ چاہے تو ہم اُسے بیس ہزار فرانک نقد دے دیں گے۔ تاکہ وہ حسب مرضی اپنا کوئی کام شروع کر سکے۔ کیوں تمہاری کیا رائے ہے؟"

میڈم ٹودے نے چند مختصر لفظوں میں فیصلہ کر دیا۔ بلند آواز سے بولی: "جو کچھ تم کہہ رہے ہو۔ وہ نہایت نامناسب ہے۔ میں اپنے لڑکے کو ہرگز فروخت نہ کروں گی"۔

یہ الفاظ سنتے ہی خاتون اپنے خاوند کی طرف مڑی۔ اُسے زندگی بھر میں کبھی انکار سننے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ درد بھری آواز میں بولی "ہنری! وہ مجھے بچہ نہ دیں گے!" یہ کہہ کر وہ سسکیاں بھرنے لگی۔ یہاں تک کہ موسیو ٹودے کا پتھر دل بھی متاثر ہو گیا۔ لیکن اس کی بیوی پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس کے خیال میں امیروں کو اپنی دولت کے لئے ضرور کوئی بدلہ دینا چاہیئے۔ ہر ایک کام اُن کی حسبِ منشا نہ ہونا چاہیئے۔

"لیکن" خاوند نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "ہم نہ صرف بچے کی بہبودی کے ذمہ دار ہیں۔ بلکہ تمہارے آرام کا بھی خیال رکھیں گے۔ تمہیں ایک سو فرانک ماہوار ملا کریں گے......... نقد......... پیشگی۔

موسیو ٹودے نے زور سے میز پر مُکا مارا۔ "نہیں" وہ بولا۔ "ہم ملک کے اس حصہ میں بچے فروخت کرنے کے عادی نہیں۔ ہم شارلٹ کو ہرگز فروخت نہ کریں گے"۔

خاتون گھٹنوں کے بل کھڑی ہو گئی اور سسکیاں بھرتے ہوئے بولی "ہنری۔ آج تک تم نے میری کوئی بات رد نہیں کی۔ انہیں کسی طرح لڑکا دینے پر راضی کر لو"۔

اِن الفاظ سے میڈم ٹودے کا غصہ اور بڑھ گیا۔ کیا ان کا خیال ہے۔ کہ وہ غریبوں کے بچے بھی اسی طرح خرید سکتے ہیں، جیسے کوئی اور چیز! لیکن ان کا یہ مغالطہ بہت جلدی دور ہو جائے گا۔

"جس بات کی تم ہمیں ترغیب دے رہے ہو۔ وہ بہت بُری ہے"۔ وہ غصہ سے چلائی: "لوگ اپنے بچے جو عطیہ الٰہی ہیں۔ اپنے سے جُدا نہیں کر سکتے۔ خواہ وہ کیسے ہی غریب کیوں نہ ہوں۔ ہم بھی شارلٹ کو فروخت نہ کریں گے جیسا کہ ہم تمہیں پہلے ہی بتا چکے ہیں۔ تم امیر لوگ ہماری غریبی کا فائدہ اٹھانا چاہتے ہو؟...... تمہارا خاوند خاموش ہے۔ مجھے یقین ہے۔ کہ وہ میری بات کی تہ تک پہنچ گیا ہے۔

براہ مہربانی ہمارے مکان سے چلے جائیے۔"

خاتون نے اپنے خاوند کا بازو پکڑ لیا۔ اور جانے کے لئے مڑی۔ اس کے چہرہ پر سخت پریشانی عیاں تھی۔

"ہاں۔ بہتر یہی ہے کہ چلے جائیے" میڈم ٹووسے نے کہا۔ "اور براہ مہربانی پھر یہاں کبھی نہ آنا۔ تم شیطانی کام کر رہے ہو۔ لوگوں کو ان کے بچے بیچنے کی ترغیب دے رہے ہو"۔ یہ کہہ کر وہ لکڑیاں چیرنے میں مشغول ہو گئی۔

دروازہ سے باہر نکلتے ہوئے خاتون کی نظر ایک سیاہ آنکھوں والے خوبصورت لڑکے پر پڑی "یہ کون ہے؟" اس نے کسان سے پوچھا۔

"یہ ہمارے پڑوسی کا لڑکا جین ولین ہے" کسان نے لاپرواہی سے جواب دیا "اگر تم چاہو تو ہمارے دوست موسیو اور میڈم ولین سے مل سکتے ہو لیکن مجھے امید نہیں کہ تمہیں وہاں بھی کوئی کامیابی حاصل ہو...... کیونکہ تمہیں معلوم ہے کہ ہم لوگ بچے فروخت نہیں کرتے"۔

(۳)

لیکن ولین کے ساتھ میاں بیوی نے اور ہی طریقہ سے بات چیت کی۔ انھوں نے لڑکے کے شاندار مستقبل پر زور دیا۔ اور یہ بتایا کہ وہ اُسے کس قدر چاہتے تھے۔ ضرورت نے انہیں چالاکی سکھا دی تھی۔ انہوں نے یہ بھی کہا۔ کہ اگر وہ رضامند نہ ہوں گے تو انہیں تباہی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ اور ماں کی طرف خوشامدانہ انداز سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "ممکن ہے کہ لڑکا بہت ذہین ہو۔ اور اعلیٰ تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے اس کی ذہانت بیکار ہو جائے"۔

میڈم ولین نے جھاڑن نیچے رکھتے ہوئے کہا۔ "کیوں ولین! تمہاری کیا رائے ہے؟"

کسان نے ٹووسے کی طرح آگ میں تھوکتے ہوئے جواب دیا: "تمہیں ایسی بات کہتے ہوئے شرم آنی چاہیئے۔ نہیں! ہم ایسی بات ہرگز نہیں کر سکتے۔

"تمہیں ایک سو فرانک ماہوار ملتا رہا کرے گا" خاتون کے خاوند نے حوصلہ افزائی کے لہجہ میں کہا۔ یہ سنتے ہی کسان کا چہرہ چمک اُٹھا۔ لیکن وہ دیر تک خاموش رہا۔ اس کی بیوی نے دوبارہ پوچھا "ولین تمہارا کیا خیال ہے؟"

آخر کار کسان بولا: "بارہ سو فرانک سالانہ بہت کم ہیں"۔

"میں تمہیں پندرہ سو دوں گی" خاتون تیزی سے بولی۔

کسان نے اپنی بیوی کی طرف دیکھا۔ اور پھر نیم رضامندی کے لہجہ میں بولا: "کیا اس بات کی وکیلوں کے سامنے لکھت پڑھت ہو جائے گی؟"

"یہ کام کل ہی سرانجام پا جائے گا" مرد نے کہا۔ اور اپنی بیوی کی طرف اطمینان سے دیکھا۔

دوسرے دن معاملے طے پا گیا۔ گاؤں کے مکھیا اور دو گواہوں کی موجودگی میں ولین نے کاغذ پر دستخط کر دیئے خاوند بیٹھے

کی رخصت کے وقت ماں باپ کے دل میں غم کا طوفان ہی کیوں نہ بپا ہوا ہو۔ لیکن ان کے چہروں سے کوئی ایسا نشان ہویدا نہ تھا وہ مطمئن کھڑے دیکھتے رہے۔ اور خاتون نے لڑکے کو گاڑی میں اپنے اور خاوند کے درمیان بٹھا لیا۔

لیکن جب گاڑی روانہ ہو گئی۔ موسیو اور میڈم ٹو وے اپنے دروازے پر آ کھڑے ہوئے۔ یہ منظر دیکھ کر وہ ششدر رہ گئے۔ شاید حسد سے غصہ آ رہا ہو کہ جو روپیہ انہیں پیش کیا گیا۔ وہ ویلین نے لے لیا تھا۔ شاید ان کے دلوں کو دھکا لگا تھا۔ بہر صورت جس بات کی انہیں امید نہ تھی۔ وہ ہو گئی تھی۔ اب وہ اور ویلین ایک دوسرے کے دشمن تھے!

اُن دونوں بوسیدہ مکانوں کے مکین، جو کسی زمانہ میں ایک دوسرے کے بہترین دوست تھے، اب جانی دشمن بن چکے تھے ویلین بچاروں کو سخت مشکل کا سامنا تھا جب کبھی وہ گھر سے باہر نکلتے۔ تو لوگ اُن پر انگلیاں اٹھاتے۔

" اِنہوں نے ہی اپنے بچے کو فروخت کیا ہے۔ سخت دل لوگ! یہ وحشیوں سے کسی طرح بھی بہتر نہیں۔ اور ایک مہذب سوسائٹی کے قطعی نااہل ہیں "

اس دوران میں ویلین کو برابر ہوار روپیہ ملتا رہا۔ گو وہ پھر اپنے بچے کو نہ دیکھ سکے۔ انہوں نے کبھی اپنے کئے پر تاسف نہ کیا۔ اور اگر دل میں کیا بھی ہو تو ایک دوسرے پر کبھی ظاہر نہ کیا۔ شاید کسان عورت کے دل میں بیٹے کی یاد سے کبھی کبھی ہوک اُٹھتی ہو۔ لیکن وہ افلاس کی اس قدر تکلیفیں اٹھا چکی تھی کہ اب وہ سخت دل ہو گئی تھی۔

میڈم ٹو وے فخریہ لہجے میں اپنے خاوند اور ملنے جلنے والوں سے کہتی "میں ایک تہذیب یافتہ عورت ہوں میں نے اپنا بچہ فروخت نہیں کیا۔ میں نے اپنا بچہ فروخت نہیں کیا۔ گو میں بے حد فائدہ حاصل کر سکتی تھی۔ لیکن ان باتوں کے سامنے میں دولت کی کوئی وقعت نہیں سمجھتی" اور وہ اپنی ان قربانیوں پر اس قدر فخر کرنے لگی۔ کہ اُسے محسوس ہونے لگا۔ کہ وہ گاؤں کی تمام عورتوں پر سبقت رکھتی ہے چھوٹا شارلٹ بھی اس بات پر فخر کرتا اور اپنے استادوں اور دوستوں اور گاؤں کی دوسرے لوگوں کو بتاتے ہوئے کبھی نہ تھکتا۔

" میری ماں نے مجھے فروخت نہیں کیا۔ حالانکہ میرے بدلے میں وہ بہت سا روپیہ حاصل کر سکتی تھی۔ اور میرا باپ ایک امیر آدمی بن جاتا لیکن وہ مجھے اپنے سے جدا نہ کر سکتے تھے "

شارلٹ بھی اپنی ماں کی طرح ویلین کی بے عزتی کرنے سے دریغ نہ کرتا۔ اسی طرح سال ہا سال گزر گئے۔ ویلین آسودہ حال ہو گئے لیکن ٹو وے اُسی طرح مفلس رہے۔ شارلٹ کو سخت محنت و مشقت کرنی پڑتی تھی کیونکہ اس کا باپ بیمار رہتا تھا۔ اور اُسے اپنی بوڑھی ماں اور بہن کا پیٹ پالنا پڑتا تھا۔

یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کبھی موسیو اور میڈم ٹو وے کے دل میں تاسف پیدا ہوا یا نہیں۔ لیکن وہ ویلین خاندان کے سخت ترین دشمن بن گئے تھے نہ صرف اُن سے نفرت کرتے بلکہ حسد بھی کرتے تھے۔

ایک دن جبکہ شارلٹ کی عمر تقریباً بیس سال تھی۔ ایک نہایت خوبصورت گاڑی ویلین کے دروازہ کے سامنے آ کر رُکی۔ یہ وہی گاڑی تھی۔ جو کئی برس ہوئے۔ ویلین کے بیٹے کو لے کر گئی تھی۔ البتہ اب ایک نیا نوجوان کوچوان تھا۔

ایک مہذب نوجوان، نہایت عمدہ لباس پہنے ہوئے گاڑی سے اُترا اور ایک سفید بالوں والی عورت کو نیچے اترنے میں مدد دینے لگا۔ پھر دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دئے ولین کے مکان میں داخل ہوگئے۔

جب وہ باورچی خانہ میں گئے۔ تو ولین لکڑیاں چیر رہا تھا۔ اور اس کی بیوی شوربا تیار کر رہی تھی جین ولین ان کے سامنے جا کھڑا ہوا اور آداب بجالایا۔

بوڑھے آدمی کے ہاتھ سے کلہاڑا گر پڑا۔ اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ اور وہ لڑکھڑاتی ہوئی زبان میں بولا۔

"کیا یہ جین ہے، میرا بیٹا ...... ہمارا بیٹا؟"

اور بوڑھی عورت، لکڑی کا چمچہ جس سے وہ شوربا ہلا رہی تھی۔ نیچے پھینک کر چلائی "یہ تو ہمارا چھوٹا لڑکا ہے۔ ہمارا جین؟"

اس عرصہ میں خاتون مکان سے باہر جا چکی تھی۔

اُس کے ماں باپ اُسے ہر جگہ ہمراہ لے جاتے۔ وہ کس قدر خوبصورت، ذہین اور مہذب تھا۔ یہ ناممکن معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ ولین کا بیٹا ہے۔ لیکن جین باوجود اعلیٰ تعلیم اور شاندار طرزِ معاشرت کے اپنے والدین کو دل سے چاہتا تھا۔ اُس نے کبھی اس بات کا خیال نہ کیا تھا۔ کہ انہوں نے اسے فروخت کر دیا تھا۔

"ہم اس لائق نہ تھے" میڈم ٹووے دل ہی دل میں سوچتی "واقعی ہم اس خوش قسمتی کے قابل نہ تھے"

گاؤں کے لوگ جین ولین کی اعلیٰ پوزیشن اور دولت کی وجہ سے موسیو اور میڈم ولین کی بے حد عزت کرنے لگے۔ یہاں تک کہ موسیو ٹووے نے بھی انہیں راستہ میں دیکھ کر سلام کے لئے ٹوپی اُٹھائی۔

لیکن گاؤں میں ایک ایسا شخص بھی تھا جو پچھلی باتیں فراموش نہ کر سکا۔ جو ولین خاندان کو کبھی درگذر نہ کر سکتا تھا ..... وہ شارلٹ تھا۔

جب جین اپنے ماں باپ کے ساتھ ہنستا باتیں کرتا، ان کی کھڑکی کے نیچے سے گذرتا، تو وہ حسد سے دیکھتا۔ اُسے جین کی لیاقت اور اعلیٰ تعلیم سے نفرت تھی۔ جب گاؤں کے لوگ جین کو سلام کرتے تو وہ برداشت نہ کر سکتا۔

ایک شام کھانے کے وقت اُسے ضبط کا چارہ نہ رہا "تمہیں چاہیئے تھا۔ کہ مجھے فروخت کر دیتے" اس نے چلا کر اپنے والدین سے کہا۔ "تم نے میری آئندہ زندگی کا بالکل خیال نہیں کیا۔ اگر اس وقت تم مان جاتے۔ تو آج لوگ میری بھی جین کی طرح عزت کرتے"

موسیو ٹووے آہستہ مگر دردناک آواز میں بولا "تم ہمیں اپنا فرض بجا لانے پر ملامت کرتے ہو۔ تم ہمیں ہمارے پیار کے لئے ملامت کرتے ہو۔!!"

"ہاں" شارلٹ غصہ سے چیخ کر بولا "میری زندگی میں صرف یہی ایک موقعہ تھا۔ اور اب پھر کبھی ایسا موقعہ ہاتھ نہ آئے گا۔ ایسے والدین کا کیا فائدہ؟ تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ تمہارے بچے کی بہتری کس میں ہے"

بوڑھی عورت رونے لگی "ایک بچہ کو پالنے پوسنے اور محبت کرنے کا یہ انعام ملا ہے اُس عورت کو جس نے اپنے بچہ کو ایمانداری سے پروان چڑھانے کے لئے اپنا خون پسینہ ایک کر دیا۔ بہت اچھا! لیکن کاش مجھے یہ پہلے معلوم ہوتا! تو میں سو فرانک سے کم میں بھی شارلٹ کو فروخت کر دیتی۔!"

نوجوان اپنی کرسی پر سے اُٹھ کھڑا ہوا کرسی فرش پر گر پڑی۔ اُس نے اپنی ٹوپی اٹھالی "میں جا رہا ہوں" وہ بولا "میں جا رہا ہوں تمہیں چھوڑ کر۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اگر میں یہاں رہا تو تمہاری زندگی کو اور زیادہ المناک بنا دوں گا۔ کیونکہ میں ہمیشہ تمہارے لئے ہر صبح سے شام تک ملامت کرتا رہوں گا۔ مجھے اس بات کا بے حد صدمہ ہے۔ خدا حافظ"

وہ دروازہ کی طرف گیا اور اُسے کھولا۔ ساتھ کے مکان میں قہقہوں کی آواز گونج رہی تھی۔۔۔۔ چین کی واپسی کی خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔

میڈم ٹووے اب زور زور سے رو رہی تھی۔ ٹووے خاموش تھا۔ وہ اپنی بیوی کے انتہائی رنج کو اچھی طرح محسوس کر رہا تھا۔ لیکن خاموش تھا۔۔۔۔۔ دونوں کے دل میں رنج کا سمندر موجیں مار رہا تھا۔

اور شارلٹ دروازہ کو زور سے بند کرتے ہوئے تاریکی میں باہر نکل گیا۔

(موپاساں) سرور جہاں رعنا بی اے

## اوج پر آتا ہے ہمّت کا ستارا صبر کر

شاہدِ مقصود ہوگا جلوہ آرا صبر کر
مضطرب کیوں ہے اٹھاتا ہے پردا صبر کر

کیوں خزاں کے جور کا شاکی ہے آتی ہے بہار
گلفشاں ہو جائے گا نخلِ تمنا صبر کر

دُور اب ساحل نہیں ہے ہمّت طوفاں شکن
کوئی دم کی ہے ہوا آشوب دریا صبر کر

فتح آیا چاہتی ہے ہمکناری کے لئے
اے بساطِ زندگی کے رزم آرا صبر کر

دم پہ بنتی ہے تو بن جائے فغاں لب تک نہ آئے
ہمّت و مردانگی کا ہے تقاضا صبر کر

تو مآلِ شام غم سے مطلقاً واقف نہیں
پردۂ شب سے سحر ہوتی ہے پیدا صبر کر

جاودانی یہ نہیں ہیں ہو نہ غافل شکوہ سنج
فستنی ہیں سب کے سب آلامِ دنیا صبر کر

سامنے تیرے بھی اک دن دورِ صہبا آئے گا
تو ابھی سمجھا نہیں ساقی کا ایما صبر کر

نوشِ عشرت دہر میں ملتا ہے نیشِ غم کے بعد
ناگوارا کو بھی کرتے ہیں گوارا صبر کر

مقصدِ خاطر نہیں ملتا بغیر از انتظار
ہے حصولِ کامرانی کیا تماشا صبر کر

بے سبب یہ گردشِ پیہم نہیں ہے اے نہ شکیب
اوج پر آتا ہے ہمّت کا ستارا صبر کر

تیری آنکھوں سے نہاں رکھا ہے جس کو آج تک
خود عیاں کر دے گی فطرت وہ خزانا صبر کر

نہال سوہاروی

# مانٹیسوری طرزِ تعلیم

خداتعالیٰ نے اپنی ننھی مخلوق پر رحم فرماکر ۱۸۷۰ء میں ملک اطالیہ میں میڈیم میریا مونٹیسوری کو پیدا کیا۔ یہ خاتون روم یونیورسٹی کی ڈاکٹرنی ہیں جنہوں نے پہلے پہلے اپنے تعلیمی تجربے ماؤف الدماغ بچوں کی اصلاح وتربیت کے سلسلے میں کئی روز ذہنی کلینلک میں علاوہ طبی نقطۂ نظر کے خالص تعلیمی حیثیت سے ان کے ایجاد کردہ اسالیب ترتیب کامیاب ہوئے تو انہوں نے اپنے ملک اور اس کے بعد ساری مہذب دنیا کے سامنے پیش کردیئے۔ ساری دنیا ان کے اس احسان عظیم سے سبکدوش نہیں ہوسکتی۔

خاتون موصوف کا خیال ہے کہ تعلیم کو نہایت سختی کے ساتھ انفرادی فعل کی حیثیت دینی چاہیئے۔ اور بچوں میں عقل وشعور اور تمیز وہوشیاری پیدا کرنے کے لئے ہمیں چند تعلیمی آلات کی بنیاد قائم کرنی ہوگی اور اس بنیاد کو ذریعہ تعلیم بناکر ہم ننھے ناسمجھ انسانوں کی تربیت معقول اور نہایت آسانی سے کرسکتے ہیں۔ چنانچہ میڈیم مانٹیسوری نے ۲۶ آلات مختلف مدارج کے بنائے جنسے بچے کے حواس خمسہ کے علاوہ قوت فیصلہ ومآل اندیشی بھی ترقی پاتی ہے۔ ان سب آلات کا پورا سٹ کافی قیمتی ہوتا ہے اور اس کے متعلق تعلیمی مواد بھی اسی کے ہمراہ آتا ہے۔ میں نے اپنے بچوں کے واسطے میڈیم موصوف کے تجویز کردہ اُصولوں پر اپنے ہاتھ سے یا چند روپیہ خرچ کرکے اپنے ماحول وضروریات کے مطابق بعض اوزار اور کھلونے ایسے تیار کرالئے ہیں جن بہنوں کو خدا توفیق دے وہ بمبئی سے بلاواسطے منگوالیں ورنہ میری طرح اس کی نقل ہی کرنے پر قناعت کریں

۱۔ ملائم اور سخت اشیاء میں تمیز کرنے کے واسطے مختلف رنگوں میں فرق جتانے اور اُن کی پہچان پیدا کرنے کے لئے گرم نیم گرم۔ سرد اور معتدل اشیا رمائع وغیرہ کے ٹمپریچر کا اندازہ کرنے کی صحیح قابلیت پیدا کرنے کے واسطے۔ رنگین کاغذ ربڑ کی گیندوں۔ اور غالباً روئی کے کپڑوں۔ ریشم اور پتھروں وغیرہ کی ضرورت ہوگی اور یہ چیزیں ہر جگہ مل جاتی ہیں۔

ہلکے اور بھاری کا ٹھیک اندازہ کرنے کے واسطے میں نے عارف سلمہ کے واسطے پتھروں کے مختلف المدارج بٹے سے بنالئے ہیں۔ لکڑی اور گتے کے ٹکڑے ضخامت اور ریشم کے دوڑے اور کپڑے باریکی اور موٹائی کے واسطے۔ لکڑی کی تیلیوں کو دونوں طرف سے رنگوالیا ہے۔ سُرخ اور نیلا گنتی سکھانے کے واسطے رنگین گیندوں اور کوڑیوں ہی کی ضرورت نہیں یہ کام بیجوں اور کھانے پینے کی ترکاریوں مثلاً۔ آموں۔ آلوؤں اور امرودوں بیروں وغیرہ سے بھی لے لیا ہے۔ قوت لامسہ کی تربیت کے لئے میرا اپنا ایجاد کردہ طریقہ یہ ہے کہ بچوں کی آنکھیں بند کرلی جاویں اور ان کی ہتھیلی پیٹ پر کسی ملائم یا سخت شے کو مس کیا اور اُس نے دریافت کیا۔ پھر آپس میں بچے بھی اس قسم کے سوالات اور جواب آپس میں خود دینے کی اہلیت پیدا کرلیتے ہیں۔

میڈیم مانٹیسوری کے اس انوکھے طرزِ تعلیم میں سزا اور انعام کے واسطے کوئی موقعہ نہیں ہے اس میں بچے اپنی تعلیم آپ

کرتے ہیں۔ لیکن دقت اس وقت آکر پڑتی ہے جب حروف شناسی کرنے کے لئے حروف ساخت کرنے پڑتے ہیں اور تعلیمی تاش یا دیگر کھلونے بنانے ہوتے ہیں ابھی میں اس درجہ پر نہیں آئی ہوں اور اس کا مجھے تجربہ نہیں ہے۔ البتہ میں نے کنڈر گارٹن اور مانٹیسوری کے طریقوں کو سمجھ کر اُن کو ملا جلا لیا ہے چونکہ ان دونوں طریقوں میں بچوں کو ملا کر اشتراک عمل کا جذبہ پیدا کرنے کے واسطے کوئی ایک کام سپرد کر دیا ہے۔ جسے بچوں نے بڑی ذمہ داری سے انجام دیا ہے۔ یہ چیزیں مانٹیسوری تعلیم کی کمزوریاں کہی جاسکتی ہیں لیکن کیا ضرور ہے کہ ہم اس کمزوری کو رفع نہ کریں اور لکیر کے فقیر بنے رہیں جیسے ساعت کی ٹریننگ کا طریقہ نہایت سادہ اور آسان رکھا ہے۔ مختلف سیٹیاں۔ گھنٹے اور کھڑاکے دار اشیاء۔ ریل کے انجن کی آواز۔ اور جانوروں کی بولیاں سب ہی چار برس کے بچے کو بتا دی ہیں۔ الغرض میری طرح ہر ماں مانٹیسوری طریقہ سے فائدہ اٹھانے لگتی ہے۔ اور اس میں مقصدی طریقے اور کنڈر گارٹن کا میل جول کر کے ایک اس قدر عمدہ تربیت کر سکتی ہے کہ جدید سے جدید مدرسوں میں بھی اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ لیکن یہ سب اسی صورت میں ممکن ہے کہ ماؤں کو گھر کے دھندوں سے تھوڑی بہت مہلت بھی ملتی ہو۔ ہمارے ملک کے باشندے کسی دوسرے ملک کے باشندوں سے عقل وفہم میں کسی طرح کم نہیں ہیں۔ اگر وہاں مونٹیسوری اور فروبل پیدا ہو سکتے ہیں تو یہاں بھی ہو سکتے ہیں۔ اگر ہمارے بچوں کو ٹھیک اور مناسب تعلیم دی جائے تو وہ عقل و ذہانت میں کسی طرح بھی انگریز بچوں سے کم نہیں ہیں۔ لیکن اگر ہم وہ پرانا طریقہ چھوڑ دیں جس میں الف زبر آ الف زیر اے الف پیش او پر کئی کئی سال برباد کر دئے جاتے ہیں اور دنیا کی جدید تعلیمی سرگرمیوں کا اندازہ کریں اور ملک و قوم کی بہبودی ہمیں مد نظر ہو تو ہمارا اولین فرض یہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کو اپنی قوم کی امانت سمجھیں اور اُن کی تربیت اُن بہترین اور سائنٹفک اُصولوں پر کریں جن سے وہ بڑے ہو کر قابل بنیں۔ اور انہیں خود اعتمادی پیدا ہو ان کی تخلیقی حس ماری نہ جائے وہ نرے والدین کی خدمت گار اور اطاعت شعار ہی نہ بنے رہیں اور صرف حاکم وقت کی غلامی ہی ان کا ایمان نہ ہو بلکہ وہ آزاد خیال اور شریف اخلاق شہری بنیں جو اپنی مدد آپ بھی کر سکیں اور پھر بنی نوع انسان کی مدد بھی کر سکیں۔

زبیدہ زرین

# سہیلیاں

کہتے ہیں کہ ہمجولیاں ہوں تو دنیا کے غم و فکر پاس نہیں آتے۔ نازک قہقہے فضا کو مترنم کر دیتے ہیں۔ ساون میں جھولا ڈالا جاتا ہے پکوان پکتے ہیں۔ اور سہیلیاں یا سکھیاں جو کچھ بھی کہئے سرخ و سبز کپڑے پہن کر باہم جھولا جھولتی ہیں، جہاں چار پانچ ہمجولیاں مل بیٹھتی ہیں۔ بزرگوں کی نظروں میں ایک خوشگوار منظر ہوتا ہے۔ لیکن یہ ایک ناقابل بیان حقیقت ہے کہ سہیلیاں بھی متعدی امراض کی طرح خطرناک اور جان لیوا ہوتی ہیں۔ یہ امر چونکہ مان لیا گیا ہے کہ دوست بہر صورت بلائے جان ہے چنانچہ اسی دوست کو ہم عورتوں کی لغت میں سہیلی کہا جاتا ہے۔ سہیلیوں کی بھی بہت سی قسمیں ہیں جو بتدریج ایک پہ ایک فوقیت رکھتی ہے۔ اور ایک سے ایک زیادہ وبال۔ سب سے پہلی قسم ان سہیلیوں کی ہے جو ایک ہی محلہ کی یا ایک خاندان کی ہم عمر ہوں ساتھ پرورش پائیں اور ساتھ کھیلیں کودیں۔ گویا ہوش سنبھالنے سے پہلے بہت پہلے جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ صرف سہیلیاں ہوتی ہیں۔

دوسری قسم کی اسکولی سہیلیاں کہلاتی ہیں۔ ان کا ہر کام یعنی فیل پاس ہونا کلاس میں سزا پانا ساتھ ہی ہوتا ہے۔ ایک رنگ کے دوپٹہ رنگے جاتے ہیں۔ کتابوں کی جلدیں ایک ہوتی ہیں۔ ایک ساتھ حاضر غیر حاضر ہوتی ہیں۔ اور یہ ایسی خطرناک قسم ہے جو ہماری تربیت میں سولہ آنہ کا درجہ رکھتی ہے۔

تیسری قسم بھی نہایت عجیب ہے۔ یعنی سکول سے فارغ ہونے کے بعد رشتہ وار لڑکیاں آپس میں سہیلیاں ہو جاتی ہیں۔ مثلاً ماموں کی بیٹی سہیلی۔ ممانی کی چھوٹی بہن سہیلی۔ بہن کی نند کی نند سہیلی۔ خالہ سہیلی چچی سہیلی۔ غرض سہیلی ہی سہیلی اور اسی قسم میں وہ بھی ہوتی ہیں جو زمانہ طالب علمی میں اپنے آپ کو بہت زیادہ رعب دار ظاہر کرتی ہیں اور چھوٹی عمر والی لڑکیوں سے بات کرنا کسر شان سمجھتی ہیں۔ یا پھر کسی بڑی کلاس سے تجاوز کر کے استانی بن جاتی ہیں۔ لیکن وہ بھی ایک دن سہیلی بن جاتی ہیں۔

چوتھی قسم اپنی نوعیت کی ایک ہی قسم ہے جو کبھی سمجھ میں نہیں آتی۔ چنانچہ ان سہیلیوں کی پیداوار قدرتی ہے اور یہ ہر ایک کو میسر بھی نہیں آتی بلکہ یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔ ان کو نادیدہ سہیلی کہا جاتا ہے۔ ایک دوسری کا خطوط کے ذریعہ بالواسطہ یا بلاواسطہ کسی طرح تعارف ہو جاتا ہے اور یہ صرف تعریفیں سن کر یا مضامین پڑھ کر بہناپا گانٹھا جاتا ہے۔ مثلاً شاعرہ کی سہیلی شاعرہ۔ مضمون نگار کی مضمون نگار۔ یا پھر یہ امتیاز بھی نہیں رہتا اور شاعرہ کی سہیلی صرف ذوق شاعری رکھتی ہے۔

پانچویں قسم۔ ان سہیلیوں کی ہے جو صرف پانچ منٹ یا اس سے زیادہ دیر کی ہوتی ہیں۔ اور بفضل خدا ان سے ایک بار

ملاقات ہوکر پھر کبھی ملنا نصیب نہیں ہوتا ہے۔ خیر تو ایسی سہیلیاں کبھی دوران سفر یعنی ریل میں اور کبھی سینما یا خاص تفریح گاہوں مثلاً باغ میں یا تاج محل اور لال قلعہ میں کسی جلسہ یا پارٹی میں ہوتی ہیں۔ سلام سے دوستی شروع ہوکر گھر کا پتہ نوٹ کر لینے پر ختم ہوجاتی ہے ورنہ چلتی رہتی ہے۔ ممکن ہے کہ اس سے زیادہ قسمیں اس خطرناک زمرہ کی ہوتی ہوں۔ لیکن یہ پانچ نمایاں ہیں۔ غرض جب سے پیدا ہوں اور جب تک دم میں دم ہے سہیلیوں سے چھٹکارا ملنا بہت مشکل بلکہ دشوار ہے ادھر سہیلی اُدھر سہیلی۔ پورب سہیلی پچھم سہیلی دکھن سہیلی اتر سہیلی زمین میں سہیلی آسمان میں سہیلی۔ تو اب بتائیے کہ کوئی کہاں تک بچے۔ اور نہ بچے تو زندگی دشوار ہے۔ میری ایک سہیلی جو سب سے پہلی تھی محلہ میں رہتی تھی۔ اور تو کچھ یاد نہیں مگر اتنا معلوم ہے کہ اس کی وجہ سے کئی بار سخت مار کھانی پڑی۔ اس کی ہر وقت یہ عادت تھی کہ بازار چلو۔ گھر والوں کی آنکھ بچی اور دونوں نکل کھڑی ہوئیں۔ اس نے ہمیں چلتے ہوئے تانگوں کے پیچھے بھاگنا پنواڑی کی دوکان سے لے کر پان کھانا اور اماں کے پاندان سے پیسے چوری کرنا سب سکھا دیا تھا۔ خدا خدا کرکے یہ زمانہ گزرا بڑے ہوئے اور پردہ کی پابندی کے ساتھ ساتھ اسکول میں داخلہ ہوا۔ وہاں پوری کلاس سہیلیوں سے بھری تھی۔ صاحب سلامت کی نہ کسی کو تمیز نہ ضرورت سب آپس میں سہیلیاں تھیں اور در پردہ ایک کی ایک دشمن۔ بظاہر قالب دو اور روح ایک۔ مگر بہ باطن کتابوں اور پنسلوں کا روز صفایا۔ پنسل کو چھیلا اور اپنا نام لکھ ڈالا۔ قلم دوات کاغذ چاتو غرض کوئی چیز جو چھوڑی ہو۔ اب گھر میں ہمارا کچھ حال ہو ان کی بلا سے۔ پھر اگر ایک کو جغرافیہ یاد نہیں تو جن کو یاد ہو وہ بھی بھول جائیں۔ نہ بھولیں تو اینٹھنا پھولنا شروع ہوجاتا تھا۔ جب غیر حاضری کا نمبر لگتا تھا تو ایک دن قبل صلاح ہوجاتی تھی۔ اگلے روز پندرہ بیس غائب۔ چند آتی تھیں اپنی بات بنانے کے واسطے اسکول سے گھر تک نمبر لگا آج ایک کے ہاں میلاد ہے تو کل دوسری کے بھائی کی سالگرہ۔ کسی نہ کسی بہانہ سے جانا ضرور کسی کا مکان تنگ۔ گندگی گرمی سب کچھ اس پر حق دوستی ادا کرنا کہ مٹھائی لے کر جاؤ روپیہ نذر کرو گھر والوں کی دھونس اُٹھاؤ۔ سال بھر تک دھما چوکڑی مچانے کے بعد امتحان کا نتیجہ نکلا تو سب کی سب فیل۔ علاوہ تعلیم کے نقصان کے سہیلیوں نے جو اپنی عادتیں ہم میں ودیعت فرمائیں یہ ان کی طرفہ عنایت تھی۔ بارے اسکول سے نجات ملی تو اب چاروں طرف سے سہیلیوں کا دریا اُمنڈ آیا۔

اسکول والی سہیلیوں کی شادی شروع ہوئی آج ایک کی پھر دوسری کی پھر تیسری کی۔ ادہر نئی نئی پیدا ہو رہی ہیں۔ ادہر پرانی عہد گزشتہ کے پیمان یاد دلا رہی ہیں۔ خیر تو دو ایک سہیلیوں کو وقت بے وقت آموجود ہونے کی عادت تھی اور دو ایک کو کپڑے سلوانے کی۔ میں امتحان کی تیاری کر رہی تھی اور وہ بھی سارے دن پڑھتے پڑھتے اور پاس ہونے کی امید نہ تھی۔ مگر جو موجود ہیں گھر میں بے ترتیبی ہے والدہ کی طبیعت ناساز ہے ہمیں دنیا کا ہوش نہیں مگر آئیں چھم چھم کرتیں اور سارے دن کی پڑھائی کا بیڑا کر کے شام کو تشریف لے گئیں۔ اگلے دن دوسری صاحبہ نے کپڑے سینے کو بھیجے ہیں تو کسی نے تکیہ کے غلافوں پر ڈرائنگ کا تقاضہ کیا ہے۔ یہ تو آپ بیتی تھی۔ مگر ایک مرتبہ مجھے ایک نامور شاعرہ اور مضمون نگار صاحبہ کے دولت کدہ پر جانے کا اتفاق ہوا جو میری بہت گہری دوست تھیں۔ دیکھا تو ایک کھرے پلنگ پر دو تین بچوں کو لئے کچھ

لکھ رہی ہیں۔ میں نے کہا خیریت؟ بچے تو بیمار ہیں اور یہ شوق فرمایا جا رہا ہے۔ بچاری آبدیدہ ہو کر بولیں کیا کروں ایک سہیلی کے مضامین اور غزلیں کئی روز سے اصلاح کے لئے آئی ہیں مجھے فرصت نہیں۔ آج اُنہوں نے بہت تقاضہ کیا ہے۔ میں اس واقعہ سے لرزسی گئی کہ خدا نہ کرے مجھ پر بھی کبھی ایسا ہی موقع پیش آئے۔

اب ان سہیلیوں کا موقع آتا ہے جو قدرتی ہوتی ہیں۔ بہت ہیں۔ ان کا شمار تو یاد نہیں مگر پتے سب کے میری نوٹ بک میں درج ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر ان سب کو خطوط لکھے جائیں تو ڈاکخانہ والوں کو کم از کم دس روپیہ ماہانہ کی آمدنی بخوبی ہو سکتی ہے۔ اب رہیں نادیدہ سہیلیاں ان کی تحریر سے واقفیت ہے۔ مگر خدا جانے وہاں بجائے ایک خوبصورت لڑکی کے جیسا کہ ہمارا تصور ہے کوئی بدشکل موذی بڑا جماں نہ ہوں اور ان کا خیال بھی ہمارے واسطے ایسا ہی ہوگا لیکن ایک دوسرے کی تعریفوں کے پل باندھ چکے ہیں نہایت مخلصانہ محبت کا اظہار ہو چکا ہے عجیب مضحکہ خیز دوستی ہے۔ غرض خطوط کے جوابات لکھنا۔ کپڑے سینا مضامین پر اصلاح کرنا اور بہت سے اَلَّمْ غَلَّمْ کام صرف سہیلیوں کے کرنے پڑتے ہیں۔

معظمہ رضوی

# جانور پالنا

اکثر بہنوں کو جانور پالنے کا شوق ہوتا ہے۔ اور وہ طرح طرح کے خوبصورت جانور بڑی کوشش و خرچ سے محض اپنی دلچسپی کے لئے جمع کرتی ہیں۔ لیکن بعض جگہ دیکھا گیا ہے کہ جس خواہش وخوشی کے ساتھ انھیں پالا جاتا ہے اس کے برخلاف ان کے کھانے پینے اور آرام کا بہت کم خیال رکھا جاتا ہے ان کی دیکھ بھال عام طور پر نوکروں کے ذمہ ہوتی ہے جو اکثر اپنی لاپرواہی سے ان بے زبانوں کو تکلیف دیتے ہیں۔ مثلاً ڈھیروں اناج ایک ہی دفعہ دے دیتے ہیں تاکہ بار بار نہ دینا پڑے اسی طرح کئی کئی روز کی سوکھی اور سڑی ہوئی غذا انھیں کھانے کو ملتی ہے۔ ان کے رہنے کی جگہ اچھی طرح صاف نہیں کی جاتی اور اس وجہ سے بہتیرے جانور بیمار ہو کر مر جاتے ہیں یا کبھی وقت پر دانہ پانی نہ ملنے کے باعث یہ بے زبان جانیں بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر ضائع ہو جاتی ہیں۔ اور جب نوکروں سے وجہ دریافت کی جاتی ہے تو وہ کوئی یوں ہی سا بہانہ کر دیتے ہیں۔ غرض اس طرح یہ بے بس جانور جنہیں صرف اپنی دلبستگی کے لئے قید کر کے رکھا جاتا ہے ہماری غفلت کی بھینٹ چڑھتے ہیں۔ علاوہ نقصان اٹھانے اور رنج کرنے کے ہم سے گناہ بھی ہوتا ہے۔ ہمارے رسول جن کا خطاب رحمۃ للعالمین ہے جانوروں پر بیحد مہربان تھے۔ ایک مرتبہ آپ کسی صحابی کے باغ میں تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ ایک اونٹ بھوکا پیاسا کھڑا ہے۔ آپ کو دیکھ کر بے زبان جانور بلبلا اُٹھا آپ نے اُس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور صحابی کو بلا کر فرمایا کیا تمہیں خدا کا ڈر نہیں ہے ان بے زبانوں کے بارے میں خدا سے ڈرا کرو۔ ایام جاہلیت میں عرب کے لوگ جانوروں سے بہت ہی ظالمانہ سلوک کرتے تھے۔ اکثر زندہ جانوروں کے جسم سے گوشت کا لوتھڑا کاٹ لیتے اور بھون کر کھاتے تھے۔ جانوروں کو باندھ کر نشانہ لگانے اور مشق تیر اندازی کرنے کا دستور تھا۔ ان کی دم اور عیال کاٹ دیتے تھے پہچان کے لئے انھیں داغ دیتے تھے۔ سرورِ عالم نے ان سب باتوں کی قطعاً ممانعت کر دی اور فرمایا کہ دم ان کی مورچھل اور عیال ان کا لحاف ہے۔ اکثر چھوٹے بچے چڑیوں اور تیتریوں کو پکڑتے ان سے کھیلتے ہیں۔ اور پھر انھیں نوچ کھسوٹ کر الگ کر دیتے ہیں میں نے دیکھا ہے کہ بعض سنگدل عورتیں چیونٹیوں کے بلوں پر گرم گرم بھوبل ڈال دیتی ہیں اور بعض تو ان کی قطاروں کی قطاریں پاؤں سے مسل دیتی ہیں۔ جانوروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنے والے ہرگز انسان کہلانے کے مستحق نہیں۔

جہاں آرا بیگم

# ہمارا ملک کیوں خوشحال نہیں ہے

ہر ملک کی خوش حالی اور بدحالی اس ملک کی آب وہوا، معاشرتی، تمدنی و نظامی حالت پر منحصر ہے۔ اسی طرح ہندوستان کی خوش حالی یا بدحالی کے جانچنے میں بھی ہمیں ان ہی عناصر کو مدِ نظر رکھنا ہوگا۔

تاریخ کے مطالعہ سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان کی آب وہوا ہندوستانیوں کی بدحالی کی سب سے زیادہ ضامن ہے۔ ہندوستان ایک گرم ملک ہے اور اسی وجہ سے یہاں کے باشندے سست و کاہل ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہاں کاشت بآسانی ہوسکتی ہے اور معاش کی جدوجہد میں انہیں زیادہ تکلیف نہیں اُٹھانی پڑتی۔ اس لئے عام طور پر یہ لوگ امن پسند ہیں۔ ان کا دماغی رجحان سائنس کی نسبت فلسفہ کی جانب زیادہ ہے۔ جو چین انہیں پہاڑوں کی کھوؤں اور جنگلوں میں ملتا ہے۔ وہ سائنس میں ہرگز نہیں مل سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ایک کامیاب لڑاکو قوم نہیں بن سکتے۔ اس لئے وہ آسانی سے غیر قوموں کے تر لقمے بن جاتے ہیں۔ تاریخ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان میں وہی قومیں حاکم رہی ہیں جو ہندوستان کی نسبت زیادہ سرد ملکوں میں رہنے والی تھیں لیکن ان قوموں کو بھی محکوم قوموں کی طرح دوسروں کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا پڑا۔ اول تو اس لئے کہ ان کی آنکھیں ہندوستان کے بے انتہا زر وجواہر سے چندھیا گئیں۔ وہ عیش وعشرت کے بھیانک غار میں گر کر غارت و برباد ہوگئیں۔ دوم اس وجہ سے کہ خود ہندوستان کی آب وہوا ان کی طاقت سلب کرنے لگی پس شروع سے آخر تک ہندوستان میں کمزور قومیں زبردست قوموں کی محکوم رہیں۔

یہ تو حال تھا ہندوستان کا زمانہ گزشتہ میں۔ دورِ حاضرہ میں گو یا حملہ آوروں کی بہتات نہیں رہی تاہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان نے اس عرصہ میں کوئی نمایاں ترقی حاصل نہیں کی۔ ہمارا زمانہ سائنس کا زمانہ ہے اور اس وجہ سے ہر ایک ترقی یافتہ ملک کی انتہائی کوشش سائنس میں کمال حاصل کرنے میں صرف ہو رہی ہے لیکن باوجود ان سب باتوں کے ہندوستان اب بھی غفلت کی نیند سو رہا ہے اس نے سائنس کے میدان میں ذرہ بھر ترقی نہیں کی۔ (اس سے میرا یہ منشا ہرگز نہیں کہ جے سی بوس جیسی قابل شخصیتیں ہندوستان پیدا ہی نہیں کرسکا۔ بلکہ میرا مطلب تو یہ ہے کہ ہندوستان میں سائنس کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش نہیں کی گئی) اور اب بھی باوجودے کہ مغربیت کا بھوت ہندوستانیوں پر بُری طرح سے سوار ہے لیکن افسوس کہ وہ اس وقت مغرب کی بیہودہ رسوم اور لغو طریقے اخذ کرنے میں سرگرداں ہیں حالانکہ ان کو مغربی ممالک سے ترقی کا راز معلوم کرلینا چاہیئے تھا۔

ہندوستانی ترقی کی راہ میں جس قدر رکاوٹیں ہیں وہ شاید ہی کسی ملک میں ہوں گی۔ ہندوستان جو ایک زمانے میں سونے کی چڑیا کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ آج وہ ایک غریب ملک کہلاتا ہے۔ غیر منصفانہ شرح مبادلہ نے ہندوستان کی تجارت کو بے انتہا صدمہ پہنچایا ہے۔ کئی بار کوشش کی گئی ہے کہ کسی طرح اس شرح مبادلہ میں فرق آجائے لیکن لنکاشائر کے ادنیٰ ادنیٰ مفاد پر ہندوستان کی تمام تجارت کو بھینٹ چڑھنا پڑتا ہے۔ اس معاملے میں ہندوستان کی بے بسی کی یہ وجہ ہے کہ یہ ایک غلام ملک ہے۔ اس کی تجارت کا راز صرف

اس کی آزادی میں مضمر ہے۔

ہندوستان کی آزادی کا بھی ٹیڑھا سوال ہے۔ فی الحال تو آزادی کی صورت بنتی نظر نہیں آتی۔ کیونکہ ہندوستانیوں میں اتحاد کا مادہ بالکل معدوم ہے۔ کل ملک ان گنت پولٹیکل پارٹیوں میں منقسم ہے۔ ان پارٹیوں میں کانگریس اور مسلم لیگ کے جھگڑے کسی سے چھپے ہوئے نہیں۔ جب کانگریس کے خودغرضانہ راز افشا ہوئے تو مسلم لیگ نے اس کے خلاف آوازہ بلند کیا۔ کہ کانگریس نہایت بے دردی سے اقلیتوں کے حقوق کو پامال کر رہی ہے چونکہ مسلم لیگ میں بھی مذہبی رنگ نمایاں تھا جس کی وجہ سے اور اقلیتیں اسے اپنی پارٹی تسلیم کرنے سے ہچکچاتی ہیں۔ اس لئے کئی اور پارٹیاں حشرات الارض کی طرح سے ہندوستان کی زمین سے نمودار ہوئیں۔ ان میں ایک تو کرسچن لیگ ہے جو نصاریٰ کے حقوق کی محافظت کے لئے قائم کی گئی ہے اور دوسری لبرل پارٹی۔ اس کا دعویٰ ہے کہ کانگریس مسلم لیگ سب اپنے اپنے خودغرضانہ مفاد کے لئے لڑ رہی ہیں۔ ان سب جھگڑوں کے مٹانے کے لئے لبرل پارٹی نے نہایت اعلیٰ پیمانے پر اپنا پروگرام بنایا ہے۔ دیکھیں اُسے کتنی کامیابی ہوتی ہے۔ ان فرقہ وارانہ پارٹیوں کے علاوہ ہندوستان اور بھی ہزاروں بندھنوں میں ہر طرح جکڑا ہوا ہے۔ اس کی معاشرتی اور تمدنی حالت پر غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ ہندوستانی پرانی لکیر کے فقیر ہیں۔ وہ بے جا رسم و رواج کے اس وجہ سے شکار ہیں کہ ان کے بزرگ صدیوں سے رسم رواج کی بھینٹ چڑھتے آئے ہیں اور ان کے لئے بھی اس قدر ضروری ہے کہ وہ بھی اس پر حرکت پذیر ہوں۔ دیہات میں جائیے تو آپ سینکڑوں بلکہ ہزاروں کو قرضہ کی مصیبت میں مبتلا دیکھیں گی۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ یہی فضول رسم و رواج۔

معاش کی تلاش میں کروڑہا ہندوستانی مارے مارے پھرتے ہیں کئی تو اسی تگ و دو میں اپنے آپ کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ بے روزگاری کا مرض عام ہو گیا ہے۔ اس کی بھی چند وجوہ ہیں۔ اول تو ہمارے تعلیمی نصاب میں بہت خامیاں ہیں۔ موجودہ تعلیم نہ صرف ہمیں اپنے مذہب سے بیگانہ کرتی ہے بلکہ ہماری معاش کی تلاش میں بھی ہمارے لئے ایک حد تک رکاوٹیں پیدا کرتی ہے۔ ہمارے گریجویٹ سوائے پیشۂ کلرکی کے کسی اور طرح سے اپنی روٹی کما نہیں سکتے۔ پڑھنے سے عام طالب علموں کا یہ منشا ہے کہ گورنمنٹ میں اعلیٰ عہدوں پر فیضیاب ہوں نہ یہ کہ وہ اپنے ملک کی بہتری کے لئے کوئی خدمت سرانجام دیں۔ دوم ذات پات بھی تلاش معاش میں ہزاروں دقتوں کا پیش خیمہ ہے اونچی ذات کے لوگ یہ نہیں چاہتے کہ وہ معمولی کام کریں۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ہمارے ہندوستانی بھائی فوج میں بھرتی ہونے کو عار سمجھتے ہیں اور جہاں تک ہو سکتا ہے اس پیشے سے گریز کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ خود ہمارے حاکم ہماری اس حرکت سے خوش ہیں اور اس وجہ سے وہ ڈنکے کی چوٹ یہ کہتے ہیں کہ کہ ہم تمہاری حفاظت کرتے ہیں۔ کیا ہم کوڑھی ہیں، لنگڑے ہیں، لولے ہیں جو ہم اپنی حفاظت آپ نہیں کر سکتے۔ جبکہ اور قومیں اپنے ملک کے لئے لڑ سکتی ہیں۔ تو کیا ہم بھی اپنے پیارے ملک کی خاطر جان قربان نہیں کر سکتے؟

سوم خود ہندوستان میں دائرہ معاش وسیع نہیں۔ بڑی بڑی فیکٹریاں جو ملک میں قائم کی گئی ہیں وہ زیادہ تر فرنگیوں کی زیر نگرانی ہیں جس کی وجہ اعلیٰ عہدے فرنگیوں کے لئے مخصوص کر دئے جاتے ہیں۔ مزدور پیشہ لوگ تو خیر ہندوستانی ہی ہوتے ہیں لیکن ان

غریبوں کی جو حالت ہے وہ ہم سب بلا کم و کاست جانتے ہیں۔ انہیں قلیل سے قلیل تر تنخواہیں دی جاتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کا معیار زندگی دن بدن گرتا جا رہا ہے۔ ان کی حالت درست کرنے کی کوشش اعلیٰ پیمانہ پر نہیں کی جاتی۔ ملک میں امیر لوگ بھی ہیں جن کا کام یہ ہونا چاہیئے کہ اپنے غریب بھائیوں کی مدد کریں لیکن ان حضرات کا بھی عجب حال ہے۔ وہ اپنے مال میں مست ہیں اور عیش و عشرت میں سرشار۔

بس جب تک ہندوستان اپنی خبر آپ نہ لے گا اس کی بہتری نہ صرف محال ہے بلکہ ناممکن۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اس کی راہ میں چند رکاوٹیں ہیں جن کا دفعیہ عقلِ انسانی کی طاقت سے باہر ہے۔ پھر بھی ہم اتحاد، حب الوطنی، آزادی اور اخوت کی خاطر بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ ہر مرض کے لئے خداوند تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی دوا بخشی ہے اور ہندوستان کی بدحالی بھی ایک مرض لاعلاج نہیں۔

## شاہی کھنڈر

نصرت نشاط

یہ اُداسی، آہ! یہ خاموش قلعوں کے کھنڈر
آہ! یہ ویرانیاں، یہ ظلمتیں عبرت اثر
جن میں رہتا تھا کبھی رقصاں فروغِ سرخوشی
نزہتیں سی ہر طرف تھیں، ہر طرف تھی تازگی
یاد آیا بیکہ۔ اُگتے تھے یہاں سرو و سمن
تھی یہیں تو۔ زرفشاں پھولوں کی رنگیں انجمن
ہر قدم پر، ہر روش پر، جگمگاتی تھی بہار
لالہ و گل ذرہ ذرہ پہ تھے جنت آشکار

مسکراتی تھی جہاں ہر دم حیاتِ ضو فشاں
جھومتی تھی، رقص کرتی تھی، نشاطِ جاوداں
آہ! وہ کاخِ بلند اور اُن کی دنیائے بہار
چند اُجڑے سے کھنڈر باقی ہیں جن کی یادگار
ایک دن وہ تھا کہ اِن میں تھی بہار آئی ہوئی
آج گوشے گوشے میں ہے اِک خزاں چھائی ہوئی
نئے کے پودے اُگ رہے ہیں ہو کے غمگیں اور اداس
ہر طرف تاریکیاں ہیں۔ ہر طرف رنج و ہراس
آہیں سی بھرتی درختوں سے گزرتی ہے ہوا
روز پھیلاتا ہے سناٹا دھندلکا شام کا
پتھروں کے ڈھیر ہیں کچھ ایک طرف عبرت بدوش
ہیں شکستہ سقف و ایواں ہر طرف حسرت فروش
جا رہا ہے یہ جو دریا دور تک بہتا ہوا
آئینہ ہے ایک یہ بھی سطوتِ پامال کا
خاک پر بکھری ہوئی ہیں جو، گلوں کی پتیاں
عظمتِ رفتہ کی وہ بھی کہہ رہی ہیں داستاں
جو کبھی تھے رشکِ جنت ہیں وہ کاشانے یہی
تھے کبھی قصرِ مسرت آہ! ویرانے یہی

آج بھی تو، اِن میں ہیں آثارِ ماضی جلوہ گر
رازدانِ عظمتِ دیرینہ یہ شاہی کھنڈر

آنسہ خورشید اقبال حیا (میرٹھی)

# راگ کی آگ

موسیقی انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ کسی نہ کسی طور پر، کسی نہ کسی حد تک کسی نہ کسی وقت ہر انسان گاتا ہے۔ بچے بھی گاتے ہیں جوان بھی گاتے ہیں بوڑھے بھی گاتے ہیں عورتیں بھی گاتی ہیں کمسن اور نادان بچہ بھی جو کچھ نہیں جانتا کچھ نہیں سمجھتا ماں کی گود میں کھٹولے پر جھولے پر گاتا ہے۔ ایک متقی پرہیزگار ایک زاہد خشک تارک الدنیا جو کسی طرح کے لہو ولعب سے غرض نہیں رکھتا وہ بھی گوشۂ تنہائی میں گنگناتا ہے اور سادھوؤں درویشوں اور فقیروں کا ایک طبقہ تو موسیقی کو جزو عبادت یا کیف عبادت کا ایک زبردست ذریعہ قرار دیتا ہے۔ اگر انسان سے قطع نظر کر کے آپ حیوانوں اور پرندوں کو دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ گانا انسان ہی کی فطرت میں نہیں ان کی فطرت میں بھی شامل ہے۔

موسیقی کے گوناگوں کوائف واثرات کیا ہیں یہ دل میں سوز و گداز نشاط و سرور اور مختلف قسم کے جذبات واحساسات کی تخلیق کا موجب ہے۔ کہنے والے تو یہاں تک کہتے ہیں کہ دیپک راگ میں وہ اثر ہے کہ کامل گانے والا گائے تو خود بخود چراغ جل جائے اسی طرح میگھ راگ کی نسبت کہا جاتا ہے کہ استاد گویا میگھ راگ گا کر پانی برسا سکتا ہے یہ دعویٰ مبالغہ معلوم ہوتا ہے لیکن اس سے انکار ممکن نہیں کہ دل ودماغ پر موسیقی کا غیر معمولی اثر پڑتا ہے اور گانے کا کیف و سرور مردہ روح میں زندگی کی لہر دوڑا دیتا ہے اور مریض انسان کی صحت پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔

## موسیقی کسے کہتے ہیں

موسیقی منظم اور مرتب آواز کا نام ہے؟ کوئی زمانہ تھا جب آواز کو مختلف طریقوں وسازوں کے ذریعہ تربیت دی جاتی تھی اور بڑے بڑے کٹھن اور دشوار رستے طے کئے جاتے تھے مگر موجودہ جدید زمانہ میں جو عروج ہارمونیم باجہ کو ہوا وہ اور کسی ساز کو نصیب نہیں کیونکہ یہ نسبت اور سازوں کے آسان اور جلد آجانے والا ساز ہے مگر اس پر بھی طرہ یہ کہ آئے دن شایقینوں کی یہی فرمائش رہی کہ آسان سے آسان اور سہل طریقہ مل جائے تاکہ آناً فاناً میں گانے والوں کی صف میں شامل ہو جاؤں اور یہ ناممکن سی بات ہے۔ یہ وہ راگ ودیا ہے جس کی کوئی ڈگری تمام عمر محنت ومشق کرنے کے بعد بھی حاصل نہیں ہوتی۔

## علم ہارمونیم

پہلے ہارمونیم کے علم کو جاننا ضروری ہے۔ سیکھنے سے پہلے ہارمونیم کے سروں کا علم خوب ذہن نشین کرنا لازمی ہے۔ تاکہ ہر چیز سمجھنے میں آسانی ہو ورنہ محنت بیکار ہوگی؟ ہارمونیم تین حصوں میں تقسیم ہے اور ہر حصہ کو سپتک کہا جاتا ہے۔ پہلی سپتک کا نام مدھیہ سپتک ہے دوسری کا نام تارا اور تیسری سپتک کا نام مندر سپتک ہے اور ہر سپتک میں ۱۲ بارہ سُر ہوتے ہیں اس طرح تینوں سپتکوں کے کل چھتیس ۳۶ سُر ہوتے ہیں اور چھتیس سُروں کا مکمل ہارمونیم باجہ ہوتا ہے۔

سروں کے نام۔ کھرج۔ رکھب۔ گندھار۔ مدھم۔ پنچم۔ دھیوت۔ نکھاؤ؟
ہر سپتک کے سروں کے یہی سات نام ہوں گے۔ جو گانے میں استعمال ہوتے ہیں۔ وہ نام یہ ہیں۔

سا رے گا ما پا دھا نی

مگر اس میں بھی کومل اور تیبر کا جاننا ضروری ہے۔ پہلا سر کھرج یعنی سا یہ سر تنہا اور قائم سر ہے کبھی شکل تبدیل نہیں کرتا دوسرا سر رے کومل ہے یعنی اتری رکھب یہ شکل تبدیل کر کے رے تیبر بن جاتی ہے یعنی رکھب چڑھی اسی طرح باقی سر گندھار کومل گندھار تیبر مدھم کومل مدھم تیبر آتے ہیں پنچم سر یعنے پا یہ بھی قائم اور تنہا بے جوڑ کا سر ہے اور کھرج کی خاصیت رکھتا ہے کبھی شکل تبدیل نہیں کرتا اس کے بعد دھیوت یعنی دھا کومل دھا تیبر نکھاد۔ یعنے نی کومل نی تیبر آتی ہے۔ اس کے بعد دوسری سپتک شروع ہو جاتی ہے اسے بھی پہلی سپتک کی طرح جاننا چاہیئے۔

## مکمل نقشہ ہارمونیم

بیلو

مدھیہ سپتک پہلا حصہ تار سپتک دوسرا حصہ مندر سپتک تیسرا حصہ

## ہارمونیم کے سروں پر انگلیاں رکھنے کا طریقہ

جب مندرجہ بالا علم ہارمونیم خوب ذہن نشین ہو جائے تو باجے کو اپنے قریب سامنے رکھو اب بائیں ہاتھ سے پنکھا دھوا دینے کی دھونکنی جسے انگریزی زبان میں بیلو کہتے ہیں۔ کھول کر ہوا دو اور داہنے ہاتھ سے ہارمونیم کے پردے دباؤ مگر جب تک داہنے ہاتھ پردوں پر نہ رکھلو بیلو کو ہرگز نہ چلانا چاہیئے۔ اس طرح کرنے سے بیلو پھٹ جائے گی اور ہارمونیم بے سرا ہو جائے گا۔

اب سروں پر انگلیاں اس طرح چلاؤ کہ پہلی شہادت کی انگلی (سا) پر رکھو پھر انگوٹھا (رے) پر پھر شہادت کی انگلی (گا) پر پھر بڑی انگلی (ما) پر اور درمیانی (پا) پر پھر انگوٹھا (دھا) پر اور شہادت کی انگلی (نی) پر بڑی انگلی دوسری سپتک کے (سا) پر رکھو بس اسی ترتیب سے واپس سر بجاتے ہوئے چلے آؤ یہ خیال رہے کہ ہارمونیم پہلے بائیں سے داہنی طرف بجاتے ہوئے جاتے ہیں۔

اور اسی طرح داہنے سے بائیں طرف بجاتے ہوئے آتے ہیں جیسے کہ سا رے گا ما پا دھا نی۔ سا دھا پا ما گا رے سا۔ جب انگلیوں خوب چلنے لگ جائیں تو پھر آواز کی مشق کرنا شروع کر دو۔ تاکہ باجہ بجانے کے ساتھ ساتھ آواز کی مشق بھی ہو جائے۔

**اپنا کھرج قائم کرنا** مختلف گانے والوں کے مختلف کھرج ہوتے ہیں سب ایک ہی کھرج سے نہیں گاتے گانے والے کا کھرج اس کی آواز پر منحصر ہے باجے کے جس سُر سے آواز کا آغاز ہو گا بس وہیں سے یا اس سُر سے گانے والے کا کھرج مقرر ہو گا اور ہر گانا ایک کھرج سے گانا درست ہوتا ہے۔ مختلف گانوں کا مختلف کھرج قائم کرنا اچھا نہیں اس سے آواز کی تربیت میں فرق آ جاتا ہے مثال کے طور پر ہم تمہیں نقشہ ذیل سے سمجھاتے ہیں۔ نمبر۱ میں باجے کے کھرج سے بجانا بتایا ہے اور نمبر۲ میں آواز کا کھرج بتایا ہے آئندہ گانے اور سرگم بتائے ہوئے کھرج سے شروع ہوا کریں گے تاکہ تینوں سپتکوں میں نمبر۲ نقشہ ہارمونیم آسانی سے ہر گانا گایا جا سکے؟

## نقشہ ہارمونیم

بیلو

مدھیہ سپتک　　تار سپتک　　مندر سپتک

قائم سا　کومل نی　قائم پا　کومل ما　کومل گا　قائم سا　کومل نی　قائم پا　کومل ما　کومل گا　قائم سا　کومل نی　قائم پا　کومل ما　کومل گا　قائم سا　کومل نی

کومل رے　تیبر نی　تیبر　کومل دھا　تیبر ما　تیبر گا　کومل رے　تیبر رے　تیبر نی　کومل دھا　تیبر ما　تیبر گا　کومل رے　تیبر رے　تیبر نی　کومل دھا　تیبر ما　تیبر گا　تیبر رے　تیبر رے　تیبر نی　تیبر دھا

نقشہ۱ میں ہم نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ کھرج ہارمونیم کے پہلے سر سے چوتھا کالا سُر بنے وہ تمہارا کھرج بتائے ہوئے سبقوں میں رہے گا مگر ہر ایک گانے والے کی منشا پر منحصر ہے کہ وہ جس سر سے مرضی ہو گا سکتا ہے۔ جس سر سے گانے کا آغاز ہو گا بس اس کا وہی کھرج ہو گا۔ نشان آئندہ سبق میں سُروں کے یہ ہوں گے۔ مدھیہ سپتک کے سروں کا نشان یہ ہو گا نی پا ما گا .... ۔ تار سپتک کے سروں کا پر کوئی نشان نہ ہو گا جیسے: رے گا ما پا دھا نی + مندر سپتک کے سروں کا یہ نشان ہو گا۔ سا رے گا ما پا دھا نی۔ پس ان تینوں سپتکوں میں گانا و سرگم پہلے بتائیں گے۔؟ اور کومل تیبر کے نشان بھی ہوں گے کومل سُر کا نشان یہ ہو گا جیسے رے گا پا دھا نی۔ اور تیبر سُروں کا یہ نشان ہو گا۔ رے گا ما دھا نی (باقی آئندہ)

غلام محمد ساغر

# بچوں کے لئے پیشہ کا انتخاب

## سکریٹریٹ کا اگزیکٹیو ڈیپارٹمنٹ

سول اور پبلک محکموں کا تعلق اپنے اپنے صوبہ کی وزارت سے ہوتا ہے۔ ہر وزیر کے ماتحت مختلف سکرٹری ہوتے ہیں۔ ان سکرٹریوں کا دفتر "سکرٹریٹ" کہلاتا ہے۔ ان سکرٹریوں کے ماتحت سول اور پبلک محکمے ہوتے ہیں۔ یہاں سے ہی ان محکموں کو احکامات صادر ہوتے ہیں۔ ہر سکرٹری اور ڈپٹی کے سکرٹری کے نیچے کئی کئی کلرک کام کرتے ہیں جو اعلیٰ و ادنیٰ (Superiors — Subordinates) کہلاتے ہیں۔ نئے کلرکوں کا انتخاب ہر سال ہوتا ہے جس کا اعلان یا اشتہار سول و پبلک محکموں کے سکرٹری اور ڈپٹی سکرٹری اپنے صوبہ کے موقر اخبارات میں شائع کرتے ہیں۔ اس کی صحیح تاریخ اپنے صوبہ کے اگزاکیٹو ڈیپارٹمنٹ کے ڈپٹی سکرٹری سے دریافت کی جاسکتی ہے یا جیسا اعلان ہوا ہو اُس پر عمل کیا جائے ۔ حسب قاعدہ امتحان میں شرکت کے لئے ایک ماہ پیشتر درخواست بھیجنی چاہیئے۔ کسی صوبہ کے مخصوص امتحان میں دوسرے صوبہ کا امیدوار شریک نہیں ہوسکتا۔ درخواست کے ہمراہ اس امتحان کے لئے کچھ رقم بھی بطور فیس بھیجنی پڑتی ہے۔ جو رقم مقرر ہو اُسے سرکاری خزانہ میں داخل کرکے اس کی صرف رسید درخواست کے ہمراہ منسلک کردینی چاہیئے۔

**عمر کی حد** امیدوار کی عمر زیادہ سے زیادہ ۲۳ سال ہونی چاہیئے۔ مگر جو پہلے سے گورنمنٹ کی ملازمت میں ہیں یا خاص طور سے سکرٹریٹ میں بھی ادنیٰ گریڈ کے کلرک ہیں اور اعلیٰ گریڈ میں پہنچنے کے لئے امتحان میں شریک ہونا چاہیں تو ان کو عمر کی مقررہ حد سے مستثنیٰ کیا جاسکتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ ان کی مدت کم سے کم تین سال کی ہوچکی ہو۔

**قابلیت** اعلیٰ گریڈ کی سروس کے امیدوار کو گورنمنٹ کی مستند یونیورسٹی کا گریجویٹ یعنی بی اے پاس ہونا چاہیئے۔ یا اسی کے مساوی کوئی دوسرا امتحان مثلاً سینیر کیمبرج وغیرہ پاس ہو مگر جو میٹرک پاس امیدوار یعنی کلرک سکرٹریٹ میں ادنیٰ گریڈ میں ہیں اور وہ اپنی ملازمت کی مدت تین سال پوری کرچکے ہیں تو ان کے لئے یہ شرط نہیں ہے۔ گورنمنٹ کے دوسرے ملازمین جو اس امتحان میں شریک ہونا چاہیں ، ان کو مقررہ قابلیت یا تعلیم اور عمر سے کسی صورت سے مستثنیٰ نہیں کیا جاسکتا ہے۔

ادنیٰ گریڈ کے امیدوار کو ہائی اسکول کا امتحان یعنی میٹرک یا اُسی کے مساوی کوئی دوسرا امتحان مثلاً جونیر کیمبرج پاس ہونا چاہیئے درخواست کے ہمراہ اسکول یا دوسری تعلیم کا سرٹیفکٹ جس سے عمر یا پیدائش ثابت ہو اور تعلیمی سرٹیفکٹوں کی نقول گزیٹیڈ افسر سے تصدیق کراکر بھیجنی چاہیئیں۔ نیز ایک دوسرا سرٹیفکٹ اپنی سکونت کا اپنے ضلع کے جہاں خود رہتا ہے افسر سے تصدیق کراکر بھیجنا چاہیئے۔

**چال چلن** امیدوار کو اگر وہ پہلے سے گورنمنٹ کی ملازمت میں نہیں ہے تو اپنے تعلیمی انسٹیٹیوٹ کے ہیڈ ماسٹر یا پرنسپل سے جن کے ہاں اس نے کم سے کم ایک سال آخری تعلیم پائی ہے اس امر کا سرٹیفکٹ لے کر بھیجنا پڑے گا کہ اس کا چال چلن اچھا ہے اور اُس نے مُلکی سیاسیات میں عملی حصہ نہیں لیا ہے یا اُس نے دوران تعلیم میں کسی قسم کی مجرمانہ حرکات کا ارتکاب نہیں کیا ہے

**امتحان** تمام امیدواروں کو سوائے ادنیٰ گریڈ کی سروس والوں کے معلومات عامّہ۔ جواب مضمون۔ خلاصہ اور مسوّدہ تیار کرنے کے مضامین پر امتحان دینا ہوگا۔

مگر ادنیٰ گریڈ کی سروس کے کلرک جن کی ملازمت کی مدّت تین سال ہو چکی ہے۔ خواہ اس دوران میں انہوں نے عارضی طور پر کام کیا ہو یا مستقل۔ اعلیٰ گریڈ کی سروس کی ۱/۵ آسامیوں کے مستحق ہوں گے جو پہلے سے ویٹنگ لسٹ میں درج ہوں گی۔ ان کو بھی عام پبلک کے امیدواروں کے ساتھ ساتھ مگر صرف تین مضامین یعنی جواب مضمون۔ خلاصہ اور مسودہ تیار کرنے میں امتحان دینا ہوگا۔ کامیابی حاصل کرنے کے لئے انہیں ان تمام مضامین میں اتنے نمبر حاصل کرنے چاہئیں جتنے پورے امتحان میں ایک عام پبلک کے امیدوار کو حاصل کرنے ضروری ہیں۔

ہر کامیاب امیدوار کو اگر وہ پہلے سے مستقل طور پر گورنمنٹ کی ملازمت میں نہیں ہے۔ اپنی صحت کا طبی سرٹیفکٹ اپنے ضلع کے سول سرجن سے لے کر بھیجنا پڑے گا۔ معائنہ کی فیس سول سرجن کو خود امیدوار کو ہی دینی پڑے گی۔ پھر حسب قاعدہ تمام امیدواروں کو ان کی قابلیت کے لحاظ سے درجہ وار ویٹنگ لسٹ میں درج کر لیا جائے گا۔ اور جگہ خالی ہونے پر اُن کو طلب کیا جائے گا۔

ادنیٰ گریڈ کی سروس کا کوئی امیدوار اُس وقت تک ویٹنگ لسٹ میں شامل نہ کیا جائے گا جب تک وہ ڈپٹی سکرٹری کو امتحان کا نتیجہ نکلنے کے تین مہینے کے اندر یہ یقین نہ دلا دے کہ وہ کم سے کم ۲۵ الفاظ فی منٹ ٹائپ کر سکتا ہے یا ۹۰ دیگر الفاظ اُس وقت تک اعلیٰ گریڈ کی سروس پر اس کا تقرر نہ کیا جائے گا جب تک وہ اس رفتار سے ٹائپ نہ کر سکتا ہو۔

**کلرکوں کے فرائض** کلرک محکمہ کے اعضاء کہلاتے ہیں۔ ان کے سپرد دفتر کے مختلف کام ہوتے ہیں مثلاً حسابات کی جانچ پڑتال کرنا اور ان کو واپس کرنا۔ تخمینے تیار کرنا۔ خط و کتابت کے مسودے تیار کرنا اور ٹائپ کرنا وغیرہ۔

**تنخواہ** اعلیٰ گریڈ کی سروس کے کلرک کو ابتدا میں نَٹو روپیہ ماہوار تنخواہ ملے گی اور آٹھ روپیہ سال ترقی ہو کر دو سو چالیس روپے تک پہنچے گی۔ ادنیٰ گریڈ کی سروس کے کلرک کو پچاس روپیہ ماہوار ملتے ہیں جو دو روپیہ اور چار روپیہ سال ترقی ہوتے ہوئے ایک سو تک پہنچیں گے۔

# ریلوے اکاؤنٹ آفس

ہر سال جی۔ آئی۔ پی ریلوے کے اکاؤنٹ آفس کے لئے ادنیٰ گریڈ کے کلرکوں کا بذریعہ امتحان انتخاب ہوتا ہے۔ امتحان ایک بورڈ لیتا ہے۔ جسے ریلوے اکاؤنٹس کا کنٹرولر مقرر کرتا ہے۔ امتحان کی جگہ اور تاریخ ہر سال اخبارات میں شائع ہو جاتی ہے یا چیف اکاؤنٹ آفیسر جی۔ آئی۔ پی ریلوے بمبئی کو خط لکھ کر دریافت کی جا سکتی ہے۔

**عمر کی حد** جس سال امتحان ہونے والا ہو اس کی یکم جنوری کو امیدوار کی عمر ۲۵ سال کم ہونی چاہیئے۔

**قابلیت**۔ امیدوار کم سے کم میٹرک یا اُسی کے مساوی کوئی دوسرا امتحان پاس ہونا چاہیئے۔ درخواستیں لینے کی جو تاریخ مقرر ہو

اس سے دو تین یوم پہلے درخواست جو اس کے مخصوص فارم پر ہو جسے خط لکھ کر منگوایا جا سکتا ہے) چیف اکاؤنٹ آفیسر کو جس کا پتہ اوپر مذکور ہو بھیج دینی چاہیئے۔ ہر درخواست کے ہمراہ مبلغ پانچ روپیہ بطور فیس داخلہ امتحان (انڈین پوسٹل آرڈر میں) اور ٹھیک عمر کے ثبوت میں بھیجنے لازمی ہیں۔ بغیر اس کے کوئی درخواست قبول نہیں کی جائے گی۔ اگر درخواست منظور نہیں کی گئی تو فیس موصولہ واپس کر دی جائے گی۔

**امتحان** مذکورہ بالا اسامیوں کے لئے امتحان (۱) ہاتھ کی لکھائی (ب) کمپوزیشن (ج) ریاضی اور (د) حاضر الوقت معلومات اور معلومات عامہ (جنرل نولج) پر سوالات ہوں گے جن کے ساتھ تازہ واقعات اور عام اطلاعات پر بھی تفصیلی یا مختصر رائے پوچھی جائے گی۔ یہ تمام معلومات وہی ہوتی ہے جس سے ایک تعلیم یافتہ شخص کو آگاہی ہوتی ہے یا ہونی چاہیئے۔ مثلاً فلاں ملکی یا غیر ملکی فلسفی شخص کیسا ہے اس کے متعلق تم کیا جانتے ہو؟ ملک کے فلاں عہدہ پر آج کل کون شخص ہے؟ سمندر کے جزر و مد کے کیا اسباب ہیں؟ فلاں مقام کے زلزلہ یا طوفان عظیم کے کیا اسباب بیان کئے جاتے ہیں؟ ہندوستان کی تاریخ (ہسٹری) میں فلاں اشخاص کیوں مشہور و معروف ہیں ان پر مختصر نوٹ لکھو۔ فلاں ملک کا واقعہ (کوئی جنگ حادثہ یا انقلاب) کیوں ہوا؟ فلاں فلاں مخفف حروف کے اصل الفاظ یا فقرے کیا ہیں؟ بمبئی۔ آگرہ۔ دہلی۔ اور مدراس کے ریلوے سسٹم کیا کیا ہیں؟ دنیا کی فلاں حکومتیں کس قسم کی ہیں۔ ہندوستان کی کونسی صنعتیں قابل ترقی ہیں۔ فلاں فلاں اصطلاحات (Terms) مثلاً نازی۔ فسٹ۔ سوئٹ) کی تشریح کرو۔ فلاں ملک کہاں ہیں اور علیٰ ہذا القیاس۔

امتحان میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ہر ایک پرچہ پر مجموعی ۴۰ نمبر حاصل کرنے ضروری ہیں۔ ہر ایک پرچہ ۱۰۰ مارکس کا ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ جس قدر مارکس مثلاً ۵۰ یا ۸۰ فیصدی حاصل کئے جائیں گے اسی حساب سے ان کا باری باری سے تقرر کیا جائے گا اور انہیں ترقی ملے گی۔ اعلیٰ قابلیت کے لوگوں مثلاً بی اے۔ یا بی۔ ایس۔ سی۔ ایم۔ اے یا ایم ایس سی۔ پاس والوں کے لئے بھی اس میں اس سے زیادہ ترقیاں رکھی گئی ہیں جس کی تفصیل اس امتحان کے پراسپکٹس میں موجود ہے۔

**تنخواہ اور ترقی** اس گریڈ کے تمام معمولی قابلیت کے کلرکوں کا تقرر تیس روپیہ ماہوار پر کیا جائے گا اور چار روپیہ سال ترقی ہوگی۔ پھر پچاس تک پہنچ کر پانچ روپیہ سال سے ترقی شروع ہوگی اور اسی تک پہنچے گی۔ اس کے علاوہ کلرک دوسرے امتحان دے کر انسپکٹر اور اکاؤنٹنٹوں کے عہدوں تک پہنچ سکتے ہیں جس کی تفصیل ریلوے بورڈ کے میمورنڈم کے اینڈکس ڈی نمبر ایف ۵۶۵ مورخہ ۳۱۔ جولائی ۱۹۲۹ء میں درج ہے۔

تقرر سے قبل امیدوار کو طبی سرٹیفکٹ اس میڈیکل آفیسر سے لے کر بھیجنا پڑے گا جسے چیف اکاؤنٹس آفیسر نے تجویز کیا ہو۔ پھر اسے حسب ضابطہ ملازمت کا اقرار نامہ لکھنا پڑے گا۔

ہر ایک کامیاب امیدوار کا تقرر ایک سال کے لئے عارضی طور پہ کیا جاتا ہے اس کے بعد اس کے کام کی حالت اور قابلیت

توجہ دیکھنے پر مستقل کیا جائے گا۔

## ریلوے کلیرنگ اکاؤنٹس آفس

اس محکمہ کے کلرکوں کے انتخاب کا امتحان دہلی میں ڈائریکٹر کلیرنگ اکاؤنٹس آفس کی نگرانی میں ہوتا ہے جس کی تاریخ دریافت کی جاسکتی ہے۔ اندازاً یہ سال کے آخری مہینے میں ہوتا ہے۔ درخواستیں اکتوبر تک لی جاتی ہیں۔ مگر درخواستیں بھیجنے کی صحیح تاریخ اور امتحان کا پروگرام وغیرہ دریافت کیا جاسکتا ہے۔ اخبارات میں بھی اعلان ہوتا ہے کیونکہ یہ اُمور ہر سال تبدیل ہوتے رہتے ہیں

اس امتحان کے تمام قواعد و ضوابط اور مضامین وغیرہ سب وہی ہیں جو ریلوے اکاؤنٹس آفس کے کلرکوں کے لئے مقرر ہیں جن کی تفصیل اوپر بیان کی جاچکی ہے البتہ جو اُمور اور قواعد ان سے مستثنیٰ ہیں وہ ہم حسب معمول مقررہ عنوانات کے تحت یہاں بیان کرتے ہیں۔

**عمر کی حد۔** اس امتحان کے امیدواروں کی عمر ۲۴ سال

**امتحان۔** ہر ایک پرچہ تین گھنٹے کا ہوگا۔ اور اس کے مجموعی مارکس ۳۰۰ ہوں گے۔

**تنخواہ۔** کامیاب اُمیدواروں کا ابتدائی تقرر ۳۰ روپیہ ماہوار پر کیا جائے گا۔ اور ۵ روپیہ ماہوار ترقی دی جائے گی جو ۸۰ روپیہ تک پہنچے گی۔

سید رضا احمد جعفری (اکبرآبادی)

# بخار سے حفاظت

بخار عموماً ایک بہت معمولی بیماری سمجھی جاتی ہے لیکن شائد بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ انسانی جان کا سب سے بڑا دشمن یہی ہے۔ پچپن فیصدی اموات اسی کی بھینٹ چڑھتی ہیں اور جو اس کے پنجے سے نکل جاتے ہیں ان میں سے بہت سے مندرجہ ذیل امراض میں کم وبیش عرصہ تک گھلتے رہتے ہیں۔

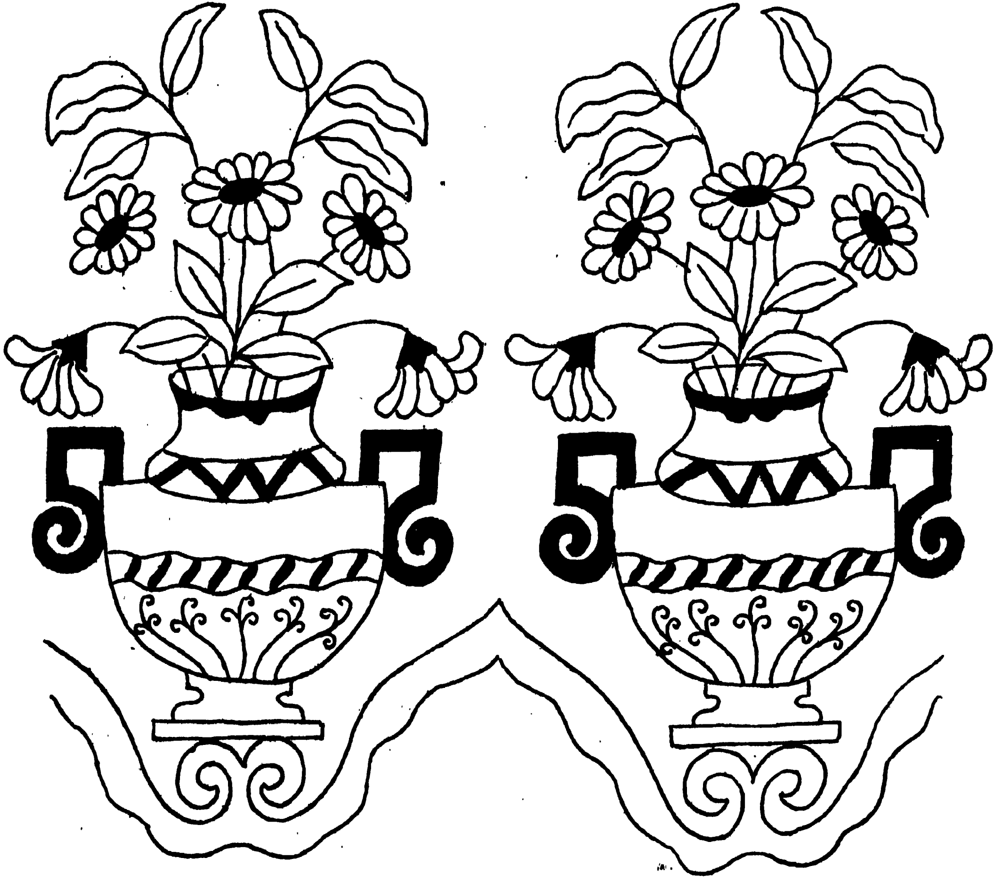
دردسر۔ دردشکم۔ فالج۔ جگر اور تلی کا ورم۔ کھانسی۔ اختلاج۔ دست پیچش۔ استسقاء وغیرہ۔

بارش کے موسم کے بعد خصوصاً بخار کا زور ہوتا ہے بعض گھروں کے سب افراد اس میں مبتلا ہو کر گھر کے گھر بیمارستان بنے ہوتے ہیں۔ بخار عموماً مچھروں کے کاٹنے سے پیدا ہوتا ہے اس لئے جسم کو مچھروں سے یا ان کے زہر سے محفوظ رکھنے کے لئے بہت سی تدبیریں بیان کی گئی ہیں مثلاً مچھروں کا استیصال کرنا، گھر کی صفائی کرتے رہنا۔ دھونی دینا۔ گندہ پانی جمع نہ ہونے دینا۔ نالیوں کو صاف وخشک رکھنا۔ نالابوں میں تیل چھڑکنا۔ پانی کو جوش دیکر پینا۔ غذا کا اہتمام کرنا۔ کونین کھاتے رہنا۔ اور حفاظت صحت کے اور دوسرے ضروری امور کا لحاظ رکھنا وغیرہ۔ مندرجہ بالا تدابیر بیشک مفید ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ ہر ایک تدبیر ایک اچھا خاصہ خبط ہے۔ بھلا مچھر جیسی خدا کی بیشمار مخلوق کو کون مارتا پھرے روز روز کون گھر کو دھونی کی بدبو سے آلودہ کرے کس کی ہمت ہے جو ہر وقت جوش دیا ہوا پانی پیے اور خاص اہتمام سے کھانا پکوائے اور کھائے اور پھر مزید برآں اپنے کام ودہن کو کونین کی تلخی کی متواتر دعوت دیتا رہے۔

ایک ڈاکٹر صاحب کا بیان ہے کہ ان کے ایک دوست کا گھرانہ بخار سے بہت تنگ آگیا تھا ایک دفعہ ان کے گھر کے پورے تیس افراد بخار میں مبتلا ہو گئے تھے کونین کے علاج کے باوجود بخار لوٹ لوٹ کر آتا تھا معلوم ہوا کہ ان کے گھر میں ایک بڑا حوض تھا جو مچھروں کی پرورش گاہ تھی۔ ڈاکٹر صاحب کی فہمائش پر وہ حوض خشک کرا دیا گیا گھر کی نالیوں کو صاف رکھا گیا اور مچھر دانی استعمال کی گئی۔ اس تدبیر سے آخر وہ بلا سر سے ٹلی پچھلے سال میں نے خود یہ ارادہ کیا تھا کہ ابکی دفعہ بچوں کو بخار سے محفوظ رکھنے کی کوشش کروں چنانچہ دیگر تدابیر کے طویل عمل کو خیرباد کہتے ہوئے میں نے صرف مچھر دانی کے استعمال پر زور دیا اور اس کا پورا پورا اہتمام کیا نتیجہ یہ ہوا کہ جب سے اب تک خدا کے فضل سے بچے بخار سے محفوظ رہے۔ مچھر زیادہ تر رات کو کاٹتے ہیں جب کہ بچے اور بڑے بیخبر پڑے سوتے ہوتے ہیں۔ اس لئے زیادہ تر ان سے بچنے کا انتظام رات کے وقت کرنا چاہیے بعض قسم کے تیز خوشبودار یا بدبودار تیل جسم کے کھلے حصوں پر لگا کر سو جانے سے بھی حفاظت ہو سکتی ہے لیکن اس سے جسم اور کپڑے دونوں خراب ہو جاتے ہیں اور پھر روز کی مستقل علت ہے۔ میں اپنے کامیاب تجربہ کی بنا پر کہہ سکتی ہوں کہ صرف مچھر دانی کا استعمال سب دوسری تدبیروں سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اور سب سے زیادہ سستا اور قابل عمل بلکہ سہل العمل ہے۔ اگر خود تیار کرنا ممکن نہ ہو تو ہر بڑے شہر میں سیکنڈ ہینڈ مچھر دانیاں بہت ملتی ہیں۔ کوئی اچھی پائیدار دیکھ کر خرید لیں اور دھوبی سے دھلوا کر کام میں لائیں۔

بیگم حکیم محمد عزیز خاں (جاورہ)

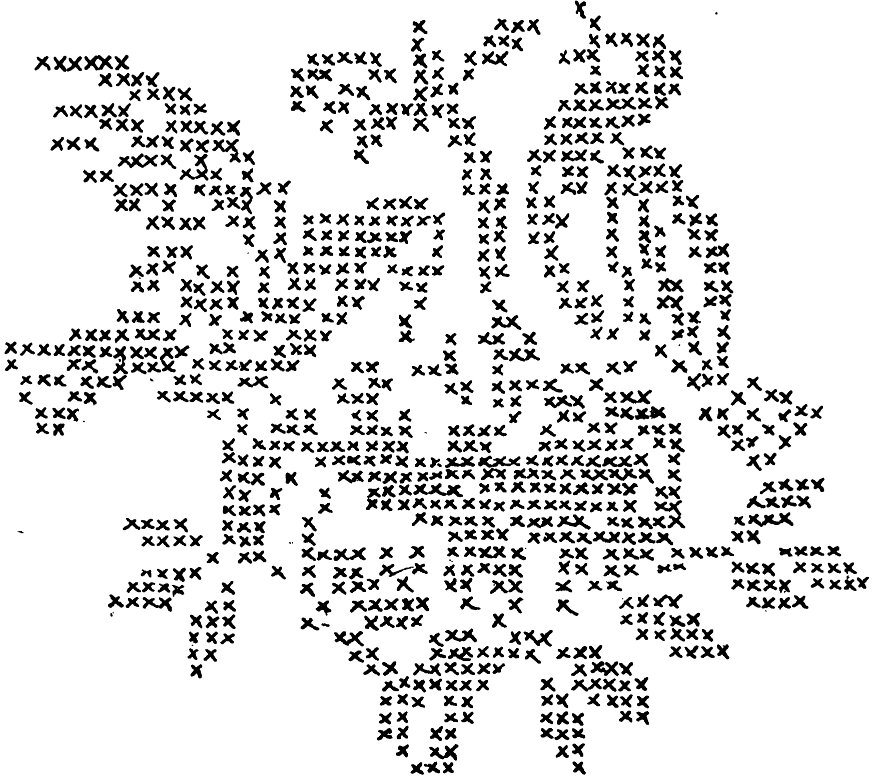
# گلدان کی بیل



اس گلدان نما بیل کو خوبصورت شیڈ دار ریشم سے حسب منشا چیزوں پر بنائیے۔ خصوصاً ٹیبل کور اور چادر پر بہترین معلوم ہوگی۔ کنگورے قطع کیے جائیں گے۔

مس حکیم النسار مرزا۔ دہلی

# کراس اسٹچ میں پرند کا گھونسلا



آئینہ پوش پر بہت اچھا رہے گا۔ پتیاں۔سبز - چونچیں۔چوکلیٹ - گھونسلہ بھورا۔
آنکھیں۔سُرخ - چڑیاں۔ زرد۔

آنسہ صالح محمد۔ مدراس

# خانہ داری

## جس میں سنگھار و آرائش بھی شامل ہے

**گردن کی خبر** چہرہ کیسا ہی دلکش اور مخملی ہو اور اُن پر نرم اور چمکدار بالوں کی گھٹا کیسی ہی خوشنما کیوں نہ معلوم دیتی ہو لیکن اگر گردن خوبصورت اور دلفریب نہیں ہے، تو چہرہ اور گیسوؤں کی ساری خوبی خاک میں مِل جاتی ہے۔ بات یہ ہے کہ سنگھار میں صرف چہرہ اور بالوں کا ہی دھیان رکھا جاتا ہے۔ گردن کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ حالانکہ سب سے پہلے گردن ہی عمر کی چغلی کھایا کرتی ہے۔ گردن کی بے رونقی اور ڈھیلی کھال زیادہ عمر کی نشانی ہے۔ گردن کی خبر نہ لینے سے دونوں نقص بہت جلد نمودار ہو جایا کرتے ہیں۔ جاکٹ کوٹ یا قمیص کے کالر گردن کو خراب کیا کرتے ہیں۔ اس لئے گردن کی خبر گیری بھی سنگھار کا ایک ضروری جزو ہونا چاہیئے۔

چہرہ کی آرائش کے ساتھ ساتھ گردن کو صاف ستھرا کر لینا چاہیئے۔ اُس پر خوبصورتی کے لیپ بھی لگاتے رہنا چاہئیں آج کل بہت سے بنے بنائے لیپ بازاروں میں ملتے ہیں۔ پہلے گردن کسی کریم سے صاف کرنی چاہیئے۔ پھر کسی حریری کاغذ سے کریم پونچھ ڈالیں۔ اس کے بعد ریشمی روئی کسی جلدی غذا (Skin Tonic) میں سے نکال کر نچوڑ لیں گردن پر نرم نرم پھیر لیں۔ اس کے بعد لیپ ساری گردن پر آگے پیچھے پھیلا لیں۔ جب سوکھ جائے ریشمی روئی کو گرم پانی میں سے نکال کر نچوڑ لیں اور اس کی مدد سے لیپ اُتار دیں۔ لیپ چونکہ خشکی پیدا کرنے کا باعث ہو سکتا ہے اس لئے روئی کا پھاہا شکنی تیل (Wrinkle Oil) میں ڈبو کر پھیر لیں۔ کیونکہ گردن کے معاملہ میں بہیں زیادہ خشکی سے حفاظت لازم ہے۔

جب کبھی آپ چہرہ پر جلدی غذا ملیں گردن کو اس سے محروم نہ رکھیں پوروں سے کریم گردن کی جلد میں جذب کریں۔ پورو ے بہت ہلکے ہلکے ہنسلی تک لے جائیں اور ٹھوڑی کے نیچے سے ہوتے ہوئے اُنھیں کان کی لووں تک لیتے جائیں۔

لچکدار تھپکی کا آلہ (Flexible patter) بھی اپنی سنگھاری اشیاء میں شامل کریں ریشمی روئی ٹھنڈے پانی میں سے نکال کر نچوڑیں۔ اور اس کے سرے پر رکھ دیں۔ جلدی غذا کے چند قطرے اس پر چھڑکیں اور اس سے گردن کو تھپکتے چلے جائیں۔ گردن کے دونوں پہلوؤں اور آگے پیچھے ہنسلی سے لوؤں تک پھر دھگدگی سے ٹھوڑی کے سرے تک تھپکتے جائیں۔ اس سے ٹھوڑی اور گدی کے خطوط ہموار اور مضبوط ہوتے ہیں۔ گردن کی جلد کا ڈھیلا پن پٹھوں کے ڈھیلے پن سے نمودار ہو جایا کرتا ہے۔ اور روزانہ اچھی تھپکی پٹھوں کو مضبوط کرتی ہے۔

اس غرض کے لئے گردن کی ورزشیں بھی مفید ہیں۔ ان میں سب سے اچھی یہ ہے کہ گردن کو اوپر کو کھینچیں۔ اور سر ایک طرف سے دوسری طرف کو چلاتے رہیں۔

**دھوپ اور ہوا کی مار** دھوپ اور ہوا کے جھپٹ گوری کھالوں کے لئے مصیبت ہیں۔ دھوپ میں رہنے سے جلد کا تیل جل کر اسے خشک کر دیتا ہے اور اس میں بے رونقی اور پھیکا پن پیدا ہو جاتا ہے۔ اس سے جلد بھدی کھردری اور موٹی ہو جاتی ہے۔ دھوپ گوری جلد میں سیاہی پیدا کرتی ہے۔ اور بالوں کی سیاہی اُڑا کر ان میں سفیدی کے ڈورے نمودار کرتی ہے۔ جب دھوپ میں زیادہ دیر رہنے کا اتفاق ہو تو سر کے بالوں اور جلد کو دھوپ کی تیزی سے بچانے کی تدابیر کرنی چاہئیں۔

ہوا کے تھپیڑے خواہ گرم ہوں یا سرد گوری جلد کے ایسے ہی دشمن ہیں جیسے دھوپ۔ اگر احتیاط نہ کی جائے تو جلد مستقل طور سے خراب ہو جاتی ہے۔ جہاں جلد میں دھوپ اور ہوا کی زد کا اثر نمودار ہو۔ اور باریک باریک سی جھریوں کا شائبہ بھی ہونے لگے فوراً جلدی اور بٹھوں کی کریم (Skin Cream - Tonic Cream) ان لکیروں کے مقامات پر لگا دیا کریں اس سے جو سکون پیدا ہوگا جلد ہی نقصان کی تلافی کر دے گا۔

موٹر میں یا ریل میں سفر کا اتفاق ہو تو ہوا کے تھپیڑے جلد کی بری طرح خبر لیا کرتے ہیں۔ رخساروں کو ہوا کی زد سے بچائیں۔ گھر سے چلنے سے قبل ان سب مقامات پر جو کھلے رہتے ہیں اور ہوا کی زد میں آتے ہیں بنیادی کریمیں سلیقہ سے لگالیں۔ اور ہونٹوں پر پومیڈ (Pomade) لگالیں۔ آنکھوں پر گہرے رنگ کا چشمہ لگالیں تاکہ آنکھیں نہ چندھیائیں اور ان میں خون کی سی سرخی پیدا نہ ہونے پائے اس سے آنکھوں کے گرد باریک باریک شکنیں بھی پیدا نہ ہونے پائیں گی۔

دھوپ سے بچنے کے لئے کریم لگانے کے علاوہ چھتری استعمال کریں۔ چھتری استعمال نہ ہو سکے تو کپڑے کا سایہ چہرے پر پڑنے دیں۔

**تازگی ونفاست** خوبصورت بیبیاں کسی موسم میں حسین و دلفریب بننے سے نہیں چوکتیں۔ خواہ سورج کی جھلسا دینے والی کرنوں کا زمانہ ہو یا ایسی سخت سرد ہوا چلنے کا موسم ہو کہ سردی ہڈیوں میں گھسی جاتی ہو یہ بیبیاں اپنے حسن و جمال میں بدستور تازہ اور نفاست بھری نظر آئیں گی۔ ان پر موسم کا تغیر و تبدل کا کوئی اثر نظر نہ آئے گا۔ گرمی کے موسم میں بغلوں کی اور جسم کی بو، آدمی کیسا ہی تازہ و بشاش ہے اس کی تازگی میں فرق ڈال دیتی ہے۔ جاڑوں کے گرم کپڑے جلد جلد نہیں دھل سکتے۔ اور ایسے مسام دار نہیں ہوتے کہ ہوا آسانی سے جسم تک پہنچ سکے۔ اس لئے ایسے کپڑے پہن کر تازگی کہاں؟ لیکن یہ خوشنما بیبیاں اس حالت میں بھی دلکش اور تازہ بتازہ معلوم ہوتی ہیں۔

ہر موسم میں جب یہ بیبیاں اس قدر اچھی رہ سکتی ہیں تو دوسری بیبیاں کیوں نہ ان کی نقل کریں۔ جو عورت تر و تازہ اور صاف ستھری رہے گی اس کی رعنائی میں کسے کلام ہو سکتا ہے۔

آج کل پسینہ کی بو دور کرنے کی بہت سی دوائیں (Deodrants) مائع اور خشک حالت میں انگریزی دوا فروشوں سے بکثرت مل سکتی ہیں۔ آپ کو یقیناً یکے بعد دیگرے چند دوائیں بطور آزمائش استعمال کرنی پڑیں گی حتیٰ کہ آپ کا ہاتھ ایسی دوا پر پڑ جائے جو بالکل آپ کے لئے موزوں بیٹھے۔ ان دواؤں کا استعمال بہت آسان ہے۔

اگر آپ پسینہ بند کرنا چاہیں، بعض کریمیں ایسی ہیں جو گھنٹوں آپ کو تازہ بتازہ رکھیں گی۔ ان میں سے ایک چھوٹی سی ڈبی کی صورت میں ہے جسے ہینڈ بیگ میں رکھا جا سکتا ہے۔ بعض دیگر بے ضرر مرکبات ہیں جو پسینہ بند کر دیتے ہیں۔ عام طور استعمال کی جاتی ہیں۔ بعض جلدی سے پگھل کر جذب ہونے والی بھی ملتی ہیں ایک جھاگ دار کریم (Frothy Cream) بھی ہے۔ جو جلد پر تھوڑی تھوڑی چند سکنڈ لگ کے جلنے کے بعد غائب ہو جاتی ہے اور جلد گھنٹوں کے لئے خشک کر جاتی ہے۔

چھوٹی چھوٹی گدیاں (Pads) جو ملتی ہیں، جن میں پسینہ روکنے والی مائع دوا جذب کی ہوئی ہوتی ہے۔ گدی جلد پر پھیرنے کی دیر ہے۔ کریمیں جلد پر پھیرنے کے بعد خشک ہوتے ہی اپنا کام شروع کر دیتی ہیں۔ اور یہ ایک دو منٹ کا کام ہے اگر یہ خیال ہو کہ دوا دیر تک رکھی رہنے کی وجہ سے کم اثر ہو گئی ہوگی۔ تو پسینہ کے مقام پر پسینہ دور کرنے والا پوڈر (Deodrant Powder) ذرا سا چھڑک دیں۔ یہ پوڈر پسینہ بند نہیں کرتے۔ بلکہ یہ محض آپ کو تر و تازہ رکھتے ہیں۔

اور ٹیلکم پوڈر (Talcum Powder) کے مقابلہ میں زیادہ اچھے ہیں۔

**سنگھار کی روشنی** سنگھار کی میز پر روشنی کافی رہنی چاہئے۔ کھڑکی کے پاس ایسی میز کا ہونا بہت مناسب ہے۔ اور جب سنگھار کیا جائے تو چک اٹھا دی جائے۔ تاکہ باہر کی روشنی اندر آتی رہے۔ اس سے سنگھار کی کمی بیشی نظروں میں رہتی ہے۔ اگر میز کسی کونہ میں ہو۔ جہاں روشنی پوری پوری نہ جاتی ہو۔ تو بہت ممکن ہے کہ معمولی معمولی جلدی نقائص اور باریک باریک شکنیں پوڈر کرنے سے رہ جائیں۔ پوری روشنی میں لپ سٹک کے رنگ کے کنارے ناہموار اور شکستہ نہیں رہتے۔ روژ کی مناسب طور سے آمیزش ہو جاتی ہے۔ نقص رہ جائے تو آسانی سے درست کر دیا جاتا ہے۔ یہ خیال کرنا چاہئے کہ سنگھار کے بعد چہرہ روشنی میں ملنے والیوں کے سامنے ہوگا۔ کم روشنی میں بنایا ہوا چہرہ بعض ایسے نقائص کا مرقع ہو جاتا ہے، جو کونے کے دھندلکے میں نظر آسکے۔ جب سنگھار کیا جائے تو ایسی ہی پوری روشنی اندر ہو جیسی اس وقت ہوگی جب ملنے والیاں اکھٹی ہونگی۔ سنگھار دن کے لئے ہو یا رات کے، ایسی ہی روشنی کمرے میں موجود ہونی چاہئے جیسی سنگھار کی نمائش کے موقع پر ہو۔

**خانگی ٹوٹکے** پرانی بوتلیں یا شیشیاں جو بہت عرصہ تک بیکار پڑی رہی ہوں ان میں کوئی بدبو دار دوا بند رہی ہو ایک درمیانہ درجہ کی بوتل کے لئے ایک چمچہ رائی کافی ہے۔ رائی ڈال کر بوتل خوب ہلائیں اور چند گھنٹے رہنے دیں اسے پھر ہلائیں اور آخر میں ٹھنڈے پانی سے خوب دھار دیں۔

کپڑے پر پہلے پنسل سے نام لکھیں۔ پھر نشان لگانے والی سیاہی سے لکھیں وہ پھیلے گی نہیں۔ آج کل نشان لگانے والی پنسلیں بھی دستیاب ہونے لگی ہیں۔ کپڑا اندا کرنے کے بعد پنسل سے لکھیں اور سایہ میں خشک کریں۔

اصلی جواہرات تو ماہر ہی صاف کرسکتے ہیں۔ مگر آج کل نقلی جواہرات کی مالائیں زیادہ چل نکلی ہیں انھیں دھوتے رہنے سے ان کی چمک قائم رہتی ہے۔ مگنیشیا کا سفوف (Powdered Magnesia) پانی میں ڈال کر رات بھر ان موتیوں کو اس میں پڑا رہنے دیں۔ اگلے دن انھیں ضرور نکال لیں۔ چہرہ کے ملائم برش سے انھیں احتیاط سے صاف کرنے کے بعد حریری کاغذ (Tissue Paper) سے مل دیں۔

ٹانگیں آگ کے پاس دیر تک رہنے یا دھوپ میں کھلی رکھنے سے جھلس جایا کرتی ہیں اور وہ نشان اس قدر بدنما معلوم ہوا کرتے ہیں کہ باریک جرابوں میں سے بھی جھلکا کرتے ہیں۔ گھر پر یہ لوشن تیار کریں جس سے دھبے دور ہو جائیں گے چار حصے لیکٹس ایسڈ (Lactic Acid) اور تین تین حصے گلیسرین اور ایلڈر فلاور (Elder flower) کا پانی باہم ملائیں۔ ان جھلسے ہوئے دھبوں پر یہ لوشن پھائے سے لگائیں اور خشک ہو جانے دیں۔ جب تک اس لوشن سے وہ دور ہوں اس اثناء میں انھیں چھپانے کا طریقہ یہ ہے کہ ان پر پانی کا اثر نہ لینے والی کریم (Water proof Cream) چپڑ دیں۔ اور گیلی انگلیوں سے اسے جلد پر ہموار کر دیں۔ یہ کریم مختلف رنگوں میں دستیاب ہوتی ہے مائع صورت میں بھی ملتی ہے۔ جو سپنج سے پھیلائی جاسکتی ہے۔

مربہ یا شربت بوتل میں بند کرتے وقت پیچ کی ڈاٹ کے گرد ذرا سا روغن زیتون مل دیں۔ اس سے وقت پر پیچ آسانی سے کھل جائیگا۔

کالا کپڑا دھونے کے بعد اسے آخری پانی میں کھنگالیں جس میں تیل خوب ملا ہوا ہو۔ اس سے کپڑے کے سیاہ رنگ میں آب آجائیگی۔

محمد ظفر

# سیر بین

## موجودہ جنگ کے متعلق پیشگوئیاں

سوئٹزرلینڈ میں ایک کتاب چھپی تھی جس کی طرف اب توجہ دلائی جا رہی ہے۔ اس میں بیسویں صدی کی جنگوں کے متعلق پیشگوئیاں کی گئی ہیں کہ ہوا میں اڑنے والے جہاز استعمال کئے جائیں گے۔ جو عقابوں سے مشابہ ہوں گے۔ آسمان میں ایسے بادل اڑتے پھر رہے گے جو حقیقت میں بادل نہ ہونگے۔ آسمان سے تارے ٹوٹ کر گریں گے۔ بڑی بڑی رائفلیں کام میں لائی جائیں گی جن میں پہیئے لگے ہوئے ہونگے۔ اور جنگ کے میدانوں میں چلتے پھرتے قلعوں سے کام لیا جائیگا۔ اس کتاب کے مصنف نے یورپ کی دوسری جنگ کا زمانہ ۱۹۴۰ء اور ۱۹۵۰ء کے درمیان مقرر کیا ہے۔ ۱۶۰۰ء میں اڈولف نامی عورت کے ایک خواب کے دیکھنے کا ذکر ہے۔ کہ ایک زمانہ میں جرمنی سب سے زیادہ جنگجو ہوگا۔ اس زمانہ میں ایک جنگ ہوگی۔ اس کے بعد ایک اور جنگ ہوگی جس کا ذمہ دار ایک شخص ہوگا جو دریائے ڈینوب کے کنارے کے ایک شہر کا باشندہ ہوگا۔ اس کی سرداری میں جرمنی ترقی کرے گا۔ مگر اس کے بعد جرمنی کو زوال آجائیگا اور تباہ ہو جائے گا۔

سولہویں صدی میں ایک عیسائی پادری کی پیشگوئی کا تذکرہ ہے۔ کہ بیسویں صدی میں تین ہولناک جنگیں ہونگی جن کی وجہ سے ملک رائن (رائن لینڈ) تباہ ہو جائے گا۔ دوسری جنگ میں جو پہلی جنگ سے زیادہ ہولناک ہوگی جرمنی بالکل مٹ جائے گا۔ اس میں آسمان سے تارے ٹوٹینگے جن سے شہر تباہ ہو جائیں گے۔ زہریلے بادل چھا کر تباہی پھیلائیں گے۔ ایک صدی بعد اسی طرح کی ایک پیشگوئی ایک پادری نے کی۔ اس میں بھی زہریلے بادلوں اور ہوا میں اڑنے والوں جہازوں اور زمین پر چلتے پھرتے قلعوں کا ذکر ہے۔ اس وقت ایسی حالت ہوگی کہ آدمی اپنے آپ کو بھول جائے گا۔

۱۶۰۰ء میں السَّاس کی خانقاہ سے ایک اشتہار شائع کیا گیا۔ اس میں بھی بیسویں صدی میں انہی نئی نئی چیزوں کے ساتھ جنگ ہونے کا ذکر تھا۔ کہ یہ لڑائی فرانس میں نہ ہوگی بلکہ ایک بڑے دریا (دریائے رائن) کے پار ہوگی۔ اس میں دشمن برباد ہو جائے گا۔

فرانسیسی پیشگوئیوں کا بھی ذکر ہے۔ جس میں ایک شہزادے کے آنے اور جرمنی کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کی خبر دی گئی ہے۔ نیز اس کو نقصان بہت اٹھانا پڑیگا۔ آخر میں وہاں ایک اور بادشاہ تخت نشین ہوگا۔

غرضیکہ ان سب پیشینگوئیوں میں ہٹلر اور جرمنی کی تباہی کا ذکر ہے۔

## روسی عورت

اس وقت روس میں عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق حاصل ہیں۔ وہاں کا مرد با تونی بے پروا اور غیر مستقل مزاج ہے لیکن عورت جو پہلے زمانہ میں ڈرپوک اور پست حال تھی اب مرد کی جگہ کام کر رہی ہے۔ حکومت اسے اسی لئے تسلیم کرتی ہے کہ اس کا کام مرد سے بہتر ہوتا ہے۔ اس کے ہونٹوں پر کام کام کا لفظ قائم ہے۔ وہ مرد کے مقابلہ میں کام سختی سے لیتی ہے۔ اور رشوت کی طرف بھی نہیں جھکتی۔ جب فیصلہ کرتی ہے یعنی عدالت میں بیٹھتی ہے تو انصاف کرتی ہے۔ جیوری کے طور پر مقدمہ کی سماعت کرتی ہے تو اس کے چہرہ سے توجہ اور متانت ٹپکتی ہے۔

روسی عورت کو مرد کے برابر اجرت ملتی ہے۔ وہ پادری۔ انجینیر۔ اور سپاہی بن سکتی ہے۔ وہ پولس میں بھی بھرتی ہو سکتی ہے

وہاں شادی آسان ہے۔ مگر طلاق بھی اسی قدر سہل ہے۔ بارہویں دن وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ اس بات کی شرم نہیں کہ باپ موجود ہے یا نہیں۔ لڑکی رجسٹرار کے دفتر میں جا کر مرد کا نام بتا دیتی ہے۔ معمولی سی تحقیقات کے بعد اُس شخص کی تنخواہ میں سے ایک رقم کٹ کر بچہ کے گذارے کے لیے دی جانے لگتی ہے۔ کبھی ایک بچہ کے گذارہ کے لیے دو دو تین تین مردوں کی مزدوری میں سے برابر کا حصہ کاٹا جاتا ہے۔ بچہ پیٹ میں ہی ہوتا ہے کہ حکومت اسے اپنا مال سمجھ کر اپنی نگرانی میں لے لیتی ہے۔ تندرست بچہ پر انعام دیئے جاتے ہیں اور اُس کو اس طرح پالا جاتا ہے کہ بڑا ہو کر وہ حکومت کا اس قدر غلام ہوتا ہے کہ وہ جو چاہے اس سے کام لے۔

## سونگ بہنیں

کسی کو خیال بھی نہیں آ سکتا کہ ایک باپ کی تین بیٹیاں سب کی سب اپنی شادیوں۔ اپنی لیاقتوں اور خوبیوں کی بدولت اپنے ملک کی قسمت پر اس قدر حاوی ہونگی کہ دنیا انگشت بدنداں رہجائیگی۔ لیکن سونگ بہنوں کا یہی قصہ ہے۔ جو ایک دلفریب افسانہ معلوم ہوتا ہے۔

سنہ ۱۸۹۰ء کا ذکر ہے کہ ایک ملاح چینی جس کے پاس کوئی جہاز نہ تھا۔ مگر دل میں کاروبار کا شوق تھا گردن جھکائے بالٹی مور (ریاست ہائے متحدہ امریکہ) کے شور و شغب والے بازاروں میں سے ہوتا ہوا چینی محلہ میں اپنی جھونپڑی کو جا رہا تھا۔ اُس وقت اس کا حال خستہ تھا۔ دنیا کی نعمتوں کی کمی تھی۔ مگر اولاد وافر تھی۔ تین لڑکیاں اور تین لڑکے اُس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ وہ یکساں محبت کرتا ہو اُس کے دل میں اُمنگیں تھیں۔ کچھ یقین تھا کہ دولت جلد میرے پاس آنی چاہیئے۔ اُسے غالباً کچھ اپنی کسی باطنی لیاقت کا یقین تھا کہ وہ بچوں میں بیٹھ کر اُن کی خاطر اس قسم کی ڈینگ مارا کرتا۔ مگر خدا کا کرنا کیا ہوا۔ ایک شخص نے اسے کام چلانے کے لئے کچھ روپیہ دیا۔ چارلی سونگ اور روپیہ گویا لازم و ملزوم تھے۔ اُس نے بنک کھولا اور چند ہی سال میں وہ دولتمند ہو گیا۔ اُسے اُس وقت کبھی خواب میں بھی یہ خیال نہ آیا ہوگا کہ اس کی ایک بیٹی چین کی قسمت کی مالک ہو گی۔ دولت ملتے ہی وہ بہتر جگہ منتقل ہو گیا۔ اور اُس کی بیٹیاں امریکہ کے بہترین کالج میں تعلیم پانے لگیں۔

سنہ ۱۹۰۵ء میں ڈاکٹر سن یٹ سن امریکہ آیا۔ اس کا مقصد اپنے خیالات کی اشاعت تھا۔ وہ امریکہ میں سارے متقدر اور بااثر چینیوں سے ملا۔ چارلی اور وہ ملتے ہی ایک دوسرے کے دلی دوست ہو گئے۔ چارلی ڈاکٹر کا پیرو کار بن گیا۔ جب چین میں انقلاب برپا ہوا تو چارلی نے بھی جس قدر ہو سکی مالی امداد دی۔ اس وقت وہ سب کے چین چلے گئے۔ ڈاکٹر نے چارلی کو اپنا مشیر بنا لیا۔

چارلی کی چھوٹی لڑکی چنگ لنگ اس وقت امریکہ میں طبابت اور علم سیاست کی تعلیم حاصل کر رہی تھی اس نے چینی عورتوں کی سی مردہ زندگی بسر کرنی اپنے لئے مشکل محسوس کی۔ وہ ملک کی آزادی میں حصہ لینا اپنا فرض سمجھتی تھی۔ چنانچہ وہ امریکہ سے آ کر ڈاکٹر کی پرائیوٹ سکرٹری بن گئی۔ اور چین کی خدمت و اصلاح میں ہمہ تن مصروف ہو گئی۔ اس کی بے نفسی اور حب الوطنی کے ساتھ ساتھ اُس کے حسن و جمال نے ڈاکٹر سن یٹ سن پر اس قدر اثر کیا کہ اُسے اُس کے بغیر زندگی کا ایک منٹ کاٹنا دشوار ہو گیا۔ لیکن وہ شادی شدہ تھا۔ اور چنگ صرف شادی کو پسند کرتی تھی۔ چنانچہ جب ڈاکٹر نے اپنی پہلی بیوی کو طلاق دیدی تو وہ اس کی زوجیت میں آ گئی۔

بڑی لڑکی آئی لنگ جب بی۔ اے ہوئی، اُس نے اپنے ایک ہم جماعت ڈاکٹر کنگ سے شادی کر لی۔ وہ نانکن کی وزارت میں وزیر مال ہے۔ دوسری لڑکی مائی لنگ آج کل کے مشہور چینی حکمراں و سپہ سالار چیانگ کائی شیک کی مشہور بیوی ہے۔ جس نے تمام دنیا میں اپنی شخصیت کا تہلکہ مچا رکھا ہے۔

تینوں بہنوں کی خوبی اُن کی کامیاب زندگی نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا باعث اتفاق یا قسمت ہو سکتی ہے۔ ان کی شخصیت ان کا ذہن رسا اور جرات ہے۔ اُنھوں نے محض بیویاں بننے پر قناعت نہیں کی۔ تینوں نے ملک و قوم کی بہترین خدمات انجام دینے کی انتہائی کوششیں

گیں۔ انھوں نے اپنے آپ کو ملک کے لئے کارآمد بنایا۔ آج چین میں موجودہ تعلیم زوروں پر ہے۔ اور حفظان صحت کا عمل دخل ہے۔ شرح اموات گر گئی ہے۔ افیون کی تجارت بہت کم ہے۔ یہ سب کچھ ان تینوں بہنوں کی مساعی حسنہ کا نتیجہ ہے۔ انھوں نے مدرسے شفاخانے اور فنون گاہیں کھولیں۔ تجارت و کاروبار کو ایک سکہ جاری کرکے فروغ دیا۔ ملک میں متحرک تصاویر اور ریڈیو جاری کئے۔ جرائم کا قلع قمع کیا۔

۱۹۲۵ء میں سن یت سن مرگیا۔ چنگ لنگ اپنے ملک کی بیواؤں کی طرح گوشۂ تنہائی میں نہیں بیٹھی۔ اپنے شوہر کی آج بھی وہ پہلے کی طرح سوگوار ہے۔ مگر وہ برابر ملکی، سیاسی کام انجام دے رہی ہے۔ ملک نے رسم و رواج کی اس خلاف ورزی کو بُرا مانا تو مانا۔ ان بہنوں کا ہی اثر ہے کہ چین روس کی دوستی کا دم بھرتا ہے۔ اس لئے نہیں کہ انھیں بالشوزم پسند ہے۔ بلکہ محض اس لئے کہ انھیں ایک رفیق کی ضرورت ہے۔ میڈم چیانگ کائی شیک کے چہرہ میں مردانہ روشنی پائی جاتی ہے۔ جو دیکھتے دیکھتے دلفریب نسائی مسکراہٹ میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ پیرس سے جدید ترین فیشن کے لباس منگا کر پہنتی ہے۔ اور سنگھاری اشیا کا خوب استعمال کرتی ہے۔

اُس نے اپنے شوہر کو عیسائی بنالیا۔ جب وہ پہلے پہل اس سے ملی۔ اس وقت اس کی بھی پہلی بیوی موجود تھی۔ جب اُس نے اُسے طلاق دیدی تو اس نے اس سے شادی کی۔ اس وقت جرنیل بہت کم خواندہ تھا۔ اس میں آج کل کی سی جرأت اور ہمت نہ تھی آج وہی بہت کچھ تعلیم یافتہ ہے۔ اس کی بیوی غیر ممالک کے سفیر کے سامنے ترجمان کا کام دیتی ہے۔ وہ اخباری نمائندوں کو خود بیان دیتی ہے۔ اور اپنے شوہر کا کھانا اپنے ہاتھوں سے پکاتی ہے۔ کیونکہ اسے زہر دیئے جانے کا ہر وقت خدشہ رہتا ہے جب اس کے شوہر کو باغی اُڑا لے گئے۔ وہ باغیوں میں ہوائی جہاز کے ذریعہ پہنچی۔ اور اس خوبی سے ان سے نامہ پیام کیا کہ ۲۰ گھنٹے میں اپنا شوہر آزاد کرالیا۔

میڈم کنگ آئی لنگ اپنے شوہر کی طرح ماہر مالیات ہے۔ اسی کے اثر سے لندن میں اس کے شوہر کو دس کروڑ ڈالر کا قرضہ مل سکا تھا۔ جاپان سے جنگ شروع ہونے کے وقت سے تینوں بہنیں ملکی خدمات ہر نوع انجام دے رہی ہیں۔

میڈم کائی شیک اچانک محاذ جنگ پر پہنچ کر گولہ بارود اسلحہ وغیرہ کا معائنہ کراتی ہے۔

تینوں بہنوں کے تذکرے اور مثال سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کے لئے کوئی کام ناممکن نہیں۔ عورت کو موقع ملنا چاہیئے وہ انسانی جد و جہد کے میدان میں معجزنمائی کرسکتی ہے۔ یہ امر چین کی عورتوں پر منحصر نہیں۔ ہر ملک کی عورتیں ترقی و ارتقا کے مدارج بخوبی طے کرسکتی ہیں۔

## ٹکٹوں کا شوق

ٹکٹ جمع کرنے کا شوق شاہی شوق سمجھا جاتا ہے۔ بات بھی یہی ہے کہ بادشاہ بھی اسی شوق میں مبتلا ہیں۔ شاہ جارج پنجم کے پاس ٹکٹوں کی سو جلدیں تھیں جن میں عمدہ عمدہ ٹکٹ جمع ہیں۔ انھوں نے ایک دفعہ اپنے ایک دوست کو لکھا کہ اسی سے مجھے زندگی کی بہترین خوشی حاصل ہوتی ہے۔ ڈیوک آف ونڈسر یعنی سابق شاہ ایڈورڈ ہشتم اور شاہ پنجم ششم کو کناڈا میں اُس ملک کے کل ٹکٹوں کا مجموعہ نذر کیا گیا تھا۔ انھوں نے بڑے شوق سے اسے اپنے ذخیرہ میں شامل کرلیا۔ الفانسو یعنی شاہ ہسپانیہ اور ڈیوک آف وڈن برگ کے ذخیرے بھی قیمتی ٹکٹیں۔ شاہ فواد والئے مصر نے ایک انگریز ماہر اپنے ذخیرہ کی نگرانی کے لئے ملازم رکھا تھا۔ جاپان کے شہزادے ہرو یا سو کو بھی ٹکٹ جمع کرنے کا شوق ہے۔ اطالیہ بلجیم اور رومانیہ کی ملکاؤں اور ولیعہد سویڈن کو بھی ٹکٹوں کا شوق ہے۔

## بیماری سے دولت

ایک بیمار لڑکی نے اپنی بیماری کے بستر کو کارخانہ بنایا - سوئی تاگہ اپنے اوزار بنائے - اور اب اس کے ماتحت آٹھ سو آدمی کام کر رہے ہیں - اور وہ اس قدر دولت مند ہے کہ جو چاہتی ہے کرتی ہے۔ اور بڑے سے بڑے آرام کے ذرائع اپنے سفر میں استعمال کرتی ہے - وہ نیویارک رہتی ہے - نام مسز الفریدہ حتہ ہے - اس نے ملاقات کے دوران میں ایک اخباری نمایندہ سے کہا کہ میں نہیں جانتی میری ترقی کا راز کیا ہے - بس معاملات درست ہوتے ہی چلے گئے - میں سال بھر تک بیماری کی وجہ سے بستر سے لگی رہی - اس بیکار زندگی سے میں تنگ آ گئی - ایک روز میں نے وقت کاٹنے کے لئے سوئی تاگہ سے کام لیا اور ایک نکٹائی کے حسب حال ایک جمپر تیار کر ڈالا - میری ایک ملنے والی آئی وہ غالباً میری کاٹ اور سلائی سے ایسی خوش ہوئی کہ اس نے مجھ سے اپنے لئے کچھ کپڑے تیار کرنے کی خواہش کی نتیجہ یہ ہوا کہ ۳ ۱/۲ ہزار نفوس کی آبادی والے قصبہ میں میری کاٹ کی تعریف پھیل گئی - جب تک میں اچھی ہو کر چلنے پھرنے کے قابل ہوئی میرے ماتحت ۱۵ شخص کام کر رہے تھے - اور میلوں تک گھر والیاں مجھ سے کام لینے کی دوڑ دھوپ میں رہتی تھیں - تندرست ہوتے ہی میں نے ایک لباس فروش کے پاس ملازمت کر لی - دو سال کے عرصہ میں مجھے اتنی زیادہ تنخواہ ملنے لگی کہ آس پاس کسی کو نہ ملتی تھی - بعد میں دو دوستوں کی مدد سے نیویارک میں میں نے اپنی دوکان جاری کر دی - دوکان نے اتنی ترقی کی کہ خواب و خیال میں نہ تھا -

## پھلجھڑیاں

۴۳ سال ہوئے ایک عورت نے روزانہ اپنی بہنوں کو خط لکھنے کی قسم کھائی - اب اس کی عمر ۶۵ سال ہے - اب تک ۰۹۸۰۲۷ خط لکھ چکی ہے - جن میں ۰۰۶۹۵۴۱ لفظ استعمال ہوئے - ۱۰۱۴ سیاہی کی شیشیاں خالی ہوئیں اور ٹکٹوں پر ۸۰۵۸۵ روپیہ خرچ کر چکی ہے -

انگلستان میں رات کے وقت ایک کھڑکی سے روشنی آ رہی تھی - پولس کا سپاہی وہاں گیا اور گھر والی سے کہا کہ آج کل جنگ ہے یعنی یہ روشنی کیسی؟ اندھیرا ہونا چاہئے - عورت نے حیرت سے پوچھا کیسی جنگ؟ وہ اخبار نہیں پڑھتی تھی اور اسے معلوم بھی نہ تھا کہ جرمنی سے جنگ ہو رہی ہے

انگلستان کے ایک شفاخانہ میں ایک دو ہفتہ کی بچی لائی گئی - ماں نے ڈاکٹر سے کہا کہ اس کے بڑھے ہوئے پیٹ کا علاج کرے - عکس ریز شعاعوں سے اس کے پیٹ میں پانچ ماہ کا بچہ معلوم ہوا جراحی سے سیر بھر وزن کا ادھ بنا بچہ نکالا گیا - بچی اچھی ہو کر شفاخانہ سے خارج کی گئی اس سے پہلے شفاخانہ کی تاریخ میں ایسے دو واقعات مشاہدہ میں آ چکے ہیں - ان میں کا آخری سنہ ۱۹۱۲ء میں تھا -

جاپان چند ماہ تک اپنی مسلسل ۲۶ ہزار برس کی حکومت کی سالگرہ منانے والا ہے - موجودہ بادشاہ ہیرو ہیٹو ۱۲۳ واں حکمراں بتایا جاتا ہے - وہاں کی روایت کے مطابق جموں شنو دیوتاؤں کا بیٹا ۰۶۶ قبل مسیح تخت پر بیٹھا - ہیرو ہیٹو براہ راست اور بلا شکست اسکی اولاد ہے

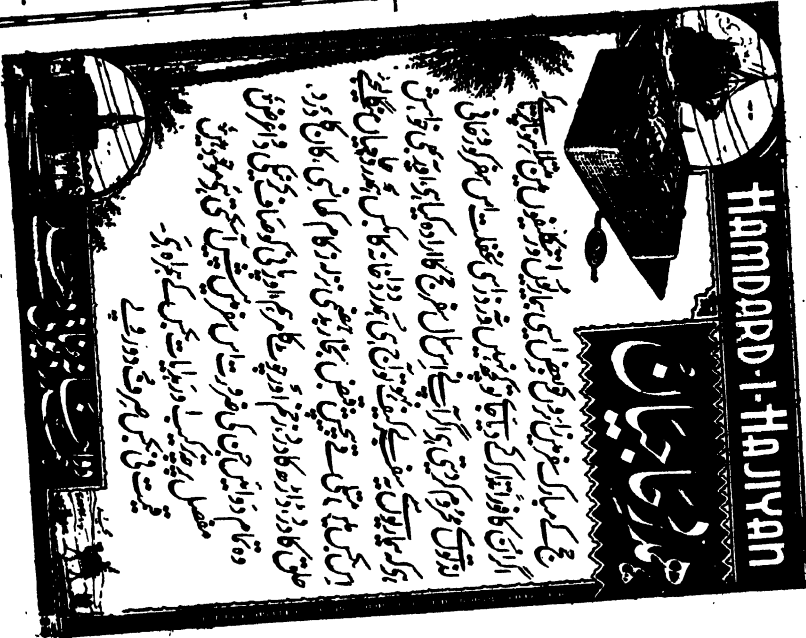
تاشقند کے ایک ملا کو اپنی خوبصورت بیوی کو کھلیان میں زنجیرے باندھنے پر کہ کوئی مرد اسے دیکھنے نہ پائے دس سال کی قید ہوئی - تین سال تک وہ اسی حالت میں بندھی رہنے کی وجہ سے پاگل ہو گئی -

پولینڈ کے ایک قمار باز نے اپنے اوپر لاٹری لگائی ہے - انعامی نمبر حاصل کرنے والی لڑکی سے وہ شادی کرے گا - بشرطیکہ وہ تیس سال سے زیادہ کی نہ ہوئی - اور نہ اس کے بال بھورے ہوئے -

ہٹلر کے پیدائشی شہر کے عجائب خانہ میں سترہویں صدی کی ۸ فٹ ۹ انچ لمبی داڑھی نمایش کے لئے رکھی ہے - یہ داڑھی وہاں کے ایک آدمی کے پاؤں تک پہنچ گئی - ایک روز اس کا پاؤں اس میں الجھا کہ اس کی گردن ٹوٹ گئی - اس کے عزیزوں نے دفن کرنے سے پہلے اس کی داڑھی صحیح و سالم مونڈ کر یادگار کے طور پر رکھ لی -

دنیا میں سب سے چھوٹے کتے میکسیکو میں پائے جاتے ہیں پوری عمر کو پہنچ کر چوہے کی برابر رہتے ہیں اور ایک کی قیمت ۵۰ پونڈ ہوتی ہے -

محمد ظفر


HAMDARD-I-HAJIYAN
ہمدرد حاجیان

# بزم عصمت

بزم عصمت میں صرف وہی خطوط درج کئے جاتے ہیں
جن میں نمبر خریداری کا حوالہ ہو (۲) خط بہت مختصر ہو (۳)
وہی استفسار نہ ہو جس کے جوابات عصمت میں پہلے بھی شائع
ہو چکے ہیں (۴) رسالہ کے انتظامی امور یا مضامین کے بارہ
میں کوئی بات نہ ہو (۵) علیحدہ کاغذ پر روشن سیاہی سے لکھا
ہوا ہو۔

ایڈیٹر

نہایت مسرت و انبساط سے عصمتی بہنوں کو مطلع کرتی ہوں
کہ عصمت کی پرانی خریدار میری سب سے چھوٹی نند مس رقیہ مفتی
کی شادی سید ریاض الحسن صابرنی کے ساتھ بروز ہفتہ مورخہ ۹ ستمبر کو
بطریق شرعی بحسن و خوبی انجام پذیر ہوئی۔ یہ خوش قسمت جوڑا
آج کل ڈائمنڈ ہار کلکتہ میں نئی زندگی کے دن ہنسی و خوشی سے
گذار رہا ہے۔ دعا ہے خدائے قدوس یہ سنجوگ فریقین کو مسعود
مبارک کرے۔ آمین۔

مسز مفتی۔ کلکتہ ۹۵۳۰ع

بہن طاہرہ بیگم مرزا بیگ صاحب اٹاوہ نے عصمت مئی ۱۹۳۹ء
کے بزم عصمت میں روغن بینظیر کا ذکر فرمایا تھا۔ اگر کسی بہن نے
استعمال کیا ہو تو مہربانی فرما کر یہ لکھنے کی تکلیف گوارا فرمائیں کہ
یہ تیل کمزوری دماغ کے لئے کیسا ہے؟ کسطرح کا نقصان تو نہیں
پہونچایا۔ کیونکہ مجھے کمزوری دماغ کی بے حد شکایت ہے ایک
ایک نقطہ کو ہزار بار یاد کرتی ہوں مگر یاد نہیں رہتا۔

ایک ضرورت مند

میرے سر کے بال جن کی صحت اور وسعت خاصی اچھی تھی
کچھ عرصہ سے عجیب مصیبت میں گرفتار ہیں وہ یہ کہ ہر سال جس قدر بال
بڑھتے ہیں ماہ جون سے لے کر اکتوبر تک تمام گر جاتے ہیں یہاں تک
کہ بالشت ڈیڑھ بالشت کی چوٹی رہ جاتی ہے جب کہیں گرنے
بند ہوتے ہیں۔ کوئی بہن برائے مہربانی کسی ایسی تدبیر سے مطلع
کریں جو اس آفت سے نجات ملے۔ اور میرے بال خوب لانبے اور
گھنے ہو جائیں۔ مکرر یہ کہ میں آنولہ اور ناریل کا تیل استعمال کرتی ہوں

خریداری نمبر ۹۵۰۷

بہن مسز حمید لکھنوی کی خدمت میں عرض ہے کہ انھوں نے نومبر
کے عصمت میں سنگھاری چیز کا استعمال کے عنوان سے جو مضمون لکھا ہے
اس میں انھوں نے ابٹن بنانے میں ابٹنہ کا مصالحہ کیا چیز لکھی ہے
یہ کن چیزوں سے تیار کیا جاتا ہے یا تیار ملتا ہے مفصل ترکیب تحریر
کر کے مشکور فرمائیں۔ نیز اگر کوئی بہن سکاتی کے درخت کو جانتی ہوں
تو مطلع فرمائیں کہ کیسا ہوتا ہے اور اس کی کیا شناخت ہے۔

خریداری نمبر ۹۹۷

نومبر کے پرچہ عصمت میں ایک خریدار بہن نمبر ۷۶۹۷ نے
چہرے کی جھریاں اور سیاہی دور کرنے کے لئے استفسار کیا ہے
بہن صاحبہ گلشن سٹور کپورتھلہ سے "حسن افزا کریم" اور "حسن افزا
پاؤڈر" منگوا کر استعمال میں لائیں۔ خاطر خواہ فائدہ ہوگا۔
کچھ عرصہ باقاعدہ استعمال کرنے سے کالے مہاسے بھی دور ہو جاتے
ہیں۔ میرا اپنا آزمودہ ہے۔

مسز شیخ محمد رفیق کپورتھلہ خریدار نمبر ۳۱۳

الومونیم پینٹ کا نسخہ کسی بہن نے دریافت کیا ہے۔
میں نے کتاب صنعت و حرفت میں بھی دو نسخے لکھے ہیں مگر کتاب
یہاں میرے پاس نہیں ہے۔ جو نسخے میں نے اس میں لکھے
ہیں وہ مجھے یاد نہیں ہیں۔ یہ نسخہ میرا آزمودہ ہے۔
چولھا جلانے والی سپرٹ۔ ایک بوتل۔ اس کو دو حصوں
میں کر لیں۔ ایک حصہ میں چپڑا لاکھ ایک چھٹانک ڈال دیں۔
دوسرے دن حل ہو جانے پر کپڑے میں سے مل کر چھان لیں۔
دوسرے حصہ میں ایک چھٹانک رال یہ تارپین کے تیل کی تلچھٹ
ہوتی ہے۔ حل ہو جانے پر کپڑے میں چھان لیں۔ دونوں کو ملا کر
اس میں الومونیم پاؤڈر ملا دیں مگر اتنا ملائیں کہ بہت گاڑھا نہ ہو جائے
اب بجائے ایک کوٹ دینے کے دو کوٹ اچھے ہوں گے۔ یہ الومونیم
پینٹ بہت جلد خشک ہو جاتا ہے۔

امت الحفیظ

# جو عورتیں اولاد سے محروم ہیں

## ان کے ہاں بھی اولاد ہو سکتی ہے

نئے زمانہ کی سائنس نے جہاں اور بہت سے کرشمے دکھلائے ہیں وہاں یہ بات معلوم کر کے بھی ہماری ہندوستانی بہنوں کو بے حد خوشی ہوگی کہ اب نئے زمانہ کی اس سائنس کی بدولت بے اولادی کے صدمے عورتوں کو برداشت کرنے نہیں پڑیں گے یعنی اگر کسی بہن کی شادی کو عرصہ گزر گیا ہو اور کسی سبب سے اولاد نہ ہوتی ہو تو اب اولاد ہو سکے گی۔ سائنس کے اصولوں پر تیار کی ہوئی دوا "**محافظ اولاد**" کا گزشتہ بارہ سال سے نہایت کامیاب تجربہ ہو رہا ہے بعض عورتوں کی شادیوں کو پچیس اور تیس سال گزر چکے تھے مگر اس عجیب و غریب دوا یعنی محافظ اولاد نے ان مایوس عورتوں کو بھی صاحب اولاد بنا دیا۔ اس حیرت انگیز اور قابل فخر دوا کی ایجاد کا سہرا دہلی کے مشہور و معروف زنانہ دواخانہ کے سر ہے۔ اور امید ہے کہ عنقریب کسی بین الاقوامی مقابلہ میں اس دوا کو رکھ کر ساری دنیا کو ثابت کیا جائے گا کہ اس مقصد کے واسطے محافظ اولاد دوا کتنی حیرت خیز چیز ہے۔

دوا "**محافظ اولاد**" ہدایات کے مطابق مسلسل سات روز تک استعمال ہوتی ہے (جس کی مفصل ہدایات دوا کے ساتھ ہوتی ہیں) اور اس کے بعد خدا تعالےٰ کی طرف سے مہربانی ہو جاتی ہے۔ اور آئندہ سال ایک جیتا جاگتا کھلونا مایوس ماں کی گود میں ہوگا۔

یہ وہ شاندار تجربہ ہے جو سالہا سال سے ہندوستانی اطبا، اور ڈاکٹروں کو حیران کر رہا ہے۔ اور ہر شخص محافظ اولاد دوا کے اس حیرت انگیز اثر کو دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ زنانہ دواخانہ دہلی کے ریکارڈ میں اس عجیب و غریب دوا کے متعلق لاتعداد سارٹیفکٹ موجود ہیں لہذا اعلان کیا جاتا ہے کہ عصمتی بہنوں میں سے اگر کوئی بہن اولاد سے محروم ہوں تو انہیں چاہیئے کہ وہ **لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ ۲۴ دہلی** کے پتہ پر ایک کارڈ لکھ کر دوا محافظ اولاد کی ایک شیشی بذریعہ وی پی پارسل منگالیں۔ ایک شیشی میں ایک عورت کے لئے پوری سات خوراک دوا ہوتی ہے۔ ایک شیشی کی قیمت دو روپیہ آٹھ آنے (۲/۸) ہے۔ اور پارسل پر سات آنے (۷/) خرچ ہوں گے۔

# دوربین

**حالاتِ جنگ:-** جرمنوں کو یقین دلایا گیا تھا کہ پولینڈ کی فتح کے بعد جنگ ختم ہو جائے گی مگر جنگ برابر جاری ہے۔ علاوہ ازیں پولینڈ سے جو سپاہی گھر پہونچے انھوں نے کچھ ایسے پر وحشت حالات بتائے ہیں کہ جرمنوں میں خوف و ہراس پھیل گیا ہے کہ دیکھئے لڑائی کا کیا انجام ہو۔ مزدوروں میں ناقص غذا اور لباس کی وجہ سے اشتراکیت پھیلتی جا رہی ہے اور فوجی افسروں میں شاہ پسندی بڑھتی جا رہی ہے۔ کئی بڑے بڑے فوجی افسر اسی وجہ سے نظربند کر دئے گئے ہیں حتیٰ کہ سابق ولیعہد جرمنی بھی حراست میں لے لیا گیا ہے۔ ہٹلر نے سابق قیصر کو آگاہ کر دیا ہے کہ اگر اس موقع پر وہ یا اس کا کوئی عزیز کسی سیاسی جدوجہد میں حصہ لے گا تو اس کی جائیداد کی آمدنی جو جرمنی سے اسے ملتی رہتی ہے روک دی جائے گی۔ لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس قسم کی دھمکیاں موثر ثابت نہ ہونگی جرمنی میں قیصر کی حمایت بڑھتی جا رہی ہے۔ ہٹلر پر ریشتاغ میں بم پھینکا گیا۔ وہ خاص وقت پر پھٹنے والا بم تھا۔ اتفاق سے ہٹلر وقت سے پہلے تقریر ختم کر کے چلا گیا۔ بم پھٹنے پر بہت سے آدمی زخمی ہوئے اور کئی مارے گئے۔ اب ہٹلر کسی غیر معلوم مقام کو چلا گیا ہے۔

بحر اوقیانوس میں جرمنی کی آبدوز کشتیاں برابر مصروف غارتگری ہیں اور انگریزوں کے متعدد جہاز ڈوب چکی ہیں۔ جرمنی کے ہوائی جہاز کئی مرتبہ انگلستان کے ساحلوں پر حملہ آور ہوئے مگر انھیں بھگا دیا گیا۔ انگریزی طیارے برین ہیمرگ تک گئے اور بخیریت واپس آ گئے۔ بار بار خبر اڑتی ہے کہ جرمنی عنقریب مغربی محاذ پر زبردست حملہ کرے گا لیکن کوئی حملہ نہیں ہوا۔ بارش شروع ہو گئی اور کیچڑ جگہ جگہ نظر آنے لگی۔ ہالینڈ اور بلجیم کو اپنی آزادی کا خطرہ لگا ہوا ہے۔ وہ مدافعت کی تیاریوں میں معروف ہیں۔ انھوں نے اتحادیوں سے صلح کر لینے کی تحریک کی۔ اتحادی جرمن کو تباہ نہیں کرنا چاہتے۔ البتہ جرمنی کی بین الاقوامی زبردستیوں کو پسند نہیں کرتے۔ وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ جرمنی جو بدعنوانیاں کر چکا ہے ان کی تلافی کر دے اور اپنے دبائے ہوئے ملکوں کو بحال کر دے۔ ہٹلر بظاہر بے پروائی سے صلح کی تجاویز سنتا ہے گو خیال یہ ہے کہ بلجیم اور ہالینڈ سے تحریک اسی نے کرائی تھی۔

روس کی چیرہ دستی بڑھتی جا رہی ہے۔ فن لینڈ مضطرب ہے۔ بالٹک کی دیگر ریاستیں سب کی سب روسی اقتدار میں آ گئی ہیں۔ جرمنی کا روس کو اپنے ساتھ ملانے کا جو مقصد تھا فوت ہو گیا ہے۔ روس نے اسے کسی قسم کی امداد دینے سے انکار کر دیا ہے۔ اٹلی بھی اس کے اقتدار کو پریشانی سے دیکھ رہا ہے۔

جرمنی کی بدقسمتی کے دن آ چکے ہیں۔ نازی افسروں میں پھوٹ پڑ چکی ہے۔ ہر طرف بغاوت کے آثار ہیں۔ جرمنی کا سابق کمانڈر انچیف گرفتار کر لیا گیا اور بعد میں گولی سے اڑا دیا گیا۔ اس شخص نے جنگ عظیم میں کارنمایاں کئے تھے اور جرمنی کی سپاہ مرتب کرنے میں اس کا بڑا ہاتھ تھا۔ ہٹلر اپنے سایہ سے ڈر رہا ہے۔ بے شمار فوجی افسر گرفتار کر لئے گئے ہیں۔ زیکوسلاویکیہ میں ہزاروں زیک گرفتار کئے جا چکے ہیں۔ ۱۲۰ طلبا کو پھانسی دیدی گئی۔ کالج تین سال کے لئے بند کر دئے گئے۔

جرمنی کی سرنگوں سے ہالینڈ کا ایک بڑا جہاز ٹکرا کر غرق ہو گیا۔ بہت سے آدمی غرق ہو گئے۔ بچائے ہوئے مرد، عورتیں بچے جب انگلستان پہونچائے گئے ان کی حالت دیکھ کر رونا آتا تھا۔ قیصر نے ملکۂ ہالینڈ کے پاس اس سانحہ پر ہمدردی کا پیام بھیجا ہے۔ دنیا نے جرمنی پر نفرین کا اظہار کیا ہے۔

جرمنی جاپان کو نوٹس کرنے کے لئے کوشاں ہے کہ وہ چین کی مدد نہ کرے مگر روس برابر چین کو اسلحہ وغیرہ سے امداد پہونچا رہا ہے۔